جلد 1/6

بیان الامامت

ترجمہ و تشریح

نہج البلاغہ

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام

خُطبات (1 – 16)

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

جلد 1/6

(بیان الامامت)

ترجمہ و تشریح

نہج البلاغہ

آمیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام

خُطبات (1 - 16)

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

جُملہ حقوق بحق مُصنف محفوظ

نام کتاب	:	بیان الامامة (ترجمہ و تشریح نہج البلاغۃ)
مترجم	:	الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد) ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس
جلد	:	اوّل
طبع	:	دوم
سنِ اشاعت	:	2018
تعداد	:	500
قیمت	:	

****

صفحہ نمبر	عنوان	خطبہ نمبر: مفتی جعفر حسین	خطبہ نمبر: علی نقی طہرانی	خطبہ نمبر: (محمد احسن زیدی)	نمبر شمار
41	حمدِ خداوندی کا طریقہ؛ ذاتِ خداوندی سے تعارف؛ صفاتِ خداوندی کا صحیح استعمال؛ تخلیقِ کائنات، تخلیقِ آدم، کعبۃ اللہ اور حجِ بیت اللہ۔	1	1	1	1
126	اللہ کی حمد و ثنا کیوں ضروری ہے؟ ''مقام آلِ محمدؐ ''علوم خداوندی اور دین کا ذخیرہ ہے؛ حقِ حکومت و ہدایت آلِ محمدؐ میں محدود ہے؛	2	2	2	2
161	غاصبانِ حکومتِ خیرُ البشر، قریشی حکومت و جاہ و جلال کی قیمت علیؑ کی نظر میں، علیؑ نے خلافت کیوں قبول کی؟ عہدِ خداوندی،	3	3	3	3
403	محمدؐ و آلِ محمدؐ باعث ہدایت و نجات ہیں؛ نوعِ انسان کو ارتقا کی بلندیوں پر لے جانے والے ہیں؛ علیؑ صراط مستقیم پر برابر سنگ میل کی طرح سامنے کھڑے رہے؛ علیؑ حق و باطل کے دوراہے پر کھڑے ہوئے راہنمائی فرما رہے ہیں؛	4	4	4	4
437	عہد رسالتؐ میں پیدا ہونے والے فتنوں کا بحر مواج عہد مرتضوی میں تباہ کاریاں مچا رہا تھا اور فتنوں کے سیلاب سے گزرنے اور اُسے ناکام کرنے کے لئے نجات کی کشتیاں برسر کار آ گئی تھیں۔	5	5	5	5
458	حاکم و خلیفہ تسلیم کر لینے والے اگر مسلح بغاوت کریں اور امن عامہ کو درہم برہم کریں تو اُن سے آخری سانس تک جنگ جائز ہے؛ غداری کرنے والے خواہ مسلمان ہوں اُن کو تلوار کی دھار پر رکھنا عین تعلیمات اسلام کے مطابق ہے؛	6	6	6	6
464	قریش کا اسلام اور توحید پرستی ابلیس کے اصولوں کے ماتحت اور اُس کی تعلیمات کے عین مطابق تھی؛ ابلیس نے قریش کو اپنا نمائندہ بنا کر اپنا مشن اُن کے سپرد کر دیا تھا؛	7	7	7	7
507	خلیفہ مان کر مجمع عام میں بیعت کر کے معاہدہ شکنی کرنے والے صحابہ پر تنقید؛ بیعت کرنے کے بعد مخالفت کرنے والوں سے دلیل کا مطالبہ؛	8	8	8	8
540	سنجیدگی اور دانش کا دوسرا نام علیؑ ہے۔ گیدڑ بھبکیاں بزدلی کی شناخت ہے۔	9	9	9	9

نمبر شمار	خطبہ نمبر: (محمد احسن زیدی)	خطبہ نمبر: علی نقی طہرانی	خطبہ نمبر: مفتی جعفر حسین	عنوان	صفحہ نمبر
10	10	10	10	ابلیسی حملے کی تیاریوں پر تنبیہہ اور تباہ کن انتظام؛ علیؑ کو ہرگز فریب نہیں دیا جا سکتا۔	547
11	11	11	11	دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے جنگ کا طریقہ: پہاڑ کی طرح جم کر کھڑا ہونا اور دشمن کی آخری صفوں پر نظر رکھنا؛ سر و سینہ اور جان اللہ کو سپرد کر دینا؛ افواج کی کثرت کو حقیر سمجھنا؛ نصرتِ خداوندی پر یقین رکھنا۔	548
12	12	12	12	قیامت تک پیدا ہونے والے تمام دوستدارانِ اہلبیتؑ حضرت علی علیہ السلام کے انصار اور مجاہدین میں شریک وشمار ہیں۔	552
13	13	13	13	عائشہ، طلحہ اور زبیر کی اور جنگ جمل میں ان کے مددگاروں کی حالت اور مذمت؛ بصرہ اور اہل بصرہ کی پوزیشن، اُن کو نصیحت اور تنبیہہ کے ساتھ ساتھ مذمت۔	560
14	14	14	14	بصرے کا جائے وقوع سطح سمندر سے نیچے تھا۔ اس لئے سمندری طوفان کے پانی کی زد میں فرمایا تھا اور سطح مرتفع کی بہ نسبت آسمان سے دُور فرمایا۔	607
15	15	15	15	حقوق انسانیت کا علمبردار۔ قیام عدل کی انتہائی حدود۔ تقسیم دولت و وسائل کا طریقہ۔	610
16	16	16	16	حضرت علیؑ اپنے منہ سے نکلنے والی ہر بات کے لئے ذمہ دار ہیں۔ آپؑ کو تمام حالات و واقعات اور حادثات کی پہلے سے اطلاع اور علم حاصل تھا۔ آپؑ نے خلافِ واقعہ کوئی بات کی ہی نہیں نہ کبھی جھوٹ بولا نہ حقائق کو پوشیدہ رکھا۔ مومنین کے لئے فوری اقدامات کیا ہیں؟	681

☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

بیان الامامت

ترجمہ و تشریح

نھج البلاغۃ

خُطباتِ امیرالمومنین علیہ السلام

(جلداوّل)

الفقیہ الحکیم السّید مُحمد اَحسن زیدی(مجتھد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ٥

ابتدائیہ

نہج البلاغہ کا تعارف

مرتضوی خطبات ومکتوبات ورُقعات کا عام فہم بامحاورہ اور بے باک و بے لاگ ترجمہ وتشریح

1- ہمارے احساسات ومشاہدات:

نہج البلاغہ کے کئی ایک تراجم چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔اُن میں ہمارے ترجمہ کا اضافہ بظاہر نظرایک فضول کوشش معلوم ہوگی۔لیکن ہمارے احباب کہتے ہیں کہ وہ تمام تراجم محض تاجرانہ اور خالص عالمانہ اصول پر مارکیٹ میں لائے گئے ہیں۔اُن تراجم میں ہرمترجم نے اپنے اپنے تصورِ مذہب کو حضرت علی علیہ السلام کی زد سے بچانے کے لئے دیباچوں، حاشیوں،مقدموں اورمن مانے بریکٹوں کا جو ہنگامہ برپا کررکھا ہےاس میں ایک عام قاری گم ہوکررہ جاتا ہےاورمنشائے مرتضوی سے مستفید ہونے کے بجائے مترجمین کی بحثوں میں اُلجھتا چلا جاتا ہے۔جگہ جگہ غیر مانوس الفاظ،جناتی اصطلاحات اوردماغ کوسُن کردینے والے فقرات کوسمجھنے کی کوشش کرتے کرتے آخروہ سوجاتا ہے۔اورکئی کئی روز تک دوبارہ نہج البلاغہ کوچھونے کی ہمت نہیں کرتا۔

جب سے ہمارے احباب نے خطبہ نمبر 225 (مفتی جعفرحسین) ''دربارۂ عمر'' کے حقیقی معنی سنے ہیں برابر تقاضا کررہے ہیں کہ آپ نہج البلاغہ کا ایسا ترجمہ کریں جو عوام الناس کی عقلی سطح کے مطابق ہو۔جس کو سننے والا ان پڑھ،اُردو بولنے والا بھی سمجھ سکےاوراپنی روزمرہ کی ضروریات اورمذہبی تصورات کی اصلاح اوراستفادہ کرسکے۔جوامام علیہ السلام کے بلیغ ودقیق وعمیق وبلندترین کلام کوعوامی سطح پرسیدھی سادی اُردو میں بلاکم وکاست سمجھا سکے۔جس میں ذاتی وجماعتی وقومی ومذہبی مصلحتوں کو نظرانداز کرکے وہی کچھ پیش کردیا جائے جوحضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

2- ہماری بے بضاعتی

مندرجہ بالا شرائط اورضرورت پرپورا اُترنے والا ترجمہ کرنے کے لئے جس علم وفرصت اوروسائل کی احتیاج ہے وہ ہمیں فی الحال حاصل نہیں۔تاہم یہ وعدہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک طالب علم کی حیثیت میں ہم جتنا خود سمجھتے ہیں وہ نہایت دیانت دارانہ اوربے باکانہ اورحتی الوسع سادہ زبان میں پیش کردیں گے۔تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد ''منشائے مرتضوی سمجھ سکیں۔'' (نوٹ:یہ جملہ ٹوٹے ہوئے داہنے ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔یکم جولائی 1980 عیسوی)

3۔ نہج البلاغہ کیا ہے؟

جناب علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جہاد بالسَّیف اپنی افادیت اور غلبہ میں اپنی نظیر اور مثال نہیں رکھتا۔ اُسی طرح ان کا جہاد باللّسان بھی اپنی سحر آفرینی اور اثر انگیزی میں لاجواب ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں علی علیہ السلام نے ذاتِ خداوندی، مقام رسولِؐ کریم اور تشریحات قرآن مجید اپنے مخصوص انداز میں پیش کی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اسلام کے خلاف اُٹھنے والی تمام تحریکوں کا تجزیہ کیا ہے۔ اور قریش کے اغراض و مقاصد بیان کئے ہیں۔ اس طرح نہج البلاغہ ایک ایسی کتاب کی صورت میں سامنے آتی ہے جو نزول قرآن کے دوران اور بعد انتقالِ رسولؐ وقوع میں آنے والے تمام حالات اور واقعات کا دائرۃُ المعارف بن جاتی ہے۔ اس میں اہل عرب کی عموماً اور قریش کی خصوصاً اُن تمام اسکیموں، منصوبوں اور کاوشوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے جو اعلانیہ یا زیرِ زمین اسلام کی تخریب کے لئے جاری تھیں۔ یہ سب کچھ علی علیہ السلام نے اپنے خطبوں میں، خطوط میں اور لوگوں کے سوالات کے جواب میں ارشاد فرمایا اور پبلک نے ہاتھوں ہاتھ لیا، یاد کیا، قلم سے لکھا، سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں میں منتقل کیا۔ ادیب و شعرا اُن کے کلام سے مستفید ہوتے اور اپنی محفلیں گرم کرتے رہے۔ علما و ذاکرین، مذہبی واعظین اور سیاسی لیڈر اُن خطبات کو اپنا راہنما بناتے رہے۔ چوتھی صدی ہجری تک آپ کے خطوط اور خطبات سینکڑوں کتابوں میں جمع ہو چکے تھے۔

آخر وہ وقت آیا کہ حضرت رضی رضی اللہ عنہ نے شریعت سازوں اور تخریب کاروں کا راستہ روکنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے بعض خطبات وخطوط اور نصائح کو مذکورہ کتابوں سے ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع کیا اور اُس مجموعہ کا نام ادبی حیثیت سے نہج البلاغہ رکھا تاکہ ہر مسلم و غیر مسلم متوجہ ہو، اور مطالعہ کر کے نہ صرف ادبیات کے بام عروج پر جا پہنچے بلکہ ساتھ ہی اُس زمانہ کے اسلام نام کے مذہب کی حقیقت کا راز دان بھی بن جائے، اور جب اور جتنا موقع ملے اسلام کی صحیح اسپرٹ کو پیش کرے۔

4۔ نہج البلاغہ کی اثر انگیزی اور انقلاب خیزی

نہج البلاغہ کا ادیبانہ نام تعصب کے سامنے ایک دیوار رہا ہے۔ اور اسی بنا پر اُسے اپنے پرائے بے تکلف پڑھتے اور مستفید ہوتے آئے ہیں۔ نہج البلاغہ کے خلاف محاذ آرائی کو روکنے کے لئے علامہ رضی رضی اللہ عنہ نے اُن تمام خطبوں اور ریکارڈ کو اُس زمانے میں نہج البلاغہ میں نقل نہیں کیا تھا جن کو آڑ بنا کر اُس زمانہ کے شریعت ساز و دین کے ٹھیکیدار کاوٹ بن سکتے تھے۔ لیکن بعد کے علما نے رفتہ رفتہ نہج البلاغہ کو مکمل کر لیا اور اس کی تشریح وتوضیح میں بہت سی ضخیم کتابیں لکھیں۔ بعض بعض نے بیس بیس جلدوں میں کلام مرتضویؑ کی شروح لکھیں۔ اور آج تو عربی علوم مکمل ہی نہیں ہوتے جب تک نہج البلاغہ سے استفادہ نہ کیا جائے چنانچہ جامع ازھر، قاہرہ، مصر میں یہ کتاب نصاب کی سرتاج ہے۔ جن بیانات کو چھپانے اور جھٹلانے کیلئے بعض تخریب کاروں نے غلط تاویلات اور قصے گھڑے تھے آج اُن کو مصری و امریکی علما واشگاف الفاظ میں بیان اور تسلیم کر رہے ہیں۔ یہ زمانہ سائنس اور نہج البلاغہ کا زمانہ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے اور غربا و محنت کشوں کے ہاتھ میں عنانِ حکومت سونپنے کے لئے نہج البلاغہ میں مذکور نظام سے زیادہ موثر نظام نہ کارل مارکس نے

پیش کیا نہ لینن واسٹالن کی پرواز خیال وہاں تک پہنچی ہے۔ حالانکہ اُنہوں نے اسلام کو عموماً اور نہج البلاغہ کو خصوصاً اپنے نظاموں کی بنیاد بنایا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام خاص طور پر غربا اور مساکین اور محنت کشوں ومزدوروں اور عورتوں اور بے کسوں کے راہنما یا لیڈر تھے۔ وہ مظالم جو قریشی حکومتوں نے مسلسل اُنؑ کی اولاد پر کئے اور جس طرح ہر حکومت نے حضرت علیؑ کے خاندان کا استیصال کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ علیؑ واولادِ علیؑ سرمایہ دارانہ نظام کے کتنے بڑے دشمن تھے۔ آج جناب ابوذر غفاریؓ کو اسی لئے یاد کیا جارہا ہے کہ اُنہوں نے ایک ظالم وجابر وقہار حکومت سے ٹکر لی تھی اور نتیجہ میں انہیں مع زوجہ اور بچوں کے زندگی بھر کے لئے ربذہ کے ریگستان میں جلاوطن کیا گیا تھا۔ جب اُن کی بیوی اور بچے مدینہ سے رخصت ہو کر بقیہ زندگی ریگستان میں گزارنے کے لئے مدینہ سے نکالے جارہے تھے تو خلیفہ وقت نے ہر اس شخص کو مستوجب سزا قرار دے دیا تھا جو ابوذرؓ سے اظہار ہمدردی کرے یا انہیں رخصت کرنے کے لئے جائے۔ چنانچہ اسی لئے انہیں فوج کے پہرے میں رخصت کیا جارہا تھا۔ ایسی خطرناک صورتِ حال میں بھی حضرت علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نمائندہ، شریکِ کار اور دوست کو رخصت کرنے کے لئے مدینے سے باہر تک گئے۔ نگرانی کرنے والے فوجی دستے کے انچارج مروان بن الحکم نے مزاحمت کی۔ لیکن علیؑ نے اُسے ڈانٹا اور ایک تازیانہ مار کر راہ سے الگ کردیا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کو مستقبل میں پیش آنے والے حالات بتائے، نصیحتیں کیں اور چلے آئے۔ اور ابوذرؓ پر جو کچھ گزرا، وہ بلفظہٖ تاریخ میں محفوظ ہے۔

حضرت علیؑ ہی وہ راہنما تھے جن کے پاس بیٹھنے والے، جن کی ہدایات پر عمل کرنے والے، کبھی بھی کسی ڈکٹیٹر اور جابر حکومت کے طرفدار نہیں رہے۔ بلکہ ہر زمانہ میں ایسی حکومتوں کے مقابلے میں کامیاب محاذ قائم رکھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اُن حکومتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا کر چھوڑی۔ اس کی تفصیلات ہماری کتاب ''<u>مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک وہمہ گیر قوت</u>'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

نہج البلاغہ سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیردارانہ مذہب کی بہت خطرناک دشمن ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جو ہر قادرالکلام شاعر و خطیب اور انقلابی عالم کی انتہا درجے تک راہنمائی کرتی ہے۔ جن علما نے اس کتاب کو نہیں پڑھا اُن کی تقریر وتحریر بے جان اور فرسودہ کہلاتی رہی ہے۔ یہ کتاب اہل عرب اور قریش کی اس سازش پر ایک بولتا چالتا بیّن ثبوت وطنز ہے جو انہوں نے قرآن کریم اور رسولؐ اللہ کے خلاف برسرِ کار رکھی تھی۔ جس سے اسلامی تعلیمات کو اپنے قدیم مذہب کی تعلیمات سے تبدیل کیا تھا، جس سے قرآن کو مہجور کیا تھا (فرقان 25/30)، جس سے اسلام کو مارشل ازم میں بدل دیا تھا (بقرہ 205-2/204)، جس سے پورے قرآن کو جھٹلا کر ایک خودساختہ اسلام تیار کرلیا تھا (انعام 6/66)۔ جن علما نے نہج البلاغہ کو نہیں پڑھا وہ نہ قرآن کو سمجھے اور نہ سمجھ سکتے تھے۔ اور یہ بات خود حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خطبہ میں فرمائی ہے کہ:

''جن لوگوں نے قرآن کو پس پشت پھینکنے والوں کو نہیں سمجھا، وہ ہرگز قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔''

یہ کتاب کسی کا لحاظ اور رعایت نہیں کرتی۔ اس کا معیار خالص قرآن ہے۔ جو شخص اسلام وقرآن سے ذرہ برابر ادھر اُدھر ہٹتا ہے، ذرہ برابر غلط معنی یا تاویل کرتا ہے یہ کتاب اس کی نقاب اُلٹ کر اُسے مسلمانوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ یہ کتاب نہ افرادی قوت اور قوم سے دبتی

ہے نہ قومی وملکی مصالح کی پرواہ کرتی ہے۔حق بات کہتی ہے اورنہایت بے باکانہ انداز میں کہتی ہے۔ یہ بڑے بڑے چوہدریوں اور پھنے خانوں کوقرآن کے آئینے کے سامنے کھڑا کرتی ہے، اُن کا تمام میک اپ (Make Up) اُتار لیتی ہے۔ چنانچہ اگر آپ بے باک آدمی نہیں، اگر آپ اللہ، رسولؐ اور قرآن کے مقابلے میں کسی وڈیرے کے معتقد ہیں، اگر آپ اپنی قومی وملکی ومذہبی پالیسیوں کوقرآن سے کوئی بڑا مقام دیتے ہیں؟ تو نہج البلاغہ آپ کے کام کی کتاب نہیں ہے۔لیکن اگر آپ متلاشیِ حق ہیں؟ اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ قرآن کوبغل میں دبائے پھرنے والے، اُسے حفظ یاد کرنے والے مسلمان ساری دنیا کی اقوام کے مقابلے میں ذلیل وخوار کیوں ہوئے؟ اُن کواُن کی تکبیروں اورروزہ ونماز نے کیوں رسوا ہوجانے دیا؟ تو نہج البلاغہ ضرور پڑھئے۔

5۔ قرآن کی تفسیر اورنہج البلاغہ کی تشریح پر علما کا تاثر

قرآن کی تفسیروں کے متعلق یہ قول تمام علما کی زبان پرآتا رہا ہے۔حتّٰی کہ علامہ علی نقی عرف نقن صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:

''كُلُّ شَیْءٍ فِی التَّفْسِیْرِ اِلَّا التَّفْسِیْر۔ تفسیروں میں ہر چیز ہے مگرتفسیر ہی نہیں ہے۔''

یہ جملہ نہ صرف تمام سابقہ تفسیروں اورمفسرین کونظروں سے گرا دیتا ہے بلکہ نہج البلاغہ کی شروح پر بھی صادق آتا ہے۔جس طرح قرآن کی تفسیروں کا ڈھیراس لئے لگایا گیا تھا کہ شریعت ساز گروہ اُس انبار کی آڑ میں چھپ کرنت نئے مسائل گھڑتا اوراُس ڈھیر کواونچا کرتا اور اپنی حکومت کی پالیسیوں کا جوازقرآن کے سرمنڈھتا چلا جائے۔اُسی طرح نہج البلاغہ کی تشریحات میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ قارئین کی توجہ اُن مقامات کی طرف نہ جانے پائے جوقریشی منصوبے کی پول کھولتے ہیں۔ ہمارا ترجمہ پڑھنے پرقاری کے سامنے تمام سربستہ اسکیم آجائے گی مگرنہج البلاغہ کے مقاصد پر پردے ڈالنے کی کوشش توصرف اُن عنوانات کو دیکھتے ہی ثابت ہوجائے گی جوتمام شیعہ سنی مترجمین نے نہج البلاغہ کے خطبوں یا خطوط کوشروع کرنے سے پہلے لکھے ہیں اورجن سے مضامین کی فہرست تیار کی جاتی ہے۔مثلاً:۔

1 ''جنگ صفین کے بعد'' یا 2 ''ایک صحابی کے نام خط'' 3 ''دربارۂ عمرؓ'' یا 4 ''خوارج کے عقائد کے رد میں فرمایا''

فہرست میں ایسے عنوانات کو پڑھنے والے قاری پرکوئی جاذبِ قلب اثر نہیں پڑتا، اس کی توجہ کوکھینچنے والا ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا۔ دنیا جانتی ہے کہ کتاب کا نام ایسا ہونا چاہئے جو پوری کتاب کا نچوڑ پیش کرتا ہواوراُسی طرح ہرعنوان پورے بیان کا خلاصہ اورجان ہونا چاہئے۔لیکن نہج البلاغہ کے خطبوں پر مذکورہ قسم کے عنوانات قائم کرنا یہ بتا دیتا ہے کہ مترجم قاریوں کی توجہ چاہتا ہی نہیں ہے۔اس لئے ایک زبردست اورقابل توجہ صورت حال کو یہ عنوان دیکر اُس مضمون کا گلا گھونٹ دیتا ہے کہ ''منافقین کی حالت۔'' اگراس عنوان کو یوں لکھا جاتا کہ ''رسولؐ اللہ کے بالمقابل اسلامی لباس میں ابلیسی مرکز کا قیام۔'' یہ عنوان پڑھ کر ہر قاری یہاں رُکتا، صفحہ نمبر دیکھ کر خطبہ نکالتا اورنہایت توجہ اورغوروفکر سے اُس معاشرہ کا حال پڑھتا جواللہ کی رسالت وامامت کے خلاف ابلیس کا گروہ بن گیا تھا۔

مترجمین اورشارحین نے نہج البلاغہ کودوہری ماردی۔یعنی نہ ترجمہ میں وہ کچھ کہا جوعربی زبان میں فرمایا گیا تھا اورنہ ہی عنوانات میں جان چھوڑی۔ ورنہ نہج البلاغہ کا ہرخطبہ اُس قومی وملکی مذہب کے بام ودر ہلا دینے کے لئے کافی تھا۔

6۔ قرآن اور نہج البلاغہ کا مقصد انسانوں میں تفرقہ اندازی اور انتشار و نفرت انگیزی نہیں ہوسکتا مگر نتیجہ یہی نکلتا رہا ہے

مسلمانوں کے تمام علما ہمیشہ سے یہی کہتے آئے ہیں کہ:

''قرآن نوعِ انسان کو متحد اور مُرَفَّهُ الْحَال کرنے کی غرض سے نازل کیا گیا ہے۔'' لیکن ساری دنیا اور خود مسلمان دیکھتے چلے آئے ہیں کہ قرآن کے نزول کی یہ غرض و مقصد کبھی کسی زمانہ میں حاصل نہیں ہوا ہے۔ پوری انسانی برادری کو چھوڑیئے نزولِ قرآن کے بعد تو خود مسلمانوں میں کبھی اتحاد نہ ہوسکا۔ مسلمان علما ہر صدی میں مسلمانوں میں اتحاد کے لیے کوشاں اور اُن کے تفرقہ پر ماتم کرتے آئے ہیں۔ اس عملی صورتِ حال کے بعد یا تو یہ ماننا ہوگا کہ تعلیماتِ قرآن اتحاد نہیں بلکہ انتشار پھیلاتی ہیں یا یہ مانئے کہ تعلیماتِ قرآن پر ہرگز کسی دور میں عمل نہیں کیا گیا۔ عہدِ رسولؐ میں خود قرآن سے ثابت ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد نہ تھا۔ (انفال 6-8/5، آل عمران 103-3/102، 155-3/152 وغیرہ) اور آج تک مسلمانوں میں اتحاد یا اتحاد جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور دنیا کی تمام اقوام اور مذاہب سے زیادہ تفرقہ (فرقے) اور نفرت ماشاءاللہ مسلمانوں میں ہے۔ جو اس حقیقت کا انکار کرے دیوانہ ہے۔ زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس انتشار و افتراق اور نفرت کا سبب نہ قرآن ہے اور نہ نہج البلاغہ ہے بلکہ اس کا سبب وہ مترجمین اور شارح و مفسرین ہیں جو خود انتشار و افتراق و نفرت کے پیدا کردہ اور پروردہ ہیں۔ جن کا قلب و ذہن انتشار و افتراق اور نفرت سے لبریز ہے، جو دنیا کے تمام مذاہب کو تمام مذہبی یا الہامی کتابوں کو باطل سمجھتے ہیں، جو اپنے کاروباری حالات کے دباؤ سے صرف قرآن کو برحق کتاب کہتے ہیں۔ لیکن اپنے تمام اہم معاملات میں قرآن کو نہیں بلکہ اپنے فرقہ کے مسلّمہ عقائد کو راہنما بناتے ہیں۔ اُن سے یہ امید رکھنا ہی غلط ہے کہ وہ قرآن اور دیگر الہامی کتب میں ہم آہنگی تلاش کریں گے یا تمام مذاہبِ عالم کی بنیادوں کو استوار کر کے اتحادِ اقوام و مذاہب کی راہ ہموار کریں گے۔ وہ تو خود قرآن میں آئے ہوئے اللہ کے تمام احکام و بیانات کو نہیں مانتے بلکہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ:

''قرآن کے وہی بیانات صحیح اور بلا تردّد ماننے کے قابل ہیں جن کو اُن کے فرقہ کے لیڈروں نے تسلیم کیا ہے۔''

یعنی اللہ کے احکام اور قرآن کے بیانات کو اُن کے اپنے لیڈروں، وَڈیروں، علماؤں اور مفتیوں کے ماتحت رکھنا ہوگا۔ ایسی فکر و نظر و عقیدہ رکھنے والے علما اور مفتی جب نہج البلاغہ اور قرآن کا ترجمہ و تشریح کریں گے تو انتشار و افتراق و نفرت کے سوا کسی اور چیز کے پیدا ہونے کی اُمید کرنا بہت بڑا دھوکا ہے۔ ہم اپنے قارئین کو یہ نصیحت کر کے آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں کہ اگر اُنھوں نے نہج البلاغہ کی مفتیانہ اور مولویانہ تشریحات کو کوئی مقام دیا ہے؟ تو وہ فرقہ وارانہ تصورات سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔ یہی سبب ہے کہ ہم نے خطبات کو نام نہاد تشریحات کے گرد و غبار سے پاک رکھا ہے اور کلام مرتضویؑ کی تشریحات کو خود قرآن اور کلامِ معصومینؑ کے اپنے الفاظ میں الگ سے لکھا ہے۔ لہٰذا جس خطبہ کی تشریحات دیکھنا مطلوب ہوں تو ہماری کتاب زیرِ نظر ''بیان الامامت'' میں اُسی خطبے کے نمبر سے ملاحظہ فرمائیں۔ ورنہ مفتیوں کی تشریحات آپ کو اُن کے یا اُن کے لیڈروں کے تیار کردہ دائرے سے باہر نکلنے اور آزاد فضا میں سانس لینے اور سوچنے سمجھنے کا موقع نہ دیں گی۔

آپ ہمارا ترجمہ پڑھیں گے اُس میں بھی فرقہ پرست علما کی پیروی اور نقل کے بجائے عربی زبان کے مسلّمہ قواعد کی پابندی کی گئی ہے۔وہ لوگ ہرگز پیروی کے قابل نہیں جو لفظ ''اَسَـا طِیـر '' کا ترجمہ ''سطروں'' کی جگہ ''کہانیاں'' کریں، جو لفظ ''ذٰلِکَ '' کا ترجمہ ''وہ یا اُس'' کی جگہ ''یہ اور اِس'' کرلیں، جو لفظ ''کفر و کافر'' کا ترجمہ ''انکار اور منکر'' کرتے رہیں۔ حالانکہ لفظ انکار و منکر خود عربی زبان کے الفاظ ہیں۔کفر کے معنی ''کسی حقیقت کو فائدہ کے لئے جان بوجھ کر چُھپانا ہیں۔''

7۔ محمدؐ و علیؑ اور قرآن و نہج البلاغہ ایک دوسرے کے مصدّق و رَدِیف ہیں

اللہ نے اس کائنات کی تخلیق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ورحمت ونذارت کے سایۂ عاطفت میں فرمائی تھی۔لہٰذا اس ہمہ گیر وازلی رسالت کی تصدیق کرنے والا گواہ یا تو وہ ہوسکتا تھا جس نے محمدؐ کو محمدی صفات اور اپنے ظہور کے لئے پیدا کیا تھا یا پھر وہ ہستی گواہ ہوسکتی تھی جو خود نور محمدیؐ کا جز اوّل اور ہمیشہ ہر حال میں ساتھ رہی تھی اور جسے قرآن کا مکمل علم دیا گیا تھا۔اس لئے قرآن نے کہا کہ: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِo (رعد 13/43)

''اے رسولؐ اِن سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے مابین دو چشم دید گواہ کافی ہیں، ایک اللہ اور دوسرا وہ جس کے پاس الکتاب کا علم ہے۔''

دنیا جانتی ہے کہ اس اُمت میں کسی شخص نے الکتاب کے عالم ہونے کا نہ دعویٰ کیا اور نہ کوئی علیؑ کے سوا اس کا عالم تھا۔ چنانچہ یہ قرآن جو آج اُمت کے ہاتھوں میں موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والا اور یہ کہنے والا کہ:

''یہ قرآن جو اِن دو دفتیوں کے درمیان ہے۔ بجنسہٖ وہی قرآن ہے جو اللہ نے محمدؐ کو دیا تھا۔''

صرف علی علیہ السلام ہیں ورنہ صحابہ رسولؐ میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے اس قرآن کی تصدیق کی ہو۔البتہ اس قرآن کے ناقص و نامکمل ہونے پر صحابہ کی کثرت متفق ہے۔(بخاری ودیگر کتب احادیث وتفاسیر)

لہٰذا جس طرح علیؑ و محمدؐ لازم وملزوم اور ایک دوسرے کے ردیف ہیں بالکل اسی طرح نہج البلاغہ اور قرآن ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم اور ردیف ہیں۔فرق یہ ہے کہ قرآن کلام اللہ اور قول رسولؐ کریم ہے اور نہج البلاغہ لسانُ اللہ علیؑ مرتضیٰ کا کلام ہے۔اُس میں کائنات کے ذرے ذرے کی تفصیلات ہیں، قیامت تک پیدا ہونے والے سوالات وضروریات کا حل ہے۔ وہ کائناتی نظامِ حیات ہے اور نہج البلاغہ قرآن سے تمسّک کا طریقہ بتاتی ہے۔سازشی عقائد واصول کو رد کرتی ہے اور قریشی منصوبوں اور پالیسیوں پر مطلع کرتی ہے۔اور یہ کہ قرآن کو عوام الناس کے لئے رسولؐ اللہ کی زبان سے سہل کیا گیا ہے لیکن نہج البلاغہ کو بلاغت کے آسمان تک بلند کیا گیا ہے۔ چنانچہ جناب علی علیہ السلام نے اپنے بیانات کو مافوق البشر معیار پر بلند کرکے ایسی ترتیب اور ایسے الفاظ میں پیش کیا ہے کہ سننے والے مخالفین بھی سمجھیں اور تڑپ کر رہ جائیں۔لیکن جو کچھ داڑھی میں تنکے کی بنا پر سمجھیں اُسے عوام کے فہم کی سطح تک نیچے نہ اتار سکیں اور کوئی جرم یا اعتراض عائد نہ کرسکیں۔یعنی اپنی انتہا درجہ کی مذمت سمجھیں مگر اپنے الفاظ میں مذمت کہہ نہ سکیں۔ جو بالکل نہ سمجھے وہ الفاظ کی بندش اور ترنم سے سر دُھنتا رہے۔الغرض اُن کے بیانات سے ہر شخص اپنے فہم وفراست اور حالات کے مطابق لطف اندوز ہوتا، مستفید ومحظوظ

ہوتا، جُھوم جُھوم کر اُٹھتا، لکھتا، یاد کرتا اور دہراتا رہتا تھا۔ صاحبانِ بصیرت اور پیغامِ مرتضویؑ کے شناسا حضرات حالات پر نظر رکھتے ہوئے اصلی منشاو مراد تک پہنچتے، دفاعی اقدامات کرتے، مجرموں کے خلاف محاذ آرائی سیکھتے اور اپنی خامیاں دور کرتے۔ یوں نہج البلاغہ تک پہنچنے والے بیاناتِ مرتضویؑ آگے بڑھے، کتابوں میں جمع ہوئے، سینہ بہ سینہ منتقل ہوئے۔ اور آج قرآن صامت کے ساتھ ساتھ یہ نہج البلاغہ بھی ہر مسلم و غیر مسلم کی دسترس کے اندر ہے۔ اور جو لوگ نظامِ غیبت اور آخری سربراہِ اسلام علیہ السلام پر سمجھ کر ایمان لاتے ہیں وہ قرآن ناطق علیہ السلام سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اور جن پر امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ ہوتی ہے وہی حضرات قرآن اور نہج البلاغہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتے ہیں۔

8۔ حضرت رضی رضی اللہ عنہ جامع وناشرِ نہج البلاغہ

جس طرح کتاب نہج البلاغہ ایک انقلاب انگیز کتاب ہے اُسی طرح اس کتاب کو کتابی صورت میں جمع کر کے پیش کرنے والا عالم بھی اپنے زمانہ میں چلتا پھرتا انقلاب تھا۔ وہ نہایت کم سنی کے عالم میں سابقہ تمام شعرا سے بڑا شاعر تھا۔ وہ ایسا سیّد تھا جس پر سیادت فخر کرتی تھی۔ انہوں نے آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی صفات کو اس طرح اپنے اندر رچا بسا لیا تھا کہ وہ اُن کی فطرت ثانیہ بن گئی تھیں۔ وہ بات کرتے ہوئے خود کو اہلبیت رسولؐ کہا کرتے تھے۔ وہ اتنے بڑے متقی اور عالم دین تھے کہ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ اُن کے سامنے ایک دنیا دار شخص تھے۔ وہ کبھی کسی ایسے شخص کا ہدیہ یا مدد قبول نہ کرتے تھے جس کی روزی کی نفاست میں ذرہ برابر وہم و گمان بھی کیا جاسکتا تھا۔ وہ ایک روشن ضمیر و صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ اُن کے متعلق چند جملے ایک متعصب ترین مجتہد کی کتاب سے سن لیں لکھا ہے کہ:

''محمد بن حسین بن موسیٰ بن محمد برادر سید مرتضیٰ سابق الذکر است و کنیۂ اُو ابوالحسن و لقبِ اُو رضی و مولد اُو در سال سیصد و پنجاہ و نہ است و در فنون علوم ماہر و سخی و جواد و شاعر و در دہ سالگی شعر را خوب می گفت و بعضی از علما گفتہ اند کہ اُو اشعر الطالبین است بلکہ اشعر قریش است و سزاوار است کہ اُو شاعر ترین قبیلہ باشد۔'' (قصص العلماء صفحہ 411-410)

''محمد بن حسین بن موسیٰ بن محمد، پہلے مذکور شدہ سید مرتضیٰ کے چھوٹے بھائی تھے۔ اُن کی کنیت ابوالحسن تھی۔ اور لقب اُن کا رضی تھا۔ اُن کی پیدائش 359 ہجری میں ہوئی تھی۔ علوم و فنون میں ماہر، سخی، بہادر اور شاعر تھے۔ دس سال کی عمر میں بہت عمدہ اشعار پر قادر تھے۔ اور بعض علمانے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ آپ طالبی شعرا میں سب سے بڑے شاعر تھے۔ بلکہ تمام قریشی شاعروں سے بزرگ ترین شاعر تھے۔ اور یہ کہ اُن کا حق یہ ہے کہ انہیں پورے قبیلے کا سب سے بڑا شاعر قرار دیا جائے۔''

9۔ حضرت رضیؒ تمام شیعوں، تمام علویوں اور ہاشمیوں کے پہلے امیر و سربراہ مقرر ہوئے تھے

شیعہ علمانے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ خلافت عباسیہ کی جانب سے تمام شیعوں تمام ہاشمیوں اور تمام علویوں پر حاکم مقرر تھے۔ لیکن یہ غلط شہرت چند مصلحتوں کی بنا پر دی گئی تھی۔ حقیقتِ حال قصص العلماء سے ملاحظہ ہو:

''منصبِ نقابتِ علویہ و امارتِ حج و مانند آں از مناصبِ عالیہ پدر سید رضی بود و در دورہ حیاتِ پدر منتقل بسید رضی شد۔ وبعد از وفاتِ سید رضی منتقل

بسید مرتضٰی شد۔ وبعد از وفاتِ اُومنتقل بہ پسر سید رضی شد واُو ابو احمد عدنان بن سید رضی است۔ ونزد سلاطین آلِ بویہ مکرم ومحترم بودہ۔‘‘
(قصص العلماء صفحہ 413)

’’علویوں کی نقابت اور حج کی سربراہی اور اُن ہی کی مانند دوسرے بزرگ عہدے سید رضی کے والد کو حاصل تھے اور والد کی زندگی ہی میں وہ عہدے جناب سید رضی کو مل گئے تھے۔ مگر سید رضی کے وفات پا جانے کے بعد وہ عہدے سید مرتضٰی کو ملے اور اُن کی وفات کے بعد سید رضی کے بیٹے کو منتقل ہوئے جن کا نام ابو احمد عدنان تھا اور جو سلاطین بنی بویہ کے یہاں بہت مکرم و معظم تھے۔‘‘

10- سید رضیؒ تحفہ یا ہدیہ قبول کرنے میں انتہا درجے کے محتاط تھے

السیّد رضیؒ کے زمانے میں اُن کے استاد شیخ مفید علیہ الرحمہ اور خود اُن کے والد صاحب اور اُن کے بڑے بھائی السیّد مرتضٰی اور کئی ایک بڑے بڑے شیعہ علما حکومت بغداد کے وظیفہ خوار و تنخواہ دار تھے۔ مگر السیّد رضیؒ نہ وظیفہ خوار تھے نہ تنخواہ دار تھے۔ اپنے فرائض کو بلا مزد و معاوضہ انجام دیتے تھے۔ شیعہ علما نے اُن کی پارسائی اور تقویٰ کو نیز اُن کے مقام بلند کو بادلِ نخواستہ لکھا ہے۔ اس لئے واقعات کی ترتیب اور شدت میں جہاں موقعہ ملا ہیرا پھیری کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اُن کی حقیقی پوزیشن اپنے زورِ دروں سے اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اور چند ایسے سوالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کا جواب صرف یہ ہے کہ وہ حضرت اپنے زمانہ کے تمام شیعہ علما سے حتّٰی کہ اپنے والد، اپنے بڑے بھائی اور اپنے استاد سے بھی کہیں زیادہ متقی و پارسا تھے۔ ذرا سوچئے کہ وہ اپنے والد کا دیا ہوا تحفہ و ہدیہ بھی قبول نہ کرتے تھے۔ اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اُن کے گھر میں خلیفہ عباسی کی عطا کردہ تنخواہ اور وظائف آتے تھے۔ جنہیں حضرت رضی ناجائز سمجھ کر نہ لیتے تھے۔ قصص العلماء سے سنئے:

’’وہرگز از کسے ہدیہ وتحفہ قبول نمی کرد بحدیکہ ہدایائی پدرِ خود را قبول نمی کرد وابو اسحاق ابراہیم بن ہلال صابی کاتب حکایت کہ: من روزی در نزد وزیر ابی محمد مہدی نشستہ بودم پس حاجب آمد وگفت کہ سید مرتضٰی بر در است واذنِ دخول می طلبد۔ پس وزیر اذن داد وبرائے سید مرتضٰی تواضع کرد و اُورا در پہلوئے خود نشانید وبا اُو مکالمہ کرد تا از حکایت ومہمات او فراغت یافت پس سید مرتضٰی برخاست وزیر را وداع نمود و وزیر نیز برخاست وسید رفت پس وزیر بنشست ومشغول بکتابت رقعہ شد۔ پس حاجب آمد وگفت سید رضی اذن دخول می طلبد۔ پس وزیر رقعہ را از دست انداخت وباضطراب ووحشت از جائے خود برخاست وتا دالانِ خانہ سید رضی را استقبال نمود ودستِ اُو را گرفت وبرجائے خویش نشانید وخود در پیش رُوئے اُو نشست بانہایت خشوع وخضوع وانکسار۔ چوں سید رضی خواست کہ برود وزیر تا درِ خانہ اُو را مشایعت کرد وبرگشت۔ پس من باوزیر گفتم کہ اگر اذن باشد از شما سوالے نمایم۔ وزیر گفت گویا سوالے تو از آنستکہ چرا سید رضی را بیشتر اکرام کردم باینکہ سید مرتضٰی اکبر واعلم بود؟ گفتم بلےٰ۔ گفت من چیزے از سید رضی مشاہدہ کردم کہ باعثِ وثوق من گردید۔ تفصیلش اینستکہ وقتی خاستم کہ فلاں نہر را کندہ وآب آوردہ باشم۔ پس قریہ از السید مرتضٰی محاذی آن نہر بود کہ حصہ آن مقدار شانزدہ درہم میشد۔ پس سید مرتضٰی مکرّر در یں باب بمن رقعہ نوشت کہ از حصہ اُو بگذریم یا تخفیف دہیم۔ این چیزی بود کہ السید مرتضٰی دیدیم۔ وچیزی ہم از السید رضی دیدیم وآں این است کہ......الخ (قصص العلماء صفحہ 411)

''سید رضی ہرگز کسی کا تحفہ یا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے۔حد یہ ہے کہ خود اپنے والد کا ہدیہ وتحفہ نہ لیتے تھے۔ابواسحٰق ابراہیم بن ہلال صابئی کاتب نے بیان کیا ہے کہ ایک روز میں ابومحمد مہدی وزیر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ پہریدار نے آ کرعرض کیا کہ سید مرتضٰی دروازے پر ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ چنانچہ وزیر نے اجازت دے دی اور پہرے دار نے جا کر انہیں اندر بھیج دیا۔وزیر نے سید مرتضٰی کی رسمی آ ؤ بھگت کی۔ اُنہیں اپنے پاس بٹھایا۔اُن کا قصہ اور ضروریات سنیں اور فارغ ہونے پر سید مرتضٰی نے وزیر سے وداع حاصل کی، دونوں کھڑے ہوئے اور مرتضٰی چلے گئے اور وزیر کارِتحریر میں مصروف ہوگیا۔ پھر پہرے دار آیا اور کہا کہ سید رضی آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی وزیر کے ہاتھ میں جو کاغذات تھے پھینک دیئے اور نہایت اضطراب اور وحشت اور گھبراہٹ کے عالم میں اُٹھا اور مکان کے آنگن تک سید رضی کے استقبال کے لئے پہنچا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنی جگہ بٹھایا اور خود اُن کے سامنے بیٹھا اور بہت عاجزانہ ومنکسرانہ اور توجہ سے برتاؤ کیا۔اور جب جناب سید رضی نے جانے کا ارادہ کیا تو وزیر نے مکان کے دروازے تک ساتھ جا کر رخصت کیا اور واپس آ گیا۔اب میں نے وزیر سے کہا اگر اجازت ملے تو میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟ وزیر نے کہا غالباً تمہارا سوال یہ ہے کہ میں نے سید مرتضٰی کے مقابلہ میں سید رضی کا اکرام واحترام وتواضع زیادہ کیوں کی حالانکہ مرتضٰی اُن کا بڑا بھائی بھی ہے اور اُن سے بڑا عالم بھی ہے؟ میں نے مان لیا کہ میں یہی دریافت کرنا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ میں نے جناب رضی کے کچھ ایسے حالات اور رویہ دیکھا ہے جن کی بنا پر جناب رضی زیادہ مکرم ومحترم اور بزرگ ہیں۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ میں نے چاہا کہ فلاں فلاں نہر کو کھدوا کر اور آگے بڑھایا جائے تاکہ آبپاشی سے زیادہ علاقہ سیراب کیا جائے۔ چنانچہ اُس نہر کے سامنے سید مرتضٰی کا ایک گاؤں پڑتا ہے۔ لہٰذا اُس گاؤں کی وجہ سے سید مرتضٰی کے حصے میں صرف سولہ درہم واجب الادا عائد کئے گئے تھے۔سید مرتضٰی نے دوبارہ درخواست دی ہے کہ اُس رقم کو معاف کر دوں یا اُس میں کافی کمی کر دوں۔ یہ ہے وہ کیریکٹر جو سید مرتضٰی کا میرے سامنے آیا ہے۔اور اس کے مقابلے میں میرے رُوبرو سید رضی کا کیریکٹر بھی ہے۔جس کی تفصیل یوں ہے کہ......''

11- سید رضیؒ سے تعارف مکمل نہیں ہوتا جب تک سید مرتضٰی کی دولت، عادت اور شہرت معلوم نہ ہو

سید رضیؒ کا علمی اور دینی مقام ہلکا کر کے دکھانے کی کوششیں شیعہ علما میں ہمیشہ جاری رہی ہیں۔ چنانچہ مندرجہ بالا بیان میں بھی قصص العلماء کے مؤلف نے سید مرتضٰی کو سید رضیؒ کے مقابلے میں اَعْلَم لکھ مارا ہے۔ورنہ سید مرتضٰی کے پاس اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ وہ دربارِ خلافت کے حاشیہ نشین تنخواہ دار اور وظیفہ خوار تھے۔اور حضرت رضیؒ اس قسم کی ملازمت اور آمدنی کو حرام سمجھتے تھے۔حتّٰی کہ ایسے تنخواہ داروں اور وظیفہ خواروں کے عطیات اور ہدایہ کو بھی حرام سمجھتے تھے۔ رہ گیا اُن کا علم؟ اس کا تذکرہ بھی قصص العلماء سے دکھایا جانے والا ہے۔ یہاں تو اتنا سمجھ لیں کہ سید رضیؒ سید مرتضٰی کے قلب وذہن میں گزرنے والے حالات کو دیکھنے کی قدرت اور علم رکھتے تھے۔اور یہ کہ سید مرتضٰی بقول خود اس قابل نہ تھے کہ وہ سید رضیؒ کو اپنی اقتدا میں نماز پڑھا سکیں۔

12- سید مرتضیٰ شیعہ مجتہدین میں سب سے بڑے سرمایہ دار و جاگیر دار اور مذہب شیعہ کو اجماعی مذہب بنوانے کو تیار تھے

(1) قصص العلماء سے سید مرتضیٰ کی سرمایہ داری وغیرہ پر چند باتیں سنئے:

''و در بعضی از کتب معتبرہ مذکور است کہ از اُستادم مشافھۃً شنیدم کہ در عہدِ سید مرتضیٰ عامہ اجماع نمودند بر چہار مذہب۔ تفصیلش اینکہ اجتہاد در میان عامّہ شیوع داشت و برای واستحسان عمل مینمودند تا اینکہ آرائی مختلفہ واھوائے متفاوتہ در میانِ ایشان پدید آمد۔ آخر الامر نزدیک با آن شد کہ دینِ ایشان از میان رفتہ باشد۔ خواستند کہ اجماع بر چہار مذہب نمایند۔ سید مرتضیٰ از ایشان استدعا نمود کہ اجماع بر پنج مذہب نمایند، جعفری و شافعی و حنفی و مالکی و حنبلی۔ زیرا کہ اگر اجماع بر پنج مذہب میکردند شیعہ را دیگر تقیہ نہ بود۔ پس سلطان آن عصر دویست ہزار تومان مطالبہ داشت بعوض ایں کہ اجماع بر پنج مذہب کند۔ سید مرتضیٰ صد ہزار تومان از مال خود میداد قبول نہ کردند۔ وسائر شیعان نیز اقدام نہ کردند کہ صد ہزار تومان دیگر را بدہند تا دویست ہزار تومان شود یا بجہت کم بودن شیعہ یا کم داشتن یا اینکہ نہ خواستند کہ این مبلغ را دادہ باشند لہٰذا اجماع بر چہار مذہب نمودند۔'' (قصص العلماء صفحہ 407-406)

''بعض معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاد سے رُو در رُو سنا ہے کہ سید مرتضیٰ کے زمانے میں سُنی لوگوں نے چار مذہبوں (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) پر اتفاق اور اجماع کیا تھا۔ اُس کی تفصیل یوں ہے کہ سنیوں میں اجتہاد چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ اور دین اسلام میں اپنی ذاتی رائے اور مفید مصلحتوں کے ماتحت عمل پیرا تھے۔ اور اس طریقہ کار سے مسائل دینیہ میں مختلف رائیں اور بہت بعید ترین اجتہادات واقع ہو چکے تھے اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ دین کی حقیقت ہی اُن کے اندر سے رخصت ہو جاتی۔ اس صورت حال سے بچنے کے لئے انہوں نے چاہا کہ اس بڑھتے ہوئے اختلافی سیلاب کو روکنے کے لئے چاروں مذہبوں کو متفقہ طور پر مان لیا جائے۔ گویا اُن چار کے علاوہ کسی اور نئے مذہب کو پیدا ہونے سے روک دیا جائے۔ اُس وقت سید مرتضیٰ نے درخواست کی تھی کہ وہ اجماع پانچ مذاہب، جعفری و شافعی و حنفی و مالکی اور حنبلی پر کر لیا جائے۔ اس لئے کہ اگر پانچ مذاہب پر اجماع ہو جاتا تو آئندہ شیعوں کو تقیہ کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ مگر سلطانِ وقت نے مذہب جعفری کو شامل کرنے کا معاوضہ دو لاکھ تومان طلب کیا۔ ایک لاکھ تومان سید مرتضیٰ نے اپنے ذاتی مال میں سے دے دیئے جو منظور نہ ہوئے اور باقی تمام شیعوں نے اس سلسلے میں کوئی دلچسپی نہ لی اور باقی ایک لاکھ تومان جمع نہ کئے کہ دو لاکھ کا مطالبہ پورا ہو جاتا۔ یا تو اس لئے کہ شیعوں کی تعداد کم تھی یا اس لئے کہ اُن کے پاس دولت ہی نہ تھی یا یہ کہ انہوں نے وہ رقم دینا پسند ہی نہ کیا۔ بہر حال شیعوں کو شامل نہ کیا جا سکا۔ اور اجماع صرف حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں پر ہو گیا۔''

(2) شیعہ علما میں سب سے بڑے دولتمند و سرمایہ دار علما سید مرتضیٰ اور سید محمد باقر تھے

''در میانِ علمائی امامیہ مانند اُو (حاجی سید محمد باقر ابن سید محمد تقی موسوی شفتی) در ثروت نیافتم نہ در اسلاف و نہ در اخلاف بلی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نیز صاحبِ ثروت بودہ لیکن ثروتِ حجۃ الاسلام سید محمد باقر بیشتر و سطوت و اقتدار سید مرتضیٰ نیز بسیار بودہ۔'' (قصص العلماء صفحہ 147)

شیعوں کے علما میں حجۃ الاسلام سید محمد باقر ابن سید محمد تقی موسوی شفتی سے دولت و ثروت و سطوت و اقتدار میں، میں نے نہ گزشتہ علما

میں سے کسی کو زیادہ پایا اور نہ ان کے بعد والے علما میں سے کسی کے پاس اتنا سرمایہ و دولت تھی۔ البتہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اپنی دولت وثروت وسطوت واقتدار میں ان کے بعد دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔''

یہ دونوں بیانات سید مرتضیٰ کو سید رضیؒ سے ممتاز اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی طرز زندگی سے علیحدہ کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ بعد کے علمائے شیعہ کس کے اُسوۂ حسنہ کے ماتحت سرمایہ داری کو اختیار کرتے اور حکومتوں کی تائید میں سرگرم رہتے چلے آئے؟ اور ہر ایک نے دولت وجاگیر کے لئے دن رات کوششیں کیں؟

13- حقیقتاً سید مرتضیٰ سید محمد باقر سے کہیں بڑے سرمایہ دار و جاگیر دار و اجارہ دار تھے

سید مرتضیٰ کے سلسلے میں ایک اور بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت عباسیہ کی طرف سے سید مرتضیٰ پر کتنی نوازشات ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''واما وجہ تسمیہ آن جناب بابی ثمانین بروجھی است کہ جمعی از علماء گفتہ اند کہ آنجناب بعد از وفات ھشتاد ہزار مجلد کتاب از مقروات و مصنفات ومحفوظات بجا گذارد و کتابی تصنیف کرد کہ آنرا ثمانین نام نہاد واز ھر چیزی....وھشتاد و یکسال عمر کرد لھذا اُورا ابوالثمانین کنیہ نہادند۔ وکتب اُورا سی ہزار تومان قیمت کردند۔ بعد از آن بسیارے از نفائس آنھا را برائے اُمراء ووزراء فرستادند...وثروت او بے اندازہ ودر سفر مکہ سید مرتضیٰ با برادرش بیک نفرئہ ہزار تومان دادند۔ گویند کہ از بغداد تا مکہ سید در ہمہ جا ملک داشتہ۔'' (قصص العلماء صفحہ 409)

''سید مرتضیٰ کو ابو ثمانین کہنے کی وجوہات یہ ہیں کہ علما میں سے بہتوں نے کہا ہے کہ سید مرتضیٰ نے مرنے کے بعد اَسّی ہزار (80000) ہمہ قسم کے تصنیفات یعنی مجلد کتابیں چھوڑیں۔ اور ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام ہی اَسّی (80) رکھا تھا اور اُن کی عمر بھی اکیاسی سال ہوئی تھی۔ اس لئے اُن کی کنیت ابوالثمانین (اَسّی کا باپ) رکھ دی گئی تھی۔ اور اُن کی تمام کتابوں کی قیمت تیس ہزار تومان رکھی گئی تھی۔ جن میں سے عمدہ عمدہ کتابیں تو وزیروں اور حاکموں کو بھیج دی گئی تھیں۔ اور سید مرتضیٰ کی دولت بے اندازہ و بے شمار تھی۔ اپنے بھائی کے ساتھ مکہ کے سفر میں جاتے ہوئے انہوں نے ایک شخص کو نو ہزار تومان یوں ہی دے دیئے تھے۔ بغداد سے مکہ تک برابر اُن کی جاگیریں اور جائیدادیں تھیں۔''

14- مذہب شیعہ کی ہزاروں کتابیں لاپتہ اور برباد کر دیئے جانے کا ذریعہ

دولت جمع کرنے والے اس عالم اور اُس کے خاندان نے آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی تعلیمات پر تمام سابقہ کتابی ریکارڈ اغیار میں فروخت کر کے ضائع کر دیا۔ اس ریکارڈ میں چارسو کتابیں (اربعہ مأة) صرف احادیث معصومینؑ پر تھیں۔ جن کی تصدیق آئمہؑ نے خود کی تھی۔

15- حضرت سید رضیؒ مذہب اور تصوراتِ اہلبیتؑ کے تنہا نمائندہ تھے

اب آپ جناب رضیؒ کا دینی مقام ٹھیک ٹھیک متعین کر سکتے ہیں جو فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے ہر قول و فعل میں اہلبیتؑ کے پیرو تھے۔ اور خلفائے وقت اور وزرا و امرا سے کسی صورت اور کسی مقدار میں نہ دبتے تھے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ غاصب خلافتوں کے مقابلہ

میں تحریک تشیع نے زبردست محاذ جاری رکھا اورانہیں چاروں طرف سے گھیرنے کے لئے اُن کے چاروں طرف شیعہ حکومتیں قائم کیں۔ خوداُن کے درباروں میں شیعہ مذہب کے وزرا اور سلطان تعینات کئے۔اور یوں انہیں چاروں طرف سے گھیر کر مجبور کیا کہ وہ مذہب شیعہ اورشیعوں کا نہ صرف یہ کہ وجودتسلیم کریں بلکہ مذہب شیعہ کو آزادی دیں۔ چنانچہ سید مرتضیٰ، شیخ مفید وغیرھم کے زمانے سے کہیں پہلے بغداد میں عزاداری ہوتی تھی، بازار بندرہتے تھے،جلوس عزاداری نکلتے تھے۔اُن کی مساجد تھیں وہاں سے شیعہ اذانیں بلند ہوتی تھیں۔یہ صورت حال حکومتوں کو پسند نہ آسکتی تھی۔لہٰذاانہوں نے شیعہ علما کا تعاون حاصل کرنے کے لئے اُن کو کرسیاں دیں، جاگیریں دیں، شیعوں کی گردنوں پرسوار کیا۔اختیارات دیئے،اُن کی پسند ومصالح کوشیعوں پر جبراً نافذ کیا۔فضائل محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم میں کاٹ چھانٹ کرائی۔الغرض ہروہ کام اُن تنخواہ دار علما سے لیا جولینا ممکن وموزوں تھا۔اسی سلسلے میں حکومت مصر (جوشیعہ حکومت تھی) کے خلاف شیعوں کے جذبات کوابھارنے اورفاطمی حکمرانوں پرغلط عقائد رکھنے کے الزامات عائد کرانے میں شیعہ وظیفہ خوار علما سے کام لیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی سیدالعلماء سےایک بیان سن لیں:

16- تمام شیعہ سُنی علمانے مصری حکمرانوں کے خلاف ایک محضر پر دستخط کر دیئے تھے تاکہ انہیں بدنام کیا جائے

''پھر شریف رضیؒ سے تو خودحکومت وقت کوبھی مخاصمت پیدا ہوچکی تھی۔اس محضر پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے جو فاطمین مصر کے خلاف حکومت نے مرتب کرایا تھا۔اورجس پر علامہ رضی کے بڑے بھائی (سید مرتضیٰ علم الھدیٰ) اوراُنکے والد بزرگوار تک نے حکومت کے تشدد کی بناپر دستخط کر دیئے تھے۔مگر علامہ سید رضیؒ نے عواقب سے بے نیاز ہوکراس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔''

(علامہ سید علی نقی عرف نقن صاحب مقدمہ نہج البلاغہ جلداوّل صفحہ 12-11 مفتی جعفرحسین)

قارئین نوٹ کریں کہ حکومت کی طرف سے دستخط کرنے پرکوئی تشدد نہ ہوا تھا۔تمام علمانے تنخواہ دار ہونے کی بناپرحکومت کی خوشنودیٔ مزاج کے لئے برضاورغبت دستخط کئے تھے۔جیسا کہ سابقاً عرض کیا گیاہے کہ علمانے ہرحقیقت اور ہرواقعہ کولکھتے ہوئے یہ خیال مدنظر رکھاہے کہ کہیں اُن پر یا اُن کے مسلک پرآنچ نہ آجائے۔ چنانچہ السید رضیؒ اوراُسی قسم کے علمائے شیعہ کے حالات لکھتے ہوئے بھی دامن بچابچا کر گزرے ہیں اورالفاظ کے پردے ڈالتے گئے ہیں۔چنانچہ آپ نے قصص العلماء سے یہ پڑھا تھا کہ وزیر نے سید رضیؒ کا سید مرتضیٰ سے زیادہ اکرام واحترام کیا تھا۔اور سید مرتضیٰ کی مال دارانہ ذہنیت میں سولہ درہموں کا قصہ سنایا تھا۔اور جناب رضی اعلی اللہ مقامہ کے متعلق بھی اُن کے کیریکٹر کا قصہ سنانے والا تھا کہ ہم نے بات کاٹ کر جناب مرتضیٰ کی سرمایہ داری کا حال پہلے سنانا پسند کیا تھا۔

17- وزیر کی کوشش وعقیدت کے باوجود ایک ہزار اشرفیاں قبول نہ کرنا

چنانچہ وہ واقعہ وزیر کی زبانی یوں بیان ہواہے کہ: ''مجھے معلوم ہوا کہ جناب رضیؒ کو اللہ نے فرزند عطا کیا ہے۔میں نے اُن کے مکان پرایک ہزار اشرفیاں سربمہر کر کے ارسال کیں۔اوردرخواست کی کہ یہ رقم قابلہ (دائی) کو دے دی جائے۔میں نے سوچا تھا کہ شاید اس بہانے سے یہ رقم قبول کر لی جائے۔ چنانچہ جب جناب کومعلوم ہوا تو میرے پاس تشریف لائے اورفرمایا کہ ہم اہلبیت اپنی

مستورات کے احوال کو غیر خواتین پر ظاہر نہیں کرتے۔ ہماری بزرگ خواتین خود ہی قابلہ کا کام کرلیا کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ کوئی اجرت لینا اپنی توہین سمجھیں گی۔ بہر حال میں تم سے بہت خوش ہوا ہوں اور تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے خود رقم لایا ہوں۔''

وزیر نے ابواسحٰق ابراہیم بن ہلال کاتب کو یہ واقعہ سنا کر کہا کہ یہ وہ فرق ہے جو سید مرتضٰی اور سید رضیؒ میں ہے اور جس کی بنا پر میں سید رضیؒ کا احترام واجب سمجھتا ہوں۔'' (ادل بدل کر ہر تاریخ میں یہ واقعہ لکھا گیا ہے)

18- سید رضیؒ کا سید مرتضٰی کے پیچھے والدہ کے حکم سے نماز پڑھنا اور عین نماز میں نیت توڑ کر جماعت سے نکل جانا

قارئین یہ بھی نوٹ کریں کہ جناب سید مرتضٰی نے اپنی والدہ ماجدہ سے شکایت کی کہ رضیؒ میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس لئے عوام الناس میں طرح طرح کی توہین انگیز باتیں گشت کرتی ہیں کہ جب حقیقی اور چھوٹا بھائی نماز میں اقتدا نہیں کرتا تو ضرور سید مرتضٰی میں کوئی ایسا عیب ہے جس سے اُن کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ والدہ کو بہت رنج ہوا اور سید رضیؒ گھر میں آئے تو اُنہیں نماز میں شرکت کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے سید مرتضٰی کی قیادت میں پہلی صف کے اندر نماز شروع کی۔ مگر پہلی رکعت میں نیت توڑ کر صفوں کو چیرتے پھاڑتے مسجد سے نکل گئے اور بعد نماز مسجد میں ہنگامہ ہوگیا۔ سب کی زبان پر یہ واقعہ اور اس پر حیرانی کا اظہار و سوالات جاری تھے۔ سید مرتضٰی بڑی شرمندگی کے عالم میں مسجد سے نکل کر گھر آئے اور ماں کو یہ حادثہ سنایا اور کہا کہ اب تو مجھے منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔ والدہ کو از حد غصہ آیا۔ اور جب سید رضی آئے تو اُن سے باز پرس کی اور سخت وسست کہا۔ وہ سر جھکائے خاموش رہے اور کوئی بات یا عذر پیش نہ کیا۔ جب والدہ نے حد بھر اصرار کیا تو فرمایا کہ اماں جان شرم کی بات ہے جسے میں الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا۔ والدہ نے برابر تقاضا جاری رکھا تو یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ ''بھائی خون کے دریا میں نہا رہے تھے۔ اس لئے میں نے نماز ترک کردی'' والدہ نے مرتضٰی کو بلا کر یہ جواب سنایا تو مرتضٰی نے کہا اماں دوران نماز میں مسائل حیض پر غور کرنے لگا تھا۔ رضی نے نہ صرف میرے قلبی و ذہنی واردات دیکھ لئے بلکہ یہ بھی ثابت کردیا کہ وہ روشن ضمیری کی بنا پر اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہیں کہ میری اقتدا میں نماز پڑھیں۔'' (تمام تواریخ)

19- علامہ السید رضیؒ اجتہاد کے مخالف اور مسجد اخبارئین کے پیش نماز تھے

عوام شیعہ اور اہلسنت کو یہ حقیقت معلوم نہیں کہ پیروان محمدؐ و آل محمدؐ روز اوّل سے اجتہاد اور اجتہادی مسائل کے مخالف تھے۔ اس لئے کہ اُن میں ہر وقت امام معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روز اوّل سے تا قیام قیامت موجود رہنا تھا۔ (نحل 16/43 اور تاریخ و حقیقت واقعی)

لہٰذا اُنہیں ہر ضرورت ہر سوال ہر مشکل اور ہر مسئلے کا معصوم جواب ملتے رہنے کا خدائی انتظام موجود تھا اور موجود ہے۔ لیکن جن لوگوں نے انتقالِ رسولؐ کے بعد اس قرآنی عقیدے اور اعلان پر ایمان نہ رکھا اور وہ قرآن پر بھی کماحقہٗ عبور نہ رکھتے تھے۔ اُنہوں نے نظام اجتہاد کو اپنا راہنما بنالیا۔ یعنی قرآن میں معاذ اللہ ہر مسئلے کا جواب یا تفصیل موجود ہونے کا انکار کیا (سورہ یوسف 12/111)۔ اور آئندہ آپس کے مشوروں سے دین کے احکام صادر کرتے رہنے کو اپنا مذہب قرار دے دیا تھا۔ اُن لوگوں نے حضرت رضیؒ کے زمانے تک اپنے یہاں چارسو سال تک اجتہاد جاری رکھا تھا۔ اور اجتہاد ہی کی بنا پر اُن کے یہاں دھڑا دھڑ فرقہ سازی ہوتی چلی گئی۔ جسے آئندہ

روکنے کے لئے چاروں مذہبوں پر اجماع کیا گیا تھا۔ نظام اجتہاد ایسے اصول وقواعد رکھتا ہے جن سے قرآن کے خلاف قرآن ہی سے مسائل اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ اُن ہی اصول وقواعد کی روشنی میں قریش نے قومی یا جمہوری حکومت بنائی۔ اُن ہی سے خاندانِ نبوّت کو اور مؤلفۃ القلوب وغیرہ کو اُن کے حقوق سے محروم کیا گیا تھا۔ اس لئے بھی شیعہ اس نظام اجتہاد کے دشمن رہتے چلے آئے تھے۔ یوں تو شیعوں میں بھی مجتہد موجود رہتے اور اجتہاد جاری کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر آئمہ علیہم السلام نے انہیں ہمیشہ مردود قرار دیا (دیکھیں کتاب نظام ہدایت وتقلید)۔ لیکن غیبتِ صغریٰ کے زمانے میں جب علمائے شیعہ کو دربار خلافت عباسیہ میں کرسیاں دی گئیں اور حکومتِ وقت نے اُن کی مدد کی تو انہوں نے نظام اجتہاد کو اختیار کرنے کا انتظام شروع کر دیا تاکہ وہ شیعوں کے فیصلے شیعہ عدالتوں سے صادر کریں۔ شیعوں سے قیمتاً و جبراً و خوشامداً جیسے بھی ممکن وموزوں ہوا برس ہا برس کی لکھی ہوئی کتابیں حاصل کی گئیں تاکہ اُن کی فتویٰ سازی اور قانونی موشگافیوں کے خلاف شیعوں کو سامان نہ مل سکے اور اُن کا اجتہاد بے روک چل سکے۔ یہ وہی کتابیں تھیں جو فروخت یا ضائع کی گئی تھیں۔ بہر حال ادھر یہ انتظام ہو رہا تھا۔ اور اُدھر حضرت حجۃ امام آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 329 ہجری میں اعلان غیبت کبریٰ کر دیا تاکہ مذکورہ شیعہ علما اپنے اجتہاد پر امام علیہ السلام کا ٹھپہ نہ لگا سکیں۔ اس کے بعد شیعوں پر حکومتوں کی تائید وقوت سے نظام اجتہاد ٹھونسا گیا جو برابر آج تک مسلّط چلا آرہا ہے۔ حضرت رضیؒ بھی اُن علمائے شیعہ میں سے ہیں جن کو نظام اجتہاد ''اخباری'' یعنی قرآن اور حدیث والے علما کہتا تھا۔ اور جنہیں دنیا سے ختم کرنے اور اپنے اجتہادی مسائل کو رائج کرنے کے لئے ہر جبر، ہر فریب اور ہر طریقہ اختیار کیا گیا۔ چنانچہ حضرت رضیؒ کو بھی ایک نہایت خفیہ ہاتھ نے زہر دیکر صرف سینتالیس سال کی عمر میں شہید کر دیا اور قاتل یہ بہانہ کر کے چھپ گیا کہ مجھ سے صدمہ برداشت نہ ہوا۔ اس لئے میں غسل وکفن وتجہیز وتدفین میں شامل نہ ہوا۔ ابھی ہم قصص العلماء سے ایک بیان لکھیں گے جہاں آپ دو باتیں خاص طور پر نوٹ کریں گے۔ اوّل یہ کہ حضرت رضیؒ کی نماز جنازہ میں اُن کے بھائی کے علاوہ تمام ہی شیعہ سنی علما، امرا اور عمائدین حکومتِ عباسیہ موجود تھے۔ اور سب نے نماز جنازہ پڑھی مگر نماز جنازہ کی امامت کسی شیعہ سنی عالم نے نہیں بلکہ ایک پسندیدہ وزیر نے کی تھی۔ دوسرے یہ کہ علامہ رضیؒ کو اخباریوں کی مسجد میں بطور امانت دفن کیا گیا تھا۔ یعنی اُس مسجد میں مجتہدین کا عمل دخل نہ تھا۔ اس لئے کہ وہاں اذان میں حضرت علیؑ مرتضیٰ کو ولی اللہ، وصی رسولؐ اللہ کہا جاتا تھا جو مجتہد کے نزدیک بدعت تھا۔

20- حقیقی شیعوں کی مسجد بھی مجتہدین سے الگ اور اذان بھی جداگانہ تھی

''وفات آنجناب در ششم محرم الحرام از سال چہار صد وشش ہجری واقع شد و وزیر سلطان بہاء الدولہ فخر الملک وجمیع اعیان واشراف وقضات بر جنازۂ اُو حاضر شدند و براو نماز گذاردند و در بِ خانہ اش در مسجد اخباریین بکرخ مدفون ساختند و برادرش سید مرتضیٰ نتوانست براو نماز گذارد و جنازہ اش را ببیند لہٰذا از شدت جزع بمشہد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام رفت وفخر الملک ابو غالب براُو نماز کرد و فخر الملک آخر روز بمشہد کاظم علیہ السلام رفت و سید مرتضیٰ را الزام کرد کہ بخانہ خود بگردد۔ پس از آن سید رضیؒ را بمشہد حسین علیہ السلام نقل کردند۔ و در نزد پدرش دفن کردند'' (قصص العلماء صفحہ 412)

''جناب رضیؒ نے چھ محرم 406 ہجری کو وفات پائی اور وزیر سلطان بہاء الدولہ فخر الملک بھی اور سر برآوردہ اور شرفا اور قاضی

حضرات اُن کے جنازے میں حاضر ہوئے اور سب نے اُن کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کے مکان سے ملی ہوئی اخباریوں کی مسجد (محلّہ کرخ) میں اُن کو دفن کیا گیا۔اُن کے بھائی سید مرتضٰی نہ سید رضی کا منہ دیکھ سکے نہ نماز جنازہ پڑھ سکے۔اور شدت رنج وغم سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مزار پر جا بیٹھے۔چنانچہ نماز جنازہ فخر الملک ابو غالب نے پڑھائی اور آخر روز فخر الملک وزیر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مزار پر گئے اور سید مرتضٰی پر لازم کردیا کہ وہ اپنے گھر واپس جائیں۔بعدہٗ جناب رضیؒ کو امام حسین علیہ السلام کے مزار میں اُن کے والد کے پاس دفن کیا گیا تھا'' (یعنی واپسی پر بھی ان کا قبر پر جانا ثابت نہیں ہوتا)

بہرحال نہج البلاغہ کا مرتب کرنا اُس زمانے میں اتنا بڑا جرم ثابت ہوا کہ اُنہیں عہد شباب ہی میں جان سے ہاتھ دھونا پڑے اور نہایت خاموشی سے انہیں راہ سے ہٹا دیا گیا۔اور شیعوں کی سربراہی الگ حاصل ہوگئی اور کلنک کا ٹیکہ اُتارنے کا الگ موقعہ مل گیا۔

21- نہج البلاغہ کو جمع کر کے سید رضیؒ نے حکومت کو چیلنج کیا اور قلبی و ذہنی انقلاب کا دروازہ کھول دیا

نہج البلاغہ کی نشر واشاعت ایسے زمانے میں کی گئی جب نظام اجتہاد و سرمایہ داری کو خود ساختہ اسلام کا بھرپور تحفظ حاصل تھا۔اور جب اجتہادی مذہب ہی کو اسلام اور صحیح قرآنی مذہب سمجھا جا رہا تھا۔جب نہج البلاغہ عرب سے نکل کر باہر آئی تو چاروں طرف ایک ذہنی انقلاب پیدا ہوگیا۔قریش کے خانہ ساز بتوں کا مصنوعی احترام واسلام قلوب سے نکل گیا۔اندرون ملک بھی اور بیرونی ممالک میں بھی غربا کی تحریکیں شروع ہوئیں۔حکومتوں کے خلاف مزدوروں اور محنت کشوں نے محاذ بنائے،بادشاہوں کے تاج گرنے لگے،حکومتوں کا شیرازہ بکھرنے لگا،عیسائی علمانے تراجم کر کے اپنے ممالک میں نئی روح پھونکی۔حقیقی اسلام اور فوجی اسلام کا فرق معلوم ہوا تو مسلمان حکومتوں کے خلاف نفرت کے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے۔چاروں طرف سے تحریک تشیع کی حمایت میں دھاوے بولے جانے لگے۔یہاں تک کہ اس طاغوتی حکومت کا جنازہ نکل گیا جو رسولؐ اور خانوادہ رسولؐ کے خلاف قومی اجماع سے قائم ہوئی تھی۔ (الفاروق صفحہ 103 حصہ اوّل) وہ شعلے جو حضرت علی علیہ السلام کے لب ودہن سے نکل کر سینکڑوں کتابوں میں بکھر گئے تھے۔جب ایک مرکز پر جمع ہوئے تو اُنہوں نے قصر طاغوتی جلا کر خاک کر دیا۔

22- جامع نہج البلاغہ کے عقائد وتصورات حقیقی شیعت کے نمائندہ

حضرت رضیؒ نے نہج البلاغہ کا جو افتتاحیہ لکھا اور اس میں اُنہوں نے جن عقائد وتصورات کا بیان کیا ہے،ہم انہیں یہاں سمیٹ کر یکجا لکھے دیتے ہیں تا کہ اُن کے تعارف میں سہولت ہو جائے چنانچہ:

جناب علامہ رضیؒ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کا مادہ یا طینت اللہ کے فضل وکرم کو قرار دیتے ہیں۔اُن کو ساری کائنات اور کائناتی مخلوقات کے لئے رحمت مانتے ہیں۔تمام مخلوقات سے قدیم ترین مخلوق لکھتے ہیں۔کائنات کے ذرہ ذرہ میں آپؐ کا اثر وجلوہ تسلیم کرتے ہیں۔آپؐ کی آلؑ پاک کو تمام امتوں کا محافظ کہہ کر محمدؐ وآل محمدؐ کے وجود کی قدامت اور فیض رسانی کا اعلان کرتے ہیں۔یہ وہ بنیادی عقائد ہیں جن کو مجتہدین من وعن تسلیم نہیں کرتے۔

23- نہج البلاغہ کلام مرتضویؑ پر احاطہ نہیں کرتی بلکہ اس سے کئی گنا کلام باہر رہ جانا ممکن مانا

علامہ نے تسلیم کیا ہے کہ اُنہوں نے نہج البلاغہ کے نام پر جو کچھ مختلف کتابوں سے جمع کیا ہے اس میں حضرت علی علیہ السلام کا تمام کلام نہیں ہے۔ لہٰذا یہ لکھا ہے کہ جس قدر انہوں نے جمع کیا ہے ممکن ہے کہ اس سے زیادہ کلام ان سے رہ گیا ہو۔ چنانچہ بعد میں علما نے بہت سے خطبات تلاش کر کے اضافہ کئے ہیں۔ اور بعض کو اپنی اپنی مصلحتوں کے خلاف سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ ہم اس سلسلے میں کسی مصلحت کو دخل انداز نہ ہونے دیں گے۔ اور جو کچھ ہمیں علیؑ کے کلام سے ملے گا بے تکلف لکھ دیں گے۔

24- علامہ رضی کی دیگر تصنیفات

یہاں ہم پھر قصص العلماء سے مستند اقتباس لکھتے ہیں تا کہ مجتہدین کا تحریری بیان ریکارڈ ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

تالیفات آنجناب بسیار است از آنجملہ کتاب 1 ''متشابہ در قرآن'' 2 ''حقائق التنزیل'' و یارفعی گفتہ است کہ آن کتابیست بے نظیر کہ دلالت می کند بر توسعہ دست گاہ۔ اُو در علم نحو ولغت وغیر آن و 3 کتاب ''تفسیر القرآن'' کہ بسیار نیکو نوشتہ و بزرگتر از تفسیر طوسی است و 4 کتاب ''مجازات آثار نبویہ'' و 5 کتاب ''تعلیق خلافۃ الفقہا'' و 6 کتاب ''تعلیق الایضاح'' کہ حاشیہ بر ایضاح ابوعلی فارسی است و 7 کتاب ''خصائص الائمہؑ'' 8 و کتاب ''نہج البلاغہ'' کہ در آن خطب و مراسلات وکلمات حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام را جمع کردہ'' (قصص العلماء صفحہ 413)

''علامہ رضیؒ کی تالیفات بہت سی ہیں اُن میں سے چند یہ ہیں: 1 کتاب ''متشابہ در قرآن'' 2 ''حقائق التنزیل'' یارفعی نے کہا ہے کہ یہ کتاب بے نظیر ہے اس سے جناب رضی کے علم کی وسعت اور قدرت کا پتہ چلتا ہے جو انہیں علم نحو اور لغت وغیرہ پر حاصل تھی۔ 3 ''تفسیر القرآن'' جسے بہت حسن سے لکھا ہے اور یہ تفسیر علامہ طوسی کی تفسیر سے بزرگتر ہے۔ 4 پھر ''مجازات آثار نبویہ'' اور 5 ''تعلیق خلافۃ الفقہاء'' اور 6 کتاب ''تعلیق الایضاح'' جو علامہ بوعلی فارسی کی ایضاح پر بطور حاشیہ لکھی ہے۔ اور 7 ''خصایص الائمہ'' اور 8 کتاب ''نہج البلاغہ'' جس میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خطبات وخطوط اور کلمات کو جمع کیا ہے۔''

علامہ میرزا محمد تنکابنی نے قصص العلماء میں یہ جملہ لکھ کر کہ ''تالیفات آنجناب بسیار است'' یہ پتہ دیا ہے کہ جن کتابوں کا عموماً ذکر کیا جاتا ہے، علامہ رضیؒ کی تصنیفات اُن سے کہیں زیادہ ہیں۔ بہرحال ہم اُس فہرست کو بھی یہاں نقل کرتے ہیں جو علما لکھتے چلے آئے ہیں۔

علامہ رضیؒ کی تصنیفات: قرآن کریم پر 1 تلخیص البیان عن مجاز القرآن 2 حقائق التاویل فی متشابہ التنزیل 3 معانی القرآن۔ حدیث پر 4 مجازات الآثار النبویہ۔ ادب پر 5 تعلیقہ علی الایضاح ابوعلی فارسی۔ 6 الحسن من شعر ابی الحجاج 7 الزّیادات فی شعر ابی تمام 8 الزیادات فی شعر ابی الحجاج 9 دیوان جو دو مجلدات میں بارہ سو چھہتر (1276) صفحات پر مشتمل ہے۔ 10 انشراح الصدر فی مختارات من الشعر 11 کتاب مراسلات 12 مَا دَارَ بَيْنَهٗ و بَيْنَ ابی اسحاق من الرسائل شعرا 13 مختار شعر ابی اسحاق الصابی۔ قرآن، تفسیر، حدیث، تاریخ اور ادب پر۔ 14 نہج البلاغہ۔

25- ہم سلام پیش کرتے ہیں ان تمام انسانوں پر جنہوں نے انسانی اور خدائی ریکارڈ کا تحفظ کیا

نظام اجتہاد نے اپنا خود ساختہ اسلام اور خانہ ساز تاریخ وحدیث جاری کرنے کے لئے ہر اُس ریکارڈ کو فنا کیا جو اُن کی راہ میں

رکاوٹ بنتا تھا اور جس پر اُن کو قابو ملا۔ لائبریریاں ہی نہیں انہوں نے مساجد کو بھی جلایا، کتابیں ہی نہیں آدمیوں کو بھی زندہ جلایا، مصنوعی کتابیں بھی لکھیں کتابوں میں کمی وزیادتی بھی کی اور آج تک برابر کررہے ہیں۔ مگر اُن کے خلاف قائم ہونے والے محاذ نے قدیم ریکارڈ کو محفوظ کرنے میں بھی کمال کر دیا۔ اُن کی مدد کے لئے غیر مسلم اقوام اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ساری دنیا سے باقی ماندہ ریکارڈ جس طرح ممکن ہوا حاصل کیا اور اپنے کتب خانوں اور عجائب خانوں میں جمع کیا۔ اور آج ہزاروں صفحات کو مٹھی میں آ جانے والی (Microfiche) ڈبی میں بند کر کے جس کو چاہیں دے سکتے ہیں۔ حضرت رضیؒ پر ہمارا سلام ہو جنہوں نے نہج البلاغہ کو جمع کیا۔ اور تمام حضرات پر سلام ہوں جنہوں نے نہج البلاغہ کی نشر واشاعت میں حصہ لیا اور ہم تک پہنچایا۔

26- ہماری ترجمانی وتفہیم کے اصول وقواعد اور متعلقہ ہدایات وگزارشات

1۔ قرآن کریم کی طرح حضرت علی علیہ السلام کے خطبات وبیانات بھی تقریری ہیں تحریری وتصنیفی نہیں ہیں۔ یعنی آپ نے برسر زمین یا برسرِ منبر ایک خطیب یا مقرر وناصح کی پوزیشن میں فی البدیہہ چھوٹی یا بڑی تقریریں کیں جنہیں لوگ لکھتے یا یاد کرتے رہے۔ اور یہ آپ جانتے ہیں کہ تقریر کرنے اور تحریر یا تصنیف کرنے میں، اور تقریر سننے اور تحریر پڑھنے میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مقرر یا خطیب اپنے اشاروں، آواز کی روک تھام، لب ولہجہ کی تبدیلی، چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے جو کچھ بلا زبان سے کہے سامعین کو سمجھا دیتا ہے۔ وہ سب کچھ ایک مصنف کو الفاظ اور جملوں میں لکھنا پڑتا ہے۔ تب اُس کا قاری وہ مطلب سمجھتا ہے جو مصنف سمجھانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ پھر بھی پڑھنے والے پر اُتنا اثر نہیں ہوتا جتنا سننے والے اور مقرر کو دیکھنے والے پر تقریر کا ہوتا ہے۔ وہ اس لئے کہ خطیب یا مقرر لوگوں کے قلوب واذہان کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ہر سننے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ خود مقرر ہے۔ وہ مقرر کے ساتھ ساتھ کبھی تن کر بیٹھتا ہے۔ کبھی چہرہ ملول ہو جاتا ہے۔ وہ مقرر کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ مقرر اپنے الفاظ میں جذبات واحساسات کی روح پھونکتا جاتا ہے۔ تمام سامعین کے دل اُس کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ وہ جب چاہتا ہے لوگ سانس روک کر اُس کی بات سنتے ہیں، منہ کھلے رہ جاتے ہیں، شدت غم وغصہ سے آستینیں چڑھاتے نظر آتے ہیں۔ خطیب اپنی آنکھوں سے لوگوں کے جذبات اور ضرورت کو دیکھتا اور متاثر ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم غم وغصہ نہ کرو۔ وہ یہ کہتا ہے کہ ''تم مجھے دیکھو میں بھی تو آدمی ہوں'' لوگ خود بخود یہ سمجھ جاتے ہیں کہ غیض وغضب کے اظہار سے منع کیا جارہا ہے۔ اور اپنی مثال دے کر مقرر صبر وسکون کی تاکید کر رہا ہے۔ لیکن تحریری زبان میں یہ سب کچھ لکھنا پڑے گا۔ مقرر اور اس کے سامعین ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور بلا الفاظ کی مدد کے وہ کچھ سمجھتے ہیں جو گھنٹوں لکھنے کے بعد بھی شاید سمجھا، یا سمجھایا جا سکے۔ پھر مقرر کی تقریر اُس کے داخلی وخارجی ماحول سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ مثلاً مجمع میں اُس کے مخالف موجود ہیں، یا اُن کے خلاف حکومت کو رپورٹ کرنے والے لوگ ہیں تو مقرر پر لازم ہوتا ہے کہ محتاط الفاظ بولے یا اتنے اعلیٰ درجے کے الفاظ میں تقریر کرے کہ رپورٹر جب اُس کی رپورٹ اپنی زبان میں لکھے تو مفاہیم ومعانی مشکوک ہو جائیں۔ زورِ بیان گھٹ جائے اور حکومت جرم عائد ہی نہ کر سکے یا سمجھ ہی نہ سکے۔ ہوسکتا ہے کہ مقرر کو قانون وحکومت کا کوئی خطرہ نہ ہو مگر اس کے سامعین میں سادہ لوح موجود ہوں جن کے بہک جانے کا

اندیشہ ہو۔ممکن ہے کہ مقرر جلدی میں ہو یا سامعین جلدی میں ہوں یا سامعین میں عورتیں اور بچے ہوں۔ یا سامعین مسافر ہوں اور سرِ راہ اتفاقیہ ملاقات ہوگئی ہو۔ یا سامعین مزاج شناس نہ ہوں یا خود مقرر کا مزاج سازگار نہ ہو۔ان صورتوں میں اور بہت سی دیگر عملی صورتوں میں مقرر کے الفاظ وتقریر اور اس کا لب ولہجہ بدلتا ہے۔لیکن تحریر وتصنیف کا تقریباً ایک ہی اسلوب وساخت قائم رکھ کر کام چلایا جاتا ہے۔ تقریر اور خطبے میں مقرر یا خطیب کبھی کوئی بات لوگوں کی طرف سے بولتا ہے۔اور اپنے اوپر خود اعتراض قائم کرتا ہے۔کبھی اعتراض قائم نہیں کرتا بلکہ اعتراض کا جواب دیتا ہے تو سامعین خود اس اعتراض کو سمجھ لیتے ہیں جس کا جواب دیا جارہا ہے۔کبھی وہ مجمع سے خطاب کرتا ہے اور خود مجمع کی طرف سے بولتا ہے۔کبھی وہ گزشتہ یا غیر حاضر اقوام یا گروہ کی بات کرتا ہے کبھی وہ گزشتہ اقوام کی طرف سے بولتا ہے۔ کبھی واحد وتنہا خطاب کرتا ہے کبھی جمع اور ایک گروہ بن جاتا ہے۔کبھی وہ بندہ ہوتا ہے کبھی وہ خدا کی طرف سے بولتا ہے۔کبھی ڈانٹتا ہے تو کبھی ملزم بن جاتا ہے۔

ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ان تمام صورتوں اور حالات کا خیال رکھے بغیر خطبوں یا تقریروں کو جوں کا توں رکھتے ہوئے ترجمہ کر دیا جائے تو تقریروں اور خطبوں کی جان نکل جائے گی اور وہ ترجمہ سن کر مقرر یا خطیب سر پیٹ کر رہ جائے گا۔یہی تو ہوتا ہے کہ جب کوئی لیڈر یا راہنما اعلان کرتا ہے کہ رپورٹر نے میرا بیان غلط یا توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔یعنی رپورٹر یا مترجم نے اُن تمام حالات کونظرانداز کر دیا جو تقریری زبان کے لئے لازم وملزوم تھے۔لہٰذا ہر مترجم کے لئے لازم ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی تقریروں یا خطبوں کی زبان کو تحریر کی زبان میں تبدیل کرنے میں پوری پوری کوشش کرے اور وہ تمام سامان فراہم کرے جو تقریر میں الفاظ کی صورت میں لانا ضروری نہ تھا۔ جیسے آواز کے اُتار چڑھاؤ سے اور مختلف اشارات وغیرہ سے تقریر کی جان بنا دیا گیا تھا۔ قارئین نے اگر نہج البلاغہ کا کوئی پورا ترجمہ پڑھا ہے تو دیکھا ہوگا کہ مترجم نے اِن اہم ترین پہلوؤں کا خیال رکھا ہے یا نہیں؟ بہر حال ہم حتی الوسع اس پر پوری توجہ دیں گے۔اور وہ تمام خلا لبریز کر دیں گے جو تقریر کو بجنسہٖ ترجمہ کر دینے سے تحریری زبان میں رہ جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہر خطبہ کا ایک خاص مقصد ہونا چاہئے۔ایک خاص تقاضا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ خطبہ دیا گیا۔وہ ضرورت و حالات معلوم کرنے چاہئیں جن سے اس خطبے کا تعلق ہو۔وہ منظر وپس منظر سامنے لانا ہوگا جو خطیب اور خطبے اور سامعین پر چھایا ہوا تھا۔ چنانچہ خطبے یا تقریر کے الفاظ اور جملوں کو دیکھ کر انہیں اُردو میں ترجمہ سے تبدیل کرنا کافی نہیں ہوسکتا۔ پھر دوسری اہم حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان کے ہر ہر لفظ کے معنی ومفہوم پیش کرنے کے لئے اُردو یا انگریزی وغیرہ میں ایک ایک مستقل لفظ نہیں ملتا ہے۔اس لئے کہیں عربی کے ایک لفظ کے معنی کے لئے اردو کے دو یا تین الفاظ استعمال کرنا ہوں گے اور کہیں کہیں پورا پورا جملہ اردو کا لا کر وہ تمام تصورات پیدا کرنا ہوں گے جو عربی کے ایک ہی لفظ میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔اس طرح ہم پڑھنے والے کے قلب وذہن میں وہ احساسات وجذبات ولطف ولذت پیدا کرسکیں گے جو مقرر یا خطیب چاہتا تھا اور جو اس وقت ضرور حاصل ہوتی جب کہ ہمارا قاری خود حضرت علی علیہ السلام کے سامنے بیٹھ کر اُن کا خطبہ یا بیان سنتا۔ بہت کامیاب اور فائز المرام ہے وہ مترجم جو اپنے قاری کو اپنی ترجمانی کی آغوش میں لے کر مولاؑ ئے

کائنات کی محفل میں پہنچادے۔ جہاں اس کا قاری یہ دیکھے کہ جناب امیرالمومنینؑ اردو زبان میں وہی کچھ فرمارہے ہیں جو وہ ترجمہ کی سطور میں پڑھ رہا تھا۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر مترجم کوایڑی چوٹی کا زور لگادینا چاہئے۔

2۔ نہج البلاغہ کے خطبات کا آغاز اچانک نہیں ہوا تھا۔حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عہد رسالت وامامت (دعوت ذوی العشیرہ) شروع ہوتے ہی توحید وعدل ورسالت وامامت وقیامت پر بولنا شروع کردیا تھا۔اس کی تفصیلات قرآن وحدیث میں واضح الفاظ کے ساتھ سربلند کئے کھڑی ہیں۔یہ دوسری بات ہے کہ قریشی مصلحتوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترپین (53) سالہ حالات کوتاریخ کے دروازے تک نہ آنے دیا تو علیؑ کے لئے کہاں گنجائش نکلتی۔ بہرحال قرآنِ ناطق، قرآنِ صامت کی تلاوت، یا بقولِ قریش نزول سے کہیں پہلے سے موجود اور بول رہا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآن اور رسوؐل پر شہید وشاہد گونگے ہوں (رعد 13/43)۔ لِسَانُ اللّٰہ نہ خاموش رہی نہ اُسے خاموش رکھا جاسکتا تھا۔لیکن تمام مترجمین کچھ ایسا تصور لئے ہوئے ترجمہ کرنے بیٹھے تھے کہ گویا علیؑ نے بعدِ وفاتِ رسوؐل بولنا شروع کیا تھا۔ ہماری ترجمانی میں یہ گونگا پن ہرگز نہ آنے پائے گا۔ہم بولتے اور پکارتے ہوئے دلائل وشواہد کے ساتھ علی مرتضٰی علیہ السلام کا بولنا دکھائیں گے۔

3۔ ہم جہاں اہم مقامات والفاظ کی تشریحات پیش کرینگے وہیں اُن غلط ترجمانیوں کی نشاندہی بھی کرینگے جو علمانے غلط فہمی یا فریب خوردگی سے کی ہیں اور کسی بھی خطبے کی ترجمانی کرتے ہوئے ہم اُن مرکزی تصورات وحالات کو نظر سے اوجھل نہ ہونے دینگے جو جناب امیر علیہ السلام پر ہر لحہ اور ہر حال میں طاری رہتے تھے۔اور ہر عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے اُنکے الفاظ وبیانات پر اثر انداز ہوتے تھے۔

مثلاً: 1 اللہ ورسولؐ اور خود اپنی ہمہ گیر ومتنازع فیہ پوزیشن کسی بھی حالت میں اُن سے جدا نہ ہوسکتی تھی۔

2 رسوؐل کی نام نہاد قوم کا تصورِ حکومت اور خلافتِ الٰہیہ کے خلاف اُن کا مستقل وغیر متبدّل اجماع۔

3 قریشی پالیسیاں اور خانوادۂ رسوؐل کے مکمل استیصال وتباہ کرنے کی عملی اسکیمیں اور اقدامات۔

4 قرآن اور اسلام کو اپنے خود ساختہ مذہب پر ڈھالنے کا نظام۔

5 صحابہ کی زبان بندی ونظر بندی۔

حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر بیان میں یہ مرکزی تصورات تلاش کرنا ہوں گے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کو حضورؑ نے انتہا درجے کی بلاغت میں تہہ در تہہ لپیٹ کر پیش کیا ہے۔ لہٰذا ہماری ترجمانی ادبیات وبلاغت میں نہیں اُلجھے گی بلکہ حسنِ کلام وبلاغت کے ہر پردے کو فکری سنجیدگی سے اُٹھا اُٹھا کر اُن کے پیچھے چھپے ہوئے حقائق کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے کی کوشش کرے گی۔اور جو کچھ ملے گا اُسے سادہ اور دیہاتی زبان میں قارئین کے سامنے رکھ دے گی۔اس تلاش میں ہم قرآن وحدیث وتاریخ کو اپنا مددگار بنائیں گے۔اور نہج البلاغہ کے استناد وغیرہ کو کتاب کی تکمیل کے بعد لکھیں گے۔انشاءاللہ والامام علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

احسن

27۔ علامہ رضیؒ کا اپنا افتتاحیہ

نہج البلاغہ پر حضرت علامہ السیّد شریف رضی رضی اللہ عنہ نے جو مقدمہ ہزار سال پہلے لکھا تھا اُسے بجنسہٖ نہج البلاغہ کے ساتھ وابستہ رکھنا واجبات ولوازمات میں سے رہتا چلا آیا ہے تاکہ اُدھر علامہ رضیؒ کے احساسات وتصورات وسندات ساتھ رہیں اور اِدھر اُن کا نامِ نامی و خدماتِ گرامی مولائے کائنات علیہ السلام کے سائے میں زندہ وسلامت رہیں۔اور ہر قاری اُنکے مقامات کی بلندی کی دعا کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَمَّا بَعۡدَ حَمۡدِ اللّٰہِ الَّذِیۡ جَعَلَ الۡحَمۡدَ ثَمَنًا لِّنَعۡمَآئِہٖ،	1	اُس اللہ کی حمد وثنا کے بعد جس نے اپنی حمد وثنا کو اپنی نعمتوں کے لئے بطورِ قیمت تجویز فرمایا ہے،
وَ مَعَاذًا مِّنۡ بَلَآئِہٖ،	2	اور آزمائشوں اور مصائب کے لئے حمد وثنا کو پناہ گاہ بنایا ہے۔
وَ وَسِیۡلًا اِلٰی جِنَانِہٖ،	3	اور جنتوں کے حاصل کرنے کا وسیلہ قرار دیا ہے۔
وَ سَبَبًا لِّزِیَادَۃِ اِحۡسَانِہٖ،	4	اور اپنے احسانات میں اضافے کا سبب بنادیا ہے۔
وَ الصَّلٰوۃِ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ نَبِیِّ الرَّحۡمَۃِ،	5	اور درود ہو اُس کے رسولؐ پر جو پیغمبرِ رحمت ہے۔
وَ اِمَامِ الۡاَئِمَّۃِ،	6	جو تمام اماموںؑ کا امامؑ ہے۔
وَ سِرَاجِ الۡاُمَّۃِ،	7	جو اپنی امت کا چراغ و راہنما ہے؛
الۡمُنۡتَخَبِ مِنۡ طِیۡنَۃِ الۡکَرَمِ،	8	جو اُن حضراتؑ میں سے چنے گئے جنہیں اللہ نے اُس سامان سے پیدا کیا تھا جس سے تمام مخلوقات نے بزرگی وفائدہ حاصل کرنا تھا؛
وَ سُلَالَۃِ الۡمَجۡدِ الۡاَقۡدَمِ،	9	اور جو بنیادی وقدیم ترین شرافت و بزرگی کا نچوڑ یا عطر ہیں؛
وَ مَغۡرِسِ الۡفِخَارِ الۡمُعۡرِقِ،	10	کائنات کے ہر ذرّہ میں سمائے ہوئے فخر اور حُسن کو پیدا کرنے والے اور برقرار رہنے والے ہیں؛
وَ فَرۡعِ الۡعَلَآءِ الۡمُثۡمِرِ الۡمُوۡرِقِ،	11	اور بلندی عطا کرنے والے درخت کی، پھولوں اور پھلوں سے لدی پھندی ٹہنی یا شاخ ہیں؛
وَعَلٰی اَھۡلِ بَیۡتِہٖ مَصَابِیۡحِ الظُّلَمِ،	12	پھر حضورؐ کے اہلبیتؑ پر درود اور سلام جو اندھیروں میں راہنمائی کرنے والے چراغ ہیں؛

وَ عِصَمِ الْاُمَمِ،	13	اور تمام امتوں کے محافظ ونگہبان ہیں؛
وَ مَنَارِ الدِّیْنِ الْوَاضِحَةِ،	14	جو جنسِ دین کی وضاحت کرنے والے روشنی کے بلند مینار ہیں؛
وَ مَثَاقِیْلِ الْفَضْلِ الرَّاجِحَةِ،	15	اور اللہ کے ہر فضل وکرم کو جانچنے اور فراہم کرنے والے آخری درجے کے آلات یا اوزار ہیں۔
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ،	16	اللہ تمام اہلبیتؑ پر درود بھیجے،
صَلٰوةً تَكُوْنُ اِزَآءَ لِّفَضْلِهِمْ،	17	ایسا درود جو اُن کی بزرگی اور فیض رسانی کے شایانِ شان ہو؛
وَ مُكَافَاةً لِّعَمَلِهِمْ،	18	اور اُن کے کردار کی جزا ہو؛
وَ كِفَآءً لِّطِيْبِ فَرْعِهِمْ وَ اَصْلِهِمْ،	19	اور اُن کی تمام شاخوں اور جڑوں و بنیادوں کے ہم پلہ ہو؛
مَا اَنَارَ فَجْرٌ سَاطِعٌ ،	20	اے اللہ ایسا درود اس وقت تک بھیجتا رہ جب تک صبح دمکتی رہے؛
وَّ خَوٰی نَجْمٌ طَالِعٌ ،	21	اور چمکتے ہوئے ستارے نکلتے اور چھپتے رہیں؛
فَاِنِّیْ كُنْتُ فِیْ عُنْفُوَانِ السِّنِّ،	22	چنانچہ جب میری جوانی کی ابتدائی منزلیں آ پہنچیں،
وَ غَضَاضَةِ الْغُصْنِ ،	23	اور میں اپنی عمر کی بہاروں پر آ گیا،
اِبْتَدَأْتُ بِتَالِيْفِ كِتَابٍ فِیْ خَصَائِصِ الْاَئِمَّةِ (عَلَيْهِمُ السَّلَامُ) ،	24	تو میں نے آئمہ علیہم السلام کی خصوصیات پر ایک کتاب خصائص الائمہ لکھنے کی ابتدا کی؛
يَشْتَمِلُ عَلٰی مَحَاسِنِ اَخْبَارِهِمْ،	25	جو اُن حضراتؑ کے حُسنِ کلام اور
وَ جَوَاهِرِ كَلَامِهِمْ،	26	جواہر پاروں اور حالات واحادیث سے متعلق تھی۔
حَدَانِیْ عَلَيْهِ غَرَضٌ ذَكَرْتُهٗ فِیْ صَدْرِ الْكِتَابِ،	27	جس مقصد اور غرض نے مجھے اُس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کیا وہ میں نے اسی کتاب کے اندر لکھ دیا ہے۔
وَ جَعَلْتُهٗ اَمَامَ الْكَلَامِ،	28	اور اسی مقصد کو میں نے اپنے کلام کا افتتاحیہ بنایا ہے۔
وَ فَرَغْتُ مِنَ الْخَصَائِصِ الَّتِیْ تَخُصُّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيًّا (عَلَيْهِ السَّلَامُ)،	29	جب میں اُس کتاب کے اُس حصے سے فارغ ہوا جس میں امیر المومنین علیہ السلام کی خصوصیات پر انتہائی توجہ پیدا ہوتی ہے۔
وَ عَاقَتْ عَنْ اِتْمَامِ بَقِيَّةِ الْكِتَابِ مُحَاجَزَاتُ الزَّمَانِ،	30	اور اُس کتاب کے باقی ماندہ حصے کو مکمل کرنے میں ماحول کی ڈالی ہوئی رکاوٹیں آڑے آ گئیں۔

وَ مُما طَلَاتُ الْاَیَّامِ،	31	اور ناسازگاریِ ایام کے اُلجھاؤ نے بہرحال تکمیل سے مجھے باز رکھا؛
وَ کُنْتُ قَدْ بَوَّبْتُ مَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِکَ اَبْوَابًا،	32	اور جو کچھ میں نے اُس کتاب میں جمع کیا تھا اُسے کئی ایک ابواب میں تقسیم کر دیا تھا؛
وَ فَصَّلْتُهُ فُصُوْلًا،	33	اور اُس میں کئی فصلیں یا حصے قائم کئے تھے؛
فَجَآءَ فِیْ اٰخِرِهَا فَصْلٌ یَّتَضَمَّنُ مَحَاسِنَ مَا نُقِلَ عَنْهُ (عَلَیْهِ السَّلَامُ) مِنَ الْکَلَامِ الْقَصِیْرِ فِی الْمَوَاعِظِ وَ الْحِکَمِ وَ الْاَمْثَالِ وَ الْاٰدَابِ،	34	چنانچہ اُس کے آخر میں وہ فصل یا حصہ آیا تھا جس میں حضرت علی علیہ السلام سے وہ حسین کلام نقل کیا گیا ہے جو نہایت موزوں اختصار کے ساتھ چھوٹے چھوٹے جملوں میں نصیحتوں اور حکمتوں اور مثالوں اور آداب و تہذیب پر مشتمل ہے؛ اور
دُوْنَ الْخُطَبِ الطَّوِیْلَةِ،	35	جس میں آپ کے طویل خطبات نہ تھے۔
وَ الْکُتُبِ الْمَبْسُوْطَةِ،	36	اور نہ ہی علی علیہ السلام کے مفصل خطوط لکھے گئے تھے؛
فَاسْتَحْسَنَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْاَصْدِقَآءِ وَ الْاِخْوَانِ مَا اشْتَمَلَ عَلَیْهِ الْفَصْلُ الْمُقَدَّمُ ذِکْرُهُ،	37	چنانچہ دوستوں اور دینی بھائیوں کی ایک جماعت نے اُسے بہت ہی پسند کیا اور بہت داد دی جو مذکورہ فصل میں لکھنے کا پہلے ذکر کر چکا ہوں؛
مُعْجِبِیْنَ بِبَدَآئِعِهٖ،	38	بہرحال جو کچھ لکھا جا چکا تھا اُس کلام کی گہرائی، بے نظیری اور لطافت سے وہ لوگ بہت خوش ہوئے،
وَ مُتَعَجِّبِیْنَ مِنْ نَّوَاصِعِهٖ،	39	اور اُس کلام کے بے لاگ لپیٹ اور خالص ہونے پر حیران و انگشت بدانداں رہ گئے، اور
وَ سَاَلُوْنِیْ عِنْدَ ذٰلِکَ اَنْ اَبْدَاَ بِتَالِیْفِ کِتَابٍ یَّحْتَوِیْ عَلٰی مُخْتَارِ کَلَامِ مَوْلَانَا اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (عَلَیْهِ السَّلَامُ) فِیْ جَمِیْعِ فُنُوْنِهٖ،	40	مجھ پر تقاضا کیا کہ میں ایک ایسی کتاب مرتب کروں جو مولانا امیر المؤمنین علیہ السلام کے کلام پر احاطہ کر لے اور اُن کے بیان کردہ تمام علوم و فنون کو سمیٹ لے؛
وَ مُتَشَعَّبَاتِ غُصُوْنِهٖ مِنْ خُطَبٍ وَّ کُتُبٍ وَ مَوَاعِظَ وَ اٰدَابٍ،	41	اور اُن کے ہر شعبے اور عنوان میں بیان کردہ کلام کو، خطبات کو اور خطوط اور نصیحتوں اور آداب و تہذیب کو تفصیل سے سامنے لے آئے۔

عِلْمًا اَنَّ ذٰلِکَ یَتَضَمَّنُ مِنْ عَجَآئِبِ الْبَلَاغَةِ،	42	جس سے بلاغت کے تمام عجائبات معلوم ہوسکیں،
وَ غَرَآئِبِ الْفَصَاحَةِ،	43	اور فصاحت کے تمام بے مثل و نادر نمونے سامنے آسکیں؛
وَ جَوَاهِرِ الْعَرَبِيَّةِ،	44	عربی زبان کے جوہر کھل سکیں؛
وَ ثَوَاقِبِ الْكَلِمِ الدِّيْنِيَّةِ وَ الدُّنْوِيَّةِ،	45	اور اُس میں دینی و دنیاوی کلام کی جگمگاہٹیں بھری ہوئی ہوں؛
مَا لَا يُوْجَدُ مُجْتَمِعًا فِيْ كَلَامٍ،	46	وہ تمام کمالات ہوں جو کسی اور کلام میں کبھی نہ پائے گئے ہوں،
وَ لَا مَجْمُوْعَ الْاَطْرَافِ فِيْ كِتَابٍ،	47	اور نہ ہی کسی کتاب میں اُن کا کوئی پہلو جمع کیا جاسکا ہو؛
اِذْ كَانَ اَمِيْرُالْمُؤْمِنِيْنَ (عَلَيْهِ السَّلَام) مَشْرَعَ الْفَصَاحَةِ وَ مُوْرِدَهَا،	48	اس لئے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام ہی تو فصاحت کا سرچشمہ ہیں جہاں فصاحت کو چین ملتا ہے۔
وَ مَنْشَاۤءَ الْبَلَاغَةِ وَ مَوْلِدَهَا،	49	اور جو بلاغت کی جنم بھومی اور فصاحت کی منزل و مراد و منشا ہیں؛
وَ مِنْهُ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) ظَهَرَ مَكْنُوْنُهَا،	50	اُنؑ ہی حضرت علیہ السلام سے فصاحت و بلاغت کے پوشیدہ خزانے ظاہر ہوئے ہیں؛
وَ عَنْهُ اُخِذَتْ قَوَانِيْنُهَا،	51	اور اُنؑ ہی سے فصاحت و بلاغت کے قوانین حاصل کئے گئے ہیں؛
وَ عَلٰى اَمْثِلَتِهٖ حَذَا كُلُّ قَائِلٍ خَطِيْبٍ،	52	اُنؑ ہی کی راہ چل کر ہر خطیب اپنے خطبات میں کامیاب ہوا،
وَ بِكَلَامِهٖ اسْتَعَانَ كُلُّ وَاعِظٍ بَلِيْغٍ،	53	اُن ہی سے ہر کامیاب و اثر انگیز واعظ مدد لیتا رہا؛
وَ مَعَ ذٰلِکَ فَقَدْ سَبَقَ وَ قَصَّرُوْا؛	54	اور آپؑ کے کلام کے نمونوں اور مثالوں سے استفادہ کے باوجود تمام خطیب و واعظ قاصر رہے۔
وَ تَقَدَّمَ وَ تَاَخَّرُوْا،	55	اور وہی جنابؑ آگے رہے۔اور باقی سب پیچھے رہ گئے۔
لِاَنَّ كَلَامَهٗ (عَلَيْهِ السَّلَام) اَلْكَلَامُ الَّذِیْ عَلَيْهِ مَسْحَةٌ مِّنَ الْعِلْمِ الْاِلٰهِیْ؛	56	اور یہ اس لئے کہ اُنؑ کے کلام میں علمِ اِلٰہی کی چھاپ رہتی ہے۔
وَ فِيْهِ عَبْقَةٌ مِّنَ الْكَلَامِ النَّبَوِیْ؛	57	اور اُس میں کلام نبویؐ کی مہک ساتھ ساتھ چلی آتی ہے۔
فَاَجَبْتُهُمْ اِلَى الْاِبْتِدَاءِ بِذٰلِکَ؛	58	چنانچہ میں نے اپنے دوستوں اور دینی بھائیوں کی اس درخواست کو پورا کرنے کی ابتدا کی،

عَالِمًا بِمَا فِيْهِ مِنْ عَظِيْمِ النَّفْعِ،	59	اس یقین وعلم کے ساتھ کہ اُس کتاب سے عظیم الشان فائدہ ہوگا؛
وَمَنْشُوْرِ الذِّكْرِ،	60	اورمخصوص ذکر کی نشر واشاعت ہوگی؛
وَ مَذْخُوْرِ الْاَجْرِ؛	61	اُس کے اجر کے ذخیرے جمع ہوتے جائیں گے؛
وَ اعْتَمَدْتُ بِهٖ اَنْ اُبَيِّنَ مِنْ عَظِيْمِ قَدْرِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (عَلَيْهِ السَّلام) فِيْ هٰذِهِ الْفَضِيْلَةِ،	62	اور پکا ارادہ کرلیا کہ اس فصاحت و بلاغت کی فضیلت کوامیر المؤمنین علیہ السلام کی عظیم قدرومنزلت کے مطابق بیان کردوں؛
مُضَافَةً اِلَى الْمَحَاسِنِ الدَّثْرَةِ،	63	جو کہ علیؑ کے دیگر بے شمار مراتب اورخوبیوں پر اضافہ ہے۔
وَ الْفَضَائِلِ الْجَمَّةِ،	64	اور بہت سے فضائل کے علاوہ ایک فضیلت یہ بھی ہے؛
وَ اَنَّهٗ (عَلَيْهِ السَّلام) اَنْفَرَدَ بِبُلُوْغِ غَايَتِهَا عَنْ جَمِيْعِ السَّلَفِ الْاَوَّلِيْنَ،	65	اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت علیؑ فصاحت اور بلاغت والی فضیلت کے انتہائی مقام ومقصد تک پہنچنے میں اپنے سے پہلے کے اُن تمام انسانوں میں یکتا ویگانہ ہیں؛
اَلَّـذِيْنَ اِنَّمَا يُؤْثَرُ عَنْهُمْ مِنْهَا الْقَلِيْلُ النَّادِرُ، وَ الشَّاذُ الشَّارِدُ،	66	جن کا تھوڑا سا پریشان حال کلام ناقابل شمار اور دیکھنے میں بے تکا اور اتفاقیہ ملتا ہے؛
وَ اَمَّا كَلَامُهٗ فَهُوَ الْبَحْرُ الَّذِىْ لَا يُسَاجَلُ،	67	اور رہ گیا حضرت علیؑ کا کلام !وہ تو ایسا طوفانی سمندر ہے کہ اس میں کسی ناپسندیدہ چیز کا ٹھہرنا ممکن نہیں،
وَ الْجَمُّ الَّذِىْ لَا يُحَافَلُ،	68	اوراس میں اتنی بے شمار و بے مثل خوبیاں ہیں کہ اُن کے مقابل کوئی خوبی نہیں آسکتی؛
وَ اَرَدْتُ اَنْ يَّسُوْغَ لِیَ التَّمَثُّلُ فِى الْاِفْتِخَارِ بِهٖ (صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ) بِقَوْلِ الْفَرَزْدَقِ: "اُولٰئِکَ آبَائِىْ فَجِئْنِىْ بِمِثْلِهِمْ، اِذَا جَمَعَتْنَا (يَا جَرِيْرُ) الْمَجَامِعُ۔"	69	اس موقعہ پر میرا ارادہ ہے کہ میں آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ کی اولاد ہونے کی نسبت سے فخر ومباہات کو جائز سمجھوں اور فرزدق شاعر کی زبانی یہ کہہ دوں کہ: "یہ ہیں میرے آباؤ اجداد جن پر مجھے فخر ہے۔اے جریر جب کبھی جلسوں یا مجالس میں ہم اکٹھے ہوں تو تم بھی کسی کو ان کے مقابلے میں پیش کرنا۔"

وَ رَاَیۡتُ کَلَامَهٗ (عَلَیۡهِ السَّلام) یَدُوۡرُ عَلٰی اَقۡطَابٍ ثَلٰثَةٍ: اَوَّلُهَا الۡخُطَبُ وَ الۡاَوَامِرُ، وَ ثَانِیۡهَا الۡکُتُبُ وَ الرَّسَائِلُ، وَ ثَالِثُهَا الۡحِکَمُ وَالۡمَوَاعِظُ،	70	میں نے دیکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام تین محوروں پر گھومتا ہے: اُن میں سے پہلا، خطبے اور احکام، دوسرا خطوط اور مراسلے ہیں، اور تیسرا حکمتیں اور نصیحتیں ہیں۔
فَاَجۡمَعۡتُ بِتَوۡفِیۡقِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَی الۡاِبۡتِدَآءِ بِاخۡتِیَارِ مَحَاسِنِ الۡخُطَبِ ثُمَّ مَحَاسِنِ الۡکُتُبِ ثُمَّ مَحَاسِنِ الۡحِکَمِ وَ الۡاٰدَابِ،	71	چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیقات کے سہارے حضرت علی علیہ السلام کے پسندیدہ خطبوں کو پہلے جمع کرنا شروع کیا۔ پھر بہترین خطوط کو نمبر دیا اور بعدہ موزوں ترین حکمتوں اور ادب کو جگہ دی ہے؛
مُفۡرِدًا لِکُلِّ صِنۡفٍ مِّنۡ ذٰلِکَ بَابًا،	72	اور اُن سب کے لئے میں نے الگ الگ حصے اور ابواب مقرر کئے ہیں؛
وَ مُفَصِّلًا فِیۡهِ اَوۡرَاقًا،	73	اور ہر باب میں فاصلہ دے دے کر خالی وسادہ صفحات یا ورق چھوڑ دیئے ہیں؛
لِّتَکُوۡنَ مُقَدِّمَةً لِّاِسۡتِدۡرَاکِ مَا عَسَاهُ یَشُذُّ عَنِّیۡ عَاجِلًا،	74	تاکہ حضرت علی علیہ السلام کا وہ کلام درج کیا جاسکے جو شاید مجھ سے جلدی میں چھوٹ جائے۔
وَ یَقَعُ اِلَیَّ آجِلًا،	75	اور بعد میں کبھی مجھے مل جائے۔
وَ اِذَا جَاءَ شَیۡءٌ مِّنۡ کَلَامِهٖ (عَلَیۡهِ السَّلام) الۡخَارِجِ فِیۡ اَثۡنَاءِ حِوَارٍ،	76	اور جب مجھے حضرت علی علیہ السلام کا ایسا کلام ملے جو دوران گفتگو شامل نہ ہوسکا ہو۔
اَوۡ جَوَابِ سُؤَالٍ، اَوۡ غَرَضٍ اٰخَرَ مِنَ الۡاَغۡرَاضِ فِیۡ غَیۡرِ الۡاَنۡحَاءِ الَّتِیۡ ذَکَرۡتُهَا،	77	یا جو کسی سوال کے جواب میں واقع ہوا ہو۔ یا ان اغراض کے علاوہ کسی اور مقصد سے متعلق ہو جو میں بیان کر چکا ہوں،
وَ قَرَّرۡتُ الۡقَاعِدَةَ عَلَیۡهَا،	78	اور جن کے اندراج کا قاعدہ لکھ چکا ہوں۔
نَسَبۡتُهٗ اِلٰی اَلۡیَقِ الۡاَبۡوَابِ بِهٖ،	79	تو ایسے کلام کو کلام کی مناسبت اور موزونیت کی رُو سے مختلف ابواب قائم کر کے لکھ دیا جائے،
وَ اَشَدِّ هَا مُلَامَحَةً لِّغَرَضِهٖ،	80	اور وہ غرض پوری ہو جائے جو اس کلام کا تقاضا ہو۔
وَ رُبَّمَا جَآءَ فِیۡمَا اخۡتَارُهٗ مِنۡ ذٰلِکَ فُصُوۡلٌ غَیۡرُ مُتَّسِقَةٍ،	81	جو کچھ میں نے مذکورہ ابواب اور حصوں میں جمع کیا ہے، اُس میں کچھ ایسا مفید کلام بھی آ گیا ہے جس میں بے ربطی سی ہے،

وَ مَحاسِنُ کَلِمٍ غَیْرُ مُنْتَظِمَۃٍ،	82	اور جس کے انتخاب میں بدنظمی سی پائی جاتی ہے،
لِاَنّیِْ اَوْرِدُ النُّکَتَ وَ اللُّمَعَ،	83	اس لئے کہ میں تو بہترین نکات اور اثر انگیز کلمات سمیٹنے میں مصروف ہوں،
وَ لا اَقْصُدُ التَّتالِیَ و النَّسقَ،	84	میں نے یہ قصد ہی نہیں کیا کہ ترتیب وربط کو پہلا نمبر دوں،
وَ مِنْ عَجائِبِہٖ (عَلَیْہِ السَّلام) الَّتِیْ اَنفَرَدَ بِھَا،	85	علی علیہ السلام کے کلام کا عجیب ترین حصہ وہ ہے جہاں وہ ساری دنیا میں یکتا ویگانہ ہیں،
وَ اَمِنَ الْمُشارَکَۃَ فِیْھَا،	86	جہاں آپؑ کا کلام قطعاً لاشریک لہ ہوگیا ہے؛
اَنَّ کَلامَہُ الْوَارِدَ فِی الزُّھْدِ وَ الْمَواعِظِ وَ التَّذْکِیرِ وَ الزَّوَاجِرِ،	87	جو آپ نے پارسائی اور نصیحت اور تنبیہہ اور ڈانٹ ڈپٹ کی ذیل میں فرمایا ہے؛
اِذا تَامَّلَہُ الْمُتامِّلُ،	88	چنانچہ اگر ٹھہر ٹھہر کر غور کرنے والا برابر متوجہ رہے؛
وَ فَکَّرَ فِیْہِ الْمُتفکِّرُ،	89	اور حقیقت تک پہنچنے کی فکر وسوچ جاری رکھے،
وَ خَلَعَ مِنْ قَلْبِہٖ اَنَّہٗ کَلامُ مِثْلِہٖ (عَلَیْہِ السَّلام)	90	اور دماغ کو اس بات سے خالی کرلے کہ یہ علی علیہ السلام کا ہی کلام ہے اور بھول جائے کہ،
مِمَّنْ عَظُمَ قَدْرُہٗ،	91	یہ اس ہستی کے ارشادات ہیں جو عظیم الشان مرتبے والا ہے،
وَ نَفَذَ اَمْرُہٗ،	92	اور جس کے احکام ساری دنیا میں جاری ہیں،
وَ اَحاطَ بِالرِّقَابِ مُلْکُہٗ،	93	اور جس کی حکومت کے رُو برو ہر گردن جھکی ہوئی ہے،
لَمْ یَعْتَرِضْہُ الشَّکُّ فِیْ اَنَّہٗ مِنْ کَلامِ مَنْ لا حَظَّ لَہٗ فِیْ غَیْرِ الزَّھَادَۃِ،	94	تو اُسے ہرگز اس میں شک نہ رہے گا کہ یہ تو کسی ایسے شخص کا کلام ہے جسے دنیاداری سے کسی قسم کا کبھی تعلق نہیں رہا ہے،
وَ لا شُغْلَ لَہٗ بِغَیْرِ الْعِبادَۃِ،	95	اور عبادت کے سوا اس کا اور کوئی مشغلہ نہیں رہا ہے؛
قَدْ قَبَعَ فِیْ کِسْرِ بَیْتٍ،	96	وہ تو کوئی ایسا شخص ہے جو کسی گھر کے کونے میں سر بگریباں رہتا رہا ہے؛
اَوِ انْقَطَعَ اِلٰی سَفْحِ جَبَلٍ لا یَسْمَعُ اِلَّا حِسَّہٗ،	97	یا یہ کہ اُس نے کسی پہاڑ کی کھوہ یا غار میں زندگی گزاری جہاں اس نے اپنے سانس کی آواز کے سوا اور کچھ سنا ہی نہیں،
وَ لا یَرٰی اِلَّا نَفْسَہٗ،	98	اور زندگی بھر اپنے علاوہ کسی اور چیز کو دیکھا ہی نہیں؛

وَ لَا یَـکَادُ یُوْقِنُ بِاَنَّهٗ كَلَامُ مَنْ یَّنْغَمِسُ فِی الْحَرْبِ مُصْلِتًا سَیْفَهٗ فَیَقُطُّ الرِّقَابَ،	99	حضرت علی علیہ السلام کا کلام پڑھتے پڑھتے اُس غور وفکر کرنے والے کو ایسا یقین ہو جائے گا کہ پھر وہ یہ ماننے کو تیار نہ ہوگا کہ یہ ایسے شخص کا کلام ہے جو تارک الدنیا نہیں بلکہ وہ شخص ہے جو تیغ بکف فوجوں میں گھس جاتا اور گردنیں کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگاتا چلا جاتا تھا؛
وَ یُجَدِّلَ الْاَبْطَالَ،	100	نامور پہلوانوں کو پچھاڑ دیتا تھا؛
وَ یَعُوْدُ بِهٖ یَنْطِفُ دَمًا،	101	جنگ سے خون کا دھارا بہتا چھوڑ کر پلٹتا تھا؛
وَ یَقْطُرُ مُهَجًا،	102	اور تلوار سے خون ٹپکتا چلا آتا تھا؛
وَ هُوَ مَعَ تِلْکَ الْحَالِ زَاهِدُ الزُّهَّادِ،	103	اِس کے باوجود وہ تمام پارساؤں اور عبادت گزاروں سے زیادہ پارسا اور عبادت گزار تھا۔
وَ بَدَلُ الْاَبْدَالِ،	104	اور تمام اولیأ اللہ کا سرتاج تھا۔
وَ هٰذِهٖ مِنْ فَضَائِلِهِ الْعَجِیْبَةِ،	105	اور آپؑ کے فضائل میں سے فضیلت کی یہ قسم بہت ہی عجیب تھی؛
وَ خَصَائِصِهِ اللَّطِیْفَةِ الَّتِیْ جَمَعَ بِهَا بَیْنَ الْاَضْدَادِ،	106	اور اُن کی خصوصیات میں سے یہ خصوصیت ایسی لطیف تھی جس کی بنا پر آپؑ نے اپنے اندر متضاد صفات کو جمع کر لیا تھا؛
وَ اَلَّفَ بَیْنَ الْاَشْتَاتِ،	107	اور متضاد ومختلف صفات کو آپس میں وابستہ ومحبوب بنا دیا تھا جو کبھی ہم آہنگ نہیں ہوتیں؛
وَ کَثِیْرًا مَّا اُذَاکِرُ الْاِخْوَانَ بِهَا،	108	اور میں نے اِن عجیب وغریب فضائل کا اکثر وبیشتر اپنے دینی بھائیوں سے تذکرہ جاری رکھا؛
وَ اَسْتَخْرِجُ عَجَبَهُمْ مِنْهَا،	109	اور میں نے اُن فضائل کو سنا سنا کر اُن کی مسرتیں اور پسندیدگی حاصل کی؛
وَ هِیَ مَوْضِعٌ لِّلْعِبْرَةِ بِهَا،	110	اور فضیلت کا یہی پہلو ہے جس سے بھرپور عبرت وسبق لیا جاسکتا ہے؛
وَ الْفِکْرَةِ فِیْهَا،	111	اور جو غور وفکر اور سوچ کے لئے حیات جاوداں بنتی ہے؛
وَ رُبَّـمَا جَآءَ فِیْ اَثْنَاءِ هٰذَا الْاِخْتِیَارِ اللَّفْظُ الْمُرَدَّدُ،	112	میرے اختیار کردہ اس انتخاب کو پڑھنے کے دوران بعض الفاظ دوہرا کر لکھے ہوئے بھی ملیں گے؛
وَ الْمَعْنَى الْمُكَرَّرُ؛	113	اور معانی ومفہوم بھی مکرّر رہوں گے۔

وَ الْعُذْرُ فِیْ ذٰلِکَ اَنَّ رِوَایَاتِ کَلَامِهٖ (عَلَیْهِ السَّلَام) تَخْتَلِفُ اخْتِلَافًا شَدِیْدًا،	114	اُن صورتوں کے دوہرانے پر میرا عذر یہ ہے کہ آپؑ کا کلام بڑی شدت کے ساتھ طرح طرح سے روایت کیا گیا ہے۔
فَرُبَّمَا اتَّفَقَ الْکَلَامُ الْمُخْتَارُ فِیْ رِوَایَةٍ فَنُقِلَ عَلٰی وَجْهِهٖ،	115	چنانچہ یہ بھی ہوا ہے کہ مجھے ایک روایت میں آپؑ کا قابل انتخاب کلام ملا اور اسی وجہ سے میں نے اسے نقل کرلیا؛
ثُمَّ وُجِدَ بَعْدَ ذٰلِکَ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی مَوْضُوْعًا غَیْرَ وَضْعِهِ الْاَوَّلِ،	116	پھر مجھے کسی دوسری روایت میں وہی کلام دوسرے انداز اور شاندار طریقے پر مل گیا جو لکھا جاچکنے والے کلام سے نرالا تھا؛
اِمَّا بِزِیَادَةٍ مُّخْتَارَةٍ،	117	یا تو یہ ہوا کہ وہ کلام لکھا جاچکنے والے کلام سے زیادہ معنی خیز تھا؛
اَوْ بِلَفْظٍ اَحْسَنَ عِبَارَةً،	118	یا اُس کی عبارت اور الفاظ اپنی عمدگی میں بہت دلکشی رکھتے تھے؛
فَتَقْتَضِیْ الْحَالُ اَنْ یُّعَادَ اسْتِظْهَارًا لِّلْاِخْتِیَارِ،	119	چنانچہ اس کلام کی نفاست اور خوبیوں کا تقاضا ہوا کہ نقل شدہ کلام کو دوبالا کرنے کے لئے اُسے بھی لکھ لوں اور زیادہ سے زیادہ ذخیرہ کرلوں،
وَغَیْرَةً عَلٰی عَقَائِلِ الْکَلَامِ،	120	اور ہاتھ آئے ہوئے کلام کو ضائع ہونے سے بچالوں لہٰذا دوہرانے اور بار بار لکھ لینے ہی کو بہتر سمجھا اور لکھتا گیا۔
وَ رُبَّمَا بَعُدَ الْعَهْدُ اَیْضًا بِمَا اخْتِیْرَ اَوَّلًا فَاُعِیْدَ بَعْضُهٗ سَهْوًا وَّ نِسْیَانًا،	121	اور کہیں کہیں یہ بھی ہوا ہے کہ میں نے جو کچھ پہلے انتخاب اور اختیار کرکے لکھ لیا تھا وہ حافظہ سے نکل گیا اور اس میں سے کچھ بھول چوک کی بنا پر دوبارہ لکھا گیا،
لَّا قَصْدًا وَّ اعْتِمَادًا،	122	جس میں میرا ارادہ اور بھروسہ ویقین شامل نہیں ہے؛
وَ لَا اَدَّعِیْ مَعَ ذٰلِکَ اَنِّیْ اُحِیْطُ بِاَقْطَارِ جَمِیْعِ کَلَامِهٖ (عَلَیْهِ السَّلَام)،	123	اور نہ ہی میرا یہ دعویٰ ہوسکتا ہے کہ میں نے آپؑ کے کلام کی ہر قسم اور ہر عنوان پر احاطہ کردیا ہے؛
حَتّٰی لَا یَشُذَّ عَنِّیْ مِنْهُ شَاذٌّ،	124	یعنی یہ بھی نہیں کہتا کہ مجھ سے آپؑ کا کوئی بھی جملہ نہیں چھوٹنے پایا ہے؛
وَّ لَا یَنِدَّ نَادٌّ،	125	اور کچھ بھی مجھ سے بچ کر نہیں نکلا ہے،
بَلْ لَّا اُبْعِدُ اَنْ یَّکُوْنَ الْقَاصِرُ عَنِّیْ فَوْقَ الْوَاقِعِ اِلَیَّ، وَ الْحَاصِلُ فِیْ رِبْقَتِیْ دُوْنَ الْخَارِجِ مِنْ یَّدَیَّ،	126	بلکہ کچھ بعید نہیں ہے کہ جو کلام مجھ تک نہ پہنچا وہ اُس سے زیادہ ہو جو میرے ہاتھ لگا اور جس جس کلام پر میں مطلع ہوں اُس سے وہ کلام زیادہ ہو جو میری رسائی سے باہر رہ گیا؛

اور میری ذمہ داری اسی قدر ہے کہ میں اپنی تمام کوششیں بر سر کار لے آؤں،	127	وَ مَا عَلَيَّ اِلَّا بَذْ لُ الْجُهْدِ،
اور اپنی تمام وسعتوں اور وسائل کو استعمال کر ڈالوں؛	128	وَ بَلَا غُ الْوُسْعِ،
اور منزل مقصود کی طرف راہنمائی کرنا اور راہنما فراہم کرنا،	129	وَ عَلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ نَهْجُ السَّبِيْلِ،
اور واضح دلائل عطا کرنا اللہ پاک کے ہاتھ ہے، انشاءاللہ تعالیٰ۔	130	وَ رَشَادُ الدَّلِيْلِ، اِنْشَاءَ اللّٰهُ۔
اس کتاب کی تالیف و تدوین کے بعد میں نے مناسب یہ سمجھا کہ اس کتاب کا نام نہج البلاغہ رکھا جائے؛	131	وَ رَاَيْتُ مِنْ بَعْدُ تَسْمِيَةَ هٰذَاالْكِتَابِ بِنَهْجِ الْبَلَاغَةِ،
اس لئے کہ یہ کتاب ناظرین کے لئے فصاحت و بلاغت کے دروازے کھول دے گی؛	132	اِذْ كَانَ يَفْتَحُ لِلنَّاظِرِ فِيْهِ اَبْوَابَهَا،
طلب گاروں کو فصاحت و بلاغت اور تقاریر میں کامیابی سے قریب تر کر دے گی؛	133	وَ يُقَرِّبُ عَلَيْهِ طِلَا بَهَا،
اس کتاب میں وہ تمام ہی سامان موجود ملے گا جس کی ہر عالم کو اور ہر طالب علم کو ضرورت پڑتی ہے؛	134	وَ فِيْهِ حَاجَةُ الْعَالِمِ وَ الْمُتَعَلِّمِ،
وہ سارا ذخیرہ ہے جو کہ ہر زاھد و پارسا اور کامیاب آدمی کو درکار ہے؛	135	وَ بُغْيَةُ الْبَلِيْغِ وَ الزَّاهِدِ،
اس میں توحید و عدلِ خداوندی پر عجیب و غریب و حقیقت نما بیانات بھی سامنے سے گزرتے رہیں گے؛	136	وَ يَمْضِيْ فِيْ اَثْنَآئِهٖ مِنْ عَجِيْبِ الْكَلَامِ فِي التَّوْحِيْدِ وَ الْعَدْلِ،
اور اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ وہ تمام تشبیہات اور صفات والفاظ ساکت کر دینا معلوم ہوگا جو اُسے مخلوق سے الگ کرنے کے لئے بہت ضروری ہیں؛	137	وَ تَنْزِيْهِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى عَنْ شِبْهِ الْخَلْقِ،
یہ کتاب علم کے پیاسوں کو سیراب کر کے چھوڑے گی؛	138	مَا هُوَ بِلَالُ كُلِّ غُلَّةٍ،
ہر بیماری اور نقص کا معالجہ و تدارک کرے گی؛	139	وَ شِفَآ ءُ كُلِّ عِلَّةٍ،
ہر قسم کے شبہات پر روشنی بن کر چھا جائے گی اور انہیں یقین سے بدل دے گی؛	140	وَ جَلَاءُ كُلِّ شُبْهَةٍ،

وَ مِنَ اللّٰـہِ سُبحَانَہٗ اَستَمِدُّ التَّوفِیقَ وَ الْعِصمَۃَ،	141	اور میں تو اللہ پاک ہی سے مدد کا طالب ہوں، اُسی سے توفیق چاہتا ہوں اور اسی سے عصمت یعنی غلطیوں سے بچتے رہنے کی امید و یقین رکھتا ہوں؛
وَ اَتَنَجَّزُ التَّسدِیدَ وَالْمَعُونَۃَ،	142	اللہ ہی سے صحیح اعمال میں اعانت اور درستی کا طالب ہوں۔
وَ اَستَعِیذُہٗ مِنْ خَطَآءِ الْجَنَانِ قَبلَ خَطَآءِ اللِّسَانِ،	143	میں اللہ کی ایسی پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے قلب و ذہن اور اعضاء کی غلطیوں سے زبان کی غلطیوں سے پہلے ہی بچائے رکھے۔
وَ مِنْ زَلَّۃِ الْکَلِمِ قَبلَ زَلَّۃِ الْقَدَمِ،	144	اور میرے قدموں کے ڈگمگانے سے پہلے ہی میرے کلام کا ڈگمگانا روک دے؛
وَ ھُوَ حَسبِیْ وَ نِعمَ الْوَکِیلُ۔	145	وہی میرا وکیل اور حسبِ حال ہے۔
بَابُ الْمُختَارِ مِنْ خُطَبِ اَمِیرِ الْمُؤمِنِینَ (عَلَیہِ السَّلام) وَ اَوَامِرِہٖ، وَ یَدخُلُ فِیْ ذٰلِکَ الْمُختَارُ مِنْ کَلَامِہِ الْجَارِیْ مَجرَی الْخُطَبِ فِی الْمَقَامَاتِ الْمَحصُورَۃِ، وَ الْمَوَاقِفِ الْمَذکُورَۃِ وَ الْخُطُوبِ الْوَارِدَۃِ۔		<u>پہلاباب</u> جس میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے وہ خطبے اور احکام ہیں جو علامہ رضیؒ نے انتخاب و اختیار کئے اور اُسی باب میں امیر المؤمنینؑ کا وہ کلام بھی ساتھ کے ساتھ درج ہوتا چلا گیا ہے جو حضرت علی علیہ السلام نے خطبوں اور تقریروں ہی کی حیثیت سے فرمایا تھا۔ اس باب کا پورا کلام ایسا ہے جو حضرت علی علیہ السلام نے مختلف جلسوں اور اہم مواقع اور ہنگاموں کے دوران بیان کیا تھا۔

حضرت رضی رضی اللہ عنہ کا افتتاحیہ ختم ہوا۔

28۔ تعلیماتِ خداوندی اور نہج البلاغہ

نہج البلاغہ کے ترجمہ اور تشریحات سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن اور نہج البلاغہ کے تراجم وتفاسیر میں سب کچھ ہے مگر ترجمہ وتفسیر ہی نہیں ہے۔یعنی مفسرین نے اپنی تفسیروں کے اور شارحین نے اپنی تشریحات کے ڈھیر صرف اس لئے لگائے ہیں کہ وہ قرآن اور نہج البلاغہ کے حقائق کو اُن ڈھیروں کی آڑ میں چھپا سکیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔اس صورتِ حال نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم آگے بڑھیں اور اپنی عدیم الفرصتی اور بے بضاعتی کے باوجود ان دونوں کتابوں پر ڈالے ہوئے تراجم وتفاسیر کے پردے چاک کر کے حقیقت واقعی کو پبلک کے سامنے آنے کا موقع فراہم کریں۔چنانچہ قرآن کا ترجمہ وتفسیر وہ راز کھول چکے ہیں جنہیں ہر مترجم ومفسر چھپاتا چلا آرہا تھا۔اوراب ہر شخص قرآن ہی کے اندر قرآن ہی کے واشگاف الفاظ میں دیکھ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خود اللہ یہ بتاتے رہے ہیں کہ:

''قریش نے بحیثیتِ قوم قرآن کریم کے حقائق کی جگہ باطل عقائد گھڑ کر قرآن کے حق ہونے کو جھٹلایا اور اسے مہجور ومتروک کر کے رکھ دیا تھا۔'' (انعام 6/66، فرقان 25/30 اور سینکڑوں آیات)

قریش کے عملدرآمد کو برابر جاری رکھا گیا اور یہ تحریف وتلبیس قرآن کو وہاں لے آئی جہاں وہ ایک معمّہ اور بے معنی کتاب بن کر رہ گئی اور اسی سے سینکڑوں فرقے اور انتشار واختلاف وافتراق کو جنم دیا گیا۔اور یہ قریشی منصوبہ ابھی جاری اور برسرِ کار ہے۔

وفاتِ رسولؐ کے بعد حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیان وعمل سے قریشی سازش اور اُن کے منصوبوں کی وضاحت کرنا شروع کی اور وہ سب کچھ بیان کرتے رہے جس پر مسلمانوں کے خلفا نے سزائے موت مقرر کر رکھی تھی اور تمام صحابہ کو نظر بند کر رکھا تھا۔اور قتل وغارت کے خوف سے صحابہ نے کلمۂ حق کہنا بند کر دیا تھا۔لیکن اُس خوف وہراس کے زمانہ میں قریشی قوم اور اُس کے خلفا کی بھرپور مذمت اور ان کی باطل پرستیاں، اور اللہ، محمدؐ اور اسلام کے خلاف تمام سازشوں کو بیان کرنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام نے جو زبان استعمال کی ہے اُس کی بے انتہا اثر انگیزیوں اور لامحدود خوبیوں کو الگ الگ بیان کرنے کی قدرت نہ ہونے کی بنا پر علمائے لسانیات نے کلامِ مرتضوی کو ''مافوق البشر'' قرار دے کر جان چھڑالی۔وہ زبان بہت ہی وسیع الاطراف ہے۔ایک طرف اُس نے خون کے پیاسے حکمرانوں کی زبان بند رکھی، اُن کو اُن کے خون آشام ارادوں سے باز رکھا، اُن سے موقع بموقع اپنی مدح اور اعترافِ حق کرایا۔دوسری طرف عوام الناس کو گرویدہ بنایا، حق وباطل کی تمیز عطا کی، اہلِ خرد کو خطرات سے خبردار کیا اور اپنے تحفظ کے طریقے سکھائے۔مستقبل میں آنے والے حوادث کی طرف متوجہ رہنے کا تقاضا کیا۔اہلِ حق کو باطل کے خلاف محاذ آرائی کے گُر بتائے۔الغرض قریش کے خلاف اور تعلیماتِ خداوندی کے حق میں وہ خاموش محاذ رُوبہ کار لے آئے جس نے بتدریج متلاطم ہوتے جانا تھا اور ایک روز قریشی حکومت ومذہب کو مسمار کر دینا تھا۔

جب خلافت، عہدِ عباسی میں بے بس وبے کس کر دی گئی اور مرتضویؐ محاذ غالب آگیا تو قریشی ماہرینِ سیاسیات ومذہبیات نے وہ چال چلی جس سے ہوسِ جاہ وجلال واقتدار رکھنے والے شیعہ لیبل کے علما نے قریش کا نظامِ اجتہاد اختیار کر لیا۔جسے دینی مقام سے

گرانے کے لئے غیبت کبریٰ کا اعلان ہوا اور محاذِ مرتضویؑ نے زیرِ زمین کام شروع کر دیا تا کہ اُس طاقت کے خلاف بے روک کام کیا جا سکے جو کہ اب شیعہ مجتہدین کے تعاون سے دوبارہ سنبھل گئی تھی۔ عین اُسی زمانہ میں جناب السید رضی رضی اللہ عنہ نے گردش ایام کو تیز تر اور با اثر کرنے کے لئے خطبات و بیانات مرتضویؑ جمع کئے اور اُن کو ''نہج البلاغہ'' کے نام نامی سے پبلک کے سامنے رکھ دیا۔ اس نام کی تعریف جناب علامہ محمد عبدربہ اعلی اللہ مقامہ کے قلم سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا ہے کہ:

''وَلَا اَعْلَمُ اِسْمًا اَلْیَقُ بِالدَّلَالَةِ عَلٰی مَعْنَاہُ مِنْهُ وَ لَیْسَ فِیْ وسعی اَنْ اَصِفُ هٰذَا الکتاب بازید مِمَّا دَلَّ علیه اسمه۔'' (مقدمة نهج البلاغة صفحہ 4)

''اور میں تو اس نام (نهج البلاغة) سے بہتر کوئی اور نام نہیں جانتا جو اپنے معنی پر اس سے اچھی دلالت کر سکے اور نہ مجھ میں اس کی قدرت ہے کہ اُس سے زیادہ اس کی توصیف کر سکوں جو خود اس نام (نہج البلاغہ) سے ظاہر ہے۔''

29۔ تعلیماتِ خداوندی کو ہر حالت میں نوعِ انسان تک پہنچانے کے طریقے کو ''نہج البلاغہ'' کہا گیا ہے

یہ بھی قریشی سازش ہے کہ عربی زبان کے سیدھے سادے الفاظ کو اُن کے موضوعی معنی سے ہٹا کر اُن معنی میں استعمال کرنا جو اُن کے منصوبے کی تائید کرتے ہوں اور یہ بھی ہم قرآن کی زبان سے کہہ رہے ہیں یعنی فرمایا کہ:

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (مائدہ 5/13)

''وہ خاص خاص الفاظ کے معنی اُن کے حقیقی موضوعات یا مقامات سے ہٹاتے ہیں اور ہٹاتے رہیں گے (مضارع کا تقاضا ہے)''

یہی ترکیب اس نام ''نهج البلاغة'' کیلئے بڑے حُسن اور تدبر کے ساتھ استعمال کی گئی اور لفظ ''بلاغة'' یا بلاغت کے معنی ''الفاظ کی بھول بھلیاں'' یا ''دقیق وثقیل الفاظ کی بھرمار'' یا ''الفاظ کی سحر انگیز ترتیب'' یا ''جادو بیانی'' وغیرہ وغیرہ کر لئے گئے اور یوں نہج البلاغہ سے خطبات کے مطالب ومقاصد وحقائق سے توجہ ہٹا کر مطلب یہ لیا گیا کہ:

''حضرت علیؑ نے اس کتاب میں جو کچھ کہا ہے وہ الفاظ کی ترتیب ونشست وبرخاست کا اسلوب ہے'' اور بس۔

یعنی جس کسی کو پھڑکا دینے والا لکچر دینا ہو یا جس کسی کو وجد آفرین تحریر لکھنی ہو وہ اس کتاب کے خطبات اور خطبات کے جملوں کو رٹ لے بس کام ہو گیا۔ یعنی یہ معنی کر کے اس حقیقت کو قطعاً چھپا دیا کہ جسے یہ دیکھنا ہو کہ قریش نے کس حسنِ تدبر سے تمام تعلیماتِ انبیاؑ کو اپنے مذہب ومسلک میں تبدیل کیا تھا؟ جس نے یہ سمجھنا ہو کہ کس طرح ایک باطل مذہب کو میک اپ کر کے اسلام بنا کر پیش کیا جاتا ہے؟ اور جو اُس ڈپلومیسی کو جاننا چاہے جس کے ماتحت خاندانِ رسولؐ سے لے کر عوام الناس کا قتل عام، لوٹ مار اور عصمت دری قرآن اور اسلام کے نام پر نافذ کی جاتی ہے؟ اور جس نے حقیقتِ تعلیماتِ خداوندی اور حکومتِ الٰہیّہ اور لامحدود قدرت وحیات کے حصول کا طریقہ سیکھنا ہو وہ نہج البلاغہ کو پڑھے۔ جس نے بے پناہ قدرت واقتدار والی باطل حکومتوں کو بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکنا ہو وہ نہج البلاغہ سے سیکھے۔

(الف) الفاظ ''نہج'' اور ''بلاغت'' کے فطری، حقیقی اور قرآن کی سند والے معنی

قریشی حکومتوں اور اُن کے وظیفہ خوار و جاگیردار علما نے دو الفاظ کی ایک ایسی جوڑی تیار کی جو ہما شما کی زبان و قلم پر جاری رہتی ہے۔ وہ ہے ''فصاحت و بلاغت'' اس دوسرے لفظ کے معنی بیان کرنے اور سمجھنے میں وقت ضائع کئے بغیر یہ سنیں کہ علامہ دبیر لکھنوی اور علامہ انیس کا موازنہ کرتے ہوئے قریشی پالیسی کے ماتحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ:

علامہ دبیر کا کلام بلیغ ہے، یعنی مشکل الفاظ والا ہے۔ اور علامہ انیس کا کلام فصیح ہے یعنی آسان الفاظ والا ہے۔ ہماری زبان میں یوں سمجھیں کہ گویا فصیح کے معنی عام فہم ہوئے اور لفظ بَلِیْغ کے معنی مشکل یا مشکل سے سمجھ میں آنے والے کلام کے ہوئے۔ اور یہ سب ذرا دیر بعد قرآن کریم کی سند کے ساتھ ہم باطل اور بکواس و شیطانی تحریف ثابت کئے دیتے ہیں۔

پہلے لفظ ''بلیغ'' کے معنی قرآن سے سن لیں

اللہ نے رسولؐ اللہ کو قریشی قوم کے لئے یوں ہدایت فرمائی ہے کہ: (علامہ مودودی کے ترجمہ کی سند رہے)

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰہُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ وَ عِظۡہُمۡ وَ قُلۡ لَّہُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ قَوۡلًۢا بَلِیۡغًاo (نساء 4/63)

''اللہ جانتا ہے جو کچھ اُنکے دلوں میں ہے، اُن سے تعرّض مت کرو، اُنہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو انکے دلوں میں اُتر جائے۔''
(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 368)

ترجمہ دراصل یہ ہونا چاہیے تھا کہ:

''اے رسولؐ تمہاری قوم کے دلوں میں جو منصوبہ جما ہوا ہے اُسے اللہ خوب جانتا ہے۔ چنانچہ اُن کی طرف سے اپنی اُمیدیں اور توجہات ہٹا لیں اور اُنہیں وعظ کرتے رہیں اور بات اس طرح کریں جو دلوں تک پہنچ کر رہے۔''

لہٰذا لفظ ''بلیغ'' کے حقیقی معنی ''پہنچنے'' کے ہیں۔ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ ''بالغ'' وہ ہوتا ہے جو شادی یا نکاح کی عمر کو ''پہنچ'' جائے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تمام مذاہب کے علما اپنے اپنے مذاہب کی ''تبلیغ'' کرتے ہیں۔ یعنی وہ اپنا مذہب لوگوں کو ''پہنچاتے'' ہیں۔ اور آپ ہر قاریٔ قرآن کو، اور قرآن کا ترجمہ سنانے والے کو، یا کسی مولوی کو آخر میں یہ کہتے ہوئے روز سنتے ہیں کہ:

''وَمَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغ'' ''اور ہم پر تعلیماتِ خداوندی پہنچانے کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری نہیں۔''

دوسرے نمبر پر قرآن کی تفصیلات سے معنی کا تعین اور فیصلے

اللہ نے رسولؐ اللہ کو اپنا حکم پہنچانے کے لئے یوں تاکیدی حکم دیا تھا کہ:

یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ، وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ وَ اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَo (مائدہ 5/67)

''اے رسولؐ تم اُس حکم کو پہنچا دو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا پڑا ہے (اور ابھی تک قریش کو پہنچایا نہیں گیا ہے)

اور اگر تم نے اُس حکم کی عملی تعمیل وطریقہ کر کے نہ دکھایا تو گویا تم نے اپنے پروردگار کی رسالت یا تعلیمات بالکل پہنچائی ہی نہیں ہیں۔ یقیناً اللہ تمہیں تمہاری اُس قوم کے لوگوں کے خطرے سے محفوظ رکھے گا جو من حیث القوم حقیقت کو چھپانے میں مصروف ہے اور اللہ تو حق پوشی کرنے والی قوم کی ہدایت کرتا ہی نہیں ہے اور نہ آئندہ کرے گا (مضارع)۔''

اس آیت میں ''رسالت کو پہنچانے'' کیلئے الفاظ بَلِّغ (پہنچادے) اور بَلَّغۡتَ (تُو نے پہنچایا) اپنے معنی واضح کرنے کیلئے کافی ہیں۔

(ب) رسولؐ اللہ کی ذمہ داری صرف تعلیماتِ خداوندی پہنچانا ہے

مولوی صاحب جو کچھ کہتے ہیں وہ انہوں نے قرآن سے سیکھا ہے۔ اللہ نے تمام صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ:

''اے مومنین شراب اور سہولت پسند کمائی یعنی جُوا اور انصاب اور ازلام خالص شیطانی کاروبار کی چیزیں ہیں اور ناپاک افعال ہیں۔ ان سے اجتناب کرو شاید تم فلاح پاسکو۔ شیطان نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ تمہارے اندر اُن چیزوں کے ذریعے سے عداوت اور بغض پیدا کردے اور تمہیں اس طرح اللہ کے ذکر یعنی رسولؐ اللہ کی راہ پر چلنے سے روک دے۔ چنانچہ تم اے مومنین (اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ) اللہ کی اطاعت کرو اور رسوؐل کی اطاعت کرو اور بچ کر رہو۔ چنانچہ اگر تم نے قومی ولایت اختیار کرلی تو جان رکھو کہ: اَنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ o (مائدہ 5/92) ہمارے رسوؐل کی ذمہ داری تو وضاحت کے ساتھ تعلیماتِ خداوندی کو پہنچادینے کی ہے۔ (المائدہ 92- 5/90)

یہاں لفظ بلاغ کے معنی کے ساتھ یہ بھی نوٹ کرلیں کہ رسولؐ اللہ کے زمانے کے مومنین کیسے تھے اور کیا کچھ کرنے کے باوجود مومن کہلاتے تھے۔ ایسے مومن جو نہ اللہ کی اطاعت کرتے تھے نہ رسولؐ اللہ کے فرماں بردار تھے۔

30۔ لفظ ''نہج'' کے معنی ''طریقہ، اسلوب'' یا ''راہِ عمل'' کے ہوتے ہیں

اب ہم یہاں نہایت معتبر اور مسلّمہ لغات القرآن سے لفظ ''نہج'' کے معنی دکھانا چاہتے ہیں پھر قرآن پیش کریں گے۔ دیکھئے جناب مولوی سید عبدالدائم الجلالی نے لکھا ہے کہ: ''مِنۡهَاجًا اسم آلہ مفرد۔ کھلا ہوا راستہ (پارہ چھٹا رکوع گیارھواں) نَهۡجٌ، مَنۡهَجٌ، مِنۡهَاجٌ تینوں ہم معنی یعنی تینوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ روشن کشادہ راستہ۔ نَهۡجٌ مصدر ہے۔ (لغات القرآن جلد 5 صفحہ 467)

(الف) لفظ ''مِنۡهَاج'' قرآن نے کہاں اور کن معنی میں استعمال کیا؟

مولانا مذکور نے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ کہتی ہے کہ: لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّ مِنۡهَاجًا......الخ (مائدہ 5/48)

رفیع الدین مرحوم کا لفظ بلفظ ترجمہ: ''واسطے ہر ایک کے کیا ہم نے تم میں سے گھاٹ اور راہ''

یہاں تک قرآن کریم اور قرآن کی لغت سے یہ ثابت ہو گیا کہ ''نہج البلاغۃ'' کے معنی:

''تعلیماتِ خداوندی کو نوعِ انسان تک پہنچانے کا اور دل میں اتار دینے کا طریقہ، راہ یا اسلوب ہیں''

اور وہ معنی جو قریشی تحریف کے ماتحت چپکائے گئے باطل ہیں۔ اور ہمارا وہ منشا بھی واضح و ثابت ہو گیا جو ہم نے نہج البلاغہ کے

ترجمہ کا نام ''منهاج الرسالة'' رکھ کر ظاہر کیا ہے یعنی ''وہ طریقہ جو رسالتِ خداوندی کو نوعِ انسان تک پہنچانے کیلئے اختیار کیا گیا تھا۔''

(نوٹ: مصنف نے نہج البلاغہ کے ترجمہ کو **منهاج الرسالة** اور تشریحات کو **بیان الامامة** کا نام دیا ہے۔ قارئین کی سہولت کیلئے اب ترجمہ و تشریحات دونوں بیان الامامت میں اکٹھے کر دیئے گئے ہیں۔)

اس سلسلے میں بہت سی آیات کو چھوڑ کر ایک آیت اور دیکھ لیں تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہم نے ترجمہ کے نام میں لفظ منھاج کے ساتھ لفظ رسالة کیوں لگایا ہے؟ سنئے کہ جناب صالح علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ:

فَتَوَلّٰی عَنۡھُمۡ وَ قَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسَالَۃَ رَبِّیۡ وَ نَصَحۡتُ لَکُمۡ وَ لٰکِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ o (اعراف 7/79)

''چنانچہ صالحؑ پیغمبر نے اُن کے خلاف ولایت کا قصد کر لیا اور کہا کہ اے میری قوم یقیناً میں نے تمہیں اپنے پروردگار کی رسالت پہنچا دی اور تمہیں نصیحتیں بھی کر دیں ولیکن تم تو ایسی قوم ہو جسے نصیحت کرنے والے پسند ہی نہیں ہیں۔''

اب یہ فیصلہ کرنا عین قرآن کے ماتحت ہے کہ جناب رضی صاحب رضی اللہ عنہ نے بیاناتِ مرتضویؑ کا نام نہج البلاغہ اس لئے رکھا تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بیانات سے اللہ کی پوری رسالت ایسے حالات میں بھی انسانوں تک پہنچا دی جب کہ قریشی حکومتوں نے نہ صرف رسالت کی تبلیغ کو روک دیا تھا بلکہ وہ رسالتِ خداوندی کو دن رات تبدیل و منحرف بھی کر رہے تھے۔ اور یہی وہ بھرپور اور اسم بامسمیٰ نام ہے جس سے بہتر معنی اور دلالت کرنے والا لفظ جنابِ مفتی محمد عبدہؒ کو معلوم نہ تھا۔

31۔ قریشی اصطلاحات کی جوڑی کے دوسرے لفظ ''فصاحت'' کی بھی جڑ نکال دیں

قرآنِ کریم نے یہ دونوں الفاظ قریشی منشا کے مطابق اور اُن کی پسندیدہ صورت میں استعمال ہی نہیں کئے اور فصاحت کے مادہ سے نکلنے اور بننے والا تو محض ایک ہی لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی قریشی قسم کے علما کے یہاں جو اِن دونوں الفاظ کے چٹخارے لے کر معنی و مطالب بیان ہوتے رہے ہیں وہ قرآن اور قرآن کی زبان عربی مبین (نحل 16/103) میں کوئی وزن، قدر و منزلت اور حیثیت قطعاً نہیں رکھتے۔ اُن ہزاروں فراڈوں میں سے یہ بھی ایک فراڈ (Fraud) ہے جو انہوں نے قرآن کے الفاظ کے معنی بدلنے میں کئے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارونؑ کو فرعون کے دربار میں ساتھ لے جانے کیلئے یوں عذر پیش کیا تھا کہ:

وَ اَخِیۡ ھٰرُوۡنُ ھُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡہُ مَعِیَ ......الخ (قصص 28/34)

''اور میرا بھائی ھارونؑ مجھ سے کہیں زیادہ زبان آور ہے چنانچہ تو اُسے میرے ساتھ بھیج تا کہ وہ میری تائید کرتا رہے۔''

چونکہ ابلیسی اصطلاحات صدیوں سے استعمال ہوتی چلی آ رہی تھیں اسلئے جناب رفیع الدین علیہ الرحمہ ایسے مترجم نے بھی اس آیت (28/34) میں لفظ '' اَفۡصَحُ '' کے معنی ''بہت فصیح'' کر دیئے ہیں۔ اِن معنی کی جڑ کھودنے کیلئے قرآن سے یہ بھی دیکھ لیں کہ جناب ہارون علیہ السلام کو اپنے سے اَفۡصَحُ یا زبان آور کہنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد کیا ہے؟ سنئے اور حضرت موسیٰؑ ہی کی زبانی قرآن سے سنئے فرمایا گیا کہ:

''موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار مجھے سینہ بلند کر کے فرعون کے پاس جانے کے قابل بنادے۔ میرے اس کام اور ذمہ داری کو میرے لیے آسان کردے اور (وَ احۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ) میری زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ اُن پر میری بات کا اثر ہو اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے اور اس سے میری ذمہ داریوں کو پورا کرادے اور اسے میری رسالت میں شریک کردے۔'' (طٰہٰ 26 تا 20/33)

ان آیات کے باقی موضوعات سے صرفِ نظر کر کے یہ دیکھیں کہ حضرت موسیٰ نے افصح کہہ کر یہی عرض کیا ہے کہ ہارون اپنی زبان کو گرہ نہ ہونیکی بنا پر مجھ سے زیادہ درستی اور تیزی سے اور حسبِ ضرورت استعمال کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں فصاحت وفصیح والے معنی بارنہیں پاتے۔

یہاں ایک ایسی بات بھی نوٹ کرا دیں جو ہم نے ابھی تک کہیں نہیں کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن میں حضرت ہارونؑ کا فرعون کے ساتھ کوئی مکالمہ نہیں ہے۔ اور یہ بہت عجیب بات ہے کہ جو افصح تھا اس کا بولنا بالکل مذکور نہیں ہے۔ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ افصح کے معنی گونگا یا پسندیدہ اور اثر انگیز کلام نہ کر سکنے والا ہوتے ہیں تو ہمارے خلاف قرآن سے تو کوئی دلیل ملتی نہیں۔ بہرحال اب لغات القرآن سے افصح کے معنی کے ساتھ ساتھ قریشی فراڈ کی جھلک اور الفاظ کے معنی میں ردّو بدل کی ترکیب بھی دیکھ لیں:

32۔ فصاحت وبلاغت ایسی تمام ترکیبیں عربی زبان کو بدل ڈالنے کی ترکیب ہے

''اَفۡصَحُ ، زیادہ فصیح۔ فَصُحَ سے۔ جس کے معنی کسی چیز کے ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہونے کے ہیں۔ اَفۡعَلُ التَّفۡضِیۡل کا صیغہ ہے۔ اصل میں تو اس کا استعمال ''دودھ کے خالص ہونے'' کے لئے ہوا اور پھر بطور استعارہ زبان کی عمدگی اور آمیزش سے پاک ہونے کے لئے مستعمل ہونے لگا۔ پارہ بیس رکوع سات'' (لغات القرآن عبدالرشید نعمانی جلد اوّل صفحہ 178)

یہ تھی وہ ترکیب جس سے قرآن کے کلیدی الفاظ کو اُن کے حقیقی معنی وموضوع سے ہٹا کر اپنے خود ساختہ معنی ومطالب جڑ دیئے گئے اور جن کی پردہ دری صرف ہمارے حصہ میں آئی تھی۔ بہرحال یہاں تک وہ تصور دم توڑ چکا جو اس نام نہج البلاغہ کے ساتھ چپکا چلا آرہا تھا۔

33۔ ہم نے اپنی تشریحات کا نام بیان الامامت اس لئے رکھا ہے کہ نہج البلاغہ میں امامت کی تعلیم ہے

یہ ایک مسلّمہ حقیقت اور دینی ضرورت ہے کہ دورِ نبوت ختم ومکمل ہو گیا ہے۔ اور جناب علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام دورِ امامت کا افتتاح اور آغاز کرتے ہیں اور وہ راہیں کھولتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کی انتہائی منزل، دائمی حیات اور لامحدود قدرتوں تک لے جانے والی ہیں۔ جنہیں اَدوارِ نبوت میں جگہ جگہ سامنے آتے رہنے کے باوجود بند رکھا جاتا رہا تھا۔ اور جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ختمِ نبوت کے ساتھ ہی کھول دیا تھا۔ جیسا کہ نہج البلاغہ میں رسول اللہ کی شان میں فرمایا ہے کہ:

34۔ ختمِ دَورِنبوت ورسالت کے ساتھ ساتھ رسولؐ اللہ نے تعلیماتِ امامت کی راہ کھول دی

اجۡعَلۡ شَرَآئِفَ صَلَوَاتِکَ وَ نَوَامِیَ بَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبۡدِکَ وَ رَسُوۡلِکَ الۡخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَ الۡفَاتِحِ لِمَا انۡغَلَقَ وَ الۡمُعۡلِنِ الۡحَقَّ بِالۡحَقِّ ۔ (خطبہ نمبر 70 مفتی جعفر حسین)

''اَے اللہ تو اپنی شریف ترین صلوات اور ہمیشہ بڑھتے رہنے والی برکتیں اپنے بندے اور رسولؐ پر قائم رکھ۔ جو اپنے دَور سے پہلے ادوارِ نبوت و رسالت کو ختم کرنے والے ہیں اور جو دور ملتوی رکھا جاتا رہا تھا اس کا افتتاح کرنے والے ہیں اور برحق طریقے پر اس کی حقانیت کا اعلان کرنے والے ہیں۔''

35۔ ادوارِ نبوّت کی تعلیمات اور دَورِ امامتؑ کی تعلیمات کا فرق اور یگانگت

تعلیماتِ خداوندی یا رسالتِ خداوندی کا نوعِ انسان تک پہنچانا انسانوں کے مختلف طبقات کی مختلف عقلی سطح کو ملحوظ رکھ کر جاری رکھا گیا ہے۔ یہ طریقہ دَورِ امامت میں بھی جاری رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ قیامت تک انسانوں میں بچے پیدا ہوتے، بڑھتے، تربیت پاتے، پھولتے پھلتے اور جوان ہوتے رہیں گے۔ یعنی کبھی بھی تمام انسانوں کی عقل کا درجہ یکساں نہ ہو سکے گا۔ اور جب سب کی عقلیں، سوجھ بوجھ اور تجربہ برابر نہ ہوگا تو سب کو یکساں، برابر کی یا ایک ہی طریقے سے تبلیغِ تعلیمات بھی نہیں کیا جانا چاہئے۔ اس ارتقائی صورتحال کی بنا پر اللہ نے اپنے تمام مبلغین کو حکم دیا ہے کہ: ''انسانی عقول کے مدارج ملحوظ رکھ کر اُن کی عقلی سطح کے مطابق بات کیا کرو۔'' (حدیث)

تمام مبلغینِ اسلام اسی اصولِ فطرتِ انسانی کو مدِ نظر رکھ کر ہر انسان کو مخاطب کرتے ہیں۔ اور ہر انسان خود بھی فطری طور پر یہی طریقہ استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ آپ اپنے بچوں کے سوالات کے جواب میں کئی باتیں ایسی کہتے ہیں کہ اگر وہی باتیں علما سے کہی جاتیں تو فوراً ''یہ غلط ہیں'' کا فتویٰ صادر کر کے آپ کو ایک ''غلط گو'' یا ''بکواسی'' ٹھہرا دیتے۔ لیکن بچوں کے لئے آپ کی وہی باتیں صحیح اور ضروری ہیں۔ اور اگر آپ اُن کے جواب میں وہ باتیں بتاتے جو علما کی عقلی سطح کا تقاضا ہیں تو بچے کچھ بھی نہ سمجھتے۔ اور اگر آپ اُن کی ''علمائی'' باتوں پر اصرار و استقلال سے قائم رہتے تو بچے کند ذہن یا پاگل ہو جاتے۔ جس طرح ایم اے کے درجے کی تعلیم پہلی جماعت کے بچوں کے لئے غلط اور نقصان دینے والی ہے۔ اُسی طرح ایم اے کے درجے والے طالب علموں کے لئے پہلی جماعت کی تعلیم غلط اور تضیع اوقات کرنے والی ہے۔ لہٰذا ہمارے قارئین، قرآن اور صاحبانِ قرآن علیہم السلام کے بیانات کو یہ سمجھ کر پڑھیں کہ اُن میں ہر بات صرف آپکی عقلی سطح کے مطابق نہیں ہے۔ کچھ باتیں آپ سے کم علم لوگوں کے لئے ہیں۔ کچھ میں آپ سے زیادہ علم کے لوگ مخاطب ہیں۔ اُن میں مختلف درجے کی عقل رکھنے والے لوگوں کے لئے الگ الگ ترتیب وار بیانات نہیں ہیں۔

36۔ سابقہ انبیاؑ، کتب اور قرآن اپنی تعلیم و تربیت کو عموماً بتدریج پیش کرتے رہے مگر حقیقتِ واقعی نظر انداز نہیں کی

اصولِ تدریج ہر زمانہ میں بحال رکھا جانا ضروری ہے۔ اور یہ اصولِ تدریج ہی ہے جس کی وجہ سے حقیقتِ واقعی تک پہنچانے کے لئے حقائقِ مطلقہ کو قابلِ فہم قسطوں پر توڑ توڑ کر، کاٹ کاٹ کر، الفاظ میں رعایت دے دے کر بیان کیا جاتا رہا ہے۔ مگر بعض مفاد پرستوں اور سیاسی موقع شناسوں نے اُن اقساط و مراحل کو آخری منزلیں بنا ڈالا ہے۔ اور اُن اقساط و مراحل سے آگے بڑھانے والی تعلیم کو موڑ کر پھر اُن خود ساختہ منزلوں کی طرف لانے میں کوشاں رہے۔ اور نتیجے میں اُمت کی کثرت کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اور وہ آج تک رکے کھڑے ہیں۔ دَورِ امامت اس جمود کو توڑنے اور قرآن ہی کی تعلیم پیش کر کے رکے ہوئے لوگوں کو جھنجھوڑنے اور آگے بڑھانے

کا کام کرے گا۔اور جولوگ ادوارِ نبوت کی تعلیمات کے نتیجے میں آگے بڑھنے کے لئے تیار اور ذمہ دار ہونگے انہیں دَورِامامت کی وہ تعلیم شروع کرائے گا جس کی طرف سابقہ ادوار کی کتب (توریت وزبور وانجیل اور قرآن وغیرہ) میں صرف اشارے یا مختصر بیانات پائے جاتے ہیں۔اور جنہیں دَورِانبیاءؑ میں ملتوی (اُغۡلَقَ) رکھا گیا تھا۔ (عنوان نمبر 34)

37۔ دَورِامامت کی تعلیم کا ''الف'' وہاں سے شروع ہوگا جہاں تعلیماتِ انبیاؑ کی ''ی'' ختم ہوتی ہے

اسی حقیقت کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ تمام سابقہ انبیا ورسل علیہم السلام نوعِ انسان کو نبوت محمدؐیہ و ولایت علویہؑ کے لئے تیار کرنے کا مقصد لے کر معبوث ہوئے تھے (آلِ عمران 3/81) اور انہیں الکتاب میں سے کتابیں دینے کی شرائط نبوتِ محمدؐیہ کی تصدیق، اس پر ایمان اور نصرت تھیں۔یعنی تمام انبیاؑ اس تعلیم کی تمہید قائم کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے جو دورِ ولایت وامامت میں دی جانا تھی۔ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ:

1: وِلَایَتُنَا وِلَایَۃُ اللّٰہِ الَّتِیۡ لَمۡ یَبۡعَثۡ نَبِیًّا قَطُّ اِلَّا بِھَا۔

ہماری ولایت ہی اللہ کی حکومت ہے ہرگز کوئی ایسا نبی معبوث نہیں ہوا جو ہماری حکومت کے لئے نہ آیا ہو۔(امام جعفر صادقؑ)

2: مَا مِنۡ نَبِیٍّ جَاءَ قَطُّ اِلَّا بِمَعۡرِفَۃِ حَقِّنَا وَ تَفۡضِیۡلِنَا عَلٰی مَنۡ سَوَانَا۔

کوئی نبیؑ ہرگز آیا ہی نہیں سوائے اس کے کہ وہ ہمارے حق کی معرفت اور ہماری فضلیت کو، ہمارے علاوہ سب پر ثابت کرنے کے لئے آیا تھا۔(جعفر صادق علیہ السلام)

3: ولایۃ علیٍّ مکتوبۃ فی جمیع صحف الانبیاءِ وَ لَنۡ یَبۡعَثَ اللّٰہُ رَسُوۡلًا اِلَّا بِنُبُوَّۃِ محمدٍ ووصیّۃ عَلِیٍّؑ۔

علیؑ کی ولایت تمام انبیاؑ کی کتابوں میں تحریر تھی اور اللہ نے کسی بھی رسولؑ کو معبوث نہیں کیا سوائے محمدؐ کی نبوت اور علیؑ کی وصیت کے۔

(اصول کافی جلد اول کتاب الحجۃ باب فیہ نتف و جوامع من الروایۃ فی الولایۃ)

لہٰذا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاؑ ورسلؑ نوع انسان کو اسلام کے وہ تمام اصول وعبادات وعقائد سکھاتے رہے جن کے بعد تعلیمات آلِ محمدؐ کی ابتدا ہوگی۔

38۔ آئمہؑ آلِ محمدؐ کی تعلیم کی شرائط قرآن کریم کی دوسری سورہ میں

چنانچہ یہ انبیاؑ کی ذمہ داری تھی کہ وہ ایسے متقی انسان تیار کر کے ولایتِ محمدؐیہ کے حوالے کریں:

1: جو ایمان بالغیب حاصل کر چکے ہوں۔اور،

2: جو عبادات اور نماز کے مقاصد کو سمجھ کر قیامِ صلاۃ کئے ہوئے ہوں۔

3: جو اپنے خداداد ہمہ قسم کے رزق کو باقی نوع انسان کے لئے کُھلا و تیار رکھتے ہوں۔

4: ایسے ذمہ دار اور متقی لوگ ہی وہ حضرات ہوں گے جن کو انتہائی فلاح وترقی کیلئے آلِ محمدؐ (الٓمٓ) کی تعلیمات شروع کرائی جاسکیں

گی۔اس لئے کہ آلِ محمدؐ کی کتاب (الٓمّٓ) انسانوں کو ابتدائی تعلیم نہیں دے گی (بقرہ 1 تا 2/5)۔وہ تعلیمات ادوارِ نبوت میں دی جا چکی ہوں گی اور ایسے متقی تیار ہو چکے ہوں گے جو مذکورہ شرائط (5 تا 2/1) پر پورے اترتے ہوں۔اور اگر ایسے تیار شدہ متقین نہیں تو انہیں پہلے قرآن سے ایسے متقی بنانا ہوگا پھر دورِ امامت کی تعلیم کا نمبر آئے گا ورنہ نہیں۔

39۔ قرآن اور سابقہ کتابوں کی مخصوص باتوں کو غلط سمجھا یا غلط سمجھا یا گیا ''الٓمّٓ'' آلِ محمدؐ ہے

اکثر و بیشتر مترجمین نے لفظ الٓمّٓo کو چھوڑ کر سورہ بقرہ کا ترجمہ کیا حالانکہ الٓمّٓ ایک پوری آیت ہے اور سب مترجمین و مفسرین نے اُسے ایک آیت شمار کیا ہے۔دوسری غلطی ایک بہت لچر اور بچگانہ قسم کی ہے۔یعنی لفظ ذٰلِکَ کے معنی ''اُس'' یا ''وہ'' کرنے کے بجائے ''اِس'' یا ''یہ'' کر لئے ہیں۔حالانکہ عربی کی پہلی جماعت کے طالبعلم بھی جانتے ہیں کہ لفظ ''اِس'' یا ''یہ'' کے لئے عربی میں لفظ ھٰذَا آتا ہے۔معنی کی اس ردوبدل سے مطلب یہ ہوگیا کہ:

''اِس کتاب یعنی قرآن میں کوئی الجھن یا شش و پنج نہیں ہے۔'' یہ معنی بھی غنیمت ہوتے مگر، اِن معنی میں بھی یہ غلطی کی ہے کہ لفظ ''رَیْب'' کے معنی شک کر لئے گئے،یعنی ''اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے۔''

اور اتنی محنت اور اُلٹ پلٹ کے بعد جو معنی نچوڑے گئے وہ حقیقتِ واقعی کے سراسر خلاف ہیں یعنی خود صحابہ رسولؐ کو قرآن میں شک رہا ہے ''چنانچہ خلیفہ دوم کے بقول اس قرآن میں سورہ رَجم نہیں ہے جو پہلے ہوا کرتی تھی۔'' پھر وہ تمام صحابہ جنھوں نے الگ الگ قرآن لکھا تھا اُن کی تحریریں تفسیر اتقان وغیرہ میں موجود ہیں جو سب مختلف و مشکوک ہیں۔مسلمانوں کے بعد کروڑ در کروڑ لوگوں کو قرآن پر شک ہے۔ لیکن آلِ محمدؐ ہی وہ کتاب ہے جس کے متعلق کسی کو کوئی اُلجھن نہیں ہے۔ان کے نام معلوم، ولایت مشہور، حلیہ لکھا ہوا، عادات و خصلت پر ساری دنیا متفق ہے۔پھر اس ردوبدل سے قرآن کو ایک ایسی کتاب ماننا پڑے گا جو ابتدائی تعلیم نہیں دیتی بلکہ ایسے متقین کو ہدایت کرتی ہے جو پہلے سے مذکورہ شرائط (عنوان نمبر 38) پر پورے اترتے ہوں۔حالانکہ قرآن وضو کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، تیمّم کرنا، نہانا دھونا وغیرہ تمام ابتدائی تعلیم دیتا ہے۔بہرحال آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی مخصوص تعلیمات کی شرائط سورہ بقرہ (5 تا 2/1) سے ثابت ہیں۔اور ان پانچوں آیات کے اس کے علاوہ تمام معانی و مفاہیم باطل و خودساختہ ہیں۔

40۔ کلامِ مرتضویؑ شروع ہوتا ہے

اب براہِ راست حضرت علی علیہ السلام کے نمبروار خطبات اور ہمارا ترجمہ و تشریح سامنے آرہے ہیں۔خطبات کو یہ سمجھ کر پڑھئے کہ علامہ رضیؒ نے اپنے سامنے آنے والا ہر خطبہ نہیں لکھا ہے۔بلکہ اپنے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض خطبوں کو انتخاب کے بعد اختیار کیا اور بعض کو اختیار نہیں کیا۔اور اُس انتخاب کا نہ طریقہ لکھا نہ ترک کرنے اور اختیار کرنے کا معیار و سبب بتایا۔اور یہ کہ اُن کے اختیار کردہ کلام پر انکار و تردید بھی ہوئی ہے۔جس کی تفصیل اور جواب ہم نے نہج البلاغہ (بیان الامامت) کے آخری حصہ میں چیلنج کے عنوان سے لکھا ہے۔تحقیق کرنے والے کتاب بیان الامامت کی آخری جلد کا مطالعہ کریں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر:01

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 01

خُطبہ 《1》

1۔ حمدِ خداوندی کا طریقہ؛

2۔ ذاتِ خداوندی سے تعارف؛

3۔ صفاتِ خداوندی کا صحیح استعمال؛

4۔ تخلیقِ کائنات؛

5۔ تخلیقِ آدمؑ؛

6۔ کعبۃ اللہ اور حجِ بیت اللہ۔

فَمِنۡ خُطۡبَةٍ لَّهٗ عَلَيۡهِ السَّلَام		حضرت علی علیہ السلام کے خطبات میں سے ایک خطبہ
يَذۡكُرُ فِيۡهَا اِبۡتِدَآءَ خَلۡقِ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ وَ خَلۡقِ آدَمَ ؑ		اس میں زمین وآسمان کی تخلیق کی ابتدا اور حضرت آدمؑ کی پیدائش کا بیان ہے۔
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم		شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَا يَبۡلُغُ مِدۡحَتَهٗ الۡقَآئِلُوۡنَ؛	1	ہر ستائش اور اچھائی اُس اللہ کے لئے ہے جس کی حقیقی مدح وثنا تک کسی بیان کرنے والے کی رسائی نہیں،
وَ لَا يُحۡصِیۡ نَعۡمَآءَهُ الۡعَآدُّوۡنَ؛	2	اور جس کی نعمتوں کو حساب کے ماہرین شمار نہیں کر سکتے،
وَ لَا يُؤَدِّیۡ حَقَّهُ الۡمُجۡتَهِدُوۡنَ؛	3	اور کوشش کرنے والے اُس کے حقوق ادا نہیں کر سکتے؛
الَّذِیۡ لَا يُدۡرِكُهٗ بُعۡدُ الۡهِمَمِ؛	4	اللہ کی ذات ایسی ہے کہ جس کو سمجھنے کیلئے انسانی علوم اور اہتمام کی انتہا بھی کافی نہیں؛
وَ لَا يَنَالُهٗ غَوۡصُ الۡفِطَنِ؛	5	دانشوری دانش کے سارے ذخیرے میں غوطے لگا کر بھی کبھی اللہ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی،
الَّذِیۡ لَيۡسَ لِصِفَتِهٖ حَدٌّ مَّحۡدُوۡدٌ؛	6	وہ تو وہ ہستی ہے کہ اُس کی صفات کسی بھی حد بندی کے اندر محدود نہیں ہیں۔
وَّ لَا نَعۡتٌ مَوۡجُوۡدٌ؛	7	اور اُس کی حقیقی خصوصیات بیان کرنے کیلئے کوئی بھی موزوں لفظ موجود نہیں ہے؛

وَ لَا وَقْتٌ مَعْدُ وْدٌ؛	8	اُس کی موجودگی کا زمانہ اعداد وشمار سے باہر ہے؛
وَ لَا اَجَلٌ مَمْدُ وْدٌ؛	9	اور نہ ہی کسی لمبی مدت کو فرض کر کے اُس کی ابتدا کا اندازہ کیا جاسکتا ہے؛
فَطَرَ الْخَلَا ئِقَ بِقُدْرَتِهٖ؛	10	اُس ہی نے تمام مخلوقات کو اپنی قدرت سے فطرتیں اور خصوصیات عطا کی ہیں؛
وَ نَشَرَ الرِّيَاحَ بِرَحْمَتِهٖ؛	11	اور اپنی رحمتؐ سے تمام قسم کی ہواؤں کو ضروری مقامات پر پھیلایا ہے؛
وَ وَتَّدَ بِالصُّخُوْرِ مَيْدَانَ اَرْضِهٖ؛	12	اور اُسی نے اپنی تمام زمینوں کے میدانوں کو چٹانوں سے مضبوط کیا ہوا ہے؛
اَوَّلُ الدِّ يْنِ مَعْرِفَتُهٗ؛	13	دین کی پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کی معرفت حاصل کی جائے؛
وَ كَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِ يْقُ بِهٖ؛	14	اور معرفت حاصل کرنے کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ اللہ کی موجودگی کو سمجھ میں آنے والے دلائل سے ثابت کیا جائے؛
وَ كَمَالُ التَّصْدِ يْقِ بِهٖ تَوْحِيْدُ هٗ؛	15	اور موجودگی ثابت کرنے کا کمال یہ ہے کہ اللہ کو یکتا، اکیلا اور تنہا ثابت کر دیا جائے؛
وَ كَمَالُ تَوْحِيْدِهِ الْاِخْلَاصُ لَهٗ؛	16	اور اللہ کی یکتائی ثابت کرنے کا انتہائی مقام یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کی شمولیت ناممکن ہو کر رہ جائے۔
وَ كَمَالُ الْاِخْلَاصِ لَهٗ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ؛	17	اور اللہ کو خالص طور پر ماننے کا کمال درجہ یہ ہے کہ اُس کے ساتھ چپکائی ہوئی اُن تمام صفات کا انکار کیا جائے جو اللہ میں نقص پیدا کریں۔
لِشَهَادَةِ كُلِّ صِفَةٍ اَنَّهَا غَيْرُ الْمَوْصُوْفِ؛	18	اس لئے کہ ہر صفت خود گواہ ہے کہ وہ اور ہے اور وہ چیز اور ہے جس سے اسے وابستہ کیا گیا ہے۔
و شَهَادَةِ كُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّهٗ غَيْرُ الصِّفَةِ؛	19	اور ہر وہ چیز جس کی صفت بیان کی جاتی ہے گواہی دیتی ہے کہ وہ صفت سے ایک الگ چیز ہے۔
فَمَنْ وَصَفَ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ فَقَدْ قَرَنَهٗ؛	20	چنانچہ جس نے اللہ کے ساتھ صفات لگا کر اُس کا وصف بیان کیا تو اُس نے اللہ کو اُس صفت کا مستقل ساتھی بنا دیا۔
وَ مَنْ قَرَنَهٗ فَقَدْ ثَنَّاهُ؛	21	اور جس نے اللہ کو کسی کا ساتھی بنا دیا تو اُس نے اللہ کو دو میں کا دوسرا مان لیا۔
وَ مَنْ ثَنَّاهُ فَقَدْ جَزَّاَهُ؛	22	اور جس نے اللہ کو یوں دہرا مان لیا اُس نے اللہ کو اجزاء سے بنا ہوا قرار دے دیا۔
وَ مَنْ جَزَّاَهُ فَقَدْ جَهِلَهٗ؛	23	اور جس نے اللہ کو اجزا میں بکھیر کر رکھ دیا وہ اللہ کی ذات سے جاہل رہ گیا۔

وَ مَنْ جَهِلَهٗ فَقَدْ اَشَارَ اِلَيْهِ؛	24	اور جو اللہ کو نہیں سمجھتا وہ اُس کے متعلق اشارات میں بات کرے گا۔
وَ مَنْ اَشَارَ اِلَيْهِ فَقَدْ حَدَّهٗ؛	25	اور جس نے اللہ کے لئے اشارہ مان لیا یقیناً اُس نے اللہ کو محدود کر دیا۔
وَ مَنْ حَدَّهٗ فَقَدْ عَدَّهٗ؛	26	اور جس نے اللہ کی حد بندی کر دی اُس نے اُسے قابل شمار بنا دیا؛
وَ مَنْ قَالَ فِيْمَا؟	27	اور جس نے یہ کہا کہ اللہ کس مقام میں ہے؟
فَقَدْ ضَمَّنَهٗ؛	28	یقیناً اُس نے اللہ کو مخلوق چیزوں میں کی ایک مخلوق مان لیا؛
وَ مَنْ قَالَ عَلٰى مَ؟	29	اور جس نے یہ سوال پیدا کر دیا کہ اللہ کس جگہ پر ہے؟
فَقَدْ اَخْلٰى مِنْهُ؛	30	یقیناً اُس نے ایسے مقامات مان لئے جہاں اللہ موجود نہ ہو؛
كَآئِنٌ لَّا عَنْ حَدَثٍ؛	31	اس کا وجود اور موجودگی ازلی وابدی ہے کسی خاص زمانے سے متعلق نہیں اور نہ وہ پیدا ہوا ہے؛
مَوْجُوْدٌ لَّا عَنْ عَدَمٍ؛	32	وہ ایسا موجود وجود ہے جو کہ عدم سے باہر نہیں نکلا بلکہ موجود رہتا چلا آیا ہے؛
مَعَ كُلِّ شَیْءٍ لَّا بِمُقَارَنَةٍ؛	33	وہ ہر ہر چیز کے ساتھ ہے مگر کسی کا جسمانی ساتھی نہیں ہے؛
وَ غَيْرُ كُلِّ شَیْءٍ لَّا بِمُزَايَلَةٍ؛	34	وہ ہر چیز سے جدا ہے مگر ایسا جدا نہیں کہ اُن پر اُس کا تسلّط نہ رہے؛
فَاعِلٌ لَّا بِمَعْنَى الْحَرَكَاتِ وَ الْاٰلَةِ؛	35	وہ کام کرتا اور برسرِ کار رہتا ہے مگر اُسے حرکت میں آنے یا کسی چیز سے مدد لینے کی یا آلات اور اوزار استعمال کرنے کی احتیاج نہیں۔
بَصِيْرٌ اِذْ لَا مَنْظُوْرَ اِلَيْهِ مِنْ خَلْقِهٖ؛	36	وہ اس وقت بھی بصیر تھا جب کوئی دیکھنے والی مخلوق موجود نہ تھی اور اب بھی وہ بصیر ہے۔
مُتَوَحِّدٌ اِذْ لَا سَكَنَ يَسْتَاْنِسُ بِهٖ؛	37	وہ ایسا یکتا و تنہا ہے کہ اُسے کسی بہلانے والے یا مونس و ہمدم کی قطعاً احتیاج نہیں؛
وَ لَا يَسْتَوْحِشُ لِفَقْدِهٖ؛	38	اور نہ ہی مونس و ساتھی کی عدم موجودگی سے اُسے وحشت یا گھبراہٹ ستا سکتی ہے؛
اَنْشَآءَ الْخَلْقَ اِنْشَآءً؛	39	اُس نے نظامِ تخلیق کو بیک وقت اور مسلسل و مربوط طریقے سے جاری کیا تھا؛
وَ ابْتَدَاَهٗ ابْتِدَآءً؛	40	اور اُس نے مخلوقات کی اور اُن سے متعلق ہر چیز کی تخلیق کی بہت مکمل اور بھرپور ابتدا کی؛
بِلَا رَوِيَّةٍ اَجَالَهَا؛	41	اور یہ ابتدا بلا کسی فکر و کاوش اور بلا کسی نمونے سے مدد لئے کی تھی؛

وَ لَا تَجْرِبَةً اسْتَفَادَهَا؛	42	اوراس میں کسی تجربے سے فائدہ نہ اٹھایا تھا؛
وَ لَا حَرَكَةٍ اَحْدَثَهَا؛	43	اور تخلیق کا عمل کرنے کے لئے نہ اللہ کو کوئی حرکت کرنا پڑی نہ محنت؛
وَ لَا هَمَامَةِ نَفْسٍ اضْطَرَبَ فِيْهَا؛	44	اور نہ ہی یہ تخلیق کسی اندرونی دباؤ اور حالات سے گھبرا کر کی تھی۔
اَحَالَ الْاَشْيَآءَ لِاَوْقَاتِهَا؛	45	اللہ تعالیٰ نے پوری تخلیق اور مخلوقات کو اُن کے مواد، قوت اور اوقات کے رشتوں سے باندھ دیا (Matter+Energy+Time)؛
وَ لَاَمَ بَيْنَ مُخْتَلِفَاتِهَا؛	46	اُس نے مواد اور قوت اور اوقات کو اس طرح وابستہ و ہم آہنگ کیا کہ اُن کی مخالف سرشت مفید بن گئی۔
وَ غَرَّزَ غَرَائِزَهَا؛	47	ہر چیز کو وجود حاصل کرتے ہی اُس کا پروگرام ملنے لگا؛
وَ اَلْزَمَهَا اَشْبَاحَهَا؛	48	اللہ نے ہر مخلوق کے لئے اُن کی صورتیں، سیرتیں اور قوانین لازم کردیئے؛
عَالِمًا بِهَا قَبْلَ ابْتِدَآئِهَا؛	49	وہ تخلیق کی ابتدا کرنے سے پہلے ہی ہر چیز کی ہر حالت کا عالم تھا؛
مُحِيْطًا بِحُدُوْدِهَا وَ انْتِهَائِهَا؛	50	اُنکی تمام ارتقائی حدود اور اُنکی انتہائی منزلوں اور مرحلوں پر علمی احاطہ رکھتا تھا؛
عَارِفًا بِقَرَائِنِهَا وَ اَحْنَآئِهَا؛	51	وہ تمام چیزوں کے قریبی اور بعیدی (آثار اور اعمال و کردار اور) پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی معرفت رکھتا تھا۔
ثُمَّ اَنْشَاَ سُبْحَانَهٗ فَتْقَ الْاَجْوَآءِ؛	52	اس بنیادی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے لامحدود ہوتی چلے جانے والی فضاؤں (Space) کو آنے والی تخلیق کا انجکشن دے کر پیدا کیا؛
وَ شَقَّ الْاَرْجَآءِ؛	53	اور نشوونما کے ساتھ ساتھ فضاؤں کو پھٹ پھٹ کر مختلف کُرّے، کنارے اور سمتیں بناتے چلے جانے میں لگا دیا۔
وَ سَكَائِكَ الْهَوَآءِ؛	54	فضاؤں پر ہواؤں اور گیسوں کے کُرّے (Atmospheres) اور خلا کو عنان گیر کردیا؛
فَاَجْرٰی فِيْهَا مَآءً مُتَلَاطِمًا تَيَّارُهٗ؛	55	پھر ایسے پانی کی پیدائش جاری کردی جو ہر ہر تہہ میں تلاطم پیدا کرے۔
مُتَرَاكِمًا زَخَّارُهٗ؛	56	اور موج در موج بڑھتا، پلٹتا، بلند ہوتا اور پھیلتا ہی چلا جائے؛

حَمَلَهٗ عَلٰی مَتْنِ الرِّیْحِ الْعَاصِفَةِ؛	57	پھراس متلاطم پانی کوجھکڑ انگیز وبگولہ خیز ہوا کے تھپیڑوں پر بخارات کی صورت میں بلند کیا؛
وَ الزَّعْزَعِ الْقَاصِفَةِ؛	58	اوروہ بگولہ خیز ہواپانی کو(میلوں) اُچھالتی، ذرات میں توڑتی اور بلند کرتی رہی؛
فَاَمَرَهَا بِرَدِّهٖ؛	59	پھراللہ نے اس ہواکوحکم دیا کہ وہ اُس پھیلاؤ کوانجماد کی طرف واپس کرے؛
وَ سَلَّطَهَا عَلٰی شَدِّ هٖ؛	60	اوراُسے اُس پرشدیدقوتوں کے ساتھ مسلّط کردیا؛
وَ قَرَنَهَا اِلٰی حَدِّ هٖ؛	61	اوراُس کی آخری حد ونتیجے پرنگراں بنادیا؛
اَلْهَوَآءُ مِنْ تَحْتِهَا فَتِیْقٌ؛	62	چنانچہ نیچے سے وہ مخصوص ہوااُسے ریزہ ریزہ کررہی تھی؛
وَ الْمَآءُ مِنْ فَوْقِهَا دَ فِیْقٌ؛	63	اورپانی اس کےاُوپرذرات میں تبدیل ہورہاتھااورفضاؤں پراثراندازی کررہا تھا؛
ثُمَّ اَنْشَاَءَ سُبْحَانَهٗ رِیْحًا اَعْتَقَمَ مَهَبَّهَا؛	64	اس مرحلے میں اللہ نے ایک اور ہوا کو پیدا کیا جوانتہائی سریع الرفتارمگروہ جھکڑوں اوردھاکوں والی نہ تھی؛
وَ اَدَامَ مَرَبَّهَا؛	65	اس ہواکومرکزی مقام سے انتہائی تیزرفتاری عطا کی اوراستقلال دے دیا؛
وَ اَعْصَفَ مَجْرَاهَا ؛	66	اوراُس کی رسائی اورعمل درآمدکو، دُوردُورتک پھیلادیا۔
وَ اَبْعَدَ مَنْشَاهَا؛	67	(جملہ نمبر 67-66 مسلسل)
فَاَمَرَهَا بِتَصْفِیْقِ الْمَاءِ الزَّخَّارِ؛	68	اس کوحکم دیا کہ وہ پانی کے ذخیروں کواُبھارتی، اُٹھاتی، پٹختی چلی جائے؛
وَ اِثَارَةِ مَوْجِ الْبِحَارِ؛	69	اورسمندروں کے ذخیروں کاتموج جاری رکھےاورانہیں ترجیح عطا کرے؛
فَمَخَضَتْهُ مَخْضَ السِّقَآءِ؛	70	چنانچہ اُس ہوانے حسب الحکم انہیں اس طرح بلونا اورمتھنا شروع کیا جیسے دہی کو مَشک کے اندربلویا جاتاہے؛
وَ عَصَفَتْ بِهٖ عَصْفَهَا بِالْفَضَآءِ؛	71	اورنہایت تیز روی اوراُٹھاپٹخ سے دباؤڈال ڈال کراس طرح بلند کیا کہ فضاؤں کی پنہائیوں تک پہنچادیا؛
تَرُدُّ اَوَّلَهٗ اِلٰی آخِرِهٖ؛	72	وہ ایک علاقہ کے تیارشدہ سامان کودوسرے علاقہ کے سامان سے اَدل بدل کرتی اوراوّل وآخرکوٹکراتی رہی؛

وَ سَاجِيَهُ اِلٰی مَائِرِهٖ؛	73	اُس نے ٹھہرنے والے کو حرکت سے اور دباؤ کو اُبھار سے اس طرح دوچار رکھا،
حَتّٰی عَبَّ عُبَابُهٗ؛	74	کہ ایک ہمیشہ موجود رہنے والا مکسچر تیار ہوگیا جس کا بلند ہوتے رہنا استقلال پکڑ گیا۔
وَ رَمٰی بِالزَّبَدِ رُكَامُهٗ؛	75	اور اُس کا بھاری پن ہلکا ہوگیا۔
فَرَفَعَهٗ فِیْ هَوَآءٍ مُنْفَتِقٍ؛	76	جس نے مواد اور قوت (Matter & Energy) کو پوری تیزی اور تندی سے ہوا میں پھاڑ پھاڑ کر بلند کردیا،
وَ جَوٍّ مُنْفَهِقٍ؛	77	اور یوں فضاؤں میں مکھن کی طرح کی دبیز صورتیں بن گئیں،
فَسَوّٰی مِنْهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ جَعَلَ سُفْلَا هُنَّ مَوْجًا مَّكْفُوْفًا؛	78	اور اُسی سے کہکشاؤں اور ساتوں آسمانوں کی صورت گری کی گئی اور اُنکے نیچے ہوائی تموج جاری رہا؛ جو برابر تخلیق میں معاون رہتا تھا۔
وَّ عُلْيَا هُنَّ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا؛	79	اور آسمانوں کے اوپر محفوظ خلائی چھت بنائی۔
وَّ سَمْكًا مَّرْفُوْعًا؛	80	اور بلندیاں اور ٹھوس کُرّے بنائے؛
بِغَيْرِ عَمَدٍ يَّدْعَمُهَا؛	81	جنہیں سنبھالنے والے ستونوں کے بغیر مستحکم کیا؛
وَ لَا دِسَارٍ يَّنْظِمُهَا؛	82	بلا کسی آہنی شہتیر کے منظّم کردیا؛
ثُمَّ زَيَّنَهَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ؛	83	پھر پوری تخلیق اور سماوی نظام کو ستاروں سے آراستہ کیا؛
وَ ضِيَآءِ الثَّوَاقِبِ؛	84	اور شہاب ثاقب کی تخلیق اور اُس کی روشنی کا نظام قائم کیا؛
وَ اَجْرٰی فِيْهَا سِرَاجًا مُّسْتَطِيْرًا؛	85	اور اس میں تیزی سے چلنے والا اور روشنی بہانے والا سورج بھی پیدا کیا جو خود بھی منور رہے؛
وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا؛	86	اور روشنی دینے والا روشن چاند بھی پیدا کیا،
فِیْ فَلَكٍ دَآئِرٍ؛	87	یہی کچھ دائرے میں رہنے والے افلاک میں بھی کیا؛
وَّ سَقْفٍ سَآئِرٍ؛	88	اور خلائی چھتوں میں،
وَّ رَقِيْمٍ مَّآئِرٍ؛	89	اور متحرک تختیوں میں بھی یہ نظام جاری کیا؛
ثُمَّ فَتَقَ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ الْعُلٰی؛	90	پھر آسمانوں کی بلندیوں میں عملِ جراحی کا آغاز کیا؛
فَمَلَاَ هُنَّ اَطْوَارًا مِّنْ مَّلَآئِكَتِهٖ؛	91	چنانچہ آسمانوں کو طرح طرح کے ملائکہ سے بھر کر رکھ دیا گیا۔

مِنهُم سُجُودٌ لّا یرکَعُونَ؛	92	اُن ملائکہ میں ایسے بھی ہیں جو صرف سجدے کرتے ہیں اور رکوع نہیں کر سکتے؛
وَ رُکُوعٌ لّا یَنتَصِبُونَ؛	93	اُن میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو حالتِ رکوع میں ہی رہتے ہیں اور سیدھے کھڑے نہیں ہوسکتے ہیں؛
وَ صَآفُّونَ لا یتزَایلُونَ؛	94	اور بعض صفوں میں رہتے ہیں جو صفوں کو زائل نہیں کرتے؛
وَ مُسَبِّحُونَ لا یَسامُونَ؛	95	اور کچھ فضاؤں میں تیزی سے تیرنے والے ہیں جو تیرنے سے تھکتے نہیں ہیں؛
لَا یَغشَاهُم نَومُ العُیُونِ؛	96	تمام ملائکہ کی آنکھوں پر نیند اپنا پردہ نہیں ڈال سکتی؛
وَ لا سَهوُ العُقُولِ؛	97	اور تمام ملائکہ سے عقلی سہو اور غلطی کا امکان نہیں ہے؛
وَ لا فَترَةُ الاَبدَانِ؛	98	اور نہ اُن پر جسمانی ٹوٹ پھوٹ اور عوارض کا اثر ہوتا ہے؛
وَ لا غَفلَةُ النِّسیَانِ؛	99	اور نہ اُن پر غفلت اور بھول طاری ہوتی ہے۔
وَ مِنهُم اُمَنَآءُ عَلٰی وَحیِهٖ؛	100	اُن میں سے وہ بھی ہیں جو اللہ کی وحی پر امین مقرر ہیں؛
وَ اَلسِنَةٌ اِلٰی رُسُلِهٖ؛	101	اور اُن میں وہ بھی ہیں جو رسولوںؑ کی زبان کا کام دیتے ہیں؛
وَ مُختَلِفُونَ بِقَضَآئِهٖ وَ اَمرِهٖ؛	102	اور اللہ کے احکام اور فیصلے لے کر برابر یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں۔
وَ مِنهُمُ الحَفَظَةُ لِعِبَادِهٖ؛	103	اور اُن میں وہ بھی ہیں جو اللہ کے خاص بندوں کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں؛
وَ السَّدَنَةُ لِاَبوَابِ جِنَانِهٖ؛	104	اور اللہ کی جنتوں کے دربان بھی اُن ہی میں سے ہیں؛
وَ مِنهُمُ الثَّابِتَةُ فِی الاَرَضِینَ السُّفلٰی اَقدَامُهُم وَ المَارِقَةُ مِنَ السَّمَآءِ العُلیَا اَعنَاقُهُم؛	105	اور اُن میں سے وہ بھی ہیں جو نیچے والی زمینوں میں قائم ہیں اس طرح سے کہ اُن کے پیر زمینوں کے اوپر ٹکے ہوئے ہیں اور بلند سے بلند آسمانوں کے اوپر اُن کی گردنیں باہر نکلی رہتی ہیں یعنی وہ فضاؤں اور خلاؤں کو بھی زیرِ نظر و زیرِ قدم رکھتے ہیں۔
وَ الخَارِجَةُ مِنَ الاَقطَارِ اَرکَانُهُم؛	106	اور اُن کے پہلو اور بازو سلسلہ اجرامِ فلکی و سماوی کی حدود سے باہر تک پھیلے ہوئے ہیں؛
وَ المُنَاسِبَةُ لِقَوَائِمِ العَرشِ اَکتَافُهُم؛	107	اور اُن کے شانے (کاندھے) عرشِ خداوندی کے ستونوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں؛
نَاکِسَةٌ دُونَهُ اَبصَارُهُم؛	108	اُن کی نگاہیں عرش کے روبرو جھکی رہتی ہیں؛
مُتَلَفِّعُونَ تَحتَهُ بِاَجنِحَتِهِم؛	109	وہ عرش کے نیچے سہمے اور اپنے پر و بازو سمیٹے رہتے ہیں؛

مَضْرُوْبَةٌ بَیْنَهُمْ حُجُبُ الْعِزَّةِ وَ اَسْتَارُ الْقُدْرَةِ؛	110	اُن کے اور اُن کے علاوہ دوسرے فرشتوں کے درمیان میں عزت وقدرت کے حجاب اور پردے لٹکے ہوئے ہیں؛
لَا یَتَوَهَّمُوْنَ رَبَّهُمْ بِالتَّصْوِیْرِ؛	111	وہ اپنے پروردگار کے متعلق کوئی تصویری وہم وگمان نہیں رکھتے ہیں؛
وَ لَایُجْرُوْنَ عَلَیْهِ صِفَاتِ الْمَصْنُوْعِیْنَ	112	اور نہ وہ اللہ کو مخلوقات والی صفات سے یاد کرتے ہیں۔
وَ لَا یَحُدُّوْنَهُ بِالْاَمَاكِنِ؛	113	اور نہ ہی ملائکہ اللہ کو کسی سمت یا صورت یا کسی جگہ میں محدود کرتے ہیں؛
وَ لَا یُشِیْرُوْنَ اِلَیْهِ بِالنَّظَائِرِ؛	114	اور نہ وہ اللہ کے لئے مثالوں اور نظیروں کے ذریعہ اشارہ کرتے ہیں۔
(مِنْهَافِیْ صِفَةِ خَلْقِ آدَمَ علیه السلام)		**اِسی خطبے کا حصہ تخلیقِ آدمؑ پر۔** (مسلسل)
ثُمَّ جَمَعَ سُبْحَانَهُ مِنْ حَزْنِ الْاَرْضِ وَ سَهْلِهَا؛	115	پھر اُس ذاتِ پاک نے زمین میں سے رنج و ملال وسہولت فراہم کرنے والے عناصر جمع کئے؛
وَ عَذْبِهَا وَ سَبْخِهَا؛	116	اور لذیذ وتلخ سامان فراہم کیا۔(یعنی صرف مٹی جمع نہیں کی تھی بلکہ وہ سامان لیا تھا جو غذاؤں کی صورت میں انسان کو مٹی سے ملتا ہے)
تُرْبَةً سَنَّهَا بِالْمَآءِ حَتّٰی خَلَصَتْ؛	117	عناصر سے بھرپور اُس مٹی کو پانی کے ساتھ اُس وقت تک قانونی ترکیب دی گئی جب تک کہ وہ خلوص کی حامل نہ ہوگئی؛
وَ لَاطَهَا بِالْبِلَّةِ حَتّٰی لَزَبَتْ؛	118	اور اُس کو افادیت کے ذخیرے کے ساتھ حاملہ کیا جاتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک مخصوص حالت اختیار کرگئی۔
فَجَبَلَ مِنْهَا صُوْرَةً ذَاتَ اَحْنَآءٍ وَّ وُصُوْلٍ؛	119	چنانچہ یوں تیار کردہ سامان سے اللہ نے ایک ایسی جبلی صورت تیار کردی جو پسند کرکے وصول کرنے والی اور ناپسند کرکے الگ اور دُور کرنے والی تھی؛
وَ اَعْضَآءٍ وَّ فُصُوْلٍ؛	120	اور جس میں اعضائے جسمانی اور جسم کے مختلف حصے تھے؛
اَجْمَدَهَا حَتّٰی اسْتَمْسَكَتْ؛	121	اُسے منجمد کرنے کی کارروائی اُس وقت تک جاری رکھی گئی جب تک اُس کے تمام اعضاء نے آپس میں تعلق پیدا نہ کرلیا؛

وَ اَصۡلَدَهَا حَتّٰی صَلۡصَلَتۡ؛	122	اور جسمانی اعضاء میں تمسّک کے بعد اس مجسمہ کی صفائی، رعنائی کا کام اُس وقت تک جاری رہا جب تک اُس نے راحت اور تکلیف پر ردِّ عمل ظاہر نہ کیا؛
لِوَقۡتٍ مَّعۡدُوۡدٍ؛	123	یہ تمام عمل درآمد برابر ایک قابلِ شمار وقت تک جاری رکھا گیا،
وَّ اَجَلٍ مَّعۡلُوۡمٍ؛	124	جس کی صحیح مدت اللہ ہی کو معلوم ہے؛
ثُمَّ نَفَخَ فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِهٖ؛	125	جسمانی ساخت اور نظامِ جسمانی کی تکمیل کے بعد اللہ نے اُس مجسمے کے اندر اپنی روح میں سے پھونک دیا؛
فَمَثُلَتۡ اِنۡسَانًا ذَا اَذۡهَانٍ يُّجِيۡلُهَا؛	126	پھر کیا تھا! وہ مجسمہ تو ایسے انسان کی صورت میں اُٹھ کھڑا ہوا جو ذہنی قوتوں کو استعمال کرنے والا تھا؛
وَ فِكۡرٍ يَّتَصَرَّفُ بِهَا؛	127	اور قوتِ فکریہ پر قابو رکھتا تھا؛
وَ جَوَارِحَ يَخۡتَدِمُهَا؛	128	اور اپنے اعضائے جسمانی سے خدمت و کام لیتا تھا؛
وَ اَدَوَاتٍ يُّقَلِّبُهَا؛	129	اور آلات و وسائل کو انقلاب کے لئے استعمال کرتا تھا؛
وَمَعۡرِفَةٍ يُّفَرِّقُ بِهَا بَيۡنَ الۡحَقِّ وَالۡبَاطِلِ؛	130	اور ایسی معرفت وتمیز رکھتا تھا جو حق و باطل کا فرق معلوم کر لیتی تھی،
وَ الۡاَذۡوَاقِ وَ الۡمَشَامِّ؛	131	اور مختلف چیزوں کے ذائقے اور خوشبو کا پتہ چلا سکتی تھی؛
وَ الۡاَلۡوَانِ وَ الۡاَجۡنَاسِ؛	132	اور تمام رنگ اور جنسوں کو جان سکتی تھی؛ اس لئے کہ وہ....
مَعۡجُوۡنًا بِطِيۡنَةِ الۡاَلۡوَانِ الۡمُخۡتَلِفَةِ؛	133	وہ خود بھی مختلف قسم کے رنگوں کے نچوڑ اور خصوصیات کا مرکب تھا،
وَ الۡاَشۡبَاهِ الۡمُؤۡتَلِفَةِ؛	134	اور کائنات کی مختلف یگانگت رکھنے والی چیزوں کی پیداوار تھا؛
وَ الۡاَضۡدَادِ الۡمُتَعَادِيَةِ؛	135	اور اُس میں وہ اجزاء بھی تھے جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔
وَ الۡاَخۡلَاطِ الۡمُتَبَايِنَةِ؛	136	اور ایسے عناصر و موالید بھی تھے جن میں کشیدگی پائی جاتی ہے؛
مِنَ الۡحَرِّ وَ الۡبَرۡدِ؛	137	مثلاً وہ سردی اور گرمی کا بھی احساس رکھتا تھا؛
وَ الۡبِلَّةِ وَ الۡجُمُوۡدِ؛	138	اور افادیت اور جمود کو جانتا تھا اور پرکھ سکتا تھا؛
وَ الۡمَسَآئَةِ وَالسُّرُوۡرِ۔	139	اور وہ مسرت اور کوفت و برائی میں تمیز کر سکتا تھا؛
وَ اسۡتَادَى اللّٰهُ سُبۡحَانَهُ الۡمَلَآئِكَةَ وَدِيۡعَتَهُ لَدَيۡهِمۡ؛	140	اور اب اللہ سبحانہ نے ملائکہ سے اپنی سونپی ہوئی امانت طلب کی جو اُن کے پاس تھی؛

وَ عَهْدَ وَصِيَّتِهِ اِلَيْهِمْ:	141	اور چاہا کہ ملائکہ وہ معاہدہ پورا کریں جو اُن کے ساتھ کیا گیا تھا؛
فِي الْاِذْعَانِ بِالسُّجُوْدِلَهُ؛	142	جو کہ آدمؑ کے لئے سجدہ کے حکم کو تسلیم کرنے کے معاملے میں تھا؛
وَ الْخُشُوْعِ لِتكْرِمَتِهِ؛	143	اور یہ کہ وہ آدمؑ کے حضور اپنی عاجزی پیش کر کے اُن کی بزرگی کا اعتراف کریں گے۔
فَقَالَ سُبْحَانَهُ: (اسْجُدُ وْالِاٰدَمَ 2/34)	144	چنانچہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ''تم سب آدمؑ کو سجدہ کرو۔(بقرہ 2/34 وغیرہ)
فَسَجَدُ وْا اِلَّآ اِبْلِيْسَ؛	145	چنانچہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔''
اِعْتَرَتْهُ الْحَمِيَّةُ؛	146	ابلیس پر غیرت نے سجدہ کو بے عزتی اور عار بنا دیا؛
وَ غَلَبَتْ عَلَيْهِ الشِقْوَةُ؛	147	اور اُس پر اُس کی بدبختی غالب آگئی؛
وَ تَعَزَّزَ بِخِلْقَةِ النَّارِ؛	148	اور آگ کی مخلوق ہونے کو اس نے زیادہ عزت کا سبب خیال کر لیا؛
وَ اسْتَوْهَنَ خَلْقَ الصَّلْصَالِ؛	149	اور آدمؑ کی صلصال والی تخلیق کو اُس نے گھٹیا درجہ سمجھا؛
فَاَعْطَاهُ اللّٰهُ النَّظِرَةَ اسْتِحْقَاقًا لِّلسُّخْطَةِ؛	150	اللہ نے اُسے انتظار کا موقع دے دیا تا کہ اُس پر خفگی کا واضح استحقاق پیدا ہو جائے؛
وَ اسْتِتْمَامًا لِّلْبَلِيَّةِ؛	151	اور آزمائش کا ہر پہلو درجۂ تمام کو پہنچ جائے؛
وَ اِنْجَازًا لِلْعِدَّةِ؛	152	اور اس طرح وعدہ کی مدت بھی پوری ہو جائے؛
فَقَالَ: اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ)۔	153	چنانچہ فرمایا کہ: ''یقیناً تجھے انتظار کرنے والوں کے ساتھ ایک پہلے سے معلوم وقت کے روز تک مہلت دی جاتی ہے۔'' (صٓ 38/80-81)
ثُمَّ اَسْكَنَ سُبْحَانَهُ آدَمَ دَارًا اَرْغَدَ فِيْهَا عِيْشَتَهُ؛	154	پھر اللہ پاک نے آدمؑ کو ایسے مقام میں رکھا جہاں ان کی زندگی فارغ البالی سے گزرے؛
وَ اٰمَنَ فِيْهَا مَحَلَّتَهُ؛	155	اور انہیں وہاں مکر وفریب سے محفوظ اور موقع شناس کر دیا؛
وَ حَذَّرَهُ اِبْلِيْسَ وَ عَدَاوَتَهُ؛	156	اور انہیں ابلیس اور اس کی دشمنی سے بچ کر رہنے کی تاکید کر دی؛
فَاغْتَرَّهُ عَدُوُّهُ نَفَاسَةً عَلَيْهِ بِدَارِ الْمُقَامِ وَ مُرَافَقَةِ الْاَبْرَارِ؛	157	چنانچہ ابلیس نے آدمؑ کو اُس نفیس مقام اور ابرار حضرات کی رفاقت میں دیکھ کر عداوت سے کام لیا اور انہیں ایک امید افزا دھوکا دے دیا؛
فَبَاعَ الْيَقِيْنَ بِشَكِّهِ؛	158	چنانچہ آدمؑ نے مشکوک صورت حال کا یقینی صورت حال سے سودا کر لیا۔

وَ الْعَزِيْمَةَ بِوَهْنِهٖ؛	159	اور جنت کی مستقل و مستحکم زندگی کو چھوڑ کر دنیا کی کمزور زندگی اختیار کر لی،
وَ اسْتَبْدَلَ بِالْجَزَلِ وَجَلًا؛	160	اور جنت کی اطمینان بخش ومسرور زندگی کو خوف و پریشانی کی زندگی سے بدل لیا،
وَ بِالْاِغْتِرَارِ نَدَمًا؛	161	اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے ندامت سے دوچار ہوئے؛
ثُمَّ بَسَطَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ لَهٗ فِيْ تَوْبَتِهٖ؛	162	چنانچہ اللہ نے اُن کے لئے تدارک کی تمام راہیں کشادہ کر دیں؛
وَ لَقَّاهُ كَلِمَةَ رَحْمَتِهٖ؛	163	اور اُن کی اپنے کلمہ رحمت سے ملاقات کرا دی،
وَ وَعَدَهُ الْمَرَدَّ اِلٰى جَنَّتِهٖ؛	164	اور اللہ نے انہیں دوبارہ اپنی جنت میں پلٹانے کا وعدہ کر لیا۔
فَاَهْبَطَهٗ اِلٰى دَارِ الْبَلِيَّةِ؛	165	چنانچہ انہیں آزمائشوں والے مقام پر اتار دیا گیا۔
وَ تَنَاسُلِ الذُّرِّيَّةِ۔	166	اور ایک خاص ذریت ونسل تیار کرنے کی ذمہ داری اُن پر ڈال دی۔
وَ اصْطَفٰى سُبْحَانَهٗ مِنْ وُّلْدِهٖ اَنْبِيَآءَ	167	پھر اس ذات پاک نے آدمؑ کی اولاد میں سے انبیاءؑ کو مصطفیٰ بنایا اور ان سب سے
اَخَذَ عَلَى الْوَحْيِ مِيْثَاقَهُمْ؛		وحی کے متعلق معاہدہ کرایا۔
وَعَلٰى تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ اَمَانَتَهُمْ؛	الف	اور اپنی رسالت کی تبلیغ پر انہیں امانت دار بنایا؛
لَمَّا بَدَّلَ اَكْثَرُ خَلْقِهٖ عَهْدَ اللّٰهِ اِلَيْهِمْ؛	168	جب اُس کی مخلوق کی کثیر تعداد نے اللہ کا وہ عہد بدل ڈالا جو اُن سے لیا جا چکا تھا۔
فَجَهِلُوْا حَقَّهٗ؛	169	اور اللہ کے قائم کردہ حقوق سے اَن جان بن بیٹھے۔
وَ اتَّخَذُوا الْاَنْدَادَ مَعَهٗ؛	170	اور اللہ کے دین میں کچھ لوگوں کو اُس کا ہمسر و سرپرست بنا لیا۔
وَ اجْتَالَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ عَنْ مَّعْرِفَتِهٖ؛	171	اور شیاطین نے انہیں اللہ کی معرفت سے منحرف کر دیا۔
وَ اقْتَطَعَتْهُمْ عَنْ عِبَادَتِهٖ؛	172	اور انہیں اللہ کی عبادت سے منقطع کر دیا۔
فَبَعَثَ فِيْهِمْ رُسُلَهٗ؛	173	چنانچہ اللہ نے اُن حالات میں بھی اپنے رسولوںؑ کو مبعوث کیا۔
وَ وَاتَرَ اِلَيْهِمْ اَنْبِيَآئَهٗ؛	174	اور اپنے انبیاءؑ کو متواتر اُن میں بھیجتا رہا۔
لِيَسْتَادُوْهُمْ مِيْثَاقَ فِطْرَتِهٖ؛	175	تاکہ تمام انسانوں کو اللہ کے قائم کردہ فطری معاہدہ پر برقرار رکھے۔
وَ يُذَكِّرُوْهُمْ مَنْسِيَّ نِعْمَتِهٖ؛	176	اور انہیں اللہ کی بھلائی ہوئی نعمتوں کی یاددھانی کراتے رہیں؛
وَ يَحْتَجُّوْا عَلَيْهِمْ بِالتَّبْلِيْغِ؛	177	اور اُن پر تبلیغ کے ذریعہ سے اتمام حجت کرتے رہیں؛

وَ یُثِیْرُوْا لَهُمْ دَفَآئِنَ الْعُقُوْلِ؛	178	اور اُن کے لئے عقلوں کے پوشیدہ خزانے ظاہر وعام کرتے رہیں،
وَ یُرُوْهُمُ الْاٰیَاتِ الْمُقَدَّرَةِ:	179	اور اُنہیں مقدّرات سے متعلق وہ آیات ومعجزات دکھاتے رہیں؛
مِنْ سَقْفٍ فَوْقَهُمْ مَرْفُوْعٍ؛	180	جو کہ اس خلائی چھت کی بلندیوں سے متعلق ہیں؛
وَّ مِهَادٍ تَحْتَهُمْ مَّوْضُوْعٍ؛	181	اور جو اُن کے نیچے گہوارۂ زمین سے وابستہ ہیں؛
وَ مَعَایِشَ تُحْیِیْهِمْ؛	182	اور جو اُن کی زندگی کو بحال رکھنے کے لئے ضروری ہیں؛
وَ آجَالٍ تُفْنِیْهِمْ؛	183	اور جو کہ اُن کی زندگی، موت اور فنا سے تعلق رکھتے ہیں؛
وَ اَوْصَابٍ تُهْرِمُهُمْ؛	184	اور مصائب جو انہیں بوڑھا کرتے ہیں،
وَ اَحْدَاثٍ تَتَابَعُ عَلَیْهِمْ؛	185	اور وہ حادثات جو اُن کے پیچھے لگے چلے آرہے ہیں؛
وَ لَمْ یُخْلِ سُبْحَانَهٗ خَلْقَهٗ مِنْ نَبِیٍّ مُّرْسَلٍ؛	186	اور اُس ذات پاک نے کبھی بھی اپنی مخلوق کو نبیؐ مرسل سے خالی نہیں چھوڑا ؛
اَوْ کِتَابٍ مُّنْزَلٍ؛	187	یا مخلوق کبھی بھی نازل شدہ کتاب کے بغیر نہیں رہی؛
اَوْ حُجَّةٍ لَازِمَةٍ؛	188	یا ایک حجّة لازمی طور پر موجود رہتی رہی؛
اَوْ مَحَجَّةٍ قَآئِمَةٍ؛	189	یا ایک قائم رہنے والا دین برابر برقرار رکھا گیا؛
رُسُلٌ لَا تُقَصِّرُ بِهِمْ قِلَّةُ عَدَدِهِمْ؛	190	وہ رسؐول ایسے تھے جن کی تعداد کی کمی سے تبلیغ میں کمی نہ ہوتی تھی؛
وَ لَا کَثْرَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ لَهُمْ؛	191	اور نہ اُنہیں جھٹلانے والوں کی کثرت تبلیغ سے روکتی تھی؛
مِنْ سَابِقٍ سُمِّیَ لَهٗ مَنْ بَعْدَهٗ؛	192	وہ رسؐول بھی گزرے جنہوں نے اپنے بعد آنے والے رسولوںؑ کے نام بتادیئے تھے۔
اَوْ غَابِرٍ عَرَّفَهٗ مَنْ قَبْلَهٗ؛	193	کچھ ایسے رسولؑ گزرے جنہوں نے اپنے سے پہلے رسولوںؑ کا تعارف کرادیا تھا؛
عَلٰی ذٰلِکَ نَسَلَتِ الْقُرُوْنُ؛	194	اُسی مذکورہ بعثت کے اصول پر نسلوں پر نسلیں اور صدیاں گزریں؛
وَ مَضَتِ الدُّهُوْرُ؛	195	اور تبلیغ کے مختلف زمانے گزرتے چلے گئے؛
وَ سَلَفَتِ الْاٰبَآءُ؛	196	اور آباواجداد گزرتے رہے؛
وَ خَلَفَتِ الْاَبْنَآءُ؛	197	اور بیٹوں نے جانشینی اختیار کرلی؛
اِلٰی اَنْ بَعَثَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مُحَمَّدًا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ) لِاِنْجَازِ عِدَتِهٖ؛	198	یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو مبعوث فرمادیا تاکہ اللہ کا ہدایات بھیجتے رہنے کا وہ وعدہ بھی پورا ہوجائے؛

وَ تَمَامِ نُبُوَّتِہٖ؛	199	اور سلسلہ نبوت بھی مکمل اور تمام ہو جائے؛
مَاخُوْذًا عَلَی النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقُہٗ؛	200	وہ وعدہ جو انبیاءؑ کے میثاق سے متعلق تھا؛
مَشْھُوْرَۃً سِمَاتُہٗ؛	201	جو اپنی تفاصیل کے ساتھ پوری شہرت رکھتا چلا آیا تھا۔
کَرِیْمًا مِیْلَادُہٗ؛	202	آنحضرتؐ کی پیدائش خود بھی ایک کریم کی پیدائش تھی۔
وَ اَھْلُ الْاَرْضِ یَوْمَئِذٍ مِّلَلٌ مُّتَفَرِّقَۃٌ؛	203	اُس وقت اور آج کی دنیا کی تمام مِلّتیں تفرقے میں مبتلا تھیں اور ہیں؛
وَ اَھْوَآءٌ مُّنْتَشِرَۃٌ؛	204	اور اُن کے ذاتی اغراض و اجتہادات انتشار میں مبتلا تھے؛
وَ طَرَائِقُ مُتَشَتِّتَۃٌ؛	205	اور سب کی راہیں جداگانہ اور بکھری ہوئی تھیں؛
بَیْنَ مُشَبِّہٍ لِلّٰہِ بِخَلْقِہٖ؛	206	جن میں مخلوقات کو اللہ کے ساتھ مشابہت دی جا رہی تھی؛
اَوْ مُلْحِدٍ فِیْ اسْمِہٖ؛	207	یا پھر اللہ کے ناموں میں ہیرا پھیری کی جا رہی تھی۔
اَوْ مُشِیْرٍ اِلٰی غَیْرِہٖ؛	208	یا اللہ کو دوسروں کے ساتھ مثالوں سے سمجھا جاتا تھا؛
فَھَدَاھُمْ بِہٖ مِنَ الضَّلَا لَۃِ؛	209	چنانچہ اللہ نے آنحضرتؐ کے ذریعہ سے اُن کی ہدایت کی اور گمراہی سے نکالا۔
وَ اَنْقَذَھُمْ بِمَکَانِہٖ مِنَ الْجَھَالَۃِ؛	210	اور اُن کو جہالت سے نکال کر مقام علم تک لایا؛
ثُمَّ اخْتَارَ سُبْحَانَہٗ لِمُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ) لِقَآئَہٗ؛	211	پھر اُس ذات پاک نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو اپنی لقا کے لئے اختیار کر لیا؛
وَ رَضِیَ لَہٗ مَا عِنْدَہٗ؛	212	اور جو کچھ بھی اللہ کے پاس ہے وہ آنحضرتؐ کو دینے پر راضی ہو گیا؛
وَ اَکْرَمَہٗ عَنْ دَارِ الدُّنْیَا؛	213	اور دنیا کے قیام سے آپ کو بزرگ و برتر سمجھا؛
وَ رَغِبَ بِہٖ عَنْ مَّقَارَنَۃِ الْبَلْوٰی؛	214	اور زحمتوں سے گھری ہوئی جگہ آنحضرتؐ کو مزید رکھنا ناپسند کیا؛
فَقَبَضَہٗ اِلَیْہِ کَرِیْمًا (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ)؛	215	چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کو نہایت اکرام و محبت سے اپنے پاس بلا لیا؛
وَ خَلَّفَ فِیْکُمْ مَا خَلَّفَتِ الْاَنْبِیَآءُ فِیْ اُمَمِھَا؛	216	اور تمہارے اندر اُسی طرح خلیفہ بنا دیا جس طرح سابقہ انبیاءؑ نے اپنی اپنی امتوں میں خلیفہ بنائے تھے؛
اِذْ لَمْ یَتْرُکُوْھُمْ ھَمَلًا:	217	چونکہ سابقہ انبیاءؑ نے اپنی امتوں کو آوارہ اور آزاد اونٹوں کی طرح بے مہار نہیں چھوڑا تھا؛

بِغَیۡرِ طَرِیۡقٍ وَاضِحٍ؛	218	کہ وہ بلا واضح دستور العمل دیئے ہوئے چلے گئے ہوں؛
وَ لَا عَلَمٍ قَائِمٍ؛	219	اور راہِ راست پر نمایاں سنگِ میل قائم نہ کیئے ہوں؛
کِتَابُ رَبِّکُمۡ: مُبَیِّنًا حَلَالَہٗ وَ حَرَامَہٗ؛	220	اور یہ سب کچھ تمہارے رب کی کتاب میں بھی ریکارڈ کیا جا چکا ہے، وہ باتیں بھی ہیں جنکی تمہیں کھلی اجازت ہے اور وہ بھی جنکی ممانعت کا احترام لازم ہے؛
وَ فَرَائِضَہٗ وَ فَضَائِلَہٗ؛	221	وہ اپنے فرائض بھی بیان کرتی ہے اور صاحبانِ فضائل بھی مذکور ہیں؛
وَ نَاسِخَہٗ وَ مَنۡسُوۡخَہٗ؛	222	اور وہ احکام بھی مذکور ہیں جن پر فوراً عمل ضروری ہے اور وہ بھی جن کے مواقع کا انتظار کرنا ہے؛
وَ رُخَصَہٗ وَ عَزَآئِمَہٗ؛	223	اور رعایتیں بھی مذکور ہیں اور پابندیاں بھی؛
وَ خَاصَّہٗ وَ عَامَّہٗ؛	224	مخصوص صورتیں بھی واضح ہیں اور عام حالات کے احکام بھی موجود ہیں؛
وَ عِبَرَہٗ وَ اَمۡثَالَہٗ؛	225	سبق آموزی بھی کر دی گئی ہے اور مثالیں دے کر خبردار کر دیا گیا ہے؛
وَ مُرۡسَلَہٗ وَ مَحۡدُوۡدَہٗ؛	226	اور دور دور بھیجے جانے والے احکام بھی اور محدود رکھے جانے والے احکام بھی اس میں ہیں۔
وَ مُحۡکَمَہٗ وَ مُتَشَابِھَہٗ؛	227	اور اپنے مقام پر مستقل و بنیادی اور ویسے ہی دوسرے مقامات پر احکام بھی ہیں؛
مُفَسِّرًا جُمَلَہٗ؛	228	جو اُس کے تمام جملوں کی تفسیر کرتے ہیں؛
وَ مُبَیِّنًا غَوَامِضَہٗ؛	229	اور ان کی گہرائیوں اور تہوں میں دبی ہوئی حقیقتوں کو بھی بیان کرتے ہیں؛
بَیۡنَ مَاخُوۡذٍ مِیۡثَاقُ عِلۡمِہٖ؛	230	اس میں وہ صورتیں بھی مذکور ہیں جن کا علم حاصل کرنا معاہدہ کے ماتحت لازم ہے؛
وَ مُوَسَّعٍ عَلَی الۡعِبَادِ فِیۡ جَھۡلِہٖ؛	231	اور وہ حالات بھی مذکور ہیں جن سے نادان و ناواقف رہ جانے پر بندوں پر گرفت نہ کی جانے کی امید ہے؛
وَ بَیۡنَ مُثۡبَتٍ فِی الۡکِتَابِ فَرۡضُہٗ؛	232	وہ احکام بھی ہیں جن پر قرآن کی رو سے فوراً عمل کرنا فرائض میں سے ہے؛
وَ مَعۡلُوۡمٍ فِی السُّنَّۃِ نَسۡخُہٗ؛	233	لیکن رسولؐ اللہ کے عمل درآمد سے اُنکے مناسب مواقع اور شرائط ہیں، یعنی جب تک مناسب موقع پیدا نہ ہو اور شرائط مکمل نہ ہو جائیں فرض عائد نہیں ہوتا۔
وَ وَاجِبٍ فِی السُّنَّۃِ اَخۡذُہٗ؛	234	اور رسولؐ کے عمل درآمد کی رُو سے بعض احکام ایسے ہیں جن کو اخذ (حاصل) کرنا واجب ہے؛

وَ مُرَخَّصٍ فِی الْكِتَابِ تَرْكُهٗ؛	235	مگر قرآن سے اُن کو حاصل نہ کرنے کی رعایت موجود ہے؛
وَ بَيْنَ وَاجِبٍ بِوَقْتِهٖ؛	236	اُس میں ایسے کام بھی مذکور ہیں جو وقتی طور پر واجب ہو جاتے ہیں؛
وَ زَائِلٍ فِیْ مُسْتَقْبَلِهٖ؛	237	اور وقت گزر جانے پر مستقبل میں وہ اعمال ساقط ہو جاتے ہیں؛
وَ مُبَائِنٍ بَيْنَ مَحَارِمِهٖ:	238	ممانعتیں، جن کا احترام کرنا واجب ہے آپس میں مختلف ہیں۔ مثلاً؛
مِنْ كَبِيْرٍ اَوْعَدَ عَلَيْهِ نِيْرَانَهٗ؛	239	بڑی بڑی حرام چیزیں اور اعمال جن کی خلاف ورزی پر جلائے جانے کی سزا کا وعدہ کیا گیا ہے؛
اَوْ صَغِيْرٍ اَرْصَدَ لَهٗ غُفْرَانَهٗ؛	240	یا پھر کچھ ہلکے درجے کی حرام چیزیں اور کام ہیں جن کی خلاف ورزی پر جانچ پڑتال کے بعد بخش دیئے جانے کی اُمید ہے؛
وَ بَيْنَ مَقْبُوْلٍ فِیْ اَدْنَاهُ؛	241	اور اُس میں اُن اعمال کا بیان بھی ہے جن کا تھوڑا سا حصہ بھی قبول کر لیا جائیگا۔
وَ مُوَسَّعٍ فِیْ اَقْصَاهُ؛	242	اور زیادہ حصہ کے لئے وسعت موجود ہے؛
<u>مِنْهَا فِیْ ذِكْرِ الْحَجِّ</u>		(مسلسل) <u>اسی خطبے کا حصہ، حج کا تذکرہ فرمایا ہے:</u>
وَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ حَجَّ بَيْتِهِ الْحَرَامِ؛	243	اور تم پر اُس قابل احترام گھر کا حج فرض کیا گیا ہے؛
الَّذِیْ جَعَلَهٗ قِبْلَةً لِّلْاَنَامِ؛	244	جس کو تمام جان دار اور ترقی پذیر مخلوق کا مرکز یا قبلہ بنایا گیا ہے؛
يَرِدُوْنَهٗ وُرُوْدَ الْاَنْعَامِ؛	245	وہ اُس گھر پر اس طرح وارد ہوتے ہیں جس طرح جانور مفید چیز پر جمع ہوتے ہیں؛
وَ يَاْلَهُوْنَ اِلَيْهِ وُلُوْهَ الْحَمَامِ؛	246	اور وہ کعبہ کی طرف کبوتروں کی سی وارفتگی اور والہانہ انداز میں بڑھتے ہیں؛
جَعَلَهٗ سُبْحَانَهٗ عَلَامَةً لِّتَوَاضُعِهِمْ لِعَظَمَتِهٖ؛	247	اللہ پاک نے کعبہ کے حج کو اپنی عظمت کے حضور جھکنے اور عاجزی دکھانے کے لئے لوگوں کے واسطے ایک علامت بنا دیا ہے؛
وَ اِذْعَانِهِمْ لِعِزَّتِهٖ؛	248	اور اُسے اپنی عزت کے منوانے کا ذریعہ قرار دیا ہے؛
وَ اخْتَارَ مِنْ خَلْقِهٖ سُمَّاعًا اَجَابُوْا اِلَيْهِ دَعْوَتَهٗ؛	249	اُس نے اپنی مخلوقات میں سے وہ لوگ چن لئے ہیں جو اُس کی آواز کو سن کر اُس کی دعوت کا جواب دیتے اور اطاعت کرتے ہیں؛
وَ صَدَّقُوْا كَلِمَتَهٗ؛	250	اور اُس کے کلمہ کی عملی دلیل کے ساتھ تصدیق کرتے ہیں؛
وَ وَقَفُوْا مَوَاقِفَ اَنْبِيَآئِهٖ؛	251	اور انبیاءؑ کے کھڑے ہونے کے مقام پر اُن ہی کے مقاصد کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔

وَ تَشَبَّهُوْا بِمَلَائِكَتِهِ الْمُطِيْفِيْنَ بِعَرْشِهٖ؛	252	اورعرش کا طواف کرتے رہنے والے ملائکہ سے مشابہت اختیار کرتے ہیں؛
يُحْرِزُوْنَ الْاَرْبَاحَ فِيْ مَتْجَرِ عِبَادَتِهٖ؛	253	وہ اپنی عبادت کی تجارت گاہ میں صرف منافع ہی منافع سمیٹتے ہیں؛
وَ يَتَبَادَرُوْنَ عِنْدَ مَوْعِدِ مَغْفِرَتِهٖ؛	254	اوراللہ کی وعدہ گاہ مغفرت کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں؛
جَعَلَهٗ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى لِلْاِسْلَامِ عَلَمًا؛	255	اللہ پاک نے بیت اللہ اور حج کو اسلام کیلئے ایک بلند رہنے والا علم بنایا ہے؛
وَ لِلْعَائِذِيْنَ حَرَمًا؛	256	اور پناہ چاہنے والوں کے لئے معزز ومحفوظ مقام قرار دیا ہے؛
فَرَضَ حَجَّهٗ؛	257	کعبہ کا حج فرض کیا ہے؛
وَ اَوْجَبَ حَقَّهٗ؛	258	اور اُس کا حق سب پر واجب کیا ہے؛
وَ كَتَبَ عَلَيْكُمْ وِفَادَتَهٗ؛	259	اور تمہارے لئے لکھ دیا ہے کہ تم وفود کی صورت میں جا کر زیارت کیا کرو؛
فَقَالَ سُبْحَانَهٗ: وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ o (آل عمران 3/97)	260	چنانچہ اس ذاتِ پاک نے فرمایا ہے کہ: ''بیت اللہ کا حج اللہ کے لئے ہر اُس شخص پر واجب ہے جو اس راہ میں سفر کرنے کی مقدرت رکھتا ہو۔ اور جو کوئی اس حقیقت کو چھپائے گا تو اللہ پوری کائنات سے بھی لا پرواہ ومستغنی ہے۔''

تشریحات:

1۔ مافوق البشر کلام کی تشریح وتوضیح کرنا بھی بشری علم وفہم سے بلند ہونا چاہئے

علمائے انسانیت نے متفقہ طور پر کلامِ مرتضوی کو فوق کلامِ بشر قرار دے کر ہم ایسے جہلا کے لئے ترجمہ اور تشریح کی راہیں کھول دی ہیں۔ یعنی جہاں جہاں اور جس جس بیان کو سمجھنے میں ہم سے غلطی یا غلط فہمی سرزد ہوگی، وہاں ہماری بشریت یہ کہہ کر ہماری معافی کی درخواست کر سکے گی کہ: ''حضور مافوق البشر کلام تھا اگر غلط فہمی یا غلطی ہوگئی تو یہ بشری عقل وعلم وفہم کے عین مطابق ہے۔ اور شارح اور مترجم بشر کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔''

2۔ اگر کلامِ مرتضوی مافوق البشر ہے؟ تو علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مافوق البشر ماننا بھی لازم ہے

ہم نے اپنی تفسیر میں مقامِ محمدی ومرتضوی کو قرآن کی واضح آیات سے ایسا مقام ثابت کیا ہے جو انسانی عقل وفہم ووہم سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔ بہر حال یہاں آپ کو ایک حدیث سُناتے ہیں جو اللہ ومحمدؐ وعلیؑ کو انسانی علم وادراک سے ماوریٰ ثابت کرنے میں ایک انتہائی مقام

رکھتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

یَا عَلِیُّ مَا عَرَّفَ اللّٰہُ اِلَّا اَنَا وَ اَنْتَ؛ وَ مَا عَرَّفَنِیْ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنْتَ؛ وَ مَا عَرَّفَکَ اللّٰہُ وَ اَنَا۔

(مستدرک الحاکم جلد 3 صفحہ نمبر 124)

''اے علیؑ اللہ کی حقیقی معرفت میرے اور تمہارے سوا کسی کو نہیں ہوسکی اور میری حقیقی معرفت اللہ کے اور تمہارے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ اور تمہاری حقیقی معرفت اللہ کے اور میرے سوا کسی کو نہیں ہوسکتی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ، محمدؐ اور علیؑ کی ایسی معرفت حاصل کر لینا جو آنحضرتؐ کے معیار پر معرفت کہلا سکے، اِن تینوں ذواتِ مقدسہ کے علاوہ کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حقیقت محمدؐیہ وعلویہؑ کو سمجھنے اور پہچاننے کے لئے اس مادی دُنیا میں نہ ایسا سامان ووسائل ہیں اور نہ ایسے الفاظ ہی موجود ہیں جن کو استعمال کر کے انسانوں کے قلوب واذھان میں اُن کا حقیقی تصور پیدا ہوسکے۔

3۔ اللہ نے اپنے تعارف اور ظہور کے لئے نورِ محمدیؐ کو تخلیق کی بنیاد بنا کر لباسِ تخلیق پہنایا۔

خالقِ کائنات کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اُس نے محمدؐ اور علیؑ ایسی ناممکن الفہم اور ناقابل ادراک ہستیوں کو بتدریج، منزل بمنزل اُس مقام تک اُتارا کہ وہ انسانوں کے مشاہدے اور حواسِ خمسہ میں بھی سمانے کے قابل ہوگئے اور ساتھ ہی اپنے فیوض کو اوّلین صورت سے لے کر اُن کی آخری صورت تک ہر تدریجی منزل میں مسلسل جاری رکھا اور کائنات کی کسی مخلوق کو محروم نہ ہونے دیا۔ یہ کتنی عجیب اور حیران کن بات ہے کہ وہ ہستی جس کے آغوشِ رحمت میں ساری کائنات اور کائنات کی تمام مخلوقات ہوں، اُسے آغوشِ حضرت عبداللہ یا ابوطالب علیہما السلام میں دے دیا جائے؟؟

4۔ مولائے کائنات نے پہلے خطبے میں تخلیق کائنات کا ذکر فرمایا ہے اپنی تخلیق کا ذکر نہیں کیا

حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تخلیق کے اربوں سال بعد ظہور میں لائی جانے والی تخلیق کا اصولی اور مختصر سا تذکرہ اپنے پہلے خطبے میں فرمایا ہے۔ اس خطبہ کی تشریح شروع کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ خود علی مرتضیٰؑ کی تخلیق سامنے رکھ دیں تاکہ سابقہ عنوان اُن کے نورانی وجود کی روشنی میں آکر ہمارے بیانات میں ہماری مدد کرتا رہے۔ اور ساتھ ہی قرآن کا یہ فرمانا واضح ہوجائے کہ:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا o رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَ مَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزْقًا o (65/10-11)

''اے دانشورانِ قریش اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ذکرِ مجسم رسولؐ نازل کر دیا ہے جو کہ تمہارے سامنے اللہ کی منہ بولتی آیات کی تلاوت کرتا ہے (اور کرتا رہے گا۔ مضارع) تاکہ صالح مومنین کو اندھیروں میں سے نکال کر اُس خاصؑ نور کی طرف لے جائے اور یوں جو کوئی اللہ پر ایمان لے آئے اور اصلاحی اعمال بجالائے اُسے وہ خاصؑ نور اُن جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے

نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً ایسے صالح مومن کے لئے اللہ نے بہترین رزق مہیا کیا ہے۔'' (طلاق 65/10-11)

5۔ مخلوقات کو فیوضِ خداوندی پہنچانے کے لئے مقامِ بلند سے اُتر آئے۔

یہ دونوں آیات اس حقیقت کو واضح کرنے کیلئے کافی ہیں کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ جس صورت میں تلاوتِ قرآن اور تبلیغ رسالت فرما رہے تھے۔ وہ اُنکی حقیقی صورت نہ تھی بلکہ اللہ نے آپؐ کو ایک ناممکن الفہم اور نا قابلِ ادراک صورت سے قابلِ فہم وادراک شکل میں تبدیل کر کے بلند ترین مقام سے منزل بمنزل نیچے اُتارا تھا۔ اسلئے فرمایا گیا: ''قَدْ اَنزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا؛ رَّسُوْلًا..''

حضورؐ کو جس مقامِ بلند سے نیچے اُتارا گیا تھا وہ وہی مقام تھا جہاں رہتے ہوئے اُن کو اللہ اور علیؑ کے سوا کوئی اور سمجھ نہیں سکتا تھا۔

اور اُسی حقیقتِ محمدؐیہ کو بیان کرنے اور مندرجہ بالا آیات کی تفسیر کے لئے ہم حدیث لکھنے والے ہیں مگر پہلے مادہ پرست علما یہ دیکھ لیں کہ اگر آنحضرتؐ بالکل اُن ہی کی طرح تخلیق کے عام قانون کے ماتحت ماں باپ کے نطفے سے پیدا ہوئے تھے تو اُن کے لئے ''قَدْ اَنزَلَ اللّٰهُ'' یقیناً اللہ نے اُن کو نازل کیا، بہت بے معنی اور بے تکی بات ہے۔

بہر حال مُکذبین قرآن کو اُن کے حال پر نہیں چھوڑا گیا اُن ہی کو اُن آیات (65/10-11) میں متقی بننے کا حکم دیا۔ اُن ہی کو بطورِ طنز ''اے عقلمند یا دانشور لوگو ''یٰاُولِی الالباب'' کہہ کر یہ بتایا ہے کہ محمدؐ کو اُن کی نورانی حقیقت سے تنزل دے کر اس لئے تمہارے گھٹیا درجہ تک نیچے اُتارا کہ تم انہیں اپنی ایسی بشری صورت میں دیکھ سکو، اُن سے مل سکو اور تمہیں وہ اس قابل بنا سکے کہ اپنے خود ساختہ مجتہدانہ اندھیروں سے باہر نکل آؤ اور تمہیں ایک خاص نوؐر کے سپرد کر دے جو مومنین کو جنت میں داخل کر دے۔

6۔ کائنات کے مجازی مدؐبر و منتظمؐ و حکمرانؐ کیسے، کب اور کیوں زیورِ تخلیق سے آراستہ ہوئے۔

یہاں سے قارئین کرام محمد، علی، فاطمہ اور آئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم کی تخلیق کا حال احادیثِ معصوؐمین سے ملاحظہ فرمائیں اور پھر دیکھیں حضرت علی علیہ السلام کے پہلے خطبے میں تخلیق کو کیسے اور کہاں سے شروع کیا گیا ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ اَبِی جَعْفَرِ الثَّانِی علیه السلام فَاَجْرَيْتُ اِخْتِلَافَ الشِّيْعَةِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى لَمْ يَزَلْ مُتَفَرِّدًا بِوَحْدَانِيَّةٍ ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَّ عَلِيًّا وَّ فَاطِمَةَ، فَمَكَثُوا اَلْفَ دَهْرٍ، ثُمَّ خَلَقَ جَمِيْعَ الْاَشْيَاءِ فَاَشْهَدَهُمْ خَلْقَهَا وَ اَجْرٰى طَاعَتَهُمْ عَلَيْهَا وَ فَوَّضَ اُمُوْرَهَا اِلَيْهِمْ، فَهُمْ يُحِلُّوْنَ مَا يَشَاؤُوْنَ وَ يُحَرِّمُوْنَ مَا يَشَاؤُوْنَ وَ لَنْ يَشَاؤُوا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ هٰذِهِ الدِّيَانَةُ الَّتِی مَنْ تَقَدَّمَهَا مَرَقَ وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا مَحَقَ وَ مَنْ لَزِمَهَا لَحِقَ، خُذْهَا اِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ۔

(اصول کافی کتاب الحجۃ ابواب التاریخ باب مولد النبیؐ حدیث نمبر 5)

''محمد بن سنان نے کہا کہ: میں جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے پاس تھا۔ میں نے اُن سے محمد و علی و فاطمہ علیہم السلام کی تخلیق کے متعلق شیعوں میں پھیلے ہوئے اختلافات کا ذکر کیا تو جواب میں فرمایا کہ: ''اے محمد سنو کہ اللہ تعالٰی قطعاً تنہا و یگانہ رہتا رہا۔ اس کے

بعد وہ وقت آیا کہ اللہ نے محمد و علی اور فاطمہ علیہم السلام کو پیدا کیا۔ وہ پیدا ہونے کے بعد ایک ہزار زمانے گزار چکے تب اللہ نے باقی تمام چیزوں کی تخلیق کی اور تخلیق کے دوران محمدؐ، علیؑ اور فاطمہؑ کو اشیاء کی تخلیق پر حاضر رکھ کر گواہ بنایا اور ہر چیز پر اُن حضراتؑ کی اطاعت وفرمان برداری جاری کردی اور تمام مخلوق کے تمام معاملات اُن حضراتؑ کے سپرد (تفویض) کردیئے چنانچہ وہ حضراتؑ مخلوقات کے جن امور کو چاہتے ہیں قابل عمل اور سہل کرتے ہیں اور جن حالات کو چاہتے ہیں محترم و پابند کرتے ہیں اور وہ جو کچھ چاہتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ یعنی اللہ کی مشیت کے ساتھ ساتھ عمل کرتے ہیں۔'' پھر فرمایا کہ: ''اے محمد یہ ہے حقیقی دینی پوزیشن جو اس حقیقت کے آگے بڑھا وہ گویا دین کے ایک جانب سے گزر گیا اور جو اس حقیقت کا مخالف ہوا وہ برباد ہوگیا اور جس نے اس حقیقت کو اپنے اوپر لازم کرلیا وہ دین سے ملحق ہوگیا لہٰذا تم اسے اختیار کرلو۔''

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ مخالف محاذ کا اثر لے کر بعض شیعہ بھی محمدؐ و علیؑ اور آئمہ اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس پوزیشن سے اختلاف کرتے رہے ہیں اور شیعہ مجتہدین تو آج تک منکر ہیں۔

7۔ تخلیقِ محمدؐ و علیؑ اور فاطمہؑ کی مزید تفصیلات مسلسل۔

مندرجہ بالا حدیث کا یا دین اسلام کا سب سے اہم عقیدہ اور حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کے سربراہ علیہم السلام اس کائنات اور کائنات کی ہر مخلوقات پر حکمران ہیں اور تمام تخلیقی مراحل پر چشم دید گواہ ہیں۔ اور ساری مخلوق اور پوری کائنات کا نظام وانتظام اُن کے ذمہ ہے۔ اسی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا گیا تھا:

فَاِنَّ رَسولَ اللّٰہِ بَابُ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یُؤْتیٰ اِلَّا مِنْہُ ...... وَکَذٰلِکَ کَانَ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَؑ مِنْ بَعْدِہٖ وَ جَریٰ لِلْاٰئِمَّةِ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ۔ الخ (اصول کافی کتاب الحجۃ باب جس میں آئمہؑ کو زمین کے ارکان فرمایا، حدیث نمبر3)

''یقیناً رسولؐ اللہ، اللہ کا وہ دروازہ ہیں کہ جو کچھ بھی اللہ کسی کو دیتا ہے اس دروازے کے علاوہ کہیں اور سے نہیں دیتا اور آنحضرتؐ کے بعد علیؑ کا یہی مقام ہے اور پھر باقی آئمہؑ ایک کے بعد ایک یہی حیثیت رکھتے تھے۔''

یعنی رزق وتربیت وترقی کا سامان بھی اُن ہی کے ہاتھوں سے ملتا ہے۔

(الف) تخلیق پر دوسری حدیث

عَنْ مُرازِمٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہ علیہ السلام قَالَ: قَالَ اللّٰہُ تَبارَکَ وَ تَعَالٰی: یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ خَلَقْتُکَ وَ عَلِیًّا نُورًا یَعْنِی رُوْحًا بِلَا بَدَنٍ قَبْلَ اَنْ اَخْلُقَ سَمٰوَاتِی وَ اَرْضِیْ وَ عَرْشِیْ وَ بَحْرِیْ فَلَمْ تَزَلْ تَھَلِّلُنِی وَ تَمَجِّدُنِی، ثُمَّ جَمَعْتُ رُوْحَیْکُمَا فَجَعَلْتُھُمَا وَاحِدَةً فَکَانَتْ تُمَجِّدُنِیْ وَ تُقَدِّسُنِیْ وَ تُھَلِّلُنِیْ، ثُمَّ قَسَمْتُھَا ثِنْتَیْنِ وَ قَسَمْتُ الثِّنْتَیْنِ ثِنْتَیْنِ فَصَارَتْ اَرْبَعَةً: مُحَمَّدٌ وَاحِدٌ وَّ عَلِیٌّ وَّاحِدٌ وَّ الْحَسَنُ وَّ الْحُسَیْنُ ثِنْتَانِ، ثُمَّ خَلَقَ اللّٰہُ الْفَاطِمَةَ مِنْ نُورٍ اِبْتَدَأَھَا رُوْحًا بِلَا بَدَنٍ، ثُمَّ مَسَحَنَا بِیَمِیْنِہٖ فَاَفْضیٰ نُورَہٗ فِیْنَا۔ (اصولِ کافی، جلد اول باب مولد النبی حدیث نمبر3)

''جناب مرازم حضرت امام جعفرؑ صادق سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بتایا کہ اللہ نے فرمایا کہ اَے محمدؐ یقیناً میں نے تمہیں اور علیؑ کو ایک نور کی صورت میں پیدا کیا تھا یعنی رُوحاً بلا بدن۔ تمہاری یہ تخلیق اپنے آسمانوں، اپنی زمینوں اور اپنے عرش اور اپنے سمندروں کے پیدا کرنے سے پہلے کی تھی۔ پھر تم دونوں نورانی مجسموں نے میری تہلیل یعنی معبودیت میں یکتائی اور میری بزرگی اور میری تقدیس مسلسل بلا وقفہ جاری رکھی۔ پھر میں نے تم دونوں کے نوری مجسموں کو ایک نور میں تبدیل کر دیا۔ پھر وہ مجسمہ بھی میری معبودیت کی یکتائی اور میری بزرگی اور عزت مآبی بیان کرتا رہا۔ پھر میں نے اُس دوہرے مجسمے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور پھر دو حصوں کے چار حصے کر دیئے جن میں سے ایک کا نام محمدؐ، دوسرے کا نام علیؑ اور باقی دو حصوں کے نام حسنؑ اور حسینؑ رکھا۔ پھر اللہ نے فاطمہؑ کا نور پیدا کیا اور اپنی داہنی سمت سے ہمیں اختیار کیا چنانچہ اس کا نور ہمارے اندر داخل ہو گیا۔''

اس حدیث کے آخری جملے کی تشریح اصولِ کافی باب ''مَاجَآءَ فِی الْاَثْنَا عَشر وَ النَّصّ عَلَیْھِم السلام'' حدیث 6 میں یوں کی گئی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَ عَلِیًّا وَ احد عشر مِنْ وُلِدِهٖ مِنْ نُورِ عَظْمَتِهٖ، فَاَقَامَهُمْ اَشْبَاحًا فِیْ ضَیَاءِ نُوْرِهٖ، یَعْبُدُوْنَهٗ قَبْلَ خَلْقِ الْخَلْقِ، یُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ وَ یُقَدِّسُوْنَهٗ وَ هُمُ الْاَئِمَّةُ مِنْ وُلد رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ (حدیث نمبر 6)

''امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ اور علیؑ کو اور گیارہ افراد کو اُن ہی کی اولاد کے طور پر اپنے عظیم الشان نور سے پیدا کیا اور انہیں بطور نمونہ اپنے نورانی پرتو میں قائم رکھا جہاں وہ سب اللہ کی عبادت اُس وقت کر رہے تھے جبکہ ابھی کوئی مخلوق وجود میں نہ آئی تھی اور اُس کی ہمہ گیری اور عزت مآبی کا اعلان کر رہے تھے اور وہی رسولؐ اللہ کی اولاد کے امامؑ ہیں۔''

(ب) <u>تخلیق پر تیسری حدیث</u>

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ علیه السلام قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ کَانَ اِذْ لَا کَانَ، فَخَلَقَ الْکَانَ وَ الْمَکَانَ، وَ خَلَقَ نُوْرَ الْاَنْوَارِ، الَّذِیْ نَوَّرَتْ مِنْهُ الْاَنْوَارِ وَ اَجْرٰی فِیْهِ مِنْ نُوْرِهِ الَّذِیْ نَوَّرَتْ مِنْهُ الْاَنْوَارُ وَ هُوَ النُّوْرُ الَّذِیْ خَلَقَ مِنْهُ مُحَمَّدًا وَّ عَلِیًّا، فَلَمْ یَزَالَا نُوْرَیْنِ، اَوَّلَیْنِ، اِذْ لَا شَیْءٍ کَوَّنَ قَبْلَهُمَا، فَلَمْ یَزَالَا یَجْرِیَانِ طَاهِرَیْنِ مُطَهَّرَیْنِ فِی الْاَصْلَابِ الطَّاهِرَةِ حَتّٰی اِفْتَرَقَا فِیْ اَطْهَرِ الطَّاهِرِیْنَ فِیْ عَبْدِاللّٰهِ وَ اَبِیْ طَالِب علیهما السلام۔ (کافی ایضاً باب مولد النبیؐ حدیث نمبر 9)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا گیا کہ آپؑ نے فرمایا ہے کہ: ''یقیناً اللہ اُس وقت بھی تھا جب کہ نہ لفظ ''تھا'' تھا، نہ لفظ ''ہے'' کسی کے لئے بولا جا سکتا تھا۔ پھر اللہ نے اِن الفاظ کی گنجائش پیدا کی اور تمام نورانی چیزوں کو پیدا کرنے والا نور پیدا کیا وہی نور جس سے باقی تمام نورانی ہستیوں کو منور کرنا تھا۔ اِس نور الانوار میں اپنا نور جاری کیا جس سے تمام انوار چمک اٹھے یہ وہ نور تھا جس سے اللہ نے محمدؐ اور علیؑ کو پیدا کیا تھا اور یہی وہ دو (2) نور تھے جو اوّلین مخلوق تھے جن سے پہلے اللہ نے اور کچھ پیدا نہ کیا تھا۔ یہ دونوں نور برابر موجود رہتے چلے آئے یہاں تک کہ اُن دونوں پاک و پاکیزہ نوروں کو پاک و پاکیزہ کرنے والا بنا کر کائنات میں جاری وساری کر دیا یہاں تک کہ وہ دونوں نور پاک و پاکیزہ پشتوں اور بطنوں میں رہتے چلے گئے اور آخر کار سب سے پاک و

پاکیزہ اصلابِ عبداللہ وابو طالب علیہما السلام میں جدا ہو کر قیام فرمایا۔''

8۔ مذکورہ بالا احادیث کا خلاصہ اور محمدؐ وعلیؑ کا تخلیقِ کائنات میں مقام۔

(1) یہ تمام، اور ایسی بہت سی احادیث ہیں جن میں ایک ایسا زمانہ بتایا گیا ہے جب اللہ کے علاوہ کچھ بھی موجود نہ تھا۔ لہٰذا جب کچھ بھی موجود نہ تھا تو زمانہ، وقت اور وقت پیدا کرنے والا سامان بھی موجود نہ تھا۔ لہٰذا یہ کہنا یا کہہ سکنا کہ اللہ کب سے موجود تھا؟ ناممکن اور جب کچھ اور تھا ہی نہیں تو الفاظ اور اُن کے معنی بھی موجود نہ تھے اور جب الفاظ ہی نہ تھے تو لفظ ''اللہ'' بھی موجود نہ تھا۔ یعنی یہ نام بھی بعد میں پیدا کیا گیا۔ چونکہ اللہ نے ابھی کچھ پیدا نہ کیا تھا تو لفظِ ''خالق'' بھی موجود نہ تھا۔ یعنی وہ تمام نام بھی موجود نہ تھے جو اللہ کے ناموں کی جگہ بولے جاتے ہیں۔

(2) پھر یہ بتایا گیا کہ سب سے پہلے جس ہستی کو پیدا کیا گیا وہ محمدؐ کا نور تھا۔ جس میں علیؑ اور اُن کی اولادؑ کے آئمہ علیہم السلام شامل تھے۔ ساتھ ہی الگ سے فاطمہ علیہا السلام کا نور پیدا کیا گیا۔ یہاں سے اللہ نے لفظ خالق کو اختیار کرلیا۔ اُن مقدس انوار کی تربیت و ربوبیت کی بنا پر رب کہلایا۔ اُن پر رحم و کرم کیا تو رحیم و کریم کہلایا۔ اُن ذواتِ مقدّسہ نے اُس کی عبادت کی تو معبود بنا۔ تنہا و یکتا تھا تو وَاحد وَاحد کہلایا۔ الغرض اللہ کی وہ تمام قدرتیں برسرِ کار آگئیں جو اُن ذوات کی ارتقاء و بقا اور قوت کے لئے ضروری تھیں۔ انہیں رزق دیا تو انہوں نے رازق کہا۔ انہیں قدرت عطا کی تو قدیر کہلایا۔ الغرض وہ ہستی جو ایک پوشیدہ خزانہ (کَنزًا مَخفِیًّا) تھی اُن ذواتِ مقدّسہ پر ظاہر ہوگئی۔ اور اُنہوں نے جو کچھ اپنی اپنی نورانی آنکھوں سے دیکھا، جو کچھ بلا مادی کانوں کے سنا، جو کچھ نورانی قلوب واذھان میں جمع کیا وہی کچھ کہتے رہے۔ اللہ سے براہ راست بے حجاب رابطہ تھا اور یہ صورتِ حال بقول خدا کے ایک ہزار زمانوں تک برقرار رہی۔ یہ زمانے بھی چاند، سورج اور گردشِ افلاک و ایام والے نہ تھے۔ اُن کی مدت کا تعین بھی ناممکن ہے اس لئے کہ نہ مادی مکان تھا نہ امکان تھا۔

یہ لامحدود زمانے ایسے تھے جس میں اللہ کی پوری قدرتیں، ساری حکمتیں اور تمام توجہات رحیمی کریمی فیاضی اُن ذواتِ مقدسہ پر صرف ہوتی رہیں اور وہ اللہ کی تمام قدرتوں وخصوصیات کے مجسمے بن گئے۔ جب وہ سب کچھ ہو چکا جس سے یہ حضرات ہر حال میں اللہ کی پسند کے مطابق نمائندگی کر سکیں تب کہیں جا کر اللہ نے تخلیقِ کائنات شروع کی۔ دوسرے الفاظ میں وہ سامان بتدریج ظہور میں لانا شروع کیا جس کی محمدؐ و علیؑ کو مختلف مراحل میں تعارفِ خداوندی کے لئے ضرورت تھی۔ تاکہ وہ حضرات تمام مخلوقات سے اللہ کا ضروری و مفید تعارف کراتے چلے جائیں۔ اور اُس فرضِ منصبی کو ادا کرتے رہیں جو اللہ نے اُن کی تخلیق کا مقصد قرار دیا تھا۔ یعنی اُس پوشیدہ خزانے کا ظہور...... فرمایا یہ گیا تھا کہ:

9۔ غرضِ تخلیقِ محمدؐ اور تخلیقِ کائنات، ظہورِ ذاتِ خداوندی ہے۔

کُنتُ کَنزًا مَخفِیًّا اَحبَبتُ اَن یُظهر فَخَلَقتُکَ یا محمدؐ...... (اور) لَوْ لَاکَ، لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔

اللہ نے فرمایا تھا کہ: ''اے محمدؐ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا مجھے یہ پسند آیا کہ میں ظاہر ہو جاؤں چنانچہ میں نے تمہیں پیدا کر دیا۔'' اور یہ بھی فرمایا تھا کہ: ''اے محمدؐ اگر تم موجود نہ ہوتے تو میں یہ تمام افلاک وغیرہ پیدا ہی نہ کرتا۔''

چنانچہ تخلیق شروع ہوئی اور جو چیز عالمِ وجود میں آتی جاتی تھی وہ اُن ذواتِ مقدسہ کو دیکھ کر اپنے خالق کی عبادت و تسبیح بجالانا سیکھتی جاتی تھی اور یوں جو چیز اُن حضرات کے سامنے پیدا ہوتی گئی ہدایت پاتی گئی اور اسی حقیقت کی طرف فرعون کے سامنے اُس کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے متوجہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ: قَالَ رَبُّنَا الَّذِىٓ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ٥ (طٰہٰ 20/50)

''ہم سب کا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کی موزوں صورت وخصلت دے کر پیدا کیا پھر اُس کو ہدایت بھی عطا کر دی۔''

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی اوّلین پوزیشن کو قریش پر یہ کہہ کر ظاہر فرمایا تھا کہ:

هٰذَا نَذِيۡرٌ مِّنَ النُّذُرِ الۡاُوۡلٰى ٥ (نجم 53/56) ''یہی وہ نذیرؐ ہے جو تمام نذیروںؑ کا اوّلین فرد ہے۔''

قارئین یہاں یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کئی مقامات پر قرآن میں رسولؐ اللہ کو اپنی جگہ پیش کر کے اپنی جگہ بھی استعمال کیا ہے۔ (جس طرح انفال 8/20،24) و (نور 54،49،24/48)

10۔ قران فہمی کا ایک سیدھا سادہ اصول، اللہ اور اُس کے نورؐ کی یگانگت ہے۔

چنانچہ جہاں جہاں آپ کو قرآن میں اللہ کے متعلق اُلجھن ہو وہاں اللہ کی جگہ آپ اللہ کا نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو مراد لے کر قرآن کا حقیقی مقصد ومنشا سمجھ لیں مثلاً اللہ نے فرمایا کہ:

اَللّٰهُ الَّذِىۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ...... الخ (رعد 13/2)

''اللہ وہی تو ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے دیکھتے ہو تم اُن کو، پھر قرار پکڑا او پر عرش کے اور مسخر کیا سورج کو اور چاند کو۔'' (ترجمہ رفیع الدینؒ)

یہاں لفظ ''اِستَوٰی'' استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنی عام عربی میں علما نے ''چڑھ کر بیٹھنا، سوار ہونا، قرار پکڑنا'' کئے ہیں اور یہ تمام معنی اللہ کی بے مثل ذات کے لئے سراسر غلط وباطل ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کو کسی ایک جگہ یا مکان یا مقام یا سمت میں محدود کرنا اُس کی ذات کو قابلِ فنا قرار دیتا ہے اور حضرت علیؑ نے سختی سے منع کیا ہے (خطبہ نمبر 1 جملہ نمبر 26,25,6 اور جملہ نمبر 112-114) لہٰذا ایسے تمام مقامات پر (بقرہ 2/29، اعراف 7/54، یونس 10/3، طہٰ 20/5، فرقان 25/59، سجدہ 32/5، حم سجدہ 41/11) اللہ کی جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو رکھ دیں تو اللہ کی حقیقی مراد سامنے آجائے گی۔ اور اس آیت میں اللہ کا یہ فرمانا کہ: وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ (اور بہت سی آیات میں) یہی فرمانا ہے کہ ''اللہ نے شمس وقمر (اور تمام مخلوقات) کو محمدؐ کے لیے مطیع اور فرمانبردار بنادیا ہے۔'' (حدیث یاد کریں) اس لئے خالق ومالک کو اپنی مخلوق کو اپنا مسخر کرنے کی احتیاج نہیں ہے وہ تو خود اپنی خلقت میں خود بخود اللہ کے مسخر ہوتے ہی ہیں۔ از سرِ نو دوبارہ اُن پر تسخیر کا فعل کرنا فعل عبث ہے جو اللہ کے لئے باعثِ توہین وتذلیل ہے۔

چنانچہ وہ تمام مقامات جہاں اللہ کا تشریف لانا (الحشر 59/2)، یا نظر آنا (قیامۃ 75/23) یا اللہ سے ملاقات کا ہونا مذکور ہوا ہے وہاں محمدؐ کو مراد لینا ہوگا۔ اور جہاں جہاں اللہ نے جمع کے صیغے سے ملاقات ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے مثلاً فرمایا کہ:

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَ نَا...الخ (یونس 10/7 وغیرہ)''یقیناً جولوگ کہ ہم (سب سے) ملاقات کی امید وعقیدہ نہیں رکھتے۔''

یہاں اللہ نے اُن ذواتِ مقدسہ کی ملاقات کے عقیدے کا بیان دیا ہے جن کی تخلیق کائنات کی تخلیق کا سبب اور سامان بنی ہے۔ ورنہ اللہ سے ملاقات یا اللہ کو دیکھنا اُسے محدود کر دینا ہے جو باطل و بےعقلوں کا عقیدہ ہے۔ اور چونکہ یہ ثابت ہو گیا محمدؐ اللہ کے نمائندے ہیں اس لئے جہاں جہاں قرآن کریم اللہ کے لئے ایسی صفات کا ذکر کرتا ہے جو اللہ کی ذاتی صفات نہیں ہیں اور مخلوقات کے لئے بھی بیان ہوئی ہیں۔ وہاں بھی آنحضرتؐ کو مراد لینا مطلوب ومقصود ہے۔ اس لئے کہ مخلوق اور مصنوع کی صفات سے اللہ کو وابستہ کر کے بات سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (خطبہ 1/112)

11۔ تدبیریں اور تدبر وتعقل وتفکر کرنا مخلوق ومصنوع اور محتاج کا طریقہ ہے۔

یاد رکھیں اور کبھی نہ بھولیں کہ اللہ چونکہ حقیقتِ مطلقہ یا حقیقتِ کلیہ کا اَعۡلَم ہے اور کائنات ہی کا نہیں بلکہ کائنات کی ہر مخلوق کا مفصل اور کماحقہ جاننے والا ہے اور اس سے کوئی پہلو، کوئی صورتِ حال اور کوئی حیثیت مخفی نہیں ہے لہٰذا اُسے تخلیق کے لئے کسی غور وفکر و تجربہ اور تعقل وتدبر کی احتیاج نہیں ہے۔ (خطبہ 1 جملے 39 تا 51)

چنانچہ فُرقان میں وہ تمام مقامات جہاں اللہ کے متعلق تعقل وتدبر وغیرہ کا ذکر ہوا ہے وہاں بھی اللہ کے نمائندگان علیہم السلام کو مراد لینا پڑے گا۔ مثلاً فرمایا کہ:

یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ۝ (سجدہ 32/5)
(وہابی یا مودودی ترجمہ)''وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ اور اس تدبیر کی روداد اوپر اُس کے حضور جاتی ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے۔''(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 38)

12۔ اللہ کی خالص معرفت اور اللہ کا خالص دین اللہ سے مصنوعی صفات کی نفی کئے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

ترجمہ علامہ مودودی کا ہو یا کسی اور کا اس آیت میں چند حقائق بہرحال موجود رہیں گے۔ اوّل یہ کہ اللہ کو تدبیریں اور ترکیبیں کرنے والا ماننا پڑتا ہے۔ دوم یہ کہ اللہ کو صرف آسمان سے زمین کی طرف تدبیر کرنے والا مانئے یعنی وہ زمین سے آسمان کی طرف تدبیر نہیں کر سکتا۔ سوم یہ کہ وہ ایک ہزار سال تک اپنی تدبیر کی روداد سے ناواقف رہتا ہے۔ یعنی اُسے تدبیر کرنے کے وقت وہ روداد معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تینوں باتیں ایسی باتیں ہیں کہ جن میں سے ایک کو مان لینا بھی اللہ کی مسلّمہ قرآنی پوزیشن کو باطل کر دیتا ہے۔

(12۔الف) تعلیمات علویہ کے بغیر نہ قرآن سمجھا جا سکتا ہے نہ اسلام ہاتھ آتا ہے۔

جو ہو سو ہو، آپ تو علامہ کی وہ تشریحات ملاحظہ فرمائیں جو مندرجہ بالا آیات کو سمجھانے کیلئے اُنہوں نے سپردِ قلم کی ہیں فرماتے ہیں:

''9۔ یعنی تمہارے نزدیک جو ایک ہزار برس کی تاریخ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گویا ایک دن کا کام ہے جس کی اسکیم آج کارکنانِ قضا و قدر کے سپرد کی جاتی ہے اور کل وہ اُس کی روداد اُس کے حضور پیش کرتے ہیں تا کہ دوسرے دن (یعنی تمہارے حساب سے ایک ہزار

برس) کا کام اُن کے سپرد کیا جائے۔قرآن مجید میں یہ مضمون دومقامات پر اور بھی آیا ہے۔جنہیں نگاہ میں رکھنے سے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔کفارِ عرب کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبوت کا دعویٰ لے کر سامنے آئے کئی برس گزر چکے ہیں۔وہ بار بار ہم سے کہتے ہیں کہ اگر میری اس دعوت کو تم لوگ قبول نہ کرو گے اور مجھے جھٹلا دو گے تو تم پر خدا کا عذاب آ جائے گا۔مگر کئی برس سے وہ اپنی یہ بات دوہرائے جارہے ہیں اور آج تک عذاب نہ آیا، حالانکہ ہم ایک دفعہ نہیں ہزاروں مرتبہ انہیں صاف صاف جھٹلا چکے ہیں۔اُن کی یہ دھمکیاں واقعی سچی ہوتیں تو ہم پر نہ معلوم کبھی کا عذاب آچکا ہوتا۔اس پر اللہ تعالیٰ سورۂ حج میں فرماتا ہے:

وَ یَستَعجِلُونَکَ بِالعَذَابِ وَ لَن یُّخلِفَ اللّٰهُ وَعدَهٗ وَ اِنَّ یَومًا عِندَ رَبِّکَ کَاَلفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَo(الحج 22/47)

''یہ لوگ عذاب کے لئے جلدی مچارہے ہیں۔اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا۔مگر تیرے رب کے ہاں کا ایک دن تم لوگوں کے شمار سے ہزار برس جیسا ہوا کرتا ہے۔''

دوسری جگہ اسی بات کا جواب یہ دیا گیا ہے:

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍo لِّلکٰفِرِینَ لَیسَ لَهٗ دَافِعٌo مِّنَ اللّٰهِ ذِی المَعَارِجِo تَعرُجُ المَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوحُ اِلَیهِ فِی یَومٍ کَانَ مِقدَارُهٗ خَمسِینَ اَلفَ سَنَةٍo فَاصبِر صَبرًا جَمِیلًاo اِنَّهُم یَرَونَهٗ بَعِیدًاo وَّنَرٰهُ قَرِیبًاo(المعارج 70/1-7)

''پوچھنے والا پوچھتا ہے اُس عذاب کو جو واقع ہونیوالا ہے کافروں کیلئے جس کو دفع کرنے والا کوئی نہیں ہے،اُس خدا کی طرف سے جو چڑھتے درجوں والا ہے (یعنی درجہ بدرجہ کام کرنیوالا ہے) چڑھتے ہیں اُسکی طرف ملائکہ اور روح ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔پس اَے نبی! صبرِ جمیل سے کام لو۔یہ لوگ اُسے دُور سمجھتے ہیں ہم اُسے قریب دیکھ رہے ہیں۔''

اِن تمام ارشادات سے جو بات ذہن نشین کرائی گئی ہے۔وہ یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں خدا کے فیصلے دنیا کی گھڑیوں اور جنتریوں کے لحاظ سے نہیں ہوتے۔کسی قوم سے اگر یہ کہا جائے کہ تم فلاں روش اختیار کرو گے تو اُسکا انجام تمہیں یہ کچھ دیکھنا ہوگا،تو وہ قوم سخت احمق ہوگی اگر اسکا یہ مطلب سمجھے کہ آج وہ روش اختیار کی جائے اور کل اُس کے بُرے نتائج سامنے آجائیں۔ظہورِ نتائج کے لئے دن اور مہینے اور سال تو کیا چیز ہیں صدیاں بھی کوئی بڑی مدت نہیں ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 38-39)

علامہ مودودی کا بیان یہاں ختم اور مکمل ہوگیا اور جو کچھ علامہ سمجھے اور اپنی اُمت کو سمجھایا اُسے وہ جانیں یا آپ سمجھیں۔ہمیں تو اِس قدر عرض کرنا ہے کہ مودودی نے اس طویل بیان میں قرآن کی نو (9) آیات سے ایک ایسا اللہ مان لیا ہے کہ جو:

اوّل۔ نہ فوراً عذاب نازل کرسکتا ہے اور

دوم۔ نہ ملائکہ اور ارواح کو ہر جگہ ملتا ہے۔بلکہ

سوم۔ کروڑوں میل دُور کہیں اوپر رہتا ہے جہاں پہنچنے کے لئے ملائکہ و ارواح کو اپنی سریع الرفتاری کے باوجود پچاس ہزار سال تک مسلسل پرواز کرکے چڑھنا پڑتا ہے۔

(12۔ب) اللہ ہر جگہ ہر وقت موجود ہے اور اُس کے علم میں دُور و نزدیک کے حقائق ہر لحہ موجود و معلوم رہتے ہیں۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اور ہم ہر نفس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب تر رہتے ہیں۔(وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِo 50/16)

اور یہ بھی کہا ہے کہ جب ہم کسی کام کو کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو کُن کہتے ہیں اور وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

(وَ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُo (بقرہ 2/117 اور آل عمران 59، 3/47)

اللہ کی ذاتِ پاک سے تمام مصنوعی صفات کی نفی کر کے ہی اللہ کی حقیقی پوزیشن اور دین کی اصل وحقیقت معلوم ہو سکتی ہے اور اسی پر زور دیا گیا ہے خطبہ نمبر 1 (جملہ 6 اور 13 تا 26) اور (جملہ 112 تا 114) میں اُن عقائد کا بطلان کیا ہے جن میں اللہ کو کسی خاص مقام، مکان یا سمت میں محدود کیا جائے (خطبہ نمبر 1 جملہ 25 تا 30 اور جملہ 111 تا 113)۔اور وہ کسی اسکیم یا ترکیب وتدبیر کا محتاج نہیں وہ ہر چیز کی ہر حالت کا عالم ہے (خطبہ نمبر 1 جملہ 45 تا 51)۔

(12۔ج) حضرت علیؑ کے ایک جملے (خطبہ نمبر 1 جملہ 17) سے پورا قرآن سمجھنا آسان ہو جاتا ہے

مختصراً یہ عرض کر دیں کہ جناب قبلہ کونین و مالک مشارق والمغارب علیؑ بن ابیطالبؑ کے ایک جملہ (1/17) سے قرآن کے تمام مشکل مقامات کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔اللہ نے بار بار فرمایا ہے کہ ساری نوع انسان بھی میرے پاس پلٹ کر آئے گی (آل عمران 3/83) لہٰذا اس قسم کے تمام مقام پر اللہ مقصود نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔اُس کا قیام کسی خاص جگہ نہیں ہے۔لہٰذا اس کی طرف رجعت کرنا، پلٹ کر جانا وغیرہ قسم کی تمام آیات میں نمائندگانِ خداوندی مطلوب ہیں۔پھر جہاں جہاں اللہ نے مواخذہ کرنے اور سوال کرنے کی بات کی ہے اور قیامت میں حساب لینے کا تذکرہ کیا ہے وہاں ہر جگہ محمدؐ وآئمہ اہلبیتؑ مراد ہیں۔اس لئے کہ اللہ تمام حسابات جانتا ہے۔اور جانتے بوجھتے جاننے کا تصور عبث ہے اور عبث اللہ سے ناممکن ہے۔چنانچہ مذکورہ بالا احادیث میں تمام مخلوقات کے تمام امور محمدؐ اور آئمہؑ کی تحویل وتفویض میں ہیں وہی اُن کا حساب لیں گے۔اُن ہی کے ذمہ عملی رزق رسانی ہے اور وہ ہی ذواتِؑ مقدسہ اُن کے اعمال پر حاضر وناظر گواہ، شہید (نساء 4/41، نحل 16/89، رعد 13/43) ہونگے اور وہیؑ مذکورہ بالا آیات (سجدہ 32/5 ، حج 22/47، معارج 7-70/1) کی رُو سے مُدَبِّر الۡاُمُوۡر یا تدبیر احکام خداوندی کرنے والے ہیں۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ:

(12۔د) تدبیر وترکیبِ امُورِ خداوندی کرنے والے محمدؐ ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَفِیِّکَ وَ خَلِیۡلِکَ وَ نَجِیِّکَ الۡمُدَبِّرُ لِاَمۡرِکَ (اصول کافی باب مولد النبیؐ آخری حدیث نمبر 40)

عبداللہ بن سنان نے کہا کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو اس طرح دعا کرتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے:

''اے اللہ تو درود بھیج اپنے منتخب بندے محمدؐ پر اپنے خلیل پر اپنے ہمراز پر جو تیرے احکامات کی تدبیر کرتا ہے۔''

13۔ کوئی لفظ بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے حقیقتِ خداوندی بیان ہو سکے۔

یہاں تک تخلیق محمدؐ اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام اور اُن کے مقام بلند کے ساتھ ساتھ مختصراً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی وہ توحید، جو حضرت علی علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے، برقرار رکھنے اور ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسا لفظ یا صفت اللہ کے ساتھ مستقلاً وابستہ نہیں کرنا چاہئے جو اللہ کی پوزیشن میں کسی قسم کا عیب یا نقص یا محتاجگی ظاہر کرتی ہو۔ اس مطلب کو آخری مقام دینے کے لئے حضرت علی علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ: اَلَّذِیْ لَیْسَ لِصِفَتِہٖ حَدٌّ مَحْدُوْدٌ وَّ لَانَعْتٌ مَوْجُوْدٌ (خطبہ 1 جملہ نمبر 6۔7)

''وہ تو وہی ہستی ہے کہ اُس کی صفات کسی بھی حد بندی کے اندر محدود و محصور نہیں ہیں اور اُس کی حقیقی خصوصیات بیان کرنے کے لئے کوئی بھی موزوں لفظ موجود نہیں ہے۔''

مولائے کائنات کا منشا بالکل واضح ہے کہ اللہ کے لئے جتنی صفات بیان کی گئی ہیں اُن میں سے کوئی صفت ایسی نہیں ہے جو اللہ کے لئے آخری بات ہو۔ اور جس سے اللہ کا پورا تصور قائم ہو سکے۔

(13۔ الف) دورِ نبوت میں اللہ سے رابطہ قائم کرنے کے لئے اللہ نے اپنے لئے چند نام وصفات اختیار کئے۔

یہ ایک ممکن الوجود مخلوق کی مجبوری تھی کہ وہ بلا کسی مخلوق نام یا لفظ کے اللہ کو مخاطب نہ کر سکتی تھی۔ لہٰذا اللہ نے مخلوقات کی سہولت کے لئے اپنے لئے چند اسما اور صفات پیدا کئے اور اُن کو استعمال کیا اور اجازت دی کہ انہیں اُسی حد تک استعمال کیا جائے جو حدود محمدؐ و آئمہ اہلبیت علیہم السلام مقرر فرمادیں۔ چنانچہ ایک طویل حدیث میں یہ جملہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

بَلْ کَانَ اللّٰہُ وَ لَا خَلْقٌ؛ ثُمَّ خَلَقَھَا وَسِیْلَۃً بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ خَلْقِہٖ یَتَضَرَّعُوْنَ بِھَا اِلَیْہِ وَ یَعْبُدُوْنَہٗ، وَ ھِیَ ذِکْرُہٗ؛ وَکَانَ اللّٰہُ وَ لَا ذِکْرَ وَ الْمَذْکُوْرَ بِالذِّکْرِ؛ ھُوَ اللّٰہُ الْقَدِیْمُ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ وَ الْاَسْمَاءُ وَ الصِّفَاتُ مَخْلُوْقَاتٌ ...... الخ
(اصول کافی، جلد اول، کتاب التوحید باب معانی الاسماء و اشتقاقھا حدیث نمبر 7)

''بلکہ اللہ موجود تھا مگر مخلوق موجود نہ تھی۔ پھر اللہ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان رابطہ کے لئے وسیلہ پیدا کیا یعنی اپنے آپ کو مخاطب کرنے کے لئے نام اور صفات کی تخلیق کی جن کے ذریعہ سے مخلوقات اپنی بے قراری اور ضرورت بیان کرتی ہیں اور اللہ کی عبادت کرتی ہیں۔ اور وہی نام و اسماء اس کا ذکر کہلاتے ہیں۔ اور پہلے اللہ تو تھا مگر اُس کا ذکر نہ تھا اور نہ وہ اس ذکر سے یاد کیا جاتا تھا۔ اللہ وہی قدیم ذات ہے جو برابر موجود رہا ہے۔ رہ گئے اس کے نام اور صفات وہ مخلوق ہیں قدیم نہیں۔''

یہاں قارئین یہ سمجھ لیں کہ اللہ کو مخاطب کرنے والے نام اور صفات محمدؐ و آئمہ اہلبیتؑ ہی کی سہولت کے لئے پیدا کئے گئے تھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدح وثنا، خود بھی کر سکیں اور پیدا ہونے والی ہر مخلوق کو بھی سکھاتے جائیں۔ یہیں یہ بات پھر واضح ہو گئی کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صفات یا ناموں کو اللہ کے ساتھ استقلال سے لگا دینا ہی شرک ہے یعنی اس کی مخلوق کو اس کا ساتھی بنانا باطل ہے۔ اور یہی فرمایا ہے علیؑ مرتضٰی علیہ السلام نے کہ:

(13۔ب) خالص توحید اب قابل فہم ہے۔

كَمَالُ تَوْحِيْدِهِ الْإِخْلَاصُ لَهُ وَ كَمَالُ الْإِخْلَاصِ لَهُ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ؛ (خطبہ 1 جملہ نمبر 16-17)

''اللہ کی توحید کا، یعنی اللہ کے یکتا اور یگانہ ہونے کا انتہائی مقام یہ ہے کہ ہر اُس نام یا صفت کو اللہ کی ذات سے الگ رکھا جائے جو یکتائی کے خلاف ہو، اور جو مخلوقات کے لئے بھی استعمال ہوتی ہوں۔''

(13۔ج) عقل کے نچلے درجوں میں اُن صفات کا استعمال جائز ہے جو قرآن میں مذکور ہیں۔

جب ہم تمام صفات کی نفی کر کے عوام کو اللہ سے متعارف کرانا چاہیں گے تو ہمیں کچھ الفاظ بولنا ہوں گے۔ کیونکہ اپنے سمجھے ہوئے حقائق کو دوسروں کے ذہن تک پہنچانا بغیر بات کئے ممکن نہیں اور باتیں بلا الفاظ استعمال کئے ناممکن ہیں۔ لہٰذا الفاظ و حالات و واقعات بیان کرنے کے لئے ہمیں یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے لئے الفاظ وصفات وہی استعمال کی جائیں جو خود اللہ نے قرآن میں استعمال کی ہیں۔ (اصول کافی کتاب التوحید)

پھر رفتہ رفتہ لوگوں کو ترقی دے کر اُس مقام تک لانا چاہئے کہ اُن کی عقل اُن نقائص کو سمجھنے لگے جو صفات کی بنا پر ذہن میں پیدا ہوتی ہیں اور ذاتِ خداوندی کے متعلق غلط و باطل تصورات پیدا کر دیتی ہیں۔ مثلاً جب ہم اللہ کو رحیم کہتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ پر وہی جذبہ طاری رہتا ہوگا جو کسی پر مہربانی اور رحم کرتے وقت ہم پر طاری ہوتا ہے۔ اور جب اللہ کسی پر ناراض و غضبناک ہوتا ہے تو رحم و کرم کے جذبہ کی جگہ غصہ کی حالت طاری ہوتی ہوگی۔ سادہ ذہنوں میں اُن دونوں حالتوں سے کوئی خلجان پیدا نہیں ہوتا۔ مگر وہ لوگ جو بلند تر عقلی درجہ رکھتے ہیں اُن کے لئے یہ بات قابل اعتراض و باطل ہے کہ اللہ پر جذبات طاری ہوں اور اُن جذبات سے اللہ مختلف حالتوں میں بدلتا رہے۔ رحیمی اُسے نرم رو بنائے تو قہاری اسکی نرم روی کو سخت روی میں بدل دے۔ غفاری اُسے کسی اور حالت میں لے جائے۔ یعنی اگر ننانوے صفاتی نام ہیں تو اللہ ننانوے حالات میں بدلتا رہے یا وہ ہر وقت ننانوے حالات میں بیک وقت مبتلا رہے۔ جس پر حالات اثر انداز ہوتے ہوں وہ ایک دن فنا اور ناپید ہو جائے گا۔ اور اللہ ایسے تمام عیوب و نقائص اور احتیاج سے پاک وارفع و اعلیٰ ہے۔

لہٰذا دورِ امامت میں اور دورِ امامت کی طرف بڑھنے والے لوگوں کو حضرت علیؑ تمام صفات کی نفی کا حکم دیتے ہیں اور نفیٔ صفات کے ساتھ ساتھ حقدار و موزوں لوگوں کو الفاظ اور صفات کی مدد کے بغیر متعارف کرانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ جسے چاہیں حقائقِ کائنات کے سامنے لے جا کر کھڑا کر سکتے ہیں۔ ذاتِ الٰہی پر عین الیقین اور حق الیقین پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ بے مثل و انتہائی معرفتِ خداوندی رکھتے ہیں۔ ہزار ہا زمانے قربِ الٰہی میں گزار چکے ہیں۔

(13۔د) صفاتِ خداوندی کا ظہور حقیقتاً صفاتِ محمدؐیہ و علویہؑ کا ظہور ہوتا ہے۔

سادہ عقلوں ہی کے لئے نہیں بلکہ بلند ترین عقلی مدارج کے لئے بھی صفاتِ خداوندی کو سمجھنے کا ایک آسان اور مثالی طریقہ یوں بیان

کیا گیا ہے کہ: حَمۡزَۃَ بۡنِ بَزِیعٍ عَنۡ اَبِیۡ عَبۡدِاللّٰہِ علیہ السلام فِی قَوۡلِ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ: فَلَمَّآ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡھُمۡ (زخرف43/55) فَقَالَ: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ لا یَاۡسَفُ کَاَسَفِنَا وَ لٰکِنَّہٗ خَلَقَ اَوۡلِیَآءَ لِنَفۡسِہٖ یَاۡسِفُوۡنَ وَ یَرۡضُوۡنَ وَ ھُمۡ مَخۡلُوۡقُوۡنَ مَرۡبُوۡبُوۡنَ فَجَعَلَ رِضَاھُمۡ رِضَا نَفۡسَہٗ وَ سَخَطَھُمۡ سَخَطَ نَفۡسِہٖ، لِاَنَّہٗ جَعَلَھُمُ الدُّعَاۃَ اِلَیۡہِ وَ الۡاَدِلَّآءَ عَلَیۡہِ، فَلِذٰلِکَ صَارُوۡا کَذٰلِکَ، وَ لَیۡسَ اَنَّ ذٰلِکَ یَصِلُ اِلَی اللّٰہِ کَمَا یَصِلُ اِلٰی خَلۡقِہٖ......الخ

(کافی کتاب التوحید باب النوادر حدیث نمبر 6)

''حمزہ بن بزیع نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت (زخرف 43/55) کے مطالب سمجھانے کے لئے عرض کیا کہ: ''چنانچہ جیسے ہی اُن لوگوں نے ہمیں افسوس میں مبتلا کیا ہم نے اُن سب کو غرق (ڈبو دیا) کر دیا۔'' امامؑ نے فرمایا کہ بلا شبہ اللہ ہماری طرح کا افسوس نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ نے اپنی طرف سے ولایت وحکومتِ خداوندی قائم کرنے والے لوگ اپنی ذاتی نمائندگی کے لئے تخلیق کئے ہیں جو افسوس سے بھی دوچار ہوتے ہیں اور خوشیوں سے بھی وابستہ رہتے ہیں اور وہ اللہ کی مخلوق اور اُس کے پروردہ ہیں چنانچہ اللہ نے اُن کے افسوس کو اپنا افسوس قرار دیا ہے اور اُن کے غصے کو اپنا غصہ بنا رکھا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف سے دعوت دینے والے اور اپنے وجود کی دلیل وثبوت قرار دے رکھا ہے۔ اس لئے اُن کی وہ پوزیشن مقرر کی گئی ہے۔ ورنہ یہ بات نہیں کہ افسوس وغیظ وغضب اللہ پر بھی مخلوق کی طرح طاری ہوتا ہے۔''

(13۔ہ) احساسات وجذباتِ محمدؐیہ وعلویہؑ کو اللہ اپنے احساسات وجذبات فرماتا ہے۔

یہ بات اللہ کی ذاتِ بابرکات کی شان کے عین شایانِ شان ہے کہ اُس نے جن ذواتِ مقدسہ کو اپنے خاص نور سے اس لئے پیدا کیا ہو کہ وہ اللہ کی سو فیصد ممکن نمائندگی کریں تو اُن کے احساسات وجذبات وحرکات وسکنات کو اپنی ذاتِ پاک سے منسوب کرے۔ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث پڑھنا مزید اطمینان کا باعث ہوگا۔

عَنۡ زُرَارَۃَ عَنۡ اَبِیۡ جَعۡفَرٍ علیہ السلام قَالَ: سَاَلۡتُہٗ عَنۡ قَوۡلِ اللّٰہِ عَزَّ و جَلَّ ''وَ مَا ظَلَمُوۡنَا وَ لٰکِنۡ کَانُوۡا اَنۡفُسَھُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ'' (بقرہ 2/57)۔ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَعۡظَمُ وَ اَعَزُّ واجل وَ اَمۡنَعُ مِنۡ اَنۡ یُّظۡلَمَ وَ لٰکِنَّہٗ خَلَطَنَا بِنَفۡسِہٖ فَجَعَلَ ظُلۡمَنَا ظُلۡمَہٗ وَ وَلَایَتَنَا وَلَایَتَہٗ۔ الخ (کافی جلد اوّل، کتاب التوحید باب النوادر حدیث نمبر 11)

جناب زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ: ''اُنہوں نے ہم پر ظلم نہیں بلکہ اُنہوں نے تو خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔'' (بقرہ 2/57) جواب میں امامؑ نے فرمایا کہ: ''اللہ اس سے کہیں زیادہ عظیم الشان اور زیادہ مالکِ عزت اور ایسی صورت کے لئے زیادہ قابل ممانعت ہے کہ اس پر ظلم ہو سکے۔ بات یوں ہے کہ اس نے اپنی ذاتِ پاک کو ہماری ذوات میں ملا رکھا ہے۔ لہٰذا ہم پر ظلم کو خود پر ظلم فرمایا کرتا ہے اور ہماری ولایت وحکومت کو اپنی ولایت وحکومت قرار دیتا رہتا ہے۔''

یہاں تک یہ حقیقت واضح ہو جانا چاہئے کہ اللہ نے اُن ذواتِ مقدسہ صلوٰۃ اللہ علیہم سے رابطہ کے لئے چند صفات اور چند صفاتی نام پیدا

کر کے اُن سے وسیلہ اور مخاطبہ کا کام لیا۔ انہیں اظہار مافی الضمیر کے لئے الفاظ وعبارات پیدا کر کے دیں۔ پھر اُن میں وہ صفات عالیہ پیدا کر دیں جنہیں اپنے مخاطبہ کے لئے پسند فرمایا تھا اور پھر اُن صفات کو اپنی ذات سے منسوب کرنے لگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ اُن صفات میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ اُن صفات سے جو بلند سے بلند تصور پیدا ہو سکے اُس سے بھی بلند تر رہے گا۔ لہٰذا تمام اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ و پسندیدہ اُن ذواتِ مقدسہ کی صفات ہیں چنانچہ اللہ نے قرآن میں یہ فیصلہ اسی بنا پر کیا ہے کہ: ''تمام پسندیدہ نام اللہ کے لئے مقرر کئے گئے چنانچہ تم اللہ کو اُن ہی اسماء الحسنٰی سے پکارا کرو'' (اعراف 7/180) اور اُن لوگوں کو انتشار میں مبتلا رہنے دو جو اللہ کے ناموں میں طرح طرح خود ساختہ ایجادات کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ (7/180)

اس آیت (7/180) کی تفسیر میں امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ:

نَحنُ وَ اللّٰهِ الۡاَسمَآءُ الۡحُسنٰى الَّتِیۡ لَا یَقبَلُ اللّٰهُ مِنَ الۡعِبَادِ عَمَلًا اِلَّا بِمَعرِفَتِنَا ...... (ایضاً حدیث نمبر 4)

''قسم بخدا کہ ہم وہی پسندیدہ نام (اسماء الحسنٰی) ہیں جن کی معرفت کے بغیر کسی بندے کا کوئی عمل اللہ قبول نہ کرے گا۔''

(13۔و) احساسات وجذبات اور اسماء الحسنٰی ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعضاء کو اپنے اعضاء قرار دیا ہے۔

یہ پہلو بھی سامنے رہنا چاہیئے کہ قرآن میں اللہ نے اپنی آنکھوں، ہاتھوں، اور چہرے کا ذکر کیا ہے اور توحید کی مرتضوی تعریف، اعضائے جسمانی تو کہاں صفاتِ خداوندی کی بھی نفی کرتی ہے۔ اس سلسلے میں بھی معصوم تفسیر ذہن میں رہنا چاہیئے تا کہ توحیدِ خداوندی پر آنچ نہ آئے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

(1) نَحنُ الۡمَثَانِیۡ الَّذِی اَعطَاهُ اللّٰهُ نَبِیًّا مُحَمَّدًا وَ نَحنُ وَجهُ اللّٰهِ ...... وَ نَحنُ عَینُ اللّٰهِ فِیۡ خَلۡقِهٖ وَ یَدُهُ الۡمَبۡسُوۡطَةُ بِالرَّحۡمَةِ عَلٰى عِبَادِهٖ... (ایضاً حدیث نمبر 3)

ہم وہ المثانی ہیں جو اللہ نے محمدؐ کو دی تھی (حجر 15/87) اور ہم ہی اللہ کا چہرہ ہیں۔ اور ہم ہی اللہ کی آنکھیں ہیں اور تمام بندوں پر اُس کی رحمت کے پھیلے ہوئے کشادہ ہاتھ ہیں۔ (مائدہ 5/64)

(2) وَ جَعَلۡنَا عَیۡنَهٗ فِیۡ عِبَادِهٖ وَ لِسَانَهُ النَّاطِقَ فِی خَلۡقِهٖ وَ یَدَهُ الۡمَبۡسُوطَةَ عَلٰى عِبَادِهٖ بِالرَّأفَةِ وَ الرَّحۡمَةِ وَ وَجۡهَهُ الَّذِی یُؤۡتٰی مِنۡهُ وَ بَابَهُ الَّذِی یَدُلُّ عَلَیۡهِ وَ خُزَّانَهُ فِی سَمَائِهٖ وَ اَرۡضِهٖ؛ بِنَا اَثۡمَرَتِ الۡاَشۡجَارُ وَ اَیۡنَعَتِ الثِّمَارُ وَ جَرَتِ الۡاَنۡهَارُ وَ بِنَا یَنۡزِلُ غَیۡثُ السَّمَآءِ وَ یَنۡبُتُ عُشۡبُ الۡاَرۡضِ وَ بِعِبَادَتِنَا عُبِدَاللّٰهُ وَ لَوۡ لَا نَحۡنُ مَا عَبَدَ اللّٰهُ

(ایضاً حدیث نمبر 5) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ نے اپنے بندوں پر نظر رکھنے کے لئے ہمیں اپنی آنکھیں بنایا اور اپنی تمام مخلوقات سے رابطہ رکھنے کیلئے ہمیں اپنی بولتے رہنے والی زبان بنایا ہے۔ اور تمام بندوں پر اپنی رحمت وشفقت کے پھیلے ہوئے کشادہ ہاتھ بنایا ہے۔ اور ہمیں اپنا وہ چہرہ بنایا ہے جس سے مخلوقات کو سب کچھ دیتا ہے اور وہ دروازہ بنایا ہے جو اسکے وجود پر دلیل بنتا ہے۔ اور ہمیں اپنے آسمانوں کے اور زمینوں کے خزانوں کا خازن بنایا

ہے۔ ہماری ہی وجہ سے درخت پھل لاتے ہیں اور پھل پکتے ہیں۔ اور نہریں جاری ہوتی ہیں اور ہماری ہی وجہ سے آسمانی بارش نازل ہوتی ہے۔ اور زمین سے نباتات اُگتی ہے اور ہماری ہی عبادت سے اللہ کی عبادت ہوئی اور اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت ہی نہ کی جاتی۔''

(3) اَنَا عَیۡنُ اللّٰہِ وَ اَنَا یَدُ اللّٰہِ وَ اَنَا جنبُ اللّٰہِ وَ اَنَا بَابُ اللّٰہِ (علیؑ) (ایضاً حدیث نمبر 8)

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ: ''میں اللہ کی آنکھیں ہوں اُس کا ہاتھ ہوں، اُس کا پہلو ہوں اور میں اللہ کا دروازہ ہوں۔''

14۔ تخلیق کائنات پر حضورؐ کا بیان دنیا میں سب سے پہلا اور چشم دید آخری بیان ہے

یہاں تک اللہ تعالیٰ، محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنینؑ اور دیگر آئمہ اہلبیت سلام اللہ علیہم اجمعین کی حقیقی پوزیشن واضح ہوگئی اور قرآن فہمی کے اصول قائم ہوگئے۔ اور وہ تمام اعتراضات رفع ہوگئے جو قرآنِ کریم کے الفاظ و بیانات پر وارد ہوتے رہتے تھے۔ اور یہ سب کچھ ہماری تفسیر قرآن کے ساتھ شامل کر کے پڑھنے والوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اللہ کی مدح وثنا اور ذاتِ خداوندی پر روشنی ڈالنے کے بعد تخلیقِ کائنات کے مراحل پر بیان دیا ہے۔ اُس بیان کو پڑھتے ہوئے بھی اور پڑھ چکنے کے بعد یہ خیال اور سوال دماغ میں برابر قائم رہتا ہے کہ تخلیق کائنات پر یہ معلومات حضوؐر کو کہاں سے اور کس سے ملیں؟ اس سوال کا جواب ہمیں نہ حدیثِ رسولؐ سے ملتا ہے نہ تخلیقِ کائنات پر یہ اطلاعات وتفصیلات قرآن سے ملتی ہیں۔ اور نہ ہی حضورؐ کے فرمانے تک تخلیقِ کائنات پر اطلاعات فراہم تھیں۔ یہ صورتِ حال خود حدیث کے ان الفاظ پر گواہ ہے کہ:

فَاَشۡھَدَ ھُمۡ خلۡقَھَا وَ اَجۡرَی طَاعَتَھُمۡ عَلَیۡھا وَ فَوَّضَ اُمُوۡرَھَا الیھم، (اصول کافی باب مولد النبیؐ حدیث نمبر 5)

''اُن ذواتِ مقدّسہ کو ہر چیز کی تخلیق پر حاضر رکھا، گواہ بنایا اور ہر چیز پر اُن کی اطاعت جاری کی اور تمام مخلوقات کے تمام کام وانتظام اُن کے سپرد کر دیئے۔'' ساتھ ہی ساتھ قرآن کریم بھی ان حضرات کو ساری کائنات پر چشم دید گواہ یعنی شہید فرماتا ہے۔

(بقرہ 2/143، نساء 4/41، حج 22/78)

(14۔ الف) کائنات کی ہر چیز پر سوالات کی دعوت۔

اور حضرت علیؑ خود بھی آسمانی راہوں اور طریقوں کے عالم ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے یوں دعوتِ سوالات فرماتے ہیں:

اَیُّھَا النَّاسُ سَلُوۡنِیۡ قَبۡلَ اَنۡ تَفۡقِدُوۡنِیۡ؛ فَلاَ نَا بِطُرُقِ السَّمَآءِ اَعۡلَمُ مِنِّیۡ بِطُرُقِ الۡاَرۡضِ، قَبۡلَ اَنۡ تَشۡغَرَ بِرِجۡلِھَا فِتۡنَۃٌ تَطَأُ فِیۡ خِطَامِھَا، وَ تَذۡھَبُ بِاَحۡلَامِ قَوۡمِھَا. (خطبہ 232 جملہ 9)، (خطبہ نمبر 187 مفتی جعفر حسین)

'' اے پوری نوع انسان! مجھے اپنے ہاتھوں سے کھو دینے سے پہلے پہلے جو چاہو مجھ سے دریافت کر لو چنانچہ میں بلاشبہ اور بالضرور آسمانی حالات اور آسمانی راستوں سے زمین کے مقابلے میں زیادہ اَعلم ہوں۔ اور اُس سے پہلے پہلے تو ضرور پوچھ لو کہ وہ فتنہ اپنے پیروں پر قائم ہو جائے اور خود اپنی لگام کو اپنے پیروں سے روندنے لگے اور قوم قریش کی عقلوں کو چھین کر ساتھ لے جائے۔''

(14۔ب) قریشی قوم ایک مجسم فتنے کی قوم تھی؛ پوری کائنات کی تفصیلات دیکھی بھالی تھیں۔

خطبے کے یہ جملے پہلی بات یہ بتاتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری کائنات سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ اُس کی تفصیلی تعلیم دے سکتے ہیں۔اور یہ تعلیم دورِامامت کا الف، بےاور تے یعنی ابتدائی تعلیم ہے۔دوسری بات وہی ہے جسے قرآن میں اللہ نے پہلی سورہ سے لے کر آخری سورہ تک بار بار بیان کیا ہے۔اور جس زمانے میں یہ خطبہ دیا گیا ہے اُس وقت ایک ایسا لیڈر موجود تھا جس کی ناک میں نکیل ڈال کر فتنہ پھیلانے اور اپنی قوم کو اپنے ساتھ جمع کرنے سے روک رکھا تھا۔اور پوری قوم اُسے اپنی ساری بصیرت سونپنے کو تیار تھی۔بہر حال ہمارا عنوان یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے جو باتیں تخلیق کی ذیل میں فرمائی ہیں وہ سب اُن کی دیکھی بھالی سمجھی بوجھی تخلیق ہے۔یا یوں کہئے کہ وہ جناب چونکہ یداللہ وعین اللہ وغیرہ ہیں اس لئے وہی حضرتؑ وہ ہاتھ ہیں جن سے کائنات کی تخلیق ظہور میں آئی ہے۔اور یہی سبب ہے کہ آپ نہایت آسانی سے سمجھے بوجھے الفاظ میں تخلیق کے مراحل بیان کرتے چلے گئے ہیں۔اور کہیں بھی آپ کی زبان میں لغزش یا لکنت پیدا نہیں ہوئی ہے۔تخلیق کی یہ تمام باتیں اور واقعات اُسی طرح ذہن میں محفوظ ہیں جس طرح کسی واقعہ یا واقعات کو اپنے سامنے وقوع میں آتے دیکھ کر یاد رہا کرتے ہیں۔اس خطبہ (232) کے اُس جملے (نمبر 9) پر الگ سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ:

''آسمانی راستوں سے زمین کے مقابلے میں زیادہ اَعلم ہوں۔''

اس اعلان واطلاع کی ضرورت جب ہی پیش آسکتی ہے جب کہ کوئی زمین وآسمان کے علوم کی بات کر رہا ہو۔تا کہ اُسے بتایا جائے کہ میرا تعلق زیادہ تر آسمانوں سے رہا ہے زمین کا علم مجھے اُسی تناسب سے کم ہونا چاہئے جس تناسب سے میں زمین پر رہا ہوں۔

قارئین جانتے ہیں کہ حضرت علیؑ اپنی تخلیق کے بعد اور تخلیقِ کائنات کے شروع ہونے سے پہلے ایک ہزار زمانے خالص تربیتِ خداوندی میں گزار چکے تھے۔پھر تخلیق کا ابتدائی دور، جو اللہ کے نزدیک خواہ کتنا ہی قلیل ہو، ماہ وسن وسال کے حساب سے لامحدود زمانہ بنے گا۔پھر تخلیق آدمؑ تک کروڑوں سال آپ خلاؤں، فضاؤں، افلاک وستاروں، سیاروں اور آسمانوں سے وابستہ رہے اور اس دوران وہ سامان نہ تھا جسکے وجود میں آنے کے بعد یہ کرۂ ارض زمین کا نام حاصل کریگا۔جب زمین زمین بن چکی اس زمانے تک وہ نوری ذوات مقدّسہ برابر آسمانوں وغیرہ ہی سے متصل ووابستہ رہیں۔لہٰذا یہ جواب از رُوئے حساب بھی حقیقتِ واقعی تھا۔یہاں یہ نوٹ کرنیکی بات ہے کہ محمد وعلی علیہما السلام کا آسمانوں اور فضاؤں سے زمین پر آنا ظاہر کرنے کیلئے ہی اُن حضرات کیلئے لفظ ''اُنْزِلَ (7/157)'' اور ''اَنْزَلَ (65/10-11)'' فرمایا گیا ہے۔اور زمین سے آسمانوں اور عرش الٰہی تک جاتے رہنا لفظ ''اَسْرٰی (17/1)'' اور ''سِدْرَۃِالْمُنْتَھٰی، جَنَّۃُ الْمَاوٰی، افق الاعلٰی (53/7 تا 18)'' سے ثابت ہے۔یعنی یہ تمام علاقے اور مقامات اُن ذواتِ مقدّسہ کے رہن سہن اور کارکردگی کے ٹھکانے ہیں۔لہٰذا اگر وہی حضراتؑ اُن سے اور اُنکی تخلیق اور مقاصدِ تخلیق سے ناواقف ہوں تو واقف کون ہوگا؟

15۔ سمجھنے میں سہولت کے لئے چند فطری قوانین، اصول اور پیشگی بیانات۔

ہم نے عرض کیا ہے کہ نہج البلاغہ درحقیقت دَورِامامتؑ اور طریقِ ابلاغِ رسالت کی تعلیم دیتی ہے۔اور جس زمانے میں اس کے

خطبات پیش کئے گئے وہ زمانہ آج کی ترقی یافتہ نوع انسان کے مقابلے میں تاریکی کا زمانہ تھا۔اس لئے آپؑ کے پہلے خطبے میں ایسے الفاظ وعبارات استعمال کئے گئے ہیں جن سے اس زمانے کے عقلا بھی تخلیق کائنات کے متعلق کچھ سمجھ سکیں اور کم ازکم اتنا تو ضرور ہی سمجھ لیں کہ تخلیق کائنات اللہ کے عظیم الشان قدرت وجلال وحکمت کا کارنامہ ہے جس کے سامنے تمام انسانوں کا سر جھکا رہنا چاہئے۔چنانچہ اس خطبے سے کوئی شخص تخلیق اور تخلیق کے مراحل کو سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو، سَر اُس کا بہرحال اللہ کی عظمت اور بزرگی کے سامنے ضرور جھک جاتا ہے اور جھکتا رہتا ہے۔اور ہم بھی اِس کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کے دوران سر جھکائے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ مولاّئے کائنات کا یہ خطبہ اُن اصطلاحات سے خالی ہے جو عقلائے نوعِ انسان نے نظامِ کائنات اور کائنات کو سمجھنے کے لئے اس چودہ سوسالہ ترقی کے دوران ایجاد و اختیار کی ہیں۔اُن اصطلاحات اور سامانِ تحقیق کے باوجود تخلیقِ کائنات آج بھی عقلائے زمانہ کے نزدیک ایک معمہ ہے اور ابھی نہ معلوم کتنے سوسال تک معمہ بنی رہے گی۔بہرحال آنجنابؑ نے اپنے زمانے کے لوگوں کی عقلی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی زبان استعمال کی ہے جس میں کلیدی اور اصولی الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔جو اپنے ظاہری پیکروں اور معنی میں بھی اس زمانے کے لوگوں کے لئے کافی تھے۔ اور عقل وفہم اور سائنس کی انتہائی ترقی کر چکنے والے دانشوروں کے لئے بھی اس سے زیادہ اور بہتر کی ضرورت نہ پڑے گی۔یعنی تخلیق پر اس سے بہتر اور حقیقت آفرین بیان دینا ناممکن ہے۔اور یہی دلیل ہے کلام مرتضویؑ کے فوق البشر ہونے کی۔چنانچہ اُسے بشری فہم و فراست تک نیچے اُتارنے کے لئے سرکار کے کلیدی الفاظ کو اپنی روزمرہ کی سمجھی ہوئی باتوں کی مدد سے سمجھنا ہوگا۔آپ کو یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوسکتی کہ ہر چیز ایک مقصد کو پورا کرنے کے لئے بنائی جاتی ہے۔اور اس سے وہ مقصد حاصل کرنے کے لئے اُس چیز میں وہ سامان لگایا جاتا ہے جس سے ہمارا مطلوبہ مقصد فراہم ہوسکے۔پھر اُس چیز کی ایک مقصدی شکل بھی پہلے سے ذہن میں ہونا چاہئے اور اُس چیز کو بنانے اور رکھنے کے لئے ہمیں جگہ بھی درکار ہوگی پھر وہ انتظام بھی کرنا ہمارے ہی ذمہ ہے کہ جیسے ہی وہ چیز بن کر تیار ہو تو اُسی مطلوبہ شکل وصورت میں برقرار رہ سکے۔اور ہمارے مقصد کو ہماری تجویز کے مطابق زیادہ سے زیادہ عرصے تک یا یہ کہئے کہ اپنی ساخت و سامان کے مطابق مناسب وموزوں زمانے تک انجام دیتی رہے۔اور اُس کی موجودگی سے ہماری دوسری چیزوں سے حاصل ہونے والے مقاصد میں گڑبڑ نہ ہوسکے۔

(15۔الف) انسانوں اور حیوانات کی پیدائش اور رہن سہن اور حالات بھی کافی معلوم ہیں۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ انسانوں اور حیوانات کو سانس لینے کیلئے ہوا کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت باقی تمام ضرورتوں سے زیادہ ہے۔ہوا کے بغیر انسان چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔لہٰذا سب سے ضروری چیز ہوا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے تمام مخلوقات کیلئے سب سے پہلے ہر چیز کیلئے اُن کا مقصد اور مقصد بجالانے کا سامان تجویز کیا اور ساتھ ہی ساتھ ہواؤں کو پیدا کر کے پھیلا دیا تاکہ ہر مخلوق کو وجود میں آتے ہی ہوا اور جگہ ملتی رہے۔اس سارے بیان کو حضرت علی علیہ السلام نے صرف دو جملوں میں سمو کر فرمایا کہ:

(15۔ب) تمام مخلوقات پر رحمت اور شفقت کی ارزانی کا مستقل انتظام بہت پہلے سے تیار کیا جا رہا تھا۔

فَطَرَ الْخَلَائِقَ بِقُدْرَتِهٖ (خطبہ 1، جملہ 10) وَ نَشَرَ الرِّيَاحَ بِرَحْمَتِهٖ (خطبہ 1، جملہ 11) ''اللہ نے تمام مخلوقات کو اپنی قدرت سے فطرتیں دیں یعنی اُن کی خصوصیات، عادات، ضروریات، خصلتیں، شکلیں اور تمام سامان تجویز کر دیا جس سے وہ موجود رہ کر مقصد تخلیق انجام دے سکیں۔ اور اُن کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اُن کے قیام و کارکردگی کے لئے اللہ نے مکان و مقام و جگہ پیدا کر کے (خَلَقَ اللّٰهُ الْكَانَ وَ الْمَكَانَ) ہواؤں کو اُن جگہوں میں پھیلا دیا۔''

یہاں ایک اور قدم بڑھایئے اور غور کیجئے کہ انسانی یا پھر حیوانی ضروریات زندگی میں سے ہوا کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی ہے جو بلا محنت، بلا کوشش اور بے مُزد و معاوضہ اور قیمت ادا کئے ملتی رہتی ہو؟ بلکہ ملتی ہی نہ رہتی ہو ہر وقت ساتھ ساتھ رہتی چلی آئی ہو؟ رحمِ مادر سے لے کر قبر کے اندر تک ساتھ رہتی ہو؟ بہت سوچنے کے بعد بھی ہوا کے سوا کوئی اور چیز ایسی نہ ملے گی جو ہوا سے بڑھ کر ہماری حفاظت، پرورش اور بقا میں معاون و مددگار ہو۔ اور ہمارے وجود میں آنے سے پہلے ہی ہمارے لئے وسیع ترین گود یا آغوش پھیلائے انتظار میں چاروں طرف بے چین دوڑتی پھر رہی ہو۔ تخلیق کے ہر دروازے پر نظر جمائے آس لگائے دیکھ رہی ہو۔ اِس کے اس جذبے اور خدمت و قربانی کا نام ''رحمت'' کے سِوا اور کیا رکھا جا سکتا ہے؟ یہی وہ چیز یا نام ہے جو حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی اس بے پایاں نعمت کو فراہم کرنے کی صفت کے لئے اختیار فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجنے کی غرض یہی تھی کہ وہ جناب اس کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے ہی کائنات کے تمام عالمین میں ہر مخلوق کو اپنی آغوش رحمت میں لینے کے لئے پھیل جائیں (انبیا 21/107 اعراف 7/156)۔ اس لئے تخلیق کی صورت کے تعین کو مولاؑ نے لفظ ''قدرت'' کا کرشمہ فرمایا (فَطَرَ الْخَلَائِقَ بِقُدْرَتِهٖ) اور تخلیق کے عملی پروگرام کا محافظ ''رحمت'' کو قرار دیا (نَشَرَ الرِّيَاحَ بِرَحْمَتِهٖ)۔ یہی مقام ہے اِس بات کو یاد کرنے کا کہ اللہ نے انسانی یا حیوانی بچہ کی ساخت و پرداخت وغیرہ کرنے والے مقام کا نام ''رحم'' رکھا ہے۔ تاکہ نطفے سے لے کر بچے کی رخصت تک جو کارگزاریاں اور اللہ کی عطا کردہ فطرت کی کرشمہ سازیاں ہیں وہ جذبہ ''رحمت'' کی ذیل میں سما جائیں۔ اور یوں اَسْمَآءُ الْحُسْنٰى میں سے محمدؐ کی ایک صفت تخلیق کے پروگرام کو پروان چڑھانے میں مددگار رہتی چلی جائے۔

(15۔ج) نورِ محمدیؐ و علویؑ ہی ظہورِ صفاتِ خداوندی اور تخلیقِ کائنات کی بنیاد و سامان ہے۔

قرآن کریم بھی اسی حقیقت کو اپنے انداز میں یوں بیان کرتا ہے کہ:

وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًاo (فرقان 25/48)

''اللہ وہی تو ہے جس نے اپنی رحمتؐ سے خوشخبریاں دینے والی ہواؤں کو آگے آگے بھیجا اور پھر آسمان سے پاک پانی نازل کیا۔''

قارئین غور فرمائیں کہ: نَشَرَ الرِّيَاحَ (علیؑ) اور اَرْسَلَ الرِّيَاحَ (قرآن) دونوں ایک دوسرے کی تائید و ترجمانی کرتے ہیں یا نہیں؟ پھر حضرت علیؑ کا یہ فرمانا کہ: نَشَرَ الرِّيَاحَ بِرَحْمَتِهٖ اور قرآن کا یہ کہنا کہ بُشْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ۔ دونوں میں کیا قرآن علیؑ سے زیادہ

وضاحت نہیں کر رہا ہے؟ قرآن یہ بتا رہا ہے کہ اللہ نے ہواؤں کو پیدا ہونے والی مخلوق کے آگے آگے یعنی پہلے پہلے ہی بھیجا تھا۔اور بھیجنے یا ہواؤں کو پھیلانے کی وجہ یہ تھی کہ تمام مخلوقات کو پیدا ہوتے ہی زندہ رہنے کی خوشخبری اور مبارکباد دیتی رہیں۔مندرجہ بالا تائیدی آیت (25/48) میں اللہ نے اُس دوسری چیز کو لفظ ''مَآءً'' سے ظاہر فرمایا ہے جو ہوا کے بعد زندگی کے لئے اور زندگی کے تحفظ کے لئے دوسری اہم ترین حقیقت ہے۔اور حضرت علی علیہ السلام نے اُن ہی دونوں چیزوں، ہواؤں اور پانی کو تخلیق کے نظام میں طرح طرح سے برسرِ عمل دکھایا ہے۔ان دونوں کا تفصیلی ذکر کرنے سے پہلے اُس حقیقی اور اوّلین بنیاد کا پھر تذکرہ ہو جائے جو نہ صرف ہواؤں اور پانیوں کی بنیاد ہے بلکہ اس کائنات اور تمام مخلوقات و موجودات کی ذاتی و صفاتی بنیاد ہے۔اور اگر اللہ نے اُسے اس مقصد کے لئے پیدا نہ کیا ہوتا تو نہ یہ کائنات ہوتی نہ کہیں یہ موجودات ہوتیں۔(لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ)

(15۔د) حضرت علیؑ کی بیان کردہ تخلیق کی اور خود اُن کی تخلیق کی بنیاد کیسے رکھی گئی تھی؟

عَنْ جَابِر قال قُلتُ لِرَسُوْلِ اللّٰہ اَوَّلُ شَیْءٍ خَلَقَ اللّٰہ تعالٰی مَا ھُوَ؟ فقال نُور نَبِیّکَ یَا جابر، خَلَقَہُ اللّٰہ ثُمَّ خَلَقَ مِنۡہُ کُلَّ خَیۡرٍ؛ ثُمَّ اَقَامَہٗ بَیۡنَ یَدَیۡہِ فِیۡ مَقَامِ الۡقُرۡب ماشاء اللّٰہ، ثُمَّ جَعَلَہٗ اَقۡسَامًا، فَخلَقَ الۡعَرۡشَ مِنۡ قِسۡمٍ،۲ وَ الۡکُرۡسِی مِنۡ قِسۡمٍ؛۳ وَ حَمَلَۃَ العرشِ وَ خزنۃ الکرسی مِنۡ قِسۡمٍ،۴ وَ اَقَامَ الۡقِسۡمَ الرَّابِعَ فِیۡ مَقَامِ الۡحُبِّ مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ جَعَلَہٗ اَقۡسَامًا، فَخلَقَ الۡقَلَمَ مِنۡ قِسۡمٍ، ۲ وَ اللَّوۡحَ مِنۡ قِسۡمٍ، ۳ وَ الۡجَنَّۃَ مِنۡ قِسۡمٍ، ۴ وَ اَقَامَ الۡقِسۡم الرَّابع فِیۡ مَقَامِ الۡخَوۡفِ مَاشَاءَ اللّٰہُ، ثُمَّ جَعَلَہٗ اَجۡزَاءً فَخَلَقَ الملا ئکۃ مِنۡ جُزۡءٍ، ۲ و الشمس من جُزۡءٍ،۳ و القمر و الکواکب من جزءٍ ۴ وَ اَقَامَ الۡقِسۡمَ (الجز) الرَّابع فی مقامِ الرِّجَآءِ ماشاء اللّٰہ ثُمَّ جَعَلَہٗ اَجۡزَاءً، فَخلَقَ الۡعَقۡلَ مِن جُزۡءٍ ۲ وَ الۡعِلۡم و الحِلۡمَ مِنۡ جُزۡءٍ ۳ .و العصمۃ و التَّوۡفیق مِنۡ جُزۡءٍ ۴ و اقام القسم الرَّابع فِیۡ مقام الۡحَیَاء مَاشاء اللّٰہ ثُمَّ نَظر اِلَیۡہِ بِعَیۡنِ الۡھَیۡبَۃِ فَرَشَحَ ذٰلِکَ النُّور وَ قَطَرَتۡ مِنۡہُ مائۃ الف و اربعۃ وَ عَشۡرُوۡنَ اَلۡفَ قَطۡرَۃٍ فَخلَقَ اللّٰہُ مِنۡ کُلِّ قَطۡرَۃٍ رُوۡح نَبِیٍّ وَ رَسُوۡلٍ ثُمَّ تَنَفَّسَتۡ ارواح الانبیاءِ فَخَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ اَنۡفَاسِھَا ارواح الاولیاء و الشھداء و الصالحین۔الخ (العوالم)

اور فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوۡرِیۡ ثُمَّ فَتَقَ مِنۡہُ نُورَ عَلِیٍّ فَلَمۡ نَزَل نَرَدَّ فِی النُّوۡرِ حَتّٰی وَصَلۡنَا اِلٰی حِجَابِ العظمۃِ فِیۡ ثَمَانِیۡنَ الف سنۃٍ ثُمَّ خَلَقَ الۡخَلَائقَ مِنۡ نُوۡرِنَا فَنَحۡنُ صَنَایع اللّٰہِ وَ الۡخَلۡقُ بَعۡد صَنَایع لَنَا (مشارق الانوار)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ سے پوچھا کہ یہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا کی تھی وہ کیا تھی؟ فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ نے تیرے نبیؐ کے نور کو پیدا کیا تھا۔پھر تیرے نبیؐ کے نور سے تمام اچھی (خیر) چیزیں پیدا کی تھیں یعنی پھر اللہ نے تیرے نبیؐ کے نور کو جتنا چاہا اپنے روبرو اپنے قرب میں رکھا۔پھر اُس کی قسمیں بنائی تھیں۔اُن قسموں میں سے ایک قسم سے عرش کو، دوسری سے کرسی کو اور تیسری قسم سے عرش کو اُٹھانے والے اور کرسی کے خزانچی پیدا کئے تھے۔

پھر چوتھی قسم کو جتنا چاہا مقامِ محبت میں قائم رکھا تھا۔ پھر اُس کی بھی کئی قسمیں بنا دی تھیں۔ایک قسم سے قلم کو پیدا کیا دوسری سے لوح کو اور تیسری سے جنت کو پیدا کیا تھا۔ اور چوتھی قسم کو جتنا چاہا مقامِ خوف میں رکھا۔ پھر اُس کے کئی حصے کئے۔ایک حصے سے ملائکہ کو پیدا کیا، دوسرے سے سورج کو اور تیسرے سے چاند اور ستاروں کو پیدا کیا۔ پھر چوتھے حصے کو مقامِ اُمید و تمنا میں جتنے عرصے تک چاہا رکھا۔ پھر اس میں سے بھی کچھ اور حصے بنائے۔ چنانچہ ایک حصے سے عقل کو پیدا کیا، دوسرے سے علم اور بردباری کو پیدا کیا۔ اور تیسرے حصے سے عصمت اور توفیق کو پیدا کیا۔ اور چوتھے حصے کو جتنا چاہا مقام حیا وغیرت میں قائم کیا اور اُس کی طرف ہیبت وجلال کی نظر سے دیکھا تو نور کے اُس حصے کو پسینہ آ گیا اور ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے ٹپکے۔ چنانچہ اللہ نے ہر قطرے سے انبیاءؑ ورسلؑ کی روحیں پیدا کر دیں پھر اُن روحوں نے سانس لینا شروع کیا تو اُن کے سانسوں سے اولیاءؒ اللہ اور شہداءؒ اور صالحینؒ کی روحیں پیدا ہو گئیں۔

اور فرمایا کہ: ''جو چیز اللہ نے سب سے پہلے پیدا کی تھی وہ میرا نور تھا پھر اس نور میں سے عمل جراحی کر کے علیؑ کا نور نکالا پھر ہم مسلسل بلا ناغہ ایک نوری حالت کے اندر رد و بدل میں مصروف رہتے رہے یہاں تک کہ ہم اللہ کے حجاب عظمت میں پہنچ گئے اور اَسی ہزار سال تک اُسی حالت میں رکھے گئے۔ پھر اللہ نے ہمارے نور سے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ چنانچہ ہم سب کو اللہ نے اپنے لئے بنایا تھا اور باقی تمام مخلوق کو ہم سے اور ہمارے لئے بنایا تھا۔''

(15۔ہ) ہوا اور پانی کے متعلق چند قرآنی حقائق اور تمہیدی بیانات۔

یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ ہوائیں اور پانی وہ بنیادی چیزیں ہیں جن کو سمجھنے کے لئے اور جن سے کام لینے کے لئے عقلائے زمانہ نے بہت سی اصطلاحات ایجاد کی ہیں۔ اور اُن خواص اور حالتوں کے الگ الگ نام تجویز کئے ہیں جو اللہ نے ہواؤں اور پانی میں ودیعت کئے تھے اور جن کو حضرت علیؑ نے اُن کی فطرت قرار دیا ہے۔(فَطَرَ الْخَلَا ئِقَ بِقُدْرَتِہٖ۔خطبہ 1، جملہ 10) لہٰذا بچوں کی طرح بات سنیں اور ہم جو عرض کریں آپ اپنی اپنی عقل سے اُس سے زیادہ سمجھیں اور تفصیل میں جائیں اور ہماری مدد فرمائیں:

(1) ہوا کی چند مثالی خصوصیات

ہوا جسم کو لگتی ہے، چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے مگر آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ درختوں کے ہلنے، دھول کے اُڑنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہوا کس سمت سے آ رہی ہے اور کدھر کو جا رہی ہے۔ ہوا کو اُس کے لئے تیار کئے ہوئے موزوں برتنوں میں بند کیا جا سکتا ہے۔ اُسے جب چھوٹی جگہ میں دبا دبا کر بھر دیا جائے تو وہ اسپرنگ کا کام دینے لگتی ہے۔ اس حالت میں اُسے بہت سی خدمات میں استعمال کیا جاتا ہے۔ گدوں اور تکیوں میں بھرا جاتا ہے۔ سائیکل، موٹر اور ہر قسم کے ٹیوب اور ٹائروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور سینکڑوں من وزن کو اُٹھائے اُٹھائے پھرتی ہے۔ یہی ہوا مناسب انتظام کے بعد تمام جیٹ (Jet) ہوائی جہازوں کو ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑانے، چلانے اور اٹھائے رکھنے میں مددگار بنتی ہے۔ کشتیوں کو اپنے خلاف اپنی رفتار سے کئی گنا تیز چلاتی ہے۔ چیزوں کو ٹھنڈا اور گرم کرتی ہے۔ مثلاً آپ کے اپنے منہ سے نکلنے والی ہوا ٹھنڈی بھی کی جا سکتی ہے اور گرم بھی ہو جاتی ہے۔ اپنے ہونٹوں کو اس طرح بند کیجئے

کہ چھوٹا سا سوراخ پیدا ہوجائے۔اب اس سوراخ میں سے پھونک ماریئے اوراپنے ہاتھ کی پشت پر محسوس کیجیئے تو باہر نکلنے والی ہوا ٹھنڈی ہوگی۔ چنانچہ چوٹ یا زخم پر ٹنکچر آیوڈین کی تکلیف کو دیہاتی لوگ بھی اس ٹھنڈی ہوا سے رفع کرتے ہیں۔ پورا منہ کھول کر زور سے سانس باہر نکالئے اب اُسی منہ سے نکلنے والی ہوا گرم ملے گی۔ چوٹ کو یا آنکھ کو سینکنے کے لئے یہی ہوا استعمال کی جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر ہوا کشادہ مقام سے آرہی ہو یا بھیجی جارہی ہو اور اُس کے آگے اُس کی گزرگاہ بتدریج تنگ ہوتی جائے اور آخرکار آپ کے ہونٹوں کے سوراخ کی طرح بہت تنگ ہوجائے اور پھر کشادگی اختیار کرلے یعنی یہ شکل بن جائے:

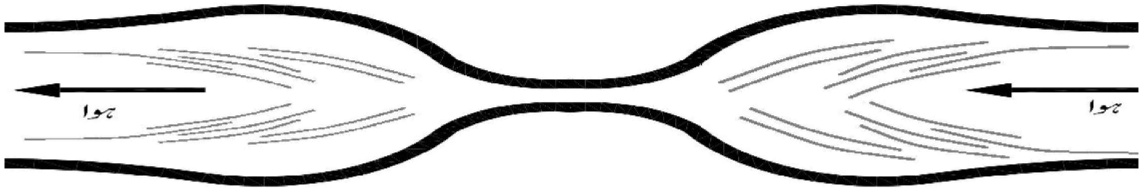

تو یادرکھیں کہ ہوا کو اُس تنگ مقام (Venturi) سے گزرنے میں اپنی رفتار کو تیز تر کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ پیچھے پیچھے آنے والی ہوا تقاضا کررہی ہے دباؤ ڈال رہی ہے کہ راستہ دو، جلدی چلو۔ اس تنگ گزرگاہ (Venturi) میں جیسے ہی رفتار تیز ہوتی ہے تو ہوا کی گرمی Temperature کم ہوجاتی ہے۔ اور ہوا ٹھنڈی ہوجاتی ہے۔ گرمی اتنی کم کی جاسکتی ہے کہ ہوا جم جائے۔ اسی قانون کو ذرا سی تبدیلی کے بعد ہوا میں جہازوں کو اُڑنے اور برابر برقرار رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی ہوا بگولوں کی صورت اختیار کرلیتی ہے تو درختوں اور آدمیوں کو جڑ سے اکھیڑ کر میلوں دور جا پٹختی ہے (قمر 54/19-20) اُس حالت میں اس کو رِیۡحٗ صَرۡصَرٍ کہا گیا ہے۔ جس طوفان کو سائکلون (Cyclone) کہتے ہیں اس میں بگولا سمندر کے اوپر سے گزرتا ہوا آتا ہے جو پانی کو سمندر سے سینکڑوں گز اونچا اُٹھا کر گھماتا ہوا آتا ہے اور جہاں سے گزرتا ہے بڑی چھوٹی عمارتوں کو اکھیڑتا اڑاتا ہوا سمندر سے میلوں دور پھینکتا چلا جاتا ہے۔ ایسی سرکش ہوا کو ریح صَرۡصَرٍ عَاتِیَۃٍ فرمایا گیا ہے (حاقہ 69/6) اسی ہوا کو زہریلی ہوا بادسموم بنادیا جاتا ہے (واقعہ 56/42)۔ یہی ہوا جب ایک نپی تلی مقدار میں پٹرول کے ساتھ شامل کی جاتی ہے تو موٹر وغیرہ کے انجنوں میں بلا کی طاقت پیدا کی جاتی ہے اور یہ مرکب وہاں ایندھن کا کام کرتا ہے۔ اسی ہوا سے پانی کو بلندترین ٹینکوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ الغرض یہ ہوائیں جہاں رحمت ہیں وہیں رُخ بدل کر قہاریت اور عذاب بن جاتی ہیں۔ اورانہی ہواؤں نے تخلیق کائنات میں کام دیا تھا اور برابر برسرکار ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام ہواؤں کی خصوصیات وعادات وصفات کو الگ الگ بیان نہیں کرتے بلکہ اُن سے لئے جانے والے کام ایسی زبان میں بتاتے ہیں کہ ہر سمجھ کا آدمی اپنی عقل سے جتنا ممکن ہے سمجھ جائے اور باقی کو زیادہ علم والوں سے معلوم کرکے سمجھ لے۔ یہی کام تھے جن کو پڑھ کر عقلمند اقوام نے ہواؤں سے خدمت لینے کے طریقے نکالے، قوانین واصطلاحات تیار کیں۔ اُن کی ترقی کی بنیاد کلام مرتضوئؑ وکلام اللہ ہی ہیں، اور کچھ نہیں۔

(2) پانی کی چندمثالی صفات اور خصوصیات

خطبات وآیات پر عقل وتدبر سے کام لینے والی اقوام نے ہر بہنے یا بہہ سکنے والی چیز کے لئے لفظ 'مَائِعٌ' اور ''سَائِلٌ'' کے

لئے ایک لفظ (Fluid) اختیار کیا ہے۔اس لفظ کے ماتحت جہاں پانی، پٹرول، تیل وغیرہ آتے ہیں وہیں ہوائیں اور گیس بھی آجاتے ہیں۔پانی کیلئے عربی میں ''مَـاء'' بولا جاتا ہے۔لیکن ہوا کی طرح اس میں بھی اللہ نے بہت سی خصوصیات یا فطرت ودیعت کی ہیں۔یہ بھی ہوا کی طرح چھوٹی جگہ میں دبا کر زیادہ سے زیادہ بھرا جاسکتا ہے مگر اس پر معمولی دباؤ کا اثر نہیں ہوتا۔یعنی جب تک ایک مربع انچ کی سطح پر پچاس ہزار پونڈ وزن یا دباؤ ڈالنے کا انتظام واہتمام نہ کیا جائے پانی ہو یا تیل وغیرہ ہوں وہ لوہے کی طرح ہوتے ہیں۔جس طرح لوہے کی ایک سلاخ سے دُور بیٹھے دروازے کو دھکا دے کر بند کیا جاسکتا ہے اُسی طرح مخصوص انتظام کرنے کے بعد پانی یا تیل سے میلوں دُور کی چیزوں کو دھکیلا جاسکتا ہے۔لوہے کی سلاخ سے دھکیلنے کے لئے سلاخ بھی سیدھی ہونی چاہئے اور دھکیلی جانے والی چیز کو بھی سیدھ میں ہونا چاہئے۔مگر تیل یا پانی کو نلکی میں بھرنے کے بعد نلکی کو سینکڑوں پیچ دیتے ہوئے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں لے جایئے اور نلکی میں دباؤ پیدا کیجئے وہ دباؤ بلا کم و کاست ہر اُس چیز پر پڑے گا جو نلکی کے دوسرے سرے سے متعلق ہوگی۔اور کہیں بیٹھ کر یہ دھکیلنا برابر اثر انداز ہوگا۔بڑی گاڑیوں میں عموماً اسی نظام (Hydraulic) کے ماتحت بریک (Breaks) لگائے جاتے ہیں۔بڑے ہوائی جہازوں میں اسی قسم کی ٹانگیں (undercarriage) لگائی جاتی ہیں مگر وہاں دباؤ کو پچاس ہزار پونڈ مربع انچ سے زیادہ کردیا جاتا ہے تو وہ بالکل اسپرنگ کا کام دیتی ہیں۔

پانی زیادہ گرمی سے اُبلنے اور زیادہ سردی سے جمنے لگتا ہے یعنی اِدھر وہ بھاپ بن کر پرواز کرنے کی قابلیت رکھتا ہے اور اُدھر برف بن کر جامد ہوسکتا ہے۔بھاپ (Steam) کو دبا دبا کر جمع کر لینے کے بعد ہزار ہا ٹن وزن کی ریلیں کھینچ کر لے جائی جاتی ہیں۔گھنٹوں میں پکنے والی چیز کو منٹوں میں گلا دیتی ہے۔اور ہوا میں چھوڑا جائے تو دوبارہ پانی بن جاتی ہے۔اور آکسیجن و ہائیڈروجن گیسوں میں پانی کو تبدیل کیا جاسکتا ہے اور اس صورت میں پانی سے آگ جلانے کا کام لیا جاسکتا ہے۔اس سے رنگ بدلا جاسکتا ہے اور ہزاروں ایسے کام ہیں جو آج پانی سے لئے جارہے ہیں۔لیکن پانی ہو یا ہوا وہ صرف اُن اقوام کے لئے معجزاتی خدمات انجام دے رہی ہیں جو درحقیقت قرآن و نہج البلاغہ پر ایمان لائی ہیں۔استنجوں اور استحصال واستیصال پر ایمان رکھنے والوں کا آیاتِ (معجزات) خداوندی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور کیوں ہو؟ جب کہ وہ آنخضرتؐ کے معجزات کے منکر ہیں۔

(3) قرآن وحدیث میں پانی کی پوزیشن؟

اللہ نے پانی کی بہت سی حالتیں بیان فرمائی ہیں مثلاً گرم پانی۔مَاءٌ حَمِیمٌ۔بھی فرمایا ہے اور ٹھنڈا بھی اور پانی کی ایک وہ قسم بتائی ہے جسے ہم نطفہ کہتے ہیں''مآءٍ مَّهِینٍ'' (سجدہ،32/8) (فرقان 25/54)۔پیپ کو بھی پانی فرمایا ہے۔مآءٍ صَدِیدٍ (ابراہیم 14/16) کڑوا پانی بھی فرمایا اور میٹھا پانی بھی بتایا ہے۔(فاطر 35/12 فرقان 25/53) اور ایک وہ پانی جس پر عرش خداوندی قائم تھا۔

(4) پانی کی ایک حیران کن وقدیم ترین حالت۔

خداوندِ عالم نے فرمایا ہے کہ:

وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا وَلَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّکُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ مِنۡ بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَیَقُوۡلَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ھٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ο(ھود 11/7)

''اللہ وہی ہستی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ روز میں پیدا کیا، اور اُس کا عرش اُس وقت بھی پانی پر تھا، تا کہ تمہیں آزمائش سے دوچار کرے اور دیکھے کہ تم میں سے عملاً کون سب سے زیادہ اچھا ہے اور قریش کا حال تو یہ ہے کہ اگر تم اُن سے یہ کہو کہ تمہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے اُٹھایا جاوے گا تو حقائق کو چھپانے والے لوگ ضرور کہیں گے کہ اگر ایسا ہوگا تو یہ انتہائی بولتے چالتے جادو ہی سے ہوسکتا ہے۔''

(5) حق پوش عالم کی تشریح، تنگ بندی اور اللہ کی حکومت وسلطنت کا پانی پر ہونا۔

علامہ مودودی نہ اُس پانی کو جانتے ہیں اور نہ اُن کے مذہبی ریکارڈ میں اُس پانی کے متعلق کوئی حدیث اختیار کی گئی ہے۔ بہرحال اُن کا بیان سنئے ارشاد ہے:

7۔ ''جملہ معترضہ ہے جو غالباً لوگوں کے اس سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آسمان وزمین اگر پہلے نہ تھے اور بعد میں پیدا کئے گئے تو پہلے کیا تھا؟ اس سوال کو یہاں نقل کئے بغیر اس مختصر سے فقرے (کَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ) میں دے دیا گیا ہے کہ پہلے پانی تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس پانی سے مراد کیا ہے۔ یہی پانی جسے ہم اس نام سے جانتے ہیں؟ یا یہ لفظ محض استعارے کے طور پر مادّے کی اُس مائع (Fluid) حالت کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو موجودہ صورت میں ڈھالے جانے سے پہلے تھی؟ رہا یہ ارشاد کہ خدا کا عرش پہلے پانی پر تھا، تو اس کا مفہوم ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ خدا کی سلطنت پانی پر تھی۔''

باقی آیت کے لئے لکھا ہے کہ:

8۔ ''اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو اس لئے پیدا کیا کہ تم کو (یعنی انسان کو) پیدا کرنا مقصود تھا، اور تمہیں اس لئے پیدا کیا کہ تم پر اخلاقی ذمہ داری کا بار ڈالا جائے، تم کو خلافت کے اختیارات سپرد کئے جائیں اور پھر دیکھا جائے کہ تم میں سے کون اُن اختیارات کو اور اُس اخلاقی ذمہ داری کو کس طرح سنبھالتا ہے۔ اگر اس تخلیق کی تہہ میں یہ مقصد نہ ہوتا، اگر اختیارات کی تفویض کے باوجود کسی امتحان کا، کسی محاسبہ اور بازپُرس کا اور کسی جزاوسزا کا کوئی سوال نہ ہوتا، اور اگر انسان کو اخلاقی ذمہ داری کا حامل ہونے کے باوجود یوں ہی بے نتیجہ مرکر مٹی ہوجانا ہی ہوتا، تو پھر یہ سارا کارِتخلیق ایک مہمل کھیل تھا اور اس تمام ہنگامۂ وجود کی کوئی حیثیت ایک فعل عبث کے سوا نہ تھی۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ نمبر 325، آیت نمبر 11/7)

(6) مودودی نے اس آیت (ھود 11/7) کی تشریح میں چند صحیح باتیں کرنے کے بعد انہیں بالکل باطل کردیا۔

لاشعوری اور تنگ بندی میں کہی ہوئی صحیح باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس آیت میں واقعی خلافت الٰہیّہ اور حقیقی خلفائے خداوندی صلوٰۃ اللہ علیہم کی بات ہے۔ مگر مودودی نے بلا آیت کے الفاظ پر غور کئے عام انسانوں پر چسپاں کردیا۔ اور وہ اس لئے کہ وہ اُن کے گھریلو خلفاء

عام لوگ تھے جن کی حکومت فرعون ونمرود کی حکومتوں سے سو فیصد مشابہ تھی۔ دوسری صحیح یہ بات لکھی ہے کہ عرش الٰہی کو حکومتِ خداوندی قرار دیا ہے۔ مگر اُسے بھی اپنے ذاتی قیاس سے ''جملہ معترضہ'' کہہ کر آیت کے تسلسل کو باطل کر دیا ہے۔ تیسری صحیح بات یہ لکھی کہ وہ اُس ''پانی'' کے مفہوم کو نہیں سمجھتے۔ مگر تُک بندی کر کے اُسے بھی غلط کر دیا ہے۔ باقی بیان اس آیت (11/7) سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ نہ یہاں کسی اخلاقی ذمہ داری کا ذکر ہے نہ کوئی ایسا لفظ ہے جس سے محاسبہ، بازپُرس یا جزاوسزا مُراد لی جاسکے۔ اور جسارت یہ کی ہے کہ ایک فرضی سوال اللہ اور قرآن کے ذمہ چپکا دیا ہے۔

(7) آیتِ کریمہ (11/7) کے الفاظ براہ راست مظہرانِؑ خداوندی کی حسنِ کارکردگی کا ثبوت ہیں۔

سورۂ ھود کی یہ آیہ مبارکہ (11/7) بلا کسی معنی آفرینی کے، اپنے سادہ الفاظ میں اُس وقت کی بات کر رہی ہے جب عرشِ خداوندی اور پانی وجود میں آچکا تھا۔ اور یہ معلوم ہو چکا کہ اِس کائنات کی ہر مخلوق اُس اوّلین نور کے ذریعہ سے وجود میں آئی ہے، اور اسی سے پیدا کی جانے والی ابتدائی چیزوں میں سے عرش کو پیدا کیا گیا تھا (15۔د) لہٰذا اُس وقت محمد وعلی وفاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہم اور اُن کے دیگر نورانی جسموں کے علاوہ کوئی اور ایسی مخلوق موجود ہی نہ تھی کہ اُس سے اُس کے حسن کارکردگی اور فرضِ منصبی کی سپردگی کے لیے مخاطبہ کیا جاتا؟ دوسرے مقام پر یہی مخاطبہ اُن ذواتِ مقدسہؑ سے موت اور حیات کی تخلیق پر اِن ہی الفاظ میں یوں کیا گیا تھا:

(8) حسن کارکردگی پر اُن ذواتِؑ مقدسہ کو، یکے بعد دیگرے موقع دینے کے لئے موت وحیات پیدا کی تھیں۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُo الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاوَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُo (الملک 2-67/1)

''بہت برکتوں والی ہے وہ ذاتِ پاک کہ جس کے ہاتھوں میں کائنات کی بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا ہے تاکہ تمھیں باری باری موقع دے اور دیکھے کہ تم میں سے سب سے زیادہ اچھی کارکردگی کون پیش کرتا ہے اور یہ سمجھ لو کہ وہی ہر حالت میں غالب رہنے والا ہے اور تحفظ فراہم کرنے والا بھی ہے۔''

صاف ظاہر ہے کہ تخلیقِ عرش اور تخلیق فنا وبقا یعنی موت وحیات، کائنات کی تمام موجودات سے لاتعداد زمانوں پہلے کی بات ہے۔ اور اُس وقت صرف وہی ذواتِؑ مقدسہ موجود تھیں جن سے ساری کائنات نے پیدا ہونا تھا۔ لہٰذا اُن دونوں مقامات پر حُسن کارکردگی کی بات بھی اُن ہی حضراتؑ سے ہو رہی ہے۔ اور یہ دو آیات (الملک 2-67/1) تو یہ مرقع پیش کرتی ہیں کہ اُس حسن کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے لئے اِن حضرات کو اللہ نے اپنی حکومت (الٰہیّہ) سونپ کر اور تختِ حکومت (عرش) پر بٹھا کر یہ بات فرمائی ہے کہ:

''دیکھو بادشاہت اور حکمرانی بہر حال میری ہے اور میری ہی رہے گی تمہیں یہ بادشاہت اور حکمرانی اسلئے سپرد کی گئی ہے کہ تم میرا تعارف، میری رضا اور خوشنودی تمام مخلوق تک پہنچا دو اور اس مقصد کو پورا کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جاؤ۔ اور دکھاؤ کہ اس فرض کو سب سے زیادہ اور بھرپور طریقے پر کون ادا کرتا ہے۔ چونکہ تم باری باری حکومت کرو گے اور فرائض ادا کرنے کیلئے نوعِ

انسان کے ساتھ قیامت تک رہو گے اسلئے ہم نے زندگی کے ساتھ موت کو لگا دیا ہے تاکہ تمہیں اور تمہاری رعایا کو پورا موقع ملے۔''

ہمارے لئے قرآن کے ان بیانات کی تصدیق حدیث کے یہ الفاظ بھی کرتے ہیں کہ:

(9) <u>روزِ اوّل مخاطبینِ خداوندی محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ اور آئمہ اہلبیت صلوٰۃ اللہ علیہم تھے تمام بیانات کی انتہائی تصدیق</u>

عَنْ جمهور بن حكم قال: رَاَيْتُ عَلِيَّؑ بن الحسينؑ وَ قَدْ نَبَتْ لَهُ اَجْنِحَةٍ وَّ رِيْشٍ فَطَارَ ثُمَّ نَزَلَ فَقَالَ رَاَيْتُ السَّاعَة جعفرؑ بن ابى طالب فِيْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْن. فَقُلْتُ وَ هَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصْعَدَ؟ فَقَالَ نَحْنُ صَنَعْنَاهَا وَ كَيْفَ لَا نَقْدَرُ اَنْ نَّصعَدَ اِلٰى مَا صَنَعْنَا؟ نَحْنُ حَمَلَةُ الْعَرْشِ وَ نَحْنُ عَلَى الْعَرْشِ وَ الْعَرْش وَ الْكُرْسى لَنَا...الخ (مدینۃ المعاجز)

''جناب جمہور بن حکم نے بتایا کہ میں نے امام زین العابدینؑ کو دیکھا کہ اُن کے پَر اور پرواز کا سامان پیدا ہو گیا ہے اور وہ پرواز کر گئے۔ پھر نازل ہوئے تو فرمایا کہ میں نے ابھی اسی وقت جناب جعفرؑ بن ابی طالبؑ کو اعلیٰ علیین میں دیکھا ہے۔ چنانچہ میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ اعلیٰ علیین تک اُڑ کر جا سکتے ہیں؟ فرمایا کہ ہم ہی نے تو اُسے بنایا ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جن چیزوں کو ہم ہی نے بنایا ہو ہم اُن تک جانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں؟ سنو ہم ہی تو حاملِ عرش ہیں اور ہم عرش پر بیٹھنے والے ہیں۔ اور عرش و کرسی (وغیرہ) سب ہماری ہی خاطر پیدا ہوئے ہیں۔''

اس حدیث اور سابقہ آیت (ھود 11/7) سے جہاں تخلیق پر چکا چوند کر دینے والی روشنی پڑتی ہے وہیں ہمارا عنوان (4) ''پانی کی ایک حیران کن وقدیم ترین حالت'' بھی واضح ہو جاتا ہے۔ اور پانی کی طاقت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ساری کائنات کا تختِ حکومت اُٹھائے رکھنے والا پانی کس قدر قوتوں کا حامل ہوسکتا ہے اور اُس پانی کی ماہیت کیا ہوسکتی ہے اور یہی نہیں بلکہ اللہ نے اس پانی کو حیاتِ کائنات بتایا ہے ہر چیز کی زندگی کا اُسی پر دارومدار قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ:

(10) <u>کائنات کی تخلیق میں پانی کا بہت بڑا دخل ہے۔</u>

اَ وَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآء كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (انبیاء 21/30) ''کیا حقائق کو چھپانے والے لوگوں کی یہ رائے نہیں ہے کہ ایک وہ وقت بھی تھا جب تمام آسمان اور زمینیں آپس میں ملی جلی ایک ہی حالت میں تھیں؟ پھر ہم نے انھیں عملِ جراحی سے جُدا جُدا صورتیں اور مقامات اور خصوصیات دی تھیں۔ اور پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی تھی۔ کیا یہ لوگ نہیں مانتے؟''

پانی کی زندگی بخش خصوصیت اور فطرت کو نوٹ کر لینے کے ساتھ ہی یہ بھی مارک کرلیں کہ حضرت علی علیہ السلام اس آیت میں بیان کردہ کیفیت کی تفسیر کرتے ہیں اور صرف آسمانوں اور زمینوں کے اکٹھا ہونے کا تذکرہ نہیں کرتے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ:

ثُمَّ اَنْشَاَءَ سُبْحَانَهُ فَتَقَ الْاَجْوَاءِ وَ شَقَّ الْاَرْجَاءِ ؛ (خطبہ نمبر 1 جملے 52-53)

''پھر اُس ذاتِ پاک نے لامحدود ہوتی چلے جانے والی فضاؤں کو آنے والی تخلیق کا انجکشن دے کر پیدا کیا اور نشو ونما

کے ساتھ ساتھ فضاؤں کو پھٹ پھٹ کر مختلف کرّے، کنارے اور سمتیں بناتے چلے جانے میں لگا دیا۔''

بہر حال جس پانی پر اللہ کا تختِ حکومت تھا وہ تمام ہی موجودات کی جان یا زندگی تھا۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے ایک ذرہ کے برابر تھا تو سوچئے کہ جس نور کا ایک ذرہ جانِ کائنات وموجودات ہو وہ پورا نور کیا مقام رکھتا ہوگا؟ جو ہر تخلیق میں دست وبازوئے نظامِ تخلیق رہتا چلا گیا۔ جو اُدھر ہواؤں کو اپنی رحمت کی صفت کے ماتحت خوشگوار بناتا رہا اور اِدھر قدرت وجبروت کی صفت کے ماتحت مذکورہ بالا پانی کو، چُورا چُورا کر ڈالنے والی ریاح کی قوتوں کو برسرِ کار رکھتا رہا اور ہر چیز کو نزدیک ودُور اور بعید ترین مقامات پر دھکیل دھکیل کر پہنچاتا رہا۔ اور یہ لامحدود وسیع وعریض کائنات مع اپنی مخلوقات کے تیار اور موجود ہوگئی۔

16۔ قرآنِ کریم اور مولائے کائنات کا وہ بیان جس تک انسانی تحقیق پہنچ سکی اور اُس کا نتیجہ؟

حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیانات کو براہِ راست چھیڑنے سے پہلے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم آپ کے سامنے وہ حقائق اور تصورات رکھ دیں جو قرآن اور صاحبِ قرآن کے بیانات پر تحقیق وتفتیش کے بعد آج تک کائنات کے متعلق محققین نے ثابت اور تسلیم کئے ہیں۔ لہٰذا ترتیب وار پہلے قرآن سنئے:

(16۔الف) قرآن میں فرمایا گیا تھا کہ:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ o وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ o لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ o (یٰسٓ 40 تا 36/38)

''اور سورج تو اپنے ٹھکانے (مستقر) کی طرف اپنی رفتار جاری رکھتا ہے۔ یہ قانون ہر حالت میں غالب رہنے والے علیم نے مقدر کر دیا ہے۔ اور چاند ہے جس کے لئے ہم نے اس طرح منزلیں مقدر کر دیں ہیں کہ منزلوں سے گزرتے گزرتے ہر دفعہ وہ ہلالی صورت میں واپس آتا رہتا ہے۔ نہ سورج کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاند تک جا پہنچے اور نہ رات ہی دن پر سبقت کر سکتی ہے وہ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔''

(16۔ب) صاحبِ قرآن کی تفسیر:

فَرَفَعَهُ فِیْ هَوَآءٍ مُنْفَتِقٍ، وَّ جَوٍّ مُنْفَهِقٍ، فَسَوّٰی مِنْهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ جَعَلَ سُفْلَاهُنَّ مَوْجًا مَّكْفُوْفًا، وَّ عُلْیَاهُنَّ سَقْفًا مَحْفُوْظًا، وَّ سَمْكًا مَرْفُوْعًا، بِغَیْرِ عَمَدٍ یَّدْعَمُهَا، وَ لَا دِسَارٍ یَّنْظِمُهَا ثُمَّ زَیَّنَهَا بِزِیْنَةِ الْكَوَاكِبِ، وَ ضِیَآءِ الثَّوَاقِبِ، وَ اَجْرٰی فِیْهَا سِرَاجًا مُّسْتَطِیْرًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا، فِیْ فَلَكٍ دَآئِرٍ، وَّ سَقْفٍ سَائِرٍ، وَّ رَقِیْمٍ مَّآئِرٍ ...... الخ (خطبہ 1 جملے 76 تا 89)

''مواد اور قوت (Matter & Energy) کو پوری تیزی اور تندی سے پھاڑ پھاڑ کر ہوا میں بلند کر دیا اور یوں فضاؤں میں مکھن کی طرح کی دبیز صورتیں بن گئیں اور اسی سے کہکشانوں اور ساتوں آسمانوں کی صورت گری کی گئی۔ اور اُن کے نیچے

ہوائی تموج جاری رہا جو تخلیق میں مسلسل معاون رہنا تھا اور آسمانوں کے اوپر محفوظ خلائی چھت بنا دی اور بلندیاں وٹھوس کرّے بنا دیئے، جنہیں سنبھالنے والے ستونوں کے بغیر مستحکم کر دیا۔ اور بلا کسی آہنی شہتیروں کے منظّم کر دیا۔ پھر پوری تخلیق اور سماوی نظام کو ستاروں سے سجا دیا اور شہابِ ثاقب کی پیدائش اور روشنی کا نظام بنایا۔ اور اُس میں تیزی سے چلنے والا اور روشنی بہانے والا سورج بھی پیدا کیا جو خود بھی منور ہے۔ اور روشنی دینے والا روشن چاند بھی بنایا اور یہی کچھ دائرے میں رہنے والے افلاک میں بھی کیا۔ خلائی چھتوں اور متحرک تختیوں میں بھی یہی نظام جاری کیا۔"

(16۔ج) انسانی تحقیق وعملی تفسیر سے کائنات کی موجودہ صورت۔

پہلے یہ بات ذہن میں رکھ لیں کہ اللہ نے اس سورج کیلئے یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی آخری منزل یا قرار پکڑنے کی جگہ کی طرف رواں دواں چلا جا رہا ہے۔ یعنی وہ اپنی حرکت میں مستقلاً کسی ایک محور پر نہیں گھومتا بلکہ آگے بھی بڑھ رہا ہے اور یہ ہمیں معلوم ہے کہ اس سورج کے گرد بہت سے سیارے گھوم رہے ہیں جن میں سے ایک ہماری یہ زمین بھی ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ سورج اپنے اس پورے خاندان کو لئے ہوئے کسی منزلِ مقصود کی طرف چلا جا رہا ہے۔ اور اس سفر میں چاند اور دیگر تمام افرادِ خاندان اپنے اپنے فاصلوں اور مقامات کو برقرار رکھتے ہوئے سورج کے ساتھ چلتے رہیں گے۔ اور اپنے اپنے مقررہ مقدرات کے ماتحت اپنا اپنا وظیفہ بھی انجام دیتے رہیں گے۔ سورج اور اُس کے خاندان کا اپنے مستقر کی طرف چلنا ماہرین فلکیات نے نہ صرف مان لیا ہے بلکہ اسکی رفتار کا تخمینہ بھی لگایا ہے جو بارہ میل فی سیکنڈ ہے۔

اس گفتگو میں ہماری زمین کو سورج کے ماتحت، سورج کے خاندان میں اور سورج کے چاروں طرف گھومتے رہنے والی کہا گیا ہے۔ لہٰذا یہ اور سُن لیجئے اس زمین کا مرکز یا ناظم اس زمین سے تین لاکھ گنا سے زیادہ بڑا ہے۔ اور سورج کے خاندان کا سب سے دُور والا سیارہ نیپچون، سورج سے تخمیناً اور کم سے کم دو ارب اُناسی کروڑ اور تیس لاکھ (2793000000) میل کے فاصلے پر مانا جاتا ہے۔ اور اگر پلوٹو کو دور ترین سیارہ مانا جائے تو علمائے فلکیات کی رُو سے وہ سورج سے چار ارب ساٹھ کروڑ (4600000000) میل دور بنتا ہے۔ یعنی سورج کے ماتحت جو نظامِ شمسی اللہ نے تیار کیا ہے وہ تقریباً پانچ ارب میل میں پھیلا ہوا ایک ہیبت ناک عظیم الشان نظام ہے۔

اس وسعت وعظمت کے باوجود سورج کا یہ نظام اپنے مرکز یا کہکشاں یا سدیم (Galaxy) کا ایک بہت حقیر سا کنبہ یا حصہ ہے۔ یعنی جس کہکشاں (Galaxy) میں ہمارا یہ نظامِ شمسی شامل ہے۔ اُس میں، ممکن مشاہدہ کی رُو سے، کم از کم تین ارب اسی قسم کے سورج اور نظام شمسی پائے گئے ہیں اور اُن تین ارب سورجوں میں سے جو سورج ہمارے اِس سورج سے قریب تر ہے اُسکی روشنی ہماری زمین تک پہنچنے میں چار سال کا سفر اس طرح کر کے پہنچتی ہے کہ ہر سیکنڈ میں وہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل چلتی ہے۔ یعنی وہ سورج اس زمین سے (365x24x60x60x4x186000) میل دُور ہے۔ پھر وہ تین اربوں والی کہکشاں بھی پوری کائنات نہیں ہے بلکہ اب تک کے مشاہدات بتاتے ہیں کہ یہ کہکشاں تقریباً بیس لاکھ لَـوٗ لَبِـیٗ سحابیوں (Spiral Nebulas) میں سے ایک سحابیہ ہے۔ یعنی اُس کہکشاں میں ایسی بیس لاکھ اور کہکشائیں ہیں۔ اُن میں سے قریب ترین سحابیہ یا کہکشاں کا فاصلہ ہماری زمین سے اتنا ہے کہ اسکی روشنی

ہم تک دس لاکھ سال میں پہنچتی ہے۔ انکے علاوہ رہ گئے وہ بعید ترین اجرام فلکی جو ہمارے موجودہ آلات سے نظر آتے ہیں اُنکی روشنی زمین تک پہنچنے میں دس کروڑ سال لگ جاتے ہیں۔ گویا جو حصہ اس کائنات کا ہمارے آلات سے سامنے آیا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا سمندر سے ایک قطرہ اٹھالیا ہو۔ ہمارے مشاہدات بتاتے ہیں کہ ہماری دنیا، ہمارا نظام شمسی اور ہر کہکشاں ایک ہی مادہ سے اور ایک ہی طریقے اور قانون سے بنی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان زمین پر رہتے ہوئے اُس کائنات کی تحقیق و مشاہدہ ہرگز نہ کرسکتا تھا جسے قرآن نے مختصراً اور صاحبِ قرآن نے مفصلاً بتانے کا کام اختیار کیا تھا۔ اور سَلُوْنی قبل اَنْ تفقد ونی اور کائنات سے بھرپور واقفیت کا اعلان فرمایا تھا۔

(16۔د) چلتے چلتے اُس کائنات کی وسعتیں آنحضرتؐ سے بھی سُن لیں جسے اُن کے جانشینؑ نے بیان کیا ہے۔

انسانی تحقیق و مشاہدات اور مادّی آلات و تجربات اُس کائنات کے سامنے ہمیشہ ہمیشہ اپنی عاجزی، بے کسی اور بے بضاعتی کا اعلان سر جھکا کر کرتے رہیں گے جس سے کماحقہٗ علیمت کا اور اس کے ہر ذرہ کی تعلیم دینے کا نظام دورِ امامت میں اعلان کیا گیا ہے۔ سنئے عبداللہ بن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آلهٖ و سلم "خَلَقَ اللّٰہُ مَلَکًا تَحتَ الْعَرْشِ فَاَوْحٰی اِلَیْھَا یَآ اَیُّھَا الْمَلَکَ "طِرْ" فَطَارَ ثَلٰثِیْنَ اَلْفَ مِائَةٍ۔ ثم اَوْحٰی اِلَیْھَا "طِرْ" فَطَارَ ثَلٰثِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ اُخْرٰی، ثُمَّ اَوْحٰی اِلَیْھَا "طِرْ" فَطَارَ ثَلٰثِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ اُخْرٰی۔ فَاَوْحٰی اِلَیْهِ لَوْ طِرْتَ اِلٰی نَفْخِ الصُّوْرِ کَذٰلِکَ لَمْ تَبْلُغْ اِلَی الطَّرْفِ الثَّانِیْ مِنَ الْعَرْشِ۔ فَقَالَ الْمَلَکُ عِنْدَ ذٰلِکَ سبحان رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَ بِحَمْدِهٖ" (مُجَلّٰی باب العرش)

"رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے عرش کے نیچے ایک فرشتے کو پیدا کیا اور اُسے پرواز کر جانے کا حکم دیا چنانچہ جب وہ تیس ہزار سال تک اُڑتا ہوا عرش سے دُور نکل گیا۔ پھر اُسے اُڑنے کی وحی کی تو وہ پھر تیس ہزار سال تک اُڑا اور عرش سے اور بھی دور پہنچ گیا تو پھر وحی کی اور وہ تیسری دفعہ پھر تیس ہزار سال تک اڑتا رہا۔ تب اللہ نے اسے وحی بھیجی کہ اگر تو اُسی طرح صور کے پھونکے جانے والے دن تک بھی اُڑتا رہے تو عرش کی دوسری طرف نہ پہنچ سکے گا۔" اس پر فرشتے نے کہا کہ: "پاک و ہمہ گیر ہے میرا پروردگار اور اسی کے لئے حمد ہے۔"

17۔ خطبے کے باقی ماندہ تشریح طلب مقامات۔

ہم نے اپنے ترجمے میں خطبے کے تشریح طلب الفاظ کی تشریح ساتھ کے ساتھ لکھی ہے۔ چنانچہ اگر کسی قاری کو ہماری مزید تشریحات پڑھنے کا موقع نہ بھی ملے تب بھی وہ خطبے کے مطالب سے محروم نہ رہے گا۔ بہرحال اب ہم تخلیق سے متعلق باقی ماندہ جملوں کو نمبروار لکھتے اور ضروری تشریح کرتے چلیں گے۔

(1) کارِ تخلیق بلا کسی حرکت، دباؤ اور نمونے کے آناً فاناً ظہور میں آیا تھا۔

آپؑ کے بیان میں تخلیق کے متعلق پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ تخلیقِ کائنات کے لئے اللہ پر نہ کوئی دباؤ تھا اور نہ ہی تخلیق کے بغیر بے چین تھا۔ اور نہ اُس نے تخلیق کے لئے کوئی حرکت کی یعنی نہ کسی دماغی سوچ بچار کی صورت میں ذہنی حرکت کی اور نہ تخلیق کے دوران

انسانوں کی طرح حرکت ومحنت کی، نہ کوئی تجربہ کیا نہ کسی نمونے کو دیکھنے کی احتیاج پیش آئی بلکہ تخلیق کا ارادہ کرتے ہی فوراً ہر چیز اُس صورت وشکل وصفات وعمل کے ساتھ عالمِ وجود میں آ گئی جو اللہ کے ارادہ میں داخل تھی۔اور جو ایک مکمل پہلی اور آخری حالت تھی۔ (خطبہ 1 جملے 39 تا 44)

(2) اللہ کے علم وارادے میں ہر چیز کی تفصیلی صورت کس طرح کی تھی؟

اگلے جملے (1/45) میں آپؑ نے یہ بتایا ہے کہ علمِ خداوندی میں ہر چیز کے لئے پیدا ہونے اور برسر کار رہنے کے لئے اُن کی مادی صورت اور وقت موجود تھا۔یعنی اللہ نے ہر ہر چیز کے لئے جتنی حالتیں تجویز کرنا تھیں وہ سب مخصوص اوقات کی پابند تھیں۔کون سی چیز کب، کس صورت میں کس وقت پیدا ہوگی۔ کتنے عرصے تک موجود رہے گی۔کس کس طرح ارتقائی منازل طے کرے گی۔کس کس دوسری چیز سے مدد لے گی۔اور کس وقت کس شکل میں فنا ہوگی اور فنا ہوکر کس چیز کو مدد دے گی۔یہ سب کچھ اس جملے میں سمو دیا کہ:

اَحَالَ الْاَشْیَآءَ لِاَوْقَاتِهَا (1/45) ہر چیز کا ہر حال اور ہر حال کے لئے مختلف اوقات کا تعین۔اس میں ہر چیز کا مادہ اور اوقات آ گئے۔اور مادہ اور وقت (Matter & Energy) ہی تو وہ دو کلیدی الفاظ ہیں جن پر آج تک کی تمام حیران کن ترقیوں اور ایجادات کی بنیاد ہے۔

(3) کائنات کی ہر چیز کو دوسری چیزوں کا محتاج بنا کر مخالفت کو تعاون میں بدل دیا۔

خطبہ نمبر 1 کے جملے 46-47 یہ بتاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں کہ ہر چیز پر فطری طور سے خاص خاص حالات اور خاص خاص مقاصد لازم کر دیئے اور انہیں اُن حالات ومقاصد کی قہری بجا آوری پر مجبور کر دیا۔جسکو کوئی چیز تنہا رہ کر پورا نہ کرسکتی تھی اسلیئے قطعاً مخالف سرشتیں رکھنے والی چیزیں ہم آہنگ اور ایک دوسری کیلیئے ممد ومددگار بن گئیں۔چنانچہ اہل عقل وہوش کے علاوہ کائنات میں کہیں تصادم نہیں پایا جاتا۔اور اہلِ عقل وہوش بھی جہاں جہاں تعاون کرتے ملیں گے، وہاں یہی زندہ رہنے اور اپنے وجود کو برقرار رکھنے کی احتیاج کام کر رہی ہوگی۔

(4) خالقِ کائنات ہر ہر مخلوق کے مادہ، جگہ، صورت وحالات کا تفصیلی علم رکھتا ہے۔

خطبہ نمبر 1 کے جملے 49 تا 51 یہ بتاتے ہیں کہ مخلوقات کی تخلیق کی ابتدا کرنے سے پہلے ہی خالقِ کائنات یہ جانتا تھا کہ کون کون سی مخلوق پیدا کرنا اور ہونا ہے؟ اُسے کن کن صورتوں اور شکلوں میں رہتے ہوئے کن کن حالات سے گزرنا ہے اور کن حدود تک اور کس انتہائی حالت میں پہنچنا ہے؟ اس کے برقرار رہنے اور رکھنے میں کون کون سی چیزیں اور عوامل کس کس طرح ممد ومعاون بنیں گے؟ کون سی چیزیں اور حالات اُسے فنا کی طرف لے جائیں گے؟ کس چیز کو کیا کچھ مفید ہوگا اور کون سی چیزیں اور حالات اس کے لئے مضرّت رساں ہوں گے؟

(5) کائنات میں مخلوقات کے لئے جگہ، صورتِ مادی اور حالات کس طرح پیدا کیئے گئے۔

جملہ نمبر 52 (خطبہ 1) سے حضورؑ نے یہ بتانا شروع کیا ہے کہ یہ کائنات، یہ کرّے اور سماوات وافلاک اور تمام مخلوقات کا مادہ اور مذکورہ بالا صورتیں اور حالات کیسے پیدا ہوئے؟ یہاں قرآن کی بیان کردہ وہ حالت اپنے ذہن میں رکھیں جب آسمان وزمین، سورج اور چاند اور ستارے وسیارے الگ الگ نہ تھے اور اللہ نے اُن سب کو الگ صورتیں دینے کیلیئے لفظ ''فَفَتَقْنٰهُمَا'' بولا تھا (انبیاء 21/30)

حضرت علی علیہ السلام قرآن کی اُس صورتِ حال سے ایک قدم اور آگے جا کر یہ بتاتے ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا کہ اللہ اور ہمارا نور ہی موجود تھا۔اور چونکہ نور کا وجود بار بار ہم نے لکھا ہے اور یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ نور کے لئے جگہ بھی ساتھ کے ساتھ وجود میں آ گئی تھی اور اُس نور کے ایک ذرّے سے وہ وسیع وعظیم الشان عرش وجود میں آ چکا تھا جس کے حدود اربعہ ملائکہ کے قیامت تک پرواز کر کے پہنچنے سے بھی زیادہ وسیع اور ناممکن التبلیغ تھے(پہنچ سے باہر)۔اُس نوری فضا میں نشو ونما کا انجکشن دینا تھا کہ دھڑا دھڑ تخلیق کے لئے گنجائشیں اور کرّے، سمتیں اور کنارے اور حدود وانتہائیں بے حجابانہ باہر نکلنے لگیں(خطبہ 1 جملہ نمبر 52)اور طرح طرح کی ہوائیں اور گیسیں(Gases) پھیلنے لگیں۔یہی وقت تھا جب وہ پانی برسرِ کار لایا گیا جو ہر پیدا ہونے والی چیز میں زندگی بھر دے گا جو ہواؤں کی تاثیریں حیات آفریں کر دے گا جو دباؤ پڑنے پر آکسیجن اور ہائیڈروجن میں بدل جائے گا جو بگولوں کے ساتھ مل کر صورتِ مادی کو فضاؤں کے پرلے کنارے تک اُٹھالے جائے گا۔جو کہکشائیں بناتا، اُنہیں پھیلاتا اور دُور سے دُور جا ٹھہرائے گا۔چنانچہ وہ پانی ہواؤں کی مدد سے اپنی تلاطم خیزیوں سے برسرِ تخلیق لایا گیا۔وہ سریع الرفتار ہوا آگے بڑھی جو ہر سامنے آنے والی چیز کو توڑ پھوڑ کر چُورا اور چبائے ہوئے بھوسے(کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ (سورہ فیل 105/5) کی طرح بنانے کی وجہ سے وہ اَلرِّیۡحِ العَاصِفَۃِ کہلاتی ہے۔اُس نے مذکورہ پانی کو اپنے دامن میں لپیٹا اور اُسے اُن ذرات میں توڑا جن میں کا ہر ذرہ آج ایٹم کہلاتا ہے اور اپنے اندر آتش فشاں پہاڑوں سے زیادہ تپش اور لاکھوں توپوں سے زیادہ دھماکوں کی قوت رکھتا ہے۔یہی صورت حال تھی جس نے فضاؤں کو دھواں دھار بنا دیا تھا۔جسے اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡهًا قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ o فَقَضٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَ اَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَ حِفۡظًا ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ o (حٰمٓ السجدۃ 41/11-12)

’’پھر دورانِ تخلیق اللہ آسمانوں اور زمینی کرّوں کی تخلیق کی طرف متوجہ ہوا جب کہ آسمان اور کُرّے ابھی دُھویں کی صورت میں تھے تو ہم نے اُس صورتِ تخلیق کو حکم دیا کہ اس دھویں کی صورت میں سے جیسے تم سے ہو سکے نکل کر اپنی اپنی صورتِ وجودی میں آ جاؤ انہوں نے جواب دیا کہ ہم سب بڑی آسانی اور خوش اسلوبی سے حاضر ہو رہے ہیں۔چنانچہ انہیں سات سات عدد بن جانے کا فیصلہ سنا دیا اور دو روز کے اندر اندر منشائے تخلیق شروع کرنے کی اجازت دے دی۔اور تمام آسمانوں میں اُن کے متعلقہ احکام پہنچانے کی وحی کر دی اور تمام دنیاؤں کے متعلقہ آسمانوں کو حفاظت اور روشنی کے لئے چراغوں(ستاروں اور سورجوں) سے زینت عطا کر دی ہر حال میں غالب رہنے والے علیم کی اُسی تقدیر کا بیان ہے جو تخلیق کے لئے مقرر کی گئی تھی۔‘‘

اس مقام تک پہنچنے اور پہنچانے کے لئے اُدھر چُورا کر ڈالنے والی ہوا پانی کو بگولوں کی شکل میں اُٹھائے اُڑائے لئے جا رہی تھی۔ اور فضاؤں میں وہ صورتیں پیدا کر رہی تھی جن سے آخر کار سحابیے، کہکشائیں اور کرّے صورت پذیر ہونا تھے۔اِدھر اللہ نے ایک دوسری قسم کی ہوا کو آگے بڑھا دیا اور حکم دیا کہ وہ بھی پانی کے دوسرے ذخیروں میں اپنا عملدرآمد استقلال سے جاری کرے، سمندروں کی صورت

گری کرے، اُن میں مدّ و جزر اور تموّج جاری کرے اور جگہ جگہ پانی کے ذخائر پہنچائے۔ اور پانی کو اس طرح بلو ڈالے کہ وہ جھاگ اور مکھن کی پھٹکیوں کی طرح کائنات میں پھیل جائے۔ اور یوں پھٹے ہوئے پانی کا ذخیرہ بھاپ اور رُوئی کے گالوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرایا جائے اور اس ٹکراؤ اور اُتھل پتھل سے ظاہر ہے کہ مقناطیسی قوت سے فضا بھر جائے گی اور اس مقناطیسی فضا میں یہ ردّ و بدل اور اُٹھا پٹخ برقی قوت اور کششِ ثقل پیدا کردے گی۔ اور پھر جہاں جہاں کششِ ثقل (Gravitational Force) ضرورت کی حد کو پہنچے گی وہ ہر کُرّے کو اپنے مقام پر روکے گی۔ تپش سیالیت کو جمود میں تبدیل کرتی جائے گی۔ جہاں جہاں مذکورہ اچھالا ہوا جھاگ گھنا اور غلیظ نہ ہوگا وہ بدستور فضا اور آسمانوں کی صورت میں قائم رہ جائے گا۔ جہاں جہاں وہ جھاگ اور مکھن جیسی پھٹکیاں چھوٹے بڑے سائز میں گھنی اور غلیظ ہوں گی وہ سیاروں، ستاروں، کُرّوں کی جامد صورتوں میں تبدیل ہوتی جائیں گی۔ یوں کہکشائیں (Galaxys) اور متعلقہ نظام وجود میں آتے گئے (خطبہ 1 جملے 53 تا 78)۔ اور یہاں پہنچ کر ہر نظام کے آسمان اور زمینیں تعداد میں سات سات یا کم و بیش ہو جائیں گے۔ اور اب جو صورت ہونا چاہیئے اُسے یہ کہہ کر بیان فرمادیا ہے کہ:

آسمانوں کے نیچے ہوا کا تموج جاری کیا گیا اور اُن کے اوپر بلندیوں تک خلائی چھت تیار کی گئی۔ اور اُدھر اور اِدھر ٹھوس کُرّے پھیلا دیئے گئے۔ اور یوں جہاں ساری کائنات پیدا ہوئی وہیں ہمارا نظام شمسی اور اُس سے متعلق سات آسمان اور سورج، چاند، سیارے وجود میں آگئے۔ (خطبہ 1 جملے 79 تا 89)

18۔ کائنات کے وجود میں آنے کے بعد ملائکہ اوّلین مخلوق ہیں جو پیدا کی گئی تھی۔

قریشی قسم کے مسلمانوں نے جہاں محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو اُن کے خداداد مقام بلند سے نیچے اتار کر اپنے ہم مثل و خاطی لوگ مانا ہے وہیں یہ کوشش کی ہے کہ ملائکہ کو اللہ کے ہر کام میں برابر کا شریک بنادیا جائے۔ چنانچہ وہ ملائکہ کو مُدَبّراتِ اُمورِ خداوندی کہتے ہیں۔ یعنی یہ مانتے ہیں کہ اللہ نے جہاں جہاں کسی کام کا کرنا اپنی طرف منسوب کیا ہے وہاں وہ کام درحقیقت ملائکہ نے کیا ہوتا ہے۔ بہرحال تخلیق کائنات میں جس مرحلے تک بیان ہوچکا ہے یہاں تک نہ ملائکہ پیدا کئے گئے اور نہ وہ مُدَبّرَاتُ الْاُمُوْر ثابت ہوسکتے ہیں۔

(18۔الف) ملائکہ کی تخلیق، اُن کی قسمیں اور مقصدِ تخلیق۔

اب جناب مولائے کائنات علی مرتضیٰ علیہ السلام ملائکہ کی تخلیق اور اُن کی تخلیق کا مقصد، اُن کی مختلف قسمیں اور اُن کا کام بیان فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جس طرح اللہ نے زمینوں، آسمانوں، اور فضاؤں وغیرہ کو الگ الگ صورت پذیر کرنے کے لئے عمل جراحی یا انجکشن (فَفَتَقْنٰهُمَا) کیا تھا اُسی طرح حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ نے اس لفظ ''فتق'' کو دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ ایک اُس وقت جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے معمور و بھرپور فضا میں وہ روح پھونک دی تھی جس سے پوری کائنات اور اس کی تمام موجودات تخلیقی ترتیب سے وجود میں آئی تھیں تب فَتَقَ الْاَجْوَآء فرمایا تھا اور اب ملائکہ کی تخلیق کے لئے فرماتے ہیں:

ثُمَّ فَتَقَ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ الْعُلٰى (خطبہ 1 جملہ 90) ''پھر بلندترین آسمانوں میں عملِ جراحی کا آغاز کیا گیا۔''

یہ جملہ اُن تمام قوتوں، شدّتوں اور قوانین کو اپنے اندر رکھتا ہے جو تخلیق کے لئے برسرکار آتے ہیں۔ چنانچہ اس جملے کے بولتے ہی گویا وہ تمام کام اور نتائج برآمد ہو گئے جو اللہ نے تجویز فرمائے تھے۔ اور ملائکہ نے اپنی فطری ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

19۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اُن کی ذمہ داریاں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خطبہ کے ترجمے میں بھی ہم نے تشریح طلب الفاظ کو کافی واضح کر دیا ہے۔ لہٰذا جہاں تک خطبے کو سمجھنے کی بات ہے وہ ترجمے ہی سے پوری ہو جائے گی اور کوئی دِقت یا اُلجھن پیش نہ آئے گی۔ مگر جن چیزوں پر تشریحات کی ضرورت ہے اُن میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اللہ کی نمائندگی کے لئے اللہ کے نمائندہ کو اُن تمام عیوب ونقائص سے پاک ومبرا ہونا چاہئے جن کی وجہ سے نمائندگی میں خامی یا عیب پیدا ہونے کا امکان ہو۔ مثلاً اگر اُس میں بھول چوک اور غلطی یا غلط فہمی کا جذبہ موجود ہو اور اُس سے یہ چیزیں سرزد ہوتی ہوں تو تعلیماتِ خداوندی میں بھی اُس سے بھول چوک اور غلطیاں اور غلط فہمیاں سرزد ہوں گی اور انسانوں کو اُس کے بیان وعمل پر اُسی قسم کے شکوک وشبہات رہیں گے جیسے کہ شیعوں کے علاوہ باقی تمام مسلمان علما کو رہتے چلے آئے ہیں اور جنہوں نے اپنے مذاہب کو باطل کا گھروندا بنا کر رکھ دیا ہے۔ جب ہمیں قرآن نے واضح الفاظ میں یہ بتا دیا ہے کہ نبیؐ جو کچھ منہ سے بولتا ہے وہ عین وحی ہوتی ہے (نجم 4-53/3) اور جو کچھ سوچتا ہے یا چاہتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے (دھر 76/30 وغیرہ)۔ اس کے بعد ہر اُس بات کے معنی کرنے اور سمجھنے میں اس اصول عصمت کو برقرار رکھنا ہوگا۔ اس لئے کہ نہ اللہ اپنی مخالفت میں کوئی بیان دے سکتا ہے نہ نبیؐ وامامؑ اپنے خلاف بات کر سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت آدمؑ کے معاملے میں بھی بڑی احتیاط اور سختی سے اصول عصمت کو برقرار رکھنا ہوگا۔ چنانچہ تفسیرِ قرآن کے دوران ہم نے چیلنج کیا ہے کہ قرآن کی کسی آیت سے حضرت آدم علیہ السلام کا کیا ہوا کوئی گناہ، غلط کام یا کوئی خلاف ورزی دکھا دیں تو ہم تمام انبیاؑ کے متعلق اصول عصمت کی شرط ہٹا لیں گے۔ وہ جو کچھ ہمیں دکھاتے ہیں یا جن باتوں پر وہ یہ قیاس کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ سے گناہ یا نافرمانی سرزد ہوئی تھی وہ اس قسم کی آیات ہیں مثلاً:

وَ عَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی0 (طٰهٰ 20/121) ''اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی چنانچہ وہ اغوا ہو گیا۔''

انبیآء عَلَيْهِمُ السلام کو غلط کار اور خاطی ماننے والوں کیلئے یہ آیت آدمؑ کو غلط کار وگنہگار ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔ مگر ہمارے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس آیت میں وہ نافرمانی مذکور نہیں ہے۔ دوم اس لئے کہ حضرت آدمؑ اور تمام انبیاؑء کو روزِ ازل سے مصطفیٰ بنایا تھا (آل عمران 3/33) اور یہ ممکن نہیں کہ غلط کاروں کو اللہ مصطفیٰ بنائے۔ سوم اس لئے کہ یہیں نافرمانی اور اغوا کے ذکر کے فوراً بعد اُسی سانس میں یہ فرمایا کہ: ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰیo (طٰهٰ 20/122)

یعنی وہ ایسی نافرمانی تھی کہ اُس کے بدلے میں مجتبیٰ فوراً بنایا اور پھر مسلسل متوجہ رہنے اور ہدایت کاری کا اعلان فرمایا۔ اس سلسلے میں ہماری تفسیر دیکھیں جہاں باقاعدہ تفصیل سے حضرت آدم علیہ السلام کی حقیقی پوزیشن واضح کی گئی ہے۔ یہاں تو یہ سُن لیں کہ جب تک حضرت آدم علیہ السلام زمین میں خلافتِ الٰہیہ نہ سنبھال لیں، جب تک احکام الٰہیہ اور شریعت نافذ نہ ہو جائے الفاظ: عصیان، اغوا اور گمراہی

وغیرہ وہ معنی نہیں رکھتے جو شریعت کے پٹے ہوئے علما کے ذہن میں راسخ چلے آرہے ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام جنت کے قیام اور ابلیس سے صحبت کے دوران زیرِ تعلیم تھے۔وہاں وہ حضرتؑ الفاظ کے معنی کا تعین اور استعمال سیکھ رہے تھے تاکہ وحی کے معانی و مطالب اپنی اولاد کو سمجھا سکیں۔لہٰذا آنجنابؑ نے نافرمانی اور اغوا کے معانی متعین کر کے دکھائے اور انعام پایا اور مذکورہ تعلیم کے تسلسل کا وعدہ لیا (طٰہٰ 20/121-122 وغیرہ)

یہاں سے حضرت علی علیہ السلام کا بیان سامنے رکھیں اور اصول عصمت کا صحیح استعمال کریں۔اور ذہن سے وہ تمام تصورات نکال کر حضرت علیؑ کے الفاظ پر غور فرمائیں، جو آج تک ادھر اُدھر سے آکر مدت سے جمے بیٹھے ہیں۔

(19۔الف) <u>**تخلیق آدمؑ کے مراحل اتنی ہی طویل و مصروف مدت میں مکمل ہوئے جتنی اس عجیب مخلوق کو ضرورت تھی۔**</u>

(1) <u>**حضرتِ آدمؑ ایسی محیر العقول ہستی کی تخلیق۔**</u>

آنحضرت علیہ السلام یہ نہیں فرماتے کہ اللہ نے آدمؑ کو مٹی (تراب یا طین) سے پیدا کیا تھا۔بلکہ آنجنابؑ نے اُس سامان کو جمع کرنے کا ذکر فرمایا ہے جو خالقِ ارض وسما کے علم میں حضرتِ آدمؑ ایسی محیر العقول ہستی کی تخلیق کے لئے انتہائی موزوں و مفطور رہو۔ جو کہ وہ تمام صفات و عادات و جبلتیں فراہم کر سکے جنہیں اللہ نے حضرت آدمؑ کی ذات میں ودیعت کرنا تھا (خطبہ 1 جملے 115 تا 116) آپ نے اُن اجزا کے نام نہیں بتائے اس لئے کہ وہ تعداد میں لامحدود تھے اور اُس زمانے ہی کے نہیں بلکہ آج کے زمانے کے ترقی یافتہ لوگ بھی انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔بہرحال آپ ایک ایسی حدیث سن کر اپنے غور وفکر میں مدد لیں جسے حضرت آدمؑ کی تخلیق پر انتہائی حیثیت حاصل ہے چنانچہ:

عن محمد بن مسلم قَالَ: سَاَلْتُ اَبَا جَعْفر علیه السلام عَمَّا يَرْوُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ، فَقَالَ: هِىَ صُوْرَةٌ مُحْدِثَةٌ مَخْلُوْقَةٌ وَ اصْطَفَاهَا اللّٰهُ وَ اخْتَارَهَا عَلٰى سَائِرِ الصُّوَرِ الْمُخْتَلِفَةِ، فَاَضَافَهَا اِلٰى نَفْسِهٖ كَمَا اَضَافَ الْكَعْبَةَ اِلٰى نَفْسِهٖ، وَ الرُّوحَ اِلٰى نَفْسِهٖ......الخ

''محمد بن مسلم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اُس حدیث کے متعلق وضاحت چاہی جس میں یہ کہا گیا ہے کہ: ''یقیناً اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا تھا'' جواب میں فرمایا کہ وہ مخصوص صورت جس پر حضرت آدم علیہ السلام کو بنانا مقصود تھا اللہ نے باقی تمام صورتوں سے اچھی، نئی اور تازہ بنائی تھی اور <u>اُسے اس کی لاثانیت کی بنا پر اپنی صورت فرمایا تھا اور تمام باقی شکلوں کے مقابلے میں پسند کیا تھا حتّٰی کہ خود اپنی ذاتِ پاک سے منسوب کیا تھا۔جیسا کہ کعبہ کو اور الرُّوح کو اپنی ذات سے منسوب کر کے اُسے اپنا گھر فرمایا اور اسے اپنی روح قرار دیا ہے۔''</u> (اصول کافی، جلد اول، کتاب التوحید باب الروح، حدیث 4)

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت آدمؑ اللہ کی تمام مخلوقات میں اتنی بزرگ مخلوق تھے کہ اپنے جلوے اور اعمال میں اللہ کی ذات کے جلوے اور افعال کی انتہائی نمائندگی کرتے تھے۔گویا اُن کو دیکھنا اللہ کو دیکھنا اور اُن کے اعمال اللہ کے افعال، اُن کی رضا اور

پسند اللہ کی رضا اور پسند تھی۔اور یہیں سے تمام انبیاء علیہم السلام کے نمائندگانِ خداوندی ہونے کی بنیاد پڑتی ہے۔
اب سوچیے کہ وہ سامان جس کو آدمؑ کی تخلیق کے لئے فراہم کیا گیا تھا یہ مٹی اور خاک دُھول نہیں ہوسکتی جسے نہ انسانی چہرے پر پسند کیا جاتا ہے نہ اُس کے کپڑے اور سامان گرد وغبار کو پسند کرتے ہیں۔

(2) اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورتِ حال کے عین مطابق بنانے کے لئے اُسے کائنات کا نمائندہ بھی بنایا۔

آنحضرتؐ نے چونکہ لفظ اَلْاَرْض فرمایا ہے اس لئے گھٹیا (دنیاوی) ذہنیت رکھنے والے علما نے وہی پست زمین سمجھی جس پر وہ خود رہتے ہیں۔حالانکہ لفظ ''اَلْاَرْض'' کے معنی جہاں ''ایک خاص زمین'' ہوتے ہیں وہیں زمین کی پوری جنس یعنی ''تمام زمینیں'' بھی ہوتے ہیں۔جسے انہوں نے نظرانداز کردیا ہے۔

(3) ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کا نچوڑ بھی آدمؑ کی سرشت میں تھا۔

پھر چونکہ حضورؐ نے لفظ ''تُربَۃٌ'' بھی فرمایا تھا۔اس لئے انہوں نے پھر کمینہ معنی اختیار کرلئے اور مٹی، گارا، کیچڑ وغیرہ مراد لے لئے۔ حالانکہ تربۃ کے مادہ اور مصدر ہی سے ''تَارِبٌ'' ہے۔جس کے معنی دوست، ہم عصر، ہم عمر اور ہم سن لوگوں میں رہنا ہوتے ہیں۔اُسی سے لفظ ''تَرَائِب'' ہے جس کے معنی سینہ کا اُبھرا ہوا حصہ ہوتے ہیں۔اسی سے امیری اور غریبی کے لئے الفاظ بنتے ہیں۔مگر یہ زمین گیر اور ڈارون کی اولاد تربت کے گھٹیا سے گھٹیا معنی کرنے کی عادی اور پابند رہے ہے مگر حدیث اُن کا منہ بند کرتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے مادہ کو ہمہ گیر وعرش نشین بناتی ہے۔ سُنئے ارشاد ہے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ علیہ السلام قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ لَمَّا اَرَادَ اَنْ یَّخْلَقَ آدمَ علیہ السلام بَعَثَ جِبْرَئِیْلَ فِیْ اَوَّلِ سَاعَۃٍ مِّنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَقَبَضَ بِیَمِیْنِہٖ قَبْضَۃً بَلَغَتْ قَبْضَتَہٗ مِنَ السَّمَآءِ السَّابِعَۃِ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا، وَ اَخَذَ مِنْ کُلِّ سَمَآءٍ تُرْبَۃً وَ قَبَضَ قَبْضَۃً اُخْرٰی مِنَ الْاَرْضِ السَّابِعَۃِ الْعُلْیَا اِلَی الْاَرْضِ السَّابِعَۃِ الْقُصْوٰی؛ فَاَمَرَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ کَلِمَتَہٗ فَاَمْسَکَ الْقَبْضَۃَ الْاُوْلٰی بِیَمِیْنِہٖ وَ الْقَبْضَۃَ الْاُخْرٰی بِشِمَالِہٖ؛.. الخ
(اصول کافی، جلد اوّل، کتاب الایمان و الکفر باب طینۃ المؤمن و الکافر، حدیث 7)

(4) کیا آسمانوں کی تربۃ بھی یہی زمین والی مٹی تھی؟

''امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو جبرائیلؑ کو روانہ کیا جبکہ جمعہ کے دن کی پہلی ساعت شروع ہوئی تھی۔جبرائیل نے اپنا داہنا ہاتھ پھیلایا جو ساتویں آسمان سے لے کر نیچے والے آسمان تک پہنچا چنانچہ اُنہوں نے ساتوں آسمانوں سے ایک مُٹھی تربت سے بھر لی۔اور دوسری مٹھی میں ساتویں بلندترین زمین سے لے کر بعیدترین زمین تک ساتوں زمینوں سے تربت کی ایک مٹھی بھر لائے۔چنانچہ اللہ نے اپنے ''کلمہ'' کو حکم دیا کہ وہ داہنی مٹھی کو داہنے ہاتھ سے سنبھالے اور بائیں مٹھی کو بائیں ہاتھ سے تھامے رہے۔''

یہ حدیث تو طویل ہے اور آگے بڑھتے ہوئے اللہ کی حیران کن قدرت کا بیان جاری رکھتی ہے۔ مگر ہم یہ دکھانے کے لئے اس کو لائے ہیں کہ ہمارے قاری اُس تصور کو جھٹک کر الگ کر دیں جو قریشی پالیسی اور اسرائیلیات نے اُن کے قلب وذہن میں بٹھا رکھا ہے کہ اسی زمین سے ریت، مٹی، بجری، اور خاک دُھول سمیٹ کر حضرت آدمؑ کو بنا ڈالا تھا۔ اور ساتھ ہی علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استعمال کردہ لفظ ''الارض'' کے معنی بھی سمجھ لیں کہ حضوؐر کی رفعتوں کے سامنے آسمان بھی جھک کر زمین بن جاتے ہیں۔ یعنی آپ نے لفظِ ارض کے ساتھ الف اور لام لگا کر اپنے جملے کو فلک گیر بنا دیا ہے۔

(5) آدمؑ کی تخلیق کی عظمت پر یہ کافی ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھوں (یدؑ اللہ) نے کام کیا تھا۔

مناسب ہوگا کہ حضرتِ آدم علیہ السلام کی تخلیق میں اللہ کے وہ دونوں ہاتھ بھی دیکھ لئے جائیں جنکی موجودگی سے اللہ جسم اور جسمانیات سے مُلوِّث نہیں ہوتا اور جنہوں نے آدمؑ کو اللہ کی مشیت ومنشا کے مطابق ایک ایسی مخلوق بنا دیا جس سے اُسکے لاتعداد ہم مثل پیدا ہونا تھے۔ اور جس میں خود بھی جلال وجمال وقدرت بن کر رہنا تھا۔ لہٰذا اللہ نے نوع انسان کے اوّلین دشمن کی سرکشی پر اس سے دریافت کیا تھا کہ:

قَالَ يٰاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ؟ اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَo؟ (صٓ 38/75)

(ابلیس کے پسندیدہ عالم کا ترجمہ): ''رب نے فرمایا: اے ابلیس، تجھے کیا چیز اُس کو سجدہ کرنے سے مانع ہوئی جسے میں نے ''اپنے دونوں ہاتھوں سے'' بنایا ہے؟ تو بڑا بن رہا ہے یا تو ہے ہی کچھ اُونچے درجے کی ہستیوں میں سے''؟ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 348)

(i) دونوں ہاتھوں سے بنانے کی مودودی تشریح بھی سن لیں۔

علامہ ہی کو نہیں بلکہ کسی کو بھی یہ پسند نہیں کہ اللہ کے ہاتھ، منہ اور دیگر اعضاء ہوں۔ لیکن اللہ کو یہ چیزیں روزِ ازل سے پسند ہیں اور وہابی العقیدہ لوگوں کی ناپسندیدگی کے باوجود وہ ہر الہامی کتاب میں اپنے ہاتھوں اور اپنے چہرے کا ذکر کرتا چلا آیا ہے اور انہیں ساتھ رکھنے سے کبھی اپنی توحید میں نقص یا شرکت نہیں سمجھا ہے۔ بہرحال مودودی کو بھی سُن لیں فرمایا کہ:

''64۔ یہ الفاظ (يَدَىَّ) تخلیقِ انسانی کے شرف پر دلالت کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ بادشاہ کا اپنے خدام سے کوئی کام کرانا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ ایک معمولی کام تھا جو خدام سے کرا لیا گیا۔ بخلاف اس کے بادشاہ کا کسی کام کو بنفس نفیس انجام دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک افضل واشرف کام تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جسے میں نے خود بلا واسطہ بنایا ہے اس کے آگے جھکنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ ''دونوں ہاتھوں'' کے لفظ سے غالبًا اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس نئی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق کے دو اہم پہلو پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسے جسم حیوانی عطا کیا گیا جس کی بنا پر وہ حیوانات کی جنس میں سے ایک نوع ہے۔ (یعنی حیوان ہی ہے۔ احسن) دوسرے یہ کہ اس کے اندر وہ رُوح ڈالی گئی جس کی بنا پر وہ اپنی صفات میں تمام ارضی مخلوقات سے اشرف وافضل ہوگیا۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 348)

(ii) مودودی اینڈ کمپنی نے ہی ڈارون کی تھیوری کے لئے زمین ہموار کئے رکھی ہے۔

علامہ کا یہ بیان قرآن اور مشاہدات ولسانیات کی رُو سے سراسر غلط و باطل ہے۔اُس پر وقت ضائع کرنے کے بجائے ہم یہ کہہ کر آگے بڑھ جائینگے کہ ہر انسان میں اور حضرت آدمؑ میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور اس شخص نے دونوں کو ایک بنا دیا ہے۔ پھر اُس نے اپنے بزرگوں کی طرح انسانوں کو حیوانوں کی جنس قرار دیا ہے جس پر قرآن سے کوئی ثبوت نہیں مل سکتا یعنی یہ تعریف بھی مخالف قرآن ہے۔اس تعریف میں داخل کرنے کے بعد ہی ڈارون کو اپنے فلسفہ کی تعمیر کرنے کا موقع ملا ہے۔جس کا اُن لوگوں کے پاس کوئی صحیح جواب یا رَدّ نہیں ہے۔رہ گئے اُنکے بیان کردہ دونوں پہلو، اُن کو اُنہوں نے لفظ ''غالباً'' کہہ کر اپنا قیاس غالب قرار دیا ہے اور اوّل مَنْ قَاسَ فَھُوَ اِبْلِیْس (جس نے سب سے پہلے قیاس سے کام لے کر خود کو آدمؑ سے افضل قرار دیا تھا وہ وہی ملعون ابلیس تھا) (صٓ 78-38/77) اور ثابت ہوا کہ علامہ یہاں بھی اُسی کے پیرو ہیں۔

(iii) اُونچے درجے کی ہستیاں یعنی بہت سے علیؑ؛ ابلیس وآدمؑ کو دیکھ رہے تھے۔

وہ ہستیاں جن کا اللہ نے ذکر کیا اور مودودی نے مانا سجدۂ ملائکہ کے وقت موجود تھیں جنہیں لفظ علیؑ کی جمع سے یاد کیا گیا ہے اور قرآن وحدیث میں پوری تخلیق پر چشم دید حاضر گواہ فرمایا گیا ہے (نساء 4/41 نحل 16/89 عنوان 6 پہلی حدیث) اور جن دونوں ہاتھوں کو اللہ نے اپنے ہاتھ فرمایا ہے وہ اللہ کے وہی ہاتھ تھے جنہیں ساری دنیا لفظ ''یدُاللہ'' سے جانتی پہچانتی ہے۔

(6) جبرائیلؑ کی مٹھیوں میں لائی ہوئی تُرْبَۃ آج بھی ہر انسان کی تخلیق میں استعمال ہو رہی ہے۔

ہمارے اِن بیانات سے قرآن میں مذکور بہت سے حقائق نئی صورت میں سامنے آئیں گے۔اُن میں سے زیرِ قلم عنوان سے متعلق ایک حقیقت جو کھل کر سامنے آتی ہے اُس کا ذکر یہاں ضروری ہے۔اور وہ یوں ہے کہ پہلے قرآن سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ پھر اُن کی نسل نطفے سے جاری ہوئی اور آج تک ہر انسان نطفے سے پیدا ہوتا ہے۔یعنی حضرت آدمؑ کے بعد کوئی انسان مٹی سے پیدا نہیں ہوا ہے اِن معنی میں یہ حد بندی صرف اس بنا پر ہوگئی کہ لفظ تُراب کے معنی یہی مٹی کئے جاتے رہے جو جُوتوں کو لگتی اور جھڑ جاتی ہے۔جو گڑھا کھودنے سے نکلتی ہے۔جس میں کھیتی باڑی ہوتی ہے۔اور جب یہ معنی پختہ کر کے ذہنوں میں بٹھا دیئے گئے تو کون مان سکتا تھا کہ اس مٹی سے اب بھی آدمی کا ہر بچہ پیدا ہوتا ہے۔بہرحال قرآن سنئے اور غور فرمایئے:

(1) وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَۃٍ ثُمَّ جَعَلَکُمْ اَزْوَاجًا...... الخ (فاطر 35/11)

مودودی ترجمہ: ''اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا؛ پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے بنا دیئے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 224)

مودودی کی تشریح: ''24 یعنی انسان کی آفرینش پہلے براہ راست مٹی سے کی گئی، پھر اس کی نسل نطفے سے چلائی گئی۔'' (ایضاً)

(2) ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَۃٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَۃٍ ثُمَّ یُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ......الخ (مومن 40/67)

مودودی ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 425)

(i) سوچئے کہ سوچنے کی بات ہے۔

اِن آیات میں بھی اور کئی ایک دوسری آیات میں بھی اس حقیقت کو اِن ہی الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ نزول قرآن سے پہلے پہلے یہ بات تمام انسانوں کو معلوم ہو چکی تھی کہ سب سے پہلا انسان، حضرت آدمؑ نطفے سے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ، عام تصور کے مطابق مٹی کے گارے سے پُتلا بنا کر پیدا کئے گئے تھے اور خود قرآن نے نازل ہو کر طرح طرح سے آدمؑ کی تخلیق بلا ماں باپ کے یا مٹی سے بیان کر دی تھی تو پھر اس کی کیا ضرورت تھی کہ بار بار تمام مخاطبین سے یہ کہا جائے کہ: ''ہم نے تم مخاطبین کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے، پھر علقے سے، پھر مضغے سے......؟

بات یہ ہے کہ ان آیات میں اور ایسی ہی بہت سی آیات میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے ان آیات میں حضرت آدمؑ کی تخلیق کا تذکرہ سمجھا جائے۔ مگر ان آیات میں صاف طور پر اپنے سامنے موجود لوگوں سے بات ہو رہی ہے اُن کو بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پیدا کیا۔ ایسی صاف وسادہ اور واضح عبارت کے باوجود ذہن میں بٹھایا ہوا تصور خواہ مخواہ زبردستی، بلا کسی دلیل یا لفظ کے پہلے جملے کو لفظ تراب کی وجہ سے ہزاروں سال پیچھے کھینچ لے جاتا ہے۔ اور ہر جگہ آدمؑ کی تخلیق مراد لے لی جاتی ہے۔ اور اس طرف دھیان جانے ہی نہیں پاتا کہ یہ تو خود ہمیں مٹی سے پھر نطفے سے پیدا ہونے والا فرمایا جا رہا ہے۔ اچھا یہ آیت پڑھئے اور مسلسل قرآن کے الفاظ اور ضمیروں پر نظر رکھیئے۔

(ii) شاید آپ اس آیت سے چونکیں اور سوچیں۔

ارشاد ہو رہا ہے: **وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ۝** (مؤمنون 14-23/12)

مودودی ترجمہ: ''ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اُسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اُس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اُسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 269-270)

یہاں جس انسان کو مٹی کی ست سے بنانے کا ذکر کیا ہے، اُسی انسان کو نطفے میں تبدیل کر کے رحم میں پہنچانے کی بات بالکل واضح ہے۔ اور اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ رحم کے اندر اللہ کیا کیا کرتا ہے۔

(7) ہر انسانی بچہ آج تک تُراب سے یا بقول جہلا مٹی سے پیدا ہوتا ہے یعنی تُراب تمام انسانوں کا باپ ہے

لٰہذا معلوم ہونا چاہیئے کہ جن آیات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ:

''ہم نے تمہیں تراب سے پیدا کیا، پھر نطفے سے پیدا کیا۔'' (35/11 وغیرہ بہت سی آیات میں)

اُن تمام آیات میں پہلا نمبر نطفہ کی تخلیق کا ہے پھر نطفہ سے آگے والی تخلیق کا مختصر یا تفصیلی ذکر ہوا ہے جیسا کہ سورۂ مومنون کی آیات (23/12-14) میں مذکور ہوا ہے۔لہٰذا ہر دفعہ یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کا نطفہ تراب سے بنایا جاتا ہے پھر نطفہ کو رحمِ مادر میں تخلیق کے باقی مراحل سے گزارا جاتا ہے۔اور یہ آپ سب جانتے ہیں کہ نطفہ خون سے بنتا ہے اور خون اس خوراک وغذا سے بنتا ہے جو انسان کھاتا ہے۔اور وہ خوراک سبزیوں، پھلوں، اناج، درختوں کے پتوں، جڑوں، چھالوں اور پھولوں سے اور ہواؤں گیسوں، روشنی، پانی اور جانوروں کے گوشت کی صورتوں میں ملتی ہے۔اور یہ سب چیزیں تراب سے جنم لیتی ہیں۔لہٰذا حقیقت واقعی یہی ہے کہ ہر انسانی بچہ تراب سے نطفہ کی شکل اختیار کرتا ہے اور نطفے سے رحم کے اندر مختلف مراحل طے کرکے پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا تخلیق کی تمام تفصیلات جس چیز سے برآمد ہوتی ہیں وہ وہی تراب یا تربۃ ہے جو زمینوں اور آسمانوں میں ہر جگہ موجود ہے اور اس تراب کی بنیاد وہ نور ہے جو اوّلین مخلوق ہے۔لہٰذا لفظ ابوتراب کے معنی ہیں ساری کائنات اور کائناتی موجودات کا باپ اور یہی لقب ہے جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا۔اور تخلیقِ حضرت آدم علیہ السلام کے سلسلے میں پہلا مرحلہ یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے مذکورہ و مفصلہ بالا ہر قسم کی تربۃ جمع کرائی (خطبہ 1 جملے 115 تا 116) پھر اس طرح جمع کی ہوئی تربۃ میں وہ پانی ملایا جس کی قوت وخاصیت اور زندگی بخش صفات کا باقاعدہ تذکرہ ہو چکا ہے (خطبہ 1، جملہ 117) اور اس تربۃ اور پانی کو اُس زمانے تک قانونی تدبیر وترکیب میں سے گزارا جاتا رہا جب تک تربت اور اس پانی کا مرکب اتنا خالص نہ ہوگیا کہ اُس میں وہ تمام صفاتِ خداوندی بھر دی جائیں جن کا ظہور حضرت آدمؑ سے متوقع تھا۔پھر اُس خلوص سے بھرپور مرکب کو افادیت کے تمام ذخیروں سے لبریز کیا جاتا رہا اور جب تمام ذرات ومَوالید وعناصر میں اتصال اور انجذاب پیدا ہوگیا تو اس سے وہ خصوصیات رکھنے والی چیز تیار کی جو پسندیدہ اور مفید سامان کو قبول کرے اور ناپسندیدہ اور مضرت رساں چیزوں کو دور رکھے۔(خطبہ 1، جملے 118 تا 119)

اب وہ وقت آیا کہ اُس نے اُن اعضاء واجزاء اور متعلقہ حصوں میں تبدیل ہونا شروع کیا اور تمام اعضاء واجزاء اور جسمانی علاقے اور حصے آپس میں مربوط ہونے لگے (خطبہ 1 جملے 120 تا 121)۔جسمانی اعضاء میں تمسک اور قوت ورابطہ کے بعد اُس میں احساس راحت وغم پیدا ہوا تب اسکی صفائی، رعنائی اور موزونیت وجود میں آئی (خطبہ 1 جملہ 122)۔اس تمام عمل درآمد میں جتنی مدت لگی وہ قابل شمار مگر اللہ کے علم میں ہے (خطبہ 1، جملے 122 تا 124)۔بس یہی صورتِ حال تھی جب اللہ نے اُس میں اپنی روح داخل کردی (خطبہ 1 جملہ 125)۔روح کے داخل ہوتے ہی وہ انسان رُونما ہوگیا جو اپنے تمام اعضاء وحصوں سے باقاعدہ خدمت لینے لگا۔ذہنی قوتوں اور قلب وعقل وارادوں پر قابو پا گیا۔اور مختلف سامان کو بطور آلات ووسائل استعمال کرکے حالات کو اپنی مرضی کے مطابق بدلنے لگا (خطبہ 1، جملے 126 تا 129) اُس میں حق وباطل کی تمیز اور پہچان پیدا ہوگئی۔وہ تمام ذائقوں، رنگوں اور جنسوں اور قسموں کو شناخت کرنے لگا (خطبہ 1، جملے 130 تا 132) ہر خوشبو کو الگ الگ پہچاننے لگا۔

(8) تُراب کی خصوصیات مرتضویؑ الفاظ میں۔

اب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھل کر اُس مرکب اور تراب کی خصوصیات، فطرت اور صفات (خطبہ نمبر 1 میں) یوں بیان کی ہیں کہ:

(1) حضرت آدمؑ جس سامان سے بنائے گئے تھے اُن میں کائنات کے تمام رنگ تھے اور (جملہ 133) تمام ذائقے تھے۔

(2) اور وہ تمام چیزیں جو ایک دوسری سے ہم آہنگ وہمنوا رہتی ہیں اور ایک دوسری میں حل ہو جاتی ہیں، جذب ہو سکتی ہیں، ایک دوسری کی تقویت میں مددگار بنتی ہیں (جملہ 134) اور

(3) وہ تمام سامان تھا جو اپنی خصوصیات وفطرت میں ایک دوسرے کی ضد اور مختلف تھا۔ مثلاً حرارت اور ٹھنڈ یا برودت، ٹھوس چیزیں اور سیال چیزیں نرم وسخت، مسرت پیدا کرنے والی اور دکھ درد وغم پیدا کرنے والی (خطبہ 1، جملے 135 تا 139)

20۔ ساری کائنات اور تمام موجودات کو عموماً اور ملائکہ کو خصوصاً حضرت آدمؑ کا مطیع بنا دیا گیا۔

مولائے کائنات کے بیانات سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت آدمؑ میں وہ سب کچھ رکھ کر اُن کی تخلیق کی گئی کہ اُنہیں سمٹی ہوئی صورت میں کائنات کہنا سو فیصد (100%) بجا ودرست ہے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام صرف نمائندۂ خداوندی ہی نہیں بلکہ وہ اس پوری کائنات اور کائنات کی ہر مخلوق کے بھی نمائندے ہیں۔ جہاں اُن میں ہوائیں، فضائیں، اور ارض وسماء داخل ہیں وہیں ملائکہ اور جنات بھی اُن سے باہر نہیں ہیں۔ اس لئے اللہ نے فرمایا تھا کہ:

(20۔الف) حضرت آدمؑ کی تخلیق کا منصوبہ زمین پر اپنی نیابت اور مشہود اطاعت وحکومت کے لئے بنایا تھا۔

''اے ملائکہ سنو کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں'' (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ بقرہ 2/30)

اسی اطلاع کے بعد کی بات ہے جسے حضرت علی علیہ السلام ایک ایسا معاہدہ اور امانت قرار دیتے ہیں جو اللہ اور ملائکہ کے مابین حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ہوا تھا کہ وہ سب حضرت آدمؑ کے مطیع وفرماں بردار رہیں گے اور اُنہیں تخلیق کے وقت سے سجدہ کیا کریں گے (خطبہ 1 جملے 140 تا 142) اور ہمیشہ اُس کی تعظیم وتکریم بجالاتے رہیں گے اور اپنی قوت واستطاعت اُس کے حضور میں بڑی عاجزی سے پیش کیا کریں گے (جملہ 143) اس کے بعد حضورؑ بتاتے ہیں کہ اللہ نے اس معاہدہ کی رو سے تمام ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور تمام ملائکہ نے بے چون وچرا سجدہ کیا (خطبہ 1 جملے 144 تا 145) مگر ابلیس سجدہ سے باز رہا۔

(20۔ب) حضرت آدمؑ کے لئے اللہ نے لفظِ انسان اور بشر استعمال کئے۔

اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر حضرت آدمؑ کا ذکر فرمایا ہے اور ملائکہ سے سجدہ کرانے اور ابلیس کا سجدے سے باز رہنے کا تذکرہ بھی بار بار کیا ہے۔ اور یہ ایسی باتیں ہیں کہ باذہب لوگوں کا بچہ بچہ ان کو جانتا ہے۔ لہٰذا اس مقام کی تشریح میں جو بات ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے بھی اور حضورؑ نے بھی حضرت آدمؑ کے لئے لفظ انسان بطورِ لقب استعمال کیا ہے (حجر 30-15/28 اور خطبہ 1 جملہ 126) جو برابر اُن کی نسل میں استعمال ہوتا چلا آیا اور اُن کی ہر اولاد انسان کہلاتی ہے۔ اور اُن سب میں کم وبیش انسانیت اور اُنس پایا

جاتا ہے۔یعنی اُن کی اولاد کا ہر فرد لازم ہے کہ آدمی کہلائے مگرانسان ایک صفاتی اسم ہے۔جس میں یہ صفت نہ ہو اسے آدمی تو بہر حال کہا جائے گا مگرانسان ہونا یا بننا ذرا مشکل ہوتا ہے۔چنانچہ ہر انسان ضرور آدمی ہوتا ہے مگر ہر آدمی ضروری نہیں کہ انسان ہو۔

پھر اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو لفظ بشر سے بھی یاد کیا ہے اور یہ اُسی مقام پر ہے جہاں حضرت آدمؑ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنانے کی عزت دی ہے (صٓ 38/75)۔اس آیت سے پہلے یہ فرمایا ہے کہ:

(1) آدمؑ کے لئے سجدۂ اطاعت کرانے کا حکم،اور اہتمام کیا گیا۔

''اے محمدؐ جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا تھا کہ: (یہاں سے علامہ مودودی کا ترجمہ اور آیات ملاحظہ ہوں)

اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ o فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ o فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ o اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ اِسۡتَکۡبَرَ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ o (صٓ 74-38/71)

(i) علامہ نے لفظ سجدہ کا صحیح ترجمہ کیا ہے: ''جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا'' میں مٹی سے ایک بشر بنانیوالا ہوں، پھر جب میں اُسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو تم اُسکے آگے سجدے میں گر جاؤ۔'' اِس حکم کے مطابق فرشتے سب کے سب سجدے میں گر گئے، مگر ابلیس نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 347-348)

(ii) قریشی علما صحیح معنی غلطی سے کرتے ہیں: ہمیں یہاں یہ بتانا ہے کہ قریشی مذہب کے علما کسی بھی اہم آیت کا ترجمہ اللہ کا منشا لوگوں تک پہنچانے کے لئے نہیں کرتے بلکہ اپنے خود ساختہ اسلام پر قرآن کو فٹ کرنے کے لئے کیا کرتے ہیں۔اور جہاں کہیں موقع ہوتا ہے ترجمہ ہی میں الفاظ کے معنی بدل دیا کرتے ہیں۔اور جہاں ایسی گنجائش نہ ہو یا بھول جائیں تو اپنی تشریحات میں قرآن کے حقیقی منشا کو تبدیل کر لیا کرتے ہیں۔چنانچہ اپنے قاریوں کو یہ بتائیں کہ یہ لوگ ہر گز نہیں چاہتے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہو جائے۔

چنانچہ جب قرآن میں پہلی دفعہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کا حکم علامہ کے سامنے آیا تو سجدہ کے حکم کا ترجمہ جھکنا کر دیا یعنی حکم یوں تھا کہ:

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ......الخ (بقرہ 2/34)

علامہ کا غلط ترجمہ: ''پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کے آگے جھک جاؤ، تو سب جھک گئے،...(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 64)

قارئین دیکھیں کہ مندرجہ بالا آیات میں علامہ نے اپنے ترجمہ میں جھکنا اور جھک گئے ترجمہ نہیں کیا بلکہ ''سجدے میں گر جاؤ'' اور ''سجدے میں گر گئے'' ترجمہ کیا ہے۔یہ اسلئے کہ وہ اپنے قارئین کو شروع ہی سے تیار کر چکے تھے اب وہ خود ہی سجدے کے معنی جھکنا سمجھتے رہیں گے۔

پھر یہ دیکھئے کہ اللہ نے مندرجہ بالا آیات (صٓ 74-38/71) میں فرمایا ہے کہ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ یہاں یہ کہنا کافی تھا کہ: ''کُل ملائکہ نے سجدہ کیا۔'' یعنی لفظ کُل کہنے کے بعد کوئی فرشتہ ایسا نہیں بچتا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔لیکن اللہ نے کُلُّھُمۡ کے ساتھ لفظ اَجۡمَعُوۡنَ بھی فرمایا ہے لہٰذا تمام ملائکہ کا بحیثیت مجموعی سجدہ کرنا ثابت ہوا۔مگر قریشی علما کو یہ بات پسند نہیں کہ حضرت آدمؑ کو جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل بھی سجدہ کریں اور کوئی فرشتہ باقی ہی نہ رہ جائے۔اس لئے علامہ نے گُربہ کُشتن روز اوّل کے

اصول پر جہاں سجدہ کا ترجمہ جھکنا کیا تھا وہیں یہ تشریح بھی کردی تھی کہ:

(iii) تمام ملائکہ نے سجدہ نہیں کیا بلکہ زمین والوں نے سجدہ کیا تھا۔

45 ''اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین اوراس سے تعلق رکھنے والے طبقۂ کائنات میں جس قدر فرشتے مامور ہیں، اُن سب کوانسان کے لئے مطیع ومسخر ہوجانے کاحکم دیا گیا۔'' (تفہیم القرآن جلداوّل صفحہ 64-65)

یہ لوگ عہدرسولؐ سے برابر قرآن کے معانی ومطالب کو بدلتے اور قرآن کو جھٹلاتے چلے آئے ہیں (فرقان 25/30،انعام 6/66)۔

اب مندرجہ بالا آیت میں مذکورلفظ بشر کے معنی سنئے:

(iv) علامہ لغوی معنی کہہ کرفریب دیتے ہیں: '' بَشَر کے لغوی معنی ہیں ''جسم کثیف'' جسکی ظاہری سطح کسی دوسری چیز سے ڈھکی ہوئی نہ ہو۔انسان کی تخلیق کے بعدتو یہ لفظ انسان ہی کیلئے استعمال ہونے لگا ہے۔لیکن تخلیق سے پہلے اس کا ذکرلفظ بشر سے کرنے اوراس کومٹی سے بنانے کا صاف مطلب یہ ہے کہ ''میں مٹی کا ایک پتلا بنانے والا ہوں جو بال وپر سے عاری ہوگا،یعنی جسکی جلد دوسرے حیوانات کی طرح اُون،یاصوف یابالوں اور پروں سے ڈھکی ہوئی نہ ہوگی۔'' (تفہیم القرآن جلد4 صفحہ 348 حاشیہ 60)

(2) بشر کے حقیقی معنی مسرت خیز ہستی ہیں: پہلے یہ سُنئے کہ حیوانات میں سانپوں کواور بہت سی مچھلیوں کواور تمام مینڈکوں کواور ہزاروں دیگر حیوانات کوعلامہ نے اس تعریف میں داخل کیا ہے۔لہٰذا یہ تعریف باطل ہوئی۔ پھر لفظ بشر خودمصدر یا اسم مصدر ہے جس کے معنی خوشخبری دینا ساری دُنیا کومعلوم ہیں اوراسی لئے تمام انبیاؑ کو بشیر بھی فرمایا گیا ہے۔اورلغت سے معنی دیکھ کرعلامہ کے لغوی معنی کا مطلب بھی سمجھتے چلئے:

بشر کے لغوی معنی: (بَشَرُ ، یَبْشُرُ ، بَشرًا) چھال اُتارنا۔تراشنا

2 ٹڈی کا زمین کی سبزی کھاجانا، صاف میدان کردینا۔ (اگر بَشَرَ الْجرادُالارض کہاجائے)

3 اوراگر بَشَرَ الشارِبُ کہاجائے تومعنی ہوں گے '' مُوچھیں کترنا بَشَرُ، یَبْشُرُ بُشُورًا و بَشرًا = خوشخبری دینا۔مونچھ کے بال کترنا۔یہاں تک کہ چمڑا ظاہر ہوجائے۔(المعجم الاعظم جلد1 صفحہ 250)

انگریزی عربی لغت سے:

بَشَرَ، یَبْشُرُ، بَشرًا = (1) To peel،(2) To take off the bark، (3) To grate a thing،

بَشَرُ، یَبْشِرُ، بَشِرًا = (4) To rejoice at a thing، (5) To bring good News to any one

یعنی: 1 چھیلنا 2 چھال اتارنا 3 کسنا،کدوکش پرکسنا،گراں گزرنا 4 کسی چیز سے لطف اندوز یاخوش ہونا 5 خوشخبری سنانا۔ (معجم عربی انکلیزی صفحہ 34)

قارئین ہماری تفسیر میں یہ ثابت کردیا گیا ہے کہ قریش نے قرآن کی زبان کو بگاڑنے کے لئے لغات تیار کرائیں اوردنیا بھر میں پھیلایا مگرحقیقی معنی وہی ہوں گے جولفظ کے مادہ اور مصدر سے نکلتے ہوں۔ان تینوں حوالوں میں صرف دومعنی صحیح ہیں: 1 خُوشکن یامسرت

انگیز؛ 2۔ بال کی کھال اُتار لینے والا؛ باقی معنی بھرتی کے ہیں اُن کا اس مادہ (ب۔ش۔ر) اور مصدر بَشَرٌ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ چودہ سو سال کی کوششوں اور فریب کارانہ عملدرآمد کی وجہ سے ناواقف لوگ یہ سمجھ کر غلط معنی کو صحیح سمجھے کہ عرب اہل زبان ہیں جو بولیں گے وہی صحیح ہوگا لیکن قرآن نے عربوں کی اجتماعی سازش کو قرآن میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے (فرقان 25/30، انعام 6/66) اور کہہ دیا ہے کہ اس سازش میں وہ لوگ الفاظ کے معنی و مفاہیم کو اُن کے حقیقی مقام سے ہٹاتے رہنے کا کام کرتے ہیں۔
(مائدہ 5/41،5/13، نساء 4/46)

قارئین ان آیات کو پڑھیں گے تو عرب کے کسی مذہب کے لوگوں کا الہامی کتب کے سلسلے میں اعتبار کرنا چھوڑ دیں گے۔ اُن کی اسی سازش نے ایک قرآن سے سینکڑوں گمراہ فرقے مسلمانوں میں بنا کر اسلام اور قرآن کو تباہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر علیؑ اور نہج البلاغہ نے اُن کی سازش کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

بہرحال بشر کے معنی عملاً بھی ثابت ہیں اوّل اسلیئے کہ اللہ نے اسی کو اپنی نمائندگی کیلئے بہترین چیز سمجھا تو پسند کیا، مصطفٰی اور مجتبیٰ بنایا اور ملائکہ اور تمام مخلوقات سے اپنی جگہ سجدہ کرایا۔ اور دوسرے اسلیئے کہ وہ سادہ سی بات کو سادہ نہیں رہنے دیتا بلکہ واقعی بال کی کھال نکال کر اصل حقیقت کو برہنہ دیکھنے کا عادی ہے اور حسن و تحقیق تمام انسانوں کو ورثہ میں عطا کر کے گیا تھا۔ اور اللہ کو قرآن میں سینکڑوں جگہ انسان سے سب سے بڑی شکایت یہی ہے کہ وہ جلدی سے سیدھی طرح ہر بات کو نہیں مانتا جاتا بلکہ بات بات میں اور ہر بات میں مین میخ نکالتا ہے۔ تشکیک و تحقیق اور تفتیش سے باز نہیں آتا۔ وہ اللہ، رسولؐ اور الہام کو بھی کسوٹی پر کستا ہے، رگڑتا ہے، بال کی کھال نکالتا ہے اور صرف اتنی بات مانتا ہے جو اس کی اپنی عقل مان لے۔ لہٰذا یہی دونوں معنی صحیح ہیں۔ اور ہمیں بھی دیکھ لیجئے کہ بات صرف سجدے اور بشر کی تھی۔ سجدہ کا حکم ملا، سجدہ کیا گیا، اور بشر فرمایا اور ساری دنیا بشر مانتی ہے۔ لیکن ہم ان دونوں الفاظ کی کھال اتار کر چھوڑیں گے۔ اور لوگوں کو قریشی فریب اور جال سے نکال کر آزادانہ حقیقت رسی کی خوش خبری دیں گے۔ یعنی اپنی بشریت ثابت کر کے رہیں گے۔

(3) بشر کے ساتھ بشریت کو بھی غلط اور ملعون معانی میں استعمال کیا گیا۔

یہاں علامہ مودودی سے بشری، یا بشریت کے وہ معنی سُنئے جن کیلئے انہوں نے بشر کی مذکورہ تعریف اور شناخت بتائی تھی، ارشاد ہے:

(1) ''بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبیؐ جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے (یہ رعایت کیوں؟ زیادہ دیر کے لئے کیوں نہیں؟ احسن) اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہوجاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 343-344)

سنئے اور بشر بنانے کا مقصد سمجھئے:

(2) ''اللہ کے محبوب اور مقبول بارگاہ ہونے کے باوجود، .... تھے وہ بندے اور بشر ہی.....رائے اور فیصلے میں اُن سے غلطی بھی ہوجاتی تھی۔......حتّٰی کہ قصور بھی اُن سے ہوجاتے تھے؛ اور اُن پر اللہ کی طرف سے مواخذہ بھی ہوتا تھا۔''
(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 163 وغیرہ وغیرہ) (خدا جھوٹوں پر لعنت کرے)

آپ سمجھ گئے کہ قریشی اسلام میں تمام انبیاؑ خاطی ہوتے ہیں اور اُن سے قصور اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ بشر ہوتے ہیں۔اُن کا یہ ملعون عقیدہ کہ بشر خاطی یا غلطیاں کرنے والے کو کہتے ہیں، قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔مگر اُن کا یہ بنیادی اور اوّلین عقیدہ ہے اور باقی اُن کے عقائد اسی عقیدے کے چاروں طرف گھومتے ہیں۔اور ہم نے قلم اُٹھاتے ہی حضرت آدمؑ اور باقی تمام انبیاؑ کی عصمت ثابت کی ہے اور بار بار کرتے چلیں گے۔

(4) خطا کاروں کی نہ اطاعت واجب ہوتی ہے نہ وہ مسجودِ مخلوقات ہو سکتے ہیں ۔

سارا قرآن تلاش کیجیے کہ انبیاؑ کی اطاعت ہر حال میں اور بے چون و چرا واجب ہوتی ہے۔اگر اللہ کو یہ شبہ بھی ہو گیا ہوتا کہ نبیوںؑ سے غلطی یا غلط فہمی ہو سکتی ہے تو وہ ہرگز اُن کی اطاعت واجب نہ کرتا بلکہ یہ شرط لگاتا کہ ''صرف صحیح اور حق بات میں اُن کی اطاعت کرنا۔'' وہاں تو یہ حکم ہے کہ اُن کے ہر حکم کی اطاعت بھی کرو، سلام بھی کرو اور دل کی گہرائیوں میں ناگواری کا احساس بھی نہ کرنا (نساء 4/65) اُن کے حضور میں بلند آواز سے بولنا بھی مت، ورنہ تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔(حجرات 2-49/1)

(5) قریشی علما ابلیس کی پیروی میں انبیاؑ کو سجدہ کرنا شرک سمجھتے ہیں ۔

اللہ اور لِسانُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیانات آپ کے سامنے ہیں۔اللہ نے ابلیس کو سجدہ کے حکم کی خلاف ورزی پر کافر فرمایا (صٓ 38/74 وغیرہ) اُسے ملعون و مردود و رجیم قرار دیا اُسے اور اس کے تمام پیرووں کو جہنمی فرمایا (سارا قرآن) اور حضرت علیؑ نے اُسے شقی ازلی فرمایا (خطبہ 1 جملہ 147) اُسے حمیتِ باطل کا علم بردار بتایا (جملہ 1/146) اُسے حضرت آدمؑ کی توہین کا مجرم قرار دیا (جملہ 1/149) اللہ کا مغضوب بتایا (جملہ 1/150) دشمنِ آدمؑ و اولادِ آدمؑ مانا (جملہ 157-1/156) اللہ کی معرفت میں رکاوٹ بتایا (جملہ 1/171) اللہ کی عبادت چھڑانے والا کہا (جملہ 1/172)۔یہ تمام جرائم اور جہنم صرف اتنی سی بات پر عائد ہوئے کہ ابلیس اینڈ کمپنی نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کا حقدار نہ سمجھا اور عملاً سجدہ نہ کر کے نبوت کی حقیقت کا ہمیشہ کے لئے انکار کر دیا۔وہ توحید کو مانتا رہا ہے (قرآن)۔وہ اللہ کی عزت وجلال کی قسم کھاتا ہے (صٓ 38/82) اس نے ہزاروں سال پہلے سے دن رات اللہ کی عبادت کی تھی اور اللہ کے سوا کسی کو قابل عبادت وسجدہ نہ سمجھتا تھا۔اور اُن حضرات علیہم السلام کے لئے بھی سجدہ کو شرک فی التوحید سمجھتا رہا جن کے لئے اللہ نے واضح الفاظ میں سجدہ بجالانے کا حکم دیا اور بتایا کہ اُن کو سجدہ دراصل مجھے سجدہ ہے۔

(6) احادیث میں انبیاؑ اور آئمہؑ کو سجدہ درحقیقت اللہ کو سجدہ ہے۔

علل الشرائع میں ایک دو صفحات پر پھیلی ہوئی حدیث تخلیقِ محمد و علی و فاطمہ اور آئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم پر وضاحت کرتی ہوئی یہ بھی بتاتی ہے کہ اُن ذواتِ مقدسہ کی عبادت اور طریق عبادت کو دیکھ دیکھ کر ملائکہ نے عبادت سیکھی تھی اور یہ کہ ملائکہ اُن کے خادموں اور اہلکاروں میں سے ہیں۔اور جب حضرت آدمؑ کی تخلیق اور ملائکہ کے سجدے کی بات ہوتی ہے تب فرماتے ہیں کہ:

ثُمَّ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی خَلَقَ آدَمَ فَاَوْدَعَنَا صُلْبَہٗ وَ اَمَرَ الْمَلَائِکَۃَ بِالسُّجُوْدِ لَہٗ تَعْظِیْمًا لَّنَا وَ اِکْرَامًا وَّ کَانَ

سُجُوْدَهُمْ لِلّٰهِ عزّ وَ جَلَّ عَبُوْدِيَّةً وَّ لِآدَمَ اِكْرَامًا وَّ طَاعَةً لِكُوْنِنَا فِيْ صُلْبِهٖ، فَكَيْفَ لَا نَكُوْنُ اَفْضَل مِنَ المَلا ئِكة؛ وَ قَد سَجَدُ وْا لِآدَمَ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْن ۔وَ اَنَّهٗ لَمَا عَرَجَ بِيْ اِلَى السَّمَآءِ اَذَنَ جِبْرَائِيلُ مَثْنٰى مَثْنٰى وَ اَقَامَ مَثْنٰى مَثْنٰى ،ثُمَّ قَالَ لِيْ تَقَدَّ مْ يا محمدً؛ فَقُلْتُ لَهٗ يَا جبرئيل اَ تَقَدَّمُ عَلَيْكَ؟ فَقَالَ نَعَمْ لِاَنَّ اللّٰهَ فَضَّلَ اَنْبِيَآئَهٗ عَلٰى ملا ئكة اَجْمَعِيْنَ وَ فَضَّلَكَ خَاصَّةً فَتَقَدَّ مْتُ فَصَلَّيْتُ بِهِمْ......الخ (صفحہ 6)

حدیث کا ترجمہ: جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام اپنے آباواجداد کے واسطوں سے بیان فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر یقیناً اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا چنانچہ اُن کے بطن میں ہمیں ودیعت کیا اور ملائکہ کو حکم دیا کہ اُس کو سجدہ کریں ہماری تعظیم وتکریم کے لئے ۔اور اُن کا سجدہ ہماری تعظیم وتکریم کی وجہ سے اللہ کی عبادت تھا۔اور آدمؑ کے لئے وہ سجدہ اُن کی تعظیم اور اطاعت کے اعلان کے لئے تھا اس لئے کہ ہم اُن کے بطن میں موجود تھے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم ملائکہ سے افضل نہ ہوں جب کہ اُن سب نے آدمؑ کو اجتماعی طور پر سجدہ کیا تھا۔اور یہ بھی ایک دوسری حقیقت ہے کہ جب جبرائیل میرے ساتھ معراج کے لئے آسمان پر گیا تو اس نے ملائکہ کو حکم دیا کہ جوڑی جوڑی ہو جاؤ اور وہ جوڑی جوڑی میں کھڑے ہوگئے ۔ پھر جبرائیل نے مجھ سے کہا کہ اے محمدؐ نماز پڑھانے کے لئے آپ امام کی حیثیت سے آگے تشریف فرما ہوں۔ میں نے جبرائیل سے کہا کہ اے جبرائیل کیا میں تمہیں بھی نماز پڑھانے کے لئے تم پر سبقت کروں؟ اُس نے کہا کہ ہاں ہاں کیوں نہیں جب کہ اللہ نے تمام اپنے نبیوںؑ کو سارے (یعنی مجھ سمیت) فرشتوں پر فضیلت دی ہے۔اور آپکی فضیلت تو اُن تمام انبیاؑء سے بڑھ کر اور مخصوص ہے۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور اُن کے ساتھ نماز پڑھی۔'' (علل الشرائع صفحہ 6)

یہاں تک یہ بات واضح ہوگئی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور محمد، علی و فاطمہ و آئمہ اہلبیت صلوٰۃ اللہ علیہم کو خصوصًا سجدہ کرنا چاہئے اور ان کو سجدہ اللہ کو سجدہ اور اللہ کی عبادت ہے۔اور جو شخص مسلمان بھی کہلاتا ہو اور انبیاؑء و آئمہؑ کو سجدہ کرنا شرک و ناجائز سمجھتا ہو وہ یقیناً ابلیس کا پیرو اور اللہ اور اسلام کا ویسا ہی مخالف ہے جیسا کہ شیطان۔

(7) **نوع انسان کے ظہور میں آنے کے بعد بھی انبیاؑ کو سجدہ جائز رہا ہے:** اس مسئلہ میں دو ایسے عذر کئے جاتے ہیں جن کی کوئی الہامی دلیل وثبوت موجود نہیں ہے۔اوّل یہ کہ سابقہ شریعتیں تمام منسوخ ہوچکی ہیں۔دوم یہ کہ آدم کو سجدہ شریعتوں کے جاری ہونے اور آدمیوں کے وجود میں آنے سے پہلے کی بات ہے۔مگر وہ قرآن سے فریب کرتے ہیں۔قرآن میں تمام شریعتوں اور سابقہ کتب کی تصدیق کی گئی ہے (انعام 6/92) اور انہیں قائم رہنے والی شریعتیں اور کتابیں فرمایا گیا ہے (البینة 98/3) اور اسی دنیا میں حضرت یوسف ویعقوب علیہم السلام کو سجدہ کیا گیا ہے۔چنانچہ سنئے: وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ......الخ (یوسف 12/100)

'' اور یوسفؑ نے اپنے ماںؑ باپؑ کو تخت پر بلند کیا اور گر پڑے سب اُس کیلئے سجدہ میں۔''

یہ نوٹ کرلیں کہ اس آیت میں آخری سے پہلا لفظ '' لَهٗ '' یہ بتاتا ہے کہ سجدہ کسی ایک فرد کو کیا گیا تھا۔اگر دو افراد کو سجدہ ہوتا تو یہ لفظ لَهُمَا سُجَّدًا '' آتا اور اگر تین افراد کو سجدہ ہوتا تو لفظ لَهُمْ سُجَّدًا '' فرمایا جاتا۔اور افراد وہاں تین تھے۔1 حضرت یوسفؑ 2 اُن کے والدؑ اور

3 والدہؑ۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ سجدہ تو تینوں افراد کو کیا گیا تھا مگر سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے ہوا تھا چونکہ وہی اُس وقت کے انچارج نبیؑ تھے۔ جن کو سجدہ کرنا ہی چاہیئے تھا۔ اور اس آیت کی موجودگی سے دوبارہ ثابت ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام انبیاء کے ماں اور باپ بھی اُن کی وجہ سے قابل سجدہ ہوتے ہیں۔

21۔ قرآن کی طرح حضرت علیؑ بھی حضرت آدمؑ کی مدافعانہ تیاری کا تذکرہ کرتے ہیں۔

آگے چل کر حضرت علی علیہ السلام جناب آدم علیہ السلام کے لئے ایسے جملے بولتے ہیں جن سے سادہ دل لوگوں نے وہ خطا کارانہ تصور پختہ تر کر لیا جو قریشی سازش نے حضرت آدمؑ کے متعلق قرآن سے دیا تھا۔ حالانکہ اس خطبے کے الفاظ سے وہ تصور دُور کا تعلق بھی نہیں رکھتا۔ اور قرآن کی بیان کردہ حقیقت اگر سامنے رکھی جائے تو وہ تصور محض ایک فریب بن کر رہ جاتا ہے۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق کی غرض یہ تھی کہ انہیں دنیا میں اللہ کا نمائندہ، اللہ کی قدرت اور پسندیدہ صفات کا ظاہر کرنے والا، اللہ کی طرف سے اللہ کی جگہ حکمرانی کرنے والا بنایا جائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اُن کی تخلیق میں وہ تمام صفات وقدرت رکھی گئی تھیں جو اللہ کی ذات میں استقلال سے اور ذاتی طور پر موجود ہیں۔ تاکہ وہ اپنی حکومت کے دوران کوئی بات، کوئی ایسا حکم اور کوئی ایسا عمل اور خیال پیش نہ کرے جو اللہ کی تخلیق یا منشا یا اللہ کی ذات پر حرف لائے۔ اور یہ سب کچھ کرنے میں اُسے ایک زبان سکھانا پڑے گی اور اُسی زبان میں لوگوں سے بات کر کے اللہ کی منشا، رضامندی اور ناراضی و ناپسندیدگی اور اُس کے احکام بیان کرنا ہوں گے۔ لہٰذا وہ زبان پہلے خود حضرتِ آدمؑ کو سکھا کر زمین پر بھیجا جانا چاہیئے تاکہ وہاں پہنچتے ہی وحی کی زبان کو لفظ بلفظ صحیح صحیح سمجھیں اور قطعاً صحیح صحیح عمل کریں۔ یہ سب کچھ آسان ہوتا اگر ابلیس نے اطاعت اختیار کر لی ہوتی۔ لیکن ابلیس نے درمیان میں آکر یہ ضروری اور لازم کر دیا کہ آدمؑ ایسی بھولی بھالی اور معصوم اور اوّلین مخلوق کو وہ تمام چالاکیاں، فریب، اغوا کرنے کے طریقے اور مکر بھی سکھائے جائیں جو ابلیس نے اپنے اصولی اعلانات میں کر دیئے تھے۔ تاکہ آدم علیہ السلام اپنی تعلیم وتبلیغ کے دوران لوگوں کو وہ طریقے قبل از وقت سکھا سکیں جو امت کو ابلیس سے محفوظ رکھیں گے۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں، چند مقدس ترین اور بلند ترین مقام رکھنے والے ابرار (عالینؑ) کے ساتھ رکھا گیا تھا (خطبہ 1 جملہ 157) اور ابلیس کے ساتھ بھی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ آنے والی زندگی میں اُن ہی سے رابطہ رہنا اور سابقہ پڑنا تھا۔

(21۔الف) آدمؑ کو روح خداوندی اور انوار محمدیؐ ملنے کے بعد حضرت علیؑ کے جملے آدمؑ کی تعلیم پر گواہ ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت آدمؑ تو ہوش سنبھالتے ہی اپنی ذات اور ماحولی حالات پر واقفیت و تجربے سے دوچار کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ کو فوراً اپنے ذہن سے کام لینا پڑا تھا (خطبہ 1 جملہ 126) اور قوتِ فکر یہ سے اپنے گردوپیش کے حالات کو سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ یعنی جو کچھ ذہن میں ودیعت تھا اُسے تجربے سے تحقیق کرنے میں مصروف ہو گئے تھے (جملہ 127) اور اتنی مدت تجربہ اور تصدیق کے لئے ملی تھی کہ جسم کے تمام ضروری اجزاء واعضاء سے کام لے کر دیکھ سکیں (جملہ 128) اور مختلف قسم کے اوزاروں اور آلات کا تجربہ کر کے پہلے ہی سے انقلاب وارتقا کے اصول عملاً کر کے دیکھ لیں (جملہ 129) پھر اُن کو ایسے حالات میں رکھنا

بھی ثابت ہے کہ اُن کے سامنے حق اور باطل مختلف صورتوں اور مختلف مقدار میں آتا رہے اور وہ حضرتؑ حق کو باطل سے الگ کر کے اللہ سے سند پا سکیں (جملہ 130) اور ملائکہ کے سجدے سے پہلے پہلے اور جنت میں پہنچنے سے قبل ہی اُن تمام متعلقہ چیزوں کو کھا کر ہر مزے اور ذائقے کا محسوس علم حاصل ہونا چاہیئے۔ اور ہر قسم کی خوشبو اور بدبو کا فرق معلوم ہونا لازم تھا (خطبہ 1 جملے 131 تا 132) اور حضرت آدمؑ جب یہ سب کچھ سیکھ اور آزما چکیں گے اب وہ واقعی اس قابل ہو چکیں گے کہ ملائکہ اُن کے مقابلہ میں قطعاً مذکورہ بالا چیزوں (خطبہ 1 جملے 126 تا 132) سے جاہل ہوں گے۔ اسی تعلیم کو مختصر انداز میں یوں ظاہر فرمایا گیا تھا کہ:

(21۔ب) حضرت علیؑ کی بیان کردہ تعلیم کو قرآن لامحدود و بے پایاں صورت میں پیش کرتا ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے جب اللہ نے ملائکہ کو یہ اطلاع دی کہ میں زمین میں جانشین وخلیفہ مقرر کرنے والا ہوں تو ملائکہ کے اطمینان کے لئے اللہ نے چاہا کہ آدم علیہ السلام کو وہ محسوس ومشہود علم وتجربہ عطا کردے جو ملائکہ کے دائرہ علم وحساب میں نہ سما سکے چنانچہ اللہ نے آدمؑ کو ہر اُس چیز کا علم عطا کر دیا جس کا کوئی بھی نام تھا۔ لہٰذا فرمایا کہ:

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بقرہ 2/31) ''اللہ نے آدمؑ کو ہر ہر چیز کے ناموں کی تعلیم دے دی۔''

یہاں قارئین سوچیں کہ کائنات کی ہر چیز کے نام کتنے ہوں گے؟ اور اگر تعلیم اس طرح اور اس غرض کے لئے دی جائے کہ آدمؑ ہر چیز کو اس طرح سمجھ لے کہ پھر کسی سے کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے اور جب کائنات کی کسی بھی چیز کا ذکر کرے یا کسی کو تعلیم دے تو اُس چیز اور ہر چیز کی ماہیت، خواص، طریقِ حصول اور استعمال سکھانے میں کوئی غلطی نہ کرے۔ ایسی عملی تعلیم دینے اور لینے میں کتنی مدت لگنا چاہیئے؟ یہ بھی نوٹ کرلیں کہ یہ تعلیم بھی وہ ذواتؑ مقدسہ ہی دیں گے جو حضرت آدمؑ کو نظر آسکیں۔ استاد و معلم کی طرح سامنے رہ کر مثال اور نمونہ (Example) دے سکیں اور وہ زبان بول سکیں جو آدمؑ نے آئندہ بولنا ہوگی۔ اور یہی وہ حضراتؑ ہیں جن کو جنت میں بھی حضرت آدمؑ کی رفاقت میں رکھا گیا ہے (خطبہ 1 جملہ 157) اور جنہیں لفظ ابرار سے یاد کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ازسرتا پا مجسمۂ رحم وکرم، مجسمۂ حق وعدل، مجسمۂ پارسائی وعصمت، اور مجسمۂ افادیت تھے (ابرار کے معنی) اور جنہوں نے اس سے پہلے ملائکہ کو عبادت سکھائی تھی (حدیث) جو تمام عالمین کے ہادی ونذیر تھے۔ (فرقان 25/1)، (طٰہٰ 20/50)

حضرت آدمؑ کے علم پر مودودی کا تبصرہ: حضرت آدمؑ کو سچ مچ باقاعدہ تعلیم دی گئی تھی مودودی سے بھی سن لیں:

(1) ''انسان کے علم کی صورت دراصل یہی ہے کہ وہ ناموں کے ذریعے سے اشیاء کے علم کو اپنے ذہن کی گرفت میں لاتا ہے۔ لہٰذا انسان کی تمام معلومات دراصل اسمائے اشیاء پر مشتمل ہیں۔ آدمؑ کو سارے نام سکھانا گویا اُن کو تمام اشیاء کا علم دینا تھا۔''

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 63) اور یہ بھی کہا کہ:

(2) ''مجموعی حیثیت سے جو جامعیت انسان کے علم کو بخشی گئی ہے، وہ فرشتوں کو میسر نہیں۔'' (ایضاً صفحہ 64)

قارئین یہاں رُک کر یہ سوچیں کہ ایک پرائمری کے ٹیچر کو یا پہلی جماعت کے مدرس کو اس بے پناہ اور ہمہ گیر علم کی ضرورت ہے تو ایم اے

والوں کو پڑھانے والے کا علم کتنا ہوگا؟ جواب بار بار ہو چکا کہ اُسے اُتنا ہی علم ہونا چاہیئے جتنے علم سے کائنات کی ہر مخلوق کو تعلیم و ہدایت کر سکے۔ تمام ملائکہ، تمام جنات، تمام ارواح اور تمام انبیاءؑ کو تعلیم دے سکے۔ یہ تھی وہ تعلیم جس کا تذکرہ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے کیا ہے (خطبہ 1 جملے 126 تا132) اور جس کے لئے ہزاروں سال درکار تھے۔

(21۔ج) جنت کی تعلیم شروع ہونے سے پہلے پہلے بلکہ سجدہ کرانے سے بھی پہلے ملائکہ اور آدمؑ کا مقام، امتحان سے متعین کیا گیا:

حضرت علیؑ مشہور واقعہ ہونے کی وجہ سے حضرت آدمؑ کے اُس امتحان کا ذکر نہیں کرتے جس میں حضرت آدمؑ نے اپنے قلب و ذہن اور فکر حقیقی کا کمال دکھایا تھا (خطبہ 1 جملے 126-127)۔ ہوا یہ کہ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان سن کر اپنی خدمات پیش کی تھیں اور چونکہ تخلیقِ آدمؑ کا نسخہ اور سامان دیکھا تھا، پھر اُن کی حرکات و سکنات اور زیر تعلیم و تربیت رہنے کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔ اور دیکھا تھا کہ حضرت آدمؑ میں مختلف و متضاد چیزیں بھی رکھی گئی ہیں (خطبہ 1 جملے 133 تا139) لہٰذا ممکن تھا کہ آدمؑ سے خلافت و حکومت کے دوران متضاد و متبائین افعال سرزد ہوں اور نتیجہ میں قتل و غارت اور فتنہ و فساد پیدا ہو جائے۔ اور اللہ کی حمد و ثنا و تقدیس میں خلل پیدا ہو جائے (بقرہ 2/30) اللہ نے اُن سے تو یہ کہا کہ: ''میں ان حقائق کا زیادہ عالم ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔'' (2/30)

اُدھر جن حضراتؑ نے انہیں تعلیم دی تھی عبادت سکھائی تھی اور آدمؑ کو برابر تعلیم دے رہے تھے۔ جن کے ہاتھوں سے آدمؑ کی تخلیق و صورت گری کرائی تھی اور جن کے نام عرش و کرسی پر لکھے ہوئے روزانہ دیکھتے تھے۔ اُنہیں ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ تم ان کے کام بھی دیکھتے رہے اور اُن کے نام بھی روزانہ پڑھتے رہے اُن پر درود بھی میرے ساتھ بھیجتے رہے (احزاب 33/56) اب ذرا اتنی سی بات کر دکھاؤ کہ وہ نام جو تم جانتے اور دہراتے رہے ہو اِن پر الگ الگ مطابق کر کے بتاؤ کہ اُن ناموں میں سے کون سا نام کس کا ہے؟

(1) مودودی کا غلط ترجمہ مگر ایک صحیح بات:

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o (بقرہ 2/31) پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: ''اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا اِن چیزوں کے نام بتاؤ۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 63)

(2) فرشتوں کے جواب کا ترجمہ صحیح کیا ہے

''اُنہوں نے عرض کیا نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اُتنا ہی علم رکھتے ہیں، جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 64-63)

(3) آدمؑ کو مقابلے میں پیش کیا اور آدمؑ کی برتری پر پھر غلط ترجمہ کر کے حق کو چھپایا اور فریب دیا:

ملائکہ کی نااہلی کے بعد حضرت آدمؑ کو بلایا اور فرمایا: **قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** o (بقرہ 2/33)

’’پھر اللہ نے آدمؑ سے کہا: ’’تم انہیں اِن چیزوں کے نام بتاؤ‘‘ جب اُس نے اُن کو اُن سب کے نام بتادیئے، تو اللہ نے فرمایا: ’’میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو، اُسے بھی میں جانتا ہوں۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 64)

(21۔د) مقام محمدؐ وآلِ محمدؐ کو چھپانے کے لئے بڑی تھرڈ کلاس قسم کی کوششیں جاری رہیں۔

علامہ کی صحیح بات تو یہ ہے کہ اُنہوں نے یہ مان لیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنائے جانے پر ملائکہ کو اعتراض تھا۔ حالانکہ اُن کے ماننے اور نہ ماننے سے حقیقت واقعی پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اللہ نے اُن کے اعتراض اور اُن کی پوری گفتگو قرآن میں بیان کردی اور اُن پر یہ اعتراض کیا کہ اُن کا ظاہر اور باطن الگ الگ ہے۔ اور اس صورتِ حال پر ہم ذرا دیر بعد روشنی ڈالیں گے یہاں تو یہ دیکھئے کہ ان آیات (2/31، 2/33) میں پانچ مرتبہ لفظ ’’ھُم‘‘ آیا ہے 1 عَرَضَھُم 2 اَنبِئُھُم 3 بِاَسمَآئِھِم 4 اَنبَاَھُم 5 بِاَسمَآئِھِم ۔عربی زبان بولنے والا چار سال کی عمر کا بچہ بھی لفظ ’’ھُم‘‘ کا مطلب بے جان چیزیں نہ سمجھے گا اور نہ کبھی چیزوں کے لئے لفظ ھُم بولے گا۔ مگر علامہ مودودی دشمن انبیاؑء ورسلؑ ہونے کی بنا پر ہرگز نہیں چاہتے کہ محمدؐ اور اُن کے نوریؑ کنبے کا وجود اُن کی مادی پیدائش سے پہلے ثابت ہو جائے۔ اس لئے اُنہوں نے یہ کمال کیا ہے کہ ’’ضمیر جمع مذکر غائب‘‘ میں اُنہوں نے صاحبانِ عقل وہوش افراد کو چیزیں بنادیا۔ لیکن اُن سے یہ غلطی ہوگئی کہ اِن پانچ جگہ آنے والے لفظِ ھُم میں سے دوجگہ ملائکہ کو مراد لیا ہے:

اوّل= قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنبِئُھُم .... (2/33) فرمایا کہ اے آدمؑ ملائکہ کو بتاؤ.......

دوم= فَلَمَّآ اَنبَاَھُم .... (2/33) چنانچہ جب آدمؑ نے ملائکہ کو بتایا.......

اگر لفظ ھُم کے معنی واقعی چیزوں کی طرف اشارہ ہیں تو معنی میں دونوں جگہ چیزیں لکھنا اور ہونا ضروری تھا۔ یعنی:

قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنبِئُھُم بِاَسمَآئِھِم (2/33) ’’فرمایا کہ اے آدمؑ اِن چیزیں کو اُن چیزوں کے نام بتادو۔‘‘

لہٰذا خود علامہ کے قلم سے ثابت ہوا کہ لفظِ ھُم بے جان چیزوں کے لئے نہ بولا جاتا ہے نہ بولا گیا ہے۔ بلکہ جس طرح ملائکہ جان دار و صاحبانِ ہوش وخرد مخلوق ہیں اسی طرح جن کے نام دریافت کئے گئے اور جن کے نام بتائے گئے وہ حضرؑات بھی کم ازکم جاندار اور صاحبانِ عقل وہوش افراد ہیں۔ اور وہ نہ ملائکہ میں سے ہیں، نہ جنات ہیں، نہ ارواح میں سے ہیں، اور انسان تو ابھی موجود ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ افراد وہی مقدس ہستیاںؑ ہیں جو جنت میں آدمؑ کے رفقائے کار بتائے گئے ہیں (خطبہ 1 جملہ 157) اور جنہیں شیطان کو دکھا کر عالی شان (عالین) حضرؑات فرمایا تھا۔ (صٓ 38/75) اور جنہوں نے ملائکہ کو عبادت سکھائی تھی (حدیث) اور آدمؑ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ (صٓ 38/75 اور حدیث)

اگر وہ مذکورہ حضرؑات کے بجائے چیزیں ہوتیں تو ملائکہ سے اُن کے نام پوچھنا غلط اور ظلم ہوتا اس لئے کہ اُن کو واقعی اُن چیزوں کے نام نہ بتائے گئے (بقرہ 2/32) اور آدمؑ کو اُن کے ہی نہیں بلکہ کائنات کی تمام چیزوں کے نام سکھائے جاچکے تھے۔ اور آدمؑ کا اُن

مذکورہ چیزوں کے نام بتا سکنا فخر کی نہیں (2/33) بلکہ افسوس کی بات ہے۔ لہٰذا اُن حضراتؑ کے نام ملائکہ اور آدمؑ دونوں کو طرح طرح سے معلوم ہوتے رہے تھے۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ اُن میں سے محمدؐ کون ہے اور علیؑ کون ہے۔ آدمؑ کی ذہنی وقلبی وفکری قوت کا مظاہرہ (خطبہ 1 جملے 127-126) یہی تھا کہ اُنہوں نے اُن کی صورتوں، افعال اور صفات وخصوصیات سے سب کو الگ الگ متشخص کر دیا۔ اور یہ تشخص لا تعداد ناموں اور افراد کے انبوہ میں سے چند ناموں کو چند افراد پر صحیح صحیح مطابق کر دینا ہی تو اُس تعلیم کا اور حضرت آدمؑ کی اُس فراست کا منتہائے کمال تھا جسے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے چند جملوں میں واضح کر دیا ہے۔ (خطبہ 1 جملے 127 تا 134)

(21۔ہ) __زیرِ تعلیم شخص پر وہ ذمہ داریاں عائد نہیں جو تعلیم مکمل کر چکنے والے پر یا معلم پر عائد ہوتی ہیں۔__

قرآن کے بیانات اور واقعات سے، خطبۂ مرتضوی سے اور آدمؑ کے فرائضِ منصبی اور ضرورتِ دینی سے یہ ثابت ہو چکا کہ حضرت آدمؑ اپنی تخلیق سے لے کر جنت کے پورے قیام تک زیرِ تعلیم تھے۔ تعلیم کے اس طویل ترین زمانے میں اُنہوں نے وہ تمام شرائط پوری کر دیں جن کا ایک نبیؑ، ایک رسولؑ اور ایک مظہرِ خداوندی، ایک خلیفۂ خداوندی کا پورا کرنا ضروری تھا۔ اُن کو زمین پر بھیج دیا جانا اس کا عملی ثبوت ہے کہ وہ جہاں اپنے متعلقہ فرائض انجام دینے کے لئے اللہ کے پسندیدہ، مجتبیٰ معیار پر فائز ہیں وہیں وہ ابلیس کے مقابلے میں اپنی اُمت کے حقیقی افراد کو راہ راست پر قائم رکھنے میں کامل ہیں۔ اگر ایسا نہ مانا جائے تو یہ ماننا ہوگا کہ (معاذ اللہ) اللہ نے اُن کو پوری طرح تیار کئے بغیر ابلیس کے ہاتھوں گمراہ ہونے کے لئے بھیجا تھا۔ اور ایسا سمجھنے والوں کو اللہ ملامت کرتا ہے۔ اور اُن کو منکر و کافر و جہنمی قرار دیتا ہے۔ اس عملی دلیل کے بعد دشمنانِ انبیاؑ کے وہ تمام اعتراضات والزامات باطل ہو جاتے ہیں جو قرآن میں مذکور الفاظ کی حقیقت کو ادوارِ تعلیم سے الگ کر کے عائد کرتے ہیں۔

(21۔ و) __حضرتِ آدمؑ پر عائد کئے جانے والے الزامات پلٹ کر تہمت سازوں پر عائد ہو جاتے ہیں۔__

یہاں ایک دفعہ پھر اُن تمام الزامات کو سامنے رکھ لیں اور ہمارے سامنے اُن کو ثابت کریں۔ اور ہمارے سوالات وجرح کا جواب دیں:

(1) __آدمؑ وحواؑ کو شیطان نے اُس درخت کی ترغیب دی__ : یہ عنوان مودودی کے ترجمے سے قائم کیا گیا ہے۔ آیت کے الفاظ یوں ہیں:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ......الخ (بقرہ 2/36)

__مودودی ترجمہ:__ ''آخرکار شیطان نے اُن دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر (ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا) اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 66-67)

(2) __آدمؑ اور معترضین کی پوزیشن ہماری نظر میں__:

یہ پورا ترجمہ غلط ہے۔ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جسکے معنی ترغیب دینا ہوں۔ جس عبارت کو ہم نے زبردستی بریکٹ میں بند کر دیا ہے یہ اس آیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ علامہ نے اپنی طرف سے اس آیت میں اضافہ کیا ہے۔

پھر لفظ اَخرَجَهُمَا کا ترجمہ نکلوانا نہیں بلکہ نکالنا ہے۔ دیکھو لفظ اَخرَجَ کا مودودی ترجمہ (آیت 2/22 صفحہ 57) پندرہ آیات پہلے)

اوراسی آیت کا مندرجہ ذیل ترجمہ دیکھ کر علامہ کوفریب ساز قرار دیں :

علامہ رفیع الدین کا ترجمہ دیکھیں:

''پس ڈگایا اُن کو شیطان نے اُس سے پس نکال دیا اُن دونوں کو اُس چیز سے کہ تھے بیچ اُس کے۔'' (البقرہ آیت 2/36 ترجمہ صفحہ 9)

یہ نوٹ کر لینے کے بعد کہ حضرت آدمؑ کو خطا کار کہنے والے ترجمہ غلط کرتے ہیں، قرآن میں اپنا من مانا اضافہ کر کے عیب جوئی کرتے ہیں، یہ سوچیں کہ قرآن میں وہ کون سی آیت ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ نے :

1 آدم کو ''ڈگمگانے'' یعنی متزلزل ہونے کے معنی بتائے اور سمجھا دیئے تھے؟

2 اور یہ کہ شیطان کے متزلزل کرنے کے طریقے پر مطلع کر دیا تھا؟

چونکہ یہ دونوں باتیں قرآن میں کہیں نہیں ہیں تو یا تو یہ مانئے کہ اللہ نے آدم کو لاعلم اور سادہ دل رکھ کر شیطان جیسے خرانٹ کے حوالے کر دیا تھا تاکہ وہ جو چاہے اُن حضرت کے ساتھ کرتا رہے۔ یا یہ مانیے کہ حضرت آدم نے لفظ متزلزل کے معنی و مفہوم کو متعین کر دیا تھا۔ یعنی خود ڈگمگائے نہیں بلکہ وہ صورت حال واضح کر دی جس میں انسان متزلزل ہو سکتا ہے۔

(3) ہمارے ان سوالات کو اپنے ہر اعتراض اور تہمت پر وارد کریں اور جواب قرآن سے دیں: ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا اللہ نے آدمؑ کو لفظ وسوسہ، وسواس، اور سَوَات وغیرہ کے معنی بتائے تھے؟ اگر ہاں؟ تو آیت دکھاؤ؟ اگر نہیں؟ اور یقیناً نہیں تو قصوروار کون ہے؟ اور یہ کمال ہے حضرت آدمؑ کا کہ انہوں نے اپنی بصیرت سے اِن الفاظ کا تعین کر کے دکھایا تھا۔ (دیکھو آیات اعراف 20 تا 7/19)

(4) آدمؑ کو کسی چیز کے کھانے کی ممانعت قرآن میں نہیں ہے۔

اب ہم وسوسے کے ساتھ ساتھ اس اعتراض پر جرح کرتے ہیں جس میں حضرت آدمؑ نے اس درخت کا پھل شیطان سے منگا کر کھایا تھا (20/121) اور دشمنانِ آدمؑ اس فعل کو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کہتے ہیں۔ ہماری گزارش ہے کہ قرآن سے تصدیق فرما لیں کہ اللہ نے جنت میں داخلے کے وقت ہر شے اور ہر جگہ اور ہر جگہ سے کھانے کی اجازت یہ کہہ کر دی تھی کہ:

مودودی کے قلم سے: ''پھر ہم نے آدم سے کہا کہ ''تم اور تمہاری بیوی، دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ، مگر اُس درخت کا رُخ نہ کرنا، ورنہ ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے۔'' (بقرہ 2/35) (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 65-66)

یہاں جنت کی ہر چیز کھانے کی اجازت ہے۔ اُس درخت کے پاس جانے کی ممانعت ہے (لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ 2/35)۔ حضرت آدم علیہ السلام قرآن کی رُو سے ہرگز اس درخت کے پاس نہیں گئے۔ اور کمال یہ کیا کہ اُس کے پھل کو کھا کر اللہ کی اجازت کی وسعت کو محدود نہیں ہونے دیا ورنہ لفظ حَيْثُ شِئْتُمَا سے محروم رہ جاتے۔ لہٰذا آنجنابؑ نے ابلیس کے دو دعووں کو وہیں جھوٹا ثابت کیا یعنی یہ کہ:

اوّل: اس درخت کے پھل کھانے سے آدمی موت سے نجات پا کر زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ (طٰہٰ 20/120) اور،

دوم: اُسے کھانے والا فرشتہ بن جاتا ہے۔ (اعراف 7/20)

اُدھر یہ دکھایا کہ پھل کھانے والے کو ہر درخت کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پھلوں کو ہزاروں میل سے حاضر کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ وہ آخری فراست تھی جس نے اُس جذبے کو بھی کھول کر رکھ دیا جسے اللہ نے چھپانا چاہا تھا۔ اور جس سے توالد وتناسل ہونا تھا۔

لِیُبۡدِیَ لَھُمَا مَا وٗرِیَ عَنۡھُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِھِمَا (اعراف 7/20)

علامہ سے سُنئے: ''تا کہ اُن کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں اُن کے سامنے کھول دے۔'' (تفہیم القرآن جلد۲ صفحہ 14)

یہاں حضرت علی علیہ السلام کا وہ جملہ مکمل ہو گیا جس میں حضرت آدمؑ اپنے اعضاء سے واقفیت اور اُن کے مقاصد کو سمجھنے میں مصروف تھے۔ (خطبہ 1 جملے 126 تا 129) پھر بلا کسی سابقہ تعلیم کے ستر پوشی اور فوری ترکیب پر عمل کر کے کمال بالائے کمال کر دکھایا۔ (طٰہٰ 20/121) یعنی جنت کے پتوں کو استعمال کر کے کپڑے کا کام لے لیا۔ یہ تھا وہ عجیب وغریب انکشاف جس پر یہ فرمایا گیا کہ:

وَ عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰیo ثُمَّ اجۡتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیۡہِ وَ ھَدٰیo (طٰہٰ 20/121-122)

یہاں پہلے پانچ الفاظ کے ایسے معنی کرنا لازم ہیں جن کے بدلے میں حضرت آدمؑ کو مجتبیٰ بنا دیا جا سکے اور اُن کی مستقل ہدایت کاری کا ذمہ لیا جائے۔ لہٰذا یا تو یہ معنی کیجئے کہ:

(1) ''آدمؑ نے اپنے پروردگار کے حضور نافرمانی اور اغوای کے معنی متعین کر دیئے اور اللہ نے انہیں مجتبیٰ بنا دیا......'' یا یہ کہ:

(2) ''آدمؑ نے خون ریزی (Blood shed) اور فساد کے تمام راستے بند کر دیئے اور ابلیس (To baffle all means) کو اغوا کر دیا اس پر اللہ نے اُسے مجتبیٰ بنا دیا......'' یا یہ کہ:

(3) ''آدمؑ نے جنت کے قیام کو اپنے رب کے سامنے اُلجھا کر پیچیدہ (Intricate) کر دیا اور نئی راہ نکال لی اس پر اللہ نے اُسے مجتبیٰ بنا دیا......''

چونکہ کوئی نافرمانی اور خلاف ورزی قرآن میں مذکور نہیں ہے اس لئے حضرت آدمؑ پر کوئی ناپسندیدہ الزام عائد نہیں ہوتا۔ اور ناپسندیدہ اعمال پر پسندیدہ یا مجتبیٰ بنانا مہمل بات ہے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ روزِ اوّل سے مصطفٰی بنایا ہوا آدمؑ ہرگز نافرمان یا ناپسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ سنئے اور اپنی بدخیالی سے توبہ کیجئے:

(5) روزِ اوّل سے ویسے ہی مصطفٰی ہیں جیسے آلِ ابراہیمؑ، نوحؑ اور آلِ عمرانؑ مصطفٰی تھے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰھِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَo (آل عمران 3/33)

''یقیناً اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ عمرانؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو پوری کائنات پر مصطفٰی بنایا تھا۔''

پھر نوٹ کر لیں کہ ہمارے مذکورہ سوالات کا جواب یہاں بھی معترضین کے ذمہ ہے۔ انہیں ثابت کرنا پڑے گا اور قرآن سے دکھانا ہو گا کہ حضرت آدمؑ کو عصیان، اغوا، اور متعلقہ الفاظ کے معنی کی تعلیم دی گئی تھی اور محفوظ رہنے کا طریقہ بتایا گیا تھا، پھر بھی آدمؑ نے نافرمانی کی اور اغوا ہو گئے۔ اور چونکہ یہ ان کے لئے ناممکن ہے۔ لہٰذا انبیاءؑ کو خاطی کہنا چاہیں تو کہتے رہیں مگر قرآن کو آڑ نہ بنائیں۔

22۔ ملائکہ کوانتہائی ناپسندیدہ رویہ اختیار کرنے کے باوجود اُن کے خلاف لب کشائی نہ کی

قرآن میں یہاں سے وہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کی کوئی نافرمانی، کوئی ناپسندیدہ بات یا کام نہ ہوتے ہوئے بھی ابلیس کی پیروی میں انہیں خطا کار و گنہگار اور ترکِ اولیٰ کا مجرم قرار دے کر ساری دنیا میں گیہوں کا فرضی قصہ مشہور کر دیا گیا۔ لیکن ملائکہ کے متعلق یہ تمام حضرات منہ بند کئے رہے۔ حالانکہ اللہ نے قرآن میں اُنکا وہ قصہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے جس میں اُنہوں نے اللہ اور آدمؑ پر اعتراض کیا اور آدم علیہ السلام پر فساد پھیلانے اور خون ریزی کرنے کا قیاس کیا۔ یعنی آپ سارا قرآن پڑھ لیں کہیں بھی شیطان کی طرف سے اللہ اور آدمؑ کے خلاف ایسے سنگین الزامات نہ ملیں گے۔ اُس نے آدم علیہ السلام کے متعلق صرف اس قدر کہا ہے کہ ''مٹی سے پیدا کئے جانے کی بنا پر وہ مجھ سے گھٹیا مخلوق ہے۔'' یہ نہیں کہا کہ ''اسکی وجہ سے یا اُسکی طرف سے دنیا میں فتنہ وفساد پھیلے گا اور خون ریزی ہوگی۔''

(22۔الف) ملائکہ نے اللہ کے حکم کو بے چون وچرا تسلیم نہیں کیا تھا۔

ملائکہ کے متعلق قرآن یہ کہتا ہے کہ: لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَo (تحریم 66/6)

مودودی ترجمہ: ''جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 29)

ملائکہ کی اس صفت کو سامنے رکھ کر اُن کا عمل درآمد ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ اُن کے لئے آدمؑ کے مخالفوں کو کیا کہنا چاہئے تھا؟

(1) اللہ کا فیصلہ سنتے ہی فوراً ملائکہ نے اللہ کو ناعاقبت اندیشی پر متوجہ کیا تھا۔

قارئین معاملے پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ یاد رکھیں کہ ملائکہ حضرت آدمؑ کی طرح نہ تو نوزائیدہ ہیں اور نہ ہی پیدا ہو کر ابھی ابھی ہوش سنبھال رہے ہیں۔ بلکہ وہ لاکھوں سال سے اللہ کی عظمتوں کو دیکھتے چلے آرہے ہیں اپنے بعد والی لاکھوں مخلوقات کو پیدا ہوتے دیکھ چکے ہیں۔ اور اُن مخلوقات کے اور اللہ کے مابین نوریؐ رابطہ دیکھتے رہے تھے۔ اللہ کی حمد وثنا اور تکبیر وتہلیل کرتے ہوئے زمانے گزر چکے ہیں۔ اللہ کے احکام کی شان اور بے چوں وچرا تعمیل ہوتے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ نے انہیں مخاطب کیا اور فرمایا:

وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً قَالُوۡٓا اَتَجۡعَلُ فِیۡھَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡھَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ؟ (بقرہ 2/30)

''اور اے رسولؐ جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں یقیناً زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو (بات کاٹ کر) اُنہوں نے کہا کہ کیا تو زمین میں اُسے خلیفہ بنائے گا جو وہاں فساد پھیلا دے اور خونریزیاں کرتا رہے؟ باوجودیکہ ہم تیری حمد وثنا کو عالمگیر کر رہے ہیں اور تیری تقدیس وبزرگی کا پرچار کرتے ہیں؟''

(2) ملائکہ کی مندرجہ بالا صفت (66/6) کی وجہ سے اُن پر چند اعتراضات واقع ہوتے ہیں۔

قارئین دیکھ لیں کہ ملائکہ نے اللہ کی پوری بات سنے بغیر اس کی بات کاٹ کر اعتراض کیا ہے۔ اور بات اس لئے کاٹی ہے کہ اُنہیں اللہ کی بات یا فیصلے میں ناعاقبت اندیشی نظر آگئی۔ لہٰذا مزید ناعاقبت اندیشانہ بات کرنے سے روکنا مناسب سمجھا۔ اور اللہ جو کچھ کہہ

چکا تھا اُس کو نہ صرف اپنی تسبیح وتقدیس کی موجودگی میں فضول وعبث قرار دیا بلکہ اللہ جسے خلیفہ بنانا چاہتا تھا اُس کی خلافت کو باعثِ فساد وخونریزی قرار دے دیا۔ یعنی انہوں نے یہ بیان دے کر یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کا ہر قول اور ہر فیصلہ لازم نہیں کہ صحیح اور مفید ہو۔ اور ساتھ ہی اپنے قول، فیصلے اور بصیرت کو اللہ سے بہتر اور مفید مان لیا۔ ورنہ ہرگز نہ بولتے پوری بات سنتے اور اُسے سو فیصد حق وصحیح سمجھ کر آمَنّا وَصَدَّقْنَا کہتے اور اس سلسلے میں جو حکم ملتا اس کی بھی بے چوں وچرا تعمیل میں اپنی سعادتمندی خیال کرتے۔

(3) علامہ ایسے جانبدار کی تشریح سن کر بات سمجھیں اور آگے بڑھیں۔

بہرحال علامہ جو نبوت، نبیوںؑ اور آدمؑ کے اتنے ہی مخالف ہیں جتنے ملائکہ اور ابلیس کے طرفدار ہیں فرماتے ہیں کہ:

''وہ خلیفہ کے لفظ سے یہ تو سمجھ گئے تھے کہ اُس زیرِ تجویز مخلوق کو زمین میں کچھ اختیارات سپرد کئے جانے والے ہیں، مگر یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ سلطنتِ کائنات کے اس نظام میں کسی با اختیار مخلوق کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے اور اگر کسی کی طرف کچھ ذرا سے بھی اختیارات منتقل کر دیئے جائیں، تو سلطنت کے جس حصے میں بھی ایسا کیا جائے گا، وہاں کا انتظام خرابی سے کیسے بچ جائے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 63)

علامہ نے جو کچھ بھی لکھا اور جس انداز وترکیب سے بھی لکھا مگر یہ تو بہرحال مان لیا کہ 1 ملائکہ نے اپنی ناسمجھی اور محدود علمیت کو جانتے ہوئے بھی چپ رہنا اور خاموشی سے مزید ہدایات ملنے کا انتظار کرنا پسند نہ کیا اور اپنی محدود سمجھ سے اعتراضات کرنے کی راہ اختیار کی۔ اور 2 اعتراض ایسے کئے جن سے یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ نے فساد اور خونریزی پر توجہ نہیں دی ہے اور ایک غلط شخص کو خلیفہ بنانا طے کر لیا ہے۔ اور 3 یہ امید کی کہ اُن کے اعتراضات اور مشورے کے بعد وہ اس شخص کو خلیفہ نہ بنائے گا۔ اور یا ہماری تسبیح وتقدیس کو کافی سمجھ کر خلافت کے ارادے ہی کو ترک کر دے گا اور یا ہمیں خلیفہ بنائے گا تاکہ فساد وخونریزی کا امکان ہی نہ رہے۔ اور 4 بقول علامہ ملائکہ کے نزدیک اللہ کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ خلافت یا سلطنت کے ذرا سے اختیارات بھی اگر کسی با اختیار مخلوق کی طرف منتقل کر دیئے جائیں تو انتظام میں خرابی لازماً پیدا ہو کر رہے گی۔ اور اللہ اس خرابی کو روکنے یا اُس کا تدارک کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

(4) ان بدترین اعتراضات کے علاوہ اللہ نے ملائکہ پر ایک اور سنگین جرم عائد کیا ہے: پھر یہ سوچیں کہ جب ملائکہ اپنے تصورات و اعتراضات اور یقینیات کا اظہار کر چکے تو اللہ نے اُن سے یہ کہا کہ: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o (بقرہ 2/30)

مودودی ترجمہ: فرمایا: ''میں جانتا ہوں، جو کچھ تم نہیں جانتے۔''

(5) اور آگے چل کر انہیں بدباطنی کا مجرم بھی کہا: سوال یہ ہے کہ کیا ملائکہ کو ہزاروں سال کے اندر معلوم نہ ہوا تھا کہ اللہ ملائکہ سے زیادہ اپنے اور ملائکہ کے حال کو جانتا ہے۔ اگر معلوم نہ تھا؟ تو یہ ایک بہت گھٹیا بات ہے اور اگر معلوم تھا تو مذکورہ بالا تمام ہی الزامات اُن پر مستحکم ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ملائکہ نے جو اعتراضات کئے وہ اتنے سنگین نہیں جتنے مذموم تصورات انہوں نے اللہ سے پوشیدہ رکھنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ مذموم اس لئے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ اُن کے باطنی حالات کو نہیں جان سکتا۔ اللہ کا معنی خیز جملہ

یہ ہے کہ: اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ o (بقرہ 2/33)

''کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہہ رکھا ہے؟ کہ میں تو یقیناً آسمانوں اور زمینوں تک کی ہر پوشیدہ چیز کو سب سے زیادہ جانتا ہوں اور یہ بھی بتا رکھا ہے کہ میں تمہارے اُن اقوال وخیالات وتصوارت کو بھی جانتا ہوں جو تم سنوار سُدھار کر مجھ پر ظاہر کرتے ہو اور اُن خیالات وتصورات اور باتوں کو بھی جانتا ہوں جو تم مجھ سے پوشیدہ رکھتے ہو۔''

(6) **یعنی تمام سابقہ اعتراضات میں بد باطنی مسلسل موجود تھی:** اللہ کے اس اعلان سے یہ ثابت ہو گیا کہ:

1 ملائکہ کو یہ بتایا جا چکا تھا کہ وہ اللہ کے مقابلے میں بہت کم علم ہیں اور انہیں کسی چیز کی حقیقت و ماہیت اور مقصد اُتنا معلوم ہی نہیں ہو سکتا جتنا اللہ کو معلوم ہے اور یہ کہ:

2 اللہ جو کچھ کرتا ہے یا کہتا ہے یا آئندہ کہے گا یا کرے گا وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا اُس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہو سکتی یہ سب کچھ جانتے ہوئے انہوں نے:

i اللہ کے خلیفہ بنانے کو ایک غلط اور نہایت خطرناک کام سمجھا۔

ii اُنہوں نے خلافت کے معاملے میں ظاہر تو یہ کیا کہ انہیں اس کائنات میں فساد اور خون ریزی پسند نہیں اس لئے خلیفہ بنانے پر اعتراض کیا ہے۔ یعنی یہ اعتراض از راہِ خلوص کیا گیا تھا۔ مگر

iii اپنے باطن کے خیالات کو اللہ سے پوشیدہ رکھنا چاہا۔ باطنی تصور غالباً خود خلیفہ بننے کا ہوگا۔ اور

iv اُس خلیفہ کی حقیقی پوزیشن کو جانے بغیر اُسے فسادی اور خون ریز قرار دیا اور غیبت کے مجرم بنے۔ علاوہ ازیں:

(7) **جن لوگوں نے ظاہر کچھ اور کیا اور اپنے قلبی تصورات کچھ اور رکھے وہ سب ماخوذ ہوں گے۔**

اللہ نے اُن تمام افراد پر محاسبہ اور مواخذہ کرنے کا اعلان کیا ہے جو ظاہر کچھ اور کرتے ہوں اور باطن میں کچھ اور چھپا کر رکھتے ہوں۔ سنئے:

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ اِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ۔ (بقرہ 2/284)

مودودی ترجمہ دیکھیں: ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے۔ تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ بہر حال اُن کا حساب تم سے لے لے گا۔ پھر اسے اختیار ہے، جسے چاہے، معاف کر دے اور جسے چاہے، سزا (عذاب) دے۔''
(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 222-223)

(8) **آخری سوال اور آخری فیصلہ۔**

اَب ہم اُن لوگوں سے سوال کرتے ہیں جو محض رعب وداب وظاہری عقیدتمندی سے دینی معاملات میں ''جی حضوری'' اور ''بجا و درست'' نہیں کرتے بلکہ تحقیق وتنقید کے بعد جو حق ثابت ہوا اُسے مانتے اور اختیار کرتے ہیں اور جہلا یا علما کی ملامت اور طعنہ زنی اور قومی مخالفت کی

پرواہ نہیں کرتے۔ وہ ہمیں بتائیں کہ قرآن کریم کی اس پیش کردہ صورتِ حال اور اللہ و ملائکہ کے اپنے بیانات کے باوجود تمام مسلمانوں نے ملائکہ کو معصوم کیوں اور کس دلیل سے قرار دیا؟ اور باوجود اس کے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ کے خلاف، ادب واحترام وعاجزی کے علاوہ ایک لفظ تک بھی مخالفت یا توہین یا اللہ پر شک وشبہ میں نہیں کہا اور باوجود اس کے کہ قرآن میں اُن کے کسی غلط کام یا نافرمانی کا ذکر نہیں ہے اُن کو تمام علما و عوام نے غلط کار و خاطی کیوں قرار دیا؟ اور اگر ملائکہ کو اس لئے معصوم قرار دیا کہ اللہ نے اُن کے حق میں یہ فرمایا تھا کہ: لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَo (تحریم 66/6)

''اللہ ملائکہ کو جو حکم دیتا ہے اُس حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔''

تو کیا وجہ ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو ملائکہ پر اور ساری کائنات کی ساری مخلوقات پر مصطفٰی بنا دینے کا اعلان موجود ہے (آل عمران 3/33) تو انہیں ملائکہ سے زیادہ فرمانبردار و معصوم و معزز نہ مانا جائے؟ جبکہ معصوم پر غیر معصوم کو فضیلت دی ہی نہیں جاتی؟ پھر جب کہ یہ بھی معلوم ہے کہ حکم کا ماننا اور حکم کی نافرمانی نہ کرنا۔ اس بات کی دلیل نہیں بنتا کہ حکم ماننے اور نافرمانی نہ کرنے والے نے ضرور ہی اس حکم کو یا حکم دینے والے کو برحق سمجھا ہے۔ یا اُس حکم کو دل کی گہرائی میں ناگواری محسوس کئے بغیر مانا ہے اگر صرف حکم ماننا کوئی آخری بات یا اچھی بات ہوتی تو مسلمانوں سے یہ نہ کہا گیا ہوتا کہ:

''خواہ مومنین آپؐ کو اپنے معاملے میں حاکم اور فیصلہ کرنے والا بناتے اور تمہارا حکم اور فیصلہ مانتے بھی رہیں تب بھی ہم انہیں مومن نہ سمجھیں گے اگر وہ تمہیں سلام نہ کریں یا حکم اور فیصلے ماننے میں دلوں کے اندر ناگواری محسوس کریں۔'' (نساء 4/65)

اور جب کہ اللہ نے ملائکہ کے ظاہر و باطن کو الگ الگ کر دیا اور برے جذبات کو چھپانے والا قرار دے دیا ہو (بقرہ 2/33) اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ رعایا کے لوگ گورنمنٹ کے احکام اور قوانین پر عمل کرتے اور اُسے گالیاں بھی دیتے رہتے ہوں۔ لہٰذا ملائکہ کا نافرمانی نہ کرنا اور احکام پر عمل کرنا اُس وقت تک کوئی وزن نہیں رکھتا جب تک قرآن سے یہ نہ دکھایا جائے کہ:

''تمام ملائکہ باطنی رضامندی سے خوشی خوشی اللہ کے احکام بجالاتے ہیں۔''

(22۔ب) ملائکہ بھی حضرت آدمؑ کی طرح زیرِ تعلیم تھے اور اُنہیں آدمؑ سے رابطہ رکھنا سیکھنا تھا۔

یہ حقیقت بار بار بیان ہوئی ہے کہ ملائکہ اپنی تخلیق کے وقت سے، انوار محمدؐیہ کے زیرِ سایہ، تعلیمات حاصل کرتے چلے آرہے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے جہاں ابلیس حیران و گمراہ ہو گیا وہیں ملائکہ بھی حیران و ششدر رہ گئے تھے۔ اور چونکہ ملائکہ کو ادارۂ نبوت و امامت کے دست و بازو بننا تھا۔ اس لئے اب نبیؑ کے سامنے آتے ہی انہیں نبیؑ اور نبوت سے تعارف حاصل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ مزاج نبوت پر مطلع کرنے اور آئندہ اُن کو خدا کا نمائندہ سمجھ کر اُن کی بھی بے چوں و چرا اطاعت کرنے کی تعلیم ضروری تھی۔ چنانچہ پہلے انہیں یہ سکھایا اور دکھایا کہ دیکھو آدمؑ وہ قوتِ فہم وادراک رکھتے ہیں کہ محض ناموں کو دیکھ کر اُن ناموں کے مسمّٰی حضرات کو مشخص کر سکتے ہیں اور تم تعلیم کردہ حقائق سے مزید تلاش حق نہیں کر سکتے اس لئے تمہیں ہر حال میں ادارۂ نبوت کے سامنے سجدہ ریز اور مطیع و

فرمانبردار رہنا ہوگا۔ اور ہرگز یہ نہ سوچنا ہوگا کہ نبیؑ سے کوئی غلطی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ملائکہ نے اپنی تعلیم کے دوران یہ ثابت کر دیا کہ خلافتِ الٰہیّہ کا قیام اور خلیفۂ خداوندی کا تقرر صرف اللہ ہی کرسکتا ہے۔ اور خلافتِ الٰہیّہ کے مقاصد کے مقابلے میں اللہ، ملائکہ کی عبادت اور تسبیح و تقدیس کو بھی کوئی مقام نہیں دیتا۔ اور خلیفہ کے تقرر کے لئے ملائکہ ایسی معصوم کثرت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی چہ جائیکہ خطا کاروں کی کثرت کسی کو اللہ کا خلیفہ بنادے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے حضور سجدہ کرنے کے بعد سے ملائکہ کو عملی عصمت کا لقب دیا گیا ہے۔ اور تعلیم کے دوران پیش آنے والی تمام باتیں تعلیم و تعلم کے ماتحت نا قابلِ گرفت وسند ہوا کرتی ہیں۔

(22۔ج) شاگردوں کے امتحان کے لئے استاد غلطیاں کرتا ہے تاکہ شاگرد تصحیح کر کے سند حاصل کریں۔

بعض روزمرہ پیش آنے والے واقعات کو سب جانتے ہیں مگر ان عملی طریقوں کو تحقیق و تفتیش میں استعمال نہیں کرتے۔ مثلاً مندرجہ ذیل امتحانی پرچے میں کا ایک سوال دیکھئے:

سوال نمبر 6۔(الف) مندرجہ ذیل جملوں میں صحیح اور غلط جملوں کو شناخت کریں؟

(1) لڑکی کھانا کھا چکا ہے. (2) لڑکا انتظار کرتے کرتے چلا گیا ہے۔ (3) مجھے اپنا سبق یاد کرنی ہے۔ (4) میرا کتاب پھٹ گیا ہے۔

جس استاد نے یہ پرچہ بنایا ہے کیا آپ اسے غلط کار یا جاہل شخص قرار دیں گے؟ اور کیا تصحیح کرنے والے شاگرد کو استاد سے زیادہ قابل کہیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں تو آدمؑ اور اللہ کی کیا خطا ہے؟ ان کے لئے آپ کو یہ دیکھا بھالا اور فطری طریقہ کیوں نہ سوجھا؟ اس لئے کہ سروں میں ابلیس وقریش نے انبیاؑ کے خطا کار ہونے کا تصور بٹھا کر عقل کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ بہرحال اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام ان کی تعلیم کا آخری دور تھا۔ ان کو مجتبیٰ بنانے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اب وہ دنیا میں جا کر مقاصدِ نبوت کو منشائے خداوندی کے عین مطابق انجام دینے کی پوری قابلیت رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اطاعت اور متعلقہ تعاون میں ہمیشہ کے لئے پورے اتر سکتے ہیں۔ اور یہی مقصد تھا دونوں کی الگ الگ اور مشترک تعلیم کا۔

(22۔د) جنت سامنے اور یقینی چیز تھی زمین اور دنیاوی زندگی اَن دیکھی اور غیر یقینی چیز تھی؟

حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اللہ نے حکم دے دیا تھا کہ:

وَ قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَ کُلَا مِنْھَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا......الخ (بقرہ 2/35)

''اور جب ہم نے کہا کہ اَے آدمؑ تم اور تمہاری زوجہ دونوں جنت میں سکونت اختیار کرلو اور وہاں رہتے ہوئے بالکل فارغ البالی کے ساتھ جہاں سے جو چیز چاہو کھا لیا کرو۔''

اللہ کا یہ فرمانا کسی عارضی مدت کا ہرگز پتہ نہیں دیتا۔ بلکہ سکونت کا لفظ ہی عارضی قیام کی نفی کرتا ہے اور اللہ کا یہ فرمانا کہ:

فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَ لِزَوْجِکَ فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی o اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی o وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی o (طٰہٰ 119 تا 20/117)

''چنانچہ ہم نے یہ بھی کہا کہ اے آدمؑ یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری زوجہ کا دشمن ہے کہیں تمہیں جنت سے نہ نکال دے۔اور پھر تم محنت ومشقت کی زندگی سے دوچار ہو جاؤ یہاں تو نہ تمہارے بھوکا رہنے کا خوف ہے اور نہ لباس کی کمی ہوگی۔اور یہاں تمہیں نہ پیاس کی تکلیف ہوگی اور نہ دھوپ ستائے گی۔''

یہ ہدایات صاف بتارہی ہیں کہ حضرت آدمؑ کو مستقل طور پر جنت میں آباد کردیا گیا تھا۔اور گویا اگر شیطان کا معاملہ بیچ میں نہ آجائے تو حضرت آدم وحوا علیہما السلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہتے۔اور دنیا کی محنت ومشقت، بھوک پیاس اور لباس ودھوپ کی تکلیف کبھی نہ ہوتی۔مگر اس آخری بیان (119 تا 20/117) میں دو باتیں قابل غور ہیں اوّل یہ کہ آدمؑ کو یقین ہونا چاہئے کہ ابلیس کو یہ اختیارات ہرگز حاصل نہیں کہ وہ کسی کو کسی بھی سبب سے جنت میں آباد کردے یا اللہ کے آباد کئے ہوئے کسی شخص کو جنت سے نکال دے۔لیکن اللہ نے خود ہی جنت کی مستقل سکونت کو یہ کہہ کر مشکوک کردیا کہ:

''شیطان تمہارا اور تمہاری زوجہ کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے۔'' (20/117)

پھر وہ بات بھی جنت کے مستقل قیام کو مشکوک کررہی تھی جو آدمؑ کی تخلیق کا سبب بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمائی تھی اور اب تک اتنی مشہور ہوچکی تھی کہ حضرت آدمؑ کو بھی معلوم ہوچکی تھی۔یعنی:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً.......... الخ (2/30)

''اور جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

یعنی یہ کہ اُن کی تخلیق جنت میں مستقل سکونت کیلئے نہیں بلکہ انہوں نے پوری زندگی زمین پر حکومت کرنے میں گزارنا ہے۔اور وہاں محنت ومشقت، بھوک اور پیاس دھوپ اور مصائب پر غلبہ پانا ہے۔اور دنیا کو جنت کے نمونے پر تیار کرنا ہے۔یعنی جنت کی زندگی عارضی تھی۔

قارئین یہاں بڑی احتیاط اور سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کرکے آگے بڑھیں کہ حضرت آدمؑ کے لئے جنت کی سکونت پُر یقین تھی یا دنیا کی زندگی پر زیادہ یقین حاصل ہونا چاہئے۔پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے فرمالیں کہ آیا حضرت آدمؑ اپنی تخلیق کا مقصد جنت میں رہ کر کماحقہٗ بجالاسکتے تھے یا دنیا میں پہنچ کر منشائے خداوندی کو پورا کرسکتے تھے؟ اور کیا منشائے الٰہی اور اپنی غرض تخلیق پر اللہ خفا ہوسکتا ہے؟ یہ تین چیزیں سامنے رکھتے ہوئے مولائے کائنات علیہ السلام کے یہ چار جملے سنئے اور حقیقتِ واقعی ملاحظہ ہو۔

(22۔ہ) <u>شیطان سے منت وخوشامد کرالی، اُسے دوستی کا موقع دیا، اِتمامِ حجت کے بعد خلافت کو اختیار کیا۔</u>

ارشاد ہوا ہے کہ: فَبَاعَ الْیَقِیْنَ بِشَکِّہٖ؛ وَ الْعَزِیْمَةَ بِوَھْنِہٖ؛ وَ اسْتَبْدَلَ بِالْجَزَلِ وَجَلًا؛ وَ بِالْاِغْتِرَارِ نَدَامًا؛...

''چنانچہ آدمؑ نے یقینی صورتِ حال کو اپنی مشکوک صورتِ حال کے بدلے میں فروخت کردیا، اور استوار ومستحکم حالت کے عوض کمزور پہلو کو اختیار کرلیا۔اور اطمینان ومسرت بخش زندگی کو خوف وہراس کی زندگی سے تبدیل کرلیا۔اور ناتجربہ کاری کی بنا پر ندامت سے دوچار ہوئے۔'' (خطبہ 1 جملے 158 تا 161)

یہاں حضرت علی علیہ السلام وہی صورت حال پیش فرماتے ہیں جس پر غور کرنے کے لئے ہم نے عرض کیا ہے۔ چنانچہ وہ مقام جو سکونت کے استقلال میں مشکوک تھا حضرت آدمؑ نے اختیار نہ کیا (جملہ 1/158) یہ صحیح تھا کہ جنت کو چھوڑنے کے بعد دنیا کی وہ زندگی سامنے آنا تھی جس میں نہ وہ آرام تھا، نہ بلامحنت ومشقت روزی ملنا تھی اور نہ پوشاک کا مستقل طور پر ملتے رہنا یقینی تھا۔ دنیا کا کمزور پہلو یہی تھا جسے زیرِ تسلط لانے کا انہوں نے تہیہ کرلیا تھا۔ اور دیکھ لو کہ آج حضرت آدم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیادوں پر نعمتوں کے ذخائر تعمیر کئے جا رہے ہیں (جملہ 1/159) اور تمام خوف وہراس اور پریشان حالیاں راحت وآرام واطمینان میں بدل چکی ہیں۔ کائنات دست بستہ خدمات کررہی ہے (جملہ 1/160) اور وہ ندامت جو جنت کے مفت وسہولت سے ملنے والے آرام کو چھوڑ کر ہوئی تھی آج زندگی میں ایک بار بھی سامنے نہیں آتی۔ بلکہ دنیا سے جانا کسی کو پسند ہی نہیں آتا۔ خواہ جنت کا وعدہ یاد ہی کیوں نہ ہو۔ رہ گئے حضرت آدمؑ اور اُن کی اولاد کے انبیاء اور آئمہ علیہم السلام، وہ تو قربِ خداوندی کے چھوٹنے پر ہر حال میں رنجیدہ وغمزدہ اور نادم رہتے رہے ہیں (جملہ 1/161) باوجودیکہ وہ حضراتؑ اس دنیا میں بھی جنت بدوش رہتے رہے ہیں۔ چنانچہ کبھی ایک لمحہ کے لئے یہ نہ سمجھئے کہ انبیاوآئمہ علیہم السلام جنت سے باہر رہے ہیں۔ اپنے اطمینان کے لئے حدیث سنئے:

(22۔ و) جنت کے مالک اور وارث مع اپنے چاہنے والوں کے ہمیشہ جنت میں ہی رہے

عَنْ صَالِحِ بْنِ سَعِيْدٍؒ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى ابى الحسن عليه السلام فَقُلْتُ لَهٗ: جَعَلْتُ فِدَاكَ فِىْ كُلِّ الْاُمُوْرِ اَرَادُوْا اِطْفَاءِ نُوْرِكَ وَ التَّقْصِيْرَ بِكَ، حَتّٰى اَنْزَلُوْكَ هٰذَا الْخَانَ الْاَشْنَعَ، خان الصَّعَالِيْكِ!! فَقَالَ: هٰهُنَا اَنْتَ يَا ابْنَ سَعِيْدٍ، ثُمَّ اَوْمَا بِيَدِهٖ وَ قَالَ: اُنْظُرْ! فَنَظَرْتُ، فَاِذَا اَنَا بِرَوْضَاتٍ آنِقَاتٍ وَ رَوْضَاتٍ باسِرَاتٍ، فِيْهِنَّ خَيْرَاتٌ عَطِرَاتٌ وَ وِلْدَ ان كَانَّهُنَّ اللؤلؤ الْمَكْنُوْنُ وَ اَطْيَارٌ وَ ظِبَاءٌ وَ اَنْهَارٌ تَفُوْرُ، فَحَارَ بَصَرِى وَ حَسَرَتْ عَيْنِى۔فَقَالَ: حَيْثُ كُنَّا فَهٰذَا لَنَا عَتِيْدٌ۔ لَسْنَا فِى خَانِ الصَّعَالِيْكِ۔

جناب صالح بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں جناب حضرت علی نقی علیہ السلام کے حضور میں پہنچا تو میں نے کہا یہ لوگ ہر حال میں آپؑ کے نُور کو بجھانے اور آپ کا رتبہ گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ذرا اسی آپ کی قیام گاہ کو دیکھیں کہ یہ ایک بدترین اور بدنام ڈربہ ہے یہاں حضورؑ کو ٹھہرایا ہے۔ جسے گداگروں کی سرائے کہا جاتا ہے۔ میں نے اتنا کہا تھا کہ فرمایا اے سعید کے بیٹے ذرا ٹھہرو۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ سے کچھ اشارہ فرمایا اور کہا کہ ذرا اب اس مکان کو دیکھو میں نے مکان پر از سرِنو نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں تو ایسے باغات میں ہوں جو اپنی نفاست اور مسرت وراحت انگیزی میں حدّ کمال پر ہیں۔ سرسبز وشاداب باغات جن میں معطر ومنور حوریں اور موتیوں کی طرح دمکتے ہوئے بچے، چہچہاتے ہوئے پرندے اور چوکڑیاں بھرتے ہوئے ہرن اور جوش وخروش سے بہنے والی نہریں ہیں۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، چکاچوند سے آنکھیں تیورا گئیں۔ فرمایا کہ: ہم جہاں بھی ہوں جس حال میں بھی ہوں یہ سامان ہمارے لئے حاضر وموجود رہتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھکاریوں کے سرائے میں مقیم نہ سمجھو۔''

(اصول کافی کتاب الحجت، ابواب التاریخ، باب مولد ابی الحسن علی بن محمد علیہما السلام والرضوان حدیث 2)

لہٰذا ہمارے قارئین نوٹ فرمائیں کہ حضرت آدم علیہ السلام انوارِ محمدؐیہ کے حامل تھے۔ اُنہیں جنت سے رخصت کرنے سے پہلے ہی اپنے کلمہؑ سے ملاقات کا موقع دیا گیا تھا تاکہ دنیا میں پہنچتے ہی انہیں جنت کی آغوش میں رکھنے اور واپس اسی جنت میں لانے کا بندوبست کریں (خطبہ 1 جملے 162 تا 164) اوران کے لئے سہولت رسانی کی تمام راہیں کشادہ کردیں (جملہ 1/162) یہ تمام انتظام قرآن کے الفاظ میں یوں ظاہر فرمایا گیا تھا کہ:

ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَ هَدٰى o قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيۡعًا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقٰى o وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّ نَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى o (طٰهٰ 124 تا 20/122)

علامہ رفیع الدین اعلیٰ اللہ مقامہ کا ترجمہ: ''پھر برگزیدہ کیا اُس کو، رب اُس کے نے پس پھر آیا اوپر اُس کے اور راہ دکھائی کہا اُترو تم اُس سے اکٹھے بعضے تمہارے واسطے بعض کے دشمن ہیں پس اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پس جس نے پیروی کی ہدایت میری کی پس نہ گمراہ ہوگا اور نہ ایذا کھینچے گا اور جس نے منہ پھیرا، یاد میری سے پس تحقیق واسطے اُس کے معیشت ہے تنگ اور اٹھاویں گے ہم اُس کو دن قیامت کے اندھا''

(22-ز) یہ کلمہؑ خداوندی یعنی محمدؐ کی بات ہے ورنہ اللہ نہ جاتا ہے نہ پھر کر آتا ہے وہ تنہا ہے مجمع نہیں ہے

اِن آیات میں پہلی بات تو وہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں جانے کے لئے تمام تیاریاں اور امتحانات مکمل کر چکے تو اُنہیں اللہ نے مجتبیٰ بنایا اور اپنے کلمہؑ (خطبہ 1 جملہ 163) (بقرہ 2/37) سے ملاقات کرائی (فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ) اور کلمۂ خداوندی کے تمام اجزائے نور علیہم السلام کا تشریف لانا اور ہدایات کا ذمہ لینا ہی فَتَابَ عَلَيۡهِ کا مطلب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قیامت میں جن کے لئے صیغۂ جمع بولا گیا ہے اور جو لوگوں کو حساب کے لئے محشور کریں گے وہ محمدؐ اور آئمہ اہلؑ بیت ہونگے۔ اور جو جنت و جہنم کے مالک ہیں اور جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے لئے ہر وقت جنت میں رہنے کا انتظام رکھنا ہے۔ لہٰذا حضرت آدمؑ ہوں یا کوئی اور نبیؑ ہو جنت اُن کے ساتھ ہوتی ہے یہ دُوسری بات ہے کہ وہ نوع انسان کی ہدایت کے لئے اُن کے حالات میں شریک رہنے کیلئے تکالیف برداشت کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اُن سے ملاقات کے بعد جناب آدمؑ دنیا میں آئے اور آزمائشوں کے اُس مقام کو جنت نظیر بنانے اور انسانوں کو جنت تک پہنچانے میں مصروف ہوگئے۔

23۔ اولادِ آدمؑ سے انبیاءؑ ورسلؑ متواتر آتے اور تسخیر کائنات کی تعلیم دیتے رہے

آگے چل کر جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے وہ صورت حال پیش کی ہے جس کی وجہ سے انبیاءؑ و رسلؑ کا متواتر سلسلہ شروع کیا گیا تھا (خطبہ 1 جملے 168 تا 174) اس کے بعد وہ اغراض و مقاصد بیان فرمائے ہیں جن کے لئے انبیاءؑ مبعوث فرمائے گئے

تھے(خطبہ 1 جملے 175 تا185) جن کے نتیجے میں یہ چاہا گیا کہ انسان دنیا میں عزت واقتدار وراحت وچین واطمینان کی زندگی بسر کرے اور جنت کا حقدار بن کر واپس آئے۔

(1) اسلامی یا انبیاؑ کی تعلیمات میں سے اہم ترین تعلیم یہ تھی کہ اُن کے لئے عقل وبصیرت کے تمام دفینے کھول دیئے جائیں اور انہیں تقدیراتِ خداوندی کے معجزے عطا کئے جائیں۔ اور اس طرح انہیں تمام زمینوں اور تمام آسمانوں اور فضاؤں اور خلاؤں پر مسلط کر دیا جائے۔(خطبہ 1 جملے 178 تا185)

(2) یہاں نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ تمام لوگ جو آج مسلمان یا دین اسلام پر ہونے کے مدعی اور مندرجہ بالا تعلیمات و نتائج سے محروم ہیں عملی طور پر نہ مسلمان ہیں اور نہ دین اسلام سے اُن کا کوئی تعلق ہے۔ اور ایسے لوگوں کے مجمعوں میں مبلغِ اسلام علیہ السلام یہ خطبات سُنا کر انہیں بے دین ثابت کرتے رہے۔ اور لوگ فصاحت و بلاغت کے جال میں اُلجھتے، پھنستے یہاں تک چلے آئے۔ اور حقیقی مسلمانوں کو کافر و بے دین کہتے رہے۔

(3) ساتھ ہی حضورؑ نے یہ بتا دیا ہے کہ نہ نوع انسان کبھی اسلامی راہنماؤں اور راہنمائی سے خالی رہی نہ قیامت تک مندرجہ بالا تعلیم دینے والوں سے محروم رہے گی۔ (خطبہ 1 جملے 186 تا189)

(4) پھر اُن راہنمایانِ دین کی صفات میں یہ بھی فرمایا کہ انہیں کبھی اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ انہیں کون اور کتنے لوگ مانتے ہیں یا جھٹلاتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ سب اپنے سے پہلے راہنمایان دین کی پیشگوئیوں سے مشہور ہوتے ہیں اور اپنے بعد والے راہنماؤںؑ کی شناخت اور تشخص کرا کے جاتے ہیں۔(خطبہ 1 جملے 190 تا193)

(23-الف) آنحضرتؐ کی بعثت پر دنیا کی حالت حضورؑ کا کام اور اللہ کا بُلا لینا

(1) پھر علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ اللہ کی رسالت برابر جاری رہی، زمانے گزرتے رہے۔ آخر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو مبعوث کیا گیا تاکہ سلسلہ نبوت ورسالت پورا اور مکمل ہو کر ختم ہو جائے۔ اور انبیاؑء سے کیا ہوا وہ مشہور ومعروف معاہدہ (میثاق) بھی انجام کو پہنچ جائے جو قرآن میں بھی مذکور ومسطور پر ہے (آل عمران 82-3/81، احزاب 8-33/7) (خطبہ 1 جملے 194 تا201)

(2) پھر آپؑ نے عہد رسولؐ کے اور وفاتِ رسولؐ کے بعد کے حالات بیان فرمائے ہیں۔ جن میں دین اسلام کو، خود دینداروں نے اپنی مصلحتوں اور اجتہادات کی بنا پر فرقوں میں منتشر کر دیا تھا اور اللہ کی توحید کا تماشہ بنا رکھا تھا۔(خطبہ 1 جملے 202 تا208)

(3) قریش کے متعلق یہ بتا کر آگے بڑھ گئے کہ اللہ نے اُن لوگوں کو آنحضرتؐ کے ذریعہ جہالت سے نکالا اور گمراہی کے مقابلہ میں ہدایت کرائی (خطبہ 1 جملے 209 تا210)

(23-ب) حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے لئے ایسے الفاظ نہیں بولتے جو مرنے اور ختم ہو جانے کی دلیل ہوں

آگے چل کر حضورؑ نے رسولؐ اللہ کی وفات کو نہایت مودبانہ ومعززانہ الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے جیسے دو دوست ایک

دوسرے کی ملاقات کے اشتیاق میں ملاقات کرتے ہیں۔اور فرماتے ہیں کہ اللہ نے جو کچھ اس کے پاس تھا وہ سب محمدؐ کے سپرد کردیا۔اور انہیں خالص اپنے لئے اختیار کرلیا۔(خطبہ 1 جملے 211 تا 215)

(23۔ج) محمدؐ نے اپنی اُمت میں وہی کچھ چھوڑا جو سابقہ انبیاؑ اپنی اُمتوں میں چھوڑتے رہے

آنحضرتؐ کے بعد قریش نے جو قومی حکومت بنالی تھی اُسے یہ فرما کر باطل قرار دیا کہ حضورؐ نے اپنے بعد کے لئے اپنی اُمت میں وہی کچھ چھوڑا تھا جو سابقہ انبیاؑء نے اپنی اپنی امتوں میں چھوڑا تھا۔چنانچہ کسی نبیؑ نے اپنے بعد کے لئے ایک جمہوری اور قومی حکومت اور قومی پسندیدہ لیڈر کو حاکم بنا کر نہ چھوڑا لہٰذا یہ خودساختہ خلافت باطل ٹھہرادی۔اور حکومت وخلیفہ کے باطل ہوتے ہی سارا گھروندا تباہ ہو جاتا ہے۔اور یہ فرما کر قریشی اسلام وعقائدِ اسلام کو بھی باطل کردیا کہ رسولؐ نے جو کچھ چھوڑا اور ہدایت کاری کا جو نظام خود قائم کیا تھا وہ قرآن میں مفصل موجود ہے(خطبہ 1 جملے 216 تا 242)اور جب ہم قرآن دیکھتے ہیں تو سورۂ فرقان قریشی قوم کو تمام انبیاؑء کا عموماً اور آنحضرتؐ کا خصوصاً دشمن قرار دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ رسولؐ کی قوم نے قرآن کو مہجور کردیا تھا(فرقان 31-25/30)اور سورہ انعام کہتی ہے کہ رسولؐ کی قوم نے پورے قرآن کو حق سمجھتے ہوئے جھٹلا دیا تھا(انعام 6/66)۔یوں قریش اور قریشی خلافت اور قریش کا مذہب ازسرتاپا اسلام سے خارج ہوگئے۔نہ رہا بانس نہ بجی بانسری۔

(23۔د) قرآن کی پوزیشن: اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام قرآن کریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

تمہارے رب کی کتاب اللہ کی طرف سے عائد کردہ حلال وحرام اور فرائض وفضائل بیان کرتی ہے۔اور ناسخ ومنسوخ کو بھی واضح کرتی ہے۔(خطبہ 1 جملے 220 تا 222)

قرآن کے متعلق حضورؐ کا بیان برابر جملہ نمبر 1/242 تک جاری رہتا ہے۔اور ہمارا ترجمہ ساتھ کے ساتھ تشریح کرتا جاتا ہے۔ مگر جو بات یہاں نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ قریش نے قرآن کو مہجور کرنے اور راہ سے ہٹانے کے لئے ایک ترکیب یہ بھی کی تھی کہ قرآن کے اندر بیان شدہ احکام اور مضامین میں بعض ایسے ہیں جو کسی حادثاتی صورت کی وجہ سے نازل کردیئے گئے تھے مگر اب یا آئندہ اُن پر عمل نہ ہوگا ایسے متروک احکام کو قریشی علما''منسوخ''احکام کہتے ہیں۔اور چونکہ انہوں نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ کون کون سے احکام یا مطالب متروک یا بقول اُن کے منسوخ ہیں لہٰذا پورا قرآن مشکوک ہوکررہ جاتا ہے۔

(1) ناسخ ومنسوخ قریشی فراڈ ہے قرآن ازاوّل تا آخر واجب العمل ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہی نہیں بلکہ سابقہ تمام کتبہائے خداوندی واجب العمل ہیں۔اور کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس کی تعمیل ختم یا متروک ہوچکی ہو۔اور نہ الفاظ ناسخ ومنسوخ کے وہ معنی ہیں جو قریشی علمانے اِن الفاظ کے ساتھ چپکائے ہیں۔''ناسخ'' لکھنے والے کو کہتے ہیں جیسے قاتل قتل کرنے والے کو اور''منسوخ'' لکھے ہوئے کو کہتے ہیں جیسے مقتول قتل شدہ کو کہتے ہیں۔چنانچہ قرآن کے تمام احکام و بیانات قرآن میں لکھے ہوئے یعنی منسوخ ہیں۔جو احکام اپنی شرائط عائد نہ کرتے ہوں وہ ہر وقت ہر شخص پر واجب ہیں اور اُن کی فوری

تعمیل کی جانا چاہئے۔مگر ہزاروں احکام بالغ ہونے تک واجب التعمیل نہیں ہوتے مگر لکھے ہوئے موجود ہیں۔اور ہر بالغ شخص پر واجب ہیں۔ لہٰذا شرائط پوری ہونے تک ہر حکم منسوخ یعنی لکھا ہوا ہے مگر جیسے ہی شرائط پوری ہونگی واجب ہو جائیں گے۔ظہر کی نماز پڑھ لی تو اگلے روز ظہر تک نماز ظہر کا حکم منسوخ ہے۔ظہر کا وقت آتے ہی واجب التعمیل ہے۔حج کا حکم ایک دفعہ عائد ہوتا ہے۔حج ادا کرنے کے بعد وہ حکم لکھا ہوا ہے، متروک نہیں ہوا ہے۔جب مسلمان اولاد یا وارث نہ رکھتے ہوں تو آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے رہیں گے۔اولاد یا وارث پیدا ہونے پر پہلا حکم منسوخ یعنی لکھا ہوا رہے گا اور جب وہ حالات یا شرائط وقوع میں آئیں گے نافذ ہو جائے گا۔

(2) قریش کا دوسرا فراڈ متشابہات کی آڑ میں۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام نے قرآن کے محکم و متشابہ بیانات کا ذکر بھی فرمایا ہے (خطبہ 1 جملہ 227) اس لئے کہ قرآن کریم نے قریشی لیڈروں اور دانشوروں کے اُس ابلیسی طرز عمل کا پردہ چاک کیا ہے جس سے وہ قرآن ہی سے قرآن کے خلاف احکام اخذ کیا کرتے تھے۔یعنی وہ پہلے سے اپنی ایک ضرورت یا منصوبے کو ذہن میں طے کر کے اب قرآن کی ورق گردانی کرتے جاتے تھے اور جہاں کہیں اُس طے کردہ منصوبے یا ضرورت سے مشابہ الفاظ یا مطلب نظر آجاتا وہیں رک جاتے اور اس آیت میں ذراسی ترمیم کر کے اس آیت کو اپنے منصوبے یا ضرورت پر فٹ کر لیتے تھے۔مثلاً اُن کی بنیادی ضرورت یہ تھی کہ وہ نبیؐ کا کوئی حکم اپنی یا قومی مصلحتوں کے خلاف نہ مانیں لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ نبیؐ کو (معاذ اللہ) اپنے ایسا ایک ممکن الخطا انسان ثابت کریں۔لہٰذا انہیں قرآن میں جہاں جہاں یہ گنجائش ملی اُن آیات کو نبیؐ کے خطا کار ہونے کی دلیل کے طور پر اختیار کر لیا اس کی مثالیں ذرا دیر پہلے حضرت آدمؑ کے سلسلے میں گزر چکی ہیں۔اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بہت سی آیات سے (معاذ اللہ) خطا کار مانا ہے۔قرآن سے یہ باطل طریقِ استدلال کرنے کا ذکر قرآن یوں سناتا ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ...... الخ (آل عمران 3/7)

''وہ اللہ وہی ہستی ہے جس نے تمہارے اوپر یہ مذکر کتاب نازل کی ہے۔اس مذکر کتاب میں محکم اور مونث آیات بھی ہیں جو کہ اس مذکر کتاب کی بنیاد ہیں اور اُن محکم و مونث آیات سے ملتی جلتی دوسری مونث آیات بھی ہیں۔چنانچہ وہ لوگ جن کے دلوں میں پہلے سے طے شدہ ایک مذکر منصوبہ ہوتا ہے وہ لوگ اُس مذکر کتاب میں سے وہ مطلب اخذ کر لیتے ہیں جو اُن کے مذکر منصوبے سے مشابہ یا ملتا جلتا ہوتا ہے تاکہ اس طرح اخذ کردہ مطلب سے قرآن کی سند سے فتنہ پھیلائیں اور اپنے مذکر منصوبے کی تصدیق حاصل کر لیں۔''

ہم نے اس ترجمہ میں مذکر و مونث اُن الفاظ کیلئے لکھا ہے جو سب علما کے نزدیک ہمیشہ سے مذکر اور مونث ہی کہلاتے چلے آرہے ہیں مگر انہوں نے اس آیت سے جو فراڈ کیا ہے اُس میں یہ نہیں سوچا کہ اُنہیں پکڑنے کیلئے کوئی مذکر و مونث کی بحث نکال کر پردہ ہٹا دے گا۔

(3) فتنہ ساز قریش متشابہات سے نہیں بلکہ اپنے زیغ سے مشابہ مطلب اختیار کرتے ہیں۔

تمام شیعہ سنی علما یہ مانتے ہیں کہ اللہ نے اس آیت میں اُن لوگوں کا پردہ فاش کیا ہے جو مسلمانوں کو اُن کے صحیح اسلامی عقائد سے ہٹانے اور اپنے خود ساختہ اسلام کے باطل عقائد پر جمانے کے لئے قرآن ہی کو آلہ کار بناتے ہیں۔ اور آیات سے ہی اللہ و رسولؑ کی منشا کے مخالف مسائل لوگوں میں پھیلا کر فتنہ وفساد جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ تمام علما ہر پھر کر یہ بتاتے ہیں کہ وہ لوگ متشابہات کو گمراہی پھیلانے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یعنی اگر اللہ نے قرآن میں ''آیات متشابہات'' نہ بھیجی ہوتیں تو فتنہ ساز گروہ قرآن کو گمراہی پھیلانے کا ذریعہ نہ بنا سکتا تھا۔ گویا غلطی اللہ کی ہے جس نے قرآن میں آیات متشابہات بھی رکھ دی ہیں۔ تمام شیعہ سُنی مترجم اس بات پر متفق ہیں سب نے آیات متشابہات کے وجود کو بہت ہی خطرناک قرار دیا ہے۔ ہم نمونے کے لئے یہاں صرف مودودی کو پیش کر کے آگے بڑھ جائیں گے۔ تفصیلی گفتگو ہماری تفسیر تعبیر القرآن میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(4) مودودی کا ترجمہ، وہ اس آیت (3/7) سے متشابہات کا قصور مانتے ہیں: علامہ کا ترجمہ پڑھ کر یہ دیکھئے کہ اللہ نے قرآن میں دو قسم کی آیات نازل کی ہیں ایک وہ جن سے کوئی گڑبڑ نہیں کی جاسکتی دوسری وہ جن سے ہر قسم کی خرابی پیدا ہوسکتی ہے۔ سُنئے:

''وہی خدا ہے، جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے۔ اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات، جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اُن کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ اُن (متشابہات) کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 233 تا 235)

اس ترجمہ میں علامہ نے اپنی جیبِ خاص سے قرآن کی آیات کو دو طرح کی یعنی دو قسم کی قرار دینے کا اچھا موقع پایا اور دو مختلف قسم کی آیات ثابت کر دی ہیں۔ اور متشابہات کے متعلق جو کچھ لکھا اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ متشابہات والی قسم کی جتنی بھی آیات قرآن میں ہیں اُن کا حقیقی مفہوم صرف اور صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ نہ اُن کا مفہوم رسولؐ سمجھتا ہے، نہ صحابہ سمجھ سکتے ہیں نہ کوئی اور عربی جاننے والا اُن آیات سے اللہ کی بات سمجھ سکتا ہے۔ یعنی وہ صرف اللہ کے کام کی آیتیں تھیں مگر...... دوم یہ کہ اللہ نے اُن آیات کو قرآن میں نازل کر کے، بقول علامہ، جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے اُن کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہیں اور ایسے مفاہیم اخذ کرتے چلے جائیں جو قیامت تک حقیقی مسلمانوں میں فتنہ وفساد جاری رکھیں۔ اب علامہ کی تشریحات ملاحظہ فرمائیں تا کہ سونے پر سہاگہ ہو جائے۔ ارشاد ہے کہ: ''6؎ متشابہات' یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے۔

.................ایسی آیات کے مفہوم کو متعین کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے گی، اُتنے ہی زیادہ اشتباہات واحتمالات سے سابقہ پیش آئے گا، حتّٰی کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کے بجائے اور زیادہ دُور ہوتا چلا جائے گا۔ پس جو لوگ طالبِ حق ہیں اور ذوقِ فضول نہیں رکھتے، وہ تو متشابہات سے حقیقت کے اُس دھندلے تصور پر قناعت کر لیتے ہیں جو کام چلانے کے لئے کافی ہے اور اپنی تمام تر توجہ

محکمات پر صرف کرتے ہیں، مگر جو لوگ بُو الفضول یا فتنہ جُو ہوتے ہیں، اُن کا تمام تر مشغلہ متشابہات ہی کی بحث وتنقیب ہوتا ہے۔''
(تفہیم القرآن جلداوّل صفحہ 234-235)

ہم نے جو کچھ تمام علما کے لئے مندرجہ بالا سطور میں عرض کیا ہے اُس کا ہر پہلو اور ہر لفظ علامہ کے ترجمہ اور تشریح سے تصدیق ہو گیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ اللہ نے متشابہات کو قرآن میں شامل کر کے نہ صرف گمراہی کا دروازہ قیامت تک چوپٹ کھول دیا بلکہ جو لوگ کوشش کر کے حق پر قائم رہنا بھی چاہیں ان کے لئے بھی پورے قرآن کو مشکوک کر دیا۔ لہٰذا مسلمانوں میں جتنے اختلافات پھیلے، جن گمراہیوں نے جنم لیا اور جو جو مظالم اور گناہ مسلمانوں نے کئے وہ سب اللہ کے ذمے عائد ہوتے ہیں۔ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

یہ علامہ مودودی اور تمام مترجمین ومفسرین کا مذہب ہے۔ اسی قسم کی وجوہات تھیں جن کو سامنے رکھ کر ہمیں قرآن کا ترجمہ وتفسیر کرنا پڑی۔ بہرحال ہم نے قریش کے تمام فراڈ اور فریب کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ چنانچہ متشابہات کے متعلق ہماری مفصل گفتگو ہماری تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں تو مختصراً اتنا دیکھ لیں کہ متشابہات کے یہ تمام بیانات بے بنیاد اور خود ساختہ ہیں اور اُن کا اُس آیت (آل عمران 3/7) سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہی بات دکھانے کے لئے ہم نے اپنے ترجمہ میں مونث ومذکر لکھنے کا اہتمام کیا تھا۔ جو درحقیقت قریشی فریب کو واضح کرنے کی کنجی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اُس کنجی کا استعمال آپ کو دکھائیں۔ علامہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا لفظی ترجمہ آپ کے سامنے رکھ دیں تا کہ علامہ مودودی کے ترجمے کی حقیقت بھی واضح ہو جائے۔ ملاحظہ ہو:

(5) علامہ رفیع الدین کا ترجمہ۔

''وہی ہے جس نے اُتاری اُوپر تیرے کتاب بعضی اس کی آیتیں محکم ہیں یعنی ظاہر معنوں کی وہ جڑ ہیں کتاب کی اَور اَور ہیں متشابہ معنی کئی طرف ملتے پس وہ لوگ کہ بیچ دلوں اُن کے کے کجی ہے پس پیروی کرتے ہیں اُس چیز کی کہ شبہ ڈالتی ہے اس میں سے واسطے چاہنے گمراہی کے اور واسطے چاہنے حقیقت اُس کی کے اور نہیں جانتا حقیقت اُس کی کو مگر اللہ'' (ترجمہ صفحہ 62)

یہ یاد رکھیں کہ علامہ رفیعؒ الدین مرحوم بھی آخر اُسی مذہبی ماحول میں پیدا ہوئے، بڑھے جوان ہوئے اور وہیں تعلیمات حاصل کیں لیکن انہوں نے کھل کر قرآن کی آیات کے لئے دو قسمیں نہیں لکھا نہ یہ لکھا کہ وہ لوگ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور متشابہات کو معنی پہناتے ہیں۔ لیکن علامہ مودودی نے کھل کر متشابہات کو موردِ الزام قرار دے دیا اور رہی سہی کی تشریحات سے پوری کر دی۔

(6) اگر وہ لوگ متشابہات کو معنی پہناتے تو آیت میں متشابہات کے لئے لفظ مونث ہوتا۔

ہمارے ترجمہ کو دوبارہ دیکھیں اور پھر نوٹ کریں کہ ہم نے آیت کے الفاظ میں سے لفظ کتاب کو مذکر لکھا ہے۔ پھر آیاتِ محکمات اور متشابہات کو مونث کہا ہے۔ اور فتنہ جُو لوگوں کے دلوں میں جو زیغ یا منصوبہ ہے اُسے مذکر لکھا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ فتنہ جُو لوگ جس چیز سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، یا جس چیز سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا مفہوم اخذ کرتے ہیں، وہ چیز مذکر ہے یا مونث ہے؟ اگر وہ مونث ہو تو یقیناً وہ لوگ متشابہات سے گمراہی اخذ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ چیز مذکر ہے تو بلا شبہ متشابہات مونث ہیں اور وہ اُن سے استفادہ

نہیں کرتے۔ سنئے اور غور کیجئے کہ اللہ نے یوں نتیجہ بیان کیا ہے کہ:

(1) فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ ''چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں مذکر زیغ یا مذکر منصوبہ ہے۔''

(2) فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ''چنانچہ وہ لوگ پیروی کرتے ہیں اُس مفہوم کی جو مشابہ ہو جاتا ہے اُس ''مذکر'' منصوبے یا ''زیغ'' سے۔ معلوم ہوا کہ فتنہ جُو لوگ کسی مونث چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے ورنہ آیت، خواہ محکم ہوتی یا متشابہ ہوتی اُن کے لئے لفظ مِنْھَا یا مِنْھُن آنا چاہئے تھا اس لئے کہ آیت اور آیات مونث ہیں۔ اور لفظ زیغ اور کتاب مذکر ہیں اور اُن کے لئے لفظ مِنْہُ دو مرتبہ آیا ہے۔ اور آخر میں جس چیز کی وہ تاویل کرتے ہیں وہ بھی مذکر ہے اس لئے وہاں لفظ تَاوِیْلَھَا نہیں ہے جو مونث کے لئے ہوتا ہے بلکہ تَاوِیْلِہٖ فرمایا گیا ہے۔ پھر جس چیز کے لئے یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا وہ چیز بھی مذکر ہے اس لئے کہ اُس کے واسطے بھی مونث ضمیر نہیں بلکہ مذکر (تَاوِیْلَہٗ) ضمیر (ہٗ) استعمال ہوئی ہے۔ یہ تمام مذکر ضمیریں اُن کے زیغ کے لئے استعمال ہوئی ہیں۔ لہٰذا متشابہات کو مشکوک و مشتبہ اور نا قابل فہم اور خطرناک اور بہت سے احتمالات سے ملوث کرنے والے لوگ وہی ہیں جنہوں نے قرآن کو مہجور کیا (فرقان 25/30-31) اور یوں حقائق قرآن کو جھٹلا دیا (انعام 6/66) ہے۔

(7) متشابہات کے معنی بھی غلط کر کے یہ فریب دیا گیا ہے

متشابہات کے معنی بھی غلط کئے جاتے رہے ہیں۔ قریشی مذہب اور قریشی پالیسی دومنٹ بھی نہیں ٹھہرتے اگر وہ قرآنی الفاظ کے معنی صحیح کرنے لگیں۔ لہٰذا ہمارا کام ہی یہ ہے کہ ہم قریشی علما کے غلط ترجموں اور فریب کارانہ معانی اور مفاہیم اپنے قاریوں کو دکھاتے اور خود قریشی علما سے اپنے موقف کی تصدیق کراتے چلیں اور یوں اُنکے خود ساختہ اسلام کو مسمار کر دیں۔ چنانچہ تفصیل سے بچ کر آپ مندرجہ ذیل آیت کے معنی خود ان علما کے قلم سے دیکھیں اور سوچیں کہ انہوں نے یہی معنی متشابہات والی آیت (3/7) میں کیوں نہ کئے۔ سنئے کہ جنت میں جب پہلی مرتبہ جنتیوں کو میوے یا پھل دیئے جائیں تو وہ کہیں گے کہ یہ تو ویسے ہی پھل ہیں جو اس سے پہلے دنیا میں ہمیں دیئے جاتے تھے:

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا۔ (بقرہ 2/25)

مودودی ترجمہ: ''اُن باغوں کے پھل صورت میں دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے۔ جب کوئی پھل اُنہیں کھانے کو دیا جائے گا، تو وہ کہیں گے کہ ایسے ہی پھل اس سے پہلے دنیا میں ہم کو دیئے جاتے تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 58)

مودودی کی تشریح: ''26؎ یعنی نرالے اور اجنبی پھل نہ ہوں گے جن سے وہ نا مانوس ہوں۔ شکل میں اُن ہی پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے جن سے وہ دنیا میں آشنا تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 58)

مودودی ترجمے اور تشریح کی رو سے متشابہات کے معنی: لہٰذا معلوم و ثابت ہوا کہ آیاتِ متشابہات کے معنی

(1) ''آیاتِ محکمات سے ملتی جلتی'' ہوتے ہیں اور

(2) ''ویسی ہی جیسی کہ محکمات ہیں'' کرنا چاہئیں تھے۔ یعنی

(3) آیات متشابہات نرالی اور اجنبی نہیں جن سے قرآن پڑھنے والے نامانوس ہوں۔ بلکہ آیات محکمات سے ملتی جلتی ہیں جن سے وہ پہلے ہی آشنا ہیں۔"

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ الفاظ "مُتَشَابِهَات" اور "مُتَشَابِهًا" میں صرف مذکر ومونث کا فرق ہے۔ معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

(8) قریشی علما کی ڈبل پٹائی، قرآن تو سارا کا سارا مُتَشَابِهَات کا مجموعہ ہے: یہ قرآن کریم اس لئے بھی معجزہ ہے کہ غلط تصور کو کسی سمت سے داخلہ کی اجازت نہیں دیتا (حم سجدہ 41/42) اور ہانک پکار کر کہتا ہے کہ قرآن تو ایک متشابہات سے لبریز کتاب ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ .... (زمر 39/23)

مودودی ترجمہ: "اللہ نے بہترین کلام اُتارا ہے، ایک ایسی کتاب جسکے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں اسے سنکر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔" (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 367-368)

مودودی تشریح: "43۔ یعنی اُن (اجزاء۔ احسن) میں کوئی تضاد واختلاف نہیں ہے۔ پوری کتاب اوّل سے لے کر آخر تک ایک ہی مدعا، ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی نظامِ فکر وعمل پیش کرتی ہے۔ اس کا ہر جُز دوسرے جُز کی اور ہر مضمون دوسرے مضمون کی تصدیق وتائید اور توضیح و تشریح کرتا ہے۔ اور معنی و بیان، دونوں کے لحاظ سے اس میں کامل یکسانی (Consistency) پائی جاتی ہے۔" (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 368-369)

سوچئے کہ آیات متشابہات کے وہ معنی کہاں گئے جن پر مودودی نے باطل کا ایک خوفناک اور گمراہ کن تصور پیش کر کے قارئین سے کہہ دیا تھا کہ آیات متشابہات کی مزید تحقیق وتنقید سے انسان حقیقت سے دُور ہی دُور ہوتا چلا جاتا ہے؟

(9) قرآن کو راہ سے ہٹانے کے لئے قریشی علما کی خودساختہ تمام اصطلاحات باطل ہیں۔

مجتہدین خواہ شیعہ لیبل لگائیں یا سنی کہلائیں وہ سب ابلیسی مذہب کے پیرو ہوتے ہیں۔ وہ ہر نبیؑ کے زمانے میں موجود رہتے چلے آئے، ہر نبیؑ کو انہوں نے مسلسل خاطی اور غلط کار ٹھہرایا، ہر نبیؑ کے زمانے کی اسلامی تعلیمات کو ابلیسی اجتہادات سے تبدیل کر کے برابر ابلیس کے مذہب کو برقرار رکھا (فرقان 25/31) یہی کچھ آنحضرؐت کے زمانے کے قریشی مجتہدین نے کیا۔ ہر آیت کے خلاف اپنا مجتہدانہ تصور جاری کیا۔ پورے قرآن کو مہجور کیا (25/30) جھٹلایا (6/66) اور یہ سب کچھ اپنے زیغ یا منصوبے سے ملتے جلتے مفاہیم تیار کر کے اور نئی اصطلاحات والفاظ گھڑ کے دنیا میں پھیلائے اور یوں ایک خودساختہ اسلام انسانوں کے سامنے رکھتے چلے آئے۔ اور عوام وغیر مسلم اقوام اُسی کو اللہ ورسوؐل کا دیا ہوا اسلام سمجھتے رہے۔ چنانچہ جب آپ کسی شیعہ یا سنی کا ترجمہ پڑھیں گے تو حضرت علی علیہ السلام کی مذکورہ بالا اصطلاحات والفاظ کے معنی اُسی طرح بدلے ہوئے پائیں گے جیسا کہ ناسخ ومنسوخ اور محکمات ومتشابہات میں فراڈ وفریب سازی کی گئی ہے۔

ایک شیعہ مجتہد ومفتی متشابہات سے کیا سمجھا؟ نہج البلاغہ کا ایک مجتہد اور مفتی شیعہ مترجم بھی مانتا ہے کہ قرآن میں ایسی آیات ہیں جن کے

معنی اُلجھے ہوئے اور گنجلک رکھتے ہوں اُس کا جملہ یہ ہے: ''محکم وہ کہ جس میں کوئی گنجلک نہ ہو اور متشابہ وہ کہ جس کے معنی الجھے ہوئے ہوں۔'' (ترجمہ نہج البلاغہ خطبہ اوّل کی تشریحات صفحہ 97)۔ یہ شخص ابوالاعلیٰ مودودی کا ہم عصر اور چھوٹا بھائی ہے۔

24۔ حج کے سلسلے میں مولاؑ کا بیان۔

حج کے مسائل بھی قریشی علما نے اس طرح تیار کئے ہیں کہ کہیں سربراہِ اسلام علیہ السلام کی نہ ضرورت پیش آئے نہ کوئی کمی اور خامی نظر آئے۔ گویا اب مجتہدین ہی اللہ ہیں، وہی رسولؐ ہیں وہی امامؑ زمانہ ہیں۔ بہرحال حج بیت اللہ اور رواسم حج پراتنا ہی کافی ہے جو آپ کو ہمارے ترجمے سے ملتا ہے۔ رہ گئے حضرت علی علیہ السلام کے مخصوص ارشادات! اُن کے متعلق تشریحات حاضر ہیں۔

(1) کعبہ صرف انسانوں کا ہی نہیں بلکہ تمام جاندار مخلوق کا مرکز اور قبلہ ہے۔

حضورؐ نے کعبہ کو تمام جانداروں کا یعنی ملائکہ، ارواح، جنات، چرند و پرند اور ہر سانس لینے والی مخلوق کا قبلہ یعنی مرکز قرار دیا ہے (خطبہ 1 جملہ 244)۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے نہ کبھی ایسا سوچا اور نہ آج تک کسی نے یہ سمجھا کہ کعبہ تمام مخلوقات کا قبلہ و مرکز ہے۔ لیکن اس کائنات کا ناظم اور اللہ و رسوؐل کا خلیفہ اس حقیقت کو ایک جملے میں بتا کر آگے بڑھ گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کعبہ کے حج کی قیادت تو ایسے شخص کا کام اور منصب ہونا چاہئے جو پوری اور ہر قسم کی مخلوقات کا راہنما ہو؛ اُن کی زبانوں اور ضروریات وفرائض پر مطلع ہو، اور جانتا ہو کہ کہاں کہاں نوع انسان کے ساتھ اُن کے تعاون کی ضرورت ہے۔ سوچئے کہ بعد رسوؐل جو حج خلافتِ قریش کے زمانے میں ہوئے یا آج تک شیعہ سنی علما وعوام حج کر رہے ہیں اُن کی حیثیت اللہ و رسوؐل یا اسلام کے نزدیک کیا ہونا چاہئے؟ جب کہ اُنہوں نے ایسے لوگوں کو اللہ و رسوؐل کا جانشین و نمائندہ اور اسلام کا سربراہ بنائے رکھا ہو جو پوری کائنات تو کہاں خود اپنی جسامت سے جاہل ہوں؟ اور جنہیں آج اللہ و رسولؐ کے نمائندہ اور سربراہ اسلام کی نہ ضرورت ہو نہ فکر ہو؟ جو خود ہی ہر کام میں اللہ و رسوؐل کی جگہ جمے ہوئے ہوں؟ اُن کی اسی بے دینی نے انہیں دین و دنیا میں تباہ کیا تمام اقوامِ عالم میں ذلیل و خوار محتاج رکھا اور جہنم کو اپنے لئے تیار کیا۔

(2) سربراہِؑ اسلام کے بغیر یہ حج ایامِ جاہلیت کی بت پوجا سے زیادہ کچھ نہیں ہے: دوسری بات یہ عرض کرنا ہے کہ خلافت اور ولایت الٰہیّہ کا عقیدہ اور اس پر عملدرآمد تمام عبادات وعقائد کی کنجی ہے۔ اگر کنجی پاس نہیں تو کسی عقیدے اور عبادت سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے جناب زرارہ رضی اللہ نے دریافت کیا کہ اسلام کی بنیاد کیا ہے؟

قَالَ: بنی الاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسَۃِ اَشْیَآءٍ، عَلَی الصَّلٰوۃِ وَ الزَّکَاۃِ وَ الحَجِّ وَ الصَّوْمِ وَ الْوِلَایَۃِ ۔ قَالَ زرارۃ: فَقُلْتُ: وَ اَیُّ شَیْءٍ مِنْ ذٰلِکَ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ: اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَل، لَا نَّھَا مِفْتَاحُھُنَّ وَ الْوَالِیُّ ھُوَ الدَّلِیْلُ عَلَیْھِنّ۔ الخ

(کافی، جلد دوم، کتاب الایمان والکفر باب دعائم الاسلام، حدیث نمبر 5)

تو امامؑ نے فرمایا کہ ''اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے۔ 1 نماز 2 زکوٰۃ 3 حج 4 روزہ 5 ولایت۔ زرارہ نے کہا کہ میں نے معلوم کیا کہ ان پانچوں سے کونسی چیز افضل ہے؟ فرمایا کہ ولایت افضل ہے اسلئے کہ وہ ان تمام کی کنجی ہے اور والیؑ اُن سب پر دلیل ہے۔''

(3) **حج بلاولایت پر آئمہ معصومینؑ کی معصوم احادیث**

یہاں قارئین اُس حج کی پوزیشن احادیث کی روشنی میں دیکھیں جس کیلئے اس سال بھی ہزار ہا شیعہ سُنی مسلمان پہنچ رہے ہیں اور ہمارے دُور پار کے چند برائے نام اعزہ بھی پاکستان سے ہزاروں روپے بلیک میلنگ پر خرچ کر کے روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ کے جس باب میں سے ہم حج پر احادیث لکھیں گے اُس کا عنوان ہے:

بَابُ اِنَّ الْوَاجِبَ عَلَى النَّاسِ بَعْدَ مَا يَقْضُوْنَ مَنَاسِكَهُمْ اَنْ يَاْتُوْا الْاِمَامَ فَيَسَالُوْنَهُ عَنْ مَعَالِمِ دِيْنِهِمْ وَ يُعْلِمُوْنَهُمْ وَلَايَتَهُمْ وَ مَوَدَّتَهُمْ لَهُ ''یہ وہ باب ہے جس میں یہ دکھایا جائے گا کہ تمام انسانوں پر واجب ہے کہ وہ حج کے تمام اعمال و عبادات ورسوم بجالا چکنے کے بعد امامؑ زمانہ کے حضور میں حاضر ہوں اور دین کے ضروری احکام معلوم کریں اور اپنی وفاداریاں اور نیازمندیاں اور خدمات اُن کے سامنے پیش کریں۔''

(4) **تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل وبضاعت کو سربراہ اسلام کے روبرو پیش کریں**

(i) **طواف کے بعد امامِ زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہونا**

جناب فُضَیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اُن لوگوں کی طرف دیکھا جو حج کے دوران کعبہ کے چاروں طرف طواف میں مشغول تھے اور فرمایا کہ اسلام لانے سے پہلے ایام جاہلیت میں بھی یہ لوگ اسی طرح طواف کیا کرتے تھے۔ اُنہیں حکم دیا گیا تھا کہ: **اَنْ يَّطُوْفُوْا بِهَا ثُمَّ يَنفِرُوْا اِلَيْنَا، فَيُعَلِّمُونَا وَلَايَتَهُمْ وَ مودتهم وَ يَعْرِضوا عَلَيْنَا نُصْرَتَهُمْ ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ: فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىْ اِلَيْهِمْ**

اِن چیزوں کا طواف کر کے ہمارے پاس حاضر ہوں اور ہمیں اپنی وفاداریاں اور نیازمندیاں اور اپنی نصرت وخدمات پیش کریں۔ اس کے بعد یہ آیت (ابراہیمؑ 14/37) پڑھی کہ: ''یا اللہ لوگوں کے دلوں کو اُن کی طرف جھکاتے رہنا۔''

(اصول کافی کتاب الحجۃ باب اِنَّ الواجب علی الناس بعد ما یقضُون مناسکھُم... حدیث نمبر 1)

(ii) **کعبہ بلا امامؑ زمانہ پتھروں کا ڈھیر ہے:** اور حضرت سدیر رضی اللہ کہتے ہیں کہ میں مسجد حرام سے باہر آ رہا تھا کہ مجھے امام محمد باقر علیہ السلام مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ملے اُنہوںؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر خانۂ کعبہ کے مقابل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ:

يَا سدير اِنَّمَا اُمِرَ النَّاسُ اَنْ يَّاْتُوْا هٰذِهِ الْاَحْجَارَ فَيَطُوْفُوْا بِهَا ثُمَّ يَاْتُوْنَا فَيُعَلِّمُوْنَا وَلَايَتَهُمْ لَنَا وَ هُوَ قَوْلُ اللّٰهِ: ''وَ اِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى'' (طٰهٰ 20/82) ثُمَّ اَوْمَاَ بِيَدِهٖ اِلٰى صَدْرِهٖ: اِلٰى وَلَايَتِنَا ثُمَّ قَالَ يَا سدير فَاُرِيْكَ الصَّادِّيْنَ عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ ...الخ (ایضاً... حدیث نمبر 3)

'' اے سدیر حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ لوگوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اِن پتھروں تک پہنچیں اور اُن کا طواف کریں پھر ہمارے پاس آ کر اپنے رعایا ہونے اور ہماری ولایت وحکومت کو ماننے کا اقرار کریں اور اللہ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ میں یقیناً اُن لوگوں کی

مغفرت کرنے والا ہوں جو اپنی اصلاح کے لئے پلٹ کر آئیں، ایمان لائیں اور اعمال صالح بجالائیں پھر ہدایت حاصل کرلیں'
یہ کہہ کر اپنے ہاتھ سے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہماری ولایت سے ہدایت حاصل کریں۔ پھر فرمایا کہ اے سدیر میں تمہیں
وہ لوگ دکھاتا ہوں جنہوں نے دین خداوندی سے لوگوں کو روک رکھا ہے......''

یہ باب اور اُس میں بیان شدہ احادیث کی رُو سے حاجیوں، نمازیوں اور روزہ داروں کا انجام صاف دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ وہ تمام اغراض ومقاصد ضائع کردیئے گئے جو عبادات کو نتیجہ خیز بنانے والے تھے۔ حج کا مقصد یہ تھا کہ صاحبانِ حیثیت اور تندرست وتوانا لوگ مملکت اسلامیہ کے دُور دراز علاقوں سے سفر کر کے آئیں، اسلامی مرکز کے شعائر اور رسوم واحکام کی عملی تعمیل کر کے اپنی قلبی اطاعت شعاری کا ثبوت دیں اور اس طرح فریضۂ حج کی تکمیل کے لئے سربراہِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں حاضری دیں۔ اپنے تمام وسائل و بضاعت وقابلیت کی تفاصیل پر مطلع کریں اور جہاں اور جس طرح امامؑ زمانہ انہیں استعمال کرنے کا پروگرام بتائیں اس کے مطابق اپنی جان و مال واولاد وقدرتیں استعمال کریں۔ تاکہ ساری دنیا میں ہر ضرورتمند کو خوشحالی اور ترقی سے وابستہ رکھا جائے اور ہر آسودہ حال و خوشحال شخص کو اپنے ماحول کے غربا ومساکین کی دیکھ بھال اور پرورش کی ذمہ داری سونپی جاسکے اور انہیں اس قابل بنایا جاسکے کہ وہ بھی حج اور زیارتِ امامؑ کے لئے بار بار حاضر ہوسکیں۔ تاکہ ساری دنیا سے مکہ تک کی راہیں محفوظ اور کھلی رہ سکیں اور رکاوٹیں ہٹائی جاسکیں۔ مکہ سے لے کر اقصائے عالم کی آبادیوں کو سربراہِ اسلام سے مربوط کرنے کے لئے راستوں کا بنانا، قدیم راہوں کو سنوارنا، مسافروں کی منزلوں اور قیام گاہوں کا تعمیر کرنا یہی تو وہ بجٹ تھا جسے واجباتِ مالی میں برابر ذکر کیا گیا ہے اور جہاں جہاں غربا ومساکین ویتامیٰ کو خودمکتفی بنانے کی اسکیم پیش کی ہے وہاں راہوں، راستوں، سڑکوں کے ذمہ دار محکمے کے لئے مالی فنڈ ادا کرنے کا حکم دیا جاتا رہا ہے۔

(بقرہ2/215، 2/177، نسا4/36، 8/41، 17/26، 30/38)

(iii) حج ساری کائنات کو امامؑ زمانہ سے مربوط رکھنے اور تمام انسانوں میں مساوات قائم کرنے کا ذریعہ تھا۔

چنانچہ دنیا سے اجارہ داری اور اغنیا کو مٹانے کے لئے حج بھی ایک بڑا ذریعہ تھا۔ اور حج کا وجوب پہلے درجے میں سرمایہ داروں ہی پر لازم آتا ہے۔ وہ اس سفر میں اگر تنہا چلیں گے تو انہیں عملاً اُن تکلیفوں سے گزرنا ہوگا جو اُن کے غریب خادموں، نوکروں اور رعایا کو سہنا پڑتی ہیں۔ خدام اور نوکروں کو ساتھ لیں گے تو سرمایہ زیادہ خرچ ہوگا۔ اور یہاں سے وہاں تک تمام روپیہ غربا ہی کو جائے گا۔ حج کے دوران محنت ومشقت ولباس اور پابندیاں انہیں جسمانی شدائد برداشت کرنے پر آمادہ کریں گے۔ یعنی حج اُن کے جان و مال دونوں کو نچوڑ کر رکھ دے گا۔

(iv) حج وعبادات کا ایک مقصد اغنیا کو شدادیت سے شرافت کی طرف لا کر انسان بنانا۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ دولت صرف اغنیا یا سرمایہ داروں ہی میں گھر کے نہ رہ جائے اس لئے کہ مال فے میں بھی سڑکوں، راہوں اور وادیوں اور میدانوں کو محفوظ وتیار رکھنا لازم ہے تاکہ دنیا کے اُس سرے سے انسان چل کر سربراہؑ اسلام سے مل سکے اور

اس ملاقات کے لئے خود کو حج وعبادت وریاضت کر کے تیار کر سکے۔اس مقصد کے لئے حکم ہے کہ:

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ وَ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (حشر 59/7)

''رسولؐ اللہ کا ہر وہ سرمایہ، جائیداد یا اموال جسے اللہ نے لوگوں سے واپس دلایا ہو، جس طرح اُن بستیوں کے لوگوں سے واپس دلایا ہے وہ ہرگز رعایا کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اللہ ورسولؐ اور اہلِ رسولؐ اور یتیموں اور مساکین اور راستوں اور راستوں کے محافظوں کیلئے مخصوص ہے تاکہ دولت مندوں کے درمیان دولت محصور ہو کر نہ رہنے پائے اور تمہارے اندر دولت مند غنی کوئی نہ رہنے پائے لہٰذا رسولؐ جو کچھ دیا کرے وہ لے لیا کرو اور جس سے منع کر دیں باز رہا کرو۔تقویٰ اختیار کرو ورنہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 02

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 02

خُطبہ ﴿2﴾

جنگ صفین سے پلٹ آنے پر: (یہ جُملہ اور تصور غلط ہے)

(1) اللہ کی حمد وثنا کیوں ضروری ہے؟

(2) محمدؐ پہلے سے لکھی ہوئی کتاب اور ایک نور علیہ السلام کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے؛

(3) تبلیغِ رسالت واتمام حجت کے بعد بھی قریش گمراہ رہے؛ دین میں اختلاف وافتراق پھیلانے کی مکمل تفصیلات؛

(4) خلافت نے علما کی زبان بندی کر رکھی تھی؛

(5) ''مقام آل محمدؐ'' علوم خداوندی اور دین کا ذخیرہ ہے؛

(6) علیؑ سے پہلی خلافتیں غاصب وگمراہ تھیں؛

(7) حق حکومت وہدایت آل محمدؐ میں محدود ہے؛

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ		شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔
اَحۡمَدُهُ اسۡتِتۡمَامًا لِنِعۡمَتِهٖ؛	1	میں اُس کی حمد وثنا اسلیئے کرتا رہوں گا تا کہ وہ اپنی نعمتوں کی مجھ پر انتہا کردے؛
وَ اسۡتِسۡلَامًا بِعِزَّتِهٖ؛	2	اور اس لئے کہ اُس کی عزت تسلیم کی جاتی رہے؛
وَ اسۡتِعۡصَامًا مِّنۡ مَّعۡصِيَتِهٖ؛	3	اور اس لئے کہ غلط کاریوں سے اُس کا تحفظ فراہم ہوتا رہے؛
وَ اسۡتَعِيۡنُهٗ فَاقَةً اِلٰى كِفَايَتِهٖ؛	4	اور اُسی سے مدد طلب کرتا رہوں گا اس لئے کہ اس کی مدد وکفایت کی ہمیشہ احتیاج رہے گی؛
اِنَّهٗ لَا يَضِلُّ مَنۡ هَدَاهُ؛	5	یقیناً جسے وہ بذات خود ہدایت کردے وہ کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا؛
وَ لَا يَئِلُ مَنۡ عَادَاهُ؛	6	اور جسے بھی وہ اپنا دشمن سمجھ لے پھر اسے کہیں بچاؤ اور ٹھکانہ نہیں مل سکتا؛
وَ لَا يَفۡتَقِرُ مَنۡ كَفَاهُ؛	7	اور جس کی کفالت اور پرورش وہ اختیار کرلے وہ کسی اور کا محتاج نہیں ہوسکتا؛
فَاِنَّهٗ اَرۡجَحُ مَا وُزِنَ؛	8	چنانچہ اُس کی دی ہوئی ہدایت اور مدد اور کفالت ہر اُس چیز سے بڑھ کر ہے جس کا وزن کیا جاسکے؛
وَ اَفۡضَلُ مَا خُزِنَ؛	9	اور ہر اُس چیز سے افضل ہے جسے ذخیرے کے طور پر خزانوں میں جمع کیا جائے؛

وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ؛	10	اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور وہ یکتا و یگانہ ہے اس کے ساتھ کوئی اور کسی قسم کا شریک نہیں ہے؛
شَهَادَةً مُّمْتَحَنًا اِخْلَاصُهَا؛	11	میری گواہی ایسی ہے جس کا خلوص پرکھا جاچکا ہے؛
مُعْتَقَدًا مُّصَاصُهَا؛	12	اور جس کا نچوڑ بلاشک وشبہ قلبی عقیدہ بن چکا ہے؛
نَتَمَسَّكُ بِهَا اَبَدًا مَّا اَبْقَانَا؛	الف	ہم اسی عقیدہ سے اپنے باقی رہنے تک یعنی تاابد وابستہ رہیں گے؛
وَ نَدَّخِرُ لِاَهَاوِيْلِ مَا يَلْقَانَا؛	13	اور اسی عقیدے کو ہر خطرے اور حادثے سے ملاقات کے لئے ذخیرہ اور توشہ بنا کر رکھیں گے؛
فَاِنَّهَا عَزِيْمَةُ الْاِيْمَانِ؛	14	یقیناً یہی عقیدہ تو ایمان کی مستحکم بنیاد ہے؛
وَ فَاتِحَةُ الْاِحْسَانِ؛	15	اور حسن عمل کے لئے راہ عمل پر افتتاحی قدم ہے۔
وَ مَرْضَاةُ الرَّحْمٰنِ؛	16	اور رحمٰن کی خوشنودی کا سبب ہے؛
وَ مَدْحَرَةُ الشَّيْطَانِ؛	17	اور شیطان کو دُور رکھنے کا ذریعہ ہے؛
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ؛	18	اور میں شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً محمدؐ اللہ کے بندے اور اُس کے رسولؐ ہیں؛
اَرْسَلَهُ بِالدِّيْنِ الْمَشْهُوْرِ؛	19	جنہیں اللہ نے مشہور و معروف دین کے ساتھ ارسال کیا تھا؛
وَ الْعَلَمِ الْمَاثُوْرِ؛	20	اور آثار قدیمہ سے ثابت چلے آنے والے مخصوص نشانوں کے ساتھ بھیجا تھا؛
وَ الْكِتَابِ الْمَسْطُوْرِ؛	21	اور سطروں میں لکھی ہوئی کتاب دی تھی؛
وَ النُّوْرِ السَّاطِعِ؛	22	اور وہ خاص نور دیا تھا جو جگمگاتا رہا؛
وَ الضِّيَاءِ اللَّامِعِ؛	23	اور چمکتی ہوئی روشنی عطا کی تھی؛
وَ الْاَمْرِ الصَّادِعِ؛	24	اور فیصلہ کن احکام دیئے تھے؛
اِزَاحَةً لِلشُّبُهَاتِ؛	25	جو شکوک وشبہات کو دُور کرنے والے تھے؛
وَ احْتِجَاجًا بِالْبَيِّنَاتِ؛	26	اور دلائل و براہین سے احتجاج واتمام حجت کا سامان دیا تھا؛
وَ تَحْذِيْرًا بِالْاٰيَاتِ؛	27	آیات ومعجزات سے برائیوں کے دُور رہنے کا انتظام کیا تھا۔
وَ تَخْوِيْفًا بِالْمَثُلَاتِ؛	28	عقوبتوں اور سزاؤں سے خوفزدہ کردیا گیا تھا؛
وَ النَّاسُ فِيْ فِتَنٍ انْجَذَمَ فِيْهَا حَبْلُ الدِّيْنِ؛	29	اور لوگ فتنوں میں اس طرح اُلجھے ہوئے تھے کہ نتیجے میں دین کی رسی کے تمام ریشے بکھر چکے تھے؛

وَ تَزَعْزَعَتْ سَوَارِی الْیَقِیْنِ؛	30	اور دین پریقین اور اعتماد کی تمام بنیادیں ڈگمگا رہی تھیں؛
وَ اخْتَلَفَ النَّجْرُ؛	31	اور دین کے تمام قوانین اور قواعد میں اختلاف ہو چکا تھا؛
وَ تَشَتَّتَ الْاَمْرُ؛	32	اور تمام دینی احکام میں تفرقہ اور جھگڑا پیدا ہو گیا تھا؛
وَ ضَاقَ الْمَخْرَجُ؛	33	اور فتنوں سے نکلنے کی راہیں تنگ تھیں؛
وَ عَمِیَ الْمَصْدَرُ؛	34	ہدایت حاصل ہونے کی راہ نظر نہ آتی تھی، راہنمائی غائب اور اندھیرا چھایا ہوا تھا؛
فَالْهُدٰی خَامِلٌ؛	35	ہدایت انجانی غیر معروف ہوگئی تھی؛
وَّ الْعَمٰی شَامِلٌ؛	36	گمراہی اور اندھاپن ہر حال میں شامل تھا؛
عُصِیَ الرَّحْمٰنُ؛	37	رحمٰن کی نافرمانیاں عام تھیں؛
وَ نُصِرَ الشَّیْطَانُ؛	38	شیطان کے مذہب کی مدد کی جا رہی تھی؛
وَ خُذِلَ الْاِیْمَانُ؛	39	ایمان کو بے چارہ کر کے رکھ دیا گیا تھا؛
فَانْهَارَتْ دَعَائِمُهٗ؛	40	اُس کے ارکان اور ستون گر چکے تھے؛
وَ تَنَكَّرَتْ مَعَالِمُهٗ؛	41	اُس کے تمام آثار اور نشانات اجنبی غیر معروف ہو کر رہ گئے تھے؛
وَ دَرَسَتْ سُبُلُهٗ؛	42	اور ایمان کی تمام راہیں مٹ گئیں؛
وَ عَفَتْ شُرُكُهٗ؛	43	اور نشانِ راہ تک ناپید ہو گئے؛
اَطَاعُوا الشَّیْطَانَ فَسَلَكُوْا مَسَالِكَهٗ؛	44	اِنہوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کر کے اُس کے مسلک و مذہب پر چلنا شروع کر دیا؛
وَ وَرَدُوْا مَنَاهِلَهٗ؛	45	اور اُسی کے تیار کئے ہوئے چشموں پر وارد ہوئے؛
بِهِمْ سَارَتْ اَعْلَامُهٗ؛	46	قریش کے ذریعے سے اُس کے طور وطریقے جاری ہوئے؛
وَ قَامَ لِوَآؤُهٗ؛	47	اور اُن ہی کے ہاتھوں اس کے پرچم بلند اور جگہ جگہ نصب ہوئے؛
فِیْ فِتَنٍ دَاسَتْهُمْ بِاَخْفَافِهَا؛	48	وہ ایسے فتنوں میں اُلجھے جو اُنہیں اپنے ہلکے پن اور خوشگواری سے دھوکہ دے رہے ہیں؛
وَ وَطِئَتْهُمْ بِاَظْلَافِهَا؛	49	اور اپنے کھروں سے کچل رہے ہیں اور وہ فتنے اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے ہیں؛
وَ قَامَتْ عَلٰی سَنَابِكِهَا؛	50	اور قریشی عوام اُن میں الجھے اور پھنسے ہوئے ہیں؛

فَهُمْ فِيهَا تَائِهُونَ حَائِرُونَ جَاهِلُونَ مَفْتُونُونَ؛	51	حیران و پریشان و ششدر راور انجان ہیں اور اُن سے دیوانہ وار لپٹے ہوئے ہیں؛
فِي خَيْرِ دَارٍ وَ شَرِّ جِيرَانٍ؛	52	یہ لوگ اچھے مقام ومسکن میں ہیں اور شر انگیز ہمسایوں کے اندر ہیں؛
نَوْمُهُمْ سُهُوْرٌ؛	53	جن کی نیند فتنوں نے اُڑا دی ہے؛
وَ كُحْلُهُمْ دُمُوعٌ؛	54	اور جن کے آنسو اُن کا سرمہ بن گئے ہیں؛
بِأَرْضٍ عَالِمُهَا مُلْجَمٌ؛	55	یہ وہ سرزمین ہے جہاں عالم کے منہ کو لگام سے بند رکھا ہوا ہے؛
وَ جَاهِلُهَا مُكْرَمٌ ؛	56	اور جہاں جاہلوں کے حصے میں عزت و وقار آ گیا ہے۔
وَ مِنهَا يعنى آل النَّبِيِّ		**اِسی خطبہ کا حصہ : آلؑ نبیؐ کا ذکر مبارک**
هُمْ مَوْضِعُ سِرِّهِ؛	57	آل نبیؐ آنحضرتؐ کے راز و رموز اور اللہ کی تعلیمات کی سپردگی کا مقام ہیں؛
وَ لَجَاءُ أَمْرِهِ؛	58	اور اللہ کے دین اور احکام کی پناہ گاہ ہیں؛
وَ عَيْبَةُ عِلْمِهِ؛	59	اور اُس کے علوم کا ذخیرہ ہیں؛
وَ مَوْئِلُ حِكَمِهِ؛	60	اور اُس کی حکمتوں کا ٹھکانہ ہیں؛
وَ كُهُوفُ كُتُبِهِ؛	61	اور اس کی تمام کتابوں کو محفوظ رکھنے والے غار ہیں؛
وَ جِبَالُ دِينِهِ؛	62	اور اُس کے دین کے پہاڑ ہیں؛
بِهِمْ أَقَامَ انْحِنَاءَ ظَهْرِهِ؛	63	اور اُن ہی کی کمک و اعانت سے دین کی کمر سیدھی ہوئی تھی؛
وَ أَذْهَبَ ارْتِعَادَ فَرَائِصِهِ ؛	64	اور ان ہی کی وجہ سے دین کے جسم کی کپکپی سکون سے بدل گئی تھی۔
وَمِنهَا يَعْنِي قَوْمًا آخَرِينَ		**اسی خطبہ کا حصہ: قریش کا خصوصی تذکرہ اور آل محمدؐ**
زَرَعُوا الْفُجُورَ؛	65	قریش نے دین میں بے راہ روی کی کھیتی بوئی؛
وَ سَقَوْهُ الْغُرُورَ؛	66	اور اس کھیتی کو فریب و مکر سے سینچا؛
وَ حَصَدُوا الثُّبُورَ؛	67	اور آخر دینی ہلاکت و تباہی کی فصل کاٹی؛
لَا يُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ (صلّى الله عليه و آله وسلم) مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَحَدٌ؛	68	اس اُمت میں بھی کوئی شخص آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہم کا ہمسر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے؛

وَ لَا یُسَوّٰی بِھِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُھُمْ عَلَیْهِ اَبَدًا؛	69	اور جن لوگوں پر آلِ محمدؐ (صلوٰۃ اللہ علیہم) ہی کی وجہ سے نعمتیں بھیجی گئی ہوں اُن نعمتوں کے پانے والوں میں سے قیامت تک اُن کا مساوی کوئی نہیں ہوسکتا؛
هُمْ اَسَاسُ الدِّیْنِ؛	70	وہ تو خود دین کی بنیاد ہیں؛
وَ عِمَادُ الْیَقِیْنِ؛	71	اور یقین کے ستون ہیں؛
اِلَیْھِمْ یَفِیْءُ الْغَالِیْ؛	72	اُن ہی کی طرف واپس کیا جائے گا مبالغہ کرنے والا؛
وَ بِھِمْ یَلْحَقُ التَّالِیْ؛	73	اور اُن ہی سے آملے گا پیچھے آنے والا؛
وَ لَھُمْ خَصَآئِصُ حَقِّ الْوِلَایَةِ؛	74	اور اُن آلِ محمدؐ (صلوٰۃ اللہ علیہم) کے حق ولایت کے لئے خصوصیات مقرر ہیں۔
وَ فِیْھِمُ الْوَصِیَّةُ وَ الْوِرَاثَةُ؛	75	اور اُن کے اندر ہی وصیت اور وراثتِ حقیقی محدود کی گئی ہے؛
اَلْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی اَھْلِهٖ؛	76	یہی وہ گھڑی ہے جب آلِ محمدؐ (صلوٰۃ اللہ علیہم) کا مشہور و معروف حق اپنے صحیح حقداروں کی طرف واپس آیا ہے۔
وَنَقَلَ اِلٰی مُنْتَقَلِهٖ o	77	اور وہاں منتقل ہوا ہے جو اس کے منتقل ہونے کی جگہ تھی۔

تشریحات:

1۔ قرآنِ کریم کے بیانات و مقاصد کا رُخ بدلنے کے لئے شانِ نزول کا فریب ایک قدیم حربہ تھا

قریش، نہج البلاغہ کو بھی قرآن کی طرح ایک آفت سمجھتے تھے:

ہم نے قرآن کی زبان میں یہ بات بار بار دُھرائی اور اپنی تمام ہی تصنیفات میں لکھی ہے کہ قریش نے یا رسولؐ اللہ کی قوم نے اپنے تصورات اور کردار کو قرآن کی زد سے بچانے اور انہیں قرآن کے مطابق بنانے کے لئے جو راہیں نکالیں، جو چالیں چلیں، جو فریب کئے، اور جو جتن کئے اُن میں سے ایک راہ، ایک چال، ایک فریب، اور ایک جتن یہ تھا کہ قرآن کے مفاہیم اور معانی کو بدل دیا جائے (فرقان 25/30) اور شانِ نزول متعین کرنے کے لئے چند قصے، حکایات اور روایات تیار کر کے انہیں ساری دنیا میں پھیلایا اور مشہور اور زبان زدِ عام کیا جائے اور قرآن کی آیات کو اُن قصوں، حکایات اور روایات پر فٹ کر کے حقیقت کو جھٹلا دیا جائے (6/66) بالکل یہی کچھ خطباتِ مرتضوی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مقصد وہی تھا کہ قرآن کی طرح حضرت علی علیہ السلام کے بیانات اور اعلانات و اصول وعقائد کا رُخ اپنی مطلوبہ سمت میں موڑ دیا جائے۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید کی طرح مفتیوں اور علما نے نہج البلاغہ کی شرح میں ہزار ہا صفحات سیاہ کئے تاکہ نہج البلاغہ کو اہلِ باطل کا ہمنوا نہ سہی تو کم از کم خیر خواہ تو بنا ہی دیا جائے۔ اس لئے اُسی قریشی گروہ نے جہاں جہاں مناسب سمجھا خطبوں کے ساتھ ایک دو یا زیادہ جُملے شانِ نزول کی طرح چپکا دیئے۔ تاکہ خطبہ کو پڑھنے سے پہلے ہی یا پڑھنے کے بعد یا پڑھنے کے دوران قاری کے ذہن میں وہ وقت یا صورتِ حال یا تصور بیٹھ جائے جو قریشی مُدبّر چاہتے تھے۔ اور چونکہ ایسے فریب کارانہ جملے بہت پہلے سے

بولے یا لکھے ہوئے چلے آرہے تھے اس لئے جناب علامہ السید رضی رضی اللہ عنہ نے بھی اُن جملوں کو برقرار رکھا تا کہ خطبات نقل کرنے کی صحت برقرار رہے مگر بلاغور کئے نہج البلاغہ میں اُنہیں دوام بخش دیا۔ اوراس غرض کے لئے ہم ایسا نہ کریں گے اوران جملوں یا ریمارکس کو نہ کوئی وقعت دیں گے اور نہ اُن سے متاثر ہوں گے اور جہاں ضروری ہوگا اُن کا باطل اور فریب ہونا ثابت کریں گے۔ ہم ایسے جملوں کو ساقط کردیں گے۔ ہم اِن خطبات کیلئے ایسا تصورنہیں رکھتے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بعدِ انتقال رسولؐ اچانک یہ خطبات دینا شروع کر دیئے تھے۔ بلکہ ہم نے افتتاحی بیانات میں لکھا ہے کہ حضورؑ نے دس سال کی عمر سے دین اور قومی حالات پر بیانات دینا شروع فرمائے تھے اور آخری سانس تک وہ لسان اللہ، لسانِ صدق (مریم 19/50 شعرا 26/84) برابر کلام اللہ اور کلام اللہ کی تفسیر پیش کرتی رہی۔

بہرحال خطبہ نمبر 2 شروع ہونے سے پہلے یہ جملہ ہر نہج البلاغہ میں متواتر لکھا چلا آرہا ہے کہ:

"بَعْدَ انْصِرَافِهِ مِن صِفِّيْنِ" "جنگ صفین سے واپسی کے بعد"

اور ہر مترجم نے اس جملے کا ترجمہ کرنے کے بعد خطبہ کا ترجمہ شروع کیا ہے۔ گویا یہ جملے یا ریمارکس خود نہج البلاغہ یا کلامِ مرتضوی کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ لہٰذا ہم اُن سے اُن کا یہ مقام چھین لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس جُملے کی رُو سے خطبہ (2) جنگ صفین ماہ صفر 37 ہجری میں ختم ہو جانے اور کوفہ میں پلٹ آنے کے بعد دیا تھا۔ یعنی یہ خطبہ (2) صفر 37 ہجری کے بعد دیا گیا تھا۔ لیکن اس دوسرے خطبہ کو ختم کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے اس زیرِ بحث ریمارکس کو باطل کردیا ہے۔

2۔ خطبہ نمبر 2 حقِ خلافت ملنے کے فوراً بعد دیا جانا خطبے سے ثابت ہے۔

اب آپ اس خطبہ کا آخری جملہ پڑھیے جہاں حضرت علی علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ:

اَلْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی اَهْلِهٖ وَ نَقَلَ اِلٰی مُنْتَقَلِهٖ (خطبہ 2 جملے 76-77)

"یہی وہ گھڑی ہے جبکہ حقِ خلافت، باطل کے ہاتھوں سے خود بخود نکل کر، خلافت کے صحیح حقدار کے پاس پلٹ آیا ہے اور غلط مقام سے صحیح جگہ پر منتقل ہوگیا ہے۔"

یہ جملہ بتاتا ہے کہ جس گھڑی حضور کو ظاہری خلافت ملی تھی اُسی لمحہ یہ خطبہ دیا گیا تھا اور آپ کی بیعت 35 ہجری میں ہو چکی تھی۔ قارئین سوچیں کہ جنگِ صفین ماہ شوال 36 ہجری کو شروع ہوئی اور ماہ صفر 37 ہجری کو ختم ہوئی تھی۔ اور آنحضرتؑ کو ذی الحج 35 ہجری کو خلافت پر قبضہ دیا گیا تھا۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ دوسرا خطبہ ماہ صفر 37 ہجری میں دیا گیا اور اُس وقت یہ کہا گیا کہ "یہی وہ گھڑی ہے جب خلافت صحیح حقدار کو ملی ہے" تو اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ خلافت 37 ہجری تک کسی اور کے پاس تھی جو جنگِ صفین سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؑ کو ملی تھی؟ اور پھر یہ بھی غلط ہو جائے گا کہ حضرت علی علیہ السلام کا زمانۂ خلافتِ ظاہری پانچ سال تھا۔ وہ جملہ خلافت کو ماہ صفر 37 ہجری تک لیٹ کر دیتا ہے اور خلافت کی مدت کو پانچ سال کے بجائے کم کر دیتا ہے۔ اس شانِ نزول کے باطل و بے بنیاد ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ یا تاویل کی گنجائش حضورؑ کے فرمان (خطبہ 2 جملے 77-76) کے بعد رہتی ہی نہیں ہے۔

(2۔الف) ہم ہراُس دُم چھلّے کوساقط کردیں گے جو کہ کلامِ مرتضویؑ کے علاوہ ہے یا خواہ مخواہ لگا چلا آرہا ہے۔

یہ بھی سُن لیں کہ یہ نہج البلاغہ ہزار سال سے برابر شائع ہوتی اور دنیا میں پھیلتی اور محفوظ ہوتی چلی آرہی ہے۔اور جو کچھ علامہ رضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا اور جس نمبر کے نیچے لکھا وہ ہر نہج البلاغہ میں موجود ہے اور بعینہٖ اُسی طرح موجود ہے۔جیسا کہ علامہؒ نے لکھا تھا۔ چنانچہ اب خطبہ نمبر2 کی طرح ہر جگہ "وَ مِنهَا" "وَ مِنهَا" لکھنے کی کوئی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔خطبے کے ہر جز کو مسلسل لکھ دیا جانا کافی ہے۔البتہ اگر کوئی جملہ بطور عنوان لکھا ہوا ہے جیسے دوسرے خطبے میں "یعنی آلَ النبیؐ "یا "یعنی قَوْمًا آخرین" دوعنوان ہیں۔اُن کو بحال رکھنا قاری کو مدد دے گا۔اس لئے برقرار رکھنے میں حرج نہیں ہے۔

3۔ اللہ کی حمد وثنا اور عبادت کی وجہ مولویانہ نہیں بلکہ عارفانہ بیان فرمائی ہے۔

اس خطبے سے جہاں اور بہت سے اسباق اور ہدایات ملتی ہیں وہیں وہ مقصد معلوم ہو جاتا ہے جو حضرت علی علیہ السلام نے عبادت اور حمد وثنائے خداوندی کا بیان فرمایا ہے۔اگر انسان کو حمد وعبادت سے نعمتوں اور اپنی نصرت میں ساتھ کے ساتھ اضافہ کا ہوتے رہنا دکھائی دیتا رہے تو ظاہر ہے کہ نہ تو کوئی انسان حمد وعبادتِ خداوندی کو چھوڑتا اور نہ اُسے مولویوں کی بیگار خیال کرتا بلکہ وہ حمد وثنائے الٰہی کے سوا اور کوئی دنیا کا کام کرنا پسند ہی نہ کرتا۔جب انسان کو اُس کی تمام ضروریات حمد وثنائے خداوندی سے ملتی رہیں تو پھر مادی سامان کے لئے چاروں طرف دوڑ دھوپ، لوگوں کے سامنے مختلف ضروریات کے لئے ہاتھ پھیلانا کسی غیور انسان کو پسند نہ آئے گا۔اور نہ آدمی کسی آدمی کے سامنے ہاتھ پھیلانا پسند کرتا ہے۔مگر اُس کی غیرت اور فطرت اور خواہش کے خلاف اُسے زندگی بھر ہاتھ پھیلانے، منت سماجت اور خوشامد کرنے پر مجبور رہنا پڑتا ہے۔اور یہ حال دیندار و بے دین، نمازی اور بے نماز دونوں کا ہے۔اور دونوں نے اپنی دینداری اور بے دینی کی تعلیمات اور تجربہ سے یہ طے کر لیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی حاصل ہوسکتا ہے وہ صرف اپنی محنت ومشقت اور دوڑ بھاگ ہی سے ملتا ہے۔اور یہ کہ اللہ بھی کسی کو بلا محنت وجدوجہد کچھ نہیں دے سکتا۔چنانچہ وہ مسلمان جو تصوراتِ علویہؑ سے ہٹ کر فلسفۂ اسلام پر عمل پیرا رہے ہیں وہ برابر اپنے مادی وبے دینی کے اس تصور پر قرآن کی یہ آیت پیش کرتے رہے ہیں۔

(3۔الف) قریشی اسلام مادہ پرستی ہی کا دوسرا اسلام نما نام ہے۔

قریش قرآن ہی سے قرآن کے خلاف سامان پیش کرتے ہیں یعنی: وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo (نجم 53/39)

مودودی ترجمہ: ''اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 214)

مودودی تشریح: ''38؎ اس ارشاد سے بھی تین اہم اصول نکلتے ہیں۔ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی پائے گا اپنے عمل کا پھل پائے گا۔دوسرے یہ کہ ایک شخص کے عمل کا پھل دوسرا نہیں پاسکتا اِلّا یہ کہ اُس عمل میں اُس کا اپنا کوئی حصہ ہو۔تیسرے یہ کہ کوئی شخص سعی و عمل کے بغیر کچھ نہیں پاسکتا۔'' (تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 215)

صاف الفاظ میں دہریت اور بے خدا مذہب کا ثبوت یہاں موجود ہے۔اور یہ صرف اس لئے کہ ترجمہ میں ایک مخصوص شخص کو پوری

انسانیت بنادیا گیا ہے۔ بہرحال اُن کو یاددلاؤ کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کو جنت سے رخصت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ o(بقرہ 2/38)

''چنانچہ جب تمہارے پاس میری ہدایات پہنچیں تو جو کوئی میری ہدایات پر قدم بقدم چلے گا اُسے کسی قسم کا خوف اورحزن وملال نہ ہوگا۔''

اور یہ کہ: فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰی o(طٰهٰ 20/123)

''چنانچہ جو کوئی میری ہدایات پر قدم بقدم چلے گا وہ نہ کبھی گمراہ ہوگا اور نہ مشقت ومحنت میں مبتلا ہوگا۔''

اور یہ کہ: وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی o (20/124)

''اور جو کوئی میرے ذکرؑ سے روگردانی کرے گا یقیناً اُس کی زندگی اور معیشت تنگ حالی سے دوچار رہے گی اور پھر قیامت میں ہم لوگ اُسے اندھوں میں شمار کریں گے اور اندھا اُٹھائیں گے۔''

اِن آیات میں ذمہ داری لی گئی ہے کہ اللہ کی ہدایات کی پیروی کرنے والوں کو خوف وحزن ومشقت سے محفوظ و مامون رکھا جائے گا۔ اور یہ کہ اُن کی زندگی تنگ حالی وتنگ دستی سے دوچار نہ ہوگی بلکہ فراخی وکشایش وآسودگی ان سے وابستہ رہیں گی۔ پھر یہ آیت بھی سنائیں کہ:

(3۔ب) اللہ بلامحنت ومشقت اور باوقار روزی دیتا رہا ہے اور دیتا رہے گا۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَ هَا رِزْقًا ؛ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ o (آل عمران 3/37)

''جب جاتا اُوپر اُس کے زکریا محراب میں پاتا نزدیک اُس کے رزق کہا اے مریمؑ کہاں سے آیا واسطے تیرے یہ؟ کہتی وہ نزدیک اللہ کے سے ہے تحقیق اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے شمار'' (رفیع الدینؒ)۔

مودودی ترجمہ یعنی یہ اتفاقی بات نہ تھی رزق کا مستقل انتظام تھا۔

''زکرؑیا جب کبھی اُس کے پاس محراب میں جاتا تو اُس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتا۔ پوچھتا مریمؑ! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ جواب دیتی اللہ کے پاس سے آیا ہے، اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 248)

رزق روٹیوں کا نہیں ضرورت کی ہر چیز کا نام ہے:

''حالانکہ عربی زبان میں رزق محض خوراک کے معنی تک محدود نہیں ہے بلکہ عطا اور بخشش اور نصیب کے معنی میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دنیا میں انسان کو دیا ہے وہ سب اس کا رزق ہے، حتّٰی کہ اولاد تک رزق ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 293)

علامہ کی یہ آخری بات محولہ بالا آیت سے اگلی آیت (3/38) سے اور وہاں علامہ کی تشریح سے بھی ثابت ہے اس لئے کہ اللہ کے اس رزق کو محراب میں دیکھ کر ہی حضرت زکرؑیا نے ایک لڑکے کی دعا کی تھی۔ بہرحال ثابت ہوا کہ محرابِ عبادت میں حضرت مریم علیہا السلام کو اُن کی ضرورت کی ہر ہر چیز بلا کسی محنت ومشقت، رنج وتعب اور بلا کسی کے رُوبرو ہاتھ پھیلانے اور بلا زیرِ بارِ منت واحسان ہونے کے اللہ

کے یہاں سے تاحیات ملتی رہی۔اور پھر اُن کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور اُن کے صحابہ علیہم السلام کو مائدہ ملتے رہنے کا ذکر بھی قرآن (مائدہ 115-5/114) میں موجود ہے۔اور اسی کی وجہ سے اس سورت کا نام ''دسترخوان'' رکھا گیا ہے تاکہ قرآنی اُمت کو آخری زمانے تک مائدہ ملتا رہے (115-5/114) مگر جن لوگوں نے مکروفریب سے اور اللہ ورسولؐ کے خلاف قومی اجماع وگٹھ جوڑ کر کے قرآن اور صاحبِ قرآن علیہ السلام پر تسلط حاصل کیا (مومنون 111 تا 23/109) تھا اُن کے لئے مائدہ تو کہاں ہوتا؟ انہیں تو اللہ نے ساری دنیا کی اقوام کا محتاج اور بھکاری بنا دیا ہے۔اُنہیں اپنی ہر ضرورت اور سہولت وترقی کے لئے اُن لوگوں سے بھیک مانگنا پڑتی ہے جنہیں وہ کافرو بے دین بھی قرار دیتے ہیں۔چنانچہ اُن مسلمانوں سے یعنی حقیقی کافروں سے (نساء 4/65) وہ نام نہاد کافرو بے دین ہزار درجہ بہتر ہیں جو دن رات اسلام کی مرتضوی تعریف (Definition) ''العمل، و العمل فالعمل'' پر کاربند ہیں۔اور انعاماتِ خداوندی سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔

(3۔ج) اللہ کی حمد وثنا دَورِ امامت میں بلامحنت ومشقت ورنج وتعب رزق کی ذمہ دار ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے روز ازل سے حمد وثنائے خداوندی کو اس لئے جاری رکھا تاکہ اللہ کی نعمتیں، عنایات اور عطیات اپنی انتہا تک حاصل کئے جاسکیں (خطبہ 2 جملہ 1)۔اور نتیجے میں عظمتِ خداوندی اپنی امکانی حدود تک ثابت ہوتی چلی جائے (خطبہ 2 جملہ 2) اور اس لئے کہ نوع انسان غلط کاریوں اور تجربات کے چکروں سے چھٹکارہ پاکر بے روک ترقی کرتی چلی جائے (خطبہ 2 جملہ 3) اور ارتقاو ترقی کی بلند سے بلند منزل کو انتہا نہ سمجھ کر مدد و نصرت اور ہدایاتِ خداوندی کی احتیاج اور ترقی کی گنجائش پر یقین کریں (خطبہ 2 جملے 3-4) اور ساری کائنات سے مستغنی ہو جانے کے بعد بھی خود کو اللہ کا محتاج سمجھیں (خطبہ 2 جملہ 7) اور کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو اللہ کو ناپسند ہو (خطبہ 2 جملہ 6) اور کسی اور چیز کا ذخیرہ جمع کرنے کی بجائے حمد وثنا کے ذخائر اور انبار جمع کرنے میں مصروف رہیں (خطبہ 2 جملے 8-9) حمد خداوندی سے شیطان کو اور ہر آفت و دقت کو دُور کرنے اور اللہ کی رضا جوئی میں زندگی گزاریں۔(خطبہ 2 جملے 10 تا 17)

4۔ محمدؐ واہلبیتؑ محمدؐ فانی نہیں بلکہ تاابد باقی رہنے والے ہیں۔

پھر آنحضرتؐ نے خود کو اور اللہ کی حمد وثنا کو ہمیشہ موجود اور باقی رہنے والا فرمایا ہے (خطبہ 2 جملہ 12۔الف) اور قرآن کی اُن آیات کی عمومی تفسیر کی ہے جو شہدا علیہم السلام کی حیاتِ دائمی کا ذکر کرتی ہیں اور اُن آیات کی طرف خصوصی اشارہ فرمایا ہے جن میں خودؐ اُن کا اپنا ذکر یوں کیا گیا ہے کہ:

(4۔الف) محمدؐ واہلبیتؑ محمدؐ کو حیاتِ ابدی دینا تمام مخلوق کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ o وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ o فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ o (رحمٰن 28 تا 55/26)

''تمام موجودات ومخلوقات پر فنا مسلط ہو کر رہے گی، مگر تیرے صاحبِ جلال و بزرگی پالنے والے کی وجہ یا چہرہ فنا نہ

ہوگا۔اب اَے جن وانس بتاؤ کہ تم اپنے پروردگار کی کون کون سی ،اوراس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟‘‘

یہاں دوباتیں طے کرنا ہیں اوّل یہ کہ کیا اللہ خود کوئی نعمت ہوسکتا ہے جسے لوگ یا مخلوقات استعمال کر کے استفادہ حاصل کرتے ہوں؟اور کیا اللہ کو اس کی احتیاج ہے کہ وہ واجب الوجود وقدیم وخالقِ کائنات ورب العالمین ہوتے ہوئے یہ بتائے کہ میرا چہرہ یا وجہ باقی رہیگی فنا نہ ہوگی؟ یہ دونوں باتیں اللہ کیلئے غلط ہیں۔وہ نعمتوں کا خالق ہے خود نعمت یا مخلوق نہیں دوم اُس کے نہ وَجْـهُ ہے نہ ہاتھ پیر وغیرہ ہیں۔اور اگر ہوتے تو اللہ کے ساتھ سب اعضاء بھی باقی رہتے۔صرف اللہ کے چہرے کا فنا نہ ہونا سمجھنے والوں کو یہ ماننا ہوگا کہ اللہ خود اور اُسکے باقی اعضاء فنا ہوجائیں گے۔بات بہت واضح اور سامنے کی ہے۔جیسے اللہ نے سورہ رحمٰن میں اپنی بہت سی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور بار بار سوال کیا ہے کہ اُن نعمتوں میں سے کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔بالکل اسی طرح ’’وَجْـهُ الـلّٰه ‘‘ کا وجود تمام مخلوقات سے قبل سے تیار رکھنا تمام عالمین کے لئے رحمت (انبیاؑ 21/107) فرمایا گیا ہے اُسی طرح اُسے ایک ابدی وازلی نعمت کے طور پر پیش کر کے بار بار کئے جانے والا سوال دہرایا ہے؟اور ہم نے احادیث سے اُن حضرات علیہم السلام کا وَجْـهُ اللّٰه، لِسَانُ اللّٰه، عين اللّٰه اور جَنبُ اللّٰه ہونا ثابت کر دیا ہے۔یہاں تو اُن حضرات کو غیر فانی ثابت کرنے کے لئے آیت (55/27) سامنے لائی گئی ہے اور یہاں دوسرے معنی کو بار نہیں ملتا ہے۔

5۔ آنحضرتؐ کبھی بلا کتاب نہ تھے اور اُن کے ساتھ اُن کی کتاب بھی پہلے سے سطروں میں لکھی ہوئی موجود تھی۔

قرآن کریم کی رُو سے کوئی ایسا نبیؑ یا رسوؐل نہیں گزرا جو بلا کتاب مبعوث ہوا ہو یا جسے پہلے بلا کتاب بھیج دیا گیا ہو اور کتاب بعد 40 سال گزرنے کے بھی نہ ملی ہو بلکہ دو دو چار چار آیات وغیرہ نازل ہو کر بڑی مشکل سے اور مشکوک طریقے پر لوگوں نے یا خود جمع کر لی ہو۔(بقرہ 2/213)اور(حدید 57/25)

اسی حقیقت کو صاحبِ قرآن علیہ السلام نے یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ میں محمدؐ کے اللہ کا بندہ اور رسولؐ ہونے پر اور اُن کے مشہور دین لے کر آنے پر اور قدیم تاریخ میں ثابت شدہ آثار ونشانات لے کر آنے پر اور ایک اللہ کی لکھی لکھائی کتاب لانے پر گواہی دیتا ہوں (خطبہ 2 جملے 18 تا 21)لہٰذا معلوم ہوا کہ قریشی سیاسیئن کو یہی باور کرایا گیا تھا کہ پہلے سے لکھی ہوئی کوئی کتاب گھر میں نہیں ہے۔ورنہ وہ اس حقیقت کو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرتے۔اور باور کرانے کا کمال یہ تھا کہ اللہ سورۂ طور میں اُسی کتاب مسطور کی قسم کھاتا ہے جو نہایت واضح طور پر مادی جھلی پر لکھی ہوئی موجود تھی (طور 3 تا 52/1)اور اُسی کتاب کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل میں فِـي الْـكِـتٰـبِ مَسْـطُـوْرًا o (17/58) کہہ کر کیا ہے اور اسی کو سورۂ احزاب میں بھی بیان کیا ہے(33/6)۔اور خود بھی یہ کہتے رہے کہ ’’جو کچھ رسوؐل اللہ تلاوت کرتے ہیں وہ تو زمانہ قدیم سے سطروں میں لکھا ہوا ریکارڈ چلا آرہا ہے (احقاف 46/17) بار بار فرمایا گیا ہے۔مگر قریش نے اسلام لانے کے بعد بھی یہی کہا کہ حضوؐر کو چالیس سال کے بعد وحی ہوئی اور تیئیس (23) سال کے دوران قرآن کا نزول جاری رہا اور بقول (صحیح) بخاری رسولؐ نے قرآن کو کتاب کی صورت میں جمع نہیں کیا تھا بلکہ بعد میں قریشی خلفا نے کتاب کی صورت دی تھی۔

6۔ رسولؐ اللہ کو اللہ نے لکھی ہوئی کتاب کے ساتھ ہی ایک مجسمۂ نورؑ بھی عطا کیا تھا۔

قارئین یہ بھی نوٹ کریں کہ اللہ نے رسولؐ کو صرف لکھی ہوئی کتاب ہی نہیں دی تھی بلکہ ایک چکا چوند مچا دینے والا نورؑ بھی عطا کیا تھا(خطبہ 2 جملے 22-23)اور قرآن کریم نے بھی اُس مجسمۂ نورؑ کا، محمدؐ کا اور قرآن کا الگ الگ بیان کیا ہے۔اوّل یوں کہ:

(1) محمدؐ کا ذکر: یَآ ھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلُنَا......(مائدہ5/15)

(2)نورؑ اور کتاب کا ذکر:......قَدْ جَاءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌo (5/15)

''اے اہل کتاب یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسولؐ آ چکا ہے جو تمہارے لئے بہت سا ایسا سامان بیان کرتا ہے جو تم توریت میں سے چھپاتے رہتے تھے اور ابھی بھی وہ تمہاری بہت رعایت کر رہا ہے۔یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نورؑ اور بولنے والی کتاب بھی آ چکی ہے۔''(مائدہ 5/15) دوبارہ اس طرح سے کہ:

(1) رسولؐ اللہ کا ذکر: ''وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اَلرَّسُوْل کی اور اُمِیّ نبیؐ کی اور جسے وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں...... (اعراف 7/157)

(2) نورؑ کا تذکرہ: لہٰذا جو لوگ اُس پر ایمان لائے اور اُس کی قوت میں اضافہ کا سبب بنے اور اُس کی نصرت کی اور اُس نورؑ کی قدم بقدم پیروی کی جو اُس رسولؐ اور اُمّی نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہ ہی فلاح یافتہ لوگ ہیں(وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗ) (اعراف7/157)

تیسری مرتبہ فرمایا کہ:فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ......(تغابن64/8)

''چنانچہ تم لوگ اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر اور اُس خاص نورؑ پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔''

اور یہ نورؑ احادیث کی روشنی میں بھی حضرت علیؑ ہیں اور پیروی جس کی کی جاتی ہے یعنی جس کے نشانِ قدم پر چلا جاتا ہے اُسے کتاب نہیں بلکہ سچ مچ چلنے اور عمل کرنے والی ہستی ہونا لازم ہے۔اور اگر کتاب کی پیروی کا حکم دیا جائے گا تو وہاں بولنے والی کتاب یعنی قرآنِ ناطقؑ ہی مقصود ہو گا نہ کہ کتابِ خاموش وصامت وساکت؟

7۔ کفارِ قریش اور اعلانِ اسلام کرنے والے قریش کی دہری مذمت اور حالت۔

آپؑ نے رسولؐ اللہ کی آمد بیان کر کے فوراً قریش کی مذموم حالت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے(خطبہ 2 جملے19 تا56) (خطبہ 2 جملے65 تا67)۔اور قریش نے یہ سمجھ کر سنا تھا کہ یہ اوّلین منکرین کی مذمت کی جا رہی ہے۔یہی اصول قرآن کریم کا تھا وہ قریش کی اس طرح مذمت کرتا رہا کہ مسلمان ہو چکنے والے قریش یہی سمجھتے اور اپنی قوم کو سمجھاتے رہے کہ یہ مذمت اوّلین قریش کی ہو رہی ہے۔اور جہاں کہیں اللہ نے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر مذمت کی وہاں قریشی مسلمان یہ کہہ کر دل بہلاتے رہے کہ یہ مذمت منافقوں کی کی جا رہی ہے۔یوں قرآن اور نہج البلاغہ کی مذمت تاویلات سے برداشت کر لی گئی اور یہ دونوں کتابیں محفوظ رہتی ہوئی ہم تک آ پہنچیں۔

اور ہمیں اللہ نے یہ موقع دیا کہ ہم قریش کی تاویلات کا پردہ اُٹھا کر انہیں ابلیسی لباس میں پبلک کے سامنے ننگے منہ پیش کریں اور دکھائیں کہ اعلانِ اسلام کرنے کے بعد بھی قریش سب کچھ تھے مگر مسلمان نہ تھے۔ چنانچہ ہماری تفسیر نے اُنہیں اور اُن کے لیڈروں، اور نام نہاد صحابہ اور خلفا کو اُن کے حقیقی مذہب کے ساتھ قرآن سے اس طرح پیش کیا ہے کہ قریش اور قریشی علما کو انکار کی گنجائش نہیں مل سکتی۔

یہی حال حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں قریش کا بنایا ہے۔آپؑ نے یہ فرما کر کہ آنحضرتؐ نے اُن کے روبرو وہ اسلام پیش کیا جو اس دنیا میں مشہور و معروف چلا آ رہا تھا (خطبہ 2 جملہ 19)۔آنحضرتؐ کی کتاب اور کوششوں کا ذکر کیا اور اس کے بعد قریش کا حال بیان شروع فرمایا ہے (خطبہ 2 جملے 20 تا 28) جس سے یہ تاثر مل سکتا ہے کہ یہ قریش کے اوّلین مخاطب لوگ ہیں جو فتنوں میں مبتلا اور گمراہ تھے (خطبہ 2 جملے 29-30)۔لیکن آپ نے آلؑ نبی صلی اللہ علیہم کا ذکر کرنے سے پہلے دو ایسے جملے فرما دیئے ہیں (خطبہ 2 جملے 55-56) جن سے ساری مذمت پلٹ کر بعدِ رسوؐل کے قریشی مسلمانوں پر موزوں ہو جاتی ہے۔اور ذرہ برابر شبہ نہیں رہتا کہ یہ تو وہ مسلمان ہیں جنہوں نے تمام صحابہ کو نظر بند کر دیا تھا۔پچیس سال تک احادیث رسوؐل کا بیان کرنا بند رکھا تھا۔اور ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ حالات وہ ہیں جو وفاتِ رسوؐل کے بعد سے وفات عثمان تک وقوع میں آئے تھے۔وہ کلیدی جملے یوں راز کھولتے ہیں کہ:

بِاَرْضٍ عَالِمُهَا مُلْجَمٌ وَ جَاهِلُهَا مُكْرَمٌ ۔ (خطبہ 2 جملے 55-56)

''یہ اُس سرزمین کا حال ہے جس میں ایک عالم کے منہ میں لگام دے کر علوم بیان کرنے سے روک دیا گیا ہے اور جہاں ایک جاہل کی عزت و اکرام کیا جا رہا ہے۔''

تاریخ اور حالاتِ رسولؐ سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ یہ عہد رسوؐل کی بات نہیں ہے۔یہ تو حضرت عمر کا وہ کارنامہ ہے جس پر قریشی علما اور دانشور فخر کرتے ہیں اور جس پالیسی کو مسلمانوں میں اتحاد اور ہم آہنگی قائم رکھنے کا سبب بتاتے ہیں۔اور عثمان کی اس لئے مذمت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے عمر کی اس پالیسی پر عمل نہیں کیا تھا۔چنانچہ جناب علامہ اسلم جیراجپوری کی تاریخ امت کا یہ عنوان اور بیان پڑھیں اور حضرت علیؑ کے بیان کو سمجھیں:

(7۔الف) وہ فتنہ جو خلیفہ دوم نے قائم کیا اور دوسرے خطبے (جملہ 29) میں بیان کیا گیا۔

''فتنۂ داخلیہ'' : ''حضرت عمر نے اپنے عہدِ خلافت میں اعیانِ قریش کو مدینہ میں روک رکھا تھا۔اُن کو کہیں دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تھے۔کبھی اِن میں سے اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آ جاتی تو ایک مدتِ معینہ کی اجازت لے کر جاتا اور پھر واپس آ جاتا۔اگر کوئی کسی جنگ میں بھی شریک ہونا چاہتا تو اُس کو اجازت نہ دیتے تھے ہر چند کہ لوگ اس کو اپنے حق میں ایک سختی سمجھتے تھے اور حضرت عمر کو تنگ کرتے رہتے تھے۔لیکن وہ اُن کو مدینے سے نکلنے نہ دیتے تھے۔اور فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ اس امت کے لئے جس بات سے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم لوگ جب یہاں سے باہر نکلو گے اور شہروں میں متفرق ہو جاؤ گے تو تمہاری رایوں میں اتفاق نہیں رہے گا اور پھر تمہارے اختلاف سے ساری امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔حضرت عثمان نے اس رکاوٹ کو اٹھا دیا۔

اور روسائے قریش جا بجا دیار و امصار میں پھیل گئے۔قریش کی خلافت کی وجہ سے یہ لوگ بمنزلۂ شاہی خاندان کے ارکان سمجھے جاتے تھے۔اس وجہ سے جہاں جہاں گئے اُن کی عزت اور حرمت ہوئی اور ایک سال کا زمانہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ مختلف شہروں میں اُن کی بڑی بڑی ملکیتیں اور جائیدادیں ہوگئیں۔لوگ اُن کے پاس جمع ہونے لگے اور چونکہ استحقاقِ خلافت کے شرائط اُن میں مجتمع تھے۔اس لئے اُن کے مصاحبین توقع رکھنے لگے کہ ممکن ہے کہ ایک دن یہ خلیفہ ہو جائیں۔یہ تمنائیں دلوں سے زبانوں تک آنے لگیں۔اور اُن کی وجہ سے خیالات اور آراء میں اختلاف پیدا ہونا شروع ہوگیا۔اس موقع پر حضرت عمر کی دُور اندیشی کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ انہوں نے ان ہی نتائج کو پیش نظر رکھ کر اُن رؤساء کو اپنے پاس روک رکھا تھا۔اور کہیں جانے نہیں دیتے تھے چنانچہ اُن کے آخر عہد تک وہ لوگ متفق اور متحد اور شقاق و افتراق سے ناآشنا تھے۔اور جب رؤساء باہم متفق رہیں تو اُمت میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔عہد عثمان میں اعیان قریش کے متفرق ہو جانے سے اُن میں وہ اتحاد جو پہلے تھا باقی نہ رہ سکا۔علاوہ بریں خلیفہ کی نرم مزاجی سے شورش انگیز لوگوں نے غوغاءِ عام شروع کیا چونکہ اس شورش میں کوفہ، بصرہ اور مصر تینوں مقامات کے لوگ شریک تھے اس وجہ سے ہر ایک جگہ کی مختصر کیفیت لکھنی ضروری ہے۔'' (تاریخ امت جلد 2 صفحہ 161 تا 163)

(7۔ب) تمام صحابۂ رسولؐ نظر قید، قریش شاہی خاندان کے کروڑوں پتی، حق پرستوں کی زبان بندی۔

قارئین نے اسلم صاحب کا تاریخ کے نام پر جانبدارانہ اور حقیقت واقعی کے خلاف بیان پڑھا۔اس بیان میں جو باتیں بلاکسی تنقید اور غور و فکر کے ثابت ہیں اُن میں اس مضمون کا عنوان ''فتنۂ داخلیہ'' بتاتا ہے کہ مسلمانوں ہی کے اندر سے کچھ فتنہ ساز مسلمانوں نے اسلام اور مسلمانوں میں فتنہ پھیلایا تھا۔لہٰذا یہ جملہ تصدیق ہوگیا کہ: وَ النَّاسُ فِی فِتَنٍ انجذَ مَ فِیھَا حَبلُ الدِّینِ؛ (خطبہ 2 جملہ 29)

''اور وہ لوگ فتنوں میں اس طرح اُلجھے ہوئے تھے کہ نتیجے میں دین کی رسی کے تمام ریشے بکھر چکے تھے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے انتقالِ رسولؐ کے بعد سے تمام صحابہ کو اُن کی مرضی کے خلاف مدینہ سے باہر حتّٰی کہ جنگ میں بھی جانے نہیں دیا۔اور اسی کو نظر قید یا نظر بندی کہا جاتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر کے علاوہ تمام صحابہ اسلام کے یا عمر کی پالیسی کے بہی خواہ نہ تھے اور اگر انہیں جبراً نظر قید نہ رکھا گیا ہوتا تو وہ اتنی دینی ہمدردی اور اسلامی سوجھ بوجھ نہ رکھتے تھے کہ دین میں اختلاف نہ کریں اور اُمت کو اختلافات اور تفرقہ سے دوچار نہ کریں۔بلکہ وہ دین میں عمر کے یقین کے مطابق ضرور اختلافات و افتراقات پھیلا دیتے۔

چوتھی بات یہ سمجھنا ہے کہ جن صحابہ کو نظر قید رکھا گیا، وہ بقول اسلم صاحب سب کے سب خلیفہ بننے کی قابلیت رکھتے تھے۔یعنی وہ ابوبکر و عمر کے ہر طرح ہم پلہ و ہمسر تھے۔لہٰذا یہ کہنا محض تہمت ہے کہ وہ دین کے ہمدرد نہ تھے۔اُن کا قید رکھنا ضروری تھا ورنہ وہ امت میں اختلاف و افتراق پھیلا دیتے۔

پانچویں بات یہ دیکھنا ہے کہ بقول اسلم اُن صحابہ نے عہدِ عثمان میں شورش کو جنم دیا اور امت میں اختلاف و افتراق پیدا کیا تھا لہٰذا یہ بات

غلط اور جھوٹ ہے کہ وہ سب خلیفہ بننے کے اہل اور اسلام کے ہمدرد تھے۔اور وہی لوگ تھے جنہوں نے اسلم والا داخلی فتنہ کھڑا کیا تھا۔

چھٹی چیز یہ غور طلب ہے کہ عہدِ عثمان میں جب مذکورہ بالا تمام صحابہ دیار وامصار میں پھیل گئے تو انہوں نے وہاں ملکیتیں اور جائیدادیں کیسے بنالیں؟ ظاہر ہے کہ پہلی اور دوسری خلافتوں کے زمانے میں ایرانی ماہرین کی مدد سے تمام قابلِ کاشت زمینوں کا بندوبست اور کھاتے وغیرہ بنائے جاچکے تھے۔لہٰذا جائیداد منقولہ ہوتی یا غیر منقولہ ہوتی اُسے باقاعدہ خریدنا اور گورنمنٹ کے یہاں اندراجات کرانا اور اجازت حاصل کرنا وغیرہ ضروری تھا۔چنانچہ یا تو خودعثمان نے ،بقول اسلم ،اپنے اُن شاہی خاندان کے شہزادے صحابہ کو جاگیریں عطا کی ہونگی یا سابقہ خلافتوں کے گھر بیٹھے ملنے والے عطیات ورقومات سے یہ لوگ کروڑ پتی بن چکے ہونگے اور اُس رقم سے مذکورہ جائدادیں اور ملکیتیں خریدی ہونگی۔بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ عہد عمر میں بہت سے قریشی سرمایہ دار دعویداران خلافت موجود اور نظر بند تھے۔

ساتویں نمبر پر یہ آخری بات آتی ہے کہ نظر بند صحابہ، یا اعیانِ قریش، یا رؤسائے قریش ہرگز نہ آپس میں متحد تھے نہ انہیں عمر وابوبکر سے اتحاد واتفاق تھا۔اگر وہ دین وسیاست میں عمر سے متفق وہم آہنگ وہم خیال ہوتے تو ہرگز اُنہیں مدینے میں روکے رکھنے یا نظر بند ونظر قید کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔کوئی حاکم اپنے ہم خیالوں اور ہم نواؤں کو قید کر کے نہیں رکھتا۔لہٰذا وہ تمام لوگ جنہیں نظر بند رکھا گیا دشمنانِ خلافت ودشمنانِ خلفا تھے۔اور یہی حقیقت واقعی ہے جسے چودہ سو سال سے ہر قریشی مؤرخ ہر محدث، ہر مفسر اور ہر مصنف طرح طرح سے چھپاتا اور مسلمانوں کو فریب دیتا آیا ہے۔

ہمیں تو قارئین کو صرف اس قدر دکھانا تھا کہ قریشی خلفا نے ایک نیا اسلام تیار کرنے کے لئے اُن تمام صحابہ اور علما کو قید کیا اُن کی زبانوں کو جبراً بند رکھا، عوام کو دولت ووظائف اور رشوت سے خاموش وہمنوا بنایا، دنیا بھر کی اقوام کو لوٹ لوٹ کر قریش کو کروڑوں پتی بنایا اور غلط وباطل تصورات کو اسلامی رنگ دے دے کر پبلک میں پھیلایا۔یہی وہ دور تھا جس میں حضرت علی علیہ السلام کو خاموش رہنے پر مجبور کیا گیا اور جاہل، عالم ومفتی اور سربراہ اسلام بن بیٹھے۔لیکن اُن جہلا کو علیؑ کے خطبات نے تھپکیاں دے کر غافل کیا اور آپؑ نے اُن کی برہنہ تصویریں الفاظ کی صورت میں بدل کر پبلک کے سامنے ناچتی ہوئی پیش کردیں، اور اُن پر زبان بندی اثر انداز نہ ہوسکی۔اس لئے کہ وہ تولسانُ اللہ تھے اللہ کی زبان کیسے بند کی جاسکتی تھی؟ وہ آج بھی بول رہی ہے اور اہل گوش وہوش سُن رہے ہیں۔

(7۔ج) دینِ اسلام کو بدلنے، اختلافات پھیلانے اور تمام حقائقِ اسلام کو مسمار کرنے اور ابلیسی نظام قائم کرنے کی کوشش۔

اِس خطبے میں آگے چل کر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے بڑی تفصیل کے ساتھ اُن نتائج کو بیان فرمایا ہے جو ابوبکر وعمر اور اُن کے ہمنوا، پسندیدہ اور وظیفہ خوار صحابہ اور دانشوروں کے ایک نیا اسلام گھڑنے سے برآمد ہوئے تھے(خطبہ 2 جملے 30 تا 51)۔آپ نے ترکیب یہ کی ہے کہ اُن کے کاموں اور کوششوں کو بیان نہیں کیا تاکہ تختِ حکومت کی طرف سے اعتراض نہ ہوسکے۔اور یہ طریقہ بھی قرآن ہی نے سب سے پہلے استعمال کیا ہے۔یعنی کہیں قریشی مجتہدین کے کام بیان کئے تو اُن کا نام نہ لیا اور کہیں وہ نتائج بیان کردیئے جو قریشی لیڈروں کی کوششوں اور کاموں سے برآمد ہوئے تھے اور کوششوں اور کاموں کو قاری کے سمجھنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔

(7۔د) حضرت علیؑ قرآن کا طریقہ استعمال کر کے قریشی پالیسی اور عملدرآمد کے نتائج بیان فرماتے ہیں، مودودی کی تائید۔

ذرا علامہ مودودی سے قرآن کا وہ طریقہ سنئے اور دیکھئے کہ نزولِ قرآن کے زمانہ سے مذکورہ بالا لیڈر مسلمانوں میں گمراہی پھیلا رہے تھے۔ علامہ سورہ یونسؑ کی آیت (10/32) کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

''39۔ خیال رہے کہ خطاب عام لوگوں سے ہے اور اُن سے سوال یہ نہیں کیا جا رہا ہے کہ ''تم کدھر پھرتے جاتے ہو؟'' بلکہ یہ ہے کہ ''تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسا گمراہ کن شخص یا گروہ موجود ہے جو لوگوں کو صحیح رخ سے ہٹا کر غلط رخ پر پھیر رہا ہے۔ اسی بنا پر لوگوں سے اپیل یہ کیا جا رہا ہے کہ تم اندھے بن کر غلط راہنمائی کرنے والوں کے پیچھے کیوں چلے جا رہے ہو؟ اپنی گرہ کی عقل سے کام لے کر سوچتے کیوں نہیں کہ جب حقیقت یہ ہے، تو آخر یہ تم کو کدھر چلایا جا رہا ہے۔ یہ طرزِ سوال جگہ جگہ ایسے مواقع پر قرآن میں اختیار کیا گیا ہے اور ہر جگہ گمراہ کرنے والوں کا نام لینے کے بجائے اُن کو صیغۂ مجہول کے پردے میں چھپا دیا گیا ہے، تا کہ ان کے معتقدین ٹھنڈے دل سے اپنے معاملے پر غور کر سکیں اور کسی کو یہ کہہ کر اشتعال دلانے اور اُن کا دماغی توازن بگاڑ دینے کا موقع نہ ملے کہ دیکھو یہ تمہارے بزرگوں اور پیشواؤں پر چوٹیں کی جا رہی ہیں۔ اس میں حکمت تبلیغ (نہج البلاغت) کا ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے جس سے غافل نہ رہنا چاہئے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 282-283)

(7۔ہ) مودودی کے قلم سے قرآن اور علیؑ کا طریقہ لاجواب اور اثر انگیز ہے۔ عہدِ رسولؐ میں بھی وہ لیڈر دین بدل رہے تھے۔

مودودی کا یہ بیان اور قرآن تصدیق کرتا ہے کہ:

اوّل۔ عہدِ رسولؐ سے لے کر اس خطبہ (نمبر 2) کے دن تک مسلمانوں میں ایک ایسا مسلمان گروہ موجود تھا جو عام مسلمانوں کو اللہ و رسولؐ اللہ کی منشا کے خلاف مسائل سکھاتا تھا اور عوام اُن پر عمل کرتے تھے۔ قرآن نے نہ اُس گروہ یا راہنماؤں کے نام بتائے اور نہ وہ مسائل بیان کئے جو وہ راہنما عوام کو سکھاتے تھے بلکہ وہ نتیجہ بیان کیا جو اُن راہنماؤں کی تعلیم سے برآمد ہوا یعنی لوگ غلط رُخ پر روانہ ہو گئے۔ بالکل اسی طرح حضرت علیؑ قریشی گمراہ کن مسلمان لیڈروں کا نام نہیں بتاتے نہ اُن کی کوششوں اور غلط مسائل کا تذکرہ فرماتے ہیں بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ:

-- دین پر یقین و اعتماد کی تمام بنیادیں ڈگمگا رہی تھیں۔ (خطبہ 2 جملہ 30)

-- دین کے تمام قوانین و قواعد میں اختلاف ہو چکا تھا۔ (خطبہ 2 جملہ 31)

-- تمام دینی احکام میں تفرقہ اور جھگڑا پیدا ہو چکا تھا (خطبہ 2 جملہ 32)، وغیرہ وغیرہ تا جملہ 51۔

تا کہ سربراہانِ خلافت اور عوام الناس ٹھنڈے سر سے یہ ٹھنڈی مار سہتے چلے جائیں اور کسی کو یہ جرأت نہ ہو کہ تم نے ہماری یا ہمارے عظیم راہنماؤں کی توہین کی ہے اُنہیں گمراہ قرار دیا ہے۔ بقول علامہ مودودی یہ وہ طریقہ تبلیغ ہے جسکا اسم بامسمیٰ نام نہج البلاغت ہی ہو سکتا ہے۔ جو تمام مسلمانوں کو بلا کسی کو اشتعال دلائے، بلا کسی کا دماغی توازن بگاڑے وہ سب کچھ بتا دے جسکے بتانے اور بیان کرنے پر سر قلم کر دیئے

جاتے تھے۔ یہ ہیں نہج البلاغہ کے معنی اور یہ ہیں نہج البلاغہ کے کارنامے کہ قریشی خلفا اور قریشی مذہب اور قریشی پالیسی کے پرخچے اُڑا دیئے اور وہ سب کچھ ہزاروں کے مجمعوں میں ہانک پکار کر فرما دیا جو حضرت ابو ہریرہؓ اور محمد اسماعیل بخاری ایسے ہزاروں آدمی نہ کہہ سکے۔

(7۔و) رسولؐ اللہ نے ابو ہریرہؓ کو اسلامی ریکارڈ کی دو بوریاں دیں مگر خطرۂ جان نے زبان بند رکھی۔

قریش نے تعلیمات اسلام سے جو سلوک کیا وہ تو ہزار ہا صفحات میں بھی نہیں لکھا جا سکتا بہر حال اس کی کافی تفصیلات ہماری تصنیفات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں تو حضرت علی علیہ السلام کے خطبے کا تقاضا پورا کرنے کے لئے آپ کو جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان صحیح بخاری سے اور حضرات ابو بکر و عمر کا انتظام دیگر کتب سے دکھا کر آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں۔

(1) ابو ہریرہؓ کو گردن مار دیئے جانے کا خطرہ خاموش رکھتا رہا: علامہ محمد اسماعیل بخاری نے لکھا ہے کہ:

عَنْ ابی هریرة قال: حَفِظْتُ مِن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم وِعَائَیْنِ فَاَمَّا احد هما فَبَثَثْتُهٗ وَ اَمَّا الْاٰخر فلو بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْم o قال ابو عبداللّٰه اَلْبُلْعُوْمُ مَجْرٰی الطعام۔"

''ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسولؐ اللہ کی دی ہوئی دو بوریوں کی حفاظت جاری رکھی ہے۔ اُن دونوں بوریوں میں سے ایک تو وہی ہے جس کی نشر و اشاعت میں کرتا رہتا ہوں۔ رہ گئی دوسری بوری؛ اگر میں اُس کی نشر و اشاعت شروع کردوں تو میرا یہ نرخرا (یعنی کھانا گزرنے کی نالی) کاٹ دیا جائے گا۔ ابو عبداللہ نے بتایا کہ بلعوم وہ نالی ہے جس میں سے کھانا گزرتا ہے۔''

(2) روایت کی تشریح میں جابر و ظالم خلفاء کا تعین مان لیا گیا ہے

حاشیہ نمبر ایک پر مندرجہ بالا روایت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" 1 قوله "وِعَائَیْنِ" اَیْ ظَرْفَیْنِ اَطْلَقَ الْمَحَلّ و اراد به الحال ای نوعَیْنِ مِنَ العلم، بَثَثْتُهٗ" اَی نَشَرْتُهٗ، بفتح الموحدة و المثلثته بعد ها مثلثه ای نشرته زَادَ الاسماعیلی لَقَطَعَ هٰذَا یعنی راسه؛ و حمل العلماء اَلْوِعَاءَ الذی لم یَبُثَّهٗ عَلَی الاحادیثِ الَّتِی فِیها تعین اسامی امراء الجور و احوالهم و ذَمَّهُم و قد کان ابوهریرة یکنی عن بعضه لم یصرح به خوفًا عَلٰی نفسه منهم۔" (بخاری جلد اوّل کتاب العلم صفحہ 23)

''ابو ہریرہؓ کے قول میں لفظ "وِعَائَیْن" کے معنی "دو ظرف" (برتن) ہیں۔ جن کا استعمال "مقام" (جگہ) کے لئے ہوا ہے۔ اور اس سے "حالت" مراد لی گئی ہے۔ یعنی علم کی دو "قسمیں" اور لفظ "بَثَثْتُهٗ" کا مطلب ہے "نَشَرْتُهٗ" یعنی پھیلانا، بکھیرنا۔ اور اسماعیلی نے اس قدر اور بڑھایا ہے کہ "یہ کاٹ دیا جائے گا" کا مطلب ہے کہ "اُن کا سر کاٹ دیا جائے گا" اور علما نے اس قسم کی احادیث کو جن کی نشر و اشاعت نہیں کی گئی، اُن حاکموں کے خوف کا سبب قرار دیا ہے جو ظالم اور جابر تھے اور اُن کی مذمت مراد لی ہے۔ اور ابو ہریرہؓ اپنی جان کے خوف سے اپنے اس بیان کی وضاحت نہ کر سکے۔'' (صحیح بخاری پارہ اوّل کتاب العلم)

(3) روایت کی تشریح میں بھی فریب ومکر پوشیدہ ہے۔وِعَاء کو قسم بنالیا گیا۔

اگرحضرت ابوہریرہؓ کوعلم کی دوقسمیں کہنا ہوتا تو وہ اُس ثقیل وکرخت لفظ''وِعَائَیْن'' کی جگہ عربی کا نہایت نرم اورروزمرہ استعمال ہونے والا لفظ''قِسْمَیْن'' بولنے میں کوئی تکلف نہ کرتے۔پھرعلم کی قسمیں تو نظری چیزیں ہوتی ہیں اور وعاءؐ کوخودتشریح کے اندر''ظَرْفَیْن''مانا گیا ہے جومشاہدہ میں آنیوالی آنکھوں سے دیکھے جانے اور ہاتھوں سے چھونے والی اوردوسری مادی چیزوں کواپنے اندرجگہ دینے والی ٹھوس چیز ہونا چاہئے۔چنانچہ قرآن کریم میں اُن بوریوں یاخرجیوں یاشلیتوں یاگونیوں کووِعَاءؐ فرمایا گیا ہے جن میں حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کوغلہ بھرکردیا تھا اور جواونٹوں پر لادی گئی تھیں (یوسف 12/76-62) جس سے یہ ثابت ہوا کہ رسولؐ اللہ کومعلوم تھا کہ قریشی حکومتیں اسلامی ریکارڈ کوفنا کرنے میں کوشاں ہونگی۔اسلئے حضورؐ نے اسلام کے تحریری ریکارڈ کے تھیلے اور بوریاں محفوظ کرنے کیلئے خارجی انتظامات بھی کئے تھے۔جن میں سے ابوہریرہؓ کوبھی دوبوریاں بھرکردی تھیں۔جوبرابرآگے بڑھتی اورمحفوظ رہتی چلی گئیں۔

(4) محمد اسماعیل بخاری اوربہت سے محدثین اسلام کے حقیقی ریکارڈ کومنظرعام پرنہ لاسکے۔

یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ علامہ ومحدث محمد اسماعیل بخاری کوسات لاکھ حدیثیں رسولؐ اللہ سے پہنچی تھیں۔جن میں سے وہ ابوہریرہؓ کی طرح خوف سے چھ لاکھ سے زیادہ احادیث نہ بیان کرسکے اورنہ لکھ سکے۔(صحیح بخاری)

(5) حضرت ابوبکر پہلا خلیفہ تھا جس نے صحابہؓ رسولؐ کی حق گوئی پرپابندی عائدکی تھی ۔

وہ خلفا اورحکمران بھی دیکھتے چلیں جن کے خوف سے ابوہریرہؓ اوردوسرے علماوصحابہ اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور رہتے گئے۔حق گوئی کو روکنے کے لئے ہردشمن اسلام نے اختلاف وافتراق اور فتنے کے الفاظ کوآڑ بنایا ہے۔یہاں علامہ پرویز یعنی غلام احمد اورعلامہ ذہبی کے محتاط بیان سے حقیقتِ حال کا پتہ لگائیں لکھا ہے کہ:

''حضورؐ کی وفات کے بعدایک مرتبہ ابوبکر نے صحابہ کوجمع کرکے کہا کہ تم لوگ رسولؐ اللہ سے حدیثیں بیان کرتے ہواوراس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔تمہارے بعد جولوگ آئیں گے اُن میں تم سے زیادہ اختلاف پیدا ہوگا اسلئے تم لوگ رسولؐ اللہ سے کوئی حدیث بیان نہ کرو جوشخص تم سے حدیث پوچھے اس سے کہہ دو کہ ہمارے تمہارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے۔اسکے حلال کئے ہوئے کوحلال سمجھواوراسکے حرام کئے ہوئے کوحرام۔''(تذکرۃ الحفاظ علامہ ذھبی اورمقامِ حدیث جلداوّل علامہ پرویز صفحہ 46)

(6) حضرت ابوبکرنے اپنا لکھا ہواحدیث کاایک کتابچہ جلادیا تھا تاکہ رسولؐ اللہ کانشان مٹ جائے۔

رسولؐ اللہ کودرمیان سے ہٹانے کے لئے ضروری تھا کہ ساتھ کے ساتھ لکھی جانے والی حدیث کی کتابوں کوفنا کردیا جائے۔مسٹر پرویز کے قلم سے ملاحظہ ہووہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے صرف احادیث کا بیان کرنا بندنہیں کیا تھا بلکہ:

''یہیں تک نہیں بلکہ امام ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس احادیث کاایک مجموعہ بھی تھا۔لیکن آپ نے اُسے یہ کہہ کرجلادیا کہ مجھے خوف ہے کہ میں مرجاؤں اوریہ محفوظ رہ جائے ممکن ہے کہ میں نے اس میں ایسے لوگوں سے حدیثیں

لی ہوں جن کو میں امین سمجھتا ہوں اور مجھے اُن پر وثوق ہے لیکن وہ حدیثیں ایسی نہ ہوں۔'' (مقام حدیث جلد اوّل صفحہ 47)

(7) حضرت ابوبکر اور رسولؐ اللہ کی صحبت، تمام صحابہ مشکوک، اور قریشی اسلام میں اللہ اور رسولؐ کے ناموں کو جلانا جائز:

یہ دونوں بیانات قریش کے بہت چاہنے والے اور آلِ رسولؐ کے دشمن علما کی تصدیق سے آپ کے روبرو لائے گئے ہیں۔ اور اُن کی بدقسمتی کہ اِن سے قریش کا سارا تاروپود بکھر جاتا ہے۔ یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر نے خود رسول اللہ سے سن کر کوئی حدیث نہ لکھی نہ حضوؐر سے اُن احادیث کی تصدیق کرائی یعنی ابوبکر کو تاحیات اتنا موقع ہی نہ ملا کہ وہ رسولؐ اللہ کے پاس بیٹھتے اور تصدیق وغیرہ خود کرتے۔ لہٰذا یاری دوستی اور صحابیت غائب یا یہ بیان غلط۔ پھر یہ دیکھئے کہ ابوبکر نے جن اوّلین و بزرگ صحابہ سے حدیثیں سن کر لکھیں وہ اُن کے نزدیک دین اسلام کے امانتدار اور قابل اعتماد لوگ تھے۔ لیکن اُن کی بیان کردہ احادیث اب ابوبکر اور قریشی خلافت کے لئے مفید نہ تھیں۔ یعنی یا تو یہ خودساختہ خلافت باطل تھی یا وہ احادیث اور صحابہ باطل تھے۔ اور چونکہ انہیں آئندہ بھی فرمانات وتصوراتِ رسولؐ بیان کرنے سے روک دیا گیا لہٰذا رسولؐ کے وہ فرمانات و بیانات یا تو (معاذ اللہ) باطل تھے یا یہ خلافت باطل تھی۔

(8) بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ یعنی خلیفہ دوم بھی حدیثِ رسولؐ کا مخالف اور دشمن تھا۔

علامہ پرویز مسلسل رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت عمر نے اس باب میں اور بھی شدت سے کام لیا۔ آپ لوگوں کو حدیثوں کی اشاعت سے سختی سے روکتے تھے۔ قرظہ بن کعب راوی ہیں کہ جب حضرت عمر نے ہم لوگوں کو عراق بھیجا تو ہمیں تاکید کر دی کہ یاد رکھو کہ تم ایسے مقام پر جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آوازیں قرآن پڑھنے میں شہد کی مکھیوں کی طرح گونجتی رہتی ہیں۔ تم انہیں احادیث میں الجھا کر قرآن سے غافل نہ کر دینا۔''

(مقامِ حدیث جلد اوّل صفحہ 47)

(9) ابوہریرہؓ کو عمر ہی سے جان کا خوف تھا وہ حدیث بیان کرنے والوں کو سزائے قید بھی دیا کرتا تھا۔

اِس بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر کے نزدیک احادیثِ رسولؐ قرآن کی سراسر مخالف تھیں اور ایسی مخالف کہ اگر صحابۂ رسوؐل بھی آنحضرؐت کے بیانات عوام کو سنائیں تو وہ قرآن کے خلاف ہو جائیں گے۔ یہاں قریشی مذہب کا وہ عقیدہ یاد فرمائیں جس میں رسولؐ اللہ کو معاذ اللہ خاطی، گنہگار اور جذبات سے مغلوب ہو جانیوالا شخص ماننا ضروری ہے۔ (حوالہ آنے والا ہے) آگے چل کر مسلسل لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اسی طرح حضرت عمر کے زمانے میں بھی حدیثیں بیان کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں حضرت عمر کے زمانے میں اسی طرح حدیثیں بیان کرتا تو وہ مجھے دُرّے سے پیٹتے۔ یہ بھی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عبداللہ بن مسعود، ابودرداء اور ابومسعود انصاری کو کثرتِ روایت کے جرم میں قید کر دیا تھا۔'' (ایضاً جلد اوّل صفحہ 47)

(10) رسولؐ اللہ کی تشریحاتِ قرآن اور تنفیذِ اسلام، اور اُنؐ کے فیصلے بیان کرنا کیوں جرم قرار دیا گیا تھا۔

یہاں تک حضرت علی علیہ السلام کا یہ کمال ثابت ہو گیا کہ جس جرم پر لوگوں کو سرِ عام دُرّوں سے پٹنے اور قیدِ مشقت جھیلنے اور گردن مارے

جانے کے خوف نے زبان بندر کھنے پر مجبور کیا تھا حضورؐ نے وہ جرم مسلسل جاری رکھا اور کسی کو گرفت کا موقع نہ دیا۔ بہرحال علامہ مودودی سے یہ سن لیں کہ عمر اینڈ کمپنی نے قرآن کی اُن تشریحات کو آگے بڑھنے سے کیوں روکا جو رسولؐ اللہ نے بیان کی تھیں اور کیوں رسولؐ اللہ کی احادیث کا بلیک آوٹ کیا اور کیوں آنحضرتؐ کا تصورِ اسلام انہیں پسند نہ تھا، سنئے:

''رائے اور فیصلے میں اُن (حضرت۔احسن) سے غلطی بھی ہو جاتی تھی۔ بیمار بھی وہ ہو جاتے تھے، آزمائشوں میں بھی ڈالے جاتے تھے، حتّٰی کہ قصور بھی اُن سے ہو جاتے تھے۔ اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ بھی ہوتا تھا۔''(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 163)

جن مسلمانوں کا رسولؐ کے متعلق یہ عقیدہ اور تجربہ ہو اور اُن کے قابو میں اسلام کی حکومت وخلافت وسربراہی آجائے وہ کیسے قرآن کی اُس تفسیر کو آگے بڑھنے دیتے جس میں اُنہیں مکذّبِ قرآن (انعام 6/66) کہا گیا تھا۔ جس میں انہیں قرآن اور اسلام کا بدلنے والے لیڈر قرار دیا گیا تھا (25/30) جس میں عمر و ابوبکر کو وہ دو یار قرار دیا تھا جنہوں نے رسولؐ کے مقابلہ پر نیا راستہ اختیار کیا اور علی مرتضیٰ علیہ السلام کی حکومت ہتھیانے والے منصوبے کے کرتا دھرتا بتایا گیا تھا (فرقان 29 تا 25/27) چنانچہ اُن کیلئے ضروری تھا کہ وہ احادیث رسولؐ کے بیان کرنے کو جرم قرار دیں، مجرموں کو سزائیں دیں۔ قرآن قرآن کے نعرے لگائیں حالانکہ ابوبکر وعمر کے پاس ہرگز کوئی قرآن نہ تھا۔ قرآن تو اُن کے بقول عثمان جمع کرے گا (بخاری)۔ یہ کھلا فراڈ اور بکواس ہے کہ عراق یا کسی اور علاقے کے لوگ ہر وقت قرآن پڑھنے میں لگے رہتے تھے۔ البتہ اُدھر تمام صحابہ کا منہ بند رکھا اور انہیں مدینہ سے باہر نہ جانے دیا تاکہ دو کام یقین کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچ جائیں۔ اوّل یہ کہ قرآن اور اسلام کا حقیقی تصور دماغوں کے قبرستان میں دفن ہو کر ختم ہو جائے اور مناسب موقع ملنے پر آنحضرتؐ کے خاندان اور اُن کے ہم مسلک لوگوں کا قتلِ عام کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ساری دنیا میں ایک نیا خود ساختہ اسلام پھیلا دیا جائے جس کا علم مدینہ میں قید صحابہ کو نہ ہو سکے کہ باہر کیا ہو رہا ہے اُدھر خاندانِ رسوؐل کو اسلام کا باغی اور خلافت پر قبضہ کرنے کی سازش میں ملوث ومشہور کر کے اُن کو (معاذ اللہ) ملعون قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ عمر نے روزِ اوّل سے ایک نئی شریعت تیار کرنا شروع کی تھی اور اُس کی تیاری میں یہود ونصاریٰ کے مجتہدین سے مدد لی تھی۔ وہ عہدِ رسولؐ ہی میں اُن کے درس میں شامل ہوا کرتے تھے (الفاروق حصہ 2 صفحہ 132) اُنہوں نے ایک کتابچہ تیار کر رکھا تھا جس میں وہ تمام مسائل نوٹ کر لئے تھے جو حکومت پر قبضے کے بعد انہیں نافذ کرنا تھے۔ (الفاروق حصہ 2 صفحہ 110) آج جس قدر مسائل واحکامات حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہلحدیث میں پائے جاتے ہیں وہ تمام حضرت عمر کی ایجاد ہیں (الفاروق حصہ 2)۔ علامہ شبلی سے سنئے:

(11) مسلمانوں میں جو فنِ حدیث وفقہ ہے وہ عمر ہی کا ساختہ پرداختہ ہے:

''حدیث وفقہ کا فن درحقیقت تمام تر حضرت عمر کا ساختہ وپرداختہ ہے۔''(الفاروق حصہ 2 صفحہ 102)

لہٰذا یہ تھے وہ صاحب جنہوں نے وہ اختلافات پیدا کئے تھے۔ جن کا تذکرہ خطبہ نمبر 2 (جملے 30 تا 51) میں ہوا ہے اور یہ ہیں وہ طریقے اور منصوبے جن کا نتیجہ حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبے میں بیان کر دیا ہے اور یہ ہے وہ طریقہ یا ''نہج'' جس نے قریشی جابر وظالم خلفا کو

سُناسُنا کرانکے کردار و عمل کو پبلک تک پہنچا دیا ہے یا تبلیغ و بلاغت کا حق ادا کر دیا ہے اور کسی ملعون کو یہ جرأت نہ ہوسکی کہ اُٹھ کر آنجنابؑ کو روکتا یا ٹوکتا۔ تمام مخاطبین سر دُھنتے نظر آتے تھے اور دیکھنے والوں کو یہ پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ اُن سر دھننے والوں میں وہ لوگ بھی ہوتے تھے جو سانپ کی طرح پیچ و تاب میں مبتلا ہوتے تھے اور اہلِ مجلس انہیں داد دینے والوں ہی میں شمار کر لیتے تھے۔ مگر وہ لوگ دلوں میں غم و غصہ جمع کرتے رہے، اپنے ہم مسلکوں میں خاموش اشتعال پیدا کرتے رہے۔ خاموش اس لئے کہ اُنہیں خطبات کے جملوں اور الفاظ سے دلیل نہ ملتی تھی کہ توہین و مذمت کا جرم عائد کریں۔

(7۔ ز) قریشی مسلمانوں ہی میں وہ لیڈر تھا جسے قرآن نے ابلیس کا بھی راہنما فرمایا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبے (2) میں بھی اور دوسرے خطبات میں بھی یہ دکھایا ہے کہ قریش کے مسلمان لیڈر شیطان کے اسی طرح ہاتھ پیر آنکھیں اور نمائندے بن گئے تھے جیسے محمدؐ اور علیؑ یداللہ و وجہ اللہ اور عین اللہ ولسان اللہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ:

-- ''اُنہوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کر کے اُس کے مسلک و مذہب پر چلنا شروع کر دیا۔'' (خطبہ 2 جملہ 44)

-- ''اور اُسی کے تیار کئے ہوئے چشموں پر سیراب ہونے کے لئے وارد ہوئے۔'' (خطبہ 2 جملہ 45)

-- ''اُن ہی کے وسیلے سے ابلیس کے طور و طریقے جاری ہوئے۔'' (خطبہ 2 جملہ 46)

-- ''اور اُن ہی کے ہاتھوں ابلیس کی حکمرانی کے پرچم بلند و قائم ہوئے۔'' (خطبہ 2 جملہ 47)

(2) **قرآنِ کریم اور قریش و ابلیس:** حضرت آدمؑ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے ابلیس نے کہا تھا کہ:

...وَقَالَ لَاَتَّخِذَ نَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًاo وَّلَاُضِلَّنَّھُمۡ وَلَاُمَنِّیَنَّھُمۡ ......الخ (سورہ نساء 4/118-119)

''اور ابلیس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنے فرض شدہ حصے کے لوگوں کو ضرور بالضرور نکال کر ساتھ ملالوں گا۔ اور میں ضرور بالضرور اُن کو گمراہ کروں گا اور اُن کے دلوں میں تمنائیں بھر دوں گا۔'' اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

یَعِدُھُمۡ وَ یُمَنِّیۡھِمۡ وَ مَا یَعِدُ ھُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًاo (4/120)

''شیطان اُن سے وعدے بھی کر رہا ہے اور برابر کرتا رہے گا اور وہ اُن کے دلوں میں تمنائیں بھی پیدا کر رہا ہے اور برابر پیدا کرتا رہے گا۔ مگر شیطان فریب سازی کرنے کے علاوہ نہ کوئی وعدہ کرتا ہے نہ کوئی تمنا پیدا کرتا ہے نہ کریگا'' (4/120)

اور ایسے تمام لوگوں کو اللہ جہنم میں داخل کرے گا۔ (4/121)

اس کے بعد اللہ نے بتایا ہے کہ ایمان لا کر عمل صالح پر کاربند رہنے والوں کے لئے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ اُن کو ضرور ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جہاں نہریں جاری ملیں گی۔ (4/122)

(3) **قریشی مسلمان جنت میں جانے کی تمنا کرتے رہتے تھے:** پھر آنحضرتؐ کے اوپر ایمان لانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ:

لَیۡسَ بِاَمَانِیِّکُمۡ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ مَن یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءً ا یُّجۡزَ بِهٖ وَلَا یَجِدۡ لَهٗ مِن دُ وۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا o

''نہ تو تمہاری تمناؤں کے مطابق رعایت ہوگی نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں کے حساب سے بخشش ہونا ہے بلکہ جو کوئی بھی ، خواہ تم یا اہلِ کتاب ، برے اعمال کرے گا اُس کو بُرے اعمال کی جزا (سزا) ضرور بھگتنا پڑے گی۔ اور وہاں پر کوئی بھی اللہ کے سوا کسی اور کو ولی و ناصر نہ پائے گا۔'' (4/123)

اِن آیات میں صرف یہ دیکھ لیں کہ ابلیس نے آخر رسولؑ کے مخاطب لوگوں میں بھی تمنائیں پیدا کردی تھیں اور وہ بھی اہلِ کتاب کی دی ہوئی تعلیم کی وجہ سے کچھ ایسا اجتہاد کر رہے تھے کہ اُن کو اُن کے برے اعمال کی سزا نہ ملے گی۔ مگر اللہ نے اُس باطل تصور کی نفی کردی تھی۔

(4) قریش نے اُس نفی کے بعد بھی ابلیسی تمناؤں کے مطابق عمل کیا، رسولؑ کی حکومت کو نہ مانا۔

قریشی مومنین برابر ابلیس کے مذہب پر عمل کرتے رہے اور انہوں نے ابلیس کی طرح رسولؐ اللہ کو حاکم مطلق تسلیم نہ کیا بلکہ طاغوتی ادارہ یعنی نظامِ اجتہاد کو اپنا حاکم بنائے رکھنا طے کئے رکھا۔ سنئے اللہ فرماتا ہے اور مودودی ترجمہ کرتا ہے:

''اَے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؑ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسولؑ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔'' (نساء 4/59)

(5) قریش مومن تھے مگر ایسے مومن کہ اطاعتِ خدا اور رسولؐ نہ کرتے تھے اور اپنے معاملات رسولؐ اللہ سے طے نہ کراتے تھے

یہ آیت ایک ایسے کثیر گروہ کا وجود ثابت کرتی ہے جو اپنے خاص طریقے پر ایمان لایا تھا اور ابلیس کی طرح رسولؐ کے احکامات کی اطاعت نہ کرتا تھا۔ اور اپنے ہر تصور و تنازع پر رسولؐ اللہ سے فیصلہ نہ چاہتا تھا۔

یہاں دو باتیں نوٹ کرلیں کہ وہ ابلیس کی طرح اللہ کی اطاعت کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ مگر رسولؑ کی مطلق یا بے چوں و چرا اطاعت کے قائل نہ تھے۔ اس لئے کہ (معاذ اللہ) رسولؑ اُن کے عقیدے میں قصور اور خطائیں کرسکتا تھا اور (معاذ اللہ) اُنؐ سے غلط حکم صادر ہو سکتے تھے (پیرا نمبر 7۔ و کا (10)) (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 163) اور دوسری یہ کہ یہ گروہ اگر کثرت میں نہ ہوتا تو تمام مومنین ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کو نہ پکارا جاتا بلکہ قلیل تعداد کا لحاظ رکھا جاتا۔ اب اگلی آیت (60) سب کچھ واضح کرتی ہے۔ علامہ کے ترجمہ سے سنئے:

(6) قریشی مومنین کا حاکمانہ تصور حکومت جمہوری ہونا چاہیئے؟

''اَے نبیؐ، تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اُن کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں (یُـرِیْـدُوْنَ ارادہ یہ کرتے ہیں اور یہی ارادہ مستقبل میں بھی جاری رکھیں گے۔ احسن) کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان اُنہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دُور لے جانا چاہتا ہے۔ (یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے اور چاہتا رہے گا۔ احسن)'' (نساء 4/60 تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 363 تا صفحہ 367 دونوں آیات)

(7) قریشی مومنین شیطان کی پیروی میں انسانوں کی کثرت کو حاکم اعلیٰ سمجھتے تھے؟

ان آیات میں عہدِ رسولؐ کے مومنین کی کثرت کا رسولؐ اللہ کو حاکم مطلق نہ سمجھنا اور ہر مقدمہ، تنازعہ اور جھگڑے اور عقیدے کا رسولؐ سے فیصلہ نہ کرانا بلکہ طاغوت سے احکام اور فیصلے لینا ثابت ہوگیا اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ سب کچھ وہ شیطان کی اطاعت اور پیروی میں کرتے تھے۔ یہاں مولائے دوعالم کے مذکورہ بالا جملے (خطبہ 2 جملے 44 تا 47) ثابت ہوجاتے ہیں مگر ہم ابھی مودودی کے قلم سے اس حکومت اور حاکم کو سامنے لانا چاہتے ہیں جو قریش کو عہد رسولؐ ہی سے پسند تھی اور آخر جو حکومت قریش نے خود قائم کی تھی اور جس حکومت نے وہ سب تفرقہ پھیلایا تھا جو اس خطبے کا بڑا عنوان ہے۔ سنئے:

طاغوت کے معنی: ''یہاں صریح طور پر ''طاغوت'' سے مراد وہ ''حاکم'' ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ ''نظامِ عدالت'' ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔ لہٰذا یہ آیت اس معنی میں بالکل صاف ہے کہ جو عدالت ''طاغوت'' کی حیثیت رکھتی ہو اس کے پاس اپنے معاملات فیصلہ کے لئے لے جانا ایمان کے منافی ہے۔ اور خدا اور اس کی کتاب پر ایمان لانے کا لازمی اقتضا یہ ہے کہ آدمی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے انکار کردے۔ قرآن کی رُو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر، دونوں لازم وملزوم ہیں، اور خدا اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا عین منافقت ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 367، حاشہ 91)

(8) علامہ مودودی نے طاغوت کی تشریح میں اپنا اور قریش کا عقیدہ چھپالیا ہے۔

علامہ نے اس بیان میں قریش کا صحیح عقیدہ چھپا کر طاغوت کے تصور کو گھناؤنا بنادیا ہے تاکہ قرآن کے قاریوں کا دھیان حضرات ابوبکر وعمرو عثمان کے ایجاد کردہ اسلام وعدالت وحکومت کی طرف نہ جانے پائے بلکہ غیر مسلم حکومت وعدالت کی طرف چلا جائے۔ حالانکہ اللہ نے طاغوت کی حکومت اور فیصلوں کو برحق سمجھنے والوں کو مومنین (یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا) فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ آیت اُن مومنوں کی حکومت و عدالت کا ذکر کرتی ہے جو اللہ اور تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور قرآن کو آخری سند بھی مانتے ہوں۔ یعنی وہ یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ قرآن میں ہر ہر چیز اور ہر ہر مسئلہ کی تفصیل نہیں ہے لہٰذا مسلمان مجتہدین اپنی قرآنی بصیرت سے تمام پیش آمدہ حالات میں اجتہادی احکام نافذ کریں گے۔ یعنی جماعت شوریٰ کے متفقہ احکام اللہ کے احکام ہوں گے۔ اور فرسٹ کلاس درجے کے مومن وہی مجتہد حضرات ہوں گے۔ لیکن قرآن ہر اس شخص، حاکم یا عدالت کو کافر وظالم وفاسق قرار دیتا ہے جو خدا کے نازل کردہ الفاظ وآیات میں احکام صادر نہ کرے (مائدہ 47 تا 5/44) اور یہ معلوم ہو چکا کہ اجتہاد وفقہ کے بانی مبانی عمر ہیں۔ (پیرا نمبر 7۔و کا (11))

(9) قریشی مومنین کا طاغوتی ادارہ، یعنی نظامِ اجتہاد ومشاورت، رسولؐ اللہ کے خلاف احکام دیتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم، یعنی قریش، کی اپنی فہمیدہ اسلامی پالیسی کا رسولؐ اللہ کے خلاف رہتے چلے جانا اُس دعا سے ثابت ہے جسے اللہ نے خود قرآن (سورہ فرقان) میں نازل کرکے قیامت تک آنے والے لوگوں کو بتایا ہے کہ قریش بحیثیت قوم قرآن کی اُس

تفہیم وتعبیر کے خلاف تفہیم وتفسیر کرتے تھے جو رسولؐ کے نزدیک صحیح تھی۔ جس کے خلاف رسول اللہ نے اللہ سے یوں شکایت کی تھی کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا o (25/30)

''اور رسولؐ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اس قرآن سے ہجرت کرلی ہے۔''

اس شکایت میں رسولؐ اللہ اپنی قوم قریش کی طرف سے قطعاً مطمئن ہیں کہ یہ قوم قرآن پر عمل نہ کرے گی اور اُدھر اللہ نے حضورؐ کو مستقبل میں اطمینان فراہم کرتے ہوئے اُن کو یوں تصدیق فرمادی کہ:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ؛ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ ھَادِیًا وَّ نَصِیْرًا o (فرقان 25/31)

''تمہاری قوم نے واقعی قرآن سے ہجرت کرلی ہے مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہ تو اُسی طرح ہوا ہے جیسا کہ ہم نے ہر نبیؐ کے مقابلہ میں جرائم پیشہ لوگوں میں سے ''ایک دشمن'' ضرور تعینات رکھا ہے۔ بہرحال تمہاری ہدایت اور نصرت کے لئے تمہارا پروردگار تمہیں کافی ہے یعنی قریش کا قرآن سے طاغوت کی طرف ہجرت کرجانا قرآنی تعلیمات کو چھپا نہ سکے گا۔''

یہ وعدہ تو مستقبل کے لئے تھا لیکن قریش کا جمہوری یا طاغوتی یا اجتہادی ادارہ برابر قوم کے افراد کو خصوصاً، اور عام مسلمانوں کو عموماً جس طرح اسلامی احکامات دے رہا تھا اُس کی صرف ایک مثال قرآن کی زبانی سن کر قریشی پالیسی سمجھ میں آجائے گی۔

(10) رسولؐ کا ہر وہ حکم تسلیم کرتے جاؤ جو ہماری پالیسی کے مطابق ہو ورنہ انکار کئے بغیر ترکیب سے ٹالتے رہو۔

چنانچہ قرآن سے ایک بڑے مزے کی بات سُنئے، ارشاد ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْکَ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ، یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ ھٰذَا فَخُذُوْہُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْہُ فَاحْذَرُوْا وَ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ فِتْنَتَہٗ فَلَنْ تَمْلِکَ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا؛ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰہُ اَنْ یُّطَھِّرَ قُلُوْبَھُمْ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o (مائدہ 5/41)

''اے رسولؐ تم اُن لوگوں پر رنجیدہ نہ رہا کرو جو حقائق قرآن کو چھپانے کیلئے سُرعت اور تیزگامی سے عمل پیرا ہیں۔ خواہ وہ حق پوش لوگ زبان سے ایمان کے اُن دعویداروں میں سے ہوں جنکے دلوں تک حقیقی ایمان نہیں پہنچا یا وہ حق پوش لوگ یہودی ہوں۔ یہ دونوں گروہ تمہاری تعلیمات کو جھٹلانے کیلئے موزوں پہلوؤں پر کان لگائے رہتے ہیں۔ تاکہ وہ موزوں پہلو اُن قومی راہنماؤں کو پہنچاتے رہیں جو بذاتِ خود تمہارے پاس آکر جاسوسی نہیں کرتے۔ اور جو قومی راہنما تمہارے اور کلام اللہ کے الفاظ کو اُلٹ پلٹ کر کے اپنے مطالب اُن سے اخذ کرتے ہیں حالانکہ تمہارے اور کلام اللہ کے الفاظ کے معنی ومطالب مستقلاً طے شدہ ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ قومی راہنما لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ اگر اللہ کا رسولؐ تمہیں وہی حکم دے جو ہم نے اخذ کیا ہے تو اُسے قبول کرکے اس پر عمل کیا کرو اور اگر وہ حکم نہ دے یعنی کوئی دوسرا مطلب بیان کرے تو تم ترکیب سے بچ نکلا کرو (فَاحْذَرُوْا) بات یہ ہے کہ جسے اللہ ہی

نے اپنے فتنے میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر رکھا ہو اُسے اللہ کے عذاب سے بچانے کا تمہیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ دونوں گروہ اور اُن کو تعینات کرنے والے تو وہ لوگ ہیں جن کیلئے اللہ نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ اُنکے دلوں کو اُنکے گندے منصوبوں سے ہرگز پاک نہ کرے گا۔ اُن کیلئے آخر کار اس دنیا میں بھی رسوائیاں ہیں اور آخرت میں بھی عذابِ عظیم طے شدہ ہے۔'' (مائدہ 5/41)

قرآن کریم میں اللہ کا یہ تفصیلی بیان واضح کرتا ہے کہ ایک ایسا ادارہ موجود ہے جس کے تحت یہودی اور قریشی ماہرین کام کرتے ہیں۔ اور رسولؐ کی تقریروں سے وہ مقامات نوٹ کرتے ہیں جو اُن کے منصوبوں (زیغ۔ عمران 3/7) پر ڈھالے جاسکیں اور مذکورہ ادارہ کو پہنچائے جائیں۔ چنانچہ یہ کام دن رات ہو رہا تھا۔ قرآن کے خلاف قرآن سے مسائل وعقائد واحکام تیار کر کے عوام میں پھیلائے اور منافقوں کے نام لگائے جا رہے تھے۔ اُسی تگ ودَو اور کوشش پر آنحضرتؐ فکرمند ورنجیدہ رہتے تھے اور اسی کی اللہ سے شکایت کی تھی اور اس عمل درآمد کو قوم کا قرآن سے ہجرت کر جانا قرار دیا تھا (25/30) اور اسی پر حضورؐ کو تسلی، دلاسہ اور ہدایت ونصرت کا وعدہ ملا تھا۔ اور اللہ نے قرآن کی حقیقی تعلیمات کو جاری رکھنے اور پہنچانے کیلئے جو ہدایت ونصرت کی تھی اُسی کا نام ''علیؑ'' اور نہج البلاغہ ہے۔ یعنی تبلیغِ حقائقِ قرآنی کا وہ طریقہ جو کبھی رُکنے نہ پائے اور قریشی منصوبوں کی دھجیاں ہوا میں بکھیر دے۔

(11) قریش کے طاغوتی ادارے کے قیام کی سب سے بڑی غرض ومقصد خاندانِ رسولؐ کو حکومت سے محروم کرنا تھا۔

آپ نے غالباً نوٹ کیا ہوگا یا اب دیکھ لیں کہ رسولؐ کی وہ شکایت جس میں قرآن کو مہجور کر دیئے جانے کی بات ہوئی ہے (25/30) حرف واؤ سے شروع ہوتی ہے یعنی ''وَ قَالَ الرَّسولُ'' (اور رسولؐ نے کہا)۔ یہ واؤ اس لئے آیا ہے کہ اس آیت سے پہلے رسولؐ کی قوم کے دو یارِ غار زیرِ بحث رہے ہیں۔ اور مسلسل تین آیات (25/27,28,29) میں دونوں یاروں میں کا ایک یار نہایت ندامت وخجالت وپشیمانی کے عالم میں اللہ کے حضور روزِ قیامت، وہ نتیجہ بیان کر رہا ہے جو قریشی پالیسی سے دنیا میں برآمد ہوا تھا اور اُس منصوبے کو اختیار کرنے اور اُسے پروان چڑھانے میں یوں عذرخواہ ہے کہ:

(12) قریشی ادارے کے دو بڑے کردار یا ہیرو اللہ کے حضور میں ماخوذ ہو کر سچ بولتے ہیں۔

وَ یَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡہِ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا ۝ یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا ۝ لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ۝ وَ قَالَ الرَّسُوۡلُ... (فرقان 25/27-31)

''اُس روز ایک خاص ظالم اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر بیان دیگا کہ اے کاش میں نے رسولؐ کے ساتھ اُن ہی کا راستہ اختیار کیا ہوتا ہائے افسوس اَے کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا یار نہ بنایا ہوتا یقیناً مجھے میرے اُس یار نے ایسی حالت میں بھی رسولؐ کی راہ سے گمراہ کر دیا جب وہ خاص ذکرؐ میرے پاس آکر مجھے سمجھا چکا تھا۔ اور وہ خاص شیطان تو انسانوں کو بے یار ومددگار چھوڑ جانیوالا تھا ہی۔''

(اس کے بعد رسولؐ کی شکایت والی آیات ہیں) یہاں پر زیادہ غور وفکر کی ضرورت ہے ہی نہیں۔ بات صاف سیدھی اور مشہور ہے قریش

میں اور قریشی تاریخ اور قریشی مذہب کے عوام میں ابوبکر اور عمر کو بڑے فخر سے یار کہا جاتا ہے۔ اور اسی یاری کی بنا پر مدینہ میں جب حضورؐ نے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنایا تو علیؑ کو اپنا بھائی بنایا تھا اور عمر کو ابوبکر کا بھائی بنایا تھا۔ اور آیات یہ بتاتی ہیں کہ یہ رسولؐ کی قوم یعنی قریش کا ذکر ہو رہا ہے اور قریش میں یہی دونوں یار مشہور و معروف ہیں اور ان دونوں میں سے ایک راہنما ہے جس نے اپنے دوست کو رسولؐ کی مقرر کردہ راہِ عمل سے ہٹا کر اپنا طریقہ اختیار کرایا اور دوسرا یار وہ ہے جس نے اُسکی ہدایت پر عمل کیا۔ اور دونوں ہاتھوں کو چبانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے ہاتھوں سے وہ جرم سرزد ہوا جو رسولؐ اللہ کے راستے کے خلاف راہ اختیار کرنے میں ضروری تھا اور وہ ظاہر ہے کہ قوم سے بیعت لینے کا جرم تھا۔ اور وہ دوسرا یار بھی اُسی قابلیت کے ساتھ اُسی قوم کے مؤرخین نے عموماً اور علامہ شبلی و شاہ ولی اللہ محدث نے خصوصاً الفاروق اور ازالۃ الخفا میں پیش کر دیا ہے اور یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اُس کا وہم وگماں بھی سو فیصد صحیح نکلتا تھا۔ حد یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کی باتیں (معاذ اللہ) غلط اور قابل مواخذہ ثابت ہو جاتی تھیں۔ مگر عمر کی ہر بات وحی کی صورت میں نازل ہوا کرتی تھی۔

(13) <u>**ابوبکر کا مذکورہ راہنما عمر تھا جس کا ہر خیال وگمان صحیح اور وحی کے مطابق ہوتا تھا:**</u> الفاروق سے دو چار جملے سن لیں۔

<u>اوّل:</u> ''جب عمر کسی معاملے میں یہ کہتے تھے کہ میرا اس بات کی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا۔ اس سے زیادہ اصابت رائے کی اور کیا دلیل ہوگی کہ اُن کی بہت رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔۔۔ اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر نے جو رائے دی وحی اُسی کے موافق آئی، آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں حضرت عمر کو اس پر بارہا خیال ہوا۔ اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا لیکن آنحضرتؐ وحی کا انتظار فرماتے تھے۔ چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی۔۔۔ عبداللہ بن اُبی جب مرا تو آنحضرتؐ نے خُلق نبوی کی بنا پر اسکے جنازے کی نماز پڑھانا چاہی حضرت عمر نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر آیت اتری و لا تصل علی احد منھم یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں۔''
(الفاروق حصہ 2 صفحہ 133، 134)

<u>دوم:</u> ''اس طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔ فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر سے بروایت صحیحہ منقول ہیں اُن کی تعداد کئی ہزار تک پہنچی ہے۔ اُن میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور اُن تمام مسائل میں آئمہ اربعہ (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، اور احمد بن حنبل) نے اُن کی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ ''ہمچنیں مجتہدین در درس مسائل فقہ تابع مذہبِ فاروق اعظم اند واین قریب ہزار مسئلہ باشد۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 111-112)

(14) <u>**حضرت عمر نے اپنی بصیرت سے رسولؐ اللہ کے خلاف مسائل بیان کئے تھے:**</u> علامہ شبلی نے کھل کر لکھا ہے کہ حضرت عمر ہر ہر مسئلے یا معاملے میں رسولؐ اللہ کی بات کو آخری اور صحیح بات نہ مانتے تھے بلکہ اُن کے خلاف رائے رکھتے اور بیان کرتے تھے، سنئے:

''کتب سیَر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسولؐ اللہ نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ حضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کے

جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔ قیدیانِ بدر کے معاملے میں اُن کی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ نمبر 112) (اور وحی عمر کی تصدیق میں نازل ہوئی)

ثابت ہوا کہ قریش کے نزدیک عمر آنحضرتؐ سے زیادہ بابصیرت اور منشائے خداوندی کے عالم تھے۔

(15) قریشی ریکارڈ سے عمر کا رسولؐ اور خاندانِ رسولؐ کا دشمن ہونا اور اُنہیں حکومت سے محروم کرنا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ عمر باقاعدہ رسولؐ اللہ کے خلاف مہم چلاتا رہا، قریشی قوم اور عام مسلمانوں کو رسولؐ کے احکام ماننے سے روکتا رہا۔ اپنے تیار کردہ ہزاروں احکام اپنی قوم میں اسلام کے نام پر پھیلاتا رہا اور آخر قوم کو تیار کرلیا کہ جس طرح ہوسکے اسلامی حکومت کو رسولؐ اور خاندانِ رسولؐ سے نکال کر قریشی حکومت بنائی جائے اور قوم کے اس فیصلے کو علامہ شبلی قریشی انداز میں یوں لکھتے ہیں کہ:

(16) علامہ شبلی تاریخ طبری سے وہ سربستہ راز کھولتے ہیں جس میں حضرت علیؑ کو حقِ حکومت سے محروم کیا۔

''حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خوردہ گیریاں (عیب جوئیاں نہ مذمت۔ احسنؔ) کیں ہم نے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اُن میں جائے کلام نہیں (یعنی وہ بالکل صحیح عیب تھے اور مذمت تھی۔ احسنؔ) البتہ حضرت علیؑ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ اُن کے مزاج میں ظرافت ہے یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے حضرت علیؑ ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا ایک لطیف مزاج بزرگ ہوسکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے علامہ طبری نے اس معاملے کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ اُن کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر: کیوں عبداللہ بن عباس علیؑ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ بن عباس: میں نہیں جانتا۔

عمر: تمہارے باپ رسولؐ اللہ (صلعم) کے چچا تھے اور تم رسولؐ اللہ کے چچیرے بھائی ہو پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبداللہ: میں نہیں جانتا۔

عمر: لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔

عبداللہ: کیوں؟

عمر: وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں شاید تم یہ کہو گے کہ ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ تم کو خلافت دیتا بھی تو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ نمبر 103 ترجمہ تاریخ طبری حصہ سوم صفحہ نمبر 279 تا 283)

(17) قرآن کریم کی بیان کردہ کتنی حقیقتیں تاریخ اور عمر کے بیانات سے یہاں تصدیق ہوئیں؟

یہاں تک سورہ فرقان کی آیات 27 تا 31 میں بیان شدہ بیان کی تصدیق ملاحظہ ہو:

1 وہ مجرم جو اپنا ہاتھ چبار ہا تھا ابوبکر ہے جو قریش کا پہلا خلیفہ تھا۔

2 قومِ قریش کو اسلام کے نام پر حکومت دلانے، خاندانِ رسولؐ کو حکومتِ الٰہیّہ سے محروم کرنے،

3 اور پوری قوم کو رسولؐ کی تعبیرات کے خلاف لے جانے اور ایک نیا اسلام اور نئی شریعت تیار کرنے کے لئے قرآن کو غلط استعمال یا مہجور کرنے اور ابوبکر کو حالات کے ذریعے پہلا خلیفہ بننے پر مجبور کرنے کا کام عمر نے کیا تھا۔

4 جسے ابوبکر نے اپنا یارِ غدار اور شیطان قرار دیا ہے۔

5 اور خلافت کو رسولؐ کے خاندان میں یعنی علیؑ کے پاس رکھے جانے کو رسولؐ کا طریقہ (سبیل) کہا ہے۔ اور مانا ہے کہ آنحضرتؐ (الذکر) نے ابوبکر کو خلافت سے باز رہنے کی تاکید کردی تھی۔

6 ابوبکر نے اپنی خلافت کو گمراہی قرار دیا ہے لہٰذا تمام خلفا اور خلفا کو برحق سمجھنے والے گمراہ اور مجرم ہیں اور اُن مجرموں میں رسولؐ اللہ کا سب سے بڑا دشمن اور قرآن کو مہجور کرنے والا عمر ہے (25/31) جو زندگی بھر رسولؐ والے اسلام اور تعبیراتِ رسولؐ کا منکر اور نہایت سرکش مسلمان رہا۔ بقول قریش اللہ اور وحی اسکے رویے کو حق بجانب سمجھتے رہے اور رسولؐ کے صرف اُن احکام کو ماننے کی اجازت دیتا تھا جو اس کی بصیرت کے ہم نوا ہوں۔ یوں اُس نے عہدِ رسولؐ ہی میں اپنی قوم کو اپنے خود ساختہ پرداختہ اسلام پر کاربند کردیا تھا اور خود کو اپنی قوم کی نظروں میں رسولؐ اللہ سے بہتر راہنما ثابت کردیا تھا۔ اور اُس کے اس کمال کا ذکر بھی قرآن کریم نے باقاعدہ کردیا ہے۔

(18) ابوبکر کا اپنے یارِ غدار کو شیطان قرار دینا بھی قرآن کے الفاظ میں گھٹیا بات ہے وہ تو شیطان کا راہنما تھا۔

قرآنِ کریم یہ بتاتا ہے کہ وہ آیاتِ خداوندی کا عالم تھا۔ اور آیاتِ قرآنیہ کے جو مطالب اُس نے اختیار کئے وہ صرف دنیاوی اور مادی ترقی حاصل کرنے تک محدود تھے۔ سنئے اللہ نے فرمایا ہے کہ:

وَ اتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ الَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡہَا فَاَتۡبَعَہُ الشَّیۡطٰنُ فَکَانَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَo وَ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰہُ بِہَا وَ لٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ ...... الخ (اعراف 176-7/175)

''اے نبیؐ آپ اُس شخص کی پوشیدہ رکھی ہوئی خبر بھی تلاوت کرہی دیں جس کو ہم نے اپنی آیات دی ہیں پھر اُس نے اُن آیات کا چھلکا اس ترکیب سے اُتارا ہے کہ شیطان ایسی ہستی بھی اُس کی پیروی کرنے لگی ہے۔ اور اُلٹا اغوا شدہ لوگوں میں داخل ہوگیا۔ اور اگر وہ شخص ایسا نہ کرتا تو ہم چاہتے تو اُسے اُن آیات سے اور بلند مرتبہ عطا کردیتے ولیکن اُس نے تو بلندی کی جگہ ابدی زمین گیری کو ترجیح دی اور مصلحتوں اور قومی اجتہاد کی پیروی کو اختیار کرلیا۔۔۔''

(19) یہ آیات کا عالم اور آیات میں موشگافی کرنے والا اور مستقلاً جہانگیری اختیار کرنے والا کون تھا؟ مودودی؟

قارئینِ کرام اِن دونوں آیات کے ترجمہ اور تفسیر میں تمام شیعہ سنی علما اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے جال میں پھنستے اور پھنساتے رہے ہیں۔ ہم یہاں علامہ مودودی کا بیان اس لئے لکھتے ہیں تا کہ ہمارے قاریوں کی توجہات اُن بنیادوں پر مرکوز ہو جائیں جن بنیادوں کی مدد سے اُن لوگوں کو پہچانا جاسکے جو اِن دونوں آیات کے مخاطب ہیں اور جس شخص کی پوشیدہ حالت منظرِ عام پر لانے کے لئے یہ آیات تلاوت کی گئی ہیں۔ علامہ کو غور سے سنئے:

اوّل۔ مخاطب عہدِ رسولؐ کے قریش اور عوام ہیں:

1 سورہ اعراف کی آیت (7/171) پر'' یہاں پہنچ کر بنی اسرائیل سے خطاب ختم ہو جاتا ہے اور بعد کے رکوعوں میں تقریر کا رخ عام انسانوں کی طرف پھرتا ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ رُوئے سخن اُن لوگوں کی جانب ہے جو براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 95 حاشیہ نمبر 132)

معلوم ہوا کہ اب قرآن کریم کے قاریوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے توجہ ہٹا کر اپنی آنکھیں، کان اور قلبی بصیرت کو رسولؐ اللہ کی قوم پر جما کر علامہ کی بات سُننا ہوگی، لکھتے ہیں کہ:

2 ''اِن الفاظ (اٰتَیۡـنٰهُ اٰیٰتِنَا) سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ضرور کوئی متعین شخص ہوگا جس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے لیکن اللہ اور اُس کے رسوؐل کی یہ انتہائی اخلاقی بلندی ہے کہ وہ جب کبھی کسی کی برائی کو مثال میں پیش کرتے ہیں تو بالعموم اُس کے نام کی تصریح نہیں کرتے۔ بلکہ اُس کی شخصیت پر پردہ ڈال کر صرف اُس کی بُری مثال کا ذکر کر دیتے ہیں تا کہ اُس کی رُسوائی کئے بغیر اصل مقصد حاصل ہو جائے۔ اسی لئے نہ قرآن میں بتایا گیا ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں کہ وہ شخص جس کی مثال یہاں پیش کی گئی ہے، کون تھا؟ مفسرین نے عہدِ رسالت اور اُس سے پہلے کی تاریخ کے مختلف اشخاص پر اس مثال کو چسپاں کیا ہے۔ کوئی بلعم بن باعوراء کا نام لیتا ہے (شیعہ سنی دونوں۔احسن) کوئی امیہ بن ابی الصّلت کا، اور کوئی صیفی ابن الراہب کا (اور کوئی مغیرہ بن سعید کا۔احسن) لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خاص شخص تو پردہ میں ہے جو اس تمثیل میں پیشِ نظر تھا، البتہ یہ تمثیل ہر اُس شخص پر چسپاں ہوتی ہے جس میں یہ صفت پائی جاتی ہو۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 100 حاشیہ 138) اگلے صفحہ پر اس شخص کی خصوصیات لکھی ہیں:

3 ''اُس شخص کی خصوصیات کا خلاصہ:

اوّل۔ وہ آیات الٰہی کا علم رکھتا تھا یعنی حقیقتِ اسلام سے واقف تھا۔

دوم۔ وہ دنیا کے فائدوں اور لذتوں اور آرائشوں کی طرف جھک پڑا،.... معالی امور کی طلب میں دنیا کی حرص وطمع سے بالاتر ہونیکے بجائے وہ اس حرص وطمع سے ایسا مغلوب ہوا کہ اپنے سب اونچے ارادوں اور اپنی عقلی و اخلاقی ترقی کے سارے امکانات کو طلاق دے بیٹھا اور اُن تمام حدود کو توڑ کر نکل بھاگا جن کی نگہداشت کا تقاضا خود اُسکا علم کر رہا تھا۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 101)

4 علامہ اوران کی تشریحات کی پوزیشن

ہم علامہ مودودی کو داد دیتے ہیں کہ سابقہ علما کے تیار کردہ جال سے بچ کر گزرے اور حقیقت کے بہت قریب پہنچے۔ اور اپنے قاریوں کو بھی یہ مشورہ دیا کہ قرآن کے پیش کردہ شخص کو اُن مومنین میں تلاش کریں جو قرآن اور رسولؐ کے مخاطب تھے اور اُن مومنین میں بھی دانشمند واہل علم صحابہ پر نظر ڈالیں اور اُس شخص کا پتہ لگائیں جو اُدھر آیاتِ خداوندی کا عالم ہو اور ادھر بڑے بڑے ارادے بھی رکھتا ہو۔ اور دنیا کی حرص وطمع نے اُسے اللہ کی نظر میں گرادیا ہو۔ اور ابلیس کی نظر میں بلند کردیا ہو۔ یعنی وہ ایسا صحابی ہو جس نے صراط مستقیم کو ترک کر کے اپنے اونچے ارادوں کا رُخ دنیاوی اقتدار کی طرف موڑ دیا ہو۔ اور شیطان نے اُسے قابل پیروی سمجھ لیا ہو۔ یہاں تک تو علامہ مودودی نے راہنمائی کی ہے۔ اب آیت کا ایک کلیدی لفظ ''فَانۡسَلَخَ'' سامنے رکھیں اور عربی کی لغت میں اُس کے معنی دیکھیں۔ اُس کے بنیادی لفظی اور حقیقی معنی ''سانپ کا اپنی کینچلی اتارنا'' یا ''ذبح شدہ جانور کی کھال اُتارنا'' ملیں گے۔ یعنی وہ شخص اس قابلیت کا صحابی ہونا چاہئے جو آیاتِ قرآن میں موشگافیاں کرنے اور باریکیاں نکالنے میں ماہر ہو۔ لہٰذا قرآن کی آیت کا یہ جملہ کہ:

فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا (7/175) چنانچہ اُس شخص نے اللہ کی دی ہوئی آیات کی کینچلی یا کھال اتار لی یا اُن آیات میں باریک بینیاں کیں اور سیدھے وصاف معنی اختیار نہ کئے۔ اس لئے اُس کو شیطان نے پسند کیا اور قابلِ پیروی سمجھا (فَاَتۡبَعَهُ الشَّيۡطٰنُ 7/175) یعنی وہ اُن لوگوں میں سے ایک ہوگیا جن کو شیطان نے اپنا مشن چلانے کیلئے حاصل کرلینے کا اپنے چیلنج میں اعلان کیا تھا (وَ قَالَ لَاَ تَّخِذَ نَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا - نساء 4/118) اور صراط مستقیم سے ہٹا کر حصولِ دنیا کی تمناؤں سے سرشار کرنے اور اُن سے اپنا منصوبہ مکمل کرنے کا اعلان کیا تھا۔ (نساء 119-4/120)

لہٰذا معلوم ہوا کہ صحابۂ رسولؐ میں سے ابلیس کو ایک ایسے صحابی کی ضرورت تھی جو قرآن میں اپنے اجتہاد وبصیرت سے باریکیاں نکال سکے اور رسوؐل کا مدمقابل بن سکے اور دنیا میں جاہ واقتدار حاصل کرنے میں کامیابی کی راہیں نکال سکے۔ چنانچہ ابلیس نے اُس صحابیٔ رسوؐل کو انتخاب کرلیا جو بڑے پرخلوص انداز میں اللہ کو حاضر وناظر جان کر اور اپنے قلبی تصورات پر خدا کو گواہ بنا کر اسلام کا انتہائی مقصد ایسے پیارے اور دل لگتے انداز میں بیان کرتا رہتا تھا کہ خود رسولؐ اللہ پر اس کی باریک بینی پر تعجب اور پسند کے تاثرات چھا جاتے تھے اور اگر کہیں اللہ دخل در معقولات کر کے رسوؐل کو روک نہ دے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود رسولؐ اللہ اس کی اسلامی ترجمانی کو اختیار کر لیتے۔ سنئے کہ اس معاملے میں اللہ نے کیا فرمایا ہے؟

(20) وہ وہی صحابی تھا جس نے اسلام کی تعبیر فتوحاتِ ممالک سے کی، ممالک فتح کئے اور وہ رسوؐل کا مدمقابل حریف تھا۔

مودودی ترجمے سے ملاحظہ ہو:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُکَ قَوۡلُهٗ فِی الۡحَيٰوةِ الدُّ نۡيَا وَ يُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِهٖ وَ هُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِo

''انسانوں میں کوئی تو ایسا بھی ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو

گواہ ٹھیراتا ہے۔مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلداوّل صفحہ 158-159 بقرہ 2/204)

اس ترجمہ میں علامہ یہ نہیں چاہتے کہ قاری کا دھیان صحابۂ رسولؐ کی طرف جائے۔حالانکہ رسولؐ اللہ کافروں اور یہودیوں کو جانتے تھے۔ لہٰذا اُن میں سے کوئی خدا کو گواہ بنا کر بات ہی کیوں کرتا؟ اور اگر کرتا تو رسولؐ اللہ اُس کی نیک نیتی اور خلوص کا پسندیدگی کی حد تک یقین کیوں کرتے؟ پھر وہ اسلام اور رسولؐ کی ہمدردی میں ایسی بات ہی کیا کرتے جو رسولؐ کو بہت پسند آتی؟ پھر اللہ کو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی کہ وہ بدترین دشمن حق ہیں؟ لہٰذا ترجمہ سیدھا سیدھا یہ ہے کہ:

رفیع الدین کا ترجمہ: ''اور بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہے کہ خوش لگتی ہے تجھ کو بات اُس کی بیچ زندگانی دنیا کے اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اوپر اس چیز کے کہ بیچ دل اُس کے کے ہے اور وہ بہت جھگڑالو ہے۔''(2/204)

بہرحال ترجمہ کسی کا بھی ہو بات دنیا میں اسلامی زندگی سے متعلق ہے۔وہ شخص جو طرزِ حیات پیش کرتا ہے وہ رسولؐ اللہ کو پسند آتا ہے۔اس لئے بھی کہ ایک مومن اور پھر صحابی اور پھر اللہ کو اپنے ظاہر و باطن پر شاہد بنا کر بات ہورہی ہے۔لیکن اللہ اس طرز حیات پر خاموش نہیں رہتا۔بلکہ رسولؐ اللہ کو ٹوکتا ہے اور بتاتا ہے کہ اُس شخص کے دل میں واقعی اسلامی زندگی کا وہی تصور ہے جو وہ بیان کرتا ہے یعنی وہ دل سے اسلام کی وہی تعبیر کرتا ہے جو کہتا ہے مگر یاد کرو کہ یہ وہی شخص ہے جو تم سے اکثر اُلجھتا اور مباحثہ کرتا رہتا ہے اور یہ سچ کہے یا جھوٹ بولے بہرحال وہ تمہارا مدمقابل اور بدترین دشمن ہے اس لئے کہ وہ جس طرزِ زندگی کو آپؐ کے سامنے پیش کرتا ہے وہ خوش آئند ضرور ہے مگر اسلامی زندگی نہیں ہے اس لئے کہ جب وہ اپنے اُس خوش آئند طرز زندگی کو مسلمانوں میں نافذ کرنے پر کامیاب ہوجائے گا تو حکومت حاصل کرتے ہی ساری دنیا کو فساد سے لبریز کردے گا۔قتل و غارت وعصمت دری اور لوٹ مار سے نسلیں کی نسلیں فنا کردے گا۔کھیتیاں برباد ہوجائیں گی۔چنانچہ اگلی آیت میں یہ سارا حال بیان کردیا ہے سنئے اور مسلمان صحابہ میں ایسا کرنے والے کو بے نقاب پہچان لیجئے:

(2) اُس شخص کی اسلامی حکومت قتلِ عام اور فتنہ وفساد کی بنیاد ہوگی

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِکَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ o (بقرہ 2/205)

مودودی ترجمہ: ''اور جب اسے اقتدار حاصل ہوجاتا ہے تو زمین میں اُس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے حالانکہ اللہ، (جسے وہ گواہ بنارہا ہے) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا''(تفہیم القرآن جلداوّل صفحہ159)

رفیع الدین کا ترجمہ: ''اور جب حاکم ہوتا ہے کوشش کرتا ہے بیچ زمین کے تو کہ فساد کرے بیچ اُس کے اور ہلاک کرے کھیتی کو اور جانوروں کو اور اللہ نہیں دوست رکھتا فساد کرنا۔''(بقرہ 2/205)

قرآن کے بیانات گھیر کر ہر قاری کو وہاں لاتے ہیں جہاں وہ خود اُن لوگوں کے نام لینے پر مجبور ہوجاتا ہے جنھوں نے رسولؐ کے بعد اپنی قومی حکومت بنائی اور وہ سب کچھ کیا جو مندرجہ بالا آیت (2/205) میں اللہ نے بیان کیا۔رہ گیا وہ خاص شخص کہ جس کی پیروی کو شیطان نے پسند کیا وہ وہی ہے جس نے ہمیشہ رسولؐ کے خلاف رائے رکھی اور جس کیلئے قریشی کہانیوں میں یہ کہا گیا کہ اللہ اور وحی بھی اس کی پیروی

کرتے اور رسولؐ کے خلاف رہتے تھے۔اور جس نے اسلام کو اپنی مصلحتوں، قومی مفاد اور تقاضائے وقت پر ڈھالنے کے لئے تمام حق پرست صحابہؓ کو مدینہ میں قید رکھا، احادیثِ رسولؐ کا بیان کرنا جرم اور قابل گردن زدنی قرار دیا، اپنے خود ساختہ اسلام کی تائید کیلئے اپنے ہم خیال لوگوں سے روایات گھڑوائیں اور حکومت کی قوت سے ہزار در ہزار باطل مسائل مسلمانوں میں پھیلائے اور جس سے مسلمانوں میں وہ فتنہ واختلاف وافتراق پھیلا جسے علی مرتضٰی علیہ السلام نے خطبہ نمبر دو (جملہ نمبر 29 تا 56) میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

لہٰذا وہی قریشی حکومت کا بانی مبانی تھا اور نام اس کا عمر تھا۔اُس کی زندگی میں بھی اور اُسکے بعد بھی اُس کی قوم نے فسق وفجور اور لاقانونیت کی تخم پاشی وزراعت کی (خطبہ 2 جملہ 65) اور بے دینی کی اس کھیتی کو دھوکے اور فریب سے سیراب رکھا (خطبہ 2 جملہ 66) اور اس آبیاری کے نتیجے میں ایسی فصلیں کاٹتے چلے آئے جو ہلاکت وتباہی و بربادی کی طرف بڑھاتی آئیں (خطبہ 2 جملہ 67) اور آخر کار دنیا ودین دونوں میں ذلیل وخوار ورُسوا ہوئے اور آج شریف اقوام میں اُن کو ایک گالی اور ایک گھناؤنی چیز سمجھا جاتا ہے۔

8۔ محمدؐ اور آل محمدؐ کا حقیقی مقام عقل ووہم وگمان سے اُسی طرح ارفع واعلیٰ ہے جس طرح اللہ کا مقام

حضرت علی علیہ السلام نے آل محمدؐ کی شان میں جو کچھ فرمایا ہے وہ محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی وہ پوزیشن ہے جسے عقل وفہم و بصیرت سے اور انسانی وسائل وذرائع سے سمجھا جاسکتا ہے۔ ورنہ اُن کی حقیقی پوزیشن اللہ کے علاوہ اور خود اُن کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ شیعہ مجتہدین جو محمدؐ وآل محمدؐ کی غیب دانی کے منکر ہیں وہ سنیں کہ علیؑ مرتضٰی اور آل محمدؐ کو اللہ کے تمام راز ورموز وپوشیدہ چیزوں کا حامل فرمایا گیا ہے (خطبہ 2 جملہ 57) اور اللہ کے ہر نافذ ہونے والے حکم کی وہی حضراتؑ پناہ گاہ ہیں (خطبہ 2 جملہ 58) اور اللہ کے تمام علوم کا خزانہ ہیں۔ جہاں پورا ذخیرہ موجود رہتا ہو (خطبہ 2 جملہ 59) اور وہی حضراتؑ اللہ کی تمام حکمتوں، مصلحتوں اور رعایتوں کا ٹھکانہ ہیں۔(خطبہ 2 جملہ 60)

ہے کوئی جو ہمیں بتائے کہ وہ کونسی چیز باقی رہ گئی جو محمد اور آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے پاس نہیں ہے؟ یا وہ کون سی چیز ہے جس کو اُن میں خامی کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہو؟

(8۔الف) محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ تمام کتبِ الہیّہ اور تعلیمات انبیاؑ لکھی ہوئی موجود تھیں۔

حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آلؑ محمدؐ وہ غار ہیں جن میں اللہ کی تمام کتابیں محفوظ رہتی چلی آئی ہیں (خطبہ 2 جملہ 61) جب آل محمدؐ کو اللہ کے تمام علوم وحِکم اور رموز واسرار اور احکام کے حامل کہہ دیا گیا (خطبہ 2 جملے 58 تا 60) تو اس کی کیا ضرورت تھی کہ انہیں تمام کتب خداوندی کا غار یا محافظ بھی کہا جاتا (خطبہ 2 جملہ 61) اس لئے کہ اللہ کی کتابیں اُن تینوں جملوں میں داخل وشامل ہیں؟ یہ فرمانے کا سبب یہ ہے کہ قریش کا یہ عقیدہ باطل ہوجائے کہ محمدؐ کے پاس چالیس سال کی عمر تک کوئی کتاب نہ تھی۔اور یہ بتانے کے لئے کہ محمدؐ تو آل محمدؐ کی بنیاد ہیں ہم میں سے کوئی بھی نہ قرآن سے خالی رہتا ہے اور نہ باقی انبیاؑ کی کتابیں ہم سے جدا ہوتی ہیں۔

(8۔ب) محمدؐ وآلِ محمدؐ ذخیرہ اور خزانۂ علومِ خداوندی ہیں تو لازم ہے کتبِ خداوندی وہیں سے جاری ہوں۔

قارئین صرف اسی قدر سمجھنا کافی نہیں ہے کہ پہلے تمام انبیاؑ کو کتابیں ملتی رہیں اور ہر نبیؑ کی کتاب بعد میں آنے والے نبیؑ کو بطورِ ورثہ پہنچتی رہی اور یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آخری نبیؐ کو تمام سابقہ انبیاؑ کی کتابیں اور تبرکات ورثے میں ملے اور وہ سارا ورثہ آلِ محمدؐ کو ملا اور اُن کے پاس ہے اور رہا۔ صرف اتنا نہیں بلکہ محمدؐ وآلِ محمدؐ ہی کے پاس سے ہر نبیؑ کو اُس کی متعلقہ ہدایات اور کتاب ملتی چلی آئی اور اُن ہی تک ہر کتاب پلٹتی رہی یعنی اُن کے پاس کسی نبیؑ کو کتاب دیئے جانے کے بعد بھی نفی نہیں ہوتی تھی اگر توریت حضرت موسیٰؑ کے پاس تھی تو توریت محمدؐ وآلِ محمدؐ کے پاس بھی موجود تھی یعنی یہ حضرات کبھی کسی حال میں علومِ خداوندی سے خالی نہیں رہے۔ اُن کے خالی رہنے کا مطلب خزانۂ علومِ خداوندی کا خالی یا کم ہو جانا ہے جو ناممکن اور بے عقلی کی بات ہے۔ اس لئے کہ آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو عِیبَۃُ عِلْمِہِ اللہ کے علوم کا ذخیرہ اور خزانہ فرمایا گیا ہے (خطبہ 2 جملہ 59) اور کُھُوفُ کُتُبِہِ اللہ کی کتابوں کے غار فرمایا ہے نہ کہ کتابوں کی واپسی کی جگہ لہٰذا یہ سمجھ لیں کہ اللہ کے تمام علوم، تمام کتابیں، تمام احکام، تمام حکمتیں اور تمام اسرار ورموز اور غیب کی باتیں یہیں سے جاری ہوتی تھیں اور یہیں واپس آتی تھیں۔ رہ گیا یہ کہ تمام انبیاؑ پر نازل ہونے والی کتابیں آلِ محمدؐ کے پاس تھیں اس پر تو کتبِ احادیث بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ کتاب اصول کافی، کتاب الحجۃ میں ایک باب کا نام یہ ہے:

اِنَّ الْاَئِمَۃَ عَلَیھِمُ السلام عِنْدَ ھُمْ جَمِیعُ الْکُتُبِ الَّتِی نَزَلَتْ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَ اِنَّھُمْ یَعْرِفُوْنَھَا عَلٰی اخْتِلَافِ اَلْسِنَتِھَا

''یقیناً آئمہ علیہم السلام کے پاس وہ تمام کتابیں ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں اور وہ اُن سب کو ان کی مختلف زبانوں سمیت سمجھتے تھے۔'' (اصول کافی)

(8۔ج) محمدؐ وآلِ محمدؐ کا دین کی بنیاد ہونا ہی یقین کی بنیاد اور عماد ہونا ہے۔

آگے چل کر حضورؐ نے آلِ محمدؐ کو دین کی بنیاد بھی فرمایا اور یقین کی عمارت کے ستون بھی قرار دیا ہے (خطبہ 2 جملے 70-71) اور ساتھ ہی یہ بتا دیا ہے کہ محمدؐ وآلِ محمدؐ ہی کی وجہ سے یہ کائنات پیدا ہوئی اور یہاں انسان ہوں یا جنات ہوں ملائکہ ہوں یا ارواح ہوں تمام جانداروں کو جو کچھ ملتا ہے وہ آلِ محمدؐ ہی کی وجہ سے ملتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو نہ یہ کائنات وموجودات ہوتی اور نہ کسی کو کوئی نعمت ملتی۔ ایسی صورت حال میں فرمایا کہ اُن مخلوقات وموجودات میں کوئی بھی اس قابل نہیں ہوسکتا کہ وہ محمدؐ وآلِ محمدؐ کی ہمسری کا خیال کرے اس لئے کہ نعمتیں دینے والے نعمت پانے والوں کے برابر کیسے ہوں گے۔ (خطبہ 2 جملے 68-69)

(9) اس خطبہ میں حکومت اور حکومت کے مذہب اور عقائد کا بطلان اور چیلنج ہے۔

یہ اکیلا خطبہ اہل خلاف کی آنکھیں کھولنے اور اُن کے عقائد وتصورات و مذہب کی پوری عمارت کو مسمار و برباد کرنے کے لئے کافی ہے۔ ذرا سا سوچئے کہ جب حقِ حکومت وخلافت حضرت علی علیہ السلام کے لئے وراثتاً اور وصیتاً مخصوص تھا تو اُن سے پہلے خلفا کو عوام کیا سمجھیں گے؟ چنانچہ غاصب سمجھنا لازم تھا اور غاصب یقیناً ظالم و جابر وخائن وغدار ہوتا ہے۔ اور اگر یہ ظلم اللہ ورسولؐ کے ساتھ اور

اُن کے اپنے حق کو غصب کرنے میں ہو تو اُن کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ کہیں ہو نہیں سکتا۔ پھر جب آل محمدؐ دین کی بنیاد ہیں تو اُن کے مخالف بے دین ٹھہرے۔ یقین کے ستون وہؑ ہیں تو مخالف ظلمت وشکوک وشبہات میں مبتلا مانے جائیں گے۔ جب اُن کا مساوی کوئی نہیں تو صحابہ کی ہمسری یا افضلیت کا دعویٰ اور عقیدہ باطل ہو گیا۔ جب وہ حضراتؑ علوم خداوندی کے مخزن ہیں تو اُن سے جدا رہنے والے جاہل اور جاہلیت کی موت مرنے والے ٹھہرے اور اُن کی تمام تصنیفات باطل وفریب بن جائیں گی۔ اور جب انہیں شیطان کا پیرو، شیطان کا علمبردار اور شیطان کے حامی ومددگار قرار دے دیا تو باقی کیا رہا؟

یہ ہیں وہ خطبات جنہوں نے باطل کی رگِ حیات کاٹ کر رکھ دی تھی اور خطیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وہ جرم تو کہاں عائد ہوتا جس سے صحابہ اور ابوہریرہ خطرۂ جان محسوس کرتے اور زبان بند رکھتے رہے تھے بلکہ الٹا قریش کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ علیؑ کو اپنا دوست اور ہمدرد اور یار دکھانے کے لئے کہانیاں اور روایات گھڑتے رہیں۔ یہ ہے بصیرتِ مرتضویؑ اور یہ ہے نہج وطریقۂ بلاغت علویؑ اور یہ ہیں ہماری مختصر ترین تشریحاتِ نہج البلاغہ۔

10۔ حضرت علی واولادِ علی علیہم السلام کا حقِ حکومت وخلافت محمدؐ سے ہٹ کر بھی مسلسل وِراثتاً ثابت ہے۔

وہ علما جو یہ سمجھتے اور سمجھاتے رہے ہیں کہ اس حکومت کا حق حضرت علیؑ کو پہنچتا ہے جو رسولؐ اللہ نے قائم کی کچھ اچھی اور مدلل سمجھ نہیں رکھتے اس لئے کہ یہ ماننا پڑے گا کہ اگر محمدؐ کو نبوت نہ ملی ہوتی یا نبوت تو ملی ہوتی مگر اُنہوں نے حکومت قائم نہ کی ہوتی یا وہ حکومت واقتدار حاصل ہی نہ کر سکے ہوتے تو علیؑ کو اُن کی حکومت ملنے کا یا ملنے کا حق ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا ہوتا۔ حالانکہ حضرت علی علیہ السلام تو روزِ ازل سے الگ اور وراثتِ ابراہیمؑ کی بنا پر الگ، اور قرآنی حکم سے الگ اور قوانین عرب سے الگ تمام حکومت الٰہیّہ کے وارث اور حق دار تھے۔ بلکہ یہ کہنا سو فیصد حق ہے کہ نبوتِ محمدؐیہ علیؑ کے اِس مسلمہ حق میں حارج واقع ہوئی ہے۔ اگر دعوائے نبوت نہ ہوا ہوتا تو ابوسفیان وابولہب اور تمام سردارانِ عرب نے بلاحیل وحجت حضرت علیؑ کو اپنا اور پورے عرب کا حاکم وبادشاہ بنایا ہوتا۔ یعنی نبوتِ محمدؐیہ نے علیؑ کو سارے عرب کا دشمن بنا کر رکھ دیا تھا اور اُنہوں نے مجبور ہو کر چاہا کہ جس طرح ہو سکے علیؑ کو حکمران نہ بننے دیا جائے اور جس طرح ہو سکے علیؑ اور خاندان علیؑ کا قلع قمع کر دیا جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔ اور یہ سب کچھ نبوتِ محمدؐیہ کی وجہ سے اور نبوتِ محمدؐیہ کے لئے کیا گیا تھا۔

(10۔الف) قریش آلِ ابراہیمؑ کی قرآن میں مذکور عظیم الشان حکومت سے حسد کرتے اور مخالفت کرتے رہے اور جہنمی ہو گئے۔

قرآنِ کریم اور الفاروق اور تاریخ طبری سے ثابت ہو چکا ہے کہ قریش اور اُن کے راہنما عمر نے یہ طے کر کے کہ خلافت و حکومت محمدؐ کے خاندان میں نہ جانے دی جائے' حکومت پر قبضہ کر کے آل محمدؐ کو محکوم کر دیا تھا۔ لیکن اللہ نے آل ابراہیمؑ کو ایک عظیم الشان حکومت ومملکت عطا کر دی تھی اور قرآن کے اندر اس عظیم الشان حکومت کا دیا جا چکنا اور عربوں کی مخالفت کرنا یوں بیان ہوا ہے کہ:

اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ؟ فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِیۡمَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ وَاٰتَیۡنٰهُمۡ مُّلۡکًا عَظِیۡمًا o فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ وَ کَفٰی بِجَهَنَّمَ سَعِیۡرًا o (نسا55-4/54)

''کیا یہ لوگ ہماری اس داد و دہش اور مسلسل عطیات پر اب بھی حسد سے جلے جا رہے ہیں جو ہم نے اپنے فضل سے نسلِ ابراہیم کو دے رکھے ہیں؟ یقیناً ہم نے آل ابراہیمؑ کو مکمل کتاب اور تمام حکمتیں اور ایک عظیم الشان مملکت وحکومت دی ہوئی ہے۔ چنانچہ حسد کرنے والوں میں سے ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے حسد کو کامیاب صورت دینے کے لئے اُس عظیم الشان حکومت کو مان لیا ہے دوسرے وہ حسد کرنے والے ہیں جو اس عظیم الشان حکومت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور اُن دونوں کے لئے وہ جہنم کافی ہے جو سعیر ہے۔''

یہاں یہ واضح ہے کہ نسل ابراہیمیؑ میں ایک خداداد مملکت وحکومت موجود رہتی چلی آئی ہے۔ اور حسد کرنے والے بھی معلوم ہیں جو سابقہ عنوانات میں سامنے آچکے ہیں۔ یہ خداداد حکومت توریت میں بھی مذکور ہے۔ (توریت۔ تکوین 1 تا 17/8)

وَاجۡعَلُکَ اُمَمًا وَّ مَلُوکًا مِنکَ تُخرِجُونَ......الخ

''اور میں تیری اولاد میں سے اُمتیں اور ملوک (بادشاہ) پیدا کروں گا اور اُن بادشاہوں کی اور اُمتوں کی عمریں بڑھتی چلی جائیں گی اور یہ معاہدہ میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان برقرار رہتا چلا جائے گا۔''

(توریت۔ تکوین 1 تا 17/8)

معلوم ہوا کہ آلِ ابراہیمؑ جب تک موجود ہے وہ عظیم الشان مملکت اور حکومت ان میں مستقلاً برقرار رہتی چلی جائے گی۔

(10۔ب) حضرت اسماعیلؑ کا پہلا جانشین امام و بادشاہ اور آنحضرتؐ کے سلسلۂ نسب کو اسماعیلؑ سے ملانے والا۔

چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فرزند بزرگ جناب نابت علیہ السلام وہ بزرگ ہیں جن کی اولاد میں، محمد وعلی وفاطمہ علیہم السلام، اُس آل ابراہیمؑ کے افراد ہیں جن کی عظیم الشان حکومت سے قریش کے حسد کرنے کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔ یہی نابتؑ ہیں جو حضرت اسماعیلؑ کے وارث وجانشین امام و بادشاہ ہیں۔ سنئے:

(1) ''نبایوط کو اہل عرب عموماً نابتؑ کہتے ہیں۔ اُن کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیلؑ کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصے میں آئی۔'' (ارض القرآن۔ مولوی سید سلیمان ندوی۔ حصہ دوم صفحہ 56) اور سنئے:

(2) '' اَلنَّبِیُت بن جَعۡشَم، یہی عرام ہے، نَبِیت اور قیذر ہے، قیذر کے معنی صاحبِ ملک کے ہیں۔ اسماعیلؑ کی اولاد میں سے سب سے پہلا فرمانروا یہی ہوا ہے۔'' (ترجمہ تاریخ طبری سیرۃ النبیؐ حصہ اوّل صفحہ 57)

(10۔ج) حضرت نابتؑ کی اولاد میں برابر مسلسل حکومت جاری رہی اور اس سلسلے کے آخری حکمران قصیؑ وہاشمؑ وغیرہ۔

ہم اختصار کی غرض سے اُن درمیانی حکمرانوں کا تذکرہ ترک کرتے ہیں (دیکھو ہماری کتاب ''مرکزِ انسانیت'' میں آنحضرتؐ کا شجرہ اور عربوں کے شکوک وشبہات) جو اس دو ہزار پانچ سو سال کے دوران گزرے اور آخری حکمرانوں کے متعلق بھی تفصیلات میں اُلجھے بغیر یہ عرض کرتے ہیں کہ حضرت قصی، حضرت ھاشم، حضرت عبدالمطلب، اور حضرت ابوطالب علیہم السلام وہ آخری فرمانروایانِ آل ابراہیمؑ و

اسماعیلؑ ونابتؑ ہیں جن کا اثر ورسوخ بادشاہانِ یونان وایران وروم وحبش وغیرہ پر اس قدر تھا کہ عربوں کے لئے اُن سے فرمانِ تجارت و امن نافذ کراتے تھے اور انہیں بلاٹیکس تجارت کی آزادی دلا رکھی تھی اور یہ سب کچھ صرف خط لکھ کر کراتے رہتے تھے۔(سیرۃ النبیؐ علامہ شبلی جلد اوّل صفحہ 166-165) اور ابوطالبؑ کے بیٹے جناب علیؑ مرتضیٰ تھے جو وارثتاً اور قانوناً اُن کے جانشین اور حکومتِ عرب کے حکمران تھے۔قریش نے نبوت اور اسلام کے خلاف محاذ بنایا علیؑ نے اُس محاذ کی کمر توڑی اس لئے وہ دشمن ہوگئے ورنہ وہ ضروراطاعت کرتے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 03

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 03

خُطبہ ﴿3﴾

غاصِبانِ حکومتِ خیرؑ البشر

یعنی ابوبکروعمرؓ بزبانِ مُؤمِنُونَ و فُرقَان و بَقر؛

(مومنون 111 تا 23/109)(فرقان 31 تا 25/27)(بقرہ 205 تا 2/204) (خطبہ 3 جملے 1 تا 3 ، جملے 16 تا 24)

(1) بُطلانِ خلافتِ شُوریٰ وعثمان؛ (2) مقامِ مرتضوی اورغدّاریٔ قریش؛(3) قریشی حکومت وجاہ وجلال کی قیمت علیؑ کی نظر میں؛(4) خلیفہ بنانے اور بیعت کرنے کے لیےلوگوں کا بے پناہ اور خوفناک ہجوم؛(5) علیؑ نے خلافت کیوں قبول کی؟ عہدِ خداوندی؛(6) ایک ایسا فریب جو جناب رضیؒ بھی نہ سمجھے؛

وَ مِنۡ خُطۡبَةٍ لَّهٗ عَلَيۡهِ السَّلام		حضرت علی علیہ السلام کا ایک خطبہ
اَمَا وَ اللّٰهِ لَقَدۡ تَقَمَّصَهَا ابۡنُ اَبِی قُحَافَةَ؛	1	خبردار ہوکر سنو! قسم بخدا ابوقحافہ کے بیٹے نے خلافت وحکومتِ رسوؐل کو کھینچ تان کر قمیص کی طرح پہن لیا تھا؛
وَ اِنَّهٗ لَيَعۡلَمُ اَنَّ مَحَلِّیۡ مِنۡهَا مَحَلُّ الۡقُطۡبِ مِنَ الرَّحٰی؛	2	اور اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ خلافت کے لئے میرا وہی محوّری مقام تھا جو چکّی کے اندر اُس کی کیلی کا ہوا کرتا ہے؛اور یہ کہ:
يَنۡحَدِ رُ عَنِّی السَّيۡلُ؛	3	میں علوم و معارفِ خداوندی کا وہ بلند پہاڑ ہوں جہاں سے میرے علوم کے آبشاروں کا سیلاب گرتا رہتا ہے؛
وَ لَا يَرۡقٰی اِلَیَّ الطَّيۡرُ؛	4	اورکوئی پرواز کرنیوالا میری علمی فضا کی بلندی تک رسائی نہیں پاسکتا ہے؛
فَسَدَلۡتُ دُوۡنَهَا ثَوۡبًا؛	5	چنانچہ میں نے خلافت سے علمی پہلوتہی کرکے اُس پر پردہ ڈال دیا؛
وَ طَوَيۡتُ عَنۡهَا كَشۡحًا؛	6	اورخلافت اورخلفا کواُن کے پوشیدہ منصوبےاورمآلِ کار میں لپیٹ دیا؛
وَ طَفِقۡتُ اَرۡتَائِیۡ بَيۡنَ اَنۡ اَصُوۡلَ بِيَدٍ جَذَّآءَ؛	7	اور میں یہ فیصلہ کرنے میں مصروف ہوگیا کہ آیا میں اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے خود ہی اُن کا استیصال کردوں؟
اَوۡ اَصۡبِرَ عَلٰی طَخۡيَةٍ عَمۡيَآءَ؛	8	یا اُن کی خفیہ اسکیم (کَشۡحًا) سے پیدا ہونے والی اُس بھیانک اندھیر گردی کو صبر کے ہتھیاروں سے تباہ کروں؟

يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ؛	9	جس کے دَوران سِن رسیدہ لوگ فرسودہ اور بے کار ہو جائیں گے؛
وَ يَشِيبُ فِيهَا الصَّغِيرُ؛	10	اور کم سن اور بچے سن رسیدہ ہوتے اور بڑھاپے سے دوچار ہوتے جاتا ہیں؛
وَ يَكْدَحُ فِيهَا مُؤْمِنٌ حَتّٰى يَلْقٰى رَبَّهٗ؛	11	اور جس کے دوران مومنین کو، اصلاحِ حال کی جد و جہد کرتے کرتے اپنے پروردگار سے جاملنا ہوگا؛
فَرَأَيْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰى هَاتَا اَحْجٰى؛	12	چنانچہ میں نے مستقبل میں جھانک کر یہ دیکھا کہ فی الوقت میرے لئے خلافت کے اس معاملے پر صبر کے ہتھیار استعال کرنا زیادہ دانشمندانہ عمل ہوگا؛
فَصَبَرْتُ وَ فِى الْعَيْنِ قَذًى؛	13	بہر حال میں نے صبر کے ہتھیار اُٹھالئے جب کہ آنکھوں میں گرد وغبار اُڑتا نظر آ رہا تھا؛
وَ فِى الْحَلْقِ شَجًا؛	14	اور مدِّ مقابل کو متاسف اور غمگین کرنے والا جوش اور اُکساہٹ گلے میں رُکی تھی؛
اَرٰى تُرَاثِىْ نَهْبًا؛	15	میں اپنی میراث لٹتے دیکھتا رہا؛
حَتّٰى مَضَى الْاَوَّلُ لِسَبِيْلِهٖ؛	16	یہاں تک کہ اُن کا پہلا شخص اپنے اختیار کردہ راستے چلتا ہوا گزر گیا؛
فَاَدْلٰى بِهَا اِلٰى ابْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَهٗ	17	اور جاتے ہوئے خلافت وحکومت خطاب کے بیٹے عمر کو بطور رشوت دیتا گیا؛
(ثُمَّ تَمَثَّلَ بِقَوْلِ الْاَعْشٰى)		(یہاں پہنچ کر حضرت علیؑ نے اَعشیٰ شاعر کا یہ شعر بطور مثال پڑھا تھا)
"شَتَّانَ مَا يَوْمِىْ كُوْرِهَا *	18	"کہاں یہ دن جو سارے کا سارا پابہ رکاب گزرتا ہے؟
وَ يَوْمُ حَيَّانَ اَخِىْ جَابِرٍ"؛	19	اور کہاں وہ دن جو جابر کے بھائی حیان کی صحبت میں گزرتا تھا۔"
فَيَا عَجَبًا بَيْنَا هُوَ يَسْتَقِيْلُهَا فِىْ حَيَاتِهٖ؛	20	تعجب تو اِس پر ہے کہ ابوبکر نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کرتے ہوئے زندگی گزار دی؛
اِذْ عَقَدَهَا لِاٰخَرَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ؛	21	اور اپنی وفات کے بعد کے لئے دوسرے کو خلافت کا حقدار بنا گیا اور اس کا کام پکا کر گیا؛
لَشَدَّ مَا تَشَطَّرَا ضَرْعَيْهَا؛	22	یقیناً اُن دونوں نے ناقہٗ خلافت کے دونوں تھنوں کو آپس میں پختہ طریقے سے بانٹ لیا تھا؛
فَصَيَّرَهَا فِىْ حَوْزَةٍ خَشْنَآءَ؛	23	چنانچہ ابوبکر نے خلافت کو ایک نہایت تُند خو حلقہ میں پہنچا دیا؛
يَغْلُظُ كَلْمُهَا؛	24	جہاں خلافت کو کاری زخموں کا سامنا ہے؛

وَ يَخْشُنُ مَسُّهَا؛	25	اور جہاں خلافت سے وابستگی بھی تندی وسخت گیری سے دوچار کرتی ہے؛
وَ يَكْثُرُ الْعِثَارُ فِيهَا؛	26	اور جہاں خلافت وحکومت میں روز افزوں خفیہ منصوبے جاری ہیں؛
وَالْاِعْتِذَارُ مِنْهَا؛	27	اورخفیہ پالیسیوں کے لئے طرح طرح کے عذر تراشے جاتے ہیں؛
فَصَاحِبُهَا كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ؛	28	چنانچہ سربراہِ خلافت ایک سرکش سواری پرسوار کی مانند ہے؛
اِنْ اَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ؛	29	کہ اگراُس کی لگام کھینچ لی جائے تو اُس کی ناک یا دہانہ پھٹ جائے؛
وَ اِنْ اَسْلَسَ لَهَا تَقَحَّمَ؛	30	اور اگراُسے ڈھیلا چھوڑ دیا جائے تو خودسوار ہلاکت میں پڑ جائے؛
فَمُنِىَ النَّاسُ لَعَمْرُ اللّٰهِ بِخَبْطٍ وَّ شِمَاسٍ؛	31	چنانچہ خدا کی قسم اُس کی حکومت کے دوران دین میں خبط وشبہات اورلوگوں میں دین سے دُوری پیدا ہوئی، اوروہ گمراہی میں مبتلا ہوگئے؛
وَ تَلَوُّنٍ وَ اعْتِرَاضٍ؛	32	اورلوگوں میں طرح طرح کی دینی رنگ آمیزی اورروگردانی کا جذبہ ابھرتا گیا؛
فَصَبَرْتُ عَلٰى طُوْلِ الْمُدَّةِ؛	33	چنانچہ میں نے مذکورہ صبر کی پالیسی پراس طویل مدت میں عمل جاری رکھا؛
وَ شِدَّةِ الْمِحْنَةِ؛	34	اورسخت ترین محنت سے دین کا دفاع کرتا رہا؛
حَتّٰى اِذَا مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ؛	35	یہاں تک کہ عمر بھی اپنی اختیار کردہ راہ چلتا ہوا گزر گیا؛
جَعَلَهَا فِىْ جَمَاعَةٍ؛	36	اورجاتے جاتے خلافت کو جماعت شوریٰ کے حوالے کرگیا؛
زَعَمَ اَنِّىْ اَحَدُهُمْ؛	الف	اور یہ باطل خیال جاری کیا کہ میں بھی اُس جماعت کا ایک ممبر ہوں؛
فَيَا لَلّٰهِ وَ لِلشُّوْرٰى؟	37	اے اللہ بھلا مجھےاس باطل شوریٰ سے کیا لگاؤ ہوسکتا ہے؟
مَتَى اعْتَرَضَ الرَّيْبُ فِىَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْهُمْ؟	38	اِن کے پہلے شخص ابوبکر کے مقابلہ ہی میں میرے حق خلافت پر نہ کوئی اعتراض تھا نہ کوئی الجھاؤ تھا؟
	39	کہ بات یہاں تک پہنچی کہ مجھے اُن لوگوں کے قریب اورہم مثل ونظیر بنادیا گیا؟
حَتّٰى صِرْتُ اُقْرَنُ اِلٰى هٰذِهِ النَّظَائِرِ؛ لٰكِنِّىْ اَسْفَفْتُ اِذْ اَسَفُّوْا؛	40	لیکن بات صرف اس قدر تھی کہ میں اُن کی زمین دوز پالیسیوں میں بھی ساتھ ساتھ رہا گیا؛
وَ طِرْتُ اِذْ طَارُوْا؛	41	اور بلند پروازیوں کو بلندی سے نظروں میں رکھتا رہا ہوں؛
فَصَغٰى رَجُلٌ مِنْهُمْ لِضِغْنِهٖ؛	42	چنانچہ شوریٰ والوں میں کا ایک شخص تواپنے کینہ اوربغض کی بنا پر میرا مخالف رہا؛
وَ مَالَ الْاٰخَرُ لِصِهْرِهٖ؛	43	اوردوسرا اسرالی رشتے میں اُلجھا؛
مَعَ هَنٍ وَّ هَنٍ؛	44	اور کچھ اور مقاصد نے بھی اُسے باز رکھا؛

اِلٰی اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ نَافِجًا حِضْنَیْهِ؛	45	قصہ مختصر قریش کا تیسرا خلیفہ اس طرح اُٹھا کہ گویا وہ کنبہ پروری میں سب سے بازی لے جانے والا ہے؛
بَیْنَ نَثِیْلِهٖ وَ مُعْتَلَفِهٖ؛	46	چنانچہ وہ اپنے چارے اور لید کے درمیان ڈٹ گیا؛
وَ قَامَ مَعَهٗ بَنُوْ اَبِیْهِ یَخْضِمُوْنَ مَالَ اللّٰهِ خَضْمَ الْاِبْلِ نِبْتَةَ الرَّبِیْعِ؛	47	اور اُس کے آباء واجداد کی اولاد بھی اُس کے ساتھ ہم آہنگ ہوگئی اور اللہ کے اموال اور حقوق کو اس طرح نگلنا شروع کر دیا جیسے اُونٹ برسات کے گھاس کو نگلتا ہے؛
اِلٰی اَنِ انْتَكَثَ فَتْلُهٗ؛	48	آخر وہ وقت آ گیا جب اُس کے اور اُس کے ساتھیوں کے بُنے ہوئے جال کے پھندے کھل گے؛
وَ اَجْهَزَ عَلَیْهِ عَمَلُهٗ؛	49	اور اُس کی کارکردگی اور عمل درآمد کے نتائج سامنے آ گئے؛
وَ كَبَتْ بِهٖ بِطْنَتُهٗ؛	50	اور اُسے اُس کی خفیہ پالیسی نے منہ کے بل گرا دیا؛
فَمَا رَاعَنِیْ اِلَّا وَ النَّاسُ كَعُرْفِ الضَّبُعِ اِلَیَّ؛	51	میرے ذہن پر اتنا اثر کبھی نہ ہوا تھا جتنا اُس وقت ہوا جب کہ لوگوں کا سیلاب مجھ پر اس طرح اُمڈ آیا جیسا کہ ہوا سے بجّو کے بال لہراتے ہیں؛
یَنْثَالُوْنَ عَلَیَّ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ؛	52	وہ سب ہر جانب سے مجھ پر ہجوم کرتے بڑھتے چلے آ رہے تھے؛
حَتّٰی لَقَدْ وُطِئَ الْحَسَنَانِ؛	53	یہاں تک کہ یقیناً حسنؑ اور حسینؑ پیروں میں کچلے جا رہے تھے؛
وَ شُقَّ عِطْفَایَ؛	54	اور میری چادر کے کونے پھٹ گئے تھے؛
مُجْتَمِعِیْنَ حَوْلِیْ كَرَبِیْضَةِ الْغَنَمِ؛	55	وہ میرے چاروں طرف بکریوں کے ریوڑ کی طرح جمع ہوتے جا رہے تھے؛
فَلَمَّا نَهَضْتُ بِالْاَمْرِ نَكَثَتْ طَآئِفَةٌ وَّ مَرَقَتْ اُخْرٰی وَ قَسَطَ اٰخَرُوْنَ؛	56	چنانچہ میں نے بیعت کرنے والے اُس اژدہام کی وجہ سے جیسے ہی خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو ایک گروہ نے بیعت توڑی، دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے نے نتائج کو قسطوں پر چھوڑ دیا؛
كَاَنَّهُمْ لَمْ یَسْمَعُوْا كَلَامَ اللّٰهِ حَیْثُ یَقُوْلُ: ”تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ o“ (القصص28/83)	57	جیسا کہ اُنہوں نے اللہ کا وہ کلام کبھی سُنا ہی نہ ہو جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ: ”آخرت کا یہ دائمی مقام ہم نے اُن لوگوں کے لئے تجویز کر رکھا ہے جو دُنیا میں اہلِ حق کے بالمقابل نہ عَلویّت (بلندی مرتبہ) ہی چاہتے ہیں اور نہ فساد کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور عاقبت تو ہے ہی ذمہ داروں (متقین) کے لئے۔“ (القصص 28/83)

بَلٰی وَ اللّٰہِ لَقَدْ سَمِعُوْھَا وَ وَعَوْھَا؛	58	کیوں نہیں؟ اُنہوں نے یقیناً اللہ کا یہ کلام سُنا بھی تھا اور یاد بھی کیا تھا؛
وَ لٰکِنَّھُمْ حَلِیَتِ الدُّنْیَا فِیْ اَعْیُنِھِمْ؛	59	ولیکن اُن کی نگاہ میں دُنیا کی آرائش ومفاد جم گیا؛
وَ رَاقَھُمْ زِبْرِجُھَا؛	60	اور دُنیا کی رعنائیوں نے اُنہیں لُبھالیا؛
اَمَا وَ الَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ؛	61	سُنو مجھے اُس ذاتِ پاک کی قسم جس نے ہر چیز کی تخم پاشی کی ہے؛
وَ بَرَءَ النَّسَمَۃَ؛	62	اور جس نے تمام زندگیاں پیدا کیں اور تخلیق کو بے عیب جاری کیا؛
لَوْ لَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ؛	63	اگر یہ بیعت کرنے والے لوگ میرے رُوبرو حاضر نہ ہوتے؛
وَ قِیَامُ الْحُجَّۃِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ؛	64	اور ان مددگاروں کی موجودگی نے مجھ پر اتمام حجت نہ کردیا ہوتا؛
وَ مَا اَخَذَ اللّٰہُ عَلَی الْعُلَمَآءِ اَنْ لَّا یُقَارُّوْا عَلٰی کِظَّۃِ ظَالِمٍ وَّ لَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ؛	65	اور مجھ پر اللہ کا وہ عہدوفا کرنا واجب نہ ہوتا جو اُس نے حقیقی علما سے لے رکھا ہے کہ تم لوگ ظالموں کے مظالم اور شکم پروری پر، اور مظلوموں کی بے کسی اور غربت پر خاموش بیٹھے نہ رہنا؛
لَاَلْقَیْتُ حَبْلَھَا عَلٰی غَارِبِھَا؛	66	تو میں خلافت کی باگ ڈور اور لگام خود اُسی کی پشت پر ڈال دیتا؛
وَ لَسَقَیْتُ اٰخِرَھَا بِکَأْسِ اَوَّلِھَا؛	67	اور میں آخری خلیفہ کو بھی اسی پیالے سے وہی کچھ پلاتا جو اوّلین خلفا کو پلاتا رہا تھا؛
وَ لَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ ھٰذِہٖ یْ اَزْھَدَ عِنْدِیْ مِنْ عَفْطَۃِ عَنْزٍ؛	68	اور اُس صورت میں تم اپنی اس خلافت اور اپنی اس دنیا اور اُسکے ٹھاٹھ کو میرے نزدیک بکری کی چھینک سے نکلی ہوئی غلاظت سے بھی زیادہ گھناؤنی پاتے۔

تشریحات:

1۔ تیسرا خطبہ دوسرے کے بعد مسلسل ایک ہی نشست میں موزوں ترین مقام رکھتا ہے

ہم اپنے قارئین سے یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کے ذاتی اور بے دلیل ریمارکس سے فی الحال قطع نظر کر کے دوسرے خطبے کے آخری جملوں کے بعد تیسرے خطبے کو مسلسل کر کے پڑھیں تو یہ یقین ہو جائے گا کہ یہ دو خطبے نہیں بلکہ ایک ہی مسلسل تقریر ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ:

''اَلْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی اَھْلِہٖ وَ نَقَلَ اِلٰی مُنْتَقَلِہٖ. اَمَا وَ اللّٰہِ لَقَدْ تَقَمَّصَھَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ وَ اِنَّہٗ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْھَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَ لَا یَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْرُ، فَسَدَلْتُ دُوْنَھَا ثَوْبًا وَ طَوَیْتُ عَنْھَا کَشْحًاوَ طَفِقْتُ اَرْتَاءِیْ ...... الخ۔''

''یہی وہ گھڑی ہے جب آلِ محمدؐ کا مشہور ومعروف حق اپنے صحیح حقداروں کی طرف واپس آیا ہے۔ اور وہاں منتقل ہوا ہے جو اُس کے منتقل ہونے کی جگہ تھی۔ خبردار ہو کر سنو قسم بخدا کہ ابوقحافہ کے بیٹے نے خلافت وحکومتِ رسولؐ کو کھینچ تان کر قمیض کی طرح پہن لیا

تھا۔اور اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ خلافت کے لئے میرا وہی محوری مقام تھا جو چکی کے اندر اُس کی کیلی کا ہوا کرتا ہے اور یہ کہ میں علوم و معارفِ خداوندی کا وہ بلند پہاڑ ہوں جہاں سے میرے علوم کے آبشاروں کا سیلاب گرتا رہتا ہے۔اور کوئی پرواز کرنے والا میری علمی فضا کی بلندی تک رسائی نہیں پا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے خلافت سے علمی پہلوتہی کر کے اس پر پردہ ڈال دیا تھا۔اور خلافت و خلفا کو اُن کے پوشیدہ منصوبے اور مآل کار میں لپیٹ دیا تھا،اور میں یہ فیصلہ کرنے میں مصروف ہو گیا کہ آیا میں اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے خود ہی اُن کا استیصال (جڑیں نکالنے کا کام) کردوں یا اُنکی خفیہ اسکیم (کَشْحًا) سے پیدا ہونے والی اُس بھیانک اندھیر گردی کو صبر کے ہتھیاروں سے تباہ کروں؟ (خطبہ 3 ۔جملے 1 سے 8 تک ؛اور (اِلٰی اَنِ انْتَکَثَ فَتْلُہٗ، وَ اَجْھَزَ عَلَیْہِ عَمَلُہٗ وَ کَبَتْ بِہٖ بِطْنَتَہٗ خطبہ 3 ،جملے 48 تا 50) آخر وہ وقت آ گیا جب اُسکے اور اُس کے ساتھیوں کے بُنے ہوئے جال کے پھندے کھل گئے اور اُس کی کارکردگی اور عمل درآمد کے نتائج سامنے آ گئے اور اُسے اُس کی خفیہ پالیسی نے منہ کے بل گرا دیا۔''

......اور مجھ پر بیعت کرنے والوں کا ہجوم ہو گیا......وغیرہ وغیرہ۔''؟؟؟

سوچئے کہ اِس تسلسل میں کس قدر روانی ہے؟ ہر آنے والا جملہ پہلے مذکور جملوں اور مقاصد کی کتنی مربوط تائید کرتا جاتا ہے؟ اس ربط و ہم آہنگی کے باوجود نہ نہج البلاغہ کے مرتب کرنے والے کو اور نہ کسی مترجم اور مفسر کو یہ توفیق ملی کہ وہ اِس سلسلے میں کوئی لفظ لکھتا۔اُلٹا اُنہیں یہ مانتے ہوئے دیکھا گیا کہ وہ دوسرے خطبے کو جنگ صفین سے فراغت کے بعد کا خطبہ قرار دیتے چلے آئے اور تیسرے خطبے کو یہ مان کر بے اثر و حقیقتِ واقعی کے خلاف ثابت کر دیا کہ یہ خطبہ تو ایک ''شِقْشِقِیَّہ'' تھا۔اس طرح دشمنانِ اسلام نے' خطبہ کا نام ''شِقْشِقِیَّہ'' رکھ کر خطبہ کو بے معنی و ہیجانی بنا دیا ہے۔یعنی معاذ اللہ اضطراری طور پر اس خطبہ کا بیان حضورؑ کے لب و دہن پر جاری ہو گیا تھا اور جب حواس درست ہو گئے تو معاذ اللہ یہ قبول بھی کر لیا کہ میں شِقْشِقِیَّہ کی حالت میں تھا مگر اب ہوش و حواس درست ہیں اب ایسا مجنونانہ کلام نہیں کر سکتا۔ یہ ہیں مفتیانہ و مولویانہ تشریحات و تراجم جو شیطان نے القا کئے تھے۔

2۔ نہج البلاغہ کے مُرَتِّبؒ کو اور تمام مترجمین کو یہ خیال نہ آیا کہ شِقْشِقِیَّہ ماننے سے یہ خطبہ بکواس ہو جائے گا

قارئین نے خطبہ پڑھا اور دیکھا کہ حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ نے اس تقریر میں ابوبکر و عمر و عثمان کا حکومت و خلافتِ رسولؐ پر غاصبانہ قبضہ کرنے ،اپنی وراثت کو لُوٹ لینے اور نظامِ مشاورت قائم کرنے کی تفصیلات بیان کی ہیں اور انہیں قرآن و اسلام کا مخالف ثابت کیا ہے۔اگر وہ حضرتؑ یہ سب کچھ کہنے اور خود کو خلافت و حکومت کا حقدار ثابت کرنے کے بعد یہ فرما دیں کہ:

''اے عبداللہ بن عباس میں نے جو کچھ کہا وہ سب کچھ جوشِ مستی اور وارفتگی کے عالم میں بلا سوچے سمجھے غیر ارادی صورت میں کہہ دیا تھا لیکن اب میں اپنے ہوش و حواس میں ہوں اب اُن باتوں کا کہنا ممکن نہیں ہے۔''

بتائیے کہ وہ ساری تقریر بے معنی اور ایک حواس باختہ شخص کا کلام نہ بن جائے گی؟ اور کیا خود اُن کا بطلان اور ابوبکر و عمر و عثمان کا برحق ہونا ثابت نہ ہو جائے گا؟ اگر نہیں؟ تو کس دلیل سے؟

3۔ **یاروں کی پارٹی نے اس خطبے میں ایک شانِ نزول اور دو جملے لگا کر یہی کچھ کہلوالیا ہے**

ہر نہج البلاغہ میں خطبے کے ختم ہو جانے کے بعد الفاظ "قَالُوْا" یعنی ''اُنہوں نے کہا'' لکھ کر یہ کہانی یا شانِ نزول لکھ دی ہے کہ:

''جب خطبہ یہاں تک پہنچا تو ایک (اَهْلِ السَّوَادِ) عراقی باشندہ اُٹھا اور اُس نے آنحضرؑت کو ایک تحریر دی اور آپ اُسے پڑھنے لگے اور پڑھ چکنے کے بعد عبداللہ نے کہا کہ خطبہ جہاں چھوڑا ہے وہاں سے آگے بیان کیجئے۔''

اس کہانی کے بعد حضرت علیؑ کی زبانی عبداللہ بن عباس کو یہ جواب دلوایا گیا ہے کہ:

فَقَالَ : ''هَيْهَاتَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ.''

مفتی جعفر کا ترجمہ: '' فرمایا کہ اے ابن عباس یہ تو شِقْشِقَہ (گوشت کا وہ نرم لوتھڑا، جو اونٹ کے منہ سے مستی و ہیجان کے وقت نکلتا ہے) تھا جو اُبھر کر دب گیا۔'' (ترجمہ نہج البلاغہ صفحہ 81 جلد اوّل)

نوٹ کریں کہ مفتی صاحب نے عمداً، لفظِ هَيْهَات کا ترجمہ نہیں کیا ہے ورنہ مطلب یہ ہوتا کہ: ''ہائے افسوس، اے ابن عباس مجھ پر جو مستی سوار تھی اور میں جس ہیجان میں مبتلا تھا وہ ٹھنڈا پڑ گیا اور اب میں اپنی فطری حالت پر لوٹ آیا ہوں۔'' (معاذ اللہ)

(3۔الف) وہ مترجم جس کو تمام اُردو مترجمین نے اپنا راہنما بنا کر نقل کی یعنی فیض الاسلام علی نقی طہرانی

علامہ علی نقی طہرانی خطبہ زیرِ بحث کا ترجمہ شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''از خطبہ ہائے آنحضرت علیہ السلام است کہ آں را خطبۂ شِقْشِقِيَّہ مینامند۔''

''در آخرِ این خطبہ حضرتؑ با بنِ عباس فرمود: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ'' شقشقہ در لغت مانندِ شُش گوسفند است کہ شتر در وقت ہیجان و نفس زدن آن را از دہان بیروں میآورد و در زیرِ گلو صدا میکند، و در اوّلین مرتبہ بینندۂ آں را باز بان اشتباہ مینماید۔ امیر المومنینؑ در جواب ابن عباس فرمود: شکایت کردن از سہ خلیفہ در اینجا کہ از رُوئے ظلم وستم بر من تقدم جستند از جہت ہیجان و بشوق ہدایت خلق بود کہ گفتہ شد، گویا شقشقۂ شتر صدا کرد و در جائے خود باز ایستاد۔ یعنی ہر وقت و ہمیشہ از این قبیل سخنان گفتہ نمی شود۔'' (ترجمہ جلد اوّل صفحہ 38-37)

خطبے کا ترجمہ ختم کرتے ہوئے جب وہ مردُود جملہ پھر آیا تو اُس کا ترجمہ دوبارہ یہ کیا کہ: ''اَے ابن عباس ہیہات از ایں کہ مانند آن سخنان دیگر گفتہ شود، گویا شقشقۂ شترے بود کہ صدا کرد و باز در جائے خود قرار گرفت۔'' (ترجمہ نہج البلاغہ جلد اوّل صفحہ 45)

فارسی ترجمے کا ترجمہ: ''یہ خطبہ آنحضرت علیہ السلام کے خطبات میں سے وہ خطبہ ہے جسے خطبہ شقشقیہ کہتے ہیں۔''

''اِس خطبے کے آخر میں آنحضرتؑ نے ابن عباس سے فرمایا: یہ ایک شقشقہ تھا جو بولا اور پھر چُپ ہو گیا۔'' ''لغت میں شقشقہ بکری کے پھیپھڑے کی مانند ہوتا ہے۔ جسے اُونٹ ہیجانی حالت میں منہ سے باہر نکال لیتا ہے اور سانس لینے کے دوران حلق کے نیچے سے آواز نکالتا ہے۔ اور جو اُس شقشقہ کی آواز پہلی دفعہ سنتا ہے اُسے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اونٹ اپنی زبان سے بولتا ہے۔'' امیرؑ المومنین

نے ابن عباس کے جواب میں فرمایا کہ: میرا اس خطبے میں تینوں خلفا کے متعلق یہ شکایت کرنا کہ انہوں نے ظلم وستم سے میرے اوپر خلیفہ بن جانے میں سبقت کی تھی از رُوئے ہیجان (اور خلق خدا کی ہدایت) کی وجہ سے تھا گویا میں نہیں بلکہ اونٹ کا شقشقہ بول رہا تھا اور بول کر اپنی جگہ خاموش ہوگیا۔ یعنی اس قسم کی باتیں ہر وقت اور ہمیشہ نہیں کی جاتیں۔'' (خطبہ کے آخر کا ترجمہ بھی سن لیں)

''اَے ابن عباس افسوس ہے اس قسم کی باتیں دوبارہ کہنے کی نہیں ہوتیں یہ تو یوں سمجھو کہ اونٹ کا شقشقہ تھا جو بولتا رہا اور اپنی جگہ چپ ہوگیا۔''

(3۔ب) <u>اس بکواس میں بھی علامہ علی نقی بددیانتی کرگزرے ہیں:</u> قارئین تلاش کریں کہ حضرت علیؑ کی طرف سے کوئی ایسا لفظ یا جملہ لکھا نہیں گیا جس کے معنی یہ ہوسکتے کہ: ''وَ بشوقِ ہدایت خلق بود۔'' ''اور لوگوں کی ہدایت کے شوق کی بنا پر تھا۔''

یقین فرمالیں علامہ پر یہ کہنا گراں گزرتا رہا کہ: ''وہ تو ہیجانی صورت میں کہہ گزرا ہوں اور اب ہیجان ٹھنڈا پڑ گیا تو کیسے کہوں؟ لہٰذا علامہ نے ''شوق ہدایت'' کی دُم اپنے پاس سے لگا کر خود کو اور اپنے قاریوں کو تھپکنے کی کوشش کی ہے۔ ذرا علامہ ہی کے بیان کردہ جملوں کو غور سے دوبارہ دیکھیں:

(1) ''وہ تو از رُوئے ہیجان اور شوقِ ہدایت کی بنا پر تھا۔''

(2) ''اس قسم کی باتیں ہمیشہ اور ہر وقت نہیں کی جاتیں۔''

مطلب یہ ہے کہ جب تک ہیجان سر پر سوار نہ ہو ہدایت بھی نہیں کی جاسکتی؟ یا یہ کہ ہدایت بھی نہ ہر وقت کی جاسکتی ہے اور نہ ہمیشہ مفید ہے؟ یہ ہے بکواس اندر بکواس۔

یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے اور سمجھ میں نہ آئے تو عربی لغت سے لفظ شقشقہ کے معنی دیکھنے کے بعد سمجھ لیجئے کہ: جب کسی اونٹ پر شہوت یا جنسی ہیجان کا غلبہ ہوتا ہے اس وقت اپنے گلے سے مذکورہ شقشقہ نکال کر اس کو چباتا اور اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتا ہے تاکہ اُسے جنسی ضرورت پوری کرنے کی آزادی ملے۔ اُن دشمنانِ دین نے حضرت علیؑ کو اس گندی حالت سے تشبیہ دینے کی جرأت کی تھی۔ اور اُن کے سوچے سمجھے اور سو فیصد حقائق پر مبنی خطبے کو اُس آواز سے تشبیہ دی جو اونٹ کے گلے سے نکلتی ہے۔ اور شیعہ علما نے بھی مان لیا کہ (معاذ اللہ) حضرت علی علیہ السلام بھی جذبات سے مغلوب ہوکر جوشِ مستی اور ہیجان میں غلط باتیں کرلیا کرتے تھے اور یہ عقیدہ یا تہمت یقیناً دشمنانِ دین و دنیا کی طرف سے لگائی گئی ہے اور ہم نے اپنے اعلان کے مطابق خطبے کے آخر میں اس قصے کو ساقط کردیا ہے۔ ہم یہ جاننا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ کون ہیں جن کی طرف سے لفظ ''قَالُوْا'' لکھا گیا ہے؟ اور وہ کون شخص تھا جس کو خط یا تحریر دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے؟ اور یہ کہ وہ تحریر کیا تھی جو حضرتؑ نے پڑھی تھی؟ اور یہ کہ اس قاصد کو کیوں چھپایا گیا ہے؟ اور اُس کا نام و پتہ کیوں ظاہر نہ کیا گیا؟ قارئین سنیں کہ ہم اس قسم کی تمام شانِ نزول کو یک سَر ساقط و باطل قرار دیتے اور میدان صاف کرتے گزریں گے انشاءاللہ والامام علیہ السلام۔ اور یہ کہ ہم خطبات کے علاوہ کسی چیز کو دلیل نہ مانیں گے اور علامہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہ مقام نہ دیں گے کہ اُن کی یا اُن کے نام سے کسی اور کی غلط بات کو جگہ دی جائے۔

4۔ یہ باطل، جھوٹا اور قریشی حکومتوں کا خانہ ساز تصور ہے کہ علیؑ بے یار و مددگار و مجبور تھے

قریشی حکومتوں نے اپنی مفیدِ مطلب پالیسیوں کا چار پانچ سو سال برابر، مسلسل اور حکومت کے ہر شعبے سے وہ ڈھول پیٹا، وہ پروپیگنڈا کرایا کہ ممبرانِ تحریک تشیّع کے علاوہ تمام شیعہ سُنی علمانے حکومت کے جاری کردہ بیانات کو، اُس کی گھڑوائی، پھیلائی ہوئی روایات کو برحق سمجھا اور ہر معاملے کو سمجھنے میں حکومت کی تیار کردہ پالیسیوں ہی کو سمجھنے کی بنیاد و مددگار بنایا۔ چنانچہ حکومت نے ازخود یہ تصور دیا کہ قریش کے مقابلے میں علیؑ مجبور ہو کر رہ گئے تھے، اُن کا ساتھ دینے والا کوئی مسلمان نہ تھا، وہ گھر گھر اور دَر دَر رات کے اندھیروں میں مدد و نصرت کی بھیک مانگتے پھرتے تھے مگر کوئی مددگار و ناصر نہ ملتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر خوشی یا جبر کے ماتحت بیعت کر لی اور تینوں خلافتوں کے دوست (یار) اور مشیر بن گئے۔ یہی وہ تصور ہے جو جگہ جگہ حقیقت حال کے سمجھنے میں اور بدلنے میں حارج اور مددگار رہا ہے۔ مثلاً آپ اس خطبے کا جملہ 3/13-14 دوبارہ دیکھیں یہاں تمام ہی مترجمین نے یہ سمجھا ہے کہ:

''علیؑ کی آنکھوں میں اندوہ و ملال کی خلش تھی اور اُن کے حلق میں غم و رنج کے پھندے لگے ہوئے تھے۔''

اب اُن دونوں جملوں (خطبہ 3، جملے 13-14) کی عربی دیکھیں اگر وہاں الفاظ ''فِیُ عَیۡنِیُ'' یا ''فِیُ حَلۡقِیُ'' ہوتے تب یہ معنی ہوتے کہ ''میری آنکھوں میں'' اور ''میرے حلق میں''۔ لیکن مذکورہ بالا تصور نے علما کو مجبور کیا کہ وہ ایک عام صورتِ حال کو بدل کر علیؑ کی آنکھوں میں غم و اندوہ کی چبھن اور گلے میں پھندے لگا دیں۔ حالانکہ علیؑ کو خلافت اور قریش کی پیدا کردہ یہ صورت حال اچانک پیش نہیں آئی تھی۔ خود قریشی تاریخ و کتبِ احادیث میں سینکڑوں حدیثیں بتاتی ہیں کہ رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ کو قریش کی تمام تفصیلات بتا کر صبر سے انہیں تباہ کرنے کی تاکید کی تھی پھر قرآن نے بتایا ہے کہ:

(4۔الف) قریش کا غصبِ خلافت قرآن نے مع نتیجہ بیان کر دیا تھا اور فریقین واقف تھے

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ o فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ o اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ o (المومنون 23/109-111)

''یہ ایک حقیقت ہے کہ میرے بندوں میں سے ایک فرقہ ایسا تھا جو اپنے پیش آمدہ حالات پر یوں دعا کیا کرتا تھا کہ: ''اے ہمارے پالنے والے ہم نے اِن حالات کو مان لیا ہے اور اُن پر صبر سے عملدرآمد کر رہے ہیں لہٰذا تُو ہمارے تحفظ کا بندوبست کرتا رہ اور ہم پر رحم جاری رکھ اور تُو تو ہے بھی تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ بڑھ کر رحم کرنے والا۔'' ''چنانچہ اے (قریشی) لیڈر اور حکمرانو تم نے اُنہیں اپنے تسلّط سے مسخر اور ماتحت کر لیا تھا۔ اور حد یہ ہے کہ تم نے اپنی تسخیری اسکیم و جبر و ستم میں میرے ذکر (علیہ السلام) کا مقام بھی نظرانداز کر رکھا تھا۔ اور تم اُن سے مذاق و طنز بھی کیا کرتے تھے۔ یقیناً آج میں نے اُن کو اُن کے صبر کے تناسب سے جزا دی ہے اور یقیناً وہی تو ہیں جو آج فائز المرام اور کامیاب ہیں۔'' (تفصیلات ہماری تفسیر ''احسن التعبیر'' میں)

اگر ہم اس مطلب کے لئے احادیث کو ثبوت میں لائیں تو بیان الامامت ہزار ہا صفحات میں مکمل ہوگی۔ آپ تو یہ دیکھ لیں کہ

قریشی خلافتوں نے مسلسل کل تک علی، اولادِ علی اور علی صلوٰۃ اللہ علیہم کے نام لیواؤں پر ظلم وزیادتی کو مذہبی فتاویٰ کی رُو سے خدمت اسلام سمجھا۔ اور یہ کہ علیؑ نے اس خطبے میں خلافت وحکومت کو غصب کرنے اور دین کو تبدیل کرنے والوں کے مقابلے میں صبر کے ہتھیار استعمال کرنے کا اعلان فرمایا تھا اور اس اعلان پر اُن کے بعد اُن کی نسل کے گیارہ آئمہؑ برابر صبر سے عمل کرتے رہے اور اُن میں سے ہر ایک کو ستایا گیا، قتل کیا گیا، اُن کے خاندان اور انصار کا قتلِ عام کیا گیا اور آیت زیر بحث میں یہی کچھ تو ہے جس کی جزا کا تذکرہ ہوا ہے اور آیت میں ایک خاص لفظ ''ذِکْــرِی'' بھی موجود ہے۔ یہ وہی ذکری ہے جو سورہ فرقان میں دو قریشی یاروں میں سے ایک یار کے پاس آیا تھا (لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ 25/29) اور اُس یار نے اپنے یار کی غداری بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ میرے اُس یار نے مجھے ایسی حالت میں بھی رسولؐ کی راہ سے ہٹا دیا جب کہ خود وہ خاص ذکر میرے پاس آ چکا تھا۔ کاش میں نے رسولؐ کا تصورِ حکومت اختیار کر لیا ہوتا۔ ہائے افسوس اے کاش میں نے اُس شخص کو اپنا یار بنایا ہی نہ ہوتا۔ اور یہیں فوراً رسولؐ اللہ نے اللہ سے اپنی قوم کے گمراہ ہو جانے اور قرآن کو غلط استعمال کرنے کی شکایت کی ہے (25/27 - 31) اور حضرت علیؑ نے اُن ہی دونوں یاروں کا تشخص اس خطبے (خطبہ 3، جملہ 1 تا 4 اور جملہ 16 تا 40) میں تفصیل سے کرا دیا ہے۔

(4۔ب) قریش نے دعوتِ ذوی العشیرہ کا اعلان سن کر خلافت پر قبضے کا منصوبہ بنا لیا تھا

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام قرآن اور رسولؐ اللہ کی زبانی یہ جانتے تھے کہ قریش حکومت پر قبضہ کر کے انہیں محروم کریں گے۔ لہٰذا اُن کی آنکھوں میں اندھیر چھا جانے اور گھبرا گھبرا کر اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارنے کے تمام قصے غلط ہیں۔ پھر وہ راز سربستہ جو عمر کو معلوم تھا وہ یقیناً علیؑ کو بھی معلوم تھا جو عبداللہ بن عباس پر ظاہر کیا گیا کہ قریش نے اجماع کر لیا تھا کہ وہ خاندانِ نبوت میں حکومت کو ہرگز نہ رہنے دیں گے۔ (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 103 اور طبری) اور اس مخالفت کا اظہار ابولہب کے اُس طنز سے ہو گیا تھا جس میں اُس نے جناب ابوطالب علیہ السلام سے کہا تھا کہ:

''لیجئے آج سے علیؑ تم پر حاکم اور واجب الاطاعت ہو گئے لہٰذا تم اُن کا ہر حکم بجا لایا کرنا۔''

لہٰذا علی علیہ الصلوٰۃ والسلام روزِ اوّل سے قریشی اسکیم ہی کو نہیں بلکہ اُن کی روزمرہ کی نقل وحرکت کو بھی جانتے تھے اور انہیں دشمن کی صورت میں پہچانتے تھے۔ اُن کا خلافت پر تسلّط اور خاندانِ رسولؐ پر ظلم اچانک ہوتا تب بھی حضرت علیؑ گھبرا جانے والے نہ تھے نہ چکرا جانے والے تھے۔ نہ اُن کی آنکھوں میں یہ دُنیا اندھیر ہو سکتی تھی نہ اُن کی آواز اُن کے گلے میں گھٹ کر رہ سکتی تھی اور نہ ہی کبھی وہ یکہ وتنہا تھے۔ بلکہ روزِ اوّل ہی سے اُن کی پشت پر نابتی حکومت تھی جو برابر تین ہزار سال سے اُن کے آبا واجداد کے ماتحت چلی آ رہی تھی اور جب کبھی نبطی خاندانوں میں سے کوئی مدد طلب کرتا تھا تو حملہ کر کے مخالف کا ستیاناس کر دیتی تھی۔

(4۔ج) حضرتِ اسماعیلؑ کی اولاد میں نبطی حکومت نے اپنے قبیلے اوس وخزرج (انصار) کی مدد کی تھی

چنانچہ جب عربی یہودیوں نے مدینے میں قبیلہ اوس وخزرج (جو بعد میں انصار کے لقب سے یاد کئے گئے) کو ستایا تو انہوں نے اپنی نسلی

حکومت سے مدد طلب کی تھی یہ واقعہ پہلے علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی سے سنئے:

''یہاں غسانیوں کی حکومت تھی اور ابوجبلہ حکمران تھا۔ اُس نے یہ حالات سنے تو ایک فوجِ گراں لے کر آیا اور اوس وخزرج کے رؤساء کو بلا کر اُن کو خلعت اور صلے دیئے۔ پھر رؤسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرا دیا۔ یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی۔ 2 یہ واقعہ مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔''(سیرۃ النبی اوّل جلد صفحہ 259)

علامہ سلیمان ندوی ''بالآخر اوس وخزرج نے تنگ آ کر بنو غسان سے جو اِن کے ہم نسب تھے، مدد کے طالب ہوئے، غسانیوں نے آ کر یہودیوں کا زور توڑا۔''(ارض القرآن جلد 2 صفحہ 90)

یہ تھی خاندانی حکومت جو ہمیشہ خانوادۂ نبوّت کی طرف سے قائم چلی آ رہی تھی۔ اور یہی تھی وہ عظیم الشان مملکت وحکومت جس کی ابتدا حضرت اسمٰعیلؑ کے بڑے فرزند حضرت نابت علیہ السلام نے کی تھی اور یہی تھی وہ حکومت جسے قرآن اور تورات میں مُلْكًا عَظِيْمًا فرمایا گیا ہے (سورہ نساء 55-4/54 اور تکوین (تورات) 1 تا 17/8) اور اس مملکت کے سربراہوںؑ کے پیش کردہ دینِ ابراہیمؑ ہی کو ملتِ ابراہیمؑ فرمایا گیا ہے جس کی پیروی کرنا خود نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب کیا گیا ہے (نسا 4/125) یہی تھی وہ ''قوم'' جس کے وجود سے قریش کو قرآن میں بار بار ڈرایا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا گیا کہ؛

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ؟ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْماً لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَo (انعام 6/89)

''اے رسولؐ اگر یہ آپ کے مخاطب قریش حقیقت کو چھپاتے ہی رہے تو ہم نے اُن پر ایک ایسی قوم کو وکیل بنا رکھا ہے جو ہرگز حقیقت کو چھپانے والی نہیں ہے۔

(4۔د) <u>علیؑ مختار تھے کہ قریش کو ہٹا کر اپنی قوم کو برسرِ کار لے آئیں یا قریش کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیں</u>

اگر آپ حضرت علیؑ کی اِس قوم کی تفصیلات جاننا بھی ضروری سمجھیں تو چاہیے کہ اس زیرِ عنوان آیت (6/89) کو پورا پڑھیں اور پھر چھ آیات (88 تا 6/83) اور پہلے سے پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ قوم یا نسل اور اُس کے سربراہ اللہ کے تیار کردہ نمائندگانِ خداوندی اور ذمہ دارانِ اسلام ونوع انسان ہیں۔ یہ ایک پاک وپاکیزہ ذریّت ہے جو انبیاؑ ورسلؑ کو جنم دیتی چلی آئی ہے۔ یہ وہ قوم، نسل یا ذریت ہے جس کے پاس تمام ہدایات وکتبہائے خداوندی رہتی چلی آئی ہیں۔ یہی آگے چل کر ذریت ونسل ابراہیمؑ کہلاتی ہے۔ اور اسی کے پاس علومِ خداوندی، تعلیماتِ اسلامی اور تمام کتبہائے خداوندی تھیں۔ جب آنحضرتؐ کو بتایا گیا کہ قریش کو خبردار کر دو کہ اُن کے اُوپر اس عظیم المرتبہ قوم کو ٹھیکیدار یا وکیل بنا رکھا ہے اور وہ قوم حکم کی منتظر رہتی ہے۔ لہٰذا اگر قریش چاہیں تو اپنی اصلاح کر لیں ورنہ تیار رہیں۔ کہ مثلاً؛

(4۔ہ) <u>قریشی مومن بھی ناقابلِ اعتبار اور اُن کو اُس عظیم قوم سے بدل ڈالنے کی دھمکی</u>

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّ يَسْتَبْدِ لْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ o

''اگر وہ اسلام کی سربلندی کے لئے جہاد کو نہ نکلیں تو سنیں کہ تم کو دردناک عذاب دیا جائے گا اور تمہیں تباہ کر کے ایک ایسی قوم سے

بدل دیا جائے گا جو تمہارے علاوہ اور تمہاری مخالف ہوگی اور تم بدلنے والے کو کوئی ضرر یا نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ایسا کرنے پر بھی اور باقی تمام کاموں پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔'' (توبہ 9/39)

اگلی آیت بتاتی ہے کہ عذاب ملنے اور تبدیل کرنے کی حقدار قوم قریش تھی اور یہ کہ قریشی مومنین میں اُس وقت تک بھی کسی مومن نے کوئی نصرت و مدد نہ کی تھی جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت کے لئے غار میں ابوبکر کے ساتھ تھے۔ یعنی ابوبکر بھی حضورؐ کا ناصر نہ تھا اور قریش 9 ہجری تک عذاب وتبدیلی کے مستحق تھے۔

(4۔و) 6 ہجری میں قریش کو خلافت غصب کرنے کے ارادوں سے روکتے ہوئے اُسی قوم سے بدلنے کی دھمکی دی

قریش کو قومی حکومت بنانے سے روکنے اور پوری قوم کو بدل ڈالنے کی دھمکی یوں ملی:

وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ۝ (محمدؐ 47/38)

''اگر تم نے اپنی ولایت وحکومت قائم کی تو ہم تمہاری جگہ تمہاری غیر و مخالف قوم کو بدل لیں گے اور وہ لوگ تمہاری مانند سرکش ونافرمان نہ ہوں گے۔''

(4۔ز) حضرت علیؑ سر وسینہ بلند کرکے، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے وہ کبھی بھی مجبور نہ تھے

قارئین حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مستقلاً نوٹ کرلیں کہ وہ کبھی کسی حالت میں نہ خوفزدہ و مایوس ہوئے نہ متفکر و پریشان ہوئے۔ یہ حالتیں اُن لوگوں پر واقع ہوتی ہیں جنہیں حال و مستقبل اور حقائق ونتائج کا علم نہ ہو، جنہیں اللہ کی طرف سے اپنے برحق ہونے اور نصرت ملنے میں شک ہو، جنہیں محدود وسائل وقدرت ملی ہو اور سامنے زیادہ قوی مقابل ہو۔ علیؑ اُدھر تو دست وبازوئے خداوندی (یداللہ) ہیں، لامحدود و بے پناہ قدرت الٰہیہ کے حامل ہیں، مَا کَانَ وَ مَا یَکُوۡنُ و مَا ھُوَ کَآئِنٌ کے عالم ہیں۔ اور اِدھر مذکورہ بالا قسم کی قوم اُن کی پشت پر تعینات ہے جو اُن کے اشارے پر قریش کا بیڑہ غرق کرسکتے ہیں اور اسی یقین وصورتِ حال پر فرماتے ہیں کہ؛

(4۔ح) دوراہوں یا طریقوں میں سے ایک راہ یا طریقہ اختیار کرسکنے والا مجبور نہیں دونوں طریقوں پر قدرت رکھتا ہے

''میں نے پیش آمدہ صورتِ حال میں یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا طے کیا کہ میرے ہاتھ میں قریش کے جواب میں دو طریقے ہیں اور دونوں اُن کو تباہ ونا کام کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن کونسا طریقہ زیادہ اثر انگیز و دانشمندانہ ہوگا؟ ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے اُن کی جڑیں نکال ڈالوں اور یہ طریقہ بہت جلد نتیجہ سامنے لے آئے گا (خطبہ 3، جملہ 7) دوسرا طریقہ صبر کی اسکیم پر عمل ہے (خطبہ 3، جملہ 8) یہ بہت طویل مدت چاہتا ہے اس میں نسلیں اندھیر گردی اور ظلم وستم برداشت کرتے گزرنا ہیں (خطبہ 3، جملہ 9 تا 11) آخر میں نے اسی دوسرے طریقے کو اپنے اور مدمقابل کے لئے مفید سمجھا (خطبہ 3، جملہ 12) اور طے کرلیا کہ آنے والے زمانوں میں جو جو تکلیف دہ مناظر آنکھیں پیش کررہی ہیں (خطبہ 3، جملہ 13) اور قریش کو ناکام ونامراد کرنے والی جو جو باتیں اُبھر کر گلے تک آرہی ہیں اُنہیں صبر کی قوت سے دبایا اور قابو میں رکھا جائے (خطبہ 3، جملہ 14) اور وہ تمام نظارے

دیکھے جائیں جو میری میراث کو لوٹنے سے متعلق سامنے کھڑے ہیں (خطبہ 3، جملہ 15) بہرحال میں نے صبر کی متعلقہ پالیسی پر عمل شروع کر دیا اور پہلا خلیفہ آخر ختم ہوا۔ (خطبہ 3، جملہ 16)

قارئین غور فرمائیں کہ آپؑ کے بیان میں کہیں بے بسی اور بے کسی اور کمزوری کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ نہ کہیں اُن پر غم واندوہ اور مایوسی کا اثر مذکور ہے۔ اس کے برعکس مردانگی، اطمینان اور فیصلہ کن عملدرآمد کا سوچا سمجھا پروگرام ہے اور آپؑ کو قریش اور قریشی حکومت کی بیخ کنی کی قدرت حاصل ہے۔ لیکن قریش کو طویل مدت کا موقعہ دے کر اتمامِ حجت کر کے اُن کو تباہی کے غار کی طرف بڑھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ وہ اپنی تمام مشینری، مذکورہ قوم اور تمام وسائل کو صبر کے نظام میں موزوں کرتے ہیں اور اس کے بعد تاریخ بتاتی ہے کہ قریش اور اُن کی حکومتوں میں روزافزوں افتراق وانتشار واختلاف پھیلتا گیا اور پہلے داخلی جنگوں نے اُن کے عقائد و مذہب کی پول کھولی وہ نمازیوں، تہجد گزاروں اور کلمہ گو مسلمانوں کے قاتل اور اُن کے جان و مال کو حلال کرنے والے مذہب کے نمائندے اور افراد ثابت ہوئے۔ انہوں نے مسلمان ومتقی مردوں عورتوں اور بچوں کو غلام وکنیز بنایا، اُن سے زنا کو حلال کیا اور خود اُن سے زنا کیا۔ نتیجہ میں ایک دن وہ آیا جب مدینے کے قریشی لیڈروں اور مخالف خلفا اور قریشی عوام کی تمام عورتوں سے بارہ ہزار یزید کے مسلمان نمازی فوجیوں نے تین دن رات زنا جاری رکھا اور ہر صحابی کے یہاں حرامی اولاد پیدا ہوئی اور اُن حرامزادوں سے آئندہ حرامی نسل چلی اور یہ ناممکن ہوگیا کہ علیؑ کی خلافت غصب کرنے والوں میں کوئی حلال زادہ بھی تھا؟ اگر علیؑ نے پہلا طریقہ استعمال کر دیا ہوتا تو قریشی مذہب اور عقائد واعمال کا کیسے پتہ لگتا؟ یہ کیسے ثابت ہوتا کہ قریشی مومنین سے ہر باطل مذہب کے بدمعاش لوگ بھی زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ الغرض علیؑ کی صابرانہ اسکیم نے قریش کو ننگا کر دیا، دُنیا کی تمام شریف اقوام میں انہیں لعنتی وملعون کر دکھایا اور بار بار دکھایا کہ وہ صرف غدار و نابکار وملعون و بدکردار ہی نہیں بلکہ وہ اپنے رسولؐ اور رسولؐ کی اولاد سے غداری کرنے والے غدار ہیں، وہ رسولؐ کے بے زبان بچوں کو ہفتوں پیاسا رکھنے اور اُن پر ہنسنے کی تاب وتوان رکھنے والے بدکردار ہیں، وہ بے بس و بے کس اور بے قصور بچوں اور عورتوں پر مظالم کرسکنے والے بہادر ہیں۔ الغرض علیؑ کی صابرانہ پالیسی نے اُن کی خانہ ساز غیوری، فیاضی، مہمان نوازی کا نقاب چاک کر دیا۔ وہ قریشی خلفا کا تیار کردہ اسلام ہے جس میں نمازیوں کو مسجد میں دورانِ نماز گھیر کر گرفتار کیا جاتا ہے۔ اُنہیں بے دریغ قتل کیا جاتا ہے اور اُن کے سروں کا اینٹوں کی جگہ چولھا بنا کر دیگیں پکائی جاتی ہیں اور یوں پکایا ہوا کھانا کھایا جاتا ہے۔ اور اُن سب نمازیوں کی نمازی عورتوں کو بلا عدت اُسی دن حلال عورتوں کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے اسلام اور ایسے مسلمانوں پر اللہ، تمام ملائکہ اور جن وانس لعنت کرتے رہیں گے۔ علیؑ نے ابوبکر وعمر وعثمان اینڈ کمپنی کی ایسی تصویریں ہواؤں، فضاؤں اور تاریخوں میں شائع کر دی ہیں جنہیں دیکھ کر بدترین مجرم و بدمعاش وزانی بھی اُن کے منہ پر تھوکتا اور خود کو بہتر آدمی سمجھتا ہے۔

(4۔ط) کٹے ہوئے ہاتھ سے نہ حملہ ہوسکتا ہے نہ جڑیں نکالی جاسکتی تھیں۔ علیؑ کے دونوں ہاتھ قوی وقادر تھے

قارئین سوچیں کہ علیؑ ید اللہ تھے اور اللہ کا ہاتھ کاٹا ہی نہیں جاسکتا ہے۔ پھر علیؑ کے جسمانی دونوں ہاتھ آخر عمر تک نہ صرف سالم وتوانا اور قادر

تھے بلکہ میدانِ حرب میں وہ ضربیں لگاتے رہے جن سے آج تک مخالفین کا ہر بچہ بھی زخمی پیدا ہوتا ہے اور جن سے بچ کر بھاگنے کے لئے قریشی سور ما ننگے ہو جایا کرتے تھے۔ اِس کے باوجود علی صلوٰۃ اللہ علیہ نے یہ کیا فرمایا اور کیوں فرمایا کہ:

وَ طَفِقْتُ اَرْتَاءِ یُ بَیْنَ اَنْ اُصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّآءَ؟ (خطبہ نمبر 3، جملہ 7)

''اور میں یہ فیصلہ کرنے میں مصروف ہو گیا کہ آیا میں اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے خود ہی اُن کا استیصال کر دوں؟''

(4۔ی) علیؑ نے بہت دُوررس اور وسیع الاطراف بات فرمائی ہے؛ جو کچھ ہم ظاہر کرنے کے مجاز ہیں وہ سُنئے

پہلی بات تو وہی ہے جو ہم نے مختصراً لکھ دی ہے۔ یعنی اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعویٰ نبوت نہ کرتے تو حضرت علی علیہ السلام قرآن میں مذکور (نساء 55-4/54) اور توریت میں مسطور (تکوین 1 تا 17/8) عظیم الشان اور تین ہزار سال سے چلی آنے والی حکومت کے سربراہ و حاکم بلا عذر و حیلہ بن جاتے۔ جیسا کہ اُن کے والد ابو طالب، دادا عبد المطلب اور ہاشم علیہم السلام حاکم بنتے چلے آئے تھے اور سارے عرب اُن کی عزت و حرمت پُوجا کی حد تک کرتے تھے۔ یعنی دعویٰ نبوت کی تصدیق و تائید میں سردارانِ عرب کو قتل کر کے علیؑ کا ہاتھ کٹ گیا۔ یعنی اب عرب اُس ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے جس ہاتھ نے اُن کے آباء واجداد و بزرگوں کے سر قلم کئے تھے۔ گویا وہ ہاتھ بیعت کرانے کے لئے کٹ گیا۔ اب وہ ہاتھ اُن کی جڑیں نکالنے کے لئے استعمال کریں یا نہ کریں؟ اگر حضورؑ نے وہی ہاتھ استعمال کیا ہوتا تو قریشی نسل و نام و نشان دنیا سے مٹ گیا ہوتا اور قیامت میں بھی اُن کو وہ سنگین و ہولناک سزا نہ ملی ہوتی جو دوسری صورت میں ملنا تھی۔ معلوم ہوا کہ علیؑ چاہتے تھے کہ اِدھر قریش اپنی ابلیسی ذہنیت اور بغض و دشمنی کے سارے ارمان نکال لیں اور تمام ممکن مظالم کر لیں تا کہ اللہ بھی اپنی قدرتوں اور سزاؤں کا سارا سامان (stock) استعمال کر سکے اور رحم و رعایت کی تمام گنجائشیں ختم ہو جائیں۔

دوسری بات بھی مشہور و مسلّمہ اور تاریخی حقیقت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تو قریش نے اس دعوے کا مطلب یہ سمجھا کہ محمدؐ بنی ہاشم کی اطاعت اُس معیار پر واجب کرنا چاہتے ہیں جو انبیاؑ و رُسل علیہم السلام کے لئے اللہ نے مقرر کی ہوئی ہے۔ یعنی اب کسی عربی اور عجمی کو کسی بھی حکم کے ماننے میں چون و چرا کرنے یا مشورہ دینے کی گنجائش ختم ہو جائے گی۔ قومی تقاضوں اور مصلحتوں کو لپیٹ کر بالائے طاق رکھ دیا جائے گا اور قوم کے تمام خورد و کلاں، عوام و خواص، دانشور و راہنما دم بخود رہنے پر مجبور ہو کر رہ جائیں گے۔ بزرگانِ سلف کی قائم کردہ تمام رسوم و رواج و طریق بندگی ختم کر دیئے جائیں گے۔ نبوت و رسالت ملنے کی صورت میں بنی ہاشمؑ آئندہ مذہب میں بھی مداخلت کرنے کا حق حاصل کر لیں گے جو قوم کو کسی طرح بھی منظور نہ کرنا چاہیئے۔ دانشورانِ قریش نے نبوت کو قبول کر لینے کی صورت کا صحیح تجزیہ کیا اور صحیح نتائج مرتب کئے اور دیکھا کہ اُس صورت میں قریشی قوم بنی ہاشمؑ کے سامنے رعایا ہی نہیں بلکہ مسخر شدہ غلام بن کر رہ جائے گی۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہو گیا کہ نبوت کو ہرگز تسلیم نہ کیا جائے۔

تیسری بات یعنی نبوت کے انکار پر عمل کرنے کی معقول تجاویز اور قابلِ قبول اقساط: قریش دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کے شانہ بشانہ چلنے والی قوم تھی۔ اُس کی قومی حیثیت اُن کے سابقہ سربراہوںؑ نے اُس وقت کی اقوام سے اور اقوام کے سربراہوں یا بادشاہوں سے

منوالی تھی۔ انہیں دنیا کے تاجداروں کے درباروں میں کرسیاں ملتی تھیں۔ شاہانِ عالم اُن کا استقبال و خیر مقدم کرتے تھے۔ کسی ملک میں اُن سے مالِ تجارت اور خرید و فروخت پر ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ قریش کے اس قومی مقام کا حال، بطور مثال، علامہ شبلی سے سن کر آگے بڑھیں اور قریشی پالیسی کو سمجھیں، ارشاد ہے کہ:

اوّل : <u>قریش کو دُنیا کی نظر میں بلند ترین مقام علیؑ کے باپؑ داداؑ نے دلوایا تھا</u>

''ہاشمؑ نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے۔ تجارت کو نہایت ترقی دی، قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا' کہ قریش جب اُسکے ملک میں اسبابِ تجارت لیکر جائیں تو اُن سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کیلئے جایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں انگوریہ (انقرہ)، جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایہ تخت تھا، تجارِ قریش انگوریہ میں جاتے تو قیصر روم نہایت عزت و حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔ عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشمؑ نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ ''قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے''... یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔'' (سیرۃ النبی جلد1 صفحہ 166-165)

دوم : ''كَانَ هَاشِمُ اَفْخَرُ قَوْمِهٖ وَ اَعْلَاهُمْ................تَفِدَ اِلَيْهِ قبائل العرب ووفود الاحبار يحمِلُوْنَ بَنَاتَهُمْ يَعْرِضُوْنَ عَلَيْهِ لِيَتَزَوّج بِهِنَّ حَتّٰى بَعَثَ اِلَيْهِ هرقل ملك الروم و قال اِنَّ لِيْ ابْنَتًا لَمْ تَلِدُ النسآء اجمل منها وَ لَا ابْهٰى وجْهًا فَاقدِم اِلَيَّ حتى أزوجكها فقد بَلَغنى جُودكَ و كرمكَ ....وَ كَانَ هاشم يابى...'' (تاریخ الخمیس جلد اوّل صفحہ 157)

''جناب ہاشمؑ اپنی قوم میں سب سے زیادہ قابلِ فخر و عزت و بلند مرتبہ تھے۔۔۔۔۔۔۔ عربوں کے قبائل اور اہلِ کتاب کے راہنمایانِ دین کے وفود اپنی بیٹیوں کو لے کر حضرت ہاشمؑ کے پاس آیا کرتے تھے اور انہیں حضرت ہاشمؑ کے سامنے پیش کر کے شادی کی درخواست کیا کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ ہرقل بادشاہ روم نے اُن کی خدمت میں پیغام بھیجا تھا کہ میری ایک بے مثل و نظیر بیٹی ہے کہ جس سے حسین و جمیل و فرزانہ و دانشمند بیٹی عورتوں نے پیدا نہیں کی ہے۔ اگر آپؑ یہاں قدم رنجہ فرمائیں تو میں اسکی شادی آپؑ سے کر دوں اسلئے کہ آپؑ کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ مجسمۂ جود و کرم و حیا ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر حضورؑ ایسی درخواستوں پر متوجہ نہ ہوا کرتے تھے۔''

<u>علیؑ کے باپؑ داداؑ شاہانِ عالم اور راہنمایانِ دین کے نزدیک قابلِ پرستش اور حکمران تھے</u>

تاریخ عالم کے صرف دو بیانات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قریش جو کچھ بھی تھے وہ علیؑ کے باپؑ دادوںؑ کے بنائے ہوئے تھے۔ اُن کی دولت و ثروت، اُن کی عزت و حرمت علیؑ کے آباؤ اجداد صلوٰۃ اللہ علیہم کے صدقہ میں تھی۔ اُن کا ہر بال علیؑ کے خاندان

کے احسان سے ڈھکا اور دبا ہوا تھا۔ اور اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر اُن کے اور علیؑ کے درمیان نبوتِ محمدؐیہ روک نہ بن جاتی تو وہ علیؑ کو دل وجان سے اپنا حکمران، اپنا بادشاہ بلکہ اپنا معبود بناتے اور انتقال کے بعد اُن کے مجسمے کی بلاتکلف پوجا کرتے۔

یہاں پہلی بات ذرا وثوق واطمینان سے ایک بار پھر دوہرائیے کہ:

''نبوتِ محمدؐیہ نے نہ صرف علیؑ کو اُن کی خاندانی اور قرآنی حکومت سے محروم کیا بلکہ انہیں اور اُن کی اولاد کو روح فرسا مظالم کی آماجگاہ بنادیا۔ اور وہ ہاتھ ہی کاٹ دیا جو عربوں کی عنانِ حکومت سنبھالتا۔''

پھر یہ فیصلہ کرلیجئے کہ علیؑ کے آباؑواجدادؑ سے ساری دنیا والہانہ محبت کرتی تھی۔ عیسائی ہوں یا یہود، عوام ہوں یا خواص، اہلِ عرب ہوں یا اہلِ عجم، فقیر ہوں یا بادشاہانِ عالم سب اُن کا حکم مانتے تھے۔ اُن کی عزت اپنے بزرگوں اور انبیاؑ سے بھی زیادہ کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ اپنی عزت و ناموس اور اپنی بیٹیاں تک پیش کرنے اور انہیں اپنا داماد بنانے میں اپنی عزت میں اضافہ سمجھتے تھے۔ اور ابھی ابھی آپ دیکھنے والے ہیں کہ دعویٰ نبوت کے بدلے میں سردارانِ قریش بھی اپنی بیٹیاں محمدؐ کے سامنے پیش کریں گے۔ الغرض یہ سب کچھ ہم نے اس لئے لکھا کہ یہ بتائیں کہ قریش جاہل وبدّو اور پس ماندہ قوم نہ تھے کہ محمدؐ مصطفیٰ کے دعویٰ نبوت کرتے ہی ہوش وحواس وعقل کو خیر باد کہہ کر کوئی غلط اقدام کر بیٹھتے۔ وہ سیاسیات ومذہبیات وتاریخ وقوانینِ عالم پر نظر رکھنے والی قوم بنادیئے گئے تھے۔ اُن کا ہر عمل اور ہر تجویز معقول ہی نہیں بلکہ اثر انگیز ونتیجہ خیز ہونا چاہئے چنانچہ اُنہوں نے پہلا ہی قدم ایسا اُٹھایا کہ محمدؐ اور علیؑ اور کہنے دیجئے کہ اللہ بھی مجبور ہو کر رہ گیا۔ اور اپنی پوری اسکیم نئے سرے سے مرتب کرنے اور قیامت تک انتظار میں اُلجھ کر بیٹھ گئے تھے۔

پہلی، دو دھاری، دُوررَس تجویز، نبیؐ نہیں مطلق العنان بادشاہ بن جاؤ؟

آپکو تعجب سے باہر نکالنے کے لئے یہ یاد دلادیں کہ ابلیس نے ایک دانشورانہ بات کہہ کر نہ صرف خود کو اللہ کی نافرمانی کی سزا سے بچایا بلکہ اللہ پر واجب کر دیا کہ وہ اُسے قیامت تک طویل عمر بخشے اور وہ تمام قدرتیں اور اختیارات بھی دے جو نوع انسان کو اللہ کی مرضی کے خلاف لے جانے میں مددگار وضروری ہوں۔ وہ دانشورانہ بات یہ تھی کہ جیسا جھانسہ (بِمَا اَغْوَيْتَنِىْ اعراف 7/16 اور حجر 15/39) تو نے مجھے دیا ہے ایسا جھانسہ اگر میں نوع انسان کو دوں تو چند کے علاوہ سب نافرمان ہوجائیں۔'' اور نوع انسان قیامت تک دنیا میں رہنا تھی لہٰذا انصاف کا تقاضا تھا کہ ابلیس کو طویل ترین عمر مرحمت ہو۔ اسی طرح قریش نے ابلیس کو عطا کردہ طویل عمر سے راہنمائی حاصل کر کے وہ صورتِ حال پیدا کردی کہ اللہ کو اپنی حکومت اور خلافتِ الٰہیّہ کو قربِ قیامت تک ملتوی کر کے اقتدارِ حکومت قریش کو سونپنا پڑا تا کہ وہ بھی ابلیس کی طرح وہ سب کچھ کر دیکھیں جو اُن کے نزدیک اسلام کی تعبیر تھی اور پھر انہیں اور ابلیس کو وہ تمام سزائیں دی جائیں جو اُن کی کارکردگی کا حق ادا کردیں اور ساتھ ہی حقیقی اسلام اور حقیقی مومنین کی جزا اور کامیابیاں بھی انہیں دکھائی جائیں اور رَجْعَتُ اِلَى اللّٰه کا طویل ووسیع نظام پیش کیا جائے۔ بہرحال قریش نے پہلے بالواسطہ چھوٹی چھوٹی کوششیں کیں تا کہ محمدؐ سنجیدہ نہ ہوں تو اپنی اصلاح کرلیں اور نبوت سے باز آجائیں۔ اسی سلسلے میں سرسری طور پر یہ بات بھی مشہور کی گئی کہ نبوت کا یہ دعویٰ بنی ہاشمؑ کے

اقتدار کو مستحکم کرنے یا بنی ہاشم کو اقتدار میں لانے کے لئے کیا گیا ہے۔ یہ بات قریش کے پانچویں خلیفہ اور اُن کے امیر المؤمنین یزید نے بھی دہرائی تھی اور کہا تھا کہ:

''نہ کوئی وحی آئی تھی نہ کوئی فرشتہ نازل ہوا تھا۔ یہ تو بنی ہاشم نے اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے نبوت کا ڈھونگ رچایا تھا جسے میرے بزرگوں نے باطل کر دیا اور دیکھ لو کہ حکومت واقتدار ہمارے پاس ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جب یہ یقین ہو گیا کہ محمدؐ سنجیدہ ہیں اور قریشی عوام اور دیگر اہلِ مکہ بنی ہاشمؑ کی قدیم سے چلے آنے والی محبت ومودۃ وعزت وحرمت کے بوجھ میں دبے ہوئے اس نبوت پر ایمان لاتے جا رہے ہیں اور محمدؐ کی محبت، اُن کا حسین چہرہ، اُس کی سحر آفرین گفتگو، اور بے پناہ اخلاق وبردباری لوگوں کے دلوں کو موہ رہی ہے تو سردارانِ قریش نے ایک بہت سنجیدہ راہ اختیار کی تا کہ لوگوں کے دلوں سے محمدؐ اور علیؑ اور بنی ہاشمؑ کی محبت نوچ کر پھینک دیں اور اس کی جگہ عداوت ونفرت وانتقام کی آگ بھڑکا دیں۔ تاریخوں کے بیانات ہماری زبان سے سُنئے اور قریشی دانشوروں کو داد دیتے رہیئے:

<u>جلسہ عام میں عربوں کی غیرت وحمیت جاہلیہ اور عزت وناموس کو داؤ پر لگا دیا</u>

''خاموش ہو کر سنو شاید کوئی منادی ندا کر رہا ہے۔ گھروں کے اندر اور نشست گاہوں میں خاموشی چھا گئی، منادی کہہ رہا تھا کہ:

''سردارانِ قریش کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ کل تمام اہلِ مکہ مردوں اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ حرم میں جمع ہو کر ایک ایسی تجویز سنیں اور غور کر کے منظوری دیں جس سے نبوتِ محمدؐیہ کے مقاصد بھی پورے ہوسکیں گے اور قریش میں بڑھتا ہوا اختلاف وافتراق بھی ختم ہو جائے گا۔''

لوگ کل کے انتظار کے ساتھ ساتھ' اپنے اپنے مقام پر، اپنے اپنے دماغوں میں سوچ رہے تھے کہ وہ کون سی ایسی تجویز ہوسکتی ہے؟ جس سے تمام خلفشار وجھگڑے ختم بھی ہو جائیں، نبوت بھی اپنے مقاصد حاصل کر لے؟ جتنے منہ اتنی باتیں مگر سب حیران ومشتاق۔ نبوت کی بات تھی لہٰذا خانوادۂ نبوتؐ وبنی ہاشمؑ بھی چشم براہ تھے۔

حرم کھچا کھچ بھر گیا، سردارانِ قریش اور بنی ہاشم آ گئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے تو جناب ابوسفیان نے حاضرین جلسہ کو مخاطب کیا:

''ہم سب نے محمدؐ کو اپنے ہونہار بچوں سے زیادہ پیارا سمجھا ہے اُس میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو اُنکے آبا ؤاجداد میں موجود تھیں۔ قوم بجا طور پر اُن سے وہ تمام اُمیدیں وابستہ کئے ہوئے ہے جو جناب ہاشمؑ اور دیگر بزرگوں سے وابستہ رہی ہیں۔ ہم نے انہیں دن گن گن کر بچپن سے جوانی کی طرف اور جوانی سے سنجیدہ عمر کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ قوم کا ہر بچہ اور ہر مرد و عورت اُن سے وارفتگی کی حد تک محبت کرتا ہے، اُنکے اشاروں پر ناچتا ہے، انہیں اپنا اور اپنی قوم کا نجات دہندہ سمجھتا ہے۔ یقیناً اُنکا دعویٰ نبوت قوم کی فلاح وبہبود وترقی کیلئے ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ بعض دانشورانِ قوم لفظ نبوت پر چہ میگوئیاں اور اختلاف کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اختلاف ہر حال میں نقصان پہنچاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ محمدؐ اختلاف پیدا کرنے والے اس لفظ کو ہٹا کر

قوم کی اصلاح وترقی کیلئے وہ تمام ہدایات دیں جو لفظ نبوت کے ماتحت آتی ہوں۔ نبی اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ ساری قوم یا اُمت اسکی اطاعت کرے چنانچہ ہم سب محمدؐ کو اپنا بادشاہ اور حاکم مانے لیتے ہیں۔اور یہ ہماری خدمات اور ہماری دولت و وسائل سب اُنکی ملکیت میں دیتے ہیں تاکہ وہ جس طرح مناسب سمجھیں بے دریغ استعمال کریں اور ہمارے پاس ہماری جان سے بھی عزیز تر چیز ہمارا ناموس، ہماری بیٹیاں ہیں جو ہر فرد اور پوری قوم کی عزت ہیں۔ہم محمدؐ کو اتنا چاہتے ہیں اور ایسی محبت کرتے ہیں کہ وہ ہماری جس بیٹی یا جن بیٹیوں کو پسند کریں اپنی ازواج میں شامل کرسکتے ہیں، یہ ہے ہماری کل بضاعت و دولت و بصیرت ہم یہ سب کچھ محمدؐ پر قربان کرسکتے ہیں۔ہمیں جواب ملنے کی عجلت نہیں ہے ہم تین روز تک انتظار کریں گے تاکہ وہ اور اُنکا خاندان اور بزرگ سوچ کر آخری فیصلے پر پہنچیں۔چوتھے روز یہیں پھر اجتماع عام ہوگا اور میں براہ راست محمدؐ سے اُنکا فیصلہ سنوں گا۔''

سارا مجمع خوش نظر آرہا تھا سب کو یہ تجویز پسند آئی تھی۔بنی ہاشم کے افراد بھی مطمئن معلوم ہوتے تھے۔رفتہ رفتہ مجمع بچھڑ گیا۔محمدؐ مصطفیٰ اور علیؑ مرتضیٰ سنجیدہ نظر آرہے تھے۔یہ سنجیدگی اپنے پرائے سب کو پریشان کررہی تھی۔نبوت کی معرفت سے خالی لوگ چاہتے تھے کہ تجویز کو قبول کرکے سارا پروگرام برسرِ کار لایا جائے؟ اس میں کیا حرج ہے؟ کون سا نقصان ہے؟ اللہ کا کام کرنا ہے جس کو کرنے میں کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔سارے عرب کی گردنیں جھکی ہوئی سر اطاعت تسلیم خم رہے، ہر حکم کی اطاعت کی جائے،اس کے علاوہ عرب کی دولت و وسائل کو مفادِ عامہ میں استعمال کرنے کی چھوٹ ہے اور بھلا کیا درکار رہے؟ اس سے بڑی رعایت اور تعاون کیا ہوسکتا ہے؟ یہاں سے وہاں تک ہر جسم اور ہر دل پر حکومت، ہر فرد قوم کی محبت وقوت فدا ہوجانے کو تیار، اور کیا چاہیئے؟ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تاریخی جواب میں ایک جملہ فرمایا کہ:

''دولت،عورتیں اور حکومت تو کیا چیز ہے اگر تم میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دو تب بھی میں دعویٰ نبوّت واپس نہیں لے سکتا۔''

آنحضرتؐ نے حکومت ٹھکرا کر اپنا نہیں بلکہ حضرت علیؑ کا راستہ بند کردیا اور انہیں نباہنا پڑا

یہ تھی تیسری بات اور تیسری بات کا نتیجہ، کہ اب اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھل کر حضرت علیؑ کو حاکم بنائیں تب بھی اور حضرت علیؑ اپنی حکومت منوانے کا انتظام کریں تب بھی قریش کا الزام ثابت ہوجائے گا کہ ''نبوت کا دعویٰ بنی ہاشم کو حاکم بنانے کا ڈھونگ تھا۔''

یہ تھا وہ دودفعہ اور کئی طرح کٹا ہوا ہاتھ جس سے عربوں کو تباہ تو کیا جاسکتا تھا اور ایک عالمگیر حکومت بھی بنائی جاسکتی تھی مگر اس طرح حضرت علیؑ ایک زبردست اور فاتح بادشاہ کے مرتبے سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔اور یہ نہ اللہ کو منظور تھا نہ رسولؐ اللہ کو پسند آتا اور نہ علیؑ نے چاہا۔لہٰذا اُس بے پناہ ضبط وصبر وطویل ترین آزمائشوں کے دَور کو اختیار کرکے قریش کے اُلجھنے کے لئے لمبی رسی ڈھیلی چھوڑ دی اور انہیں قسطوں پر تباہ کرنے کا نظام جاری کردیا (خطبہ 3، جملہ 8 تا 15) اور یوں نبوت کو اقتدار کا ڈھونگ بن جانے سے بچالیا اور نبوت کو ثابت کرنے میں اپنے خاندان کا بچہ بچہ قربان کردیا۔اور قیامت تک کے لئے راہِ خدا میں قربان ہوتے رہنے کی وصیت خاندان میں

جاری کردی اور اُن کے ہر آنے والے جانشینؒ نے اُس وصیت پر وصیت سے بڑھ چڑھ کر عمل جاری رکھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ علی و اولا دِ علی علیہم السلام ہر مومن کے قلب وذہن پر حکومت کرنے لگے، مدِّ مقابل مٹ گئے اور اُن کے حق میں بجا طور پر کہا جانے لگا کہ:

''مر گئے مردود جن کی نہ فاتحہ نہ درود۔''

5۔ میراث مرتضوٰی کا لٹنا خاندانی موروثی حکومت کو غصب کر کے آپس میں بانٹنا ہے

آپ کا یہ فرمانا کہ: اَرٰیٰ تُرَاثِیْ نَھْبًا۔ (خطبہ 3، جملہ 15) ''میں اپنی میراث لُٹتے دیکھتا رہا۔''

ہمارے بیانات پڑھ لینے والوں کے لئے اس جملے کو سمجھنا نہایت آسان اور سامنے کی بات ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اُس حکومت کو جس پر ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی نے قبضہ کر کے قومی حکومت بنایا تھا، اپنا موروثی مال واثاثہ یقین کرتے تھے۔ وہ اُنؑ کا تین ہزار سال سے خاندان میں منتقل ہوتے چلے آنے والا موروثی حق تھا۔ اُسے نہ آپؑ نے کبھی رسولؐ اللہ کا مال سمجھا اور نہ وہ رسولؐ اللہ کو پہنچنے والا حق تھا۔ اللہ نے قرآن میں دُہرا دُہرا کر اُس کو حضرت علیؑ کا حق فرمایا ہے اور رسولؐ اللہ کو حکم دیا ہے کہ یہ حق صاحب قرابت کو دے دو:

(1) وَ اٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ ''اور دے قرابت والے کو حق اُس کا۔'' (بنی اسرائیل 17/26) (رفیع الدینؒ)

(2) فَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ ''پس دے قرابت والے کو حق اُس کا۔'' (روم 30/38) (رفیع الدینؒ)

(5۔الف) آپؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اپنی میراث کو لُٹنے سے بچانے کی کوشش کی تھی

آپ کا یہ فرمانا کہ: ''میں اپنی میراث کو لُٹتے ہوئے دیکھتا رہا۔'' اُن کے اطمینانِ قلب کا انتہائی ثبوت ہے۔ لُٹتے ہوئے دیکھنے اور کسی قسم کی عملی مزاحمت نہ کرنے کی بات عام انسانوں کی بات نہیں ہے۔ ہر شخص پہلے سے ایسا انتظام کرتا ہے کہ عین وقت پر اُسے نقصان اور دھوکا نہ دیا جاسکے اور اگر اچانک اُس کا مال لٹنے لگے تو لوگ جان پر کھیل جاتے ہیں جو کچھ ممکن ہوتا ہے کرتے ہیں۔ مگر تمام تاریخیں بیک آواز کہتی ہیں کہ علی صلوٰۃ اللہ علیہ نے حکومت حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کی کوئی دوڑ دھوپ نہ انتقالِ رسولؐ کے دن یا بعد میں یا حیاتِ رسولؐ میں کی۔ بلکہ وہ نہایت اطمینان سے رسولؐ اللہ کی تجہیز وتکفین وتدفین میں برابر مشغول رہے اور ابوبکر وعمر کی دوڑ بھاگ اور گٹھ جوڑ کی اطلاعات ملنے پر بھی کسی گھبراہٹ یا تشویش کا اظہار نہیں کیا بلکہ بڑے معقول اور بھرپور اطمینان بخش جوابات دیئے۔ اِس کے برعکس ابوبکر وعمر نے اور اُن کے ہمنوا لوگوں نے عہدِ رسولؐ میں بھی دُور رس انتظامات کئے۔ قرآن کی غلط تعبیرات کر کے قوم میں پھیلائیں (فرقان 25/30) قوم کو علیؑ کی حکومت غصب کرنے پر مجتمع اور متفق کیا (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 103 وطبری) ابوبکر کو پہلے نمبر پر خلیفہ بن جانے پر رضامند کیا (فرقان 29 تا 25/27) اور خود دوسرے نمبر پر خلیفہ بن جانے کا فیصلہ قوم سے منوایا (حج 22/3 اور 10 تا 22/8) اور نبیؐ نے اپنے مرض الموت میں ابوبکر وعمر کو اسامہ بن زید کے ماتحت جنگ پر فوراً روانہ ہونے کا حکم دیا، ساتھ ہی اُن تمام صحابہ کو اسامہ کے ماتحت روانگی کے لئے بھرتی کیا جو خلافت کے معاملے میں ابوبکر کے دست وبازو بنتا تھے۔ یعنی رسولؐ اللہ ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی کی اسکیم اور جدوجہد پر مطلع تھے اس لئے اُس تمام لیڈر ٹائپ گروہ کو مدینہ سے باہر جنگ پر بھیجنا چاہتے تھے اور اس فوج کو جلد سے جلد روانہ ہو جانے کی تاکید کرتے

رہےاور دیر کرنے والوں پر‘ فوج سے پیچھے رہ جانے والوں پر‘ برابر لعنت کرتے رہے اوران حقائق پر تمام تواریخ متفق ہیں۔

(5۔ب) ابوبکر وعمر کی فضیلت وخلافت ہی باطل نہیں ہوئی بلکہ وہ ملعون بھی ہوگئے

یہ اسامہ بن زید قریشی زبان میں غلام زادہ تھالہٰذا ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی اسامہ سے کم رتبہ اور جنگ میں نا قابل سپہ سالاری ثابت ہوگئے۔2: پھر اسامہ ایک کم عمر نوجوان تھے لہٰذا بزرگی اورعزت وعظمت کے لئے بڑی عمر کا ہونا باطل ہوا۔اوراُس ابلیسی کمپنی کی تمام خود ساختہ فضیلتیں مٹ گئیں۔3: مذکورہ فوج کے لوگ حیاتِ رسولؐ میں برابر رسولؐ کے نافرمان ومخالف رہے یعنی جہنمی ہوگئے اور روانگی میں عمداً بلا اجازتِ رسولؐ دیر کی اور گئے ہی نہیں لہٰذا رسوؐل کی طرف سے ملعون ولعنتی ہوگئے۔اور یہ صورتِ حال رسوؐل کی اجازت کے بغیر بدلتی نہیں۔لہٰذا ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی خلافت حاصل کرنے کی جدوجہد میں رسولؐ کے نافرمان اور لعنتی بھی بن گئے تھے۔

(5۔ج) خلافت حاصل کرنا ہی قریش کا انتہائی مقصد تھا اُن کا ایمان لانا،مسلمانوں کے ساتھ رہنا صرف فریب تھا

قارئین یہ سمجھ کر ہماری تشریحات کو پڑھتے جائیں کہ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ آنجناب علیہ السلام کے جملوں کے مطالب،اُن کا منظر اور پس منظر کا بیان ہے۔رہ گیا ابوبکر وعمر اور پورے قریش کے مذہب کے یا اُن کی خلافت کے باطل ہونے کی بحث کا معاملہ تو اُس قوم کے باطل ہونے پر کسی بحث ونظر کی کیا ضرورت ہے جس قوم کو اللہ نے مکذِّبِ قرآن فرما دیا ہو(انعام 6/66) جو قرآن کو مہجور کرنے والی اور دشمنِ رسوؐل قوم ہو(فرقان 25/30-31) جسے قرآن نے بار بار سرکش اور تبدیل کردیئے جانے کے قابل قوم کہا ہو (انعام6/89،توبہ 9/39،محمدؐ 47/38)اس خبیث وملعون قوم کے مذہب کے بطلان پر تو ہماری سینکڑوں دوسری کتابیں موجود ہیں جہاں عنوان قائم کرکر کے اُن کی رگِ حیات کاٹی گئی ہے۔یہاں تو بطورِ تذکرہ حضورؐ کے جملوں کی تشریح مقصود ہے۔قرآن تو یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ دُنیا پرست تھے، دین وآخرت سے اُن کا کوئی تعلق نہیں تھا انہیں مال ودولت محبوب تھی (3/152) وہ حکومت حاصل کرنے، صاحب امر بن جانے میں کوشاں تھے(3/154)اور چاہتے تھے کہ رسوؐل قتل ہوجائے تو ہم عنانِ حکومت سنبھالیں اوراس غرض کے لئے رسولؐ اللہ کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے تھے(3/153)اوراسی غرض کے لئے انہوں نے اسلام اختیار کرکے مسلمانوں میں شامل رہنا طے کیا تھا تاکہ موقعہ ملنے پر رسوؐل کو ٹھکانے لگا دیا جائے اور حکومت پر قبضہ کرلیا جائے۔وہ روز اوّل سے ہی رسولؐ اللہ کو قتل کرنے اور راہ سے ہٹانے کی مکارانہ اسکیم پر عمل پیرا تھے(انفال 8/30)۔وہ اپنے اسلام لانے کو اللہ ورسولؐ پر ایک احسان اور سلوک سمجھتے تھے(حجرات 49/17)اوراللہ کے احکام کی غلط تعبیریں کرکے نہ صرف قرآن کے حقیقی مطالب ومقاصد کو جھٹلاتے ہیں (6/66) بلکہ اللہ کو وحی نازل کرنے کا طریقہ اور احکام بیان کرنے کی تعلیم بھی دیتے ہیں(حجرات 49/16)یعنی اللہ نے یداللہ(اللہ کا ہاتھ)فرمایا مگر وہ کہتے ہیں کہ یہاں ہاتھ نہیں بلکہ اللہ کی قدرت سمجھنا چاہیئے۔الغرض وہ حکومت پر قبضے کے لئے روز اوّل سے اسکیم بنا کر مسلمان ہوئے،اُنہوں نے رسولؐ اللہ کے ساتھ اپنے خرچ سے،اپنی بیٹیاں بطور جاسوس،ازواج میں داخل کردیں جنھوں نے رسولؐ کے خلاف ایک مسلسل محاذ بنائے رکھا(تحریم 66/3-4)اور رسولؐ اللہ کے تمام راز افشا کرتی رہیں۔انہوں نے رسولؐ اللہ کو دَوا کے بہانے

زہر پلا کر موت کے گھاٹ اُتارا اور ابوبکر وعمر کی حکومت کی راہ ہموار کی (بخاری)۔ اِن میں سے کسی ایک بات کو غلط ثابت کر دینا قریشی علما کے لئے قرآن سے ناممکن ہے۔

(5۔د) خلافت کی جدّ وجہد اور خلافت کے حاصل کرنے میں ابوبکر وعمر کی کوئی بات قرآن کے مطابق نہیں

اگر کوئی یہ دریافت کرلے کہ رحلتِ رسولؐ سے لے کر تختِ خلافت پر بیٹھنے اور خلافت کا کاروبار چلانے میں کونسی بات یا عمل قرآن کی رُو سے صحیح ہے؟ تو تمام قریشی علما دم بخود ولا جواب رہ جائیں گے۔ اس لئے کہ خلیفۂ خداوندی کا ایسا اور اس قسم کا سازشی تقرر نہ پہلے کبھی ہوا تھا نہ قرآن میں مذکور ہوا ہے؛

اوّل : **وہ عذرات یا صورتِ حالات جو ابوبکر کی خلافت اور بیعت پر پیش کرتے ہیں**

جو چیزیں قریشی علما بطورِ عذر وحیلہ یا جوازِ خلافت کے لئے پیش کرتے ہیں اُن میں سے پہلی بات یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار خلافت پر قبضے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لئے ابوبکر وعمر وابوعبیدہ جراح وہاں پہنچے اور انصار کی اسکیم کو ناکام کر کے اپنی حکومت بنالی۔

سوال یہ ہے کہ: 1 اس میں کیا حرج تھا کہ خلافت انصار کے پاس ہوتی؟ وہ قریش سے زیادہ نہ سہی برابر کے صحابی اور عالم دین تھے بددیانت وظالم نہ تھے۔ 2 لہٰذا قریشی صحابہ ابوبکر وعمر وغیرہ کو رسولؐ اللہ کے جنازے میں دفن تک شریک رہنا چاہئے تھا۔ 3 اور اس کے بعد اگر انصار کو اُن کی غلطی قرآن سے بتائی جاتی تو وہ خلافت واپس کر دیتے۔ اُن پر یہ اعتبار نہ کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ وہ تو ایثار وقربانی کی قرآنی سند رکھتے ہیں اور تمام مہاجرین کے پالنے والے محسن ہیں (انفال 8/72 اور حشر 59/8-9)۔ گویا ابوبکر وعمر نے اپنے محسنوں سے بھی دغا اور غدر کیا تھا۔ 4 معلوم ہوا کہ ابوبکر وعمر کو روزِ اوّل ہی سے خلافت ہتھیانے کی فکر دامن گیر رہی اور وہ کوئی موقع ہاتھ سے نکلنا پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے انصار کا اعتبار نہ کیا اور جنازۂ رسولؐ کو بے گوروکفن چھوڑ کر خلافت پر قبضہ کرنے کو ترجیح دی۔ 5 اور ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ بالکل مطمئن تھے ورنہ وہ بھی وہی کچھ کرتے جو ابوبکر نے کیا۔ 6 اور اس طرح یہ پارٹی یقیناً محروم ہوجاتی اس لئے کہ انہوں نے انصار کے مقابلہ میں جو دلائل دیئے وہ تمام علیؑ میں ہی ثابت ہیں؛

دوم : **ابوبکر وعمر رسولؐ کے اقربا اور رسولؐ والے بھی نہیں اور نہ اُن کو اولی الامر کہا گیا**

اس لئے کہ ابوبکر وعمر نے یہ دلیل پیش کی کہ:

''عرب صرف اُن کی حکومت قبول کریں گے جن میں نبوت تھی (اِلاَّ مَنْ كَانَتِ النُّبُوَّةَ فِيْهِمْ وَ اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ) اور جن کے اندر حکم چلانے والا تھا۔'' (علامہ ابن قتیبہ دینوری)

قریش نے انصار کو نبوۃ والوں میں خلافت کے رہنے کی بات کہہ کر خاموش کیا لیکن اجماع یہ کر رکھا تھا کہ خانوادۂ نبوت میں خلافت نہ رہنے دیں گے (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 103)۔ یعنی انصار کو دھوکہ دینے کے لئے خانوادۂ رسولؐ کے نام پر اپیل کی تھی اور اسی دلیل اور اپیل کے لئے یہ لوگ چپکے سے علیؑ اور دیگر مہاجرین کو بتائے بغیر دوڑتے بھاگتے سقیفہ پہنچے تھے۔ 2 ورنہ اگر وہاں علیؑ موجود ہوتے تو اُن

کی یہ دلیل سنتے ہی تمام انصار علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور یہ منہ دیکھتے رہ جاتے اس لئے کہ جن میں نبوۃ تھی اس قبیلے اور خانوادے کے سردار و بزرگ اور پہلے سے مقرر و متعین چلے آنے والا خلیفہ اور وزیر (اولی الامر) وہی حضرتؑ تھے۔

(5۔ھ) تاریخی بیانات کے فراڈ پر ہمارے ساتھ مل کر تحقیقی نظر ڈالیں

ہم تو دندان شکن دلائل سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ قریشی دانشوروں نے چپکے سے انصار میں یہ خبر پھیلائی تھی کہ علیؑ خلیفہ بننے سے انکار کر رہے ہیں۔ اس خبر کے بعد وہ بیانات صحیح ہو سکتے ہیں جو انصار پر چپکائے گئے ہیں ورنہ وہ خلافت کی بحث کیوں اُٹھاتے؟ لہٰذا انصار کیلئے یہ ماننے میں حرج نہیں کہ وہ ثلاثہ اینڈ کمپنی کو خلافت سے محروم کرنے کیلئے خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کو جمع ہوئے ہوں گے۔ اور اگر انہیں علیؑ کی طرف سے غلط خبر نہ ملی ہوتی تو وہ قریش کو بتاتے کہ تمہاری دلیل سے علیؑ خلیفہ ہیں۔ اور اس صورت میں بشیر بن سعد بھی مخالفت نہ کرتا اسلئے کہ وہ سعد بن عبادہ کی خلافت کا مخالف تھا۔ حضرت علیؑ موجود ہوتے تو انصار میں سے کسی کو اختلاف نہ ہوتا۔ لہٰذا قریش نے یقیناً یہ خبر پھیلادی تھی کہ حضرت علیؑ خلافت سے الگ رہنا چاہتے ہیں۔ اور بات قریش کے سازشی مزاج کے بھی عین مطابق ہے۔

یہ بھی سازشی بیان ہے کہ ابوبکر کی وہ بیعت اُسی دن ہوگئی تھی جس دن رحلتِ رسولؐ ہوئی

قریشی تواریخ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ابوبکر کی خلافت پر جو اختلافات اور اُن کی بیعت پہ جو جھگڑے ہوئے اور مدت دراز تک جاری رہے انہیں چھپا لیا جائے۔ لہٰذا چند سرکاری تواریخ نے یہ لکھ دیا ہے کہ ابوبکر کو خلیفہ مان لینے کی بیعت انتقالِ رسولؐ کے بعد اُسی دن ہوگئی تھی مگر تمام تواریخ اس پر متفق نہیں پائی جاتیں۔ اس طرح کہ تمام تاریخیں مانتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال بعدِ زوالِ آفتاب دوشنبہ (سوموار) کو ہوا تھا۔ اور تمام تاریخیں یہ بھی مانتی ہیں کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے وقت ابوبکر اپنے اُس گھر میں تھے جو محلّہ سخ میں بیت النبوۃ سے ایک میل کے فاصلے پر تھا اور جس میں وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے دن ہی رسول اللہؐ کو محلّہ قبا میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اور وہاں خارجہ بن زید بن ابی زھیر کے یہاں قیام کیا اور اُن کی بیٹی حبیبہ سے شادی کی تھی۔ محلّہ سخ میں بھی قبیلہ خزرج ہی کے مکانات تھے۔ دس سال اس محلے میں مستقل قیام ہی کا اثر تھا کہ بشیر بن سعد نے سقیفہ میں سعد بن عبادہ کی ضد میں ابوبکر کی بیعت کی تھی۔ مسجد نبوی اور بیت النبوۃ سے ایک میل کے فاصلے پر دُور گھر بنانے اور مستقل رہائش، تمام صحابہ اور آنحضرتؐ سے علیحدہ رکھنے کی وجہ بھی قرآن نے بیان کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ گروہ راتوں کو چھپ چھپ کر اُس گھر میں رسولؐ کے خلاف مشورے کرتا ہے (یُبَیِّتُوْنَ، یُبَیِّتُ) اور چاہتا ہے کہ نظامِ رسالت پر شبخون مارے (یہ بڑی تفصیل سے سورہ نساء 83 تا 4/80 اور 115 تا 4/104) میں اور اصلی معنی سورۂ نمل 27/49 میں ملیں گے۔ یہ آیات پڑھنا واجب ہیں)

بہرحال بتانا یہ ہے کہ ابوبکر رحلتِ رسولؐ کے وقت ایک میل کے فاصلے پر تھے۔ چنانچہ سورۂ تحریم میں مذکور ایک بیٹی نے عمر کو اطلاع دی تا کہ وہ ابوبکر کے آنے تک وفاتِ رسولؐ کی اطلاع کو غلط ثابت کرے اور جو کوئی وفات کی تصدیق کرے اُسے شدتِ غم سے دیوانہ بن جانے کی آڑ میں قتل کر دے۔ اور دوسری نے اپنے باپ ابوبکر کو جلدی پہنچنے کی تاکیدی اطلاع بھیجی۔ ابوبکر ایک میل چل کر آئے،

اُس ہڑبونگ کوٹھنڈا کیا جوعمر اینڈ کمپنی نے مچا رکھا تھا۔قرآن سے رسوؐل کی موت پر آیت پڑھی، جسے سُن کر عمر نے تلوار میان میں رکھ لی۔ اُدھر رسوؐل کا غم منانے والوں پر شرک یعنی رسوؐل کی پوجا کا الزام وفتویٰ عائد کیا اور نہایت خاموشی سے عمر کو لے کر نکلے اور تین میل کا فاصلہ طے کر کے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔

یہاں رُک جائیے اور پھر سوچیئے کہ وفات کے بعد عائشہ کا قاصد ایک میل محلّہ سنخ میں جاتا ہے پھر ایک میل ابوبکر چل کر آتے ہیں۔پھر کوئی جاسوس تین میل کا فاصلہ طے کر کے سقیفہ سے آتا ہے اور انصار کے جمع ہونے کی اطلاع دیتا ہے اور پھر ابوبکر اینڈ کمپنی کا تین میل چل کر سقیفہ پہنچنا کُل آٹھ میل کا فاصلہ تو یہ ہوگیا۔اس میں تین میل وہ جمع کرلیں جس میں مدینہ کے انصار سقیفہ پہنچے تھے اور اُس کے بعد جاسوس وہاں کی باتیں سُن کر چلا تھا۔اس طرح یہ گیارہ میل کا سفر ہوگیا۔اب سوچئے کہ زوالِ آفتاب کے بعد اس فاصلے کو طے کرنے میں کتنا وقت لگا ہوگا۔پھر تمام تاریخوں سے وہ بحث اور مکالمے جمع کر لیجئے جو انصار اور ان تین اشخاص (ابوبکر وعمر وابوعبیدہ جرّاح) میں ہوئے اور بشیر بن سعد کی تقریر وغیرہ کا وقت شمار کرنے سے یقین ہو جائے گا کہ سقیفہ والی بیعت بھی اُسی روز نہیں ہوئی تھی۔چنانچہ بعض تاریخیں بتاتی ہیں کہ ابوبکر سقیفہ سے تین روز میں فارغ ہو کر رسولؐ اللہ کے گھر آئے تھے۔چنانچہ کتاب کنز العمال بتاتی ہے کہ ابوبکر وغیرہ تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ اور دفنِ رسولؐ میں اس لئے شریک نہ ہو سکے تھے۔ہمیں اس سے تعلق نہیں ہے کہ بیعت کس دن ہوئی اور ہوئی یا نہیں؟ ہم تو اس پر غور کرنے کی اپیل کر کے چلے ہیں کہ ان معاملات وواقعات میں کہیں کسی سازش یا انتظامِ دیرینہ کا پتہ چلتا ہے یا نہیں؟ بہر حال یہ صحیح ہے کہ جس دن آنحضرتؐ کا انتقال ہوا اُسی روز انصار سقیفہ میں جمع ہوئے اور اسی روز ابوبکر وعمر وابوعبیدہ، سعد بن عبادہ کی بیعت پر اتفاق ہو جانے سے پہلے پہلے سقیفہ میں پہنچ گئے تھے۔اب یہ چیز نہایت قابل تعجب ہے کہ وہ گیارہ میل اُسی روز کس طرح طے ہوئے؟ اور تین میل سقیفہ تک یہ بوڑھے اور نحیف آدمی کس طرح دوڑے؟ جیسا کہ تمام تاریخوں میں اُن کا دوڑتے ہوئے جانا تو لکھا ہے مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ وہ سواری پر گئے تھے۔

اس صورتِ حال سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اچانک پیش نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہ سب کچھ پہلے سے طے کردہ پالیسی سے وجود میں آیا تھا۔اور تیز رفتار گھوڑے لگام وزین سے آراستہ استعمال کئے گئے تھے۔تاکہ خبر ملتے ہی فوراً روانگی اور بروقت حاضری ممکن ہو سکے۔ چنانچہ عائشہ کا پیغامبر بھی تیز رفتار گھوڑے پر سوار پہنچا اور ابوبکر کو گھوڑا اور پیغام دے کر روانہ کر دیا۔اُدھر وہ جاسوس جو سقیفہ کی کارروائی کی اطلاع دینے پر مامور تھا وہ بھی سواری پر آیا تھا۔اور ابوبکر وعمر وابوعبیدہ بھی برق رفتار سواریوں پر سقیفہ پہنچے تھے۔اور یہ سب کچھ اس صورت میں ممکن ہے جبکہ بروقت انصار کو یہ خبر دی جائے کہ علیؑ خلافت سنبھالنے میں اس لئے لیت ولعل کر رہے ہیں کہ قریش کے سرداروں کا قاتل ہونے کی بنا پر قریش بعد میں بغاوت کریں گے یا نہیں؟ اور اس طرح یہ یقین تھا کہ انصار، علیؑ کے بعد اپنی خلافت قائم کرنے کے لئے ضرور تین میل دُور سقیفہ میں جمع ہوں گے۔لہٰذا وہاں ایک جاسوس کی تعیناتی رہنا چاہئے تاکہ وہاں جانے کا عذر پیدا ہو جائے۔اور وہاں جا کر قبیلہ اوس وخزرج کی دیرینہ دشمنی کو ہوا دی جائے اور سعد بن عبادہ کے خلاف بشیر بن سعد کو کھڑا کر دیا جائے۔اور رسولؐ کے اہل خاندان

ہونے کی دلیل سے انصار پر اتمام حجت کر کے خلافت کی گیند اپنے گول میں لے آئی جائے اور دیکھ لو کہ یہی کچھ ہوا بھی تھا۔

(5۔و) قریشی تاریخ سے حضرت علیؑ کے چند مختصر تاثرات و بیانات اور قریشی خلافت کی حقیقت

قرآن اور قریشی تاریخ سے قریش کی سازش دیکھ لینے کے ساتھ ہی ساتھ قریشی تاریخ سے جناب علی مرتضیٰؑ کے اور مؤرخین کے تاثرات اور بیانات کے چند نمونے دیکھ کر اس تیسرے خطبے کی تصدیق کریں۔ چنانچہ جناب احسان اللہ عباسی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ:

(1) ''یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پیغمبرؐ کے بعد علیؑ مرتضیٰ کو اپنا جانشین نہ ہونا ناگوار نہ ہوا ہوگا کہ میں نے تمام عمر لڑائیاں فتح کیں، ساری عمر اپنا سر ہاتھ میں لئے پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ پھرا پیغمبرؐ کی وراثت بھی اگر بدر سے پہلے کے مہاجرین میں داخل نہ ہونے کے سبب حضرت عباس نا قابل سمجھے جائیں تو مجھ ہی کو پہنچتی ہے۔ علم، شجاعت، نیک نامی اور حکمت میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خلافت جیسا اہم مسئلہ چپکے سے طے کر لیا گیا اور مجھے خبر تک نہیں ہوئی؟ ایسا خیال ضرور ہوا اور ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے حضرت علیؑ سے کہا کہ جب خلافت کی بحث چھڑی تو آپؑ موجود نہ تھے کیا کیا جاتا؟ اس کا جواب حضرتؑ نے کتنا معقول دیا؟ جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپؑ نے فرمایا ''کیا آپ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ کا جنازہ چھوڑ کر میں گھر سے خلیفہ بننے کو چلا آتا؟ کتنی پرتاثیر تقریر تھی۔''

(2) حضرت علیؑ دربارِ خلافت میں مخالفین کے دلائل سنتے اور انہیں لاجواب کرتے ہیں: ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ:

''پس اُن سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں خلافت کا تم سے زیادہ مستحق ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہ کروں گا۔ تم پر بدرجہ اَولیٰ میری بیعت واجب ہے۔ تم نے یہ خلافت انصار سے اس دلیل سے حاصل کی ہے کہ تم انصار سے زیادہ خلافت کے حقدار اس لئے ہو کہ محمدؐ تم میں سے تھے۔ پس انہوں نے خلافت تم کو دے دی۔ اور تمہاری حکومت مان لی۔ پس جو حجت تم نے انصار پر پیش کی ہے وہی میں تم پر قائم کرتا ہوں کہ رسولؐ ہم میں سے تھے اور ہم زندگی اور موت دونوں میں تم سے اولیٰ ہیں۔ اگر تم مومن ہو تو ہم سے انصاف کرو؟ ورنہ تم نے جان بوجھ کر ظلم کی پہل کی ہے۔ اس پر عمر نے علیؑ سے کہا کہ جب تک بیعت نہ کرو گے چھوڑے نہیں جاؤ گے۔ علیؑ نے کہا کہ: ''دُودھ نکال لے جو دُودھ نکالنے کا حق ہے اُس کے تھن تیرے قبضے میں ہیں۔ آج تُو اُس کے لئے استحکام اور مضبوطی پیدا کر لے کل وہ اُسے تیرے حوالے کر دے گا۔ اَے عمر میں تیری بات ہرگز نہ مانوں گا اور ہرگز ابوبکر کی بیعت نہ کروں گا۔ اس پر ابوبکر نے کہا کہ اے علیؑ اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ اور ابوعبیدہ جراح نے کہا کہ اے علیؑ آپ نو عمر ہیں اور یہ لوگ تمہاری قوم میں بوڑھے ہیں۔ آپ کو ایسا تجربہ نہیں ہے جیسا اِن کو ہے۔ اور میں خلافت کے بارے میں ابوبکر کو بردباری اور واقفیتِ تدبیر میں زیادہ قوی پاتا ہوں پس یہ خلافت ابوبکر کے لئے مان لیجئے۔ کچھ اور دن گزرنے کے بعد جب آپ کی عمر زیادہ ہو جائے گی تو آپ خلافت کے لائق ہو جائیں گے۔ اپنے فضل اور دین اور علم اور فہم اور تقدم اسلام اور نسب اور دامادی کے سبب سے آپ اس کے مستحق ہیں۔ علیؑ بولے اے گروہ مہاجرین محمدؐ کی سلطنت کو اُن کے گھر سے نہ نکالو اور

اُن کے گھر کی زمین کو اپنی نہ بناؤ۔ اور اُن کے اہلبیتؑ کو اُن کے مقام سے ہٹا کر دوسروں کو قائم نہ کرو اور اُن کی حق تلفی نہ کرو۔ واللہ اَے مہاجرین ہم اس خلافت کے سب لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ ہم اہل بیتؑ ہیں اور اس خلافت کے تم سے بھی زیادہ حقدار ہیں۔ پس ہَوا و ہَوس کی پیروی نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو راہِ خدا سے گمراہ ہو جاؤ گے (فرقان 29 تا 25/27) اور حق سے زیادہ دُور ہو جاؤ گے، یہ سُن کر بشیر ابن سعد نے کہا:

(3) علیؑ چاہتے تو ثلاثہ اینڈ کمپنی کو حکمیہ ناکام کردیتے

''اے علیؑ اگر انصار تم سے یہ کلام ابوبکر کی بیعت سے پہلے سُن لیتے تو وہ تم پر اختلاف نہ کرتے۔''

آگے چل کر ابن قتیبہ انصار کا یہ جواب حضرت فاطمہؑ کو دلواتے ہیں کہ:

(4) سازش ثابت ہوگئی انصار کو قریش نے دھوکہ دیا

''اے بنتؑ رسولؐ اب تو ہم ابوبکر سے بیعت کر چکے ہیں۔ اگر آپؑ کے شوہر اور ابن عم ہمارے پاس ابوبکر سے پہلے چلے آتے تو ہم کسی کو بھی اُن کے برابر نہ کرتے۔ اس پر علیؑ نے کہا کہ: ''تو کیا میں رسولؐ اللہ کو گھر میں یوں ہی چھوڑ دیتا اور اُن کو دفن نہ کرتا اور اُن کی سلطنت حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے بیعت کے لئے نکل پڑتا؟''

(5) علیؑ و فاطمہؑ کے مزید تاثرات اور جوابات

ابن قتیبہ آگے چل کر مسلسل لکھتے ہیں کہ: ''حضرت فاطمہؑ اپنے مکان کے دروازے پر آئیں اور عمر سے کہا:

''میں نہیں جانتی کہ کسی قوم نے تم سے بدتر کام کیا ہو۔ تم نے رسولؐ اللہ کا جنازہ تو ہمارے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اور خلافت کا آپس میں فیصلہ کر لیا۔ نہ ہم سے مشورہ لیا نہ ہمارا حق ہی ہمیں دیا۔''

یہ سُن کر عمر ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ تُو اُس مخالفت کرنے والے سے بیعت نہ لے گا؟ ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ کو کہا کہ جا کر علیؑ کو بُلا لا۔ قنفذ نے جا کر علیؑ سے کہا کہ خلیفۂ رسولؐ آپ کو بلاتے ہیں۔ علیؑ نے کہا کیسا جلدی تم نے رسولؐ اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا ہے۔ قنفذ نے علیؑ کا قول ابوبکر کو سُنایا تو وہ بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر عمر نے تقاضا کیا کہ اُس کو مہلت نہ دو۔ ابوبکر نے پھر قنفذ کو بھیجا کہ اس دفعہ یہ کہو کہ امیر المؤمنین آپ کو بلاتے ہیں۔ جب قنفذ نے علیؑ کو یہ پیغام دیا تو علیؑ نے آواز کو بہت بلند کر کے کہا کہ سبحان اللہ بتحقیق اُس نے اُس نام کا دعویٰ کیا ہے جو وہ نہیں ہے۔''

(6) ابوبکر و عمر کا معذرت کے لئے فاطمہؑ کے پاس آنا اور فاطمہؑ کا آخری جواب ابن قتیبہ مسلسل لکھتے ہیں کہ:

''ابوبکر و عمر دونوں ساتھ ساتھ فاطمہؑ کے گھر گئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی تو فاطمہؑ نے اجازت نہ دی۔ لہٰذا پھر دونوں علیؑ کے پاس گئے اور علی سے باتیں کیں اور علیؑ انہیں اندر لے گئے۔ جب وہ دونوں فاطمہؑ کے پاس جا کر کھڑے ہوئے تو فاطمہ نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔ اُن دونوں نے سلام کیا۔ فاطمہؑ نے انہیں سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ ابوبکر نے کہا کہ اے رسولؐ کی پیاری بیٹی ہم نے تم کو تمہاری اور

تمہارے شوہر کی میراث میں غضبناک کیا ہے جو تم کو رسولؐ اللہ سے پہنچی تھی۔تم مجھے میری بیٹی عائشہ سے زیادہ محبوب ہو۔اور میں تو یہ چاہتا تھا کہ جس دن تمہارے پدر بزرگوار نے انتقال کیا میں مرجاتا اور اُن کے بعد زندہ نہ رہتا۔''

اسی ملاقات کے دوران ابن قتیبہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ:

(7) صحیح بخاری اور ابوبکر کی مسلمہ حدیث کی رُو سے ابوبکر و عمر جہنمی ثابت ہوگئے

''میں تم سے خدا کی قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے رسولؐ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ:

''فاطمہؑ کی رضامندی میری رضامندی ہے اور اُس کی ناراضی میری ناراضی ہے۔جس نے میری بیٹی فاطمہؑ سے محبت کی بتحقیق اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے فاطمہؑ کو رضامند کیا اُس نے درحقیقت مجھے رضامند کیا۔اور جس نے فاطمہؑ کو ناراض کیا اُس نے درحقیقت مجھے ناراض کیا۔'' دونوں نے کہا آپ درست فرماتی ہیں۔فاطمہؑ بولیں:''میں خدا کو گواہ کرتی ہوں اور اُس کے فرشتوں کو گواہ کرکے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا اور غضبناک کیا اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا۔ میں رسولؐ اللہ سے ملوں گی تو تمہاری شکایت کروں گی۔'' اور فاطمہؑ کہتی تھیں کہ:''واللہ ہر نماز میں تم دونوں کے لئے بددعا کروں گی۔'' پس ابوبکر روتے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔اور لوگوں سے کہا کہ مجھے تمہاری بیعت کی ضرورت نہیں تم میری بیعت توڑ دو۔''

(ابن ابی الحدید اور کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری)

(8) یہاں تک حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ کا اپنی میراث کے لُٹنے پر صبر و استقلال، اور قریش کی دیرینہ سازش

بار بار ثابت ہے اور جس طرح قریش نے آپ کی موروثی حکومت کو غصب کرنے میں کوئی فریب اور کوشش نظرانداز نہیں کی اُسی طرح جناب نے اپنی حکومت کو بچانے کے لئے کسی عجلت اور بے صبری کو پاس نہیں آنے دیا۔یقیناً یہ اطمینان ثابت کرتا ہے کہ حضورؐ کو پہلے سے تمام تفصیلات اور الٰہی پروگرام کا علم تھا۔ورنہ آپؑ بھی دفاعی جدوجہد کرتے ہوئے پائے جاتے۔

(9) حضرت علیؑ نہ صرف مستقبل کے عالم تھے بلکہ رسولؐ اللہ نے بھی تاکید فرمادی تھی

ابلیس کے مستقبل کی طرح قریش کا مستقبل بھی معلوم تھا اور ابلیس ہی کی طرح قریش کو ڈھیل اور مہلت بھی دی گئی تھی (طارق 17 تا 86/13 اور یونس 10/102) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ:

یَا علیؑ اَنتَ بِمَنزِلَۃ الکعبۃ توتی و لا تاتی فَاِنْ اَتَا کَ ھٰوُ لَاءِ الْقَوْمِ فَسَلِّمُوْھَا اِلَیْکَ الْخِلَافَۃَ فَاقبل مِنْھُمْ وَ اِنْ لَّمْ یَاْتُوْکَ فَلَا تَاتِھِم حَتّٰی یَاتُوْکَ۔ (اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 29)

(10) علی صلوٰۃ اللہ علیہ کعبہ کی منزلت رکھتے ہیں قریشی قوم کعبہ کو ترک کرنے والی قوم تھی

''یا علیؑ تم تو کعبہ کی منزلت رکھتے ہو اور کعبہ کسی کے پاس نہیں جاتا۔لوگ کعبہ کے پاس آتے ہیں۔ چنانچہ اگر یہ قوم قریش تمہیں تمہارے پاس آکر خلافت تمہارے حوالے کریں تو قبول کرلینا اور اگر نہ آئیں تو تم کبھی اُن کے پاس نہ جانا

جب تک کہ وہ خود تمہارے پاس نہ آئیں۔''

سینکڑوں احادیث میں سے یہ اکیلی حدیث سب کچھ سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

(11) قریش کے چوتھے خلیفہ معاویہ کا فیصلہ کُن بیان قریشی خلافت از اوّل تا آخر ابلیسی خلافت

یہاں ہم اپنے قارئین کو معاویہ کا وہ خط دکھاتے ہیں جو اُس نے پہلے خلیفہ کے فرزند محمد بن ابی بکر کے جواب میں لکھا تھا اور قریشی تواریخ میں لپٹا چلا آیا ہے۔ محمد بن ابی بکر نے معاویہ کو سخت سرزنش کی تھی۔ قارئین اس خط کو پڑھیں اور یہ سوچیں کہ معاویہ قطعی طور پر مطمئن ہے کہ جو کچھ وہ لکھ رہا ہے وہ محمد بن ابی بکر کے ساتھ ہی مر جائے گا۔ اگر اُسے یہ شبہ بھی ہوتا کہ اُس کے خوفناک انتظام کے باوجود وہ خط آگے بڑھے گا اور قیامت تک آنے والی دنیا اُسے پڑھے گی تو وہ ہرگز ایسا خط نہ لکھتا۔ وہ مطمئن تھا کہ خانوادۂ رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے نام لیوا اور ہم مذہب لوگ فنا کر دیئے جائیں گے اور آگے وہ تاریخ بڑھے گی جسے خود اس نے لکھوانا شروع کیا تھا۔ اُسے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ حضرت علیؑ کے صبر سے وجود میں آنے والا انظام ایک دن قریشی نظام کو تباہ کر کے خود آگے بڑھے گا (خطبہ 3، جملہ 7 تا 16) اور حق و باطل الگ ہو کر سامنے آجائیں گے۔ بہرحال ہم اس خط کے وہ جملے لکھیں گے جنکا ہمارے عنوان سے تعلق ہے، سنئے:

''اس کے ساتھ تُو نے ایسی بھی بہت سی باتیں لکھ دی ہیں جن سے تیری کمزوری اور تیرے باپ (ابوبکر) کی ملامت ثابت ہوتی ہے۔ تو نے اس خط میں ابن ابی طالبؑ کی فضیلت، اُن کے قدیم خصوصیات، حضرتِ رسول خدا صلعم سے اُن کی قرابت، اور ہر خوف وخطر میں رسولؐ سے ہمدردی کرنے کا حال لکھا ہے۔ مگر میرے مقابلے میں تُو نے خود کو نہیں رکھا ہے۔ بلکہ تُو نے مجھ میں جو عیب نکالے ہیں وہ علیؑ کی فضیلت کی آڑ لے کر نکالے ہیں۔ وہ تیری اپنی فضیلتیں نہیں بلکہ علیؑ کی فضیلتیں ہیں جن سے تیرا کوئی مرتبہ نہیں بڑھتا۔ اور میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ جس نے تجھے اُن فضائل سے محروم کر کے تیرے غیر کو عطا کی ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم لوگ، جن میں تیرا باپ بھی شامل تھا؛ علیؑ ابن ابی طالبؑ کے فضائل کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اور ہم سب کو یہ بھی معلوم تھا کہ اُن کا حق (خلافت) ہم پر لازم ہے اور ہمارے لئے ضروری تھا۔ مگر جب خدا نے اپنے رسولؐ کے لئے اس شرف کو پسند کر لیا جو اُس کے ہاں اُن کے لئے مقرر تھا اور حضرتؐ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا اور حضرتؐ کی دعوت کو ظاہر اور حجت کو روشن کر کے آپؐ کو اپنے ہاں بُلا لیا تو <u>تیرے باپ اور اُن کے فاروق ہی اوّل وہ لوگ تھے جنھوں نے علیؑ کا حق چھین لیا اور اُن کی خلافت کے متعلق اُن کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے، اسی بات کو دونوں نے اپنے اتفاق سے طے کیا اور اسی کو کر دکھایا۔</u> پھر اُن دونوں نے علیؑ کو بلایا کہ اُن دونوں کی بیعت کریں مگر علیؑ نے دونوں سے کنارہ کشی کی اور اُنکی بیعت میں توقف و تامل کیا۔ اس پر دونوں نے اُن کو مختلف قسم کے الجھاؤ میں پھنسایا اور غموں میں مبتلا رکھنے کی اسکیمیں بنائیں اور بڑی بڑی آفتوں میں ڈالنے کی کوشش کی اور دونوں نے اپنی اپنی خلافتوں میں اپنے انتظامی معاملات میں اُن کو شریک نہیں کیا اور نہ انہیں اپنے خفیہ منصوبوں کی خبر ہونے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دونوں دنیا سے چل بسے (فرقان 27 تا 25/29 اور خطبہ 3، جملہ 16-17، جملہ 20 تا 35) اُن کے بعد تیسرا خلیفہ عثمان

ہوا انہوں نے بھی اُن ہی دونوں کی روش اختیار کی اور اُن ہی کی سیرت اور طریقے پر عمل کرنے لگے...... اے ابوبکر کے بیٹے تو اپنے بچنے کی فکر کر...... جس معاملے پر ہم بحث کر رہے ہیں اگر وہ درست ہے تو تیرے باپ ہی نے اکیلے اکیلے اس کا انتظام کیا تھا۔ ہم لوگ تو صرف اُنکے کام میں شریک ہو گئے تھے۔ کیونکہ اگر تیرا باپ پہلے ہی سے یہ برتاؤ نہ کر چکتا تو ہم بھی علیؑ ابن ابی طالبؑ کی مخالفت نہ کرتے اور خلافت کو اُنکے حوالے کر دیتے۔ مگر ہم نے دیکھا کہ تیرے باپ ہی نے ہم سے پہلے ایسا کیا تو ہم نے بھی اُن ہی کے طریقے پر عمل کیا۔ اب تجھے جو عیب لگانا ہو وہ اپنے باپ میں لگا یا اس سے باز آجا۔ سلام اس پر جو حق کی طرف رجوع کرے۔'' (تاریخ مروج الذھب برحاشیہ تاریخ کامل جلد 6 صفحہ 79 مطبوعہ مصر)

6۔ قریشی تاریخ سے ابوبکر و عمر صرف حکومت حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں میں شریک ہوئے تھے

قرآن کریم سے ابوبکر و عمر کا دنیا پرست ہونا اور دنیاوی اقتدار کے لئے ایمان لانا پہلے دکھایا جا چکا ہے (5۔ج) یہاں ہم اختصار کے خیال سے چند تاریخی حوالوں سے ثابت کریں گے کہ یہ دونوں اشخاص قدیم زمانے سے چلے آنے والی پیشین گوئیوں کو سُن کر نبوتِ محمدیہؐ کے اعلان کا خاموشی سے انتظار کر رہے تھے اور اعلان کے بعد مناسب موقع پر مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے۔ اور وہ پیشینگوئیاں ہی اُن دونوں میں یاری اور دوستی اور تعاون کا سبب تھیں سنئے:

(i) ابوبکر کو قبل بعثت ہی محمدؐ کی حکومت مل جانے کا علم ہو گیا تھا

''ابھی آنحضرتؐ مبعوث بھی نہیں ہوئے تھے کہ کاہنوں نے حضرت ابوبکر کو بتا دیا تھا کہ عنقریب تمہارے شہر میں ایک عظیم المرتبت نبیؐ مبعوث ہونے والا ہے اور تم اے ابوبکر اُس کے جانشین ہو جاؤ گے۔''

ملاحظہ ہو تاریخ خمیس جلد ایک صفحہ 332؛ ریاض النضرہ جلد ایک قسم ثانی باب اوّل فصل چوتھی صفحہ 52؛ سیرۃ حلبیہ جلد ایک صفحہ 274 ازالۃ الخفا مقصد اوّل صفحہ 34) (مترجمہ صفحہ 124؛ 134-133؛ 221-220)

(ii) ریاض النضرہ میں یہ بھی ہے کہ: ''جب آنحضرتؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو حضرت ابوبکر محض تعبیر خواب کی بنا پر، جو کاہن نے اُن سے بیان کی تھی، آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔'' (صفحہ 52)

(iii) عمر نے زمانہ کافری ہی میں ایک گرجا کو واگذار کرنے کی تحریر لکھ دی تھی جو برقرار رہی: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ:

''عمر ایک قافلے سے بچھڑ گئے تو ملک شام میں ایک راہب کے گرجا میں آئے بھوکے تھے اُس نے کھانا کھلایا اور شناخت کر لیا کہ یہی شخص ہوگا جو عیسائیوں کو اُن کی عبادتگاہوں سے بے دخل کرے گا۔ اس نے پیشین گوئی کی اور اُسی دن اپنے گرجا کو واگزار کرنے کی تحریر لکھوالی۔ اور بتا دیا کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے۔ جب عمر خلیفہ ہوئے تو وہی ہبہ نامہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپ نے اس گرجا کو چھوڑ دیا۔'' (ازالۃ الخفا مقصد اوّل صفحہ 32) (مترجمہ صفحہ 124، 134-133، 221-220)

(iv) نوجوانی میں عمر کے بادشاہ بن جانے کی پیشینگوئی ہو چکی تھی

''اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت عمر، ولید بن مغیرہ کے خادم کی حیثیت سے قافلہ کے ساتھ شام گئے۔ وہاں ایک راہب نے اُن کا سر، پیٹ اور رانیں کھلوا کر دیکھیں اور حضرت مریمؑ کی قسم کھا کر بتایا تھا کہ اَے عمر تم عرب کے بادشاہ بن جاؤ گے۔''

(ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جز ثالث صفحہ 144 اور ازالۃ الخفا مقصد 1 صفحہ 32)(مترجمہ صفحہ 126۔125)

(6۔الف) ابوبکر و عمر کا آیات واحکام خداوندی کی پرواہ کئے بغیر اپنے پروگرام پر ڈٹے رہنا اُسی یقین پر جاری رہا

الفاروق سے یہ دکھایا جا چکا ہے کہ حضرت عمر روزمرہ یہودی علما کے درس میں شامل ہوتے تھے، قوانین کا ایک کتابچہ تیار کرنے میں مصروف رہتے تھے، رسولؐ اللہ کو بھی توریت سُنا دیا کرتے تھے (حصہ دوم صفحہ 132، صفحہ 103-102) اور وہی تھے جنہوں نے بڑے یقین کے ساتھ اسلامی وقرآنی احکام اور مسائل کو اپنے عہد حکومت میں نافذ کرنے کے لئے ہزار ہا مجتہدانہ فتاویٰ ایجاد کئے تھے اور شریعت کو ایک نئی صورت میں تبدیل کر دیا تھا جس پر آج تک اُن کے پیرو چلتے آرہے ہیں حضرت عمر ہی وہ فرد فرید ہیں جن کو اللہ نے اپنی آیات دی تھیں مگر اُنہوں نے آیات میں موشگافیاں کر کے دنیا میں تسلط اور اقتدار کے قوانین بنا کر آخرت کی جگہ دنیاوی حکومت کو اختیار کر لیا تھا۔(اعراف 175 تا 7/177)

(6۔ب) ابوبکر و عمر کے سقیفہ میں جانے کی وجہ پر علامہ السید علی حیدر صاحب کا شبلی کو جواب

ہم یہاں اپنے قارئین کو جناب علامہ سید علی حیدر صاحب قبلہ کا وہ جواب بجنسہٖ دکھاتے ہیں جو اُنہوں نے ابوبکر کی سوانح عمری میں علامہ شبلی کے رد میں بطور اپیل لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بعد موصوف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ انصار نے خلافت کی بحث چھیڑ دی تھی اس وجہ سے یہ لوگ مجبوراً وہاں چلے گئے۔ بہت طویل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''اس حالت میں ضرور تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص انتخاب کر لیا جائے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 34)

علامہ کا جواب شروع ہوتا ہے: بے شک ضرورت تھی کہ اُس وقت دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے مگر کس طرح؟

(1) کیا اِس کی صورت صرف یہی تھی کہ رسولؐ کا جنازہ چھوڑ دیا جائے؟ اور اُن کے غسل وکفن سے منہ موڑ لیا جائے؟ اُن کو دفن تک نہ کیا جائے؟

(2) حضرت ابوبکر و عمر اگر گئے تھے تو اُن لوگوں نے سقیفہ میں پہنچ کر یہ کیوں نہ کہا کہ: ''بھائیو! یہاں کیوں جمع ہوئے ہو؟ کیا تمہارے رسولؐ نے انتقال نہیں کیا؟ کیا اُن کی تغسیل وتکفین کی خدمت ضروری نہیں ہے؟ کیا تم لوگوں کا اس آخری خدمت سے محروم رہنا کسی طرح مناسب ہے؟ کیا ابھی خلافت کا نام بھی ہم لوگوں کو منہ سے نکالنا چاہیئے؟ ابھی تو رسولؐ کی آنکھ بند ہوئی ہے اُن کا جنازہ اسی طرح پڑا ہے۔ اس وقت ہم کُل مسلمانوں کا سب سے ضروری اور مقدم فرض یہ ہے کہ ہم سب وہیں چلے چلیں۔ مل کر

حضرتؑ کوغسل دیں، کفن پہنائیں، حضورؐ پرنماز پڑھیں۔آپؐ کا جنازہ اُٹھائیں، آپؐ کو دفن کریں، پھر حضرتؐ کی ازواج اور اہلبیتؑ کی تعزیت کا فرض ادا کریں، اُن کو کھانا کھلائیں، اُن کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر اُن کا غم ہلکا کریں۔

(3) اور جب ہر شخص کا نفس مطمئن ہوجائے اور دل و دماغ میں صلاحیت پیدا ہوجائے تو سب ایک جگہ بیٹھ کر کافی غور وفکر سے کسی کو خلیفہ بنالیں۔

(4) اگر یہ منظور نہیں تو کم از کم اتنا انتظار کرلو کہ رسولؐ کا جسد مبارک اُٹھ جائے پھر جو چاہنا کرنا۔

(5) غرض جب خلافت کی بحث انصار ہی نے چھیڑی تھی اور حضرت ابوبکر وعمر خود اُس کے بانی نہیں ہوئے تو پہلے انصار کو اُس سے روکنے کی ضرورت تھی؟ یا اُن سے اپنی خلافت کے لئے لڑنا ضروری تھا؟

(6) اگر یہ کہا جائے کہ انصار اُن کا کہنا نہ مانتے تو یہ اُن لوگوں پر سخت حملہ ہے۔جن لوگوں نے رسولؐ کو اپنا مہمان کیا؛ اور اُنؐ کے لئے ہر قربانی گوارا کی۔اُن کی شان سے بعید تھا کہ وہ رسولؐ کے جنازے کی طرف بلائے جاتے اور نہ مانتے۔اس موقع پر اُن کی ضد کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ پہلے اُن سے کہا جاتا اور اُن کا جواب حاصل کرلیا جاتا۔اس کے بعد ہی کوئی اور کارروائی کی جاتی۔ حضرت ابوبکر وعمر کم از کم ایک مرتبہ اُن سے رسولؐ کے جنازے کا ذکر کرکے دیکھ تو لیتے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ چلنے پر آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ جب اُن سے اس کی فرمائش ہی نہیں کی گئی تو کس اصول سے اُن پر الزام ہوسکتا ہے؟

(7) مختصر یہ کہ اگر ابوبکر وعمر کو خود رسولؐ کے جنازے کی فکر ہوتی تو جس طرح خلافت کے لئے اِن لوگوں نے اُس جگہ جنگ شروع کردی اور قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں اُسی طرح پہلے انصار کو جنازۂ رسولؐ میں شریک کرنے کے لئے جنگ کرتے اور تلواریں کھینچ کر کہتے کہ ہم ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے۔

(8) یہ ممکن نہیں کہ رسولؐ کا جنازہ اس وقت پڑا رہے اور ہم لوگ خلافت کا فیصلہ کرنے لگیں۔

(9) یا جس طرح وفاتِ رسولؐ پر عمر بدحواس ہوگئے تھے۔اور اُسی حالت میں تلوار کھینچ کر کہنا شروع کیا تھا کہ جو یہ کہے گا کہ محمدؐ مر گئے اس کو ابھی قتل کردوں گا اور ممدوح ایسا کرنے میں نہ مہاجرین سے ڈرے نہ انصار سے۔بالکل اسی طرح حضرت ابوبکر وعمر سقیفہ میں تلوار کھینچ لیتے اور انصار کی کوئی پرواہ نہ کرکے کہتے کہ جو شخص ابھی جنازۂ رسولؐ کی خدمتوں کے لئے نہ چلے گا اُس کی گردن فوراً تلوار سے اڑا دیں گے۔

(10) مگر کسی ذریعے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سقیفہ میں پہنچ کر اُن لوگوں نے جنازۂ رسولؐ کے متعلق ایک لفظ بھی کہا ہو؟ یا اس بات پر افسوس ہی کیا ہو؟'' (سوانح عمری ابوبکر حصہ 2 صفحہ 147-146)

ہم کہتے ہیں کہ یہ لوگ جنازہ کا ذکر وفکر کیوں کرتے جب کہ یہ لوگ ہر روز رسولؐ کی موت کا انتظام وانتظار کرکے گزارتے چلے آرہے تھے اور آج تک رسولؐ کا غم منانا شرک سمجھتے ہیں۔

(6۔ج) ابوبکر اپنی خلافت کو برحق سمجھتے تھے یا نہیں؟؟؟

وہ تمام انبار جو ابوبکر کی خلافت کو باطل قرار دینے کیلئے ہمارے سامنے لگا ہوا ہے اُسکی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے اور اُسکو علمائے حقہ نے بڑی تفصیل سے اپنی کتابوں (مثلاً سوانح عمری ابوبکر و عمر) میں محفوظ کر دیا ہے، لہٰذا ہم جو کچھ بھی لکھ رہے ہیں وہ بطورِ نمونہ ہوتا ہے مکمل نہیں ہوتا۔ اب یہاں ہم چاہتے ہیں کہ ابوبکر کی اپنی ذاتی رائے آپکے سامنے رکھ کر آگے بڑھتے جائیں۔ چنانچہ تاریخ طبری ملاحظہ ہو:

(1) ابوبکر مرتے دم تک یہ نہ جانتے تھے کہ خلافت کس کا حق ہے؟ ابوبکر کی نو (9) عدد پشیمانیاں

''ابوبکر نے کہا کہ ہاں میرے دل میں اب دنیا کی کوئی حسرت نہیں ہے۔ مگر تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے کی ہیں مگر کاش (یَا لَیْتَنِی فرقان 29 تا 25/27) نہ کرتا۔ اور تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے چھوڑ دیں مگر کاش (یَا لَیْتَنِی) اُن کو کرتا۔ اور تین چیزیں ایسی ہیں کہ کاش (یَا لَیْتَنِی) میں رسولؐ اللہ سے اُن کے متعلق دریافت کر لیتا۔'' (تاریخ طبری کا ترجمہ جلد 2 صفحہ 275)

قارئین کو یاد دلائیں کہ آپ ابوبکر و عمر کے متعلق تاریخی بیانات پڑھتے وقت قرآن کے اُس بیان کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا کریں جو قریش کے دو یاروں کے متعلق سورۂ فرقان (29 تا 25/27) میں موجود ہے۔ جہاں ایک یار اپنے یار کی غداری ''اے کاش'' اور ''ہائے میری کم بختی اَے کاش'' (یٰلَیْتَنِی؛ یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ) کہہ کہہ کر بیان دے رہا ہے تاکہ قرآن اور تاریخی بیان میں مطابقت اور اُن یاروں کی رفاقت اور کارکردگی کا تعین ہوتا چلا جائے اور حقائق پر ڈالے ہوئے قریشی خلافتوں کے پردے اُٹھتے چلے جائیں اور وہ چہرے پہچان لئے جائیں جو فُلاں فلاں اور فلاں کے پیچھے چھپ کر اسلام اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کو دُنیا سے مٹانے میں کوشاں رہے تھے۔ ساتھ ہی خطباتِ مرتضویؑ کے جملوں کی مار اصلی مجرموں تک پہنچتی ہوئی نظر آسکے۔

(2) علیؑ و فاطمہؑ کی بے حرمتی، زندہ جلانے کا جرم اور سقیفہ میں خلافت کی سازش کرنا

''<u>1</u> کاش میں فاطمہؑ کا گھر نہ کھولتا اگرچہ وہ لوگ جنگ کے لئے اُس کا دروازہ بند کرتے <u>2</u> اور کاش میں فجاۃ سلمٰی کو آگ میں نہ جلاتا بلکہ یا تو اُسے باندھ کر قتل کر دیتا یا آزاد چھوڑ دیتا <u>3</u> اور کاش سقیفہ کے روز میں اس امامت کو دو میں سے کسی ایک کے گلے میں ڈال دیتا' دونوں میں سے ایک امیر ہوتا اور میں وزیر ہو جاتا۔'' (تاریخ طبری ایضاً صفحہ 276۔275)

دو باتیں تو عنوان سے متعلق واضح اور ثابت ہیں۔ تیسری بات قوانین خداوندی میں ایسی واضح مداخلت ہے کہ جس شخص کا آزاد کرنا بھی جائز ہو اُسی کو قتل کرنا بھی جائز اور آگ سے زندہ جلانا بھی جائز کر لیا گیا تھا۔

(3) واجب القتل باغی و مرتد کو بہنوئی بنا کر آزاد کرنا، حقِ خلافت معلوم نہ تھا، انصار کے ساتھ رویہ دریافت طلب تھا

آگے چل کر ابوبکر نے جو کچھ کہا اُسے مختصر مگر طبری ہی کے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ:

کاش جب اشعث بن قیس کو میرے سامنے اسیر کر کے لایا گیا تھا میں اس کی گردن مار دیتا کیونکہ بعد میں میں نے دیکھا کہ جو بُرا کام اس کو نظر آتا ہے وہ اس کا معاون بن جاتا ہے۔ (باقی دو باتیں خالد اور عمر کے متعلق ہیں)

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ اشعث بن قیس کو قتل کیے جانے کا مستحق مانا ہے اور اُسے معاف ہی نہیں کیا تھا بلکہ اپنی بہن ام فروہ بنت ابی قحافہ کو اس کی طلب پر اس کی زوجہ بھی بنا دیا تھا۔(طبری ایضا صفحہ 166)

(3۔الف) 1 اور کاش میں رسولؐ اللہ سے پوچھ لیتا کہ یہ امارت (حکومت وخلافت) کس کو ملنی چاہیئے؟ تاکہ پھر نزاع کا موقع نہ رہتا۔ 2 اور کاش میں آپؐ سے پوچھ لیتا کہ کیا انصار کیلیئے اس حکومت میں کچھ حصہ ہے؟ 3 اور کاش میں آپؐ سے بھتیجی اور پھوپھی کی میراث کے متعلق دریافت کرلیتا کیوں کہ میرے دل میں اس کے متعلق کچھ بے اطمینانی ہے۔''(ایضاً طبری صفحہ 276)

(4) ''میری خواہش تو یہ تھی کہ میں تم لوگوں کے اس معاملے سے بے تعلق رہتا اور اپنے پیش روؐ کے طریقے کو اختیار کرتا اے ابو عبداللہ (یعنی عثمان) میں نے جس کام کے لئے تمھیں بلایا ہے اور عمر کے متعلق جو کچھ تم سے کہا ہے تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔''(ایضاً طبری صفحہ 274۔273)

ابوبکر کا تاریخی قول قرآن کی آیت بن گیا: قارئین پھر یاد کریں کہ سورہ فرقان (25/27) میں ابوبکر کے اسی قول کو عربی میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: وَ یَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡہِ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًاo (25/27)

''اُس دن ایک مجسمۂ ظلم وستم اپنا ہاتھ چبا کر کہے گا کہ:''اے کاش میں نے رسولؐ کا طریقہ اختیار کیا ہوتا۔''

اور یقیناً ابوبکر ''اپنے پیشرو'' سے رسولؐ اللہ کو مراد لے رہے ہیں اور یقیناً رسولؐ اللہ ہی اُن کے پیشرو اور پیشوا تھے۔ اور یقیناً آیت میں یہی فرمایا گیا ہے:''کاش میں اپنے پیشرو رسولؐ کے طریقے کو اختیار کرتا۔'' اور یہ جو کہا کہ:

''میری خواہش یہ تھی کہ میں تم لوگوں کے اس معاملے سے بے تعلق رہتا۔'' یہی بات اگلی آیت میں یوں فرمائی گئی ہے کہ:

یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًاo (25/28) ''ہائے افسوس اے کاش میں نے فلاں شخص کو یار نہ بنایا ہوتا۔''

ہے کوئی جو ہماری ''تعبیر القرآن'' کو اور ابوبکر کے اس عبرت خیز بیان کو جھٹلا سکے؟؟؟

(5) ابوبکر نے بار بار اور طرح طرح خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا: ابوبکر روزانہ یہ تاثر دیتے رہے کہ وہ تو اچانک خلیفہ بنا دیئے گئے ہیں اور ہر وقت تیار ہیں کہ خلافت جو چاہے اُسے دے دیں گے تاکہ اِدھر لوگ ''جو ہوگیا سو ہوگیا'' کے اصول پر اُنہیں برقرار رکھنے پر ہموار ہوتے جائیں اور اُدھر ثلاثہ اینڈ کمپنی اور قریشی سازش پر اچانک حادثہ (فِلۡتَۃً) کا پردہ لٹکا دیا جائے۔ بہرحال ہمیں اُن کے الفاظ کو اُن کی رائے سمجھنے سے کوئی دلیل روک نہیں سکتی چنانچہ دستبراری کے الفاظ ملاحظہ کریں:

1 قَامَ ابوبکر علٰی منبر رَسُوۡلُ اللّٰہ فقال ھَلۡ مَنۡ کَارِہٗ فَاَقِیۡلُہٗ ثَلاَ ثًا بقول ذٰلِک۔

''ابوبکر منبر رسولؐ پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ جو کوئی میرے خلیفہ بن جانے کو ناگوار سمجھتا ہو تو میں اِس سے دست بردار ہوتا ہوں۔ یہ بات تین مرتبہ کہی تھی۔''

2 لَمَّا بُوۡیِعَ ابوبکر اَغۡلَقَ بَابَہٗ ثَلاَ ثَۃ اَیَّام یَخۡرُجُ اِلَیۡھم فی کُلّ یوم فیقول ایّھا النّاس قد اَقَلۡتُکُمۡ بیعتکم

فبایعوا مَنْ احببتم۔

''جب ابوبکر کی بیعت پوری ہو چکی تو آپ نے تین روز تک اپنا دروازہ بند رکھا۔ ہر روز نکل کر آتے اور کہتے کہ اے لوگو میں تمہاری بیعت سے دست بردار ہوتا ہوں تم جسے محبوب رکھتے ہو اس کی بیعت کرلو۔''

3 اِنَّ اَبَابَکر حِیْنَ اسْتَخْلَفَ قَعَدَ فِیْ بَیْتِہٖ حَزِیْنًا فَدَخَلَ علیه عمر فَاَقْبَلَ یَلُوْمُهٗ وَ قَالَ اَنْتَ کَلَّفْتَنِیْ ھٰذَ االْاَمْرِ وَ شَکَیْ اِلَیْهِ الْحُکْمَ بَیْنَ النَّاس۔

''جب ابوبکر خلیفہ بن چکے تو حزن وملال کی وجہ سے اپنے گھر میں خانہ نشین ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عمر اُن کے پاس گئے تو ابوبکر نے عمر کو ملامت کرنا شروع کی کہ تم ہی نے مجھے خلیفہ بن جانے کی تکلیف (یا ذمہ داری) میں مبتلا کیا ہے اوراس کے بعد لوگوں میں احکام جاری کرتے رہنے کا شکوہ بھی کیا۔''

یہاں رُک جائیے اور پھر سورۂ فرقان والے دوسرے یار کو پہچان لیجئے جس کے متعلق پہلے یار نے ہاتھ چبا چبا کر اللہ سے کہا تھا کہ اے کاش میں اپنے پیش رو رسولؐ کے طریقے کو اختیار کرتا اور فلاں شخص کو اپنا یار نہ بناتا جس نے مجھے میرے پیش رو رسولؐ کے طریقے سے ایسی حالت میں بھی گمراہ کردیا جب کہ وہ خاص الخاص ذِکرؐ مجھے مطلع کرنے کے لئے میرے پاس آچکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ شیطان تو لوگوں کو بے یارومددگار چھوڑ کر جدا ہو جانے والا ہے ہی۔ (الفرقان 29-25/27)

یہاں ابوبکر نے عمر کو ملامت کر کے اُسے رسوؐل کا راستہ یا طریقہ چھڑانے کا مجرم قرار دیا اور ساتھ ہی ایسا شیطان بتایا ہے جو گمراہ کر کے اللہ کے سامنے مدد کرنے والا بھی نہیں ہے۔ اور ابھی ابوبکر کا قول آنے والا ہے جہاں وہ اپنے اوپر مسلط رہنے والے شیطان کا ذکر کریں گے۔

یہاں تک یہ تمام حوالے کتب مندرجہ ذیل میں بعینہٖ موجود ہیں۔

منتخب کنزالعمال جلد 2 صفحہ 158-157 اور کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد جلد 4 صفحہ 135۔

4 قَامَ ابوبکر حِیْنَ بُوْیِعَ فَخَطَبَ النَّاسَ یَا ایھا الناس اِنِّی قَدْ اَقَلْتُکُمْ رَایَکُمْ اِنِّی لَسْتُ بِخَیْرِکُمْ فَبَایَعُوْا خَیْرُکُم۔ ''بیعت ہو چکنے کے بعد ابوبکر نے لوگوں کو لکچر دیا کہ اے لوگو میں تم لوگوں کی رائے سے دستبردار ہوتا ہوں یقیناً میں تم سے بہتر نہیں ہوں تم اپنے سے بہتر کی بیعت کرلو۔'' (کنز العمال جلد 4 صفحہ 135)

اب آتا ہے وہ قول جس میں اپنے اوپر مسلط رہنے والے شیطان کا ذکر کیا۔

5 اِذَا رَاَیْتُمُوْنِیْ زَغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ وَ اَعْلَمُوْا اَنَّ لِیْ شَیْطَانًا یَعْتَرِیْنِیْ۔

''جب تم لوگ دیکھو کہ میں کجراہی کررہا ہوں تو تم مجھ سے الگ ہو جانا یہ سُن لو کہ مجھ پر ایک شیطان مسلط رہتا ہے۔''

(تاریخ الخلفا؛ صفحہ 44 صواعقِ محرقہ باب اوّل فصل اوّل صفحہ 7؛ ریاض النضرہ صفحہ 176؛ تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 211؛ مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 14؛ صحیح بخاری پارہ 14 باب المناقب؛ کنز العمال جلد 3 صفحہ 128، صفحہ 135)

یہ ہے وہ شیطان جس نے رسولؐ کے طریقے سے ہٹا کر ابو بکر کو حکومت پر چلایا تھا اور آخری بات سنئے:

6 رَقِیَ ابوبکر الْمِنبَر وَ قَالَ اَقِیْلُوْنِیْ فَلَسْتُ بِخَیْرِکُمْ وَ عَلِیٌّ فِیْکُمْ۔ (علامہ روز بھان اور شرح ابن ابی الحدید)

''ابو بکر منبر پر چڑھے اور کہا کہ مجھے خلافت سے سبکدوش کر دو میں تم سے بہتر نہیں اور علیؑ تم میں موجود و بہتر ہیں۔''

یہاں یہ نوٹ کر لینا چاہیئے کہ اس آخری روایت کو قریشی علما قبول نہیں کرتے۔ مگر سابقہ تمام روایات کو انہوں نے قبول کر کے یہ مان لیا کہ ابو بکر تمام صحابہ سے کم رتبہ تھے اور یہ کافی ہے۔

(6۔د) ابو بکر، خلیفہ کی حیثیت سے، جرمِ خلافت پر تمام قریشی لیڈروں کا قتل کیا جانا واجب کرتے ہیں

ابو بکر کا بروز قیامت بیان اور دُنیا میں خلافت غصب کرنے پر اُن کی بار بار پشیمانیاں ایسے دلائل وثبوت ہیں کہ اُن کے بعد مزید کسی گفتگو کی ضرورت محسوس تک نہیں ہوتی۔ لیکن خطباتِ مرتضویؑ کا تقاضا ہے کہ وہ اندھیر گردی قاریوں کی آنکھوں کے سامنے بھی آ جائے جو اُس زمانے میں حضرت علی علیہ السلام دیکھ رہے تھے (خطبہ 3، جملہ 13) اور قریشی مکر و سازش کا تذکرہ اتنا واضح کیا جائے اور اتنا لکھا جائے کہ ثبوت مانگنے والوں کا پیٹ حلق تک بھر جائے (خطبہ 3 ، جملہ 14) اور خلافت وحکومت سے وہ تمام دنیاوی سامان لُوٹ لُوٹ کر اس طرح نچوڑ لیا جائے جس طرح عرب کے بے رحم لوگ اُونٹنی کا دودھ نچوڑتے تھے۔ چنانچہ خلافت سے استفادہ میں ابو بکر و عمر ہی مجرم نہ تھے بلکہ ابو بکر تمام قریشی لیڈروں کو برابر کا اور واجب القتل مجرم قرار دیتے ہیں، سنئے:

(6۔ہ) عبدالرحمٰن بن عوف جو عثمان کو خلافت دلائیں گے اُن کو مخاطب کر کے طلبِ خلافت کا سبب بھی بتاتے ہیں

''عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ وہ ابو بکر کے مرض الموت کے زمانے میں اُنکے پاس گئے تو اُن کو کچھ غمگین سا پایا۔ عبدالرحمٰن نے آپ سے کہا خدا کا شکر ہے کہ آپ نے تندرستی کے ساتھ صبح کی ہے۔ ابو بکر نے کہا کہ کیا تم اس بات کو دیکھ رہے ہو؟ عبدالرحمٰن نے کہا ہاں۔ ابو بکر نے کہا میں نے تمہاری حکومت ایک ایسے شخص کے حوالے کی ہے جو میرے نزدیک تم سے بہتر ہے مگر اس سے ''تم سب کی ناکیں پھول گئیں۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ منصب خود اُس کو مل جائے۔ (اِس لئے کہ) اب تم لوگوں نے دُنیا کو آتے دیکھ لیا ہے۔ دُنیا جب آئے گی تو اُس وقت تم ریشم کے پردے اور دیبا کے گدّے استعمال کرو گے۔ اور اَذری اُون پر لیٹتے ہوئے تمہیں ایسی تکلیف ہوگی جیسے کسی کو کانٹوں پر لیٹنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ دنیاداری میں گرفتار ہونے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ حدِّ شرعی کے بغیر تمہاری گردن اُڑا دی جائے۔ تم ہی لوگوں کو سب سے پہلے گمراہ کرنے اور راہِ راست سے ہٹانے والے ہو۔ اے راہِ مستقیم دکھانے والے بلاشبہ وہ یا تو صبح کی روشنی کے مانند ہے یا ڈبونے والے سمندر کی مانند ہے۔'' عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے امیر المومنین اس قدر جوش میں نہ آیئے اِس سے آپ نڈھال ہوئے جاتے ہیں۔ (طبری صفحہ 275 خلافت راشدہ)

قارئین یہاں وہ مقامات سامنے لائیں جہاں قرآن کریم قریش کو دنیا پرست اور دنیاوی دولت واقتدار کے لئے ایمان لانے والی قوم قرار دیتا ہے (پیرا 5۔ج، 6 کے اجزاء)

(6۔ و) غصبِ خلافت پر مرض الموت میں ابوبکر کا اضطراب، پشیمانیاں اور بدحواسیاں

تمام دیندار و بے دین مانتے ہیں اور مشاہدے اور تجربے سے ثابت ہے کہ تمام مخلوقات میں انسان نہ صرف ساری مخلوق سے اشرف و افضل و حسین ترین مخلوق ہے بلکہ وہ تمام مخلوقات پر قادر و توانا اور حاکم اور انہیں اپنی بقاو ترقی میں استعمال کرنے والا بھی ہے۔ اور یہ اُس پر اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے مگر انسان جب فطری اور دینی راہوں سے ہٹتا ہے اور خود اپنی بنائی راہوں پر چلتا ہے تو وہ انسانی شکل و صورت میں رہتے ہوئے جانوروں سے بدتر ہو کر رہ جاتا ہے (اعراف 7/179، فرقان 25/44) ان دونوں آیات کا جائے وقوع اُس قصے کے بعد ہوا ہے جہاں قریش کا ایک لیڈر اللہ کی عطا کردہ آیات کو دنیا کے ابدی اقتدار کے لئے استعمال کرتا ہے (دیکھو اعراف 7/175 تا 179) اور جہاں وہی شخص اور اُس کی قوم اور اُس کا یار قیامت میں باز پُرس سے دوچار ہیں اور ایک یار اپنے یار کی کارکردگی بیان کر رہا ہے اور اُس کے بیان کے بعد آنحضرتؐ پوری قوم کو قرآن میں ردوبدل اور غلط استعمال کا مجرم قرار دیتے ہیں اور اللہ اُن کے جرم کی تصدیق کر کے رسولؐ کو اطمینان دلاتا ہے اور دوسری اقوام کا سلوک سناتا ہے اور پھر قریش کی حالت بتاتا ہے کہ وہ تمہارا مذاق اڑاتے ہیں اور اپنے سابقہ مذہب اور لیڈروں کی پیروی پر فخر کرتے ہیں۔ اور رسولؐ کے مقابلے میں اپنی ہدایت یافتگی پر اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ اب اُن کے مجتہد اعظم کا عقیدہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے اجتہادی فیصلوں کو اپنے معبود کے فیصلے اور واجب التعمیل سمجھتا ہے (ملاحظہ ہو فرقان 44 تا 25/27) اِس کے بعد ابوبکر کی تمنا اور عذابِ خداوندی سے بچنے اور حساب و باز پُرس سے محفوظ رہنے والی مخلوقات میں شمولیت کے ارادے دیکھئے:

(1) ابوبکر ایک چڑیا بن جانا اپنے کردار سے بہتر و محفوظ سمجھتے تھے

''آپ نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا۔ اے چڑیا تُو بڑی خوش قسمت ہے۔ درختوں کا پھل کھاتی ہے۔ درختوں کے سائے میں رہتی ہے اور جہاں چاہتی ہے بے حساب اُڑی پھرتی ہے۔ کاش (یَا لَیْتَنِی) ابوبکر بھی تیرے ہی جیسا ہوتا۔''

(2) حقیقی مومن تو کہاں؟ مومن کے سینے کا بال ہی بن جاتے

''احمد نے کتابِ زُھد میں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ محبوب تھا کہ میں مومن کے سینے کا ایک بال ہوتا۔''

(3) درخت ہوتے تو بہتر ہوتا

''حسن کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ واللہ مجھے یہ محبوب تھا کہ اگر میں یہ درخت ہوتا کھا لیا جاتا اور کاٹ لیا جاتا۔''

(4) گھاس یا سبزہ ہوتے تو آدمی ہونے سے بہتر رہتے

''قتادہ کہتے ہیں کہ مجھے اس طرح روایت پہنچی ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ کاش میں سبزہ ہوتا کہ مجھے چوپائے چر جاتے۔''

یہ چار تمنائیں چونکہ قریش کے صدیق نے کی ہیں لہٰذا اِن کو جھوٹا یا بے ہودہ کہنا یقیناً جھوٹوں اور بیہودہ لوگوں کا کام ہے۔ یہ تھے وہ قحافہ کے بیٹے جنہوں نے حکومتِ الٰہیّہ علویّہ کو کھینچ تان کر اپنے جسم پر فٹ کر لیا تھا (خطبہ 3، جملہ 1)

7۔ ابوبکر نے حکومتِ الٰہیّہ علویّہ پر اپنے بعد کے لئے عمر کو مسلط کر دیا

اور اپنے بعد کے لئے عمر بن خطاب کو سونپتا گیا (خطبہ 3، جملہ 17) اِس سلسلے میں دو باتیں ابوبکر و عمر کی سُن کر حضرت علیؑ کی ایک بات ذرا جَم کر سمجھ میں آجائے گی۔شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ:

پہلی بات،عمر اونٹوں کے چرواہے تھے

''خطاب نہایت بے رحمی سے اُن کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دَم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینا پڑتی تھی اس میدان کا نام ضجنان تھا جو مکہ معظّمہ کے قریب قدید سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمر کا اُدھر گزر ہوا تو اُن کو نہایت عبرت ہوئی۔آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ''اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں ہے۔''(الفاروق حصہ 1 صفحہ 14)

دوسری بات یہ کہ ابوبکر فالتو اوقات میں بطور Overtime محلّہ میں دودھ دوہنے کا کام کرتے تھے:اب ابوبکر کا حال تاریخ طبری سے سنئے:

''ابوبکر تجارت پیشہ آدمی تھے۔آپ ہر روز صبح بازار جاتے تھے خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے۔اُن کے پاس بکریوں کا ایک ریوڑ بھی تھا۔کبھی آپ خود اُس کو چرانے کے لئے جاتے اور کبھی آپ کا یہ کام اور شخص کر دیتا تھا۔آپ قبیلے والوں کی بکریوں کا دُودھ دوہ دیا کرتے تھے۔چنانچہ جب آپ خلیفہ ہوئے تو قبیلے کی ایک لڑکی نے کہا کہ اب ہمارے گھر کی بکریاں نہیں دوہی جائیں گی؟ اُس کی یہ بات ابوبکر نے سُن لی۔آپ نے کہا ''ہاں بخدا میں تمہاری بکریاں ضرور دُوہوں گا۔اور مجھے امید ہے کہ (خلافت کے) اس منصب سے میری سابقہ عادات میں کوئی تغیر واقع نہ ہوگا۔چنانچہ خلیفہ ہو کر بھی ابوبکر قبیلے کی بکریوں کا دودھ نکالتے رہے۔اکثر ایسا ہوتا کہ آپ قبیلے کی لڑکی سے پوچھتے کہ تم چاہتی ہو تو میں تمہاری بکریاں چرالاؤں یا اگر تم کہو تو اُن کو کھول کر چھوڑ دوں؟ لڑکی کبھی کہتی کہ اُن کو چرالایئے اور کبھی کہتی اُن کو چھوڑ دیجئے۔چنانچہ جیسا وہ کہتی آپ اُس کی مرضی کے مطابق کر دیا کرتے۔سخ کے قیام کے زمانے میں چھ مہینے تک آپ کا یہی طرزِ عمل رہا۔''(طبری خلافت راشدہ صفحہ 277)

پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ محلّہ سُخ میں ابوبکر کے اپنے قبیلے کا کوئی خاندان یا شخص نہ رہتا تھا۔یہاں خزرجی قبیلے کے کچھ مکانات تھے اور بکریوں کے چرانے اور دودھ دوہنے کی بات اُن ہی کی بکریوں سے متعلق ہے۔اب آپ حضرت علی علیہ السلام کی بات سنیں کہ حضور اُن دونوں کو جہاں خلافتِ الٰہیّہ علویّہ پر قبضہ کرنے کا مجرم قرار دیتے ہیں وہیں اُنہیں اُن کا قدیم پیشہ بھی یاد دلاتے ہیں اور خلافت کو اونٹنی کے رنگ میں اُن کے قابو میں دکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اُن دونوں نے اونٹنی کے دودو تھنوں (شطر) کو آپس میں بانٹ کر اُنہیں نچوڑ نچوڑ کر دوہا؛اور پہلے نے اُس کی ٹانگوں میں نَیَنا باندھ کر دوسرے کو دوہنے کے لئے حوالے کر دیا تا کہ نہ اُونٹنی بھاگ سکے اور نہ تھن نچوڑنے کی تکلیف سے ٹانگیں ہلا سکے۔

اِذْ عَقَدَ هَا لِاٰخَرَ بَعْدَ وَفَاتِهِ ؛ لَشَدَّ مَا تَشَطَّرَا ضَرْعَيْهَا ؛ (خطبہ نمبر 3، جملہ 21-22)

یادرکھیں کہ دُودھ کے ذخیرے والے جسم کو اُردو میں ''باک'' کہتے ہیں۔اورعربی میں اُسے ''حَلَمَۃٌ'' اور بعض علاقوں میں حَلَمَۃٌ کو بِزٌّ بھی کہا جاتا ہے۔ پھر یہ آپ جانتے ہیں کہ بعض جانوروں کے باک یا حلمہ میں دوتھن اور بعض کے چارتھن ہوتے ہیں اورتھن کوعربی میں ''ضَرْعٌ'' اور جمع کو ''ضُرُوْعٌ'' کہتے ہیں۔ لہٰذا اونٹنی کے چارتھنوں میں سے دو کو ایک شطر فرمایا گیا ہے۔ پھر بعض جانوروں کی پچھلی ٹانگوں کو رسی سے باندھا جاتا ہے کہ دودھ نکالنے میں گڑبڑ نہ کریں۔ اُس رسی کو اردو میں ''نَیَنَا'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ ٹانگوں میں سے گزارنے پر اس میں دو آنکھیں سی بن جاتی ہیں جیسے انگریزی میں آٹھ (8) کا ہندسہ بھی ظاہر کرتا ہے اور گرہ کی اس قسم کو انگریزی میں کہتے ہی آٹھ کا ہندسہ ہیں (Figure of Eight) لہٰذا اِن جملوں کے معنی گھوسیوں یا راعیوں کے زبان میں یہ ہوئے کہ:

''مرنے سے پہلے پہلے، اوّل گوالے نے اونٹنی کو نَیَنا دے کر دوسرے گوالے کے حوالے کر دیا تا کہ اونٹنی کے دو دو تھنوں کو اپنی اپنی باری میں دوہتے اور نچوڑتے رہیں۔'' (خطبہ 3، جملے 21-22)

(7۔ الف) <u>ابوبکر کو قریشی حکومت قائم کرنے کے لئے بھینٹ چڑھایا گیا تھا</u>

حقیقت یہ ہے کہ عمر نے اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنی تیار کردہ شریعت اور مذہب کو نافذ کرنے کے لئے ابوبکر کو آڑ بنا کر اپنے آگے کر لیا تھا اور تواریخ اور حالات کے تجزیے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمر ہی ابوبکر کے زمانے میں بھی حکمراں تھا۔ اور جہاں کہیں ایسا شبہ یا یقین پیدا ہوتا ہے کہ فلاں حکم ابوبکر نے دیا اور عمر نے اُس حکم سے اختلاف کیا اور اُن کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا، مثلاً زکوۃ نہ دینے والوں سے جنگ کرنا یا مالک بن نویرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملے میں خالد کو سزا نہ دینا' وغیرہ میں عمر کا مخالف ہونا درحقیقت فریب ہے۔ عمر لوگوں کو ہموار کرنے اور پبلک کا تاثر لینے کے لئے اختلاف کا ڈھونگ رچاتے تھے فیصلے اور احکام در پردہ عمر ہی کے ہوتے تھے۔ در پردہ وہاں ہوتے تھے جہاں خود قریشی لیڈروں میں پھوٹ پڑ جانے اور مخالفت کے اُبھر آنے کا احتمال یا اندیشہ ہوتا تھا۔ اور جس معاملے میں یہ یقین واطمینان ہوتا تھا کہ تمام قریش بیک آواز تائید ونصرت کریں گے اُن تمام معاملات میں عمر کھل کر ابوبکر کو ڈانٹتے بھی تھے اور اُن کے احکام کو اعلانیہ منسوخ و باطل کر کے اپنے احکام نافذ کرنے پر ابوبکر کو مجبور بھی کرتے رہتے تھے۔ اہم ترین اصول یہ تھا کہ قریش اور مفادِ عامہ کے خلاف کوئی حکم جاری نہ کیا جائے گا۔ یعنی جس حکم کو ٹالنا یا بدلنا یا منسوخ کرنا ہوگا اُس کے لئے یہ دکھانا ہوگا کہ یہ قومی مصالح اور مفاد کے خلاف ہے۔ اس اصول پر قرآن ورسولؐ کے نافذ شدہ احکام کو بدلا بھی گیا، ٹالا بھی گیا اور منسوخ بھی کیا گیا۔ چنانچہ پہلے ہی قدم کے طور پر آپ یہ دونوں باتیں قرآن اور تاریخ سے دیکھ لیں۔

(7۔ب) <u>عمر اللہ کے قرآنی احکام کو اور اپنے خود ساختہ خلیفہ ابوبکر کے احکام کو رد کر دیتے تھے</u>

(1) اللہ نے سورہ توبہ میں فرمایا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ <u>الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ</u> وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِیْ سَبِيْلِ

اللّٰہِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ o (توبہ 9/60)

(2) مودودی کا ترجمہ: ''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور اُن لوگوں کے لئے ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور اُن کے لئے جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لئے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔''
(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 205 تا 208)

(3) علامہ کی تشریح: ''64 تالیفِ قلب کے معنی ہیں دل موہنا۔ اِس حکم سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوں اور مال دے کر اُن کے جوش عداوت کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہو، یا جو لوگ کفار کے کیمپ میں ایسے ہوں کہ اگر مال سے انہیں توڑا جائے تو ٹوٹ کر مسلمانوں کے مددگار بن سکتے ہوں؛ یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور اُن کی سابقہ عداوت یا اُن کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے اندیشہ ہو کہ اگر مال سے اُن کی استمالت نہ کی گئی تو پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کو مستقل وظائف یا وقتی عطیے دے کر اسلام کا حامی و مددگار، یا مطیع و فرمانبردار، یا کم از کم بے ضرر دشمن بنالیا جائے۔ اس مد پر غنائم اور دوسرے ذرائع آمدنی سے بھی خرچ کیا جا سکتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو زکوٰۃ کی مد سے بھی۔ اور ایسے لوگوں کیلئے یہ شرط نہیں کہ وہ فقیر و مسکین یا مسافر ہوں تب ہی اُن کی مدد زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے، بلکہ وہ مالدار اور رئیس ہونے پر بھی زکوٰۃ دیے جانے کے مستحق ہیں۔ یہ امر تو متفق علیہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے لوگوں کو تالیفِ قلب کیلئے وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے لیکن اس امر میں اختلاف ہو گیا ہے کہ آیا آپؐ کے بعد بھی یہ مد باقی رہی یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ مد ساقط ہو گئی ہے اور اب مؤلفۃ القلوب کو کچھ دینا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ فاسق مسلمان کو تالیفِ قلب کیلئے زکوٰۃ کی مد سے دیا جا سکتا ہے مگر کفار کو نہیں۔ اور بعض دوسرے فقہا کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب بھی باقی ہے اگر اس کی ضرورت ہو۔

حنفیہ کا استدلال اُس واقعہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد عُیَیْنَہ بن حِصْن اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور انہوں نے ایک زمین آپ سے طلب کی۔ آپ نے اُن کو عطیہ کا فرمان لکھ دیا۔ اُنہوں نے چاہا کہ مزید پختگی کے لئے دوسرے اعیانِ صحابہ بھی اس فرمان پر گواہیاں ثبت کر دیں۔ چنانچہ گواہیاں بھی ہو گئیں۔ مگر جب یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس گواہی لینے آئے تو انہوں نے فرمان کو پڑھ کر اُسے اُن کی آنکھوں کے سامنے چاک کر دیا اور اُن سے کہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی تالیف قلب کے لئے تمہیں دیا کرتے تھے مگر وہ اسلام کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس پر وہ حضرت ابوبکر کے پاس شکایت لے کر آئے اور آپ کو طعنہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟ لیکن نہ تو ابوبکرؓ نے اس پر کوئی نوٹس لیا اور نہ دوسرے صحابہ میں سے ہی کسی نے حضرت عمرؓ کی اس رائے سے اختلاف کیا۔ اس سے حنفیہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ جب مسلمان کثیر التعداد ہو گئے اور اُنکو یہ طاقت حاصل ہو گئی کہ اپنے بل بوتے پر کھڑے ہو سکیں تو وہ سبب باقی نہیں رہا جس کی وجہ سے ابتداءً مؤلفۃ

القلوب کا حصہ رکھا گیا تھا، اس لئے باجماع صحابہ یہ حصہ ہمیشہ کے لئے ساقط ہو گیا۔

امام شافعیؒ کا استدلال یہ ہے کہ تالیفِ قلب کے لئے کفار کو مال زکوٰۃ دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت نہیں ہے۔ جتنے واقعات حدیث میں ہم کو ملتے ہیں اُن سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے کفار کو تالیفِ قلب کے لئے جو کچھ دیا وہ مال غنیمت سے دیا نہ کہ مال زکوٰۃ سے۔ ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ ''مؤلفۃ القلوب'' کا حصہ قیامت تک کے لئے ساقط ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلاشبہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح تھا۔ اگر اسلامی حکومت تالیفِ قلب کے لئے مال صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتی ہو تو کسی نے اُس پر فرض نہیں کیا ہے کہ ضرور ہی اس مد میں کچھ نہ کچھ حصہ صرف کرے (فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ o (9/60۔احسنؔ) لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو، تو اللہ نے اُس کے لئے جو گنجائش رکھی ہے اُسے باقی رہنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ اور صحابۂ کرام کا اجماع جس امر پر ہوا تھا وہ صرف یہ تھا کہ اُن کے زمانہ میں جو حالات تھے اُن میں تالیفِ قلب کے لئے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ اِس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ صحابہؓ کے اجماع نے اُس مد کو قیامت تک کیلئے ساقط کر دیا جو قرآن میں بعض اہم دینی مصالح کے لئے رکھی گئی ہے۔ رہی امام شافعی کی رائے تو وہ اس حد تک تو صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جب حکومت کے پاس دوسری مداتِ آمدنی سے کافی مال موجود ہو تو اُسے تالیف قلب کی مد پر زکوٰۃ کا مال صرف نہ کرنا چاہئے۔ لیکن جب زکوٰۃ کے مال سے اس کام میں مدد لینے کی ضرورت پیش آ جائے تو پھر یہ تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اسے فاسقوں پر خرچ کیا جائے اور کافروں پر خرچ نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ قرآن میں مؤلفۃ القلوب کا جو حصہ رکھا گیا ہے وہ اُن کے دعویٰ ایمان کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ اسلام کو اپنے مصالح کیلئے اُن کی تالیف قلب مطلوب ہے اور وہ اس قسم کے لوگ ہیں کہ اُن کی تالیفِ قلب صرف مال ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ یہ حاجت اور یہ صفت جہاں بھی متحقق ہو وہاں امام مسلمین بشرط ضرورت زکوٰۃ کا مال صرف کرنے کا از روئے قرآن مجاز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مد سے کفار کو کچھ نہیں دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے پاس دوسری مدات کا مال موجود تھا۔ ورنہ اگر آپ کے نزدیک کفار پر اس مد کا مال صرف کرنا جائز نہ ہوتا تو آپ اس کی تشریح فرماتے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 207-206)

(4) علامہ اور الفاظ کی تشریح: ''61ے فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی معیشت کے لئے دوسرے کی مدد کا محتاج ہو۔ یہ لفظ تمام حاجت مندوں کے لئے عام ہے خواہ وہ جسمانی نقص یا بڑھاپے کی وجہ سے مستقل طور پر محتاجِ اعانت ہو گئے ہوں، یا کسی عارضی سبب سے سر دست مدد کے محتاج ہوں اور اگر انہیں سہارا مل جائے تو آگے چل کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں، مثلاً یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ اور وہ لوگ جو وقتی حوادث کے شکار ہو گئے ہوں۔'' (ایضاً صفحہ 205)

(5) ''62ے مَسکَنَت کے لفظ میں عاجزی، درماندگی، بے چارگی اور ذلت کے مفہومات شامل ہیں۔ اس اعتبار سے مساکین وہ لوگ ہیں جو عام حاجت مندوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوں۔'' (ایضاً صفحہ 205)

(6) عاملین علیہا ''63ے یعنی وہ لوگ جو صدقات وصول کرنے اور وصول شدہ مال کی حفاظت کرنے اور اُن کا حساب کتاب لکھنے اور

انہیں تقسیم کرنے میں حکومت کی طرف سے استعمال کئے جائیں۔'' (ایضاً صفحہ 205)

(7) رسولؐ اور خاندان رسولؐ پر زکوٰۃ حرام ہے: ''اس سلسلہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان (یعنی بنی ہاشم) پر زکوٰۃ کا مال حرام قرار دیا تھا، چنانچہ آپ نے خود بھی صدقات کی تحصیل وتقسیم کا کام ہمیشہ بلا معاوضہ کیا اور دوسرے بنی ہاشم کے لئے بھی یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ اگر وہ اس خدمت کو بلا معاوضہ انجام دیں تو جائز ہے، لیکن معاوضہ لے کر اس شعبے کی کوئی خدمت کرنا اُن کے لئے جائز نہیں ہے۔ آپ کے خاندان کے لوگ اگر صاحب نصاب (فاضل روپے والے) ہوں تو زکوٰۃ دینا اُن پر فرض ہے، لیکن اگر وہ غریب محتاج یا قرض دار یا مسافر ہوں تو زکوٰۃ لینا اُن پر حرام ہے۔'' (ایضاً صفحہ 205-206)

(8) غلاموں کی آزادی: ''65۔ گردنیں چھڑانے سے مراد غلاموں کی آزادی میں زکوٰۃ کا مال صرف کیا جائے۔'' (ایضاً صفحہ 207)

(9) غارمین: ''66۔ یعنی ایسے قرض دار جو اگر اپنے مال سے اپنا پورا قرض چکا دیں تو اُن کے پاس قدر نصاب سے کم مال بچ سکتا ہو۔ وہ خواہ کمانے والے ہوں یا بے روزگار اور خواہ عرف عام میں فقیر سمجھے جاتے ہوں یا غنی، دونوں صورتوں میں اُن کی اعانت زکوٰۃ کی مد سے کی جاسکتی ہے۔'' (ایضاً 208-207)

(10) فی سبیل اللہ: ''67۔ راہ خدا کا لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو، اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حکم کی رُو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کام میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے، اور آئمۂ سلف کی بڑی اکثریت اس کی قائل ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ (وغیرہ)'' (ایضاً صفحہ 208)

(11) ابن السبیل: ''68۔ مسافر خواہ اپنے گھر میں غنی ہو، لیکن حالتِ سفر میں اگر وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اس کی مدد زکوٰۃ کی مد سے کی جائے گی۔'' (ایضاً صفحہ 208)

(12) ابوبکر نے جو جواب طعنہ دینے والوں کو دیا تھا وہ علامہ مودودی نے لکھنا پسند نہیں کیا

زمین دیئے جانے والا فرمان پھاڑ دیئے جانے کے بعد ابوبکر سے کہا گیا تھا کہ:

فَغضبَ طَلْحَة وَاَ تی اَبَابکر فَقَالَ له اَنتَ الْاَمِیرُ اَمْ عُمر؟ فقال الامیر عمر غَیْرَ اِنَّ الطَّاعَۃَ لِیْ فَسَکَتُ۔

''طلحہ غیظ وغضب میں بھرے ہوئے ابوبکر کے پاس آئے اور پوچھا کہ خلیفہ تم ہو یا عمر ہے؟ ابوبکر نے کہا کہ خلیفہ دراصل عمر ہی ہے مگر اطاعت میرے لئے ہے۔'' (کنز الاعمال جلد 12 صفحہ 582، تاریخ الخمیس جلد 2 صفحہ 247)

(7۔ج) **قرآن کے مقابلے میں فاروقی شریعت کی ایجاد، ذاتی رائے اور اجتہاد کو ''اللہ'' سمجھ کر ہوئی (الفرقان 25/43)**

ہم نے یہ بہت سے اور طویل اقتباسات پڑھنے کی زحمت اس لئے دی ہے کہ آپ کو ایک ہی آیت کے ماتحت قریش کا وہ مذہب اور شریعت دکھائی جاسکے جسے قریش کے عظیم راہ نما نے تیار کر کے اسلام کے نام سے دُنیا میں پھیلایا تھا۔ آپ نے آیت (9/60) کا مودودی ترجمہ پڑھا اور دیکھا کہ اللہ نے اس آیت میں آٹھ عدد احکام کو اپنی طرف سے بطور فریضہ عائد کیا ہے (فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ) یعنی

صدقات وصول کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس سلسلے میں جو مال ودولت وسامان آئے اُس کو:

(1) فقرا کی فقیری دور کر کے اُنہیں خود مکتفی بنانا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔اور

(2) تمام بے سہارا اور بے کس و بے بس لوگوں کو غنی کر دینا بھی تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔اور

(3) صدقات وصول کرنے اور فقراء ومساکین کی فہرستیں تیار کرنے اور اُنہیں مال ودولت وسامان فراہم کرنے والوں کو بھی صدقات کے مال میں سے اُجرت دینا فرض ہے۔اور

(4) اور جن لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنا ہے اُن کے لئے صدقات کا مال ودولت وسامان خرچ کرنا فرض ہے۔اور

(5) غلاموں کو آزاد کرنے پر بھی خرچ کرنا فرض ہے۔اور

(6) مقروض لوگوں کو قرض سے نجات دلانا فرض ہے۔اور

(7) تمام نیک کاموں کو جاری رکھنے کے لئے خرچ کرنا فرض ہے۔اور

(8) راستوں کو محفوظ رکھنے والوں پر یا بقول قریش مسافروں پر خرچ کرنا فرض ہے۔

(7۔د) اس آیت میں کسی قسم کی کوئی شرط ان فرائض کی ادائیگی میں عائد نہیں ہے

اس آیت کو بار بار پڑھیں اور علامہ کے ترجمے کو بھی ٹٹول کر دیکھیں کہ اللہ نے یہاں نہ کوئی شرط لگائی نہ کوئی پابندی عائد کی نہ کوئی ایسی صورت یا حالت بیان کی جس میں یہ فرائض مسلمانوں پر سے اُٹھ جائینگے۔اس میں تو یہ شرط بھی نہیں ہے کہ وہ فقیر یا مسکین یا عامل یا غلام یا مقروض یا مسافر وغیرہ مسلمان ہوں تب اُن پر مال ودولت یا سامان خرچ کیا جائیگا ورنہ نہیں اور اس میں یہ بھی ہرگز نہیں کہ مسلمان زیادہ ہوں تب یہ فرائض عائد ہونگے ورنہ نہیں یا جب مسلمان امیر ورئیس ہونگے تب اُن پر فرض ہونگے ورنہ نہیں۔اِس آیت میں یہ بھی نہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں محبت والفت وہم آہنگی پیدا کرنا ہے وہ غیر مسلم یا مسلمان کے دشمن ہیں۔مومنین بھی تالیف کے محتاج ہوتے ہیں۔

(7۔ہ) مودودی کی تشریح ایک مجرمانہ اور قریشی قسم کی پُر فریب کوشش ہے قرآن اُن کو ماخوذ کرتا ہے

علامہ مودودی نے دراصل ابلیسی طرزِ فکر کی تائید کے لئے وہ تشریح کی ہے۔ورنہ وہ تالیفِ قلب کو مسلمانوں کے لئے بھی ضروری سمجھتے ہیں ذرا اُن کا یہ ترجمہ اور تشریح دیکھیں اور ہمیں داد دیں:

<u>علامہ کا ترجمہ</u>: ''وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے (اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِھِمۡ) تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کرڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے (مَآ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِھِمۡ)مگر وہ اللہ ہی ہے جس نے اِن لوگوں کے دل جوڑے (اَلَّفَ بَیۡنَھُمۡ) یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔''(انفال 8/63) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 157-156)

<u>علامہ تشریح کر کے اور بھی مجرم بن گئے</u>: ''اشارہ ہے اُس بھائی چارے اور الفت ومحبت کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے

والے اہلِ عرب کے درمیان پیدا کر کے اُن کو ایک مضبوط جتھا بنا دیا تھا، حالانکہ اس جتھے کے افراد اُن مختلف قبیلوں سے نکلے ہوئے تھے جن کے درمیان صدیوں سے دشمنیاں چلی آ رہی تھیں۔'' (تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 156-157)

(7۔و) خلیفہ دوم کے فیصلے اور مودودی کی تائیدی تشریحات کو سمجھنے کے لئے قرآن سنئے

فاروقی شریعت سازی کو اور اُن کی شریعت سازی کے اصول وقواعد کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ سورۂ مائدہ کی آیات (5/44،45،47) اور اُن کا مودودی ترجمہ وتشریح سُن لیں اور شرعی احکام نافذ کرنے کا قرآنی طریقہ اور پابندی سامنے رکھ لیں:

(1) وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ o(5/44)

(2) وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ o (5/45)

(3) وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ o(5/47)

علامہ مودودی کا لچکدار ترجمہ:

(1) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ ''قانون کے مطابق'' فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔(5/44)

(2) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ ''قانون کے مطابق'' فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔(5/45)

(3) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ ''قانون کے مطابق'' فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔(5/47)

علامہ کی لچک ٹائٹ (Tight) کرنے کے لئے رفیع الدینؒ کا لفظی ترجمہ

(1) ''اور جو کوئی نہ حکم کرے ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری ہے اللہ نے پس یہ لوگ وہ ہیں کافر (5/44)

(2) پس یہ لوگ وہ ہیں ظالم (3) پس یہ لوگ وہ ہیں فاسق۔'' (مائدہ 5/44,45,47)

غلطیوں کی نشاندہی: علامہ مودودی نے اپنی مجتہدانہ زنبیل سے الفاظ ''قانون کے مطابق'' بڑھا دیئے جو کہ آیت کے الفاظ میں نہیں ہیں اور رفیع الدین نے الفاظ ''اُس چیز'' خواہ مخواہ مگر نیک نیتی سے بڑھائے ہیں ورنہ یہ ترجمہ کافی تھا کہ:

''اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ سے حکم جاری نہ کرے (یا فیصلہ نہ کرے) وہ کافر و ظالم و فاسق ہے۔''

یعنی جو حکم نافذ کیا جائے یا جو فیصلہ کیا جائے وہ قرآن میں نازل شدہ الفاظ میں نہ ہو تو ایسا حکمران کافر و ظالم و فاسق ہوتا ہے۔ ورنہ یہ کہنے کی گنجائش رہ جائے گی کہ فلاں حکم تو قرآن کے مطابق ہے۔ یہی عذر تو تمام مجتہدوں کے فرقے کرتے اور سب اپنے اپنے مذہب کو بالکل قرآن کے مطابق سمجھتے اور خوش ہوتے ہیں۔ اور یہ خوش ہونے کی بات اللہ نے قرآن میں عہدِ رسولؐ کے تفرقہ اندازی کرنے والے قریشی قسم کے مومنین ہی سے دو مرتبہ فرمائی تھی اور اُنہیں بتایا گیا تھا کہ جن مذہبی تصورات کو تم قرآن کے مطابق سمجھ کر خوش ہوتے ہو وہ مشرکانہ تصورات ہیں (مومنون 23/53) اور یہ کہ: (علامہ کا ترجمہ سنئے):

قریشی تفرقہ ساز مسلمان درحقیقت مشرک تھے: ''قائم ہو جاؤ اُس بات پر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اُس سے اور نماز قائم

کرو، اور نہ ہو جاؤ اُن مشرکین میں سے جنھوں نے اپنا اپنا دین الگ بنالیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے اُسی میں وہ مگن ہیں۔'' (الرّوم 32-30/31) (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 754-755)

اُن ہی لوگوں سے کہا گیا ہے کہ اسلام کے نام پر جو بھی فیصلہ کیا جائے گا یا جو حکم بھی نافذ کیا جائے گا وہ اللہ کے نازل کردہ الفاظ میں ہوگا۔ ورنہ وہ حکم اور فیصلہ کافروں کا، ظالموں کا اور فاسقوں کا ہوگا۔ اِس بات کو علامہ کے قلم سے بھی دیکھ لیں کہ قریش کے فری اسٹائل فیصلے کرنے والوں ہی پر قرآن کے الفاظ میں فیصلے کرنے کی پابندی لگائی گئی تھی۔ اور اُن ہی کو کافرانہ و ظالمانہ اور فاسقانہ فیصلوں سے منع کیا تھا۔ سنئے:

''77۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں، تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اُس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا (کسی۔ احسن) دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے، وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اوّلاً اُس کا یہ فعل حکمِ خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے۔ ثانیاً اُس کا یہ فعل عدل و انصاف کے خلاف ہے، کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہو سکتا تھا وہ تو خدا نے دے دیا تھا، اس لئے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اُس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔ تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اُس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہو کر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت اُس نے بندگی اور اطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے۔ یہ کفر و ظلم و فسق اپنی نوعیت کے اعتبار سے لازماً انحراف از حکمِ خداوندی کی عین حقیقت میں داخل ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ جہاں وہ انحراف ہو وہاں یہ تینوں چیزیں موجود نہ ہوں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 475-476)

(7۔ز) عمر کے فیصلوں کو بھی بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کے معیار پر جانچنا لازم ہے تاکہ برحق کہلائیں

قرآن کی آیت نے تالیفِ قلب کی مدّ میں مال و دولت و سامان کا خرچ کرنا بلا کسی زمانہ اور حالت کی شرط کے فرض کیا تھا۔ عمر نے اس حکم کو مؤلفۃ القلوب کے حق اور حصے کو ساقط کر دیا اور ایسا کرنے میں جو حکم جاری کیا وہ یہ تھا کہ:

''وہ اسلام کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔''

ظاہر ہے کہ یہ جملہ نہ تو قرآن کی کوئی آیت ہے اور نہ ہی کسی آیت کا مفہوم ہے۔ اور اللہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ:

''اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ الفاظ میں حکم نہ دے وہ کافر و ظالم و فاسق ہے۔''

اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ عمر کو کافر و ظالم و فاسق ہونے سے بچائے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ مندرجہ ذیل یا مندرجہ بالا مطلب کے لئے قرآن کے الفاظ میں آیت یا آیات دکھائے:

(1) '' **مؤلفة القلوب** کا حصہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک مسلمان کمزور رہیں؛ یا

(2) جیسے ہی مسلمان طاقتور ہو جائیں مؤلفة القلوب کا حصہ ساقط کر دیا جائے۔''

اگر وہ صاحب یا صاحبان ایسی آیت نہ دکھا سکیں، اور قیامت تک نہ دکھا سکیں گے، تو جیسے ابوبکر نے خلافت کی دودھ دیتی اونٹنی سپرد کی تھی اُس کو اللہ اور اللہ کے قرآنی حکم سے منحرف رہنے والا کافر و ظالم و فاسق مان لیں اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی ثلاثہ اینڈ کمپنی کے لئے یہی کچھ فرمایا ہے۔ خلافتِ الٰہیّہ علویہؑ کو قمیص کی طرح کھینچ تان کر یعنی جبر وظلم سے پہن لینا قرآنی احکامات سے اور خود بَخٍّ بَخٍّ کی مبارکباد سے انحراف اور کفر و ظلم و فسق ہے۔

(7۔ح) اللہ پر فریب سازی اور رشوت ستانی کی تہمت اور صحابہ کی کثرت واجماع پر دلیل وحجت؟

پھر قریشی علما اور عمر نے قرآن کے خلاف مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط کرنے کے حکم میں اللہ پر موقعہ شناسی اور رشوت دے کر دشمنوں کو خاموش رکھنے کا الزام وتہمت بھی لگائی ہے اور مان لیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کے حصے کو ساقط کرنے کا حکم قرآن سے نہیں بلکہ ''صحابہ کے اجماع'' سے یعنی صحابہ کے متفقہ حکم سے دیا گیا ہے۔ لہٰذا پھر ضروری ہوا کہ قرآن سے مندرجہ ذیل مطالب کو قرآن کی آیات سے دکھایا جائے:

(1) صحابہ کیا ہوتا ہے؟ یاد رکھیں کہ قرآن نے اس لفظ کو مردود رکھا ہے۔ البتہ لفظ ''اصحاب'' استعمال کیا ہے اور اُسے کثرت سے جہنمیوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ اور آنحضرتؐ کے پسندیدہ لوگوں کے لئے ہرگز استعمال نہیں ہوا ہے۔ البتہ قریش کیلئے بیس دفعہ اصحاب النار اور **اصحاب الجحیم** اور **اصحاب السعیر** فرمایا گیا ہے۔ اور زیر بحث شریعت ساز کو رسولؐ سے مخاطب کرا کے فرمایا گیا کہ تو جہنمی اصحاب میں سے ہے (اِنَّکَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِo 39/8)

(2) وہ آیت جس میں کثرت کو یا اصحاب یا صحابہ کے متفقہ فیصلے کو برحق اور قرآن کے حکم کو ساقط یا معطل کرنے کا مجاز قرار دیا گیا ہو۔ ورنہ اُسے کافر و ظالم و فاسق مانو۔

(3) پھر یہ آیت دکھائیں جس میں کفار کو یا دشمنوں کو روپیہ وغیرہ دے کر مخالفت سے روکنا جائز ہو؟

(7۔ط) قریش نے قرآن کے الفاظ میں احکام دینے کی شرط سے بچنے کے لئے اہل کتاب کو آگے کر دیا تھا

مودودی بتاتے ہیں کہ سورۂ مائدہ (5/44،45،47) میں قائم کردہ پابندی کو قریش نے اہل کتاب کے لئے کہہ کر خود فری اسٹائل شریعت سازی جاری رکھی تھی۔ ارشاد ہے کہ: ''اہل تفسیر نے ان آیات (5/44،45،47) کو اہلِ کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر کلام الٰہی کے الفاظ میں اس تاویل کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 476)

(1) عہد رسولؐ میں قریش کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ یہود ونصاریٰ کے طریقے کی پیروی کریں گے

''اس تاویل کا بہترین جواب وہ ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ اُن سے کسی نے کہا کہ یہ تینوں آیتیں تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں۔ کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں میں سے جس نے خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا وہی کافر وہی ظالم اور وہی فاسق ہے (یعنی مسلمان ایسا کریں تو وہ نہ کافر ہوں گے نہ ظالم و فاسق ہوں گے۔ احسنؔ) اس پر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا **نَعمَ الۡاُخوۃ لکم بنو اسرائیل اَنۡ کَانَتۡ لَھُمۡ کُلّ مُرَّۃ وَ لکم کُلّ حلوۃ، کَلاَّ وَ اللّٰہِ لَتَسلُکُنَّ طَرِیۡقَھُمۡ قد را لشَّراک ۔**

''کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لئے یہ بنی اسرئیل کہ کڑوا کڑوا سب اُن کے لئے ہے اور میٹھا میٹھا سب تمہارے لئے! ہرگز نہیں، خدا کی قسم تم اُن ہی کے طریقے پر قدم بقدم چلو گے۔'' (ایضاً صفحہ 476)

معلوم ہوا کہ جناب مودودی چاہتے تو یہ ہیں کہ بلا کسی قرآن کی آیت یا حدیث کے عمر کے فیصلوں کو ''بالکل صحیح'' مانیں اور لکھیں (دیکھو 7۔ب (3) علامہ کی تشریح) مگر کہتے یہ ہیں کہ تمام احکام قرآن میں نازل شدہ احکام سے ہونا چاہئیں یہ عوام فریبی ہے۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ علامہ قرآن کے مخالف احکام کو''بالکل صحیح'' فرماتے ہوں گے۔

(2) عمر کے ذاتی احکام کو اللہ کے احکام سمجھنے والوں پر قرآن اور مودودی کا فتویٰ

ہم نے اپنے عنوان (7۔ج) میں یہ لکھا ہے کہ عمر اور اُس کے پیرو اپنے ذاتی اجتہاد کو اللہ کی منشا اور اللہ کا حکم سمجھ کر اُن کو واجب التعمیل سمجھتے رہے ہیں۔ یہاں تک یہ ثابت ہو چکا کہ عمر بلا تکلف قرآن کے احکام و فرائض کو ساقط اور رد کرتے رہتے تھے۔ اور مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط کرنا اور اُن کے پیرووں اور مجتہدین کا آج تک اس فرض شدہ حصہ کو ساقط رکھنا بتاتا ہے کہ قریشی مذہب کے مسلمان عمر کے فیصلوں کو اللہ کے فیصلے سمجھتے ہیں۔ اب قرآن سے اور مودودی کے ترجموں اور تشریحات سے عمر کی پوزیشن کو از سرِ نو ملاحظہ کریں۔

(3) آنے والی آیات میں جس مجتہد کا قرآن ذکر کرے گا وہ قریش کے بزرگ لیڈر عمر ہیں

تمام قریشی علما نے متفقہ طور پر عمر کو عہدِ رسولؐ کے تمام صحابہ سے بڑا قانون دان اور مجتہد مانا ہے اور علامہ شبلی نے تو یہاں تک لکھا ہے:

عمر کا سب سے بڑا مجتہد ہونا اور اُن کا ہر قیاس و گمان صحیح ہوتا تھا

''جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اُس کی نسبت یہ خیال ہے'' تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا'' اِس سے زیادہ اصابت رائے (رائے کے صحیح نکلنے۔احسنؔ) کی کیا دلیل ہوگی؟ کہ اُن کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 133)

قرآن میں ضرورتِ انسانی کے لئے ہر حکم کا بیان و تفصیل نہیں اس لئے قیاس و اجتہاد ضروری ہے

یعنی عمر کی رائے اور گمان اللہ کی منشا اور مذہب کے عین مطابق ہوتا تھا اور چونکہ اُن کے نزدیک قرآن تمام ضرورتوں کا حل نہیں بتاتا اس لئے عمر نے قیاس و اجتہاد سے وہ فیصلے کئے جو اللہ کرنا چاہتا تھا اور شریعت سازی کے لئے انہوں نے سب سے پہلے احکام میں قیاس سے کام لیا تھا۔ اور ہزاروں احکام اپنی رائے، پسند، قیاس و گمان سے اللہ اور اسلام کے نام سے جاری کئے تھے۔ شبلی سے سنئے:

(1) ''قیاس کی بنیاد اوّل جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 114)

(2) ''فقہ کا فن درحقیقت تمام تر حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے...اس فن کی ابتدا حضرت عمر سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد کو اوّل اُن ہی نے قائم کیا۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 102) اور سُنیں:

(3) ''جس قدر مسائل حضرت عمر سے بروایت صحیحہ منقول ہیں اُن کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ اُن میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں آئمہ اربعہ (ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل۔احسنؔ) نے

حضرت عمر کی تقلید کی ہے......اُنھوں نے صرف یہ ہی نہیں کیا کہ مسائل کے جزئیات کی تدوین کی ہے بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے قواعد وضوابط قرار دیئے جس کو اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔'' (ایضاً حصہ 2 صفحہ 111-112)

یہ تینوں بیانات ثابت کرتے ہیں کہ عمر کو بجا طور پر یہ حق تھا کہ وہ اپنی رائے اور قیاس کو اور اپنے وہم وگمان کو اور اپنے اجتہاد اور پسند کو اللہ کی منشا کے مطابق اللہ کے فیصلے سمجھے اور اُن پر خود اللہ کا حکم سمجھ کر عمل کرے اور مسلمانوں سے عمل کرائے۔ یہ ہے وہ شخص جس کی باتیں رسولؐ اللہ کو بہت پسند آتی اور حیران کرتی تھیں (بقرہ 2/204) اور جس کی تائید و وکالت سے اللہ نے رسولؐ کو حکماً منع کیا تھا۔

(4) آنحضرتؐ کو قریش کے عظیم مجتہد کے اجتہادی فیصلوں کی تائید اور وکالت سے اللہ نے روکا

مندرجہ بالا پوزیشن کو سامنے رکھیئے اور قرآن میں اللہ کی بات دیکھئے اور سوچیئے کہ اللہ رسولؐ سے کس کے متعلق بات کر رہا ہے؟ ارشاد ہے کہ:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًاo اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا o (فرقان 25/43-44)

''اے نبیؐ کیا آپؐ نے اُس شخص کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا ہے؟ جس نے اپنی پسند کو اپنا معبود اور اللہ سمجھ لیا ہے؟ کیا تمہیں اُس شخص کی وکالت کرنا چاہیئے؟ اور کیا تمہارے حساب سے اُس کے ساتھ متفق رہنے والی اکثریت مسائل واحکام کو سمجھ کر سنتے ہیں اور عقل سے جانچ کر اُن پر عمل کرتے ہیں؟ وہ اکثریت تو اِس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ وہ چوپائے جانوروں کی مانند یا اُن سے بھی بڑھ کر گمراہ ہیں۔''

عقیدت مندی کے چشمے کو اُتارتے ہی یہاں جناب عمر کا طویل ڈیل ڈول سامنے کھڑا دکھائی دے گا۔ مگر عقیدت مند اِن آیات کی رُو سے بھی سوچنے اور سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے بہر حال ہم علامہ مودودی کی تشریحات سے اپنے قارئین کا اطمینان کرانے کی ابتدا کرتے ہیں اور چونکہ علامہ، عمر کے مذہب کے ایک مجتہد ہیں اسلیئے وہ لفظ اجتہاد کو قلم کی نوک سے بچا بچا کر گزریں گے اور لفظِ ھَوٰی کے معنی بھی وہ اختیار کریں گے جو حقیقت سے دُور اور بدترین ہوں۔ لیکن ہم انہیں گھیر کر لائیں گے اور ھَوٰی کو معبود بنالینے کے صحیح معنی اُن سے کرا کے چھوڑیں گے۔ صبر سے پڑھتے جایئے۔ اسی آیت (25/43) کی تشریح کے حاشیہ نمبر 56 میں لکھتے ہیں کہ:

اوّل۔ <u>ھَوٰی کے معنی وہ خواہشِ نفس ہے جسکی پیروی کی جائے</u> : ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس آسمان کے نیچے اللہ کے سوا جتنے معبود بھی <u>پوجے</u> جارہے ہیں اُن میں اللہ کے نزدیک بدترین معبود وہ خواہش نفس ہے جسکی پیروی کی جارہی ہو۔''

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ کہف حاشیہ نمبر 50'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 453)۔ آیئے اب اس تشریح کو دیکھیں:

دوم۔ <u>جس خواہشِ نفس یا ھَوٰی کو زیر بحث شخص نے اپنے اللہ کا حکم سمجھا ہے، وہ اپنے احکام کی پیروی ہے</u>

چنانچہ حاشیہ نمبر 50 میں ارشاد ہے کہ:

''50۔ یہاں پھر وہی مضمون بیان کیا گیا ہے جو اس سے پہلے بھی کئی جگہ قرآن میں گزر چکا ہے کہ اللہ کے احکام اور اسکی ہدایات کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے احکام اور راہنمائی کا اتباع کرنا دراصل اُسکو خدائی میں اللہ کا شریک ٹھیرانا ہے، خواہ آدمی اُس دوسرے کو زبان سے خدا کا

شریک قرار دیتا ہو یا نہ قرار دیتا ہو...... یہ شرکِ اعتقادی نہیں ہے بلکہ شرکِ عملی ہے اور قرآن اس کو بھی شرک ہی کہتا ہے۔(مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، النساء، حاشیہ 91، 145، الانعام، حاشیہ 87، 107۔ جلد دوم، التوبہ، حاشیہ 31؛ ابراہیم، حاشیہ 32۔ جلد سوم، مریم، حاشیہ 27؛ المومنون، حاشیہ 41؛ الفرقان، حاشیہ 56؛ القصص، حاشیہ 86۔ جلد چہارم سبا، حاشیہ 59، 60، 61، 62، 63؛ یٰسین، حاشیہ 53؛ الشوریٰ، حاشیہ 38؛ جاثیہ، حاشیہ 30)(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 31)

حاشیوں اور حوالوں کی بھر مار میں مسئلہ ایک ہی ہے

قارئین گھبرائیں نہیں ہمارا مقصد چند ہی حاشیوں سے ثابت ہو جائے گا۔ ہم نے یہ تمام حاشیوں کے نمبر اس لئے لکھے ہیں کہ قارئین اتنی سی بات سمجھ لیں کہ ان تمام مقامات پر مسئلہ زیر بحث ایک ہی ہے اور اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ ان حوالوں میں نویں نمبر پر سورہ فرقان کا حاشیہ نمبر 56 بھی لکھا ہے جس سے آپ نے ابتدا کی تھی۔ اور جہاں مودودی نے سورہ کہف کا حاشیہ نمبر 50 تجویز کیا تھا۔

دوسری تشریح سے ہمارا مطلب ثابت ہو جاتا ہے:

مندرجہ بالا تشریح سے یہ ثابت ہوا کہ رسولؐ اللہ کو جس شخص کی وکالت کرنے سے منع کیا گیا اُسکے اپنے ھَویٰ کو اپنا معبود بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ: ''اُس شخص نے اللہ کی ہدایت اور راہنمائی کی جگہ اپنی پسندیدہ ہدایت و راہنمائی کو قابلِ پیروی سمجھ لیا ہے اور یہ عملی شرک ہے۔''

سوم۔ **جس نے اپنے ھَویٰ کو اپنا معبود بنا لیا ہے (25/43) وہ درحقیقت ایک طاغوت ہے**

اب قارئین علامہ کے مندرجہ بالا تشریحی حوالوں میں سے پہلے نمبر پر لکھا ہوا حاشیہ پڑھیں اور ھَویٰ کو معبود بنانے کا مطلب علامہ سے سُنیں:

''91۔ یہاں صریح طور پر ''طاغوت'' سے مراد وہ حاکم ہے جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔''

(آیت سورہ نساء 4/60 تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 367)

چہارم۔ **یہاں تک عمر اور اُن کی پیروی کرنے والے مومنین کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے**

قارئین شکر کریں کہ ہم نے آپکو علامہ مودودی کے مذکورہ بالا اٹھارہ حوالے اور حاشیے سے بچا کر وہاں لا کھڑا کیا جہاں قریش کا قد آور خلیفہ قرآن کی رُو سے وہ طاغوت یا حکمران یا سلطان یا بادشاہ ہے جس نے اپنے ذاتی و پسندیدہ احکام کو اللہ کے احکام کہہ کر نافذ کیا تھا اور علامہ کی مندرجہ بالا تشریح جس آیت کیلئے ہے اُس آیت نے عمر کو وہ امیر المومنین ثابت کر دیا ہے جسکو ایسے مومنین اپنا امیر المومنین اور خلیفہ مانتے ہیں جو رسولؐ سے اپنے دین و دنیا کے فیصلے نہیں کراتے بلکہ رسوؐل کی جگہ اُس طاغوت امیر المومنین سے فیصلے کراتے ہیں آیت سنیئے کہ:

(7۔ی) عمر اور قریش کا اسلام و ایمان اللہ کے یہاں اور رسولؐ اللہ کے مقابلے میں عمر کا مقبول قانونی مقام

اللہ نے یہاں بھی رسولؐ اللہ سے ویسا ہی سوال کیا ہے جیسا کہ عمر کی وکالت سے منع کرنے کے لئے کیا تھا، وہاں فرمایا تھا کہ:

(1) اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰهُ ؕ (25/43) ''کیا تُو نے اُس شخص کو دیکھ بھال لیا ہے، جس نے اپنی پسند کو اپنا معبود بنا لیا

ہے۔''اور یہاں فرمایا ہے کہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِن قَبْلِکَ یُرِیْدُ وْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُضِلَّھُمْ ضَلٰلاً بَعِیْدًا o(نساء4/60)

''کیا وہ لوگ تمہارے دیکھے بھالے نہیں جو اپنے یقین کے مطابق اس زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ تو اُس تمام سامان کے مومن ہیں جو تمہاری طرف نازل ہوا ہے اور اس تمام سامان پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم سے پہلے تمام انبیاءؑ پر نازل ہوا تھا۔ اور اس پورے ایمان کے باوجود اُن کے ارادے یہ ہیں کہ وہ احکامات لینے وفیصلے کرانے کے لئے طاغوت سے تعلق رکھیں گے۔ حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم بھی دیا جا چکا ہے۔ اور اُس خاص شیطان نے بھی یہی ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ اُنہیں بعید ترین گمراہی تک پہنچا کر چھوڑے۔''

قارئین یہاں یہ ثابت ہے کہ عہد رسولؐ میں اللہ و رسولؐ کے مقابلہ میں ایک ایسا شخص موجود تھا جو اپنی بصیرت، سوجھ بوجھ اور پسند کو اپنے اللہ و معبود کا عین منشا اور دین سمجھتا تھا جسے اللہ نے طاغوت اور ایک خاص شیطان قرار دیا ہے۔ اور یہی وہ سورۂ فرقان والا مخصوص ومعروف شیطان ہے جس نے اپنے یار کو رسولؐ کے طریقے سے ہٹا کر اپنے راستے پر چلایا تھا (فرقان 29 تا 25/27)۔ یہی وہ شیطان تھا جو بقول خلیفہ اوّل اُس پر مسلط رہتا تھا (پیرا 6۔ ج (5 و) کا 5) یہی ہے وہ مجتہد جس کی پیروی آج بھی اور عہد رسولؐ میں بھی مومنین کی کثرت کرتی ہے اور کرتی تھی۔ یہی وہ مرکز ہے جہاں اُس کثرت کو یہ حکم ملتا تھا۔ اگر رسولؐ کی طرف سے ایسا اور ایسا حکم ملے تو عمل کرو ورنہ بچتے رہا کرو (مائدہ 5/41) اور یہی ہے وہ شریعت ساز جو قرآن کے الفاظ میں نہیں بلکہ اپنی پسند کے الفاظ میں دن رات احکام گھڑنے کی بنا پر کافر و ظالم و فاسق ثابت ہوتا ہے (مائدہ 47،45،5/44) اور یہی ہے جس کے لئے حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ:

''اور جاتے ہوئے خلافت وحکومت خطاب کے بیٹے عمر کو دیتا گیا۔'' (خطبہ نمبر 3، جملہ 17)

''اور اپنی وفات کے بعد کے لئے دوسرے کو خلافت کا حقدار بنا گیا اور اُس کا کام پکا کر گیا۔'' (خطبہ 3، جملہ 21)

یہی وہ تندخو اور تندخو قوم کا راہنما تھا جہاں خلافت کو کاری زخم لگنا تھے۔ (خطبہ 3، جملے 23-24) اُس ہی کی حکومت میں اُس کے تمام خفیہ منصوبے پروان چڑھے (خطبہ 3، جملہ 26) اُسی کے عہد خلافت میں دینی شبہات وافتراق پیدا ہوا (خطبہ 3، جملہ 31) گمراہی پھیلی، دین میں نکات آفرینیاں اور رُوگردانیاں عام ہوگئیں (خطبہ 3، جملہ 32) اُس نے خاندانِ رسولؐ کو، اُن کے ہم مذہب لوگوں کو محنت وآلام میں مبتلا رکھنے کے انتظامات کئے (خطبہ 3، جملے 33-34) اور ہر اُس مسلمان کو مدینے میں قید رکھا جو اُس کا مخالف تھا۔

8۔ تمام مؤلفۃ القلوب خاندانِ رسولؐ کو برحق سمجھنے پر اپنے قرآنی حق سے محروم ہوئے

علامہ شبلی نے لکھ دیا ہے کہ:

''ایک مؤلفۃ القلوب کا گروہ تھا جن کا قول تھا کہ ''خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمر کسی میں نہیں۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 82)

لہٰذا نوٹ کرلیں کہ بنی ہاشمؑ کے تمام طرفداروں کو قرآن کے واضح احکام کے خلاف اُن کے تمام حقوق سے محروم کیا جاتا رہا

تا کہ وہ غربت وافلاس سے تنگ آ کر حکومت کے طرف دار ہو جائیں اور محنت ومشقت سے بچ کر حکومت سے وظائف اور روز ینے حاصل کرسکیں اور حقداران حکومت کا کوئی مددگار و غم خوار نہ رہے اور وہ بے بس و بے کس ہو کر رہ جائیں اور یوں چاروں طرف سے مایوس ہو کر قریشی خلافت کی اطاعت کرلیں یا کم از کم بغاوت نہ کرسکیں۔

9۔ قرآنی قوانین اور اسلام کو تبدیل کرنے کے لئے قریش کے خلیفہ وراہنما کے بنیادی اصول

قارئین نے دیکھ لیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب خانوادۂ رسولؐ کے طرفدار تھے اور اُن کا قرآنی غیر مشروط حق وحصہ ساقط کرنے کے لئے یہ توجیہہ کرلی گئی کہ: (1) مؤلفۃ القلوب غیر مسلم اور دشمن تھے۔

(2) اُن کو مجبوری اور کمزوری کی بناپر حصہ دیا جاتا تھا۔

یہ پہلا اصول تھا کہ جس حکم یا فیصلے کو تبدیل کرنا ہواُس کے لئے ایک یا چند توجیہات تراش کر روایات اور افسانوں کی صورت میں پھیلا دی جائیں اور پھر نئے پیش آمدہ، یا خود تراشیدہ حالات اور تقاضات کا ھَوَّا دکھا کر قرآن اور رسولؐ کے واضح اور صریح (منصوص) احکام کو ساقط اور نئے وموزوں احکام وفیصلے صادر کر دیئے جائیں۔ اس سلسلے میں ہم علامہ شبلی کے چند محتاط و چالاک جملے لکھتے ہیں:

اوّل۔ اللہ، رسولؐ اور قرآن کے احکام کو انسانی عقل کے ماتحت رکھو

''شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قائم کیا یہ تھا کہ ''شریعت کے تمام احکام مصالحِ عقلی پر مبنی ہیں۔''
(الفاروق حصہ دوم صفحہ 98)

اس طاغوتی اصول پر پہلا اعتراض یا سوال یہ ہے کہ ہر ایسا قاعدہ یا اصول باطل اور مخالفِ اسلام ہے جو قرآن میں نازل شدہ آیات سے اور الفاظ میں قائم نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ اصول قرآن کی کسی آیت یا آیات میں نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ عقلِ انسانی ترقی پذیر ہے اور انسانوں کے مختلف طبقات وتہذیب وتمدن اور سنِ وسال کے ساتھ ساتھ مختلف ہے۔ اور یہ عقلی اختلاف مشہور ومحسوس ہے۔ لہٰذا عقلی مصلحتیں بھی مختلف ومتغیر رہتی چلی جائیں گی۔ جن حالات اور تقاضوں کے ماتحت آج کی عقلی مصلحت ''الف'' ہے، کل کی عقلی مصلحت بدل کر ''ب'' ہوسکتی ہے اور حالات میں سے ایک حالت، اور تقاضات میں سے ایک تقاضا بدل جانے پر بھی ''الف'' الف نہ رہے گا۔ پھر انسانوں کی ایک جماعت کے عقلی مصالح دوسری جماعت کے عقلی مصالح سے مختلف ہوں گے۔ لہٰذا اس اصول کے ماتحت بنتے جانے والی شریعت میں ہزاروں ابوحنیفہ، لاکھوں امام مالک اور کروڑوں شافعی اور اربوں احمد بن حنبل اور لاتعداد فرقے وشریعتیں بنی اور بنتی رہیں گی یہاں تک کہ عمر کے مذہب پر یہ حدیث صادق آچکی کہ:

''اے میرے مخاطب لوگو تم پر بہت جلد (سَیَاتی علیکم زَمَانٌ) وہ زمانہ آئے گا جب اسلام میں سے کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اس کے نام کے اور قرآن میں سے کچھ نہ بچے گا سوائے اس کے الفاظ کے۔ الخ''

دوم۔ اللہ، رسولؐ اور قرآن کی ہر بات بے چون وچرا ماننا مذموم اور چون وچرا اور ذاتی رائے کی مداخلت مستحسن

علامہ شبلی نے اردو زبان میں اور محدث دہلوی شاہ ولی اللہ نے فارسی زبان میں اپنے خلیفہ دوم کی مدح وثنا پر اللہ کی جتنی خیانت کی ہے اس کی مثال اگر کہیں ملتی ہے تو علامہ پرویز، غلام احمد پرویز، کے یہاں ملتی ہے۔ اِن حضرات نے اپنے امیر المومنین کو جہاں درجۂ نبوت و رسالت سے بلند تر کرکے پیش کیا ہے وہیں ضروری تھا کہ عمر کا ہر عیب اور ہر خامی اور ہر غلطی، جرم وگناہ تاویلات کے پردوں میں لپیٹ کر اور قومی تعصب کی خوشبو میں بسا کر بہترین صورت میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ ہم اُن تینوں کو داد دیتے ہیں کہ انہوں نے اِدھر عوام فریبی میں کمال کر دکھایا ہے اور اُدھر اللہ کے لئے یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ اُنہیں اُن کی کارکردگی پر کون سی سزا دی جائے؟ علامہ شبلی مصالح عقلی کو اللہ، رسولؐ اور قرآن پر قاضی وحاکم بناتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ اُن میں عقل کو دخل نہیں دوسرا یہ کہ اُس کے تمام اصول عقل پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال ''علم اسرار الدین'' کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب مستقل فن بن گیا ہے.....تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ ''یہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا'' اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات بغیر چون وچرا کے مان لی جائے ''اور رائے کو کچھ دخل نہ دیا جائے'' لیکن حضرت عمر اسی دوسرے اصول کے قائل تھے۔ اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی.....اولیت کا منصب حضرت عمر ہی کو حاصل ہوگا۔ حضرت عمر ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اُن کے خیال میں اگر کوئی مسئلہ (اُن کے نزدیک۔ احسنؔ) خلافِ عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ سفر میں قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۔(نساء 4/101) لیکن جب راستے مامون ہوگئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر کو اِس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا یہ خدا کا انعام ہے۔ حج کے ارکان میں رَمَل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوڑوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب مدینے سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہوگئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ آنحضرت نے یہ سُن کر رمل کا حکم دیا اس کے بعد یہ معمول ہوگیا۔ چنانچہ آئمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سُنت سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر نے صاف کہا کہ مَا لَنَا وَ الرَّمَلُ اِنَّمَا کُنَّا رَاَیۡنَا بِہِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ قَدۡ اَھۡلَکَھُمُ اللّٰہُ یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض'' اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو اُن کو خدا نے ہلاک کر دیا، حضرت عمرؓ نے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ رمل کے ترک کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر آنحضرت کی یادگار

سمجھ کر رہنے دیا.....حضرت عمر نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہوسکتا ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہیں۔اس سے بداہتاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اس علم اسرار الدین کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 98-99)

سوم۔ اللہ نے قرآن میں جن وجوہات پر خدا اور انبیاؑ کے دشمنوں کی مذمت کی ہے وہ تمام عمر میں ثابت ہیں

علامہ شبلی کے اس بیان پر اگر لفظ بلفظ اور قدم بقدم قرآن کی آیات سے تنقیدی روشنی ڈالی جائے تو یقین فرمایئے کہ ہزاروں آیات نہیں بلکہ سارا قرآن عمر کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوگا اور ہمیں کم از کم ایک ہزار صفحات لکھنا پڑیں گے۔اِس لئے کہ یہ بیان قوانین عقل کے روزمرہ کے مشاہدوں اور تجربوں کے اور اصولِ دین کی مخالفت میں دین وعقل کے نام پر دیا گیا ہے۔اس میں اتنے چھوٹے بڑے منطقی فریب (fallacies) پوشیدہ ہیں کہ اسے از اوّل تا آخر فریب کا ایک انبار کہہ کر گزر جانا کافی ہے۔مگر ہم یوں نہ گزریں گے اور اس کی بنیادوں کو واضح اور مسمار کرنے کے لئے چند پہلو بطور نمونہ دکھا کر گزریں گے تاکہ قارئین خود تفصیلات مرتب کرتے رہیں۔

چہارم۔ اللہ کا کوئی حکم عقل کے خلاف نہیں ہوسکتا؛ مگر کس کی عقل کے خلاف؟

اس عنوان (9) کی ابتدا (اوّل) ہی میں ہم نے عقل اور عقلی مصلحتوں کا باطل ہونا ثابت کیا ہے۔اور واضح کردیا کہ ہر شخص پیدائش کے بعد موت تک ہر لحہ جسمانی وذہنی انقلاب سے گزرتا چلا جاتا ہے روزانہ اسکی عقل ترقی کرتی اور بدلتی چلی جاتی ہے۔اسی طرح نسلِ انسانی کی اجتماعی عقل بھی ترقی کرتی اور بدلتی چلی جاتی ہے یعنی کسی ایک انسان کی یا پوری نوع انسان کی کوئی بات یا کوئی مصلحت نہ آخری بات ہوسکتی ہے نہ آخری مصلحت کہلاسکتی ہے اس لئے کہ اگلے قدم پر اُس کی یا اُن کی عقل بدل جائے گی لہٰذا بات اور مصلحت بھی بدل جائے گی۔چنانچہ جولوگ یہ کہتے ہیں کہ ''شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں'' اُن سے یہ دریافت کرلیں کہ لفظ ''عقلی'' سے وہ لوگ مذکورہ بالا عقلوں میں سے کون سی، کس کی اور کیسی عقل کی بات کرتے ہیں؟

ہم بھی مانتے ہیں، اور یہ ایک ابدی حقیقت بھی ہے کہ ''اللہ کے تمام احکام، تمام فیصلے اور تمام باتیں سو فیصد عقلی یا معقول ہوتی ہیں۔قریشی علما اِس حقیقت کو بطورِ رعب وداب اور فریب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔اور اگر وہ لاعلمی میں اِس جملے کو محض اُس کے حُسن کی بنا پر لکھتے ہیں تو ہم سے سُنیں کہ اس جملے میں انفرادی یا جُزوی عقل کی بات نہیں بلکہ عقلِ کُل کی بات ہے اور عقلِ کل وہ اوّلین مخلوق اور وہ نُور رہے جسے نورِ محمدیؐ فرمایا گیا ہے۔یہ اُسی قسم کی بات ہے جیسے فرمایا گیا کہ علم کے دس حصوں میں سے ایک حصہ ساری نوع انسان کو دیا گیا اور باقی 9 حصے......لہٰذا عقلِ مجسمؐ کے نور کے پرَتو میں سے ایک حصہ ساری نوع انسان کو دیا گیا ہے اور عمر نوع انسان کے ایک عام فرد ہیں اور اس سے زیادہ اُن کی عقل اور عقل سے حاصل ہونے والی رائے اور قیاس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ مسائل واحکام میں اُن کی اپنی رائے بدلتے رہنے اور اپنی اصلاح کرنے کے سینکڑوں واقعات قریشی ریکارڈ میں موجود ہیں۔مثلاً عمر وہی صحابی تو ہیں جنہوں نے قسمیہ اعلان کیا کہ رسولؐ اللہ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ آسمان پر گئے ہیں۔واپس آئیں گے وغیرہ اور جب اُن کے بوڑھے یار نے قرآن کی

وہ آیت پڑھی جو عمر کو بقول عمر اُس وقت تک معلوم نہ تھی تو عمر نے اپنا اچھلنا کودنا اور تلوار کے کرتب دکھانا بند کر دیا اور رائے بدل لی تھی۔اور اُنہوں نے اپنی وہ رائے بھی تبدیل کر لی تھی جس سے وہ قرآن میں مذکور عورتوں کے مہر کو کم کرنے اور اُس پر پابندی لگانے کا اعلان کر رہے تھے اور ایک بڑھیا نے انہیں ڈانٹ کر قرآن کی مذکورہ آیت سنائی تھی اور کہا تھا کہ اے لوگو سُن رکھو کہ مدینہ کی عورتیں بھی مجھ سے زیادہ قرآن کی عالم ہیں۔لہٰذا عمر کا اپنی رائے اور عقلی مصلحت سے قرآن کے احکامات کو ساقط کرنا یا بدلنا ایک ایسی جسارت ہے کہ جس کی پوری مذمت کے لئے ڈکشنری کے تمام الفاظ نا کافی ہیں۔

پنجم۔ **قریش کا قرآن میں مذکور خفیہ منصوبہ علم اَسرارُالدین سے قطعاً واضح ہو جاتا ہے**

ہم نے اپنی سینکڑوں تصنیفات میں عموماً اور قرآن کی تفسیر (تعبیر القران) میں خصوصاً بڑی تفصیل اور قرآنی آیات سے ثابت کیا ہے کہ قریشی راہنما روزِ اوّل ہی سے اسلامی احکام وعقائد کی تعبیرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعبیرات کے خلاف کرتے، چپکے چپکے اپنی قوم میں پھیلاتے چلے آ رہے تھے (5/41، 3/154) قرآن اور حدیث کی یہ خاموش اور زیر پردہ تفہیم ہی بعد میں علمِ اسرارالدین کا، اسم بامسمّٰی، نام اختیار کر لیتی ہے۔اسم بامسمّٰی اس لئے کہ قریش کے نزدیک نبوت کا دعویٰ بنی ہاشم کے اقتدار کے لئے کیا گیا تھا اور اس کے توڑ میں قریشی لیڈروں نے، در پردہ، بنی ہاشم کے اقتدار کو قریش کے اقتدار میں تبدیل کر لینا طے کر لیا تھا (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 103؛ طبری جلد 2 صفحہ 279 تا 283) قریش کے اس راز کو اور اس سے متعلق بہت سے دوسرے اسرار کو قرآن نے بھی راز ہی کی زبان میں جگہ جگہ اور طرح طرح بیان کیا ہے۔اس سلسلے میں یہاں ایک مقام پیش کرتے ہیں اور اختصار کی غرض سے قرآن کی عبارت چھوڑ کر مودودی کا ترجمہ اُن کے ترجمہ کی تکمیل کے ساتھ پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں:

نمونے کے لئے قریش کے علم اسرارالدین کا ہزاروں میں سے ایک نمونہ اقتدار حکومت میں شرکت کا منصوبہ

مگر ایک دوسرا گروہ، جس کے لئے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے ایام جاہلیت والے ظن و قیاس کے ماتحت حق کے خلاف کہنے لگا کہ ''قیادت کے اختیار میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟ اُن سے کہو کہ قیادت کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔'' دراصل یہ گروہ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے (اسرار دین رکھتے) ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر قیادت کے اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو اس جنگ میں ہم یوں نہ مارے جاتے۔'' اُن سے کہہ دو کہ ''اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔'' اور یہ معاملہ جو پیش آیا یہ تو اس لئے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ تھا اُسے آزما کر ثابت کر دے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے۔(آل عمران 3/154 تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 296-297)

یہاں اس آیت میں لفظ ''امر'' تین مرتبہ آیا ہے اور تیسری مرتبہ علامہ مودودی نے اس کا ترجمہ ''قیادت کے اختیارات'' کیا جو صحیح اور صورتِ حال کے عین مطابق ہے لہٰذا ہم نے تینوں جگہ یہی صحیح ترجمہ لکھا ہے۔آیت میں ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ہے۔جس کے معنی جہالت نہیں

بلکہ عہدِ رسولؐ کے قبل والے عقائد ہیں اور علم اسرار دین جن الفاظ سے ظاہر ہے وہ ہیں:

یُخْفُوْنَ فِیْ اَنْفُسِہِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَکَ یعنی ''اُنہوں نے آپس میں جو بات مخفی رکھی ہے جسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔'' اور مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ یعنی ''جو تمہارے سینوں کے اندر پوشیدہ اسکیم ہے۔'' اور مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ اور ''جو تمہارے دلوں میں ہے۔''

ایک ہی آیت سے ثابت ہو گیا کہ مومنین کا یہ گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے کے مذہبی عقائد کے مطابق اللہ کی پوزیشن کو مانتا اور اُسی کے مطابق مسلمانوں میں عملدرآمد کرتا تھا اور یہ کہ انہوں نے اقتدار میں شریک ہو کر اپنا حصہ حاصل کر لینے پر خفیہ اجماعی فیصلہ کر رکھا تھا اور یہ اُن کے فہمیدہ دین کے راز یا علم اسرار الدین تھا جسے وہ رسولؐ سے پوشیدہ رکھتے اور برحق سمجھتے تھے اور اُسی پر بعدِ رسولؐ عمر نے کھل کر عمل کیا تھا اور اس اسلام کے تمام راز و رموز اپنے تیار کردہ احکام سے واضح اور عام کر دیئے تھے۔ جسے انہوں نے اپنا اسلام سمجھا تھا۔ یہاں یہ بھی نوٹ کرنے کی بات کہ یہ علم اسرار الدین کا پتہ دینے والی آیت (3/154) جن دو آیات کے بیچ میں ہے اُن میں سے پہلی آیت (3/153) یہ بتاتی ہے کہ قریش کے مومنین کا مذکورہ بالا گروہ اپنے خفیہ منصوبے کی رُو سے رسولؐ اللہ کو دشمنوں کے تلوار بکف نرغہ میں چھوڑ کر پہاڑ پر جا کر پناہ گزیں ہو گیا اور رسولؐ کی فریاد پر بھی نہ پلٹا تھا کہ جلد از جلد قتل ہو جائیں اور یہ حضرات حکومت واقتدار سنبھال لیں اور اس کے بعد آیت (3/156) اُن قریشی مسلمانوں کو یوں مخاطب کرتی ہے کہ:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...... 3/156 ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو کافروں کی مانند نہ ہو جاؤ۔''

یہ ہیں وہ مومنین جو نزول قرآن کے دوران کافروں اور ایام جاہلیت والوں کے ظنون و قیاس ورائے کے ماتحت اسلام لائے تھے اور اُن ہی کے راہنما تھے جنابِ عمر جنہوں نے اپنے اختیار کردہ اسلام کے ہزاروں مسائل مسلمانوں میں پھیلائے تھے۔ جس پر علامہ شبلی اور جناب شاہ ولی اللہ دہلوی کو فخر و ناز ہے۔

ششم۔ <u>اللہ کے احکام میں چُون و چرا اور ردّوبدل کرنا تکذیب قرآن ہے۔ خود ساختہ احکام پر چلنا شرک ہے</u>

علامہ شبلی نے اہل مذہب کی دو قسمیں لکھ کر اُن لوگوں کی مدح وثنا کی ہے اور عمر کو اُن ہی اہل مذاہب میں شمار کیا بلکہ اُن کا استاد و راہنما قرار دیا ہے جو کسی حکم کو بلا چون و چرا تسلیم کرنا مذہبی جنون سمجھتے تھے اور یہ کہ اُنہوں نے کسی حکم یا مسئلے کو بلا چوں و چرا اور اپنی عقلی مداخلت کے کبھی قبول نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کو عموماً اور عمر کو خصوصاً اُن کے پیرو جناب علامہ مودودی کا یہ ترجمہ اور تشریح سناؤ اور آیت (حشر 59/7) میں اللہ کے عذاب کی خوشخبری دے دو۔ مودودی کی زبانی اللہ کا حکم سنئے:

<u>احکامِ خداوندی کی بے چون و چرا اطاعت و تعمیل نہ کرنے والوں کو شدید عذاب ہوگا</u>

<u>مودودی ترجمہ</u>: ''جو کچھ رسولؐ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دے اُس سے رُک جاؤ۔''

''اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (حشر 59/7) (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 392-393)

<u>مودودی تشریح</u>: '' 15 سلسلہ بیان کے لحاظ سے اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اموالِ بنی نضیر (یہود۔احسنؔ) کے انتظام، اور اسی

طرح بعد کے اموالِ فَے کی تقسیم کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ فرمائیں اُسے بے چون وچرا تسلیم کرلو، جو کچھ حضورؐ کسی کو دیں وہ اُسے لے لے، اور جو کسی کو نہ دیں وہ اس پر کوئی احتجاج یا مطالبہ نہ کرے۔لیکن چونکہ حکم کے الفاظ عام ہیں، اس لئے یہ حکم صرف اموالِ فَے کی تقسیم تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس حکم کا منشا یہ ہے کہ تمام معاملات میں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔اس منشا کو یہ بات اور زیادہ واضح کردیتی ہے کہ ''جو کچھ رسوؐل تمہیں دے'' کے مقابلے میں ''جو کچھ نہ دے'' کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے گئے ہیں، بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ ''جس چیز سے وہ تمہیں روک دے (یا منع کردے)۔اُس سے رُک جاؤ''اگر حکم کا مقصود صرف اموالِ فَے کی تقسیم کے معاملے تک اطاعت کو محدود کرنا ہوتا تو ''جو کچھ دے'' کے مقابلے میں ''جو کچھ نہ دے'' فرمایا جاتا۔منع کرنے یا روک دینے کے الفاظ اس موقع پر لانا خود یہ ظاہر کردیتا ہے کہ حکم کا مقصود حضورؐ کے امر و نہی کی اطاعت ہے۔''(آگے علامہ نے احادیث لاکر بات کو مستحکم کردیا ہے۔)(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 393-394)

اگر قاری حضرات چاہیں تو فاتحہ کے ساتھ یہ عبارت پڑھ کر مولانا شبلی اور اُن کے امیر المومنین کو ایصال کردیں مگر یاد رکھیں کہ عذاب قبر میں اضافہ یقینی ہے۔

خدااور رسولؐ کے ہر حکم کی بے چون چرا اطاعت واجب ولازم ہے ورنہ وہ مشرک ہے

قارئین ہم آگے بڑھتے ہیں اور اُن کی پوزیشن مزید واضح کرتے ہیں جو حکم خدا ور سوؐل میں اپنے عقلی مصالح کی بنا پر ردوبدل کرتے تھے مگر آپ ہمارا عنوان (7۔ط کا 3) دیکھیں، قرآن کریم قریش کے زیرِ بحث عظیم مجتہد اور شریعت ساز کا ذکر کرتا ہے (25/43) اور پھر یہ دیکھیں کہ بیس سورتوں کے بعد پھر اُسی کا تذکرہ اُسی شان اور اُن ہی الفاظ میں کیا جارہا ہے تاکہ مومنین مختصر الفاظ سے مغالطہ نہ کھاسکیں۔

اپنی رائے اور عقلی مصالح کو اللہ کا منشا سمجھنے والے شریعت ساز کو زیرِ نگاہ رکھنے کا دوبارہ حکم

ارشاد ہوا ہے کہ: اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ (جاثیہ 45/23)

''اے رسوؐل کیا آپؐ نے اُس شخص کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا ہے؟ جس نے اپنی پسند کو اپنے معبود واللہ کی پسند بنا رکھا ہے؟ اور اُسے اللہ نے عالم ہونے کے باوجود گمراہ ہوجانے دیا ہے۔اور اُس کی سماعت وفہم کو اُس کی پسندیدہ چیزوں تک محدود کردیا ہے اور اس کے مشاہدے اور حق کے درمیان پردہ لٹکا دیا ہے۔یعنی اب اُسے ساون کے اندھے کی طرح سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔بتاؤ اللہ کے اس انتظام کے بعد اُسے کوئی ہدایت کریگا؟''

اپنی رائے اور بصیرت، یا کسی اور کے اجتہاد کی اللہ کی طرح بے چون وچرا اطاعت کرنا مشرکوں کا کام ہے

اس آیت کی تشریح بھی اُسی قریشی مذہب کے عالم سے سنئے ارشاد ہے کہ:

''خواہشِ نفس کو خدا بنالینے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی خواہش کا بندہ بن کر رہ جائے۔جس کام کو اس کا دل چاہے اُسے کر گزرے، خواہ خدا

نے اُسے حرام کیا ہو، اور جس کام کو اس کا دل نہ چاہے اُسے نہ کرے، خواہ خدا نے اُسے فرض کر دیا ہو۔ جب آدمی اس طرح کسی کی (یا اپنی۔احسن) اطاعت کرنے لگے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اس کا معبود خدا نہیں ہے بلکہ وہ ہے جس کی وہ اس طرح اطاعت کر رہا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ زبان سے اُس کو (یا خود کو۔احسن) اپنا الٰہ یا معبود کہتا ہو یا نہ کہتا ہو، اور اُس کا (یا اپنا۔احسن) بت بنا کر اس کی پوجا کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔اس لئے کہ ایسی بے چون وچرا اطاعت ہی اسکے معبود بن جانے کیلئے کافی ہے۔اور اس عملی شرک کے بعد ایک آدمی صرف اس بنا پر شرک کے جُرم سے بری نہیں ہوسکتا کہ اُس نے اپنے اس مطاع (جس کی وہ اطاعت کرتا ہے) کو زبان سے معبود نہیں کہا ہے اور سجدہ اسکو نہیں کیا ہے (اور خود کو مسلمان اور اللہ وانبیاؑ اور اُس کی کتابوں پر ایمان رکھنے کا مومن اور امیر المومنین بھی کہتا ہو) اِس آیت کی یہی تشریح دوسرے اکابر مفسرین نے بھی کی ہے۔.....ابوبکر جصاص اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ ''وہ خواہش نفس کی اس طرح اطاعت کرتا ہے جیسے کوئی خدا کی اطاعت کرے۔'' زمخشری اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ ''وہ خواہش نفس کا نہایت فرمان بردار ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 589)

<u>اجتہاد کو خواہشِ نفس کیوں نہ کہا جائے؟ یہ کوئی معقول وجہ نہیں کہ تم اجتہاد کو جائز سمجھتے ہو</u>

پہلے اس بیان میں یہ سمجھ لیں کہ اللہ نے قرآن میں <u>مؤلفۃ القلوب</u> کا حق اور حصہ فرض کیا تھا (توبہ 9/60) اور قریشی مسلّمہ روایات سے اور خود عمر کے بیان سے ثابت ہے کہ رسولؐ اللہ مؤلفۃ القلوب کو اُن کا حصہ برابر دیتے رہے اور خود ابوبکر نے رسولؐ کی پیروی میں اُن کے حصے کو ادا کرنا فرض سمجھتے ہوئے فرمان لکھ دیا تھا اور روایات کے مطابق صحابہ نے اس پر دستخط بھی کر دیئے تھے (دیکھو عنوان 7۔ب، 7۔ج وغیرہ) مگر عمر نے اپنی پسند کو اللہ اور رسولؐ پر ترجیح دی اور اُس فرض حکم کو ساقط کر دیا جس کی بے چون وچرا اطاعت اُس پر واجب تھی (سابقہ عنوان) پھر یہ سوچیں کہ ہم لفظ ھَوٰی کے معنی اجتہاد کیوں نہ کریں؟ جب کہ ھَوٰی کے معنی عموماً خواہشِ نفس کئے جاتے ہیں۔کیا اجتہاد میں خواہشِ نفس کا یا انسان کی پسند کا کوئی دخل نہیں ہوتا؟ کیا اجتہاد غیر ارادی اور اضطراری صورت میں انسان سے سرزد ہو جاتا ہے؟ پھر خواہشِ نفس کو ہم صرف مذموم اور بُرے معنی میں کیوں استعمال کریں؟ جب کہ خواہش ہی کو اُردو میں ''چاہ'' اور چاہنا کہا جاتا ہے؟ اور ''میری خواہش یہ ہے'' کو ''میں یہ چاہتا ہوں'' کہنا بالکل صحیح ہے۔خواہش اچھی چیزوں کی بھی ہوتی ہے اور بُری چیزیں چاہنا بھی خواہش ہی کہلاتا ہے۔خواہش ہی کو انگریزی میں desire اور wish کہتے ہیں۔اسی کو will اور willing کہا جاتا ہے اور عربی زبان میں خواہش کا ترجمہ ہرگز لفظ ھَوٰی سے نہیں کیا جاتا۔بلکہ خواہش کے سامنے آپ کو لفظ رَغْبَةٌ اور بُغْيَةٌ اور اِبْتِغَاءٌ لکھا ہوا ملے گا یا لفظ اِشْتَهَا ہوگا۔لہٰذا خواہش کو صرف بُرے معنی میں استعمال کرنا ایک سوچی سمجھی چالاکی ہے۔اور اسی چالاکی کو رنگ دینے کے لئے اور لفظ خواہش کو صرف بُرے معنی میں مستقلاً استعمال کرنے کے لئے بلاضرورت اور خلاف قاعدہ لفظ ''نفس'' چپکا دیا گیا ہے تاکہ خواہشِ نفس، نفسانی خواہش کے لئے استعمال کرنا جائز ہو جائے۔لیکن لفظ ''نفس'' میں بھی کوئی بُرا یا مذموم پہلو یا معنی نہیں نکلتے۔اور قرآن میں یہ لفظ بار بار اور جگہ جگہ استعمال ہوا ہے اور وہاں کہیں اس لفظ میں بُرا پہلو نہیں نکلا ہے۔یہی مترجمین نفس کے معنی ''جان، دل، ذہن اور ذات''

کرتے رہے ہیں۔ساری نوع انسان ایک ''نفسِ'' واحدہ سے پیدا ہوئی ہے اور لفظ نفس کو اللہ نے خود اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (6/54) تمہارے پروردگار نے اپنے نفس پر رحمتؐ کو لازم کرلیا ہے۔لہٰذا نہ لفظ خواہش بذات خود بُرا ہے نہ نفس میں کوئی ذاتی خرابی ہے۔رہ گیا لفظ ھَوَا یا ھَوای؟ یہ لفظ بھی بذاتِہٖ بُرا نہیں ہے اس کا استعمال بُرے مقام پر اُسے بُرا بنا دیتا ہے۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ خدایا تو میری مکہ میں بسائی جانے والی اولاد کو ایسا اور ایسا بنانا تو وہیں یہ بھی چاہا کہ لوگ اُس اولاد کو پسند کریں،اُن کی طرف مائل رہیں اور اُن کے قلوب اُن کی (میری اولاد) کی طرف جھکائے رکھنا تو ان تمام خواہشات اور تمناؤں کے لئے لفظ ''تَھْوِیٓ'' کو یوں استعمال کیا ہے: فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیٓ اِلَيْهِمْ (ابراھیم 14/37) یہ لفظ بھی ھَوٰی ہی کے مصدر یا خاندان سے ہے اور یہاں یہ اچھے مقام پر لایا گیا ہے۔

بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ قریشی علما نے چونکہ اجتہاد کو حرام ہوتے ہوئے بھی جائز رکھا ہے اسلئے وہ الفاظ ھَوٰی اور اَھْواء کے گھناؤنے معنی کر کے اجتہاد کو محفوظ کرنا چاہتے رہے ہیں۔لیکن اس پر اُنہیں قرآن سے تو دلیل کہاں ملتی اُن کی اپنی اختیار کردہ روایات میں بھی مذمت ہی ملتی ہے جواز نہیں ملتا۔اور ہم اھواء اور ھوٰی کے معنی میں اُس تمام تصور کو شامل سمجھتے ہیں جو مجتہد کے دماغ میں اجتہاد کرتے ہوئے موجود ہوتا ہے۔یعنی اُس مطلب کو حاصل کرلینا جو اُسے ''پسند'' ہو۔یہ یاد رکھیں کہ لفظ ھَوٰی کے مصدر ''ھَوِیٌّ'' میں دوہرے معنی شامل ہیں۔مثلاً ''بلند ہونا'' اور ''پستی کی طرف آنا'' اور جھکنا وسر بلند کرنا۔ہم نے اُن تمام معنی کو لفظ پسند سے بھی ظاہر کیا ہے۔اور انسان اپنے اُسی قیاس کو اور اپنی اُسی رائے کو پسند کرتا ہے جو اُس کے مقصد میں زیادہ سے زیادہ موثر اور مفید ہو اور اجتہاد کرتے ہوئے جو چیزیں برسرِ کار آتی ہیں اُن میں مجتہد کی رائے اور قیاس ہوتے ہیں اور یہ دونوں اس کی عقل کی پیداوار ہوتے ہیں چنانچہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:

(1) <u>قیاس کے بانی عمر ہیں</u>

''آئمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہؒ،امام مالکؒ،امام شافعیؒ،امام احمد حنبلؒ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور اُن کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔لیکن قیاس کی بنیاد اوّل جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 114)

(2) <u>عمر کی رائے دین کے معاملے میں آخری بات ہوتی تھی</u>

''مع ھذا بعدِ حزم خلیفہ (عمر۔احسنؔ) ہر چیزے مجال مخالفت نہ بود.....وبدونِ استطلاع رائے خلیفہ (عمر۔احسنؔ) کارے را مصمم نمی ساختند۔'' یعنی ''اس کے ساتھ ہی جب عمر کسی بات کا فیصلہ کرلیتے تھے تو کسی کو اُس فیصلے کی مخالفت کی مجال نہ ہوتی تھی اور عمر کو اطلاع دے کر اُن کی رائے حاصل کئے بغیر کسی کام کو آخری درجہ نہ دیتے تھے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 63)

(3) <u>عمر کی رائے،گمان اور خیال حقیقتِ واقعی اور دین ہوتے تھے</u>

''جب عمر کسی معاملے میں یہ کہتے تھے کہ ''میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے۔'' تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا۔اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ اُن کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔'' (ایضاً صفحہ 133)

ہفتم۔ **قیاس اور رائے سے بنائی جانے والی شریعت و مذہب رسوؐل کی نظر میں**

عمر اینڈ کمپنی کی رائے اور قیاس سے جو مذاہب وجود میں آئے اور آج تک باقی ہیں وہ خود اُن کی اپنی پسندیدہ احادیث سے باطل ہیں۔

(1) رائے اور قیاس کی مذمت آنحضرتؐ کی زبان سے

چنانچہ صحیح بخاری پارہ اُنتیس (29) میں اس سلسلے کے باب کا مقصد یہ لکھا ہے کہ:

بَابٌ مَا یُذکَرُ مِنْ "ذَمِّ الرَّأی وَ تکلُّف القیاس" وَ قَوْلُ اللّٰہِ وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل 17/36)

یعنی "وہ باب جس میں رائے اور قیاس کی مذمت کی جائے گی اور اللہ کے اُس قول کی تائید ہوگی جس میں رسوؐل کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم بھی کوئی ایسا فیصلہ نہ کرنا جس کے متعلق تمہیں قرآنی علم نہ مل چکا ہو۔"

قارئین دیکھیں کہ اس باب کے عنوان کے بعد بخاری سے کوئی حدیث لکھی جائے یا نہ لکھی جائے۔ عمر اور اُن کا تیار کردہ مذہب، اُن کی شریعت اور اُن کے فیصلے باطل ہو چکے ہیں۔ بہرحال حدیث سنئے کہ زیر بحث خلیفہ کا بیٹا بیان کرتا ہے کہ:

سَمِعْتُ النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم یقول اِنَّ اللّٰہَ لَا ینزع العلم بعد اَن اعطا کُمُوْہُ انتزاعًا وَّ لٰکِن یَنْتَزِعُہٗ مَعَ قَبْضَ العلما بِعِلْمِہِمْ فَیَبْقٰی ناسٌ جُہَّالٌ یُسْتَفتَوْنَ وَ یفتُوْنَ بِرَأیھم فَیَضِلُّوْنَ وَ یُضِلُّوْنَ ۔فَحَدَّثْتُ عَائِشَۃَ زَوْجَ النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم ......الخ (صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 1086)

"میں نے رسوؐل کو یہ فرماتے ہوئے سُنا تھا کہ اللہ تمہیں علم عطا کرنے کے بعد مکمل طریقے پر تم سے علم اس وقت تک نہ چھینے گا جب تک وہ تم سے تمہارے علما اور علما کے علم کو اپنے قبضے میں لے کر الگ نہ کر لے۔ چنانچہ جب ایسا ہوگا تو صرف جاہل لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنی رائے سے فتوے لیا دیا کریں گے اور خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا کریں۔"

"عروہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے سنی ہوئی یہ حدیث عائشہ زوجہ رسوؐل کے سامنے بیان کردی تو انہوں نے کہا کہ تم پھر عبداللہ بن عمر کے پاس جاؤ اور اُن سے میرے لئے اس حدیث کی تصدیق کرالاؤ۔ چنانچہ میں عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور اُن سے سوال کیا تو انہوں نے پھر لفظ بلفظ یہ حدیث مجھے اسی طرح سنا دی جیسے ایام حج میں سنائی تھی۔ پھر میں عائشہ کے پاس آیا اور صورت حال بتائی تو فرمایا کہ قسم بخدا عبداللہ نے حدیث کو صحیح یاد رکھا۔"

قارئین نوٹ کریں کہ اس حدیث کے بعد دو اور احادیث میں مسلسل رائے سے فیصلہ کرنے کی مذمت ہے اور لکھا ہے کہ رسولؐ اللہ بھی رائے اور قیاس پر عمل نہ کرتے تھے۔ اِن احادیث کی موجودگی میں عمر نے رائے اور قیاس سے ہزاروں مسائل بنا کر پھیلائے اور اُن چمچوں، چیلوں چانٹوں نے طرح طرح کی طرفدارانہ تاویلیں کیں۔ اللہ و رسوؐل کو چھوڑ دیا مگر عمر کو نہیں چھوڑا۔

ہشتم۔ **عقلی مصالح کا باطل ہونا تو نماز قصر کے جاری رہنے سے ثابت ہوگیا تھا**

قارئین نے علامہ شبلی کے طویل بیان (9 کا دوم) میں دیکھا تھا کہ عمر کو نماز کی قصر کا جاری رہنا اُس "مصلحت" کے خلاف نظر آیا

تھا جواللہ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے۔یعنی ''دشمنوں کی طرف سے راستوں کا محفوظ نہ ہونا'' اور جب راہیں محفوظ ہوگئیں خطرہ جاتا رہا تو عمر کے عقلی مصالح کی رُو سے نماز کا قصر کیا جانا بند ہو جانا چاہیئے تھا۔مگر رسول اللہ نے نمازِ قصر جاری رہنے دی تو عمر نے اعتراض کیا اور عقلی مصلحت کے ختم ہو جانے کی دلیل بھی دی۔لیکن آنحضرتؐ نے یہ کہہ کر عمر کو خاموش کر دیا کہ قصر کا جاری رہنا اللہ کا انعام ہے۔معلوم ہوا کہ کسی حکم کے جاری کرنے میں اللہ و رسولؐ کے یہاں صرف ایک ہی علّت یا مصلحت نہیں ہوتی۔اور کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی تحقیق کرنے والے علمانے دلیل سے ثابت کیا ہے کہ ہر معلول کی ایک سے زیادہ علتیں ممکن ہیں چنانچہ مندرجہ بالا حدیث کی رُو سے وہ تمام علما اور مفتی جاہل اور گمراہ تھے جنہوں نے علم اور علما علیہم السلام سے منقطع ہو کر خود اپنی محدود و مذموم عقل و رائے سے اللہ کے احکام کی مصلحتیں فرض کر کر کے فتوے دیئے اور احکام گھڑ کر پھیلائے۔رہ گیا شبلی کے اُس بیان (9 کا دوم) میں عمر کا حج کے ارکان میں سے رمل کو برقرار رہنے دینا۔وہ اس لئے نہ تھا کہ عمر رسول اللہ کی یادگاروں کا تحفظ کرتے تھے۔کیونکہ اُنہوں نے وہ درخت کٹوایا جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی اور اُس مسجد کو گرایا جہاں رسول اللہ نے نماز پڑھی تھی۔(الفاروق مفصل)

نہم۔ <u>ساری نوع انسان کا اجتہاد ہو یا متفقہ رائے یا اجماع ہو یا قیاس اور ھوٰی ہو باطل ہے</u>

اس عنوان میں ہمارے قارئین آخری مرتبہ یہ دیکھیں گے کہ قرآن اور رسول اللہ کے احکام کے مقابلے میں پوری نوع انسان کی اجتماعی عقل اور رائے کا فیصلہ قرآن کی رُو سے اور خود عقل کی رُو سے کیا مقام رکھتا ہے؟ پہلے قرآن سے ایک فطری، اور روزمرہ تجربہ میں آنے والی بات سنیں اور عقل انسانی کو اُس کی محدودیت پر متوجہ کریں۔

(1) <u>انسان اپنی پسند اور ناپسند پر روزِ اوّل سے نادم ہوتا چلا آیا ہے</u>

اور سر جھکا کر گریبان میں منہ ڈال کر دریافت کریں کہ کیا ہر وہ چیز جو تمہیں پسند تھی یا جسے تم نے اچھا سمجھا تھا ہمیشہ پسندیدہ اور اچھی ہی ثابت ہوتی چلی آئی ہے؟ کیا تم اپنے انتخاب اور پسند پر کبھی بھی نہیں پچھتائے؟ سنئے اللہ تمہیں یہی کچھ بتا رہا ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ عہدِ رسولؐ کے مومنین کا اللہ کے احکام کو اپنی رائے کے مقابلے میں ناپسند کرنے کا قصہ بھی سنانا چاہتا ہے۔

<u>قریش بفضل عمر، اللہ کے احکام کو اپنی رائے کے مقابلے میں ناپسند کرتے تھے</u>

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ (بقرہ 2/216)

''اے مومنین تم پر دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنا واجب کیا گیا مگر تمہیں دشمنانِ اسلام سے جنگ پسند نہیں یہ بھی تو ہوتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناپسند ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو۔اور یہ بھی کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہی تمہارے لئے بُری ہو۔حقیقت حال کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے۔''

اِسی پہلو کے لئے یہ بھی فرمایا ہے کہ: فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ٥ (نسا 4/19)

''ہوسکتا ہے کہ تمہیں اپنی عقل اور تجربے کی رُو سے ایک چیز ناپسند ہو مگر اللہ نے تمہارے لئے اُسی میں بہت سی بھلائیاں رکھی ہوں۔''
منشا واضح ہے کہ تم اپنی عقل وتجربہ کو احکام خداوندی میں مداخلت کے لئے کافی نہ سمجھو۔

(2) وہ شخص اسلام وایمان سے خارج وجہنمی ہے جس کی رائے یا ھوٰی دل سے رسولؐ اللہ کا حکم نہ مانے

علامہ مودودی کا ترجمہ اور تشریح سُن کر عمر وبکر کی رائے، اجتہاد یا ھوٰی کے لئے اللہ کا حکم سُنیں اور اُن پر قرآن کا فتویٰ لگادیں:
''اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ (رائے، اجتہاد اور ھوٰی کے پیرو مسلمان۔احسنؔ) کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنیوالا (حاکم) نہ مان لیں، (یعنی طاغوتی شریعت سازادارے (4/60) کو نہ چھوڑ دیں۔احسنؔ) پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔'' (نساء4/65، تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 369-368)

قیامت تک آنے والے تمام عمروں پر رسولؐ اللہ کے احکام کی تعمیل واجب ہے

گویہ آیت کافی ہے۔مگر عمر کے مذہب کے فی زمانہ سب سے بڑے عالم کی تشریح اور فیصلہ بھی سُن لیں تو بہتر ہے:
''95؎ اس آیت (4/65) کا حکم صرف حضورؐ کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک کیلئے ہے جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ کی ہدایت وراہنمائی کے تحت آپ نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے اور اُس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔حدیث میں اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ: لا یومن احدکم حتّٰی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ ۔تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی خواہش نفس اُس طریقہ کی تابع نہ ہوجائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 369)

(3) عقل کو بار بار تجربہ ہوتا رہا ہے کہ ساری نوع انسان مل کر بھی مستقبل کے لئے صحیح فیصلہ نہیں کرسکتی

اس آیت اور علامہ کی تشریح سے یہ فیصلہ ہوگیا کہ مسلمان صرف وہی ہوسکتا ہے جس کی، بقول علامہ، اچھی اور بُری سب خواہشات آنحضرتؐ کی پیروی کریں۔یعنی خواہ ہم لفظ ھوٰی کے معنی اجتہاد کریں یا قریشی علما ھوٰی سے نفسانی خواہشات سمجھیں، اللہ و رسولؐ کی اطاعت سے بچنا ممکن نہیں ہے۔اس کے بعد وہ شخص جس نے اپنے ھوٰی کو اللہ کا مقام دے کر اُس کی خود بھی اطاعت کی ہے (فرقان 25/43 جاثیہ 45/23) اور دوسروں سے بھی اطاعت کراتا ہے اُسے اور اس کے پیرووں کو اسلام سے خارج اور مشرکین میں شامل کرکے مندرجہ ذیل آیات پڑھیں اور علامہ مودودی کا ترجمہ دیکھیں:

اَ فَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ o وَ تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ o وَ اِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ o (انعام 116 تا 6/114)

''پھر جب حال یہ ہے تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ اُس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کر دی ہے؟ اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے۔احسنؔ) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب ہی کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے لہٰذا تم شک کرنے والوں (زیادہ نچوڑنے والوں) میں شامل نہ ہو۔ تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، کوئی اُس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور وہ سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے۔ اور اے محمدؐ اگر تم اُن لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 574-575)

(4) علامہ مودودی کے اس محتاط اور سرسری ترجمے سے بھی نظامِ اجتہاد و مشاورت باطل ہو گیا

علامہ کتنی بھی احتیاط کریں لیکن اُنہیں کچھ نہ کچھ تو ماننا ہی پڑتا ہے۔ ہم باقاعدہ ان آیات (انعام 116 تا 6/114) کا منظر و پس منظر آپ کے سامنے رکھیں گے اور آیات کے الفاظ کی معنوی حقیقت بھی سامنے لائیں گے۔ یہاں تو اس ترجمہ کی آخری بات پر نظر ڈالیں اور یہ فیصلہ کرلیں کہ مودودی کے نزدیک بھی اس زمین پر آباد انسانوں کی اکثریت کی عقل و بصیرت کی تحقیقات و تجربات اور فیصلے ظن و تخمین و قیاسات پر منحصر ہوتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام میں اجتہادی احکام و فیصلے باطل ٹھہرتے ہیں اور یہ آیات، قرآن کے جس ماحول میں مذکور ہیں وہاں پہلے سے طاغوت کے شریعت ساز ادارے کا تذکرہ ہو رہا ہے اور اُس ہی ادارے کے لیڈروں کو ان تینوں آیات میں جواب دلوایا گیا ہے اور اُن مجتہدین کو لفظ ''مُمۡتَرِيۡنَ'' سے یاد فرمایا گیا ہے اور حضور کو اُن ممترین سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا ہے (6/114)۔ یہاں یہ نوٹ کریں کہ قریشی حکومتوں کے لئے ضروری رہتا چلا آیا ہے کہ وہ قرآن کے معنوی استقلال کو متزلزل کر دیں تاکہ کسی لفظ کے معنی مستقل نہ رہیں اور وہ قرآن کے الفاظ میں معنوی ردّ و بدل کر کے اپنے مفید مطلب معنی آزادی سے چسپاں کر سکیں لہٰذا اُنہوں نے یہ پالیسی جاری رکھی کہ ایک ہی لفظ کے کئی کئی مختلف و متضاد معنی لکھتے رہیں اور کئی کئی مختلف و متضاد الفاظ کے ایک ہی معنی کرتے رہیں۔ چنانچہ وہ علما لفظ ''رَيۡبٌ'' کے معنی ''شَکٌ'' لکھتے رہے ہیں۔ اور لفظ ''مِرۡيَةٌ'' کے معنی بھی ''شَکٌ'' ہی کئے ہیں۔ حالانکہ لفظِ شک خود عربی زبان کا لفظ ہے اور قرآن میں استعمال بھی ہوا ہے (یونس 10/94) اور یہ تینوں الفاظ نہ صرف یہ کہ مختلف مادّوں اور مصدروں سے بنتے ہیں بلکہ اپنے معنی و مفاہیم میں بھی مختلف ہیں چنانچہ لفظ ممترین کا مادہ ''م۔ر۔ی'' ہے اور مصدر ''مَرۡيًا'' ہے اور اس کے معنی ہر لغت میں ہیں: ''دودھ نکالتے ہوئے تھنوں کو دبا دبا کر نچوڑنا'' اور ''گھوڑے کا پیر بار بار اُٹھا کر بار بار اُسے زمین پر مارنا'' یا ''کسی کی خوب دبا کر مخالفت کرنا'' لہٰذا رسول اللہؐ سے یہ فرمایا گیا ہے کہ:

''تم اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جو قرآن کے الفاظ کو مروڑ مروڑ کر اُن سے اپنے مجتہدانہ معنی کشید کیا کرتے ہیں۔'' (6/114)

اور آخری بات یہ نوٹ کرلیں کہ علامہ نے اپنے ترجمہ میں جب دُوسری مرتبہ لفظ ''اَلۡكِتٰبَ'' آچکا تو دونوں جگہ ترجمہ میں نہ ''اِس کتاب'' لکھا نہ ''یہ کتاب'' کہا اور نہ ''وہ کتاب'' سمجھا۔ مگر جب الکتاب کی ضمیر ''اَنَّهٗ'' آئی تو اب لفظِ کتاب کے لئے لفظ ''یہ'' ترجمہ میں لکھا۔

ہم کہتے ہیں کہ تینوں جگہ لفظ '' یہ '' لکھنا چاہیئے تھا تاکہ وہ حقیقت سامنے آجائے جس سے مودودی کو اور اُس کے بزرگوں اور طاغوتی ادارے کو بخار چڑھتا ہے، جسے وہ سب چھپانے کے لئے اپنا دین و عاقبت تک تباہ کر بیٹھے ہیں۔ سُنئے بات یہ ہو رہی ہے کہ آنحضرتؐ طاغوتی یا نظام اجتہاد کے ادارے کو پسند کرنے والے لوگوں (نساء 4/60) سے فرماتے ہیں کہ:

''تم لوگ مسلسل ایک جداگانہ ''حَکَم'' فیصلہ کرنے والا مرکز چاہتے ہو اور اللہ نے اُسے طاغوت قرار دے دیا ہے (4/60) اس لئے میں اپنے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی اللہ ہی کو ''حکم'' اور آخری فیصلہ کرنے والا سمجھتا ہوں۔ جس نے ہر چیز، ہر قضیے، ہر مقدمے، ہر سوال اور ہر معاملے کے فیصلوں کی مفصل یہ کتاب تمہارے لئے نازل کر دی ہے اور یہ کتاب جن لوگوں کو سپرد کی گئی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے حقائق لے کر نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کے فیصلوں اور تفصیلات کی موجودگی میں کسی اور '' حکم '' فیصلہ کرنے والے کی ہرگز ضرورت نہیں رہتی ہے۔ چنانچہ تم اس کتاب کو مجمل نامکمل، اور جزئیات سے خالی اور ہر صورتِ حال کے لئے ناکافی قرار دے کر اپنی مجتہدانہ شریعت سازی سے باز آجاؤ۔ اللہ نے اپنے کلام کو مکمل عدل وصدق کے ساتھ پورا کر دیا ہے اور اب اُس کے قرآنی فیصلوں میں کوئی کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتا ہے اور وہ تمہارے مشوروں اور قومی شریعت گھڑنے کے منصوبوں کو سنتا بھی ہے اور تمام متعلقہ چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ اے رسوؐل تم بھی سُن رکھو کہ اگر تم نے، قریش تو قریش ہیں، روئے زمین کے تمام باشندوں کی کثرت کی عقل وبصیرت اور رائے اور مصلحت کو معیارِ حق سمجھ کر اُن کی باتیں اور فیصلے ماننا شروع کر دیئے تو یاد رکھو کہ وہ تمہیں قرآن میں طے شدہ اللہ کے طریقے سے گمراہ کر دیں گے۔ اسی لئے ہم نے تمہیں ان ممترین سے الگ رہنے کا حکم دیا ہے۔'' (انعام 116 تا 6/114)

سوچئے کہ مودودی اینڈ کمپنی آیات کا یہ مسلسل اور مربوط اور الفاظ کا یہ مفہوم کیسے لکھتی؟ انہوں نے تو یہاں صاحبان قرآن علیہم السلام کی جگہ یہود و نصاریٰ کو مراد لیا ہے حالانکہ مدینے اور گرد و نواح کے وہ عرب جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا اور سچ مچ نہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے بلکہ ''یہودی بن گئے تھے (یَآ یُّھَا الَّذِیۡنَ ھَادُوۡا۔ اے وہ لوگو جو یہودی بن گئے ہو)'' وہ تو محمدؐ اور خانوادۂ نبوت اور اسلام کے ویسے ہی دشمن تھے جیسے قریش دشمن تھے۔ انہوں نے (معاذ اللہ) برابر آنحضرتؐ کو جھوٹا نبی کہا اور قرآن کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا اور اُن کے لئے اللہ نے یہ آخری فیصلے سُنا دیئے کہ اے رسوؐل جب تک تم اُن کے مذہب وملت کی پیروی اختیار نہ کرو گے وہ ہرگز تم سے خوش نہ ہوں گے اور یہ کہ وہ ہرگز تمہارے قبلے کو نہ مانیں گے چنانچہ دیکھئے قرآن آج تک کہتا ہے کہ:

1۔ وَ لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَھُوۡدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمۡ ۔ (بقرہ 2/120) (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 106)

2۔ وَ لَئِنۡ اَتَیۡتَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَۃٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَکَ۔ (بقرہ 2/145) (ایضاً صفحہ 122)

مودودی ترجمہ: 1۔ ''یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک تم اُن کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔''

2۔ ''تم اِن اہل کتاب کے پاس خواہ کوئی نشانی (تمام آیات۔ احسن) لے آؤ ممکن نہیں کہ یہ تمہارے قبلے کی پیروی کرنے لگیں۔''

قارئین سوچیں کہ کیا ان دشمنانِ دین کے لئے زیر بحث آیات میں یہ جملہ کہنا صحیح ہوگا کہ:

وَ الَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ..... (6/114)

''جن لوگوں کو یہ کتاب دی گئی ہے وہ یہ علم رکھتے ہیں کہ یہ قرآن واقعی تیرے پروردگار کی جانب سے حق وحقائق لیکر نازل ہوا ہے؟''

یہودیوں اور عیسائیوں کو تو چھوڑو کہ وہ دشمنانِ قرآن ورسولؐ بھی تھے۔تم صاحبانِ قرآن علیہم اسلام کے علاوہ کسی اور صحابی کا نام بتاؤ جس کو حقیقتاً یہ علم بذاتِ خود حاصل تھا کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے؟ یہاں اُن لوگوں کا ذکر نہیں ہے جو رسولؐ اللہ سے سن سنا کر یہ ماننے لگے ہوں کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے یہاں تو اُن لوگوں کا ذکر ہے جو بذاتِ خود قرآن اور رسولؐ پر ازاوّل تا آخر گواہانِ ناطق ہوں اور جن کی شہادت کو اللہ نے اُن کے علم الکتاب کی وجہ سے اپنے ہم پلہ گواہ فرمایا ہے سنئے:

آنحضرتؐ کی رسالت پر دو بلند مرتبہ حقیقی گواہ

وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا قُلۡ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ وَ مَنۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ الۡکِتٰبِ o (الرعد 13/43)

''اور جو لوگ حقیقتِ حال کو چھپانا چاہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تم اللہ کے بھیجے ہوئے رسولؐ نہیں ہو۔اُن کو بتاؤ کہ میرے بھیجے جانے اور رسالت پر ایک تو خود بھیجنے والا اللہ گواہ ہے اور دوسرا چشم دیدہ گواہ کافی ہے جو اللہ کی مکمل کتاب کا عالم ہے اور جس کے پاس مکمل علم ہے۔''

یہ تھی وہ تیسری بات جسے مودودی صاحب چھپانے میں ہمیشہ کوشاں رہے ہیں حالانکہ اُن آیات میں جو حقیقت سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ قرآن ایک مکمل اور مفصل قوانینِ انصاف وعدل کی کتاب ہے جو محمدؐ پر نازل ہوئی اور محمدؐ پر ایمان لانے والوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے بھیجی گئی اور جس کی تعلیمات و ہدایات جاری رہنا ہیں اور آنحضرتؐ نے بذاتِ خود قیامت تک ہدایت کاری نہیں کرنا ہے بلکہ اُن کے بعد جو لوگ قرآنی تعلیمات و ہدایات کے ذمہ دار ہیں یہ قرآن دراصل اُن ہی کو دیا گیا ہے (وَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ) اور وہی قرآنی حقائق وتفصیلات اور قیامت تک پروگرام کے عالم ہیں۔

اب اس دُہرے تہرے انتظام کے بعد کسی اور حَکَم یا حاکم کی ضرورت نہیں رہتی اِس لئے کہ اس تہرے انتظام میں نمبر ایک مفصل ومکمل ضابطۂ حیاتِ کائنات تحریری صورت میں متعلقہ لوگوں کے دیکھنے پڑھنے اور سمجھ کر عمل کرنے کے لئے گھر گھر پہنچا دیا جائے گا۔نمبر دو کی شان یہ ہے کہ اُسے اللہ نے اُن تمام حقائق،اشیاء،مخلوقات کی ضروریات پر ایسی تعلیم دے کر بھیجا ہے کہ لاعلمی اور ناواقفیت کی نفی ہوگئی ہے اور وہ لوگوں کو اُسی آخری حد تک تعلیم دیتا رہے گا۔(وَعَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ ۔نساء 4/113،اور یُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ o بقرہ 2/151) تاکہ ایسے لوگ اُمت میں تیار کردے جن سے لاعلمی قطعاً دُور ہوکر وہ مجسمۂ علم بن جائیں اور نمبر تین کی شان یہ تھی کہ اُنہیں تعلیمات وعلومِ خداوندی مکمل طریقے پر روزِ ازل سے یکمشت دے دیئے گئے تھے۔ نمبر دو اور نمبر تین کی پوزیشن میں اس کے علاوہ کوئی فرق نہ تھا کہ نمبر دو نے اپنے حصے کی تعلیم اُمت کو قسطوں پر دینا تھی (بنی اسرائیل 17/106،فرقان 25/33) اور نمبر تین کو عہدِ رسولؐ سے لے کر قیامت تک مکمل تعلیمات کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا (سورہ جمعہ 62/2-3) اور وہی حضرات تھے جو عہدِ رسولؐ میں بھی اور بعد رسولؐ بھی اُمت کو ہر وہ بات بتانے کے ذمہ دار تھے جو اُمت کا کوئی فرد جاننا

چاہتا ہو چنانچہ قرآن کریم عہدِ رسولؐ میں بھی کہتا رہا اور بار بار کہا اور قیامت تک آنے والی تمام نوع انسان کو دعوت دیتا ہے کہ تم جو کچھ جاننا چاہو اور تمہیں معلوم نہ ہو تو اُن لوگوںؑ سے معلوم کرتے رہو جن کو اللہ نے اپنے بحرِ علم کی تہوں تک اتار دیا ہے (فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o نحل 16/43؛ انبیاء 21/7؛)۔

بلند مرتبہ حقیقی گواہوں کا ازلی وابدی علم ثابت ہوتا چلا آیا ہے

ذرا سوچئے کہ اس زبردست انتظام کے بعد عمر وابوبکر اینڈ کمپنی کا اپنی محدود و مفلوج عقل وقیاس سے شریعت سازی کرنا کیسے اللہ کو پسند آسکتا تھا اور اُسی ناپسندیدگی اور ممانعت کے لئے مندرجہ عنوان میں آیات (انعام 116 تا 6/114) میں دلیل کے ساتھ ثابت کیا کہ قرآن، رسولؐ، اور صاحبانِ و مالکانِ قرآن نوعِ انسان کے ہر سوال کا جواب، ہر ضرورت کا علاج اور ہر پیچیدگی کا حل اور ہر نا معلوم و مجہول چیز کا علم فراہم کرنے کے لئے، جب تک قرآن اور سوال موجود ہے، رہیں گے، تمہاری دسترس کے اندر حاضر ملیں گے۔ اور یہی سبب ہے کہ وہ قرآن اُن کے سینوں میں لکھا ہوا روزِ ازل سے چلا آرہا ہے اور انہیں نزولِ قرآن سے پہلے ہی سارا علم عطا کر دیا گیا تھا اور جو روزِ ازل سے اللہ کی ہدایات وتعلیمات کے ذمہ دار چلے آرہے تھے (عنکبوت 29/49؛ بنی اسرائیل 107-17/106، حج 22/54 وغیرہ) اور اُن کا سردار تھا وہ چشم دید گواہ جسے اللہ نے اپنے برابر کا گواہ قرار دیا اور جس نے زیرِ تشریح خطبے (3) میں ابوبکر وعمر وعثمان کی خلافتوں کو اپنے صبر کے ہتھیاروں سے تباہی کے گھاٹ اتارا تھا (خطبہ 3 جملہ 8) اور انہیں اُن کے پوشیدہ منصوبوں اور اُن کے نتائج میں لپیٹ دیا تھا (خطبہ 3 جملہ 6) اور اس طویل اندھیر گردی کا تذکرہ فرمایا تھا جس میں نسلیں پیدا ہو کر مرتی رہیں گی (خطبہ 3 جملے 9 تا 15) اور جن حالات کو حضورؑ نے گلے سے نیچے ہی روک لیا تھا اور آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود زبان پر نہ لائے تھے (خطبہ 3 جملے 12 تا 35) اور جن کا بیان کر دینا ہم نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور اب خلیفہ دوم ہی کا خود ساختہ نظام واسلام وشریعت سازی زیرِ قلم ہے۔ اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم وہ پردہ ہٹا کر (خطبہ 3 جملہ 5)' اپنے قارئین کو پردے کے پیچھے کام کرنے والی قوم اور اس کے ہیرو کا ڈرامہ دکھا دیں، جو پردہ حضرت علی علیہ السلام نے لٹکا دیا تھا۔ لہٰذا ہمارے بیانات خطبہ کے وہ پہلو ہیں جن کو اُس وقت حضورؑ نے منہ پر آنے اور زبان سے نکل جانے سے روک کر علمی پہلو تہی اختیار کر لی تھی (خطبہ 3 جملے 6-5) اُسی شخص نے یہ عذرات کئے تھے کہ قرآن چند کلیات اور اصول کی کتاب ہے۔ اُس میں جزئیات نہیں ہیں، (معاذ اللہ) رسولؐ ایک بشر تھا اُس سے غلطیاں ممکن بھی تھیں اور سرزد بھی ہوئیں، اُن کے احکام و فیصلے وقتی و عارضی تھے۔ اس تمام بکواس کے جواب میں آیات (انعام 116 تا 6/114) آئی تھیں اور حضور علیہ السلام نے اُن ہی عذرات (معاذیر واعتذار اور عثار۔ خطبہ 3 جملے 26-27) کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اور قرآن کریم کے اصولِ تدریج و تسہیل کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنے مخاطبین کو سنبھلنے اور برہنہ حقائق سننے کے قابل بن جانے کا موقع دیا ہے۔ لیکن ہمیں تکلف برطرف کہہ کر یہ بتانا ہے کہ قریشی حکومتوں کے چودہ سو سالہ پروپیگنڈے نے شیعہ وسنی علما وعوام کے سروں میں یہ غلط فہمی ایک حقیقت بنا کر بٹھا دی ہے کہ قریشی حکومتوں نے یعنی خلفائے ثلاثہ نے جو شریعت اور اسلام بنا کر مسلمانوں میں پھیلایا گو اُس میں اُن لوگوں کی رائے اور قیاس اور

قومی مصلحتیں داخل ہیں مگر بہرحال انہوں نے اپنی رائے اور قیاس کو قرآن فہمی ہی میں استعمال کیا تھا اور قرآن ہی کے اصولی یا بنیادی احکام و مسائل کی تفصیلات اپنی رائے اور قیاس سے تیار کی تھیں۔

10۔ قریش نے اپنی قومی حکومت اور اپنا اسلام برسرِ کار لانے میں قرآن سے کوئی سروکار نہیں رکھا تھا

اب ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ وسائل اور ذرائع دکھائیں جن کی مدد سے قریشی مجتہدین نے عموماً اور رئیس و راس المجتہدین عمر نے خصوصاً اپنی قوم کے لئے اسلام کے نام سے ایک مذہب اور خلافت الٰہیّہ کے نام پر ایک حکومت تیار کی تھی۔ چنانچہ ہم یہاں کتاب الفاروق مولانا شبلی سے وہ بیانات پیش کرتے ہیں جنہیں نہ صرف تمام علمائے قریش تسلیم کرتے ہیں بلکہ اُن پر ہر مجلس اور ہر تصنیف میں فخر بھی کیا جاتا ہے سنئے:

اوّل۔ انتظاماتِ عمر کا ایک بڑا اصول یعنی قدیم وجدید حکومتوں کے قوانین کی پیروی کرنا

''حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے۔ اور اُن میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اُن کو اختیار کرتے تھے۔ خراج، عشور، دفتر، رسد، کاغذات حساب اِن تمام انتظامات میں انہوں نے ایران و شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا البتہ جہاں کوئی نقص پایا (جیسا کہ تعزیرات ہند کی جگہ تعزیراتِ پاکستان لکھدیا یعنی قواعد وضوابط کو مسلمان کرلیا۔ احسن) اُس کی اصلاح کردی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے اُن کے پاس آئے (نوٹ کریں کہ عراق کی زبان عربی نہ تھی۔ احسن) اور اُنہوں نے اُن سے دریافت کیا کہ سلاطینِ عجم کے یہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا؟ جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اُس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیرواں کے انتظامات و بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے کہ: **وَ هِيَ الْوَدَائِعُ الَّتِيْ اِقْتَدٰى بِهَا عمر بن الْخَطَّاب حِيْنَ اَفْتَحَ بَلَادَ الفرس**۔ یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو اُن کی اقتدا کی۔ اور اس سے زیادہ صاف اور مصرّح علامہ ابن مَسکو یہ نے اس مضمون کو لکھا ہے علامہ مذکور نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بو علی سینا کا معاصر وہم پایہ تھا تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب الامم ہے۔ اس میں جہاں حضرت عمرؓ کے انتظامات ملکی کا ذکر ہے، لکھا ہے کہ:

(1) وَ کَانَ عمر یکثر الحلوة بقوم من الفرس یقرون علیه سیاسیات الملوک و لاسیما ملوک العجم لفضلاءِ و سیما انوشیروان فانه کان معجبا بها کثیر الاقتداء بها۔ یعنی ''عمر فاروق فارس کے چند آدمیوں کو صحبتِ خاص میں رکھتے تھے۔ یہ لوگ اُن بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے خصوصاً شاہانِ عجم اور اُن میں سے بھی خاص کر نوشیرواں کے۔ اس لئے کہ اُن کو نوشیرواں کے آئین بہت پسند تھے اور اُن کی بہت پیروی کرتے تھے۔'' علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لے آیا تو حضرت عمر نے اس کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا

اورانتظاماتِ ملکی کے متعلق اُس سے اکثر مشورہ لیتے تھے'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 88-89) اگلے صفحہ پر لکھاہے کہ:

(2) ''شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی ایک دفعہ ام کلثوم (زوجہ حضرت عمر) نے قیصر روم کی حرم کے پاس تحفے کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اُس نے اس کے جواب میں اُن شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔حضرت عمر کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اُس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے۔اور اُن (ام کلثوم۔احسنؔ) کو کچھ معاوضہ دے دیا۔'' (ایضاً صفحہ 90)

قبل ازوقت ایک سوال تاکہ زوجہ کا رویہ معلوم ہو

یہاں رُک کر یہ سوال سنیں کہ اگر وہاں سے جواہرات نہ آتے تو کیا قاصد کا صرفہ ام کلثوم سے لیا جاتا؟ اور یہ کہ اس عیاشی کے لئے قاصد کو پبلک کے مال سے اتنی دُور دراز بھیجا ہی کیوں گیا تھا؟

دوم۔ **علامہ شبلی کے اس بیان میں قابلِ توجہ باتیں اور متعلقہ تحقیق ونتائج**

الفاروق کے اس بیان میں سب سے پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ عمر نے کھل کر پوری آزادی اور جرأت سے تمام قدیم وجدید اور اپنے زمانہ میں موجود غیر اسلامی حکومتوں کے قواعد وقوانین کی پیروی کی تھی۔اور یہی وہ اہم ترین اور وسیع ترین ذریعہ تھا جس کی پیروی سے اسلام نے وہ شکل اختیار کی جسے فاروقی اسلام یا فاروقی شریعت کہا گیا اور جو وفاتِ رسولؐ کے بعد مسلمانوں کی کثرت کا مذہب رہتا آیا ہے اور جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ:

قریش نے سابقہ اقوام وسلاطین کے مذاہب وقوانین کی پیروی کرنا تھی

(1) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةَ حَتّٰی تَاخُذَ اُمَّتِیْ بِاَخذِ الْقُرُوْنِ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبرٍ وَّ ذِرَاعًا بِذِراعٍ ۔فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَفَارِسَ و الرُّوْمُ؟قال وَ مَنِ النَّاسِ اِلَّا اُولٰئِکَ؟ (بخاری پارہ تیس ابتدا۔کتاب الاعتصام)

''حضرت ابوہریرہؓ نے بتایا کہ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ قیامت قائم ہی نہیں ہو سکتی جب تک میری امت بالشتوں اور ہاتھوں سے پیائش کر کر کے اپنے سے پہلے گزرنے والے زمانوں کے لوگوں کے قدم بقدم نہ چل چکے۔کسی نے دریافت کیا کیا ایرانیوں اور رُومیوں کی پیروی بھی کریں گے؟ جواب دیا کہ اُن کے علاوہ پیروی کے لئے اور کون لوگ موزوں ہو سکتے ہیں؟''

(2) قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنِ مَنَ قَبْلِكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَّ ذِرَاعًا ذِرَاعًا حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا حِجْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُم. قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْیَهُوْدُ وَ النَّصارٰی؟ قَالَ: مَمَنْ؟ (ایضاً دوسری حدیث)''سعید الخذری کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ لازماً تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کی سنتوں (قوانین) کی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ بھر پیروی کرو گے۔یعنی ہر ہر صورت میں پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر اُن میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہوگا تو تم بھی گھسو گے۔ہم نے کہا اے رسولؐ اللہ کیا آپ کا مطلب یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی سے ہے؟ فرمایا میرا مطلب اُن کے علاوہ اور کس کی پیروی سے ہو سکتا ہے؟''

رسولؐ ہی نے نہیں قرآن نے بھی یہی فرمایا تھا: سورۂ مائدہ کی آیات 5/101-102 میں اللہ نے قریش کو یہود و نصاریٰ والے سوالات کر کے رسولؐ اللہ کو اُلجھانے سے منع فرمایا ہے۔

مودودی نے مان لیا کہ مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ کی خوب پیروی کی تھی

اور جناب مودودی نے اُس کی وضاحت وتشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''117۔ یعنی پہلے اُنہوں نے خود ہی عقائد واحکام میں موشگافیاں کیں اور ایک ایک چیز کے متعلق سوال کر کر کے تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لئے تیار کرایا، پھر خود ہی اُس میں اُلجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے.....اس گروہ سے مراد یہودی ہیں جن کے نقش قدم پر چلنے میں قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے باوجود، مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔''
(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 508)

سوم۔ **وہ شخص جس نے قریش کو اور اپنے جگری یار کو قریشی حکومت بنانے کا نظام تعلیم کیا عمر تھا:** اور اللہ یہ بھی فرما چکا تھا کہ:

''اے رسولؐ تیری قوم نے حق ہوتے ہوئے قرآن کی تکذیب کر دی ہے۔'' (انعام 6/66) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے یہ شکایت کر چکے تھے کہ: ''اے میرے پروردگار میری قوم نے یقیناً اس قرآن سے ہجرت کر کے طاغوتی ادارہ کو اپنا قانون ساز اور راہنما بنالیا ہے (فرقان 25/30 اور نساء 4/60)۔''

اب قارئین ہمیں بتائیں کہ اللہ، رسولؐ، قرآن، بخاری اور شبلی اور تواریخ کے بیانات کے بعد آپ کو کونسی دلیل درکار ہے اور کون سی چیز مانع ہے کہ آپ ہمارے ساتھ مل کر یہ نہ مانیں کہ عمر ہی وہ شخص تھا جس نے قدیم وجدید اقوام اور حکومتوں کے قوانین اور یہود و نصاریٰ کی تعلیمات کو مسلمانوں میں نافذ کر کے ایک نیا دین اور نئی شریعت کو حقیقی اسلام اور قرآن سے تبدیل کیا تھا؟

چہارم۔ **خود مسلمان یا قریشی قانون ساز علمانے عمر کو قرآن کی مخالفت کرنے والا مانا ہے**

آیئے آپ کو شریعت سازی کے فلسفے کی حامل کتاب سے یعنی فَلْسَفَةُ التَّشْرِيع فی الْاِسْلَام کے ترجمہ 'فلسفۂ شریعتِ اسلام' کے مصنف جناب علامہ ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں کہ:

(1) ''خلیفہ فاروق عمر بن خطاب بلا شبہ حکومت اسلامیہ کے بانی تھے اور اپنی عادلانہ اور جُرأت مندانہ حکومت کیلئے مشہور تھے۔ آپ کے عہدِ خلافت میں حکومتِ اسلامی بہت قوی الاقتدار تھی جس میں رعایا کے حقوق اور مصالح کا بدرجہ اتم خیال رکھا جاتا تھا۔ عمر بن خطاب کا پورا عہد خلافت عظیم الشان فتوحات اور نمایاں تغیرات سے مملو ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی نئی ضروریات پیدا ہو گئیں اور پُرانے رسم ورواج بدل گئے۔ اس لئے نبی کریم (ؐ) اور خلیفہ ابوبکر کے بعض احکام بتقاضائے ضروریات ورواجات تبدیل کرنے پڑے۔ عمر فاروق اس معاملے میں اس قدر مستعد اور اولوالعزم انسان تھے کہ سیاستِ ملکی اور رفاهية عامه کے پیشِ نظر مخالفتِ نصوص سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ہم اس کی چند مثالیں یہاں بیان کرتے ہیں۔'' (مذکورہ کتاب صفحہ 169-170)

(2) ''اس کے علاوہ خلفاء سیاست شرعی اور مصلحت عامہ کے پیش نظر قرآن اور حدیث کے بعض احکام تبدیل کرنے میں بھی پس وپیش نہ کرتے تھے۔اُن تبدیلیوں کی مثالیں ہم سابقاتِ عمر میں بیان کر چکے ہیں۔'' (ایضاً کتاب مذکور صفحہ 197)

(3) ''شرع اسلامی خلیفۂ وقت کے (ذاتی) مذہب وعقائد سے بھی متاثر ہوتی رہی ہے۔کیونکہ خلیفہ کسی ایک مذہب کی تقلید کرنے یا ایک طریقۂ اجتہاد اختیار کرنے کا حکم صادر کر دیتا تھا۔اسلامی تاریخ میں ایسے واقعات کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ چنانچہ خلفائے بنی اُمیہ اور بنی عباسیہ ہمیشہ اُن مذاہب کی مخالفت کرتے رہتے تھے جو اُن کے ذاتی عقائد اور سیاستِ ملکی کے خلاف ہوتے تھے۔'' (ایضاً صفحہ 197)

(4) ''<u>خلیفہ کے خصوصی اختیارات کے حدود</u>: دَورِ جدید کی حکومتوں میں مخصوص مجالس قانون ساز ہوتی ہیں جیسے پارلیمنٹ وغیرہ جن کا کام صرف قانون سازی ہوتا ہے اور رئیس مملکت کو صرف انہیں شائع کرنے اور نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔لیکن اسلامی حکومتوں میں اس کے برعکس عملدرآمد تھا۔اُن میں ہر قسم کا اقتدارِ اعلیٰ صرف بادشاہ ہی کو حاصل ہوتا تھا۔چنانچہ اصلاحاتِ مابعد سے پہلے خلیفۂ عثمانی محض اپنے ارادے سے قوانین جاری کرتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 198)

پنجم۔ <u>عمر نے اللہ، رسولؐ اور قرآن کی مخالفت قیامت تک جاری رکھنے کا مستقل انتظام کیا</u>

اختصار دامن گیر نہ ہوتا تو ہم مندرجہ بالا چار بیانات کی جگہ چار سو بیانات اپنے قارئین کو دکھاتے اور یہ حقیقت سر پیٹتی ہوئی سامنے آجاتی کہ عمر نے نہ صرف خود خدا اور سولؐ اور قرآن کی مخالفت میں زندگی گزاری بلکہ اُنہوں نے اپنی قومی خلافت وحکومت بنا کر تمام آنے والے خلفا کو اللہ، رسولؐ اور قرآن کی مخالفت کی راہ دکھادی اور اسلام کے خلاف شریعت سازی کے وہ اصول اور اپنا وہ عملی پروگرام چھوڑا جس سے تا قیامت ابلیسی شریعت بنتی اور اسلامی کہلاتی چلی جائے۔ان چاروں بیانات میں ثابت ہے کہ اُن کی بنائی ہوئی حکومت وخلافت کا ہر قریشی حاکم اور خلیفہ قرآن وحدیث کی بلا تکلف مخالفت کرتا چلا گیا اور عمر کے جاری کردہ اصولوں کے سامنے اللہ ورسولؐ کا کہیں شمار نہ رہا۔اُنہوں نے انسانی عقل، رائے، قیاس اور مصلحت اور پسند اور مفادِ عامہ کو اللہ ورسولؐ اور قرآن کا امام وراہنما بنا دیا۔اپنا مفاد محفوظ رکھنا، اور اپنی ضرورت کو پورا کر لینا، اپنی مصلحت کے سامنے ہر دلیل کو ٹھکرا دینا اُن کا دینی قانون اور شعار بن گیا۔اُن کے ذاتی عقائد، تصورات اور ارادے اللہ کے قوانین بن گئے۔اور بات یہاں تک پہنچی کہ اُن کی کثرت کی رائے اور پسند اللہ کی رضامندی، خوشنودی اور پسندیدگی کا معیار بن گئی اور یہ قانون بنا لیا گیا کہ:

ششم۔ <u>جسے مسلمان اچھا کام سمجھیں اللہ بھی اسی کام کو اچھا سمجھتا ہے</u>

''تیسری دلیل ابن مسعود کا قول ہے کہ: ''مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَ مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ۔'' یعنی جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ چیز اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جسے مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔'' (فَلْسَفَةُ التَّشْرِيعِ فِى الاسلام کا اردو ترجمہ، فلسفۂ شریعتِ اسلام صفحہ 123 وصفحہ 205)

اور یادر ہے کہ یہ ابن مسعود حضرت عمر کے شاگرداور ساختہ پرداختہ تھے(الفاروق حصہ دوم صفحہ 109)عبداللہ ابن مسعود نے عمر سے تعلیم پا کر اپنے مندرجہ بالاقول سے پورے قرآن کو باطل کا طومار ثابت کردیا۔ وہاں ساری دنیا کی کثرت بھی حق وحقانیت کا معیار نہ تھی (انعام 116 تا6/114)۔ وہاں مسلمانوں کی پسند کی نسبت یہ کہا گیا تھا کہ وہ شر ہوسکتی ہے اور ناپسندیدگی میں خیر کا امکان بتایا تھا(2/216، نساء4/19) مگر عمر کے تیار کردہ اصول فقہ نے ان تینوں مقامات کی آیات کو اُن کے تمام متعلقات کو اُن ہی کی زبان میں منسوخ کردیا ہے۔ اللہ نے قرآن میں اور مودودی نے اپنی تشریحات میں اُس شخص کو مشرک قرار دیا تھا جو اپنے ھوٰی یا ذاتی پسند کو اللہ کی پسند اور فیصلہ قرار دے(فرقان 25/43، جاثیہ 45/23)اور پھر قرآن اور مودودی نے اُن تمام قانون سازوں اور حکمرانوں کو کافر وظالم اور فاسق فرمایا تھا جو اللہ کے نازل کردہ سے فیصلہ یا قانون نافذ نہ کریں۔ یوں غور کرنے والوں کو یقین آجائے گا کہ عمر اینڈ کمپنی نے نہ صرف سارے قرآن کو منسوخ کر کے بالائے طاق رکھ دیا بلکہ خود بخاری کی احادیث کے مطابق اپنے سے پہلی تمام اقوام کے ساختہ پرداختہ قوانین اور اصولِ قوانین کو اسلام کے نام سے مسلمانوں پر نافذ کردیا جو آج تک اسلامی قانون اور اسلامی شریعت کہلارہا ہے۔

ہفتم۔ <u>قرآن کے خلاف اور قرآن کو چھوڑ کر شریعت سازی کے جو قاعدے عمر نے تجویز کئے اُن کا پتا اور استعمال</u>

علامہ شبلی نے الفاروق میں یہ تو کہا ہے کہ:

(1) ''حدیث وفقہ کا فن درحقیقت تمام تر حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے......اس فن کی ابتدا حضرت عمر سے ہوئی اور فن کے اصول وقواعد کو اول اُنہی نے قائم کیا۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 102)

(2) ''اِن مہماتِ اصول کے سوا حضرت عمرؓ نے استنباطِ احکام اور تفریعِ مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے <u>علم اصول فقہ</u> کی بنیاد ہیں۔''(ایضاً صفحہ 115)

یہ سب کچھ کہنے کے بعد چند لنگڑی لُو لی مثالوں کے علاوہ کہیں اُن قواعد واصول کی تعداد و تفصیل نہیں لکھی مگر شاہ ولی اللہ کی زبانی یہ لکھدیا کہ:

(3) ''ہمچنیں مجتہدین دردرسِ مسائل فقہ تابعِ مذہب فاروق اعظم اند۔'' (ایضاً صفحہ 112)

ہشتم۔ <u>مجتہدین کے عمل درآمد سے اُن اصولوں اور قاعدوں کے چند نمونے جو عمر نے ایجاد کئے تھے</u>

اُن اصول وقواعد کو سمجھنے کے لئے جناب ڈاکٹر صبحی محمصانی اپنی مذکورہ بالا کتاب فلسفہ شریعت اسلام میں مندرجہ ذیل عنوان قائم کر کے شریعتِ خدا ورسولؐ کو تبدیل کرنے کا قصہ اور دلائل لکھتے ہیں صبر سے پڑھئے اور دیکھئے کہ عمر اینڈ کمپنی نے قرآن سے ہٹ کر کس طرح شریعت سازی کی تھی؟:

(1) ''<u>تبدیلیٔ احکام کا اصول</u>''(یا نظامِ طاغوتی کی بنیاد)

''ابن خلدون نے کہا ہے کہ''دنیا کے حالات اور اقوام عالم کی عادات ہمیشہ ایک حالت پر باقی نہیں رہتیں۔ دُنیا تغیرات زمانہ اور انقلاباتِ احوال کا نام ہے اور جس طرح یہ تبدیلیاں افراد، ساعات اور شہروں میں ہوتی ہیں اُسی طرح دنیا کے تمام گوشوں، تمام

زمانوں اور تمام حکومتوں میں واقع ہوتی ہیں۔خدا کا یہی طریقہ ہے جو اُس کے بندوں میں ہمیشہ سے جاری ہے۔''
(فلسفہ شریعت اسلام صفحہ 164)(مقدمہ ابن خلدون صفحہ 24)۔اس حوالہ کے بعد خود مسلسل لکھتے ہیں کہ:

(2) ''اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کی اس انقلاب پذیری کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرہ انسانی کا معیار بدلنے سے لوگوں کی فلاح و بہبود کے معیار بھی بدل جاتے ہیں اور چونکہ بندوں کی بہتری ہی ہر قانون کی بنیاد ہے لہٰذا عقل کا فتویٰ یہی ہے کہ ''زمانے اور معاشرے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ احکامِ شرع میں بھی مناسب اور ضروری تبدیلیاں ہوتی رہیں۔'' نیز وہ اپنے گردو پیش کے اجتماعی حالات سے بھی متاثر ہوتے رہیں۔ابن القیم جوزیہ نے اس اصول کے اثبات میں کیا خوب کہا ہے کہ ''احکام کی تبدیلی اور اختلافِ زمان، مکان، احوال، نیت اور عاداتِ انسانی کے اختلاف کے ساتھ وابستہ ہے۔'' اُنہوں نے اسی واضح حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''معاشرۂ انسانی اور قانون کا باہمی رشتہ نہ جاننے کے باعث لوگوں میں ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے جس نے شریعتِ اسلامی کا دائرہ بالکل محدود کر دیا ہے۔حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جس شریعت میں مصالح انسانی کا سب سے زیادہ لحاظ رکھا گیا ہو اُس میں ایسی تنگ نظریوں کی گنجائش نہیں۔''(ایضاً صفحہ 165-164)

(3) تغیرات کے ساتھ ساتھ شریعت و دین بدلنے اور تبدیل کرتے چلے جانے کا ابلیسی پروگرام و نظام

ابن خلدون ہوں یا ابن مسعود، یہ سب ابن خطاب کی کرشمہ سازیاں ہیں اور یہ وہی اصول ہیں جو ابلیس نے اللہ کے سامنے اور آدمؑ کے خلاف نوع انسان کو گمراہ کرنے کے لئے پیش کئے تھے۔اُن میں اُس نے بھی مخلوق میں تغیرات پیدا کرتے رہنے کا حربہ یہ کہہ کر سامنے رکھا تھا کہ:

وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًاo (نساء 4/119)

مودودی ترجمہ: ''اور میں اُنہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں ردّو بدل کریں گے۔اُس شیطان کو جس نے اللہ کے بجائے اپنا ولی و سرپرست بنالیا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔''(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 398)

مودودی تشریح: ''خدائی ساخت میں ردو بدل کرنیکا مطلب اشیاء کی پیدائشی بناوٹ میں ردوبدل کرنا نہیں ہے۔اگر اسکا یہ مطلب لیا جائے تب تو پوری انسانی تہذیب ہی شیطان کے اغوا کا نتیجہ قرار پائیگی۔اس لئے کہ تہذیب تو نام ہی اُن تصرفات کا ہے جو انسان خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں کرتا ہے۔دراصل اس جگہ جس ردّو بدل کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز سے وہ کام لے جس کیلئے خدا نے اُسے پیدا نہیں کیا ہے،اور کسی چیز سے وہ کام نہ لے جس کیلئے خدا نے اُسے پیدا کیا ہے...دراصل یہ معنی رکھتے ہیں کہ یہ لوگ خالق کائنات کے ٹھیرائے ہوئے قوانین کو غلط سمجھتے ہیں اور اُن میں اصلاح فرمانا چاہتے ہیں۔''(تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 398-399 حاشیہ 148)

(4) شیطانی پروگرام اور علامہ مودودی کے ترجمہ و تشریح سے استفادہ اور متعلقہ آیات و پروگرام کی وسعت

یہ بات تو ذہن میں راسخ ہوچکی ہوگی کہ مودودی صاحب حضرت عمر کے دین پر ہیں اور اُن پر واجب ہے کہ وہ اپنے علم و فضل کو حضرت عمر کے، بقول شبلی، ساختہ پرداختہ اصول و قواعد کا تحفظ و تحقق کرتے رہیں۔ایسی مشکل اور سوچی سمجھی صورتِ حال میں بھی مودودی کے قلم سے

ایسی حقیقتیں ٹپک جانا، جواُن کے اوراُن کے راہنما عمر کے خلاف ہوں، قرآن اور صاحبانِ قرآن علیہم السلام کا معجزہ اور دینِ حق کی زبردستی ہے۔ یہاں مودودی کے قلم سے تہذیب انسانی کے معنی:

''خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں انسان کا تصرف'' طے پا گئے۔ اُدھر علامہ ابن خلدون اور ابن القیم جوزیہ کے بیان کردہ ''اصول تغیر'' سے بھی انسانی حالات کا متغیر رہنا اور احکام وقوانین میں تبدیلی کا جواز بن جانا ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان خود اپنے تصرف سے حالات میں اور اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں تبدیلی کرتا ہے اور اپنی خود پیدا کردہ تبدیلیوں کو سازگار رکھنے کے لئے احکام وقوانینِ خداوندی میں تبدیلی کرتا ہے۔ یعنی اگر وہ حالات وتہذیب میں تبدیلی نہ کرتا یا نہ کرے تو احکام وقوانینِ خداوندی میں تبدیلی کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ یہاں شیطان کے پروگرام اور کوششوں کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی اس لئے کہ ابن خلدون، ابن القیم اور مودودی تو تغیر احوال و اشیاء میں صرف انسان کا ارادہ اور تصرف مانتے ہیں۔ یعنی شیطان کا وجود ہوتا یا نہ ہوتا۔ انسان بہرحال شیطانی مداخلت کے بغیر ہی اپنے حالات اور اپنی تہذیب کو بدلتا چلا جارہا ہے اور اُن بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ کے قوانین اور احکام کو بدلتا، فٹ کرتا اور مستفید ہوتا چلا آیا ہے اور یوں ہر حکمِ خداوندی کو نہ معلوم کتنی کروٹیں دیتا اور اُن کی صورت کو مسلسل تبدیل کرتا چلا جارہا ہے اور یہ عملدرآمد عمر اینڈ کمپنی کے لئے صحیح اور منشائے خداوندی کے عین مطابق ہے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے قارئین اس صورتِ حال کو ناپسند اور منشائے خداوندی کے خلاف سمجھ رہے ہیں اور اب غالباً مولانا مودودی کو بھی پسند نہ آئے گا۔

نہم۔ <u>کیا اللہ کے احکام وقوانین تمام انسانی حالات اور تقاضوں پر احاطہ نہیں کرتے اور کیا ہمیں تبدیلی جائز ہے؟</u>

اس عنوان کو پڑھنے والا ہر شخص، ہر بامذہب اور ہر مسلمان اُن لوگوں کو باطل وگمراہ کہے گا جو خود حالات وتقاضات کو بدل کر قوانین واحکامِ خداوندی کو بدل ڈالنا جائز سمجھتے ہیں اور علما کے سامنے قرآن کی سینکڑوں آیات پھر جائیں گی جو ایسی تبدیلی کو باطل وحرام قرار دیتی ہیں مثلاً اللہ نے فرمایا ہے کہ:

(1) وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْ قًا وَّ عَدْ لًا لَا مُبَدِّ لَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُo (انعام 6/115)

<u>مودودی</u>: ''تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 575)

(2) سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًاo (بنی اسرائیل 17/77)

<u>مودودی</u>: ''یہ ہمارا مستقل طریقِ کار ہے جو اُن سب رسولوں کے معاملے میں ہم نے برتا ہے جنہیں تم سے پہلے ہم نے بھیجا تھا، اور ہمارے طریقِ کار میں تم کوئی تغیر نہ پاؤ گے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 634)

(3) وَ اتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِن دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًاo (کھف 18/27)

<u>مودودی</u>: ''اے نبیؐ! تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اُسے (جوں کا توں) سُنا دو کوئی اُس کے

فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے، (اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں ردّ و بدل کرو گے تو) اُس سے بچ کر بھاگنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 21)

دہم۔ **قرآن کے خلاف سابقہ اقوام کے قوانین، رائے، قیاس، ذاتی مصلحت کے علاوہ باقی اصول وقواعد جن سے دین بنایا گیا**

مندرجہ بالا آیات اور قریشی عالم کے ترجموں کے بعد کسی بحث و ملامت کی ضرورت نہیں رہتی اور عمر اینڈ کمپنی کا مذہب اور مخالفتِ خدا و رسولؐ اور قرآن کے سمجھنے میں کوئی خامی نہیں رہتی پھر بھی چند اور قواعد دیکھنا ضروری ہیں جو عمر نے ایجاد کئے اور اُن کی اُمت نے اُن کو اپنے دین اور شریعت سازی میں استعمال کیا:

قاعدہ نمبر 1: ''لَا یُنکَرُ تغیر الاحکام بتغیر الزمان''

''یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ زمانہ بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔''

اسی قاعدہ کی تکمیل کے لئے یہ الفاظ اور اضافہ کر دینا چاہئیں کہ:

قاعدہ نمبر 2: ''لَا یُنکَرُ تغیر الاحکام بتغیر الزمان و بتغیر الامکنۃ و الاحوال''

''یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ زمانہ بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ تغیر مکان اور تغیر حالات سے بھی احکام بدل جاتے ہیں۔'' (فلسفہ شریعت اسلام صفحہ 165)

قاعدہ نمبر 3: ''اِنَّ الحکم الشرعی المبنی علیٰ عِلّۃ یدور مع عِلّۃ وجودًا و عَدَمًا''

''جو حکم شرعی کسی سبب پر مبنی ہو وہ اُس سبب کے وجود اور عدم وجود کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔'' اسی کو مولا علائی نے یوں کہا ہے کہ:

''اِنَّ الحکم الشرعی مبنی علیٰ عِلّۃٍ فَبِانتِہائِہَا یَنتَہی''

''یعنی جو حکم شرعی کسی سبب پر مبنی ہوتا ہے وہ اس سبب کے ختم ہو جانے سے ختم ہو جاتا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 165)

قارئین نوٹ کریں کہ یہ قاعدے مؤلفۃ القلوب کا حق مارنے والے عملدرآمد سے اخذ کر کے الفاظ و تعریف سے سجا دیئے گئے ہیں۔

قاعدہ نمبر 4:

(1) ''آئمۂ مذہب نے بہت سے مسائلِ فقہیہ میں اپنے زمانے کے رسم و رواج کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے۔ اگر اُن کے زمانے کا رواج مختلف ہوتا تو اپنے فتوے سے مختلف فتویٰ دیتے۔'' (صفحہ 166)

(2) ''چنانچہ علمائے متاخرین نے رواج بدل جانے کی صورت میں باقتضائے ضرورت مسائل فرعیۃ میں ظاہر الروایت (یعنی حدیث) کے خلاف فتویٰ دینے کو جائز قرار دیا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 166)

(3) ''امام ابو یوسف کے نزدیک صورتِ مذکور میں استحساناً حکم شرع ترک کر دینا اور رواج کی اتباع کرنا ضروری ہے کیونکہ حکم شرع کا مطمح نظر رسم و رواج ہی تھا۔'' (ایضاً صفحہ 176-175)

قاعدہ نمبر4(الف) : ''اِسۡتِعۡمَالُ النَّاسِ حُجَّةٌ یَجِبُ الۡعَمل بِهَا وَ لَا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان''

''یعنی لوگوں کا تعامل حجت ہے اوراس پر عمل کرنا واجب ہے۔زمانہ بدلنے سے احکام کا بدل جانا ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔''(ایضاً صفحہ 176)

قاعدہ نمبر5 ''اِنَّهٗ بِتَبَدّ ل الاعصار تتبدل المسائِلَ الَّتی یلزم بِنَاءَ هَا عَلَی العرف و العادة''

1 ''یعنی زمانہ بدلنے سے وہ احکام بدل جاتے ہیں جو رسم ورواج پر مبنی ہوں''(ایضاً صفحہ 176)۔ علامہ قرافی کا جواب یہ تھا:

2 ''چونکہ شرع کے تمام احکام اسباب وعلل کے تابع ہیں،اسلئے رسم ورواج بدلنے سے شرع کا حکم بھی بدل جائے گا۔''(صفحہ 178)

قاعدہ نمبر 4 کے (3) میں قاضی ابو یوسف اور علامہ قرافی رسم ورواج وعادات بدل جانے پر دین کے ہر ہر مسئلے (نماز وروزہ وغیرہ) کو تبدیل کرنے کے قائل ہیں چنانچہ علامہ قرافی نے یہ قانون پیش کیا ہے کہ:

قاعدہ نمبر6 ''جمیع ابواب الفقه المحمولة عَلَی العوائد اذا تغیرت العادة تغیرت الاحکام فِی تِلۡک الابواب''

''فقہ کے وہ تمام ابواب جو عادتوں پر مبنی ہیں،اُن کے تمام احکام عادت بدل جانے پر بدل جائیں گے۔''

قاعدہ نمبر7: امام نجم الدین ابوالربیع سلیمان بن عبدالقوی (متوفی 716ھ)....اُن آئمہ میں سے ہیں جنھوں نے علی الاعلان مصلحتِ وقت کو نص واجماع پر مقدم کیا ہے۔امام مذکور نے حدیث ''لا ضرر و لا ضرار''(مسند حنبل،موطا مالک،مستدرک حاکم وغیرہ میں) یعنی شریعت اسلامی کا مطمح نظر نقصان پہنچانا نہیں ہے' کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''جب مصلحتِ وقت کا نص اور اجماع سے مقابلہ ہوجائے تو مصلحت کو نص واجماع پر ترجیح دی جائے گی اور نص واجماع کو وقتی خصوصیت پر محمول کیا جائے گا۔'' (ایضا صفحہ 178-179)

قاعدہ نمبر8: ''اِنَّ العادة عامة کانت او خاصة تجعل حکمًا لا ثبات حکم شرعی''

''رواج خواہ عام ہو یا خاص کسی حکم شرعی کو ثابت کرنے کے لئے فیصلہ کن ضابطہ ہے۔''(ایضاً صفحہ 205)

قاعدہ نمبر9: ''مَا رَاٰہ المسلمون حسنًا فَهُوَ عِنۡدَ اللّٰہ حَسَنٌ وَ مَا رَاہ المسلمون قبیحًا فَهُوَ عند اللّٰہِ قبیحٌ''

''جو بات مسلمانوں کے نزدیک اچھی ہے وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جو بات مسلمانوں کے نزدیک بُری ہے وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔''(ایضاً صفحہ 205 وصفحہ 123)

قاعدہ نمبر10

1 ''المشروط عرفًا کالمشروط شَرۡعًا'' یعنی ''رواجی پابندی شرعی پابندی کی مانند ہے۔''(ایضاً صفحہ 206)

2 ''اَلتّعیین بالعرف کالتعیین بالنص'' ''عرف عام کا فیصلہ نص کے فیصلے کے مانند ہے۔''(ایضاً صفحہ 206)

3 ''الثابت بالعرف کالثابت بالنص''''جو چیز رواج سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسی نص سے ثابت ہوئی۔''(ایضاً206)

قاعدہ نمبر11

1 " جمیع المحرمات تباح بالضرورۃ" ''تمام حرام چیزیں بوقت ضرورت مباح ہوجاتی ہیں۔''

2 " الضرورات تبیح المحظورات" ''ضروریات تمام ممنوعہ چیزوں کو جائز کردیتی ہیں۔''

نوٹ کریں کہ مندرجہ بالا قانون لاطینی قانون تھا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ: " اَلضَّرُوْرَ ۃُ لَا قَـانُوْنَ لَهَا" ''ضرورت کسی قانون کی پابند نہیں۔''(صفحہ 233)

قاعدہ نمبر12

"اِذَا تَعَارَضَتْ مَفْسَدَ تَانِ روعی اَعظَمُھمَا ضَرَرًا بِارْتکاب اَخفھما وَ الضَّرَرَ اُ لَاشَدُّ یَزَالُ بِالضَّرَرِ الْاَخف"

''جب دونقصان پیش آجائیں تو اُن میں سے ہلکے نقصان کو اختیار کیا جائے گا اور ہلکا نقصان برداشت کر کے بھاری نقصان کو رفع کیا جائے گا۔''(ایضاً صفحہ 239)

عمر کی ہم مذہب وہم مسلک حکومتیں، غیر مسلم اقوام کے قوانین پر عمل پیرا رہی ہیں: محمصانی سے آخری بات:

''حکومت عثمانیہ (ترکی) کی قانونی کتابیں غیر ملکی قوانین سے متاثر ہیں، چنانچہ اُن کا اکثر حصہ ترتیب ابواب کے لحاظ سے بھی اور الفاظ ومفہوم کے اعتبار سے بھی غیر ملکی قوانین سے ماخوذ ہے۔تجارتی ضروریات کے سبب سے اور معاشرۂ انسانی کے بدلتے ہوئے حالات کے باعث حکومتِ عثمانیہ کو یہ راہ اختیار کرنا پڑی۔''(فلسفۂ شریعتِ اسلام صفحہ 62)

11۔ شریعت سازادارے کا علم القرآن؟ عمر اور ابوبکر کو یہ قرآن دیکھنا تک نصیب نہ ہوا تھا

آج چونکہ حقائق پر چودہ سوسال کے مسلسل پروپیگنڈے کے دبیز اور تہہ در تہہ پردے پڑے ہوئے ہیں اور دن رات صدیوں سے عوام کے قلوب اور اذہان میں قرآن وحدیث اور تاریخ کے خلاف شریعت ساز، صحابہ کی جھوٹی عزت وعقیدت جمانے کے لئے خود ساختہ موزوں قصے سناتے چلے آرہے ہیں۔اور جس کسی نے حقیقتِ واقعی سنانے یا بیان کرنے کی جسارت کی تو اس کا منہ بند کرنے اور اُسے تباہ کرڈالنے پر حکومتوں کی پوری قدرت استعمال ہوتی چلی آئی ہے۔لیکن رفتہ رفتہ مرتضویؑ صبر کے نظام نے اُن حکومتوں کو تباہ کیا اور وہ وقت آگیا کہ آج ہمیں یہ امید ہوگئی کہ ایک دن ہماری یہ تصنیفات شائع ہوسکیں گی۔اس لئے ہمیں یہ موقع ملا کہ ہم عوام الناس کو یہ دکھائیں کہ عمر اینڈ کمپنی کے پاس نہ تو وہ مکمل اور مدوّن قرآن تھا جو آنحضرتؐ پر نازل ہوا تھا اور نہ ہی انہیں وہ قرآن زبانی یاد تھا۔اس لئے کہ وہ تو عثمان اور اُس عہد کے مسلمانوں کے پاس عثمان ہی کی حکومت میں پہنچا تھا۔اُس سے پہلے ابوبکر وعمر وعثمان اور مسلمان پبلک کے پاس قرآن کے نام سے کیا تھا؟ وہ ہم اس عنوان میں آپ کو بتانے کی کوشش کریں گے۔اور خود قریشی ریکارڈ سے دکھائیں گے کہ ابوبکر ہوں یا عمر، عثمان ہوں یا عمر اینڈ کمپنی کا کوئی اور صحابی ہو اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولؐ اللہ کی صحبت میں صبح سے شام اور شام سے صبح تک رہ کر پوری زندگی گزاری ہو اور قرآن کریم کی ہر نازل ہونے والی آیت کو ساتھ کے ساتھ سُنا ہو۔

(1) ابوبکر وعمر رسولؐ اللہ سے کئی میل کے فاصلے پر اپنے گھروں میں رہتے تھے محلّہ قبا اور سُخ بہت دور تھے

خصوصاً ابوبکر وعمر تو اپنا زیادہ سے زیادہ وقت کاروبار تجارت اور دلالی میں اور باقی اوقات اپنے اپنے گھروں محلّہ سُخ اور محلّہ قبا میں گزارتے تھے اور کبھی کبھار میلوں چل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ چنانچہ ابوبکر کا محلّہ سُخ میں رحلتِ رسولؐ کے بعد چھ ماہ تک رہنا اور تجارت کے ساتھ ساتھ محلّہ کی بکریوں اور خود اپنا ریوڑ جنگل میں چرا کر لانا اور محلّہ کی بکریوں کا دُودھ دوہنا سابقہ عنوانات (عنوان نمبر 7) میں گزر چکا ہے۔ رہ گئے خلیفہ دوم عمر! اُن کے متعلق شبلی سے سن کر آگے بڑھیں گے۔

(2) عمر محلّہ قبا میں آباد تھے: چنانچہ شبلی نے لکھا ہے کہ:

''حضرت عمر کی ایک بیوی جمیلہ تھیں اُنکے بطن سے عاصم پیدا ہوئے عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمر نے اُنکو طلاق دیدی یہ حضرت ابوبکر کا زمانہ تھا اور حضرت عمر! قبا سے جہاں پہلے رہتے تھے اُٹھکر وہاں آگئے تھے'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 143) اور سنیئے:

(3) عمر ہجرت کرتے ہی مدینہ کے محلّہ قبا میں آباد ہوئے اور رسولؐ اللہ سے برابر تین میل دُور رہے

''حضرت عمر نے، جیسے کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں مکہ سے جب ہجرت کی تو عوالی (قبا) میں آکر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دوتین میل ہے۔ لیکن خلافت (حاصل کرنے) کے بعد وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آرہے۔'' (ایضاً صفحہ 144)

(4) مسجد میں کھڑکی اور دروازے والی کہانی خود ساختہ جھوٹی کہانی ہے

یہاں یہ نوٹ کریں کہ یہ دونوں حضرات رسولؐ اللہ سے دُور دُور کیوں آباد ہوئے؟ اور عوام کو یہ حقیقت کیوں نہ بتائی؟ عوام اہلسنت تو ایسا تصور رکھتے ہیں کہ گویا ابوبکر وعمر وعثمان ہر وقت رسولؐ اللہ کے آگے پیچھے داہنے بائیں حاضر خدمت رہتے تھے۔ حالانکہ ساری زندگی میں اُن مصروف لوگوں کو جوڑ جاڑ کر سو گھنٹے بھی پاس رہنے کا وقت نہ ملا تھا۔ ایسی صورت حال میں انہیں نہ سارا قرآن دیکھنے کو ملا نہ سننے ہی کا موقع ملا، یاد تو کہاں اور کیسے ہوتا؟ عمر کا بعدِ رسولؐ یا رسولؐ کے سامنے لفظ ''کتاب اللہ'' بولنا ایک سیاسی حربہ تھا۔ عہد عثمان میں قرآن کی سات جلدیں تیار اور تقسیم ہونے سے پہلے پہلے؛

1 ''قرآن پڑھنے'' 2 ''قرآن حفظ یاد کرنے'' 3 ''حافظانِ قرآن'' 4 ''قرآن حفظ کرنے والوں کو وظیفہ دینے'' 5 ''نماز تراویح میں قرآن پڑھنے'' جیسے جملے اور بیان پورے قرآن کے معنی میں جھوٹ اور بعد میں حق پوشی کیلئے گھڑے جانے والے جملے اور بیانات ہیں۔ البتہ ترتیب نزولی کے حساب سے قرآن کے چند اجزا مراد لئے جائیں تو مان لئے جاسکتے ہیں۔

(5) قرآن اور حدیث کے بغیر شریعت سازی کے ماخذ؟

اگر پورا قرآن اُن کے پاس اُسی طرح موجود ہوتا جیسا کہ آج ہمارے پاس موجود ہے یا جیسا کہ صاحبانِ قرآن اور بیتؑ النبوۃ میں موجود تھا تب بھی طاغوت کا شریعت ساز ادارہ قرآن سے لفظ بلفظ (مائدہ 47 تا 5/45) یا قرآن کے ماتحت ملتی جلتی شریعت تیار نہ کرتا۔ اس لئے کہ قریش اور لیڈران قریش کا مشن ہی یہ نہ تھا کہ وہ قرآن والا اسلام نافذ کریں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے نزولِ قرآن کے

دوران تو اُن آیات کو، اپنے قومی مقاصد (قومی حکومت اور بنی ہاشم کو محروم کرنے) پر ڈھالنے اور اُس ڈھلوان کیلئے مسائل واحکام تراشنے میں سارا زور لگایا، جو حکومت وخلافتِ مرتضوی کے سلسلے کی آیات تھیں۔ اور بعدِ رحلتِ رسولؐ اُنہوں نے اپنے تصوراتِ مذہبی کی تائید اور ملکی انتظامات کے لئے کھل کر عربوں کے سابقہ رسم ورواج سے اور ایران وروم وشام ویونان وغیرہا ممالک کے قوانین ودَسَاتیر ورسم ورواج وعادات ومصلحتوں کو قَال قَال کا رنگ دے کر یا صاف اور سیدھے طریقے سے اسلامی کہہ کر شریعت سازی کرتے رہے اور اُس پر صحابہ کے اتفاق واجماع کا ٹھپہ لگاتے رہے اور اُن کا ایسا کرنا قرآن، صحیح بخاری اور شریعت سازی کی تاریخ سے ثابت کیا جاچکا ہے۔

12۔ صاحبانِ قرآن اور بیتؑ النبوۃ کے علاوہ باقی مسلمانوں کے پاس کیسا قرآن تھا؟

قارئین کرام قصے اور خود ساختہ افسانے چھوڑ کر عہدِ رسولؐ کے مسلمانوں پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم، الٰہی تدریج ومصلحت کے ماتحت تئیس سال (23) میں سنایا گیا اور آخری وحی اور آیت انتقالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند روز پہلے سنائی گئی تھی۔ اور اس تئیس سال کی مدت میں وہ 13 تیرہ سال بھی شامل ہیں جن میں چند، انگلیوں پر گنے جاسکنے والے لوگ مسلمان ہوئے تھے اور جو ہجرت حبشہ میں اور اس کے علاوہ بھی اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ مدینے میں آنے کے بعد لوگ اسلام لاتے گئے۔ اسلام لانے والوں میں مزدور بھی تھے، پرائے نوکر اور غلام بھی تھے۔ عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے، تاجر بھی تھے، حجام وجراح اور صنعت پیشہ بھی تھے۔ دکاندار بھی تھے، دلال بھی تھے، بھانڈ مراثی یا نسّاب بھی تھے اور کاشتکار ومہاجن بھی تھے۔ اُن میں ایسے مسلمان بھی تھے جو زندگی بھر ایک دو دفعہ حضورؐ کی خدمت میں آئے اور چلے گئے۔ الغرض اُن افسانوں یا روایات کو نظر انداز نہ کرنے کی صورت میں بھی، جو بعد میں قریشی حکومتوں نے گھڑوائی تھیں، یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ صاحبانِ قرآن علیہم السلام کے علاوہ کوئی شخص قرآن کا ایسا حافظ تھا جیسے آج کل حافظ موجود ہیں یا جیسے عہدِ عثمان کے بعد تیار ہوئے تھے۔ اگر کسی نے تھوڑا بہت قرآن لکھا تھا یا یاد کیا تھا وہ ظاہر ہے کہ ترتیب نزولی کے ماتحت تھا جسے ایک بے ڈھنگی کھچڑی کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔ بہرحال جو کچھ تھا وہ ہم قریشی ریکارڈ کی ایسی کتاب سے پیش کرتے ہیں جو اُن کے نزدیک قرآن کے بعد اس آسمان کے نیچے لکھی جانے والی کتابوں میں افضل اور صحیح ہے۔ یعنی علامہ محمد اسماعیل محدث کی کتاب صحیح بخاری باب جمع القرآن میں مذکور روایت میں ہے کہ:

باب جمع القراٰن ۔حد ثنا موسیٰ بن اسمٰعیل عن ابراھیم بن سَعُد قال حدثنا ابن شهاب عن عبید بن السَّبَّاق اَن زید بن ثابتٍ قال اَرُسَلَ اِلَیَّ ابوبکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبکر اَنَّ عُمر ا تانی فقال ان القتل قد استحَرَّ یوم الیَمامة بقُرّآء القراٰن و انی اخشٰی اِن اسُتَحَرَّ القتلُ بالقُرّآء بالمواطن فیذهب کثیر من القراٰن و انی اَرٰی اَن تامر بجمع القراٰن ۔ قُلتُ لِعُمر کیف تفعل شَیُئًا لَمُ یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم؟ قال عمر هٰذا و اللّٰه خَیر ۔فَلَمُ یزل عمر یُراجعنی حَتّٰی شرح اللّٰه صدری لِذٰلک ۔وَ رَاَیُتُ فی ذٰلک الذی رَاٰی عمر ۔ قال زید قال ابوبکر: انّک رجل شابٌّ عاقل لانَتَّهمک و قد کنتَ تکتُبُ الوحی لرسول اللّٰه صلی

اللّٰہ علیہ و سلم فَتَتَبَّع القراٰن فَاجۡمَعۡہُ ۔فَوَاللّٰہِ لَو کَلَّفونی نقل جبل مِنَ الجبال ما کان اَثقل عَلَیَّ مِمَّا امرنی بہ مِن جمع القراٰن ۔قُلۡتُ کَیۡفَ تفعلون شَیئا لَمۡ یفعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم؟ قال: ھُوَ وَ اللّٰہِ خَیۡرٌ ۔فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتّی شرح اللّٰہ صدری لِلذی شرح لہ صدر ابی بکر وَ عُمَرَ فَتَتَبَّعتُ القراٰن اجمعہ مِنَ العُسُبِ وَ اللِّخَاف و صدور الرجال حتّی وجدتُ اٰخر سورہ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لَمۡ اجد ھا مع احد غیرہ لقد جاءَ کُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حتّٰی خاتمۃ بَرَآءَ ۃَ فکانت الصُّحُفُ عند ابی بکرٍ حتّی توفاہُ اللّٰہ ثُمَّ عند عمر حیاتہ ثُمَّ عند حفصۃ بنت عمر (صحیح بخاری جلد2 صفحہ 745-746) مطبوعہ مطبع نور محمد)

''حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ اہل یمامہ کی جنگ کے بعد مجھے ابوبکر نے بلا بھیجا۔ میں پہنچا تو عمر بن خطاب بھی اُن کے پاس موجود تھے۔1 مجھ سے ابوبکر نے کہا کہ عمر نے مجھ سے آ کر بیان کیا کہ 2 جنگ یمامہ میں بکثرت قرآن پڑھنے والے قتل ہوگئے۔3 اگر اسی طرح اور لڑائیوں میں بھی قرآن کے قاری شہید ہوئے تو مجھے خوف ہے کہ قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ 4 اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں۔5 میں نے عمر سے کہا کہ کیا ہم وہ کام کریں جو رسولؐ اللہ نے نہیں کیا تھا؟6 عمر بولے خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے۔7 الغرض وہ لگاتار مجھ پر تقاضا کرتے رہے۔8 یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لئے میرے دل میں گنجائش پیدا کر دی۔9 اور میں نے بھی وہی رائے قائم کر لی جو عمر کی رائے تھی۔10 زید بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر نے کہا 11 کہ تم جوان ہو عقلمند ہو ہم تم میں کوئی قابل الزام عیب نہیں پاتے۔12 اور تم رسولؐ اللہ کے لئے وحی بھی لکھا کرتے تھے۔13 اس لئے تم قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرو۔14 خدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے کسی پہاڑ کو پہاڑوں میں سے نقل مکانی کے لئے کہتے تو مجھے اتنا دشوار معلوم نہ ہوتا جتنا قرآن کے جمع کرنے کا کام بتانا دشوار معلوم ہوا۔15 میں نے کہا آپ لوگ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو رسولؐ اللہ نے نہیں کیا تھا؟16 ابوبکر نے بھی کہا کہ خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے۔17 الغرض ابوبکر نے بھی بار بار مجھ پر تقاضا جاری رکھا۔18 یہاں تک کہ خدا نے میرے دل میں بھی اس کام کے لئے وہی گنجائش پیدا کر دی جو ابوبکر و عمر کے دلوں میں پیدا کی تھی۔19 میں نے قرآن کی کھوج لگانے میں کھجور کے پتوں، شاخوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے دلوں سے قرآن جمع کرنا شروع کیا۔20 یہاں تک سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھے ابوخزیمہ انصاری سے ملا۔21 ابوخزیمہ کے علاوہ سورہ توبہ کا یہ آخری حصہ اور کسی کے پاس نہ تھا (یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسولؐ آیا ہے (سورہ براۃ کے آخر تک) یہ صحیفے تا دم وفات ابوبکر کے پاس رہے۔ اُس کے بعد زندگی بھر عمر کے پاس رہے۔ اُن کے بعد اُن کی بیٹی حفصہ کے پاس رہے۔

(تاریخ فقہ اسلامی میں بھی من و عن نقل کیا گیا ہے صفحہ 158-157)

(1) <u>بخاری کی اس روایت کا مقصد اور اُس میں لپٹے ہوئے حقائق کے نتائج وعقائد</u>

صحیح بخاری کی یہ روایت اپنے اندر وہ تمام حقائق لپیٹے ہوئے ہے جن کا انکار کرنے کے لئے بعد والے محدثین و مؤرخین و مفسرین اور

اہلکارانِ حکومت طرح طرح کے حیلے حوالے اور روایتیں اور افسانے تراشتے رہے اور نت نئی تاویلیں کرتے چلے آئے اور انہوں نے کبھی یہ پسند نہ کیا کہ اُمت کے عوام اُن کی اِن کوششوں سے واقف ہو جائیں۔ مگر ہمیں اللہ نے یہ موقع دیا ہے کہ ہم اس روایت پر قارئین کی توجہ مبذول کریں اور انہیں نمبروار ہر جملے کے الفاظ و مفاہیم پر غور کرنے کا موقع دیں اور برآمد ہونے والے ہر مفہوم سے اُن کے سابقہ تصورات اور مسلّمات کو روشنی میں لائیں سنئے:

اوّل۔ **جنگ یمامہ کے کافی بعد تک مسلمانوں کے پاس کتاب کی صورت میں کتاب اللہ نہ تھی**

اس روایت کا ہر جملہ اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ جنگِ یمامہ کے کافی بعد تک ابوبکر وعمر اور مسلمانوں کے پاس قرآن کتاب اللہ کی صورت میں لکھا ہوا موجود نہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سی کتاب تھی؟ جس کا ذکر "حَسْبُنَا کِتَابَ اللّٰہ" میں کیا گیا ہے؟

دوم۔ **قرآن کو کتاب کی صورت میں جمع کرنا گویا رسولؐ اللہ کی پالیسی اور سنت کے خلاف تھا؟؟**

ابوبکر کا یہ کہنا اور زید بن ثابت کا اُن کے قول کو دُہرانا کہ "میں وہ کام کیسے کروں جو رسولؐ اللہ نے نہیں کیا تھا (جملہ نمبر 5،15) ظاہر ہے کہ ابوبکر کی اسلامی بصیرت اور زندگی بھر کی اسلامی تعلیمات اور مشاہدہ اور تجربے کی رُو سے قرآن کا جمع کرنا سراسر سنتِ رسوؐل کی مخالفت تھی۔

سوم۔ **سنتِ رسوؐل کی مخالفت میں خیر تھی تو یقیناً عمل رسوؐل شر پیدا کرنے والا تھا**

حضرت ابوبکر جو صدیق بھی مانے گئے اور حضرت عمر جو حق و باطل میں فرق کر کے حق کو حق اور باطل کو باطل کر دیتے تھے دونوں نے سنتِ رسولؐ کے خلاف عملدرآمد کو اللہ کی قسم کھا کر اچھا یا خیر فرمایا ہے تو یقیناً رسولؐ نے قرآن جمع نہ کر کے (معاذ اللہ) ایک بُرا یا شر انگیز کام کیا تھا۔ (جملہ نمبر 6،16)

چہارم۔ **رسولؐ اللہ کی بصیرت کے مقابلہ میں حضرت عمر کی بصیرت اور دُور بینی بدر جہا بہتر و افضل تھی؟**

روایت میں اور صدیق و فاروق اور زید بن ثابت صحابی کے بیان سے ثابت ہوا کہ حضورؐ نے نہ قرآن جمع کیا نہ قرآن جمع کرنے کا حکم دیا نہ قرآن جمع کرنے پر اظہار خیال فرمایا۔ نہ اُس ضرورت کو محسوس کیا جو آپؐ کے انتقال کے بعد جلد ہی پیش آنے والی تھی اور جس خطرناک پوزیشن کو حضرت عمر نے محسوس کیا وہ آنحضرؐت اور تمام صحابہ کرام کی نظر و بصیرت سے اوجھل رہ گئی۔

پنجم۔ **قریشی تاریخ نے ثابت کیا ہے آنحضرؐت نہایت اہم اور خطرناک اقدامات کرنے کے عادی تھے**

چنانچہ الفاروق میں شبلی اور دیگر تواریخ میں قریشی مؤرخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اہم ترین اسلامی ضرورتوں کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے اور ایسے تمام مواقع پر حضرت عمر ہی آنحضرؐت کو (معاذ اللہ) خامیوں اور غلط اقدامات سے باز رکھا کرتے تھے۔ اُن غلط اقدامات کی فہرستیں تاریخ الخلفاء، ازالۃ الخلفا اور الفاروق اور دیگر کتابوں میں بھری پڑی ہیں اور ہم نقل کر چکے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی جانشینی ایسے اہم ترین مسئلے کو نظر انداز کر دیا جس پر مسلمانوں میں کبھی ختم نہ ہونے والا افتراق وانتشار پھیلا۔ اور اگر حضرت عمر قرآن کو جمع کرنے کی اہمیت کو اپنی دور بین نگاہوں سے نوٹ نہ کر لیتے اور پھر خلیفہ اوّل کو تقاضے پر تقاضہ کر کے رضامند نہ کر

لیتے اور جناب زید بن ثابت دن رات محنت کر کے ہر اینٹ اور ہر پتھر اُلٹ پلٹ کر نہ دیکھتے اور کھجور کی ٹہنیوں، پتوں اور ہڈیوں کو چھان نہ مارتے تو یہ قرآن جو آج اُمت کے ہر گھر میں ہے فنا کے گھاٹ اُتر گیا ہوتا۔(جملے 1 تا 4، 6، 8، 11، 16 تا 21)

ششم۔ **شبلی کا مشورہ کہ اُمت کے ہر ہر فرد کو حضرت عمر کا قیامت تک شکر گزار رہنا چاہئے؟**

یہ عنوان ہمارے ملک کے بے نظیر عالم کے مشورے اور حکم سے متاثر ہو کر بطور ایصالِ ثواب قائم کیا گیا ہے۔لوگوں نے کیا کہنا ہے؟ ہمیں اس وقت اس کی فکر نہیں ہے۔آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ کی پوزیشن پر کیا اثر پڑتا ہے؟ قارئین اور قریشی علما جانیں۔ہمیں تو پُر خلوص انداز میں علامہ شبلی کا منشا، عقیدہ اور پیغام آپ کو پہنچانا ہے۔چنانچہ جناب شمس العلما حضرت شبلی نعمانی نے اپنے پیغام کی اہمیت کے سلسلے میں بطور تمہید لکھا ہے کہ:

(الف) **مندرجہ بالا بخاری کے بیانات کی بڑھ چڑھ کر تصدیق یاد دِلا**

”جناب رسولؐ اللہ کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر کچھ پتھر کی تختیوں پر۔لوگوں کو پورا حفظ بھی یاد نہ تھا کسی کو کوئی سورت یاد تھی کسی کو کوئی۔حضرت ابوبکر کے عہد میں مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں سے بہت سے (جزوی) حفاظ قرآن تھے۔لڑائی کے بعد حضرت عمر نے ابوبکر کے پاس جا کر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظِ قرآن اُٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔اس لئے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئے۔حضرت ابوبکر نے فرمایا ”جو کام رسولؐ اللہ نے نہیں کیا وہ میں کیونکر کروں؟“ حضرت عمر نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر بھی اُن کی رائے سے متفق ہو گئے۔“(الفاروق حصہ دوم صفحہ 58)

(ب) **پیغام:** ”سب سے مقدم قرآن شریف کی حفاظت اور اُس کی تعلیم و ترویج تھی۔حضرت عمر نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں اُن کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے صحیح لکھا کہ: ”امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوائف مسلمین، منتِ فاروق اعظم در گردن اُوست“(الفاروق حصہ دوم صفحہ 57-58)

”مسلمانوں کے تمام فرقوں اور گروہوں میں سے آج جو کوئی بھی قرآن پڑھتا ہے اُس کی گردن پر فاروق اعظم کا احسان ہے۔“

ہفتم۔ **مکرر تصدیق ہوگئی کہ ابوبکر و عمر ہی نہیں بلکہ مسلمانوں میں کوئی پورے قرآن کا حافظ و حامل نہ تھا**

بخاری کی روایت سے بھی یہ بات ظاہر تھی کہ نہ ابوبکر پورے قرآن کے حافظ تھے نہ عمر کو قرآن یاد تھا اور نہ ہی زید بن ثابت ہی پورے قرآن کا حافظ تھا۔کیونکہ اگر وہ اُس قرآن کے حافظ ہوتے، جو تیسری خلافت کے اواخرِ ایام میں ہر صوبے میں بھیجا گیا تھا، تو در در مارے مارے پھرنے اور پھرانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔اُن تینوں میں سے کوئی ایک یا کوئی اور صحابی تنہا بیٹھ کر قرآن جمع کر لیتا (جیسا کہ وفاتِ رسولؐ کے فوراً بعد ہی حضرت علیؑ نے ترتیب نزولی کے مطابق بھی قرآن جمع کر کے پیش کر دیا تھا جسے مصلحتاً اُس وقت لینے سے انکار کر دیا گیا تھا) لہٰذا اس روایت کے بعد اگر کسی روایت میں کسی صحابی کو پورے قرآن کا حافظ کہا جائے (جیسا کہ کہا گیا ہے) اور کسی کے

پاس پورے قرآن کا لکھا ہوا موجود ہونا بتایا جائے (جیسا کہ بتایا جاتا رہا ہے) وہ یا تو جھوٹے افسانے ہیں یا چند سورتوں کی بات ہے پورے قرآن کی بات نہیں ہے۔علامہ شبلی نے یہی سمجھا اور لکھا ہے کہ:

1 ''لوگوں کو پورا حفظ بھی نہ تھا۔''

2 ''کسی کو کوئی سورت یادتھی کسی کو کوئی۔''

اِن دونوں جملوں کے بعد شبلی کا یہ جملہ بتاتا ہے کہ اُنہوں نے لفظ قاری کے معنی پورے قرآن کا حافظ نہیں سمجھا اس لئے لکھا کہ: ''سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ تھے'' یعنی اُن میں سے ''کسی کو کوئی سورت یادتھی کسی کو کوئی'' لہٰذا ممکن ہے کہ جو سورتیں مرنے والے صحابہ کو یادتھیں اُن سورتوں میں سے کوئی ایک سورت یا تمام سورتیں باقی زندہ رہنے والوں کو یاد نہ ہوں۔ جیسے کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ ابوخزیمہ انصاری کے علاوہ کسی کو نہ معلوم تھا نہ یاد تھا۔

ہشتم۔ یہ دعویٰ کرنا کہ زید بن ثابت نے جو کچھ جمع کیا تھا اتنا ہی پورا قرآن بھی تھا باطل ہے

علامہ بخاری کی روایت بھی یہی بتاتی ہے کہ جنگ میں ہر مرنے والے کے ساتھ کچھ نہ کچھ قرآن کی ایسی سورتیں ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہیں جو باقی ماندہ لوگوں کو یاد نہیں اس لئے رفتہ رفتہ قرآن کی سورتوں کی کثرت دسترس سے باہر نکل جائیں گی۔ یہی اور صرف یہی معنی ہیں اس جملے کے کہ: ''فَيَذْهَبُ كَثِيْرٌ مِّنَ الْقُرْاٰن'' (جملہ نمبر 3) ''چنانچہ قرآن کا بڑا حصہ نکل جائے گا۔''

دوسری دلیل بھی بخاری کی اسی روایت میں موجود ہے یعنی جب صحابہ میں کوئی بھی تمام نازل ہو چکنے والی سورتوں اور سورتوں کی تمام آیتوں کا حافظ نہ تھا تو قرآن کے پورا جمع کر لئے جانے کی تصدیق بھی ناممکن ہے۔

نہم۔ زید بن ثابت کا قرآن کے نام پر جمع کیا ہوا ذخیرہ نزول کے ساتھ ساتھ لکھا یا یاد کیا ہوا سامان تھا

یہ بھی سوچنے کی اور بہت اہم بات ہے کہ نزول قرآن کی جو صورت مُسلّمہ اور فطری تھی اُس میں وہ اس ترتیب اور تسلسل سے نازل نہیں ہوا جو بعد میں عہد عثمانی سے آج تک مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی ہے۔کبھی اتفاق سے اور شاذ و نادر کوئی بڑی سورت پوری کی پوری نازل ہوئی تھی۔ ورنہ کچھ آیات کبھی پہلے اور کبھی بعد میں نازل ہوتی رہتی تھیں۔اور ظاہر ہے کہ لکھنے والے اور حفظ یاد کرنے والے بھی نازل ہونے والی آیات کو نزول کے ساتھ ساتھ اُسی طرح لکھتے اور یاد کرتے جاتے تھے۔یعنی اُن کے حافظے اور تحریر میں کہیں کسی سورت کی آیات ہوتی تھیں اور اس کے بعد والی آیات کو وہ پہلی یاد کی ہوئی آیات کے بعد مسلسل یاد کرتے یا لکھتے جاتے تھے۔یعنی اُن کے حافظے یا تحریروں سے جمع کیا ہوا سامان گو ایک ناقابل فہم و ہضم کھچڑی ہوتی مگر پھر بھی زید بن ثابت کے جمع کئے ہوئے سامان سے بہتر ہوتی۔

دہم۔ زید بن ثابت نے اگر فی الواقع کچھ سامان کسی طرح جمع کیا بھی تھا تو وہ علٰی وَجْهِ الْبَصِيْرَت ناقابلِ شمار و اعتبار تھا

ہم عقیدت مند لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ ہمیں ایسی روایات کا کھلونا دے کر بہلا دیا جائے جو قریشی حکومتوں نے اپنے ساختہ پرداختہ اور پروردہ و وظیفہ خوار علما سے دو تین سو سال کے سوچ بچار اور تجربات کے بعد تیار کرائی ہوں۔ پھر ہم قریش کے مخالف بھی ہیں اور

اُن کے مسلک و مذہب کے خلاف مکمل قرآن اور روزِ ازل سے چلے آنے والے صاحبانِ قرآن کی ہر لحہ موجودگی پر ایمان اور ثبوت بھی رکھتے ہیں۔ ایسی مستحکم صورتِ حال میں ہمیں تو ایسا فطری، مربوط اور قابل فہم ثبوت درکار ہے جس میں کوئی خامی اور جھول نہ ہو اور جس پر نہ سہی اللہ، رسولؐ اور قرآن کی گواہی' کم از کم عقل تو گواہ ہو۔ عقل چاہتی ہے کہ آپ ہمیں مندرجہ ذیل عقلی سولات کا عقلی اور حالات کے مطابق جواب اور ثبوت فراہم کریں۔

(الف) <u>قرآن جمع کرنے کا سامان، طریقہ، پرکھنے کا معیار اور یہ کہ اجزائے قرآن کہاں کہاں موجود تھے؟</u>

پہلا سوال یہ ہے کہ زید بن ثابت نے اگر قرآن جمع کیا تو کس چیز پر لکھا تھا؟ جبکہ اُس وقت تک کے لوگ کھجور کے پتے، پتھروں کے ٹکڑے اور ہڈیاں استعمال کرتے رہے تھے؟ ظاہر ہے کہ نہ کاغذ اُن کے پاس تھا نہ اتنی مقدار میں اُس حکومت کو حاصل ہوسکتا تھا اور نہ کاغذ کی فراہمی اور حصول کا کہیں تذکرہ کیا گیا ہے۔ یعنی حدیث ساز دانشوروں نے عقید تمندوں کی بہتات کے اندھیرے میں یہ پہلو نہ دیکھا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جناب زید بن ثابت نے کسی جادو اور چھومنتر سے قرآن جمع نہ کیا ہوگا۔ وہ مجبور تھے کہ کوئی ممکن العمل طریقہ اختیار کریں جس کا ''<u>الف</u>'' یہ تھا کہ اُنہیں یہ معلوم ہو کہ وہ پتھر، وہ کھجور کے پتے یا شاخیں، وہ ہڈیاں، اور مٹی کے ٹھیکرے کہاں کہاں اور کس کس کے پاس ہیں جن پر قرآن کی آیات لکھی ہوئی ہیں؟ پھر اُنہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کونسی آیت کس پتّے پر شروع ہوئی اور کونسے پتّے پر یا کہاں ختم ہوئی ہے؟ یعنی اُس جھاڑ جھنکار اور پتھروں اور ہڈیوں اور ٹھیکریوں کے انبار میں آیات کا شروع اور انتہا اور کس کے بعد کون سا پتّا کون سا پتھر وغیرہ لکھا جائے گا؟ اور ظاہر ہے کہ نہ زید بن ثابت کو یہ سب کچھ معلوم تھا نہ معلوم ہو سکنے کا کوئی امکان اور طریقہ تھا اور نہ یہ سب کچھ روایات سازوں نے لکھا ہے۔

پھر اُن کی ''ب'' یہ تھی کہ وہ ہر اُس شخص سے ملاقات کریں جس نے قرآن سنا ہو اور اُس میں سے کچھ یاد بھی رکھا ہو۔ اور اُن کے لئے ہر ایسے آدمی کو جاننا بھی ناممکن تھا اور سارے مکّے، مدینے اور پورے ملک عرب میں چل پھر کر سب سے ملنا بھی ممکن نہ تھا۔ لہٰذا جو کچھ زید بن ثابت کے لئے ممکن تھا اور جو کچھ اُنھوں نے کیا ہوگا' بشرطیکہ اُنھوں نے کیا ہو، وہ یہی تھا کہ مدینے کے لوگوں سے اُن کی فرصت کے اوقات میں ملیں اور اُن سے پوچھ پوچھ کر اور سُن سُن کر قرآن کی جو آیت یا آیات سنیں انہیں لکھتے جائیں۔ اس میں بھی یہ عملی دقت تھی کہ وہ سنانے والے کے ساتھ ساتھ اُسی رفتار سے نہ لکھ سکتے تھے جس رفتار سے سنتے تھے۔ بلکہ سنانے والا ایک آیت یا آیات کے چند الفاظ پڑھ کر رُک جاتا ہوگا اور جب زید لکھ چکتے ہوں گے تو وہ اگلا فقرہ سناتا ہوگا۔ اور یوں اِملا (Dictation) کرانے میں سہولت تب ممکن ہے جب کہ املا کرانے والے کے پاس لکھا ہوا سامان ہو۔ ورنہ بار بار دُہرانے میں بھولنے کا بھی یقینی امکان ہے اور سنانے والے کا بور (Bore) ہو کر جان چھڑانے کی کوشش کرنا بھی ممکن ہے۔ ہر شخص یہ سوچے گا کہ اگر میں نے فلاں فلاں آیات نہ بھی سنائیں یا لکھوائیں تو ماشاء اللہ دوسرے صحابہ سنا دیں گے۔ بہرحال جہاں جو شخص کہے کہ جناب اب آپ چھٹّا کھائیے زید کو دامن جھاڑ کر چل دینا ہوگا۔ یہ اب دوسرے شخص سے ملیں گے اور جہاں لکھنا بند کیا تھا وہاں سے لکھنا شروع کردیں گے اور یہ ممکن نہ ہوگا کہ یہ دوسرا شخص قرآن کی وہی آیت یا

آیات سنائے جوسابقہ پہلے شخص والی آیات کے بعد مسلسل نازل ہوئی ہوں۔ممکن ہے کئی روز بعد کوئی نیک دل دیانتدار آدمی ملتا ہو اور کہتا ہو کہ جناب زید بن ثابت صاحب اس روز میں بھولے سے یا جلدی میں کچھ آیات نہ لکھوا سکا تو زید صاحب بصد شکر یہ وہ آیات وہاں لکھ لیں گے جہاں اب اُن کا مسودہ پہنچا ہوا ہوگا۔ظاہر ہے کہ اس ممکن العمل طریقے میں بھی جو کچھ جمع ہوگا وہ کھچڑی کی جگہ وہ پاگل ہانڈی کہلائے گا جو تمام سبزیوں کو ملا کر پکائی جاتی ہے۔یہ کسی شاندار عمارت کا وہ ملبہ ہوگا جو زلزلے کے جھنجھوڑنے اور مکان کو اُٹھا اُٹھا کر پٹخنے سے وجود میں آیا ہو۔اُس مکان کی کھڑکیوں،شیشوں،الماریوں وغیرہ کا ڈھونڈنا خیالِ خام ہوگا وہاں تو چھت اور درودیوار یں تک نہ ملیں گی۔یہ تھا وہ سامان جو قرآن کے نام پر جمع کیا گیا تھا۔لیکن ان ہی بیانات سے ثابت ہے کہ یہ سب جھوٹی کہانیاں ہیں جو رسولؐ پر تہمت لگانے اور عمر اینڈ کمپنی کی اہمیت بڑھانے اور اُس ملکی وقومی اعتراض سے بچنے کے لئے برسہابرس بعد گھڑی گئیں جو حضرت علی علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کو نہ لینے سے مستقلاً قائم ہوگیا تھا۔ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قریشی پالیسی میں قرآن کو جمع کرنا اور منظرعام پر لانا اور ہما شما کو یہ موقع فراہم کرنا داخل ہی نہ تھا کہ لوگ دامن پکڑ کر قرآن کا حوالہ دے کر اُن پر اعتراضات کریں۔وہ یہ چاہتے تھے اور یہی کہا بھی تھا:

''حَسْبُنَا کتاب اللّٰہ'' ''اللہ کی کتاب ہمارے حسبِ حال ہے''

یعنی اب ہمیں آپؐ کی کسی قسم کی تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔کتاب اللہ ہمارے حالات کی ترجمان ہے ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ عین منشاو قانونِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔یعنی ''جس بات،کام،چیز،تصور اور عقیدے کو ہم لوگ اچھا سمجھتے ہیں وہی اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے اور جن چیزوں کو ہم بُرا سمجھتے ہیں وہی اللہ کے نزدیک بھی بُری ہوتی ہیں۔'' (فلسفۂ شریعتِ اسلام صفحہ 123،205) اور اسی اصول اور تصور کے مطابق وہ شریعت تیار کی گئی جس کا سابقہ عنوانات میں تذکرہ ہوتا چلا آیا ہے اور ابھی برابر یہ ذکر جاری رہے گا۔

بہرحال عمر اینڈ کمپنی کی مذکورہ بالا پالیسی کو حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ کے قرآن جمع کرنے نے متزلزل کیا۔پھر اُن کے خطبات اور صبر کے طوفان نے ثلاثہ اینڈ کمپنی کی تعمیر کردہ اجتہادی فلک بوس عمارت کو ہلا ہلا کر گرا دیا۔انہیں مجبور ہونا پڑا کہ قرآن جمع کرنے کا ایسا قصہ تیار کریں جس سے حقیقی،مکمل اور روزِ ازل سے مرتب ومدوّن قرآن مشکوک ہو کر رہ جائے۔لیکن تیسری حکومت کو مجبور ہو کر قرآن شائع کرنا پڑا تھا۔لیکن شائع کرنے کے بعد اُسے بے اثر اور بے کار کرنے کے لئے جہاں انہوں نے سینکڑوں جتن کئے مثلاً روایات گھڑوا کر یہ ثابت کیا کہ اُس قرآن میں ناسخ ومنسوخ ہے،محکمات ومتشابہات ہیں؛مفصل ومجمل ومقید ومطلق،عام وخاص کے اڑنگے لگائے اور قرآن کو سینکڑوں باطل قسموں میں تقسیم کیا (حجر 99 تا15/88 اور انعام 6/92) اِن تمام کوششوں کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ قرآن جو عثمان کے ہاتھوں شائع کرایا گیا تھا وہ تو اُسی قرآن کی نقل تھا جو عہد ابوبکر وعمر میں زید بن ثابت نے جمع کیا تھا۔اُس قرآن کو زید بن ثابت والا قرآن ثابت کرنا تو اُسی صورت میں ممکن ہوگا جب پہلے یہ ثابت کرلیا جائے کہ زید بن ثابت نے واقعی کوئی قرآن جمع کیا تھا؟ اور ہمارے مندرجہ بالا بیانات کے بعد ساری دنیا مل کر بھی یہ ثابت نہیں کرسکتی۔بہرحال اُس قرآن میں سورتوں کی ترتیب اور اُن کے نام کہاں سے شامل کریں گے؟ وہ کون سا جادو ہوگا جو زید بن ثابت کے سر چڑھ کر تمہاری زبان بولے گا؟

13۔ عہدِ رسولؐ اور نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ عمر نے شریعت سازی شروع کردی تھی

ہم نے عمر کی شریعت سازی پر قرآن، مودودی تراجم وتشریحات اور تاریخی بیان پیش کردیئے ہیں اب ہم اُن کی شریعت سازی کی ابتدا اور بعدِ انتقالِ رسولؐ کے لئے شریعت سازی کی تیاری پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ حضرت عمر آغازِ اسلام کے ساتھ ہی شریعت سازی پر نہ صرف متوجہ ہوئے بلکہ اُس کے لئے بھرپور تیاری شروع کردی تھی۔ یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی موجودگی میں اُنہیں شریعت سازی کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کا جواب ہمارے ذمہ ہے۔

(13۔الف) حضرت عمر نے اپنے سابقہ دین میں اصلاحات تو کی تھیں اُسے تبدیل نہیں کیا تھا

حضرت عمر نے اپنے پہلے مذہب میں اصلاحات کی حد تک تبدیلی ضرور کی تھی اُسے سو فیصد تبدیل نہیں کیا تھا۔ ساتھ ہی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے مذہب کو بھی سو فیصد تسلیم نہ کرتے تھے۔ اور اُس میں بھی اصلاحات کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور جب اور جہاں رسولؐ کو قدامت اور رجعت پسندی کی طرف راغب دیکھتے تھے اُن سے کھل کر، بلکہ بقول شبلی، گستاخانہ انداز میں اختلاف کرتے تھے اور رسولؐ کے خلاف فیصلہ صادر کرنے میں تکلف نہ کرتے تھے (الفاروق حصہ 2 صفحہ 112-113) اور وحی اُن ہی کی تائید کرتی تھی (ایضاً)۔ چنانچہ وہ آنحضرتؐ کے ہر حکم اور ہر عمل کو واجب التعمیل نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے رسولؐ کے اقوال واعمال کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ وہ اپنی ذاتی بصیرت سے یہ فیصلہ کرلیتے تھے کہ حضورؐ کا کون سا حکم بشری حیثیت میں داخل ہے اور کون سا منصبِ رسالت کی حیثیت میں ہے (ایضاً صفحہ 113)۔ انہیں یہ یقین ہوگیا تھا کہ آنحضرتؐ کا ہر وہ حکم ذاتی ہے جس میں وہ بنی ہاشمؑ یا حضرت علیؑ کی سربراہی اور افضلیت کی بات کرتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُمت آنحضرتؐ کے ذاتی احکام کو اللہ کے احکام سمجھ کر گمراہ ہوجائے۔ لہٰذا اُنہوں نے روزِ اوّل ہی سے رسولؐ اللہ پر نظر رکھی اور اپنے اور مسلمانوں کے لئے جو راہِ عمل تیار کی وہی اُن کی شریعت سازی کہلاتی ہے۔ یہ تفصیلات بڑے چالاک اور محتاط انداز میں بھی اور کہیں کہیں کھُل کر لکھی ہوئی الفاروق، ازالۃ الخفاء اور تاریخ الخلفا میں موجود ہیں۔ اور ہم نے بڑی تفصیل سے دیکھا ہے کہ قرآن آنحضرتؐ کے ہر حکم کو ہر حال میں واجب التعمیل اور واجب الاطاعت کہتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ اسلام سے خارج اور جہنمی قرار دیتا ہے۔ لیکن عمر اس قسم کی آیات سے کبھی ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوتے تھے اس لئے کہ وہ ہماری قسم کا ایمان نہ لائے تھے۔

(13۔ب) حضرت عمر نے اپنی آخری عمر میں اپنے مقاصد میں پوری کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنا مذہب ظاہر کیا

حضرت عمر اسلام کو اصلاحات کے ذریعہ سے اپنے سابقہ مذہب میں تبدیل کرتے رہے اور جب سو فیصد کامیاب ہوگئے تو اپنے مددگار طبقے کے افراد سے نہایت آزادی سے اعلانِ حقیقت کردیا۔

ادارۂ اجتہاد کے یہاں عمر کا مذہب حنفی تھا: شبلی سے یہ دلچسپ قصہ سنئے:

''زیاد بن حدیر نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا۔ اُس نے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجئے اور

اُنیس ہزار مجھ کوعنایت کیجئے۔دوبارہ وہ عیسائی اُن کی سرحد سے گزرا تو اس سے محصول مانگا وہ مکہ معظّمہ پہنچا اور حضرت عمر سے شکایت کی۔حضرت عمر نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو۔عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دے کر گھوڑے کو واپس لے لے۔یہاں حضرت عمر کا فرمان پہلے ہی پہنچ چکا تھا کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جاسکتا۔ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا وہ عین اس وقت حضرت عمر کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ دے رہے تھے۔اُسی حالت میں اس نے شکایت پیش کی فرمایا نہیں دوبارہ محصول نہیں لیا جاسکتا۔عیسائی چند روز تک مکے میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمر کے پاس جا کر کہا کہ ''میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی۔'' حضرت عمر نے فرمایا ''ہاں میں وہی حنفی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام کر دیا۔'' عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر پہلے ہی زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔(الفاروق حصہ 2 صفحہ 91 اور کتاب الخراج صفحہ 73،79)

(13۔ج) <u>حنفی مذہب کیا ہوتا ہے؟ عمر اپنے چچا زید بن عمرو بن نفیل کے مذہب پر تھے</u>

علامہ شبلی نے عمر کے اپنے مذہب حنفی بتانے والے جملے میں بریکٹ لگا کر لفظ <u>مسلمان</u> کا یوں اضافہ کیا ہے:

''میں وہی حنفی (مسلمان) ہوں۔'' معلوم ہوا کہ علامہ شبلی کے نزدیک حنفی مذہب کے لوگ غیر مسلم یا کافر ہوتے تھے۔ورنہ وہ بریکٹ کے ذریعہ عمر کو مسلمان نہ کرتے اور یہی شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ اس دین میں بت پرستی سے انحراف تھا اس لئے اس کو حنفی کہتے ہیں۔کیونکہ حنف کے معنی انحراف کے ہیں، عبرانی اور سریانی زبان میں حنیف کے معنی منافق اور کافر کے ہیں۔ممکن ہے کہ بُت پرستوں نے یہ لقب دیا ہو اور موحدین نے فخریہ قبول کرلیا ہو۔'' (سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ 126)

معلوم ہوا کہ شبلی صاحب لفظ حنفی کے سلسلے میں مطمئن نہیں ہیں پھر اُن کے شاگرد نے لکھا ہے کہ:

(13۔د) <u>عہد رسولؐ سے پہلے مذہبِ حنیف کے چند لوگ بت پرستی سے توبہ کر چکے تھے</u>

''آغازِ اسلام میں جن چند نیک لوگوں کے نام حنفاء کے لقب سے لئے جاتے ہیں وہ خود اپنے مذہب سے آگاہ نہ تھے اور حق کے متلاشی تھے۔ <u>1</u> قِس بن ساعدہ <u>2</u> ورقہ بن نوفل <u>3</u> عثمان بن حویرث <u>4</u> امیہ بن صلت <u>5</u> زید بن عمرو بن نفیل (عمر کے چچا) <u>6</u> قیس بن نشیہ <u>7</u> عبداللہ بن جحش وغیرہ بت پرستی سے بیزار ہو کر حق کی راہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے یا عیسائی ہو گئے (مثلاً قِس اور ورقہ) یا اصل حنفی مذہب کی تلاش میں سر ٹکرا کر مر گئے (مثلاً زید اور امیہ) اور یا اسلام کی روشنی جب چمکی تو حق کو دیکھا اور دین حنیف کا سراغ پایا اور قبول کیا (مثلاً عثمان اور عبداللہ بن جحش اور قیس بن نشیہ وغیرہ)''(صفحہ 216-215 ارض القرآن جلد 2)

یہ بات پوشیدہ رہ گئی ہے کہ اسی گروہ میں عمر بن خطاب بھی شامل تھے اور ایک اطمینان بخش راہِ حیات کے لئے وہ راہ نوردی کرتے ہوئے عرب سے ملکِ شام تک پہنچے تھے اور تحقیق وتفتیش کرنے کے لئے ولید بن مغیرہ کی خدمت وملازمت بھی اختیار کر لی تھی۔اور علمائے اہل

کتاب تک رسائی حاصل کی تھی اور اسی سفر میں آپکو محمدؐ مصطفیٰ کی حکومت مل جانے کی اطلاع ملی تھی اور عیسائی راہب نے اپنے گرجا کے لئے واگذاری کا کاغذ لکھوایا تھا۔ عمر جانتے تھے کہ مذہبِ حق عرب کے اندر و باہر اگر کہیں ملے گا تو یہود و نصاریٰ کے اندر ہی مل سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ عمر جب شام سے واپس آئے تو اپنا زیادہ وقت یہود و نصاریٰ کے یا اُن کی کتابوں کے ساتھ گزارا کرتے تھے اور اُن سے اتنا مستقل رابطہ رکھا کہ آخر عمر تک یہودیوں اور عیسائیوں کو ہمراز و دمساز و مربی سمجھتے رہے اُن کا احسان فراموش نہ کیا اور اُن سے اپنے مذہب کو بھی کبھی نہ چھپایا۔ اور یقین رکھا کہ اب وہ اپنے متعلق یہودی کہیں یا عیسائی، خود کو کافر قرار دیں یا منافق کہیں اُن کے عقید تمند و پرستار انہیں سچا مسلمان اور مومن ہی سمجھتے رہیں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے بڑی بے تکلفی سے فرمادیا تھا کہ:

"بِاللّٰہِ یَا حُذَیْفَہ اَنَا مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ" "اے حذیفہ قسم بخدا کہ میں منافقوں میں سے ہوں۔" مطلب یہ کہ تم اور تمہارا علیؑ جو کر سکتے ہو کر لو میرا منصوبہ تمہیں جنبش تک نہ کرنے دے گا اور فنا کر کے چھوڑے گا۔

(13۔ہ) فاروقی اسکیم، جدّ و جہد، آنحضرتؐ کے مذہب میں اصلاحات کا تحریری پروگرام

یہاں سے آپ علامہ شبلی کے چند بیانات ملاحظہ کریں گے اور اُس فکر و تحقیق پر نظر ڈالیں جو حضرت عمر کو آنحضرتؐ کے ساتھ لگنے سے لے کر آخر عمر تک دامن گیر و گلو گیر رہتی چلی گئی اور جس کو رُو بکار لانے کے لئے عمر نے اُن نقائص کو نوٹ کیا جو انہیں رسولؐ اللہ کی اسلامی فکر میں نظر آتے تھے۔ اُن کی وہ صورتیں تجویز کیں جو اسلام کو جہانگیری کے لئے درکار تھیں (بقرہ 205-2/204) قوم میں برابری اور مساوات و آزادیٔ رائے اور مشاورت کے تصورات کو اُبھارا، اُنہیں حکومتِ الٰہیّہ میں اختیارات و اقتدار استعمال کرنے کے طریقے سکھائے (آل عمران 159 تا 3/149) قرآن کی تعلیمات کی اسپرٹ اور اسرار و رموز تک پہنچنا سکھایا (فرقان 25/30، انعام 6/66) اور یوں عِلمِ اَسرار الدین کو ایجاد و نافذ کیا؛ سُنیے:

"حضرت عمر نے مسائل فقہیہ (شریعت۔احسنؔ) میں جس قدر غور و خوض کیا تھا صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ اُنہوں نے آغازِ اسلام ہی سے فقہ (شریعت۔احسنؔ) کو مطمح نظر بنالیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائلِ فقہ مذکور ہیں اُن میں جہاں اِبہام (گنجلک یا وہم۔احسنؔ) ہوتا تھا۔ وہ خود رسوؐل اللہ سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہ ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ اُن کے برابر کوئی شخص بھی رسولؐ اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہ رکھتا تھا۔ کلالہ کے مسئلے کو، جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ (لوگوں میں الجھا ہوا۔احسنؔ) مسئلہ ہے اُنہوں نے آنحضرتؐ سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دِق آ گئے (بقرہ 2/204) اور فرمایا کہ "سورہ نساء کی آخری آیت تیرے لئے کافی ہوسکتی ہے۔" (مسند امام احمد حنبل) جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے اُن کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُن پر غور کرتے رہتے۔ وقتاً فوقتاً اُن کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اُس میں بھی محو و اثبات (ترمیم و اصلاح۔احسنؔ) کیا کرتے تھے۔ پھوپھی کی میراث کے متعلق جو یادداشت لکھی تھی اور آخر میں اُس کو محو کر دیا (مٹا دیا۔احسنؔ)۔ اس کا حال امام محمد (ابوحنیفہ کے ایک شاگرد۔احسنؔ)

نے موطا میں لکھا ہے (صفحہ 216)۔قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالے سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر نے ایک سو(100) مختلف رائیں قائم کیں۔بعض بعض مسائل کے متعلق اُن کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے قائم نہ کر سکے (حجرات 16-49/15)۔مُسْنَدِ دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق اُنہوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اس کو منگوا کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 110)

(13۔و) فاروقی پوزیشن اور اُن کی اسلامی اسکیم کے اجزا و متعلقہ حالات

اوّل۔علامہ شبلی کے اس بیان میں سب سے پہلے یہ سوچیئے کہ حضرت عمر نے ''آغازِ اسلام ہی سے فقہ کو مطمحِ نظر' کیسے اور کب اور کیوں' بنالیا تھا۔'' جبکہ آپ نبوت کے چھٹے سال میں ایمان لائے تھے اور آپ سے پہلے چالیس پچاس آدمی ایمان لا چکے تھے، علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:

(1) ''حضرت عمر کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا اس وقت تک اگرچہ 40 پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 17)

(2) ''حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔'' (ایضاً صفحہ 17)

لہٰذا اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ فاروق صاحب نے ملک شام میں عیسائی راہبوں سے اپنی حکومت اور آنحضرتؐ کی نبوت کی پیشینگوئیاں سنتے ہی (عنوان 6 کا iii-iv) فقہ کو اپنا مطمحِ نظر بنالیا تھا۔انہیں معلوم تھا کہ محمدؐ پر بھی کتاب اللہ نازل ہوگی اور اصولِ ارتقاءِ نبوۃ کی رُو سے سابقہ کتبِ خداوندی میں نازل شدہ تمام قوانین کو محمدؐ کی کتاب میں دُہرایا جانا بھی سنت اللہ کی رُو سے لازم ہے۔لہٰذا اُنہوں نے اُن تمام قوانین کو اپنا مطمحِ نظر بنالیا جو یہود و نصاریٰ کی تحویل اور توریت و انجیل میں موجود تھے اور انتظار کرتے رہے کہ کب محمدؐ دعوائے نبوت کرتے ہیں۔گویا وہ کئی سال پہلے سے اُن آیات کا انتظار کر رہے تھے جو محمدؐ پر نازل ہونا تھیں اور جن پر فاروق نے اپنی نظرِ تنقید ڈالنا تھی۔ہماری یہ تفہیم آنے والے تمام واقعات پر صادق آتی ہے اور اس تفہیم کے علاوہ اس جملے پر اور کوئی معنی یا مفہوم صادق نہیں آتا کہ:

''حضرت عمر نے آغازِ اسلام ہی سے فقہ کو اپنا مطمحِ نظر بنالیا تھا۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 110)

اور اسی جملے کی تصدیق کرتا ہے علامہ ڈاکٹر صبحی محمصانی کا یہ بیان کہ:

''خلیفہ فاروق عمر بن خطاب بلاشبہ حکومت اسلامیہ کے بانی تھے اور اپنی عادلانہ اور جرأت مندانہ حکومت کے لئے مشہور تھے۔''

(فلسفہ شریعت اسلام ترجمہ فَلْسَفَةُ التَّشْرِيْعِ فِي الاسلام صفحہ 169)

یہ بیان بھی اور سورۂ بقرہ (2/204-205) بھی تصدیق کرتے ہیں کہ حکومتِ اسلامیہ کی بنیاد بھی آغازِ اسلام کے ساتھ ہی ساتھ عمر نے رکھی تھی اس لئے کہ انہوں نے قوانین فقہ یا قوانین شریعت کو ایک عالمی حکومت کے نظریے کے ماتحت اپنا مطمحِ نگاہ بنائے رکھا اور اعلان نبوت سے پہلے ہی کتاب اللہ یعنی قرآن میں آنے والے قوانین کو ہمہ گیری دینے کی تیاری کر لی تھی۔اور مدینہ میں پہنچنے اور رسولؐ کی چھوٹی سی حکومت تشکیل پانے سے بیس سال پہلے ہی وہ وسیع تاویلات و تشریحاتِ قرآن، رسولؐ کے سامنے بیان کرنا شروع کر دی تھیں جنہیں

سُن کر رسولؐ کا حیران ہونا اور پسندیدگی کا اظہار کرنا قابلِ فہم ہو جاتا ہے۔ یعنی:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُهٗ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ یُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِهٖ (2/204)

''اے نبیؐ اِن لوگوں میں سے وہ شخص بھی مدِنظر رہنا چاہئے جس کے بیانات دُنیا میں اسلامی طرزِ حیات پر تجھے حیرانی کی حد تک پسند آتے ہیں اور وہ اپنے قلبی خلوص و احساسات پر اللہ کو شاہد قرار دے کر بات کرتا ہے۔''

اگلی آیت میں اُس حکومت کا ساری دنیا پر، ساری نوعِ انسان کی نسلوں پر اور اس زمین میں پیدا ہونے والی کھیتیوں اور فصلوں پر چھا جانا بیان کیا ہے۔ (البقرہ 2/205)

یہاں ظواہر پرستوں اور تنگ نظر لوگوں نے جو کچھ سمجھا ہے اس میں وہ اپنی سادہ نظری کی بنا پر قصور وار نہیں ہیں اس لئے کہ آیت میں الفاظ، فساد فی الارض اور ہلاکت واقع ہوئے ہیں مگر علم اسرار الدین کی رُو سے ہر تعمیر کے لئے پہلے تخریب برداشت کرنا پڑتی ہے اور شر پسندوں اور موقع شناسوں کو ہلاک کر کے ہی شرفا کی عزت اور امن کی ذمہ داری لی جا سکتی ہے۔ بہر حال علامہ محمصانی نے صحیح کہا کہ درحقیقت حکومتِ اسلامیہ کے بانی عمر بن خطاب تھے اور یہ جو لکھا کہ: ''اپنی عادلانہ اور جرأت مندانہ حکومت کے لئے مشہور تھے۔''

یہ بھی اس لئے سو فیصد صحیح ہے کہ اُنہوں نے مذکورہ بالا آیت (2/205) کے کُھلے کُھلے سخت ترین ظاہری الفاظ کے خلاف اپنا نظریۂ حکومت نہ صرف برقرار رکھا بلکہ مذکورہ حکومت قائم کر کے دکھائی۔ اور عادلانہ اس لئے کہ فراعنہ، نمارید، اور سکندر و دارا وغیرہ ہزاروں بادشاہوں سے بہتر عدل و انصاف برقرار رکھا۔ اور اس حکومت کو از اوّل تا آخر ''فاروقی حکومت'' کہنا بھی اس لئے صحیح ہے کہ آنحضرتؐ کے ظاہری و باطنی ارادوں میں ایسی حکومت کی اسکیم ہے ہی نہیں جو عمر نے قائم کر دکھائی۔ لہٰذا وہ نہ صرف اُس حکومت کے بانی تھے بلکہ وہ حکومت تھی بھی اُن ہی کی۔ اور اس لئے بھی ''اُن کی'' کہ اُن کے بعد کوئی اُسے برقرار رکھنے والا بھی نہ ہوا بلکہ رفتہ رفتہ تباہ کر کے رکھ دیا۔ وہ انہوں نے بنائی تھی اور اُن ہی کے ساتھ مر گئی۔

دوم۔ دوسری بات جو اس بیان (13۔ ه) میں غور طلب اور پہلی بات ہی سے متعلق بھی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر ایک ایسی کتاب تیار کر رہے تھے جس میں قرآن کے بیان کردہ تمام قوانین اور اُن کی عملی و علمی تشریحات سمیٹ لی جائیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں ایسی قانونی کتاب تیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ قرآن کی رُو سے اُن کے فرائض اُسی قدر تھے جس قدر باقی مسلمانوں یا صحابہ کے، اللہ، رسولؐ اور قرآن نے بتائے ہیں۔ ایمان لانا، تمام انبیاؑ اور اُن کی کتابوں کو ایمان کی حد تک ماننا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ و جہاد اور دیگر نیک اعمال بجالانا اور جو کچھ رسولؐ حکم دیں تعمیل کرنا۔ الغرض قانون کی کتاب اور وہ بھی قرآن کے ہر مسئلے اور مہم کی کتاب تیار کرنا اُس فہرست میں کہیں نہیں ملتا جو اللہ، رسولؐ اور قرآن نے اُمت کے لئے پیش کی ہے۔ اس مستقل اور از اوّل تا آخر عملدرآمد سے بھی اس کے سوا اور کوئی مطلب اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اپنی ایک ہمہ گیر حکومت قائم ہونے کا انہیں پختہ یقین تھا اور وہ اُس حکومت کے لیے ایسے قوانین تیار کر رہے تھے۔ جن میں رسولؐ اللہ کی ساری سوجھ بوجھ اور نبوی بصیرت کا نچوڑ بھی ہو۔ جس میں قرآن کے ظاہری اور باطنی علوم یعنی علم

اسرارالدین بھی سما جائیں اور توریت وزبور وانجیل میں مذکور تمام قوانین بھی آ جائیں اور جس میں نوع انسان کے تمام سابقہ نظام بھی مذکور ہوں اور تمام سابقہ وموجودہ حکومتوں کے قوانین بھی مطابق ہو جائیں۔ یعنی قرآن سمیت تمام قوانین کی ایسی مسلسل ومربوط صورت سامنے آ جائے کہ گزشتہ وآئندہ تمام دانشورانِ انسانیت اگر جمع ہو جائیں اور فاروقی قواعد وقوانین کو دیکھیں تو سب اُن کو داد دیں اور انہیں اپنے حسب حال (حَسْبُنَا شَرِيْعَةَ الْفَارُوق) قرار دے کر اس پر فخر کریں۔ یہی وجہ ہوسکتی تھی اُن کے جلدی سے رسولؐ کے جواب پر مطمئن نہ ہونے کی۔ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا' جہاں تک عمر کا ذاتی معاملہ ہے، صحیح ہے کہ'' تجھے مسئلہ کلالہ کو سمجھنے کیلئے سورۂ نسا کی آخری آیت کافی ہے۔'' مگر معاملہ صرف عمر بکر کا یا ایک قوم کا یا ایک ملک کا نہ تھا ساری دنیا کی مختلف اور متمدن اقوام پر حکومت زیر نظر تھی۔ اُن کو جب تک ایسا جواب نہ ملے جو قیصر وکسریٰ اور رومۃ الکبریٰ کے مقننین کو مطمئن اور سر جھکانے پر مجبور کر دے وہ کیسے سوال کرنے سے باز آ جائیں؟ یہی راز تھا کہ وہ رسوؐل کو از حد تنگ کر دیتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں لاجواب کر کے اور سوال کی اہمیت منوا کے چھوڑتے تھے اور راز اس لئے تھا کہ وہ رسوؐل کو یا کسی اور کو قبل از وقت بتا کر اپنی اسکیم اور منصوبے کو فیل نہ کرنا چاہتے تھے۔ حکومت اور قانون کی ہمہ گیری اور اس کا بلند ترین معیار ہی تو تھا کہ آپ سوالات وجوابات اپنی کتاب میں لکھ کر بے فکر نہ ہو جاتے تھے بلکہ مسلسل اُن پر غور کرتے اور محو واثبات یعنی ترمیم وتنسیخ واصلاح کرتے رہتے تھے۔ اور یہ بات بھی اُن کے بلند ترین قانونی معیار کا پتہ دیتی ہے کہ وہ قرآن اور رسولؐ کے بیان کردہ بعض مسائل سے مرتے دم تک مطمئن نہ ہوئے۔ وہ مطمئن ہو جاتے' وہ یقیناً اطمینان کے متلاشی تھے مگر جواب معیار سے گرا ہوا ہو تو کیسے اور کیوں مطمئن ہو جائیں؟ بات قانون کی تھی عقیدت کی نہ تھی اور عقیدت بھی تو قابلیت چاہتی ہے۔ نا قابل لوگوں سے نہ عقیدت ہوتی ہے نہ ہونا چاہئے۔ یہی سبب تھا کہ بعض قانونی معاملات میں' بقول شبلی' حضرت عمر گستاخانہ پیش آتے تھے یعنی'' عبداللہ بن اُبی جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرا تو آنحضرتؐ نے خُلق نبوی کی بنا پر اُس کے جنازہ کی نماز پڑھنا چاہی حضرت عمر نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازہ پر نماز پڑھتے ہیں۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 134-133)

سوچئے کہ ایک طرف قرآن کا قانون ہے دوسری طرف نبیؐ کا احترام ہے۔ عمر نے قانون کا ساتھ دیا اور نبیؐ کو جھڑک دیا لہٰذا عقیدت بے معنی سی چیز ہے۔ عمر قانون پرست، قانون داں اور مقنن تھے وہ صرف قانون اور قانون دانی سے عقیدت رکھتے تھے۔ جہلا کی طرح دست بستہ نہ رہتے تھے۔ جہلا کی عزت کا معیار' جی حضوری' دست بستہ رہنا اور اشاروں پر ناچنا ہوتا ہے جو عمر میں مفقود تھا۔ اُن کا رسوؐل سے ہر مسئلہ دریافت کرنا اور دریافت کرنے میں سختی، مخالف اور گستاخ ہو جانا ہی وہ اسباب تھے کہ حضوؐر اُن سے زیادہ الجھنے میں اپنی توہین سے ڈرتے تھے۔ یہ وجہ تھی جو شبلی نے لکھا کہ:'' یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ اُن کے برابر کوئی شخص بھی رسولؐ اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہ رکھتا تھا (الفاروق حصہ دوم صفحہ 110) یعنی اِدھر دوسرے صحابہ احترام زیادہ کرتے تھے اُدھر عمر گستاخی تک سے باز نہ رہتے تھے اور رسولؐ اپنے اخلاق سے گرنا اور اپنی ہتک حرمت نہ چاہتے تھے، صبر کر لیتے تھے۔

سوم۔ تیسری بات بھی قانونی ہے۔ یعنی وہ اپنی رائے کو یا رسوؐل اللہ کی رائے کو آخری بات اور آخری فیصلہ نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے

دادا کی میراث کو قرآن اور رسولؐ سے اطمینان بخش نہ پا کر اس میں سو بار اپنی رائے اور فیصلے تبدیل کیے اور اپنا اطمینان نہ ہوا تو خواہ مخواہ ٹھونس ٹھانس نہیں کی بلکہ مسئلہ کو جُوں کا تُوں چھوڑ دیا۔ اس لئے قرآن میں ابہام یعنی گنجلک بھی تھی اور ایہام یعنی طرح طرح کا وہم بھی پیدا ہوتا رہا اور سو مرتبہ رائے بدلنے سے مسئلہ میں ابہام اور ایہام ثابت ہو گیا۔

یہ ہے ہماری بے دردانہ، گستاخانہ اور جناب فاروق کی جانبدارانہ تفہیم جس کے مقابلے میں نہ کوئی سابقہ تفہیم پیش کی جاسکتی ہے اور نہ آئندہ اس سے بہتر قانونی توجیہات کی جاسکتی ہیں۔

14۔ عمر کی قانون دانی اور وسعتِ نظر کے ماخذ کیا تھے؟ ممکن و یقینی ماخذ؟

جب یہ مان لیا گیا کہ:

(1) ''عمر نے آغازِ اسلام ہی سے فقہ کو مطمحِ نظر بنالیا تھا۔'' اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ:

(2) ''حضرت عمرؓ مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے اُن کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 14-13)

لہٰذا ہجرت کے وقت اُن کی عمر چالیس سال ماننا پڑتی ہے اور ہجرت، نبوت کے تیرہ سال پورے ہو چکنے کے بعد مُسلّمات میں سے ہے۔ یعنی آغازِ اسلام یا دعوائے نبوت کے وقت حضرت عمر ستائیس (27) سال عمر کے آدمی تھے۔ یعنی حضرت عمر نے اپنی عمر کے اٹھائیسویں سال فقہ کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیا تھا۔ اور پانچ سال فقہ پر تحقیق و تفتیش کرتے ہوئے گزر چکے تھے جب وہ اسلام لائے۔ اس لئے شبلی نے تصدیق کی ہے کہ ''حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔'' (ایضاً صفحہ 17)

(14۔الف) عمر کی تعلیم و تربیت اور عملی حیثیت وغیرہ کا سراغ لگانے کی بند راہوں کو کھولنا مشکل ہے

ہماری خوش قسمتی ہوتی اگر جناب شبلی ہمیں یہ بتا سکتے کہ حضرت عمر کو صرف اٹھائیس سال کی عمر سے پہلے وہ تبحر علم و قانون کس مدرسہ یا ماخذ سے حاصل ہوا جس کی انتہا یہ تھی کہ بصیرتِ نبویؐ بھی اُن کی فکر و بصیرت کے سامنے ہیچ ثابت ہو چکی ہے (عنوان نمبر 12) لیکن ہماری دقت اور مشکل یہ ہے کہ جس طرح علامہ شبلی نے اُن کی ولادت اور بچپن کے حالات کو ''بالکل نامعلوم'' لکھ دیا (عنوان نمبر 14) ہے۔ اُسی طرح اِن کے ستائیس سالہ حالات کے لئے یہ کہہ کر سرخ جھنڈی دکھا دی کہ:

''اُن کے سن رُشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہوتے اُس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے۔ تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جن کا یہاں نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔'' (ایضا صفحہ 14)

اس بیان کے بعد علامہ نے اُن کے حالات میں جو کچھ لکھا ہے اس میں کہیں بھی اُن کے حصول علم کو نہ عنوان بنایا اور نہ کہیں کوئی ایسی بات لکھی جس سے ہمیں اُن کے علمی ماخذوں اور ذرائع کا پتہ لگ سکتا۔ اس لئے ہمیں بھی علامہ کی طرح تفحص و تلاش کرنا پڑے گی اور قریشی حکومتوں اور مؤرخین کی بند کی ہوئی راہوں کو کھول کھول کر اور کھود کھود کر حضرت عمر کے متعلق یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اُن کے علم و قانون کے ماخذ

کیا ہوسکتے ہیں؟ چنانچہ علامہ نے جو کچھ حالات بہم پہنچائے ہیں اُن ہی کو ہم بھی بطور بنیاد سامنے لاتے ہیں تاکہ حضرت عمر کے علم وبصیرت اور قابلیت کی تعمیر مکمل ہونے کا امکان نکل آئے۔

(14۔ب) عمر کے خاندان میں علم الانساب، سفارت اور قانونی فیصلے کرنا موروثی تھا

چنانچہ ہمارا پہلا ہی قدم آخری قدم اور آخری نتیجہ ہوسکتا ہے علامہ نے لکھا ہے کہ:

(1)''شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمرؓ اُن شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے۔عرب میں اُس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمۂ شرافت خیال کی جاتی تھیں۔1نسب دانی 2سپہ گری 3پہلوانی اور 4 مقرری تھی۔نسب دانی کا فن حضرت عمر کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا جاحظ نے کتاب البیان والتبیّن میں بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمر اور اُن کے باپ اور دادا نُفیل تینوں بڑے نساب تھے۔غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے خاندان میں، جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں' سفارت اور فیصلہ منافرۃ یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے۔اور اُن کے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔حضرت عمرؓ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔''(ایضاً صفحہ 14)اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

(2)''قوتِ تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مشرح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے اُن کو سفارت کا منصب دے دیا تھا اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا جو قوتِ تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔''(الفاروق حصہ اوّل صفحہ 15)ذرا آگے لکھا ہے کہ:

(3)''حضرت عمرؓ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعرا کے چیدہ اشعار اُن کو یاد تھے۔''(ایضاً صفحہ 15)

اسی عنوان کی تکمیل میں لکھا ہے کہ:

(4)''شعروشاعری کی نسبت اگرچہ اُن کی شہرت کم ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ شعر بہت کم کہتے تھے لیکن شعروشاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ اُن کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہوسکتا۔عرب کے اکثر مشہور شعرا کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعرا کے کلام پر اُن کی خاص خاص رائیں تھیں۔اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ اُن کے زمانہ میں اُن سے بڑھ کر کوئی شعر کا پرکھنے والا نہ تھا۔''(الفاروق حصہ 2 صفحہ 128)

(5)''حضرت عمر کو اگرچہ تمام مشہور شعرا کے کلام پر عبور تھا لیکن تین شاعروں کو اُنہوں نے سب میں انتخاب کیا تھا۔امراء القیس، زہیر اور نابغہ''(ایضاً صفحہ 128)

(6) آخری قدم حضرت عمر کی خدمت میں پہنچا دیتا ہے: علامہ شبلی کی ایک بات اور سُن کر نتائج اخذ کرلیں:

''اُس زمانہ میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانہ میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔علامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں سترہ(17) آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے اُن

میں ایک عمر بن خطاب تھے۔ان فنون سے فارغ ہوکر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے۔عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل اُن کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا۔وہ تجارت کی غرض سے دُور دُور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے،خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی یہ تمام اوصاف جواُن میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب اُن ہی عنصروں کی بدولت تھے۔اُن سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے اُن پر توجہ نہیں کی۔علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ:"وَ لِعُمَرَ بْن الخطاب اخبار کثیرة فی اَسْفَاره فِی الجاهلية اِلَی الشام و العراق مع کَثِیر مِّن مُلُوک العرب و العجم و قد اتینا علٰی مبسوطها فی کتابنا اخبار الزمان و الکتاب الاوسط"

''عمر بن الخطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر کئے اور اُن سفروں میں جس طرح وہ عرب وعجم کے بادشاہوں سے ملے اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔''

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدت ہوئی کہ ناپید ہوچکیں۔ میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمرؓ کے حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔محدث بن عساکر نے تاریخ دمشق میں، جس کی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری ہیں، حضرت عمرؓ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن اُن میں کوئی دلچسپی نہیں۔مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے اُن کو تمام عرب میں روشناس کر دیا اور لوگوں پر اُن کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے یہاں تک کہ قریش نے اُن کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔قبائل میں جب کوئی پُر خطر معاملہ پیش آتا تو اُن ہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔''(الفاروق حصہ اوّل صفحہ 24)

(14۔ ج) محتاط انداز میں وہ تمام علمی وقانونی وفنی قابلیت وبصیرت شبلی نے دانستہ یا نادانستہ فراہم کر دی

شبلی کے یہ چھ (6) عدد بیانات وہ تمام سامان فراہم کرتے ہیں جن کی اس عنوان میں ضرورت تھی۔حضرت عمر نے مندرجہ ذیل علوم وفنون میں درجہ کمال حاصل کیا تھا:

اوّل: علم الانساب۔مختلف نسلوں کی نام بنام تاریخ۔

دوم: معاملہ فہمی اور اُن کا حل کرنا یعنی رسم ورواج وقوانین کا استعمال کرنا اور فیصلے صادر کرنا۔

سوم: علم التقریر وتحریر یعنی مختلف زبانوں پر دسترس۔

چہارم: علم الشعر اور تاریخ الشعرا۔

پنجم: علم السفارت والنذارت۔جس میں احوال ممالک واقوام۔آداب وقوانین بادشاہانِ عرب وعجم جو سفارت کی کامیابی اور اقوام کی ترجمانی کے لئے لازم وملزوم ہیں۔

ششم: علم الحرب۔جنگی اصول اوراسلحہ کا استعمال۔

ہفتم: پہلوانی۔علم الصحت وتوانائی اورآدابِ شجاعت۔

ہشتم: علم التجارت۔تجارتی منڈیوں سے واقفیت۔ٹیکسوں کی شرح وتشخیص اورعلم الحساب۔

علامہ شبلی کے بیان کے مطابق حضرت عمر کے اوّلین ماخذ اُن کا اپنا خاندان اور عکاظ میں جمع ہونے والے ماہرین تھے اور مندرجہ بالا قابلیت اُنہوں نے بعثت نبوؐی سے پہلے پہلے فراہم کرلی تھی اوراسی قابلیت کے ماتحت،انہوں نے اسلام کا اعلان کرنے سے پانچ سال قبل،شریعت یافقہ کواپنا مطمحِ نظر بنارکھا تھا۔اور پانچ سال کی مذہبی وشرعی تحقیق کے بعداُنہوں نے مسلمانوں میں قدم رکھا تھااور آتے ہی آنحضرؐت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پراپنے پروگرام کے ماتحت سوالات کی بوچھاڑ شروع کردی تھی۔اوربقول علامہ شبلی:

آنحضرؐت کے مقابلے میں حضرت عمر: ''جب کسی بھی معاملے میں یہ کہتے تھے کہ''میرااس کی نسبت یہ خیال ہے''توہمیشہ وہی پیش آتا تھا جواُن کا گمان ہوتا تھا۔''(الفاروق حصہ 2 صفحہ 133)

یعنی اللہ اوراُس کا نظامِ کائنات حضرت عمر کی رائے اور قیاس وگمان کی تائید میں کام کرتا تھا یا یہ کہیئے کہ اللہ کے ارادے اورمشیت اور کارخانہ عالم حضرت عمر کے سامنے مستحضر رہتے تھےاورآپ کی ہررائے اور قیاس وگمان اُن کے ساتھ ساتھ برسرکار رہتے تھے۔

یہاں بھی اور دیگر مقامات پربھی قارئین گھبرانہ جائیں ہم یہ آخرالذکرعقیدہ محمدؐ،علیؑ،اورتمام آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے لئے رکھتے ہیں۔بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ حضراتؑ خوداللہ کی مجسم مشیت وارادہ تھےاور جب تک کسی کو یہ مقام نہ دیا جائے اُسے نمائندہ یاظہورِ خداوندی یاخلیفہ خداوندی نہیں مانا جاسکتا لہٰذایہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کو یہ مقام دیا گیاہے۔سوال صرف اس قدررہ جاتا ہے کہ محمدؐاورآئمہ اہلبیت کواورعمر کو یہ مقام کس نے دیاہے؟اگر یہ مقام قرآن نے دیاہےتوہرمسلمان پرلازم ہے کہ جسےؑ یہ مقام اللہ نے دیاہےاسؑ پرایمان لائے ورنہ دین سے خارج ہوجائے گا؟لہٰذاہر مسلمان پرفرض وواجب ولازم ہے کہ وہ قرآن سے وہ آیات طلب کرے جواُن میں سے کسی ایک یادونوں فریق کو یہ مقام دیتی ہوں،اوربس۔ اس بات پہ ٹھہراہے فیصلہ دین کا۔

(14۔د) فاروق اعظم کےعلم قوانین کاسب سے بڑاماخذ کتاب اللہ یاعلم التورات تھا

علامہ شبلی کواپنے مؤرخین اورقوم کی بدمذاقی کی شکایت ہےاورہمیں علامہ شبلی سے شکایت ہے کہ اُنہوں نے حضرت عمر کے سب سے بڑے ماخذ کاذکرکرنے کے باوجودتذکرہ اس انداز واحتیاط سے کیا ہے کہ قارئین کی نظر بہک جاتی ہےاوروہ اس تذکرے میں اُسے ماخذنہیں سمجھ پاتے۔آیئے ازسرنو وہ مقام دیکھ لیں:

(1) شبلی اینڈ کمپنی لفظ سیاست کی آڑ میں عمر کی فری اسٹائلِ شریعت سازی کو چھپاتے ہیں

''حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑااصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد وانتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے۔اوراُن میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اُن کواختیار کرتے تھے۔1 خراج 2 عشور 3 دفتر 4 رسد 5 کاغذاتِ

حساب، ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران وشام کے قدیم قواعد پرعمل کیا۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 88) اور سنئے:

(2) ''چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے اُن کے پاس آئے اور اُنہوں نے اُن سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے یہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا؟ جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اُس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیروان نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔'' وَ هِیَ الْوَدَائِعُ الَّتِی اقْتَدَی بِهَا عمر بن الخطاب ''اور یہ وہی قاعدے ہیں جن کی عمر بن خطاب نے پیروی کی۔''

''اور عمر فاروق فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے۔ یہ لوگ اُن بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔خصوصاً شاہانِ عجم کے اور اُن میں بھی خاص طور پر نوشیروان کے آئینِ حکومت بہت پسند تھے اور اُن کی بہت پیروی کرتے تھے (فَاِنَّهُ کَانَ مُعْجبًا بِهَا کثیر الاقتداء بِهَا)'' (ایضاً صفحہ 88)

یہ ہے وہ ماخذ جسے فاروق صاحب نے دُور دراز ممالک کے سفر کرنے کے دوران بڑے بڑے آدمیوں اور شاہانِ عرب وعجم سے مل کر اور سفارت کے وسیلے سے اختیار کیا اور عہد قدیم سے چلے آنے والے اصولوں، قواعد اور قوانین کو جمع کیا اور آغازِ اسلام ہی سے شریعت اسلام کو اُن اصول وقواعد اور قوانین کی روشنی میں جانچنا اور فٹ کرنا شروع کیا تھا۔ اور آنحضرتؐ پر اُن ہی اصولوں کی روشنی میں تنقید کرنا جاری رکھا تھا۔ اور قرآن ورسولؐ کی اقتداء اور پیروی واتباع کی جگہ حکومتوں کی اسمبلیوں اور مقننین کے ساختہ پرداختہ قوانین کی اتباع کا سبق اپنی قوم کو پڑھانا شروع کر دیا تھا (نساء 65 تا 4/60) اور رسولؐ کی زبان میں قرآن کو غلط مفاہیم پر فٹ کر کے مہجور کر دیا (فرقان 25/30) اور اللہ کے نزدیک قرآن کو جھوٹا ثابت کر دیا (انعام 6/66) اور اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے بجائے احکام نافذ کرنے اور فیصلے کرنے کے لئے ایک جداگانہ نظام کی مانگ شروع کرادی تھی اور کتابِ خدا کو مفصل ہونے کے باوجود قانونی جزئیات اور تفصیلات سے خالی کہا جا رہا تھا (انعام 115-6/114) اور اُن لوگوں کو بتا دیا گیا تھا کہ تم ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک رسولؐ اللہ کو اپنی دُنیا ودین کے ہر ہر معاملے میں اپنا حاکم نہ بناؤ اور اس طرح کا فیصلہ کرنے والا نہ مانو کہ جس کے فیصلے تمہارے دلوں کے اندر بلا کسی کدورت کے تسلیم کئے جائیں اور تم بلا چون وچرا اُن کے فیصلے اور حکم پر عمل کرو۔'' (نساء 4/65)

(3) **دوسرا ماخذ بھی شبلی صاحب نے لکھا ہے مگر اُسے سرسری طور پر لپیٹ کر چل دیئے**

انسانی رسم ورواج، عادات، خود ساختہ قواعد وضوابط واصول وقوانین پر شریعت سازی کے بارہ نمونے قارئین نے دیکھ لئے ہیں جن میں کھل کر قرآن وحدیث کی مخالفت مانی جاتی رہی ہے۔ اب ہم وہ حقیقی ماخذ لکھیں گے جو قدیم ترین ماخذ ہے اور ایسا ماخذ جو تمام حکومتوں اور مقننین کے تمام قوانین کا بھی ماخذ ہے اور وہ ہے تعلیماتِ کتب الٰہی پر قائم رہتے چلے آنے والا ''نظامِ اجتہاد'' جو کسی نہ کسی صورت میں دنیا کے ہر ملک، ہر قوم اور ہر گھر میں برسرِ کار' آج تک' رہتا چلا جا رہا ہے۔ اور اس نے ہر مذہب کے سابقہ ناموں کو اپنے اوپر فٹ کر لیا ہے۔ یعنی آج کے ہندو، بدھ مت، زرتشتی، یہودی، عیسائی اور مسلمان اپنے اپنے یہاں اُسی نظام اجتہاد پر، بدلے ہوئے

لیبل کے ساتھ عمل کر رہے ہیں اور اپنے اپنے مذہبِ اجتہاد پر مطمئن ہیں۔(الروم 30/32)

(14۔ه) علامہ کی تحریر، مدینہ میں قائم نظامِ اجتہاد کی بنیاد اور نشاندہی

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق لکھنے کے لئے صرف قسطنطنیہ ہی کے کتب خانے نہیں چھان مارے تھے (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 15) بلکہ برسہا برس کی محنت شاقہ سے وہ چھلنی تیار کرائی تھی جس میں کسی کتاب یا کتب خانوں کو چھاننے سے عمر کے حق میں باطل چھلنی میں رہ جائے اور حق پار نکل جائے۔ سوچئے کہ اس شخص نے کس قدر جانبدارانہ احتیاط سے کام لیا ہوگا جو اہلسنت کے مجدّد و حکیمِ اُمت لقب رکھنے والے محدث حضرت شاہ ولی اللہ کی اُس کتاب (ازالۃ الخلفاء) کو کم رتبہ لکھے (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 11) جس میں شاہ ولی محدث دہلوی نے عمر کو درجۂ نبوت تک بلند کر کے ایسا ثبوت دیا ہے کہ شیعہ مجتہدین اس کے جواب سے عاجز رہے ہیں۔ اور ہمیں اُسی شبلی سے وہ سب کچھ اگلوانا ہے جو انہیں اور اُن کے فاروق کو ابلیس کا اُستاد ثابت کرنے کے لئے کافی ہو جائے۔

(1) عمر کا پابندی کے ساتھ یہودیوں کے دارالعلوم میں نظامِ اجتہاد سیکھنے کے لئے شاملِ درس ہونا

سنیئے علامہ شبلی، عمر کے حصول علم واجتہاد کا ماخذ بتاتے ہیں مگر اس کی اہمیت کم کرنے کے لئے اس کو نہ ''مذہبی امور'' کے عنوان میں رکھتے ہیں اور نہ ''امامت واجتہاد'' کے عنوان میں شامل کرتے ہیں۔ بلکہ الفاروق کی ساری بحثیں ختم کرنے کے بعد جب آپ عمر کے گھریلو اور ''ذاتی حالات'' کا عنوان لکھتے ہیں تو وہاں اُس اہم ترین ماخذ کا سرسری ساذکر یوں کرتے ہیں کہ:

''لکھنا پڑھنا بھی، جیسا کہ ہم آغازِ کتاب میں لکھ آئے ہیں اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔ 2 قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ 3 روایات سے ثابت ہے کہ اُس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ 4 آنحضرتؐ کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ 5 اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے (تو وہ سب عربی پڑھنا بھی نہ جانتے تھے۔احسنؔ)۔ 6 اس لئے یہودی پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ 7 صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:''کَانَ اَھلُ الکتاب یَقرَؤُنَ التورٰۃ بِالعِبرَانِیَۃِ وَ یُفَسِّرُوْنَھَا بالعربیۃِ لِاَھلِ الاِسلام ۔(بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ 154) یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے عربی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ 8 مسندِ دارمی میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر توارت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا۔ 9 وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ 10 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت خود پڑھ سکتے تھے۔ 11 یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے یہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمر اکثر شریک ہوتے تھے۔ 12 اُن کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن اُن کے ہاں جایا کرتا تھا۔ 13 چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔ (مسند دارمی) الفاروق حصہ 2 صفحہ 132-131)

(14-و) شبلی کی خیانت اور نقاب کشائی پھر یہودی نظامِ اجتہاد کو مسلمانوں میں داخل کرنا

ہم علامہ کے اس بیان کی باقاعدہ نقاب کشائی اور اُن کی خیانت کا پردہ فاش کریں گے مگر فی الحال اس بیان میں واضح حقائق کو نوٹ کر لیں۔اوّل یہ کہ علامہ اپنے اور اپنی روایت کے قرائن سے یہ منواتے ہیں کہ عمر نے مدینہ میں آنے کے بعد عبرانی زبان سیکھ لی تھی لیکن وہ ضرورت بیان نہیں کرتے جس نے مدینہ میں آنے کے بعد عبرانی زبان سیکھنے کا تقاضا کیا ہو۔ہم عرض کرتے ہیں کہ عبرانی زبان ہی نہیں بلکہ ضروری تھا کہ عمر روم وایران ویونان وحبش وغیرہ ممالک سے تجارت وکامیاب سفارت کے لئے اُن سب زبانوں میں لکھنا پڑھنا سیکھتے اور ہم اُن کے مذکورہ حالات وقابلیت کی بنا پر (نہ کہ قرائن کی بنا پر) مانتے ہیں کہ وہ تمام متمدن ومتعلقہ ممالک کی زبانیں اور عبرانی زبان مدت دراز پہلے سے جانتے تھے۔اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ماہرینِ زبان وقوانین جنہیں عمر نے اپنے مصاحبین میں داخل کر رکھا تھا وہ حضرات عمر کو بادشاہوں کے اور خصوصاً شاہانِ عجم کے آئین پڑھ کر سنایا کرتے تھے(**یَقْرَؤُنَ عَلَیْہِ سیاسیات الملوک وَ لا سیّما ملوک العجم**)۔ (الفاروق حصہ 2 صفحہ 88) قارئین دیکھیں کہ یہاں یہ کہیں اشارہ تک بھی نہیں کہ وہ عمر کو ترجمہ کے(**یترجمون**) سنایا کرتے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ عمر شہنشاہانِ عجم وغیرہ کی زبان براہ راست سمجھتے تھے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ عمر آغازِ اسلام سے پہلے ہی سے عبرانی زبان پر قدرت رکھتے تھے اور توریت پڑھا کرتے تھے۔

(1) مکہ میں وہ تمام سامان مہیا ہوسکتا تھا جو عمر کو اپنے مشن کے لئے درکار ہوسکتا تھا

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مکہ میں تمام بڑے بڑے ممالک کے دفاتر موجود تھے۔وہاں یہودی گھرانے بھی آباد تھے عیسائی بھی رہتے تھے۔وہاں عمر کو توریت بھی مل سکتی تھی اور مفت مل سکتی تھی انجیل وزبور کا ملنا بھی ناممکن نہ تھا۔چنانچہ عربوں کی مصلحتیں اگر اجازت نہ دیتی تھیں کہ وہ مکہ سے بیرونی ممالک کا رابطہ ظاہر کریں تو بیرونی ممالک کے ریکارڈ میں تو سب کچھ موجود ہے۔اگر شبلی اینڈ کمپنی اپنے فاروق کے کمزور وبدنامِ زمانہ اعمال وافکار کو چھپالے گی تو کیا اور کوئی بھی نہ لکھے گا۔چنانچہ سنیئے کہ کتاب فجر الاسلام میں علامہ احمد امین مصری نے لکھا ہے کہ:

> ''بعض انگریز مورخین نے اکتشاف کیا ہے کہ خود مکہ معظّمہ میں رُومی تجارت خانے قائم تھے۔جن سے اہل روم تجارتی حالات میں ساتھ ہی عرب کے حالات کی جاسوسی کا کام بھی لیتے تھے۔اسی طرح مکہ میں بہت سے حبشی لوگ بھی رہتے تھے۔جو اپنی قوم کی تجارتی مصالح کی نگرانی کرتے تھے۔'' (فجر الاسلام کا اردو ترجمہ صفحہ 71-72)

یہاں پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ رومی اور رومی حکومت عیسائی تھے۔اور اُنکے آدمی جہاں بھی رہتے تھے نیا اور پُرانا عہد نامہ (بائبل) یعنی توریت وزبور وانجیل دیگر ضروری مذہبی کتابیں اپنی عبادت اور معلومات کیلئے ساتھ رکھتے تھے اور وہ عمر یا بکر کو بڑی خوشی سے اپنی کتابیں پڑھنے کو بھی دے سکتے تھے اور اپنے ملک سے منگا کر بالکلیہ بھی دے سکتے تھے۔پھر حبشہ کے لوگ بھی عیسائی تھے اُن سے بھی مراعات حاصل کی جاسکتی تھیں۔اور مکہ میں یا کہیں بھی عرب میں مستقل رہنے والوں کو باقاعدہ عربی زبان آنا چاہئے انہیں اپنے ملک کا نمائندہ یا

نمونہ ہونا چاہئے تا کہ لوگوں کو اُن کی زبان میں مختلف اخلاقی، ملکی، سیاسی و مذہبی سوالات کے معیاری جواب دے سکیں۔ درحقیقت انہیں سفارتی معیار کے لوگ ہونا اور گورنمنٹ کے منظور شدہ لوگ ہونا چاہئے اور چونکہ اُن کا کام جاسوسی بھی بتایا گیا ہے اور ملکی حالات کا جاننا حکومتوں ہی کی سطح کی بات ہے لہٰذا اُدھر اُنکو اپنی حکومت کا قابل اعتماد گروہ ہونا چاہئے اور اِدھر ایسا ہر دل عزیز وخلیق وپُر وقار ہونا چاہئے کہ پبلک کے ہر طبقے میں گھل مل کر رہے اور مقبول ہو سکے۔ لہٰذا عمر اُن سے بھی وہ تمام زبانیں سیکھ سکتے تھے جو انہیں آتی تھیں۔

(2) عمر کو اور ہر طلبگار کو یہود و نصاریٰ کا تمام مذہبی ذخیرہ مل سکتا تھا

علامہ محمدؐ امین عرب مؤرخین کی اُس پالیسی کو لکھ کر اُس کی مذمت کرتے ہیں کہ عرب الگ تھلگ ساری دنیا سے منقطع اور جاہل وغیر مہذب تھے، وہ لکھتے ہیں کہ:

''واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ عربوں کے اپنے اردگرد کی قوموں سے مادی اور ادبی روابط استوار تھے...... عربوں کے روابط دوسری قوموں سے متعدد حیثیتوں سے تھے۔ جن میں سے اہم ترین یہ تھیں:

1۔ تجارت

2۔ عربی مدنیتوں کی نمود جو فارس اور روم سے متصل تھیں۔

3۔ یہودیت اور نصرانیت کی تبلیغی سرگرمیاں جو جزیرہ نمائے عرب میں غُلغُلہ انداز تھیں۔ وہ لوگوں کو اپنے ادیان کی طرف دعوت دیتی تھیں اور اپنی تعلیمات کی نشر واشاعت کرتی تھیں۔'' (فجر الاسلام صفحہ 67-68)

ہزاروں میں سے صرف یہ حوالے کافی ہیں یہ بتانے کے لئے کہ عمر آغاز اسلام سے پہلے ہی یہود و نصاریٰ کے مذاہب کی تعلیمات اور متعلقہ زبانوں میں بھی دستگاہِ کمال حاصل کر چکے تھے۔ ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے مدینے میں آ کر الف، ب، ت سیکھی یا بسم اللہ کی تھی۔ اور یہ اطلاع بھی غلط ہے کہ وہ رسولؐ اللہ کے مدینے پہنچنے کے بعد سے یہود کے درسوں میں جایا کرتے تھے۔ اُن کا مدینے کے یہود اور اُن کی درسگاہ سے بھی بہت قدیم تعلق تھا اور کھل کر یہ تعلق بعد میں ظاہر ہوا تھا۔

(3) عمر نبوت شروع ہونے کے پانچ سال بعد ایمان لائے اور تقریباً رسولؐ سے سات سال پہلے مدینہ آ گئے تھے

علامہ شبلی صاحب نے عمر کی مدینہ میں آمد کو رسولؐ سے پہلے مانا ہے مگر از راہِ رازداری یہ نہیں بتاتے کہ وہ مدینہ کب اور کیوں پہلے آئے تھے؟ سنئے ارشاد ہے کہ:

''اسی اثناء میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابوسلمہ عبداللہ بن اشہل پھر حضرت بلال موذن اور عمار یاسر نے ہجرت کی۔ اُن کے بعد عمر نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا...... مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی۔ مہاجرین زیادہ تر قبا میں، جو مدینے سے دو تین میل ہے، قیام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی یہیں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مکان پر ٹھیرے۔ قبا کو عوالی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم

میں اُن کی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔حضرت عمر کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی یہاں تک کہ سنہ 632ء میں خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا۔''(ایضاً حصہ اوّل صفحہ 17) اور شبلی نے آخر کتاب میں لکھا ہے کہ عمر ابوبکر کے عہد خلافت میں محلّہ قبا سے مدینہ شہر میں منتقل ہوئے تھے۔(الفاروق حصہ 2 صفحہ 143)

علامہ کے اس بیان میں عمر کے مدینہ میں آنے کا وہ زمانہ لکھا ہے جب مدینہ میں ایک معزز گروہ مسلمان ہو گیا تھا اور جو گروہ مدینہ میں بقول شبلی سب سے پہلے مسلمان ہوا تھا وہ 10 نبوی کا واقعہ ہے(سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ 262)اور یہ واقعہ زمانہ حج کی ذیل میں تحریر کیا ہے۔اس سے یہ ماننا ہوگا کہ عمر بہر حال رسولؐ اللہ سے تین چار سال پہلے مدینہ میں آ گئے تھے۔لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے اور ہم واقعات میں عمر کو تلاش کرتے ہیں تو اسلام اختیار کرنے،اور اسی روز حرم میں نماز پڑھنے اور پٹنے کے بعد عمر ہمیں مکے میں نہیں ملتے۔وہ ہمیں اُس روز بھی نہیں ملتے جس روز آنحضرتؐ وابوبکر مدینے پہنچے تھے۔اور ابوبکر بھی رسولؐ اللہ کو قبا میں چھوڑ کر اُسی دن اُسی وقت فوراً محلّہ سُنخ کو روانہ ہو گئے تھے اور انتقال رسولؐ کے چھ ماہ بعد مدینہ میں آئے تھے۔یہ ایک راز سربستہ ہے کہ یہ دونوں یار دس سال الگ الگ مکان بنا کر اسلامی مرکز یا بیت النبوؐۃ سے تین میل دُور دُور کیوں رہتے رہے؟اور اس کے برعکس اس دس سالہ دُوری کو پبلک تک کیوں نہ پہنچنے دیا؟اور یہ کیوں مشہور کیا کہ وہ دونوں حضرات آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ ہمیشہ پروانہ وار رہنے والے فدا کار وجاں نثار یار غار تھے؟ دُور دُور رہنے کی غرض اس کے سوا اور کوئی ہو نہیں سکتی کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اُن کی سرگرمیاں اور اُن کے گھروں پر ہونے والے اجتماعات کا حال مرکز کو اور مرکز کے گرد جمع رہنے والے صحابہ کو نہ ہو سکے۔اور پبلک سے دُور دُور رہنے کو بعد کی حکومتوں نے اس لئے چھپایا کہ پبلک کو دھوکا دیا جا سکے۔

بہر حال ان بیانات سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ عمر تعلیماتِ قرآن کو مجتہدانہ تاویلات میں بدلوانے کے لئے آنحضرتؐ سے برسوں پہلے مدینہ آئے،یہود سے راہ ورسم پیدا کی،انہیں اپنا حنفی ہونا بتا کر اعتماد حاصل کیا۔اُن کے علما اور دارالعلوم سے استفادہ کا انتظام کیا اور اسلام کو تاویلات سے بدلنے اور عرب کے سابقہ دین کا محافظ بنانے کے لئے یہود کو آنحضرتؐ کے خلاف مجتمع کیا اور اُنہیں یقین دلایا کہ اُن کی قوم،قریش،یہود ونصاریٰ کا ساتھ دے گی یہ تفصیلات قرآن کی آیات میں محفوظ ہیں۔(دیکھو نساء 4/42، 4/46؛ مائدہ 15 تا 5/13، 5/41، 47 تا 5/44؛ بقرہ 76-2/75)

(4) شبلی نے عمر کے عبرانی زبان پڑھ سکنے کا قصہ لکھا تو ابو ہریرہ والی روایت میں فریب کیا ہے

مدینہ کے یہود نے فاروقی اسکیم کے ماتحت آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو تبلیغ کرنے اور اسلام سے ہٹانے پر توجہ مرکوز کر دی تھی۔اُدھر جناب فاروق بھی آنحضرتؐ کو الگ اور مسلمانوں کو الگ توریت کی تعلیم سے روشناس کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔اِن فاروقی کوششوں کو کتب احادیث میں جمع کیا گیا ہے اور جناب شبلی اینڈ کمپنی اُن روایات کو بے اثر کرنا چاہتی رہی ہے۔چنانچہ شبلی صاحب نے عبرانی زبان کی توریت پڑھنے اور رسولؐ کے چہرے کے متغیر ہونے کا تذکرہ اس طرح کیا کہ مسلمان اصل حقیقت نہ جان سکیں اور صرف

دو باتیں سمجھ کر فاروقی سازش پر متوجہ نہ ہوں۔ اوّل یہ کہ یہودی کوئی تبلیغ و پرچار نہ کرتے تھے بلکہ رسولؐ اللہ خود اپنی ضرورت کے ماتحت یہودیوں سے تورات کا ترجمہ سنا کرتے تھے اور دوسری یہ کہ فاروق صاحب اتفاقاً توریت اُٹھا لائے اور رسولؐ کو سنانا شروع کر دیا تھا۔ ہم آپ کو صحیح بخاری سے وہ صحیح صورت حال دکھاتے ہیں جو حضرت عمر نے یہودی کی مدد سے پیدا کر رکھی تھی۔

(5) یہودی تعلیمات کو مسلمانوں میں پھیلانے کی دوہری کوششیں

جناب علامہ محمد اسماعیل بخاری نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ یہودی ادارۂ اجتہاد کی تمام کوششوں کو قلمبند کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب میں یہ عنوان قائم کیا کہ: بَابٌ مَّا یَجُوْزُ مِنْ تَفْسِیْرِ التَّوْرٰۃِ وَ کُتُبِ اللّٰہِ بِالْعَرَبِیَۃِ وَ غَیْرِھَا۔

''وہ باب جس میں یہ دکھایا جائیگا کہ توریت اور اللہ کی دوسری کتابوں کی عربی زبان میں کتنی تفسیر کرنا جائز ہے؟'' اسکے بعد علامہ لکھتے ہیں کہ:

اوّل: اِنَّ ھِرَقْلَ دَعَا تَرْجُمانہٗ ثُمَّ دَعَا بِکِتَابِ النَّبِیِّؐ فَقَرأہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم مِن محمدؐ عبد اللّٰہِ و رسوْلہ اِلٰی ھرقل و یَا اھل الکتاب تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکم۔ (بخاری پارہ تیس، کتاب الرّد علیٰ الجھمیۃ صفحہ 1125 جملہ دوم)

''ابوسفیان نے بیان کیا کہ ہرقل بادشاہ نے اپنے ترجمان کو بلایا پھر نبیؐ کا خط منگوایا۔ ترجمان نے پڑھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط اللہ کے بندے اور رسولؐ کی طرف سے ہرقل کے نام ہے کہ اَے اہل کتاب آؤ ہم اور تم اُن حقائق پر متفق ہو کر عمل پیرا ہو جائیں جو ہم دونوں میں برابر کے مسلّمات میں داخل ہیں۔'' اگلی روایت یوں لکھی ہے:

دوم: قَالَ: کَانَ اَھل الکتاب یَقْرَؤُنَ التورۃ بِالْعِبْرَانِیَّۃِ وَ یُفَسِّرُوْنَھا بِالْعَرَبِیَّۃِ لِاَھْلِ الْاِسْلَامِ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ لَا تُصَدِّقُوْا اھل الکتاب وَ لَا تُکَذِّبوھم وَ قُوْلُوا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ الاٰیۃ۔ (ایضاً)

''ابوہریرہ نے کہا کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں توریت پڑھ کر مسلمانوں کو توریت کی تفسیر عربی زبان میں سنایا کرتے تھے۔ اس پر رسولؐ اللہ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم نہ تو اہل کتاب کی تصدیق میں کچھ کہا کرو اور نہ ہی اُنہیں جھٹلایا کرو۔ بلکہ اُن مفسرین و مترجمین سے یہ کہا کرو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ تم پر اور ہم پر اللہ نے اُتارا ہے اُس پر بھی ایمان لا چکے ہیں۔''

علامہ شبلی نے اس روایت سے یہ بتایا تھا کہ جب رسولؐ اللہ کو یا مسلمانوں کو ضرورت ہوتی تھی تو یہودیوں کو بلاتے تھے اور وہ توریت پڑھ کر عربی میں ترجمہ کر دیتے تھے اور اس سے یہ فائدہ اٹھایا کہ توریت کا اُس وقت تک عربی میں ترجمہ نہ ہوا تھا۔ اور پھر عمر کے توریت پڑھنے کا ذکر اس لئے کیا کہ عمر کا عبرانی پڑھ سکنا ثابت ہو جائے۔ مگر یہ حقیقت چھپالی کہ روایت میں عام طریقہ بیان ہوا ہے کہ اہل کتاب مسلمانوں کو عبرانی توریت کی تفسیر سنایا کرتے تھے (یُفَسِّرُوْنَھا بالْعَرَبِیَّۃِ) اور یہ تفسیر عربی میں کرتے تھے اور مسلمان وہ تفسیر سنا کرتے تھے۔

روایت میں یہ ذکر نہیں کہ اہل کتاب یہ تفسیر کہاں سناتے تھے؟ اور رسولؐ کا مسلمانوں کو اہل کتاب کی تفسیر کی تصدیق و تکذیب سے منع کرنا بتاتا ہے کہ اہل کتاب رسولؐ کے پاس آ کر یہ کام نہ کرتے تھے۔ بلکہ یا تو مسلمان اُن کے علما کے پاس اُن کی درسگاہوں یا نشست گاہوں میں جا کر اُن سے خود تفسیر سنا کرتے تھے یا یہودی علما مسلمانوں کے گھروں اور محلوں میں آ کر خود ہی یہ تبلیغ کیا کرتے تھے۔

بہر حال یہ سب کچھ اس ذوق وشوق کا نتیجہ تھا جو اُدھر مسلمانوں میں عمر نے پیدا کیا تھا اور ادھر یہود کی ہمت افزائی کی تھی تا کہ مسلمانوں میں اجتہادی طرزِ فکر جاری کی جائے۔ شبلی نے (یُفَسِّرُوْنَهَا کا) تفسیر کی جگہ ترجمہ کرنا لکھا تا کہ یہ معلوم نہ ہوسکے کہ مسلمان توریت کی تفسیر سنتے تھے اور یہودی مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس خیانت سے عمر کی کوششیں چھپ گئیں۔ دوسری خیانت یہ کی کہ روایت کا آخری جملہ چھوڑ دیا تا کہ یہ معلوم نہ ہوسکے کہ رسولؐ اللہ مسلمانوں کو اُس تفسیر سے متاثر ہونے سے منع کرتے رہتے تھے۔

(6) عمر کی داخلی انگیخت سے مسلمانوں نے رسولؐ کے منع کرنے کے باوجود توریت سے تعلق جاری رکھا

آنحضرتؐ نے اہل کتاب کی تصدیق سے اس لئے روکا کہ وہ مجتہدانہ تفسیر تھی اور تکذیب سے اس لئے منع کیا کہ اُس تفسیر میں صحیح باتیں بھی ہوتی تھیں اور مسلمان یہ قابلیت نہ رکھتے تھے کہ حق و باطل یا کلام اللہ اور کلام انسان کو الگ الگ کرسکیں۔ اور جب یہودی علما کو ہر بات کا ایک ہی جواب دینا تھا تو اُن سے ملنا اور کچھ معلوم کرنا فضول تھا۔ اس لئے کہ اُن کی بات کی نہ تصدیق کر کے اُسے اختیار کرنا تھا نہ تکذیب کر کے بحث کو بڑھانا تھا۔ لہٰذا ایک سچے مسلمان کے لئے تو اسی قدر کافی تھا۔ مگر حضرت عمر نے مسلمانوں میں وُسعتِ مَشرب کی جو چکھی اور ذوق پیدا کیا تھا وہ رسولؐ کی نصیحت اور حکم کے خلاف اُنہیں یہود کے نظامِ اجتہاد کی طرف ہانکتا ہی رہا۔ اور وہ لوگ برابر یہود کی تبلیغ وتدریس میں شامل ہوتے رہے جو عمر کے ساتھ قدم ملا کر چلنا چاہتے تھے۔ اور چونکہ وہ بقول خود اور علامہ شبلی، برابر اُن کے درس اور تعلیم گاہ میں جاتے تھے تو باقی مسلمان کیوں رُکتے؟ بہر حال مسلمانوں کا یہ رویہ اُس حد پر آ گیا کہ مسلمانوں کے آپس میں چرچے ہونے لگے اور جانے والوں پر ملامت ہونے لگی۔

(14-ز) یہود کا نظامِ اجتہاد عمر کی وجہ سے کامیاب ہوا، مسلمانوں کی طرز فکر بدلی، قرآن چھوڑ دیا گیا

یہاں سے یہ دیکھئے کہ عمر تنہا یہودی درس نہ لیتے تھے بلکہ ایک مستقل گروہ پیدا کرلیا تھا جو دن رات یہودی لٹریچر سے استفادہ کررہا تھا۔ ذرا بخاری سے عبداللہ ابن عباس کی باتیں سنئے:

1۔ عن ابن عباس قال كَيْفَ تَسْأَلُوْنَ اهل الكتاب عَنْ كُتُبِهِمْ وَ عِنْدَكُمْ كتاب الله اقرب الكتب عهدًا بالله تقرؤنه محضًا لَمْ يُشَبْ۔

''عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ تم لوگ قرآن کو چھوڑ کر اہل کتاب سے اُنکی کتابیں کیوں مانگتے اور تلاش کرتے رہتے ہو حالانکہ اللہ کی جو کتاب تمہارے پاس ہے وہ باقی تمام الہامی کتابوں کے مقابلہ میں اللہ سے قریب ترین عہد کی ہے۔ جسے تم نے ابھی پڑھنا ہی شروع کیا ہے پُرانی نہیں ہوچکی ہے کہ تمہارے دل اُس سے اُکتا گئے ہوں؟'' دوسری حدیث بھی سُن لیں:

2۔ اِنَّ عبد اللّٰه بن عباس قال: يامعشر المسلمين كيف تسألون اهل كتاب عَنْ شَيْءٍ و كتابكُمُ الَّذى اَنْزَلَ الله عَلٰى نبيّكم اَحْدَثُ الْاَخبار بالله محضًا لَمْ يشَبْ وقد حَدّثَكُمُ الله اَنَّ اهل الكتاب قد بَدَّلُوْا مِنْ كُتُبِ الله وَغَيَّرُوْا فكتبوا بايديهِمُ الكُتبَ وقالوا هُوَ من عند الله يشتروا به ثمنًا قَلِيْلا اَوْ لَا ينهاكُم مَا جَآءَ كم مِنَ العلم عن مسالتهم

وَ لَا وَ اللّٰهِ مَا رَاَيْنَا رَجُلًا مِنهُمْ يَسْأَلكم عن الذى انزل عليكم ۔(بخاری پارہ30 کتاب اَلرَّدُ عَلَى الجَهمِيَّة جلددوم)

''عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ اے مسلمان معاشرہ کے لوگو تم کس وجہ سے اہل کتاب سے کسی بھی چیز کے متعلق سوالات کرتے ہو؟ جب کہ تمہارے لئے اللہ نے تمہارے نبیؐ پر ایسی کتاب نازل کردی ہے جو اللہ کی طرف سے جدید ترین تمام خبریں بیان کرتی ہے اور ابھی پرانی نہیں ہوئی ہے اور تم ایسی صورت میں بھی اُن سے سوالات کرنے اور اُنکے جوابات کو صحیح سمجھنے سے باز نہیں آتے ہو جبکہ تمہیں اللہ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی تمام سابقہ کتابوں میں تغیر و تبدل کر دیا ہے؟ اور انہوں نے اپنے روزگار کو چالو رکھنے کیلئے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ لکھتے تو اپنی ذاتی بصیرت اور اپنے ہاتھوں سے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے۔ اور اے گروہ مسلمانان کیا تمہیں کتاب خداوندی میں یہ ممانعت نہیں کر دی گئی ہے کہ اہل کتاب سے کچھ بھی دریافت نہ کیا کرو؟ اور خدا کی قسم، یہ بڑی شرم کی بات ہے، کہ ہم نے اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا شخص نہیں دیکھا جو مسلمانوں سے قرآن کے متعلق کوئی بھی سوال کرتا ہو۔'' (یہ تمام احادیث صحیح بخاری کے تیسویں پارہ کتاب اَلرَّدُ عَلَى الجهمية میں موجود ہیں)

قارئین نوٹ فرمالیں کہ علامہ شبلی اور صحیح بخاری کی تصدیقات کے ساتھ یہ ثابت ہو گیا کہ جناب عمر اور اُن کی قوم کے مسلمان کثیر تعداد میں یہود کے نظامِ اجتہاد سے برابر استفادہ کرتے اور اُن کے عقائد و اصول کو اپنے اختیار کردہ اسلام میں شامل کر کے اپنی شریعت تیار کرتے جا رہے تھے۔ اور یہی عمر کے لئے سب سے بڑا وہ ماخذ تھا جہاں تقریباً اڑھائی ہزار سال سے تیار ہوتے اور ترقی پاتے چلے آنے والا اجتہاد موجود تھا۔ اصولِ فقہ؛ اصولِ حدیث؛ اصولِ تفسیر؛ اصولِ درایت؛ اصولِ تعدیل اور جرح؛ رائے اور قیاس کے استعمال کے قاعدے، استحسان اور استصحاب، مصالح عمومی وغیرہ وغیرہ کے متعلق مدوّن اور مرصع اصطلاحات موجود تھیں۔ جنہیں لفظ بلفظ عمر نے اختیار کیا اور اپنے مذکورہ کتابچہ میں نوٹ کیا (13۔ ہ) اور قرآن کے تمام احکام و مسائل کو اُن مجتہدانہ اصولوں کی روشنی میں پرکھا اور قبول یا رَد کیا۔ یہی ماخذ تھا جہاں سے انہیں آیات و احکام کی تقسیم کا راز معلوم ہوا تھا۔ وہیں سے عام و خاص، مطلق و مقید، مجمل و مفصل وغیرہ کی بحثیں سیکھی تھیں۔ مگر اُن کی جانشین حکومتوں نے اُن کا پردہ رکھا۔ اُن کی بے مثل و بے نظیر قابلیت کو خوب اجاگر کیا مگر یہ نہ بتایا کہ انہیں وہ قابلیت کہاں سے اور کیسے ملی تھی؟ جو شخص اپنے ہم مسلک علما کے بقول قرآن اور رسولؐ کے خلاف اور اُن کے مقابلے میں شریعت سازی کرتا رہا ہو ظاہر ہے کہ اُس نے ہرگز قرآن اور رسولؐ سے وہ قابلیت و علم حاصل نہ کیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ اپنی قابلیت لے کر بھی پیدا نہ ہوا تھا۔ یقیناً اُس نے اسی دنیا میں سب کچھ سیکھا تھا مگر کہاں سے؟ کب اور کیسے؟ ہم نے اِن تمام سوالات کا جواب خود اُن کے پردہ پوشوں کی تحریروں سے قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے۔ جسے شبہ ہو وہ اپنی دلیل و حجت پیش کرے۔

(14۔ ح) عمر کی توریت سنانے والی روایت میں آنحضرتؐ نے عمر کو کیا مقام دیا اور ابوبکر نے کیا کہا

اب وہ روایت بھی دیکھ لیں جس میں علامہ شبلی نے عمر کو رسول اللہ کے سامنے توریت پڑھتے ہوئے اور رسوؐل اللہ کا چہرہ متغیر ہوتے ہوئے دکھایا اور روایت کو آگے بڑھانے اور پورے حالات لکھنے کے بجائے یہ کہہ کر چل دیئے کہ عمر کو عبرانی زبان آتی تھی۔

(14۔ہ کا (1)) یہ روایت پڑھ کر آپ کو معلوم ہوگا کہ عمرؓ، اللہ و رسولؐ کو چھوڑ کر اپنی قومی حکومت قائم کرنے اور اُس حکومت کے لئے قانون کی تلاش اور شریعت سازی کے لئے کدھر جا رہے تھے اور یہ کہ اُن کا سب سے بڑا ماخذ کیا تھا؟ آیئے سنئے:

عَنْ جابر اَنَّ ابْن الخطّاب اتی رسوْل اللّٰہ بِنُسْخَةٍ مِنَ التورٰةِ فقال یَا رسوْل اللّٰہ ھٰذہ نُسخة مِنَ التورٰة؛ فَسَکَتَ؛ فَجَعَلَ یقرء و وجہ رسوْل اللّٰہ یَتَغیّر ۔فَقَالَ ابوبکر ثکلتکَ الثواکل ما تَرَی مَا بو جہ رسوْل اللّٰہ؛ فَنَظَر عمر اِلٰی وَجْہِ رسوْل اللّٰہ؛ فقال اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غضب اللّٰہ و غضب الرسوْلہٗ؛ رضینا بِاللّٰہِ رَبًّا و بِاِسْلَام دِینًا وَ بمحمدٍ نَبِیًّا ۔ فَقَالَ رسوْل اللّٰہِ و الذی نفس محمدٍ بیدہ لو بدا لکم موسٰیؑ فَاتبعتموہ و ترکتمونی لَضَلَلْتُمْ عَنْ سواء السَّبِیل و لَوْ کان حَیًّا وَ اَدْرَکَ نَبوَّتِی لَاتَبِعْنِی ۔(مشکوٰۃ بر حاشیہ مرقاۃ مطبوعہ مصر جلد 1 صفحہ 215)

''حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ خطاب کے صاحبزادے عمر توریت کا نسخہ لئے ہوئے رسولؐ اللہ کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ یہ توریت ہے۔ رسولؐ اللہ نے جواب دینا تو الگ کوئی حرکت بھی نہ کی چپ سادھے رہے۔ اس معنی خیز خاموشی کے باوجود حضرت عمر نے توریت پڑھنا شروع کر دیا۔ اور اُدھر رسولؐ اللہ کا چہرہ غصہ کی وجہ سے تمتما اُٹھا۔ ابوبکر نے یہ صورتِ حال دیکھی تو عمر سے کہا کہ تجھے رونے والیاں خوب روئیں دیکھتا نہیں ہے کہ رسولؐ اللہ کے چہرے کا غصے سے کیا حال ہو گیا ہے؟ اب جو عمر نے آنحضرؐت کے چہرے کی طرف دیکھا تو جلدی سے کہا کہ میں اللہ کے اور اللہ کے رسولؐ کے غضب سے پناہ چاہتا ہوں۔ ہم راضی ہوئے اللہ سے ایک پروردگار مان کر اور اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمدؐ کو اپنا نبی مان کر۔ (اس توبہ اور طلبِ معافی کے بعد بھی رسولؐ اللہ نے قسمیہ فرمایا کہ) اب رسولؐ اللہ بولے کہ میں اُسی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے کہ اگر موسیٰؑ تم پر ظاہر ہو جائیں تو تم لوگ مجھے چھوڑ کر موسیٰ کی پیروی اختیار کر لو گے اور اس طرح تم سب سیدھے راستے کو چھوڑ کر (فرقان 25/27-28) گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے اور میرا زمانہ پاتے تو یقیناً وہ میری اتباع کرتے۔''

(1) **قارئین قسمیہ بتائیں کہ محمدؐ اور عمر میں سے کون بڑا مجرم اور کون قابلِ اتباع اور پیروی ہے؟**

اس روایت کی رُو سے ایک نہایت خطرناک اور تباہ کن جرم سرزد ہوا ہے اُس کو سمجھنے کے لئے ہمیں یہ دریافت کرنا ہے کہ:

''کیا رسولؐ اللہ کا یہ قسمیہ بیان غلط ہے؟ یا غلط ہو سکتا ہے؟ یعنی کیا رسولؐ اللہ ایسی کمزور ضمیر کے انسان تھے کہ غصہ میں ایسی باتیں کہہ گزریں جو حقیقتاً صحیح نہ ہوں؟ کیا یہ اتنا خطرناک بیان حضرت عمر کے قلبی جذبات و تصورات کی حقیقی ترجمانی ہے؟ اور اگر یہ حقیقی ترجمانی نہیں ہے؟ یعنی حضرت عمر اتفاق سے، خلوص دل کے ساتھ، بھولے پن سے توریت اُٹھا لائے تھے، وہی توریت جس کی حضورؐ نے قرآن کے الفاظ میں تصدیق کی ہے، (بقرہ 2/97 انعام 6/93) اُس کا پڑھنا اتنا بڑا جرم تو نہ تھا کہ توبہ استغفار اور طلب معافی اور اقرار توحید و نبوت کے بعد بھی وہ سب کچھ قسمیہ کہہ دیا جائے؟

قارئین کو دونوں میں سے ایک کو بدترین مجرم و گنہگار ماننا پڑے گا۔ بہر حال یہ تھی وہ روایت جسے علامہ شبلی یوں ٹہلا کر گزر گئے

تھے۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیں کہ آنحضرتؐ نے صرف عمر کو مجرم قرار نہیں دیا بلکہ جمع کا صیغہ دہرا دہرا کر بولا ہے۔ اس میں وہ تمام صحابہ اور مسلمان داخل ہو گئے جو مذکورہ بالا روایات میں یہودیوں سے مسائل دین اور احکام معلوم کیا کرتے تھے اور یہودیوں کی کتابیں بغل میں دبائے پھرتے تھے۔ ساتھ ہی یہ آیات پھر پڑھ لیں کہ: (مودودی کا ترجمہ)

(2) قرآن اور مودودی کے ترجمے سے عمر اور قریش کا مقام اور نظام اجتہاد

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسوؐل کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسوؐل کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔ کیا اے نبی تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اُن کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں۔ مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔ (نساء 4/59-60 چار آیات اور پڑھیں)

اور پلٹ کر عبداللہ ابن عباس والی دونوں روایات پڑھ کر عمر، اس کی قوم اور یہودی نظام کو پہچان لیں (14۔ز)۔

(3) عمر اور یہودی علما کے تعلق ربط وضبط وہم آہنگی پر دو چار الفاظ

پھر قارئین یہ سوچیں کہ حضرت عمر کا یہودیوں کی درسگاہوں میں روزانہ جانا، اور یہود کا عمر کو تمام مسلمانوں سے زیادہ پسند کرنا کیا صیغۂ راز میں رہا ہوگا؟ کیا رسولؐ اللہ کو وحی کے ذریعہ سے بھی معلوم نہ ہوا ہوگا؟ کیا آنجنابؐ کو عمر کی اس تعلیم و تعلم کا بالکل پتہ نہ چلا ہوگا؟ اگر رسوؐل اللہ ایک دن توریت کی چند سطریں پڑھنے پر وہ کچھ کہہ سکتے تھے تو نظامِ اجتہاد سے شیر و شکر ہو جانے اور تعلیماتِ اجتہاد و فقہ اور قانونِ شریعت سازی سیکھنے پر رسولؐ اللہ کے تاثرات عمر اینڈ کمپنی کے لئے کیسے ہوں گے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ حضورؐ نے عمر کا شریعت سازانہ مستقبل دیکھ کر نہ اُن کی توبہ کو کوئی مقام دیا نہ اقرار توحید و اسلام اور اقرار نبوت کی پرواہ کی بلکہ حقیقت کے مطابق اپنا آخری فیصلہ سنا دیا ہو؟

(4) تمام تعلیماتِ خداوندی اور دانشوران انسانیت کا تجربہ اور بصیرت، ہزاروں سال کی محنت ضائع نہ ہونے دیں گے

خواہ ہم یا ہمارے قارئین ناپسند کریں یا کوئی اور کوتاہ آستین ناک بھوں چڑھائے یہ نہیں ہوسکتا کہ عمر اس بزرگ ترین ماخذ کو استعمال نہ کریں جسے ساری نوع انسان کے دانشوروں نے اللہ کی تمام کتابوں اور انبیاؑ کی تعلیمات سے اخذ کیا اور اپنی ہزاروں سال کی محنت اور بصیرت سے انسانی فلاح و بہبود کے لئے ہر عنوان اور ہر موضوع پر مدوّن و مرتب کیا تھا۔ اور وہ آنحضرتؐ کی بصیرت بھی اُس ذخیرے میں شامل کرنے کے لئے کوشاں رہے تا کہ اس عظیم ترین ذخیرۂ علم پر مہرِ ختمِ نبوت بھی لگ جائے۔ اس انتہا تک لانے کے لئے عمر دھمکیاں کھاتے رہے، مقدس لوگوں میں منافق کہلاتے رہے، مگر صورتِ حال بدل بدل کر نئے نئے انداز میں رسوؐل کو آگے بڑھانے کی راہیں نکالتے رہے۔ چنانچہ انہوں نے براہِ راست توریت لاکر مسائل کو حل کرانے کے بجائے ایک بالواسطہ طریقہ یوں تجویز کیا کہ:

''حضرت عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضورؐ جو احادیث ہم لوگ اہل کتاب سے سنتے ہیں ہمیں وہ بڑی مفید معلوم ہوتی ہیں۔ اگر آپ اُن پر تبصرہ فرما کر ہمیں استفادہ کا موقع دیں تو میں اُن احادیث کو یہودیوں سے لکھ کر پیش کر سکتا ہوں۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح حیرانی میں مبتلا ہو گئے ہو؟ باوجود اس کے کہ میں ایک ایسا روشن دین لے کر آیا ہوں کہ اگر آج موسیٰؑ زندہ ہوتے تو بجز میری پیروی کے اُن کو چارہ نہ ہوتا۔'' (مشکوۃ، احمد و بیہقی)

قارئین اس روایت پر غور کریں کہ عمر نے بڑی معقول تجویز پیش کی تھی اور اس معقولیت کا پہلا تقاضا یہ تھا کہ انہیں وہ مذکورہ احادیث لکھ کر لانے کی اجازت دی جاتی اور پھر ایک ایک کر کے حدیث پر، تبصرہ کرتے، مفید و مضر صحیح و غلط دکھا کر عمر کا اطمینان کرا دیا جاتا یہ عمل در آمد عمر چاہتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے جو جواب دیا وہ (معاذ اللہ) نہایت ہمت شکن اور نامعقول تھا اور عمر ایسے شخص نہ تھے جو ڈانٹ ڈپٹ اور نامعقول رویہ سے مطمئن ہو جاتے لہٰذا وہ اپنے موقف میں سخت تر ہوتے جا رہے تھے۔ لیکن رسولؐ اللہ کے عملدر آمد اور جوابات عمر کی معقولیت کو اس طرح خاک میں ملا رہے تھے کہ اگر وہ مذکورہ طریقہ پر تبصرے کے لئے رضامندی ظاہر کر دیتے تو معقولیت کے اصول سے یہ رضامندی ہی عمر کے موقف کی عقلی تصدیق کر دیتی یعنی عمر کو اجازت دیتے ہی یہ تو فوراً ثابت ہو جاتا کہ وہ مذکورہ اور زیر نظر احادیث اس قابل ہیں کہ جناب خاتم النبیینؐ، سید المرسلین، مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ وَ مَا هُوَ كَائِنٌ کا عالم اُنہیں سنے اُن پر غور و فکر کرے اور چھان بین کے بعد اپنی رائے ظاہر کرے۔ عمر اسی قدر چاہتے تھے تا کہ یہ جواز رسوؐل کی زبان سے مل جائے کہ اُن احادیث کو پڑھنا اور اُن پر غور کرنا حرام نہیں ہے۔ لہٰذا عمر ایک فعل حرام و ناجائز نہیں کر رہے ہیں۔ غور و خوض کے بعد وہی کچھ کرتے رہے جو رسولؐ اللہ کرتے۔

معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کے سامنے عمر کا کوئی عقلی فریب نہ چلتا تھا۔ اُنہوں نے اپنے صاف اور دوٹوک جواب سے اپنا موقف ثابت کیا کہ اُنہیں تمام خدائی اور انسانی علوم و تجربہ کا آخری عالم مانا جائے اور اُن کی کتاب قرآن کو پوری کی پوری کائنات کی تفصیلات کا ذخیرہ سمجھا جائے اور یہ کہ وہ پہلے سے جانتے ہیں کہ اُن مذکورہ احادیث میں عقلی مغالطے، اجتہادی فریب اور ابلیسی ہتھکنڈے پوشیدہ ہیں اور یہ کہ اے عمر تم کچھ بھی ہو میرے سامنے تمہارا مقام صرف ایک طفلِ مکتبِ یہود سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اگر حضورؐ اُن احادیث کو لکھ کر لانے کی اجازت دیدیتے اور پھر اُن پر تبصرہ کرتے تو ظاہر ہے کہ کچھ کو غلط بھی کہتے تو عمر کا دوسرا قدم یہ ہوتا کہ ''غلط اس لئے نہیں کہا جا رہا ہے کہ وہ حقیقتاً غلط ہیں بھی۔ بلکہ اپنے تصورات کے تحفظ میں غلط قرار دیا جا رہا ہے۔'' آنحضرتؐ کا جواب ہمیشہ عمر کی عقلی چالوں اور منطقی فریبوں کی ہمت شکنی کرتا رہا۔ اور عمر یہ کہہ کر اپنے موقف پر ڈٹے رہے کہ نبیؐ کا رویہ تحکمانہ ہے، ذاتی خیال ہے، وہ انسانی جذبات سے مغلوب ہو کر غصہ میں یہ سب کچھ کہہ گزرتے ہیں اور ہم برابر اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمدؐ کو اللہ کا نبی مانتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اُن کے سلسلے میں کسی نامعقول یا مضر بات کو مان لینا خود اُن ہی کی تعلیمات کی رُو سے بے دینی سمجھنے سے باز نہ آئیں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی تحقیق و تفتیش جاری رکھنے کا عزم مصمم کر لیا اور سوچ لیا کہ وہ یہود کے پاس ہزاروں سال کا علمی ذخیرہ چھان ماریں گے اور اس کا عطر و نچوڑ ایک کتاب کی صورت میں جمع کرتے جائیں گے۔ رسولؐ اللہ دیکھنا چاہیں گے تو دکھانے میں تکلف نہ کریں گے بلکہ دکھانے کی راہوں پر

چلتے رہیں گے اور بعد رسولؐ اُن اصول وقوانین پر بے روک عمل کریں گے۔

(14۔ط) فاروقی کردار پرآخری نظر اور اُن کی تیار کردہ وہ کتاب جوقرآن وحدیث کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے

فاروقی تحقیق وتیاری جاری تھی ایک دن کا واقعہ خود ہی سناتے ہیں کہ: فَقَالَ انطَلَقتُ فَانتَسَختُ کِتَابًا مِّن اهل الکتاب ثُمَّ جِئتُ به فِی اَدِیم۔ فقال لِی رسوؐل اللّٰہ مَا هٰذَا فِی یدِک یا عمر؟ قُلتُ یا رسوؐل اللّٰہ کِتَابًا نَسَختُهُ لِنَزَاد به علماً اِلٰی عِلمِنَا۔ فَغَضَبَ رسوؐل اللّٰه حَتّٰی اَحمَرت وجنتاه ثُمَّ نُودِیَ بالصَّلٰوةِ جَامِعَة۔ فقالت الانصار غضب نَبِیّکم السلاح السلاح، فَجَاؤُا حَتّٰی احدقوا بِمنبر رسوؐل اللّٰہ فقال اَیُّهَا الناس اِنّی اُعطیتُ جَوَامع الکَلم و خواتیم و اختصر لی اختصارًا وَّ لقد اتیتکم بِهَا بیضاء نقیة فلا تتهوکوا وَ لَا یغرنکم المتهوکون۔ قال عمر فَقُمتُ و قُلتُ رَضِیتُ اللّٰهَ رَبًّا وَ بالاسلام دینًا وَ بِکَ رَسوؐلاً۔ ثُمَّ نَزَل رسوؐل اللّٰهِ۔(ازالۃ الخفا مقصداوّل صفحہ 197)

''میں معمول کے مطابق اہل کتاب کے پاس گیا اور اُن کی کتابوں میں سے ایک کتاب لکھ کر تیار کی اور اُسے ایک چمڑے کے کور (Cover) میں رکھ کر مسجد نبوی میں لایا۔ رسولؐ اللہ نے وہ کور دیکھا تو پوچھا کہ اے عمر یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس میں ایک ایسی کتاب ہے جسے میں نے اپنے اسلامی علم میں اضافہ کے لئے لکھا ہے۔ بس پھر کیا تھا رسولؐ اللہ اس قدر غضبناک ہوئے کہ اُن کے گال تمتما کر سرخ ہو گئے۔ آخر کار رسولؐ اللہ منبر پر چڑھے اور نہایت بلند آواز سے ندا دی کہ ''اجتماع کے لئے حاضر ہو جاؤ'' اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ انصار میں کھلبلی مچ گئی اور ایک نے دوسرے کو پکارنا شروع کر دیا کہ جلدی جلدی مسلح ہو کر پہنچو کسی نے رسولؐ اللہ کو غضب ناک کر دیا ہے۔ چنانچہ ہتھیار بند انصار مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے اور رسولؐ کے منبر کو حلقے میں لے لیا۔ اب رسولؐ اللہ نے کہا کہ اے لوگو مجھے تمام علوم مکمل صورت میں عطا کر دیئے گئے ہیں اور تمام علوم کو جاری کرنے کی مہریں بھی دے دی گئی ہیں اور علوم خداوندی کی وسعتوں کو میرے لئے سمیٹ کر نہایت مختصر سا کر دیا گیا ہے۔ پھر میں نے اُن علوم سے چھانٹ کر وہ سہل اور واضح علم تمہیں دے دیا ہے جو زیادہ سے زیادہ تابناک ونمایاں ہے۔ اب تمہارے لئے ضروری ہے کہ علمی بدہضمی ہو جانے سے بچ کر رہو ایسا نہ ہو کہ علمی بیماری میں مبتلا یہودی گروہ تمہیں خوشنما مغالطوں میں اُلجھا کر رکھ دے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ یہ صورت دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور پیدا شدہ حالت کو سنوارنے کے لئے میں نے مجمع عام میں اقرار کیا کہ اے رسولؐ خدا میں راضی ہوا اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور آپ کے رسولؐ ہونے پر۔ یہ اقرار سن لینے کے بعد رسولؐ اللہ منبر سے اُتر آئے۔''

یہاں تک ہم نے حضرت عمر کے وہ تمام ماخذ ثابت اور واضح کر دیئے جو اُنکی علمیت کا صغریٰ وکبریٰ تھے اور جن کی مدد سے انہوں نے مسلمانوں کو قرآن کے مقابلے میں حکومت اور شریعت وقوانین بنا کر دیئے تھے۔ اِن آخری بیانات میں ہم نے قارئین کی سہولت کے لئے اختصار کو ملحوظ رکھا ہے۔

15۔ عمر اپنے خودساختہ راہ پر چلتا ہوا آخر وہاں پہنچا جہاں پھر حق و باطل کا دوراہا آگیا؟

یہاں تک ہم نے مختصراً وہ تمام ہنگامے اور اندھیر گردی اور وہ تمام رکاوٹیں پیش کردی ہیں جو خلافت الٰہیّہ کو اُسکے حقیقی مرکز سے ہٹانے اور دُور رکھنے کے لئے عمر اور اُن کے یار ابوبکر نے پیدا کی تھیں اور جو جناب علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں میں کھٹک رہی تھیں اور جن کا بیان آنحضرتؑ نے زبان پر آنے سے روک دیا تھا اور حلق سے نیچے روکنے میں باعث تکلیف ہورہی تھیں اور جن کیلئے فرمایا تھا کہ:

1 فَصَبَرۡتُ وَ فِی الۡعَیۡنِ قَذًی ؛ ''بہرحال میں نے صبر کے ہتھیار اٹھالئے جبکہ آنکھوں میں گردوغبار اُڑتا نظر آرہا تھا۔''

2 وَ فِی الۡحَلۡقِ شَجًا ؛ ''اور مدمقابل کو متاسف و غمگین کرنے والا جوش اور اُکساہٹ گلے میں رکی ہوئی تھی۔''

(خطبہ 3 جملہ 14-13)

ہم نے ابوبکر و عمر کے تحفظ میں لکھے جانیوالے اُن تمام حالات کو بھی باطل کردیا ہے جو نہج البلاغہ کے بعض مترجمین اور شارحین، جیسے رئیس احمد جعفری اور ابن ابی الحدید، نے ثلاثہ اینڈ کمپنی کے تحفظ میں خطبات مرتضویؑ کی تاویل میں لکھے ہیں اور خطبات کی معنوی تحریف کرکے اُن کا رُخ موڑتے اور خلفائے ثلاثہ کو بچاتے چلے گئے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اس خطبے کی ذیل میں، ابوبکر کا رویہ، جسے حضرت علی علیہ السلام نے سمیٹ کر اپنے تئیس (23) جملوں میں بیان فرمایا ہے، اور عمر کا رویہ جو حضورؑ نے بارہ جملوں میں سمودیا ہے، تفصیل سے بیان کردیا ہے اور وہ سب کچھ بھی لکھ دیا ہے جس کی طرف سرکار علیہ السلام برابر اپنے باقی خطبات میں اشارات و اختصارات پیش کرتے رہے ہیں۔ تاکہ قارئین کا ذہن خود بخود تفصیل کو سامنے رکھ سکے اور حضوؑر کا ہر جملہ واضح ہوتا، کھلتا اور پھیلتا چلا جائے۔ یعنی اُن دونوں کی مختصر سی سوانح عمریاں اسی خطبے (نمبر3) کے دامن میں موجود ہیں اور بعد میں آنے والے خطبات میں اُنکی طرف نشاندہی کافی ہوتی جائے۔ علاوہ ازیں ہماری شرح کا نام، **بیان الامامۃ**، بھی تقاضا کرتا ہے کہ اس میں امامت اور خلافتِ الٰہیّہ کے سلسلے کی ضروری پوزیشن و حالت بیان کردی جائے۔

اب ہم قارئین کو حضورؑ کے اُن جملوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں جو آپؑ نے عمر کی اُس مجبوری کے ظاہر کرنے کیلئے فرمائے ہیں جس نے اُسے انتہائی اختیارات و غلبہ کے باوجود کھل کر اپنا جانشین مقرر کرنے سے روکا اور اُسے پھر ایک کھلی بددیانتی اور فریب کاری پر مجبور کیا اور اُس نے ایک جماعت میں خلافت کو محصور کردیا (خطبہ 3 جملے 35 تا 44) اور خود کو ایک بدترین موت کے حوالے کردیا تھا۔ جس نے اُس کی نام نہاد عدل پروری کا پیٹ چاک کرکے زمین پر بکھیر دیا تھا۔ اور اُسے سرمایہ داری و اجارہ داری کا بانی اور سرپرست ثابت کرکے غربا، کمزور اور بے سہارا غلاموں کا پیٹ کاٹنے والا ظالم شخص ہونا دکھا دیا تھا۔ اور یہ راز کھول دیا تھا کہ اُس نے اپنی رعایا کو خوشحال اور فارغ البال کردیا تھا۔ اور یہ موقع فراہم کردیا تھا کہ تاریخ یہ کہہ سکے کہ وہ اس دنیا کا سب سے بڑا ڈاکو اور لٹیرا تھا۔ وہ لوٹ کا مال بھی اُن لوگوں کو دیتا تھا جو اُس کے حاشیہ نشین چمچے اور مددگار و جانبدار ہوتے تھے۔ دنیا کو لُوٹ لُوٹ کر اُس نے اپنی قوم اور حکمرانوں کو اربوں پتی بنادیا اور اختلاف کرنے والے مقدس لوگوں اور عام مسلمانوں کو نانِ شبینہ تک سے محتاج کردیا تھا۔ اس کے افسران کی پچیس ہزار روپے ماہوار تک تنخواہیں تھیں (''امیر معاویہ کی تنخواہ ایک ہزار دینار ماہوار تھی'' الفاروق حصہ دوم صفحہ 16) بے اولاد عورتوں کو نبیؐ کے نام سے بلا محنت بارہ بارہ ہزار

گھر بیٹھے ملتے تھے۔''اورلوگ اُس کے زمانے میں بھی دردر بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ چنانچہ جس ایرانی مسلمان غلام نے زندگی سے تنگ آ کراُسے مسجد میں قتل کیا اُسے شبلی اینڈ کمپنی نے پارسی مذہب کا آدمی لکھا ہے اور یہ بھی لکھ دیا کہ وہ مسجد میں موجود تھا اور وہیں اس نے عمر کو قتل کیا تھا۔سوچئے کہ تلوار سے مسلح مجوسی کو مسجد نبویؐ میں کون گھسنے دیتا جب کہ نماز کی تیاری ہو رہی ہو اور جبکہ اُسے ہر مسلمان پہچانتا بھی ہے؟ بہر حال اُس نے اپنے اوپر عائد کردہ ناجائز ٹیکس کم کرانے کی درخواست کی تھی جو عمر نے ٹھکرا دی تھی۔اس ٹیکس کو قریشی افسانہ نگاروں نے سات آنے یومیہ لکھا ہے تاکہ معاملہ کی سنگینی کم ہوجائے۔(الفاروق حصہ اوّل صفحہ 101-102)

(15-الف) عمر کی موت اور مرتے مرتے خانوادۂ نبوّت کی حکومت کو روکنے کی آخری کوشش اور اپنے کردار و حیات پر تبصرہ

اب ہم نہایت مختصر صورت میں وہ حالات پیش کرتے ہیں جو عمر کی موت اور مرتے دم تک اُن کے اہم اقدامات اور بیانات کو روشنی میں لائیں گے۔ چنانچہ جناب شبلی فیروز کے ٹیکس معاف کی درخواست نامنظور کرنے کے بعد کے واقعات سناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

(1) فیروز کا حملہ، گرفتاری، خودکشی عمر کا زخم، معالجہ اور قبر کے لئے درخواست

''دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کیلئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا حضرت عمر کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔جب صفیں درست ہو چکتی تھیں تو حضرت عمر تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے اُس دن بھی حسبِ معمول صفیں درست ہوچکیں تو حضرت عمر امامت کے لئے آگے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ(6)وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔حضرت عمر نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمے سے گر پڑے۔عبدالرحمٰن بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر سامنے بسمل پڑے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالاخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اُس نے خودکشی کر لی۔حضرت عمر کو لوگ اُٹھا کر گھر لائے۔سب سے پہلے اُنہوں نے پوچھا کہ ''میرا قاتل کون تھا''لوگوں نے کہا فیروز فرمایا الحمدللہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں ہے غالباً شفا ہوجائے گی۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا۔اُس نے نبیذ اور دودھ پلایا دونوں چیزیں زخم سے باہر نکل آئیں اس وقت لوگوں کو یقین ہوگیا کہ وہ زخم سے جانبر نہیں ہوسکتے چنانچہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ اب آپ اپنا ولی عہد مقرر کر جایئے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 102)

اس کے بعد شبلی نے عبداللہ بن عمر کو عائشہ کے پاس بھیجنا اور پہلوئے ابوبکر میں دفن ہونے کی اجازت منگانا لکھا ہے۔(ایضاً صفحہ 102)

(2) زخمی ہونے وغیرہ کے سلسلے میں نوٹ کرنے اور یاد رکھنے کے اور غور طلب پہلو

شبلی کے اس بیان میں وہ لوگ جو صفیں درست کرنے میں مامور تھے یقیناً صفوں میں اُن لوگوں پر نظر رکھتے ہوں گے جن سے خلیفہ کو خطرہ ہو اور وہ اپنی اپنی صف میں ہر چہرہ دیکھتے ہوئے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتے اور آتے ہوں گے اور اُن لوگوں کو دُور سے دُور والی صف میں کھڑا کرتے ہوں گے جن پر شبہ ہوتا ہوگا۔ورنہ لوگ خود ہی صفیں درست کرلیا کرتے ہیں ڈیوٹی لگانے اور خاص

طور پر مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور وہ چونکہ امام کے نیت کرنے تک چلنے پھرنے میں آزاد تھے اس لئے وہ بھی اور نماز میں ہر موجود شخص کسی پارسی یا غیر مسلم کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ اور مسجد میں غسلخانے وغیرہ بھی نہ تھے لہٰذا فیروز کہیں چھپ کر بھی گھات نہ لگا سکتا تھا چنانچہ گھات لگانے کی جگہ صرف صف میں نمازیوں کے اندر ہی ممکن تھی۔ امام کے سامنے یا پہلی صف کے سامنے نہ زیادہ جگہ ہوتی ہے نہ اس جگہ میں نماز کے دوران کوئی کھڑا ہو سکتا ہے اور نہ نظروں سے چھپ سکتا ہے۔ اگر فیروز نمازیوں میں اور اگلی صف میں ہوتا تو اسے نہ سامنے آ کر پیٹ میں خنجر مارنے کی فرصت ملتی نہ ضرورت ہی تھی پیچھے سے حملہ کرنے والے کے لئے گردن کمر اور کوکھ بہترین مقامات ہیں۔ لہٰذا یہ قصہ پیٹ کے کاٹ دیئے جانے کی وجہ سے مسجد میں اور وہ بھی دورانِ نماز وقوع میں نہیں آیا۔

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنی جگہ پیش نماز بنایا گیا اور وہ اس طرح کہ عمر نے قبلے سے رُخ موڑا یعنی مڑے ایک دو قدم، اگلی صف کی طرف بڑھے، عبدالرحمٰن کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اپنی جگہ بڑھایا جو پیٹ پر چھ خنجر لگنے کے بعد ایک دُبلے پتلے بوڑھے کے لئے ممکن ہی نہیں۔ زخمی کو فوراً پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھنا چاہئیں اور خنجر کے زخم ہاتھوں پر بھی لگنا چاہئیں اور زمین پر بلا کچھ سوچے یا کام کئے گرنا چاہیئے۔ لہٰذا یہ افسانہ من گھڑت ہے، نہ نماز میں حملہ ہوا نہ زخم لگے۔ ایسا ہوا ہوتا تو نمازیوں میں کھلبلی مچ جاتی سب لوگ خلیفہ کے تحفظ اور حملہ آور کو پکڑنے کے لئے دوڑ پڑتے۔

تیسری بات خلیفہ کا یہ دریافت کرنا کہ اُن کا قاتل کون تھا، بتاتا ہے کہ عمر نے حملہ آور کو دیکھا ہی نہیں تھا اور یہ سامنے سے حملہ ہونے کی صورت میں ناممکن تھا اور پیچھے سے حملے میں سامنے پیٹ پر حملہ کرنا بھی ناممکن تھا۔ لہٰذا واقعہ نماز کا نہیں ہے۔

چوتھی بات خودکشی والی ہے۔ خودکشی یوں ہو سکتی تھی کہ جب اسے پکڑا گیا تو اُس نے اپنے پیٹ یا کہیں اور خنجر مار لیا ہو۔ چنانچہ وہ زخمی ہوتا اور عمر کی طرح کم از کم تین روز زندہ رہتا اور اس دوران اس کے بیانات ہوتے اور اسے قتل وغیرہ کی سزا دی جاتی۔ چونکہ یہ سب کچھ نہیں ہوا لہٰذا عمر کا قتل فیروز کے حملے سے نہیں ہوا باوجودیکہ ہم جانتے ہیں کہ قاتل اس کا فیروز ہی ہے مگر حملہ کرنے والا قاتل نہیں بلکہ عمر کو جامِ جہاں نما بنا کر دینے اور اُسے خود اپنے ہاتھوں قتل ہو جانے کا انتظام کرنے والا قاتل ہے جو عمر کا پیٹ کٹنے سے پہلے ہی مدینہ بلکہ ملک عرب چھوڑ چکا تھا اور تا حیات کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔

پانچویں بات نہایت بے دینی کی ہے اور وہ یہ کہ عمر نے اس بات پر شکر کیا کہ وہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا جو دعوائے ایمان و اسلام کرتا ہو یعنی مسلمان ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول تب گھڑا گیا جب حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور پورا خاندانِ نبوّت مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے تاکہ اُن کے قتل وشہادت کو مذموم اور عمر کے قتل کو قابلِ تعریف بنایا جا سکے لیکن اُن سب حضرات سے پہلے عثمان مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ لہٰذا کم از کم اُس کے قتل کو تو مذموم مان ہی لیا جائے گا اور اس لئے بھی کہ عائشہ اُسے نعثل یہودی کے لقب سے پکارا کرتی تھیں۔ چھٹی بات یہ کہ ابوبکر اور عمر کے بعد اُن ہی مسلمانوں نے ولی عہد مقرر کرنے کو ضروری اور جائز سمجھا جبکہ رسوؐل اللہ کے لئے ولی عہد کا انکار کرنا ضروری سمجھا گیا اور؛

ساتویں یا آخری بات بہت ضروری اور آنے والی گفتگو کے دوران یاد رکھنے کی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نماز میں ایسی جگہ کھڑے کئے جاتے تھے جہاں سے انہیں عمر فوراً اپنی جگہ پیش نماز بنا سکے یعنی اس کا مقام ولی عہد کا تھا۔ یعنی عمر کے بعد اس کا وہی مقام تھا جو قریشی نماز کی آڑ میں رسولؐ اللہ کے بعد ابوبکر کو دیتے رہے ہیں۔ یعنی اگر عمر خلافت کے بارے میں کوئی انتظام کئے بغیر مر جاتے تو قریشی مذہب وسنت کی رُو سے عبدالرحمٰن بن عوف کو خلیفہ بنایا جاتا۔

(3) عمر پر اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنانے کا تقاضا اور اُن کا اپنا فکر و تردد، مجبوریاں اور رکاوٹیں

ابھی ابھی آپ نے پڑھا کہ عمر کی موت کا یقین ہو جانے کے بعد پارٹی کے مسلمانوں نے ولی عہد بنانے کا تقاضا کیا تھا۔ اب علامہ شبلی کا بیان سنیں، خلیفہ کی نامزدگی اور تقرر کی اہمیت اور عمر کی اُلجھنوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس مرحلے کو آپ طے کر جائیں۔ حضرت عمر نے خلافت کے معاملے میں مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے اُن کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں پیچاں ہیں۔ مدت کے غور وفکر کے بعد بھی اُن کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی بار بار اُن کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اس بار گراں کا کوئی اُٹھانے والا نظر نہیں آتا تمام صحابہ میں اُس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نظر پڑ سکتی تھی۔ علیؑ، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف۔ لیکن حضرت عمر اُن میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں اُن کے ریمارکس بہ تفصیل مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے وہ اُن کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 102-103)

(4) خلیفہ کا تقرر اہم ترین کام، عمر کی نظر میں علی صلوٰۃ اللہ علیہ کا سب سے بلند مقام

شبلی کا یہ بیان جس حیثیت سے زیادہ قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ عمر کو اپنے بعد ایک شخص خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے درکار ہے وہ خلیفہ کے تقرر کو اہم ترین کام سمجھتے ہیں مگر بقول شبلی انہیں کوئی شخص خلافت کے لئے موزوں نظر نہیں آتا۔ یہاں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ وہ کون سے صفات اور قابلیتیں تھیں جو جس شخص میں جمع ہوتیں تو وہ اسی کو خلافت کے لئے موزوں ترین شخص سمجھ جاتے؟ اور اُسے تحریراً یا تقریراً یا دونوں طرح اپنے بعد کے لئے نامزد کر دیتے۔ عمر کے تمام بیانات میں تلاش کرنے سے وہ صفات کہیں نہ ملیں گی۔ عمر کا ساری عمر خلیفہ کے انتخاب میں مُتردّد اور متفکر اور غلطاں و پیچاں و حیران رہنا اس لئے نہ تھا کہ اس وقت مسلمانوں میں یا تمام صحابہ میں کوئی شخص خلافت کے لائق نہ تھا۔ بلکہ اُن کی فکر و تشویش و حیرانی و پریشانی اور آہ و نالہ اس لئے تھا کہ وہ اُن صفات و خصوصیات کو خود نہ جانتے تھے۔

اُنہوں نے خلافتِ خداوندی کو اس قدر مجروح وزخمی کر دیا تھا کہ اب اُسے اُس کے پیروں پر کھڑا کرنا اور ساری نوع انسان کی فلاح و بہبود کا بوجھ اُس سے اُٹھوانا ناممکن کر دیا تھا۔ بلکہ اب تو خلیفہ ایسا ہونا چاہیئے جو خلافت کے اِس ڈھانچے، یا اس لاش کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے پھرے اور اس کی دن رات مرہم پٹی کرتا رہے۔ یعنی عمر کو ایک خطرناک بیمار کے لئے ایک ایسا تیماردار درکار تھا جو بیمار کی بیماریوں کو چھپاتا اور اُسے تندرست ظاہر کرتا چلا جائے اور راز فاش نہ ہونے دے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ایسا تیماردار مذکورہ چھ اشخاص میں سے کوئی ایک بھی نہ تھا اس لئے وہ آہ سرد بھر بھر کر رہ جاتے تھے۔

(5) آخر عمر نے اُس صورت حال کو اپنی جگر دوز آہوں سے تسلیم کر لیا جو حضورؐ نے بیان کی تھی؟؟

اسی صورت حال کو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اُس اونٹنی کی مانند قرار دیا تھا جسے دو بے رحم گوالوں نے دوہتے دوہتے زخمی کر دیا ہو (خطبہ 3 جملہ 22) اور دوہے جاتے رہنے کے لئے بڑے سنگدل حصار میں بند کر دیا اور ظلم وستم کرنے والوں کو سونپ دیا (خطبہ 3 جملے 23-24) جہاں اس کے زخم روزانہ گہرے ہوتے جائیں گے اور جہاں اس زخمی خلافت سے وابستہ ہونے والے کو شدید صورت حال کا سامنا کرنا پڑے (خطبہ 3 جملے 24-25) جہاں بدترین منصوبوں اور رازداریوں سے پالا پڑے گا۔ اور نت نئے عذرات وبہانے تراشنا لازم رہے گا (خطبہ 3 جملے 26-27)۔ اس زخم خوردہ صورت میں اس کو اختیار کرنے والا اس سوار کی مانند ہوگا جو ایک سرکش سواری پر چڑھ بیٹھے کہ اگر اُس کی لگام کھینچے تو سواری کا ناک چر جائے اور لگام ڈھیلا چھوڑ دے تو سواری اُسے جان لیوا خطروں میں ڈال دے (خطبہ 3 جملے 28 تا 30)۔

یہ ہے وہ صورتِ حال جو ابوبکر وعمر نے بنائی اور اب اُن کے ہاتھ میں اس کا مداوا نہیں ہے۔ عمر اُسے تباہ ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اپنی سرفروشانہ سرگرمیوں اور دین فروشانہ سرکشیوں پر آہیں بھرتے ہیں۔ اور جو شخص عمر کی حقیقی جان نشینی کر سکتے ہیں اُن کو نامزد کرنے میں اور تو اور خود اپنی قوم کے مذکورہ بالا پانچ شخص اور پوری قوم مخالفت کرے گی۔ رہ گئے حضرت علی علیہ السلام وہ تو اپنے سوا کسی کی حکومت کو جائز سمجھ ہی نہیں سکتے انہیں بھی اعتراض کے زیادہ مواقع مل جائیں گے، عمر یہ بھی نہیں چاہتے۔ عمر (بقول شبلی بھی) جانتے ہیں کہ علیؑ ان پانچوں قریشیوں سے بہتر ہیں۔ لیکن خلافت کا حال یہ ہوگیا ہے کہ اب اسے فاروقی طریقے پر چلانے کے لئے سب سے زیادہ افضل وقابل شخص سب سے زیادہ مضر ونا موزوں ہوگیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اب تو وہ شخص بھی فاروقی جانشینی کے لئے خطرناک ہے جو اُمت کو سو فیصد حق وراستی کی راہوں پر چلانے کا علم وقدرت رکھتا ہو۔ چنانچہ حضرت عمر ہی کی بات سنیئے اور دیکھئے کہ وہ اُن چھ اشخاص کے لئے کیا کہتے ہیں جن کے نام شبلی نے لکھے تھے اور آخر تنگ آکر جن چھ کو عمر انتخاب کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔

(6) علیؑ کو، کافروں، مغروروں، زن مریدوں، غلیظ الفطرت متعصبوں اور فرعونوں کے برابر کر دینے کا بھی افسوس ہے

حضرت علی علیہ السلام نے بہت تعجب ورنج وملال کے ساتھ فرمایا تھا کہ:

''اور جاتے وقت خلافت کو جماعتِ شوریٰ کے حوالے کرتا گیا اور یہ باطل تصور جاری کر دیا کہ میں بھی اس جماعت میں ایک برابر کا

ممبر ہوں۔اے اللہ بھلا مجھے اس باطل شوریٰ سے کیا لگاؤ ہوسکتا ہے؟'' (خطبہ 3 جملے 36-37)

اس کا سبب خود عمر سے سنیئے۔اس کے سامنے مجمع عام ہے تمام سر برآوردہ صحابہ کے ساتھ عوام الناس بھی موجود ہیں۔فاروق صاحب شوریٰ، جماعتِ شوریٰ اورنگران ومبصرینِ شوریٰ اور طریق کار و شرائطِ شوریٰ بیان کرنے کے بعد اُن چھ اشخاص کو نام بنام مخاطب کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ انہوں نے اُن کو اپنے حکم وقلم سے براہِ راست خلیفہ کیوں مقرر نہ کیا؟ اور ''شوریٰ کو پسند کرنے والے صحابہ نے کہا کہ اے امیر المومنین کچھ ایسی گفتگو فرمایئے جس سے ہماری راہنمائی ہو اور ہم اُس سے فائدہ اٹھائیں؟''فاروق صاحب کا جواب سنیئے:

(1) سعد بن وقاص سخت غلیظ الفطرت خلیفہ ہوتا: فقال و اللّٰہ مَا یَمۡنَعُنِی اَن استخلفکَ یا سعد اِلَّا شِدَّتِکَ و غلظتک .. عمر نے کہا کہ اے سعد بن وقاص تمہیں خلیفہ بنانے سے مجھے تمہاری شدید غلیظ الفطرتی کے سوا اور کسی چیز نے نہیں روکا۔

(2) وَ ما یمنعنی مِنک یا عبدالرحمٰن الا اِنَّک فِرۡعَوۡنُ ھٰذِہِ الۡاُمّۃ۔ اور اے عبدالرحمٰن بن عوف تجھے خلیفہ بنانے سے مجھے اور کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ تو اس اُمت کا فرعون ہے۔

(3) وَ ما یمنعنی منک یا زبیر اِلَّا انک مومن الرضا کافر الغضب۔ اور اے زبیر تجھے خلیفہ مقرر کرنے سے مجھے جس چیز نے منع کیا وہ تیرا اپنی رضا مندی کے وقت مومن ہونا اور غصے میں کافر ہو جانا ہے۔

(4) وَ مَا یمنعنی مِن طلحۃِ اِلَّا نخوتہٖ و کِبۡرہٖ و لو وَلَّیۡھَا وضع خاتمہ فی اصبع امراۃ۔اور طلحہ کے لئے جس چیز نے منع کیا وہ اس کا تکبر اور نخوت ہے اور اگر کہیں وہ خلیفہ ہو جائے تو خلافت کی مہر بیوی کو پہنا دے گا۔

(5) و مَا یمنعنی منک یا عثمان اِلَّا عصبیتک و حُبّک قومک۔اور اے عثمان تمہیں خلیفہ بنانے سے مجھے تمہاری قومی محبت اور قومی تعصب کے سوا کسی چیز نے نہیں روکا۔

(6) وَ مَا یمنعنی منک یا علیؑ الا حرصک علیھا انک اَحۡرَی القوم اِن وَلِّیۡتَھَا اَنۡ تَقِیۡمَ عَلی الۡحَقِّ الۡمُبِیۡن والصراط المستقیم ثُمَّ التفت اِلٰی علیؑ بن ابی طالب فقال لِعَلی ھٰؤُ لَاءِ القوم یعرفون لک حَقّک و قرابتک و شرفک مِن رسولؐ اللّٰہ وَ مَا اَتَاک اللّٰہ مِنَ العلم وَ الفِقہ وَ الدِّین فستخلونک فان و لِّیۡتَ ھٰذَا الامر فاتّق اللّٰہ یا علیؑ وَ لَا تحمل اَحَدًا مِن بنی ھاشم علٰی رقاب الناس۔

اور اے علیؑ تمہیں خلیفہ بنانے سے اور کسی چیز نے مجھے نہیں روکا سوائے اس کے کہ تم خلافت کے لئے حریص رہتے چلے آئے ہو۔ ورنہ تم سب سے زیادہ حق پر چلنے والے ہو۔اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم اسے حقِ مبین اور صراطِ مستقیم پر چلاؤ گے۔پھر خود حضرت علیؑ سے التفات کر کے کہا کہ اے علیؑ یہ قوم تمہارے حقوق اور رسولؐ اللہ سے تمہاری قرابت سے متعارف ہے اور تمہاری بزرگی اور عظمت انہیں معلوم ہے۔اور خدا نے جو تمہیں علم وفقہ اور دین حقہ عطا کیا ہے اس سے بھی یہ قوم مطلع ہے۔اگر یہ تمہیں خلیفہ مقرر کریں تو اے علیؑ خدا سے ڈرتے ہوئے بنی ہاشم میں سے کسی ایک کو بھی ان لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا۔''

(ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی سنہ 270 ہجری اپنی کتاب الامامۃ و السیاسۃ صفحہ 22 زیرِعنوان تولیت عمر بن الخطاب الستۃ الشوریٰ و عھدہ الیھم)

(7) علیؑ کے حقیقی صفات وحقِ خلافت کا کھُلا کھُلا اعلان قوم کوخوفزدہ کرنے اور خلیفہ بنانے سے روکنے کے لئے تھا

عمر کے اس بیان میں ہر سادہ ذہن رکھنے والا شخص یہ سمجھے گا کہ عمر نے مذکورہ پانچ اشخاص کی مذمت کی ہے اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی مدح وثنا اور مناقب وفضائل بیان کئے ہیں۔لیکن بخدا ایسا ہوتے ہوئے بھی ایسا نہیں ہے۔یعنی وہ مذمت ہوتے ہوئے بھی مذمت نہیں ہے۔اور یہ ترجمانیٔ حق ومدح ہوتے ہوئے بھی نہ مدح ہے نہ ثنا ہے نہ راست گوئی ہے۔اور اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ فاروق اعظم کے منہ سے نکلنے والی ہر بات پر قریش اللہ اور رسولؐ کی بات سے بڑھ کر عمل کرتے تھے۔لہٰذا اگر فاروق نے کہیں اُن پانچوں صحابہ کی سچ مچ مذمت کی ہوتی تو قریش نے ہرگز اُنہیں خلافت میں حصہ نہ دیا ہوتا۔دوسری دلیل یہ ہے کہ اُن صحابہ کو اور قوم کو عمر وہ باتیں بتا رہے ہیں جو اُن کے بعد اُن کی راہنمائی کریں گی اور اُن صحابہ نے خود درخواست کی تھی کہ اُنہیں نصیحت کی جائے تاکہ وہ فائدہ اُٹھائیں اور اُنکی پیروی کریں (نَقْتَدِیْ بِہٖ)۔لہٰذا عمر نے وہ تمام بنیادی اوصاف بیان کردیئے جو اُن چھ صحابہ میں تھے اور قوم کے لئے فائدہ اُٹھانے اور نصیحت حاصل کرنے اور پیروی کرنے کا ایک وسیع میدان سامنے کھول دیا۔اور ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ: 1 ایک فرعون ہرگز موسیٰؑ کو پسند نہ کرے گا۔ 2 ایک کافر بن جانے والا شخص مستقل مومن کو یا ایمانِ مجسم کو دُور رکھے گا۔ 3 ایک مغرور ومتکبر شخص نہ بوریے پر بیٹھے گا اور نہ بوریہ نشین شخص کو اپنا بزرگ وحاکم مانے گا۔ 4 ایک بدخُو اور شدت پسند شخص نہ ایک نرم رَو اور خوش خُو شخص کو برداشت کرسکتا ہے اور نہ اُس کی اطاعت کرسکتا ہے۔ 5 پھر وہ شخص جو ظاہر اور باطن میں اپنی ہی قوم کو محبوب رکھتا ہے اور باقی لوگوں سے کھُلا تعصب اور نفرت کا سلوک کرتا ہو وہ ہرگز حق پرست شخص کا فرمانبردار نہیں ہوسکتا ہے۔ساتھ ہی ہر سمجھ دار آدمی یہ بھی سوچے گا کہ فاروقی پالیسی نے جب مذکورہ کافروں،فرعونوں اور تعصب وغیرہ کی صفات رکھنے والوں کو برداشت کیا اور اُن کو خلافت میں برابر کا امیدوار وحصہ دار بنایا تو یقیناً وہ اُنہیں پسند کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ خلافت اُن ہی کے ہاتھوں میں رہے اور اُس کی وفادار قوم اُن ہی کو خلیفہ بنائے جنہیں اُس نے کافر رہنے دیا' فرعونیت وتکبر وقومی تعصب اور قومی محبت میں مددومعاون رہا۔اور قوم کو بتا دیا کہ دیکھو میں حکومت کو اپنے خاندان یا قبیلے میں موروثی نہیں بنا رہا ہوں بلکہ اپنے بیٹے کو محروم کرکے حکومت کو قومی حکومت رکھنے میں کوشاں ہوں اور ہرگز نہیں چاہتا کہ تمہاری گردنوں پر حق وحقانیت اور صراطِ مستقیم کا دعویدار سوار ہوجائے جسے میں مذکورہ تمام صفات رکھنے کے باوجود برابر حکومت سے محروم اور دُور رکھتا چلا آیا ہوں۔اگر مجھے حق مبین اور صراطِ مستقیم کی ضرورت پیش نہ آئی تو تم اس کی فکر کس لئے کروگے؟ جب میں نے حق کے اس پرستار اور صراطِ مستقیم کے ذمہ دار کو نظرانداز کرکے ایسی عالم گیر حکومت کامیابی سے بنائی اور چلائی تو تمہیں اُس کی احتیاج کیوں ہو؟

پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ مستقل مومن یا مجسمۂ ایمان ہے تو تمہارے کافروں یا کفر کو کیوں برداشت کرے گا؟ وہ تم میں فرعونیت کی صفات سے کیوں خوش ہوگا؟ وہ تمہاری قوم اور قوم پرستی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دیکھے گا۔لہٰذا اُس کا پہلا قدم تمہارے

خلاف اُٹھے گا اور تمہیں کچل کر رکھ دے گا۔تمہاری فرعونیت وقومیت ونخوت کا ستیاناس کر دے گا۔ یہ تھیں وہ باتیں جن کی اقتداء وپیروی قریش اور قریشی امیدوارانِ خلافت کومفید تھی اور یہی تھی وہ درخواست جو عمر سے کی گئی تھی اور یہی ہے وہ نصیحت کہ جس کی مخالفت میں قریش اور قریشی حکومت کی تباہی تھی۔اور یہ بھی ایک نصیحت اور انتباہ تھا کہ دیکھو اے علیؑ اگر میری اِن نصیحتوں کے برخلاف یہ لوگ تمہیں خلیفہ بنا ہی لیں تو نہ اپنی زندگی میں اور نہ اپنے بعد کے لئے کسی بنی ہاشم کو اِن لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔یعنی حاضرین کو متنبہ کیا کہ یہ علیؑ خلافت پر حریص ہی نہیں بلکہ اُسے مستقلاً خانوادۂ نبوّت کی جاگیر بنا دینے کا عقیدہ رکھتا ہے اور میں نے اُسی عقیدے کو حقِ مبین اور صراطِ مستقیم کہا ہے۔لہٰذا اگر خلافت اُسے دینا چاہو تو پہلے اپنی قوم سے،قومی شعار سے،قومی امنگوں،عادات وتصورات وقومی فلاح سے ہاتھ دھو کر اس کی بیعت کر لینا اور جو وہ کہے اور جو وہ کرے اس کو حقِ مبین وصراطِ مستقیم کہتے ساتھ ساتھ چلتے رہنا۔اور اپنے علم وبصیرت و تجربات کو لپیٹ کر کہیں دفن کر دینا۔

(8) علی صلوٰۃ اللہ علیہ کو سرمایہ داروں،اجارہ داروں اور لُٹیرے لکھ پتی لوگوں کے ساتھ جماعت شوریٰ کا ممبر بنایا گیا تھا

ایک ایسی حقیقت جو تنہا ہی علیؑ کو حکومت سے دُور رکھنے کے لئے کافی اور مشہور ومعروف اور علیؑ کی موجودگی سے بلند ہو کر سب کو نظر آتی اور خوفزدہ کرتی چلی آ رہی تھی۔جس پر عمر کو زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ذرا علیؑ کو آپ بھی ایک نظر ازسرِنو دیکھیں۔صاف ستھرے مگر بہت سے پیوند لگے ہوئے دو کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔چادر اگر ہے تو وہی ہے جس میں لاتعداد پیوند مشہور ہیں جسے،بقول قریش،رہن رکھ کر بچوں کے لئے یہود کے یہاں سے ذرا ذرا سے جَو منگائے جایا کرتے تھے،کُرتے کی دونوں آستینیں برابر نہیں ہیں،پیروں میں وہی جوتے نما ایک چیز ہے جس کی سینکڑوں مرتبہ خود ہی مرمت کی ہے اور اُن کے ساتھ اور اُن کے سامنے پانچ امیدوارانِ حکومت تشریف فرما ہیں۔اُن کی حالت وحیثیت فراعنۂ مصر وشاہانِ عجم سے ذرا بڑھ کر اُن کی فاروقی صفات کے شایانِ شان ہے۔اِن حضرات کے متعلق تو بعد میں لکھیں گے پہلے خود فاروق اعظم کی پوزیشن جناب شبلی سے ملاحظہ کر لیں لکھا ہے کہ:

اوّل۔ خلیفہ دوم عمر فاروق کی مالی پوزیشن؟

''لیکن عمر بن شعبہ نے کتاب المدینہ میں بسندِ صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمر کے غلام تھے،کہتے تھے کہ''عمر پر قرض کیوں کر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ اُن کے ایک وارث نے اپنے حصۂ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا۔''(دیکھو فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد 7 صفحہ 53) (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 104)

دوم۔ عثمان غنی خلیفہ سوم کی مالی حیثیت ؟:

''خود حضرت عثمان کی شہادت کے بعد اُن کے خزانے میں ایک لاکھ دینار اور دس ہزار درہم موجود تھے۔''

سوم۔ جناب زبیر کی مالی وگھریلو حالت: ''حضرت زبیر کے انتقال کے وقت اُن کے ترکے کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی علاوہ اس کے ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار لونڈی غلام بھی تھے۔''

چہارم۔ حضرت طلحہ کی مالی حیثیت: ''حضرت طلحہ کی عراق میں غلہ کی تجارت تھی اور اُس سے اُن کی آمدنی ایک ہزار دینار یومیہ تھی۔''

پنجم۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا سرمایہ: ''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اصطبل میں ایک ہزار گھوڑے ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کا ترکہ چوراسی (84) ہزار دینار تھا۔'' زید بن ثابت نے ایک لاکھ دینار کی جاگیر اور بہت کچھ نقدی چھوڑی تھی۔ چاندی اور سونے کی اینٹیں اس کے علاوہ تھیں۔'' (یہ تمام حوالے کتاب ''مولانا مودودی کے تصورات'' (ایک تجزیہ) فیروزالدین منصور کے صفحات صفحہ 26-27 سے لئے گئے ہیں)

قارئین سوچیں کہ یہ لکھ پتی اُمیدوارانِ خلافت، جناب علی مرتضٰی علیہ الصلوۃ والسلام کو کم از کم پچیس سال سے اسی غریبانہ حُلیے میں دیکھتے چلے آرہے تھے۔ اور آنحضرتؐ کو اپنے ٹھاٹ دار طرزِ حیات پر ایک چلتا پھرتا بولتا چالتا مجسم طنز سمجھتے تھے اور اُن سے جان چھڑانے اور دُور دُور بچ کر رہنے میں کوشاں تھے۔ عمر کی مذکورہ بالا ہدایات اور نصیحتیں ''سونے پر سہاگہ'' تھیں۔ اُن کے ہر لفظ کی تشریح میں اُمیدوارانِ خلافت کا لباس جان ڈالتا جارہا تھا۔ اُنہوں نے فرعون کہا تو اُن کی پوشاک نے چمک کر تصدیق کی، اُنہوں نے کافر و متکبر قرار دیا تو اُن کی آرائش و نشست و برخاست میں احتیاط و تکلف نے اُبھر کر لبیک یا فاروق پکارا، اُنہوں نے رسولؐ سے قربت و خداداد علم و فضل اور حقِ مبین ہونے کا اعلان کیا تو حضرت علی علیہ السلام سر سے پیر تک مجسمۂ حق و یقین و صراطِ مستقیم نظر آئے۔ اور ہر دل کے اندر یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ اگر موجودہ طرزِ حیات و طرزِ حکومت کو تباہ و برباد کرانا ہو اور تمام سابقہ اور موجودہ بدعنوانیوں کا خمیازہ بھگتنا ہو تو علیؑ کو خلیفہ بنالیا جائے۔

(15۔ ب) عمر کا نظامِ شوریٰ، اُس کی فاروقی شرائط کی تفصیلات ایک مسلسل تاریخی بیان میں

اب ہم شوریٰ کی تفصیلات پر تمام تواریخ کا مسلمہ و مشہور بیان علامہ ابن قتیبہ کے قلم سے پیش کرتے ہیں۔ اس بیان میں بعض وہ باتیں بھی آئیں گی جنہیں ہم نے ترتیبِ عنوانات کے لئے بیچ سے اُٹھا کر پہلے ہی لکھ دیا ہے اور ساتھ ہی ہم عربی عبارت کا مصدقہ ترجمہ لکھیں گے تاکہ طوالت سے محفوظ رہیں مگر جہاں جہاں عربی کے اہم الفاظ، جملے یا عبارات آئیں گی انہیں بجنسہٖ عربی میں بھی لکھیں گے سنئے:

''راوی کہتا ہے کہ پھر مہاجرین حضرت عمر کے پاس آئے۔ (اِنَّ الْمُهَاجِرِيْنَ دَخَلُوْا عَلٰى عمر) وہ اُس وقت اپنے مکان میں زخم خوردہ پڑے تھے۔ اِن لوگوں نے کہا اے امیر المومنین ہم پر خلیفہ اور حاکم مقرر کرو۔ عمر نے کہا قسم بخدا میں تمہارا بوجھ زندگی اور مرنے کے بعد بھی اُٹھاؤں یہ ہرگز نہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ اگر میں اپنا جانشین مقرر کروں تو بے شک اُس نے جو مجھ سے بہتر تھا اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ یعنی ابوبکر نے۔ اور اگر میں اپنا جانشین مقرر نہ کروں تو بے شک اُس نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا (فَاِنْ اَدَعْ فَقَدْ دَعَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ يعنى النبىؐ) جو مجھ سے بہتر تھا یعنی النبیؐ۔ اُن لوگوں نے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے فرمایا وہی ہوگا جو خدا چاہے گا۔ میری تو خواہش ہے کہ کاش اس امر خلافت سے میں نجات پاؤں اس کے متعلق مجھ سے نہ کچھ مواخذہ کیا جائے اور نہ مجھے کچھ اس کا ثواب دیا جائے تو اس کو میں غنیمت سمجھوں گا۔ پس جب عمر نے موت کو آتے ہوئے محسوس کیا تو اپنے لڑکے سے کہا کہ عائشہ کے پاس جاؤ میرا سلام کہو اور اُن سے اجازت مانگو کہ میں اُن کے گھر میں جناب رسولِ خدا اور

ابوبکر کے پاس دفن کردیا جاؤں۔پس عبداللہ ابن عمر عائشہ کے پاس آئے اور یہ پیغام پہنچایا۔اُنہوں نے کہا سر آنکھوں سے بڑی خوشی سے اور کہا اے بیٹے عمر کو میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ امتِ محمدؐ کو بغیر محافظ کے نہ چھوڑ جاؤ اپنا جانشین مقرر کردو۔اپنے بعد اُن کو حیران اور بغیر نگہبان نہ چھوڑ جانا۔مجھے ڈر ہے کہ فتنہ نہ پیدا ہو۔پس عبداللہ آئے اور عمر کو یہ پیغام پہنچایا عمر نے کہا کہ عائشہ نے کس کو حکم دیا ہے کہ میں خلیفہ مقرر کروں؟ اگر ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب اپنے خدا کے پاس جاتا اور وہ پوچھتا کہ کس کو اُمت محمد یہ پر حاکم مقرر کیا ہے؟ تو میں جواب دیتا کہ اُس شخص کو جس کی بابت تیرے بندے اور رسوؐل کو یہ کہتے سنا تھا کہ ہر ایک امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے۔''

اس کے بعد عمر کا معاذ بن جبل کو علما میں شمار کرنا اور خالد کو سیف اللہ قرار دینا وغیرہ اُسی طرح اور اُن ہی الفاظ میں لکھا ہے جو ابوعبیدہ کے لئے بیان ہوئے۔فضول سمجھ کر ہم اس حصے کو چھوڑتے ہیں۔آگے مسلسل سنئے:

''اچھا اب میں اُن لوگوں کو مقرر کرتا ہوں جن سے جناب رسولِ خدا بوقت رحلت خوش تھے۔پس اُن سب کو حضرت عمر نے بلایا اور وہ یہ تھے۔علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف۔طلحہ اس دن مدینے میں موجود نہ تھے۔حضرت عمر نے اُن لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اے گروہِ مہاجرین اوّلین میں نے لوگوں کے امور پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اُن میں نفاق و کینہ نہیں ہے۔ اور اگر میرے بعد اُن میں نفاق اور دشمنی ہوئی تو یہ تمہاری وجہ سے ہوگی۔پس تم آپس میں تین دن مشورہ کرنا۔اگر طلحہ بھی تم میں آ ملے تو بہتر ورنہ تم خود ہی فیصلہ کر لینا۔تیسرے دن تم اپنی جگہ سے متفرق نہ ہونا جب تک خلیفہ نہ مقرر کرلو۔اگر تم نے طلحہ کا مشورہ لیا تو وہ اس کا اہل ہے اور ان تین ایام تک صہیب نماز پڑھائے کیونکہ وہ موالی میں سے ہے۔اور وہ تم میں امرِ خلافت میں تنازع نہ کرے گا۔تم انصار کے بڑے آدمیوں کو بھی بلا لینا۔مگر اُن کے لئے امرِ خلافت میں کچھ حصہ نہیں ہے، اور تم حسنؑ بن علیؑ و عبداللہ بن عباس کو بھی بلا لینا کیوں کہ اُن کو درجۂ قرابت حاصل ہے اور مجھے اُمید ہے کہ اُن کے حضور میں تم کو برکت ہوگی۔مگر اُن دونوں کے لئے بھی امر خلافت میں کچھ حصہ نہیں ہے۔میرے بیٹے عبداللہ کو بھی تم مشورہ کے لئے بلا لینا لیکن اُس کے لئے امرِ خلافت میں کچھ حصہ نہیں ہے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن عمر کو خلافت کا حق پہنچتا ہے؟ اس کو خلیفہ مقرر کردو۔ ہم راضی ہیں۔عمر نے جواب دیا کہ آل خطاب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اُن میں کا ایک شخص خلافت کے بارِگراں کو اُٹھائے۔عبداللہ بن عمر کے لئے اس میں حصہ نہیں ہے۔پھر کہا کہ خبردار عبداللہ خلافت کے ساتھ اپنے تئیں ملوث نہ کرنا۔پھر اُن اصحابِ شوریٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم میں سے پانچ ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور چھٹا انکار کرے تو اُس چھٹے کو فوراً قتل کر دینا۔اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں تو اُن دو کی گردن مار دینا۔اور اگر تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین مخالفت کریں تو سرپنچ میرا لڑکا عبداللہ ہوگا۔اُن تین میں سے جس کو وہ خلیفہ قرار دے تو وہ خلیفہ ہوگا۔اور اگر وہ تین مخالف اشخاص انکار کریں تو اُن تینوں کو قتل کر دینا۔پھر اُن اصحابِ شوریٰ نے کہا کہ اے امیر المومنین کچھ ایسی گفتگو فرمایئے جس سے ہماری راہنمائی ہو اور ہم اُن کی پیروی

کریں۔ اس پر عمر نے فرمایا کہ اے سعد کسی چیز نے مجھے تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے نہیں روکا اِلاّ اس امر نے کہ سخت ہے اور تیری فطرت غلیظ ہے۔ حالانکہ تو جنگی آدمی ہے۔ اور اے عبدالرحمٰن مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے روکا کہ تو اس اُمت کا فرعون ہے۔ اور اے زبیر مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے باز رکھا کہ تو اپنی رضامندی کے وقت تو مومن ہے مگر غصے کے وقت کافر ہے۔ اور طلحہ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے روکا کہ اُس میں نخوت وغرور ہے۔ اور اگر وہ حاکم ہوگا تو حکومت کی انگوٹھی اپنی عورت کے ہاتھ میں پہنا دے گا۔ اور اے عثمان تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے مجھ کو اس امر نے باز رکھا کہ تجھ میں تعصبِ قبیلہ اور اپنی قوم کی محبت ہے۔ اور اے علیؑ تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے اور کسی امر نے نہیں روکا۔ صرف اس بات نے روکا کہ تم کو اس کی حرص ہے ورنہ تم سب سے زیادہ حق پر چلنے والے ہو۔ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم اُس کو حقِ مبین اور صراط مستقیم پر چلاؤ گے۔ پھر حضرت عمر، علیؑ کی طرف ملتفت ہوئے اور کہا کہ اے علیؑ یہ لوگ تمہارے حق اور قرابتِ رسولؐ سے آگاہ ہیں تمہاری عظمت اور بزرگی اُن کو معلوم ہے اور خدا نے تم کو جو علم وفقہ اور دین حقہ عنایت کیا ہے اُس سے بھی یہ قوم مطلع ہے۔ اگر یہ تم کو خلیفہ مقرر کریں تو اے علیؑ خدا سے ڈرتے رہنا اور بنی ہاشم میں سے ایک شخص کو بھی لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا۔ پھر آپ حضرت عثمان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے عثمان اگر یہ لوگ تمہاری دامادی رسولؐ اور تمہاری عمر و شرافت کا خیال کر کے تمہیں خلیفہ مقرر کریں اور تم کو حکومت مل جائے تو بنواُمیہ میں سے ایک کو بھی لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا۔ پھر اُنہوں نے صہیب کو بلا کر کہا کہ اے صہیب تین دن تک لوگوں کی امامت نماز کرنا۔ جب تک یہ لوگ جمع رہیں اور مشورہ کرتے رہیں۔''

(ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی نے 270 ہجری اپنی کتاب الامامت والسیاست کے صفحہ 22 سے زیرِ عنوان'' **تولیت عمر بن الخطاب الستۃ الشوریٰ و عھدہ الیھم**'' لکھنا شروع کیا تھا)

(1) عمر کے مقرر کردہ ممبرانِ شوریٰ و شرائط کو بار بار پڑھیں اور ہمارے ساتھ ساتھ اُن پر اور سابقہ عنوان پر نظر ڈالیں

پچھلے عنوانات اسی طویل بیان سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا اُنہیں باہم ملا کر عمر کے شوریٰ اور اُس کی شرائط پر بات سنیں۔ ہم نے ممبرانِ شوریٰ کی مالی پوزیشن سامنے رکھ دی ہے تاکہ قارئین نہایت سہولت سے یہ سمجھ لیں کہ وہ پانچوں حضرات ہرگز علیؑ کو اپنا حاکم وخلیفہ نہ بنائیں گے۔ خصوصاً جبکہ اُن کے فاروق اعظم اور امیر المومنین نے مذکورہ بالا ہدایات اور تنبیہات بھی اُبھار کر ننگے اور کھلے الفاظ میں اُن کے دماغ اور رئیسانہ وسرمایہ دارانہ ذہنیت پر ضربیں لگا کر مسلط اور تازہ کر دی ہیں۔ اور عملاً بارہ تیرہ سال کے عرصے میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ فاروقی دین اور حکومت کو علیؑ کی اور اُن کے خداداد علم وفقہ اور دینِ حقہ کی اور اُن کی رسول اللہؐ سے قرابت کی اور اُن کے حقدارِ خلافت ہونے کی قطعاً نہ ضرورت تھی نہ پرواہ تھی۔ نہ اُن کی حکومت اور اُن کے خود ساختہ اسلام میں حقِ مبین اور صراط مستقیم کی احتیاج تھی۔ پھر فاروقی حکومت اور فاروقی اسلام کو آئندہ کیوں علیؑ کی اور علیؑ کی صفات اور قابلیتوں کی ضرورت ہونے لگی؟ لہٰذا یہ سمجھ کر نظام شوریٰ اور فاروقی شرائط پر نظر ڈالیں کہ جب بار بار اور طرح طرح ہر دلیل سے یہ ثابت ہوگیا کہ علیؑ کو ہر حال میں اور ہر قیمت پر حکومت نہ دی جائے گی تو

اُس شوریٰ کے کھٹ راگ یا ڈھونگ کی ضرورت ہی کیا تھی؟

ہم اس سوال کے جواب میں یہ عرض کرتے ہیں کہ عمر کے سامنے صرف یہی ضرورت نہ تھی کہ وہ علیؑ کو خلافت سے محروم کردیں اب تو اُن کے سامنے وہ دقتیں بھی نہ تھیں جو علیؑ کو پہلی دفعہ محروم کرنے کے وقت تھیں اب تو اُنہوں نے تقریباً تمام اہلِ مکہ اور اہل مدینہ کو سرمایہ دار بنا دیا تھا۔لُوٹ کے اموال سے اُن کے گھر چھتوں تک بھر دیئے تھے۔دس بارہ لاکھ فوجی رئیسانہ ٹھاٹ سے مختلف چھاؤنیوں میں اینڈ رہے تھے، تمام جدید وقدیم اسلحہ سے میگزین بھرے ہوئے تھے، مبلغین کی پارٹیاں، عدالتوں کے جج، محکموں کے افسران اور عملے، مسجدوں کے پیش نماز و مؤذن گھر بیٹھے گرانقدر تنخواہ، وظائف اور جاگیریں لے رہے تھے۔

(2) اگر رسولؐ اور اللہ آکر فاروقی حکومت چلانا چاہتے تو انہیں مار پیٹ کر نکال دیا جاتا

تمام صحابہ اور صحابیات بلاکسی مشقت ومحنت کے ہزاروں روپیوں میں کھیلتے تھے۔ذرا سوچئے کہ جناب زبیر کے ایک ہزار غلاموں اور لونڈیوں کے رہنے کے لئے کتنے مکانات درکار تھے؟ اُمیدوارانِ خلافت کے گھوڑوں، بکریوں اور اُن کے اونٹوں کے اصطبل کتنی دور تک پھیلے ہوئے ہوں گے؟ بہر حال فاروق اعظم نے، اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ، معدودے چند لوگوں کے علاوہ گھروں کو جنت بنا دیا تھا۔اب اگر کہیں، خدانخواستہ خود اللہ اور رسوؐل آکر اس مملکتِ اسلامیہ اور اپنے مکے اور مدینہ کے صحابہ کا انتظام سنبھالنا چاہتے اور قرآن کی وہ آیت پڑھ دیتے جس میں انہوں نے پہلے کہا تھا کہ:

اے نبیؐ تم اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم نے دنیادارانہ زندگی اختیار کر لینے کا ارادہ کر رکھا ہے اور تم دنیاوی سہولتوں، آرائشوں اور سج دھج چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں نہایت خوش کن انداز میں رخصت کردوں؟ لیکن اگر تم نے اپنا مطمحِ نظر اللہ و رسوؐل کو اور آخرت کی زندگی کو بنانا ہے تو یقین کرلو کہ تم میں سے جو بیویاں احسان پیشہ ہونگی اُن کیلئے اللہ نے عظیم الشان اجر تیار کر رکھا ہے۔'' (احزاب 33/29) اور تم میں سے جو بھی کھُلے کھُلے اور کھُلم کھلا بدچلنی کریگی اُن کو دہرا چوہرا عذاب دیا جائے گا اور اللہ کیلئے نبیؐ کی ازواج کو بھی عذابِ جہنم میں مبتلا کرنا آسان سی بات ہے (33/30) اور تم میں سے جو کوئی اللہ و رسوؐل کی تابعداری کرتی رہے گی اور باقی تمام صالح اعمال بھی بجا لاتی رہے گی اُن کو دو دومرتبہ اجر دیا جائے گا اور اُنہیں عزت کی روزی بھی دی جائے گی۔'' (33/31)

یہ دھمکیاں اب کوئی زوجہ سننے کو تیار نہ ہوگی اور اگر اصرار و تکرار کیا تو لوگ انہیں مار پیٹ کر نکال دیں گے۔فاروقی پیدا کردہ صورتحال میں علیؑ کے نظامِ غربت و مساوات کی اب کون سنتا جو پولیس، بیت المال اور افواج وغیرہ کو ابلیسی اوزار کہتے ہوں وہ سب کو گھر جانے اور کما کر کھانے کا حکم دیں گے۔لہٰذا صراط مستقیم اور حقِ مبین کی ضرورت دس سال پہلے ختم ہو چکی تھی۔اس لئے علیؑ کو بار بار محروم کرنے کی احتیاج ہی نہ تھی۔فاروقی ضرورت اس قدر اہم تھی کہ اُسے پورا کرنے والا واقعی اُن پانچوں امیدواروں میں بھی کوئی ایک نہ تھا۔یعنی اُن میں سے کسی میں بھی فاروق کی تمام صفات وقابلیت موجود نہ تھی۔اُنہوں نے ابوعبیدہ نائی کا، معاذ بن جبل ناتجربہ کار شخص کا اور خالد بن ولید کا ذکر بھی اُن پانچوں امیدواروں کو چوکنا کرنے کے لئے کیا ہے اور اِن تینوں کی جو فضیلتیں بعد والے افسانہ نویسوں نے عمر کے منہ سے کہلوائی

ہیں اُن میں کوئی بھی نہ عمر کے مسلمہ مرتضوی علم وامانت وشجاعت کا پاسنگ تھا اور نہ حقیقتاً عمر کا پسندیدہ تھا بہرحال جو لوگ عمر کو سچ مچ پسند تھے اُن کی طرف علامہ شبلی نے توجہ دلائی تھی مگر یہ وقت اُن کو نامزد کرنے کے لئے موزوں نہ تھا سنئے:

(3) عمر حقیقتاً کس کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے؟ معاویہ کو

''عمر نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی کہ اُنہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اُس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو ''دُھات العرب'' کہا جاتا تھا۔ یعنی جو فنِ سیاست وتدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے' 1 امیر معاویہ، 2 عمرو بن العاص، 3 مغیرہ بن شعبہ، 4 زیاد بن سمیہ؛ حضرت عمر نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 12)

آپ نے دیکھ لیا کہ عمر کے نزدیک اِن چاروں کے مقابلے میں وہ پانچوں امیدوار چپراسیوں کے لئے بھی فٹ نہ تھے۔ رہ گئے علیؑ! اُن کے فنِ سیاست وتدبیر کا یہ ایک پہلو ہی بہت کافی ہے کہ عمر جیسا شخص اُنہیں مقامِ حکومت سے دُور رکھنے کے لئے دن رات خود اپنے معیار سے گرے ہوئے مکر وحیلے کرنے پر مجبور رہتا چلا گیا۔ علیؑ اس کے دماغ واقتدار پر ایک بڑے خوف کی طرح مسلط تھے۔ اس شوریٰ میں بھی انہیں مجبوراً شریک کرنا پڑا۔ اُن کے لئے وہ الفاظ استعمال کئے جو اُس کے اور کسی صحابی کے لئے ہرگز موزوں نہ تھے۔ اور ایسی مدح کسی اور پر صادق آ ہی نہیں سکتی۔ جس کا ہر فیصلہ، ہر حکم، ہر تصور صراطِ مستقیم کا ضامن ہو۔ بتاؤ رسولؐ کے علاوہ کوئی اور ایسا ممکن ہے؟ بہرحال! عمر کی حقیقی ضرورت یہ تھی کہ کسی طرح خلافت معاویہ کو پہنچا دی جائے اس لئے اُس نے عثمان کو تختۂ مشق بنانے کا تانا بانا تیار کیا اور شوریٰ کی اُن شرائط میں اس تدبر کو مدِنظر رکھا کہ اُدھر علیؑ خلافت سے محروم رہیں اور ساتھ ہی اگر شرائط کی زَد پر آجائیں تو قتل بھی ہو جائیں اور قتل جائز قرار پائے۔

(4) شوریٰ کی شرائط پر ایک سرسری نظر ڈال لیں

شوریٰ کی سب سے اہم اور واضح شرط یہ ہے کہ تین دن کے اندر اندر خلیفہ کا انتخاب ہو چکنا چاہئے تاکہ چوتھے روز صہیب کی ڈیوٹی ختم کر کے خلیفہ خود نماز پڑھائے۔ اور متفقہ طور پر یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ خلیفہ کا تقرر تین روز میں نہیں ہو سکا۔ یہ بات جہاں عمر اور اُن کے انتظام کی خامی وشکست کا ثبوت ہے وہیں علیؑ مرتضیٰ کے قدآور وجود کا دبدبہ اور ناقابل تسخیر پوزیشن کی دلیل ہے اور نتیجہ میں منتخب کئے جانے والا خلیفہ فاروقی قاعدے کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

(5) عمر کے ذہن میں اختلاف کرنے والوں میں کون کون افراد ہو سکتے ہیں؟ ترتیب شوریٰ؟

جماعت شوریٰ کی ترتیب میں جو قدرتی اور فطری ڈھلوان رکھی گئی تھی وہ یہ تھی کہ عبدالرحمٰن ابن عوف عثمان کے بہنوئی ہیں۔ سعد ابن ابی وقاص ہیں جو عبدالرحمٰن بن عوف کے رشتے دار اور ہم قبیلہ ہیں۔ لہٰذا وہ دونوں نہ عثمان کی مخالفت کر سکتے ہیں نہ عثمان ان دونوں کے یا آپس میں کسی کے خلاف جائیں گے۔ اور وہ تینوں شوریٰ کی جماعت کا آدھا ہیں اور عبداللہ ابن عمر اُن سے ہم نوا ہوں گے لہٰذا باقی تین یا تو خاموش، لب بند وزبان بند رہیں یا قتل ہو جائیں اور اُن میں ایک حضرت علیؑ ضرور ہوں گے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ باقی دونوں یعنی

طلحہ وزبیر ضرور ہی حضرت علیؑ کے ہمنوا ہوں گے۔ یہ بات علامہ محمد عبدہ کی اپنی عربی نہج البلاغہ کے حاشیہ سے ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں کہ:

وَ قَدْ یَکْفِیْ فِیْ مَیْلِہٖ اِلٰی عثمان انحرافہ عن علیؑ لِاَنَّہٗ تَیْمِی وَ قَدْ کَانَ بَیْنَ بنی ھاشم و بنی تَیْم مواجد لکان الخلافۃ فی ابی بکر۔

''طلحہ عثمان کی طرف مائل تھے۔ اور مائل ہونے کی یہی وجہ کیا کم ہے کہ وہ حضرت علیؑ سے منحرف تھے کیونکہ وہ قبیلہ تیم سے تھے۔ اور ابوبکر کے خلیفہ ہوجانے کے سبب سے بنی ہاشم اور بنی تیم میں رنجشیں پیدا ہوچکیں تھیں۔''

معلوم ہوا کہ ترکیب وترتیب شوریٰ اس طرح رکھی گئی تھی کہ ڈھل کر پھسل کر خلافت عثمان وعبدالرحمٰن تک جا پہنچے اور عمر کا بیٹا عثمان کا نام تجویز کر کے خلیفہ بنادے اور اختلاف کرنے والا خواہ ایک ہو یا دو ہوں یا تین ہوں اُنہیں قتل کر دیا جائے اور علیؑ کا کانٹا بہر حال نکل جائے۔

(6) شوریٰ کی فاروقی ترتیب وترکیب کو سنتے ہی حضرت علیؑ نے نتیجہ بیان کر دیا تھا؟

حضرت علی علیہ السلام نے عمر سے اس ترتیب وترکیب کو سنتے ہی لوگوں کو بتادیا تھا کہ: قَالَ عُدِلَتْ عَنَّا؛ قَالَ وَ مَا عِلْمُکَ؟ قَالَ قَرَنَ بِیْ عُثْمَانَ وَ قَالَ کُوْنُوْا مَعَ الْاَکْثَرِ۔ فَاِنْ رَضِیَ رَجُلَانِ رَجُلًا وَّ رَجُلَان رَجُلًا فَکُوْنُوْا مَعَ الَّذِیْنَ فِیْھِمْ عبدالرحمٰن ابن عوف فَسَعد لَا یُخَالِفُ ابن عَمِّہٖ عبدالرحمٰن صھر عثمان۔ (طبری جلد 3 صفحہ 294)

''خلافت کا رُخ ہم سے موڑ دیا گیا ہے اُنھوں نے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا فرمایا کہ میرے ساتھ عثمان کو لگا دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اکثریت کے ساتھ رہنا۔ اور اگر دو ایک پر اور دو ایک پر رضا مند ہوں تو تُم اُن لوگوں کا ساتھ دینا جن میں عبدالرحمٰن بن عوف ہو۔ چنانچہ سعد بن وقاص تو اپنے چچیرے بھائی عبدالرحمٰن کے خلاف نہ جائے گا۔ اور عبدالرحمٰن عثمان کا بہنوئی ہے ہی۔''

لہٰذا عبداللہ بن عمر کا ووٹ عثمان کے حق میں پہلے سے طے شدہ ہے۔ یوں خلافت نکل گئی۔

(7) شوریٰ کی گروپ بندی بھی ایک غور طلب لطیفہ تھی

پہلی بات: ''اگر تم میں سے پانچ شخص ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور چھٹا انکار کرے تو اُس چھٹے شخص کو قتل کر دینا۔''

سوال یہ ہے کہ پانچ ممبران جس شخص پر متفق ہوں گے وہی تو چھٹا شخص ہوگا۔ کیا یہ مطلب ہے کہ وہ چھٹا شخص خلیفہ بننے سے انکار کرے تو اُسے قتل کر دینا؟ قارئین آپ عبداللہ ابن عمر کو یہاں شمار نہ کریں۔ یہاں صرف امیدواران خلافت کا ذکر ہو رہا ہے۔ ذرا دیر بعد عبداللہ بن عمر کی ضرورت اور اُسے شمار کرنے کا موقع آئے گا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ: ''اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں تو اُن دونوں کی گردن مار دینا۔''

قارئین سوچیں کہ چار ممبر ایک پانچویں ممبر کو خلیفہ بنانے کے لئے متفق ہو گئے تو مخالف تو ایک ہی بچا اور وہ چھٹا ممبر ہوگا اب کون سے دو آدمیوں کو قتل کیا جائے گا؟

تیسری بات ''اور اگر تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین مخالفت کریں تو سرپنچ میر الڑکا عبداللہ ہوگا۔ اُن تین میں سے جس کو وہ خلیفہ قرار

دے تو وہ خلیفہ ہوگا۔ اور اگر وہ تین مخالف اشخاص انکار کریں تو اُن تینوں کو قتل کردینا۔'' پھر سوچیں کہ تین ممبر چوتھے ممبر کو خلیفہ تجویز کرتے ہیں تو امیدواران خلافت میں سے کل دو ممبر مخالف بچتے ہیں۔ یہاں بھی ایک شخص کو تلاش کر کے لانا اور قتل کرنا پڑے گا۔ لطیفہ یہ ہے کہ خلیفہ بنائے جانے والے شخص کو ہر دفعہ ووٹروں میں شمار کریں ورنہ گڑبڑ ظاہر ہے۔ معلوم ہوا کہ عمر کو زخموں کی وجہ سے چکر آرہے تھے اس لئے گھبرا گھبرا کر علیؑ کو قتل کرانا مدنظر رکھتے رہے اور کچھ کہتے رہے۔

(8) عائشہ اور صحابہ خلیفہ کے تقرر کے بغیر مرجانا اُمت کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا فعل کہتے ہیں

عمر نے کھل کر آنحضرتؐ کے خلیفہ مقرر نہ کرنے کا اعلان کیا اور رسولؐ اللہ کو اپنے سے بہتر قرار دیا لیکن حضرت عائشہ آج خلیفہ کا تقرر ضروری سمجھتی ہیں اور دوسرے الفاظ میں اپنے شوہر رسوؐل کو (معاذ اللہ) فتنہ پیدا کرنے کا مجرم قرار دیتی ہیں۔ یعنی اُس وقت بھی اور آج بھی علیؑ کو محروم کرنے میں برابر کی شریک رہی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ عمر ہرگز علیؑ کو خلیفہ نہ بنائیں گے اس لئے تقاضا کر رہی تھیں۔

(9) خلیفہ مقرر کرنے پر خدا کا مواخذہ کرنا عمر نے تین مرتبہ مانا

حضرت عمر نے ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل اور خالد کے خلیفہ مقرر کر سکنے کی تمنا کی اور تینوں کے سلسلے میں کہا کہ اگر خدا مجھ سے دریافت کرے گا تو یہ کہوں گا کہ ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جس کے لئے رسولؐ اللہ نے یہ اور وہ کہا تھا۔ معلوم ہوا کہ خلیفہ کا تقرر کرنا اور نہ کرنا دونوں اللہ کے یہاں قابل مواخذہ ہیں اور یہ کہ جسے بھی خلیفہ مقرر کیا جائے اُس کے لئے کوئی نہ کوئی رسوؐل کی طرف سے ملی ہوئی سند ہونا لازم ہے۔ سوال یہ ہے جسے ہر حال میں حق پر قائم مانا، جس کا حق تسلیم کیا اور جس کو ہر حال میں صراط مستقیم وحق المبین پر چلانے والا مانا، جسے اللہ کی طرف سے علم وفقہ اور دین حقہ دیئے جانے کا بھرے مجمع میں اعلان کیا اُس کو خلیفہ مقرر نہ کرنے پر اللہ کی طرف سے مواخذہ نہ ہوگا؟ اور کیا اللہ یہ دریافت نہ کرے گا کہ تیرے پاس ایسا بلند مرتبہ حق پرست و راہنمائے حقؑ وصراط المستقیم موجود تھا۔ تو نے مختار ہوتے ہوئے نائیوں، دھوبیوں اور چماروں کے لئے تو افسوس کیا اُسے کیوں خلیفہ نہ بنایا، جس کا تو حق مانتا تھا، جسے رسولؐ اللہ سے قریب ترین فرد کہتا تھا؟ اس کا جواب عمر کیا دیں گے؟ ٹھہریں جلدی نہ کریں۔

(15۔ج) عمر کی مآل اندیشی اور عذاب دیکھ کر تمنائیں؟

قارئین نے شوریٰ کے اسی طویل بیان میں عمر کے یہ الفاظ نوٹ کئے تھے کہ: ''میری خواہش ہے کہ کاش اس امر خلافت سے میں نجات پاؤں اس کے متعلق مجھ سے نہ کچھ مواخذہ کیا جائے اور نہ مجھے کچھ اس کا ثواب دیا جائے تو میں اس کو غنیمت سمجھوں گا۔'' اور سنئے:

(2) عمر امیرالمومنین بن جانے پر عذاب کا یقین رکھتے تھے

''حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں ایک باغ میں گیا۔ ابھی میں دیوار کے اس طرف تھا اور حضرت عمر دوسری طرف کہ میں نے سنا کہ عمر فرما رہے ہیں کہ ''اے عمر کہاں تُو اور کہاں امیرؑالمومنین کا رُتبہ؟ ذرا خدا سے ڈر ورنہ اللہ تعالیٰ مجھ کو سخت عذاب کریں گے۔''

(تاریخ الخلفا بیان الامرا صفحہ 132)

(3) عمر گھاس کا ایک تنکا ہونا پسند کرتے تھے اور ماں کے پیٹ سے انسان پیدا ہونا ناپسند تھا

''عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر کو دیکھا کہ آپ نے زمین سے ایک تنکا اُٹھایا اور کہا کہ کاش میں بھی ایک تنکا ہوتا اور مجھے میری ماں نہ جنتی۔'' (ایضاً صفحہ 132)

(4) ابوبکر اور عمر دونوں درخت اور دُنبہ بن کر دنیا ہی میں فنا ہو جانا چاہتے رہے۔ مواخذہ کا خوف تھا

''بیہقی نے شعب ایمان میں ضحاک سے روایت کی ہے کہ ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ واللہ مجھے یہ زیادہ محبوب تھا کہ میں کسی راستے پر ایک درخت (پودا) ہوتا اور کوئی اونٹ مجھے چبا کر نگل جاتا اور پھر مینگنی کر کے کہیں نکال دیتا مگر میں انسان نہ ہوتا۔ اور حضرت عمر نے فرمایا کہ کاش میں دُنبہ ہوتا۔ اور مجھے کِھلا پلا کر اتنا موٹا کیا جاتا کہ لوگ میرے دیکھنے کو آتے۔ پھر مجھے ذبح کر ڈالتے کچھ میرا گوشت بھونا ہوا کھاتے اور کچھ کا قیمہ کر لیا جاتا مگر میں انسان نہ ہوتا۔(ایضاً صفحہ 149)

(5) عمر ساری دُنیا کا سونا قربان کرنے کو تیار اگر عذاب سے بچ سکیں: خلفائے ثلاثہ اور اُن کے پیروؤں کو آخر عذاب جہنم سے دوچار رہنا ہوگا اور دنیا کی بخششیں اور بکواس اُن کے کام نہ آئیں گی۔ سنئے کہ آخر فاروق صاحب کے سامنے وہ عذاب آ کھڑا ہوا:

لَوْ اَنَّ لِیْ طلاع الارض ذَھَبًا لَا فْدَیْتُ بِہٖ مِنْ ھَوْلِ المطلع (تاریخ الخلفا صفحہ 126)

''عمر نے کہا کہ اگر میرے پاس ساری دنیا کا سونا بھی ہوتا تو میں قیامت کی دہشت اور آنے والے معاملات کے ھَوْل کی وجہ سے سارا فدا کر دیتا۔''(بیان الامرا صفحہ 136)

(6) عمر عذاب جہنم سے بچنے کے لئے دنیا کی ساری چیزیں قربان کر دیتے

آخر میں یہ دیکھ لیں کہ عمر نے دنیا میں اللہ و رسولؐ کے خلاف جو حکومت بنائی اور دنیا لُوٹ لُوٹ کر جو مال و زر سمیٹا اُس کو نہیں بلکہ وہ ساری دنیا کی تمام چیز عذاب سے بچنے کے لئے اسی دنیا میں واپس دینے کو تیار تھے فرماتے ہیں کہ: لَوْ اَنَّ لِیْ مَا طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشمس لَافْتَدَیْتُ بِہٖ مِنْ ھَوْلِ الْمَطْلَعِ وَ اللّٰہِ قَبْلَ اَنْ اَرَاہُ ۔ (تاریخ عمر بن الخطاب مولفہ امام جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی صفحہ 160,157)

''عمر نے کہا کہ اگر میرے پاس وہ تمام چیزیں ہوتیں جن پر سورج چمکا تو میں اُن سب کو اُس ہَول کے بدلے میں دے دیتا جو میرے اوپر آنے والا ہے خدا کی قسم اگر ساری زمین سونا ہوتی تو بھی اُس عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی بدلے میں دے دیتا جو عذاب اللہ کی طرف سے ہونے والا ہے۔''

یہ ہیں وہ بے مثل و بے نظیر قانون دان اور قانون ساز جنہوں نے اس دنیا میں اللہ و رسولؐ کے خلاف دھوم مچا دی تھی۔ شاہانِ عرب و عجم کو شکست دی تھی اور جن کے آج تک قصیدے لکھے جا رہے ہیں، جو خود کو ننگ انسانیت، بارِ زمین اور خس و خاشاک سے بدتر اور حنفی اور منافق و کافر اور جہنمی مانتے ہوئے مر گئے اور مُرید ابھی تک مصروفِ دعا ہیں کہ اللہ اُن سے راضی ہو جائے۔

(15۔د) شوریٰ وغیرہ عمروابوبکر کی مجبوریاں تھیں ورنہ خانوادۂ نبوت کومحروم کرنے پراجماع تھا

قارئین نے سابقہ عنوان (15۔ج) میں امیدوارانِ شوریٰ کے متعلق فاروقی مذمت اور مدح سرائی دیکھی تھی۔عمر کے ریمارکس میں حضرت علی علیہ السلام کے لئے کہا گیا تھا کہ وہ ''خلافت حاصل کرنے کی حرص'' رکھتے ہیں۔اور ایک دوسرے بیان میں عمر نے اُن پر ''پُر مذاق'' ہونے کے ریمارکس دیئے تھے۔اس سلسلے میں علامہ شبلی نے حضرت علیؑ کو عمر کے ریمارکس سے کہیں ارفع واعلیٰ اور پاک ومنزہ قرار دے کر عمر کی باتوں کوفرضی خیال آرائی اور تہمت قرار دیا ہے۔البتہ باقی پانچوں امیدواروں' عثمان وطلحہ وزبیر وعبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن وقاص کو بجنسہٖ قوم پرست ومتعصب وکافر وفرعون ومتکبر وغیرہ تصدیق کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

(1) مجسمۂ حق وصراطِ مستقیم اور علومِ خداوندی ودینِ حقہ سے مالا مال علیؑ کو سرمایہ داروں،کافروں اور فراعنہ کے برابر لایا گیا

''حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خوردہ گیریاں کیں ہم نے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اُن میں جائے کلام نہیں۔البتہ حضرت علیؑ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے۔یعنی یہ کہ اُن کے مزاج میں ظرافت ہے۔یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔حضرت علیؑ ظریف تھے۔مگر اُسی قدر جتنا ایک لطیف مزاج بزرگ ہوسکتا ہے۔''

(2) قریشی علمانے اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ والے تمام احکام کیوں تبدیل کیئے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔علامہ طبری نے اس معاملے کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔اُن کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا رازِ سربستہ معلوم ہوگا۔مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا۔جو (بقول قریش) حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ وطرفدار تھے:

حضرت عمرؓ: کیوں عبداللہ بن عباس،علیؑ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ بن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ: تمہارے باپ رسوؐل اللہ کے چچا اور تم رسوؐل اللہ کے چچیرے بھائی ہو پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبداللہ: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ: لیکن میں جانتا ہوں۔تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔

عبداللہ: کیوں؟

حضرت عمرؓ: وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوتؐ اور خلافت دونوں آجائیں۔شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ تم کو خلافت دیتا بھی تو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔'' (الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

علامہ شبلی مسلسل لکھتے ہیں کہ: ''دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمے میں گذریں۔اور کچھ نئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

حضرت عمرؓ: کیوں عبداللہ بن عباس تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سنا کرتا تھا۔لیکن میں نے اس خیال سے اُن کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس: وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ: میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباس: ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے۔لیکن حسداً، تو اس کا تعجب کیا ہے؟ ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں۔پھر محسود ہوں تو کیا تعجب؟

حضرت عمرؓ: افسوس بنی ہاشم کے دل سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس: ایسی بات نہ کہیئے رسوؐل اللہ بھی ہاشمی تھے۔

حضرت عمرؓ: اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباس: بہت مناسب۔'' (دیکھو طبری صفحہ 2768 تا 2771)(الفاروق حصہ اول صفحہ 103-104)

(3) شبلی نے علامہ طبری کی تحریر میں اختصار سے کام لیا، کئی باتیں چھوٹ گئیں طبری سے مکالمے سُنیئے

علامہ شبلی سے اہم الفاظ اور باتیں چھوٹ گئیں لہٰذا وہ دونوں مکالمے تاریخ طبری سے ملاحظہ کرانا ضروری ہیں۔عمر نے حضرت علیؑ کے اس سفر میں ہمراہ نہ چلنے کی شکایت عبداللہ سے کرتے ہوئے وہ سربستہ رازیوں کھولا تھا جو (35) پینتیس سال قریش اور علیؑ کے لئے سینوں میں دفن چلا آرہا تھا اور جس پر ابوبکر و عمر لفظ بلفظ عمل کرتے آئے تھے:

''عمر نے کہا ''استغفر اللہ، اے ابن عباس علیؑ ہمارے ساتھ کیوں روانہ نہ ہوئے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں ہے۔'' پھر آپ نے فرمایا کہ ''اے ابن عباس تمہارے والد رسولؐ اللہ کے چچا ہیں اور تم اُنکے چچازاد بھائی ہو پھر تمہاری قوم کو تمہارا انتخاب خلافت کرنے سے کس چیز نے روکا۔'' میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔'' انہوں نے کہا مگر مجھے معلوم ہے وہ ناپسند کرتے تھے۔'' میں نے کہا کیوں؟ ہم تو اُن کیلئے بہترین انسان تھے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ نبوت اور خلافت دونوں چیزیں تمہارے اندر جمع ہو جائیں۔شاید تم یہ کہو کہ ابوبکر نے اس بات سے رجوع کیا، ہرگز نہیں۔ابوبکر نے سب سے زیادہ دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا۔اگر وہ خلافت کو تمہارے لئے مقرر کرتے تو قریب ہونے کے باوجود اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔'' (دوسرا مکالمہ)

حضرت عمر: اے ابن عباس کیا تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہاری قوم کو تمہارا انتخاب خلافت کرنے سے کس چیز نے روکا؟

عبداللہ: میں نے اس کا جواب دینا پسند نہ کیا اس لئے میں نے کہا ''اگر میں نہیں جانتا تو امیر المومنین مجھے اس سے باخبر کردیں۔''

حضرت عمر قریش کی رائے بتاتے ہیں: ''وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ تمہارے اندر نبوت اور خلافت دونوں چیزیں جمع ہو جائیں۔ مبادا کہ تم اپنی قوم سے بدسلوکی کرو اس لئے قریش نے خلافت کو اپنے لئے پسند کیا کہ اُن کی یہ رائے درست تھی اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔''

عبداللہ: اے امیر المومنین اگر آپ مجھے گفتگو کرنے کی اجازت دیں اور مجھ پر ناراض نہ ہوں تو کچھ عرض کروں؟

حضرت عمر: اے ابن عباس تمہیں بولنے کی اجازت ہے۔

عبداللہ: آپ نے فرمایا ہے کہ: ''قریش نے خلافت کو اپنے لئے انتخاب کیا اور اس معاملے میں وہ درست تھے اور کامیاب ہوئے۔'' اسکے بارے میں یہ عرض ہے کہ ''اگر قریش اپنے لئے یہ انتخاب اُس وقت کر لیتے جب اللہ بزرگ و برتر نے اُنہیں اختیار دیا تھا تو اُس وقت یہ صحیح معاملہ نا قابل رد اور نا قابل حسد ہوتا۔'' اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''وہ لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت و خلافت دونوں چیزیں ہمارے اندر جمع ہو جائیں۔'' تو خدائے بزرگ و برتر نے بھی ایک جماعت کی ناپسندیدگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''یہ اس وجہ سے ہوا کہ اُنہوں نے اس وحی کو جو اللہ نے نازل فرمائی تھی پسند نہیں کیا اِسلئے اُس نے اُنکے اعمال اکارت کر دیئے۔'' (محمدؐ 47/9)

حضرت عمر: ہائے افسوس! خدا کی قسم اے ابن عباس تمہارے بارے میں مجھے ایسی خبریں ملتی تھیں جن پر یقین کرنا مجھے پسند نہیں تھا۔ کیونکہ اس سے تمہاری قدر و منزلت میرے دل سے دُور ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

عبداللہ: اے امیر المومنین وہ کیا باتیں ہیں؟ اگر وہ صحیح ہیں تو آپ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ میرا مرتبہ گھٹائیں اور اگر وہ جھوٹی ہیں تو میرے جیسا انسان اُسے دُور کر سکتا ہے؟

حضرت عمر: مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو: ''اُنہوں نے اس خلافت کو ہم سے حسد اور ظلم کی وجہ سے الگ کر رکھا ہے۔''

عبداللہ: آپ نے ظلم کا ذکر کیا ہے وہ تو ہر جاہل اور عقلمند پر ظاہر ہے۔ جہاں تک حسد کا ذکر ہے تو ابلیس نے حضرت آدمؑ پر بھی کیا تھا۔ اُن ہی کی اولاد ہم ہیں جن پر حسد کیا جا رہا ہے۔

حضرت عمر: اے بنو ہاشم تمہارے دلوں سے حسد اور کینہ کبھی نہ جائے گا۔

عبداللہ: اے امیر المومنین ٹھیریے۔ آپ ایسے لوگوں کے دلوں پر الزام نہ لگایئے جنکی آلائش کو اللہ نے دُور کر دیا ہے اور اُنکے دلوں کو حسد و فریب و مکر کی آلائیشوں سے بالکل پاک وصاف کر دیا ہے کیونکہ رسولؐ اللہ کا قلب مبارک بھی بنو ہاشم کے قلوب کا ایک حصہ ہے۔

حضرت عمر: اے ابن عباس تم میرے پاس سے چلے جاؤ۔

عبداللہ: بہت بہتر۔ جب میں جانے کے لئے کھڑا ہوا تو آپ کو شرمندگی محسوس ہوئی اور فرمایا:

حضرت عمر: اے ابن عباس تم بیٹھے رہو۔ مجھے تمہارے حقوق کا خیال ہے اور مجھے تمہاری خوشی پسند ہے۔

عبداللہ: اے امیر امومنین میرے آپ پر اور ہر مسلمان پر حقوق ہیں۔ جو کوئی اُن حقوق کی حفاظت کرے گا تو وہ خوش نصیب ہے اور جس نے حق تلفی کی وہ بدنصیب ہے۔ اس کے بعد آپ اُٹھ کر چلے گئے۔''

(ترجمہ تاریخ طبری۔ خلافت راشدہ حصہ سوم صفحہ 279 تا 283)

(4) عمر کے دونوں مکالموں سے سادہ سادہ اور بلاغور وفکر سمجھ میں آنے والی باتیں

عمر کی یہ گفتگو ثابت کرتی ہے کہ حقائق اور صحیح چیزوں کے بیان میں ایک نوخیز نوجوان یعنی عبداللہ بن عباس بھی اُن کو لاجواب کر دیتا تھا۔ اور یہ کہ اس پوری گفتگو میں حق عبداللہ ابن عباس کی طرف تھا اور انہوں نے عمر اور اُن کی پوری قوم قریش کو ظالم و حاسد و غاصب ثابت کر دیا اور عمر کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ انہوں نے منوا کر چھوڑا کہ بنی ہاشم کے حقوق عمر اور تمام مسلمانوں پر واجب الادا ہیں۔

(5) عمر نے جہاں یہ اعلان کر دیا کہ قریش نے حکومتِ الٰہیّہ کو غصب کرنا طے کر لیا تھا وہیں علیؑ کا حق بھی مان لیا

ان بیانات میں سب سے پہلے یہ ماننا پڑے گا کہ قریش کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ نبوت کے ساتھ ساتھ خلافت یعنی نبیؐ کے ساتھ ہی ساتھ خلیفہ بھی بنی ہاشم میں سے قائم و دائم رہے گا۔ اور یہ یقین یقیناً انہیں تعلیماتِ قرآن اور اعلاناتِ رسولؐ سے ہوا تھا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ قرآن و احادیثِ رسولؐ میں جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کی امامت و خلافت باقاعدہ بیان ہوئی ہے۔ لیکن قریش نے قرآن کی معنوی تحریف سے اور احادیث کو چھپا کر اور جھوٹی روایات گھڑ کر خلافت مرتضویؐہ کو چھپانے کی کوشش کی اور ابوبکر و عمر وغیرہ کی خلافت کا جواز نکالا اور مسلسل امت کو ایک مستقل فریب میں مبتلا رکھا ہے۔ اور اُن کی اس تمام تگ و دَو کو قرآن نے بیان کر دیا ہے اور ہم نے باقاعدہ آیات (فرقان 31 تا 25/27 اور انعام 6/66 وغیرہ) سے قریشی منصوبہ واضح کر دیا ہے۔

(6) بقول عبداللہ بخاموشی عمر ثابت ہوا کہ قریش کو خلافت کا موقع دیا گیا تھا مگر اُنہوں نے قبول نہ کیا تھا

قریش کو دعوت ذوی العشیرہ میں دو روز یکے بعد دیگرے مدعو کیا جانا تاریخی واقعہ بھی ہے اور قرآن کا فیصلہ بھی موجود ہے (شعرا 216 تا 26/214) اس دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ تمام حاضرین کو عموماً اور قریش کو خصوصاً یہ فرما کر دعوت دی کہ:

''تم میں سے کون ہے جو میرے امر نبوت میں میرا وزیر اور میرا خلیفہ اور میرا بھائی بنے اور میری زندگی میں اور میری وفات کے بعد میری ذمہ داریوں میں میرا ہاتھ بٹائے؟''

تمام مؤرخین مانتے اور جانتے ہیں کہ قریش اور تمام حاضرین جلسہ ہر دفعہ خاموش بیٹھے رہے اور ہر تین مرتبہ حضرت علی علیہ السلام اُٹھے اور اپنی بضاعت و خدمات پیش کیں۔ اُن کو بٹھا بٹھا کر بار بار موقع پر موقع دیا گیا لیکن اُن سب کو سانپ سُونگھ گیا تھا۔ اور تو اور اس جلسے میں ابوبکر و عمر بھی موجود تھے اور انہیں محمدؐ کی حکومت مل جانے کی پیشینگوئیاں اور خوشخبریاں بھی برسہا برس پہلے سے معلوم تھیں مگر اللہ کی شان کہ وہ بھی مبہوت و دم بخود ہی رہے آخر حضورؐ نے اعلان فرمایا کہ:

''دیکھو یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے یہ میری زندگی میں بھی اور میری وفات کے بعد بھی میرا وزیر و خلیفہ و بھائی ہے تم سب اس کی بات اطاعت شعارانہ انداز میں سُنا کرو اور اس کی اطاعت کیا کرو۔''

کفاراور تمام حاضرین نے خلافتِ الٰہیّہ کا صحیح مطلب سمجھا

جلسہ برخاست ہوا مجمع چھٹنے لگا۔ جب آنحضرتؐ، حضرت علیؑ، حضرت ابوطالبؑ اور سرداران مکہ کے چندلوگ رہ گئےتو ابولہب نے حضرت ابوطالبؑ پر طنز کرتے ہوئے کہا لیجئے آپ کا بیٹا آپ کے نبیؐ کا خلیفہ ہو گیا اب تم اپنے بیٹے کی اطاعت کیا کرنا۔

یہ دن تھا کہ قریش نے اُس موقع کو ہاتھ سے کھودیا اور وہ صرف اس لئے کہ اُس وقت اور اُس دن تک نبوت کو اقتدار کا ڈھونگ سمجھ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ اس ڈھونگ کے دوسرے تدارک کریں۔ خلافت قبول کرنے کے معنی خود بخود نبوّت کو قبول کرنا ہوجاتے جو وہ ابھی نہ چاہتے تھے۔ لیکن بہت جلد دانشورانِ قریش کو یقین ہو گیا کہ یہ اعلانات ڈھونگ نہیں تھے۔ اس یقین کو خفیہ رکھتے ہوئے ابوبکر وعمر نے اپنے متعلق پیشینگوئیوں سے مستحکم کیا اور اس بات پر اجماع ہو گیا کہ جو ہوسو ہو، علیؑ کو خلیفہ اور مطلق العنان حاکم نہ بننے دیا جائے۔ اس فیصلے کا ذکر کیا ہے عمر نے عبداللہ سے یہ سربستہ راز، سربستہ رہتے چلے آنے کے 35 سال بعد ظاہر کیا تھا۔ قریش نے اس فیصلے کے بعد، کہ علیؑ کو رسوؐل کا جانشین اور حاکم نہ بننے دیا جائے دو محاذ قائم کئے تھے ایک کا کام یہ تھا کہ وہ بتدریج اور حسنِ تدبر سے اسلام اختیار کرے اوّلین سابقین کی اصطلاح جاری کر کے رسولؐ سے قرب حاصل کرے اور رفتہ رفتہ اُن پر چھا جائے اسی محاذ میں تھے ابوبکر وعمر وغیرہ۔ دوسرے محاذ کا کام تھا کہ وہ نبوت کو انتہا درجہ تک آزمائشوں میں ڈالے، خاموش اور مسلح تصادم جاری رکھے۔ اور وقت آنے پر پہلے محاذ میں جا ملے۔ اور اُن کے ہاتھ برابر یہاں سے وہاں تک مضبوط کرتا چلا جائے۔ اِن دونوں محاذوں کے سربراہ تھے ابوسفیان جن کے بیٹے معاویہ کی طرف مذکورہ بالاشوریٰ میں حکومت کا رُخ موڑا گیا ہے۔ تاکہ بنی ہاشم، بنی تیم و بنی عدی حکومت نہ اُچک سکیں۔ ہم نے اس قریشی منصوبے اور دونوں محاذوں کی کارکردگی دکھانے ہی کے لئے تفسیر ''تعبیر القرآن'' لکھی تھی۔ عمر کے یہ مکالمے بھی یہی ثابت کرتے ہیں کہ فاروق کو اپنی بے مہار حکومت واقتدار کے باوجود حضرت علیؑ کا وجود مجبور کر رہا تھا کہ وہ کھل کر براہِ راست علیؑ کے سوا کسی اور کو خلیفہ نامزد نہ کرسکیں۔

(15-ہ) فاروق اور فاروقی حکومت علیؑ کے معاملے میں من مانی نہ کرسکتے تھے

عمر نے اپنی حکومت معاویہ بن ابوسفیان تک پہنچانے کے لئے مجبوراً شوریٰ کی نہایت بھدی اور خود اپنے معیار سے بھی گری ہوئی چال چلی اگر علیؑ اُن کے دماغوں پر مسلط نہ ہوتے تو وہ اپنے بہت پہلے کئے ہوئے فیصلے پر عمل کر لیتے۔

(1) عمر عثمان کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے

عن حذيفة قَالَ ''قِيْلَ لِعُمر بن الخطاب وَ هُوَ بالمدينة يا اَمِيرَ المومنين من الخليفة بعدك قال عثمان ۔

(کنز العمال جز و ثالث صفحہ 158 حدیث نمبر 2448)

چنانچہ جناب ''حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر مدینہ ہی میں تھے تو اُن سے پوچھا گیا کہ اے امیرالمومنین آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا تو جواب دیا کہ عثمان خلیفہ ہوں گے۔'' مگر اس پر وہ عمل نہ کرسکے۔

(2) عثمان کوخلیفہ بنانے کی رائے مشہور کر کے بھی نہ چل سکی

"عن مطرف قال حجت فی امارۃ عمر فلم یکونوا یشکون انَّ الخلافۃ من بعد لعثمان ۔(ایضاً صفحہ 160 حدیث نمبر 2459) "مطرف سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عمر کے زمانے میں لوگوں کو اس میں کوئی شک نہ تھا کہ عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوگا۔"

یہاں قارئین یہ بھی نہ بھولیں کہ شوریٰ کی ترتیب میں جن حضرات کو رکھا تھا اُن میں تین؛ عثمان، عبدالرحمٰن اور سعد بن وقاص؛ آپس میں رشتہ دار تھے جو یقیناً ایک دوسرے کے، بقول ہندوستان، اٹوٹ انگ (ناقابل شکست اجزائے ترکیبی) تھے۔ پھر عمر کا بیٹا عبداللہ سرپنچ اور آخری فیصلہ کن رائے (Casting Vote) رکھتا تھا اور اُسے تاکید تھی کہ وہ اپنا ووٹ اس پارٹی کو دے گا جدھر عبدالرحمٰن ہوگا۔

(3) عبداللہ بن عمر کو دوہرے اختیارات دینا تا کہ بہرصورت عثمان خلیفہ بنے: یہ فیصلہ تاریخ ابن خلدون سے سُن لیں:

ثُمَّ قَالَ یَا عبداللّٰہ (بن عمر) اِنِ اختَلَفَ القوم فکن مع الاکثر وَ اِن تساووا فکُنْ مَعَ الَّذِیْنَ فِیهِمْ عبد الرحمن بن عوف (جزءالثانی صفحہ 124 تا صفحہ 126 پورا واقعہ)

"عمر نے کہا کہ اے عبداللہ اگر قوم میں اختلاف ہو جائے تو تم اکثریت کے ساتھ رہنا اور اگر دونوں گروہ مساوی ہو جائیں تو تم اس پارٹی کے ساتھ ہو جانا جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں۔"

یہ ترتیب وترکیب دیکھنے والا ہر شخص، خواہ وہ عمر کا پیرو قریشی المذہب ہی کیوں نہ ہو، اعلان کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ علیؑ کو محروم کرنے کے لئے عمر نے بہت گھٹیا درجہ کی بددیانتی سے کام لیا تھا۔ اور یہ کہ واقعی عمر کو سو فیصد یقین تھا کہ اگر یہ کمینہ طریقہ نہ رکھا تو قریشی قوم کی اکثریت بھی علیؑ کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جائے گی اور وہ خلیفہ بن جائیں گے۔ یعنی اُن کے لئے علیؑ کا وجود ایک مصیبت تھا جسے خلافت سے دُور رکھنے کے لئے بارہ سو سال سے بارہ سو بے ایمانیاں، بددیانتیاں اور مکروفریب کرتے رہنا پڑے۔ اور کوئی چال ایسی نہ رہی جسے علیؑ کے انتظام نے منظر عام پر نہ رکھ دیا ہو اور جن کی وجہ سے ہر زمانہ کے محققین عمر اینڈ کمپنی پر نفرین کرتے چلے آئے۔ اور وہ دنیا میں ملعون بن کر رہ گئے۔

(4) وقارِ مرتضویؑ دامنگیر رہا عمر کا شوریٰ ناکام ہو کر رہ گیا

قارئین یہ دیکھئے کہ اگر عمر کی تجویز وہدایت پر عمل کیا جاتا تو زیادہ سے زیادہ بلاکسی ردوبدل اور شوروغوغا کے ایک گھنٹے میں عثمان کو خلیفہ بنایا جا سکتا تھا۔ یعنی چھ ممبران شوریٰ جمع ہوتے اور تمام مقررہ مبصرین سامنے بیٹھ جاتے۔ یہ چند منٹ میں ہو جاتا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن کہتے کہ میں عثمان کو خلیفہ بناتا ہوں آپ حضرات جو پسند کریں اُن کے لئے ووٹ دیں۔ ظاہر ہے کہ سعد بن وقاص عثمان کو ووٹ دیتا۔ لہٰذا عثمان کی طرف عبدالرحمٰن اور سعد بن وقاص ہو جاتے۔ اُدھر علیؑ، طلحہ اور زبیر رہ جاتے۔ یعنی تین اُدھر اور تین اِدھر یعنی دونوں طرف مساوی تعداد ہو جاتی لہٰذا عبداللہ ابن عمر اُٹھتے اور اپنا ووٹ عثمان کو دے دیتے اور یوں پھٹا پھٹ دس منٹ میں عثمان خلیفہ بن کر خطبہ خلافت دے ڈالتے اور چٹاچٹ بیعت ہو جاتی۔ مگر شوریٰ کی کارروائی پر دنیا کی تمام تاریخیں پڑھ جایئے ایسا نہیں ہوا اور جو کچھ ہوا وہ

بھی عمر کے مقرر کردہ تین روز میں نہ ہوسکا۔ اور یوں جناب فاروق کا بنایا ہوا منصوبہ اور نقشہ بے کار ہو کر رہ گیا۔ لہٰذا اہل شوریٰ نے عمر کے بنائے ہوئے پلان اور ترتیب وترکیب کے خلاف خلیفہ بنایا جو عمر کے قواعد کے ماتحت باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔

(5) شوریٰ کی ناکامی اور کارکنانِ شوریٰ کی خلاف ورزیاں؟؟

جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ شوریٰ کی ترتیب وترکیب میں خواہ بے ایمانیاں تھیں بہرحال وہ نہایت کامیاب اسکیم تھی اور اُسے کامیاب رکھنے ہی کے لئے جناب فاروق نے بدترین جانبداری اختیار کی تھی اور اگر اس پر عمل کیا جاتا تو خلیفہ کا تقرر تین دن یا تین گھنٹے میں نہیں بلکہ تین منٹ میں ہوسکتا تھا۔ اس کارروائی کے لئے تین دن کی طویل مدت محض جناب علیؑ مرتضیٰ کی زبردست پوزیشن سے ڈرتے ہوئے مقرر کی گئی تھی۔ اور اُسے تین روز میں مکمل کر کے خلیفہ کا اعلان کر سکنے کے لئے پچاس مسلح دشمنانِ مرتضویؑ کا ایک فوجی دستہ بھی تعینات کیا گیا تھا اور سردارِ دستہ کو حکم دیا گیا تھا کہ دورانِ مشاورت وہ برہنہ تلواروں کے ساتھ اسمبلی ہال کے دروازے پر موجود رہے اور ممبرانِ شوریٰ میں سے اگر کوئی ممبر تنہا اسمبلی ہال سے باہر جانا چاہے تو روک دے اور نکلنے پر اصرار کرے تو بے دریغ قتل کردے۔ اس لئے کہ خفا ہو کر نکلنے والا یا اختلاف کرنے والا، فاروقی نظر میں، علیؑ ہی ہوسکتا تھا اور وہی تنہا نکل جانے والا ممکن تھا۔ یہ سبب تھا کہ چھ ممبروں میں سے تین اختلاف کرنے والوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس طرح بہرحال علیؑ کا قتل متوقع تھا۔ اس انتظام اور تشدد کے باوجود وہ طویل مدت گزر گئی نہ کوئی قتل ہوا اور نہ کوئی خلیفہ بنایا جاسکا۔ یہ بھی فاروقی اسکیم کی ناکامی تھی علیؑ بہرحال زندہ رہ گئے اور معاویہ کی خلافت دُور تر اور مشکل تر ہوگئی۔ اور عمر کو معلوم نہ ہوسکا کہ اس کے بعد عثمان کو خود صحابہ ہی قتل کریں گے اور ہاتھ جوڑ کر بڑی مشکل سے حضرت علیؑ کے قدموں میں اپنی حکومت اور اطاعت رکھ دیں گے اور علیؑ ہی اُس کے بنائے ہوئے خلیفہ کی لاش فاروقی خلافت کے جنازے کے طور پر دفن کریں گے۔

__پہلی خلاف ورزی:__ عمر کا حکم تھا کہ اسمبلی ہال عائشہ کے گھر کو یا عائشہ کے گھر کے پاس والے گھر کو بنایا جائے۔ لیکن بچند وجوہ اس پر عمل نہ ہوا بلکہ عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے بھانجے (بہن کے بیٹے) اور داماد مسور ابن مخرمہ کا گھر پسند کیا۔

__نوٹ۔ عائشہ کا گھر کیسے اتنا بڑا ہوگیا؟__ عائشہ کا گھر یعنی حجرہ یعنی کوٹھڑی آنحضرتؐ کی حیات میں اتنی کشادہ تھی کہ جب رسول اللہؐ اُن کے حجرے میں مقیم ہوتے اور نماز وہاں پڑھتے تھے تو 'بقول عائشہ، حضورؐ جب سجدہ کرتے تھے تو عائشہ کو اپنے پیر سمیٹنا پڑتے تھے۔ یعنی مشکل سے دو افراد کے لیٹنے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ وفاتِ رسولؐ کے وقت اُسی حجرے میں بیسیوں صحابہ کا مجمع دکھایا گیا۔ کاغذ قلم دوات کا جھگڑا اسی حجرے میں بتایا گیا۔ اُسی میں تین قبریں بھی بن گئیں اور اسی کو شوریٰ کا اسمبلی ہال بھی بنانے کا حکم دیا گیا اور کوئی نہیں پوچھتا اور کوئی نہیں بتاتا کہ عائشہ کا حجرہ اتنا وسیع ہال کیسے، کب اور کیوں کر بن گیا؟ یہ بھی اُن مظالم اور غصب ونہب میں سے ایک ظلم و غصب ہے جو قریشی حکومتوں نے کئے تھے۔

__دوسری خلاف ورزی:__ عمر نے یہ پابندی عائد کی تھی کہ اگر تین دن کے اندر اندر خلیفہ کا تقرر نہ ہوسکے تو پھر اجلاس عام میں خلیفہ کے انتخاب

کا اختیار اُمت کو منتقل ہو جائے گا اور اُمت کی کثرت جسے پسند کرے گی خود خلیفہ بنا لے گی۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن عمر کے ہاتھوں سے مذکورہ تین دن پھسل کر نکل گئے اور وہ کسی کو خلیفہ نہ بنا سکے اور فاروقی شوریٰ ناکام ہو گیا۔ اب لازم تھا کہ وہ ذمہ دار لوگ جلسہ عام کر کے خلیفہ کا انتخاب عوام الناس کو سپرد کر دیتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اس لئے کہ حضرت علیؑ کو فوراً کثرت کی رائے خلیفہ بنا لیتی اور اسی خوف سے عمر نے شوریٰ والی پالیسی اختیار کی تھی۔ یہی خوف عبدالرحمٰن اینڈ پارٹی کو دامنگیر تھا اور یہ خوف گزشتہ تین شورائی دنوں میں بھی عثمان کو خلیفہ بنا سکنے سے روکتا رہا۔

(1) علیؑ کے خلیفہ بن جانے کا خطرہ برابر اُن کے سر پر منڈلاتا چلا گیا

عمر اور عثمان کے ہمدرد و راز دان لوگ گھبرا گھبرا کر عبدالرحمٰن سے جھگڑتے رہے کہ جلدی کرو جس طرح ہو سکے عثمان کو خلیفہ بنا ڈالو ورنہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ سنئے:

قَالَ سَعُد فَاِنّي اَخَافُ اَنْ يَّكُوْن الضُّعُف قَدْ اَدْرَكَکَ فَامْضِ لِرَايک فَقَدْ عَرَفْتَ عَهْدَ عمر۔

''سعد بن وقاص نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ مجھے خوف ہے اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم پر کمزوری غالب آ گئی ہے تمہیں تو عثمان کو خلیفہ بنانے کیلئے عمر کا خیال بھی معلوم ہے لہٰذا فوراً اپنی طے شدہ رائے پر عمل کر ڈالو۔'' (طبری جلد 5 صفحہ 35 تا 38 شوریٰ)

(2) عبدالرحمٰن بن عوف علیؑ کو صاحبُ الامر حکمراں سمجھتے رہے

سعد بن وقاص کی مندرجہ بالا تاکید اور اس کے چلے جانے کے بعد عبدالرحمٰن کے اقدامات کو طبری نے یوں لکھا ہے کہ:

اَرْسَلَ المسور بن مخرمه اِلٰی علیؑ فَنَاجَاهُ طَوِيْلًا وَ هُوَ لَا يَشُکُّ اَنَّهُ صاحب الامر۔ (ایضاً)(طبری)

''عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے بھانجے اور داماد مسور بن مخرمہ کو بھیجا اور علیؑ کو بلایا اور اُن سے لمبا تخلیہ کیا اور عبدالرحمٰن کو قطعی شک نہ تھا کہ علیؑ یقیناً صاحب الامر (حکمران) ہیں۔ (نساء 4/59-60)

قارئین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ جن لوگوں کے قلوب و اذہان اور اعصاب پر حضرت علیؑ کی حقانیت اور حکومت سوار و مسلط ہو اُن کے کاموں اور ارادوں میں اُلجھنیں اور خامیاں رہ جانا قابل تعجب نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن کا یہ طویل خفیہ اور راز دارانہ مکالمہ لکھنے کے بعد طبری نے اس کا عثمان سے تنہا صبح تک باتیں کرنا لکھا ہے۔ پھر حضرت عمارؓ کی سخت گفتگو اور علیؑ مرتضٰی کی طرفداری میں اُن کی حق تلفی کرنے والوں کی مذمت لکھنے کے بعد سعد بن وقاص کو دوبارہ عبدالرحمٰن پر یوں تقاضا کرتے دکھایا کہ: **فقال سعد بن ابی وقاص یا عبدالرحمن اَفْرِغ قَبْلَ اَنْ يُّفْتَتَنَ النَّاس۔** (ایضاً طبری) ''سعد بن وقاص نے کہا کہ اے عبدالرحمٰن فتنہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے فارغ ہو جا۔''

(3) شوریٰ کی جانبداریوں میں ایک راز بھی بر سر کار رہ کر ناکام ہوا۔ عبدالرحمٰن؟

شوریٰ اسکیم میں جہاں چار رشتہ داروں کی کثرت مہیا کر کے اسے غیر جانبدارانہ انتخاب کا نام دیا گیا تھا وہیں عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں ایک زبردست حربہ بھی تھما دیا تھا۔ ابن خلدون نے کہا کہ:

ثُمَّ دَعَا عَبدَ الرَّحمٰن وَ قَالَ اُرِیدُ اَنْ اَعھِدَ اِلَیکَ؛ قال اَتَشِیرُ عَلَیَّ بِھَا؟ قَالَ لَا. قال و اللّٰہِ لَا اَتْقُلُ. قَالَ فَھَبْنِی صُمْتَ حَتّٰی اَعْھِدَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَفّٰی رسولُ اللّٰہِ وَ ھُوَ مِنھُمْ رَاضٍ؟ (ابن خلدون جزو ثانی صفحہ 124 تا 126 شوریٰ)

''پھر عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور کہا کہ میں خلافت کا یہ عہد تمہارے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں عبدالرحمٰن نے (بات واضح کرانے کے لئے) پوچھا کہ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے خلافت سونپنے کے لئے مشورہ کریں؟ کہا کہ نہیں (بلکہ تمہیں خلیفہ بنانے کا ارادہ کررہا ہوں) عبدالرحمٰن نے کہا کہ خدا کی قسم مجھ سے خلافت کا بوجھ نہ اُٹھایا جائے گا۔ عمر نے کہا کہ اگر واقعی یہ بات ہے تو تم اُس وقت تک میری اس بات پر خاموش رہنا مجھے ہبہ کردو جب تک میں خلافت کا یہ عہد اُن لوگوں کو حوالے نہ کردوں جن سے رسولؐ اللہ مرتے دم تک راضی تھے۔''

(4) <u>عمر کی ایک رازدارانہ چال جس سے عبدالرحمٰن ثالث بنے رہے؟</u>

یہاں عمر نے دو کام کئے اوّل یہ کہ اُس نے عبدالرحمٰن کا دل ٹٹول کر اُسکا ارادہ معلوم کرلیا دوم یہ کہ اُس گفتگو کو راز میں رکھنے کا وعدہ لیکر عبدالرحمٰن کو یہ حربہ دیدیا کہ وہ بحث کے وقت خلافت سے دست برداری سے اس شرط پر رضامندی حاصل کرلے کہ میں جسے خلیفہ بناؤں اُسے خلیفہ ماننا پڑیگا۔ یہ سبب تھا کہ عبدالرحمٰن برابر ثالث بنا رہا اور یہی سبب تھا کہ عمر نے اپنے بیٹے کو اُس پارٹی کو ووٹ دینے کی تاکید کی تھی جس پارٹی میں عبدالرحمٰن بن عوف ہو۔ مگر یہ تمام بے ایمانیاں، رازدارانہ اور اعلانیہ جانبداریاں تین روز تک برابر پٹتی چلی گئیں۔

(5) <u>رسولؐ اللہ عثمان اینڈ کمپنی سے خوش تھے یہ ایک دروغ بافی ہے خود عمر اُن سے خوش نہ تھے؟؟</u>

رسولؐ اللہ کا یارانِ عمر سے خوش رہنا تو بڑی بات ہے ہم تو یہ دکھاتے ہیں کہ عمر نے حضرت علیؑ پر خلافت کی حرص کا الزام عائد کیا تھا مگر اُس حرص کو ناحق یا بری حرص نہیں کہا تھا، مگر اس کے برخلاف عمر تو اپنے تمام ساتھیوں پر خلافت کی ناحق حرص کا جرم لگاتے رہے سنئے:

و فی المسند ایضاً عن ابی رافع اَنّہ قِیْلَ لِعُمر عند موتہ فی الاستخلاف فقال: قَدْ رَاَیْتُ مِنْ اصحابی حِرْصًا سَئِیاً....... الخ۔ (تاریخ الخلفا صفحہ 127)

''مسند احمد بن حنبل میں ابو رافع سے روایت ہے کہ بوقت وفات عمر سے خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کہا گیا تو عمر نے کہا کہ میں تو اپنے ساتھیوں میں خلافت کی بُری حرص دیکھتا رہا ہوں۔''

<u>تیسری خلاف ورزی:</u> عمر نے اہل شوریٰ چھ اشخاص کو ایک مکان میں پہرے کے اندر رہ کر فیصلہ کرلینے کی شرط لگائی اور مشورہ لینے کے لئے صرف اپنے بیٹے عبداللہ کو پاس رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اور انصار کے بڑے بڑے صحابہ کو اور امام حسن علیہ السلام کو اور عبداللہ بن عباس کو بطور خاموش مبصر موجود رکھنے کی ہدایت کی تھی اور پہرہ داروں کے سردار کو حکم دیا تھا کہ باہر سے کوئی آدمی اندر نہ جائے اور اندر سے کوئی شخص باہر نہ نکلے تاکہ شوریٰ کے ممبران بیرونی رائے عامہ سے متاثر نہ ہوسکیں۔ لیکن آپ تمام تاریخیں پڑھ جائیں ہر جگہ آپ کو عبدالرحمٰن بن عوف کا دن میں بھی اور راتوں کو بھی اپنے حلقۂ فکر میں چکر لگانا، اُن کی رائے اور مشورہ طلب کرنا (جیسا کہ ابھی ابھی گزرا) ملے گا جو عمر کی

ہدایت وشرط کے خلاف تھا۔اور اُن ہی ملاقاتوں میں عمرو بن العاص نے وہ ترکیب بتائی تھی جس سے چوتھے روز عبدالرحمٰن؛ عثمان کو خلیفہ بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

(1) علیؑ کی طرف داری کرنے والے سب پہرے میں نظر بند رہے

یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ عمر نے اُن تمام بااثر لوگوں کو خاموش مبصر بنا کر پہرہ کے اندر قید کر دیا تھا تا کہ وہ عوام الناس کو علیؑ کی طرفداری پر آمادہ کرنے سے روکے جاسکیں اور اندر والوں کو باہر کا اور باہر والوں کو اندر کا حال متاثر نہ کر سکے۔مگر یہ انتظام بھی تین دن میں خلافت عثمان کو نہ دلا سکا۔

چوتھی خلاف ورزی: یعنی ایک ایسی شرط جسے مان لینا اسلام کا پورا انکار تھا

اور چوتھے روز آخر عمر کی ہدایات کے خلاف اُن چاروں اشخاص میں سے عمرو بن العاص نے عمر کی اسکیم کو پروان چڑھایا جن میں سے معاویہ کو خلافت پہنچانے کے لئے عمر نے اس شوریٰ کا فریب اختیار کیا تھا۔

(1) ابوبکروعمر اور اُن کے دین وحکومت اور اعمال اور تصورات کو باطل ثابت کر کے خلافت چھوڑ دی

بہرحال چوتھے روز عبدالرحمٰن نے بڑے اطمینان سے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کرنے کے انداز میں کہا کہ میں آپ کو مسلمانوں پر خلیفہ بناتا اور بیعت کرتا ہوں بشرطیکہ آپ کتاب وسنت اور سیرتِ ابوبکروعمر پر عمل پیرا رہنے کا عہد کریں۔حضورؑ نے فرمایا کہ میں صرف کتاب وسنت اور اپنی بصیرت پر عمل کروں گا۔عبدالرحمٰن نے اپنی شرط تین مرتبہ پیش کی اور حضرت علی علیہ السلام نے تینوں مرتبہ سیرتِ ابوبکروعمر پر عمل کرنے سے انکار کیا۔عبدالرحمٰن نے یہی شرط عثمان کے سامنے پیش کی اور اُس نے ظاہر ہے کہ ہر حال میں منظور کرنا تھی لہٰذا عثمان خلیفہ ہو گیا۔اور ابوبکروعمر نے اپنا دین اور عاقبت فروخت کر کے جو حکومت اور مال دنیا کما کر جمع کیا تھا اُسے کھانے اور اپنے متعلقین کو کھلانے کے لئے:

''اس طرح اُٹھا کہ گویا وہ کنبہ پروری میں سب سے بازی لے جانے والا ہے؛ چنانچہ وہ اپنے چارے اور اپنی لید کے درمیان ڈٹ گیا؛ اور اُس کے آباواجداد کی اولاد بھی اس کے ساتھ ہم آہنگ ہوگئی اور اللہ کے اموال اور حقوق کو اس طرح نگلنا شروع کر دیا جیسے اونٹ برسات میں اگنے والی گھاس کو نگلتا ہے۔''(خطبہ نمبر 3 جملے 45 تا 47)

بہرحال عمر نے سیرتِ شیخین والی شرط نہیں لگائی تھی اس لئے فاروقی اسکیم کے مطابق عثمان خلیفہ نہیں بنا لہٰذا چوتھے روز بننے والا خلیفہ اور وہ بھی فاروقی شرائط کے خلاف بنائے جانے والا خلیفہ فاروقی قواعد کے منافی ومخالف وباطل ٹھہرتا ہے۔

(6) فیروز کا زندہ رہنا ثابت ہے گرفتاری اور خودکشی والی بات افسانہ ہے

علامہ محمد اسلم خارجی نے اپنی تاریخ اُمت میں لکھا ہے کہ ''حضرت عمر کے زخمی ہونے کے بعد ہی یہ خبر شائع ہوئی کہ اکیلا فیروز ہی اُن کا قاتل نہیں ہے بلکہ اس میں ایک جماعت شریک ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے بیان کیا کہ شام کے وقت (زخم لگنے کے دن) میں نے

دیکھا کہ ہرمزان اور جفینہ اور فیروز تینوں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ کوئی مشورہ کررہے ہیں۔ جب میں اچانک اُن کے قریب گیا تو وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن میں سے کسی کے پاس سے ایک خنجر گرا جس کے دونوں طرف دھار تھی۔ جب فیروز کا خنجر دیکھا گیا تو وہ ٹھیک اُسی قسم کا خنجر تھا جیسا عبدالرحمٰن نے بتایا تھا۔ چنانچہ جب اُس زخم سے حضرت عمر انتقال کر گئے تو عبیداللہ بن عمر نے غصہ میں جا کر ہرمزان کو قتل کر ڈالا۔ اِس کے بعد جفینہ کی طرف چلے یہ حیرہ کا رہنے والا ایک عیسائی غلام تھا جس کو سعد بن ابی وقاص مدینہ میں لائے تھے کہ بچوں کو کتابت سکھائے۔ حضرت صہیب کو جو اس وقت عارضی طور پر خلافت کا کام کرتے تھے، جب عبیداللہ کے اس فعل کی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے اُن کو گرفتار کر کے تلوار اُن کے ہاتھ سے چھین لی اور اُس وقت تک کے لئے قید کر دیا جب تک کوئی خلیفہ منتخب ہو۔''

(جلد2 صفحہ 154-155)

یہاں فیروز کا موقع واردات پر گرفتار یا موجود ہونا اور ساتھ کے ساتھ خودکشی کر کے مرجانا ایک فرضی افسانہ ثابت ہوگیا اور جس کا قتل کیا جانا مذکور ہوا اس کا عمر کے قتل میں کہیں شریک ہونا لکھا نہیں گیا۔ لہٰذا یہ بے گناہ قتل تھا اور حضرت علیؑ نے عبیداللہ کو قتل کئے جانے کا فتویٰ اسی لئے دیا تھا۔ مگر عثمان کو خلافت اس شرط پر دی گئی تھی کہ وہ ابوبکر و عمر کی پیروی کرے اور قتل اور زنا کی سزائیں پارٹی کے آدمیوں کو نہ دیا کرے۔ چنانچہ بعد میں عثمان کیا کرتا رہا اُسے جانے دو لیکن پہلے مقدمہ کے فیصلے میں یقیناً اُس نے ابوبکر و عمر کی سیرت پر عمل کیا تھا۔ عثمان کے باقی اعمال و اقدامات اگر کہیں ابوبکر و عمر کے مخالف معلوم ہوں تو انہیں مخالف سمجھنے کے بجائے یہ سمجھنا چاہیئے کہ عثمان کے اعمال و احکامات و اقدامات بظاہر مخالف ہیں لیکن اُن کی اسپرٹ بالکل ابوبکر و عمر کے مطابق تھی اور یہ کہ زمانہ، حالات و رسم و رواج بدل جانے پر ابوبکر و عمر ہی نے احکام و فتاویٰ کے بدل جانے کا قانون بنایا تھا لہٰذا عثمان کے مختلف و مخالف احکام بھی اُن دونوں کی مرضی کے مطابق تھے۔

(7) شوریٰ پر مرتضویؑ اعلان اور پیشگوئی

شوریٰ کے متعلق نمایاں قسم کی جانبداریاں، مجرمانہ اور خفیہ مکر و حیلے آپ کے سامنے سے گزر گئے۔ اب یہ بھی دیکھ لیں کہ جیسے ہی عبدالرحمٰن بن عوف نے اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا اَمِيْرَ الْمؤمنين کہہ کر عثمان کی بیعت کی تو حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لَيْسَ هٰذَا اَوَّلَ يَوْمٍ تَظَاهَرْتُمْ فِيْهِ عَلَيْنَا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ، وَ اللّٰهِ مَا وَلَّيْتَ عثمان اِلَّا لِيَرِدَ الْاَمْرَ اِلَيْکَ ......دَقَّ اللّٰهُ بَيْنَكُمَا عطر المنشم (تمام تواریخ)

''یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے خلافت کو ہم سے چھین لینے میں غلبہ اور گٹھ جوڑ کیا ہو۔ ہمارے لئے پسندیدہ صبر کرتے رہنے میں بھلائی ہے اور جو کچھ تم کرتے چلے آرہے ہو اُس پر اللہ ہی ہماری اعانت کرنے والا ہے۔ اور خدا کی قسم اے عبدالرحمٰن تم نے عثمان کو اس غرض سے خلیفہ بنایا ہے تا کہ وہ تمہیں خلافت کے اختیارات واپس کر دے۔ خدا تمہارے درمیان منشم کا عطر چھڑک دے۔''

(یعنی تم میں پھوٹ ڈال دے)

نوٹ: منشم ایک عورت کا نام تھا جو مُردوں کے لئے کفن، خوشبوئیں اور عطر فروخت کرتی تھی۔ چنانچہ جہاں جہاں وہ عورت مشہور تھی اُن

علاقوں کے لوگ جنگ و جدل یا کسی کو کوسنے کے وقت یہ جملہ استعمال کرتے تھے کہ تم لوگوں میں اللہ اُس عورت سے مرنے والوں کا سامان خریدنے کا بندوبست کرے۔

(15۔و) عثمانی خلافت کی مختصر کارگزاریاں اور حضرت علیؑ کے بیانات کی تصدیقات

عثمان نے عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد اگر سو فیصد فاروقی طرزِ حکومت پر عمل کیا ہوتا تو حکومت کی شانِ خسروانہ میں مزید استحکام ہونے کی امید کی جاسکتی تھی۔ مگر انہوں نے اپنے فاروق سے جو کچھ سُنا تھا اس کا مطلب یہ سمجھا کہ تمام بنی امیہ کو مضبوط پوزیشن دی جائے تاکہ وہ علیؑ اور خاندانِ رسالتؑ کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہوسکیں۔ چنانچہ انہوں نے بنی امیہ کو تمام کلیدی عہدوں پر تعینات کیا اور ایسے قوانین وہدایات جاری کیں جن سے بنی امیہ جہاں جہاں بھی ہوں مالی اور افرادی قوت میں سب سے بڑھ جائیں۔ چنانچہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے لیکن اُن کے قوانین وہدایات سے اُن تمام لوگوں نے بھرپور فائدہ اُٹھایا جو فاروقی عہد ہی میں لکھ پتی بن چکے تھے۔ چنانچہ قریشی صحابہ اور بنی امیہ کے افراد میں رسہ کشی اور مقابلہ شروع ہوگیا اور یہی مقابلہ درحقیقت عثمان کو نہایت ذلیل قتل اور گور کنارے تک لے گیا۔ عمر کا حضرت علیؑ اور عثمان سے یہ کہنا کہ ''تم بنی ہاشم میں سے یا تم بنی امیہ میں سے کسی کو بھی مسلمانوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا'' یہ مطلب نہیں رکھتا کہ تم دونوں ان دونوں قبیلوں میں سے کسی کو گورنر یا عامل یا عہدیدار نہ بنانا اور کہیں اور سے مختلف محکموں کے افسران امپورٹ کرنا، بلکہ اُن کا مطلب یہ تھا کہ تم اس حکومت کو خاندانی یا موروثی نہ بنالینا۔ اور یہ احساس نہ پیدا ہونے دینا کہ تم قبیلہ یا کنبہ پروری کی بنا پر نا قابل لوگوں کو اقتدار میں لا رہے ہو اور قابل وتوانا لوگوں کو نظرانداز کرتے جارہے ہو۔ یہ صحیح ہے کہ عثمان نے ایسا کیا ہوتا تو مستقبل میں جو کچھ پیش آیا عثمان اُس سے بچ جاتے۔ یعنی علیؑ مع اپنے خاندان کے حکومت ہی سے محروم نہ رہتے بلکہ اُن کی غربت و افلاس اور کسمپرسی میں مزید اضافہ ہوجاتا اور عثمان کے آخری ایام تک حکومت معاویہ تک منتقل کرنا آسان تر ہوجاتا۔ وہ چاہتے تھے کہ عثمان، صحابہ اور مہاجرین وانصار کا وہی ماحول برقرار رکھیں جو عمر نے بڑی کدّ وکاوش اور حسنِ سیاست وتدبر سے بڑی قوت کے ساتھ پیدا کیا تھا۔ اُس ماحول میں قریش دل وجان سے اُن کے ہمنوا تھے۔ اختلاف کرنے والوں کی کثرت کو خوشحالیوں اور فارغ البالیوں کے حسین جال میں بند کر کے ہمنوا بنالیا تھا۔ حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ اور چند گنتی کے لوگ نہ تو خوش تھے اور نہ عمر اُن کو خوش رکھنے کی احتیاج محسوس کرتے تھے۔ البتہ اُن کا منہ بند رکھنا اور کبھی کبھار منہ سے نکل جانے والی آواز کو مدینے کے باہر نکلنے سے روکے رکھنا اُن کے لئے نہایت ضروری تھا اور اس کے لئے اُن کا نہایت کامیاب وقاہرانہ نظام موجود تھا۔

مدینہ میں صحابہ کی نظربندی کا استقلال اب ناگوار نہ گزرتا تھا اس لئے کہ گھر بیٹھے ہر شخص کو دُنیا کی تمام آسائشیں حاصل تھیں، رفتہ رفتہ ضعیفی بھی آرہی تھی، عمر رسیدگی کے عالم میں کوئی گھر سے نکلنا اور سفر کی زحمتیں برداشت کرنا پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا تقریباً پُرامن رہ کر اپنے بچوں میں رہنا، نماز وعبادات میں وقت گزارنا بھلا معلوم ہونے لگا تھا۔ ''جس کو ملے یُوں، وہ نوکری کرے کیوں؟'' کے اصول پر اہلِ مدینہ چلے جارہے تھے لہٰذا انہیں سنبھال کر رکھنا عثمان کے لئے مشکل نہ تھا۔ وہ معاویہ سے مدینہ کی چھاؤنی کے لئے ایسی فوج منگا سکتے تھے

جو صحابہ تو صحابہ تھے رسولؐ اللہ اور ازواجِ نبیؐ کو بھی ٹھکانے لگا سکتے تھے جو اپنے حاکم کے حکم سے کعبہ اور مسجد نبویؐ کو مسمار کر سکتے تھے۔ لہٰذا کسی گوشے سے عثمان کے خلاف کوئی آواز تو آواز ہے بلند آہ بھی باہر نہ نکل سکتی تھی۔ ابھی ابھی اُنہوں نے سنا تھا کہ اگر ایک شخص اختلاف کرے یا تین اشخاص یعنی آدھی جماعت سرِ تسلیم خم نہ کرے تو بلا دریغ قتل کر دیئے جائیں اور عمر کے اس کہنے کی بھی پرواہ نہ کی جائے کہ اُن قتل ہونے والوں سے رسولؐ اللہ مرتے دم تک خوش تھے یا کہ وہ جنتی تھے۔ اس لئے کہ قتل ہونا اور وہ بھی خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں قتل ہونا جنت میں جانے سے نہیں روکتا۔ اور یہی نہیں بلکہ تاریخوں میں یہ بھی ریکارڈ کیا گیا ہے کہ ''اگر تین دن کے اندر بھی وہ چھ صحابہ کسی ایک خلیفہ پر متفق نہ ہوسکیں تو سب کو قتل کر دیا جائے۔'' یہ احکامات مجمعِ عام میں سب کے سامنے کھلے الفاظ میں دیئے گئے تھے اور اُن چھ اشخاص میں سے کسی کو یا کسی اور کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اختلاف رائے پر قتل کر دیئے جانے کا حکم کونسی آیت یا حدیث یا خود تمہارے قانون کی رو سے جائز ہے؟ یہ شان تھی اس حکومت واقتدار کی جسے عثمان تک پہنچانے اور علیؑ سے بچانے کے لئے تمام فاروقی مکروفریب و حیلے بر سرِ کار لائے گئے تھے۔ لیکن صبرِ مرتضوی کی لطیف و غیر مرئی افواج چاروں طرف سے حملہ آور تھیں اور فاروق اینڈ کمپنی کی کامیابیاں، کامرانیاں اور جبر و اقتدار دراصل اُن کی شکست و ریخت کا سامان بنتا چلا جارہا تھا۔ اُن کا زوال اُن کے اطمینان کے معیار پر صورت بدل بدل کر اُن کے سامنے ناچ رہا تھا۔ وہ اپنی مادہ پرست آنکھوں سے اُن داخلی اور قدسی صفات قوتوں کو دیکھنے سے قاصر رہتے چلے گئے جو اُن کی ہر کوشش کو صفر سے ضرب دے رہی ہیں۔ جنہیں وہ کامیابیاں سمجھتے تھے وہی اُن کی تباہیاں تھیں، جنہیں وہ اپنا ہمدرد و دوست سمجھتے تھے وہی اُن کے ساتھ ہمدردی سمجھ کر دشمنانہ سلوک کررہے تھے اور اُن کی سمجھ میں آخر تک یہ حقیقت آ ہی نہ سکی کہ جن لوگوں کو وہ اپنا دشمن سمجھتے رہے وہی اُن کے حقیقی ہمدرد اور دنیا و آخرت میں نجات دہندہؑ ہیں۔

(1) عثمان کی اپنے خیر خواہوں، عزیزوں دوستوں اور حکومت دلانے والوں پر نوازشات

اس عنوان میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قریشی قوم کا تیسرا سربراہ یا خلیفہ کس طرح اپنے پہلے ساتھیوں یا خلفا سے قوم پروری اور اقربانوازی میں بازی لے جاتا ہے اور مال خدا کے کھانے اور قوم کو کھلانے میں اپنی لید اور گندگی سے بھی بچنے کی فکر نہیں کرتا؟ اور اس سے ہم آہنگ اور ہمنوا ہوجانے والے لوگ اس کے ساتھ کہاں تک اور کیسا تعاون اور سلوک کرتے ہیں۔ (خطبہ نمبر 3، جملے 45 تا 47)؟

(2) علامہ پرویز کے پسندیدہ عالم اور طلوعِ اسلام کی شائع کردہ کتاب سے ایک سرسری اور چالو بیان

یہ سب کچھ دکھانے کے لئے پہلے ہم قریشی مذہب کے ایک ایسے عالم کے قلم سے پیش کرنے کی بسم اللہ کرتے ہیں جو ادھر علامہ غلام احمد پرویز کو پسند ہے اور اُدھر اُسے ثلاثہ اینڈ کمپنی اور اُن کا مذہب و خلافت پسند ہے اور جس کی کتاب کو علامہ پرویز کے ادارہ طلوعِ اسلام نے شائع کرایا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین فرماتے ہیں کہ:

''ہم جانتے ہیں کہ حضرت عمر کا یہ متشددانہ عمل جسے اُنہوں نے اپنے اور اپنے کنبے کے لئے روا رکھا تھا لوگوں کے دلوں پر گراں گزرا تھا۔ اور یہی باعث تھا کہ عورتیں حضرت عمر سے نکاح کرنا پسند نہ کرتی تھیں اور اسی چیز نے بعض عورتوں کو حضرت عمر کا پیغام مسترد

کرنے پر مجبور کیا۔ ذرا مقابلہ کیجئے حضرت عمر کے اس طرزِ عمل کا حضرت عثمان کے طرزِ عمل سے جب کہ اُنہوں نے بیت المال کے ہیرے کا اپنی ایک اہلیہ کو زیور پہنایا اور پھر لوگوں کے اعتراض پر انہیں یہ جواب دیا:

''خواہ کوئی کتنا ناک بھوں چڑھا تا رہے ہم اپنی جملہ ضروریات اِسی مالِ غنیمت سے پوری کریں گے۔''

ہمیں تکلیف ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کا طرزِ عمل خلافت کے بارے میں بِعَینِہٖ وہی ہے جو زیاد بن سمیہ (علیہ اللعن) نے اپنے اس مشہور خطبے میں پیش کیا تھا:

اَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّا قَدْ اَصْبَحنَا لَکُمْ سَاسَةً وَّ عَنْکُمْ زَادَةً نَسُوْسُکُمْ بِسُلْطَانِ اللّٰهِ الَّذِیْ اَعْطَانَا وَ نَذُوْدُ عَنْکُمْ بِفَیْءِ اللّٰهِ الَّذِیْ خَوَّلَنَا ۔(یعنی) ''اے لوگو! ہم تمہارے حاکم ومحافظ بنائے گئے ہیں۔ ہم تم پر حکومت کرتے ہیں اُس اختیار کی رُو سے جو خدا نے ہمیں عطا کیا ہے اور تمہاری حفاظت کرتے ہیں اس مالِ غنیمت کے عوض جو خدا نے ہمیں بخشا ہے۔''

اِس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم حضرت عثمان کی اس روایت کو حیرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے کہ: ''حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ پر اور اپنے اقربا پر زیادتی کرتے تھے مگر میں خدا کی خوشنودی کیلئے صلۂ رحمی کرتا ہوں۔''

گویا حضرات ابوبکر وعمر کے اجتہاد نے اُنہیں اپنے اقربا پر ظلم وزیادتی سکھائی اور حضرت عثمان کے اجتہاد نے اُنہیں اپنے اقربا کے ساتھ صلۂ رحمی کے نتیجے پر پہنچایا اور اس طرح اُنہوں نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا۔ اس تجزیے کے بعد ہمیں حضرت عثمان سے متعلق ان روایات کی صحت کے بارے میں کوئی بحث کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مروان بن حکم (اپنے چچازاد بھائی) کو افریقہ میں مسلمانوں کے حاصل کردہ مالِ غنیمت کا خمس (1/5) (جو قرآن کی رُو سے رسولؐ اور خانوادۂ رسولؐ کا حق ہوا کرتا تھا۔ انفال 8/41 احسن) یا خمس (1/5) کا ایک بٹا پانچ (1/5) (یعنی ٹوٹل غنیمت کا پچیسواں (1/25) حصہ) یا خمس کی قیمت میں سے جو اُس کے ذمہ باقی بچی تھی بخش دی تھی۔

2 نیز یہ کہ اُنہوں نے اپنے چچا حکم کو دولت سے نوازا۔ حکم کے بیٹے حارث کو تین لاکھ؛ عبداللہ بن خالد بن اسید اموی کو تین لاکھ اور عبداللہ بن خالد کے ہمراہ آنے والوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم بخشے حتیٰ کہ بیت المال کے خزانچی عبداللہ بن ارقم نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا اور اپنے منصب سے مستعفی ہو گئے۔ عبداللہ بن ارقم کے مستعفی ہونے کے بعد خود اُن کو تین لاکھ درہم بخش دیئے مگر اُنہوں نے اپنے زہد وتقویٰ کی بنا پر اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح حضرت عثمان نے حضرت زبیر بن العوام کو چھ لاکھ درہم اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعد بن العاص کو ایک ایک لاکھ درہم دیئے۔ اپنی تین یا چار بیٹیاں قریش میں بیاہیں اور اُن میں سے ہر ایک کے شوہر کو ایک ایک لاکھ درہم تفویض کئے...... حضرت عثمان اس قسم کی بخشش دینا اپنا حق سمجھتے تھے۔ وہ بیت المال کے خزانچی کو اس کا مجاز نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اس ضمن میں اُن کی حکم عدولی کرے یا اُن سے بحث وتمحیص کرے...... ظاہر ہے کہ ان حالات میں حضرت عثمان کے عُمّال (گورنر وغیرہ) بھی مال کے معاملے میں اپنے امام کی اقتداء کرتے ہوں گے لہٰذا انہوں نے بھی سخاوتیں کیں۔ ظاہر ہے کہ جب امام

اور اُن کے عُمّال اموال عامہ کو اس طرح بے دریغ خرچ کر رہے ہوں۔ (جیسے موسم برسات کی ہری ہری گھاس اونٹ نگلتے ہیں خطبہ نمبر 3 جملہ 47) تو لشکریوں کا محتاجِ مال ہونا اور محروم رہنا کوئی تعجب خیز بات نہیں..... کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے حارث بن حکم کو بنی قضاعہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا اور واپسی پر جو کچھ وہ لایا تھا اُسی کو بخش دیا تھا۔ جب اموالِ عامہ کو اس بے دردی سے اڑایا جا رہا ہو (خطبہ 3 جملہ 47) تو کوئی عجیب بات نہیں کہ بیت المال کو اخراجاتِ جنگ وامن اور امام وعُمّال کی سخاوتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے رعیت پر سختی اور خراج وجزیہ وزکوٰۃ کی وصولی میں جبر ودباؤ تک نوبت پہنچ گئی ہو۔ اس صورتِ حال سے اُس روایت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مصریوں نے عبداللہ بن سعد کے ظلم کا کیوں شکوہ کیا تھا؟ اور حضرت عمرو بن العاص نے کیوں کہا تھا کہ ''لیکن اونٹنی کے بچے تو مر گئے۔'' (یعنی خراج تو واقعی مجھ سے زیادہ وصول ہوا مگر رعیت نادار وتباہ ہوگئی) اسی سے اُس روایت کی بھی تشریح ہو جاتی ہے کہ کس طرح حکام وصولیٔ صدقہ اور زکوٰۃ میں صحرانشینوں اور دیہاتیوں پر ظلم کرتے تھے، اور پھر وہ ظلم حضرت عثمان کی طرف منسوب ہو جاتا تھا۔ نیز یہ بھی کہ جب اُس ظلم کی شکایتیں حضرت عثمان تک پہنچتی تھیں تو وہ اُس ظلم کا کوئی تدارک نہیں کرتے تھے۔

مزید برآں یہ کہ حضرت عثمان کی اس سخاوت کا سلسلہ جائیدادِ منقولہ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ بڑھ کر جائیدادِ غیر منقولہ پر بھی اثر انداز ہوا۔ چنانچہ لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف یہ بھی شکایت تھی کہ انہوں نے محروسہ علاقوں میں بنی اُمیہ کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر دی ہیں۔ حضرت عثمان کے اس اقدام کی حمایت میں اہل سنت اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے یہ سب کچھ زمین کی اصلاح اور اُسے قابلِ کاشت بنانے کے لئے کیا تھا اور اس سے مسلمانوں کی بہتری مقصود تھی۔ شیعہ حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ خود حضرت عثمان نے کبھی اپنے حق میں یہ عُذر پیش نہیں کیا۔ شیعہ یہ اعتراض بھی کر سکتے ہیں کہ تمام قریش میں صرف بنی امیہ ہی زمین کی اصلاح کے ماہرِ خصوصی نہیں تھے۔ پھر یہ کہ سارے عرب قبائل میں صرف قریش ہی زمینوں کو زرخیز بنانے کی مہارت خصوصی نہیں رکھتے تھے۔ نیز یہ کہ تمام مسلمانوں میں محض عرب ہی غیر آباد زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے میں ماہرینِ خصوصی نہیں تھے۔ غرضیکہ یہ تمام کا تمام سلسلہ محض حضرت عثمان کے اس تصورِ خلافت کی بدولت چل رہا تھا جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (مثلاً زیاد بن سمیہ کا خطبہ) اور حضرت عثمان اور اُن کے عُمّال کی یہ روش اُسی تصور کے ایمان پر مبنی تھی...... ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ اس انقلاب نے اسلام میں جاگیردارانہ نظام پیدا کر دیا تھا اور اگر ہم اس میں اُن سخاوتوں کا بھی اضافہ کر لیں جو امام اور اُس کے عُمّال کی طرف سے اموالِ عامہ میں سے بنی اُمیہ اور قریش کو ملتا تھا اور جس نے اُنہیں اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ مفتوحہ علاقوں میں زمینیں خرید سکیں تو یہ سب کچھ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عثمان کی مالی سیاست سے دو نتیجے برآمد ہوئے اور وہ دونوں بُرے تھے۔ ایک اموالِ عامہ کا غیر واجب خرچ جو مالی پریشانی اور رعیت پر ظلم وزیادتی کا باعث ہوا۔ دوسرا اُس دولتمند اور فضول طبقہ کا ظہور جس کی حرص اور آز کی کوئی حد نہ تھی جو اپنی ملکیت زمین کو بڑھائے چلا جا رہا تھا اور کسان کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ مزید برآں یہ کہ وہ طبقہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز خیال کرنے اور اقتدار وتسلط میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگا تھا اور بالآخر یہ باہمی رقابت اور منافست وامارت سے بڑھ کر خود خلافت میں بھی ہونے لگی۔ اور اس کا سلسلہ اُن

فسادات ومصائب تک پہنچا جنہوں نے قتلِ عثمان کے وقت سے لے کر بنی امیہ کے زوال اور بنی عباس کے آغاز تک مسلمانوں کے سارے نظام کو درہم برہم کئے رکھا۔'' (فتنۃ الکبریٰ صفحہ 422 تا 427)

علامہ طہٰ حسین کا یہ بیان اور مزید آنے والے تاریخی بیانات دراصل اُن چیدہ چیدہ بیانات کی تمہید کے طور پر پیشگی تصدیق اور راہیں کھولنے کے لئے لکھے جارہے ہیں تا کہ ہمارے بیانات پر کسی کو اعتراض نہ رہ جائے۔

(3) حضرت عثمان کا اپنے مخالفین کے ساتھ طرزِ عمل

اب آپ علامہ کا قائم کردہ عنوان پڑھیں اور اس عنوان کے ماتحت اُن کے لکھے ہوئے حالات سے عثمان اور اُس کی خلافت اور پالیسی کو سمجھنے میں مدد لیں، فرمایا کہ:

''مسلمانوں نے حضرت عثمان کے اس طرزِ عمل پر بھی اعتراضات کئے جو انہوں نے اپنے اوپر تنقید کرنے والوں اور مخالفوں کے ساتھ روا رکھا......حضرت عمر شرعی حدود کے سوا کسی حالت میں بھی لوگوں کو مارنے (پیٹنے) کی سزا دینے کے روادار نہ تھے۔ وہ کسی ایسے سرکاری عہدہ دار کو جو شرعی سزا کے علاوہ رعیت کو مارتا پیٹتا یا ناحق کسی پر زیادتی کرتا، بغیر قصاص لئے کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان کی طرف سے اہلسنت اور معتزلہ حضرات کتنے ہی عذر کیوں نہ پیش کریں اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اُنہوں نے خود بھی رعایا پر زیادتی کی اور اپنے عُمّال کو بھی رعیت پر سختیاں اور زیادتیاں کرنے، مارنے، پیٹنے اور جلاء وطن اور قید کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ خود اُن کے ہاتھوں یا اُن کے حکم سے رسولؐ خدا کے دو جلیل القدر صحابی پٹے۔ حضرت عمارؓ بن یاسر کو اس طرح مارا گیا کہ فتق کا عارضہ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کو مسجد نبویؐ سے بڑی سختی اور ذلت کے ساتھ دھکے دے کر نکلوایا گیا کہ اُن کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ اُن دونوں بزرگوں نے حضرت عثمان پر خواہ کیسی ہی سخت تنقید اور طعن و تشنیع کیوں نہ کی ہو۔ کتنا ہی اُن کو بدنام کیوں نہ کیا ہو۔ ہمارے پاس کوئی ایسی اطلاع نہیں کہ حضرت عثمان نے اُن کے خلاف مقدمہ چلایا ہو یا اُن کے خلاف عائد کردہ الزام پر کوئی پختہ ثبوت فراہم کیا ہو یا اُن میں سے کسی ایک کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا ہو۔ اُنہوں نے اُن کے متعلق جو کچھ اپنے عُمّال یا مُقربین سے سُنا اس پر کُلّی اعتماد کر کے بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے اُنہیں سزا دے دی۔ حالانکہ اُنہیں اس قسم کا کوئی حق نہ پہنچتا تھا۔ اہلسنت اور معتزلہ میں سے حضرت عثمان کے حامی یہ کہتے ہیں کہ امام کو سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ ہمیں اس میں بھی کوئی شک یا اعتراض نہیں بشرطیکہ مسلمان کو اُسی وقت سزا دی جائے جبکہ اُس کے خلاف جرم ثابت ہو جائے اور وہ سزا کا مستحق ہو جائے۔ اور نیز یہ کہ مجرم سے جواب طلبی کر لی جائے اور اُس کا عذر سنا جائے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ حضرت عثمان نے حضرت عمارؓ یاسر یا ابن مسعود کے خلاف تحقیقات کی یا مقدمہ چلایا ہو۔ اسی طرح انہوں نے بنفس نفیس حضرت ابوذر غفاریؓ پر سختی کی یہاں تک کہ اُنہیں جلاء وطن کر دیا یا جلاوطنی پر مجبور کر دیا۔ کسی خاص جرم کی پاداش میں نہیں بلکہ محض اس لئے کہ حضرت ابوذرؓ اموال عامہ سے متعلق حضرت عثمان کی حکمتِ عملی پر معترض تھے اور اس نظامِ اجتماعی کو ناپسند کرتے تھے جس نے دولت مندوں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا تھا۔ اور اُن کے لئے زر و سیم جمع کرنے اور بے شمار جائیدادیں حاصل کر لینے کا سامان مہیا کر دیا تھا......

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اُس نے خلیفہ کے پاس شکایت کرنے والے بعض افراد کو اس قدر زدوکوب کیا کہ اُن میں سے ایک کی موت واقع ہوگئی۔ آخر مجبور ہو کر مہاجرین اور انصار اور ازواجِ رسولؐ نے حضرت عثمان پر زور دیا کہ وہ مصریوں سے اُن کے عامل کے ظلم کا انصاف کریں۔ چنانچہ حضرت عثمان نے اُس کا ارادہ بھی کیا (کیسے معلوم ہوا؟ احسنؔ) لیکن عملی طور پر اپنا ارادہ پورا نہ کر سکے (کیوں) اس سخت گیر سیاست کا جس نے خلیفہ اور اُن کے عُمّال کو لوگوں کو جسمانی اذیتیں پہنچانے اور عوام کے امن وحریت سلب کرنے پر مسلط کر رکھا تھا بھلا سیرتِ رسولؐ اکرم اور حضرات ابوبکر وعمر کے طرزِ عمل سے کیا تعلق تھا؟'' (ایضاً صفحہ 432 تا 435)

ہم جناب طٰہٰ حسین پر اس لئے کوئی ریمارک دینا پسند نہیں کرتے کہ وہ مسلمانوں کا جمود توڑنے کی مہم چلانے والے علما میں سے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بات سننے اور غور کرنے پر رضامند کر لئے جائیں۔ اور یہی سبب ہے کہ پرویز نے بعض مصری علما کی کتابوں کو شائع کرایا ہے۔ مگر وہ جمود ٹوٹنے کے بعد ایک دوسری قسم کا جمود طاری کرنے کی فکر میں رہے ہیں اور دوسروں کے کاندھے میں لگا کر بندوق چلواتے رہے ہیں۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ طٰہٰ حسین جمہوری دباؤ سے بچ کر لکھنے پر مجبور ہیں وہ عثمان کو اپنی تحریروں میں ان سب بے دینیوں کے باوجود اپنا امام مانتے ہیں اور انہوں نے بھی حد بھر کوشش کی ہے کہ عثمان کا دامن صاف کریں مگر جگہ جگہ مجبور ہوتے گئے ہیں۔

(4) رسوؐل کی اور ابوبکر وعمر کی سیرت پر عثمان نے کیسا شاندار عمل کیا تھا؟

اب ہم اُن کے قلم سے عثمان کے چند نہایت شرمناک اور رسولؐ اللہ کے مخالف اقدامات دکھاتے ہیں جن کو مجبور ہو کر طٰہٰ حسین نے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن بڑے ہلکے پھلکے اور ڈھیلے انداز میں یوں لکھا ہے کہ:

''معترضین نے حضرت عثمان کی ایک اور کارکردگی کو بھی ناپسند کرتے ہوئے اس پر اعتراض کیا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ اس اعتراض کا اُن کی طرف سے کوئی معقول جواب نہیں دیا جا سکتا۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے چچا حکم بن ابی العاص اور اُن کے خاندان کو مدینہ کیوں واپس بلا لیا جب کہ رسولؐ خدا نے انہیں بڑی سختی کے ساتھ مدینہ سے نکال دیا تھا۔ عہدِ جہالت میں حکم بن ابی العاص کا گھر رسوؐل خدا کے گھر سے ملا ہوا تھا اور حکم اپنے کریم الخصلت ہمسائے کو شدید ترین اور قبیح ترین ایذا پہنچایا کرتا تھا۔ حکم بن ابی العاص وہی شخص ہے جس نے خود حضرت عثمان کی ایمان لانے کی وجہ سے مشکیں کس دی تھیں اور یہ قسم کھالی تھی کہ جب تک وہ اپنے آبائی دین کی طرف نہ لوٹ آئیں گے اُنہیں نہیں چھوڑے گا اور پھر انہیں اُس وقت چھوڑا جب اُن کی طرف سے پوری طرح مایوس ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو کر مدینہ چلا آیا۔ لیکن اس کا اسلام محض موت سے بچنے کا ایک حیلہ تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ رسولِ خدا کو اپنے قول وفعل سے بدستور ایذا پہنچاتا رہا۔ وہ آپ کے پیچھے رہتا تھا آنکھیں مچکاتا (مٹکاتا) اور آپ کے حرکات کی نقل اتارتا آپ کا تمسخر اڑاتا تھا۔ ایک روز یہ بلا اجازت اچانک آپ کے کسی حجرے میں داخل ہو گیا آپ غصے میں باہر نکل آئے۔ جب آپؐ نے اُسے پہچانا تو فرمایا کہ کوئی ہے جو مجھے اس لیچڑ سے نجات دلائے؟ ازاں بعد آپؐ نے اُسے مدینہ شریف سے نکال دیا اور فرمایا ''اس شہر میں کبھی بھی یہ میرے ساتھ سکونت نہیں کرے گا۔'' حضرت عثمان نے رسولِؐ خدا سے اس کی واپسی کے بارے میں سفارش کی لیکن آپؐ نے اُسے واپس نہ آنے دیا پھر حضرت

عثمان نے یہی درخواست ابوبکر کے سامنے پیش کی اُنہوں نے بھی انکار کر دیا۔ پھر حضرت عثمان نے یہی درخواست حضرت عمر سے کی اُنہوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ حضرت عثمان کو ڈانٹتے ہوئے آئندہ بھی حکم کے معاملے میں گفت وشنید سے منع کر دیا۔لیکن جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو اُنہوں نے حکم کو مدینہ واپس بلا لیا اس بات پر مسلمانوں نے اعتراض کیا۔ بڑے جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ علیہم حضرت عثمان کے پاس آئے اور اس عمل پر سرزنش کی۔ حضرت عثمان نے اُن سے کہا کہ جب میں نے حضوؐر اکرم سے حکم کی واپسی کے لئے کہا تھا تو آپ نے اس سلسلے میں مجھے بالکل مایوس نہیں کیا تھا اور واپسی کا حکم جاری کرنے سے پہلے ہی آپؐ فوت ہو گئے۔ حضرت عثمان کی طرف سے عذر پیش کرنے والے اہل سنت ومعتزلہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے خیال میں حضوؐر اکرم کا حکم اور اُس کے خاندان کو مدینہ سے نکال دینا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کوئی قطعی حکم نہ تھا۔ کیونکہ جلاء وطن شخص کا اپنی اصلاح کر لینا ممکن ہے اور ایسی صورت میں اُسے معاف کر کے وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے علم میں یہ تھا کہ رسوؐل خدا حکم کی واپسی پر رضامند تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر وعمر نے حضرت عثمان کی اس بات کو تسلیم نہ کیا کیونکہ اس بات کا علم تنہا حضرت عثمان کو تھا لہٰذا صرف اُن کی شہادت کافی نہ تھی۔ لیکن جب وہ خلیفہ ہو گئے تو اُنہوں نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ صادر کر دیا۔ اور امام کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ دوسری طرف حضرت عثمان کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت اور نمائشی اسلام لانے کے بعد حکم کا آنحضرؐت کے ساتھ طرزِ عمل، پھر رسولؐ خدا کا یہ فرمان کہ کوئی ہے جو مجھے اس لیچڑ سے نجات دلائے اور اُسی طرح آپ کا یہ قول کہ مدینہ میں کبھی بھی یہ میرے ساتھ سکونت نہیں کرے گا وہ امور ہیں جو حضرت عثمان کو حکم کے واپس بلانے سے روکتے ہیں۔ اور امام کے لئے یہ زیبا نہ تھا کہ محض اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر دیتا۔ بالخصوص جبکہ لوگوں کو اس فیصلے کی وجہ سے امام پر کنبہ پروری کا شبہ بھی ہو سکتا تھا اس لئے کہ حکم حضرت عثمان کا چچا تھا۔ صرف اسی ایک شبہ کا احتمال ہی اتنا وزن رکھتا تھا کہ حضرت عثمان حکم کو مدینہ واپس بلانے سے رُک جاتے۔ اور جب اس کے ساتھ رسولؐ خدا کے اس فرمان کا بھی اضافہ کر دیا جائے کہ ''وہ مدینہ میں کبھی میرے ساتھ سکونت نہیں کرے گا'' تو آپ کی حُرمت کا کم از کم تقاضا یہ تھا کہ حضرت عثمان حکم کو جسے رسولؐ اکرم نے تادمِ آخر مدینے میں اپنے ساتھ سکونت پذیر نہ ہونے دیا تھا آپکی وفات کے بعد، وہ اُسے مدینہ میں لاکر آپ کے ساتھ نہ بساتے۔ بعد میں حکم اور اُس کے بیٹوں کے ساتھ حضرت عثمان کے طرز عمل نے یہ بتا دیا کہ اُنہوں نے حکم کے خاندان کی سرپرستی کرنے نیز مالی اور سیاسی امور میں اُن سے مدد لینے کے لئے انہیں واپس بلایا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے حکم کو بہت سی دولت عطا کی اور جب حکم مرا تو انہوں نے اُس کی قبر پر شامیانہ لگایا۔ اُنہوں نے حکم کے بیٹے حارث کو شہر مدینہ کی منڈی کا نگراں مقرر کیا۔ لیکن اُس نے لوگوں پر زیادتی کی اور خود اپنے آپ پر بھی۔ اس کا طرز عمل امانت اور پاکبازی کے بجائے حرص وطمع اور حُبِّ مال وزر کا آئینہ دار تھا۔ حضرت عثمان نے اسی بات پر بس نہ کیا بلکہ حارث کو بہت سا مال بھی دیا جس کا ذکر (ہم پہلے نمبر 2 میں کر چکے) آگے آئے گا۔

پھر حضرت عثمان نے مروان بن حکم پر خصوصی نوازشات کیں، اُسے مال دیا اور مقرب بنا کر اپنا وزیر ومشیر مقرر کر لیا۔ یہ ساری باتیں اس

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عثمان نے حکم اور اس کے بیٹوں کو صرف رحم وکرم کی وجہ سے واپس نہیں بلایا تھا بلکہ اس کے بلانے سے مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت عثمان کے دست وباز و بن جائیں۔'' (الفتنۃ الکبریٰ صفحہ 403 تا406)

(5) ڈاکٹر طہٰ حسین کے چنداور قابل غوراور حقیقت آفریں جملے

قارئین نے مسلسل ڈاکٹر طہٰ حسین کا طرز تحریر دیکھا وہ عثمان کو خلیفہ برحق مانتے ہیں اور گو ہم نے عثمان کے ساتھ رضی اللہ عنہ نہیں لکھا مگر انہوں نے ایسی غلطی ہر گز نہیں کی۔ وہ برابر بلا ناغہ اُسے حضرت لکھتے رہے اور کوشش کرتے رہے کہ اُن کے قلم سے اُس کے حق میں کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جس کا وہ سو فیصد حقدار بھی تھا۔ چنانچہ حکم بن العاص، حارث بن حکم، اور مروان بن حکم کے سلسلے میں اُنہوں نے عثمان کے اُس عہد کا بالکل تذکرہ نہیں کیا جس کو حضرت علیؑ نے بے دینی سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا اور جسے اختیار کر کے عثمان نے عمر کی جانشینی اختیار کی تھی یعنی ''سیرتِ ابوبکر وعمر پر چلنا'' حالانکہ ڈاکٹر طہٰ حسین کو کم از کم یہ لکھنا چاہیے تھا کہ:

''عثمان نے اس عہد کی خلاف ورزی کی جو اُنہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کیا تھا اور جس کی وجہ سے انہیں حکومت ملی تھی۔''

مگر طہٰ حسین صاحب برابر اس پہلو کو ٹالتے چلے گئے۔ اِس لئے کہ اس تذکرے سے عثمان پر اللہ اور رسولؐ ہی سے نہیں بلکہ خود اپنے یاروں اور سر پرستوں سے غداری اور فریب دہی کا جرم عائد ہوتا ہے۔ یہ شخص جانتا تھا کہ ابوبکر وعمر کی سیرت خود اللہ و رسولؐ سے اور اپنے سر پرستوں، ابوسفیان اینڈ کمپنی سے غداری، اور فریب ہی کا دوسرا نام ہے۔ لہٰذا اُس کا ہر فریب اور غداری حقیقتاً ابوبکر وعمر کی پیروی ہے۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب کی سندات کے ساتھ آخر میں اُن کے چند جملے، چند فیصلے اور راہنما ارشادات دیکھ لیں:

اوّل۔ **عثمان کے اعمال اور اقدامات اور اس کا قتل عمر کی وجہ سے تھا**

''اگر احتیاط مانع نہ ہوتو میں یہ کہوں گا کہ اوّل وآخر صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عبقریت ہی اُن حالات کی ذمہ دار ہے جن میں حضرت عثمان اور اُن کے ساتھی گھر گئے تھے۔'' (ایضاً صفحہ 483)

اگر موقع ملے تو قارئین سوچیں کہ عمر کے بعد عثمان نے جو کچھ کیا اُس سب کے نتائج برآمد ہونے کے وقت خلیفہ بننے والے حضرت علی علیہ السلام کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو پیدا کرنے کا ذمہ دار بھی تو عمر اور اس کی نام نہاد عبقریت ہی کو ہونا چاہیے؟

دوم۔ **عثمان کی نظر میں عمر کا طرز حکومت اور عثمان کی اپنے مخالفوں کے لئے سرتوڑ زبردست تیاریاں**

''بخدا تم مجھے ایسے کام کرنے پر مورد طعن والزام بنا رہے ہو جن پر حضرت عمر کو تم نے کچھ نہ کہا۔ اس لئے کہ حضرت عمر نے تمہیں اپنے پاؤں تلے روندا اور اپنے ہاتھوں سے مارا اور زبان سے تمہیں ٹوکا اور تنبیہہ کی لہٰذا تم نے طوعاً وکرھاً اطاعت کی...... بخدا میں لوگوں اور قبیلوں میں سب سے بلند مرتبہ ہوں۔ میرے حامی و مددگار بہت قریب اور تعداد میں کثیر ترین ہیں اور میری ایک آواز اس قابل ہے کہ اس پر لوگ میری طرف آ جائیں۔ میں نے تمہارے لئے تمہارے مد مقابل تیار کر رکھے ہیں۔ بلکہ اور بھی کچھ زیادہ کا بندوبست کر رکھا ہے۔ میں نے تم سے ایسے شخصؐ کو دُور کر رکھا ہے کہ اگر وہؐ تم سے بات کرتا تو جو کچھ وہؐ کہتا تم اُسؐ کے سامنے سرتسلیم

ختم کر دیتے اور مجھے اس تقریر کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوتی۔'' (ایضاً صفحہ 449-450)

سوم۔ <u>ابوبکر و عمر کو فرشتہ خصلت بنا کر دکھانے والی تمام باتیں فریب اور افسانہ ہیں</u>

قارئین نوٹ کرلیں کہ عثمان نے ببانگ دُھل یہ ثابت کر دیا کہ عثمان برابر سیرۃ ابوبکر و عمر پر کاربند تھے۔ اور یہ کہ جو کچھ عثمان نے کیا وہی کچھ ابوبکر و عمر نے کیا تھا۔ یعنی اہلِ حق صحابہ کو روندنا، کچلنا اور بے بس کر کے رکھ دینا اور قریش کو لکھ پتی اور فارغ البال کر کے اپنے دست و بازو بنانا اور خاندانِ رسالت کو فاقہ اور افلاس سے دوچار رکھنا وغیرہ۔ فرق یہ تھا کہ وہ دونوں کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی قدر کامیاب رہے لیکن عہدِ عثمان تک مرتضوی صبر نے قریشی حکومت کے جوڑ و بند ڈھیلے کر دیئے تھے۔ زیرِ زمین، پردے کے پیچھے اور خاموش یداللّٰہی اسکیم اُن کے خفیہ منصوبے کی شکست و ریخت میں مصروف تھی۔ اُن کی پیدا کردہ بھیانک اندھیر گردی کو روشنی میں لارہی تھی (خطبہ 3، جملے 5 تا 8) دین میں پیدا کردہ خبط وشبہات اور گمراہیاں لوگوں کو نظر آنے لگی تھیں۔ دین اور احکامِ خداوندی سے روگردانیاں اپنی حد کو پہنچ چکی تھیں۔ اور اُن کے بُنے ہوئے جال کی کڑیاں ڈھیلی پڑ گئی تھیں (خطبہ نمبر 3، جملے 31-32) اور حضورؐ کا نظام اُن کے نظام سے ٹکراتا اور اُسے بکھیرتا گزر رہا تھا (خطبہ 3، جملے 39 تا 44)۔ اور آخر وہ دن آگیا کہ جال کے پھندے چوپٹ کُھل گئے اور اُن سب کا کیا دَھرا سامنے آکر کھڑا ہو گیا (خطبہ 3 جملے 48 تا 50)۔

اور معلوم ہو گیا کہ افسانہ سازوں نے پہلے ابوبکر و عمر پر قائم ہونے والے اعتراضات کو عثمان کی طرف موڑا اور پھر عثمان کو بچانے کے لئے عبداللہ ابن سبا کا ناول تیار کیا گیا۔ لیکن حقیقت عثمان کے بیان سے واضح ہو گئی۔ ابوبکر و عمر کے قصیدے پڑھنے والے نوٹ کریں کہ انہوں نے وہ سب کچھ کیا تھا جو عثمان نے کیا، فرق وہی تھا کہ نظامِ مرتضوی نے اب لوگوں میں جرأت و ہمت پیدا کر دی تھی اور عثمان کے دفاعی انتظام کے باوجود وہ عثمان کو ماخوذ کرنے لگے تھے۔ حالانکہ عثمان نے اپنے قبیلے کی افرادی قوت اور مدمقابل طاقت کی موجودگی سے ڈرایا لیکن مواخذہ بند نہ ہوا۔ عثمان نے یہ احسان بھی جتایا کہ اُس نے اُن کے تحفظ میں ایک ایسے شخص کو حکومت سے دُور رکھا ہوا ہے جو حاکم ہو جاتا تو تم اس کے اشاروں پر ناچتے جو ایک اشارے سے تمہارے تمام کس بل نکال دیتا۔ یہاں بعض لوگوں نے معاویہ کو مراد لیا ہے۔ حالانکہ وہ ایک شخص کی حیثیت سے یا تنہا کبھی اس قابل نہ تھا کہ تمام مسلمان اور قریش اس کے سامنے دم نہ مارتے۔ رہ گئی معاویہ کی افواج اُنکو مراد لینا عثمان کے جملوں اور الفاظ کی گنجائش سے باہر ہے۔ معاویہ کی بات میں اُسکی آخری سانس تک یہ قوت و قدرت کبھی نہ تھی کہ:

''جو کچھ وہ کہتا تو تم اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے۔''

چہارم۔ <u>قریش کی دشمنی اُن کی کھوپڑیوں کا گودا نکال کر اُن کے خون کے ساتھ بہادی جاتی؟</u>

یہاں پہنچ کر قارئین یہ بھی سن لیں کہ یہ بھی ایک فریب ہے کہ اگر حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ کو قرآن و رسولؐ کی ہدایات کے مطابق خلیفہ بلافصل بنا لیا جاتا تو قریش کی دشمنی حکومت کو دو قدم بھی نہ چلنے دیتی۔ یہ بات اُس وقت بھی غلط نکلی جب ابوبکر و عمر نے مسلمانوں کو سو فیصد بے دین اور دنیا پرست بنا دیا تھا اور قرآن و اسلام کے قوانین کی جگہ مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ اور رومۃ الکبریٰ کے

قوانین کا عادی بنا دیا تھا۔ جب کہ سرمایہ داروں اور اجارہ داروں کا وہ طبقہ پیدا کر چکے تھے جسے خاندان مرتضویؑ کے خلاف تیار کیا گیا تھا۔ ایسے عالم میں حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، معاویہ اور اُن تمام لوگوں کو چیلنج کر دیا جو ابوبکر کے زمانے سے لے کر برابر بغاوت کے لئے تیار کئے جا رہے تھے اور پانچ سال تمام مملکتِ اسلام پر اُسی دبدبہ اور قوت سے حکومت کی جس سے خوفزدہ ہوکر اُنہیںؑ پہلے نمبر پر محروم کیا گیا تھا اور حکومت ایسے حال میں کی کہ وہ طریقے یک لخت مسمار کر دیئے جو عمر اینڈ کمپنی نے جاری کئے تھے فوجیں، پولیس، خفیہ جاسوسی کرنے والا محکمہ، بیت المال سب ٹھکانے لگا دیا۔ اور پانچ سال معاویہ کی اُن افواج کو، پے در پے شکستیں دیں؛ بھیڑ بکریوں کی طرح میدان جنگ سے بھگایا' قرآن کی دُہائی دے کر جان بچانے پر مجبوریاں دکھائیں، جو ہر طرح کے اسلحہ سے مسلح، ماہرین جنگ و تجربہ کار تنخواہ دار افواج تھیں اور اِدھر کے لوگ اُسی طرح جمع کئے جاتے تھے جس طرح عہد رسولؐ میں فوج تیار کی جاتی تھی۔ لوگ اپنے اسلحہ، اپنی روٹی اور اپنا لباس لے کر آتے تھے اور دل چاہتا تھا تو جنگ کرتے تھے نہیں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے تھے یا گھروں کو پلٹ جاتے تھے کیونکہ کوئی جبر نہ تھا۔ محض خطبات اور اسلامی تعلیمات کے بل بوتے پر کام کا دار و مدار تھا۔ اور یہ بھی نوٹ کریں کہ خواہ حکومت شروع میں ملی ہوتی علیؑ کو ہر وقت ملائکہ اور خدائی مدد مل سکتی تھی قریش دس کروڑ بھی ہوتے تو تنہا علیؑ کو شکست نہ دے سکتے تھے اس لئے کہ اُن کے نصیب میں فتح ہی فتح لکھی تھی۔ لیکن وہ جبر و قوت سے حکومت لینے سے منع کر دیئے گئے تھے۔ ورنہ ساری دنیا مل کر اُن کو روک نہ سکتی تھی۔ بہر حال اب آخر میں طٰہٰ صاحب کا عنوان اور بیان دیکھیں:

''ایک جواب طلب سوال''

''اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا قدماء نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ بلکہ اکثر بزرگوں نے تو اس کا جواب دینے کی کوشش ہی نہیں کی۔ لیکن باین ہمہ ہمیں اس سوال کا کوئی جواب تلاش کرنا ہی پڑے گا۔ سوال یہ ہے کہ:

حضرت عثمان کے عُمّال نے اُن کو مدد دینے میں کس طرح اور کیوں اتنی تاخیر اور سستی روا رکھی کہ باغی حضرت عثمان کا دیر تک محاصرہ کئے رہنے اور آخر کار اُن کو قتل کر دینے میں کامیاب ہو گئے؟

کہا جاتا ہے کہ محاصرہ مسلسل چالیس روز تک جاری رہا۔ یہ صحیح ہے کہ ذرائع نقل و حمل آسان اور قریب نہ تھے۔ لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خبریں حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ صوبہ جات میں پہنچ رہی تھیں۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (والیٔ مصر) کو علم تھا کہ مصری حضرت عثمان کے خلاف غم و غصے کے جذبات لئے ہوئے گئے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہوں نے امیر معاویہ کو اس امر کی اطلاع بھی دی تھی۔ اسی طرح اُنہوں نے خود حضرت عثمان کو بھی خط کے ذریعے اس صورتِ حال سے مطلع کر دیا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے بھی اہل کوفہ کو مدینہ کا رخ کرتے دیکھا تھا۔ وہ بھی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی طرح، جانے والوں کے مقصد و ارادہ سے واقف تھے۔ یہی صورت بصرہ میں عبداللہ بن عامر کی تھی۔ پھر آخر کیا سبب ہے کہ اتنی خبر ہونے کے باوجود یہ عُمّال خلیفہ کی امداد پر بسرعت تمام کمر بستہ نہ ہو سکے؟ پھر اُن عُمّال کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ حضرت عثمان کی طرف سے امداد کے مطالبہ پر مشتمل خطوط ملنے کے بعد بھی

تیزی سے مدینہ نہ پہنچ سکے؟ آخر اُن لوگوں نے کیوں اتنی دیر لگائی اور تساہل برتا کہ اُن کی مدد پہنچنے سے پہلے ہی......امام قتل کر دیئے گئے؟ پھر ان سب اُمور سے بڑھ چڑھ کر یہ کہ حضرت عثمان نے اپنے عُمّال کو پابند کر رکھا تھا کہ وہ حج کے دنوں میں اُن سے ضرور ملا کریں۔ آخر کیا سبب ہے کہ اُن کے عُمال اُس سال اپنے اپنے صوبوں میں رہے اور حج پر نہ گئے؟ یہاں تک کہ حضرت عثمان نے محصور ہونے کی وجہ سے مجبوراً عبداللہ بن عباس کو حج کی قیادت پر مقرر کیا۔ ان سب سے بھی زیادہ حیرت انگیز و تعجب خیز بات یہ ہے کہ مورخین کے بیان کے مطابق حضرت ابن عباس، حضرت عثمان کی طرف سے حاجیوں کے نام ایک چٹھی لے گئے تھے۔ جس میں انہوں نے اپنا قضیہ پیش کیا تھا اور اپنا بے قصور ہونا ثابت کیا تھا۔ مورخین کہتے ہیں کہ ابن عباس نے یہ چٹھی حج کے موقع پر لوگوں کو پڑھ کر سنائی۔ یہ خط جس کا مکمل متن طبری نے بیان کیا ہے کس طرح لوگوں نے سن لیا اور اُن کے کانوں پر جُوں تک نہ رینگی سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور کوئی بھی خلیفہ کی مدد پر کمر بستہ نہ ہوا؟ اور کوئی گروہ بھی مدینہ کے حادثات کا مشاہدہ کرنے کے لئے وہاں نہ پہنچا؟ اور یہ کیسے ہوگیا کہ حضرت عثمان کا عاملِ مکہ خاموشی، بے حسی اور اطمینان سے اُس خط کو پی گیا؟ اور اُس نے لوگوں کو خلیفہ کی امداد پر برانگیختہ نہ کیا؟؟ اگر وہ اہل مکہ ہی کو جوش دلا کر بھیج دیتا اور وہاں کے صحرا نشینوں کا ایک لشکر جمع کر لیتا تو یقیناً یہ فوج باغیوں کو اس وقت تک مشغول کئے رہتی جب تک صوبہ جات سے باقاعدہ فوجی کمک پہنچ جاتی۔ کیا سبب ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہوئی؟ کیا وجہ ہے کہ کسی عامل نے بھی حرکت نہ کی؟ کیا سبب ہے کہ حاجی بھی خلیفہ کی امداد پر آمادہ نہ ہوئے؟ کیا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ تمام اُمت نے متفقہ طور پر اُس خلیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا؟ رعیت تھک گئی تھی۔ عُمّال اپنے دلوں میں کچھ اغراض چھپانے کی وجہ سے کاہلی اور سستی کر رہے تھے؟ اُن میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی؟ اور انہوں نے خلیفہ کو مدینہ والوں کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو کچھ اُن کے ساتھ کرنا چاہیں کر دیں؟ یا حضرت عثمان جو کچھ اُن کے ساتھ کر سکیں کر لیں؟ آپ دیکھ چکے ہیں کہ خود اہل مدینہ کی اکثریت باغیوں کے ساتھ شامل تھی۔ مدینہ میں صحابہ کرام کی ایک مختصر جماعت ایسی بھی تھی جس نے عملاً تو حضرت عثمان کا ساتھ چھوڑ رکھا تھا لیکن زبانی وہ اس صورتِ حال پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتی تھی۔ اگر اصحاب رسوؐل کی یہ جماعت ہی باغیوں کے مقابلہ میں کھڑی ہو جاتی اور اُن کی اُمیدیں خاک میں ملا دیتی تو یہ باغی لوگ بے نیل و مرام واپس ہو جاتے جیسا کہ بعض قدیم مورخین کی رائے ہے۔ ان چیزوں کے پیشِ نظر حضرت عثمان کا وہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ''لوگ میری درازئ عمر کو لامتناہی سمجھ کر دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔'' مگر غالباً لوگوں کے لئے صرف اُن کی درازئ عمر ہی ایک اُکتا دینے والا مسئلہ نہ تھا بلکہ:

وہ اُس سیاست کے لامتناہی سلسلے سے دل برداشتہ ہو گئے تھے جو انہیں عہدِ فاروقی کی سیاست سے مختلف معلوم ہو رہی تھی اور جو اُن کی دیکھی بھالی قیصر و کسریٰ کی ملوکیت سے بھی الگ کوئی سیاست نظر آتی تھی۔ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُن دونوں (یعنی فاروقی و عجمی) سیاستوں کے بین بین کوئی سیاست ہے۔'' (فتنۃ الکبریٰ صفحہ 486 تا 489)

<u>پنجم۔ آخر طٰہٰ حسین سے اپنے سوالات کا کوئی معقول جواب نہ بن پڑا، جواب حضرت علیؑ کے خطبہ میں ہے</u>

جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنے سوالات بہت واضح اور دوٹوک الفاظ میں قائم کئے ہیں اور سوالات ہی سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ کوئی خدائی

ہاتھ (یداللہ) برسرِ کار تھا جس نے اُنگلی کے ایک ہی اشارہ سے تاریخ کا ورق الٹ دیا تھا۔ فاروقی انتظام یکسر مفلوج ہو کر گور کنارے آ بیٹھا تھا۔ اور وہ شخص جو سنت و سیرتِ فاروقی پر چلنے کا عہد کر کے تختِ خلافت پر بیٹھا تھا آج اُس کے قبیلے کا بلند مرتبہ، افرادی قوت اور تہلکہ مچا دینے والی آواز صدا بصحرا بن کر سرگردان پھر رہی تھی اور اپنا پرایا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ یہی کچھ تو فرمایا تھا جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ: ''اور میں یہ فیصلہ کرنے میں مصروف ہو گیا کہ آیا میں اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے خود ہی اُن کا استیصال کر دوں یا اُن کی خفیہ اسکیم (کشخاً) سے پیدا ہونے والی اُس بھیانک اندھیر گردی کو صبر کے ہتھیاروں سے تباہ کروں؟ (خطبہ 3، جملے 8-7)

یہ تھا وہ دوسرا ہاتھ جس نے صبر کی دو دھاری تلوار اُٹھائی ہوئی تھی اور وہ نظام علوی استعمال کیا تھا جس نے ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے سے وہ پردے ہٹا دیئے تھے جو فاروقِ اعظم نے قیصر و کسریٰ اور یونان و حبش و رومۃ الکبریٰ کے قوانین اور سیاست پر ڈال کر کافرانہ قوانین و سنت کو مسلمان بنا کر پیش کیا تھا۔ اگر فاروق نے عجمی قوانین میں اصلاحات کر کے انہیں مسلمان نہ کیا ہوتا تو اُن کی حکومت یوں تباہ نہ ہوتی۔ فاروقی اصلاحات کا پردہ چاک ہو جانے سے بقول ڈاکٹر طٰہٰ صاحب، عثمان کے زمانے میں وہی فاروقی سیاست ایک بدترین سیاست کی صورت میں واضح ہو گئی اور آخر لوگوں نے اُس سیاست کو اپنی موت مرنے کیلئے چھوڑ دیا۔ اور ''اُسکی اور اُسکے ساتھیوں کی کارکردگی اور عمل درآمد کے نتائج سامنے آ کھڑے ہوئے اور اُسے اس کی خفیہ پالیسی نے منہ کے بل گرا دیا (خطبہ 3 جملے، 48 تا 50) اور تین دن تک خلافت کا جنازہ مدینہ کی گلیوں میں پڑا رہا اور اُسے حضرت علیؑ نے بلا نماز پڑھائے یہودیوں کے قبرستان میں اپنی قوت و بصیرت سے اس طرح دفن کرایا کہ دیوار کو خم دے کر اُس دین سے خمیدہ شخص کی قبر کو مسلمانوں کے قبرستان میں شامل کیا جا سکا۔

ششم۔ <u>بڑے بڑے یعنی صحابۂ کبار کا حال اور عثمان کو خلیفہ بنانے والے کی خطرناک جرأت</u>

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے دو آخری جملے سن کر یہ دیکھ لیں کہ وہ لوگ جنہیں اہل سنت علما صحابہ کبار لکھتے اور رضی اللہ عنہم کہتے نہیں تھکتے اُن کا حال عہد عثمان میں ڈاکٹر صاحب کے قلم سے دیکھئے ارشاد ہے کہ:

<u>1</u> اُن کی اِن صفات کو ذرا اُن (عثمان) کے رشتہ داروں اور خاندان والوں کی صفات میں ملا کر دیکھئے جو نہایت درجہ حریص و طماع، بے پناہ خواہشات رکھنے والے اپنے مفاد کی خاطر دُور دُور تک نظریں دوڑانے والے اور تسلط اور غلبہ کے پورے ساز و سامان سے آراستہ و مسلح تھے یہ سب چیزیں ملکر از خود وہ خراب شکل پیدا کر دیتی ہیں جسکا حضرت عثمان کو سامنا تھا۔ پھر اگر اس امر کا بھی اضافہ کر لیا جائے کہ خود صحابۂ کبارؓ میں سے ایک جماعت جس نے اپنے کاروبار کو وسیع کر کے بڑا سرمایہ جمع کر لیا تھا اپنے عظیم سرمائے کے بل بوتے پر اپنے دلوں میں یہ خیال کرنے لگی تھی کہ وہ حضرت عثمان سے کسی طور خلافت کے کمتر مستحق نہیں ہے۔'' (صفحہ 481)

<u>2</u> <u>حضرت عثمان کی خلاف پہلی جرأت:</u> اس عنوان کے ماتحت حضرت علیؑ کا وہ جملہ یاد فرمائیں کہ: جو حضورؐ نے عبدالرحمٰن بن عوف سے اس وقت فرمایا تھا جب اس نے سیرتِ ابوبکر و عمر کا پردہ ڈال کر عثمان کو خلیفہ بنایا تھا کہ:

''اے عبدالرحمٰن بن عوف یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے ہمارا حق چھیننے میں ہم پر غلبہ پایا ہو ہم بہرحال بہترین صبر سے کام

لیں گے اور سُن لے کہ تو نے عثمان کو اس لئے خلیفہ بنایا ہے کہ کل وہ تجھے اقتدار سپرد کردے مگر یاد رکھ کہ تو محروم مرے گا۔"

اب ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا بیان سنئے۔ مندرجہ بالا جرأت اُسی عبدالرحمٰن نے کی تھی یعنی:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وہ پہلے شخص ہیں جس نے حضرت عثمانؓ کے فیصلے کی مخالفت کی جرأت کی وہ اس طرح کہ کچھ کارندے صدقے کے اونٹ لائے۔ حضرت عثمانؓ نے وہ اونٹ حَکم کے کسی عزیز کو بخش دیئے۔ جب حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے بعض صحابہ کرام کو بلا کر اُس سے وہ اونٹ واپس منگوائے اور انہیں دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عثمانؓ اپنے گھر میں ہی تشریف فرما رہے۔ انہوں نے اس جرأت پر نہ تو اظہارِ ناگواری کیا اور نہ اس کارروائی میں کوئی تبدیلی کی حتّٰی کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ اور اُن کے رفقاء سے اس ضمن میں کوئی بات بھی نہ کی۔ بہرحال حضرت عبدالرحمٰنؓ اور اُن کے رفقاء کی یہ جسارت فِـی نَفْسِہٖ بہت بڑا اور خطرناک اقدام تھا۔ کیونکہ اُن کی یہ کارروائی فرمانِ حکومت میں تغیر و تبدل کی مترادف تھی۔ پھر اس گستاخی پر حضرت عثمان کی خاموشی اُس سے بھی زیادہ خطرناک بات تھی۔ کیونکہ اس کا مطلب اپنی غلطی کا اعتراف اور حکومت کی دھاک کو کم کرنا تھا۔ اس کے بعد لوگوں کو حضرت عثمان کی سیاست میں جو بات بھی ناگوار گزرتی وہ اس کے خلاف اظہارِ ناپسندیدگی اور اعتراضات کرنے لگے۔" (ایضاً صفحہ 440-441)

ہمیں صرف اس قدر کہہ کر آگے بڑھ جانا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے عثمان کو خلیفہ بنایا تھا اور عمر نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا تھا۔ سنت یہ چلی آ رہی تھی کہ عمر ابوبکر کے احکام اور تحریری معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے رہتے تھے اور وہ چوں نہ کرتے تھے۔ اسی طرح اُسی سنت کے مطابق عبدالرحمٰن نے بھی عمل کیا تھا لیکن آخر ان کو سزا دی گئی اور آئندہ انہیں دبا کر رکھا گیا۔ اور عبدالرحمٰن ساری زندگی اپنی خلیفہ سازی پر پچھتاتے رہے اور مرتے دم تک عثمان کا منہ نہ دیکھا۔ مگر ڈاکٹر طٰہٰ نے کسی نازک اور کمینہ بات کو چھیڑے بغیر کتاب ختم کر دی۔ مگر ہم تو فریب سازوں، جھوٹوں اور غداروں کی نقاب کشائی اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ مندرجہ بالا بیان میں ہم نے بھی اُن دونوں ملاعین پر (ؓ) لکھا ہے تاکہ دلوں میں یہ خیال گردش کرے کہ دو متضاد کام کرنے والے لوگوں کو بھی رضی اللہ کہا جاتا ہے۔

(6) طٰہٰ حسین کی دوسری کتاب "علیؑ" سے علیؑ اور امیدوارانِ خلافت و شوریٰ کا حال اور عثمان

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے عثمان کے حالات پر کتاب فتنۃ الکبریٰ لکھی اور عثمان کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے حالات پر اُن ہی کے نام پر کتاب "علیؑ" لکھی ہے اس میں سے بھی چند مقام لکھتے ہیں تاکہ آپ کو عثمان کے قتل کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کی پوزیشن معلوم ہو جائے۔ ساتھ ہی اُن لوگوں کا سلوک بھی معلوم ہو سکے جو عثمان کے ساتھ علیؑ کے مقابلے میں شوریٰ کے ممبر تھے۔

اوّل۔ عثمان اگر کسی کو اپنا جانشین مقرر بھی کرتے تو کوئی نہ مانتا اس لئے کہ تمام صحابہ اُن سے ناراض تھے

باری باری ڈاکٹر صاحب کی باتیں سنئے:

"حضرت عثمان نے بھی کسی کے لئے کوئی ہدایت نہیں کی ورنہ اگر فرماتے بھی تو لوگ اُن کی بات نہیں مانتے اس لئے کہ وہ اُن سے، اُن کے حاشیہ نشینوں سے اور اُن کے گورنروں سے واقعات کی بنا پر ناراض تھے۔" (کتاب علیؑ صفحہ 4)

دوم۔ جماعت شوریٰ کے ممبر اور اُن میں آپس کا تعلق اور عثمان کے ساتھ اُن کا سلوک؟؟: اور سنئے:

''پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت عمر نے جن چھ صحابہ کو باہمی مشورہ کی ہدایت کی تھی حضرت عثمان کے بعد وہ چار ہی رہ گئے تھے۔اس لئے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا عثمانی خلافت کے دوران ہی انتقال ہو چکا تھا۔حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ باقی رہ گئے تھے۔ان چاروں میں بھی سعد بن ابی وقاص نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی (یعنی حضرت علیؑ سے بیعت نہ کی تھی) لہٰذا کل تین رہ گئے تھے......پھر علیؑ،طلحہ اور زبیر میں بھی باہم اتحادِ خیال نہ تھا۔مظلوم خلیفہ کے ساتھ ہر ایک کا طرزِ عمل الگ الگ تھا اور اسباب قتل پر ہر ایک کی رائے دوسرے سے جدا تھی۔حضرت علیؑ نے لوگوں کو بغاوت اور فساد سے روکنے کی امکانی کوشش کی۔اُنہوں نے باغیوں اور عثمان کے درمیان گفت وشنید کا فرض انجام دیا، باغیوں کو مدینہ سے واپس کیا، بعد میں ایک مرتبہ اور بیچ میں پڑے اور حضرت عثمان کو (معافی اور تدارک پر) راضی کر لیا۔پھر جب باغی بلا اطلاع مدینہ میں گھس آئے اور حضرت علیؑ اُن کو نکال باہر کرنے سے مایوس ہو گئے تو چاہا کہ عثمان کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں۔لیکن ایسا نہ کر سکے۔پھر سخت محاصرے کے زمانے میں جب حضرت عثمان بہت پیاسے تھے۔آپؑ نے کوشش کی کہ میٹھا پانی آپ تک پہنچا دیں۔'' (مسلسل لکھتے ہیں کہ)

''حضرت زبیر نے نہ تو باغیوں کو روکنے میں نمایاں حصہ لیا اور نہ مخالفوں کو اُبھارنے اور آمادہ کرنے میں قابلِ ذکر گرمی دکھائی البتہ وہ موقع کا انتظار کرتے رہے۔طبیعت اُن کی باغیوں کے ساتھ تھی۔شاید یہ خیال کرتے تھے کہ نوبت یہاں تک نہ پہنچے گی۔اب رہے حضرت طلحہ تو وہ کھُلم کھُلا باغیوں کی طرف جھکے ہوئے تھے، باغیوں کو اعلانیہ بھڑکاتے تھے، اُن کی ایک جماعت کو اپنا گرویدہ بنا رہے تھے۔حضرت عثمان نے اس کی شکایت کھلے طور پر بھی کی اور بصیغۂ راز بھی بار بار اظہار کیا۔اس سلسلے میں حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے امداد چاہی چنانچہ آپؑ طلحہ کے پاس گئے اور دیکھا کہ باغیوں کا ایک گروہ وہاں جمع ہے۔حضرت علیؑ نے کوشش کی کہ طلحہ اپنی یہ روش چھوڑ دیں لیکن وہ باز نہ آئے۔تب حضرت علیؑ اُن کے پاس سے لوٹ کر بیت المال آئے اور جو کچھ اُس میں تھا نکال کر لوگوں میں تقسیم کر دیا۔یہ دیکھ کر طلحہ کے ساتھی اُن کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے حضرت علیؑ کی اس کارروائی سے حضرت عثمان خوش تھے۔ یہ دیکھ کر طلحہ عثمان کے پاس آئے اور معذرت کرنے لگے۔عثمان نے جواب دیا کہ یہ حاضری معذرت اور ندامت کی نہیں بلکہ ناکامی اور شکست کی ہے۔طلحہ تجھ سے خدا حساب لے گا۔'' (کتاب علیؑ صفحہ 5 تا 7)

تاریخ کے تمام بیانات ثابت کرتے ہیں کہ ہمارے مولاؑ نے کبھی اپنے دشمن سے نہ بغض وکینہ رکھا نہ انتقام لیا اور نہ سیاسی لوگوں کے طریقے پر کوئی پارٹی بازی اور محاذ آرائی کی یہاں تک کہ خود اُن کے دشمن، اُن کے مخالف اور ستانے والے اُن کی امن پسندی، صلح جوئی اور درگزر کی مدح وثنا کرتے رہے ہیں۔اِس کے برعکس آپ نے بار بار دیکھا کہ خود عثمان کے طرفدار اور اُن کو خلیفہ بنانے اور عثمان کے لئے علیؑ کے خلاف جوڑ توڑ کرنے والے اور خلافت سوچنے والے عثمان کے خلاف اور خود آپس میں ایک دوسرے کے خلاف اقدامات کرتے رہے، پارٹیاں بناتے رہے۔یہ ہے وہ شانِ مرتضوی جو اُنہیں مافوق البشر قوتوں کا مالک ثابت کرتی ہے۔

(15۔ز) عثمان اینڈ کمپنی کے مذکورہ بالا احوال وکوائف سے رہ جانے والے یا تشریح وتفصیل کرنے والے نمونے

علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر شخص کو ایسے مواقع فراہم کیئے کہ جو شخص جب چاہے نادم وتائب ہو کر اپنی اصلاح کر سکے۔ اُنہوںؑ نے اور اُنؑ کی اولاد کے آئمہ علیہم السلام نے اُمت کو بحیثیتِ مجموعی اپنی اصلاحِ حال کے لئے اُسی قدر طویل موقع دیا' اور مظالم برداشت کیئے، جتنا طویل زمانہ ابلیس کو دیا گیا تھا۔ اُنہوں نے قریش اور اُن کے لیڈروں، ابوبکر وعمر وعثمان کو موقع دیا کہ وہ اپنے تصورِ خلافت کو آزما دیکھیں اور اُن کے ساتھ ہر اُس معاملہ میں دل وجان سے پورا تعاون کیا جو دین کی تنفیذ کے لئے ضروری تھا۔ یہ تعاون اِس حد تک تھا کہ مخالفین انہیں اصحابِ ثلاثہ کا آج تک یار کہتے ہیں۔ اور خود بھی بھول جاتے ہیں یا بھلانا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؑ وہی ذاتِ پاک ہیں جو ثلاثہ اینڈ کمپنی کو ظالم وغاصب اور غادر اور اُن کی خلافت وحکومت کو باطل سمجھتے تھے اور سیرتِ ابوبکر وعمر پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آتی ہوئی حکومت کو لات ماردیتے ہیں اور ثابت کردیتے ہیں کہ وہ ہرگز اُن کے یار وطرفدار نہ تھے۔ بہرحال قریش کے لیڈروں نے اپنے طرزِ حکومت کو بار بار، بار بار یعنی تین بار آزمایا اور یقین کرلیا کہ نہ وہ اُسے قرآن کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلا سکے نہ اُن سے عجمی طریقوں پر حکومت چلی اور نہ قبیلوں کا جرگہ اُسے کامیابی سے چلا سکا۔ یہاں تک کہ خلافت اور خلیفہ کا جنازہ نکل گیا اور بے غسل وکفن عزت سے دفن ہونے کو ترستا رہا۔ لہٰذا اب انہیں چاہئے تھا کہ علیؑ کو حکومت سونپتے اور کہتے کہ تم اب حکومت کو اپنے طریقے پر چلاؤ ہم ہر حال میں اُسی طرح تعاون کریں گے جس طرح تم نے تعاون کیا تھا مگر ایسا نہ کیا گیا۔ حکومت تو مجبوراً سونپ دی لیکن دلوں کو جُدا رکھا۔ اپنی دنیاداری اور عیاشی پر برقرار رہے اور علیؑ سے بھی چاہا کہ وہ اُن کی اُس طرزِ عیش وعشرت میں ممد ومعاون بنیں جو ابوبکر وعمر وعثمان نے فراہم کی تھی۔ تاکہ غربا فنا ہوتے جائیں اور لکھ پتی قریش محنت کشوں کا خون چوستے رہیں۔ علیؑ نے کیسی حکومت کی اور اُن کی راہ میں کیا کیا رُکاوٹیں پیدا کی گئیں؟ اور اُنہوں نے رکاوٹوں کو دُور کرنے میں کیا جدوجہد کی؟ موقعہ بموقعہ سامنے آتا جائے گا۔ یہاں تو ثلاثہ اینڈ کمپنی کی حکومت کا مآلِ کار ونتیجہ سامنے رکھنا ہے۔

(1) عثمان کو خلافت سونپنے اور ابوبکر وعمر کی سیرت پر عمل کی شرط لگانے والے کا حال

عبدالرحمٰن بن عوف کا حال پہلے بھی مذکور ہوا ہے۔ یہاں یہ دیکھنا ہے کہ اُس کے محبوب شخص وخلیفہ عثمان کے متعلق آخر کیسے تصورات تھے؟

اوّل ''علامہ بلاذری نے سعد سے روایت کی ہے کہ جب ربذہ میں حضرت ابوذرؓ کی وفات ہوئی تو علیؑ اور عبدالرحمٰن نے آپس میں عثمان کی اس بدسلوکی کا تذکرہ کیا۔ علیؑ نے کہا کہ یہ سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے عبدالرحمٰن نے کہا کہ اے علیؑ جب تم چاہو اپنی تلوار اٹھاؤ اور میں بھی اپنی تلوار اُٹھاتا ہوں۔ عثمان نے مجھ سے جتنے عہد وپیمان کیئے تھے سب کی مخالفت کی ہے۔''

دیکھئے عبدالرحمٰن، علیؑ کو آگے بڑھنے کا اشتعال اور مشورہ دیتا ہے اور تعاون کے لئے کہتا ہے۔ مگر علیؑ تلوار سے حکومت لینا چاہتے تو انہیں ساری دنیا نہ روک سکتی تھی وہاں تو صبر وشکیبائی اور دین وصبر وصلاۃ سے فتح پانا طے تھا۔

دوم ''ابوالفداء لکھتے ہیں کہ جب عثمان سے وہ حرکتیں سرزد ہوئیں یعنی ملکوں اور شہروں پر اپنے خاندان کے چھوکروں (لڑکوں) کو

اُس نے حاکم بنایا تو عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا گیا کہ یہ سب تمہاری ہی کرتوت ہے۔عبدالرحمٰن نے کہا کہ مجھے اس کا وہم وگمان بھی نہ تھالیکن اب میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اُس سے کبھی کلام نہ کروں گا چنانچہ اسی خفگی کے عالم میں عبدالرحمٰن کا انتقال ہوا۔ حالت بیماری میں عثمان اُن کی عیادت کو گیا تو انہوں نے دیوار کی طرف منہ پھرالیااور بات تک نہ کی۔''

عبدالرحمٰن نے جھوٹ کہا کہ انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔اس لئے کہ عمر نے عبدالرحمٰن اور دیگر ممبران شوریٰ کے سامنے کہا تھا کہ اے عثمان تو قوم پرست ہے اور متعصب ہے اور دیکھ بنی امیہ کے کسی ایک فرد کو بھی لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا۔عثمان کی یہ مستقل خصلت اور عمر کی ممانعت کو دیکھ اور سن کر یقین رہنا چاہئے تھا کہ عثمان قوم پروری ضرور کرے گا۔پھر کیوں نہ عبدالرحمٰن نے صحابہ کا مجمع طلب کرکے عثمان کو برسرعام معزول کیا؟اس طرح اس کی رائے کا کم از کم اعلان تو ہوجاتا۔

سوم: ''سعد ہی سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن نے وصیت کی تھی کہ عثمان میرے جنازے پر نماز نہ پڑھائیں۔''

چہارم: ابن عبدربہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب عثمان نے ناپسندیدہ افعال کئے یعنی اپنے گھر والوں کو تمام صحابہ پر ترجیح دی اور اُن کا حاکم بنایا تو عبدالرحمٰن سے کہا گیا کہ یہ دراصل تمہارا ہی کام ہے عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں ایسا نہیں سمجھتا تھا۔عبدالرحمٰن عثمان کے پاس آئے اور اُن کی سرزنش کی اور کہا کہ میں نے تو تمہیں اس شرط پر خلافت کے لئے ترجیح دی تھی کہ تم ہم میں ابوبکروعمر کی روش اختیار کروگے۔تم نے اُن دونوں کی مخالفت کی ہے،اپنے گھر والوں کو محبوب رکھاہے اور اُنہیں مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کردیا ہے۔ عثمان نے کہا کہ عمر خوشنودی خدا کے لئے قطع رحم کیا کرتے تھے۔اور میں صلہ رحم کرکے خدا کی خوشنودی کا طالب ہوں۔عبدالرحمٰن نے کہا خدا کی قسم آج سے میں تم سے کبھی کلام نہ کروں گا چنانچہ مرتے دم تک وہ اُن سے نہیں بولے مرض موت میں عثمان اُن کی عیادت کے لئے آئے تو انہوں نے دیوار کی طرف منہ پھرالیا اور بات نہ کی۔(کتاب الانساب بلاذری جلد 5 صفحہ 57،عقد الفرید جلد2 صفحہ 258،261،272 تاریخ ابوالفدا جلد1 صفحہ 166 تمام بیانات کے لئے)

پنجم: ''طبری نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان کے پاس صدقے کے اونٹ آئے آپ نے اپنے چچا کے لڑکوں کو دے دیئے۔اس کی خبر عبدالرحمٰن کو ہوئی اُنہوں نے آدمی بھیج کر وہ اونٹ واپس منگائے اور مسلمانوں میں تقسیم کردیئے۔عثمان گھر کے اندر بیٹھے رہے۔''(طبری جلد5 صفحہ 112 تاریخ کامل جلد3 صفحہ 78)عبدالرحمٰن اگر ایسی حرکتیں اور بھی کرتے تو انہیں ٹکٹکی سے بندھوا کر کوڑے لگائے جاتے۔

ششم: ''ابوھلال عسکری اپنی کتاب اوائل میں لکھتے ہیں کہ عثمان اور عبدالرحمٰن کے متعلق حضرت امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کی بددعا مقبول ہوئی اور وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے اور دشمنی میں مرے۔

(1) قیصروکسریٰ اور شاہانِ عجم کی طرح محلوں میں رہائش تھی

جب عثمان نے اپنا محل زوراء بنوایا تو قسم قسم کے کھانے پکوائے اور لوگوں کی دعوت کی اُن میں عبدالرحمٰن بھی تھے۔جب انہوں نے وہ عالیشان محل دیکھا(یعنی بننے کے دوران عبدالرحمٰن نے کیوں نہ دیکھا،کیاالہ دین کے چراغ سے آناً فاناً بنوا کر کھڑا کردیا تھا؟احسنؔ)اور

ہمہ قسم کے کھانوں پرنظر ڈالی تو کہا عفان کے بیٹے (لَقَدْ صد قنا عَلَیْکَ مَا کُنَّا نُکَذِّبُ فِیْکَ) تمہارے متعلق وہی باتیں سچ نکلیں جنہیں ہم جھٹلاتے رہتے تھے۔تمہاری بیعت سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔حضرت عثمان غصے سے بے قابو ہو گئے غلام سے کہا انہیں نکال باہر کرو چنانچہ وہ نکال دیئے گئے۔عثمان نے حکم دیا کہ اُن کے پاس کوئی اُٹھے بیٹھے نہیں۔چنانچہ اُن کے پاس کوئی بھی آتا جاتا نہ تھا سوائے عبداللہ بن عباس کے اس لئے کہ وہ قرآن وفرائض (یعنی میراث کے حصوں کی تشخیص وتقسیم۔احسنؔ) کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔عبدالرحمٰن بیمار پڑے عثمان اُن کی عیادت کو آئے (بڑا بے غیرت تھا۔احسنؔ) بات کرنا چاہی مگر عبدالرحمٰن نے مرتے دم تک اُن سے بات نہ کی۔'' (شرح ابن ابی الحدید جلد 1 صفحہ 66-65)

یہاں صرف اتنا نوٹ کرلیں کہ جس شخص نے عثمان کو خلیفہ بنایا اور حکمرانی کے اختیارات سپرد کئے تھے۔اُس شخص نے عثمان کی بیعت سے اللہ کی پناہ مانگ لی اور آخر' بقول جناب طٰہٰ حسین اور واقعات کی رُو سے، تمام مہاجرین وانصار اور عوام نے اس کے خلاف اجماع کرلیا تو عثمان مع اپنی خلافت کے ایک باطل کا چلتا پھرتا مجسمہ بن گیا اور یہی مطلوب تھا۔

(2) شوریٰ کا ایک نام نہاد جنتی ممبر یعنی طلحہ بن عبیداللہ عثمان کا دشمن اور محسن کش بھی تھا

ہم طلحہ کے متعلق تواریخ سے بارہ ایسے بیانات پیش کر سکتے ہیں جو ہمارے اس عنوان کی لفظ بلفظ ہی نہیں بلکہ ذرا بڑھ کر تائید کرتے ہیں لیکن اُدھر اختصار مطلوب ہے اور ادھر اُس کے متعلق لکھا بھی جا چکا ہے لہٰذا دو ایک بیانات پر اکتفا کریں گے سُنئے :

اوّل۔طبری نے روایت کی ہے کہ:''جب عثمان محصور تھے علیؑ نے طلحہ سے کہا تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم عثمان کو لوگوں سے بچاؤ۔طلحہ نے کہا خدا کی قسم اُس وقت تک ایسا نہیں کر سکتا جب تک بنوامیہ پورا پورا قرضہ ادا نہ کردیں۔'' (تاریخ طبری جلد 5 صفحہ 139۔ شرح ابن ابی الحدید جلد 1 صفحہ 168) اسی وجہ سے حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے خدا طلحہ کا بُرا کرے عثمان نے اُسے اتنا اور اتنا دیا اور اُس نے کیا جو کچھ کیا۔''

دوم۔ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ طلحہ عثمان کے شدید دشمنوں میں سے تھے۔زبیر بھی طلحہ کے لگ بھگ ہی تھا۔روایت ہے کہ عثمان نے کہا کہ ابن حضرمیہ (طلحہ) کا ستیاناس ہو میں نے اُسے ہزاروں ہزار رطل سونا دیا اور اب وہ میرے خون کا پیاسا ہے۔خداوندا اُسے اس دولت سے نفع اُٹھانے کا موقع نہ دے اور اس کو بغاوت کی پاداش سے ملاقی کر۔جس روز عثمان مقتول ہوئے اس دن طلحہ منہ پر نقاب ڈالے نگاہوں سے پوشیدہ تھے اور عثمان کی طرف چھپ چھپ کر تیر چلا رہے تھے۔اور یہ کہ جب محاصرہ کرنے والوں کو عثمان کے گھر میں گھسنے کی راہ نہ ملی تو طلحہ ہی نے کسی انصاری کے گھر کی طرف سے انہیں عثمان کے گھر میں داخل کیا۔'' (ابن ابی الحدید جلد 2 صفحہ 404)۔اسی طرح طلحہ کے دشمنانہ رویہ کے تاریخوں میں انبار لگے ہوئے ہیں۔

(3) عائشہ، زبیر، عمرو بن العاص ایسے 35 بزرگوں کی رائے اور عثمان سے دشمنی

بات کو مختصر کرنے کیلئے یہ عرض کردوں کہ عائشہ اور دیگر صحابہ عثمان کو نعثل کہہ کر اُسکا ذکر کرتے تھے اور سب طلحہ کی طرح اُنکے دشمن تھے۔

اُنکے حالات تو الگ اگر ہم اُن کتابوں کے نام لکھیں جن میں اُنکی دشمنی ثابت ہے تو دس صفحات درکار ہوں گے لہٰذا عنوان بدلتے ہیں۔

(4) اللہ کے اموال اور عوام کی محنت کو کس بے دردی سے لٹایا اور لُوٹا گیا

ایک نظر پھر اُن لٹیروں اور لُوٹ کے مال پر پڑ جائے جسے طٰہٰ حسین اور دیگر مؤرخین نے سنبھال کر اور بڑی احتیاط و تکلف سے لکھا ہے۔ اور سرمایہ داری و اجارہ داری کی وہ اسکیم واضح ہو جائے جسے ابوبکر و عمر نے شروع کیا تھا۔

پہلا کروڑ پتی عثمان بن عفان خلیفۃ المسلمین

سب سے پہلے عثمان کو سامنے رکھیں اور ہماری مختصر زبان میں ان کی مالی حیثیت دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

''ابوموسیٰ اشعری بہت سونا اور چاندی لے کر آئے حضرت عثمان نے سب کا سب اپنی ازواج اور بیٹیوں میں تقسیم کر دیا۔ اور بیت المال (خزانہ) کا اکثر و بیشتر حصہ اپنے کھیتوں کی آبادی، کاشتکاری اور مکانات کی تعمیر میں صرف کیا۔''

(صواعق محرقہ صفحہ 68) (سیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 87)

علامہ ابن سعد اپنے طبقات میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان جس دن قتل ہوئے اُس دن اُن کے خزانچی کے پاس تین کروڑ پچاس لاکھ درہم، ایک لاکھ پچاس ہزار دینار تھے۔ مرنے پر مقام ربذہ میں تین ہزار اونٹ چھوڑے اور متفرق مقامات پر اتنی جائیداد چھوڑی جس کی قیمت دولاکھ دینار تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 53)

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے مدینہ میں ایک عالیشان محل چونے اور پتھر سے تعمیر کیا اس کے دروازے ساگوان اور عرعر کے بنائے اور بہت سے اموال و جائیداد، باغات و چشمے مدینے میں حاصل کئے۔ عبداللہ بن عتبہ کہتے تھے کہ جس دن عثمان قتل ہوئے اُن کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار دینار، اور ایک کروڑ درہم تھے۔ اور اتنی جائیداد چھوڑی جس کی قیمت ایک لاکھ دینار ہوتی تھی۔ اور بے شمار گھوڑے اور اونٹ چھوڑے۔'' (مروج الذہب جلد 1 صفحہ 433)

دوسرا کروڑ پتی زبیر بن العوام امیدوار خلافت، ممبر شوریٰ:

''انہوں نے اپنے مرنے کے بعد گیارہ مکانات مدینہ میں، دو مکان بصرے میں اور ایک مکان کوفہ میں، ایک مکان مصر میں چھوڑا۔ اُن کے چار بیویاں تھیں۔ بیویوں نے اُن کے ترکے سے آٹھواں حصہ پایا اور ہر بیوی کو بارہ لاکھ ملے۔ اس طرح اُن کا کل ترکہ پانچ کروڑ اٹھانویں لاکھ تھا۔'' (بخاری)

بخاری میں صرف تعداد لکھی ہے درہم و دینار کی صراحت نہیں ہے البتہ تاریخ ابن کثیر میں درہم کی تصریح کی گئی ہے۔

''ابن سعد لکھتے ہیں کہ زبیر کی مصر میں بھی جاگیریں تھیں، اسکندریہ میں بھی، کوفہ میں بھی، مدینہ میں کئی مکانات تھے۔ اطراف مدینہ سے اُن کو آمدنی آتی تھی۔'' (طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 77)

تیسرا کروڑ پتی بھی شوریٰ کا ممبر' خلافت کا امیدوار یعنی طلحہ صاحب:

''کوفہ میں انہوں نے بڑا عالی شان محل بنوایا تھا روزانہ ایک ہزار دینار کی آمدنی صرف عراق سے تھی بعض نے اس سے زیادہ لکھی ہے سراۃ کے اطراف کی آمدنی ایک ہزار دینار سے بھی زیادہ تھی۔ انہوں نے ایک محل مدینہ میں بھی بنوایا تھا جو پکی اینٹوں اور چونے سے تعمیر ہوا تھا اس میں ساگوان کی لکڑی بھی استعمال ہوئی تھی۔ محمد ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ طلحہ کی آمدنی عراق سے 4 لاکھ سے پانچ لاکھ تک تھی اور سراۃ کے اطراف سے کم وبیش دس ہزار دینار تھی۔ سفیان بن عُیَینہ نے ان کی روزانہ آمدنی ہزار وافی یعنی ہزار دینار کہا ہے۔ موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مرنے پر بائیس لاکھ درہم دو لاکھ دینار چھوڑے۔ ابراہیم بن محمد بن طلحہ کہتے ہیں کہ طلحہ نے مال و اسباب زمین و جائیداد، سونا چاندی جتنا چھوڑا اس کی مجموعی قیمت تین کروڑ درہم تھی جس میں نقد بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار تھے باقی جائیداد و اسباب تھا۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ طلحہ نے مرنے پر سو (100) بھار چھوڑے جس میں سونا بھرا ہوا تھا (بھار بیل کی کھال کو کہتے ہیں)۔ علامہ ابن عبدربہ نے خشنی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے تین سو (300) بھار سونا چاندی کے چھوڑے، سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ تین سو اونٹوں کا بھار سونا چھوڑا۔ (طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 158؛ مروج الذہب جلد 1 صفحہ 434؛ عقد الفرید جلد 2 صفحہ 279؛ ریاض النضرہ جلد 2 صفحہ 258؛ دول اسلام علامہ ذھبی جلد 1 صفحہ 18؛ خلاصہ خزرجی صفحہ 52)

چوتھا کروڑ پتی امیدوار خلافت اور ممبر شوریٰ عبدالرحمٰن بن عوف: علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

''عبدالرحمٰن نے مرنے پر ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے چھوڑے۔ مقام جرف پر اُن کی کھیتی ہوتی تھی جس میں بیس اونٹ کام کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے مرنے پر اتنا سونا چھوڑا کہ ورثہ میں کلہاڑیوں سے کاٹ کر تقسیم کیا گیا۔ چار بیویاں چھوڑیں۔ ہر بیوی نے اسّی ہزار پائے۔ علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن نے ایک بہت عالی شان، وسیع اور عریض محل تعمیر کیا تھا جس کے اصطبل میں سو گھوڑے، ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں بندھتی تھیں۔ اور مرنے پر اُن کے ترکے کا آٹھواں حصہ چوراسی ہزار تھا۔''

(طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 96؛ مروج الذہب جلد 1 صفحہ 434؛ تاریخ یعقوبی جلد 2 صفحہ 46؛ صفۃ الصفوۃ ابن جوزی جلد 1 صفحہ 138، ریاض النضرہ جلد 2 صفحہ 291)

پانچواں کروڑ پتی امیدوارِ خلافت، ممبر شوریٰ سعد بن ابی وقاص:

سعد نے مرنے پر دو لاکھ پچاس ہزار درہم چھوڑے اپنے قصرِ عقیق میں وفات پائی۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ انہوں نے مقام عقیق میں عالی شان محل بہت بلند و بالا طویل و عریض تعمیر کیا تھا اور بلندی پر کنگرے بھی بنوائے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 105؛ مروج الذہب جلد 1 صفحہ 434)

ابوبکر وعمر کی اسکیم و نظام سے یوں تو عثمان کے زمانہ تک ہزاروں قریشی لیڈر کروڑ پتی بن چکے تھے لیکن ہم نے زیادہ تر اُن لوگوں کو آپ کے سامنے رکھنا ضروری سمجھا جو اُن کروڑ پتیوں میں سے امیدوارانِ خلافت اور صاحبانِ اِدّعا تھے۔

(5) قریشی خلافتوں کے عموماً اور عثمانی خلافت کے خصوصاً تیار کردہ سرمایہ داروں اور سرمایہ کی فہرست

سرمایہ دار	دینار
مروان بن الحکم	500000
عبداللہ بن ابی سرح	100000
طلحہ بن عبیداللہ	200000
عبدالرحمٰن بن عوف	2560000
یعلی بن اُمیہ	500000
زید بن ثابت	100000
عثمان خلیفہ	350000

سرمایہ دار	دراھم
حکم بن العاص	300000
آل حکم	300000
حارث بن حکم	3000000
سعید بن العاص	100000
ولید بن عقبہ	100000
عبداللہ بن ابی سرح	900000
ابوسفیان	200000
مروان بن الحکم	100000
طلحہ بن عبیداللہ	32200000
زبیر بن العوام	59800000
سعد بن ابی وقاص	30300000

(15۔ح) پاک وہند کے سب سے بڑے قریشی عالم کی نظر میں عثمان اینڈ کمپنی کا حال

پاکستان اور ہندوستان کے تمام دشمنانِ علیؑ اور آل علیؑ میں سب سے بڑے دشمن جناب علامہ ابوالاعلیٰ مودودی سَعِّرَ اللّٰہُ تُرْبَتَہٗ کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' سے بھی عثمان اینڈ کمپنی کے حالات پر چند بیانات اس لئے ضروری ہیں کہ مودودی نہ صرف پاک و ہند کے بلکہ دنیائے عرب کے بھی مُسلَّم الثبوت، قابل قدر اور قابلِ اعتماد عالم مشہور ہیں۔اور حد یہ ہے کہ سربراہانِ عرب اُن کو عربوں کے اختیار کردہ اسلام کی نشر واشاعت کے لئے اعلانیہ لاکھوں روپے کے چیکس (Cheques) بھیجتے رہے اور خاص طور پر نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ سعودی عرب میں تو صرف مودودی کی لکھی ہوئی کتابیں ہی بے روک ٹوک لے جائی جاسکتی ہیں اور باقی مذاہب اور علما کی حتّٰی کہ دوسرے سُنی علما کی کتابیں بھی سعودی عرب میں داخل نہیں ہوسکتیں۔لہٰذا علامہ مودودی کے بیانات کا سب سے اہم اور آخری درجہ ہوگا۔چنانچہ اپنے عنوانات اور بیانات پر اس عظیم ترین دشمنِ اہل بیتؑ کی مہر تصدیق ثبت کرانے اور اُن کا تعصب، اندازِ دشمنی اور طرزِ استدلال دکھانے کے لئے اُن کی تحریریں نہایت غور طلب ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(1) عثمان پر تہمت تراشی کی آڑ میں وہ حقائق جن سے ابوبکر وعمر اور عثمان کی حکومت گریزاں رہی

''حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اُس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔اُنہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو

بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے۔ اور اُن کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہیں۔''
(خلافت وملوکیت صفحہ 106)

(2) علامہ خلافت سے ملوکیت کی طرف پہنچنے کے لئے عثمان کو ایک زینہ یا مرحلہ بنانا چاہتے ہیں

قارئین علامہ کے اس مختصر سے بیان کو سمجھنے اور اس کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے قریشی علما کے تصورِ خلافت کو مختصر الفاظ میں یوں سامنے رکھیں کہ اُن کے نزدیک ابوبکر وعمر کی خلافتیں یا حکومتیں سو فیصد حق اور منشائے قرآن کے مطابق تھیں اور بنی اُمیہ و بنی عباس کی خلافتیں یا حکومتیں سو فیصد ملوکیتیں یعنی حقیقی خلافت کے برعکس عام دنیاوی حکومتیں تھیں جو منشائے قرآن کے خلاف تھیں۔ علامہ نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں یہ دکھانا ہے کہ ابوبکر وعمر کی قائم کردہ حقیقی خلافت کس طرح ملوکیت میں تبدیل ہوگئی؟ چنانچہ وہ پہلے نمبر پر عثمان کو وہ زینہ بناتے ہیں جہاں سے حقیقی خلافت کا رُخ ملوکیت کی طرف مڑ گیا تھا۔ اور وہ اس لئے کہ عثمان رفتہ رفتہ اُس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے جو ابوبکر وعمر نے حقیقی خلافت کامیابی سے چلانے کے لئے اختیار کئے رکھی تھی۔ اس رفتہ رفتہ ہٹتے جانے کو ثابت کرنے کے لئے علامہ اینڈ کمپنی عثمان پر قبیلہ پروری کا الزام یا تہمت لگاتی ہے اور اُن عہدوں وغیرہ کا ذکر کرتی ہے جو عثمان نے قبیلہ کے لوگوں کو دیئے تھے۔ ایسے بیانات پڑھتے ہوئے سادہ مزاج لوگوں کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ علما عثمان کی مذمت کر رہے ہیں اور اُن کی طرز حکومت کو غلط کہہ رہے ہیں۔ اور شیعہ مذہب کے عوام اور علما تو اس سے بہت خوش ہوتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ دیکھو عثمان نے یہ کیا اور وہ کیا لہٰذا اُن کی حکومت ایک باطل حکومت تھی۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ قریشی علما کے پاس سب سے بڑا اور کامیاب ہتھیار اجتہاد اور بشریت ہے۔ وہ یہ کہہ کر مجتہد پرست طبقے کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ ہم ابوبکر وعمر وعثمان کو بشر اور غیر معصوم سمجھتے ہیں اُن سے اجتہادی غلطی کے قائل ہیں۔ اجتہادی غلطی رسولؐ اللہ سے بھی مانتے ہیں اور اجتہادی غلطی کو جرم نہیں سمجھتے ہیں۔ جرم یا گناہ وہ ہوتا ہے جو عمداً سوچ سمجھ کر کیا جائے۔ یہ کام یعنی جرم وگناہ نہ رسولؐ نے کیا نہ خلفا نے کیا۔ یوں علامہ مودودی اور اُس کے ہم مذہب علما عثمان کو اجتہادی غلطی کی چادر ڈال کر اُن تمام مذمتوں سے بچا کر خلیفہ برحق اور اس خلافت کو خلافت راشدہ بنا لیتے ہیں۔ پھر عثمان کے بعد معاویہ کو موردِ الزام قرار دیتے ہیں اور وہاں سے خاندانی حکومت یعنی ملوکیت کی ابتدا کرتے ہیں اور معاویہ کو بھی اجتہادی غلطی کے پردے میں بہرحال رضی اللہ عنہ بنائے رکھتے ہیں۔ معاویہ کے بعد والے خلفا کی غلط باتوں کو غلط اور صحیح کو صحیح کہتے جاتے ہیں یعنی پھر اجتہادی غلطی کی چادر اپنے علما اور فقہا اور نام نہاد اماموں کو سونپ کر فارغ ہو جاتے ہیں اور اُن کے زمانہ کو ملوکیت کا دور مانتے ہیں۔ اور ملوکیت قائم کرنے کا جرم ابوبکر وعمر وعثمان پر نہیں لگاتے بلکہ اُن کو خلفائے راشدین مانتے ہیں۔ یعنی عثمان کو ملوکیت کا پہلا زینہ مان کر بھی اُسے ملوکیت سازی کی بنیاد رکھنے کا مجرم نہیں کہتے۔ گویا عثمان کو ایک فرضی آڑ بنایا جاتا ہے، اُس کی فرضی مذمت کی جاتی ہے۔ اور عثمان کے کئے ہوئے تمام باطل اعمال کو اعمالِ حق قرار دے دیا جاتا ہے۔ اور اہل سنت عوام مطمئن ہو جاتے ہیں اور مطمئن چلے جا رہے ہیں۔ اُدھر شیعہ علما جو بحثیں کرتے ہیں وہ بے اثر و بے نتیجہ ہوتی چلی جاتی ہیں اس لئے کہ وہ بھی عثمان کی اُسی طرح اور اُن ہی افعال پر مذمت کرتے ہیں جس طرح سُنی علما مذمت کرتے

ہیں۔فرق یہ ہے کہ اُن کی مذمت فرضی اور بطور فریب ہوتی ہے اور اِن کی مذمت مذہبی اور احمقانہ ہوتی ہے لہٰذا بے اثر رہتی ہے۔

(3) ابوبکر وعمر کی خلافت وحکومت اور عثمان کی خلافت وحکومت میں ذرہ برابر اختلاف یا فرق نہیں تھا یہ فریب ہے

لیکن ہماری گفتگو چونکہ مُسلّمہ حقائق پر منحصر رہتی ہے اور قارئین کو کوئی بات اپنی طرف سے فرض نہیں کرنا پڑتی لہٰذا اس کا نتیجہ نکلنا لازم ہوتا ہے۔لہٰذا اس گفتگو میں ہمیں یہ بتانا ہے کہ عثمان نے ابوبکر وعمر کی سیرت یا سنت پر عمل کرنے کا عہد کرکے ابوبکر وعمر کی جانشینی اختیار کی تھی اور ہم کہتے ہیں اور کہنا چاہئے کہ اُن کا فرض تھا کہ وہ ابوبکر وعمر کی سیرت یا پالیسی یا طرزِ حکومت سے سرِ مُو (بال کی نوک کے برابر) بھی اختلاف وخلاف ورزی نہ کریں۔یہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ عثمان نے ذرہ برابر بھی ابوبکر وعمر کی سیرت یا سنت یا پالیسی کے خلاف عمل نہیں کیا اور علامہ مودودی اینڈ کمپنی یا تمام اہلِ سنت علما کہتے ہیں کہ:

''عثمان رفتہ رفتہ ابوبکر وعمر کی پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔یعنی ایک روز، ہٹتے ہٹتے' بالکل مخالف پالیسی پر عمل پیرا ہو گئے۔''

قارئین سوچیں کہ ہم دونوں میں سے کون (میں یا علامہ) عثمان پر ابوبکر وعمر کی پالیسی کی خلاف ورزی کا الزام عائد کرتا ہے؟ اور کون عثمان کا طرفدار ہے؟ یا کون اُن کا مخالف ہے؟ اور جو عثمان کا مخالف ہے اُس کی بات ماننا چاہئے یا طرفداری کرنے والے کی بات زیادہ قابلِ قبول ہے؟ پھر یوں سوچئے کہ اُن کا مخالف تو دوسرے الفاظ میں یہ کہتا ہے کہ عثمان نے تو وہ عہد ہی توڑ دیا جس پر اُن کی خلافت کے جائز و ناجائز ہونے کا دارومدار تھا اور جس پر عمل کرنے کی شرط پر انہیں خلافت ملی تھی اور عمل نہ کرنے والے کو خلافت سے محروم کرنا جائز سمجھا گیا تھا۔لہٰذا بدعہدی ماننے والوں کے نزدیک عثمان کی خلافت وحکومت و احکامات سب باطل ہو جاتے ہیں۔لہٰذا مودودی اینڈ کمپنی کے یقینیات وبیانات کی رُو سے عثمان راشد و رَاشد تو الگ جائز خلیفہ بھی نہیں رہتے۔

(4) علامہ مودودی عثمان پر اعتراض کرکے لوگوں کو فریب دیتے ہیں مگر درحقیقت وہ عثمان کی مدح کرتے ہیں

علامہ اینڈ کمپنی کا یہ اعتراض کہ ''عثمان نے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے دیئے۔'' اس لئے باطل ہو جاتا ہے کہ خود علامہ اُن رشتہ داروں کو اُن عہدوں کے لئے بہترین قابل افراد مانتے ہیں سنئے:

عثمان نے نہایت قابل لوگوں کو بڑے بڑے اہم عہدے دیئے تھے: ''اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا عثمانؓ نے حکومت کے یہ مناصب (عہدے) دیئے، اُنہوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا (مثلاً دو کی جگہ صبح کی چار رکعتیں پڑھانا، خلافت وملوکیت صفحہ 112) اور اُن کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں۔'' (صفحہ 108)

علامہ نے اُن لوگوں کی قابلیت کو اعلیٰ درجے کی مانتے ہی اپنے اعتراض کو باطل کر دیا۔یعنی اگر علامہ یہ کہتے کہ:

''عثمان نے اپنے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے نہایت نا قابل لوگوں کو بھی بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے تھے۔''

تب مانا جاسکتا تھا کہ عثمان نے ابوبکر وعمر کی پالیسی کے خلاف عمل کیا۔یعنی وہ اعلیٰ درجے کے قابل لوگوں کو عہدے دیا کرتے تھے اور عثمان نے اقربا پروری کی خاطر نہایت گھٹیا درجے کے لوگوں کو عہدے دیئے تھے۔لیکن اگر وہ بھی اعلیٰ درجے ہی کے لوگوں کو منتخب کرکے عہدے

دیتے تھے تو عثمان نے سوفیصد اُن کی پیروی کی۔ نہ کہ اُن کی پالیسی کے خلاف عمل کیا۔

(5) مودودی کے دوسرے اعتراض کی صورت قابلِ غور اور بہت دُور رس نتائج کی حامل ہے

علامہ، عثمان کے مقرر کردہ عہدے داروں کی اعلیٰ درجے کی قابلیت مان کر اپنے اعتراض کی پہلی صورت کو یہ کہہ کر بدل ڈالتے ہیں کہ:

''1 لیکن ظاہر ہے کہ قابلیت صرف اُن ہی (رشتہ دار) لوگوں میں نہ تھی۔ دوسرے لوگ بھی بہترین قابلیتوں کے مالک موجود تھے۔ اور اُن (رشتہ داروں) سے زیادہ خدمات انجام دے چکے تھے۔ 2 محض قابلیت ہی اس بات کے لئے کافی دلیل نہ تھی کہ خراسان سے لے کر شمالی افریقہ تک کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں دے دیا جاتا اور مرکزی سکرٹریٹ پر بھی اُسی خاندان کا آدمی مامور کردیا جاتا۔ یہ بات اوّل تو بجائے خود قابلِ اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو مملکت کے تمام اہم عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دے دیئے جائیں۔'' (ایضاً صفحہ 109-108)

(6) اس بیان میں بہترین قابلیت کے اور زیادہ تر خدمات انجام دے چکنے والے لوگوں کی موجودگی صحیح اعتراض ہے

اگر واقعی ایسے لوگ موجود تھے جو قابلیت میں عثمان کے منتخب کردہ لوگوں سے زیادہ قابلیت کے مالک تھے تو واقعی عثمان کا عملدرآمد غلط تھا۔ اس لئے کہ قابل تر لوگوں کو پہلا نمبر نہ دینے والا یقیناً حق تلفی اور ظلم کرنے والا ضرور مانا جائے گا۔ لیکن علامہ نے اپنے اعتراض میں یہ نہیں کہا کہ زیرِ بحث عثمانی عہدیداروں سے زیادہ قابل لوگ موجود تھے لہٰذا اعتراض کی یہ صورت نہ رہی۔ پھر اعتراض یہ ہے کہ برابر کی قابلیت کے اور لوگ بھی موجود تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عثمان کو اُن پر اعتماد نہ تھا اس لئے برابر کی قابلیت اور اعتماد رکھنے والوں کو عہدے دیئے گئے لہٰذا یہ اعتراض بھی باطل ہوگیا۔ رہ گیا یہ کہنا کہ وہ برابر کی قابلیت کے حامل لوگ منتخب کردہ لوگوں سے کسی زمانہ میں زیادہ خدمات انجام دے چکے تھے۔ یہ اس گارنٹی کے ساتھ قابل اعتنا ہے کہ وہ لوگ عثمان کی ماتحتی میں بھی ضرور دیانت وامانت پر برقرار رہ کر خدمات انجام دیں گے۔ ایسی گارنٹی علامہ کے پاس کوئی ہو نہیں سکتی۔ بشری کمزوریاں جب مان لی گئیں تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ بعض لوگ کل تک بد دیانت اور نا قابل اعتماد تھے لیکن کل سے دیانت دار و قابلِ اعتبار بن سکتے ہیں۔ یہی بات اُن کے لئے صحیح ہے جو کل تک دیانت دار و صاحبانِ اعتبار تھے کل سے بد دیانتی شروع کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں کے ساتھ وفادار اور بعض کے ساتھ غدار ہوتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ قریبی رشتہ داروں سے وفاداری اور نیک سلوک کی زیادہ امید کی جاتی رہی ہے۔ یہ بات صرف عثمان کے لئے ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر آدمی اور اس کے رشتہ داروں کے لئے صحیح ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض نہایت لچر اور نامعقول ہے کہ تمام عہدے ایک ہی خاندان میں کیوں رکھے گئے اور یہ کہنا تو بڑی زبردست حماقت کا ثبوت ہے کہ:

''محض قابلیت ہی اس بات کے لئے کافی دلیل نہیں۔'' یعنی کہنے والا گویا یہ کہتا ہے کہ: ''نا قابلیت اس بات کے لئے کافی دلیل ہے۔'' ساری دنیا سُن لے کہ: ''ہر بات کے لئے قابلیت ہی کافی دلیل ہوتی ہے اور قابلیت کے مقابلے پر کسی چیز کو نہ کوئی مانتا ہے اور نہ ماننا چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ کوئی علامہ بن کر عقل و دیانت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ البتہ ہم اعتراض کی پہلی صورت کو قبول کر چکے ہیں یعنی زیادہ

قابل اور زیادہ خدمت گزاروں کے مقابلے میں نا قابل یا کم قابل لوگوں کو عہدہ یا کوئی اہم ذمہ داری سونپنا ظلم اور گناہ ہے۔ خواہ عثمان کرے یا کوئی اور کرے۔

(7) اسلام پہلا نمبر انسانوں کی ذہنی تربیت کو دیتا ہے اور بڑے عہدوں کے لئے نبیؐ کی زیادہ سے زیادہ تربیت وسیرت لازم ہے

ذرا آگے بڑھ کر علامہ نے بڑے عہدوں اور اہم ذمہ داریوں کے سپرد کرنے پر ایسی شرطیں لگا دی ہیں کہ جن سے علامہ کی خلافتِ راشدہ خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ یہ طویل اقتباس خاص توجہ سے پڑھیں اور اس کے ہر جملے کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے ساتھ کے ساتھ تیاری کرتے چلیں ارشاد ہے کہ:

اوّل۔ طلقا کو عہدے دینا اور اوّلین وسابقین اور اسلام کے لئے جان لڑانے والوں کو محروم کرنا عثمان کے اعمال میں سے ایک عمل ہے

''مگر اس کے علاوہ چند اسباب اور بھی تھے جن کی وجہ سے اس صورتِ حال نے اور زیادہ بے چینی پیدا کر دی۔ اوّل یہ کہ اس خاندان کے جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب ''طلقا'' میں سے تھے۔ ''طلقا'' سے مراد مکے کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی ﷺ اور دعوتِ اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے اُن کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم (بہت سوں کو چھوڑ دیا۔ احسنؔ) اُن ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے، اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو چکے تھے۔ رسولؐ اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کے بارے میں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اگر خانہ کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے یہ (عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ احسنؔ) اُن میں سے ایک تھے۔ حضرت عثمان انہیں لے کر اچانک حضورؐ کے سامنے پہنچ گئے۔ اور آپؐ نے محض اُن (عثمان۔ احسنؔ) کے پاسِ خاطر سے اُن کو معاف فرما دیا تھا۔ فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آ سکتی تھی کہ سابقین اوّلین' جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لئے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا؛ پیچھے ہٹا دئے جائیں اور اُن کی جگہ یہ (طلقا) اُمت کے سرخیل ہو جائیں۔

دوم۔ سربراہی کے لئے نبیؐ کی زیادہ سے زیادہ صحبت اور قلب وذہن اور سیرت وکردار کی پوری قلب ماہیت لازم ہے

دوسرے یہ کہ اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ وہ ایمان تو ضرور لے آئے تھے۔ مگر نبی ﷺ کی صحبت اور تربیت سے اُن کو اتنا فائدہ اُٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ اُن کے ذہن اور سیرت وکردار کی پوری قلب ماہیت ہو جاتی۔ وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجے کے فاتح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوئے۔ لیکن اسلام محض ملک گیری و ملک داری کے لئے تو نہیں آیا تھا۔ وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوتِ خیر وصلاح تھا۔ جس کی سربراہی کے لئے انتظامی وجنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی واخلاقی تربیت کی ضرورت تھی۔ اور اُس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ وتابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 110-109)

سوم۔ **عثمان کا سیرت وسُنّۃِ ابوبکر وعمر پر قائم رہنا اور ابوبکر وعمر کا قرآن ورسوؐل کا دین وسُنّۃ وطریقہ چھوڑ دینا**

علامہ مودودی اپنے بیان میں دشمنانِ رسوؐل یعنی طلقا کا ذکر نہ کرتے تو عثمان کو بچانا ہمارے لئے ذراسا مشکل ہوجاتا۔اور اگر مودودی طلقا میں سے چند ناموں میں معاویہ کا نام نہ لکھتے تو قارئین کو عثمان وابوبکر وعمر کے منتخب کردہ افسروں، گورنروں اور عہدے داروں کا فرق سمجھنا مشکل ہوجاتا۔اور اگر علامہ اسلام کا اوّلین اور بالذات مقصد نہ بتاتے تو ابوبکر وعمر کا اسلامی مقاصد کا مخالف ہونا ثابت کرنا مشکل ہو جاتا۔اور اگر اسلامی سربراہی کی اسلامی شرطیں اور ضرورتیں نہ لکھتے تو ابوبکر وعمر کو اور اُن کے تمام اسٹاف کو باطل اور سازشی قرار دینا مشکل ہوجاتا۔اور اگر وہ ''ملک گیری اور ملک داری'' کے ساتھ لفظ ''محض'' لگا کر اُسے اسلام کے بالذات اور اوّلین مقاصد سے خارج نہ کرتے تو قرآن کی پیش گوئی (بقرہ 2/205) کو ابوبکر وعمر پر مطابق کرنا مشکل ہوجاتا۔اور اگر علامہ یہ جملے نہ لکھتے کہ:

1 ''نبی ﷺ کی صحبت وتربیت سے اُن کو اتنا فائدہ اُٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ اُن کے ذہن اور سیرت وکردار کی پوری قلبِ مَاہیّت ہوجاتی۔'' (صفحہ 109)اور:

2 ''اسکے اعتبار سے یہ (عثمانی) لوگ صحابہ وتابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔''(صفحہ 110)اور:

3 ''سابقین اوّلین جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لئے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا۔ پیچھے ہٹادیئے جائیں اور اُن کی جگہ یہ لوگ اُمت کے سرخیل ہوجائیں۔''

ان تینوں جملوں سے ہمارے اور قارئین کے لئے یہ مشکل کام آسان ہوگیا کہ ہم:

1 مسلمانوں کی اوّلین اور سابقین اور فروغ اسلام کے لئے جان لڑانے والے مجاہدین کی تمام صفوں کے آگے جناب علی ابن ابی طالب غالب علیٰ کلِ غالب، فاتح خیبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سپہ سالار وامامؑ وسربراہِ مطلق کی حیثیت میں کھڑا کردیں اور مع ہمارے سب سرِتسلیم خم کریں۔اور

2 روزِازل سے نفسِ رسولؐ،اور جسم وروح، گوشت اور خون میں شریکِ رسولؐ اور تمام محمدؐ کی صفات اور نام بھی محمدؐ رکھنے والے کو علی علیہ السلام کہہ سکیں۔

چہارم۔ **ابوبکر وعمرؔ مودودی کے بیان سے دشمنانِ خدا ورسوؐل اور مخالفینِ اسلام اور غدارانِ انسانیت نکلے**

ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ ابوبکر وعمر کی خلافت وحکومت کے دوران تمام اوّلین وسابقین صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ میں نظر بند وقید رکھا گیا تاکہ وہ تعلیماتِ رسولؐ یا احادیثِ رسوؐل کو مملکت اسلام وغیر اسلام میں پھیلا کر ابوبکر وعمر کی قائم کردہ قریشی حکومت کو قرآن ورسوؐل کا مخالف ثابت نہ کرسکیں (تمام تواریخ وکتب احادیث) اور یہ بات ساری دنیا کو معلوم ہے کہ اُنہوں نے حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی تمام اوّلین وسابقین اور فروغِ اسلام کے لئے جان لڑا کر جہاد کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نہ صرف قید ونظر بند رکھا بلکہ اُن کے وہ تمام حقوق چھین لئے جو قرآن نے اُن کو دیئے تھے چنانچہ انہیں افلاس وتنگ دستی اور یکہ وتنہا رہنے پر بھی مجبور رکھا اور اُنہیں نہ کوئی فوجی

عہدہ دیا نہ کسی صوبے کا گورنر بنایا نہ قوانینِ اسلام نافذ کرنے کے لئے کسی عدالت کا جج بنایا۔ حالانکہ وہ قرآن و رسولؐ ہی کی رُو سے نہیں بلکہ عمر و ابوبکر و عثمان کے بیانات کی رُو سے بھی سب سے عظیم ترین قانون دان اور جج تھے۔ اور پوری امت کو ذمہ داری کے ساتھ' بلا شک و شبہ صراطِ مستقیم و حقِ مبین پر قائم رکھ سکتے تھے۔ (دیکھو صفحات علویہ بذبانِ عمر تجویز شوریٰ میں) اور یہ کہ:

(8) حضرت علیؑ کو اُن کے دشمن بھی عمر کا ہمسر اور علم و فضل میں تنہا مانتے ہیں

حضرت علیؑ ہی وہ ذات پاک و بلند مرتبہ شخص تھے جو علمی استفادہ میں عمر کے محتاج نہ تھے اور عمر کے ہمسر مانے گئے ہیں۔ شبلی کے جملے سنیئے:

1 ''اگرچہ علم و فضل کے لحاظ سے حضرت علیؑ کے سوا کوئی شخص اُن کا ہمسر نہ تھا۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 138)

2 ''مکہ معظمّہ میں شیخ عبداللہ بن عباس تھے، مدینہ منورہ کے زید بن ثابت و عبداللہ بن عمرؓ کوفہ کے حضرت علیؑ و عبداللہ بن مسعودؓ ابو موسیٰ اشعری۔ شام کے ابودرداء و معاذ بن جبل۔ اِن میں (حضرت علیؑ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمر ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔''(الفاروق حصہ دوم صفحہ 108)

اوّل۔ ابوبکر و عمر نے عظیم قابلیتوں کے مالک صحابۂ رسوؐل کو محروم وقید رکھ کر طلقا کو اہم عہدے دیئے

قارئین سوچیں کہ ابوبکر و عمر نے حضرت علی علیہ السلام کو محروم وقید و مقہور و مظلوم رکھا اور ابوسفیان کے بیٹوں معاویہ بن ابوسفیان اور یزید بن ابوسفیان اور عمرو بن عاص کو عہدوں اور جاگیروں سے نوازا۔ شبلی نے لکھا ہے کہ:

''حضرت عمرؓ کی حسن سیاست کا ایک بڑا ثبوت اور اُن کی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے حکومت وانتظام کی کَل (مشین) میں نہایت موزوں پرزے استعمال کئے تھے۔ یہ عموماً مُسلّم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت اُن (عمر) میں سب سے بڑھ کر تھی۔ اس ذریعہ سے اُنہوں نے تمام عرب میں قابل آدمیوں اور اُن کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور اُن ہی قابلیتوں کے لحاظ سے اُن کو مناسب عہدے دیئے تھے۔ سیاست وانتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ 1 امیر معاویہ 2 عمرو بن العاص 3 مغیرہ بن شعبہ 4 زیاد بن سمیہ (یعنی حرامزادگان۔ احسن) چنانچہ اُن سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں......جنگی خدمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد بن وقاص، خالد بن ولید، نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا۔''(ایضاً صفحہ 87)

دوم۔ ابوبکر کے زمانہ میں بھی طلقا اور مجہول لوگوں کو عہدے اور اختیارات دیئے جاتے رہے

ہمارے اِن حوالوں اور ثبوت کو دیکھنے والا کٹر سے کٹر سُنّی بھی مودودی اور اُس کے پسندیدہ رہنماؤں پر نفرین وافسوس کئے بغیر نہ رہے گا۔ اور اعلان کرے گا کہ عثمان نے درحقیقت سیرت و طریقۂ ابوبکر و عمر پر ہی عمل کیا تھا۔

یہاں ہم وہ فہرست لکھتے ہیں جن لوگوں کو ابوبکر نے اور عمر نے قریشی خلافت قائم ہوتے ہی عہدے دیئے تھے اور اوّلین و سابقین اور فروغ اسلام کے لئے جانیں لڑانے والے پہلی صف کے صحابہ کو پیچھے ہی نہیں ہٹایا تھا بلکہ مدینہ میں اُن کا منہ بند کر کے قید رکھا تھا۔

(1) ابوبکر و عمر کے عہدیداران اور حکامِ خلافت

''حضرت ابوبکر نے 12 ہجری کے آخر میں چار بڑے سپہ سالار منتخب کئے۔1 عمرو بن العاص 2 یزید بن ابی سفیان 3 ابوعبیدہ بن الجراح 4 شرجیل بن حسنہ'' (تاریخ اُمت علامہ محمد اسلم خارجی جیراجپوری جلد 2 صفحہ 66)

یہ نوٹ کریں کہ یہ چاروں سردارانِ لشکر اُس وقت تعینات کئے گئے تھے جب عرب میں اپنی حکومت کے مخالفوں کا قتلِ عام کر چکے تھے اور اب سارے عرب کو لُوٹ کا مال حاصل کرانے کے لئے بیرونی غیر مسلم ممالک پر حملوں کی تیاری کی گئی تھی۔لیکن اس سے بہت پہلے بعد رحلتِ رسولؐ جب اپنے مخالفوں کو کچلنے کے لئے پورے عرب کو مرتد کہہ کر فوج کشی کی گئی تھی تو مندرجہ ذیل سردارانِ لشکر تعینات کئے گئے تھے۔اُسی خارجی سے سنیئے:

(2) عرب میں مسلمان مخالفوں سے اپنی حکومت منوانے کے لئے قتلِ عام اور فوج کشی کا نظام

''اُسامہ کے لشکر کے لوگ اب تازہ دم ہو چکے تھے۔اُن کو ساتھ لے کر ابوبکر پھر مدینے سے نکلے اور مقامِ ذوالقصہ میں' جو مدینہ سے نجد کی جانب بارہ میل فاصلہ پر ہے قیام فرمایا اور وہاں گیارہ جھنڈے گیارہ امیروں کو دے کر فوج کے دستے اُن میں تقسیم کر دیئے اور مختلف اطراف میں ان کو روانہ کیا تفصیل یہ ہے:(1) خالد بن ولید (2) عکرمہ بن ابوجہل (3) شرجیل بن حسنہ (4) مہاجر بن ابی اُمیہ (5) حذیفہ بن محصن (6) عرفجہ بن ہرثمہ (7) سوید بن مقرن (8) علاء بن الحضرمی (9) طریفہ بن حاجز (10) عمرو بن العاص (11) خالد بن سعید (ایضاً صفحہ 40-39)

ابوبکر کے گورنر: اب ابوبکر کے گورنروں کے نام دیکھیں:

(1) عتاب بن اسید۔مکہ کے گورنر
(2) عثمان بن ابی العاص۔طائف میں
(3) مہاجر بن ابی امیہ۔صنعا میں
(4) زیاد بن لبید۔حضرموت میں
(5) یعلیٰ بن اُمیہ۔خولان میں
(6) زبید۔یمن میں
(7) معاذ بن جبل۔جند میں
(8) عبداللہ بن ثور۔جرش میں
(9) علاء بن حضرمی۔بحرین کا گورنر تھا
(10) جریر بن عبداللہ بجلی۔نجران میں

(تاریخ امت صفحہ 75-74 جلد دوم)

سوم۔ **گورنروں،سپہ سالاروں اور عہدیداروں میں تمام لوگ طلقا یا پچھلی صفوں سے پیچھے والے تھے**

اِن ناموں کو لکھنے اور پڑھنے کی زحمت کا مقصد مودودی اینڈ کمپنی کا منہ بند کرنا اور یہ بتانا تھا کہ قریش کے خلفائے راشدین نے تمام اعلیٰ درجے کے فداکار و جان نثار صحابہ کو ہمیشہ حکومت سے دُور رکھا اور چن چن کر اُن لوگوں کو اپنا دست و بازو بنایا جو مستقل طور پر خانوادہِ نبوّت کے دشمن تھے اور جو حضرت علی علیہ السلام کی حکومت نہ چاہتے تھے۔قارئین مندرجہ بالا ناموں کو تمام قریشی تواریخ و کتب و

احادیث میں تلاش کریں گے تو ان میں سے ایک بھی ایسا نہ ملے گا جو اسلام کی طرفداری میں رسولؐ اللہ کی نصرت کرتا ہوا پایا جائے۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جو اسلامی جہاد میں ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔

فریب نہ کھائیں: ان میں سے بعض لوگوں کے متعلق قارئین کو یہ لکھا ہوا ملے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فلاں مقام کا عامل یا گورنر یا سالارِلشکر بنایا تھا۔ مثلاً خالد بن ولید یا معاذ بن جبل کے لئے۔ ایسے تمام مقامات وحالات قریش کے وظیفہ خوار علما کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں۔ یہ اس لئے ضروری تھا تا کہ پلٹ کر یہ کہہ دیا جائے کہ طلقا اور تھرڈ کلاس کے لوگوں کو اُن کی قابلیت کی بنا پر حضورؐ بھی اہم عہدے دے دیا کرتے تھے۔ اس لئے ثلاثہ اینڈ کمپنی بھی رسولؐ اللہ کی سنت پر عمل کرتی رہی۔ اور قارئین اتنا خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ رسولؐ کے حقیقی صحابہؓ میں برابر ہر قسم کی قابلیت رکھنے والے حضرات موجود تھے۔ اُن دشمنوں کے دشمن بیٹوں کو فوج کی سرداری دینا اور پھر اُس کے یا اُن کے غلط اقدامات کی اللہ سے پناہ مانگنا دونوں کام ڈبل غلطیاں ہیں اور غلطیاں یا غلط فہمیاں انبیاوآئمہ علیہم السلام سے سرزد ہو جانا ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس قسم کی بکواس کہ رسولؐ اللہ نے فلاں خبیث کو فلاں ذمہ داری، ذمہ دار سمجھ کر سونپی تھی ہمارے یہاں بار نہیں پاتی۔ البتہ غیر ذمہ دار سمجھ کر عارضی ذمہ داری سونپی تا کہ جب وہ بھاگتا ہوا فوج سے گالیاں کھاتا ہوا ناکام پلٹے تو سب کو اُس کی بزدلی اور جنگی مہارت کے دعاویٰ کو جھٹلانے کا حق مل جائے۔ اور کوئی جنگ کا بھگوڑا مستقبل میں بہادر یا سپہ سالارِ اعظم نہ مانا جائے۔ جو کافروں کے سامنے سے بھاگے، رسولؐ اللہ کو میدان جنگ میں نرغۂ اعدا میں گھرا ہوا چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ جائے (آلِ عمران 3/152-153) اُسے فاتح کہنا فاتحین کی توہین ہے۔

(9) اسلام کا اوّلین اور بالذات مقصد فنا کر کے اسلام کو مارشلزم بنالیا گیا تھا

علامہ مودودی کے جن جن بیانات کو پڑھتے ہوئے ہمارے قارئین گزرے ہیں، اُن میں مودودی نے اُن لوگوں کی سیاسی و انتظامی اور جنگی قابلیت کا بار بار اعتراف کیا ہے۔ جنہیں عثمان نے، بقول مودودی، اہم عہدے عطا کئے تھے اور پھر آپ نے عمر کے گورنروں اور اہم ترین ذمہ داریاں سنبھالنے والوں میں معاویہ، عمرو عاص اور زیاد بن سمیہ اور مغیرہ بن شعبہ کا نام دیکھا تھا۔ اُن کی قابلیت کے سلسلے میں بھی علامہ شبلی نے یہ فرمایا تھا کہ:

1 ''سیاست وانتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 87) اور یہ بھی کہ:

2 ''عرب میں چار شخص تھے جن کو دُہَاتُ العرب کہا جاتا تھا۔ یعنی جو فن سیاست وتدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن سمیّہ۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 12)

(10) خلفائے ثلاثہ اپنے گورنروں، سرداروں اور لیڈروں میں دینی یا قرآنی قابلیت نہ چاہتے تھے

ابوبکر وعمر یا عثمان میں یا اُن کے انتخاب کردہ لوگوں میں' خود اُن کے اپنے بیانات کی رُو سے بھی اور واقعات کو سامنے رکھنے سے بھی' کہیں ان قابلیتوں کا نشان نہیں ملتا جن سے نوع انسان کی ذہنی ارتقا کا تعلق ہے، جن سے انسانی سیرت وکردار میں اُٹھان اور بلندی کی طرف

پرواز ممکن ہوتی ہے۔ اُن کے زمانوں میں اللہ ورسولؐ اور قرآن کی تعلیمات اور قرآنی علوم میں اعلیٰ درجے کی قابلیت کا نہ کہیں ذکر ملتا ہے نہ ہی تعلیماتِ الٰہیہ میں اعلیٰ ترین قابلیت کی ضرورت کا وجود پایا جاتا ہے۔

تینوں خلفا اس فکر وعمل میں کوشاں اور غلطاں نظر آتے ہیں کہ اُن کو ایسے اشخاص ملیں جو نوع انسان پر تسلط حاصل کرنے اور تسلط برقرار رکھنے اور سربرآوردہ لوگوں کو کچلنے اور اُن کا منہ بند کرنے کے لئے ہر مکر وفریب وقوت وظلم وجبر استعمال کرنے میں اعلیٰ درجے کی قابلیت رکھتے ہوں اور جو لوگ لادینی کو دین، اور سیاست کو مذہب کی صورت میں تبدیل کرسکیں، جو جرائم وظلم وستم کا دین کے نام پر جواز پیدا کرسکیں، جو لوٹ مار وقتل وغارت اور سفاکی میں بے نظیر ہوں۔ اِن تمام قابلیتوں کے لوگوں کا ایک بڑا مجمع ابوبکر وعمر کے گورنروں عہدیداروں، سرداروں اور سپہ سالاروں کی صورت میں ملے گا۔ اور اُن خلفا کا مقصد صرف فتوحات اور قتل وغارت رہتا چلا گیا۔ اور اُن کی طرف کبھی بھی انسانوں کی خیر وصلاح اور قلبی وذہنی ترقی اور سیرت وکردار کی پاکیزگی وبلندی نہیں رہا۔

لٰہذا یہ کہنا ہر حیثیت سے سو فیصد صحیح اور واقعات کے مطابق ہے کہ قریشی مذہب میں، قریشی خلافتوں میں اور قریشی خلفا اور لیڈروں میں کبھی بھی، علامہ کا بیان کردہ مذہب کا اوّلین وبالذات مقصد سامنے نہیں رکھا گیا۔ اس لئے اُنہوں نے حضرت علیؑ کو، قرآنی تعلیمات کو اور رسوؐل کے حقیقی صحابہؓ کو خاموش ونظر بند رکھا تھا۔

(15۔ط) مودودی کے قلم سے عثمان کے اسٹاف کا باقی حال اور عثمانی دَور میں مودودی کے ناپسندیدہ اقدامات وبیانات

پچھلے تمام عنوانات میں ہم نے مودودی کے اُس مختصر سے بیان کی تشریح اور تردید کی ہے جس میں انہوں نے چاہا تھا کہ ابوبکر وعمر کی خلافتوں کو مقدس اور خلافتِ حقہ بناتے ہوئے عثمان کو دونوں کی پالیسی سے ''رفتہ رفتہ ہٹتے جانے'' اور ملوکیت کی 'نادانستہ' بنیاد رکھنے کی راہ نکالی تھی۔ ہم نے علامہ کی اس فریب کارانہ راہ کو مسمار کرکے خود اُن کے بیانات واصول سے یہ ثابت کردیا کہ وہ ابوبکر وعمر ہی تھے جنہوں نے ملوکیت کی ابتدا کی تھی، جنہوں نے ہر اقدام میں قرآن ورسوؐل کی طرزِ حکومت کو بے دینی طرزِ حکومت میں تبدیل کیا تھا۔ جنہوں نے کسی بھی پیدا ہونے والے مسئلے یا مشکل میں ہرگز یہ نہیں سوچا کہ قرآن یا رسولؐ نے اس مسئلے یا مشکل کا کیا حل بتایا ہے؟ بلکہ انہوں نے غیر مسلم ماہرین سے معلومات حاصل کیں، اور سلاطین عجم کے قوانین وقواعد اور پالیسیوں کو من وعن اسلام کے لیبل کے ساتھ نافذ کیا (الفاروق)۔ علم القرآن کے سب سے بڑے دعویدار اور اپنے مسلّمہ عالمؑ کو ہی نہیں بلکہ تعلیمات الٰہیہ رکھنے والے ہر صحابیِ رسوؐل کو بھی جبراً خاموش ونظر بند رکھا۔ رسولؐ اللہ کی احادیث وتفسیر کو یک قلم ممنوع قرار دیا۔ (الفاروق اور تمام تواریخ وکتب احادیث)

اور ہم نے یہ ثابت کردکھایا کہ عثمان نے ہر ہر معاملے میں، اپنے کئے ہوئے معاہدے کے مطابق، ابوبکر وعمر کی سیرت وسنت وپالیسی پر عمل کیا۔ اب ہم علامہ کے قلم سے عثمانی خلافت کے کارکن اور کردار پیش کریں گے اور وہ تمام حالات مختصراً، بطور نمونہ، سامنے لائیں گے جو علامہ کو ناپسند ہیں اور جن کو علامہ اپنی نام نہاد ''ملوکیت'' کے ثبوت اور بنیاد میں دکھائیں گے۔ قارئین کو چاہیے کہ وہ ہر اُس شخص پر نظر رکھیں جو زیر بحث آئے اور پتہ لگائیں کہ اُس میں دینی قابلیت یا علوم القرآن کس قدر پائے جاتے ہیں؟ اور یہ کہ آیا کہیں اللہ،

رسولؐ، قرآن اور تعلیمات خداوندی کو مدنظر رکھا جاتا ہے؟

(1) وہ عہدیداران جن کی معزولی مودودی اینڈ کمپنی کو ناپسند ہے اور تعینات ہونے والے لوگ: اختصار کیلئے یہ چارٹ دیکھ لیں۔

معزول شدہ لوگ	ملک یا علاقہ	گورنر تعینات ہونے والے
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	ماں جایا بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط اور سعید بن عاص
ابوموسیٰ اشعری	بصرہ	ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر
عمرو بن العاص	مصر	رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

علامہ نے اِن تین گورنروں کی معزولی کو قابل اعتراض قرار دیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ اُن معزول کئے جانے والے لوگوں میں وہ کون سی صفات تھیں جو متعین کئے جانے والی پارٹی میں نہ تھیں۔ جب کہ علامہ نے عثمان کے تعینات کئے ہوئے تمام گورنروں کو بلا کسی استثناء اور شرط کے اعلیٰ درجہ کے منتظم وفاتحانہ صفات کے حامل بھی مان لیا ہے۔ رہ گیا رشتہ داری کا ہونا تو وہ کسی نہ کسی فاصلے سے خود ابوبکر و عمر کے بھی رشتے دار تھے اور معزول کئے جانے والوں کے مقابلے میں فطری طور پر نسبتاً زیادہ وفادار و قابل اعتبار بھی تھے۔ پھر معزولی اور تعیناتی میں بھی عثمان، مسٹر ابوبکر و عمر کی سیرت وطریقہ کار کے پیرو تھے۔ اور معزولی کے لئے عثمان کا سبب عمر و ابوبکر کے سبب سے زیادہ قوی اور کم گھناؤنا تھا۔ سنئے اور مقابلہ کیجئے:

(1) ابوبکر و عمر تو ذاتی اور باطل اغراض کے لئے رسولؐ اللہ کے انتخاب کردہ سرداروں کو معزول کرتے رہے

''ابوبکر نے خالد بن سعید کو اس لئے معزول کیا تھا کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد جب خالد بن سعید یمن سے واپس آئے تو اُنہوں نے دو ماہ تک ابوبکر سے بیعت نہیں کی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ مجھ کو رسولؐ اللہ نے (یمن کا) امیر بنایا تھا۔ اور اپنی وفات تک آپؐ نے مجھے اس عہدے سے معزول نہیں کیا۔ یہ خالد، علیؑ بن ابی طالبؑ اور عثمان بن عفان کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ ''اے بنی عبد مناف حکومت پر غیروں نے قبضہ کرلیا اور تم چین سے بیٹھے رہے۔ ابوبکر نے تو خالد کی ان باتوں کی کوئی پرواہ نہیں کی مگر عمر کے دل میں اُن کی طرف سے کھٹک پیدا ہوگئی۔ جب ابوبکر نے ملک شام کی مہم کے لئے لشکر تیار کیا تو سب سے پہلے اُس کے ایک چوتھائی حصے پر خالد بن سعید کو امیر مقرر کیا۔ مگر عمر نے اِس کو ناپسند کیا اور ابوبکر سے کہا کہ ''آپ ایسے شخص کو امیر بناتے ہیں جس کے یہ اقوال اور یہ افعال ہیں۔ اور اس پر ابوبکر کو بار بار ٹوکتے رہے۔ آخر کار ابوبکر نے خالد بن سعید کو معزول کر کے (عثمان کے رشتہ دار) یزید بن ابی سفیان کو امیر مقرر کر دیا۔''

(ترجمہ تاریخ طبری صفحہ 226-225) ذرا آگے چل کر لکھا گیا ہے کہ:

(2) خالد بن سعید کی معزولی کا سبب اور اُسے انتقام کی دھمکی اپنی حکومت کا مخالف اور علیؑ کی طرفداری پر مبنی تھا

خالد بن سعید نے کہا تھا: ''اَے ابوالحسنؑ اَے بنوعبد مناف کیا تم حکومت کے معاملے میں مغلوب ہوگئے ہو؟'' علیؑ نے کہا: ''اسکو تم غلبہ سمجھتے ہو یا خلافت؟'' خالد نے کہا: ''اَے بنوعبد مناف اہل کیلئے تم سے زیادہ مستحق کون ہوسکتا ہے؟'' عمر نے خالد سے کہا کہ: ''خدا تیرا

منہ توڑ دے، جھوٹے، تیرے دماغ میں ایسی ہی باتیں سماتی رہیں گی۔مگر یاد رکھ کہ اسکا خمیازہ تجھے بھگتنا پڑے گا۔" (ایضاً صفحہ 226)

(3) خالد بن سعید کا قصہ افسانہ ہو یا صحیح ؟ عمر دونوں صورتوں میں مذمت کے حق دار ہیں

ہم ان بیانات کی روشنی میں عثمان کی بہ نسبت عمر کو قابلِ مذمت اور باطل پرست سمجھتے ہیں۔اوّل اس لئے کہ وہ ابوبکر کو خلیفہ برحق سمجھ کر بھی اُسکے خلاف رائے رکھتا ہے۔اُسے طعنہ دیتا ہے اور اُسے مجبور کر کے خالد کو معزول کرا کے دم لیتا ہے۔دوسرے اس لئے کہ وہ نہ رسولؐ کے منتخب آدمی کی اور نہ خلیفۂ برحق کی تعیناتی کی پرواہ کرتا ہے۔یعنی وہ اللہ ورسولؐ اور خلیفۂ برحق کا مخالف ہے۔تیسرے اس لئے کہ وہ حضرت علیؑ اور عبد مناف کی اولاد کی ضد میں قابل آدمی کو معزول کرانے میں کوشاں ہوتا ہے اور چوتھے اس لئے کہ یزید بن ابی سفیان بھی، بقول قریش، بنوعبد مناف میں سے ہی ہے اور یقیناً معزولی وتعیناتی کے معاملے میں اور مسٹر عمر کینہ پروری وبغض میں عثمان سے کئی درجہ آگے کا شخص تھا۔لہٰذا مودودی کا اعتراض گوزشتر اور فریب سازی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، آگے بڑھیئے :

(4) عثمانی اسٹاف کے کردار، اقدامات اور پالیسیاں جن پر مودودی اینڈ کمپنی بظاہر خفا ہے

یہاں سے ہم وہ اعمال واقدامات لکھنا شروع کرتے ہیں جو عثمان کے اسٹاف یا گورنروں اور حُکام نے کیئے اور جنہیں مودودی ہی نہیں بلکہ تمام فاروقی علما یا دوسرے الفاظ میں سُنی علما مانتے اور لکھتے تو چلے آئے ہیں۔لیکن جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسے قابل لعنت اعمال کے مجرموں پر لعنت بھیجو اور اس خلافت کو باطل خلافت کہو تو اب وہ پھر اُن ہی ملاعین کی طرفداری میں لگ جاتے ہیں اور اُس خلافت کو خلافتِ راشدہ قرار دیتے ہیں جو اُن بدکار و نابکار لوگوں کو پبلک پر مسلط کر کے انہیں بداعمالیوں کی چھوٹ اور چھٹی دے دیتی ہے۔اَرے دوستو! یہ خبیث مذہب تو یزید ایسے ملعون کو ملعون نہیں قرار دیتا بلکہ اس کی دعائے مغفرت کی سفارش کرتا ہے، اس کو قابلِ بخشش قرار دیتا ہے اور اس صدی کا سُنی مذہب تو یزید کو علیہ السلام اور رضی اللہ کے ٹائٹل سے یاد کرتا ہے۔بہرحال علامہ کے بیان کردہ کو پڑھتے ہوئے یہ ہرگز نہ سوچیے کہ وہ بداعمالیاں صرف عثمان کے اسٹاف نے کی تھیں اور ابوبکر وعمر کے اسٹاف نے وہ یا اس قسم کے اعمال نہ کیئے تھے۔گو اُن کی پردہ داری کے لئے مسلسل چار صدیوں تک قریشی علما نے افسانے وروایات گھڑ گھڑ کر تاریخ کو ابوبکر وعمر اور اُن کے اسٹاف کے اور اُن کی قوم اور ہواخواہوں کے قصائد بنا دیا۔لیکن پھر بھی ہمیں یہ موقع حاصل رہا کہ ہم اُن کی بدکرداریاں اور ہمہ قسمی نابکاریاں ثابت کر دیں۔کون نہیں جانتا کہ خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کی زوجہ سے کھلم کھلم زنا کیا اور عمر نے اعلان کیا کہ وہ خالد کو سنگسار کریں گے۔لیکن جب خالد حاضرِ دربارِ خلافت ہوا تو عمر نے اپنا ارادہ بدل دیا اس لئے کہ خالد سے اور بہت سے ناجائز مظالم کرانا تھے۔عمر نے مضبوط شہادتوں کے باوجود مغیرہ بن شعبہ کو زنا کے جرم میں معاف کر دیا اس لئے کہ وہ اُن چار حرامزدوں میں سے ایک حرامی تھا جن سے مسلم وغیر مسلم پر ظلم وزیادتیاں کرانا تھیں۔بہرحال یہ سمجھ لینا کہ آنے والی بداعمالیاں یا رعایات صرف عہدِ عثمان سے تعلق رکھتی ہیں بہت بڑی، اور قریش کی پالیسی کے ماتحت پسندیدہ، غلطی اور فریب خوردگی ہے۔یوں کہئے کہ ابوبکر وعمر نے صحابہ کو قید وبند میں رکھا لیکن عثمان کے زمانے تک اُن کے بُنے ہوئے جال کی کڑیاں ڈھیلی ہوگئیں اور صحابہ باہر نکل گئے۔اور عثمانی کردار اور اُس کے

اہلکاروں کے اعمال کو، اقدامات کو دیکھا اور بیان کیا۔ اس سے پہلے نہ انہیں مدینے سے باہر نکلنے دیا گیا نہ مدینے کے اندر باہر کی خبریں اُن تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ عثمان پر سب سے بڑا اور سنگین جرم یہی عائد کیا گیا ہے کہ وہ صحابہ کو قید میں پابند نہ رکھ سکے۔ (تمام تاریخیں) ''لیکن عثمان پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا''۔ اس لئے کہ حضرت علی علیہ السلام اور صحابہ کو مدینہ میں قید رکھنے والا نظام پہلے ہی دن اپنے انتہائی کناروں تک کس دیا گیا تھا۔ ابوبکر وعمر نے اپنے اطمینان کے لئے اُس میں کسی قسم کی ڈھیل چھوڑی ہی نہ تھی کہ عثمان یا کوئی اور اسے اور کھینچ کر کس سکتا۔ ادھر نظامِ صبر کو کام کرتے ہوئے بارہ سال سے زیادہ ہو چکے تھے سابقہ خلفا کی ہر اسکیم پچھلے پاؤں ہٹنے لگی تھی۔ اور اُن کے پورے نظام نے ہتھیار رکھنا شروع کر دیئے تھے اور حکومت نے ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر حضرت علی علیہ السلام کو تلاش کرنا شروع کر دیا تھا۔ انقلاب برپا کرنے والی ہوا کا رُخ بیت الاماٗمت کی طرف مڑ چکا تھا۔

(5) عثمان نے اپنے اہلکاروں کو کیا کیا رعایتیں دیں؟ مودودی کی فہرست

اب سیدھے سیدھے علامہ کی باتیں سنیئے، اُنکے فراہم کردہ ثبوت دیکھئے اور عثمان اینڈ کمپنی کے متعلق ہمارے سابقہ بیانات کو بھی نظر میں رکھئے:

اوّل۔ افریقہ کا خمس: ''مثال کے طور پر اُنہوں (عثمان) نے افریقہ کے مالِ غنیمت کا پورا خمس پانچ لاکھ دینار مروان کو بخش دیا اس واقعہ کے متعلق ابن الاثیر نے اپنی تحقیق اس طرح بیان کی ہے: ''عبداللہ بن سعد بن ابی سرح افریقہ کا خمس مدینہ لائے اور مروان بن الحکم نے اُسے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا پھر حضرت عثمان نے یہ قیمت اُس کو معاف کر دی۔ یہ بھی اُن اُمور میں سے ہے جن کی وجہ سے حضرت عثمان پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ افریقہ کے خمس کے معاملے میں جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں یہ روایت اُن میں سب سے زیادہ درست ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے افریقہ کا خمس عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو دے دیا تھا۔ اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ مروان بن حکم کو عطا کر دیا تھا۔ اس روایت سے حقیقت یہ ظاہر ہوئی کہ حضرت عثمان نے افریقہ کی پہلی جنگ کا خمس عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو عطا کیا تھا۔ اور دوسری جنگ جس میں افریقہ کا پورا علاقہ فتح ہوا، اس کا خمس مروان کو عطا کیا (الکامل فی التاریخ جلد 3 صفحہ 46)'' (خلافت وملوکیت صفحہ 107-106 حاشیہ)

قریشی تواریخ تنقید کے بعد نوے فیصد دریا برد کرنے کے قابل، طبقات ابن سعد معتبر ترین تاریخ، واقدی معتبر راوی ہے سب نے روایات لی ہیں: علامہ نے مسلسل لکھا ہے کہ:

''ابن سعد نے بھی طبقات میں امام زہری کی سند سے یہ بات نقل کی ہے کہ: ''کَتَبَ لِمَرْوَانِ خُمُسَ مِصْر'' حضرت عثمان نے مصر کا خمس مروان کے حق میں لکھ دیا تھا۔'' (جلد 3 صفحہ 64) امام زہری کی اس روایت کے متعلق یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ابن سعد نے اسے واقدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے جو نا قابل اعتماد راوی ہے۔ لیکن اوّل تو ابن سعد کو تمام محدثین نے ثقہ اور قابل اعتماد مانا ہے۔ اور اُن کے متعلق یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ روایات کو جانچ پرکھ کر لیتے تھے۔ اور اسی بنا پر اُن کی کتاب ''طبقات'' تاریخ اسلام کے معتبر ترین ماخذ میں مانی جاتی ہے۔ دوسرے خود واقدی کے متعلق بھی یہ بات اہل علم کو معلوم ہے کہ صرف احکام و

سنن کے معاملے میں اُن کی احادیث کورَد کیا گیا ہے۔ باقی رہی تاریخ، اور خصوصاً مغازی (غزوہ جات۔جنگیں) وسیَر کا باب، تو اِس میں آخر کون ہے جس نے واقدی کی روایات نہیں لی ہیں؟ تاریخ کے معاملے میں اگر کوئی شخص روایات کے ثبوت کے لئے وہ شرائط لگائے جو احکام شرعی کے معاملے میں محدثین نے لگائی ہیں' تو اسلامی تاریخ کا نوے (90) فیصدی بلکہ اس سے بھی زیادہ حصہ دریا برد کر دینا ہوگا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن اثیر اور ابن سعد کے اس بیان کی تائید ابن خلدون نے بھی کی ہے۔ جنہیں بعض حضرات دوسروں سے زیادہ قابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 107-106)

(6) مودودی صاحب نے تمام عیاشوں وبدمعاشوں اور کروڑ پتیوں کو اپنی سُنّیت کے دامن میں چھپا لیا ہے

افریقہ کے خمس کا تذکرہ کر کے جو علامہ خاموش ہوئے تو اس کے بعد کتاب کے آخر تک کہیں اُن سرمایہ داروں کا ذکر کیا نہ اس دولت اور جاگیروں کی بات کی جو عثمان نے اپنی حکومت کے تحفظ میں بے دریغ و بے حساب اپنے دوستوں، دشمنوں اور عہدیداروں میں تقسیم کی تھیں۔ اس لئے کہ مودودی صاحب کے امام وخلیفہ عثمان بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتے تھے۔ اور تو اور اُنہوں نے تو افریقہ کے خمس کا بھی سرسری طور پر، بطور حکایت، ذکر کیا ہے۔ اس پر نہ عثمان کی غلط کاری بیان کی نہ مروان کو قصور وار ٹھہرایا۔ یعنی علامہ، عثمان اینڈ کمپنی کی جانبداری میں بھی تمام علمائے اہل سنت سے بازی لے گئے۔ یعنی وہ دشمنانِ اسلام اور مخالفینِ رسولؐ کے سب سے بڑے محافظ ہیں۔

(6۔الف) سینکڑوں خبیثوں کو چھوڑ کر صرف تین عثمانیوں، حکم، مروان، اور ولید کا سادہ تذکرہ

اس پردہ داری کے بعد مودودی صاحب نہایت تکلف واحتیاط کے ساتھ عثمان کے چند اہلکاروں کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ:

''یہ لوگ صحابہ وتابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے (یہ جملہ پہلے لکھا جا چکا ہے) اس معاملے میں مثال کے طور پر مروان بن حکم کی پوزیشن دیکھیے۔ اسکا باپ حکم بن ابی العاص، جو حضرت عثمان کا چچا تھا؛ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا اور مدینہ آ کر رہ گیا تھا مگر اس کی بعض حرکات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مدینے سے نکال دیا تھا۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 110)

یہاں تک لکھ کر علامہ نے حکم کا آنحضرتؐ کی نقلیں اتارنے اور راز فاش کرنے کی روایتیں بدل دی اور غیر یقینی صورت میں لکھ کر بات یوں شروع کی کہ:

''بہر حال کوئی سخت قصور ہی ایسا ہوسکتا تھا جس کی بنا پر حضورؐ نے مدینے سے اُس کے اخراج کا حکم صادر فرمایا مروان اُس وقت سات آٹھ برس کا تھا اور وہ بھی اُس کے ساتھ طائف میں رہا۔ جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو اُن سے عرض کیا گیا کہ اُسے واپسی کی اجازت دے دیں مگر اُنہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اسے مدینہ آنے کی اجازت نہ دی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اُس کو واپس بلا لیا۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میں نے رسول اللہؐ سے اُس کی سفارش کی تھی اور حضورؐ نے مجھ سے وعدہ فرما لیا تھا کہ اُسے واپسی کی اجازت دے دیں گے۔ اس طرح یہ دونوں باپ بیٹے طائف سے مدینہ آ گئے۔ مروان کے اس پیش منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی

ہے کہ اُس کا سیکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہوسکتا تھا۔ لوگ حضرت عثمان کے اعتماد پر یہ تو مان سکتے تھے کہ حضوؐر نے اُن کی سفارش قبول کر کے حکم کو واپسی کی اجازت دینے کا وعدہ فرما لیا تھا۔ اِس لئے اسے واپس بلا لینا قابل اعتراض نہیں ہے۔ لیکن یہ بات مان لینا لوگوں کے لئے سخت مشکل تھا کہ رسولؐ اللہ کے اُسی معتوب شخص کا بیٹا اس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اُسے خلیفہ کا سیکرٹری بنا دیا جائے۔'' خصوصاً جب کہ اُس کا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعہ حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہوسکتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 111-110)

(7) مودودی کے بیان میں خیانت اور فریب کاری وحق پوشی پر چند وضاحتی نوٹس

ہمارے قارئین نے مروان اور اس کے باپ حکم بن العاص اور اُن کے ساتھ آنحضرؐت کا سلوک اور عثمان کا رویہ اور بہانہ بازی؛ ابوبکر اور عمر کا عثمان کی سفارش کو رد کر کے انہیں ڈانٹنا وغیرہ تفصیل سے پڑھا ہے۔ لہٰذا اُن کے لئے مودودی کی خیانت، فریب کاری اور حق پوشی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وہ ضرور سوچیں گے کہ مودودی نے اُن دونوں روایات کو کیوں نہ لکھا جن میں حکم کا اسلامی راز فاش کرنا اور حضوؐر کی نقلیں اتارنا مذکور تھا؟ جب کہ انہیں دونوں روایات پر یقین نہ کرتے ہوئے یہ لکھنا تھا کہ:

''بہر حال کوئی سخت قصور ہی ایسا ہوسکتا ہے جس کی بنا پر حضوؐر نے مدینہ سے اُس کے اخراج کا حکم صادر فرمایا۔'' (صفحہ 110)؟

پھر قارئین یہ سوچیں گے کہ مودودی نے حکم کا حضوؐر کے حجرے میں گھسنا اور اُس پر حضوؐر کا لعنت کرنا اور اُس کا قتل جائز قرار دینا کیوں نہ لکھا؟ اور کیوں نہ پبلک کو یہ بتایا کہ آنحضرؐت نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ اب یہ ''<u>حکم مدینے میں میرے ساتھ کبھی سکونت نہ کرے گا</u>۔''؟ اور پھر ہمارے قارئین خود بخود یہ فیصلہ کرسکیں گے کہ اِن علمی اور واقعات کی خیانتوں اور حق پوشی سے علامہ کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا کہ وہ اپنے خلیفہ اور اُس کے سرداروں اور سپہ سالاروں کے جرائم سے پبلک کو ناواقف رکھ کر عوام کے دلوں کو اُن خبیثوں سے متنفر نہ ہونے دیں۔ ورنہ وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ عثمان نے رسولؐ اللہ کے مجرم کو نہ صرف بلا اجازت معاف کر دیا بلکہ اُسے دولت سے مالا مال بھی کیا اور مدینہ میں رسولؐ کے ساتھ لا کر بسایا، اُس نے اپنے دونوں مُسلّمہ خلفائے راشدین کی بھی مخالفت کی اور وہ شخص یقیناً اہلسنت کے یہاں جہنمی ہے جو رسولؐ اللہ اور ابوبکر وعمر کا مخالف ہو۔ وہ تو صرف ابوبکر وعمر کے مخالف کو بھی جہنمی قرار دیتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے؟ یعنی اگر ابوبکر وعمر کی مخالفت جائز ہے تو وہ شیعوں کو کیوں بُرا سمجھتے ہیں؟ جب کہ ابوبکر وعمر وعثمان کے سنگین جرائم تاریخ اور قرآن میں مذکور موجود ہیں؟ اور شیعہ ابوبکر وعمر کو اُن ہی جرائم کی وجہ سے برا کہتے ہیں انہیں اُن سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔

(7۔الف) ولید بن عقبہ عثمان کے ماں جائے بھائی کا کافرانہ کردار اور عثمان ومودودی کا اُس کے کردار پر پردہ ڈالنا

مودودی نے جس طرح مالِ خدا کو بے دریغ لُوٹنے اور لٹانے کے جرم سے عثمان کو بچانے کے لئے صرف افریقہ کے خمس کا ذکر کر کے تمام بقیہ گھناؤنے جرائم پر اپنی سُنّیت کی چادر ڈال دی تھی اُسی طرح مودودی نے صرف ایک کافرانہ کردار کا تذکرہ کیا ہے اور اُسے بھی نہایت خیانت کے ساتھ پیش کیا ہے، سنیئے:

''تیسرے یہ کہ اُن میں سے بعض کا کردار ایسا تھا کہ اُس دور کے پاکیزہ ترین اسلامی معاشرے میں اُن جیسے لوگوں کو بلند مناصب (عہدوں) پر مقرر کرنا کوئی اچھا اثر پیدا نہ کرسکتا تھا۔ مثال کے طور پر ولید بن عقبہ کے معاملے کو لیجئے یہ صاحب بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ رسولؐ اللہ نے اُن کو بنی الْمُصْطَلِق کے صدقات وصول کرنے کیلئے مامور کیا۔ مگر یہ اس قبیلے کے علاقے میں پہنچ کر کسی وجہ سے ڈر گئے اور اُن لوگوں سے ملے بغیر مدینہ واپس جا کر اُنہوں نے یہ رپورٹ دے دی کہ: ''بنی المصطلق'' نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور مجھے مار ڈالنے پر تُل گئے۔ رسولؐ اللہ اس پر غضبناک ہوئے اور آپ نے اُنکے خلاف ایک فوجی مہم روانہ کردی۔ قریب تھا کہ ایک سخت حادثہ پیش آجاتا لیکن بنی المصطلق کے سرداروں کو بروقت علم ہوگیا اور اُنہوں نے مدینہ حاضر ہوکر عرض کیا کہ یہ صاحب تو ہمارے پاس آئے ہی نہیں ہم تو منتظر ہی رہے کہ کوئی آکر ہم سے زکوٰۃ وصول کرے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ o (الحجرات 49/6) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آکر خبر دے تو تحقیق کرلو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کے خلاف ناواقفیت میں کوئی کارروائی کر بیٹھو اور پھر اپنے کیئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔ (الحجرات۔6) (مفسرین بالعموم اس آیت کی شانِ نزول اسی واقعہ کو بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ و لَا خلاف بین اهل العلم بتاویل القراٰن فِیْمَا عَلِمْتُ اَنْ قوله عزّ وَ جَلّ اِنْ جَاءَ کم فَاسِقٌ بِنبَآء نَزلَتْ فِی الولید بن عقبه۔ الاستیعاب جلد 2 صفحہ 603) ابن تیمیہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ آیت ولید ہی کے معاملے میں نازل ہوئی تھی۔ منہاج السنۃ النبویہ جلد 3 صفحہ 176 مودودی کا حاشیہ) اسکے چند سال بعد ابوبکر وعمر نے اُن کو پھر خدمت کا موقع دیا اور حضرت عمر کے آخر زمانے میں وہ الجزیرہ کے عرب علاقے پر جہاں بنی تغلب رہتے تھے، عامل مقرر کیئے گئے۔ 25ھ میں اس چھوٹے سے منصب (عہدے) سے اُٹھا کر حضرت عثمان نے اُن کو حضرت سعد بن وقاص کی جگہ کوفہ جیسے بڑے اور اہم صوبے کا گورنر بنادیا۔ وہاں یہ راز فاش ہوا کہ یہ شراب نوشی کے عادی ہیں۔ حتّٰی کہ ایک روز اُنہوں نے صبح کی نماز کی چار رکعت پڑھادی اور پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا کہ ''اور پڑھاؤں؟'' اس واقعہ کی شکایات مدینہ تک پہنچیں اور لوگوں میں اس کا عام چرچا ہونے لگا۔ آخر کار حضرت مِسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود نے حضرت عثمان کے بھانجے عبیداللہ بن عدی بن خیار سے کہا کہ تم جاکر اپنے ماموں سے بات کرو اور انہیں بتاؤ کہ اُن کے بھائی ولید بن عقبہ کے معاملے میں لوگ اُن کے طرزِ عمل پر بہت اعتراض کررہے ہیں۔ انہوں نے جب اس معاملے کی طرف توجہ دلائی اور عرض کیا کہ ولید پر حد جاری کرنا آپ کے لئے ضروری ہے تو حضرت عثمان نے وعدہ فرمایا کہ ہم اس معاملے میں انشاء اللہ حق کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ صحابہ کے مجمع عام میں ولید پر مقدمہ قائم کیا گیا۔ حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام حمران نے گواہی دی کہ ولید نے شراب پی تھی۔ ایک دوسرے گواہ صعب بن جثامہ (یا جثامہ بن صعب) نے شہادت دی کہ ولید نے اُن کے سامنے شراب کی قے کی تھی۔ تب حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ ولید پر حد قائم کریں۔ حضرت علیؑ نے

حضرت عبداللہ بن جعفر کو اس کام کے لئے مامور کیا اور اُنہوں نے ولید کو چالیس کوڑے لگائے۔ یہ تھے وہ وجوہ جن کی بنا پر حضرت عثمان کی یہ پالیسی لوگوں کے لئے اور بھی زیادہ بے اطمینانی کا موجب بن گئی تھی۔'' (ایضاً صفحہ 111 تا 114)

(8) حرام خور دشمنانِ اسلام کا احترام، آنحضرتؐ کی آڑ میں قتلِ عام، اور حقائق کو چھپانے کا انتظام

اوّل۔ مودودی کے بیان میں پہلی چیز یہ دیکھیں کہ علامہ نے یہ مان لیا کہ ولید ایک مستقل حرام خور تھا یعنی شراب پینے کی مستقل عادت پر عمل کرتا تھا اور زیادہ پی جانے کی وجہ سے قے کرتا تھا اور ساتھ ہی اللہ کے فرائض میں ردوبدل کرتا تھا۔ یعنی بلا تکلف اور بے باکانہ نماز میں اضافہ کرتا رہتا تھا۔ اس قسم کے لوگوں پر قرآن میں لعنت و مذمت آئی ہے۔ لیکن مودودی صاحب اس خبیث شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے برابر اُسے اکرام واحترام سے پیش کرتے رہے اور انداز ایسا رکھا کہ قاری اس پاجی پن کو نوٹ نہ کر سکے۔ ہم یہاں وہ جملے لکھتے ہیں جن میں ولید ملعون کے لئے علامہ نے جمع کے صیغے استعمال کئے ہیں، سنئے:

1 یہ صاحب 2 اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ 3 رسولؐ اللہ اُن کو 4 ڈر گئے 5 مدینہ واپس جا کر اُنہوں نے 6 یہ صاحب تو ہمارے پاس آئے ہی نہیں۔ 7 ابوبکر نے اُن کو پھر خدمت کا موقع دیا 8 عامل مقرر کئے گئے 9 عثمان نے اُن کو سزا دی 10 یہ شراب نوشی کے عادی ہیں۔ 11 ایک روز اُنہوں نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی''

یہ ہے دشمنانِ اسلام کے ساتھ قریشی علما کا ادب واحترام۔

دوم۔ **قرآن کے نزول پر فرضی قصے گھڑ کر ثلاثہ اینڈ کمپنی نے مسلمانوں کے قتل عام کا جواز رسولؐ کے نام پر نکال لیا**

علامہ ہی نے نہیں بلکہ سُنی علما کے ساتھ ساتھ شیعہ علما (مثلاً فرمان علی) نے بھی مذکورہ بالا آیت (الحجرات 49/6) کو ولید بن عقبہ کے حق میں مانا ہے۔ لہٰذا اُس پورے قصے کو قرآن کی سند سے صحیح تسلیم کر لیا گیا ہے جو زکوٰۃ کی وصولی کے سلسلے میں تیار کیا گیا تھا۔

سوم۔ **ولید کو آنحضرتؐ نے عہدہ عطا کیا، زکوٰۃ نہ دینے والوں پر جہاد جائز کیا؛ اور عثمان کا ولید کو گورنر بنانا مستند ٹھہرا**

چنانچہ اس قصے کو اس لئے گھڑا گیا تھا کہ اس سے ابوبکر وعمر کے عقائد کی تصدیق ہو جائے یعنی اوّل یہ کہ رسولؐ اللہ (معاذ اللہ) ایک ممکن الخطا بشر تھے اور انہیں اپنے جیب و دامن سے آگے کا کوئی علم نہ تھا لہٰذا وہ بھی غلط آدمیوں کو مختلف عہدوں پر تعینات کر دیا کرتے تھے اور لوگوں کے غلط بیانات کو من وعن قبول کر لیتے تھے۔ یعنی انہیں حقیقتِ حال کی نہ پہلے سے خبر ہوتی تھی نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ولید کی بات کا پختہ یقین کر لیا اور نمازی پرہیزگار مسلمانوں پر فوج کشی و جہاد کا حکم بھی دے دیا۔ یعنی اُن کو قتل کرنا، قید کر کے غلام وکنیز بنانا حلال کر دیا اور جب حقیقتِ حال کا علم ہو گیا تو اپنے احکامات کو منسوخ کر دیا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ (معاذ اللہ) ایک خطا کار رسول کی جانشینی خطا کار اور گنہگار لوگوں کے لئے جائز ہو گئی۔ اور آئندہ غلطیوں اور اصلاحات کا مستقل دروازہ کھل گیا یعنی اجتہاد جائز ہو گیا۔ پھر رسولؐ کے طریقہ کے مطابق ابوبکر وعمر نے ولید کو عامل بنایا اور عثمان نے رسولؐ اور ابوبکر وعمر کی سنت پر عمل کر کے ولید کو گورنر بنایا۔ پھر ابوبکر وعمر نے زکوٰۃ نہ دینے والے ہزاروں پابندِ صوم وصلوٰۃ اور پرہیزگار مسلمانوں کا قتل عام کیا، اُن کی عورتوں، بچوں اور مردوں کو غلام وکنیز بنایا۔ اور یہ

سب کچھ نہایت سہولت سے شانِ نزول کا افسانہ گھڑنے سے ہو گیا۔ اور جن لوگوں نے مالک بن نویرہ کے سلسلے میں یا مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے پر اعتراض کیا اُن کا منہ بند کرنے کے لئے اس قصہ کو عملِ رسولؐ کہہ کر پیش کر دیا گیا یعنی ایک تیر سے کئی شکار کئے گئے۔

چہارم۔ آیت (49/6) کا مضمون تو نام نہاد و غلط اندیش مومنین کو بحیثیت مجموعی تنبیہہ کرتا ہے اس قصہ سے اُس کا تعلق نہیں

اس قصہ کا باطل اور من گھڑت ہونا کئی طرح ثابت ہے اوّل اس طرح کہ اُس قصے میں رسولؐ مخاطب نہیں ہیں۔ حالانکہ اس قصے کی رُو سے رسولؐ اللہ نے اللہ کے حکم کے خلاف کئی ایک کام کئے ہیں لہٰذا اُنکو اس آیت میں مخاطب کر کے تنبیہہ کرنا لازم تھا۔ مثلاً انہیں حکم ہے کہ جس چیز کا تم کو علم نہ ہو تو منہ بند رکھا کرو کوئی حکم یا فیصلہ نہ دیا کرو (بنی اسرائیل 17/36) اُنہوں نے مسلمانوں پر فوج کشی کا حکم دے ڈالا۔ پھر انہیں حکم ہے کہ تم وحی میں جو حکم دیا جائے اُس کی پیروی کیا کرو (احزاب 33/2) انہوں نے بلا وحی کے ولید کا یقین کیا اور بلا وحی حکم جاری کر دیا۔ اور ولید کو بھی وحی کے حکم کے بغیر زکوٰۃ وصول کرنے پر تعینات کر دیا۔ لہٰذا یہ بات شانِ خداوندی کے خلاف ہے کہ حکم عدولیاں اور غلطیاں تو کرے رسولؐ اور تنبیہہ کر دی جائے تمام مومنین کو جنہوں نے کوئی خطا یا غلط اقدام اُس قصہ میں کیا ہی نہیں ہے۔ دوسری طرح یوں کہ ولید نے غلط بات کہی یا غلط خبر دی جس کے نتیجے میں قتل و غارت وقوع میں آ جاتا۔ مگر نہ اللہ نے اس کے لئے کوئی باز پرس کی نہ سزا دی نہ رسولؐ نے اس قصے میں اُس سے مواخذہ کیا۔ حد یہ ہے کہ اُس قصے میں یہ بات بھی مشکوک ہے کہ آیا فوج روانہ ہو چکی تھی یا روانہ ہونے والی تھی۔ اور یہ بات بھی معلوم نہیں کہ کتنے آدمی جنگ پر بھیجے گئے یا جنگ کے لئے تعینات ہوئے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس فوج کا سردار کون تھا؟ پھر قصہ کی تیاری میں یہ خامی بھی رہ گئی کہ بنی مصطلق کو فوج کشی کا علم کن ذرائع سے ہوا تھا؟ اور یہ کہ ولید نے غلط خبر دینے میں یہ کیوں نہ سوچا کہ اگر حقیقی حال معلوم ہو گیا تو مسلمانوں کے خلاف جھوٹ بولنے اور تہمت لگانے کے جرائم سے کیسے محفوظ رہوں گا؟ یعنی اس قصے میں وہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ کو اور تمام صحابہ کو بالکل پاگل سمجھتا ہے اور عقلمند آدمی ایسا نہیں کرتا۔ پھر یہ قصہ یہ بھی نہیں بتاتا کہ آیا بنی مصطلق سے یہ زکوٰۃ پہلی مرتبہ وصول کی جا رہی تھی؟ پھر یہ خامی بھی رہ گئی کہ آیا اُن لوگوں کو زکوٰۃ کا نصاب معلوم تھا؟ اور یہ کہ وہاں کتنے آدمی صاحبِ نصاب تھے اور کس سے کتنا وصول کرنا تھا؟ اور اگر وہاں سے زکوٰۃ میں غلہ اور مویشی بھی آنا تھے تو اکیلا ولید بن عقبہ کیوں بھیجا گیا؟ بنی مصطلق کے لوگوں کا آ کر یہ کہنا کہ ہم منتظر تھے کہ زکوٰۃ لینے کون اور کب آتا ہے یہ بتاتا ہے کہ ہر شخص کو اپنا اپنا حساب معلوم تھا اور وہ سب کرنسی نوٹوں کی گڈیاں لئے بیٹھے تھے کہ کوئی آئے اور نوٹ گن کر جیب میں رکھے اور رسید دے کر چلا جائے۔ لہٰذا یہ قصہ گھڑنے والا بھی ساری دنیا کو اور (معاذ اللہ) خود رسولؐ کو پاگل سمجھتا تھا اور نہ وہ ذرا احتیاط سے یہ افسانہ تیار کرتا۔ مذکورہ بالا آیت (49/6) تو صرف اس قدر بتاتی ہے کہ جو لوگ وہاں مومنین کہہ کر مخاطب کئے گئے ہیں وہ ایسے مومن ہیں کہ اپنے فیصلے خود ہی کرتے رہتے ہیں نہ رسولؐ اللہ سے مدد لیتے ہیں نہ قرآن کو مدنظر رکھتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:

''کیا آپؐ نے اُن لوگوں کا عملدرآمد نہیں دیکھا جو اپنے زعمِ باطل میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اُس تمام سامان پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوا ہے اور اُس تمام سامان پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے اور اسکیم یہ بنائے ہوئے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت

سے کرائیں......الخ (نسا 65 تا4/60)اور واقعات اور قرآن کی دوسری آیات سے ثابت بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ نظام مشاورت پر چلنے والے مومنین تھے۔ یعنی اُن کا دین ہی یہ تھا کہ اپنے تمام معاملات آپس کے صلاح مشورے سے کیا کرتے تھے (سورہ شوریٰ 42/38) اُنہیں نہ قرآن کی ضرورت تھی نہ رسولؐ کی احتیاج تھی۔(اَمۡـرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ شوریٰ42/38)اور اُن ہی کو تنبیہ کرتے ہوئے اور غلط عملدرآمد سے روکنے کے لئے اگلی آیت (49/7) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''یہ بھی جان رکھو کہ تمہارے پاس اللہ کا رسولؐ موجود ہے اگر وہ دین اسلام کے معاملے میں تمہاری بہت سی باتوں میں اطاعت کرنے لگے تو تم ہی مشکلات میں پڑ جاؤ گے۔ تمہیں اُن مشکلات سے بچانے کے لئے تمہارے دلوں میں محبت ایمانی اور ایمانی آرائش کا انتظام کیا گیا ہے اور کفر وفسق سے کراہت اور گناہوں سے دُوری کو ترجیح دی ہے اور وہی لوگ راشدین ہیں جن میں ایمان کی محبت وقدرومنزلت اور کفروفسق اور گناہ سے نفرت ہو۔(حجرات 49/7)

یہی سورت ہے جس میں شروع ہی سے قریشی قسم کے مسلمانوں کا تذکرہ ہوتا چلا آیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو رسولؐ کے سامنے بلند آوازی اور گستاخیاں کرتے تھے۔ انہیں دھمکی دی گئی ہے کہ اگر آئندہ ایسا کیا تو تمام نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ بہرحال یہ قصہ بھی اُن ہی مومنین کا گھڑا ہوا ہے تاکہ وہ اپنے مذہب کو تقویت پہنچاسکیں۔

پنجم۔ <u>علامہ نے اپنے بیان میں جن حقائق کو چھپا کر عثمان کا تحفظ کیا ہے وہ بھی سن لیں</u>

ولید بن عقبہ کی شراب خواری اور نماز میں اضافہ کا اور عثمان کے مواخذے اور ولید سے باز پرس کا واقعہ مودودی نے نہایت چابکدستی سے اس طرح آراستہ کیا ہے کہ عثمان پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بیان کو بے روک چلانے کے لئے واقعات کے اوپر حاشیوں کا پل بنا کر گزر گئے۔ تاکہ گڑبڑ وغیرہ پل کے نیچے رہ جائے اور قابل اعتراض باتیں اُن کے بیان میں حارج نہ ہونے پائیں اور قارئین کو پُل کے نیچے جا کر تفتیش حال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔ اور اگر کوئی علامہ پر معترض ہو تو کہہ دیا جائے کہ ہم نے پل کے نیچے وہ بھی لکھ دیا ہے جو تم چاہتے تھے۔ مگر وہ حاشیوں میں ہونے کی بنا پر دوسرے درجے کی چیزیں ہیں لہٰذا ناقابلِ اعتناء ہیں۔ اور اس قابل نہیں کہ انہیں نفسِ مضمون میں شامل وداخل کیا جائے۔

ششم۔ <u>عثمان ماں جائے بھائی ولید پر شراب خواری کی حد جاری کرنے پر رضامند نہ تھے</u>

علامہ نے یہ تاثر دیا ہے کہ جیسے ہی ولید کی شکایت ہوئی اُنہوں نے مقدمہ قائم کیا اور حضرت علیؑ سے کہہ کر گویا فٹافٹ کوڑے لگوا دیئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ عثمان کو مجبور کیا گیا تھا سنیئے:

<u>1</u> ''حافظ ابن حجر فتح الباری (شرح صحیح بخاری) میں لکھتے ہیں کہ:''لوگ جس وجہ سے ولید کے معاملے میں کثرت سے اعتراضات کر رہے تھے وہ یہ تھی کہ حضرت عثمان اس پر حد قائم نہیں کر رہے تھے۔''(خلافت وملوکیت حاشیہ صفحہ 113)

<u>2</u> ''علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ:''لوگ ولید کے معاملے میں اُس حرکت کی وجہ سے بکثرت اعتراض کر رہے تھے جو اُس سے

صادر ہوئی تھی۔یعنی اُس نے اہل کوفہ کو صبح کی نماز نشہ کی حالت میں چار رکعت پڑھائی پھر پلٹ کر کہا کہ ''اور پڑھاؤں'' اعتراض اس بات پر بھی ہو رہا تھا کہ یہ خبر حضرت عثمان کو پہنچ چکی تھی مگر انہوں نے اس پر حد قائم نہ کی۔'' (ایضاً حاشیہ صفحہ 114)

ہفتم۔ **مودودی کا بیان سراسر غلط اور جانبدارانہ ثابت ہوا**

یہ دونوں حاشیے علامہ نے اپنے مرکزی بیان میں شامل نہ کر کے پبلک کو فریب دیا ہے کہ عثمان نے خبر ملتے ہی ولید پر مواخذہ کیا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ وہ مواخذہ اور سزا دینے کے قائل ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے گواہ پر جرح کر کے اسے جھٹلانے کی کوشش بھی کی تھی مگر حضرت علیؑ اور دیگر صحابہ نے عثمان کو مجبور کیا تھا۔

ہشتم۔ **عثمان کے مذہب میں ولید پر حد جاری کرنا غلط تھا اس لئے علیؑ کو حد جاری کرنے کا اختیار دیا**

اور یہی وجہ تھی کہ عثمان نے کوڑے لگانے کا اختیار علیؑ کو دیا تھا تاکہ مستقبل میں ولید اور اُس کے ہمدرد علیؑ سے دشمنی اور انتقام کا جذبہ دلوں میں تازہ رکھیں، سنیئے:

''ابن قدامہ کہتے ہیں کہ: ''مسلم کی روایت کے مطابق جب ایک گواہ نے یہ شہادت دی کہ اُس نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے تو حضرت عثمان نے کہا کہ شراب پیئے بغیر وہ شراب کی قے کیسے کر سکتا تھا؟ اِسی بنا پر اُنھوں نے حضرت علیؑ کو حد جاری کرنے کا حکم دیا۔'' (ایضاً حاشیہ صفحہ 114)

نہم۔ **قریشی علما خود اپنے ریکارڈ کی حدیثوں کو صحیح و غلط کہہ کر اپنے مقاصد کی تائید کرتے ہیں**

بعض قریشی علمانے ولید اور عثمان کو بچانے کے لئے مذکورہ روایت اور راوی کو غلط قرار دینے کی بھی کوشش کی ہے دیکھئے:

''طحاوی نے صحیح مسلم کی روایت کو اس بنا پر کمزور قرار دیا ہے کہ اس کا راوی عبداللہ اناج ضعیف تھا۔مگر بیہقی نے اُس کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے جسے مسانید اور سُنن میں لیا گیا ہے۔ترمذی نے اس روایت کے متعلق امام بخاری سے پوچھا تو اُنہوں نے اُسے قوی قرار دیا۔اور مسلم نے بھی اُسے صحیح قرار دیا ہے۔ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ حدیث اس باب میں سب سے زیادہ معتبر ہے۔عبداللہ اناج کو ابوزُرعہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔''

فتح الباری کتاب الحدود باب الضرب بالجرید والنعال۔'' (حاشیہ صفحہ 114،113)

دہم۔ **ہمارے نزدیک یہ تمام بکواس اور قریشی حکومتوں کے خانہ ساز قصے ہیں تاکہ لوگوں کو غلط راہوں پر چلایا جا سکے**

ہم قریشی روایات پر یقین رکھنے کی کوئی دلیل نہیں پاتے۔قریشی حکومتوں کو اپنے مذہب اور پالیسی کو آگے بڑھانے کے لئے جس چیز کی ضرورت پڑتی رہی وہ روایت سازی کے ذریعہ حاصل کی جاتی رہی۔ہم عموماً یہ بتاتے ہیں کہ قریشی خلافتوں کے زمانوں میں تیار کی جانے والی ہر اس روایت کو باطل سمجھو جو اُن کی پالیسی، مذہب یا عقائد کی تائید کرتی ہو اور ہر اُس روایت کو قبول کر لو جو اُن کے عقائد و مذہب و پالیسی کو مسمار کرنے میں مددگار بنتی ہو۔لیکن اُن کی تیار کردہ بہت سی ایسی روایات بھی ہیں جو اُنہوں نے مخصوص مقاصد کے لئے

خود اپنے خلاف تیار کرائی ہیں۔ لہٰذا اُن کی مخالفت کرنے والی روایات بھی آنکھیں بند کر کے اختیار کرنا غلط ہوگا۔ ہم نہیں جانتے اور نہ ہمیں اس کے جاننے کی ضرورت ہے کہ ولید کون تھا، کیسا تھا، تھا بھی کہ نہیں؟ ہمارے اور اُن کے درمیان قرآن مُسلّمہ کتاب خداوندی ہے۔ وہ ہم سے اپنے برحق ہونے کی بات قرآن سے کریں۔ ہم قرآن کی بے پناہ قوت سے اپنے عقائد وتصورات و پالیسی و مذہب کو ثابت کرتے ہیں اور ولید و یزیدؔ عمر و بکر و پلید ہی کو نہیں رسوؐل کی ساری قوم کو صرف دو آیات (فرقان 25/30 انعام 6/66) سے اُٹھا کر جہنم میں پٹخ دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد اُن کی ہر بحث اور ہر حکومت اور ہر عملدرآمد باطل ہو جاتا ہے۔ بہرحال ولید کے قصے پر اتنا ضرور سوچیں کہ کیا وہ شخص واقعی نشے میں تھا جس نے تمام سنی مقتدیوں کی یاد کی ہوئی نماز میں چار رکعتیں اُسی ترتیب سے پڑھائی تھیں جس طرح وہ خود پڑھا کرتے تھے؟ یعنی قیام، نیت، استقبال قبلہ۔ سُورتیں، رکوع وسجود، بیٹھنا اٹھنا' تکبیریں کہنا تعداد یاد رکھنا، بلا کسی غلطی اور بھول کے مکمل نماز پڑھائی اور جسے معلوم تھا کہ اس کے پیچھے مسلمان نماز پڑھ رہے ہیں۔ اگر اسے معلوم نہ ہوتا تو سلام پھیر کر پلٹ کر لوگوں سے مزید اضافہ کے لئے نہ پوچھتا۔ بہرحال ایسے ہوش وحواس رکھنے والے ولید کو شراب کے یا کسی اور چیز کے نشہ میں کہنا کوئی بڑا فریب تھا۔ عثمان کا حد جاری کرنے کا مخالف ہونا بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ شاید بات یہ ہوئی ہو کہ وہ نماز میں اضافہ اور کمی کے اختیاری ہونے پر اہل کوفہ کا ردعمل دیکھنا چاہتا ہو؟ اور رضامندی کی صورت میں وہ عثمان کو رپورٹ کر کے نماز صبح میں اضافہ یا کمی میں خلیفہ کا فیصلہ مدنظر رکھتا ہو؟ جیسا کہ عثمان نے قصر نمازوں کو چار چار رکعتیں کر دیا تھا کچھ ایسا چاہتا ہو؟ لیکن لوگوں نے ہنگامہ مچا دیا تو اُس کے ہوا خواہوں نے نشہ کا بہانہ کر کے جان بچانے اور بات کو ٹالنے کی راہ نکالی ہو؟ بہرحال قریشی علما کی ہر بات میں مکر وفریب اور فراڈ سمجھنا چاہیئے تا کہ کم سے کم دھوکا کھانا پڑے۔ اُن کا مذہب کو ماننا بھی فریب ہے نہ ماننا بھی فریب ہے۔

(9) مودودی کے نزدیک عثمان کی دونہایت خطرناک وفتنہ انگیز غلطیاں معاویہ اور مروان کا استحکام

آگے چل کر مودودی نے تصدیق کی ہے کہ:

(1) ''اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دُور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضرت عثمان نے حضرت معاویہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کئے رکھا۔ وہ حضرت عمر کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے۔ حضرت عثمان نے ایلہ سے سرحدِ روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ اُن کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (بارہ سال) میں اُن کو اُسی صوبے پر برقرار رکھا۔ طبقات ابن سعد (جلد 7 صفحہ 406، الاستیعاب جلد 1 صفحہ 253) یہ علاقہ وہ ہے جس میں اب شام، لبنان، اردن، اور اسرائیل کی چار حکومتیں قائم ہیں ان چاروں حکومتوں کے مجموعی حدود قریب قریب آج بھی وہی ہیں جو امیر معاویہ کی گورنری کے عہد میں تھے۔ حضرت عمر کے زمانے میں ان علاقوں پر چار گورنر مقرر تھے۔ اور حضرت معاویہ اُن چاروں میں سے ایک تھے۔ یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؑ کو بھگتنا پڑا۔ شام کا یہ صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اس

کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے۔ بیچ میں وہ اس طرح حائل تھا کہ اگر اُس کا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔ حضرت معاویہ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت (25 سال) تک رکھے گئے کہ انہوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز اُن کے رحم وکرم پر منحصر ہو گیا۔''

(2) ''دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ اِن صاحب نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی اور اُن کے اعتماد سے فائدہ اُٹھا کر بہت سے کام ایسے کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمان پر پڑتی تھی، حالانکہ اُن کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔ علاوہ بریں یہ صاحب عثمان اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تاکہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے اِن کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔ یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ اُنہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اوّلین کے لئے بمشکل ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ اسی بنا پر دوسرے لوگ تو درکنار خود عثمان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمان کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے۔ حتّٰی کہ ایک مرتبہ اُنہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ: ''اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 116-115)

(10) خلفائے ثلاثہ روزِ اوّل سے حضرت علیؑ کو خطرہ سمجھتے رہے اور تمام اقدامات میں ڈرتے رہے

اگر قارئین کو یہ موقع ملے کہ وہ ابوبکر وعمر اور عثمان کی حکومتوں، پالیسیوں اور اُن کے تمام اعلانیہ اور پوشیدہ اقدامات پر ہماری طرح عبور حاصل کر سکیں تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ اُن کا ہر ہر قدم علی مرتضٰی علیہ السلام کو مدنظر رکھ کر اُن سے محفوظ رہنے اور اُن کا توڑ کرنے کے لئے اُٹھتا تھا۔ انہیں سوتے، جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اُسی قسم کا اندیشہ اور خطرہ محسوس ہوتا رہتا تھا جیسا کہ ایک بچوں والی مرغی کو شکروں، شاہینوں، اور چیلوں سے خطرہ لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم کب اور کس طرف سے جھپٹا مار کر اُس کے بچوں کو یا خود اس کو دبوچ کر اُٹھا لے جائیں۔ وہ لوگ ہر اُس راہ کو بند کر دینے میں غلطاں وپیچاں رہے جدھر سے مرتضوی اسکیم حملہ آور ہو سکتی تھی۔ اگر ہمارے پاس کافی وقت ہوتا تو ہم اُن کے ہر ہر عمل میں مرتضوی خوف وخطرہ کی جھلک یا نظارہ کرا سکتے۔

ذرا سوچئے کہ ابوبکر وعمر نے اپنے زمانے میں سینکڑوں لکھ پتی اور کروڑ پتی بنائے لیکن خود پھٹے پرانے حال میں رہنے پر اس لئے مجبور ہوئے کہ علی علیہ السلام نے روزِ اوّل سے دنیاوی مال ومتاع اور سامانِ آسائش وآرائش کو کوئی مقام نہ دیا تھا وہ ہر ہر حیثیت سے قرآن کی تعلیمات کا نمونہ تھے۔ اگر یہ لوگ سرمایہ پرستی شروع کر دیتے تو لوگ اُنہیں اُٹھا کر پھینک دیتے۔ انہیں عسرت وتنگدستی میں دیکھ کر لوگوں کو بہانہ نہ ملتا تھا۔ اُنہوں نے دولت مند طبقہ اس لئے پیدا کیا کہ غربا یہود ونصاریٰ کے یہاں نوکری ومزدوری کرنے کے بجائے

مسلمان رؤسا کے یہاں سے روزی حاصل کریں اور یوں غربا اور محنت کش طبقہ اُن کے پیدا کردہ لکھ پتیوں کے قابو میں رہے۔ اُنہوں نے وظائف اور تنخواہوں کا نظام جاری کیا اور اُدھر خانوادۂ نبوّت کو افلاس و تنگ حالی سے دوچار رکھا تاکہ رعایا اُدھر نہ جائے۔ اُنہوں نے بیرونی ممالک پر فوج کشی کی تو سارے عرب کو نہ صرف روزگار ملا بلکہ لُوٹ کا مال ہر گھر میں پہنچا اور لوگوں نے سمجھا کہ علیؑ نہ فوج کشی کرتے ہیں نہ لُوٹ کو جائز قرار دیتے ہیں لہٰذا اُن کی طرزِ حکومت کو ناپسند کیا جانے لگا۔ یعنی علیؑ کی حکومت کے امکان کو دُور سے دُور کر دیا۔ انہوں نے مسلح افواج اور پولیس اور خزانے کا نظام جاری کیا تو پبلک کو حکومت کے خلاف کوئی تحریک چلانا ناممکن نظر آنے لگا۔ اِسی سلسلے کی کڑی تھی معاویہ کو مدینہ سے دُور کلیدی اور جنگی اہمیت کے صوبے کا گورنر بنانا جہاں لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے نام پر کافرانہ اور فوجی تعلیمات کے گہوارے میں پالنا اور تربیت دینا آسان تھا۔ چنانچہ خلفائے ثلاثہ کے پچیس سالہ دور کے اندر وہاں ایسی رعایا تیار کی جا چکی تھی جس کو علیؑ اور خاندانِ رسوؐل کی عظمت سے قطعاً جاہل رکھا گیا تھا اور اس خاندان کو اسلام کا دشمن بنا کر پیش کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب معاویہ نے علی و خاندانِ مرتضوی صلوٰۃ اللہ علیہم پر (معاذ اللہ) لعنت شروع کرائی تو کسی بھی کونے سے مخالفت یا اختلاف کی آواز بلند نہ ہوئی اُدھر خود عرب میں اُنہیں حکومت کا باغی، مفادِ عامہ کا مخالف اور خاندانی آمریت کا دعویدار ثابت کر کے رعایا کو متنفر کر لیا گیا تھا۔ ساتھ ہی آنحضرتؐ کی احادیث اور صحابہ کی نقل و حرکت کو تیرہ سال تک پابند و ممنوع قرار دے کر ثلاثہ اینڈ کمپنی کے فضائل گھڑ گھڑ کر پبلک میں پھیلا دیا تھا۔ ان تمام رکاوٹوں کو پیدا کرنے کا سبب حضرت علی علیہ السلام کا مذکورہ بالا خوف و خطرہ تھا۔

لیکن اس تمام انتظام کے باوجود آخر وہ وقت آ گیا کہ ثلاثہ اینڈ کمپنی کی حکومت کا جنازہ نکل گیا اور جنازہ نکلنے نیز ابوبکر و عمر کی حکومت کے فیل ہو جانے کے حالات و اسباب بیان کرنے میں بھی قریشی علما ہمیشہ بوکھلائے رہے ہیں اور ہم یہاں علامہ مودودی کی ماڈرن بوکھلاہٹ ہی دکھا رہے ہیں۔ اور وہ سارا الزام مسٹر عثمان کے سر لگاتے ہیں کہ اُنہوں نے معاویہ کو چار صوبوں پر بارہ سال تک گورنر رکھا اور مرکز کو یعنی خود کو اُسکے رحم و کرم کے ماتحت مجبور کر لیا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ علامہ کو حقیقتِ حال معلوم نہیں یا وہ چھپانا چاہتے ہیں تاکہ عثمان پر الزام کو سنگین بنا کر پیش کریں۔ بہر حال معاویہ مذکورہ بالا طویل و عریض فوجی و جنگی اہمیت کے علاقہ پر ابوبکر و عمر ہی کے منصوبے کے ماتحت حکمران تھا بلکہ اپنے برادر بزرگ یزید بن ابوسفیان کا جانشین بنایا گیا۔ اور یہ وہی جانشینی تھی جو ابوبکر نے اپنی بیعت کے پہلے دن ابوسفیان کا تعاون حاصل کرنے کیلئے قائم کی تھی اور اس میں بھی علیؑ کا خوف شامل تھا جنہوں نے ابوسفیان کی مدد و نصرت ٹھکرا کر اُسے دشمنِ اسلام کا لقب دیا تھا۔ ابوبکر و عمر نہ چاہتے تھے کہ ابوسفیان علیؑ کے ساتھ جا ملے۔ کہنا یہ ہے کہ اب بھی اُس علاقے پر چار گورنر تعینات تھے مگر وہ چاروں معاویہ کے ماتحت تھے۔ اور خلفائے ثلاثہ چاہتے تھے کہ جب کبھی علی مرتضیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ مرکزی خلیفہ ہو جائیں تو معاویہ اُنکے خلاف محاذ بنائے۔ اور اُسے وہ تمام سامان و انتظام کرنے کے اختیارات دیئے گئے جو علیؑ کے خلاف کامیابی کیلئے ضروری تھے۔

(11) قریشی علما خلفائے ثلاثہ اور اُن کے ہوا خواہوں کے جرائم، خطائیں اور گناہ بیان کرتے ہیں مگر مجرم نہیں کہتے

یہاں تک قارئین نے طٰہٰ حسین اور مودودی صاحب وغیرھم کے بیانات میں طرح طرح سے اپنے خلفاء کے اور خلفا کے دست

وبازوصحابہ اور گورنروں کے اعمال وکردار دیکھے لیکن اُن میں سے کوئی اُن لوگوں کو نہ مجرم قرار دیتا ہے نہ اُن کے لئے ایسی زبان استعمال کرتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں حد یہ ہے کہ اُن میں سے شرابیوں، فاسقوں اور قاتلوں اور زانیوں کی شرابخوری مانتے ہیں۔ اُن سے فسق وقتل و زنا کا وقوع میں آنا لکھتے ہیں مگر انہیں برابر احترام واکرام کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں انہیں شرابی وزانی اور فاسق وقاتل شمار نہیں کرتے۔ ابھی ابھی مروان کا ذکر ہوا۔ عثمان کی زوجہ کی زبانی اُسے عثمان کا قتل کرانے والا قرار دیا گیا، اُسے عثمان کو تباہی کے کنارے پہنچانے والا لکھا گیا مگر اس کا ذکر جمع کے صیغوں میں ادب واحترام کے ساتھ کیا گیا۔ عثمان کی وہ تمام خلاف ورزیاں لکھیں جو اُس نے احکاماتِ رسولؐ کے خلاف کیں، اُن کو بُری اور جان لیوا خلاف ورزیاں لکھا، انہیں ابوبکر وعمر یعنی خلفائے راشدین کا مخالف اور اُن کی سیرت کے خلاف عمل پیرا دکھایا مگر نہایت بے شرمی سے اور حق وحقانیت کے خلاف عثمان کے لئے یہ دونوں پہلو؛ پہلو بہ پہلو لکھ دیئے گئے۔

(1) عثمان کی مذمت بھی کی اور اُسے خلیفہ برحق بھی مانا اور خیر کثیر فراہم کرنے والا اسلام کو سربلند کرنے والا مانا

غور سے سنئے: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اُس کو خواہ مخواہ سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 116)

(2) غلط کار خلیفہ کو برحق خلیفہ اور اُس کی غلطیوں کو خیر کثیر کہنا انصاف ودین کا تقاضا ہے

اب انصاف ودین کا تقاضا ومطالبہ سنیں: ''مگر واقعہ یہ ہے کہ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر باقی جملہ پہلوؤں سے اُن کا کردار بحیثیت خلیفہ ایک مثالی کردار تھا۔ جس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ علاوہ بریں اُن کی خلافت میں بحیثیتِ مجموعی خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سربلندی کا اتنا بڑا کام اُن کے عہد میں ہو رہا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 116)

(12) مودودی سے عثمانی پالیسی کے بے مثل ہونے اور اُن کی خلافت میں خیر کے غلبہ پر چند سوالات

علامہ مودودی نے جو دعویٰ کیا ہے اُس کی تصدیق وتحقیق کرنے والے کا راستہ بند کرنے کیلئے اُنہوں نے دو جملے ایسے لکھ دیئے ہیں کہ نہ اُن کا کوئی کنارہ یا سرا ملے گا نہ اُن کا کوئی یقینی مطلب سمجھے گا اور نہ علامہ کے دعوے کی تحقیق وتصدیق کر سکے گا۔ وہ جملے غور سے پڑھیں:

1 ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا۔'' (ایضاً صفحہ 116) اور

2 ''مگر واقعہ یہ ہے کہ اِس ایک پہلو کو چھوڑ کر باقی جملہ پہلوؤں سے اُن کا کردار بحیثیتِ خلیفہ ایک مثالی کردار تھا۔'' (صفحہ 116)

سوال یہ ہے کہ وہ بلاشبہ غلط پہلو کون سا ہے؟

اس سوال کا جواب جب تک نہ ملے علامہ کے دعویٰ کی تصدیق وتردید نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم یہ سوچیں کہ یہ دونوں جملے علامہ نے مروان کے حالات ختم کرنے کے بعد لکھے ہیں لہٰذا وہ غلط پہلو مروان کو اپنا سیکرٹری بنا لینا ہوگا۔ یہ سوچ اس لئے یقینی جواب نہیں کہ عثمان کا مروان کو اپنا سیکرٹری بنانا اُن کا ایک غلط کام یا عمل ہے پہلو نہیں ہے۔ البتہ مروان کے متعلق اُن کی پالیسی کا غلط پہلو یہ ہو سکتا ہے کہ ''انہوں نے یہ فیصلہ

کرر کھا ہو کہ مروان جو کچھ کہے گا اُس پر بلا تحقیق عمل کروں گا اور اُس کے خلاف کسی کی، حتّٰی کہ خود اپنی زوجہ کی بھی بات نہ سنوں گا۔" اگر ہم اِس کو "وہ ایک پہلو مان لیں" جسے مودودی نے بلاشبہ غلط مانا ہے؟ اور جو واقعی ہے بھی غلط ہی۔ مگر اب اس کی تصدیق کیسے ہو کہ علامہ نے اسی پہلو کی بات کی تھی؟ یہ تصدیق تب ہی ہو سکتی تھی جب علامہ کوئی ایسا عنوان قائم کرتے کہ: "عثمان کی پالیسی کے غلط پہلو" یہ یا ایسا عنوان قائم کر کے پھر علامہ اُن پہلوؤں کو بیان کرتے جو غلط تھے یا غلط سمجھے گئے۔ اور ساتھ ہی یہ یا ایسا عنوان قائم کرتے کہ: "عثمان کی پالیسی کے صحیح پہلو" پھر علامہ اُن تمام صحیح پہلوؤں کو نمبروار لکھتے تو ہر قاری کو صحیح وغلط پہلوؤں کو سمجھنے میں کوئی دقت یا اُلجھن نہ ہوتی۔

مگر مسٹر مودودی نے ایسا عنوان اس کتاب خلافت وملوکیت میں لکھنا پسند نہ کیا۔ لہٰذا تحقیق کا راستہ بند رکھا گیا ہے اور ایک بے بنیاد اور ناقابل تحقیق دعویٰ جڑ دیا ہے۔ بے بنیاد اس لئے کہ عثمان کے مثالی کردار کی کسوٹی نہیں بتائی گئی ہے یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ:

"عثمان (یا خلفائے ثلاثہ) کے کردار کا مثالی ہونا قرآن سے جانچا جائے یا فلاں معیار پر پرکھ لیا جائے۔"

رہ گیا عثمان کے عہد میں "خیر کا غالب رہنا" یہ اس لئے بے بنیاد ہے کہ: ایک وقت تھا کہ بقولِ عمر قرآن کا جمع کرنا "خیر" تھا اور بقول ابوبکر، عمر والی "خیر"، "عملِ رسوؐل کی مخالفت تھی۔ کچھ زیادہ دباؤ پڑنے کے بعد ابوبکر کے لئے بھی رسوؐل کی مخالفت "خیر" بن گئی۔ پھر وہ وقت آیا کہ ابوبکر وعمر والی "خیر" زید بن ثابت، جو قریشی علما کے نزدیک عالم وحافظ قرآن اور کاتب وحی تھے، کے نزدیک رسولؐ اللہ کی مخالفت تھی۔ لیکن زیادہ دباؤ پڑنے کے بعد زید بن ثابت کیلئے مخالفتِ رسوؐل "خیر" بن گئی تھی۔ لہٰذا مودودی کو بتانا چاہئے تھا کہ لفظ "خیر" سے کون سی خیر مراد ہے؟ جب کہ مودودی کے راہنماؤں رضی اللہ عنہم کے یہاں رسوؐل کی مخالفت بھی "خیر" بن جایا کرتی ہے؟ ہم مودودی کو اور خلفائے ثلاثہ کے تمام ماننے والوں کو ایک قابلِ تحقیق اور بڑا واضح چیلنج کرتے ہیں کہ وہ قرآن کی کسی بھی آیت سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی کسی بھی پالیسی کو اللہ ورسولؐ کے احکام کے مطابق ثابت کریں۔ جب کہ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ نہ صرف خلفائے ثلاثہ کی خلافت وحکومت قرآن کی واضح آیات سے اللہ ورسولؐ کے احکام کے خلاف ہے بلکہ اُن کی تمام پالیسیاں اور اقدامات بھی قرآن کے مخالف ہیں۔ اور خلفائے ثلاثہ ہی نہیں بلکہ اُن کی پوری قوم قرآن کی مخالف اور تکذیب کرنے والی ہے۔ (6/66،25/30)

(15۔ی) مودودی کا دعویٰ فریب تھا۔ اُن ہی کے قلم سے عثمان کی غلطیاں اور غلط پالیسیاں

قارئین بار بار یہ چیز دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ ہوں یا اُن کے ہم مذہب علما وطرفدار ہوں اُن کی خلافت اور اُن کے بیانات کبھی سیدھے نہیں چلتے وہ بار بار مڑتے ہیں اور ہر موڑ پر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف راستہ اور رُخ اختیار کرتے ہیں۔ کُھل کر ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں اور ہر غلطی ومخالفت کو اجتہادی غلطی کہہ کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ سب راست رَو تھے۔ سیدھے راستے پر چلتے رہے کہیں نہ مُڑے نہ غلط رُخ اختیار کیا۔ یعنی یہ حضرات اپنی ہر باطل پالیسی کو اور اپنے ہر غلط عقیدے کو اور خدا ورسولؐ اور قرآن کے خلاف ہر اقدام کو اجتہاد کی چادر میں لپیٹ کر ہر خباثت کو برحق قرار دے لیتے ہیں یہاں چند نمونے دیکھیئے:

(1) اقربا کے معاملے میں عثمان کے طرزِ عمل کی مودودی تشریحات

پہلی بات: ''یہ نیت کی غلطی نہیں بلکہ رائے کی غلطی تھی۔ یا با الفاظ دیگر اجتہادی غلطی تھی۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 321)

دوسری بات: عمر کے خلاف عثمان کی غلط پالیسی

(1) ''لیکن کیا اس کا بھی انکار کیا جاسکتا ہے کہ تدبیر کے لحاظ سے صحیح ترین پالیسی وہی تھی جو ابوبکر وعمر نے اپنے اقربا کے معاملے میں اختیار فرمائی......اور کیا اس بات کو ماننے میں بھی تامل کیا جاسکتا ہے کہ عثمان نے اُس سے ہٹ کر جو پالیسی اختیار کی وہ بلحاظ تدبیر نامناسب بھی تھی اور عملاً سخت نقصان دہ بھی ثابت ہوئی۔'' (ایضاً صفحہ 322)

(2) ''لیکن تدبیر کی غلطی کو بہر حال غلطی ماننا پڑے گا۔ کسی تاویل سے بھی اس بات کو صحیح نہیں ٹھہرایا جاسکتا کہ ریاست کا سربراہ اپنے ہی خاندان کے ایک فرد کو حکومت کا چیف سیکرٹری بنادے۔'' (ایضاً صفحہ 322) لیکن چند سطروں سے پہلے یہ کہا تھا کہ:

تیسری بات: خود اپنے بیان کے خلاف اور عثمان کے حق میں ہے

''ظاہر ہے کہ شریعت میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے کہ خلیفہ کسی ایسے شخص کو کوئی عہدہ نہ دے جو اس کے خاندان یا برادری سے تعلق رکھتا ہو۔'' (ایضاً صفحہ 322)

قارئین نوٹ کریں کہ یہ وہی تحریری کرتب ہیں کہ جس کو جتنے زیادہ کرتب معلوم ہیں وہ اتنا ہی بڑا علامہ کہلاتا ہے۔

چوتھی بات۔ یہ ہے کہ، ابوبکر وعمر کی سیرت پر عمل کرنے کے عہد کرنے کے بعد بھی عہد شکنی جائز اور عہد کی پابندی لازم نہیں

اور سنئے کہ علامہ کے مذہب میں عہد شکنی جائز ہے اور ابوبکر وعمر کے خلاف عمل کرنا شریعت کے عین مطابق ہے۔ سنئیے:

''اس سلسلے میں حضرت عمر کی جس وصیت کا میں نے ذکر کیا ہے وہ بھی کوئی شریعت نہ تھی جس کی پابندی حضرت عثمان پر لازم اور خلاف ورزی ناجائز ہوتی۔'' (ایضاً صفحہ 322)

پانچویں بات۔ اگر ابوبکر وعمر کی سیرت اور سیرت کی پیروی لازم نہ تھی تو خلافت علیؑ کو کیوں نہ دی؟

قارئین نوٹ کریں کہ جب ابوبکر وعمر کی وصیت ونصیحت شریعت نہیں تھی اور اُن کی سیرت کی پیروی کسی پر لازم نہیں تھی اور اُن کے خلاف عمل کرنا جائز تھا تو حضرت علیؑ پر ایسی غلط شرط لگانا اور انہیں اس غلط شرط کو نہ ماننے سے خلافت نہ دینا کس شریعت یا اصول سے جائز تھا؟ اور عثمان کا ابوبکر وعمر کی سیرت پر عمل کرنے کا عہد کرکے بھی اس عہد کی خلاف ورزی کرنا کیوں عہد شکنی نہیں؟ اور جس شرط پر عمل کرنے کی وجہ سے عثمان خلافت کے حقدار بنے تھے اس شرط کے خلاف عمل کرنے سے اُن کی خلافت کیوں باطل نہیں؟ مختصراً یہ کہئیے کہ ابوبکر اینڈ کمپنی کا مذہب ہی بے دینی کا دوسرا نام ہے۔

چھٹی بات۔ مودودی نے عثمان کی طرفداری میں اللہ، رسولؐ اور قرآن پر تہمت لگائی اور فریب دیا ہے

مودودی نے عثمان کو مال خدا کو لٹانے اور حقداروں کو محروم کرنے کے جرم سے بچانے کے لئے نہ صرف اللہ ورسولؐ اور قرآن کی تعلیمات کو

ناقص و نامکمل قرار دیا ہے بلکہ تمام اہل علم کو فریب دینے کی کوشش بھی کی ہے۔ دیکھئے:

(1) ''خمس کی تقسیم یا بیت المال سے امداد دینے کے معاملے میں کوئی ایسا ضابطۂ شرعی موجود نہ تھا۔'' (ایضاً صفحہ 322)

(2) ''حضرت عثمان نے اپنے اقربا کو روپیہ دینے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا وہ ہرگز شرعی جواز کی حد سے متجاوز نہ تھا۔ یا اپنی صوابدید کے مطابق انہوں نے خمس کے مال کو تقسیم کیا جس کیلئے کوئی مفصل شرعی ضابطہ موجود نہ تھا۔''(ایضاً صفحہ 328)

مودودی نے یہ بتایا ہے کہ خمس کے مال کی تقسیم کا باقاعدہ شرعی ضابطہ نہ قرآن میں موجود تھا نہ رسولؐ اللہ نے اپنے دورِ نبوت میں کوئی ایسا قابل فہم و عمل طریقہ جاری کیا کہ جو عثمان کی راہنمائی میں مددگار بنتا اور اُن کو بتاتا کہ فلاں فلاں کو دیا جائے اور فلاں فلاں کو نہیں۔ اور پھر ابوبکر و عمر نے بھی خمس کے مسئلے پر کوئی عملی یا قولی تقسیم کا ضابطہ پیش نہ کیا یعنی (معاذ اللہ) قرآن ایک نامکمل اور ناقص کتاب تھی رسولؐ ایک وقت ٹپاؤ آدمی تھا اور ابوبکر و عمر جیسی پرجا ویسے راجا تھے۔ اس لئے عثمان نے جو موزوں و مناسب سمجھا وہ خمس کے مال کے ساتھ کیا۔

(2) <u>وہ لوگ جو قرآن کی رُو سے مکذّبِ قرآن اور مُحرّف قرآن ہوں (25/30، 6/66) اُنہیں مسئلہ خمس سمجھانا غلط ہے</u>

یہاں تک مودودی کے قلم سے عثمان کے حالات پر کافی روشنی پڑ چکی اس لئے اب مسئلہ خمس پر باقاعدہ بحث و نظر کی بجائے چند باتیں کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اوّل یہ کہ ابوبکر و عمر و عثمان اور اُن کے عہد خلافت میں اُن کے لواحقین و مددگار اور اُن کی پوری قوم وہی قوم تھی جس کے متعلق عمر نے یہ ''<u>سربستہ راز</u>'' عبداللہ ابن عباس پر ظاہر کر دیا تھا کہ:

''قریش نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ خاندانِ نبوتؐ میں ہرگز خلافت کو نہ جانے دیں گے۔''(الفاروق حصہ اوّل صفحہ 103) اور (طبری خلافت راشدہ حصہ دوم صفحہ 279 تا 283 ترجمہ)

اور عمر سے عبداللہ ابن عباس نے منوایا تھا کہ خلافت کو علیؑ سے حسداً و ظلماً غصب کیا تھا۔ (طبری ایضاً)

ظاہر ہے کہ قریش روز اوّل سے ایسا فیصلہ جب ہی کر سکتے تھے جب انہیں یہ یقین ہو جاتا کہ آنحضرتؐ یقیناً خلافت علیؑ کو دیں گے۔ یہ یقین اس طرح بھی تصدیق ہو جاتا ہے کہ عبداللہ ابن عباس نے عمر اور اُس کی قوم کے خلافت ہڑپ کر لینے پر یہ لاجواب کر دینے والا اعتراض قائم کیا تھا کہ:

''قوم کا یہ فیصلہ کہ خلافت خاندان نبوتؐ میں نہیں بلکہ قریش میں رہنی چاہیئے اُس صورت میں ضرور حق بجانب ہو جاتا اگر تمہاری قوم نے خلافت کو اُس وقت اختیار کر لیا ہوتا جب کہ اُنہیں خلافت پیش کر کے اُسے قبول کرنے کا موقعہ دیا گیا تھا۔'' (ایضاً طبری)

یعنی تمہاری قوم کا اس وقت آگے بڑھ کر خلافت کی ذمہ داری کو اختیار نہ کرنا اور وفات رسولؐ کے بعد تکڑم اور جوڑ توڑ سے خلافت کو خاندانِ رسالت سے نکالنا باطل اور ظلم و حسد ہے۔ ابن عباس نے عمر کو وہ آیت (محمد 47/9) بھی سنائی تھی جس میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ کَرِهُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ o (سورہ محمدؐ 47/9)

''وہ اس لئے کہ یقیناً اُنہوں نے اُس حکم کو ناپسند کیا تھا جو اللہ نے نازل کیا تھا چنانچہ اللہ نے اُنکے تمام اعمال یکسر ضائع کر دیئے۔''

مطلب واضح تھا اور عمر نے اختلاف نہیں کیا کہ علیؑ کی خلافت مُـنَـزّل من اللّٰہ تھی اور قریش نے اسے پسند نہ کیا اور اللہ نے قریش کے تمام اعمال ضائع کر دیئے۔ اور یہ معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے قریش اور تمام اہلِ مکہ کے سامنے اپنے خلیفہ و وزیر بننے کا موقع دعوتِ ذوی العشیرہ (الشعرآء 26/214) کے دن رکھا تھا۔ یعنی نبوت کے ابتدائی زمانہ ہی سے قریش نے یہ موقع کھو کر یہ سن لیا تھا کہ:

''یہ علیؑ ہے جو میرا وزیر میرا خلیفہ اور میرا بھائی ہے میری حیات میں بھی اور میرے بعد بھی۔''

لہٰذا اس کے بعد قریش پر لازم ہو گیا تھا کہ وہ قرآن کے ہر اُس حکم کو ناپسند کریں جو علی صلوٰۃ اللہ علیہ کی خلافت و اطاعت وغیرہ کیلئے نازل ہو۔ اور ساتھ ہی قریش نے یہود و نصاریٰ کی مدد سے قرآن کی معنوی تحریف و تاویل شروع کر دی تھی (2/75، 4/46، 5/41) اور اپنی قوم کو قرآن کے تمام مفاہیم بدل بدل کر وہ صورتِ حال مستحکم کر دی تھی جو وفاتِ رسولؐ کے بعد پیدا کرنے کے لئے ضروری تھی۔ قریش کی اس کوشش کو قرآن نے با قاعدہ بیان کیا ہے (فرقان 30 تا 25/27 اور انعام 6/66) لہٰذا قریش نے مسئلہ خمس اور مالِ فے کی بھی تحریف و تکذیب و تاویل کر رکھی تھی اور جیسے ہی خلافت پر قبضہ کیا گیا تو پہلا کام یہی کیا کہ وہ تمام حقوق جو علیؑ اور آلِ علیؑ کی طرف منتقل ہونا تھے اُن کو محروم کر کے اپنی طرف منتقل کر لئے تھے۔ یعنی وہ اب رسولؐ کے جانشین بن گئے تھے لہٰذا رسولؐ کے حقوق و اختیارات اُن کو ملنا چاہئیں۔ چنانچہ علی و فاطمہ علیہما السلام کے قبضہ اور تصرف سے وہ تمام جائیدادیں نکال کر خلیفہ ابوبکر نے، عمر کے دباؤ سے اپنے قبضے اور تصرف میں لے لی تھیں جو اللہ، رسولؐ، اور قرآن نے اُن کی مستقل تحویل و انتظام میں دی تھیں۔ اُن جائیدادوں میں سے جو مالِ فے تھیں اور ضبط کر لی گئیں ایک کا نام فدک تھا۔ ہم نے خانوادۂ رسولؐ کے حقوق چھیننے کی تفصیلات اپنی تفسیر تعبیر القرآن میں اور دیگر تصانیف میں با قاعدہ لکھی ہیں۔ یہاں تو صرف اتنا بتانا اور دکھانا چاہتے ہیں کہ چودہ سو سال سے خانوادۂ رسولؐ کے حقوق کو چھپانے کے لئے ابوبکر و عمر سے لے کر آج تک پرستارانِ حکومت اور اُن کے علما نے تہہ در تہہ دبیز پردے لٹکائے ہیں مگر اس کے باوجود اُن غصب شدہ حقوق کے کچھ گوشے، کچھ کنارے اور کچھ آثار اب بھی پردوں میں سے جھلک رہے ہیں۔ اور یہ کہ تمام اموالِ فے اور خمس علیؑ و اولادِ علیؑ کا حق تھا، ہے اور رہیگا۔ جسے بار بار چھیننا اور لوٹنا ابوبکر و عمر کے منہ پر طمانچوں کے مترادف ہے۔

ہم نے عمداً ابوبکر و عمر کے غصب و نہب کو ٹالا تھا تاکہ حضرت علیؑ کے اُس جملے کی تشریح کو عثمانی پالیسیوں کے بعد سامنے لایا جائے جس میں حضورؐ نے حکومتِ الٰہیہ اور اُس کے تمام متعلقات کو اپنی موروثی یعنی آبا و اجداد سے ملتی چلی آنے والی چیزیں فرمایا ہے۔ جسے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل و نابت علیہم السلام کے زمانے سے علیؑ کے آبا و اجدادؑ شہنشاہانِ دین و دُنیا رہتے چلے آئے تھے اور علیؑ کے والد حضرتِ ابو طالبؑ اور دادا جناب عبد المطلبؑ اور پردادا جناب ھاشم علیہم السلام بلا کسی اختلاف کے حاکم بنتے چلے آئے تھے اور ابوبکر و عمر کے آبا و اجداد نے اُن کی حکومتوں کو دل و جان سے تسلیم کیا تھا۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام اُسی پشتینی و نسلی حکومت کے وارث اور حاکم تھے۔ اور عرب خوشی خوشی انہیں اپنا حکمران بناتا اور اُن کے داھنے ہاتھ پر دودستی بیعت کرتا مگر حادثہ یہ ہو گیا کہ حضرت علیؑ نے اپنے داھنے ہاتھ سے ابوبکر و عمر و عثمان اور پوری قوم قریش کے آبا و اجداد و سرداروں کے سر کاٹے تاکہ نبوتِ محمدؐ یہ قائم ہو جائے۔

اس لئے قریش نے علیؑ کے خلاف محاذ بنایا اور فیصلہ کرلیا کہ اب علیؑ اور اس کی نسل میں اُس روزِ ازل سے چلی آنے والی حکومت کو نہ جانے دیں گے اور نہ جانے دیا۔ اسی حادثہ کو حضورؐ نے یہ فرما کر بیان کیا ہے کہ:

میں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ آیا میں اُس ہاتھ سے اِن منصوبہ سازوں کو تباہ کر کے حکومت حاصل کرلوں جو دراصل اُن کے سرداروں کو قتل کر کے میں نے خود ہی اپنی بیعت واطاعت کے سلسلے میں کاٹ دیا اُن کی دشمنی مول لے لی ہے؟ یا میں صبر کا منصوبہ اختیار کرلوں اور صبر کی مار دے کر انہیں حکومت واپس دینے کے لئے مجبور کر کے رکھ دوں خواہ اس میں صدیاں گزریں، نسلیں نسلوں سے بدلتی چلی جائیں اور ہزاروں مومنین اس جِد وجُہد میں خدا کو پیارے ہوتے چلے جائیں؟ اور تمام دیدۂ بینا اُس گرد وغبار کو اور اندھیر گردی کو دیکھنے کی تکلیف برداشت کرتی رہیں گی جو اِس باطل حکومت کے استحکام میں فوج کشیوں سے پیدا ہوں اور زبان بندی واحتیاط کے تقاضہ سے حقائق کو حلق سے نیچے روکنا پڑے گا۔ بہرحال میں نے یہاں سے وہاں تک اپنی وراثت کو لُٹتے ہوئے دیکھا۔(......اَرٰیْ تُرَاثِیْ نَھْبًا۔خطبہ نمبر3، جملے 7تا15)

(3) تمام انسانوں کا آنحضرتؐ سے، اُن کی ازواجؑ واولادؑ سے اور اُن کو جنم دینے والے ارحام سے سلوک اور فریضہ قرآن میں۔

قریشی علما کی تحریف وسخن سازیوں کو سامنے سے ہٹا کر قرآن کے وہ معنی ومطالب سامنے رکھ کر بات سُنیں جو ہر ڈکشنری اور الفاظ کے مصدری ومادّی مُسلّمہ قواعد کی سند رکھتے ہیں۔ اللہ نے پوری نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُھٰجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا o وَ اِذْ اَخَذْنَا...... ......الخ (احزاب 7تا33/6)

”یہ مخصوص نبیؐ محمدؐ مومنین کے ہر معاملے میں، اُن سب کے مقابلہ میں، اُن کی اپنی سوجھ بُوجھ اور اُن کی زندگی اور جان پر بھی ہمدردترین حاکم ومختار ہے 2 اور نبیؐ کی ازواج تمام ایمان لانے والوں کی مائیں ہیں۔ 3 اور اُن کو جنم دینے والے ارحام کے مالکوں میں سے بعض لوگ آپس کے لوگوں پر بھی کتاب اللہ کی رُو سے ہمدرد وحاکم ہیں اور باقی تمام ایمان لانے والوں اور تمام مہاجرین پر بھی نبیؐ کی طرح ہمدرد وحاکم ومختار ہیں سوائے اس کے کہ تم اُن کے بعد اپنے دوسرے ہمدرد حاکموں کے ساتھ قاعدہ کا پسندیدہ سلوک کرو اور وہ سب کچھ الکتاب کے اندر سطروں میں لکھا ہوا موجود ہے اور یہ درجہ بندی اُس وقت سے ہے جب اللہ نے تمام انبیاءؑ سے عہد لیا تھا اور تمؐ سے تمہارا عہد لیا تھا اور نوحؑ سے ابراہیمؑ سے اور موسیٰؑ وعیسیٰؑ سے عہد لیا تھا اور اُن سے تو بہت ہی مستحکم عہد لیا تھا۔“ (احزاب 6تا33/7)

(4) رسولؐ کی ازواجؑ سے پیدا ہوتے چلے جانے والی لڑکیاں یا ارحام قیامت تک اُمت پر حرام ہیں

اِس سورہ کی ابتدائی آیات میں تمام مومنین کو یہ بتایا گیا ہے کہ اُنکا اپنے منہ سے اپنی ازواج کو یا کسی اور عورت کو اپنی ماں بنانا یا کہنا اور کسی کو اپنا بیٹا بنانا یا کہنا بکواس کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن اگر اللہ ایسی بات کہدے تو واقعی وہ حق بات اور صحیح طریقہ ہوتا ہے (احزاب 33/4)

معلوم ہوا کہ جب اللہ نے نبیؐ کی ازواج کو ساری اُمت کی مائیں فرمادیا تو وہ حقیقی مائیں بن گئیں اور جن کو رسولؐ کے بیٹے کہہ دیا (آل عمران 3/61) وہ حقیقی بیٹے بن گئے۔ اسی بات کو اور زیادہ واضح و مستحکم کرنے کیلئے اللہ نے اسی سورہ احزاب میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

''تمہارے لئے جائز نہیں کہ رسولؐ اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی ازواج سے اُن کی وفات کے بعد قیامت تک نکاح کرو یقیناً تمہارا ایسا کرنا اللہ کے نزدیک عظیم ترین باز پرس کا سبب ہوگا۔'' (33/53)

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ'' اَبَدًا '' کیوں فرمایا گیا ہے؟ آنحضرتؐ کی ازواج نے تو ابدًا موجود اور قابلِ نکاح نہ رہنا تھا اور اگر صرف ازواج رسولؐ ہی کو امت پر حرام کرنا تھا تو لفظ'' اَبَــدًا '' کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح کے حرام ہونے کی حدود قیامت تک پھیلی ہوئی ہیں۔ لہٰذا صرف رسولؐ کی ازواج سے نکاح حرام کرنے کے لئے تو انہیں مومنین کی مائیں کہہ دینا ہی کافی تھا۔ جب وہ حقیقی مائیں ہیں تو خود بخود اُن سے نکاح کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ماؤں کی بیٹیاں بہنیں ہوتی ہیں اور ازواج رسولؐ سے قیامت تک بیٹیاں پیدا ہوتے رہنا تھیں لہٰذا بطور تاکید نکاح حرام ہونے کے الفاظ لائے گئے (وَ لَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ) اور اُن سے پیدا ہونے والی بیٹیوں کو حرام کرنے کے لئے بطور تاکید لفظ ابدًا لایا گیا اور وجہ یہ بتائی کہ رسولؐ کو اس سے ایذا یا دکھ پہنچتا ہے۔

بہرحال اُس گھر کے افراد کا مقام تمام مومنین سے اتنا بلند رکھا گیا کہ وہ ارحام جن سے آنحضرتؐ کا یا اُن کے پالنے اور پیدا کرنے والوں کا تعلق رہا ہے اُن سے کوئی دوسرا جنسی تعلقات قائم نہیں کرسکتا۔ اور اُن ارحام کے استعمال کرنے والوں کو تمام مومنین پر، خواہ وہ مہاجر ہوں یا انصار ہوں، قدیم ہوں یا جدید ہوں، سب پر نبیؐ کی طرح اَوْلٰی بالتصرف حاکم قرار دیا گیا۔ یعنی ازواج رسولؐ اور اولاد رسولؐ پر رسولؐ اور جانشینِ رسولؐ کے علاوہ کوئی اور شخص حاکم و افضل نہیں رکھا گیا ہے۔ لہٰذا یہ یاد رکھیں کہ اس آیت (احزاب 33/6) میں قریشی علما کی تحریف و تبدیل کے باوجود اُولُو الْاَرْحَام کے معنی'' رشتہ دار'' ہی کئے گئے ہیں اور رشتہ دار معنی کر کے انہیں رسولؐ کے رشتہ دار نہیں بلکہ عام لوگوں کے رشتہ دار بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی اُن رشتہ داروں (اولوالارحام) کو تمام مومنین اور مہاجرین سے اولیٰ بھی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ چار سو بیسی بھی کی گئی ہے کہ جب لفظ اَوْلٰی نبیؐ کے ساتھ آیا تو اُس کے معنی یہ کئے گئے کہ'' بلاشبہ نبیؐ تو اہل ایمان کے لئے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے۔'' اور حاشیہ میں فرمایا گیا کہ:

''یعنی نبیؐ کا مسلمانوں سے اور مسلمانوں کا نبیؐ سے جو تعلق ہے وہ تمام دوسرے انسانی تعلقات سے ایک بالاتر نوعیت رکھتا ہے۔ کوئی رشتہ اُس رشتے سے اور کوئی تعلق اُس تعلق سے، جو نبیؐ اور اہل ایمان کے درمیان ہے، ذرہ برابر بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ نبیؐ مسلمانوں کے لئے اُن کے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق و رحیم اور اُن کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیر خواہ ہیں۔ اُن کے ماں باپ اور اُن کے بیوی بچے اُن کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اُن کے ساتھ خود غرضی برت سکتے ہیں۔ اُن کو گمراہ کر سکتے ہیں، اُن سے غلطیوں کا ارتکاب کرا سکتے ہیں، اُن کو جہنم میں دھکیل سکتے ہیں، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے حق میں وہی بات کرنے والے ہیں جس میں اُن کی حقیقی فلاح ہو۔ وہ خود اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار سکتے ہیں، حماقتیں کر کے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر سکتے ہیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی کچھ تجویز کریں گے جو

فی الواقع اُن کے حق میں نافع ہو۔اور جب معاملہ یہ ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ وہ آپؐ کو اپنے ماں باپ اور اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھیں، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آپؐ سے محبت رکھیں، اپنی رائے پر آپؐ کی رائے کو اور اپنے فیصلے پر آپؐ کے فیصلے کو مقدم رکھیں، اور آپؐ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔اِسی مضمون کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے جسے بخاری ومسلم وغیرہ نے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے کہ: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدہ و وُلْدہ و الناس اَجْمَعِیْن تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کو اُس کے ماں باپ اور اولاد سے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 71-72)

اور اس سے کہیں بڑھ کر خود اللہ نے قرآن (سورہ توبہ 9/24) میں فرمایا ہے۔بات آگے بڑھانے سے پہلے یہاں رُک کر علامہ شبلی کی الفاروق دیکھیں جہاں یہ دکھایا اور ثابت کیا گیا ہے کہ خلیفہ دوم عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو تسلیم نہیں کیا۔سنئے:

''کتبِ سیَر اور کتبِ احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے مواقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 112)

لہٰذا قرآن وحدیث اور مودودی کے مندرجہ بالا حاشیہ کی رُو سے عمر یقیناً اللہ ورسولؐ اور قرآن کا مومن نہ تھا اور سب کچھ تھا۔

اب آگے بڑھیے اور سنیئے کہ: جب وہی لفظ ''اَوْلٰی'' اُوْلُوا الْاَرْحَام کے ساتھ آیا جس کے معنی اور معنی کی تشریح میں آپ نے مندرجہ بالا حاشیہ پڑھا ہے، تو علامہ مودودی نے اُس کے معنی بدل کر یہ لکھے کہ:

''عام مومنین ومہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار (یعنی اُولُوا الارحام) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 71)

دیکھنا یہ ہے لفظ ایک ہی ہے جس کی وجہ سے رسولؐ اللہ کا مذکورہ بلند ترین مقام مان لیا گیا۔لیکن اُسی لفظ کی موجودگی میں نہ اُس کے وہ معنی کئے گئے جو اُسی لفظ کے رسولؐ اللہ کے حق میں کئے گئے تھے اور نہ وہ تصور اولوا الارحام کے ساتھ وابستہ کیا گیا جو آنحضرتؐ کے ساتھ کیا گیا ہے۔قریشی علما کی اس تحریف وتبدیل وکاٹ چھانٹ کے لئے ہم نے عرض کیا ہے کہ:

''قریشی علما کی تحریف اور سخن سازیوں کو سامنے سے ہٹا کر قرآن کے وہ معانی ومطالب سامنے رکھ کر بات سنیں جو ہر ڈکشنری اور الفاظ کے مصدری ومادّی ومُسلّمہ قواعد کی سند رکھتے ہیں۔'' (عنوان نمبر 3 میں)

لہٰذا پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ لفظ ''اَوْلٰی'' کی بنیاد یا مادہ و-ل-ی ہے اور اُس کا مصدر وَلَایَۃٌ یعنی حکومت ہے۔اور اسی مادّہ اور مصدر سے ہیں وہ تمام الفاظ جو اللہ، رسولؐ اور علیؑ کی حکومت کے لئے قرآن نے استعمال کئے ہیں جیسے کہ لفظ ''ولی'' اور ''مَوْلٰی'' اور جن کے حقیقی، مصدری، مادّی اور لغوی معنی بدلنے میں قریشی علما نے ہر بد دیانتی، ہر بے شرمی اور ہر مکر وفریب استعمال کیا ہے۔مگر آیت زیر بحث میں ایک رسولؐ اللہ اولیٰ یعنی ہر حال میں ہمدردی کرنے والا حاکم ہیں دوسرے ارحامِ پیغمبرؐ والے اولیٰ ہیں لہٰذا اب علامہ مودودی کے ترجمے اور تشریح (حاشیہ نمبر 12 صفحہ 71) کی سند سے بھی رسولؐ کے اُولُوا الارحام کا مقام سُنیئے اور علامہ کے مذکورہ حاشیہ کی حدود میں رہیئے:

''بلا شبہ نبیؑ کی طرح نبیؑ کے اولواالارحام بھی تمام اہل ایمان اور مہاجرین کی جان پر بھی مقدم ہیں۔'' یعنی ''نبیؑ کے اولواالارحامؑ کا مسلمانوں سے اور مسلمانوں کا اولواالارحامؑ سے جو تعلق ہے وہ تمام دوسرے انسانی تعلقات سے ایک بالاتر نوعیت رکھتا ہے۔کوئی رشتہ اُس رشتے سے اور کوئی تعلق اُس تعلق سے جو نبیؑ کے اولواالارحامؑ اور اہل ایمان کے درمیان ہے ذرہ برابر بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ نبیؑ کے اولواالارحام مسلمانوں کے لئے اُن کے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق ورحیم اور اُن کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیر خواہ ہیں۔اُن کے ماں باپ اور اُن کے بیوی بچے اُن کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، اُن کے ساتھ خودغرضی برت سکتے ہیں، اُن کو گمراہ کر سکتے ہیں، اُن کو جہنم میں دھکیل سکتے ہیں مگر نبیؑ کے اولواالارحام اُن کے حق میں وہی بات کرنے والے ہیں جس میں اُن کی حقیقی فلاح ہو۔وہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار سکتے ہیں، حماقتیں کر کے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر سکتے ہیں لیکن نبیؑ کے اولواالارحامؑ وہی کچھ تجویز کریں گے جو فی الواقع اُن کے حق میں نافع ہو۔اور جب معاملہ یہ ہے تو نبیؑ کی طرح نبیؑ کے اولواالارحام کا بھی مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ وہ اُن حضرات کو اپنے ماں باپ اور اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھیں، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اُنؑ سے محبت رکھیں۔اپنی رائے پر اُن حضرات کی رائے کو اور اپنے فیصلے پر اُنؑ کے فیصلے کو مقدم رکھیں۔اور اُن کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔''

قارئین خود بھی غور فرمائیں کہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تمام اہل ایمان سے اَولیٰ فرمایا ہے اور بالکل اُسی طرح نبیؑ کے اولواالارحام صلوٰۃ اللہ علیہم کو بھی تمام مومنین ومہاجرین سے اولیٰ قرار دیا ہے۔لہٰذا جن کو نبیؑ کے ساتھ ساتھ اَولیٰ فرمایا ہے یقیناً وہ نہ آیت میں مذکور مومنین میں کے افراد ہیں اور نہ مہاجرین میں کے حضراتؑ ہیں اسلئے کہ عام مومنین اور مہاجرین پر تو انہیں اَولیٰ فرمایا گیا ہے۔اور کیا آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ مہاجرین میں تو بقول قریش ابوبکر وعمر وعثمان بھی ہیں اور تمام مکہ سے آنے والے سب مہاجرین کے زُمرے میں داخل ہیں۔لہٰذا جو شخص یا اشخاص تمام مہاجرین سے اَولیٰ ہو وہ کون ہوسکتا ہے؟ یا کون ہے؟ اور وہ یقیناً اَولیٰ ہونے میں نبیؑ کے مساوی ہے۔کیا آپ کو عہدِ رسولؑ میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جسے رسولؑ نے اپنا نفسؑ فرمایا ہو؟ جسؑ کے خون کو اپنا خون؟ جسؑ کے گوشت کو اپنا گوشت قرار دیا ہو؟ جسے اپنے نور میں حصے دار قرار دیا ہو؟ جسؑ کی طرف دیکھنا عبادت فرمایا ہو؟ اور قرآن نے نبیؑ کی زبان سے اَنْفُسَنَا میں شمار کیا ہو؟ (آل عمران 3/61) اور جو خود نفسؑ اللہ، یدؑ اللہ، عینؑ اللہ، حلاّلؑ مشکلات ومولائے کائنات مشہور ہے؟

(5) کائنات اور کائنات کی ہر چیز حکومتِ خداوندی میں داخل ہے تو خلیفۂ خداوندی ہی اُس حکومت کا مشہود حکمران ہے

قریشی دماغ کے علاوہ ہر دماغ نہایت آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کائنات کا محسوس ومشہود حاکم خلیفہ وجانشینِ خداوندی یعنی محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور جس طرح اللہ کائنات کی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے اور اُسی نے تمام انسانوں کو ہر چیز دی ہے یعنی اُن کی ملکیت عارضی اور اللہ کی عطا کردہ ہے۔اسی طرح اللہ کی طرف سے آنحضرتؐ اس کائنات کے اور یہاں کی تمام موجودات کے مالک وبادشاہ ہیں۔اور جہاں اللہ نے انسانوں کو مختلف ضرورت کی چیزیں اپنے فضل سے دینا بتایا ہے وہاں رسوؐل کو بھی اپنے فضل سے لوگوں کو عطا کرنے والا فرمایا ہے۔سنئے کہ اموال کے عطا کرنے اور تقسیم کرنے پر قریشی قسم کے مسلمان اعتراض کیا کرتے تھے۔اُن

معترضین کو اور باقی تمام مسلمانوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اموال، اللہ ورسولؐ کی ملکیت ہیں وہ جسے اپنے فضل وکرم سے جتنا دیں اُس پر سب کو مطمئن رہنا اور اللہ ورسولؐ کے مزید فضل وکرم کی امید رکھنا چاہیئے۔اللہ نے فرمایا ہے کہ:

(6) مال کا دینا اللہ ورسولؐ کا کام ہے اُن کی تقسیم پر اعتراض کرنا غلط ہے وہ تقسیم میں ہر طرح مختار ہیں

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ‌ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ‏o وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۙ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُـؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ o اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ ...... الخ (توبہ 60 تا 9/58)

"اور اِن ہی مومنین میں وہ لوگ بھی ہیں جو مال صدقات کی تقسیم میں تمہیں ملزم قرار دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو آنکھ مارتے ہیں۔اور اگر انہیں اس مال میں سے دیا جاتا ہے تو راضی رہتے ہیں اور نہ دیا جائے تو غصے اور ناراض ہو جاتے ہیں کیا اچھا ہوتا کہ اللہ اور رسولؐ نے جو کچھ بھی انہیں دیا تھا اس پر راضی ہوتے اور کہتے کہ اللہ ہمارے حالات کے حساب سے صحیح دیتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسولؐ اپنے فضل سے عنقریب اور دیں گے۔ہمیں تو یقیناً اللہ ہی کی طرف راغب رہنا ہے۔اور اس کے سوا اور کچھ منشا ہے ہی نہیں کہ صدقات تو صرف فقرا اور مساکین اور صدقات وصول کرنے والوں اور مؤلفۃ القلوب اور غلاموں کی آزادی اور مقروض لوگوں اور راہِ خدا میں دینے اور ابن السبیل ہی کو دینا اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ سب ضرورتمندوں کو جانتا اور حکمت کے ساتھ کام کرنے والا ہے۔"

(7) صدقات وزکوٰۃ آنحضرتؐ پر اور اولوا الارحام پر حرام ہے لہٰذا وہ اس تقسیم میں خیانت کیوں کریں گے

مودودی کے قلم سے پہلے بھی معلوم ہو چکا کہ رسولؐ اور اُنکے جنم دینے والے ہرگز نوع انسان کے ساتھ بد دیانتی، خودغرضی اور نقصان پہنچانے والا کوئی کام نہ کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ انہیں تقسیم اموال میں بھی اللہ کی طرح اللہ نے مختار رکھا ہے اور تمام اہل ایمان، مہاجرین وانصار، پر واجب ہے کہ وہ بلا چون وچرا کئے ہوئے اُنکی تقسیم پر دل سے راضی رہیں اور مندرجہ بالا آیات (توبہ 60 تا 9/58) میں بھی اُنہیں عطیات اور فضل میں اللہ نے اپنے برابر رکھا ہے اور اُن کی تقسیم پر ہر حال میں راضی رہنے کی تاکید کی ہے۔اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ مال صدقات وزکوٰۃ، مذکورہ آٹھ حصوں میں تقسیم ہوگا۔اور چونکہ مال زکوٰۃ سرمایہ داروں سے لیا جاتا ہے اور اس طرح رسولؐ اللہ کو حکم ہے کہ اُن سے صدقات لے کر انہیں پاک کرو (خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا ...... توبہ 9/103) اور صدقات لے کر اُنہیں تزکیۂ نفس کراؤ۔لہٰذا صدقات وزکوٰۃ کے اموال کو، لوگوں کا میل کچیل ہونے کی بنا پر حقیقی مطہرؑین کے لئے ناپاک اور حرام قرار دیا گیا ہے۔اس سلسلے میں مودودی کی تصدیق ملاحظہ کر کے آگے بڑھیں گے۔

(8) رسولؐ کے اولوا الارحامؑ یا اہل بیتؑ ذاتی طور پر پاک حضراتؑ تھے اُن پر زکوٰۃ وصدقات کا استعمال حرام تھا

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ حقیقی معنی میں وہی حضراتؑ پاک وپاکیزہ کرنے والے اہل بیتؑ، ذی القربیٰ، یا اولوا الارحام صلوٰۃ اللہ علیہم ہیں جن پر مال صدقات وزکوٰۃ حرام ہے۔جن لوگوں کے لئے مال زکوٰۃ حلال ہے وہ یہ ناپاک وحرام مال کھانے کی وجہ سے اہلبیتؑ کے مقابلے

میں ناپاک ہیں اُن کو پاک کہنا غلط و باطل ہے۔

اوّل۔ رسولؐ کے متعلقین صرف وہ حضرات ہیں جن پر صدقات وزکوٰۃ کے اموال حرام ہیں

مودودی کی بات سنئے: ''دنیاپرست منافقین (علامہ اپنی طرف سے مال صدقات کی تقسیم پر اعتراض کرنے والوں کو منافق قرار دے رہے ہیں۔احسنؔ) کے مُنہ میں اس دولت کو دیکھ کر پانی بھر بھر آتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس بہتے ہوئے دریا سے اُن کو خوب سیر ہوکر پینے کا موقع ملے۔مگر یہاں پلانے والا خود اپنے اوپر اور اپنے متعلقینؐ پر اس دریا کے ایک ایک قطرے کو حرام کر چکا تھا اور کوئی یہ توقع نہ کرسکتا تھا کہ اُسؐ کے ہاتھوں سے مستحق لوگوں کے سوا کسی اور کے لب تک جام پہنچ سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم صدقات کو دیکھ دیکھ کر دلوں میں گھُٹتے تھے اور تقسیم کے موقع پر آپؐ کو طرح طرح کے الزامات سے مطعون کرتے تھے۔ دراصل شکایت تو اُن کو یہ تھی کہ اُس مال پر ہمیں دست درازی کا موقع نہیں دیا جاتا۔مگر اس حقیقی شکایت کو چھپا کر وہ الزام یہ رکھتے تھے کہ مال کی تقسیم انصاف سے نہیں کی جاتی اور اس میں جانبداری سے کام لیا جاتا ہے۔'' (تفہیم القران جلد 2 صفحہ 204)

اس بیان میں پہلی بات تو وہی نوٹ کرلیں جس پر ہم زور دیتے آ رہے ہیں یعنی ''رسولؐ اللہ کے متعلقین'' صرف اور صرف وہ حضراتؑ تھے جن پر صدقات وزکوٰۃ کا مال حرام وناپاک رکھا گیا ہے اور یہی حضرات رسولؐ اللہ کے ''اھل بیت'' اور'' اَھل الذّکر یا اھلؑ الرسوؐل'' یا'' اولوا الارحامؑ'' یا ''ذی القربیٰؑ'' یا بقول مودودی ''رسولؐ اللہ کے متعلقین'' ہیں۔

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ ابوبکر وعمر نے قریشی حکومت قائم کرتے ہی مسلمہ طور پر صدقات وزکوٰۃ کے مذکورہ بالا آٹھ حصوں میں سے مؤلفۃ القلوب کا، اللہ کا فرض کیا ہوا حصہ وحق چھین لیا تھا (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 206-207) لہٰذا وہ لوگ جو آنحضرتؐ پر اعتراضات کیا کرتے تھے اور بقول مودودی مال زکوٰۃ وصدقات پر دست درازی کرنا چاہتے تھے وہ ابوبکر وعمر اور اُن کی قوم کے لوگ ہی تھے اسی لئے انہوں نے اہلبیت علیہم السلام کے حقوق بھی ضبط کرلئے تھے تاکہ وہ دولت کے اس بہتے دریا سے خوب سیر ہوکر پئیں اور اپنی قوم کو پلائیں۔(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 204)

دوم۔ خاندانِ ہاشمؑ کو محتاج وتباہ کرنے کا ایک داخلی انتظام

اب قارئین مودودی کے قلم سے یہ صورتِ حال دیکھیں کہ اگر اولاد ہاشمؑ وعبدالمطلبؑ وابوطالبؑ (بقول قریش) خوش حال نظر آئیں تو خلیفہ یا اُس کے اہلکار اُنہیں پکڑ کر تلاشی لیں، گھر کا کونہ کونہ، صندوق والماریاں چھان ماریں اور زکاۃ وصول کر کے چل دیں۔لیکن اگر خاندانِ مرتضویؑ میں کوئی غریب ومفلس نظر آئے، پھٹے کپڑوں میں بھوک سے نڈھال دکھائی دے تو خلیفہ وخلافت کا ہر افسر دیکھتا اور مسکراتا چلا جائے۔کیا اللہ ورسولؐ اور غیور وشریف لوگ پسند کریں گے کہ علیؑ وفاطمہؑ کے بچے اور دوسرے تمام لوگ تباہ ہو جائیں؟ یہ تباہی پسند تھی ابوبکر وعمر واُن کی قوم وحکومت کو اسی لئے اس خاندان سے وہ تمام وسائل وحقوق چھینے گئے تھے جو انہیں قرآن اور اللہ ورسولؐ نے دیئے تھے اور زکوٰۃ وصدقات کا ناپاک مال کھانے سے محفوظ رکھا تھا تاکہ آیت تطہیر (احزاب 33/33) کا معیار بلند ہوتا چلا جائے۔

مودودی تصدیق کرتے ہیں: ''اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان (یعنی بنی ہاشم) پر زکوٰۃ کا مال حرام قرار دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے خود بھی صدقات کی تحصیل وتقسیم کا کام ہمیشہ بلا معاوضہ کیا اور دوسرے بنی ہاشم کے لئے بھی یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ اگر وہ اس خدمت کو بلا معاوضہ انجام دیں تو جائز ہے۔ لیکن معاوضہ لے کر اس شعبے کی کوئی خدمت کرنا ان کیلئے جائز نہیں ہے۔ آپؐ کے خاندان کے لوگ اگر صاحبِ نصاب (یعنی امیر اور سرمایہ دار۔ احسن) ہوں تو زکوٰۃ دینا اُن پر فرض ہے، لیکن اگر وہ غریب محتاج یا قرضدار یا مسافر ہوں تو زکوٰۃ لینا اُن کیلئے حرام ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 206-205)

سوم۔ **وہ لوگ شرمائیں جو رسولؐ اللہ کو حرام وحلال کرنے کا حق دینا شرک سمجھتے ہیں**

اِس مشرک کے اِس بیان میں بھی اور تمام علما کے متفقہ موقف میں بھی یہ حقیقت تسلیم کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت صلوٰۃ اللہ علیہم کے لئے مال زکوٰۃ وصدقات کا استعمال حرام کر دیا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آنحضرؐت کو حرام وحلال اور جائز وناجائز کرنے کے پورے اختیارات حاصل تھے اور اسی بنا پر یہ قول مشہور ہے کہ حلالِ محمدؐ تا قیامت حلال رہے گا اور محمدؐ کا حرام کیا ہوا قیامت تک حرام رہے گا (حلال محمدٌ حلالٌ اِلٰی یَوْمِ القیٰمۃ و حرام محمدٌ حرامٌ اِلٰی یوم القیٰمۃ) علامہ نے بھی اور اکثر شیعہ سُنی علما نے بھی یہ مانا اور لکھا ہے کہ آنحضرؐت نے تمام بنی ہاشمؑ پر صدقات وزکوٰۃ کا مال حرام کیا تھا۔ یہ بات بہت سوچ سمجھ کر مشہور کی گئی ہے لیکن غلط ہے۔ مال زکوٰۃ لینا اور اُسے کسی صورت میں بھی استعمال کرنا صرف اُن حضراتؑ کے لئے حرام تھا جن کی پوزیشن بیان کرنے کے لئے آیت تطہیر نازل ہوئی ہے اور یہ روز ازل سے اُن افراد پر حرام چلا آ رہا تھا جو معصومؑ تھے یا معصومؑ کو جنم دینے اور دودھ پلانے والے تھے۔ حضورؐ کے والدینؑ، علیؑ کے والدین، اور اُن کے آبا واجداد وارحام علیہم السلام ہر ناپاک ومکروہ چیز سے بچا کر رکھے جاتے رہے۔ اُن کے بعد امام حسین وامام حسن اور اُن سے نسل جاری رکھنے میں مددگار حضرات علیہم السلام۔ یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ جنہیں ہم چودہ (چہاردہ) معصومین علیہم السلام کہتے ہیں وہ حضرات عصمتِ کبریٰ کے مالک تھے اور یہ قدرت ووسائل رکھتے تھے کہ جس شخص یا چیز کو چاہیں اسی طرح پاک کر سکتے تھے جیسے آج ریڈیائی شعاعیں کپڑے کو نقصان پہنچائے بغیر اُس کا تمام میل اور مَیلا پن غائب کر دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ رنگ بھی غائب کیا جا سکتا ہے، صورت بدلی جا سکتی، اشیاء کی خصوصیات وتاثرات بدل سکتے تھے۔ صلوٰۃ اللہ علیہم۔

(9) اللہ ورسولؐ اللہ، کائنات کی ہر چیز وہر موجود کے مالک ہیں، مالک مالک ہوتا ہے حصے دار اور پابندِ مقدار نہیں ہوتا

اموال اور سامانِ آسائش وآرائش اور زندگی اور سامانِ حیات وبقائے حیات سب کے حقیقی مالک اللہ اور اُس کے رسولؐ ہیں۔ رہ گئے باقی انسان وحیوان ودیگر موجودات، اُن کی ضروریات اللہ ورسوؐل کو معلوم ہیں اور وہ جس جس چیز کا وجود وموجود رہنا چاہتے ہیں اُس کو اسکی بقا اور ترقی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ موجودات میں سے صاحبانِ اختیار وارادہ اور صاحبانِ عقل وحواس کو اُن کی ضروریات اور ضروریات کو حاصل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ مفید ومضر، جائز وناجائز، حلال وحرام کی تشخیص وتعلیم سے نوازا گیا ہے اور وہ تمام سامان اُن کے چاروں طرف، نزدیک ودُور، پھیلا دیا ہے جس کی انہیں ضرورت ہے یا ہوگی۔ وہ مختار ہیں کہ قوانینِ کائنات وقرآن اور تعلیماتِ

انبیاءعلیہم السلام کے مطابق یا اُن کے خلاف اپنی ضروریات حاصل کریں یا نہ کریں۔ساتھ ہی انہیں فرمان برداری اور مخالفت کے نتائج یہاں اور آخرت میں بھگتنے کے لئے تیار رہنا ہوگا۔لہٰذا اس سلسلے میں انہیں اُن کے حقوق بتانا اور آزاد چھوڑ دینا اللہ و رسوؐل کی ذمہ واری ہے اور ماننا اور عمل کرنا یا نہ کرنا انسانوں کی اپنی ذمہ داری ہے۔

اوّل۔ **اپنی ذاتی محنت اور کمائی کے علاوہ اموال وآسائش کے سلسلے میں حقوق کی پوزیشن**

چنانچہ عہدِ رسولؐ کے لوگوں نے آنحضرتؐ سے سوال کیا تھا کہ جو کچھ ہم اپنی اسکیم کے ماتحت محنت کر کے کماتے ہیں اُس کے علاوہ مال و دولت اور دیگر سامان کے ملنے کا اسلامی تعلیمات میں کیا قاعدہ ہوگا اور افراد کے کیا حقوق ہوں گے؟ اللہ نے فرمایا کہ:

يَسْئَالُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ o (انفال 2 تا 8/1)

’’اے نبیؐ آپ سے فاضل اموال اور سامانِ آسائش کے متعلق پوچھتے ہیں۔اُن کو بتاؤ کہ فاضل اموال اور سامانِ آسائش کے مالک اللہ و رسوؐل ہیں۔تمہارا کام یہ ہے کہ تم اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو اور آپس میں دوسروں کی بھی اصلاح کرو اور اللہ اور اُسکے رسوؐل کی بے چوں وچرا اطاعت کئے جاؤ اگر تم واقعی مومن ہو تو ان احکام کے پابند رہو۔اور سنو کہ حقیقی مومنین تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں۔اور جب اُن کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اُن کے ایمان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔اور وہ اپنے پروردگار پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں۔یعنی جو کچھ اُس نے دیا ہے اور جو کچھ وہ دے گا وہی اور اُتنا ہی بہتر ہوگا۔‘‘

دوم۔ **حقیقی مومنین نے ہمیشہ رضامندیٔ خدا اور رسوؐل کو ایمان کا معیار بنایا' قریشی مومنین نے اپنے قدیم رواج کو اپنا ایمان سمجھا**

حقیقی مومنین نے یہ سمجھ کر اسلام اور اسلامی زندگی اختیار کی تھی کہ اللہ و رسولؐ جو کچھ فرمائیں گے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہمارے تجربے اور معیار کے مطابق ہو یا مخالف ہو، ہر حال میں ہمارے لئے دین و دنیا میں بہتر ومفید ہوگا۔ہم سے اپنی اسکیموں اور کوششوں میں غلطی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔لیکن اللہ و رسوؐل ہرگز کسی حال اور کسی معاملے میں نہ غلطی کر سکتے ہیں اور نہ ہمارے حق میں نقصان کے روادار ہو سکتے ہیں۔وہ ذاتی اغراض و لالچ کیوں کر کام میں لا سکتے ہیں جب کہ وہ ہمارے بھی اور پوری کائنات کے بھی مالک ومختار ہیں۔لہٰذا اُن کی طرف سے کسی قسم کا خطرہ محسوس کرنا جہالت وحماقت اور اُنہیں اپنے ایسا سمجھنا ٹھہرتا ہے۔وہ مٹی کو سونا اور سونے کو پتھر بنا سکتے ہیں، وہ غنی ہیں محتاج نہیں، وہ مالک ہیں حصہ دار نہیں جو اپنا حصہ زیادہ لینے کی فکر کریں۔اُنہوں نے ہر چیز ہمارے ہی لئے بنائی ہے اور ہمیں ہی دینا چاہتے ہیں۔ہم کیوں ’’میر‘‘ ’’تیر‘‘ کر کے اپنی پست خیالی کی نمائش کر لیں اور انہیں خفا ہونے کا موقع دیں۔یہ عملدرآمد انصارؓ مدینہ میں قرآن (حشر 9-59/8) سے ثابت ہے۔

سوم۔ حقیقی مومنین کا وجود انصارِ مدینہ میں تھا جو سورۂ انفال کی ہدایات اور مندرجہ بالا تصورات پر عامل تھے

علامہ مودودی آیات (59/8-9) کی تشریح کرتے ہوئے انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کا وہ عملی طریقہ پیش کرتے ہیں جسے اگر قریشی مومنین نے اختیار کرلیا ہوتا تو آج تک یہ دُنیا رشکِ جنت بنادی جاتی۔اور وہ تمام مظالم اور نوع انسان کی تباہیاں سامنے نہ آئی ہوتیں جو اُس خودغرض قوم نے رسولؐ اور اَھلُ الرّسوؐل کو اپنے ایسا خودغرض انسان سمجھ کر اس دُنیا میں مچائیں اور اُسے تمام انسانوں کے لئے جہنم بنادیا۔مودودی سے انصار کا اسلامی کیریکٹر پڑھتے ہوئے یہ سوچتے جائیں کہ قریش نے کیوں نہ انصار والا ایمان اختیار کیا؟ سنئے:

''یہ تعریف ہے مدینۂ طیبہ کے انصار کی۔مہاجرین جب مکہ اور دوسرے مقامات سے ہجرت کرکے اُنکے شہر میں آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ۔احسنؔ) وسلم کی خدمت میں یہ پیشکش کی کہ ''ہمارے باغات اور نخلستان حاضر ہیں،آپ انہیں ہمارے اور اِن مہاجر بھائیوں کے درمیان بانٹ دیں۔'' حضورؐ نے فرمایا کہ یہ (قریش۔احسنؔ) لوگ تو باغبانی نہیں جانتے، یہ اُس علاقے سے آئے ہیں جہاں باغات نہیں ہیں، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اپنے ان باغوں اور نخلستانوں میں کام تم کرو اور پیداوار میں سے حصہ اِن کو دو؟ اُنہوں نے کہا سمعنا واطعنا'' (بخاری۔ابن جریر) اس پر مہاجرین نے عرض کیا کہ ''ہم نے کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے جو اس درجہ ایثار کرنے والے ہوں۔یہ کام خود کریں گے اور حصہ ہم کو دیں گے؟ ہم تو سمجھتے ہیں کہ سارا اجر یہی لُوٹ لے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں، جب تک تم انکی تعریف (مدح وثنا۔احسنؔ) کرتے رہوگے اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہوگے تم کو بھی اجر ملتا رہے گا۔ (مسند احمد حنبل)

پھر جب بنی النضیر کا علاقہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ۔احسنؔ) وسلم نے فرمایا کہ اب بندوبست کی ایک شکل یہ ہے کہ تمہاری املاک اور یہودیوں کے چھوڑے ہوئے باغات اور نخلستانوں کو ملا کر ایک کردیا جائے اور پھر اس پورے مجموعے کو تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کردیا جائے۔اور دوسری شکل یہ ہے کہ تم اپنی جائیدادیں اپنے پاس رکھو اور یہ متروکہ اراضی مہاجرین میں بانٹ دی جائیں؟ انصارؓ نے عرض کیا کہ یہ جائیدادیں بھی آپ ان میں بانٹ دیں اور ہماری جائیدادوں میں سے بھی جو کچھ آپ چاہیں اِن کو دے سکتے ہیں۔اس پر حضرت ابوبکرؓ پکار اُٹھے **جزاکم اللّٰہ یا معشر الانصار خیرًا** (یحیٰی بن آدم۔بلاذری) اس طرح انصار کی رضامندی سے یہودیوں کے چھوڑے ہوئے اموال مہاجرین ہی میں تقسیم کئے گئے......اسی ایثار کا ثبوت انصار نے اُس وقت دیا جب بحرین کا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ۔احسنؔ) وسلم چاہتے تھے کہ اس علاقے کی مفتوحہ اراضی انصار کو دی جائیں۔مگر انہوں نے عرض کیا کہ ''ہم اس میں سے کوئی حصہ نہ لیں گے جب تک اتنا ہی ہمارے مہاجر بھائیوں کو نہ دیا جائے (یحیٰی بن آدم) انصار کا یہی وہ ایثار تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف فرمائی ہے۔(59/8-9)

(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 396-395)

چہارم۔ **انصارؓ کی طرف سے نافرمانی، خودغرضی، بددیانتی، بزدلی، سرکشی اور رسولؐ اللہ سے بحث وتکرار کی نفی**

ہم نے کتب احادیث وتواریخ میں مدینہ کے انصار، رضوان اللہ علیہم کی اطاعت شعاری، بے چوں وچراں تعمیل، آنحضرتؐ کے اشاروں پر چلنے اور ہر وقت قربان ہو جانے کی فکر میں رہنے کی بہت سی مثالیں دیکھی ہیں۔ چنانچہ مندرجہ بالا مودودی کا بیان اور روایات یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہمیشہ اور ہر حال میں سر جھکائے رکھا، کبھی کسی معاملے میں رسولؐ سے بحث ومباحثہ نہیں کیا، سرکشی تو تباہ کن بات ہے اُنہوں نے تو رسولؐ سے کبھی آنکھ ملا کر بات بھی نہ کی۔ حضورؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنا سب کچھ مہاجر نام کے لوگوں پر قربان کر کے قلاش ہو گئے۔ اور حضورؐ کی وفات کے بعد قریش نے انصار کے ساتھ جو سلوک کیا وہ سلوک ہی کافی تھا کہ قریش کو جہنم کے سب سے دردانگیز طبقے میں رکھا جائے۔ حالانکہ قریش کو رسولؐ اللہ نے تاکید کی تھی کہ:

''تمہیں اُس وقت تک اجر ملتا رہے گا جب تک تم انصار کی مدح وثنا کرتے اور اُن کے لئے دعائے خیر کرتے رہو گے۔''

قریش نے نہ صرف احسانات کو فراموش کر دیا تھا بلکہ اُنہوں نے محسن کشی بھی جاری رکھی تھی اور رسولؐ اللہ کی حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے انصار کو دھوکا بھی دیا تھا۔ بہرحال آپ نے دیکھ لیا کہ مال ودولت ہی کے معاملے میں نہیں بلکہ انصار ہر ہر معاملے میں اللہ کے احکام و آیات (توبہ 60-9/59، انفال 2-8/1) کے مطابق عمل کرتے تھے۔ لیکن قریش مالِ دنیا ہی کے لئے ایمان کا نقاب پہنے ہوئے تھے (آل عمران 3/152)، اُن کی دُنیاداری وحُب مال کو اللہ نے یوں بیان کیا ہے:

پنجم۔ **وہ مومنین صرف قریش تھے جنہوں نے کبھی دل سے رسولؐ اللہ کو اُن کا صحیح مقام نہ دیا ہر بات میں جھگڑا اور سرکشی جاری رکھی تھی**

''جیسے ہی تمہیں اللہ کے وعدے کے مطابق وہ چیز محسوس ہوئی جس کے تم دلدادہ ہو تم نے لُوٹ کا موقع دیکھتے ہی دین کے معاملے میں تنازع کھڑا کر دیا اور بزدلی کا ثبوت دے دیا اس لئے کہ تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو آخرت کے ارادے سے اسلام لائے اور وہ بھی ہیں جنہوں نے دنیا ہی کو سامنے رکھا ہوا ہے۔'' (آل عمران 3/152)

لہٰذا انصار کا دامن دنیا طلبی سے پاک ثابت ہو جانے کے بعد قریشی قوم اور اُن کے لیڈر ہی رہ جاتے ہیں جو ہر قدم پر مالِ دنیا اور اقتدار دنیاوی میں ملوث پائے جاتے رہے یہی لوگ ہیں جو آنحضرتؐ سے اُن کی حکومت میں حصہ اور اختیار طلب کرتے تھے۔ جنگ کے دوران رسولؐ اللہ کو دشمنوں کی کھنچی ہوئی تلواروں کے نرغے میں چھوڑ کر بے تحاشہ بھاگتے بھاگتے پہاڑوں پر جا چڑھتے تھے اور رسولؐ اللہ کی فریاد پر کان نہ دھرتے تھے (اگلی آیت 3/153) تاکہ اُنؐ کے قتل ہو جانے کے بعد حکومت کو قبضہ میں لے سکیں۔ حکومت پر قبضہ کے لئے طرح طرح کے خفیہ منصوبے بناتے رہتے تھے۔ علامہ مودودی کا قریشی ترجمہ بھی اس حقیقت کو چھپا نہ سکا لہٰذا دیکھئے:

''یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ ''اس (دین۔ احسن) کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟'' ان سے کہو'' (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس (دین) کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔'' دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ: ''اگر قیادت (اسلام۔ احسن) کے اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو

یہاں ہم نہ مارے جاتے۔'' (آل عمران 3/154؛ تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 296)

یہی وہ لوگ تھے جو رسولؐ اللہ پر اموال کی تقسیم میں خیانت اور حق تلفی کے الزامات لگاتے تھے (توبہ 9/58 عنوان 6) مسلمانوں میں قریش ہی کا وہ فرقہ تھا جس نے رسولؐ اللہ سے فاضل اموال اور سامانِ آرائش مانگنے کے لئے ''انفال'' کا سوال اُٹھایا تھا (انفال 8/1) اور اُن سے کہا گیا تھا کہ ''انفال'' یعنی تمام فاضل و غیر فاضل مال کے مالک اللہ و رسولؐ ہیں۔ اور یہ کہ تم ایسے سوالات کی بجائے پہلے اپنے اندر اصلاح کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اس لئے کہ ایمان کی شناخت ہی یہ ہے (انفال 8/1 عنوان نمبر 6)

ششم۔ <u>قریشی مومنین مسلمانوں میں وہ فرقہ تھے جو رسولؐ اللہ سے حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی جھگڑتے رہتے تھے</u>

پھر اُن کے لئے یہ بتایا کہ: كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ o (انفال 8/5)

''یہ مومنین کا فرقہ تُمؐ سے اموال کے معاملے میں بھی اسی طرح جھگڑتا رہتا ہے جس طرح اُنہوں نے اُس وقت تم سے، بات صاف ہو جانے کے بعد بھی، جھگڑا کیا تھا جب اللہ نے تمہیں تمہارے گھر سے برحق طریقے سے نکالا تھا۔''

الغرض قارئین یہ فیصلہ کر کے آگے بڑھیں کہ جو لوگ انصار کی طرح رسولؐ اللہ کی بے چوں و چراں اطاعت نہ کرتے تھے اور انہیں اپنے ہی ایسا ایک آدمی سمجھتے تھے اور بات بات میں خود غرضی کو مدِ نظر رکھتے تھے اور بقول مودودی ''تمام اموال پر دست درازی'' چاہتے تھے (توبہ 9/58 تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 204) اور رسولؐ پر جانبداری اور غلط تقسیم کا شبہ کرتے تھے وہ صرف قریش اور قریش کے لیڈر تھے۔

ہفتم۔ <u>مودودی کے نزدیک تقسیمِ اموال میں جھگڑا کرنیوالے ایامِ جاہلیت کے تصورات اور سابقہ رسم و رواج کے پابند لوگ تھے</u>

علامہ مودودی اُن مومنین کے لئے فرماتے ہیں کہ:

''بہت سے تمدنی معاملات کی طرح مسلمان ابھی تک جنگ کے معاملے میں بھی اکثر پرانی جاہلیت ہی کے تصورات لئے ہوئے تھے۔ اِس وجہ سے بدر کی لڑائی میں کفار کی شکست کے بعد جن لوگوں نے جو جو کچھ مالِ غنیمت لُوٹا تھا وہ عرب کے پرانے طریقہ کے مطابق اپنے آپ کو اس مال کا مالک سمجھ بیٹھے تھے۔ (مسلسل)

(1) <u>مسلمانوں کے دونوں فرقے موجود ہیں' لڑنے والا اور لُوٹ پر ٹوٹنے والا خود غرض فرقہ</u>

لیکن ایک دوسرا فریق جس نے غنیمت کی طرف رُخ کرنے کے بجائے کفار کا تعاقب کیا تھا، اس بات کا مدعی ہوا کہ اس مال میں ہمارا برابر کا حصہ ہے کیونکہ اگر ہم دشمن کا پیچھا کر کے اُسے دور تک بھگا نہ دیتے اور تمہاری طرح (جنگ چھوڑ کر) غنیمت پر ٹوٹ پڑتے تو ممکن تھا کہ دشمن پلٹ کر حملہ کر دیتا اور فتح شکست سے بدل جاتی۔ (مسلسل)

(2) <u>خود غرض فرقے کے لیڈر رسولؐ کے تحفظ کے بہانے، جنگ سے بچ کر رسولؐ کے ساتھ آرام سے بیٹھ کر تماشہ دیکھتے تھے</u>

ایک تیسرے فریق نے بھی، جو رسولؐ اللہ کی حفاظت کر رہا تھا، اپنے دعاوی پیش کئے۔ اُس کا کہنا یہ تھا کہ ''سب سے قیمتی خدمت تو اس جنگ میں ہم نے انجام دی ہے۔ اگر ہم رسولؐ اللہ کے گرد اپنی جانوں کا حصار بنائے ہوئے نہ رہتے اور آپؐ کو کوئی گزند پہنچ

جاتا تو فتح ہی کب نصیب ہوسکتی تھی کہ کوئی مالِ غنیمت ہاتھ آتا؟ اور اُس کی تقسیم کا سوال اُٹھتا۔'' مگر مال عملاً جس فریق کے قبضے میں تھا اُس کی ملکیت گویا کسی ثبوت کی محتاج نہ تھی اور وہ دلیل کا یہ حق ماننے کے لئے تیار نہ تھا کہ ایک امر واقعی اُس کے زور سے بدل جائے۔ آخرکار اس نزاع نے تلخی کی صورت اختیار کرنی شروع کردی اور زبانوں سے دلوں تک بدمزگی پھیلنے لگی۔ یہ تھا وہ نفسیاتی موقع جسے اللہ نے سورۂ انفال نازل کرنے کے لئے منتخب فرمایا اور جنگ پر اپنے تبصرہ کی ابتدا اسی مسئلے سے کی...... پس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ: ''یہ ساری ردّوکد، یہ نزاع، یہ پوچھ گچھ کیا خدا کے بخشے ہوئے انعامات کے بارے میں ہو رہی ہے؟ اگر یہ بات ہے تو تم لوگ اِن کے مالک ومختار کہاں بنے جا رہے ہو؟ کہ خود ہی اُن کی تقسیم کا فیصلہ کرلو۔ مال جس کا بخشا ہوا ہے وہی فیصلہ کرے گا کہ کسے دیا جائے اور کسے نہیں، اور جس کو بھی دیا جائے اُسے کتنا دیا جائے۔'' (مسلسل)

(3) اسلامی جہاد دنیاوی مال ومتاع کے لئے نہیں بلکہ مجبوراً اصلاح کے لئے ہوتی ہے

یہ جنگ کے سلسلے میں ایک بہت بڑی اخلاقی اصلاح تھی۔ مسلمان کی جنگ دنیا کے مادی فائدے بٹورنے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کی اخلاقی وتمدنی بگاڑ کو اصولِ حق کے مطابق درست کرنے کے لئے ہے، جسے مجبوراً اُس وقت اختیار کیا جاتا ہے جبکہ مزاحم قوتیں دعوت وتبلیغ کے ذریعہ سے اصلاح کو ناممکن بنا دیں۔ پس مصلحین کی نظر اپنے مقصد پر ہونی چاہیے۔ نہ کہ اُن فوائد پر جو مقصد کے لئے سعی کرتے ہوئے بطور انعام خدا کی عنایت سے حاصل ہوں۔ اُن فوائد سے اگر ابتدا ہی میں اُن کی نظر نہ ہٹا دی جائے تو بہت جلدی اخلاقی انحطاط رُونما ہوکر یہی فوائد مقصود قرار پا جائیں۔ پھر یہ جنگ کے سلسلے میں ایک بہت بڑی انتظامی اصلاح بھی تھی۔ قدیم زمانہ میں طریقہ یہ تھا کہ جو مال جس کے ہاتھ لگتا وہی اس کا مالک قرار پاتا۔ یا پھر بادشاہ یا سپہ سالار تمام غنائم پر قابض ہوجاتا۔ پہلی صورت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فتح یاب فوجوں کے درمیان اموالِ غنیمت پر سخت تنافُس برپا ہوجاتا اور بسا اوقات اُن کی خانہ جنگی فتح کو شکست میں تبدیل کردیتی۔ دوسری صورت میں سپاہیوں کو چوری کا عارضہ لگ جاتا تھا اور وہ غنائم کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن نے انفال کو اللہ اور رسولؐ کا مال قرار دے کر پہلے تو یہ قاعدہ مقرر کردیا کہ تمام مالِ غنیمت لاکر بلاکم وکاست امام کے سامنے رکھ دیا جائے اور ایک سوئی تک چھپا کر نہ رکھی جائے۔ پھر آگے چل کر اس مال کی تقسیم کا قانون بنا دیا کہ پانچواں حصہ خدا کے کام اور اُس کے غریب بندوں کی مدد کے لئے بیت المال میں رکھ لیا جائے اور باقی چار حصے اس پوری فوج میں تقسیم کردیئے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہاں انفال کے قصے کو صرف اتنی بات کہہ کر ختم کردیا کہ:
''یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہیں۔'' تقسیم کے مسئلے کو یہاں نہیں چھیڑا گیا'' تاکہ پہلے تسلیم واطاعت مکمل ہوجائے'' پھر چند رکوع کے بعد بتایا گیا کہ ان اموال کو تقسیم کس طرح کیا جائے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 128-129)

(10) مسئلہِ انفال کولُوٹ یا مالِ غنیمت کہہ کرعلامہ کے اِس طویل وقانونی بیان پر تنقیدی نظر ڈالئے

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

''اگر باطل بالکل خالص ہو تو اُسے کوئی اختیار نہ کرے، باطل پر عمل کرانے والے باطل کو حق کی مناسب مقدار کے ساتھ ملا کر پیش کرتے ہیں یوں اس پر عمل ہونے لگتا ہے۔''

بالکل یہی طریقہ قریشی علما اور لیڈروں نے اختیار کیا ہے جس سے تمام سادہ لوح اور سیدھے سادے لوگ اُن کے خودساختہ اسلام اور عقائد اختیار کرتے رہے ہیں۔ علامہ نے اپنے اس طویل بیان میں چند حقائق کے ساتھ باطل کی آمیزش کرکے اسے عوام الناس کے لئے قابلِ قبول بنادیا ہے۔ ہم اس بیان کے ہر جز کو الگ الگ کرکے حق سے باطل کو جدا کریں گے تاکہ ہر حقیقت اپنا خالص نتیجہ قارئین پر ظاہر کرسکے اور قریشی سخن سازی و مکاری واضح ہوتی چلی جائے۔

اوّل۔ قریش لُوٹ کے مال اور اقتدار کی وجہ سے مسلمانوں میں شریک ہوئے اور لُوٹ کے مال پر جھگڑا رکھا

علامہ نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ پندرہ سال تک آنحضرؐت کی تعلیمات کے باوجود ''مسلمان ایام جاہلیت کے تصورات رکھتے تھے اس لئے لُوٹ کے مال کو لُوٹنے والے کی ملکیت سمجھتے تھے۔'' یہاں قارئین ہمارے سابقہ دلائل کی روشنی میں صرف قریش کو ایام جاہلیت کے تصورات رکھنے کا اور مال غنیمت لُوٹنے کے لئے جنگ بند کردینے کا اور دشمن کے تعاقب سے باز رہنے کا اور دشمن کے پلٹ کر حملے کر سکنے کا اور فتح کو شکست میں بدل جانے کا موقع فراہم کرنے کا مجرم سمجھیں۔ اس لئے کہ انصار کا لالچ سے مبرا ہونا اور دولت و جائیداد کی پرواہ نہ کرنا مودودی کے بیان سے ثابت ہے۔ رہ گیا قریش اُن کا جنگ بند کردینا اور لُوٹ مار میں لگ جانا؟ وہ پہلے قرآن کی آیت (آل عمران 3/252، عنوان 9 کا پنجم) سے ثابت ہے۔ کہ وہ لُوٹ کے دلدادہ تھے۔

دوم۔ جنگ کے دوران آنحضرؐت کے چاروں طرف جانوں کا حصار بنانا قرآن سے ثابت نہیں

پھر یہ سمجھ لیں کہ صحابہ ثلاثہ نے درحقیقت کسی جہاد میں تلوار نہیں چلائی نہ اُن کے ہاتھ سے کوئی قتل ہوا نہ اُن کے کبھی ایسا زخم لگا جس کا دو چار روز علاج ہوا ہوتا۔ اس صورتِ حال کو چھپانے کے لئے قریشی علما کھسیانے ہوکر یہ کہا کرتے ہیں کہ ابوبکر و عمر و عثمان رسوؐل کے نزدیک بزرگوں میں شمار کئے جاتے تھے لہٰذا حضوؐر اُنہیں اپنے ساتھ ساتھ رکھا کرتے تھے۔ تاکہ میدان جنگ کے نقشے اور فوج کے لڑانے میں اُن سے مشورہ لیتے رہیں اور یوں وہ تینوں اور کئی ایک اور لوگ رسوؐل کے محافظوں میں رہتے تھے۔ اس لئے انہیں تلوار چلانے اور کسی کو زخمی کرنے کا یا زخم کھانے کا موقع ہی پیدا نہ ہوا۔ یہ جواب بڑے مزے کا جچا تُلا ہوا ہے اور اعتراضات کے بعد صدیوں سوچ کر تیار کیا گیا ہے۔ مگر اُن کی بدقسمتی ہے کہ قرآن اُن کے خلاف یہ کہتا ہے کہ: (مودودی کا ترجمہ)

''یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا، اور رسوؐل تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔''

(آل عمران 3/153؛ تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 295)

اگر رسولؐ کے پاس وہ نام نہاد محافظ اور جانوں کا حصار رکھنے والے ہوتے تو رسول اللہ اس جنگ میں زخمی نہ ہوتے۔آپؐ کے دو دانت اسی لڑائی میں ٹوٹے تھے مگر محافظین میں سے کوئی ملعون زخمی نہ ہوا۔اگر وہاں کوئی ہوتا تو بھاگنے والوں کو اُسی سے آواز دلوائی جاتی۔تنہا رہ گئے تھے اس لئے مدد کے واسطے خود پکار رہے تھے۔لہٰذا قریشی علما کی روایت سازی قرآن کے سامنے محض تہمت اور دروغ بافی ہے۔

یہاں بھی وہ گروہ انصار ہی کا تھا جسے علامہ نے لُوٹ کے مال کا دوسرا مدعی قرار دیا ہے اور جو دشمن کے سامنے سے نہ ہٹتا تھا اور تعاقب کر کے دشمن کو بھگا کر چھوڑتا تھا اور جو لوگ مہاجرین کو مال و دولت و جائیداد دینے میں سخی تھے وہ ہی تھے جنہوں نے جنگ جاری رکھی اور لوٹ مار کی طرف متوجہ نہ ہوئے تھے۔

سوم۔ <u>قریش لُوٹ کے مال کو اپنے قبضہ میں رکھنے کے لئے ہر بدترین صورت حال پیدا کرتے رہے</u>

علامہ نے مان لیا ہے کہ لُوٹے ہوئے مال پر نزاع یا جھگڑا اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بدمزگی یعنی بدتمیزی، قلبی نفرت اور لپّاڈُکی تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ظاہر ہے کہ انصار سے یہ امید کی ہی نہیں جاسکتی کہ وہ مال و متاع اور خصوصاً مُردوں کے یا لُوٹے ہوئے مال پر بداخلاقی اور لالچ کا مظاہرہ کریں۔اس لئے کہ علامہ کی سند سے وہ تو اپنے ذاتی اموال میں بھی مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیا کرتے تھے۔لہٰذا لُوٹ کے مال پر جھگڑا کرنے والے وہی قریش تھے جن کو اللہ نے مالِ غنیمت کا دلدادہ فرمایا ہے (آل عمران 3/152) وہی قریشی قسم کے مسلمان تھے جنہوں نے انفال کا سوال اور جھگڑا اس حد تک بڑھایا کہ اللہ نے انہیں ڈانٹ کر وحی نازل کی (انفال 8/1) اور فیصلہ کر دیا کہ انفال صرف اللہ اور رسولؐ کے ہیں تم اگر سچ مچ ایمان لے آئے ہو تو اپنی بکواس بند کرو۔متقی بنو اور اللہ و رسولؐ جو حکم دیں اُن کی اطاعت کرو اور اُن کو تفصیل سے بتایا کہ مومن کیسے ہوتے ہیں اور تمہیں کیسا ہونا چاہیے؟ (انفال 4-8/2)

چہارم۔ <u>ابوبکر و عمر و عثمان اور قریشی حکومتوں کا دیگر اقوام پر اور خود مسلمانوں پر فوجکشی کرنا باطل تھا</u>

مودودی نے اسلامی جہاد کی صحیح شرط بیان کی ہے جس کی روشنی میں ابوبکر و عمر اینڈ کمپنی نے عرب کے تمام مسلمانوں پر اور بیرونی ممالک پر فوج کشی کر کے کروڑوں بے خطا انسانوں کا قتل عام کیا، اُن کے پس ماندگان کو لونڈی غلام بنایا اُن کے گھر اور اموال کو لُوٹ لُوٹ کر اپنی قوم میں کروڑوں پتی بنائے۔اور قرآن نے تو یہ بتایا ہے کہ ابوبکر و عمر نے نوع انسان کی نسلیں اور فصلیں تباہ کر کے دنیا کو فتنہ و فساد سے لبریز کر دیا تھا (بقرہ 2/205) اور تمام تاریخیں یعنی قریش کی تیار کردہ تاریخیں پڑھ جائیں کہیں یہ پتہ نہ چلے گا کہ ثلاثہ اینڈ کمپنی نے کوئی تبلیغی مہم چلائی ہو، کوئی نصیحت و پند کا محاذ بنایا ہو اور مزاحم قوتوں نے اُس مہم اور محاذ کو پہلے ناکام کیا ہو اور پھر ثلاثہ اینڈ کمپنی کی حکومت نے مجبور ہو کر جنگ کی ہو؟ وہاں تو لُوٹ مار و قتل و غارت کا پہلا نمبر تھا۔چین سے بیٹھی ہوئی حکومتوں اور اقوام پر بلا کسی قرآنی سبب کے حملے کئے گئے۔پھر دو چار حملے نہیں بلکہ دس صدیوں تک قتل و غارت کا بازار گرم رکھا گیا۔(دیکھو ہماری کتاب تحریک تشیع)

پنجم۔ <u>اللہ اور قرآن پر تہمت مالِ غنیمت کو اکٹھا کرنے، بیت المال اور چار حصے بنانے پر</u>

تنخواہ دار افواج اور بیت المال کا قیام قرآن و رسولؐ کے احکام اور طریقے کے خلاف شاہانِ عجم کے طریقے کی پیروی میں ابوبکر

وعمر نے اختیار کیا تھا لہٰذا مودودی کا اپنا جاری کیا ہوا قاعدہ ہے کہ ''سپاہی مالِ غنیمت لاکر امام کے پاس رکھدیں'' عہد رسولؐ میں یہ لفظِ امام استعمال کرنا اگر رسوؐل کی جگہ ہے تو ایجادِ بندہ، بدعت اور لفظِ امام پر کوئی احترامی نشان (''یا'') نہ دے کر ثلاثہ اینڈ کو کیلئے زمین ہموار کرنے کا فریب ہے۔ رسولؐ کے مددگار تنخواہ دار فوجی سپاہی نہیں بلکہ رضا کار مومنینؓ یعنی انصار ہوا کرتے تھے اور صرف خالِصَةً لِّوَجْهِ اللّٰه جہاد کے لئے آتے تھے۔ وہ ہرگز لُوٹ کے مال کو پسند نہ کرتے تھے نہ لُوٹتے تھے نہ چھپا سکتے تھے۔ البتہ قریش کا دین وایمان ہی مال ودولت تھا وہ ہی لوگ تھے جو لُوٹنے کھسوٹنے کے لئے مسلمان ہوئے تھے اور ان آیات (8/1...5) میں زیرِ عتاب ہیں۔ رہ گیا لُوٹ کے مال کو تقسیم کرنے کا کوئی مستقل قانون؟ تو اُس کا بکواس اور قریشی عقیدہ ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

ششم۔ <u>جنگ بھی اور جنگ میں لُوٹ مار یا مالِ غنیمت بھی اسلام میں ناپسندیدہ ہیں</u>

ذرا دیر میں ہم قرآن کریم سے دکھائیں گے کہ جب قریشی مسلمانوں نے اپنے قومی اور ملکی رواج کے مطابق جنگِ بدر میں، موقع پا کر، لوٹ مار شروع کردی اور دشمن کے چند لوگوں کو گرفتار کرلیا تا کہ لوٹ کا مال کھائیں اور قیدیوں کو غلام بنا کر اُن سے تاحیات محنت ومشقت کرائیں تو اللہ نے اُن کو عذاب عظیم کی دھمکی دی تھی، یہ مقام دیکھنے سے پہلے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ قریشی مسلمانوں کے اسلام اور اُن کی عادات واطوار کی قدامت اور پختگی دیکھ لیں تا کہ یہ سمجھنا آسان ہوجائے کہ واقعی وہ ایسے لٹیرے تھے کہ عذابِ عظیم کے بغیر مان لینا اُن کے لئے مشکل تھا۔ چنانچہ سورہ انفال میں قریشی لیڈروں نے جب مال غنیمت کا سوال اُٹھایا تو اُن کو پہلی آیت میں، علامہ مودودی کے ترجمہ کی رُو سے، یہ جواب دیا گیا تھا کہ:

(i) ''تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں؟ کہو'' یہ انفال تو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ہیں؛ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو، اور اللہ اور اُس کے رسوؐل کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔'' (انفال 8/1 تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 128)

یعنی مالِ غنیمت کا سوال اُٹھانا اللہ ورسوؐل کی اطاعت کے خلاف بات تھی۔ اور ایسی بات کرنے والے کا ایمان مشکوک ہوتا ہے۔ اور اُسے خوف خدا کو ملحوظ رکھنے کی اور آپس میں اصلاح کرنے کی تاکید کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ اور انہیں مسلسل دوسری، تیسری اور چوتھی آیات میں صحیح طریقے پر ایمان لانے اور حقیقی مومنین کے طرزِ عمل سے متعارف کرانے کے بعد اُنہیں اُن کے ایک سابقہ عملدرآمد پر توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ: (علامہ کا ترجمہ)

(ii) ''(اس مال غنیمت کے معاملہ میں بھی ویسی ہی صورت پیش آرہی ہے جیسی اُس وقت پیش آئی تھی جب کہ) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ (فَرِیقًا) کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ اُس حق کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے در آن حالیکہ وہ حق صاف صاف نمایاں ہوچکا تھا۔'' (انفال 8/5-6 ایضاً صفحہ 130-131)

یعنی مسلمانوں میں ایک ایسا مومن فرقہ (فَرِیقًا) موجود تھا جسے اللہ کا کام سخت ناگوار تھا اور وہ حق کو واضح طور پر دیکھ اور سمجھ لینے کے بعد بھی رسولؐ اللہ سے جھگڑا کر کے اُس حق کے خلاف اپنی بات منوانا چاہتا تھا۔ قارئین مانیں یا نہ مانیں یہ مومن فرقہ یقیناً قریشی مسلمانوں کا تھا۔

اِس لئے کہ انصار کا خلوص اور بے غرضانہ اور اطاعت شعارانہ کیریکٹر قرآن اور مودودی کے قلم سے ثابت ہو چکا ہے۔اب آپ اُسی آیت (8/5) پر علامہ کی تشریح اور قریش کی مالِ غنیمت سے دیوانہ وار وابستگی بھی دیکھ لیں ارشاد ہے:

''4 یعنی جس طرح اُس وقت یہ لوگ خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے، حالانکہ حق کا مطالبہ اُس وقت یہی تھا کہ خطرے کے منہ میں چلے جائیں، اُسی طرح آج اُنہیں مالِ غنیمت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار ہو رہا ہے، حالانکہ حق کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اس کو چھوڑ دیں۔'' (انفال 8/5؛ تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 131)

ہفتم۔ **مالِ غنیمت لُوٹنے اور غلامی کے لئے دشمن کو قید کرنے پر عذابِ عظیم کی دھمکی**

سورہ انفال میں قریشی مسلمانوں کو مختلف نصیحتیں اور واقعات بیان کرتے ہوئے اور اُنہیں جنگ کے سلسلے میں اُن کی گھٹیا اور ناپسندیدہ حرکات سناتے ہوئے آخر بات یہاں پہنچی کہ اُنہیں یہ بتانا پڑا کہ جنگ میں لوگوں کو گرفتار کرکے قیدی اُس حالت میں بنایا جا سکتا ہے جبکہ نبیؐ پوری روئے زمین پر اچھی طرح تسلط حاصل کرلے۔آیت سُنیئے اور ساتھ ہی مالِ غنیمت لُوٹنے والوں کے لئے حکم سُنئے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ o لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّمَنْ فِىْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o.......عَلِيْمٌ حَكِيْمٌo (انفال 71 تا 8/67)

''کسی بھی نبیؐ کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ اُس کی تحویل میں اسیر (قیدی) موجود ہوں۔جب تک کہ وہ پوری زمین پر اچھی طرح غلبہ حاصل نہ کرلے۔اَے مومنین تمہارا ارادہ تو یہ رہا ہے کہ تم سامانِ دنیا بٹورتے رہو اور اللہ کا اسلام کے متعلق ارادہ یہ ہے مسلمان دنیا میں آخرت کا سامان حاصل کریں۔اور اللہ ہر حال میں غالب اور غلبہ عطا کرنے والا صاحبِ حکمت ہے۔اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی سے آئی ہوئی ایک کتاب موجود نہ ہوتی تو ضروری تھا کہ تمہیں مالِ غنیمت لُوٹنے پر عذابِ عظیم میں مبتلا کیا جاتا۔(یعنی توریت کی موجودگی سے تمہاری جان بچ گئی) چنانچہ اُسی کتاب کی رعایت کی بنا پر جو مالِ غنیمت تم نے لُوٹ لیا ہے اُس میں سے جتنا حلال اور عمدہ ہواُسے اللہ کے سامنے ذمہ دار رہ کر کھا سکتے ہو۔یقیناً اللہ مغفرت اور رحم پر مختار ہے۔اے نبیؐ آپ اُن قیدیوں کو بتا دیں جو اس وقت آپ کے پاس قید ہیں کہ اگر اللہ (یعنی رسوؐل) کو تمہارے عملدرآمد سے عملاً یہ علم ہو گیا کہ تمہارے دلوں کے اندر انتقامی جذبات نہیں بلکہ خیر وخوبی کے جذبات ہیں تو وہ جو کچھ بھی تم سے لیا گیا ہے اُس سے زیادہ اور بہتر تمہیں واپس دے گا۔یہی نہیں بلکہ اللہ تمہاری مغفرت بھی کرے گا اور اللہ تو ہے ہی بخشنے والا رحم کرنے والا۔اور اگر یہ قیدی تمہارے ساتھ خیانت سے پیش آئے تو یہ تو پہلے ہی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں اور اُسی خیانت کی وجہ سے آج تمہارے قابو میں لائے گئے ہیں۔اور اللہ تو ہر طرح کا علم وحکمت رکھتا ہے۔(انفال 71 تا 8/67)

ہشتم۔ قرآن کی یہ آیات (67 تا 8/71) مالِ غنیمت اور لُوٹ مار کی تمام قریشی راہوں کو بند کرتی ہیں

سورہ انفال کی اِن آیات (71 تا 8/67) کے ترجے اور الفاظ سے پہلا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بنفس نفیس ساری زمین پر تسلط حاصل ہو کر رہنا ہے۔اور یہ اطلاع حضوؐر کو قرآن میں دیگر مقامات پر بھی دی گئی ہے (توبہ 9/33، فتح 48/28،صف 8-61/7)۔

دوسرا نتیجہ۔ قیدی رکھنا اور قید خانے بنانا اللہ و رسولؐ اور قرآن کی مخالفت ہے

اور جب تک عہد رسولؐ میں ساری دنیا میں اسلام کا تسلط نہ ہو جائے کسی کو اسلام کے نام پر قیدی رکھنا اور جیل خانے بنانا باطل رہیگا۔

تیسرا نتیجہ۔ قریشی مومنین کا ایمان حصولِ دنیا کے لئے پھر ثابت ہوا

پھر یہ معلوم ہوا کہ اللہ نے اسلام کی غرض آخرت کا حصول مقرر کر رکھی ہے اور قریش کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اسلام کی نقاب پہن کر دنیاوی مال و اقتدار حاصل کریں۔

چوتھا نتیجہ۔ توریت کی وجہ سے قریش کو تنبیہ کر کے عذاب عظیم سے بچا کر مشروط طور پر ایک بار لُوٹ کا مال حلال کر دیا تھا

چوتھا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ و رسوؐل کی اجازت کے بغیر جنگ بند کرنا اور لُوٹ مار میں مصروف ہو جانا عذاب عظیم کا مستحق بناتا تھا مگر اللہ اُنہیں بھی اِس لئے نظر انداز کر دیتا ہے کہ اُس نے توریت میں آلِ یعقوب علیہ السلام کو نظر انداز کر دیا تھا اور قریش کو اصلاحِ حال کا موقع فراہم کیا تھا۔لیکن قریشی حکومتوں نے لُوٹ مار کو جاری رکھنے کے لئے جہاں اور سینکڑوں احکام قرآنی کو تبدیل و تحریف کی خراد پر چڑھایا وہیں ’’اللہ کی طرف سے سابقہ کتاب‘‘ کو ایک سابقہ آیت کے ذمہ لگا کر مطالب کا رُخ موڑا اور پانچ چھ سو سال تک دنیا میں قتل و غارت اور لُوٹ کھسوٹ کو اسلام کے نام پر جاری رکھا۔ (بقرہ 2/205)

سابقہ کتاب میں آلِ یعقوبؑ کا واقعہ سنیئے:

توریت میں بیان ہوا ہے کہ:

’’حضرت یعقوبؑ کی ایک بیٹی دِینہ تھی، جو اُن کی زوجہ لیاہ سے پیدا ہوئی تھی، وہ یعقوبؑ کے خیام گاہ سے شہرِ سِکم کی لڑکیوں سے ملاقات کے لئے گئی تو وہاں اُسے رئیس شہر حمور کے بیٹے شکیم نے دوسری جوان لڑکیوں کے ہجوم میں دیکھا اور اُس کے حسن سے متاثر ہو کر اپنے گھر لے گیا اور اُس سے مباشرت کی اور اپنے والد سے کہا کہ وہ جا کر حضرت یعقوبؑ سے ملے اور اُس کی شادی دینہ سے کرنے کی درخواست کرنے کی درخواست کرے۔ چنانچہ توریت میں شکیم کے والد حمور کا حضرت یعقوبؑ کے پاس آنا، رشتہ مانگنا اور منہ مانگا مہر دینے کا وعدہ کرنا۔ حضرت یعقوبؑ کا مذہب کی شرط لگانا اُس کا منظور کرنا اور شکیم اور اپنے تمام متعلقین کا ختنہ کرا دینا لکھا ہے۔لیکن حادثہ یہ ہوا کہ جب حضرت یعقوبؑ کے بیٹے اور تمام متعلقہ مرد جنگل سے گھر آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ اُن کی بہن دینہ کے ساتھ زنا کیا گیا ہے تو پھر غصہ اور طیش میں کیا ہوا؟ توریت کے اپنے الفاظ میں سنیئے:

وَ کَانَ فِی الْیَوْمِ الثَّالِثِ وَ هُمْ مُتاَ لِّمُوْنَ اَنَّ ابْنَی یَعْقُوْبَ شِمْعُوْنَ وَ لاَ وِیَ اَخوَیْ دِیْنَۃَ اَخَذَ کُلٌّ وَ احِدٍ سَیْفَهٗ وَ دَخلاَ الْمَدِیْنَۃَ امِنِیْنِ فَقتَلاَ کُلَّ ذَ کَرٍ وَّ حَمُوْرَ وَ شَکِیْمَ ابْنَهٗ قَتلاَ هُمَا بِحدِّ السَّیْفِ وَ اَخذَ دِیْنَۃَ مِنْ بَیْتِ شَکِیْمَ وَ خَرَجَا . ثُمَّ دَخَلَ بَنُو یَعْقُوْبَ عَلَی الْقَتْلٰی وَ غَنَمُوْا مَا فِی الْمَدِیْنَه مِنْ اَجْلِ تَدْنِیْسِ اُخْتِهِمْ وَ اَخذُوْا غَنمَهُمْ وَ بَقرَ هُمْ وَحَمِیرَهُمْ وَ کُلَّ مَا فِی الْمَدِیْنَۃِ وَ مَا فِی الصَّحْرَآءِ وَسَبَوْا وَغَنِمُوْا جَمِیْعَ ثَرْوَتِهِمْ وَ کُلَّ اَطْفَالِهِمْ وَنِسَآ ئِهِمْ وَ سَا ئِرَ مَا فِی الْبُیُوْتِ (سِفرُ التَّکْوِیْنِ آیات 30...34/25)اور پھر لکھا ہے کہ :ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ لِیَعْقُوْبَ قُمْ فَا صْعَدْ اِلٰی بَیْتَ اِیْلَ وَ اَقِمْ هُنا کَ وَ اصْنَعْ هُناکَ مَذْبَحًا لِلّٰهِ الَّذِیْ ظَهَرلَکَ عِنْدَ هَرَ بِکَ مِنْ وَجْهِ عِیْسُوْ ا اَخِیْکَ (ایضاً 35/1)

’’اور تیسرے دن جب وہ درد میں مبتلا تھے تو یوں ہوا کہ یعقوبؑ کے بیٹوں میں سے دینہ کے دو بھائی شمعون اور لاوی اپنی اپنی تلوار لے کر ناگہاں شہر پر آ پڑے اور سب مردوں کو قتل کیا اور حمور اور اس کے بیٹے شکیم کو بھی تلوار سے قتل کر ڈالا۔اور شکیم کے گھر سے دینہ کو نکال لے گئے۔اور یعقوبؑ کے باقی بیٹے مقتولوں پر آئے اور شہر کو لوٹا اس لئے کہ انہوں نے اُن کی بہن کو بے حرمت کیا تھا۔اُنہوں نے ان کی بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے گدھیاں اور جو کچھ شہر اور کھیت میں تھا لے لیا۔اور ان کی سب دولت لوٹی اور ان کے بچوں اور بیویوں کو اسیر کر لیا۔اور جو کچھ ان کے گھروں میں تھا سب لوٹ کھسوٹ کر لے گئے۔۔۔۔۔۔تب یعقوبؑ نے شمعون اور لاوی سے کہا کہ تم نے مجھے غمدیدہ کیا ہے۔کیونکہ تم نے مجھے اس ملک کے باشندوں یعنی کنعانیوں اور فرزیوں، میں نفرت انگیز بنا دیا۔کیوں کہ میرے ساتھ تو تھوڑے ہی آدمی ہیں۔سو وہ مل کر میرے مقابلے کو آئیں گے اور مجھے قتل کر دیں گے اور میں اپنے گھر سمیت برباد ہو جاؤں گا۔انہوں نے کہا کہ کیا اسے مناسب تھا کہ وہ ہماری بہن کے ساتھ کسبی کی طرح برتاؤ کرتا؟ پھر خدا نے یعقوبؑ سے کہا کہ اٹھ اور بیت ایل کو جا اور وہیں رہ اور وہاں خدا کے لئے جو تجھ پر اس وقت ظاہر ہوا تھا جب تو عیسوؑ کے پاس سے بھاگا جا رہا تھا،ایک قربان گاہ تعمیر کر‘‘۔

قارئین نے یہ غیرت و شرافت انسانی کو مشتعل اور حواس باختہ کر دینے والا حادثہ دیکھا۔توریت کے الفاظ میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ شکیم دینہ سے انتہائی محبت کرنے لگا تھا۔لیکن اگر اُس کی اس ذلیل وکمینہ حرکت کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یہ کیوں اور کس طرح نظر انداز کیا جائے کہ اس نے دینہ کو واپس کیوں نہ جانے دیا۔اُسے جانے دیا ہوتا قصور پر شرمندہ اور تائب ہوا ہوتا اور دینہ کو شریک حیات بنانے کے لئے کوشاں ہوا ہوتا۔مگر اُس نے اپنی ریاست کے گھمنڈ میں زنا کر لیا۔جس کی سزا موت تھی اور گویا قوت کے بل بوتے پر وہ شرعی خانہ پری کرا لینا چاہتا تھا اور جنسی تعلقات برابر جاری رکھتا رہا۔یعنی وہ جنسی ہیجان سے مغلوب نہ ہوا تھا۔ورنہ پہلے دن دینہ کو واپس جانے دیتا۔اُس کے اس جبر ہی کی وجہ سے دِینہ کے بھائیوں نے اپنی بہن کے ساتھ پیشہ ور (کسبی) عورتوں ایسا سلوک محسوس کیا اور اپنی بہن کو اس ذلت آمیز قید وسلوک سے رہا کرانے کے لئے مذکورہ قتل عام اور لوٹ مار کر ڈالی۔بہر حال یہ فرمایا تھا کہ اگر اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر اللہ نے ایک سابقہ کتاب میں یہ رعایت نہ دی ہوتی (لَوْ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ 8/68) تو تم نے جو کچھ لُوٹ مار کر کے قبضے

میں لیا ہے اس پر تمہیں عذاب عظیم سے سزا دی جاتی۔ لہٰذا جو کچھ بھی تم نے لُوٹ کا مال قبضایا ہے اس میں سے صرف حلال اور طیب چیزیں اس شرط کے ساتھ کھاؤ کہ اگر تم سے واپس طلب کیا جائے تاکہ وہ مال اصل مالکوں کو، وعدہ کے مطابق دے دیا جائے تو تم اُس کے ذمہ دار رہو گے۔ اور مرکز کا کام ہوگا کہ وہ اصل مالکوں کو لُوٹے ہوئے مال سے زیادہ اور بہتر صورت میں واپس کرے اس لئے اس اجازت کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ:

نہم۔ **مال کسی قسم کا ہو اُس کی تقسیم، ملکیت اور ذمہ داری آنحضرتؐ کے ماتحت ہے**

وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَ لِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ o اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الدُّنۡیَا وَ ہُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الۡقُصۡوٰی وَ الرَّکۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ وَ لَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِی الۡمِیۡعٰدِ وَ لٰکِنۡ لِّیَقۡضِیَ اللّٰہُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا لِّیَہۡلِکَ مَنۡ ہَلَکَ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ وَّ یَحۡیٰی ...... الخ (انفال 42-8/41)

’’تمام مومنین کو یہ معلوم رہنا چاہئے کہ تم نے یہ جولُوٹ کا مال قبضے میں کرلیا ہے اُس کا پانچواں حصہ (1/5 خمس) یقیناً اللہ کے لئے اور رسولؐ کے لئے اور مخصوص قربیٰ والے مرد کے لئے اور مساکین اور ابن السبیل کے لئے دینا لازم ہے اگر تم واقعی ایمان لائے ہو اللہ پر اور اُس چیز پر جو ہم نے حق و باطل میں فرق دکھانے اور دو جماعتوں کی ملاقات کے دن نازل کیا تھا۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جب تم وادی کے اس جانب اور دشمن دوسری طرف پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور سوار فوج سے نشیب کی طرف ٹھہری ہوئی تھی۔ اور اگر کہیں تم نے پہلے سے وعدہ کرلیا ہوتا تو تم ضرور اختلاف پیدا کر کے وعدہ خلافی کرتے لیکن اللہ نے تمہیں اختلاف و وعدہ خلافی اور پہلو تہی کرنے کا موقع ہی نہ دیا اور اللہ نے جو فیصلہ کرلیا تھا اُسے ظہور میں لے آیا تاکہ جسے دینی طور پر تباہ ہونا ہے وہ دلیل روشن کو سمجھ کر اور جان بوجھ کر تباہ ہو اور جسے دین و دنیا میں حیات ابدی حاصل کرنا ہو وہ بھی روشن دلیل سے حقیقت کو سمجھ کر زندگی حاصل کرے۔ اور اللہ یقیناً دین و دُنیا تباہ کرنے والوں اور ابدی حیات حاصل کرنے والوں کو دیکھتا اور سنتا ہے۔‘‘

(11) پانچویں حصے کا یہ مطلب غلط ہے کہ باقی چار حصوں میں لوگ مختار ہیں کہ جو چاہیں کرلیں بلکہ مالک و مختار رسولؐ ہے

اگر آپ یہ چاہتے ہوں کہ آپ قرآن سے وہی کچھ سمجھیں جو اللہ آپ کو سمجھانا چاہتا ہے؟ اور یہ کہ آپ کا عمل در آمد وہی ہو جو اللہ چاہتا ہے تو کم از کم اتنا آپ پر واجب ہے کہ آپ قرآن کے الفاظ کے وہی معنی لیں جو ان الفاظ کے مصدروں اور مادوں کے لئے مسلم اور طے شدہ ہیں اور اُن معنی کو ترک کر کے اُن ہی الفاظ کے دوسرے معنی نہ کریں۔ یعنی معنی کو مستقل حیثیت سے اختیار کریں۔ اور یہ کہ آپ نے جو معنی اختیار کئے ہیں وہ قرآن کے باقی بیانات کے مخالف نہ ہوں۔ یعنی آپ قرآن کی تعلیمات کے خلاف کوئی مفہوم اختیار نہ کریں۔ اور ہر اُس بیان یا واقعہ کو غلط قرار دے دیں جو قرآن کے الفاظ یا عبارات کا مخالف ہو۔ ان شرائط کے ماتحت یہ ماننا ہوگا۔ انفال بہر حال اللہ و رسولؐ کی ملکیت اور اختیار سے باہر نہیں نکالے جاسکتے (8/1) یعنی اگر رسولؐ اللہ کسی انفال میں سے کچھ، کسی قدر یا کوئی حصہ دے دیں تب بھی،

یعنی دے دینے کے بعد بھی اُس پر رسوؐل کو اختیار رہتا ہے کہ واپس لے لیں یا کسی اور کو سارا یا کچھ حصہ دلا دیں۔(انفال 8/70)(8/1)
اِس کے ساتھ ہی یہ نوٹ کرلیں کہ زیر بحث آیات میں (68، 67، 8/41) یا قرآن میں کہیں یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسوؐل کو دے کر باقی چار حصوں کو جس طرح کوئی چاہے استعمال کرے۔لہٰذا جس طرح رسوؐل پانچویں حصے (1/5) پر مختار ہیں اُسی طرح پانچ میں سے باقی چار حصوں (4/5) پر بھی وہی مختار ہیں جس کو جتنا مناسب سمجھیں دیں مناسب نہ سمجھیں نہ دیں۔اور مودودی خود بھی متفق ہیں۔

''تم لوگ انفال کے مالک ومختار کہاں بنے جارہے ہو؟ کہ خود ہی اُن کی تقسیم کا فیصلہ کرو؟ مال جس کا بخشا ہوا ہے (توبہ 9/59) وہی فیصلہ کرے گا کہ کسے دیا جائے اور کسے نہیں؟ اور جس کو بھی دیا جائے اُسے کتنا دیا جائے؟''(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 129، حاشیہ اوّل)

اوّل۔ قرآن قیامت تک مسلمانوں کے لئے مستقل ضابطۂ حیات ہے اور رسولؐ اللہ سب کی ضرورت کا نگراں ومحافظ ہے

یہاں پھر دو بنیادی اصول یاد کریں اوّل یہ کہ اللہ کی حقیقی وعملی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہوتی ہے اُن کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے۔اور جہاں جہاں اللہ کی ملکیت یا حقوق کا ذکر ہوتا ہے وہاں عملاً وہ ملکیت اور حقوق آنحضرتؐ کے ہوتے ہیں۔

چنانچہ لازم ہے کہ قیامت تک اللہ کی ایسی نمائندگی جاری رہے جسے محمدؐ کی اطاعت اور محمدؐ کی نافرمانی کہا جائے اور وہ اطاعت و نافرمانی اللہ کی اطاعت و نافرمانی قرار پائے۔یعنی قرآن کی تعلیم وتربیت اور تنفیذ کرنیوالا قرآن کا ویسا ہی عالم ہو جیسا آنحضرتؐ عالم تھے۔اس کیلئے جس طرح اللہ کے ساتھ ساتھ ملی ہوئی رسوؐل کی اطاعت کا حکم آتا ہے بالکل اُسی طرح رسولؐ کے ساتھ اُولی الامر (نسا 4/59) کی اطاعت تمام اہل ایمان پر واجب ولازم ہوتی ہے۔یعنی ''یَآ اَیُّھَاالَّذِ یْنَ اٰمَنُوْ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو'' کہہ کر مخاطب کرنے کے بعد صرف غیر مسلم ہی اس خطاب سے باہر رہتے ہیں اور تمام مسلمان افسروں، عہدے داروں اور عوام وخواص پر اولی الامر کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔بالکل اُسی طرح مالِ غنیمت میں اللہ، رسولؐ اور ذِی القربیٰ تین ذوات مقدسہ کا ذکر فرمایا گیا ہے اور مال غنیمت کے پانچویں حصے (خمس) کو بالترتیب اُن کیلئے مخصوص کیا گیا ہے یعنی اُس پانچویں حصہ میں سے اُن لوگوں کو کچھ نہ دیا جائے گا جو مالِ غنیمت کے جمع کرنے یا لوٹنے والے تھے۔اُنہیں باقی چار حصوں میں سے بھی اُنکی ضرورتوں کے حساب سے جتنا مناسب سمجھیں گے رسولؐ اللہ دیں گے۔رہ گیا خمس تو اللہ کو کسی کے مال کی ضرورت نہیں ہوتی۔پھر رسولؐ اُن لوگوں کے سامنے ذمہ دار ہے جن سے مال غنیمت لیا گیا ہے۔اسلئے اُنکے پاس وہ پانچواں حصہ رہنا چاہئے۔اس کے بعد تیسری ہستی وہ ہے جو قربیٰ والاؐ ہے۔اور یہیں تک آیت میں لامِ ملکیت (لِلّٰہِ، لِلرَّسُوْلِ، لِذی الْقُرْبیٰ) کی وسعت مذکور ہے۔آگے مساکین اور ابن السبیل، اللہ، رسولؐ اور ذی القربیٰ کے تابع ہیں۔یعنی یہ تینوں ذواتِ مقدسہ نوع انسان سے غربت ومسکینی اور بے چارگی اور افلاس واحتیاج کو مٹا کر خوش حالی وآسودگی اور ترقی کے ذمہ دار ہیں۔لہٰذا جس طرح اللہ کی جگہ عَمَلاً، مادّی ومحسوس ومشہود جانشین خداوندی، خلیفۂ خداوندی ونمائندۂ خداوندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں بالکل اُسی طرح آنحضرتؐ کے جانشین وخلیفہ ونمائندہ ذِی القربیٰ (قُربیٰ والاؐ) ہے۔جو اللہ ورسوؐل کی تمام ذمہ داریوں کا

حامل ہے۔ وہ کون ہے؟ ہم تو قرآن سے براہِ راست حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ کو پہچانتے اور مانتے ہیں۔ لیکن قریشی منصوبے کی رُو سے صورتِ حال پیچیدہ کردی گئی ہے۔ اور وجہ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد قریش نے یہ پسند نہ کیا کہ خاندانِ نبوت میں حکومت یا خلافت کو رہنے دیا جائے (الفاروق حصہ اول صفحہ 103 تاریخ طبری جلد 2 حصہ سوم صفحہ 279 تا 283) چنانچہ انہوں نے اپنی قومی حکومت قائم کی اور ضروری ہوگیا کہ قرآن کے اُن تمام مقامات کو ترکیب سے جھٹلایا جائے (6/66) اور پوری خلافتِ الٰہیّہ میں ردوبدل اور تحریف کردی جائے (فرقان 30 تا 25/27) جہاں جہاں خاندانِ نبوتؐ میں حضرت علی علیہ السلام کی حکومت وولایت کا تذکرہ تھا۔ اس تحریف وتاویل کے باوجود ہم قرآن سے دواور دوچار کی طرح خلافتِ مرتضوٰی کو ثابت کرتے چلے آئے ہیں۔

دوم۔ **ذی القربیٰ کون ہیں؟ مودودی اینڈ کمپنی بھی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے**

ذی القربیٰ کے معنی، تعین اور تشخص کیلئے مفصل گفتگو ہماری تفسیر تعبیر القرآن (سورہ انفال، بنی اسرائیل، الروم اور شوریٰ) میں ملاحظہ ہو یہاں تو سرسری طور پر، مختصراً، مودودی اینڈ کمپنی سے چند ایسی باتیں پیش کرنا ہیں جو حقیقتِ حال کی طرف راہنمائی کردیں، سنئے ارشاد ہے کہ:

(1) آیت (8/41) خمس کی ذیل میں ہیرا پھیری کے باوجود حقیقتِ حال کی طرف ایک اشارہ

"32؎ یہاں اُس مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون بتایا ہے جس کے متعلق تقریر (سورہ انفال۔ احسؔن) کی ابتدا میں کہا گیا تھا کہ "یہ اللہ کا انعام ہے جس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ اور اُس کے رسولؐ ہی کو حاصل ہے۔" اب وہ فیصلہ بیان کردیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ......اس تقسیم میں اللہ ورسوؐل کا حصہ ایک ہی ہے......رشتہ داروں سے مراد نبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم کی زندگی میں تو حضوؐر ہی کے رشتہ دار تھے کیونکہ جب آپؐ اپنا سارا وقت دین کے کام میں صرف فرماتے تھے اور اپنی معاش کے لئے کوئی کام کرنا آپؐ کے لئے ممکن نہ رہا تھا تو لامحالہ اس کا انتظام ہونا چاہئے تھا کہ آپؐ کی اور آپؐ کے اہل وعیال اور اُن دوسرے اقربا کی، جن کی کفالت آپؐ کے ذمہ تھی، ضروریات پوری ہوں اس لئے خمس میں آپؐ کے اقربا کا حصہ رکھا گیا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ حضوؐر کی وفات کے بعد ذوی القربیٰ کا یہ حصہ کس کو پہنچتا ہے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبیؐ کے بعد یہ حصہ منسوخ ہوگیا۔ دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ حضوؐر کے بعد یہ حصہ اُس شخص کے اقربا کو پہنچے گا جو حضوؐر کی جگہ خلافت کی خدمت انجام دے۔ تیسرے گروہ کے نزدیک یہ حصہ خاندان نبوت کے فقراء میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔ جہاں تک میں تحقیق کرسکا ہوں خلفائے راشدین کے زمانہ میں اِسی تیسری رائے پر عمل ہوتا تھا۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 145-146)

سوم۔ **چار غلط باتوں میں آدھی صحیح بات یعنی ساڑھے تین باتیں؟**

ہم نے عرض کیا ہے کہ تفصیل کے لئے تفسیر تعبیر القرآن کی مذکورہ سورتوں کی تشریحات دیکھیں یہاں تو جلدی جلدی یہ بتانا ہے کہ مودودی کے بیان سے اتنا ثابت ہوگیا کہ آنحضرتؐ کے اقربیٰ کا خمس میں حصہ تھا جو عہد رسولؐ میں ملتا رہا۔ یہ آدھی بات صحیح ہے۔ پوری بات یہ ہے کہ خمس پورا کا پورا اقربائے رسوؐل کے سربراہ حضرت علی علیہ السلام کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

چہارم۔ مودودی کی فریب کارانہ غلط بیانیاں اور تہمتیں؟

علامہ کی پہلی چالاکی یہ ہے کہ غنیمت یا خمس والی آیت (8/41) میں آئے ہوئے دو الفاظ 1 ذی اور 2 الـقُـربٰی، میں سے پہلے لفظ ''ذی'' کا ترجمہ نہیں کیا۔ اور دوسرے لفظ ''اَلْقُربٰی ''میں آئے ہوئے الف لام تعریف کا ترجمہ بھی نہیں کیا ہے۔ بلکہ صرف ''قُـربٰی '' کا ترجمہ ''اقربا'' اور ''رشتے دار'' کیا ہے۔ حالانکہ لفظ ذی کے معنی ''والا'' کرنا تھے۔ اور الف لام کے معنی مخصوص ہونا چاہئیں یعنی ذِی الْقُرُبٰی کے معنی ''مخصوص اقربا والے'' یا ''مخصوص رشتے داروں والے'' اور علامہ کے ترجمے کو ملا کر معنی ہوئے:

''رسولؐ کے مخصوص رشتے داروں کے سربراہ'' یا ''رسولؐ کے مخصوص اقربا والا'' اور اس صحیح ترجمے سے حضرت علی علیہ السلام سامنے آجاتے ہیں مگر قریش اور قریشی علما اس مبارک نامؑ سے اُسی طرح لرزہ براندام رہتے ہیں جیسے ملک الموت سے ڈرتے ہیں۔

پہلی چالاکی کو پکڑنے کے لئے آپ یہ آیت پڑھئے اور پھر علامہ سے لفظِ ''ذی'' کا ترجمہ دیکھئے اور اُنہیں دھوکہ باز کہئے:

نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ، وَ فَوۡقَ كُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ o (یوسف 12/76)

علامہ کا ترجمہ ''ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کردیتے ہیں، اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحبِ علم سے بالاتر ہے۔''

غلط کار و فریب ساز مترجمین یوں لال ہاتھوں (Red handed) پکڑے جاتے ہیں۔ بہرحال لفظ ذِیۡ کے معنی ''صاحب'' آپ نے دیکھ لئے۔ صاحبِ علم، یعنی علم والا، علم والے، اور ذِی الْقُرُبٰی یعنی قربیٰ والا، صاحبِ قربیٰ، قربیٰ کا مالک۔

علامہ کی دوسری چالاکی کے لئے یہ آیت اور اس کا ترجمہ دیکھیں: لَا نَشۡتَرِیۡ بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰی۔ الخ (مائدہ 5/106)

مودودی ترجمہ: '' ہم کسی ذاتی فائدے کے عوض شہادت بیچنے والے نہیں ہیں، اور خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔''

یہاں لفظ قُربٰی بلا الف لام کے آیا ہے اور اس کے معنی بھی وہی کئے ہیں جو الف لام کی موجودگی میں اَلْـقُـربٰی کے کئے تھے۔ یعنی قُربٰی کے معنی بھی رشتہ دار اور اَلْقُربٰی کے معنی بھی رشتے دار یعنی اللہ نے الف لام فضول نازل کیا تھا۔

مودودی کے ترجمے کی تیسری اور سب سے بڑی چالاکی پکڑنے کے لئے مندرجہ ذیل آیت اور اُن کا ترجمہ دیکھیں اور اتنی بڑی حقیقت پر پردہ ڈالنے والے فریب ساز پر لعنت بھیجیں اور اللہ و قرآن کے انتظام پر درود پڑھیں۔ سنئے اللہ کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ وَ لَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ o (توبہ 9/33)

مودودی ترجمہ: ''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُسے پوری جنسِ دین پر غالب کردے خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں لفظ دین دو مرتبہ آیا ہے۔ پہلی دفعہ یہ سادہ طریقے پر آیا ہے اور دوسری مرتبہ اُس کے ساتھ الف لام (اَلـدِّیـن) آیا ہے۔ چنانچہ مودودی نے سادہ لفظ دین کا ترجمہ صرف دین کیا مگر الف لام کی وجہ سے ''اَلـدِّیـن '' کا ترجمہ ''پوری جنسِ دین'' کرنا پڑا ہے جو صحیح ہے۔ اسی طرح لفظِ ''اَلْقُربٰی '' کے معنی ہوئے ''جنس اَقْربٰی'' یعنی رسولؐ کے رشتے داروں کی پوری جنس'' اور لفظ

''ذی القُربٰی'' کے معنی ہوئے ''رسولؐ اللہ کے رشتے داروںؑ کی پوری جنس کا صاحبؑ، مالکؑ وسربراہؑ'' اور آیات (احزاب 33/6-7) کی رُو سے یہ صاحبؑ، مالکؑ وسربراہ' رسولؐ اللہ کے تمام اولوالارحام کا بھی صاحبؑ، مالکؑ وسربراہ ہے۔ اور تمام مومنین، اوّلین و سابقین اور انصار ومہاجرین کا بھی ہمدرد وحاکم ہے (33/6-7) اور یہی وہ ہستیؑ ہے جو اللہ ورسولؐ کے ساتھ ساتھ تمام اموال ووسائلِ حیات، کا مالک ہے اور تمام صاحبانِ ایمان پر اَولٰی بِالتَّصرُّف ومختار ہے۔ جسے سامنے سے ہٹانے اور عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے مودودی نے مالِ غنیمت کے بیان (آیت 8/41) میں خیانت کی ہے۔ مگر قرآن اور اہلِ قرآن' باطل پرستوں کو خود اُن کی تحریروں، ترجموں اور تفسیروں ہی سے باطل کر دکھاتے ہیں۔

پنجم۔ <u>مودودی اینڈ کمپنی نے رسولؐ اور اقربائے رسولؐ پر تہمت لگادی ہے</u>

ساری دنیا عموماً اور مسلمان خصوصاً یہ جانتے ہیں کہ پہلی جنگ، جنگ بدر ہے جو مدینہ پہنچ کر دوسرے سن ہجری میں ہوئی۔ اور یہ کہ جنگ بدر ہو چکنے کے بعد کہیں جا کر سورہ انفال مالِ غنیمت پر عذاب کی دھمکی لے کر نازل ہوئی تھی۔ علامہ نے لکھا ہے کہ:

<u>زمانۂ نزول</u> ''یہ سورہ <u>2ھ</u> ہجری میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 118)

یعنی بقول مودودی اینڈ کمپنی رسولؐ اللہ کے اور اُن کے اقربا کے لئے مالِ خمس کا حصہ اس لئے مقرر ہوا کہ وہ سارا وقت اسلام کی تبلیغ میں صرف کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ اُس سال تک تبلیغ اسلام کرتے ہوئے 15 پندرہ سال گزر چکے تھے۔ اُن پندرہ سالوں کے دوران اُن کی گزر بسر کیسے ہوتی رہی؟ کیا اُس طویل دور میں بھی ابوبکر وعمر وعثمان وغیرہ لُوٹ کا مال لالا کر حضورؐ کا اور حضورؐ کے رشتے داروں کا خرچہ پورا کیا کرتے تھے؟ یہ ہیں وہ ملاعین جو آنحضرتؐ پر ایسی گھناؤنی اور بے ڈھنگی تہمت لگانے میں بھی تکلف نہیں کرتے۔

ششم۔ <u>آخر ابوبکر وعمر اور عثمان کی قریشی حکومت نے قرآن میں واجب کیا ہوا حصہ منسوخ کر دیا</u>

یہ دکھایا جا چکا ہے کہ ابوبکر وعمر نے مؤلفۃ القلوب کا حق اور وہ حصہ ضبط کر لیا تھا جو اللہ نے قرآن (توبہ 9/60) میں فرض کیا تھا اور مؤلفۃ القلوب کا قصور یہ تھا کہ ابوبکر وعمر کی خلافت کو باطل سمجھتے تھے اور حضرت علیؑ کے طرفدار تھے (الفاروق حصہ دوم صفحہ 82) اور اسکیم یہ تھی کہ علیؑ، خاندانِ علیؑ اور طرفدارانِ علیؑ کو پیسے پیسے کا محتاج اور بے بس کر دیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنی ذاتی رائے اور قومی مصلحت کے ماتحت قرآن کے احکام کو منسوخ کر دیا تھا۔ چنانچہ علامہ نے خمس کا ذکر کرتے ہوئے ابوبکر وعمر وغیرہ کی خلافت کو برحق ماننے والے گروہ کے علما کے تین فتاویٰ لکھے ہیں۔ اور تینوں کے فیصلوں کو قرآن وحدیث کی سند سے نہیں بلکہ <u>1</u> ایک گروہ کی رائے <u>2</u> دوسرے گروہ کی رائے اور <u>3</u> تیسرے گروہ کی رائے۔ کے ماتحت لکھا ہے۔ یعنی اُن ملاعین کا یہ مقام تھا کہ اُن کی رائے سے اللہ، رسولؐ اور قرآن کے احکام منسوخ یعنی باطل ونا کارہ ہو جاتے تھے اور امت میں صحیح مانے جاتے تھے۔

ہفتم۔ <u>عمر بن عبدالعزیز نے بھی ابوبکر وعمر کے منہ پر خاندان مرتضویؑ کو اُن کا حق دے کر طمانچہ لگایا تھا</u>

لیکن حضرت علیؑ کے نظامِ صبر نے آخر ابوبکر وعمر کی تمام پالیسیوں کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں اور وہ وقت آ گیا کہ علیؑ وآلِ علیؑ کے سب سے

بڑے دشمن خاندان کے تقریباً آخری خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے علیؑ واولادِ علیؑ اور خاندانِ رسولؐ پر ہر جمعہ کو ہر مسجد سے ہونے والے تبرا کو بند کر کے اپنے بزرگ معاویہ کے منہ پر طمانچہ مارا اور اُسے باطل پرست ثابت کیا پھر ابوبکر وعمر اور پورے قریش کو دشمنانِ خدا اور رسولؐ ثابت کرنے کے لئے وہ تمام حقوق خاندانِ مرتضویؑ کو واپس کر دیئے جو پہلی، دوسری اور تیسری قریشی حکومتوں نے غصب کئے رکھے تھے۔ علامہ سے سنئے:

''حسن بن محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد ان دونوں حصوں (یعنی رسولؐ اللہ کے حصے اور ذوی القربیٰ کے حصے) کے متعلق اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ بعض لوگوں کی رائے تھی کہ پہلا حصہ حضورؐ کے خلیفہ کو ملنا چاہیے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ دوسرا حصہ حضورؐ کے رشتہ داروں کو ملنا چاہیے۔ کچھ اور لوگوں کا خیال تھا کہ دوسرا حصہ خلیفہ کے رشتہ داروں کو ملنا چاہیے۔ آخر کار اس بات پر (قریش کا۔ احسن) اجماع ہو گیا کہ (رسولؐ اور خاندانِ رسولؐ کو محروم کر کے۔ احسن) یہ دونوں حصے جہاد (یعنی مزید لوٹ مار اور قتل و غارت۔ احسن) کی ضروریات پر صرف کئے جائیں۔ عطا بن سائب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہدِ خلافت (99ھ۔ احسن) میں حضورؐ کا حصہ اور (نبیؐ کے۔ احسن) رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم کو بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ ابوحنیفہ اور اکثر فقہائے حنفیہ (خدا اُن پر لعنت کرے۔ احسن) کی رائے یہ ہے کہ اس معاملے میں وہی عمل صحیح ہے جو (قرآن کے خلاف۔ احسن) خلفائے راشدین کے زمانہ میں رائج تھا۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 392)

ہشتم۔ **مودودی اینڈ کمپنی اور قریشی علاملامت سے بچنے کے لئے فقرا کو خمس دینے کا قصہ سناتے ہیں**

مودودی کا اور اُن کے ہم مذہب علما کا یہ کہنا کہ خلفائے راشدین کے زمانوں میں بنی ہاشم کے فقرا کو خمس میں سے حصہ دیا جاتا تھا اس لئے جھوٹا افسانہ ہے کہ عثمان کا پورا خمس مروان کو دینا مودودی نے تسلیم کیا ہے اور عثمان کی طرفداری میں یہ لکھا تھا کہ خمس کی تقسیم کے لئے عثمان کے وقت تک کوئی ضابطہ موجود ہی نہ تھا جو مروان وغیرہ کو خمس دینے کو شرع سے تجاوز قرار دیا جائے۔ اور ہم نے پچھلے عنوانات میں یہ ثابت کر دیا کہ قرآن کی رُو سے قرآنی ضابطہ بھی موجود تھا اور عثمان کے دو بڑے بوڑھے اور بزرگ خلفا کا عملدرآمد بھی اُس کے پاس تھا۔ اور اُس وقت کے نیک وبد مسلمان، حتّٰی کہ دولت کے لئے اسلام کا نقاب پہن لینے والے قریشی مسلمان بھی اتنا ضرور جانتے اور مانتے تھے کہ لکھ پتیوں کو خمس یا کسی مال میں سے کوئی حصہ نہ دیا جاتا تھا۔ مگر عثمان نے تو فقرا، غربا اور مساکین کو محروم رکھ کر مروان کو سارا خمس دیا تھا۔ لہٰذا عثمان کے اس فعل پر اُسے قرآن، رسولؐ اور خود ابوبکر وعمر کی مخالفت کا کھلا مجرم قرار دیا جائے گا۔

(12) دولت مندوں، سرمایہ داروں اور کروڑ پتیوں کو کسی قسم کے مال میں سے حصہ دینا حرام ہے، جب تک افلاس رہے

یہاں تک یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی کی حکومتوں نے 99 ہجری تک علیؑ واقربائے محمدؐ کو اللہ کے مقرر کئے ہوئے خمس سے محروم رکھا اور قرآن کے خلاف خمس اور دیگر اموالِ خداوندی کو علی مرتضیٰ علیہ السلام کی ازلی قرآنی میراث کو، (نساء 4/54) ایک دشمنِ خدا ورسولؐ، کروڑ پتی طبقہ پیدا کرنے کے لئے جس طرح چاہا لٹاتے رہے۔ اور اُس دشمن طبقہ نے مسلسل علیؑ واولادِ علیؑ اور

پیروانِ علیؑ کے خلاف محاذ بنائے رکھا، خاندانِ علیؑ ومحمدؐ کا قتلِ عام کیا اور اسلام کو سرمایہ داروں اور اجارہ داروں کا محافظ بنا کر چھوڑا، حالانکہ قرآن سرمایہ داری کو ختم کر کے ساری نوع انسان کو غربت وافلاس کے پنجوں سے آزاد کرنے کے لئے آیا تھا۔ اور قریشی سرمایہ داروں کو علیؑ کی حکومت سے یہی سب سے بڑا خطرہ تھا اور عمر نے اپنی قوم کے سرمایہ داروں کو یعنی ممبرانِ شوریٰ کو خبردار کر دیا تھا کہ اگر علیؑ کو خلافت مل گئی تو یہ تمہیں ہر حالت میں صراط مستقیم اور حق مبین پر چلا کے چھوڑے گا۔ یعنی تمہیں لُوٹ کھسوٹ اور سرمایہ اندوزی ہرگز نہ کرنے دے گا۔ یعنی اگر خود کو سرمایہ اور دولت سے محروم کرنا ہو، اس کے اشاروں پر ناچنا ہو تو اُسے خلیفہ بنالینا۔ اور یہی وجہ تھی کہ علیؑ سے سیرتِ ابوبکر و عمر پر چلنے کی شرط لگائی تھی۔ اور انہوں نے انکار کر کے تختِ حکومت کو لات ماردی تھی۔ اس لئے کہ حضورؐ کو قرآن کے احکام کی تعمیل کرانا تھی نہ کہ باطل خلفا کی پیروی۔

اوّل۔ قرآن کا وہ حکم جو سرمایہ داروں کو رفتہ رفتہ ختم اور غربا کو نوازتا ہے

اللہ نے لُوٹ مار کرنے والے قریش کا راستہ روکنے کے لئے جس طرح اُنہیں مالِ غنیمت پر عذاب کی دھمکی سے اور مالِ غنیمت کو بڑھا کر اور بہتر حالت میں واپس کرنے کی شرط سے پابند کر دیا تھا اور اُنہیں آئندہ جنگوں میں نہ لُوٹ مار کی آزادی دی تھی نہ لوگوں کو گرفتار کر کے قیدی اور غلام وکنیز بنانے کی چھٹی دی تھی۔ بلکہ دشمنوں کے اموال میں سے حصہ مانگنے کو یہ فرما کر روک دیا تھا کہ:

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌo (الحشر 59/6)

مودودی ترجمہ: ”اور جو مال اللہ نے اُنکے قبضے سے نکال کر اپنے رسوؐل کی طرف پلٹا دیئے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اُونٹ دوڑائے ہوں، بلکہ اللہ اپنے رسولوؐں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 388-389)

دوم۔ وہ سامان جسے سامان کا حقیقی مالک عارضی مالک سے واپس لے لے فَے کے نام سے پکارا جاتا ہے

اس آیت میں جس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے اُسے سمجھنے اور تصدیق کرانے کے لئے مودودی کی تشریح کے چند جملے سن لینا ضروری ہیں۔ چنانچہ قریشی پالیسی کی ذیل میں تیار کئے ہوئے افسانوں کو اس آیت پر چسپاں کرتے ہوئے ایک صحیح بات یوں لکھتے ہیں:

”اس جگہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ (جو کچھ پلٹا دیا اُن سے اللہ نے اپنے رسوؐل کی طرف) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اِن الفاظ سے خود بخود یہ معنی نکلتے ہیں کہ یہ زمین اور وہ ساری چیزیں جو یہاں پائی جاتی ہیں، دراصل اُن لوگوں کا حق نہیں ہیں جو اللہ جل شانہ کے باغی ہیں۔ وہ اگر اُن پر قابض ومتصرف ہیں تو یہ حقیقت میں اسطرح کا قبضہ و تصرف ہے جیسے کوئی خائن ملازم اپنے آقا کا مال دبا بیٹھے۔ اُن تمام اموال کا اصل حق یہ ہے کہ یہ اُنکے حقیقی مالک، اللہ رب العالمین کی اطاعت میں اُس کی مرضی کے مطابق استعمال کئے جائیں، اور اُنکا یہ استعمال صرف مومنین صالحین ہی کر سکتے ہیں اسلئے جو اموال

بھی ایک جائز و برحق جنگ کے نتیجے میں کفار کے قبضے سے نکل کر اہل ایمان کے قبضے میں آئیں اُنکی حقیقی حیثیت یہ ہے کہ اُنکا مالک اُنہیں اپنے خائن ملازموں کے قبضے سے نکال کر اپنے فرماں بردار ملازموں کی طرف پلٹا لایا ہے۔اسی لئے اُن املاک کو اسلامی قانون کی اصلاح میں فَےْ (پلٹا کرلائے ہوئے اموال) قرار دیا گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 388-389)

سوم۔ مودودی کے ترجمے اور تشریح میں سے صحیح اور غلط باتیں الگ کر لیں

علامہ نے کئی بار اور طرح طرح سے یہ مان لیا ہے کہ:

(1) ''ساری زمین اور زمین پر پائی جانے والی تمام چیزوں کا حقیقی مالک اللہ ہے لہٰذا جنگ میں ہاتھ آنے والی تمام چیزیں بھی اللہ ہی کی ملکیت ہوتی ہیں۔''

(2) پھر علامہ نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ: ''جو اموال، املاک اور ہر وہ چیز جس پر لوگوں کا قبضہ ہو، اُن کے قبضے سے نکال لی جائے تو ایسے اموال واملاک اور چیزوں کو مالِ فے کہتے ہیں۔''

(3) علامہ نے اپنے ترجمہ میں مندرجہ بالا اموال واملاک اور اشیاء کو آنحضرؐت کی طرف پلٹانا تسلیم کیا ہے۔

غلط باتیں: (1) اس آیت (59/6) میں اللہ نے کہیں نہیں کہا کہ مالِ فے مومنین کی طرف پلٹایا گیا ہے۔یا مومنین کے استعمال کے لئے مومنین کو دیا گیا ہے یا یہ کہ جن سے مال فے واپس لیا گیا ہے، یا جن کے قبضے میں مال فے اب تک تھا وہ نافرمان اور خائن ملازم تھے۔اور نافرمانی اور خیانت کی بنا پر اُن سے وہ مال فے واپس لے لیا گیا ہے۔

(2) اللہ انسانوں کو اس شرط پر اموال واملاک اور وہ تمام چیزیں دیتا ہے جو اس زمین پر موجود اور اللہ کی ملکیت ہیں کہ وہ جب نافرمانی یا خیانت کریں تو اُن سے واپس لے لی جائیں گی اور فرمانبرداروں کو دے دی جائیں گی۔

(3) علامہ نے اپنی تشریح میں بھول کر بھی یہ نہیں کہا کہ اللہ نے مال فے رسوؐل کی طرف پلٹایا تھا۔اِسلئے کہ علامہ اینڈ کمپنی قرآن کے بیانات کو اپنے گھڑے ہوئے افسانوں پر فٹ (Fit) کرنے کا خیال ہر وقت سامنے رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آنحضرؐت کے بعد قریشی خلفا کو مال فے کا حقدار بنادیا جائے اور ترکیب سے خود آیت کے الفاظ سے اپنے مطلوبہ معنی ومفاہیم کشید کر لئے جائیں۔

چہارم۔ قریش نبیؐ کی عقل وبصیرت کو اپنے لیڈروں کی اجتماعی بصیرت سے کم درجہ سمجھتے رہے

کائنات اور کائنات کی تمام موجودات کا حقیقی مالک بلاشبہ کائنات اور کائنات پیدا کرنے والا ہی ہے اور اس بات کو مومن ومسلم وغیر مسلم سب مانتے ہیں۔اصل گفتگو اللہ کی مالکیت نہیں ہے۔گفتگو یہ ہے، اور یہی قریشی لیڈروں اور علما کو پسند نہیں کہ، کائنات اور کائنات کی موجودات اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کیا رشتہ وتعلق ہے؟ قرآن کریم اور عقل سلیم کا فیصلہ یہ ہے کہ محمدؐ اللہ کے خلیفہ، جانشین اور نمائندہ ہونے کی بنا پر ساری کائنات اور کائنات کی موجودات پر حاکمِ مطلق ومختار ہیں۔اور اللہ کی طرف سے اس کائناتی حکومت میں اللہ اپنی پوری قدرتوں اور علم کے ساتھ آنحضرؐت کا محافظ ومددگار وناصر اور وکیل ہے اور اُن کے ہر قول وفعل وتصور کا ذمہ دار ہے۔اور چونکہ

کائنات کی ہر مخلوق کی حقیقی ضروریات واحتیاجات کا، اُن کے مختلف حالات ومدارج کا اور اُن کے لئے مفید ومضر کا علم اللہ اور رسولؐ سے زیادہ کسی مخلوق کے لئے ممکن نہیں۔ اِس لئے فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان خود کو اور اپنے تمام متعلقات کو رسولؐ کے سپرد کردے اور اُن کے احکام وہدایات اور نصائح پر سوفیصد عمل کرے اور جان بوجھ کر نافرمانی نہ کرے کبھی اپنے تجربے، سوجھ بوجھ اور علم کے بھروسے پر اُن کی ہدایات کے خلاف عمل نہ کرے۔ اور ہرگز یہ تصور نہ رکھے کہ فلاں طریقہ اختیار کر کے میں رسوؐل کی ہدایات سے بہتر نتیجہ حاصل کرسکوں گا۔ یہ روش انسان کی بے روک اور لازوال ترقی کی ذمہ دار ہوگی۔ مگر وہ لوگ جو رسولؐ کو اپنے جیسا یا اپنے سے ذرا بہتر آدمی سمجھتے ہیں وہ اپنی عقل وتجربے سے رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے سے بہتر طریقہ اختیار کرسکنے کا عقیدہ رکھتے ہیں لہٰذا ہدایاتِ رسوؐل کو آخری درجہ نہیں دیتے۔ اور ہم ایسے لوگوں کو مجتہد قرار دیتے ہیں اور یہ لوگ خود رسولؐ اللہ کو بھی مجتہد قرار دیتے ہیں مودودی سے سنئے۔ لکھتے ہیں کہ:

قریشی مذہب میں رسولؐ اللہ بھی ایک مجتہد ہی تھے:

''اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود نہ ہوتا تھا اُن میں حضوؐر اجتہاد پر عمل فرماتے تھے۔'' اور سنئے:

فقہا میں سے جن لوگوں نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے وہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ رسولؐ اللہ کا اجتہاد تھا جس کی توثیق بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی جلی سے فرمائی۔ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 387-388)

اور قارئین یہ دیکھ چکے ہیں کہ مجتہد کا اجتہادی فیصلہ کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ چنانچہ عثمان کی اجتہادی غلطی کا قصہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اور یہ علما (معاذ اللہ) رسولؐ سے غلطیاں سرزد ہونا مانتے ہی نہیں بلکہ غلطیوں کی فہرست پیش کرتے ہیں۔ رسوؐل کی غلطیوں پر اللہ کا اُن سے بازپُرس اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا بھی مانتے ہیں۔ سنئے:

''رائے اور فیصلے میں اُن سے غلطی بھی ہوجاتی تھی....قصور بھی اُن سے ہوجاتے تھے اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ بھی ہوتا تھا۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 163)

اس کے بعد یہ دیکھیں کہ رسولؐ اللہ کو ناپسندیدہ کام کرنے پر ڈانٹ پڑتی ہے۔ سنیئے:

''بعض منافقین نے بناوٹی عذرات پیش کر کے نبیؐ سے رخصت مانگی تھی، اور حضوؐر نے بھی اپنے طبعی حلم کی بنا پر یہ جاننے کے باوجود کہ وہ محض بہانے کررہے ہیں اُن کو رخصت عطا فرمادی تھی۔ اس کو اللہ نے پسند نہیں فرمایا اور آپؐ کو تنبیہ کی کہ ایسی نرمی مناسب نہیں ہے۔ رخصت دے دینے کی وجہ سے ان منافقوں کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقعہ مل گیا۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 197)

پنجم۔ آنحضرؐت کے بعد حضوؐر کی حکومت اور اختیارات پر قبضہ کو اور اپنے مجتہدانہ عملدرآمد کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش

آنحضرؐت کو مجتہد اور غلطیاں کرنے والا بنائے بغیر حضوؐر کا کاروبارِ خلافت سنبھالنا کھُلم کھلا ایک غلطی سمجھی جاتی۔ لہٰذا اجتہادی چکر چلایا گیا اور یہ چکر چل نہیں سکتا تھا جب تک فرضی قصے اور افسانے تیار کر کے اُن میں آنحضرؐت کو اور قرآنی تعلیمات کو فٹ نہ کردیا جاتا چنانچہ سورہ حشر کی آیت (59/6) کے ترجمے اور تشریح میں صحیح باتوں میں غلط باتیں لپیٹ کر سارے تصور کو اُلٹنے کی کوشش ایسے انداز سے

کی گئی ہے کہ ہر وہ شخص جو تعلیماتِ مرتضویؑ سے کماحقہ واقف نہیں وہ اُن کی ہر بات کو صحیح سمجھتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ آیتِ زیرِنظر (59/6) کو دوبارہ پڑھیے آیت میں پھر وہی لوگ مخاطب ہیں جن کو مالِ غنیمت لُوٹنے اور ذاتی ملکیت سمجھ لینے پر عذاب کی دھمکی ملی تھی (انفال 8/41) اُن سے یہ کہا گیا کہ:

''تم نے مال یا سامانِ فَے کے لئے نہ گھوڑوں سے کام لیا نہ اُونٹوں کو استعمال کیا۔یعنی تم مال فے کے حقدار نہیں ہو۔'' یعنی اگر تم نے گھوڑے اور اونٹ مال فَے کے حاصل کرنے میں استعمال کئے ہوتے تب تمہارا حق دار ہونا قابل غور ہوتا۔یعنی جو لوگ اس آیت میں مخاطب ہیں اُن کا مالِ فَے سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔اور یہی بات اللہ نے مال انفال کے لئے فرمائی تھی کہ:''انفال اللہ اور رسولؐ کے ہیں۔'' اور جب انفال صرف اللہ اور رسولؐ کے ہیں (8/1) تو مال فے بھی صرف اللہ اور رسولؐ ہی کا ہے۔اور علامہ کی سند سے بھی نہ صرف انفال اور نہ صرف مال فَے اللہ و رسولؐ کے ہیں بلکہ ساری کائنات اور کائنات کا تمام سامان بھی اللہ اور رسوؐل ہی کا ہے۔ اِن چیزوں میں کسی اور کا مستقل حصہ قرار دینا یا انسانوں کے حصوں کے لئے قانون بنانا غلط بات ہے۔اس غلطی کو یوں سمجھئے کہ:

''جب ہم نے یہ مان لیا کہ قرآن کی رو سے انفال بھی اللہ اور رسولؐ کے ہیں (8/1) اور مال فَے بھی اللہ و رسوؐل کا ہے (59/6) اور ساری کائنات اور کائنات کی تمام موجودات بھی اللہ و رسوؐل کی ہیں تو یہ کہنا صحیح ہے کہ تمام ملائکہ، تمام جنات اور تمام انسان بھی اللہ و رسوؐل کے ہیں۔ یہ غلط ہے کہ کائنات کی موجودات میں، جنات میں، ملائکہ اور انسانوں میں فلاں فلاں انسانوں کا بھی حصہ ہے۔یعنی مثلاً تمام موجودات کا پانچواں حصہ، تمام ملائکہ کا پانچواں حصہ، تمام جنات کا پانچواں حصہ اور تمام انسانوں کا پانچواں حصہ فلاں فلاں انسانوں کا ہے۔اور اللہ و رسولؐ کے دونوں حصوں کے موجودات و ملائکہ و جنات اور انسان خلفائے ثلاثہ کے حصے میں آئیں گے اس لئے کہ وہ خلافت کی خدمت انجام دے رہے ہیں؟

مطلب واضح ہے کہ جو چیز درحقیقت اللہ و رسوؐل کی ہے وہ واقعی اُن ہی کی ہے۔کسی اور کو دخل دینے، حصے بخرے کرنے کا، قانون بنانے کا حق ہرگز نہیں ہے۔اور جو ایسا کرتا ہے وہ اللہ و رسولؐ اور قرآن کے خلاف دین میں مداخلت کرتا ہے اور یقیناً جہنمی ہے۔اللہ و رسوؐل قیامت تک اللہ و رسولؐ ہیں۔ یہاں سے وہاں تک نہ وہ کہیں غائب ہو جانیوالے یا بدل جانے والے ہیں۔نہ ہم اُن کی نظروں سے غائب ہو سکتے ہیں نہ ہماری فلاح و بہبود اور ضروریات سے وہ غافل ہو سکتے ہیں۔لہٰذا وہ کائناتی مال و دولت و سامان میں سے جب اور جتنا ہمارے لئے ضروری ہوگا برابر بتاتے اور دیتے رہیں گے۔نہ ہماری ضرورتیں مستقلاً یکساں رہتی ہیں نہ ہم خود مستقلاً دنیا میں رہنے والے ہیں پھر مستقل اور یکساں حصے بخرے کرنے سے نقصان کے سوا کیا ہوگا۔اور ساری دنیا دیکھ لے کہ مجتہدین نے دین میں مداخلت کی اور جس کی سمجھ میں جو کچھ آتا رہا کرتے رہے۔ بتاؤ آج اُن کے اجتہادات اور مداخلت سے ہم کس مقام پر ہیں؟ کیا کائنات ہم سے تعاون کر رہی ہے؟ کیا زمین، آسمان، ہوائیں اور فضائیں ہمارے تسلط میں ہیں؟ کیا یہ چاند، سورج اور ستارے ہمارا حکم مانتے ہیں؟ یہ تو سب ہمارے لئے مسخر کئے گئے تھے؟ یہ کیوں سب کے سب ہمارے دشمن ہیں؟ جواب یہ ہے کہ تم نے نہ اللہ کو حقیقی اللہ مانا، نہ رسوؐل کو، اور نہ اُس کی کتاب قرآن پر

حقیقی ایمان لائے، نہ سابقہ انبیاؑء اور تعلیمات انبیاؑء سے سروکار رکھنا پسند کیا (نسا 4/136، 4/60) بلکہ دعویٰ ایمان کا کیا اور راہنما جمہوریت، مشاورت اور طاغوتیت کو بنایا (نساء 4/60) قرآن کی تعلیم کو بدلا (25/30) اور دن رات اُسے جھٹلایا (6/66)

ششم۔ <u>انفال کی طرح مال فے بھی اللہ، رسولؐ اور رسولؐ کے ارحام اور قربیٰ کی پوری جنسؑ کے سربراہ کے اختیار میں ہے</u>

انفال میں مال غنیمت کیلئے فرمایا گیا تھا کہ:

فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی ۔الخ (انفال 8/41)

مال فےَ کے لئے فرمایا کہ: فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی ۔الخ (الحشر 59/7)

یعنی ''انفال اور غنیمت کا خمس یقیناً اللہ کے لئے <u>2</u> رسولؐ کے لئے <u>3</u> اور پوری جنسِ اقربا اور ارحام کے سربراہؑ کے لئے ہے۔''

اور ''چنانچہ مالِ فے بھی اللہ کیلئے ہے <u>2</u> رسولؐ کے لئے ہے اور <u>3</u> رسولؐ کے اقربا و ارحام کی پوری جنس کے سربراؑہ کیلئے ہے۔''

دونوں جگہ اس لام مِلکیت کے بعد یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل کو اُن تینوں مالکوں کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ تاکہ وہؑ دنیا سے اُن تمام خرابیوں کو دُور کردیں جن سے غربت وافلاس و بے چارگی اور مسکینی پیدا ہوتی ہے۔ اور دولت و وسائلِ حیات سمٹ کر سرمایہ داروں، اجارہ داروں یا غنیوں میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں۔

<u>انتباہ:</u> یہاں پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ اگر اُن دونوں آیات (انفال 8/41، حشر 59/7) میں یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل کی پوزیشن بھی ویسی ہی ہوتی جیسی اللہ، رسولؐ اور ذیؑ القربیٰ کی ہے تو اُن تینوں کے ساتھ بھی لام مِلکیت آنا ضروری تھا جیسا کہ اللہ، رسولؐ اور ذیؑ القربیٰ کے ساتھ لایا گیا ہے۔ یعنی لِلْیَتٰمٰی، لِلْمَسٰکِیْن، لِابْنِ السبیل۔

پھر یہ نوٹ کریں کہ یہ لامِ ملکیت اختیار وقدرت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ یعنی جو مالک ہوتا ہے وہ اُس چیز پر اختیار وقدرت بھی رکھتا ہے جو اُس کی ملکیت ہے۔ مثلاً اللہ نے فرمایا اور علامہ نے ترجمہ کیا کہ: قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ (آل عمران 3/154)

<u>مودودی ترجمہ</u> ''اِن سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 296) یعنی حصے کی نفی کر دی گئی۔ لہٰذا ہمارے عنوان زیرِ بحث میں یہی کہا گیا ہے کہ:

''انفال کی طرح مال فے بھی اللہ، رسولؐ اور ذی القربیٰؑ کے اختیار (اور ملکیت) میں ہے۔''

اگر یہ لام، لام استحقاق ہوتا یعنی اس لام سے اُن چھ افراد کے حصے مقرر کرنا مقصود ہوتا تو یہ لام صرف ایک دفعہ اللہ کے ساتھ آتا اور باقی پانچ افراد کو واؤ عطف سے شامل کر دیا جاتا جیسے کہ: فَلِلّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ وَذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسَاکِیْنَ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ۔ ایسا نہیں ہے تو حصے بھی نہیں ہیں مانگنے والے چین سے بیٹھیں۔

ہفتم۔ <u>تمام اموال وسامانِ حیات وترقی پر لوگوں کو اختیار وقدرت نہ دینے کا سبب مجتہدین کو محروم رکھنا ہے</u>

اگر اموال اور سامانِ حیات اور وسائلِ ترقی کو لوگوں میں حصہ رسدی، نہایت حسن وخوبی کے ساتھ تقسیم بھی کر دیا جائے تب بھی

چالاک اور دانشور لوگ ایسی ترکیبیں اور چالیں چل سکتے ہیں کہ بتدریج تمام اموال واملاک وسامانِ حیات وترقی سادہ لوح اور کم درجے کی عقل رکھنے والوں کے قابو سے نکل نکل کر صاحبانِ اجتہاد کے قابو میں چلے جائیں گے۔

چنانچہ خلفائے راشدین کے قصائد پڑھنے والے بتائیں کہ اُن کے خودساختہ قصوں کی رُو سے وہ من گھڑت انتظام کتنے دن چلا جو اُن کے ابوبکر وعمر لے کر چلے تھے؟ کیا فاروقی عہد میں حکومت وخلافت کے پانچ امیدوار، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص اور عثمان بن عفان لکھ پتی اور غنی نہ تھے؟ یہ لکھ پتی بنانے والا یا لکھ پتی بننے کا موقع فراہم کرنے والا کون تھا؟ وہی تھا نا جس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے جس کے حسنِ انتظام پر تمام قریش اور ابلیس تک نغمہ سرا ہیں؟ وہی نا جس نے آلِ رسولؐ کے، مؤلفۃ القلوب کے اور انصار کے تمام حقوق چھین کر چھینے ہوئے حصوں کو فلاحِ عامہ پر صرف کیا جس کے نتیجہ میں لکھ پتیوں کا مستقل طبقہ پیدا ہوا اور اُن کی سیرت پر عمل کا عہد کر کے خلافت سنبھالنے والے غنی نے لکھ پتیوں کو کروڑ پتی بنایا اور محلات وقصر تعمیر کرائے اور اُس خبیث ترین زمانے سے لے کر آج تک خلفائے راشدین کے مذہب اور طریقے اور نظام پر چلنے والوں کو دیکھو کہ زر وجواہرات کے انبار اُن لوگوں کے پاس ہیں جو خانہ کعبہ، مکہ ومدینہ کے اور بقول شخصے وارث ابوبکر وعمر وعثمان ہیں جو ساری دنیا میں اسلام جاری کرنے کے مدعی ہیں پھر دانشورانِ اسلام یعنی مسلمان علما کو دیکھو، آیات اللہ، حجۃ اللہ لوگوں کو دیکھو اُن کی گردنیں اتنی موٹی ہیں کہ اُنہیں سُور کی طرح گھومنے اور گھمانے میں دقت ہوتی ہے کوئی لکھ پتی سے کم نہیں۔ داہنے دیکھو یا بائیں یعنی شیعہ علما کو دیکھو یا سنی علما پر نظر ڈالو سب فراعنہ مصر والا لباس پہنتے ہیں دولت سے اور دین سے کھیلتے ہیں۔ اس تمام شیطانی نظام کو روکنے اور مسمار کرنے کے لئے اموال واملاک وسامان بقا وترقی پر لوگوں کو اختیار نہیں دیا گیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ ہر فرد نوع انسان کو اُس کی ضرورت کے مطابق بروقت وقبل از وقت ہر چیز ملتی رہے۔ وہ بے روک اور لامحدود ترقی کرتے چلے جائیں تم نے اُس نظام کو پسند نہ کیا اپنا اور اپنی پسند کا نظام بنایا، قرآن کو اپنے نظام پر موزوں کیا۔ یہی نہیں کیا بلکہ علیؑ، اولادِ علیؑ اور طرفدارانِ علیؑ کو باغی ٹھہرایا، اُنہیں ہندوستان کے صوبہ سندھ سے لے کر افریقہ تک ملعون قرار دیا، ہر منبر ومسجد سے اُن پر 99 ہجری تک لعنت وتبرا کرایا۔ یہی نہیں کیا بلکہ کربلا میں اُنکے خاندان وانصار کا قتل عام کرایا، رسولؐ کے حرم کو ایک سال قید رکھا، اُنکے خاندان کے ہر آنے والے سربراہ کو قتل کرتے رہے اور اُن کے پیروؤں کا قتل عام جاری رکھا، اُن کو روزگار سے محروم کیا آخر تمہیں قطعاً آزاد چھوڑ کر تم سے کنارہ کش ہوگئے۔ مگر بتاؤ تم خلفائے راشدین کے طریقوں پر چل کر کامیاب ہوئے یا ناکام؟ تم اب بھی ہم سے بحثیں کرتے ہو، اب بھی قرآن کو من وعن قبول کرنے کو تیار نہیں۔ سُنو ابوبکر وعمر اور عثمان غنی نے علیؑ کا نظام کیوں اختیار نہ کیا؟ یہ آیت پھر سنو اور پوری سنو:

مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا، وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ o لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ o وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ

اِلَیۡهِمۡ وَ لَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ وَ لَوۡ کَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ o وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ o (الحشر 10 تا 59/7)

(1) انسانوں کی آسودہ حالی اور ترقی اللہ، رسولؐ اور ذی القربیٰؑ کے ذمہ

''ہر وہ مال و املاک و سامانِ آسائش و ترقی جسے اللہ اپنے رسوؐل کو، واپس دلائے وہ اللہ کی ملکیت و اختیار میں، رسوؐل کی ملکیت و اختیار میں اور ذی القربیٰؑ کی ملکیت و اختیار میں رہے گا اور یتیمی، مسکینی اور مارے مارے پھرنے کو آسودہ حالی و ترقی سے بدلنے کے لئے اُن کی بصیرت کے ماتحت استعمال ہوگا۔

(2) اللہ، رسولؐ اور ذی القربیٰؑ غنیوں اور سرمایہ داروں کی روک تھام کریں گے

تاکہ اموال اور سامانِ آسائش و ترقی دولتمندوں، سرمایہ داروں، اجارہ داروں اور غنیوں (یعنی عثمانوں) ہی کے اندر نہ گھومتے رہیں۔

(3) خلیفۂ خداوندی کے اختیارات و احکام و تقسیم میں مداخلت پر شدید عذاب ہوگا

اور یہ یاد رکھو کہ رسوؐل اللہ، محمدؐ جو کچھ بھی تمہیں دیا کریں وہ بلا چوں و چرا لے لیا کرو اور جو کچھ نہ دیں اور جس چیز سے منع کر دیں اُس سے بلا تکلف باز رہا کرو اور حکم عدولی و سرتابی کے معاملے میں اللہ سے بچ کر رہو اس لئے کہ اللہ یقیناً رسوؐل کی حکم عدولی، سرتابی اور زیادہ حصہ مانگنے پر سخت عذاب سے دوچار کرنے والا ہے۔

(4) یہ انتظام اُن مہاجرین کو بھی آسودہ حالی فراہم کرے گا جنہیں اُن کا مال واسباب چھین کر فقیری کے عالم میں جلاوطن کیا گیا

اللہ و رسولؐ اور ذی القربیٰؑ کا یہ انتظام ان مہاجرین کی آسودہ حالی اور ترقی کا بھی ذمہ دار ہے جن سے اُن کا مال و اسباب اور گھر بار چھین کر انہیں اُن کی بستیوں سے نکال دیا گیا اور جو اللہ کی خوشنودی اور اُس کے فضل کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر چلے آئے اور اللہ و رسوؐل کی نصرت میں منہمک ہیں وہی لوگ سچے اور مخصوص مہاجر ہیں۔

(5) انصارِ مدینہ مہاجرین سے پہلے مومن تھے یعنی مخصوص ایماؑن کے مخصوص خانہ زاد اور مہاجرین کو محبوب رکھتے تھے

اور اُن لوگوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائیگا جو مہاجرین سے پہلے کے مومن تھے یعنی وہ تو ایمانِ مجسمؑ کے اپنے خانہ زاد، ایمان میں رچے بسے ہوئے لوگ ہیں جو ہجرت کر کے اپنے پاس پناہ کیلئے آنے والوں سے پیارا پیارا سلوک کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ بھی دیدیا جائے اُس میں سے کچھ لینے کی احتیاج اپنے دلوں تک میں بھی محسوس نہیں کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ خود اپنے ذاتی اموال واملاک اور حصے میں سے بھی مہاجرین کو بطور ایثار و قربانی دیتے رہتے ہیں اور اپنی تنگ حالی اور غربت کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ان انصار کی طرح دل تنگی اور تنگ دامنی سے محفوظ ہیں وہی وہ لوگ ہیں جو کامران و بامراد ہو چکے ہیں۔

(6) غریب وفقیر مہاجرین کے بعد مہاجر جو حیاتِ رسولؐ تک آتے رہے اُن سے احسان کا سلوک

اور جو لوگ بھی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں جو لُٹ پِٹ کر آنے والے مہاجرین کے بعد سورۂ حشر کے پڑھے جانے سے پہلے پہلے مدینہ میں آچکے ہیں (جَـآءُوْ) اور یہ دعا کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے (یَـقُـوْلُـوْن مضارع ہے) کہ اَے ہمارے پروردگار تو ہماری اور ہمارے اُن تمام بھائیوں کی مغفرت اور تحفظ کا انتظام کردے جو ایمان لانے میں ہم پر سبقت لے گئے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں مومنین کے لئے کوئی بھی انتقامی جذبہ نہ آنے دینا حقیقتاً تُو تو ہے بھی مہربانی اور رحم کرنے والا''(الحشر 10 تا59/7)

ہشتم۔ اموال واملاک وسامانِ آسائش وترقی کے نظام کو بدلنے کے سلسلے میں مودودی اینڈ کمپنی کو جوابات

آپ جانتے ہیں اور یہ بحث ہوتی چلی آرہی ہے کہ دانشورانِ قریش نے قرآن کو اپنی قائم کردہ قومی حکومت اور حکمرانوں کی پالیسیوں پر ڈھالنے کے لئے حدیث کے نام پر، بڑے غور وفکر وتدبر سے، افسانے، قصے اور واقعات گھڑے اور قرآن کو اُن افسانوں، قصوں اور واقعات کے مطابق اور اُن کا ہمنوا بنانے کے لئے قرآن کے تمام کلیدی مقامات کی عموماً اور خلافتِ مرتضویؑ سے متعلق آیات کی خصوصاً تحریف کی اور ہم دکھا چکے ہیں کہ یہ عملدرآمد زمانۂ نزولِ قرآن اور عہدِ رسولؐ ہی میں جاری تھا اور رسولؐ اللہ کی زبانی اللہ نے اس تحریف و تبدیل کی تصدیق کی ہے۔ (فرقان 25/30) اور قریش کو مجرم قرار دیا ہے (25/31) اور آخر یہ فیصلہ کردیا ہے کہ واقعی تیری قوم نے اپنی تحریف وسخن سازی سے قرآنی حقائق کو جھٹلا دیا ہے (انعام 6/66) چنانچہ علامہ مودودی نے اپنے راہنماؤں کی سنت وسیرت کی پیروی کرتے ہوئے مندرجہ بالا آیات (الحشر 10 تا59/6) کو نہایت عمدگی سے اپنی خلافت باطلہ پر فٹ کردیا ہے۔ اور ایسا کرنے میں بڑی جرأت وجسارت اور کھلی کھلی بے قاعدگی اور بددیانتی اور اصول شکنی وخیانت سے کام لیا ہے۔

اوّل۔ علامہ اینڈ کمپنی اللہ، رسولؐ اور ذی القربیٰؑ کو قیامت تک ہونے والے مسلمانوں کے برابر کردیتی ہے

علامہ مودودی مندرجہ بالا آیات کے ترجمے اور بہت سے تشریحات کرنے کے بعد براہ راست اُس نظام کی حقانیت کی ذیل میں ایک طویل بیان دیتے ہیں جو اُن کے امیر المؤمنین عمر فاروق نے اللہ ورسولؐ کے اختیارات پر قبضہ کر لینے کے بعد قائم کیا تھا۔ ہم اس بیان کا وہ جملہ نقل کرتے ہیں جس کے غلط ہونے پر فاروقی عمارت بیخ وبُن سے اُکھڑ جاتی ہے اور تمام لیپاپوتی اور سخن سازی یک سر باطل ہوجاتی ہے، سنئے:

(1) مودودی کا فیصلہ کن بیان: ''20۔ یہاں تک جو احکام ارشاد ہوئے ہیں اُن میں یہ فیصلہ کردیا گیا ہے کہ فَۓ میں اللہ اور رسولؐ اور اقربائے رسولؐ، اور یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل، اور مہاجرین اور انصار، اور قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کے حقوق ہیں۔ قرآن پاک کا یہی وہ اہم قانونی فیصلہ ہے جس کی روشنی (یا اندھیرے۔ احسنؔ) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق، شام اور مصر کے مفتوحہ ممالک کی اراضی اور جائیدادوں کا اور اُن ممالک کی سابق حکومتوں اور اُن کے حکمرانوں کی املاک کا نیا بندوبست کیا۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 397)

(2) مودودی کا دوسرا تائیدی جملہ: ''21۔ اس آیت (59/10) میں اگرچہ اصل مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ فَۓ کی تقسیم میں حاضر و

موجود لوگوں کا ہی نہیں، بعد میں آنیوالے مسلمانوں اور اُنکی آئندہ نسلوں کا حصہ بھی ہے۔لیکن ساتھ ساتھ اِس میں ایک اہم اخلاقی درس بھی مسلمانوں کو دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کے دل میں کسی دوسرے مسلمان کیلئے بغض نہ ہونا چاہئے اور مسلمانوں کیلئے صحیح رَوِش یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف (مثلاً یزید و معاویہ، شمر و ابن زیاد وغیرہ۔احسنؔ) کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہیں۔نہ یہ کہ وہ اُن پر لعنت بھیجیں اور تبرا کریں (جیسا کہ معاویہ اور اُس کی نسل کے حکمرانوں کی سنت ہے۔احسنؔ) مسلمانوں کو جس رشتے نے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا ہے وہ دراصل ایمان کا رشتہ ہے۔اگر کسی شخص کے دل میں ایمان کی اہمیت دوسری تمام چیزوں (مثلاً نماز اور رسولؐ کی نصرت یعنی جہاد وغیرہ۔احسنؔ) سے بڑھ کر ہو تو لامحالہ وہ اُن سب لوگوں (مثلاً ابوسفیان، ہندہ، مروان اور حکم بن العاص۔احسنؔ) کا خیر خواہ ہوگا جو ایمان کے رشتے سے اُسکے بھائی ہیں۔اُن کیلئے بدخواہی اور بغض اور نفرت اُسکے دل میں اُسی وقت جگہ پا سکتی ہے جبکہ ایمان کی قدر اُس کی نگاہ میں گھٹ جائے اور کسی دوسری چیز کو وہ اس سے زیادہ اہمیت دینے لگے۔لہٰذا یہ عین ایمان کا تقاضہ ہے کہ ایک مومن کا دل کسی دوسرے مومن کے خلاف نفرت و بغض سے خالی ہو۔'' (ایضاً جلد 5 صفحہ 403-404)

یہاں تک لکھ کر علامہ ایک قریشی ساخت کا قصہ لکھتے ہیں تا کہ اُن کے موقف کی تائید مزید ہو جائے۔اس کے بعد ایک مسلسل طویل بیان لعنت و تبرا کو روکنے کے لئے دیا ہے۔جسے ہم اس لئے نظر انداز نہیں کرنا چاہتے تا کہ ہمارے قارئین اُن کے بیان سے مستفید ہو سکیں اور اگر صحیح سمجھیں تو آئندہ اُن لوگوں کو ملعون و مردود نہ کہا کریں جنہیں ہمارے بعض قارئین دل کی گہرائی سے ملعون سمجھتے چلے آ رہے ہیں۔وہ سارا بیان سنئے سمجھئے اور اگر غلط کام کرتے ہوں تو اُسے ترک کر دیجئے: (مسلسل بیان جاری ہے)

''اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی مسلمان اگر کسی دوسرے مسلمان کے قول یا عمل میں کوئی غلطی پاتا ہو تو وہ اُسے غلط نہ کہے۔ایمان کا تقاضا یہ ہرگز نہیں ہے کہ مومن غلطی بھی کرے تو اس کو صحیح کہا جائے، یا اُس کی غلط بات کو غلط نہ کہا جائے۔لیکن کسی چیز کو دلیل کے ساتھ غلط کہنا اور شائستگی کے ساتھ اُسے بیان کر دینا اور چیز ہے، اور بغض و نفرت، مذمت اور بدگوئی اور سب و شتم بالکل ہی ایک دوسری چیز۔یہ حرکت زندہ معاصرین کے حق میں کی جائے تب بھی ایک بڑی برائی ہے، لیکن مرے ہوئے اسلاف کے حق میں اس کا ارتکاب تو اور زیادہ بڑی برائی ہے، کیوں کہ وہ نفس ایک بہت ہی گندہ نفس ہوگا جو مرنے والوں کو بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔اور ان سب سے بڑھ کر شدید برائی یہ ہے کہ کوئی شخص اُن لوگوں کے حق میں بدگوئی کرے جنہوں نے انتہائی سخت آزمائشوں کے دور میں رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم کی رفاقت کا حق ادا کیا تھا اور اپنی جانیں لڑا کر دنیا میں اسلام کا وہ نور پھیلایا تھا۔جس کی بدولت آج ہمیں نعمتِ ایمان میسر ہوئی ہے۔اُن کے درمیان جو اختلافات رُونما ہوئے اُن میں اگر ایک شخص کسی فریق کو حق پر سمجھتا ہو اور دوسرے فریق کا موقف اُس کی رائے میں صحیح نہ ہو تو وہ یہ رائے رکھ سکتا ہے اور اُسے معقولیت کے حدود میں بیان بھی کر سکتا ہے۔مگر ایک فریق کی حمایت میں ایسا غلو کہ دوسرے فریق کے خلاف دل بغض و نفرت سے بھر جائے اور زبان و قلم سے بدگوئی کی تراوش ہونے لگے، ایک ایسی حرکت ہے جو کسی خدا ترس انسان سے سرزد نہیں ہو سکتی۔قرآن کی صریح تعلیم کے

خلاف یہ حرکت جولوگ کرتے ہیں وہ بالعموم اپنے اس فعل کے لئے یہ عذر بیان کرتے ہیں کہ قرآن مومنین کے خلاف بغض رکھنے سے منع کرتا ہے۔اور ہم جن کے خلاف بغض رکھتے ہیں وہ مومن نہیں بلکہ منافق تھے۔لیکن یہ الزام اُس گناہ سے بھی بدتر ہے جس کی صفائی میں یہ بطورِ عذر پیش کیا جاتا ہے۔قرآن مجید کی یہی آیات جن کے سلسلۂ بیان میں اللہ تعالیٰ نے بعد کے آنے والے مسلمانوں کو اپنے سے پہلے گزرے ہوئے اہلِ ایمان سے بغض نہ رکھنے اور اُن کے حق میں دعائے مغفرت کرنے کی تعلیم دی ہے، اُن کے اِس الزام کی تردید کے لئے کافی ہیں۔ان آیات میں یکے بعد دیگرے تین گروہوں کو فَے کا حقدار قرار دیا گیا ہے اوّل مہاجرین دوسرے انصار تیسرے اُن کے بعد آنے والے مسلمان۔اوران بعد کے آنے والے مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے کہ تم سے پہلے جن لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی ہے اُن کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔ظاہر ہے کہ اس سیاق وسباق میں سابقین بالایمان سے مُراد مہاجرین وانصار کے سوااور کوئی نہیں ہوسکتا۔پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ حشر کی آیات گیارہ تا سترہ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ منافق کون لوگ تھے اِس سے یہ بات بالکل ہی کھل جاتی ہے کہ منافق وہ تھے جنہوں نے غزوہ بنی نضیر کے موقع پر یہودیوں کی پیٹھ ٹھونکی تھی، اور اُن کے مقابلے میں مومن وہ تھے جو اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ (آلہٖ) وسلم کے ساتھ شامل تھے۔اس کے بعد کیا ایک مسلمان، جو خدا کا کچھ بھی خوف دل میں رکھتا ہو، یہ جسارت کرسکتا ہے کہ اُن لوگوں کے ایمان کا انکار کرے جن کے ایمان کی شہادت اللہ تعالیٰ نے خود دی ہے؟'' (تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 404-405)

دوم۔ **مودودی کے حق وباطل سے مُرکب بیانات کا فریب ودروغ ہونا قرآن اور مُسلّماتِ مودودی سے دیکھیں**

ہم نے عرض کیا تھا کہ ''مودودی کا دوسرا تائیدی جملہ'' اور اسکے ماتحت اُنکے دوسرے بیان کا پہلا جملہ ہمارا حقیقی ہدف تھا۔لیکن ہم نے دیکھا کہ آگے چل کر علامہ نے بڑے اہتمام وانتظام کے ساتھ فریب کارانہ اپیل کے ذریعے ملاعین کی طرفداری کی ہے۔اور ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ سادہ دل اور پُرخلوص مومنین اُن کے فریب میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ملعون کہنا چھوڑ سکتے ہیں جن پر اللہ اور تمام انسان لعنت کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ اُن کی مغفرت کی دعا بھی کرنے لگیں، جن کے لئے دعا کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہوسکتا ہے۔لہٰذا ہم نے اُس طویل ومکروہ بیان کو پورا ہی لکھ دیا ہے تا کہ بیان الامامت کے قارئین ملاعین کی فہرست میں علامہ مودودی کا نام بھی بڑھا لیں۔اب ہم مودودی اور اُنکے فاروق اینڈ کمپنی کو جواب دینا شروع کرتے ہیں اور اُنکے ہر دعوے اور موقف کا بُطلان دکھاتے ہیں۔

(1) قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو فَے میں حصہ دار قرار دینا ہی قریش کے مُسلّمہ حصہ داروں کو باطل کر دیتا ہے

یہ حقیقت سمجھنے کے لئے فاروقی اسکیم میں، اموال واملاک وسامان آسائش وترقی میں یعنی، فَے میں حصہ داری زبردستی اور قرآن کی منشا اور قرآن کے الفاظ کی مخالفت ہے صرف ایک دعوے کے غلط ہو جانے سے ثابت ہو جاتی ہے۔مودودی اینڈ کمپنی نے حصہ داروں کی تعداد بڑھاتے بڑھاتے آخر یہ دعویٰ اُن دونوں بیانات میں تین جگہ کیا ہے کہ:

(الف) ''یہاں تک جو احکام ارشاد ہوئے ہیں اُن میں یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ فَے میں اللہ اور رسولؐ، اقربائے رسولؐ اور یتامیٰ

اور مساکین اور ابن السبیل، اور مہاجرین اور انصار، اور ''قیامت تک آنیوالی مسلمان نسلوں کے حقوق ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 397)

(ب) ''اِس آیت (59/10) میں اگرچہ اصل مقصود یہ بتانا ہے کہ فَے کی تقسیم میں حاضر وموجود لوگوں کا ہی نہیں، بعد میں آنے والے مسلمانوں اور اُن کی آئندہ نسلوں کا حصہ بھی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 403)

(2) علامہ نے قرآن اور اللہ پر تہمت لگائی ہے اور خود اپنے ترجمہ کے بھی خلاف فریب دیا ہے

قارئین سورۂ حشر کی آیت نمبر 10 میں اللہ نے وہ فیصلہ نہیں کیا جس کا مودودی نے دعویٰ کیا ہے۔ تمام مترجمین کے ترجمے اور خود مودودی کا ترجمہ اُن کو کاذب ثابت کرتا ہے۔ آپ یہ آیت اور مودودی کا ترجمہ دیکھیں یا کوئی اور ترجمہ دیکھیں آپکو اِس آیت میں ہرگز قیامت تک آنے والوں کا اشارہ تک نہ ملے گا:

وَ الَّذِیْنَ جَآءُ وْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ ...... الخ (حشر 59/10)

مودودی ترجمہ ''جو اِن اگلوں کے بعد آئے ہیں جو کہتے ہیں۔''

شاہ ولی اللہ کا ترجمہ ''ونیز آناں را است کہ آمدند بعد از مہاجران۔'' (ترجمہ صفحہ 722)

شاہ عبدالقادر ''اور واسطے اُن کے جو آئے اُن سے پیچھے۔'' (ایضا صفحہ 722)

احمد رضا صاحب ''اور وہ جو اُن کے بعد آئے۔ عرض کرتے ہیں۔'' (ترجمہ صفحہ 792)

فتح محمد صاحب ''اور جو اُن کے بعد آئے دعا کرتے ہیں۔'' (ترجمہ صفحہ 739)

شاہ رفیع الدین صاحب ''اور واسطے اُن لوگوں کے کہ آئے پیچھے اُن کے کہتے ہیں۔'' (ترجمہ صفحہ 659)

مودودی سمیت یہ چھ ترجمے اس آیت میں صرف اُن لوگوں کی بات کرتے ہیں جو مہاجرین کے بعد مدینہ آ چکے تھے اور اس حد تک یہ سب کے سب ترجمے صحیح ہیں اس لئے کہ اُن بعد میں آ چکنے والے مسلمانوں کیلئے آیت میں لفظ ''جَآءُ وْ'' آیا ہے جو ماضی جمع مذکر غائب ہے۔ یعنی جن لوگوں کا ذکر ہے وہ کئی ایک آدمی تھے اور زمانہ گزشتہ میں آ چکے تھے۔ لہٰذا یہاں، نہ کہیں اور' قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی نسلوں کا ذکر نہیں ہے۔ اور نہ صرف مودودی اور اُن کے فاروق کا تصور باطل ہو گیا بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قریشی علما ابوبکر وعمر کے عقائد اور اعمال کو ثابت کرنے کے لئے اِن آیات میں خواہ مخواہ بلا داخلی دلیل کے فَے میں حصہ دار بناتے رہے ہیں۔

(3) مودودی اور ابوبکر وعمر اس لئے بھی فریب ساز ہیں کہ آج مسلمانوں کو فَے کا کوئی حصہ نہیں ملتا ہے

ہم بہت خوش ہوتے اور شاید مودودی کے فاروق کو معاف کر دیتے اگر اُنہوں نے ایسا نظام جاری کیا ہوتا جس سے ہمیں چودھویں صدی میں اموال فَے کا حصہ ملتا اور ہم سے پہلوں کو عمر کے زمانہ سے اب تک اور اب سے قیامت تک مسلمانوں کی نسلوں کو اموال فَے میں سے برابر کا حصہ ملتا چلا جاتا۔ مگر فاروق اعظم دنیا کے سب سے بڑے بلکہ ابلیس سے بھی بڑے جعلساز و دھوکے باز تھے (اعراف 7/175) اُنہوں نے اللہ و رسولؐ اور قرآن کی کھلی مخالفت کی قومی اجماع سے علیؑ کی حکومت کو غصب کیا (الفاروق حصہ اوّل

صفحہ 103) خاندانِ رسولؐ کومحتاج وقلاش کرنے کے لئے قرآن اور رسولؐ کے عطا کردہ مالی حقوق بھی غصب کر لئے اوران تمام مظالم و غصب ونہب کو جائز قرار دینے کے لئے رفاہِ عامہ اور مفاد عامہ کا جھانسہ دیا تا کہ لوگ اعتراض نہ کرسکیں اور خاندانِ مرتضویؐ کے خلاف اُن کے ہمنوا بنائے جاسکیں لیکن مفاد عامہ سے اُن کا مقصود اُن کی اپنی قوم تھا۔ چنانچہ واصل جہنم ہونے سے یعنی مرنے سے پہلے پہلے سینکڑوں کروڑ پتی اوراغنیاء تیار کر دیئے اور وہ اصول وقواعد نافذ کر دیئے جن سے کوئی غریب ومحنت کش آدمی سر براہ مملکت نہ بن سکے اور آج تک دیکھ لوکہ اور تو اور خود کمیونسٹ ممالک میں بھی کوئی غریب ومزدور سر براہ مملکت نہیں بن سکتا۔ یہ اُسی ملعون کی ابلیسی سُنت ہے جس کو ساری دنیا میں پسند کیا جاتا ہے اس لئے کہ سرمایہ دار تمام بھائی بھائی اور ہم مذہب ہوتے ہیں۔ خواہ وہ مزدوروں کے نام پر حکومت بنائیں خواہ اسلام کا نعرہ مار کر حکومت قائم کریں وہ سب زر پرست اور محنت کشوں اور مزدوروں کا خون چوسنے کے لئے اسلام پرست اور مزدور دوست بن جاتے ہیں وہ دراصل طاغوت کے پرستار ہوتے ہیں دولت اُن کا دین ہوتا ہے۔

(4) اموالِ فَے فاروق کے ہم مذہب سر براہانِ ممالک خود کھاتے رہے یعنی وہ اپنے امیر المؤمنین کے مخالف تھے

ہم نے مالِ فَے کو بیان کرنے والا یہ جملہ بطورِتعریف برابر لکھا ہے: ''فَے یعنی اموال واملاک وسامانِ آسائش وترقی'' یہ اس لئے کہ فَے میں کائنات کی ہر وہ چیز داخل ہے جس کو وجود میں لانے کے لئے انسان کی محنت ذمہ دار نہ ہو اُس کے قلب وذہن کی کاوش کا نتیجہ نہ ہو یعنی اُس کو وجود میں لانے میں انسان کا ہاتھ کسی طرح داخل نہ ہوا ہو۔ لہٰذا دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں، ہواؤں، فضاؤں اور زمین کی تیار کی ہوئی تمام چیزیں فَے کے اندر داخل ہیں جو باقی تمام موجودات کی طرح اللہ کی ملکیت اور اختیار میں ہیں جو اُس نے نوع انسان کی فلاح و بہبود، آسائش وآرائش اور ترقی کے لئے پیدا کی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اُن تمام معلوم ونا معلوم اشیا کو عملاً بروئے کار لانے کے لئے اللہ کا جانشین مالکانہ اختیار وقدرت وعلم رکھتا ہے۔ اور اللہ کی طرح اُس کے موزوں ترین استعمال کو جانتا ہے اور بروقت ہر ضرورت مند کو پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ اور چونکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک اللہ کے جانشین وخلیفہ ہیں اس لئے فَے پر وہ تمام اختیارات وقدرت وعلم رسولؐ کو جنم دینے والوں یعنی اُولوا الارحام جو تمام مہاجرین وانصار ہی کے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام مومنین کے ہمدرد ترین حاکم اور اُن کی جانوں پر مختار ہیں اور رسولؐ کے اقربا کی پوری جنس (القربیٰ) (جس میں اولوا الارحام بھی داخل ہیں) کے سر براہ علیہ السلام کو حاصل ہے۔ اس لئے کہ وہ عہد رسولؐ میں موجود ونامزد تھے۔ اور رسولؐ کی جگہ رسولؐ کی طرح قیامت تک دیگر فرائض کے ساتھ فَے سے استفادہ کرانے کا نظام قائم کرنے کے ذمہ دار تھے۔

لیکن اُس نظام کو پیچھے ہٹا کر ابو بکر وعمر نے اپنا قومی نظام آگے بڑھایا اور دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ رسولؐ کے نظام فَے کو بھی سنبھالا اور دنیا کو بتایا کہ ہم اس نظام کو ایک خاندان میں رکھنے کے بجائے تمام انسانوں کو قیامت تک مستفید کریں گے۔ اس قاعدے پر اُن تمام علما اور حکمرانوں کو عمل کرنا چاہیئے تھا جو ابو بکر وعمر کے مذہب اور نظام کو برحق مانتے اور اہل سنت کہلاتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سعودی عرب کے عرب حکمرانوں سے لیکر عمر تک تمام حکمران فَے سے تمام مسلمانوں کو محروم رکھتے اور خود مستفید ہوتے رہے ہیں۔ کیا ہم

مسلمان سربراہانِ ممالک کو عمر کا ماننے والا اہل سنت مان لیں؟ جو پٹرول اور دیگر معدنیات کی آمدنی کروڑوں روپے سالانہ اپنی عیاشی اور بدمعاشی پر صرف کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بقول عمر فَے کا حصہ نہیں دیتے؟ دراصل علیؑ کو محروم کرنے کے لئے عمر نے یہ خوبصورت بہانہ اختیار کیا تھا۔ مفادِ عامہ کی آڑ میں تمام مسلمانوں کو فریب دیا تھا اور کچھ نہیں۔

(5) اموال فے کی آیات (6 تا 59/10) میں حصہ تو کہاں تمام مہاجرین کا تذکرہ بھی نہیں مل سکتا ہے

مودودی نے اپنے دونوں بیانات میں تمام مہاجرین کو حصہ دار ٹھہرایا ہے لیکن آیات میں صرف مہاجرین کے فقیروں یا غریب محتاج لُٹے پٹے لوگوں کا ذکر ہوا ہے۔ آپ خود قرآن میں دیکھ لیں یا وہ آیت اور خود علامہ کا ترجمہ دیکھیں، اللہ نے فرمایا ہے کہ:

لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَ اَمۡوَالِهِمۡ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا وَّ يَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ o (الحشر 59/8)

مودودی ترجمہ ''اُن غریب مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کئے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اُس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔''
(الحشر 59/8؛ تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 393 تا 395)

(6) علامہ نے صحیح ترجمہ کردینے کے بعد بھی مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے

یہ ترجمہ کسی بھی عام عربی دان کو یا کسی بھی اسلامی جماعت کے عربی داں کو دکھا کر پوچھیئے کہ کیا اس آیت میں تمام مہاجرین کو فے میں حصہ دار کہا گیا ہے؟ یقین کیجئے کہ عربی داں شخص یہ کہے گا کہ ''ہرگز تمام مہاجرین حصہ دار نہیں ہیں بلکہ صرف غریب وفقیر مہاجر کو حصہ دار کہا گیا ہے۔ یعنی علامہ نے اور اُن کے فاروق نے اس معاملے میں بھی دھوکے سے کام لیا ہے۔

(7) علامہ نے آیت (59/8) کے آخری جملہ کا ترجمہ غلط کیا ورنہ باقی غنی مہاجرین کی ہجرت جھوٹی اور برائے نام رہ جانے کا خطرہ تھا

علامہ جس آیت (59/8) سے ابوبکر وعمر وعثمان اینڈ کمپنی کو مال فَے میں حصے دار بنانے چلے تھے وہ تو سچے مہاجرین صرف اُن لوگوں کو ثابت کرنے آئی تھی جو مکے یا کسی اور بستی سے اس طرح نکالے گئے ہوں کہ اُن کا تمام مال وملکیت وہیں رہ گئی ہو اور وہ خالی ہاتھ وہاں سے نکل کر آگئے ہوں۔ اس لئے انہیں فُقَرَآء قرار دیا گیا کہ وہ اب کپڑوں، پیسوں اور کھانے پینے کی اور تمام ضروریاتِ زندگی کی چیزوں سے محروم اور دوسروں کی ہر مدد کے محتاج تھے۔ رہ گئے وہ لوگ جنہیں دشمنوں نے نہیں نکالا اور جو اپنا اپنا مال و زر اور کنبے ساتھ لے کر آئے وہ معنوی حیثیت سے تو مہاجر ہی کہلائیں گے۔ لیکن اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ میں شمار نہ ہوں گے۔

علامہ نے آیت کے اس آخری، ریمارکس والے، جملہ کا ترجمہ غلط ہی کیا ہے۔ علامہ کی غلطی دیکھئے:

1 اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ (حشر 59/8) مودودی ترجمہ: ''یہی راستباز لوگ ہیں۔'' اور دیکھئے:

2 اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ (حجرات 49/15) مودودی ترجمہ: ''وہی سچے لوگ ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 101)

اس آیت (49/15) سے ثابت ہوا کہ مودودی نے مہاجرین والی آیت کا ترجمہ غلط کیا تھا۔ ویسے بھی تمام اُردو دان جانتے ہیں کہ ''صادق'' سچے کو اور ''صدق'' سچ یا سچائی کو کہتے ہیں۔ اور ''راست باز'' معنی کرنا اس لئے بھی غلط ہے کہ مہاجرین میں کے وہ غریب لوگ ہی راست باز نہ تھے بلکہ راست باز اور بھی بہت لوگ تھے۔ اور بہت سے راست بازوں کی موجودگی میں صرف اُن ہی کو راست باز کہنا دو صورتوں سے خالی نہ ہوگا۔ اوّل یہ کہ باقی لوگوں میں کوئی اور اُن کے سوا راست باز تھا ہی نہیں۔ دوم یہ کہ اگر تعداد میں اُن سے زیادہ یا برابر یا کم تعداد میں اور لوگ بھی راستباز موجود تھے تو اُن کو راست باز کہنا کوئی خاص بات نہ ہوئی بلکہ ایک فضول بات ٹھہرتی ہے۔ اس لئے بھی صٰدقون کے معنی ہرگز راست باز نہ کرنا چاہئیں۔

مودودی کے ترجمے اُن کی اپنی ہی مذہبی مصلحت کے ماتحت ہوتے ہیں: ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ علامہ تو لفظ رَشید کے معنی ''راست باز'' کرتے ہیں۔ دیکھئے کہ کفار لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کو بطورِ طنز کہتے ہیں کہ:

3 اِنَّکَ لَاَنۡتَ الۡحَلِیۡمُ الرَّشِیۡدُo (ھود 11/87)

مودودی ترجمہ: ''بس تُو ہی تو ایک عالی ظرف اور ''راست باز'' آدمی رہ گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 361)

اب تو اسلامی جماعت کے بھی ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ علامہ نے کسی خاص مصلحت کے ماتحت مہاجرین میں کے غریب اور لٹے پٹے لوگوں کے معاملے میں لفظ ''اَلصّٰدِقُوۡن'' (مخصوص سچے لوگوں) کا ترجمہ ''راست باز'' غلط کیا تھا۔

علامہ کی مصلحت کیا تھی؟ یہ سمجھنے کے لئے دو عدد اور آیتوں کا ترجمہ دیکھئے

علامہ کی اُس خاص مصلحت کو دلیل کے ساتھ سمجھنے اور پختہ یقین حاصل کرنے کے لئے قرآن سے لفظ ''صَادِقِیۡن'' کے متعلق دو آیات کا مودودی ترجمہ دیکھ کر پہلے تو دوبارہ یہ دیکھ لیں کہ لفظ صَادِق یا صَادِقُوۡن یا صَادِقِیۡن کے معنی ہرگز ''راست باز'' نہیں ہو سکتے بلکہ ''سچ یا سچے'' ہوتے ہیں۔ اور دوسرے یہ سمجھ لیں کہ جہاں جہاں الفاظ صَادِقِیۡن یا صَادِقُوۡن کسی آیت کے آخر میں آتے ہیں وہاں یا تو زیرِ گفتگو لوگوں کے خیالات کی سچائی پر سوال کیا جاتا ہے یا زیرِ بحث لوگوں کے عمل کی تصدیق کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں اِن دونوں باتوں کا نمونہ بھی دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ ایسی آیات کے ترجموں میں ایک مترجم اپنی طرف سے توضیحی الفاظ کا اضافہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہم علامہ کے ترجمے میں اُن کے بڑھائے ہوئے الفاظ کو انڈر لائن کر کے نمایاں کریں گے۔ آیات اور ترجمہ دیکھیں:

4 قُلۡ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ ھَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ اَوۡلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَo (62/6)

مودودی ترجمہ: ''اُن سے کہو ''اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو، اگر تمہیں یہ گھمنڈ ہے کہ باقی سب لوگوں کو چھوڑ کر بس تم ہی اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اِس زعم میں سچے ہو'' (سورہ جمعہ 62/6؛ تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 489-490)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم ہی اللہ کے چہیتے ہو تو ذرا موت کی تمنا کر کے دکھاؤ تب تم سچے ثابت ہو جاؤ گے۔ یعنی اگر تم مرنے کی دعا کرو اور اللہ تمہیں موت نہ دے تو ثابت ہو جائے گا کہ تم واقعی اللہ کو بہت پیارے ہو۔ مگر یہودی جانتے تھے کہ اگر ہم نے رسولؐ اللہ کے سامنے یہ تمنا

کردی اور رسولؐ اللہ نے آمین کہہ دی تو خس کم جہاں پاک ہو جائے گا۔

5 یَمُنُّوۡنَ عَلَیۡکَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَیَّ اِسۡلَامَکُمۡ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ھَدٰکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ o

مودودی ترجمہ: ''یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اِن سے کہو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو؟''
(حجرات 49/17؛ تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 102)

قارئین دونوں آیات کے ترجمہ میں یہ دونوں جملے علامہ نے منشائے خداوندی کی وضاحت کرنے کے لئے بڑھائے ہیں:

اوّل: ''اپنے اس زعم میں'' اور دوم ''واقعی اپنے دعوائے ایمان میں''

بالکل اسی طرح اور اسی مسلمہ قاعدے کی رُو سے اس آیت کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

6 لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُھٰجِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِھِمۡ وَ اَمۡوَالِھِمۡ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا وَّ یَنۡصُرُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوۡنَ o (الحشر 59/8)

ہمارا ترجمہ دوبارہ: **اللہ، رسولؐ اور ذی القربیٰؑ کا یہ نظام**

''مہاجرین کے اُن فقراء کی آسودہ حالی اور ترقی کا بھی ذمہ دار ہے جن سے اُن کا مال واسباب اور گھر بار چھین کر اُنہیں اُن کی بستیوں سے فقیروں کی طرح خالی ہاتھ نکال دیا گیا ہے۔ اور جو اللہ کی خوشنودی اور اُس کے فضل کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر چلے آئے اور اللہ تعالیٰ و رسولؐ کی نصرت میں منہمک ہیں......

اِس آیت میں یہاں تک مذکور ہونے والے لوگوں کے واقعات اور حالات اور اُن کا مقصد اور ہجرت کے بعد کا عملدر آمد بیان کیا گیا ہے۔
اب اللہ اُن کے لئے یہ ریمارکس دیتا ہے کہ: وہی لوگ پوری طرح سچے ہیں (اَلصّٰدِقُوۡنَ)۔
چونکہ رسولؐ اللہ سے لے کر ذی القربیٰ اور بہت سے حضرات تک اور بھی ایسے موجود ہیں جو پوری طرح سچے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ لوگوں کے لئے اس ریمارکس کی معنوی اور واقعاتی وضاحت کے لئے، حسبِ قاعدہ یہ معنی کرنا ہوں گے کہ:
''وہی لوگ پوری طرح سچے مہاجر ہیں۔'' یعنی:

اوّل۔ جو لوگ زبردستی لُوٹ کر خالی ہاتھ نکالے نہیں گئے وہ مذکورہ مہاجرین کی طرح کے مہاجر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ وہ خطرہ سے پہلے اپنا مال واسباب لے کر چلے آئے تھے۔ اور مدینہ میں آتے ہی شادیاں کیں اور تجارت میں مشغول ہو گئے یعنی جیسے مکہ میں چین سے تھے مدینہ میں بھی خوش حالی وفارغ البالی سے رہتے سہتے ہیں۔

دوم۔ وہ لوگ بھی سچے مہاجر نہیں جو صرف اپنے ذاتی تحفظ کے لئے مکہ سے چلے آئے اور گھر بار پر اپنی جان و مال وکاروبار کو ترجیح دی۔ یعنی اللہ و رسولؐ کے مقاصد سامنے رکھ کر ہجرت نہیں کی۔

سوم۔ وہ لوگ بھی سچے مہاجر نہیں جو مدینہ میں آ تو گئے مگر اللہ اور رسولؐ کی نصرت نہ کر رہے ہیں اور نہ کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ مہاجر تو سب ہی ہیں جو مکہ سے یا کہیں اور سے آ کر مدینہ میں آباد ہو گئے ہیں مگر اللہ کی نظر میں حقیقی اور سچے، اور ہجرت کا پُورا پُورا اجر پانے والے وہی مہاجر ہیں جو تمام ہی شرائط پر پورے اُترتے ہیں۔ اور جہاں بھی مہاجرین کی مطلق مدح وثنا اور تعریف ہوگی وہی حضرات مراد ہوں گے جو لفظ فُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ (یعنی مہاجرین میں کے غریب لوگ) کی ذیل میں مذکور ہیں۔ اور باہر سے آنے والے غنی اور سرمایہ دار لوگ تو بہرحال گھٹیا درجہ کے وہ لوگ ہیں جن کو اِن آیات میں اموالِ فَے سے ہمیشہ کے لئے محروم کیا گیا۔ یعنی:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر 59/7)

''تاکہ اَموال واملاک وسامانِ آسائش وترقی تمہارے اندر کی غنی پارٹی کے ہاتھوں میں نہ گھومتا رہے۔'' (59/7)

اور فاروقی انتظام اور پالیسی نے اللہ کے اس صریح حکم کے خلاف بڑی بے دردانہ بددیانتیوں اور فریب کاریوں سے ایک مشہور ومعروف غنی تک پہنچایا اور اُس غنی نے ہزاروں اغنیاء تیار کر کے یہ انتظام کر دیا کہ آج تک ساری دنیا کے غربا اور محنت کش سرمایہ داروں، اجارہ داروں اور زراندازوں کے نرغے میں پھنسے چلے آ رہے ہیں۔ خدا اُن سب کو جلد محروم (یعنی ملعون) کرے آمین۔

(8) مودودی نے یہ بھی بلا دلیل کہا کہ یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل فَے میں اللہ، رسولؐ وذی القربیٰ کے ساتھ حصہ دار ہیں

ہم نے یہ بحث مکمل کر دی کہ اللہ ورسولؐ اور ذی القربیٰ کے ساتھ کوئی حصہ دار نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اگر لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ (جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اللہ کیلئے ہے 3/129) میں یتامیٰ ومساکین وغیرہ لام کی وجہ سے حصہ دار ہو سکتے ہیں تو اموالِ فَے میں بھی یقیناً حصہ دار ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ پھر اُس آیت (59/7) میں تو نہ یتامیٰ کے ساتھ لام آیا ہے نہ مساکین وابن السبیل کے ساتھ لام ہے۔ صرف واوٴ عطف کے ساتھ اُن کو ذی القربیٰ علیہ السلام سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اور اس وابستگی ہی کی وجہ سے اموالِ فَے سے اُن کی آسائش وترقی رسولؐ اللہ کے بعد قیامت تک ذی القربیٰ یعنی حضرت علیؑ کی یا نظامِ اَمامت کی ذمہ داری ہے۔ چونکہ ابن السبیل تک بات ہونے کے بعد سرمایہ داروں کو محروم رکھنے کی تاکید کی ہے اور اس کے بعد تمام حصوں کی نفی کر کے ہر شخص کو پابند کیا گیا ہے کہ حصے اور حقوق مانگنے کے بجائے جس کو جتنا دیا جائے خاموشی اور خوشی سے لے لیا کرے۔ یہاں ساتویں آیت مکمل ہوتی ہے۔ اور یہ ڈانٹ سنا کر ختم ہوتی ہے کہ ''اموالِ فَے کو زیرِ بحث واحتجاج لانے اور متعلقہ احکام کی خلاف ورزی پر سخت عذاب وباز پُرس سے بچتے رہو۔ یہ تمام بیانات وقانون وتاکید وانتباہ اموالِ فَے کی گفتگو کو دُور کر دیتے ہیں اس لئے اب واوٴ عطف لگا کر لٹ کر آنے والے مہاجرین کا ذکر کرنے کے بجائے واوٴ عطف کی جگہ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ (حشر 59/8) فرمایا گیا ہے۔ کہنا یہ ہے جس طرح یہاں فقرا کے ساتھ لام (لِلْفُقَرَآءِ) لایا گیا ہے اس طرح یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل کے ساتھ نہیں آیا۔ لہٰذا فَے میں اپنا یا کسی اور کا حصہ سمجھنے والوں اور اللہ ورسولؐ اور ذی القربیٰ سے اپنا حصہ مانگنے والوں اور سارے اموالِ فَے پر قبضہ کر کے اُسے اپنی مصلحتوں کے ماتحت استعمال کرنے والوں کو اللہ کا یہ حکم اور مودودی کی مندرجہ ذیل تشریح وترجمہ سنانا چاہیئے۔

(9) اموال ونظامِ فَے میں نہ کوئی حصہ دار ہے نہ کسی کو مداخلت اور چون وچرا کا اختیار ہے رسولؐ ہر طرح مختار ہے

اموالِ فَے والی (5) آیات (10 تا 59/6) میں بھی اُسی طرح مداخلت کرنے والوں کوٹکا سا جواب دیا گیا ہے (59/6) جس طرح انفال پر تنازعہ کرنے والوں کوڈانٹ بتائی گئی تھی۔ وہاں (انفال 8/1) یہ کہہ کراُن کا منہ بند کیا گیا تھا ''انفال یا مالِ غنیمت صرف اللہ اور رسولؐ کے ہیں ذرا نافرمانی سے بچ کر رہا کرو (انفال 8/1)۔'' اور فَے کے سلسلے میں اتنا اور اضافہ کردیا کہ اللہ خلاف ورزی کرنے والوں کی شدید عذاب سے آؤ بھگت کرے گا (59/7)۔ پورا حکم دوبارہ سُنئے اور علامہ کا ترجمہ اور تشریح بھی دیکھئے اور سوچئے کہ علامہ کن لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا اور کلماتِ خیر استعمال کرنے کی اپیل کرتے رہے ہیں؟

(الف) انفال اور فَے کے سلسلے میں احکام وہدایاتِ خدا ورسولؐ کی نافرمانی مودودی کے پیاروں کوملعون بناتی ہے

اللہ کا حکم ہے کہ: كَيۡ لَا يَكُوۡنَ دُوۡلَةً بَيۡنَ الۡاَغۡنِيَآءِ مِنۡكُمۡ وَ مَاۤ اٰتٰكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَ مَا نَهٰكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا، وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِۘ (59/7)

''تاکہ مالِ فَے تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ جو کچھ رسولؐ تمہیں دے وہ لے لو۔ اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اُس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 389 تا 393)

(ب) اگر واقعی فَے کے حصے مقرر تھے تو سب کا حصہ اور حق داروں کو اُن کا حصہ دینا رسولؐ پر فرض تھا یہ تو اُلٹی بات ہوگئی

قارئین ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اگر اللہ نے واقعی یتیموں، مسکینوں اور مسافروں اور غریب مہاجروں اور انصار اور قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کی تمام نسلوں کے لئے واقعی، سچ مچ الگ الگ حصہ مقرر کردیا تھا؟ تو اللہ کا یہ بیان نہ صرف حقداروں کو جبراً محروم کرنے والا ہے بلکہ، بقول مودودی اینڈ کمپنی، خود اپنے فیصلے کی سوچی سمجھی مخالفت بھی ہے۔ یا یہ مان لیں کہ اموالِ فَے پر صرف رسولؐ کو مسلط ومختار کرکے (59/6) آزاد چھوڑ دیا تھا کہ خود فیصلہ کریں اور دنیا سے سرمایہ داری اور غنی اینڈ کمپنی کا' اور افلاس وناداری کا خاتمہ کرکے نوعِ انسان کو لامحدود قدرت وحیات عطا کرکے دنیا کو جنت بنا دیں۔ اور حصے بانٹ کر نہ بیٹھ جائیں کہ چالاک لوگ دوبارہ غربا کے حصے چھین لیں۔ اب علامہ کی وہ تشریح سنیئے جس سے رسولؐ اللہ کے خلاف نظام جاری کرنے والوں پر لعنت واجب ہوجاتی ہے:

(ج) کاش ابوبکر وعمر نے مودودی کی اس تشریح اور اللہ کے اُس حکم کی اطاعت کی ہوتی؟؟

ارشاد ہے کہ: ''15؎ سلسلۂ بیان کے لحاظ سے اس آیت (59/7) کا مطلب یہ ہے کہ اموال بنی نضیر کے انتظام، اور اسی طرح بعد کے اموالِ فَے کی تقسیم کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم جو فیصلہ فرمائیں اُسے بے چون وچرا تسلیم کرلو، جو حضورؐ کسی کو دیں وہ اُسے لے لے اور جو کسی کو نہ دیں وہ اُس پر کوئی احتجاج یا مطالبہ نہ کرے۔ (اگر حصہ اور حق مقرر ہے تو مطالبہ واحتجاج کیوں نہ کرے؟ احسنؔ) لیکن چونکہ حکم کے الفاظ عام ہیں، اسلئے یہ (حکم۔ احسنؔ) صرف اموالِ فَے کی تقسیم تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ تمام معاملات میں مسلمان (یعنی ثلاثہ ینڈ کمپنی بھی۔ احسنؔ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ۔ احسنؔ) وسلم کی اطاعت کریں۔ اس

منشا کو یہ بات اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ ''جو کچھ رسوؐل تمہیں دے'' کے مقابلہ میں ''جو کچھ نہ دے'' کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے گئے ہیں، بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ ''جس چیز سے وہ تمہیں روک دے (یا منع کر دے) اس سے رک جاؤ'' اگر حکم کا مقصود صرف اموالِ فے کی تقسیم کے معاملے تک اطاعت کو محدود کرنا ہوتا تو ''جو کچھ دے'' کے مقابلہ میں ''جو کچھ نہ دے'' فرمایا جاتا ''منع کرنے یا روک دینے'' کے الفاظ اس موقع پر لانا خود یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ حکم کا مقصود حضوؐر کے امر و نہی کی اطاعت ہے۔ یہی بات ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَائتوا منہ مَا اسْتَطَعْتُمْ و مَا نَھَیْتُکُم عَنْہُ فَاجتَنِبُوْہُ۔'' جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو اُس پر عمل کرو۔ اور جس بات سے روک دوں اُس سے اجتناب کرو'' (بخاری مسلم)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ اُنہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا ''اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں فیشن کرنیوالی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' اس تقریر کو سُن کر ایک عورت اُن کے پاس آئی اور اُس نے عرض کیا یہ بات آپ نے کہاں سے اخذ کی ہے؟ کتاب اللہ میں تو یہ مضمون کہیں میری نظر سے نہیں گزرا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ تو نے اگر اللہ کی کتاب پڑھی ہوتی تو یہ بات ضرور اُس میں مل جاتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی کہ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰکُم عَنْہُ فَانْتَھُوْا؟ اُس نے عرض کیا، ہاں یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے ایسا فعل کرنیوالی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ عورت نے عرض کیا اب میں سمجھ گئی۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، مسند ابن ابی حاتم) (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 393-394)

(10) مسائلِ انفال اور فَے ہی میں نہیں بلکہ ابو بکر و عمر اور قریش ہر مسئلے میں رسولؐ کے مخالف ثابت ہو چکے ہیں

سابقہ عنوانات میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ عمر و ابو بکر کی حکومتوں میں اللہ و رسولؐ اللہ کی پوری پوری اور کھل کر مخالفت کی گئی۔ قرآن کی مخالفت میں خود ساختہ شریعت تیار کی جس کی ہم نے نمبروار تفصیل پیش کی ہے۔ شاہانِ عجم کے قوانین کو اسلام کے نام پر جاری کیا اور اُن کے ہم مذہب علمانے کھل کر اور بڑے فخر سے یہ مان لیا کہ عمر قرآن اور رسولؐ کے واضح احکام کے خلاف قوانین بنانے میں بڑے جرأت مند اور دلیر تھے (تاریخِ تشریع فی الاسلام)۔ علامہ شبلی نے لکھ دیا کہ عمر آنحضرؐت کے فیصلوں کی اکثر مخالفت کرتے رہتے تھے (الفاروق) علامہ شبلی کے چند جملے اور سُن لیں:

اوّل۔ مسئلہ خمس میں عمر کی مخالفت علامہ شبلی کے قلم سے بھی دیکھ لیں

''اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسولؐ اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس، جو صحابہ میں دریائے علم کہلاتے تھے نہایت زور کے ساتھ اس آیت (8/41) سے خمس پر استدلال کرتے تھے۔ حضرت علیؑ نے اگر چہ مصلحتاً بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا لیکن رائے اُن کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حق دار ہیں۔ یہ صرف حضرت علیؑ اور عبداللہ بن عباس ہی کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہلبیتؑ کا اس مسئلے پر اتفاق تھا۔ آئمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اس مسئلہ کے قائل تھے۔ اور اپنی

کتابوں میں بڑے زور شور سے اس مسئلے پر استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت دارانِ پیغمبرؐ کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے اہلِ بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔'' (الفاروق صفحہ 117 حصہ 2)

ہمیں اتنے ثبوت فراہم کر چکنے کے بعد، اس سلسلے میں، یہاں، کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ ایک تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ ابوبکر و عمر اور اُن کی قوم نے علامہ مودودی کی مندرجہ بالا تشریح کے مطابق کبھی کسی معاملے میں بے چوں و چراں اطاعت نہیں کی ہے۔ اور قرآن کی رُو سے جو اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ اپنے ایمان و عبادات سمیت جہنم واصل ہوگا (نساء 4/14) خواہ ابوبکر و عمر ہوں یا پوری قریشی قوم ہو جہنم میں بڑی گنجائش ہے۔

(11) ایمان لانے والوں کی مذمت سے روکنا ایک خوشنما فریب اور قرآن کے خلاف اپیل ہے

مودودی نے بڑے اثر انگیز طریقے سے یہ اپیل کی ہے کہ زندہ یا مردہ مومنین کی مذمت اور اُن پر لعنت و تبرا نہ کیا جائے۔ اس اپیل پر باقاعدہ نظر ڈالنے سے پہلے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ علامہ نے اپنے طویل بیان میں اُن لوگوں کا نام نہیں لیا جن پر شیعہ اور دیگر لوگ لعنت و تبرا کرتے ہیں۔ انہیں چاہئے تھا کہ گول گول گفتگو نہ کرتے، اُن لوگوں کی فہرست پیش کرتے جن پر لعنت و تبرا کیا جاتا ہے۔ پھر یہ دکھاتے کہ اُس فہرست میں مذکور ناموں والے صحابہ کی شان میں فلاں فلاں آیات میں فلاں فلاں صفات اور فضائل بیان ہوئے ہیں لہٰذا اُن کی مذمت کرنا جرم یا گناہ ہے تو بات صاف اور سیدھی ہوتی۔ چونکہ مودودی کو اپنے فرضی ممدوحین کے لئے قرآن سے کچھ نہیں ملتا اس لئے اُن کی دلیل یہ ہے کہ ''چونکہ قرآن میں ایسے مومنین کا ذکر ہے جو نہایت پاکباز و فدا کار تھے۔ لہٰذا اُن کے ممدوحین بھی ضرور پاکباز و فدا کار تھے۔'' یعنی علامہ اپنے لیڈروں اور راہنماؤں کو پاکباز و فدا کار مومنین کے پیچھے چھپائے رکھنا چاہتے ہیں۔ اور انہیں منافق گروہ سے الگ رکھنے میں کوشاں ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہم ابوبکر و عمر و عثمان ہی کو نہیں بلکہ پورے قریش کو منافق نہیں بلکہ مومن کہتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ عمر نے حذیفہ سے کہا تھا کہ بِاللّٰہِ یَا حُذَیفَہ اَنَا مِنَ الْمُنَافِقِین۔ ہم ہرگز اس فریب میں نہیں آئے۔ ہم نے انہیں ہمیشہ مومن سمجھا اور مومن لکھتے چلے آئے ہیں۔ صرف اس لئے کہ مومن ایک ڈھیلا اور وسیع الاطراف لفظ ہے۔

(12) مومن بے معنی یا وسیع المعنی لفظ ہے اور علمِ غیب کے بغیر مومن کو شناخت کر لینا ممکن نہیں

اس لئے اللہ نے صرف مومن کہنے والوں کو ایک بڑا معقول سبق دیا تھا تاکہ لوگ ایمان کی آڑ میں فریب نہ دے سکیں۔ چنانچہ جب عام عربوں نے ایمان ایمان کے نعرے مار کر مسلمانوں میں گھسنا شروع کیا تو اُن سے کہا گیا کہ:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا، قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ...الخ (حجرات 49/14)

''اے رسولؐ، عرب کہتے ہوئے آتے ہیں ''ہم ایمان لائے ہم ایمان دار ہیں'' اِن کو بتا دو کہ تم ایمان نہیں لائے ہو۔ بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔''

اس آیت سے دو سبق ملتے ہیں۔ اوّل یہ کہ صرف یہ کہنا کہ ''ہم ایمان لائے'' یہ نہیں بتاتا کہ کس چیز پر ایمان لائے یا کس چیز کو مان لیا؟ ہو

سکتا ہے کہ ’’ اٰمَنَّا‘‘ کہنے والا بتوں کا مومن ہو، ہوسکتا ہے وہ طاغوت کا مومن ہو (بقرہ 2/256؛ نساء 4/51) چنانچہ اُن سے کہا گیا کہ تم ’’اَسۡلَمۡنَا‘‘ کہو تا کہ اسلام لانے کا اعلان کرتے ہی باقی تمام دوسرے ایمان ساقط ہو جائیں۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ کسی شخص یا اشخاص کا خود کو یا کسی کو مومن کہنا کوئی یقینی چیز نہیں ہے جب تک اس کے دل کا حال معلوم نہ ہو جائے۔ رہ گیا روزہ نماز وغیرہ وہ منافق بھی کرتے تھے۔ اور لوگ انہیں مومن ہی سمجھتے تھے۔ لہٰذا مولانا کا اپنے ممدوحین کے لئے ایمان کے نام پر اپیل کرنا پہلے نمبر پر فریب ہے۔ اس لئے کہ اُنہوں نے اور اُن کی قوم نے حتّٰی کہ یزید و شمر و ابن زیاد و عمر سعد نے بھی ہمیشہ بلا ناغہ خود کو مومن کہا اور مسلمانوں نے انہیں مومن سمجھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ کسی کے ایمان کا انکار اُس وقت تک قابلِ قبول نہیں جب تک علمِ غیب حاصل نہ ہو۔ بہرحال اِن سب لوگوں کا ایمان ایسا تھا کہ اُن سے اللہ کو یہ کہنا پڑا کہ:

(13) قریشی مومنین کو اللہ نے بھی مومنین کے لقب سے پکارا مگر ان کا ایمان اپنا پسندیدہ ایمان تھا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ ... الخ (نساء 4/136)

مودودی کا ترجمہ: ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر اور اُس کتاب پر جو اللہ نے اپنے (اِس) رسولؐ پر نازل کی ہے اور ہر اُس کتاب پر جو اِس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 406-407)

(14) علامہ کی تشریح میں مخاطب مومن تو ہیں مگر سچے مومن نہیں

’’ایمان لانیوالوں سے کہنا کہ ایمان لاؤ بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہاں دراصل لفظ ’’ایمان‘‘ دو الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایمان لانے کا ایک مطلب یہ ہے کہ آدمی انکار کے بجائے اقرار کی راہ اختیار کرے، نہ ماننے والوں سے الگ ہو کر ماننے والوں میں شامل ہو جائے۔ اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس چیز کو مانے اُسے سچے دل سے مانے۔ پوری سنجیدگی اور خلوص دل کے ساتھ مانے۔ اپنی فکر کو، اپنے مذاق کو، اپنی پسند کو، اپنے رویے اور چلن کو، اپنی دوستی اور دشمنی کو، اپنی سعی اور جہد کے مصرف کو بالکل اُس عقیدے کے مطابق بنالے جس پر وہ ایمان لایا ہے۔ اس آیت میں خطاب تمام مسلمانوں سے ہے جو پہلے معنی کے لحاظ سے ’’ماننے والوں‘‘ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اُن سے مطالبہ یہ کیا گیا ہے کہ ’’دوسرے معنی کے لحاظ سے سچے مومن بنیں۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 407)

(15) مودودی نے جن مومنین کے ایمان کی دُھائی دی ہے وہ کم از کم سچے مومن نہ تھے

اس تشریح سے ایمان دو قسم کا ثابت ہو گیا۔ ایک سچ مچ کا ایمان اور دوسرا برائے نام ایمان اور چونکہ اس آیت میں تمام مسلمان مخاطب مانے گئے ہیں لہٰذا اس آیت کی تلاوت یا بقول قریش اس آیت کے نزول تک تمام مسلمان سچے مومن نہ تھے بلکہ برائے نام مومن تھے۔ اور علامہ نے اس آیت (اور سورہ نساء) کا نزول 5 ہجری کے اوائل میں لکھا ہے یعنی اُنیس سال تک کم از کم اہل مکہ میں سے کوئی مہاجر سچا مومن نہ تھا۔ اور بقول مودودی وہ منکروں سے الگ ہو کر اسلام کو ماننے والوں میں شامل تو ہو گئے تھے مگر ابھی تک اُن کے:

1 ایمان میں سنجیدگی اور خلوص موجود نہ تھا۔ اور

2 ابھی تک اُن کی فکر، اُن کا مذاق یا ذوقِ طبیعت اور پسند و ناپسند اور اُن کا چلن اور رویہ اسلام کے ماتحت اور اسلامی احکام سے ہم آہنگ نہ تھا۔

3 ابھی تک اُنہوں نے اپنی دوستی و ہمدردی کا ہاتھ اللہ و رسولؐ کی طرف نہ بڑھایا تھا۔ اور

4 اسلام کا زبانی اقرار اپنے ذاتی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے کیا تھا۔ اس لئے اللہ نے

5 اُنہیں مومن تو کہا ہے مگر یہ بتا دیا کہ تمہارا ایمان نہ حقیقتاً اللہ پر اور اللہ کے لئے ہے۔ نہ رسولؐ کو تم ویسا رسولؐ مانتے ہو جیسا کہ وہ ہے۔ نہ تم قرآن کو وہ مقام دیتے ہو جو قرآن میں لکھا ہوا ہے اور نہ تم سابقہ کتابوں کی تعلیمات کو دل سے تسلیم کرتے ہو لہٰذا: اللہ، رسولؐ، قرآن اور سابقہ کتابوں پر اُن کی تعلیم و ہدایات والا ایمان لے آؤ اور اپنا خود ساختہ و خود فہمیدہ اسلام و ایمان چھوڑ دو۔

(16) ایمان کو، بے ایمانوں اور ملاعین پر کھینچ تان کر فٹ کرنے میں کئی ایک پٹخیاں اور دھکے دیئے گئے ہیں

اگر آپ کسی درندے کو انسانی صورت و شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کر کے یہ اُمید کریں کہ سب اُسے آدمی سمجھیں تو آپ کو نہ اُس سوجھ بوجھ اور بصیرت کی ضرورت پڑے گی نہ اتنا سرمایہ لگانے، محنت کرنے اور پلاٹ (plot) تیار کرنے اور افسانہ لکھنے کی حاجت ہوگی جتنی قریشی حکمرانوں، لیڈروں اور علما کو ابوبکر و عمر و عثمان اور قریش کو ایماندار و نیک کردار بنا کر دکھانے میں پیش آئی۔ قریشی پوزیشن سنوارنے کے لئے اُنہیں اللہ، رسولؐ اور قرآن کی پوزیشن بگاڑنا پڑی۔ اُنہوں نے اللہ، رسولؐ اور قرآن کی کچھ صفات لے کر قریش پر فٹ کیں اور قریش کی چند صفات کو اللہ، رسولؐ اور قرآن پر سجایا تاکہ فریقین کی اجنبیت دُور ہو کر اُن میں یگانگت اور ایک ہم آہنگ ٹیم (team) کی سی اسپرٹ نظر آنے لگے۔ جو تصویر آج قارئین کے سامنے ہے یہ چودہ سو سال کی محنت اور میک اپ کا نتیجہ ہے۔ مصور نے اپنی کرشمہ سازی اور اثر انگیزی کو درجۂ کمال تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ قریش کی اس تصویر کا نورانی چہرہ مسکراتا ہوا نظر آتا ہے، معصومیت اُبھرتی اور بکھرتی نظر آتی ہے فٹ پلیٹ کے طور پر تصویر کی صفات لکھی ہوئی پیروں کے پاس رکھی ہیں۔ لیکن مصور کے کمالات کے ساتھ ساتھ تصویر ساز ادارے نے اپنے اس انتظام پر بھروسہ کر کے یہ غلطی کی ہے کہ تصویر کے برابر میں ایک نسخہ قرآن کا بھی رکھ دیا ہے۔ اور دوسری غلطی یہ کی ہے کہ قرآن پر پہرہ بھی نہیں رکھا ہے۔ تیسری اور سب سے بڑی مہلک غلطی یہ کی ہے کہ جو کچھ تصویر کے تشخص اور حالات پر لکھا ہے وہ قرآن کے اندر نہیں لکھا ہے۔ چنانچہ جو شخص قرآن کی مدد سے اس تصویر کو دیکھتا ہے تو اُسے یہ تصویر ایک آدم خور دیو اور خونخوار درندے کی صورت میں نظر آتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ تمام خدوخال مصنوعی ہیں، چہرہ بدلا ہوا ہے، تصویر کے حالات اور قرآن میں متضاد بیانات ہیں، کوئی بات دوسری سانس تک برقرار نہیں رہتی۔ اللہ کی باتیں قرآن کے خلاف ملتی ہیں، رسولؐ کے ساتھ قرآن ہم آہنگ نہیں رہتا، اسلام کبھی ضابطۂ امن بن جاتا ہے کہیں وہ قتل و غارت اور لوٹ مار و جبر و ستم کو جائز کر دیتا ہے۔ ایمان جگہ جگہ معنی بدلتا ہے اور اللہ قریش کو مومن کہتے ہوئے اور مومن پکارتے ہوئے بھی اُنہیں مخالفت ایمان کا مجرم قرار دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ:

(17) جنگ بدر میں، بقول مودودی، تمام مومنین اور بقول خدا مومنین میں سے ایک فرقہ اللہ و رسولؐ کے خلاف مجادلہ کر رہا تھا

عہد رسولؐ میں ایسے مومن بھی تھے جو حق و باطل واضح کر دیئے جانے کے بعد بھی اللہ، رسولؐ اور حق کی مخالفت میں رسولؐ اللہ سے باطل پر برقرار رہنے کے لئے جھگڑا کرتے رہتے تھے۔ علامہ کا ترجمہ اور تشریح پھر سُنیں:

1 ''اس مالِ غنیمت کے معاملے میں بھی ویسی ہی صورت پیش آ رہی ہے جیسی اُس وقت پیش آئی تھی جبکہ تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ (فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ) کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ اس حق کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے درآں حالے کہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ اُن کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 130-131)

2 علامہ کی تشریح: ''4؎ یعنی جس طرح اُس وقت یہ لوگ (لوگ نہیں قریشی مہاجر صحابہ کہئے۔ احسن) خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے، حالانکہ حق کا مطالبہ اُس وقت یہی تھا کہ خطرے کے منہ میں چلے جائیں، اُسی طرح آج اُنہیں مالِ غنیمت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار ہو رہا ہے، حالانکہ حق کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اُسے چھوڑیں۔'' (ایضاً صفحہ 131)

(18) مودودی نے عہدِ رسولؐ کے تمام مومنین کو بلا اِستثنا جانیں لڑانے اور رفاقت کا حق ادا کرنے والا بالکل غلط لکھا

قارئین علامہ کے اِن بیانات اور قرآن کی آیات میں اُن مومنین کو دیکھ رہے ہیں جو ہرگز ہرگز سچے مومنین نہ تھے بلکہ وہ اپنی مصلحتوں کے ماتحت منکرین سے الگ ہو کر مسلمانوں میں شامل ہو جانا مفید سمجھتے تھے اور اُن کے سامنے اُنیس سال سے برابر اپنے ذاتی مقاصد تھے۔ انہوں نے اپنے فکر و عمل اور رویے میں کوئی اسلامی تبدیلی نہ کی تھی (سابقہ نمبر 15)۔ اُنہوں نے جنگ بدر میں حق کے کسی مطالبہ کو پورا نہ کیا اور نہ اسلام کے لئے کسی خطرے میں پڑنا چاہتے تھے اور نہ کوئی مالی قربانی دینا چاہتے تھے (تازہ بیان) لہٰذا علامہ نے غلط لکھا کہ:

''سب سے بڑھ کر شدید برائی یہ ہے کہ کوئی شخص اُن لوگوں کے حق میں بدگوئی کرے جنھوں نے انتہائی سخت آزمائشوں کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا حق ادا کیا تھا اور اپنی جانیں لڑا کر دنیا میں اسلام کا وہ نور پھیلایا تھا جس کی بدولت آج ہمیں نعمت ایمان میسر ہوئی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 404)

ہم اُن لوگوں پر بھی لعنت و تبرا کرتے ہیں جنھوں نے اُن لوگوںؑ پر لعنت و تبرا کی رسم جاری کی جن کی وجہ سے مسلمانوں کو آج تک نعمتِ اسلام میسر ہوتی چلی آ رہی ہے۔ اُن ملاعین نے اور اُن کی جانشین قومی حکومتوں نے اور اُن کی اولاد نے (صحیح بخاری کے مطابق) 99 ہجری تک اپنے نطفۂ ناتحقیق ہونے کا برابر ثبوت دیا ہے۔

(19) ہم اُن مومنین پر لعنت و تبرا کرتے ہیں جنھوں نے اللہ، رسولؐ، آل رسولؐ اور طرفدارانِ رسولؐ کو ایذائیں دی تھیں

ہمارے قارئین غور سے سُنیں کہ ہم اُن تمام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کا احترام واجب سمجھتے ہیں جن کی مدح و ثنا قرآن میں موجود ہے۔ (آل عمران 3/195؛ انفال 75 تا 8/72؛ توبہ 9/20) اور وہ تمام مومنین بھی ہمارے لئے واجب الاحترام ہیں جنھوں نے اہل بیت

صلوٰۃ اللہ علیہم کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ البتہ اللہ ورسولؐ کے فیصلے اور مسلمہ واقعات کی بنا پر ہم ابوبکر وعمر وعثمان اینڈ کمپنی اور اُن کی پوری قوم اور اُن کے تمام طرفداروں کو ملعون سمجھتے اور کہتے ہیں خواہ وہ مہاجر ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لئے بھی کہ مہاجر نام کے ہر شخص کی نہ قرآن میں مدح وثنا کی گئی ہے نہ ہر مہاجر کا احترام واجب کیا گیا ہے۔

انتباہ: بہت ممکن ہے کہ کوئی قریش کا پرستار عالم یا جاہل آپکو مندرجہ ذیل آیت سے دھوکا دینے کی کوشش کرے تو اُسے اس آیت میں آئے ہوئے لفظ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَ الْاَنصار کے معنی پر متوجہ کریں خاموش ہو جائے گا۔ آیت سُنیئے:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ وَ اَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ ...... الخ (توبہ 9/100)

چند تراجم: اِس آیت میں غور کریں کہ یہاں تمام مہاجرین کی بات نہیں ہے بلکہ مہاجرین میں سے اُن اوّلین اور سابقین کا تذکرہ فرمایا گیا جو ایمان لانے میں سب سے پہلا نمبر لے کر سبقت لے گئے تھے۔

ہمارا ترجمہ: ''وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے ایمان لانے میں سبقت لے گئے۔ اور وہ لوگ جنھوں نے سبقت لے جانے والوں کی احسان نوازی کے ساتھ پیروی کی اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے اُن کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہوئی ہیں جن میں نہروں کی ریل پیل ہے۔ اور وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔''(توبہ 9/100)

شاہ ولی اللہ کا ترجمہ: ''وسبقت کنندگان نخستینان از مہاجران وانصار وآناں کہ پیروی ایشان کردند نیکوکار......'' (ترجمہ صفحہ 268)

شاہ رفیع الدین: ''اور آگے بڑھ جانے والے پہلے ہجرت کرنے والوں سے اور مدد دینے والوں سے اور وہ لوگ کہ پیروی کرتے ہیں اُن کی ساتھ نیکی کے۔''

اس آیت میں سمجھنے کی بات اس قدر ہے کہ یہاں تمام مہاجرین کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہجرت تو برسوں ہوتی رہی تھی۔ یہاں تو سب سے پہلے اور سب سے پہلی ہجرت کرنے والوں کا بھی بحیثیت مجموعی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اُن میں سے بھی اُن کا ذکر ہو رہا ہے جو ایمان لانے والوں میں سے سب پر سبقت لے گئے تھے۔ اور ساری دنیا یہ جانتی ہے کہ سب سے پہلی ہجرت حبشہ کو ہوئی تھی۔ اور اُس میں بہت مردوں اور عورتوں کے نام قریشی تواریخ میں لکھے گئے ہیں۔ لیکن اُن میں جو لوگ سابق الایمان تھے اُن کی بات ہوئی ہے۔ اسی طرح انصار بھی بہت سے تھے اُن سب کی بات یہاں نہیں ہے۔ بلکہ انصار میں بھی سب سے پہلے نصرت کرنے والوں میں اور ایمان لانے والوں میں سب انصار پر جو سبقت رکھتے ہیں اُن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور اُن دونوں قسم کے سابق الایمان کی بہترین پیروی کرنے والوں کی بات ہے۔ اور یہ لوگ ہیں جن کے ساتھ بلا دُغدغہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہنا واجب ہے۔

(20) عہدِ رسولؐ اور بعدِ رسولؐ کے وہ مومنین جن پر اللہ لعنت کرتا اور کراتا ہے

گفتگو یہ تھی کہ ہم رسولؐ کی پوری قوم کو مکذب قرآن سمجھتے ہیں اس لئے کہ اللہ نے رسولؐ کی قوم کو قرآن کے جھٹلانے کا مجرم کہا ہے (انعام 6/66) اور مکذبین کے لئے اللہ نے ایک ہی جگہ (سورۂ مرسلات میں) دس مرتبہ ملامت و مذمت کی ہے اور اُن کا ٹھکانا ملامت کی بوچھاڑ میں جہنم بتایا ہے (طور 16 تا 52/11) پھر اللہ نے رسولؐ کی قوم کو قرآن کے مہجور کرنے کا مجرم قرار دیا ہے (فرقان 25/30-31) اور اُن کے لئے دنیا و آخرت میں تباہی پر سینکڑوں آیات موجود ہیں۔ لہٰذا اُن کا مکہ سے مدینہ آنا ہجرت نہیں بلکہ اپنے مقاصد کا تحفظ ہے۔ اگر وہ رسولؐ کے ساتھ یا پہلے یا بعد میں مدینہ نہ آتے تو رسولؐ کی حکومت پر قبضہ نہ کر سکتے تھے۔ (طبری، الفاروق) اس لئے اُن کا ایمان و عبادات و ہجرت فریب کے ماتحت ضائع ہیں اور اُنہوں نے اللہ و رسولؐ کو مسلسل ایذا دینے کا مکمل نظام بنایا تھا چند آیات دیکھ لیں۔ مودودی کا ترجمہ کافی ہوگا۔

13۔ اوّل صدقات وزکوٰۃ کا نظام بیان کرنے سے پہلے اور بعد میں نبیؐ کو ستانے والوں کا ذکر

''اِن میں سے کچھ لوگ ہیں جو نبیؐ کو دکھ دیتے ہیں (یُـؤْذُوْنَ النَّبِیَّ) اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کانوں کا کچا ہے۔ کہو،'' وہ تمہاری بھلائی کے لئے ایسا ہے، اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اہل ایمان پر اعتماد کرتا ہے۔

دوم۔ رسولؐ کو ستانے والے جہنمی مومنین موجود تھے: ''اور سراسر رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو تم میں سے ایماندار ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسولؐ کو دُکھ دیتے ہیں اُن کیلئے دردناک سزا (عذاب۔ احسن) ہے۔'' (توبہ 9/61) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 208-209) اور سنیئے:

سوم۔ **مودودی کے محتاط اور جانبدارانہ ترجمہ سے بھی وہ مومنین لعنتی ہیں جو نبیؐ کی ازواج سے بے تکلف تھے**

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نبیؐ کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ۔ مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ، باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبیؐ کو تکلیف (ایذا۔ احسن) دیتی ہیں، (یُـؤْذِی النَّبِیَّ) مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے (یعنی ایذا برداشت کرتے رہتے ہیں۔ احسن) اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ نبیؐ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ (طریقہ۔ احسن) تمہارے اور اُن (بیویوں۔ احسن) کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسولؐ کو تکلیف (ایذا۔ احسن) دو (وَ مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ) اور نہ یہ جائز ہے کہ اُنؐ کے بعد اُنؐ کی بیویوں سے (اَبَدًا) نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ تم خواہ کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ کو ہر بات کا علم ہے...... (سلسلے کی آخری آیت) جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں اُن پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور اُن کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔'' (احزاب 57 تا 33/53؛ تفہیم القرآن جلد 4)

اِن آیات میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو نبیؐ کی ازواج کے ساتھ بے تکلفانہ تعلق اور رابطہ رکھتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا رابطہ جس میں وہ

لوگ بلانبیؐ کی اجازت اور اطلاع کے اور بلا بُلائے ہوئے جب چاہتے تھے آتے جاتے تھے، کھانا کھاتے تھے، وہ وہی لوگ رکھ سکتے تھے جو نبیؐ کی ازواج سے قریبی رشتہ بھی رکھتے ہوں اور مسلمانوں میں اونچا مقام بھی رکھتے ہوں۔ اِن آیات کے ترجمہ میں مودودی نے اُن لوگوں کی کافی رعایت کی ہے۔ اذیت اور ایذا کے معنی دوجگہ ''تکلیف'' کئے ہیں اور لفظ '' مُسۡتَـاۡنِسِیۡـنَ لِـحَدِیۡـثٍ '' کے معنی ''باتیں کرنے میں نہ لگے رہو'' کئے ہیں۔ حالانکہ یہاں لفظ ''اُنۡسِیّت'' لایا گیا ہے۔ یعنی اُنس ولگاوٹ پیدا کرنے والی باتیں نہ کرتے رہا کرو۔ پھر اللہ نے کہا کہ رسوؐل کوتمہاری ان شرمناک باتوں کو کہتے ہوئے شرم آتی ہے مگر اللہ سچی بات کہنے میں شرماتانہیں ہے۔ اِن ہی حالات کی بنا پراُن ملاعین سے کہا گیا کہ تم نبیؐ کی بیویوں سے تاقیامت نکاح نہیں کرسکتے وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال یہ اونچے درجے کے مومنین تھے یعنی طلحہ وزبیر کے سائز کے لوگ تھے۔

مودودی چاہتے ہیں کہ ہم اللہ کے اُن ملعون مومنین پرلعنت وتبرانہ کیا کریں۔ حالانکہ قرآن کومجبور کرکے حقائق کو چھپانے والوں پر آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے لعنت ہوتی چلی آرہی ہے اور ہم جس طرح اللہ کے ساتھ مل کر آنحضرتؐ پر درود بھیجتے ہیں بالکل اُسی طرح ہم اللہ کے ساتھ مل کرلعنت کے حق داروں پرلعنت بھیجتے ہیں۔

چہارم۔ <u>اللہ نے قرآن کے حقائق چھپانے والوں پرلعنت جاری کی، مودودی نے لعنت کو یہود کی طرف موڑ دیا</u>

لیکن لعنت کے حق دار چونکہ مودودی کے راہنما ہیں اس لئے انہوں نے حق کو چھپا کرخود کولعنت کا حقدار بنالیا ہے لہٰذا اُن کو بھی لعنتیوں کی فہرست میں شامل کریں اور اُن کا یہ ترجمہ پڑھیں:

''جولوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں۔ درآں حالیکہ ہم اُنہیں سب انسانوں کی راہنمائی کے لئے اپنی کتاب میں بیان کرچکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی اُن پرلعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی اُن پرلعنت بھیجتے ہیں۔'' (بقرہ 2/159؛ تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 128)

معلوم ہوا کہ مودودی نے لفظ ایمان کی آڑ میں اُن لوگوں پرلعنت بھیجنے سے روکنے کی اپیل کی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اور اللہ کو بھی اذیت پہنچاتے رہتے تھے اور جنہوں نے حضرت فاطمہؑ کو اذیتیں پہنچائیں۔ اُن کے بچوؑں کو اور طرفداروںؑ کو قتل کیا تھا۔ اللہ اُن سب پر مع مودودی لعنت کرے آمین۔

14۔ <u>عثمان کے مرنے کے بعد قریش اور قریشی حکومت علیؑ کے حضور میں</u>

مودودی اور اُن کے قریشی لیڈروں پرلعنت کرنا قرآن سے ثابت ہوجانے کے بعد ہم مودودی کی کتاب خلافت وملوکیت سے چند بیانات لکھتے ہیں تاکہ اُن کے قلم سے حضرت علی علیہ السلام کا رویہ اور قریشی خلافت کا ٹھوکریں کھاتے، لنگڑاتے اور ہچکچاتے اُنؑ کے حضوؑر پہنچنا دکھایا جاسکے۔ چنانچہ مودودی کی لڑکھڑاتی زبان سے اس سلسلے کی چند آخری باتیں سُن لیں:

اوّل۔ علیؑ دا پہلا نمبر' اکثریت کی نگاہیں اُن پر لگی ہوئیں تھیں

''ایک خطرناک صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی۔فوری ضرورت تھی کہ کسی موزوں ترین شخصیت کو سربراہ بنایا جائے تا کہ اُمت اس پر جمع ہو سکے اور وہ مملکت کو انتشار سے بچا سکے۔اُس وقت اُن چھ اصحاب میں سے چار موجود تھے جن کو حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت اُمت کے مقدم ترین اصحاب قرار دیا تھا۔ایک،علیؑ۔دوسرے،طلحہؓ۔تیسرے،زبیرؓ۔چوتھے،سعدؓ بن ابی وقاص۔ان میں سے حضرت علیؑ ہر لحاظ سے پہلے نمبر پر تھے۔......اس لئے یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ خلافت کے لئے اُنؑ ہی کی طرف رجوع کرتے۔صرف مدینے میں ہی نہیں،پوری دنیائے اسلام میں دوسرا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی طرف اس غرض کے لئے مسلمانوں کی نگاہیں اُٹھتیں۔حتّٰی کہ اگر آج کے رائج طریقوں کے مطابق بھی کوئی انتخاب کرایا جاتا تو لازماً عظیم اکثریت کے ووٹ اُن ہی کو حاصل ہوتے۔چنانچہ تمام معتبر روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور دوسرے اہل مدینہ اُن کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ ''یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا،لوگوں کے لئے ایک امام کا وجود نا گزیر ہے،اور آج آپؑ کے سوا ہم کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لئے آپؑ سے زیادہ مستحق ہو۔نہ سابق خدمات کے اعتبار سے،اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم کے ساتھ قرب کے اعتبار سے'' اُنہوںؑ نے انکار کیا اور لوگ اصرار کرتے رہے۔آخر کار انہوںؑ نے کہا کہ ''میری بیعت گھر بیٹھے خفیہ طریقے سے نہیں ہو سکتی،عام مسلمانوں کی رضا کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے'' پھر مسجد نبویؐ میں اجتماع عام ہوا اور تمام مہاجرین وانصار نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔صحابہ میں سے 17 یا بیس ایسے (ملعون۔احسن) بزرگ تھے جنھوں نے بیعت نہیں کی۔اِس رُوداد سے اِس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت علیؑ کی خلافت قطعی طور پر ٹھیک ٹھیک اُن ہی اصولوں کے مطابق منعقد ہوئی تھی جن پر خلافت راشدہ کا انعقاد ہو سکتا تھا۔وہ زبردستی اقتدار پر قابض نہیں ہوئے تھے۔اُنہوں نے خلافت حاصل کرنے کے لئے برائے نام بھی کوئی کوشش نہیں کی۔لوگوں نے خود آزادانہ مشاورت سے اُن کو خلیفہ منتخب کیا۔صحابہ کی عظیم اکثریت نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔(خلافت وملوکیت صفحہ 121-122)

دوم۔علیؑ بمنزلہ کعبہ ثابت ہوئے،قریشی خلافت کو باطل کر دکھایا۔نظامِ صبر نے قریش سے بخوشی ہتھیار رکھوا لئے

مودودی نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کو خلافت راشدہ کے اصولوں کے مطابق مان کر ثابت کر دیا کہ خلفائے ثلاثہ کی حکومتیں باطل تھیں۔1:اس لئے کہ اُن میں سے کسی کے پاس صحابہ خلافت دینے اور خلیفہ بن جانے کی درخواست لے کر نہیں آئے تھے۔2:اُن کی بیعت پہلے ہی روز نہ صحابہ کی عظیم کثرت نے کی نہ تمام مہاجرین وانصار نے اُن کو خوشی خوشی خلیفہ تسلیم کیا تھا۔3:نہ اُن کی بیعت میں عوام کی عظیم کثرت نے مسجد نبویؐ میں حصہ لیا تھا۔4:اور نہ اُن میں سے کوئی بلا جوڑ توڑ اور کوششوں کے خلیفہ بنا تھا۔5:اور اگر اُن میں سے کسی کے لئے آج کے رائج طریقوں کے مطابق انتخاب کرایا جاتا تو ہرگز عظیم اکثریت کے ووٹ اُن کو نہ ملتے۔6:اُن میں سے کسی نے بھی خلیفہ بننے سے انکار کر کے پبلک کے اصرار کے بعد خلافت قبول نہیں کی تھی۔7:اور مودودی نے آگے چل کر لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے

بیعت نہ کرنے والوں یا اختلاف کرنے والوں پر نہ کوئی سختی کی نہ تعارض کیا سب کو آزاد رکھا۔اس کے برخلاف خلفائے ثلاثہ نے تمام ممکنہ تشدد و مظالم کئے تھے۔

(1) علیؑ اور محمدؐ ماضی و حال و مستقبل کی تفصیلات کے عالم تھے نبیؐ کی تاکید اور اُس پر عمل

آپ نے دیکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ

''یا علیؑ تم تو کعبہ کی منزلت رکھتے ہو اور کعبہ کسی کے پاس نہیں جاتا۔لوگ کعبہ کے پاس آتے ہیں۔چنانچہ اگر یہ قوم قریش تمہیں تمہارے پاس آ کر یہ خلافت تمہارے حوالے کرے تو قبول کر لینا۔اور اگر نہ آئیں تو تم کبھی اُن کے پاس نہ جانا جب تک کہ وہ خود تمہارے پاس نہ آئیں۔''(اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 29)(تفصیل کے لئے دیکھو عنوان 5۔و کا 10-9)

قارئین دیکھ لیں کہ محمدؐ و علیؑ مندرجہ بالا حالات و واقعات کو پہلے سے جانتے تھے اور اُسی علم کی بنا پر نہایت اطمینان سے اسلامی زندگی گزارتے،مظالم سہتے چلے آئے۔

(2) مودودی نے حضرت علیؑ کی بیعت کا سرسری تذکرہ کیا ہے دوسری تواریخ سے سُنئے اور نظارہ دیکھئے

مودودی صاحب اور اُن کے بزرگ جس مذہب پر چلے وہ قاتل کو بھی رضی اللہ عنہ کہنے کا حکم دیتا ہے اور مقتول کو بھی بزرگ مانتا ہے اُس کے ترازو میں حسینؑ اور یزید دونوں جنتی ہیں وہاں شمر و عمر دونوں مومن ہیں وہاں علیؑ بھی حق پر ہیں اور جو برحق خلیفہ کی بیعت نہ کریں وہ بھی۔ان کے الفاظ میں'' 17 یا 20 ایسے بزرگ تھے جنھوں نے بیعت نہیں کی''لیکن علامہ ہی کے مذہب میں ایسے لوگ بھی گزرے جو عقیدے میں تو مودودی ہی ہیں مگر مودودی کی طرح واقعات میں کاٹ چھانٹ کرنے کی حد تک مودودی نہ تھے۔چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری کی تاریخ کامل سے وہی واقعہ سنیئے جسے مودودی نے نرم کر کے لکھا ہے:

فَغَشِيَ النَّاسُ عَلِيًّا فَقَالُوْا نبَایعک فَقَدْ تَرٰی مَا نَزَلَ بِالاسْلام وَ مَا ابْتَلَيْنَا بِهٖ مِنْ بَيْنَ الْقُرٰی ۔فَقَالَ عَلِیٌّ دَعُوْنِیْ وَالْتَمِسُوْا غَيْرِی فانا مستقبلون اَمْرًا لَهٗ وُجُوهٌ و لَهٗ اَلْوَانٌ لا تقوم به القلوب وَ لا تثبت عليه العقول فقالوا انشدک اللّٰه اَلا تَرىٰ مَا نَحْنُ فِيْهِ اَلا تَرىٰ الاسلام اَلا تَرى الفتنة اَلا تَخَافُ اللّٰه؟ فقال قَدْ اَجَبْتُكُمْ وَ اعْلَمُوْا اَنِّی اَنْ اَجَبْتُكُم رَكِبْتُ بِكُمْ مَا اَعْلَمُ؟ اِنْ تَرَكْتُمُوْنِیْ فَانَمَا اَنَا كَاَحَدُكُمْ الا انی من اسمعکم و اطوعکم لِمَنْ وَلَّيْتُمُوْهُ۔(تاریخ کامل جز ثالث صفحہ 75،تاریخ الخمیس جلد 2 صفحہ 308)

''چنانچہ سب نے علیؑ کو گھیر لیا اور کہا کہ ہم تو آپؐ ہی کی بیعت کریں گے۔آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم پر اور اسلام اور شہروں پر کیا کچھ گزر گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ''تم لوگ میرا پیچھا کرنا چھوڑ کر کسی اور سے خلیفہ بننے کی درخواست کرو میں جو کچھ آنے والے زمانے میں دیکھ رہا ہوں وہ ایسے معاملات و حالات ہیں جن میں بہت پیچیدگیاں اور تہہ در تہہ پہلو ہیں کہ لوگوں کے دل اور اُن کی عقلیں اُن کو سمجھنے اور برداشت کرنے سے قاصر رہیں گی۔اُن سب نے عرض کیا کہ ہم آپکو اللہ کی قسم دیتے ہیں کیا آپ اس فتنے کو نہیں دیکھ رہے ہیں جس میں

ہم مبتلا ہیں؟ کیا آپ کو انکار کرتے ہوئے اسلام پر رحم نہیں آتا؟ کیا آپ اس معاملے میں خوفِ خدا نہیں رکھتے؟ فرمایا کہ اگر تم مجھے مجبور نہ کرو تو سُن لو کہ میں بھی تمہاری طرح ہر اُس شخص سے تعاون کروں گا جسے تم خلیفہ بناؤ گے اور تم نے دیکھا ہے کہ میں نے کسی سے بغاوت نہیں کی ہے۔ لیکن اگر تم مجھے خلیفہ بنانا ہی چاہتے ہو تو میں اس شرط پر قبول کرسکتا ہوں کہ میں خالص اپنے علم کے مطابق تمہیں چلاؤں گا۔‘‘

یہاں قارئین کے غور کرنے کی دو باتیں ہیں اوّل یہ کہ علیؑ بذاتِ خود خلافت لینے میں نہ کوشاں ہیں اور نہ خلافت پیش کرنے والوں کی پیش کردہ حکومت پر کسی خوشی کا اظہار کرتے ہیں نہ اب تک محروم رکھنے پر انہیں شرمندہ کرتے ہیں نہ طعنہ دیتے ہیں۔ بلکہ اُنہیں انکار کرکے اور پورا تعاون پیش کرکے اُن کو اپنے جمہوری اور مشاورتی طریقے کو آزمانے کا موقع دیتے ہیں۔ دوسری بات بڑی قدیم ہے یعنی یہ شرط لگاتے ہیں کہ میں تم سے مشورہ کرکے یا سابقہ خلفاء کا طریقہ اختیار کرکے حکومت نہ کروں گا۔ بلکہ اپنے علم کے مطابق حکومت کروں گا اور تمہیں عمل کرنا ہوگا۔ یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاکم مطلق تھے اور اُن کی اطاعت واجب تھی بالکل اُسی انداز میں میری حکومت ہوگی۔ ایک اور شرط لگائی وہ تاریخ طبری سے سنیئے:

(3) منت وخوشامد کرنے اور اللہ کا واسطہ دینے اور اسلام پر رحم کی اپیل کے بعد اور حاکمِ مطلق ہونے کی شرط پر حکومت لے لی

فَاختلفوا الیہؑ بعد ما قتل عثمان رضی اللّٰہ عنہ مَرَارًا۔ ثُمَّ اَتُوْہُ فِی اٰخر ذٰلک فقالوا لہ اِنَّہ لا یصلح الناس اِلَّا بِاَمرۃ وَ قد طَالَ الْامر۔ فقال لَھُم اِنَّکُم قَداخْتَلَفْتُم اِلَیَّ وَ اَتَیْتُم وَ اِنِّیْ قَائِلٌ اَنْ قَوْلًا اِنْ قَبِلْتُمُوْہُ قَبِلْتُ اَمْرُکُم وَ اِلَّا فَلَا حَاجَۃَ لِیْ فِیْہِ؟ قَالُوْا وَ مَا قُلْتَ مِنْ شَیْءٍ فَقَبِلْنَاہُ انشاء اللّٰہ۔ فَجَآءَ فَصَعَدَ الْمِنْبَرَ فاجتمع النَّاس الیہ فقال اِنِّی قد کُنْتُ کَارِھًا لِاَمْرِکُم فَاَبَیتم اِلَّا اَنْ اکون علیکم الا و انہ لَیْسَ لِیْ اَمْرٌ دُوْنَکُم اِلَّا اَنَّ مَفَاتیح مَالِکُم مَعِی الا و انہ لیس لِی اَن اٰخِذُ منہ دِرْھَمًا دُونکم۔ رَضِیْتُم؟ قالوا نَعَم۔ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَشھد علیھم ثُمَّ بایعھم علٰی ذٰلک۔ (طبری جلد 5 صفحہ 152)

’’عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد صحابہ نے حضرت علیؑ کے پاس آنا جانا اور چکر پر چکر لگانا شروع کردیا تھا تاکہ انہیں حکومت قبول کرنے پر رضامند کرسکیں۔ پھر وہ آخری مرتبہ آئے اور اُسی سلسلے میں حضرت علیؑ سے کہا کہ سربراہِ مملکت کے بغیر لوگوں کی اصلاح نہیں ہوسکتی ہے اب تو دیر بھی بہت ہوچکی ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس بار بار آتے رہے ہو اور انکار کے باوجود پھر آکر کھڑے ہو گئے ہو۔ مجھے تم سے کچھ باتیں طے کرنا ہیں اگر تم نے انہیں قبول کرلیا تو میں تمہاری یہ حکومت قبول کرلونگا ورنہ مجھے تمہاری حکومت کی کوئی احتیاج نہیں ہے؟ اُن سب نے کہا کہ ہم تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ مسجد میں آئے اور منبر پر جاکر فرمایا کہ اَے لوگو میں تمہاری حکومت سے کراہت کرتا رہا ہوں مگر تم نے مجھ پر اتنا اصرار کیا ہے کہ تمہاری حکومت قبول کرنے کے سوا میرے پاس کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں رہا۔ لہٰذا سنو کہ میں تم سے وہی سلوک کروں گا جو خود اپنے ساتھ کروں گا۔ تمام کلیدی اختیارات میرے پاس رہیں گے اور میں تمہاری مرضی کے خلاف ایک درہم تک اپنے صرف میں نہ لاؤں گا اور نہ کسی کو ترجیح دوں گا۔ کیا تم راضی ہو؟ سب نے کہا کہ ہم راضی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ خدایا تو ان پر گواہ رہنا اور بیعت لے لی۔‘‘

(4) حضرت علیؑ انتقالِ رسولؐ کے بعد جس طرح خلیفہ بنا چاہتے تھے اُسی طرح اب خلافت قبول کی ہے

قارئین دیکھ لیں کہ حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ اس لئے جنازہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تکفین وتدفین میں اطمینان سے مصروف رہے تھے کہ وہ ہرگز دوڑ دھوپ اور جوڑ توڑ وسازش سے حکومت حاصل کرنا تو کہاں وہ تو لوگوں کی خوشامد والتجا کے بعد بھی بطور احسان حاکم بننا چاہتے تھے۔ اِس لئے کہ اُنھوں نے اُمت کو اُن انعامات سے سرفراز کرنا تھا جو اللہ نے قرآن میں قدم قدم پر کئے ہیں۔ اُنھوں نے اُمت کو لامحدود ترقی کا پروگرام دینا تھا وہ خلفائے ثلاثہ کی طرح لٹیروں کی طرح کا سلوک کرنے والے نہ تھے۔ احسانات کرنے والا شخص کسی کی منت کیوں کرے۔ جس نے دنیا اور اُس کے تمام لذائذ کو تین طلاقیں دے رکھی ہوں، جس نے تاحیات جَو کی رُوکھی سُوکھی روٹی کھانا ہو، پھٹے پرانے کپڑے پہننا ہوں اُسے حکومت کا لالچ کیوں ہو؟ ثلاثہ اینڈ کمپنی کو شرمانا چاہیے جو علیؑ پر حکومت کی حرص وطمع کا اتہام لگاتے رہے۔ کیا حرص وطمع رکھنے والے ایسی مظلومانہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں؟ کیا حکومت کے لالچی آتی ہوئی حکومت کو اِس بات پر لات مار سکتے ہیں کہ وہ کروڑ پتی بننے اور بنانے والوں کی پیروی کر کے کروڑ پتی بننا نہیں چاہتے؟ کیا تخت وتاج کے بھوکے ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو حکومت اختیار کرنے کی درخواست والوں کو ٹھکرائیں، اپنے دروازے کے چکر کٹوائیں؟ بڑے ہی مردود وملعون تھے وہ لوگ جو حکومت پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے اُدھر اُمت کو دن رات فریب دیتے رہے اور ادھر ردیفِ خداوندی، وجہ اللّٰہ و ید اللّٰہ و نفس اللّٰہ و نفسِ رسُولؐ پر لالچی ہونے کی تہمت تراشتے رہے۔ وہ واقعی ننگِ انسانیت تھے، اُنھیں سچ مُچ نباتات وجمادات وحیوانات پیدا ہونا چاہیئے تھا اور اُن کی تمنائیں بھی یہی تھیں۔ اُن میں واقعی اُتنا ایمان بھی نہ تھا جتنا ایک ادنیٰ درجہ کے مومن کے بال میں ایمان کا حصہ ہوتا ہے۔ اور مودودی اُنہیں اعلیٰ درجے کا جان نثار مومن کہہ کر اُن ہی کی طرح مسلمانوں کو اور ساری دنیا کو فریب دینا چاہتے ہیں کہ لعنتی کو ملعون نہ کہا جائے اور اُن شیطانوں کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔ بہرحال علیؑ نے تمام صحابہ اور تمام مسلمان نام کے لوگوں کی رضامندی سے اپنی شرطیں منوا کر زمامِ حکومت سنبھالی اور پھر ثلاثہ اینڈ کمپنی کے منہ پر سرمایہ داری ختم کرنے کا طمانچہ لگا دیا اور بتا دیا کہ پوری اُمت کو اُس قدر دیا جائے گا جتنا خود لیں گے اور غنی پارٹی کو محروم کریں گے۔

(5) چونکہ مؤرخین سب قریشی مذہب کے اور حکومتوں کے لوگ تھے اس لئے قبولِ حق میں شرما کر الفاظ لکھتے رہے ہیں

جیسے دواساز ادارے زیادہ بکری اور کمرشل اصول کے مطابق قیمتی اجزا کم سے کم دواؤں میں ڈالتے ہیں اور تجربہ رکھنے والے حکیم ایک کی جگہ دو دوائیں لکھتے ہیں تاکہ اجزا کی کمی پوری ہو کر مریض کو جلد صحت ہو۔ اُسی طرح قریشی مؤرخین ومحدثین اور راوی اپنے بیانات میں ایسے الفاظ کم سے کم استعمال کرتے ہیں جن سے اُن کے زیرِ بحث ملاعین کی توہین یا ہتک ہوتی ہو۔ مثلاً جہاں لفظ صحابہ لکھنا چاہیئے تھا وہاں لفظ ''لوگ'' (الناس) لکھ دیتے ہیں اور جہاں بات میں زور پیدا کرنا مقصود ہو وہاں لوگوں کی جگہ صحابہ لکھتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا، تاریخ کامل اور تاریخ طبری کی روایات میں دیکھا گیا ہے۔ حالانکہ وہ سب چکر لگانے والے اور مِنّت واپیل کرنے والے انصار ومہاجرین یعنی صحابہ تھے۔ ہم بھی حکیم وڈاکٹر ہیں اس لئے الفاظ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے آپ کو تاریخ طبری کے پاکستانی ترجمے سے وہی کچھ

دکھاتے ہیں جو آپ نے عربی عبارت میں پڑھا ہے تاکہ پتہ لگے کہ قریشی مؤرخین میں اور قریشی مترجمین میں کیا فرق ہوتا ہے اور یہ کہ جعلسازوں اور خیانت کاروں سے حق بات کس طرح اگلوائی جاتی ہے، سنئے۔

(الف) قتلِ عثمان پر علیؑ کا تعزیت کے لئے عثمان کے گھر جانا اور صحابہ کا خلافت پیش کرنا

''جب اُنہیں شہادتِ عثمان کی خبر ملی تو وہؑ فوراً اپنے گھر سے نکلے اور حضرت عثمان کے گھر پہنچے۔ وہاں رسولؐ اللہ کے صحابہ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضرت عثمان تو شہید کر دیئے گئے ہیں اور لوگوں کے لئے ایک نہ ایک امام کی موجودگی ضروری ہے۔ جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ اور آج ہم روئے زمین پر آپ سے زیادہ کسی کو اس کا حقدار نہیں پاتے۔ نہ تو آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اسلام میں آپ پر سبقت رکھتا ہو اور نہ کوئی ایسا فرد موجود ہے جسے آپ سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اور آپؐ سے زیادہ رشتہ داری حاصل ہو۔ اس لئے یہ بار آپؑ اپنے کاندھوں پر اُٹھایئے اور لوگوں کو اس بے چینی اور پریشانی سے نجات دیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجھــہٗ نے فرمایا'' بہتر یہ ہے کہ تم کسی اور کو اپنا امیر بنالو اور مجھے اُس کا وزیر رہنے دو۔ اور بہتر یہی ہے کہ کوئی دوسرا امیر ہو اور میں اُس کا وزیر ہوں۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا'' خدا کی قسم ہم آپؑ کے علاوہ کسی کی بیعت کے لئے تیار نہیں۔'' حضرت علیؑ نے فرمایا'' جب تم مجبور کر رہے ہو تو بہتر یہ ہے کہ بیعت مسجد میں ہونی چاہئے تاکہ لوگوں پر میری بیعت مخفی نہ رہے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر یہ خلافت مجھے حاصل بھی نہیں ہوسکتی۔ سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت علیؑ کا مسجد میں جانا بہتر معلوم نہیں ہوا۔ کیونکہ مجھے یہ خوف تھا کہ لوگ اُن کے خلاف شور نہ مچائیں۔ لیکن حضرت علیؑ نے میری بات قبول نہیں فرمائی اور مسجد تشریف لے گئے وہاں تمام مہاجرین وانصار نے جمع ہو کر آپؑ کی بیعت کی۔ اور اُن کے بعد دیگر لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی۔''

(ترجمہ تاریخ طبری حصہ سوم کا حصہ دوم خلافت راشدہ خلافت حضرت علیؑ صفحہ 26-25)

یہاں قارئین کو باقی ماندہ حقائق کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت علیؑ عثمان کی ماتم پرسی کو بھی گئے تھے۔ اور یہ بھی کہ خلفائے ثلاثہ نے اپنی بیعت سے پہلے مجمع عام میں تمام مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ کی تھی لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک یوں بھی اُن کی خلافت باطل تھی۔ پھر یہ غور طلب ہے کہ وہ شرط جو صحابہ نے خلافت کے لئے ضروری سمجھی اور جس کی بنا پر حضرت علیؑ کا حقِ خلافت مانا وہ شرط خلفائے ثلاثہ میں موجود نہ تھی۔ نہ وہ سابق الاسلام تھے نہ انہیں رسولؐ سے اسقدر قربت و رشتہ داری حاصل تھی جس قدر حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی۔ اور اسی دلیل سے حضرت علیؑ ابوبکر و عمر کو باطل وظالم وغاصب قرار دیتے چلے آئے اور نہ اُن کی بیعت کی نہ اُن کی سیرت کی پیروی کی شرط پر حکومت وخلافت قبول کی۔ پھر یہ کہ ابوبکر وعمر وابوعبیدہ نائی نے انصار کو اس دلیل سے خاموش کیا تھا کہ رسولؐ ہم میں سے تھے لہٰذا خلافت کے حقدار ہم ہیں۔ حالانکہ وہ نہ رسولؐ سے تھے نہ رسوؐل اُن سے تھے۔ اور حضرت علیؑ نے یہی فرمایا تھا کہ جس دلیل سے تم نے خلافت حاصل کی ہے میں وہی دلیل تم پر پیش کر کے خلافت چاہتا ہوں۔ اور اس دلیل کا وہ کبھی کوئی جواب نہ دے سکے۔

اس لئے کہ ابھی وہ اعلان کرنے کا وقت نہ آیا تھا جو عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں عبداللہ ابن عباس کے سامنے کیا تھا یعنی یہ کہ:

''قریش کو یہ پسند ہی نہ تھا کہ خلافت اسی خاندان میں رہے جس میں نبوّت تھی۔'' (الفاروق وطبری)

یعنی یہ بھی ایک فراڈ ہے کہ ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی رسولؐ اللہ کی نسل سے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عبداللہ ابن عباس حضرت علیؑ کے بارے میں اُن افواہوں سے ڈرتے تھے جو یار لوگوں نے پھیلا رکھی تھیں اور انہیں خوف تھا کہ مخالف لوگ مسجد میں شور مچا کر بیعت میں رخنہ اندازی نہ کریں۔ مگر حضرت علی علیہ السلام جانتے تھے کہ قتل عثمان کے ہنگامہ میں بھی اُن کا عملدر آمد مثالی اور کرمفرمائی کا رہا ہے۔ اور مجسمہ حق کے سامنے باطل یوں بھی سرنگوں رہا کرتا ہے۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اُن تھرڈ کلاس لوگوں کو عمر کے واصل جہنم ہونے کے وقت عثمان کے قتل ہونے کے وقت برابر یہ خیال رہا ہے کہ امت کے لئے ایک امام یا خلیفہ یا سربراہ کی اشد ضرورت ہے اور یہی ضرورت ابوبکر وعمر پر اس بُری طرح سوار ہو گئی تھی کہ جنازۂ رسوؐل کو چھوڑ کر خلافت ہتھیانے کے لئے دوڑ گئے تھے تاکہ اُمت خلیفہ سے محروم نہ رہے۔ مگر یہ سب ملاعین یہ نہیں مانتے کہ رسولؐ اللہ کو بھی اس ضرورت کا خیال تھا۔ اور سینہ ٹھوک کر کہتے ہیں کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا۔ نہ کوئی ایسا طریقہ بتایا جس سے خلیفہ کا تقرر کیا جا سکے۔ یہی نہیں بلکہ اُن خبیثوں کے نزدیک اللہ کو بھی یہ ضرورت معلوم نہ تھی۔ حالانکہ اللہ نے قرآن میں اور رسولؐ اللہ نے اپنے بیانات میں پہلے دن ہی سے خلیفہ خداوندی مقرر کر دیا تھا، نام بتا دیا تھا، سب کو دکھا دیا تھا اور ساری عمر اُس کا تذکرہ جاری رکھا تھا۔

(6) طلحہ وزبیر ممبرانِ شوریٰ اور قدیم امیدواران خلافت نے بھی حضرت علیؑ سے خلیفہ بننے پر اصرار کیا تھا

یہ آخری روایت بھی دیکھ ہی لیں جس میں تمام مہاجرین وانصار کے ساتھ ساتھ بلکہ آگے آگے جا کر طلحہ وزبیر نے بھی حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ سے خلیفہ بن جانے کی درخواست کی تھی اور بار بار انکار سُن کر بھی تقاضا جاری رکھا تھا اور خوشی خوشی بیعت کی تھی اور یہ دونوں شوریٰ کے وقت بھی حضرت علیؑ کے طرفدار کہلا رہے تھے۔ اور چند ہی روز بعد انہوں نے حضرت علیؑ سے جنگ جمل لڑی تھی اور واصل جہنم ہوئے تھے، سنئے طبری نے لکھا ہے کہ:

''جب حضرت عثمان شہید ہو گئے تو مہاجرین وانصار جمع ہو کر، جن میں طلحہ وزبیر بھی تھے، حضرت علیؑ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا ''اے ابوالحسنؑ اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم آپؑ کی بیعت کریں۔'' حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ ''مجھے خلافت کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ تم جسے بھی خلیفہ بنانا چاہو میں اس سے خوش ہوں اور اس معاملے میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' مہاجرین وانصار نے جواب دیا۔ ہم آپؑ کے علاوہ کسی کو خلیفہ بنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ الغرض حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مہاجرین وانصار حضرت علیؑ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتے رہے۔ اور اُنہیں خلافت قبول کرنے پر مجبور کرتے رہے۔ حتّٰی کہ اُن مہاجرین وانصار نے ایک بار یہاں تک کہا کہ خلافت کے بغیر معاملات طے نہیں پا سکتے اور آپؑ کی ٹال مٹول سے معاملہ طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ''چونکہ تم مجھے بار بار آ کر مجبور کر رہے ہو تو میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اگر تم میری بات قبول کرو گے تو میں خلافت قبول کروں گا ورنہ مجھے

خلافت کی کوئی حاجت نہیں ہے۔مہاجرین وانصار نے وعدہ کیا کہ آپ جو کچھ بھی حکم دیں گے ہم انشاء اللہ اُسے ضرور قبول کریں گے۔'' یہ وعدہ لے کر حضرت علیؑ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھے۔لوگ آپؑ کے اردگرد جمع ہو گئے آپؑ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا ''میں نے تمہاری اس خلافت کا بار مجبور ہو کر قبول کیا ہے کیونکہ تم لوگوں نے مجھ کو اس پر انتہائی مجبور کیا ہے اور میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا کہ میں تمہاری درخواست قبول کرلوں۔اب میری شرط صرف اتنی ہے کہ تمہارے خزانوں کی چابیاں اگرچہ میرے قبضہ میں رہیں گی لیکن میں تمہاری رضامندی کے بغیر اُس میں سے ایک درہم بھی نہ لوں گا۔'' صحابہ کرام نے یہ بات قبول فرمائی۔حضرت علیؑ نے اُن کا جواب سُن کر فرمایا ''اے اللہ تُو اُن پر گواہ رہ'' اس کے بعد حضرت علیؑ نے لوگوں سے بیعت لی۔'' (تمام اقتباسات وترجمہ تاریخ طبری حصہ سوم کا حصہ دوم خلافت راشدہ صفحہ 27-26)

انتباہ: قارئین نوٹ کریں کہ حضرت علیؑ مہاجرین وانصار وعوام سے ایک ایسی شرط منوانا چاہتے ہیں کہ اگر اُسے وہ لوگ نہ مانیں تو حضورؑ خلافت قبول نہ کریں گے اور تمام صحابہ کی منت وخوشامد اور اصرار وغیرہ کو ٹھکرانے میں تکلف نہ کریں گے۔اس اہتمام وقول کے بعد جو بات لکھی گئی وہ بجائے مہاجر وانصار وعوام پر پابندی کے خود اپنے اوپر پابندی عائد کرلی؟ بتایئے کہ کون اسے منظور نہ کرتا؟ اور کہتا کہ:

جناب ہم یہ نہیں مان سکتے کہ تم ہماری اجازت کے بغیر ایک درہم بھی نہ لیا کرو گے؟

اگر درہم ودینار لینے ہی کی بات ہوتی تو شرط یہ ہونا چاہئے تھی کہ: ''میں درہم ودینار لینے کیلئے تم سے اجازت نہ لیا کروں گا۔'' ایسی شرط کو ماننے اور مال ہڑپ کرنے کا پورا اختیار دینے میں انہیں تکلف ہونا چاہئے تھا نہ کہ اجازت لیکر کچھ لینے میں؟ قریشی مؤرخین ساری دنیا کو بے وقوف سمجھتے رہے ہیں۔شرط تو یہ تھی کہ تم میں سے کسی کو اُس سے زیادہ نہ دونگا جتنا میں لیا کروں گا۔اس طرح تمام زر پرستوں اور سابقہ حکومتوں کے لاڈلوں کو آئندہ محروم رکھنے کی شرط لگائی تھی جو مجمع عام میں منظور کی گئی......یعنی سرمایہ داروں کی موت کی اطلاع دی گئی تھی۔

(7) حضرت علیؑ کے مخالفین کے لادینی اقدامات بھی علیؑ سے کوئی غلط قدم نہ اُٹھوا سکے عصمت ثابت ہے

اعلانِ نبوت کے دن سے قریش نے جو کچھ کیا وہ ساری دنیا میں مشہور کر دیا گیا ہے اور جو کچھ پوشیدہ رہ گیا تھا وہ ہم نے طشت از بام کر دیا ہے۔اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ ذوالعشیرہ میں حضرت علی علیہ السلام کی وزارت و خلافت اور اخوت کا اعلان کیا' حضرت علیؑ کی کوئی صفت یا فضیلت،علمیت،بہادری،وفاداری وجاں نثاری،پامردی جرأت وجسارت، قوتِ تقریر وتحریر وخطابت؛ الغرض کوئی بھی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس کی بنا پر قریشی علما،شعراء،خطبا اور مشہورِ زمانہ بہادر،اور ماہرین مذہبیات وسیاسیات پر علیؑ کی وزارت وخلافت واُخوت کا رعب پڑتا۔پھر تاریخ حضرت علی علیہ السلام کو،قریش کی زبان میں ایک بچہ،اور حساب کی رُو سے تیرہ چودہ برس کا لڑکا کہتی ہے۔یہ بہت غور کرنے کی بات ہے کہ ایسی صورت میں آنحضرؐت نے اُنھیں اپنے وزیر وخلیفہ ہونے کا اعزاز دینا کیوں پسند کیا اور کیوں زعمائے قریش کے مجمع میں اس کا اعلان کیا؟ کیا آپ اپنا اور اپنے مشن کا مذاق اُڑوانا چاہتے تھے؟ وہاں تو علیؑ کی جگہ کوئی ایسا شخص ہونا چاہئے تھا جو کم از کم ہر صفت میں تمام حاضرین سے بڑھ کر ہوتا جس کی سنجیدگی،بصیرت،دُور بینی

اور دیگر کمالات آزمائے ہوئے اور تمام حاضرین کو معلوم ہوتے ۔ یہ تو بظاہر ایسا اعلان ہوا جیسے کوئی تندرست توانا لوگوں کے سامنے کسی لنگڑے اپاہج کی وزارت وخلافت کا اعلان کردے؟ رسولؐ اللہ کو علیؑ کے متعلق کیا کیا معلوم تھا؟ وہ دونوں کتنے زمانے سے ساتھ ساتھ رہتے چلے آرہے تھے؟ وہؐ جیسے اور جس قابلیت کے حامل خود تھے ویسا ہی علیؑ کو سمجھتے تھے اُنھیں اُنؐ کا یداللہ اور نفس اللہ ہونا معلوم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ علیؑ کے ایک اشارے سے کارخانہ کائنات رُک سکتا تھا۔ مگر قریش ابھی خود محمدؐ کو بھی وہ کچھ نہ سمجھتے تھے جو وہ درحقیقت تھے۔ قریش کے سامنے یہ اعلان اُسی وقت مناسب وموزوں ہوسکتا تھا جب کہ قریش کے نزدیک علیؑ کی پوزیشن مسلمہ ہوتی، جبکہ وہ اس اعلان سے ہکا بکّا رہ جاتے، اُن پر دہشت وہیبت طاری ہوجاتی۔ یقین کیجئے کہ آنحضرتؐ کے اعلان سے وہ سب کچھ ہوا جو ایسے اعلان کا مقصد ہوتا ہے۔ قریش نے، علیؑ تو علیؑ تھے، خود رسولؐ اللہ کے چالیس سال کی عمر کے حالات کو چھپالیا ہے تو وہ کیسے اور کیوں علیؑ کی وہ پوزیشن آگے بڑھنے دیتے جس کو سامنے رکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کی خلافت ووزارت کا اعلان کیا تھا؟ اور ساری دُنیا نے دیکھا اور قریش نے تسلیم کیا کہ حضرت علیؑ عام انسانی بچوں کی طرح نہ تعلیم حاصل کرتے ہوئے دیکھے گئے نہ کسی نے اُن کو لکھنا پڑھنا ہی سیکھتے ہوئے دیکھا نہ تلوار چلانے کا فن کسی نے اُن کو سِکھایا نہ تقریر کرنے کے قوائد وضوابط پر عمل کرنے کے لئے کسی کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کئے۔ مگر جب جس علم وعمل کی ضرورت سامنے آئی تو علمی وعملی شعبے میں وہ کمالات پیش کئے جسے علمائے انسانیت نے مافوق البشر قرار دیا۔ تلوار اُٹھائی تو قریش کی افرادی قوت کی گردن کاٹ کر رکھ دی اُن کے فخر وغرور کا سرکاٹ کر پیروں سے کچل دیا۔ کبھی دشمن نے اُنھیں للکارا تو للکارنے والی زبان تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی مگر للکارنے والے کے لواحقین کی زبانیں مرنے والوں پر نوحہ وفریاد میں اور علیؑ وخاندانِ مُرتضوؐی کو بُرا بھلا کہنے اور بدنام کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ سفارت اور چیلنج کی ضرورت پیش آئی تو اللہ و رسوؐل کی نمائندگی میں دشمنانِ خدا ورسوؐل کو مکہ میں جمع کر کے للکارا اور قہرِ خداوندی اور ہیبت وجبروتِ الٰہی کو اس طرح پیش کیا کہ اہلِ مکہ اور سردارانِ قریش لرزہ براندام تھے۔ قلوب دَہل دَہل کر سینوں میں بیٹھے جارہے تھے۔

قریش اور دیگر دشمنانِ اسلام علیؑ سے کس قدر خائف تھے اور اُن کی وزارت وخلافت وحکومت سے کس قدر غیر محفوظ تھے اس کا اندازہ قریش کے اُن اقدامات سے لگایا جاسکتا ہے جو اُنہیں حضرت علی علیہ السلام کی روک تھام کے لئے کرنا پڑے اور جب تک قریشی حکومت دنیا میں رہی اُن کے سامنے اس کے علاوہ کوئی مقصد ہی نہ رہا کہ کس طرح خلافت وحکومتِ مرتضوؐی کو روکا جائے۔ چھ سو سال اُنھوں نے ساری دنیا کو لُوٹ کر سارا سرمایہ، ساری افرادی قوت، تمام ظلم وستم، ہر مکروفریب اور اپنی اجتماعی بصیرت کا ایک ایک قطرہ اپنی حکومت کے تحفظ پر خرچ کردیا لیکن مرتضوؐی اسکیم نے اُنہیں ہر آڑ اور کمین گاہ میں جالیا۔ اُنہیں میدان میں نکالا، بھگا بھگا کر تھکادیا یہاں تک اُن کو صبر کے ساتھ ساتھ مادی ہتھیاروں اور تلواروں سے بھی گھیر لیا اور آخر آخری موت کی نیند سُلا کر اُن کی خلافت سے محروم رہ جانے والے ملعون یعنی ابوعبیدہ جراح کے پیشہ ورحجاموں کو دیدی اور آج ہر دوسری فرلانگ پر خلفا حجامت بناتے نظر آتے ہیں۔

بہرحال بعد وفاتِ رسولؐ، حضرت علی علیہ السلام کے عملدرآمد کا ایک رُخ یہ تھا کہ وہ برسرِ عام اور خود اُن کو مخاطب کر کے غاصب وغادرو

خائن فرماتے اور ثابت کرتے رہے۔ دوسری طرف کوئی مادّی محاذ بنائے بغیر قریشی خلافت کو قبرستانِ یہود کی طرف دھکیلتے رہے۔ عثمان یعنی تیسرے خلیفہ کی لاش کتوں سے چھڑا کر یہودی قبرستان میں دفن کرادی اور اپنے حَسین روّیے سے آج یار و دوست کہلاتے ہیں یعنی مخالف محاذ بھی چار یار زندہ باد کا نعرہ مار کر اُنکے حضور خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے اور مودودی ذمہ داری لیتے ہیں کہ خلافت کے حصول اور خلافت کے دوران بھی حضرت علی علیہ السلام نے کوئی اقدام غلط نہیں کیا اور یہ کہ اُنکے مدّ مقابل تمام صحابہ اور بزرگانِ قریش غلط کار تھے۔

(8) حضرت علیؑ کو ہر حیثیت سے برسرِ حق اور اُن کے مخالفوں کو برسرِ باطل مانتے ہوئے بھی قریشی لیڈروں کا احترام نہیں چھوڑتے

مودودی نے حضرت علی علیہ السلام کے عنانِ خلافت سنبھالنے سے لے کر اُس وقت تک کے تمام واقعات پر روشنی ڈالی ہے جب معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنایا اور اہلِ مکہ اور مدینہ کے صحابہ سے اُس کے لئے تلواروں کے سائے میں بیعت لی۔ ہم اِن بیانات میں سے چند ایسے جملے یہاں نقل کریں گے جن سے حضرت علیؑ کا موقف اور اقدامات کا حق ہونا اور اُن کے مخالف دشمنوں کے تمام اقدامات و عقائد کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ سُنیئے اور مودودی کا باطل سے تعلق دیکھئے:

اوّل۔ علیؑ کی بیعت نہ کرنے والے منفی کردار کے فتنہ جُو صحابہ تھے مگر مودودی کے بزرگ تھے

''بعض اَکابر صحابہ کا حضرت علیؑ کی بیعت سے الگ رہنا: یہ طرزِ عمل اگرچہ اُن بزرگوں نے انتہائی نیک نیتی کے ساتھ محض فتنے سے بچنے کی خاطر اختیار فرمایا تھا، لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ جس فتنے سے وہ بچنا چاہتے تھے اُس سے بدرجہا زیادہ بڑے فتنے میں اُن کا یہ فعل اُلٹا مددگار بن گیا۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 123)

یہاں یہ نوٹ کریں کہ اُن ملاعین نے یہ عذر نہیں کیا ہے کہ اُنہوں نے انتہائی نیک نیتی سے بیعت نہ کی تھی۔ بلکہ یہ عذر اُن کی طرف سے اُن علما نے کیا ہے جو اُن کے پیرو اور اُن کے دامن سے اس لعنت کو دھونے والے گزرے ہیں۔ وہ لوگ شوریٰ والے دشمنِ علیؑ تھے مثلاً عبداللہ ابن عمر اور سعد بن وقاص اور اُن کی پوری پارٹی اور وہ کبھی بیعت نہ کرنے پر شرمندہ نہیں ہوئے، دوسری طرح سنیئے:

''علاوہ بریں اُن چند اصحاب کا بیعت نہ کرنا ایک منفی فعل تھا جس سے خلافت کے معاملے کی آئینی پوزیشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔''(122)

دوم۔ عثمان کے خون کا مطالبہ کرنے والے تمام فریق اسلام کے خلاف عہد جاہلیت وکفر پر عمل پیرا تھے

عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ کی پوزیشن؟

''عثمان کے خون کا مطالبہ، جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف حضرت عائشہ اور حضرات طلحہ و زبیر، اور دوسری طرف حضرت معاویہ۔ ان دونوں فریق کے مرتبہ ومقام وجلالت قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں فریق کی پوزیشن آئینی حیثیت سے درست نہیں مانی جاسکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اُٹھ کھڑا ہو اور جو طریقہ چاہے اسے پورا کرانے کیلئے استعمال کرلے؟ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کیلئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔ خون کا مطالبہ لے کر اُٹھنے کا حق مقتول کے

وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے۔حکومت اگر مجرموں کو پکڑنے اور اُن پر مقدمہ چلانے میں واقعی دانستہ ہی تساہل کر رہی تھی تو بلا شبہ اُس سے انصاف کا مطالبہ کر سکتے تھے۔لیکن کسی حکومت سے انصاف کے مطالبے کا یہ کون سا طریقہ ہے؛ اور شریعت میں کہاں اس کی نشان دہی کی جاسکتی ہے کہ آپ سرے سے اس حکومت کو جائز حکومت ہی اس وقت تک نہ مانیں جب تک وہ آپ کے اس مطالبے کے مطابق عملدر آمد نہ کر دے؟ حضرت علیؑ اگر جائز خلیفہ تھے ہی نہیں تو پھر اُن سے اس مطالبے کے آخر معنی کیا تھے؟ کہ وہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں؟ کیا وہ کوئی قبائلی سردار تھے جو کسی قانونی اختیار کے بغیر جسے چاہیں پکڑ لیں اور سزا دے ڈالیں؟اس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریق کار یہ تھا کہ پہلے فریق (عائشہ طلحہ وزبیر) نے بجائے اس کے کہ وہ مدینہ جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا، جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے ورثاء سب موجود تھے۔اور عدالتی کارروائی کی جاسکتی تھی، بصرے کا رخ کیا اور فوج جمع کر کے خون عثمان کا بدلہ لینے کی کوشش کی (یعنی علیؑ کو قاتل سمجھا) جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ایک خون کے بجائے دس ہزار خون ہوں اور مملکت کا نظام الگ درہم برہم ہو جائے۔شریعت الٰہی تو درکنار، دنیا کے کسی آئین وقانون کی رُو سے بھی اسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جاسکتا۔اس سے بدر جہا زیادہ غیر آئینی طرزِ عمل دوسرے فریق، یعنی حضرت معاویہ کا تھا جو معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ملک شام کے گورنر کی حیثیت سے خون عثمان کا بدلہ لینے کیلئے اُٹھے، مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا، گورنری کی طاقت اپنے اس مقصد کیلئے استعمال کی، اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ حضرت علیؑ قاتلین عثمان پر مقدمہ چلا کر انہیں سزا دیں، بلکہ یہ کیا کہ وہ قاتلینِ عثمان کو اُن کے حوالے کر دیں تا کہ وہ خود انہیں قتل کریں۔یہ سب کچھ دورِ اسلام کے نظام حکومت کی بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔خونِ عثمان کے مطالبے کا حق اوّل تو حضرت معاویہ کے بجائے حضرت عثمان کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا۔تاہم اگر رشتہ داری کی بنا پر حضرت معاویہ اس مطالبے کے مجاز ہو بھی سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں۔حضرت عثمان کا رشتہ جو کچھ بھی تھا معاویہ بن ابی سفیان سے تھا۔شام کی گورنری اُن کی رشتہ دار نہ تھی۔اپنی ذاتی حیثیت میں وہ خلیفہ کے پاس مستغیث بن کر جاسکتے تھے۔اور مجرمین کو گرفتار کرنے اور اُن پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔گورنری کی حیثیت میں انہیں کوئی حق نہ تھا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر باقاعدہ آئینی طریقے سے بیعت ہو چکی تھی، جسکی خلافت کو اُن کے زیر انتظام صوبے کے سوا باقی پوری مملکت تسلیم کر چکی تھی28، اُس کی اطاعت سے انکار کر دیتے۔اور اپنے زیر انتظام علاقے کی فوجی طاقت کو مرکزی حکومت کے مقابلے میں استعمال کرتے، اور ٹھیٹھ جاہلیتِ قدیمہ کے طریقے پر یہ مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی کارروائی کے بجائے مدعی قصاص کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ خود اُن سے بدلہ لے؟''

(خلافت وملوکیت صفحہ 124 تا 126)

''28۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جنگِ صفین کے بعد تک پورا جزیرۃ العرب، اور شام کے مشرق ومغرب میں دونوں طرف اسلامی سلطنت کا ہر صوبہ حضرت علیؑ کی بیعت پر قائم تھا اور صرف شام حضرت معاویہ کے زیر اثر ہونے کی بنا پر اُنکی اطاعت سے منحرف

تھا۔اسلئے صحیح آئینی پوزیشن یہ نہ تھی کہ دنیائے اسلام میں کوئی طوائف الملوکی برپا تھی جس میں کوئی کسی کی اطاعت کا پابند نہ تھا، بلکہ یہ تھی کہ مملکت میں ایک جائز، قانونی، مرکزی حکومت موجود تھی جس کی اطاعت تمام دوسرے صوبے کر رہے تھے اور صرف ایک صوبہ باغی تھا۔'' (یہ علامہ کا اپنا حاشیہ ہے) (طبری جلد 3 صفحہ 463-462؛ ابن الاثیر جلد 3 صفحہ 141-137؛ البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 251-229) (خلافت وملوکیت صفحہ 125 حاشیہ 28)

سوم۔ حضرت علیؑ کا عملدرآمد باغیوں کے ساتھ وہی تھا جو قرآن کا حکم ہے۔قاضی ابوبکرابن عربی کا فیصلہ

مسلسل لکھتے ہیں کہ: ''اس مسئلے میں صحیح شرعی پوزیشن قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں اس طرح بیان کی ہے:

''حضرت عثمان کی شہادت کے بعد لوگوں کو بلا امام چھوڑ دینا ممکن نہ تھا، چنانچہ امامت اُن باقی ماندہ صحابہ کے سامنے پیش کی گئی جن کا ذکر حضرت عمر نے شوریٰ میں کیا تھا۔ مگر انہوں نے اُسے رد کر دیا اور حضرت علیؑ نے جو اُس کے سب سے زیادہ حقدار اور اہل تھے، اُسے قبول کر لیا تا کہ امت کو خونریزی اور آپس کی پھوٹ سے بچایا جا سکے جس سے دین وملت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جانے کا خطرہ تھا۔ پھر جب اُن سے بیعت کر لی گئی تو شام کے لوگوں نے اُن کی بیعت کرنے کے لئے یہ شرط لگائی کہ پہلے حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے اُن سے قصاص لیا جائے۔ حضرت علیؑ نے اُن سے کہا کہ پہلے بیعت میں داخل ہو جاؤ، پھر حق کا مطالبہ کرو اور وہ تمہیں مل جائے گا۔ مگر انہوں نے کہا آپ بیعت کے مستحق ہی نہیں ہیں جب کہ ہم قاتلین عثمان کو صبح وشام آپ کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ اس معاملہ میں حضرت علیؑ کی رائے زیادہ صحیح تھی اور اُن کا قول زیادہ درست تھا۔ کیونکہ اگر وہ اس وقت قاتلین عثمان سے بدلہ لینے کی کوشش کرتے تو قبائل اُن کی مدد پر اُٹھ کھڑے ہوتے اور لڑائی کا ایک تیسرا محاذ کھل جاتا۔ اس لئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ حکومت مضبوط ہو جائے اور تمام مملکت میں اُن کی بیعت منعقد ہو لے، اس کے بعد باقاعدہ عدالت میں اولیائے مقتول کی طرف سے دعویٰ پیش ہو اور حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے۔ علمائے امت کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام کے لئے قصاص کو مؤخر کرنا ایسی حالت میں جائز ہے جبکہ اس سے فتنہ بھڑک اُٹھنے اور تفرقہ برپا ہونے کا خطرہ ہو۔ ایسا ہی معاملہ حضرات طلحہ وزبیر کا بھی تھا۔ اُن دونوں حضرات نے نہ تو حضرت علیؑ کو خلافت سے بے دخل کیا تھا، نہ وہ اُن کے دین پر معترض تھے، البتہ اُن کا خیال یہ تھا کہ سب سے پہلے حضرت عثمان کے قاتلوں سے ابتدا کی جائے۔ مگر حضرت علیؑ اپنی رائے پر قائم رہے اور اُن ہی کی رائے صحیح تھی۔''

آگے چل کر قاضی صاحب آیت: فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ (حجرات 49/9) کی تفسیر پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت علیؑ نے اُن حالات میں اسی آیت (49/9) کے مطابق عمل کیا تھا۔ اُنہوں نے اُن باغیوں کے خلاف جنگ کی جو امام پر اپنی رائے مسلط کرنا چاہتے تھے اور ایسا مطالبہ کر رہے تھے جس کا انہیں حق نہ تھا۔ اُن کیلئے صحیح طریقہ یہ تھا کہ وہ حضرت علیؑ کی بات مان لیتے اور اپنا مطالبۂ قصاص عدالت میں پیش کر کے قاتلین پر مقدمہ ثابت کرتے۔ اگر ان لوگوں نے یہ طریق کار اختیار کیا ہوتا اور پھر حضرت علیؑ مجرموں سے بدلہ نہ لیتے تو انہیں کش مکش کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی، عامۂ مسلمین خود ہی حضرت علیؑ کو معزول

کر دیتے۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 127-126؛احکام القرآن جلد 4 صفحہ 1707-1706 طبع مصر 1958ء)

یہاں علامہ مودودی کا بیان ختم ہوا اب ہماری تنقید ملاحظہ فرمائیں۔

(9) حضرت علیؑ کی ہر بات ہر فیصلہ اور ہر اقدام برحق مانا گیا اُن کے مخالفین جہنمی و لعنتی ثابت ہوتے چلے گئے

مودودی اور ابوبکر جصّاص جیسے متعصب اور پرستارانِ قریش کے قلم سے آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے کسی حال میں اسلامی تعلیمات کے خلاف کوئی بات نہیں کی ہر حال میں اسلام وقرآن اور خدا اور رسولؐ کے پسندیدہ طریقے اور معیار کو برقرار رکھا اور اُنکے مخالفوں نے روزِ اوّل سے، اُنکی مخالفت میں کبھی اسلامی تعلیمات اور قرآنی قوانین کو ملحوظ نہیں رکھا۔ ہر ہر فریب و بددیانتی، ہر بے ایمانی کو استعمال کیا۔ بقول علامہ مودودی عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ نے قبل اسلام کی جاہلیت بلکہ ٹھیٹھ جاہلیت کے طریقے استعمال کئے۔ انہوں نے خلیفۂ برحق کی اطاعت ہی نہ کی ہوتی تو قرآن کی رُو سے جہنمی ہو جاتے، انہوں نے نافرمانی کا مستقل رویہ ہی اختیار کر لیا ہوتا تو جہنم ان پر واجب ہو جاتا وہ تو اس سے بہت آگے بڑھ گئے اُنہوں نے کھلی کھلی بغاوت کی، خلیفہ پر فوج کشی کی، اُسکی حکومت کا تختہ اُلٹنے کیلئے ہر چال چلی۔ اُنہوں نے خلیفہ برحق کو شکست دینے کیلئے مسلمانوں کو لُوٹا، بیت المال کو غصب کیا، بصرہ کے گورنر کو زدوکوب ہی نہیں کیا بلکہ اُسکی داڑھی تک منڈوا دی۔ الغرض اُنکے جرائم میں کا ہر جرم انہیں لعنتی و جہنمی قرار دیتا ہے۔ لیکن مودودی کا تو مذہب ہی یہ ہے کہ دشمنانِ خدا و رسولؐ کا احترام کرتے رہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ مودودی بھی مانتے ہیں اور ابوبکر ابن العربی بھی لکھتا ہے کہ معاویہ اور طلحہ وزبیر اور عائشہ قاتلین عثمان کو طلب کرتے تھے اور چونکہ قاتل اُن کے حوالے نہیں کئے گئے اس لئے اُنہوں نے فوج کشی کی تھی۔ اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ ابھی عثمان کے وارثوں نے قتل کا دعویٰ بھی دائر نہ کیا تھا اور قاتلوں کا تشخص بھی نہ ہوا تھا۔ ایسی صورت میں کیسے ممکن تھا کہ قاتل ان کے حوالے کر دیئے جاتے؟ اور ایسی صورت میں یہ کہنا کہ صبح وشام قاتل حضرت علیؑ کے ساتھ رہتے ہیں بدگمانی اور تہمت کے سوا اور کیا ہے؟

تیسرا پہلو یہ ہے کہ عائشہ، طلحہ اور زبیر کا مدینہ میں آ کر عثمان کے خون کا دعویٰ نہ کرنا اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ قتل عثمان میں ان تینوں کا ہاتھ تھا۔ مدینہ میں عثمان کے قتل کا دعویٰ کرتے ہی یہ راز کھل جاتا لوگ اُن کے خلاف سچا ثبوت فراہم کر دیتے۔ یہی خوف تھا جس کی بنا پر یہ لوگ مدینہ میں نہ آئے۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ علیؑ کے خلاف اُٹھنے والے تمام لوگ خواہ عائشہ، طلحہ وزبیر ہوں یا معاویہ اور عبداللہ بن عمر وسعد بن وقاص ہوں یہ سب جس قانون پر عمل کر رہے تھے وہ خلیفہ دوم کی پالیسیاں اور خاندانِ رسولؐ اور علیؑ کے ساتھ اُن کا رویہ تھا۔ یعنی علیؑ کو حکومت سے محروم کرنے کی ہر کوشش جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ قوم کا قدیم اور اجماعی فیصلہ تھا (الفاروق وطبری) اور قریشی صحابہ کا اجماع قرآن وحدیث کو منسوخ کرتا چلا آیا ہے۔ پانچواں پہلو یہ ہے کہ ابوبکر ابن العربی نے حضرت علی علیہ السلام کی رائے کی صحت کا اقبال ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

''اس معاملے میں حضرت علیؑ کی رائے زیادہ صحیح تھی اور اُن کا قول زیادہ درست تھا۔''

مطلب یہ ہوا کہ معاویہ اور اہل شام کی رائے بھی غلط نہ تھی بلکہ زیادہ سے کچھ کم درجہ میں وہ بھی صحیح تھی۔ یہ ہے قریش کے پرستاروں کی محتاط

عبارت جس کے پردے میں وہ اُن ملاعین کے احترام اور مقام بلند کے قائل ہیں۔ پھر قاضی صاحب نے یہ لکھنے کے بجائے کہ:
معاویہ نے حضرت علیؑ کی بیعت کرنے پر یہ شرط لگائی......۔ یہ لکھتے ہیں کہ: ''شام کے لوگوں نے یہ شرط لگائی'' تاکہ وہ اپنے امیرالمومنین کو اس جرم سے ذرا دیر کے لئے بچا سکیں۔
چھٹا پہلو یہ ہے کہ مودودی تو یہ لکھتا ہے کہ معاویہ نے عثمان کے قاتلوں کو طلب کیا تھا تاکہ خود اُن سے قصاص لے اور جس قاضی کے بیان کو شرعی اور صحیح مقام دیتے ہیں وہ ملعون یہ کہتا ہے کہ:

''بیعت کے لئے یہ شرط لگائی کہ پہلے حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کرکے اُن سے قصاص لیا جائے۔''

یعنی مودودی نے جھوٹ بولا ہے کہ قاتلوں کو مانگا تھا۔ اور آخری بات یہ ہے کہ قاضی صاحب یہ کہتے ہیں کہ پہلے شوریٰ کے باقی ماندہ صحابہ کے سامنے خلافت پیش کی گئی تھی اور انہوں نے رد کر دی تھی تب حضرت علیؑ کو خلیفہ بننے کیلئے کہا گیا اور گویا اُنہوں نے فٹافٹ قبول کر لی۔ حالانکہ قارئین نے دیکھا کہ شوریٰ والے صحابہ کو کسی نے گھاس نہیں ڈالی حالانکہ طلحہ برابر کوشاں بھی رہے۔ اور یہ کہ طلحہ و زبیر اور تمام صحابہ، مہاجر و انصار حضرت علیؑ کے درِ دولت کے چکر لگاتے اور ناکام واپس آتے رہے اور بار بار انکار کے بعد منت سماجت اور اللہ کے واسطوں کے بعد اس خلافت کو قبول کیا تھا۔ بہرحال قاضی ہو یا کوئی مفتی ہو انہیں قریشی لیڈروں کیلئے دروغ بافی میں ثواب کی امید ہے۔

(10) حکومت حاصل کرنے کے سلسلے میں قریشی صحابہ روزِ اوّل سے ایام جاہلیت کے قوانین پر چلتے آرہے تھے

مودودی نے کئی مرتبہ لکھا کہ عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ اور اُن کے تمام ساتھی ایام جاہلیت بلکہ ٹھیٹھ جاہلیت کے قبائلی رسم و رواج پر چلتے رہے اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ خلیفہ برحق یعنی حضرت علی علیہ السلام کو ملی ہوئی حکومت دوبارہ چھیننا چاہتے تھے۔ اور جس طرح بھی ممکن ہو مسلمانوں کو اُن کے خلاف تیغ بکف اُٹھانا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لئے چاروں طرف سے فوجیں لے کر حضرت علیؑ سے جنگ جاری رکھی تھی مگر شکست پر شکست کھاتے رہے اور حیاتِ مرتضویؑ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں علامہ کا ترجمہ سُنیئے اور دیکھئے کہ اللہ مومنین کے دوسرے گروہ کے عقائد و اعمال اور اسکیم کس طرح کھول کر بیان کرتا ہے:

''مگر ایک دوسرا گروہ، جس کے لئے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلافِ حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ ''اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟'' ان سے کہو'' (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔'' دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ'' (اگر قیادت کے) اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔'' (آل عمران 3/154 تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 296)

اس آیت میں دو الفاظ خاص طور پر نوٹ کرنے کے ہیں۔ اوّل "ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ" یعنی رسولؐ کی حکومت میں اختیار اور حصہ مانگنے کے لئے اُن کے دل میں ایام جاہلیت کے اصولوں پر مبنی ایک منصوبہ تھا جس کو رسولؐ سے پوشیدہ رکھ کر وہ گروہ پروان چڑھ رہا تھا۔ ان لوگوں کو

مودودی نے منافق نہیں کہا ہے لہٰذا اُنکے نزدیک بھی یہ گروہ مومنین ہی میں کا دوسرا گروہ تھا۔ دوسرا لفظ اس آیت میں " طَائِفَةٌ " آیا ہے۔ ایک طائفہ کو نیند میں مبتلا دکھایا ہے (3/154) اور دوسرے طائفہ کا یہ حال بیان ہوا ہے۔ اسی طائفہ کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ:

دوسری جگہ اِسی طائفہ کا ذکر جو رسولؐ کو بھی وحی کے خلاف عمل کرانے میں کوشاں رہا ہے

''پس اَے محمدؐ، تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق اِن لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اُس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پھر اگر یہ اُس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے اِن کے بعض گناہوں کی پاداش میں اِن کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اِن لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔ (اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اُن کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔''

(مائدہ 5/49-50 تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 478-479)

علامہ کی تشریح جاہلیت کے معنی، قرآن کے خلاف ہر چیز جاہلیت ہے: علامہ کی تشریح سنیئے اور عربوں اور قریش کے عملدرآمد کے معنی سمجھیئے:

''83۔ جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے راہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبلِ اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اُس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس وگمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لئے زندگی کے طریقے مقرر کر لئے تھے۔ یہ طرزِ عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اُسے بہرحال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 479)

قریشی خلافت نے ایامِ جاہلیت کے قوانین قیاس، خواہشات وذاتی رائے سے اختیار کئے تھے: جاہلیت کا طریقہ سمجھ لینے کے بعد یہ ملاحظہ ہو کہ قریشی حکومتوں اور مذہب کا دارومدار سو فیصد جاہلیت کے طریقہ پر ہے۔ اس طریقے کے موجد مسلمانوں میں خلیفہ دوم عمر تھے سنیئے:

''فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کیلئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ اُن جزئیات کے فیصلہ کرنے کیلئے قیاسِ شرعی سے کام لیا جائے اسی ضرورت سے آئمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد حنبل سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور اُن کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے لیکن قیاس کی بنیاد اوّل جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں۔ اُن لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو اُن سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو کیا کرو گے انہوں نے کہا کہ میں قرآن مجید سے جواب دوں گا۔ اگر قرآن وحدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوگی تو اجتہاد کروں گا۔ لیکن اس سے استدلال نہیں ہوسکتا کہ اُن کی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں ہوتا ہے۔ ابن حزم وداؤد طائی وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ

تھے۔حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے......'' الخ (الفاروق حصہ 2 صفحہ 114-115)
آگے چل کر علامہ شبلی نے مثالیں دے کر قیاس پر عمر کے احکام بھی لکھے ہیں۔بہرحال عمر وہ شخص تھا جس نے قیاس اور اپنی رائے اور پسند سے ہزاروں قوانین بنائے تھے اور تفصیل گزر چکی ہے۔یہی شخص ہے جس نے قرآن اور حدیث دونوں کو ناقص قرار دیا جبکہ قرآن نے ہر چیز کی تفصیل کا دعویٰ کیا ہے (یوسف 12/111) اور کائنات کی ہر چیز کو بیان کر دینے کا طرح طرح سے اعلان کیا گیا ہے (نحل 16/89) اور بتایا ہے کہ قرآن میں کسی قسم کی خامی اور کمی نہیں چھوڑی گئی ہے (انعام 6/38) ہر شے بیان کر دی گئی ہے۔یہ بھی فرمایا گیا کہ کوئی خشک شے یا گیلی چیز ایسی نہیں جس کا قرآن میں تذکرہ نہ ہو (انعام 6/59) اور یہ بھی کہ نہ کوئی چھوٹی چیز ایسی ہے نہ بڑی جو قرآن میں مذکور نہ ہو (یونس 10/61)۔ان آیات اور بہت سی آیات میں یہ ثابت ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے ہر سوال کا جواب قرآن اور اہل قرآن میں سے ملتا رہے گا (نحل 16/43) اس کے بعد یہ کہنا کہ مسائل کی جزئیات قرآن وحدیث میں نہیں ہیں قرآن کو جھٹلانے کے سوا کچھ نہیں اور قریش کے اسی عقیدہ کی بنا پر اُن کو مکذب قرآن فرمایا گیا ہے (انعام 6/66) اور قرآن کو مھجور کرنے کا جرم لگایا گیا ہے (فرقان 25/30-31) یعنی قریش قرآن کو مانتے تو ہیں مگر مفاہیم بدل بدل کر مانتے ہیں۔

انتباہ۔ لوح محفوظ کو ام الکتاب تو کہا گیا ہے۔کتاب یا الکتاب نہیں فرمایا

قارئین یہ بات خاص طور پر نوٹ کر لیں کہ قریش قرآن کریم کی ہمہ گیری کا انکار کرتے ہیں اس لئے وہ ناواقف لوگوں سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ جہاں جہاں کتاب میں ہر چیز کے بیان یا موجودگی کا ذکر ہے وہاں اللہ نے لوح محفوظ کا حال بیان کیا ہے ایسے فریب سازوں کو یہ مندرجہ ذیل آیات پڑھنے کا مشورہ دے کر یہ بھی بتا دیں کہ اللہ نے قرآن میں لوح محفوظ کو کہیں بھی نہ کتاب فرمایا نہ الکتاب کہا ہے۔
(دیکھو آیات۔ زخرف 4 تا 43/1، دخان 5 تا 44/1، الواقعہ 79 تا 56/77 اور نمل 27/75-76)

(11) ایام جاہلیت کی دلدادہ عورتوں کی سردار ابوبکر کی بیٹی عائشہ تھی

قریش کو ایام جاہلیت والے مذہب پر برقرار رکھنے کے لئے قریشی لیڈروں اور علمانے قرآن کے مفاہیم بدل بدل کر (25/30) اسلام کے نام پر کفر دیا تھا۔اُدھر رسولؐ کے گھر کے اندر سے اُن تمام لیڈروں اور علما کی تائید کی جاتی رہی اور اللہ کو یہ کہنا پڑا تھا کہ:

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا وَ اِنۡ تَظٰھَرَا عَلَیۡہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوۡلٰہُ وَ جِبۡرِیۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ بَعۡدَ ذٰلِکَ ظَہِیۡرٌ ٥ عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنۡ طَلَّقَکُنَّ اَنۡ یُّبۡدِلَہٗۤ اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡکُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبۡکَارًا ٥ (تحریم 66/4-5)

''تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں یعنی تم دل کی گہرائی کے ساتھ راست سے ہٹ چکی ہو اگر تم نے اللہ کے حضور میں توبہ نہ کی اور محمدؐ کے خلاف جتھابندی اور محاذ آرائی جاری رکھی تو سُن رکھو کہ اللہ اُنؐ کا مولیٰ ہے اور اللہ کے بعد جبرئیل اور تمام مومنین کا صالح ترین فردؑ اور تمام ملائکہ تمہارے جتھوں کے مقابلے میں اُس کے پشت پناہ ہیں قریب ہے کہ اُس کا پروردگار تمہیں طلاق دے دے

اور تمہیں ایسی بیویوں سے بدل دے جو تم سے بدر جہا بہتر ہوں۔ تمہاری بہ نسبت حقیقی مسلمان ہوں، مومنہ ہوں، اطاعت شعار ہوں، توبہ کرتے رہنے والی ہوں، عبادت کرنیوالی اور روزہ رکھنے والی بیوہ بھی اور کنواری بھی ہوں۔'' (تحریم 5-66/4)

تمام قریشی علمانے بھی مانا ہے کہ ابوبکر وعمر کی بیٹیاں حفصہ اور عائشہ تھیں جنھوں نے اپنے والدین کو خلیفہ بنانے والی قریشی اسکیم میں بھر پور تعاون جاری رکھا تھا۔ انہیں طلاق اسلئے نہیں دیا گیا تاکہ وہ امت کے مطلوبہ افراد سے نکاح نہ کرسکیں۔ یہی تھیں جنکے پاس لوگ رسولؐ اللہ کی اطلاع واجازت کے بغیر آتے جاتے تھے اور محبت کی پینگیں بڑھانے والی باتیں (مُسْتَـانِسِیـن) کیا کرتے تھے۔ جن سے رسولؐ کو اذیت ہوتی تھی اور وہ شرمناک بات سمجھ کر خاموش رہتے تھے آخر اللہ نے یہ بات کھول دی اور یہ راستہ بند کردیا (احزاب 33/53) یہی عورتیں تھیں جن کی روک تھام کے لئے یہ بھی کہنا پڑا کہ:

''اے نبیؐ کی بیویو تم میں سے جو کوئی زنا کا ارتکاب کریگی اُس پر بڑھا چڑھا کر عذاب کرنا اللہ کیلئے آسان اور موزوں ہوگا۔ تم میں سے جو کوئی اللہ اور اُسکے رسولؐ کی اطاعت کرتی رہے گی اس کو دُہرا اجر اور عزت کی مفید روزی دی جائے گی۔ اس لئے کہ اے نبیؐ کی بیویو تم عام مومنین کی بیویوں کی طرح شمار نہیں کی جاتی ہو۔ شرط یہی ہے کہ اگر تم اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہتی ہو تو لوگوں سے چپکتی ہوئی بڑھاوا دینے والی باتیں نہ کیا کرو کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری عشق ہے انہیں تم سے زیادہ طمع اور امیدیں نہ ہوجائیں۔ لہٰذا ایسی باتیں کیا کرو جو ساری دنیا کا طریقہ ہے اور تم ایام جاہلیت کی طرح نمائشِ حسن کرتی نہ پھرا کرو بلکہ اپنے گھروں میں ٹِک کر رہا کرو اور نماز پڑھا کرو اور اللہ ورسولؐ کی اطاعت کیا کرو اور زکوۃ بھی دیا کرو۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جن آیات کی تلاوت ہوتی رہتی ہے اُن کو یاد کیا کرو۔ اس لئے کہ اس گھر کے مردوں اور عورتوں کو اللہ نے ایسا پاک اور پاک کرنے والا بنائے رکھنے کا ارادہ کررکھا ہے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہوتا ہے۔ اور ہر گندگی کو اُن سے دور رکھنا طے کرلیا ہے۔'' (احزاب 30 تا 33/34)

رسول اللہ کے انتقال کے بعد دونوں عورتیں باری باری شاہ زادیاں بنیں۔ بارہ ہزار دینار ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا اور وہ تمام شرائط بالائے طاق رکھ دی گئیں جو اللہ نے مزید لگائی تھیں (29-33/28) یہاں تک کہ طلحہ وزبیر کے ساتھ فوج کی قیادت اور جنگ کی سپہ سالار بن کر علیؑ سے جنگ کی۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر:04

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 04

خُطبہ (4)

(1) محمدؐ وآلِ محمدؐ باعث ہدایت ونجات ہیں؛

(2) نوعِ انسان کو ارتقا کی بلندیوں پر لے جانے والے ہیں؛

(3) قریش کی بے وفائیوں، غداریوں اور مکاریوں کا پہلے سے علم رکھتے تھے اور منتظر رہتے تھے؛

(4) دین کے پردے نے مجھے تم سے چھپائے رکھا لیکن میرے خلوص نے تمہاری اصلی صورت مجھے دکھا دی تھی؛

(5) علیؑ صراط مستقیم پر برابر سنگ میل کی طرح سامنے کھڑے رہے؛

(6) حضرت علیؑ نے مُہر خاموشی توڑ کر لسان اللہ سے حق و باطل کا بیان شروع کر دیا ہے؛

(7) علیؑ حق و باطل کے دوراہے پر کھڑے ہوئے راہنمائی فرما رہے ہیں؛

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بِنَا اهۡتَدَيۡتُمۡ فِیۡ الظَّلۡمَآءِ؛	1	ہماری ہی ہدایت کاری کے سہارے تم لوگ تاریکیوں کے پست ترین غار سے باہر نکلے۔
وَ تَسَنَّمۡتُمُ الۡعَلۡيَآءِ؛	2	اور تمہیں ترقی کی بلندیوں پر سرفراز ہونے کا موقع ملا۔
وَ بِنَا انۡفَجَرۡتُمۡ عَنِ السَّرَارِ؛	3	اور ہمارے ہی سبب سے تم اندھیری رات سے صبح کی روشنی میں آئے۔
وُقِرَ سَمۡعٌ لَّمۡ يَفۡقَهِ الۡوَاعِيَةَ؛	4	اُس سماعت میں رکاوٹ پڑ گئی جس نے یاد رکھنے اور محفوظ کرنے والی باتوں کو سمجھنا ہی نہ چاہا۔
وَ كَيۡفَ يُرَاعِی النَّبۡأَةَ مَنۡ اَصَمَّتۡهُ الصَّيۡحَةُ؛	5	جس کو پروپیگنڈے کی چیخوں نے بہرا کر دیا ہو وہ غیب کی دھیمی خبروں پر کیسے متوجہ ہو سکتا ہے؟
رُبِطَ جَنَانٌ لَّمۡ يُفَارِقۡهُ الۡخَفَقَانُ؛	6	اُن کے اعضاء و جوارح میں رابطہ پیدا ہو گیا ہے جو فکر و ہراس سے کبھی جدا نہ ہوئے تھے۔
مَازِلۡتُ اَنۡتَظِرُ بِكُمۡ عَوَاقِبَ الۡغَدۡرِ؛	7	میں نے ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزارا جس میں میں نے تمہاری غداریوں اور مکر و فریب کے نتائج کا انتظار نہ کیا ہو۔

وَ اَتَوَسَّمُکُمْ بِحِلْیَۃِ الْمُغْتَرِّیْنَ؛	8	میری بصیرت نے تمہاری آرائش ونمائش کے پیچھے چھپی ہوئی تمہاری فریب کاریوں کواور چالبازیوں کو بھانپ لیا تھا۔
سَتَرَنِیْ عَنْکُمْ جِلْبَابُ الدِّیْنِ؛	9	لیکن تم مجھے دین کے آنچل اور لباس کی بنا پر پہچان نہ سکے اور میں تم سے پوشیدہ رہ گیا۔
وَ بَصَّرَنِیْکُمْ صِدْقُ النِّیَّۃِ؛	10	مگر میری نیت کی سچائی کے آئینہ میں مجھے تمہاری ذہنیت اور صورتیں نظر آتی رہیں (یعنی تمہاری خباثت باطنی مجھ پر ظاہر تھی)
اَقَمْتُ لَکُمْ عَلٰی سُنَنِ الْحَقِّ فِی جَوَآدِّ الْمَضَلَّۃِ؛	11	بھٹکنے اور بھٹکا دینے والی راہوں سے تمہیں بچانے کے لئے میں قوانینِ حق کی راہ پر قائم اور کھڑا رہا۔
حَیْثُ تَلْتَقُوْنَ وَ لَا دَلِیْلَ؛	12	تم حق کی تلاش میں آپس میں ملاقاتیں اور مشورے میرے آس پاس ہی کرتے تھے مگر دلیل حق تمہیں نصیب نہ ہوتی تھی اور راہنما نہ ملتا تھا۔
وَ تَحْتَفِرُوْنَ وَ لَا تُمِیْھُوْنَ؛	13	تم دھڑ ادھڑ کنویں پر کنواں کھودتے جاتے تھے مگر کسی کنویں سے پانی نہ نکلتا تھا۔
اَلْیَوْمَ اُنْطِقُ لَکُمُ الْعَجْمَآءَ ذَاتَ الْبَیَانِ؛	14	آج میں حکیمانہ خاموشی کو ترک کر کے اپنی اُس زبان کو بولنے کی اجازت دیتا ہوں جس میں بڑی قوتِ بیان ہے۔
غَرَبَ رَاْیُ امْرِءٍ تَخَلَّفَ عَنِّیْ؛	15	جس شخص نے مجھ سے دست کشی اور مخالفت اختیار کی اُس کی رائے اور فیصلے رائے اور فیصلے کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔
مَا شَکَکْتُ فِی الْحَقِّ مُذْ اُرِیْتُہٗ؛	16	جب سے مجھے حقِ مطلق دکھایا گیا ہے میں نے اس وقت سے کبھی شک وشبہ نہیں کیا ہے۔
لَمْ یُوْجِسْ مُوْسٰی (عَلَیْہِ السَّلَامِ) خِیْفَۃً عَلٰی نَفْسِہٖ؛	17	حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی اپنی زندگی کے خطرہ میں پڑ جانے سے خوفزدہ نہیں ہوئے۔یعنی یہ غلط سمجھا گیا ہے کہ وہ فرعون سے خوفزدہ تھے۔
اَشْفَقَ مِنْ غَلَبَۃِ الْجُھَّالِ وَ دُوَلِ الضَّلَالِ؛	18	بلکہ وہؑ تو جاہلوں اور گمراہ دولت مندوں کے غلبے کو تکلیف دہ سمجھتے تھے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی طرح میں بھی اغنیاء کے اقتدار کو ناپسند کرتا تھا۔
اَلْیَوْمَ تَوَافَقْنَا عَلٰی سَبِیْلِ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ؛	19	آج وہ دن سامنے ہے کہ ہم دونوں کھلے کھلے واضح حق و باطل کے راستوں پر الگ الگ جان بوجھ کر چلے جا رہے ہیں۔
مَنْ وَّثِقَ بِمَآءٍ لَمْ یَظْمَاْ؛	20	اب جو کوئی حق کے پانی پر اعتماد کرے گا وہ کبھی پیاسا نہ رہے گا۔

تشریحات:

مترجمین اور شارحین نے اس چوتھے خطبے کے متن میں شانِ نزول کی قسم کا کوئی جملہ نہیں بڑھایا بلکہ براہِ راست مولائے کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی تقریر لکھنا شروع کی ہے۔مگر علامہ الشیخ محمد عبدہ مرحوم کے علاوہ سب نے اپنے اپنے ذہن میں یہ شانِ نزول ضرور رکھا ہے کہ ''یہ خطبہ طلحہ وزبیر کے قتل ہو جانے کے بعد دیا گیا تھا''اور شیعوں کے معتبر ترین اُردو اور فارسی مترجمین نے اس شانِ نزول کو اپنے قلم سے لکھ کر اگلی نسلوں کے لئے بطور میراث چھوڑا ہے تاکہ کلامِ امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام قریش سے ہٹا کر دو مردہ قریشی لیڈروں کو مخاطب کرنے تک محدود کر دیا جائے اور قریش کی کثرت کو مرتضوی خطاب سے محفوظ کرنے کا اجر اُنہیں ملتا رہے۔آمین۔

اول۔حاج سید علی نقی فیض الاسلام طہرانی کی تحقیق اور شانِ نزول

علامہ علی نقی طہرانی کا فارسی ترجمہ درحقیقت وہ ترجمہ ہے جس کی تمام اُردو مترجمین نے نقل کی ہے یعنی ذرا اِدھر اُدھر کر کے اُن کی فارسی کا اُردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔اور ہم نے بھی خطبوں کے نمبروں اور ترتیب میں اُن کی اور محمد عبدہ کی پیروی اختیار کی ہے۔وہ خطبہ نمبر 4 کا ترجمہ یوں شروع کرتے ہیں۔''از خطبہ ھائے آنحضرت علیہ السلام اَست (بعد از کشتہ شدن طلحہ وزبیر فرمودہ)''(ترجمہ نہج البلاغہ جلد اول صفحہ نمبر 46)

دوم۔مفتی جعفر حسین کی تحقیق اور شانِ نزول

مفتی صاحب کا یہ اُردو زبان میں سب سے پہلا اور معتبر ترین ترجمہ ہے اور اس ترجمہ کو علامہ علی نقی مجتہد لکھنوی کی تصدیق بھی حاصل ہے جنہوں نے اس ترجمہ کا مقدمہ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔مفتی صاحب اپنی تشریح کا آخری جملہ یوں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے بھی خوف یہی ہے کہ کہیں دنیا والے اِن لوگوں (طلحہ وزبیر وغیرہ) کی فریب کاریوں کے پھندے میں نہ پھنس جائیں اور حق سے منہ موڑ کر ضلالت وگمراہی میں نہ جا پڑیں۔''(ترجمہ نہج البلاغہ جلد اول صفحہ نمبر 98)اور (دوسری یک جلدی اشاعت کا صفحہ نمبر 87)

سوم۔مجھے بھی خوف یہی ہے کہ شیعہ حضرات الفاظ مجتہد ومفتی وحجۃ اللہ سے فریب نہ کھالیں

مفتی ومجتہد جعفر حسین نے جناب علی مرتضی علیہ السلام کو مندرجہ بالا بیان کی ابتدا میں ''حضرت''تو لکھا ہے۔مگر مفتی صاحب آنحضرتؐ کے ساتھ نہ مومنین کی طرح علیہ السلام یا عین (ؑ) لکھتے ہیں نہ سُنیوں کی طرح رضی اللہ یا کرم اللہ لکھتے ہیں نہ (رض۔کرم) بناتے ہیں۔اور شیعوں کے عالم کہلاتے ہیں۔

2۔محمدؐ وآلِ محمدؐ پوری کائنات اور کائناتی مخلوقات وموجودات کے ازلی وابدی ھادی ہیں

حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبے میں جن عنوانات پر مختصر سی گفتگو فرمائی ہے۔اُن میں سے پہلا عنوان ہدایت ہے۔چنانچہ مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے پہلا جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

(خطبہ 4 جملہ 1) بِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظُّلْمَآءِ؛ ''ہماری ہی ہدایت کاری کے سہارے تم لوگ تاریکیوں کے پست ترین غار سے باہر نکلے۔''

(خطبہ 4 جملہ 2) وَ تَسَنَّمْتُمُ الْعَلْيَآءِ؛ ''اور تمہیں ترقی کی بلندیوں پر سرفراز ہونے کا موقع ملا۔''

(خطبہ 4 جملہ 3) وَ بِنَا انْفَجَرْتُمْ عَنِ السَّرَارِ؛ ''اور ہمارے ہی سبب سے تم اندھیری رات سے صبح کی روشنی میں آئے۔''

اول۔ کسی کلام کو ہر حال میں اُس کے ظاہری مخاطب کے لئے محدود و مخصوص و مقید نہیں کرتے

یہ ظاہر ہے کہ اِن جملوں ہی کے نہیں بلکہ پوری نہج البلاغہ کے مخاطب وہی لوگ ہوتے تھے جو سامنے بیٹھے یا کھڑے ہوتے تھے۔لیکن اِس سے یہ مطلب اخذ کرنا یا سمجھنا بہت ہی غلط استنباط اور بہت ہی محدود سمجھ ہے کہ اُن جملوں یا خطبوں کا مخاطب سامنے موجود لوگوں کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں ہے۔کیا آپ نے قرآن کریم کے مخاطب قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو نہیں مانا ہے؟ کیا آپ نے قرآن میں آئے ہوئے الفاظ یٰآَیُّھَا النَّاس سے صرف رسوؐل کے سامنے موجود لوگوں کو مخاطب سمجھا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ آپ نے اللہ، رسوؐل اور قرآن کے خطابات کو محدود و مُقیّد اور مخصوص کرتے ہوئے بھی عام و لامحدود رکھا ہے۔ہم چاہتے ہیں، اور حقیقت واقعی بھی یہی ہے، کہ حضرت علیؑ کے خطاب اور خطبوں کو بھی قرآن اور عقلی اصولوں کے ماتحت رکھا جائے۔اور اُن حضرؑت کے کلام کو بھی ہمہ گیری دی جائے۔خصوصاً جہاں حضوؐر کے کلام میں ہمہ گیری کا تقاضا موجود ہو وہاں خود سے بلا دلیل اُن کے خطاب کو محدود کرنا سخت بددیانتی اور مسلمہ قواعد سے انحراف ہے۔یہاں سرکاؑر نے یہ نہیں فرمایا کہ:

''تم میری ہدایت کاری کے سہارے......''

بلکہ یہ فرمایا ہے کہ: ''تم ہماری ہدایت کاری کے سہارے......''

ظاہر ہے کہ اس لفظ ''ہماری'' (بِنَا) میں ہر وہ ہادیؑ داخل ہے جو مخاطبین کی ہدایت کاری میں حصہ دار ہو یا رہا ہو اور جسے حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ساتھ شامل کر کے یا خود اُن کے ساتھ شریک ہو کر لفظ ''ہماری ہدایت'' فرما سکیں۔یعنی وہ ہدایت کاری اور وہ ھادیؑ ایسے ہوں جنہیں حضرت علیؑ پسند فرماتے ہوں چنانچہ تمام سابقہ انبیاؑء کی ہدایت کاری حضوؐر کے فرمائے ہوئے جملے میں یعنی لفظ ''ہماری ہدایت کاری'' میں شریک و شامل ہے۔

دوم۔ تمام سابقہ انبیاؑء اور آئمہؑ بھی علیؑ کے مخاطبین کی ہدایت کاری میں شریک ہیں

پھر یہ بھی سوچئے کہ حضرت علی علیہ السلام جن لوگوں سے، اور جس زمانے میں مخاطب ہیں اُس وقت تین دوسرے ہادیوں کی ہدایات بالکل تازہ موجود تھیں یعنی اللہ و محمدؐ اور قرآن بھی حضرت علیؑ کے جملے اور لفظ ہماری میں داخل تھے۔پھر یہ سمجھئے کہ حضرت علیؑ کے مخاطب پہلے سے کھانا پینا، رہنا سہنا اور ہزاروں صحیح باتیں جانتے تھے۔اور اُن صحیح باتوں میں تمام وہ تعلیمات تھیں جو سابقہ انبیاؑء سے اُن تک پہنچی تھیں۔لہٰذا حضرت علیؑ اُن تمام تعلیمات کو بھی ''ہماری ہدایت کاری'' میں شامل کرتے ہیں۔اِس لئے کہ تمام سابقہ انبیاؑء کی مکمل تعلیمات، اُن کی مکمل تفصیلات کے ساتھ علیؑ و محمدؐ خود پیش کرتے رہے ہیں اور خود قرآن کریم اور اللہ اس پر گواہ ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی ہدایت کاری واقعی تمام سابقہ انبیاؑ کی ہدایت کاری ہے۔

سوم۔ محمدؐ اور علیؑ اُن تمام سابقہ کتابوں کے اور تمام سابقہ انبیاؑء کی تعلیمات کے حامل و محافظ و مبلغ بھی ہیں

حضرت علیؑ نے لفظ ہماری ہدایت کاری فرما کر روزِ ازل سے اپنے خطبہ دینے تک کی پوری ہدایت کی طرف متوجہ کیا ہے۔مگر اتنا تو بالکل واضح ہے کہ تمام انبیاؑء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی اُمتوں کو جو ہدایات و تعلیمات دی تھیں وہ سب اسی قرآن میں سے قسطوں پر نازل ہوتی چلی آنے والی تعلیمات و ہدایات تھیں چنانچہ قرآن نے اس حقیقت کو طرح طرح بیان کیا ہے مثلاً فرمایا ہے کہ:

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ o (یونس 10/37)

(1) مودودی کا ترجمہ و تشریح: ''اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی اور تعلیم کے بغیر تصنیف کر لیا جائے۔بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آچکا تھا اُس کی

تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے۔اس میں کوئی شک (ریب کے معنی الجھن۔احسن) نہیں کہ یہ فرماں روائے کائنات کی طرف سے ہے۔''
(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 285) اس آیت کی تشریح میں مودودی نے لکھا ہے کہ:

''45 ''جو کچھ پہلے آچکا تھا اُس کی تصدیق ہے۔''یعنی ابتدا سے جو اصولی تعلیمات انبیاء علیہم السلام کی معرفت انسان کو بھیجی جاتی رہی ہیں یہ قرآن اُن سے ہٹ کر کوئی نئی چیز نہیں پیش کررہا ہے بلکہ اُن ہی کی تصدیق وتوثیق کررہا ہے۔اگر یہ کسی نئے مذہب کے بانی کی ذہنی اُپج کا نتیجہ ہوتا تو اس میں ضرور یہ کوشش پائی جاتی کہ پرانی صداقتوں کے ساتھ کچھ اپنا نرالا رنگ بھی ملا کر اپنی شانِ امتیاز نمایاں کی جائے۔''الکتاب کی تفصیل ہے''یعنی اُن اصولی تعلیمات کو جو تمام کتبِ آسمانی کا لُبِ لباب (الکتاب) ہیں،اس میں پھیلا کر، دلائل وشواہد کے ساتھ،تلقین وتفہیم کے ساتھ،تشریح وتوضیح کے ساتھ اور عملی حالات پرانطباق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔''(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 285-286)

(2) <u>قریشی عقیدہ یہ ہے کہ قرآن ایک مجمل کتاب ہے جس میں جزئیات اور تفصیلات نہیں ہیں</u>

علامہ نے یہ سب کچھ قریش کے مشہور عقیدے کے خلاف لکھنے میں کس مصلحت کو سامنے رکھا ہے اُس سے قطع نظر کرکے یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن ایک ایسی مفصل ومُدَلّل کتاب ہے جس میں تمام سابقہ کتابوں کی تعلیمات بھی مفصل ومدلل موجود ہیں۔اور یہ کہ سابقہ کتابیں،الکتاب یعنی مکمل کتاب یعنی قرآن ہی کی اقساط تھیں۔

(3) <u>سابقہ کتابیں وتعلیمات قیامت تک واجب التعمیل ہیں آنحضرتؐ مکمل تعلیم دیتے ہیں</u>

قریش کا یہ عقیدہ باطل وخانہ ساز ہے کہ سابقہ تمام کتابیں اور انبیاءؑ کی ہزاروں سال کی تعلیمات پر اب عمل نہ ہوگا۔بقول اُن کے وہ سب <u>منسوخ</u> ہیں۔حالانکہ لفظ <u>منسوخ</u> کے معنی <u>لکھی ہوئی</u> اور <u>محفوظ</u> کے ہوتے ہیں جو صحیح ہیں۔یعنی وہ تمام کتابیں قرآن میں لکھی ہوئی اور قیامت تک برسرِ عمل ہیں۔قرآن سے سنئے: رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً o فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینہ 3-98/2)

''اللہ کی طرف سے محمدؐ ایسا رسوؐل ہے جو تمام پاکیزہ صحیفوں کو پڑھ کر سناتا ہے اور قیامت تک سناتا رہے گا (یَتْلُوْا مضارع ہے) اُن پاکیزہ صحیفوں اور قرآن میں تمام برقرار رہنے والی کتابیں ہیں۔''

اِن دونوں مقامات وآیات میں حضرت علیؑ کا یہ فرمانا سوفیصد ثابت ہوگیا کہ:''ہماری ہدایت کاری اور تعلیم سابقہ تمام انبیاءؑ اور کتب پر محیط ہے اور اسی تعلیم نے نہ صرف قریش کو، نہ صرف اہل مکہ کو بلکہ تمام یہود ونصاریٰ اور اہل عرب کو گمراہی کے تاریک غاروں سے نکالا اور ترقی کے بامِ عروج پر چڑھایا اور اُن کی اندھیری راتوں کو روزِ روشن سے بدل دیا۔

<u>چھارم۔ حضرت علیؑ کے مخاطب لوگوں کے حالات اور طرزِ عمل نے تمام سابقہ ہم مثل لوگوں کو مخاطب کردیا ہے</u>

کسی ایک بدمعاش یا نیک معاش شخص کو اُس کے حالات کی بناپر مخاطب کرنے سے خطاب یا بات کا دائرہ تمام بدمعاشوں اور نیک معاشوں تک وسیع ہوجایا کرتا ہے۔چونکہ ہر بدمعاش ونیک معاش اپنے اپنے حالات میں یکسانی وہم آہنگی رکھتا ہے۔اُن میں سے کسی ایک کی مذمت کرنا یا مدح وثنا کرنا اپنی قسم کے تمام لوگوں کی مذمت یا مدح وثنا ہوتی ہے۔

(1) <u>آنحضرتؐ کے مخاطبوں میں موجود یہود ونصاریٰ کے ساتھ تمام بنی اسرائیل بھی مخاطب ہیں</u>

چنانچہ آنحضرتؐ کے سامنے یہود ونصاریٰ کے چند لوگ تھے۔جنہیں اللہ نے قرآن میں یوں مخاطب کیا ہے کہ:

''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، اس کے بعد پے در پے رسولؑ بھیجے، آخر کار عیسٰیؑ ابن مریمؑ کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور روحِ پاک سے اس کی تائید کی۔ پھر یہ تمہارا کیا طریقہ ہے کہ جب بھی کوئی رسولؑ تمہاری پسند کے خلاف آیا اور ایسی تعلیم لایا جو تمہاری مصلحت کے مطابق نہ تھی تو تم نے اُس کے مقابلے میں سرکشی کی، کسی کو تم نے جھٹلایا اور کسی کو تم نے قتل کر ڈالا (بقرہ 2/87)۔ اور فرمایا کہ:

''اُن سے کہو کہ اگر تم اُن ہی تعلیمات پر ایمان کافی سمجھتے ہو جو تمہارے یہاں آئی تھیں تو یہ بتاؤ کہ تم نے خود اپنی قوم کے پیغمبروںؑ کو کیوں قتل کیا تھا؟ اور تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام کیسی کیسی روشن تعلیمات لے کر آیا تھا پھر بھی تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا تھا؟'' (2/91-92)

چنانچہ یاد رکھیں کہ حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف قریش واہل مکہ واہل مدینہ اور اہل عرب ہی کو مخاطب نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ آنحضرتؐ تمام یہود ونصاریٰ اور اہل اسلام اور، اُنکے ہم مثل، اُنکے آباء واجداد کو بھی مخاطب کرتے رہے تھے۔ اُن کا مخاطب ہر گمراہ تھا، ہر غدار و فریب ساز اُن کی تنقید کے ماتحت تھا۔ اور صرف اپنے ہی زمانے کے لوگ مخاطب نہ تھے بلکہ جب سے ہدایات خداوندی نوع انسان میں جاری ہوئی تھیں اُس وقت سے لے کر اپنے ظہور تک ہر وہ شخص مخاطب تھا جو گمراہ تھا اور گمراہی سے نکلا اور اسلامی ترقی حاصل کی۔ وہ لوگ بھی اُن کے مخاطب ہیں جنہوں نے دوسروں سے غداری اور فریب کاری کر کے ترقی کی۔ وہ تمام انسان بھی مخاطب ہیں جنہوں نے مُحسن کُشی کی؛ اور دنیا میں فساد پھیلایا، قتل وغارت اور لوٹ مار کی، جنہوں نے اپنے نبیّوں کو قتل کیا، نبیّوں کی اولاد کا قتل عام کیا؛ جنہوں نے باطل رسم ورواج وقوانین جاری کئے، جنہوں نے دین خدا میں تفرقہ ڈالا، طرح طرح کے فرقے اور مذاہب ایجاد کئے۔ اُن کے مخاطب وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے خود اُن کا حق غصب کرنے پر اجماع کر کے قرآن کے معنی ومفاہیم تبدیل کئے (فرقان 25/30) اُن سے غلط تاویلیں مشہور کر کے جھوٹا نظامِ حکومت بنایا (انعام 6/66) اُن ہی سے فرمایا ہے کہ:

''میں تمہیں گمراہ کرنے والی راہوں سے بچانے کے لئے گمراہ کن راستوں سے ہٹ کر تمہارے سامنے کھڑا رہا (خطبہ 4 جملہ 11) اور تم اپنے اجتماعات اور مشوروں میں حق کو تلاش کرتے رہے مگر میرے علاوہ تمہیں اور کوئی دلیل اور راہنما نہ ملا (خطبہ 4 جملہ 12) تم خود ہی حق سے سیراب ہونے کے لئے کنویں کھودتے رہے لیکن آبِ حق سے محروم رہتے چلے گئے (خطبہ 4 جملہ 13) آج میں نے اپنی حکیمانہ خاموشی ترک کر کے اپنی اُس زبان کو بولنے کی اجازت دے دی ہے جس میں بڑی قوتِ بیان ہے (خطبہ 4 جملہ 14) جس شخص نے مجھ سے دستکشی اختیار کر کے کوئی رائے قائم کی یا کوئی فیصلہ کیا تو اُس کی رائے اور فیصلہ باطل ہے (خطبہ 4 جملہ 15) جب سے مجھے اَلْحَق دکھایا گیا ہے میں نے اُس وقت سے آج تک اس حقِ مجسم پر شک نہیں کیا ہے (خطبہ 4 جملہ 16) چنانچہ میں کہتا ہوں کہ حضرت موسیٰؑ کو اپنی زندگی کے خطرے میں پڑ جانے کا کبھی خوف نہیں ہوا۔ خوف یہ تھا کہ کہیں دین سے جاہل اور سرمایہ داروں کا غلبہ نہ ہو جائے (خطبہ 4 جملہ 17) یعنی وہ خلافت الٰہیہ کا قیام چاہتے تھے۔ اور اُنہیں اندیشہ یہ تھا کہ مصر کے دولتمند لوگوں کا دباؤ فرعون کو اُن کے خلاف نہ کر دے اور اس طرح مصر میں سرمایہ دارانہ نظامِ حکومت بدستور حسبِ سابق بحال نہ رہتا چلا جائے۔

پنجم۔ رب العالمین اور نذیر للعالمین کے نائبؑ کی مخاطب بھی پوری کائنات کی موجودات ہونا چاہئیں

زیر قلم جملوں میں بھی اور حضرت علی علیہ السلام کے باقی تمام جملوں اور خطبات میں بھی علما نے اپنے مشہور و مسلّمہ قول کو مدِّ نظر نہیں رکھا کہ:

''کلامِ مرتضوی اللہ کے کلام کے ماتحت اور بشری کلام سے بلند تر ہے۔''

یعنی جیسا کہ ہم نے اُن علما کے متعلق عرض کیا تھا کہ:

''حضرت علی علیہ السلام نے جو زبان استعمال کی ہے اُس کی بے انتہا اثر انگیزیوں اور لامحدود خوبیوں کو الگ الگ بیان کرنے کی قدرت نہ ہونے کی بنا پر علمائے انسانیت نے کلام مرتضوی کو 'مَا فَوْقُ الْبَشَر'' قرار دے کر اپنی جان چھڑالی۔'' (بیان الامامة صفحہ اول)

اور یوں جان چھڑانے کے بعد اول سے آخر تک کہیں بھی حضرت علیؑ کے کلام وتصورات وخیالات والفاظ اور جملوں میں مافوق البشریت کی جھلک تک بھی نہ دکھائی اور برابر اُن کے کلام کو عام لیڈروں' زیدوعمروبکر' کی سطح سے اوپر نہ اُٹھنے دیا۔ ہر لفظ اور ہر جملے کو اپنے ذاتی تصوارات کی چھلنی میں چھانا اور قریش کی خود ساختہ تاریخ کے پیمانوں سے ناپا گیا اور مافوق البشر وہمہ گیر کلام کا ستیاناس کر کے رکھ دیا سنیئے اور اپنی پوری بصیرت اور تنقیدی قوتوں کو مجتمع کر کے سنئے اور اگر آپ سے ممکن ہو تو قرآن وایمان سے مدد لے کر اُس بلندی کا تصور کیجئے جو مولاؑ ئے کائنات نے سادہ، عام فہم اور روزمرہ استعمال ہونے والے الفاظ میں عقل کی ہر سطح کے لئے پیش کی ہے۔

فرمایا تھا کہ : مَا شَكَكْتُ فِي الْحَقِّ مُذْ اُرِيْتُهُ (خطبہ 4 جملہ 16)

''جب سے مجھے حقِّ مطلق دکھایا گیا میں نے اُس وقت سے اُس حقِ مجسم میں کبھی شک نہیں کیا ہے۔''

(1) جملہ (4/16) کی مافوق البشر تشریح کا سامان مافوق البشر نہیں ہے

اس جملے کے آخری تین الفاظ 1 اَلْحَقُّ 2 مُذْ 3 اُرِيْتُهُ عام ڈکشنری کے الفاظ ہیں، روزمرہ بولے جاتے ہیں اور اُن میں کوئی معمہ یا پیچیدگی نہیں ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہی وہ تین الفاظ ہیں کہ اگر اُن پر قرآن یا علیؑ ذرا سی توضیحی روشنی ڈال دیں تو یہ عقل کی ہر سطح کے انسان کو عالمِ بالا اور حقیقتِ اعلیٰ سے منسلک کر سکتے ہیں۔ ان میں یہ بات صاف ہے کہ اَلْحَق جو کچھ بھی ہے، اُسے علیؑ مرتضیٰ نے خود نہیں دیکھا تھا بلکہ اُنہیں دکھایا گیا تھا۔ دوسری بات خود سے صاف نہیں ہے یعنی حضرت علیؑ نے اُس الحق کو کب دیکھا تھا؟ مگر یہ بات صاف ہے کہ جب بھی دیکھا تھا اُس وقت سے خطبہ دینے تک حضورؑ کو اس میں شک نہیں ہوا تھا۔

ششم۔ لفظ ''اَلْحَق'' نچلی سطح سے بتدریج اپنی انتہائی بلندیوں کی طرف راہنمائی کرتا چلا جاتا ہے

جملہ نمبر 16 میں آیا ہوا لفظ 'اَلْحَق' اپنی سادہ صورت میں ہر انسان کی زبان پر ہر روز آتا رہتا ہے۔ اور اس لفظ کے ساتھ جو تصور یا معنی وابستہ ہیں اُس پر تمام انسان متفق ہیں اور ہر زبان میں اس تصور یا معنی کے لئے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں اُن پر بھی اہل زبان کا اتفاق ہے۔ اور یہ اُس صورتِ حال کے لئے ہر زبان میں بولا جاتا ہے جس میں کسی بھی فرد بشر کو اختلاف اور شک نہ ہو سکے۔ مثلاً دو اور دو کا چار ہونا ہر جگہ حق ہے ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ موت کا وقوع میں آنا حق ہے۔ ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ غلط باتوں کو حق ثابت کرنے کے لئے خلافِ حق جھوٹ بولا جاتا ہے، دھوکا دیا جاتا ہے۔ افسانے اور روایات گھڑی جاتی ہیں۔ یعنی حق پر سب کو اتنا یقین ہے کہ جب تک کوئی چیز یا واقعہ حق ثابت نہ ہو جائے اُسے کوئی ماننے کو تیار نہیں ہوتا اور دنیا میں سب سے زیادہ مذمت بھی اُن ہی اشخاص کی ہوتی ہے جو حق کو تسلیم نہیں کرتے یا باطل اور غلط کو حق قرار دیتے ہیں۔

(1) الفاظ ''حق'' اور ''اَلْحَق'' کا فرق

پھر تمام علما جانتے ہیں کہ عربی زبان میں جب کسی اسم کے ساتھ الف اور لام آتا ہے یا لگایا جاتا ہے تو وہ اسم معرفہ ہوتا ہے اور اب اُس میں اُس نام کی ذیل میں آنے والی تمام چیزوں میں سے کوئی ایک خاص چیز سمجھی جاتی ہے یا اُس جنس کی تمام چیزیں اس میں داخل سمجھی جاتی ہیں۔ لہٰذا جب لفظ حق پر

الف لام آ کر اُسے اَلحق بناتا ہے تو اُس کے معنی تمام حقایق میں سے کوئی خاص حق ہو جاتے ہیں یا پھر تمام حقایق یا حَقِ کُل یا مجسمۂ حق یا حق مطلق معنی ہوتے ہیں۔

(2) قرآن کریم میں الفاظ ''حق'' اور ''اَلحق'' کا استعمال اور بھرمار

اللہ نے قرآن میں ان الفاظ کو دونوں صورتوں میں استعمال فرمایا ہے۔سب سے پہلا مقام وہ ہے جہاں اللہ نے فرمایا ہے کہ:

..........فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ o

''اللہ اس بات سے بالکل نہیں شرماتا کہ وہ حقیقت واقعی کو ثابت کرنے کے لئے مچھر کی یا اس سے بلند درجہ کی چیز کی مثال دے۔ چنانچہ جن لوگوں نے ایمان اختیار کرلیا ہے وہ اللہ کی دی ہوئی ہر مثال کو اللہ کی طرف سے صادر ہونے والا مخصوص حق قرار دیتے ہیں۔''(بقرہ 2/26)

اور جہاں لفظِ حق آخری مرتبہ استعمال کیا گیا ہے وہ سورۂ وَالعصر ہے۔جہاں اللہ نے ایک بہت اہم اور مخصوص زمانہ کی اور صاحبِ ؑ زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اُس زمانے میں صرف وہ انسان خسارے اور نقصان سے محفوظ رہیں گے جو اُس زمانہ اور صاحبِ ؑ زمانہ پر ایمان رکھیں گے، اصلاحی اعمال پر کاربند ہوں گے اور حقِ مطلق اور صبر مطلق (وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ) کے متعلق آپس میں وصیت ونصیحت جاری رکھیں گے۔ (العصر 103/1 تا 3)

(3) حق اپنی تمام صورتوں، حالتوں اور کیفیتوں میں علیؑ دیکھ چکے تھے

قرآن کریم کا یہ اول (2/26) اور آخری (103/3) مقام حق کی افادی صورتوں کا احاطہ کر دیتے ہیں۔یعنی حق کی ہر وہ صورت جو کسی چیز یا واقعہ کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے چھوٹی بڑی مثالوں سے ظہور میں آتی ہے اور وہ صورت جس پر انسانوں نے مسلسل عمل اور وصیت کر کے ہمہ قسمی نقصان اور خسارہ سے محفوظ رہنا ہے۔لہٰذا حضرت علی علیہ السلام حق کی اِن تمام صورتوں کو دیکھے ہوئے تھے۔یعنی جب سے اللہ نے انسانوں کے لئے مثالی حق پیش کرنا شروع کیا اور حق پر عمل کرنا واجب قرار دیا ہے اس وقت سے حضرت علیؑ کا مشاہدۂ حق ماننا پڑے گا جس کا دائرہ قیامت تک وسیع ہے۔

(4) اللہ کی ہر بات حق مطلق ہوتی ہے اور علیؑ کے مشاہدے سے گذری ہے

لفظ حق کا قرآن میں پہلا اور آخری مقام دکھانے کے بعد اب ہم مصدر و منبعِ حق کی طرف حق کی چند مخصوص کیفیات دکھاتے ہوئے بڑھیں گے چنانچہ پہلے یہ دیکھیں کہ اللہ نے اپنی ہر بات اور ہر قول کو حقِ مطلق فرمایا ہے۔اور فرمایا بھی ابلیس سے ہے جس کے مشن کی بنیاد ہی باطل کو حق کے لباس میں سجا کر پیش کرنے پر ہے۔جب ابلیس نے اللہ سے اپنے مشن کو پورا کرنے کے لئے قیامت تک مہلت طلب کی تو اللہ نے فرمایا تھا کہ:

''یقیناً تجھے اُس دن تک کی مہلت دیتا ہوں جس کا آخری وقت معلوم ہے۔''(سورہ صٓ 38/80-81) جب ابلیس کو آزادی، اختیارات اور مہلت مل گئی تو اُس نے اپنے مشن کا نتیجہ یوں بیان کیا کہ:''تیری عزت کی قسم تیرے مخلص بندوں کے علاوہ میں پوری نوع انسان کو اغوا کر کے رکھ دوں گا۔''(38/82-83)

اللہ نے جواب میں فرمایا تھا کہ:

قَالَ فَالْحَقُّ وَ الْحَقَّ أَقُولُ o لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ o (38/84-85)

''اے ابلیس سن لے کہ پورا پورا حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں، کہ واقعی تو میرے مخلص بندوں کو اغوا نہ کر سکے گا اور یہ کہ بنی آدمؑ میں سے جتنے بھی لوگ تیری پیروی کریں گے اُن سب سے اور تجھ سے جہنم کو بھر دوں گا۔''

یہاں یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ حضرت علی علیہ السلام کو سارا حق (اَلحق) دکھایا گیا تھا لہٰذا اللہ کا ہر قول بھی اُنہوں نے دیکھا تھا اور اقوال سے جو چیزیں ظہور میں آئیں وہ سب حضرت علیؑ کی نظروں سے گزری تھیں یعنی ابلیس، اس کے متبعین اور جہنم بھی حضورؐ نے دیکھا تھا۔ پھر اللہ کے تمام مخلص بندے اور جنت بھی دیکھے بھالے تھے۔

(5) اللہ کا ہر کلام حق ہے اس لئے قرآن کو بھی حقِ مطلق فرمایا گیا ہے

قارئین جانتے اور مانتے ہیں کہ قرآن یہاں سے وہاں تک اللہ کے بیانات و احکامات و ارشادات کا مجموعہ ہے اِس لئے قرآن کا حق ہے کہ اُسے بھی حقِ مطلق قرار دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے بار بار اور طرح طرح سے قرآن کو اَلحق فرمایا ہے۔

اَ فَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى....... o (رعد 13/19)

''بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو شخص قرآنی حقائق سے نابینا ہے وہ اُس شخصؑ کے برابر ہو جائے جسےؑ یہ علم حاصل ہے کہ قرآن تیرے پروردگار کی طرف سے سراسر حق کی صورت میں نازل ہو چکا ہے۔''

یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایسے شخص یا اشخاص کا وجود ثابت کرتی ہے جسے قرآن کے اللہ کی طرف سے ہونے کا علم ہو۔ جسے یہ علم ہو کہ قرآن از اول تا آخر حقِ مطلق ہے اور جسے اس آیت کی تلاوت کے وقت' بقول مودودی مکّے کے قیام کے آخری دور میں پورے' قرآن کے نازل ہو چکنے اور موجود ہونے کا علم حاصل ہو۔ اور یقیناً حضرت علیؑ بھی اُن حضراؑت میں شامل تھے۔ جو قرآن کی تلاوت سے پہلے ہی مسلم اور پورے قرآن (الکتاب) کے حامل تھے (قصص 28/53) وہی حضراؑت تھے جنہیں روزِ ازل سے مکمل علم (العلم) دیا ہوا تھا اور جن کے سینوں کے اندر قرآن آیاتِ بیّنات کی شکل میں لکھا ہوا موجود تھا (عنکبوت 29/49) حضرت علیؑ، فاطمہؑ اور دوسرے اجزائے نورِ محمدی صلوٰۃ اللہ علیہم وہ حضراتؑ تھے جن کا اِن آیات میں اور دوسرے مقامات پر تذکرہ ہوا ہے۔ مگر یہاں تو بات یہ ہو رہی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام وہ ذاتِ پاک ہیں جن کو حق اپنی پوری جنس کی صورت میں مکمل طور پر دکھایا گیا اور جس میں انہوں نے کبھی شک نہیں کیا تھا۔ مَا شَكَكْتُ فِي الْحَقِّ مُذْاُرِيْتُهٗ (خطبہ 4 جملہ 16)

(6) اللہ کی اپنی ذات ہی حقِ محض اور حقِ کُل ہے۔ اُس ہی نے اپنی ذات کو اپنے انوارؑ پر جلوہ گر فرمایا اور دکھایا

اگر ہم قرآن کریم سے اُن تمام مقامات کو دکھائیں جہاں اللہ نے الحق کے مختلف مظاہر کا ذکر فرمایا ہے تو یقین فرمائیں کہ ایک مستقل کتاب کی ضرورت پڑے گی تب بھی وہ تمام تفصیلات قلمبند کرنا ممکن نہ ہوگا جو حضرت علی علیہ السلام کی نظر سے گزری ہیں۔ ذرا سوچئے کہ جس ذاتِ پاک کو عَيْنُ اللّٰه مانا گیا ہو (کافی) اُس سے کون سی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ اللہ کی آنکھ سے کسی حق و حقیقت کا یا کسی چیز کے وجود وصفات کا پوشیدہ رہ جانا ممکن ہی نہیں۔ اُس کے سامنے ماضی و حال و مستقبل ہر لحہ حاضر و موجود اور مشہود ہوتے ہیں اس لئے ہم نے اختصار کی غرض سے اللہ کی ذات کو سامنے رکھ دینا چاہا تا کہ مزید گفتگو کی گنجائش ہی نہ رہنے پائے چنانچہ کلام اللہ سنیئے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلٰى

اَجَلٍ مُّسَمًّی وَ اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ o ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہِ الۡبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡعَلِیُّ الۡکَبِیۡرُ o (سورہ لقمٰن 30-31/29)

''اے نبیؐ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ رات کو دن ہی میں سے گزارتا ہُوا لے آتا ہے اور دن کو رات ہی میں سے گزار کر نکال دیتا ہے۔اور چاند وسورج کو مطیع وفرماں بردار بنا رکھا ہے اور وہ سب ایک مقررہ وقت تک گرمِ سفر ہیں۔اور یہ کہ جو کچھ بھی عمل تم کرتے ہو اُس کی خبر رکھتا ہے۔اور وہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ اللہ ہی ذاتی حیثیت میں حقِ محض ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا جن کو تم قابلِ دعا سمجھتے ہو وہ سب باطل ہیں اور یہ کہ اللہ ہی بڑا اعلیٰ ہے۔''

(7) جس حقِ محض کو دکھائے جانے کی بات علیؐ نے کی ہے وہ حق کے پَر تو نہیں بلکہ اللہ تھا

چونکہ حضرت علیؐ کے جُملہ میں لفظ ''اَلۡحق'' ہے اور یہ لفظ، جیسا کہ آیات پیش کی گئیں، قرآن میں بہت جگہ آیا ہے لہٰذا کیوں اَلۡحق سے اللہ ہی مراد لیا جائے؟ پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ بذاتہٖ اَلۡحق ہے تو پھر کوئی چیز یا صورت جسے اللہ نے اَلۡحق فرمایا ہو وہ جزوی قرار پائے گا اور حقِّ کُل کو چھوڑ کر جزو کو، مُراد لینے کے لئے قرآن سے دلیل اختیار کرنا ہوگی اور جو دلیل آپ دیں گے وہ دلیل خاص نہ ہوگی بلکہ عام ہوگی جو زیرِ گفتگو خاص شخص یعنی حضرت علیؐ کے لئے قابل قبول نہ ہوگی۔مثلاً آپ کی دلیل یہ ہوگی کہ:

لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ وَ ھُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ۔۔۔۔(انعام 6/103)

مودودی ترجمہ: ''نگاہیں اُس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلداول صفحہ 568)

یہاں تمام آنکھوں کی بات ہو رہی ہے یعنی عام آنکھیں یا نگاہیں اُس کو پا نہیں سکتیں۔یہ نہیں فرمایا کہ:

''کوئی بھی ایسی آنکھ نہیں جو اُس کو پاسکے۔'' یعنی اللہ نے کوئی ایسی آنکھ بنائی ہی نہیں ہے اور نہ بنا سکتا تھا جو اللہ کو پاسکتی یا پالیتی۔

پھر علیؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ میری آنکھوں یا نگاہوں نے اللہ کو پالیا۔بلکہ یہ فرمایا کہ:

''مجھے حقِ مطلق دکھایا گیا تھا۔'' لہٰذا حضرت علیؐ کے قول کی نفی کرنے کے لئے دلیل یوں ہونا چاہئے کہ:

''ہم خود بھی خود کو کسی آنکھ کو دکھانا چاہیں تو دکھا نہیں سکتے۔''

علاوہ ازیں ہم قرآن کی رُو سے علیؐ ومحمدؐ سلام اللہ علیہما کو اللہ کی اولین اور نوری مخلوق مانتے ہیں اور حضرت علیؐ نے حق مطلق کے دکھائے جانے کا کوئی وقت وزمانہ مقرر نہیں فرمایا ہے۔اس لئے ان کے خلاف دلیل یوں ہونا چاہئے کہ:

''مجھے کوئی نوری مخلوق عالم انوار میں بھی نہیں دیکھ سکتی یا یہ کہ میں خود بھی چاہوں تو خود کو کسی نوری مخلوق کو بھی نہیں دکھا سکتا۔''

اور قرآن میں اللہ نے اپنی لقا یا ملاقات کا وعدہ بار بار کیا ہے اور ملاقات کی نفی کے لئے کوئی قرآنی دلیل ناممکن ہے۔اور آخری بات یہ ہے کہ:

(8) علیؐ اَن دیکھے اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے

حضرت علیؐ نے خود فرمایا ہے کہ میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا جسے میں نے دیکھا نہ ہو۔سنئے کہ خود اُنؐ سے سوال کیا گیا تھا کہ'' کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟''

وَ قَدۡ سَاَلَہُ ذِعۡلِبُ الۡیَمَانِی فَقَالَ: ھَلۡ رَاَیۡتَ رَبَّکَ یَا اَمِیۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ؟ فَقَالَ عَلَیۡہِ السلام: اَ فَاَعۡبُدُ مَا لَا اَرٰی؟

فَقَالَ: كَيْفَ تَرَاهُ؟ قَالَ عَلَيْهِ السلام: لَا تُرَاهُ الْعُيُوْنُ بِمُشَاهِدَةِ الْعَيَانِ وَ لٰكِنْ تُدْرُكُهُ الْقُلُوْبُ بِحَقَائِقِ الْاِيْمَانِ۔ الخ (خطبہ نمبر 177، نہج البلاغہ، مفتی جعفر حسین) (بیان الامامۃ خطبہ نمبر 239)

" اور ذِعْلِب یمنی نے پوچھا کہ کیا آپؑ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپؑ نے جواب میں فرمایا ''اگر دیکھا نہیں تو کیا میں تمہارے خیال سے ایسی ہستی کی عبادت کرتا ہوں جسے میں نے دیکھا نہ ہو؟ اُس نے سوال کیا کہ آپؑ اپنے دیکھنے کی کیفیت (کیف) مجھے سمجھا دیں۔آپ نے فرمایا کہ ''آنکھیں اُسے کھُلّم کھُلا نہیں دیکھ سکتیں (یا پاسکتیں) لیکن دل اُسے ایمانی حقائق کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔''

ہمیں یہاں مولا علیہ السلام کے پہلے جواب کو دلیل کے طور پر اختیار کرنا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا تھا۔رہ گیا ذِعْلب کو باقی جواب؟ اُس سے حضورؐ کے نہ تو دیکھنے کی نفی ہوتی ہے اور نہ دل کے حقائق کی معرفت دیکھنے کا اِثبات ہوتا ہے۔بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذِعْلب یا تمام حاضرین اُس کیفیت کو سمجھانے کے بعد بھی نہ سمجھتے جس میں آنحضرتؐ نے اپنے رب کو دیکھا تھا۔بلکہ اندیشہ تھا کہ مخالف لیڈر اعتراضات لے کر اُٹھ کھڑے ہوں اس لئے جواب میں عمومیت پیدا کر دی اور جو جواب دیا نہ اُسے ذِعْلب سمجھا نہ کوئی اور سمجھا اور نہ میں اور میرے قاری سمجھتے ہیں کہ حقائق ایمان سے اللہ کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے؟ آپؑ نے من سمجھوتے کی بات نہیں کی ہے بلکہ یہ فرمایا کہ:

''جس کی میں عبادت کرتا ہوں اُسے حقائقِ ایمان سے دیکھا جاسکتا ہے۔''

کیا کسی کا نام بتایا جاسکتا ہے جو اللہ کو حقائق ایمان کے ذریعہ سے دیکھ چکا ہو اور دکھا سکتا ہو۔یعنی ذعلب کا اور ہر معترض کا منہ بند کر دینے والا جواب دیا ہے۔یہ نہیں فرمایا کہ: **''میں نے اللہ کو حقائقِ ایمان سے دیکھا تھا آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔''**

لہٰذا عام بات کو خاص صورت پر فِٹ کر لینا غلط ہے۔اگر حضرتؐ کا دیکھنا اسی طرح کا تھا جیسا ذِعْلب کو جواب دیا تو اس تمام گفتگو کی ضرورت ہی نہ تھی پہلے سوال کے جواب میں فرمایا جاسکتا تھا کہ: **''ہاں میں نے اللہ کو دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور تو بھی دیکھ سکتا ہے۔''**

ہفتم۔مقامِ مصطفوؐی و مرتضوؑی کا انکار کرنے کے لئے ہی تو قرآن کی تکذیب و تحریف کی گئی ہے

قریش کا مقام محمدؐ و علیؑ کو اپنی سطح تک نیچے اُتارنا قابلِ فہم و ضروری تھا۔ورنہ وہ حکومتِ الٰہیہ کو کیسے ہضم کرتے؟ وہ خطا کار و جاہل تھے لہٰذا ضروری تھا کہ اُن کا نبیؐ بھی غلطیاں کرنے والا اور کائنات و علومِ خداوندی سے جاہل و بے بہرہ ہوتا۔وہ قرآن کے علوم سے کماحقہ جاہل و بے بہرہ تھے۔اس لئے قرآن کی ہمہ گیری کا انکار اور تاویل ضروری تھی۔لہٰذا مشہور کیا گیا کہ قرآن ایک مجمل اور اصولی کتاب ہے اور رسوؐل بھی اجتہاد کر کے مسائل گھڑا کرتے تھے اور تقاضائے وقت کے مطابق قرآن سے استنباط کر کے کام چلایا کرتے تھے۔چنانچہ انھوں نے بھی رسوؐل کی پیروی میں اجتہاد اختیار کیا تھا۔وغیرہ وغیرہ بکواس۔لیکن اُن کی اس بکواس کو قرآن سے برابر سند نہ ملی۔اور وہ کوششوں کے باوجود قرآن کو اپنا ہم نوا نہ بنا سکے قرآن نے رسوؐل کو اللہ کے وہ تمام مقامات واختیارات دیئے جانے کا اعلان کیا جن کی رُو سے اللہ کو اللہ کہا جاتا ہے۔اللہ ساری کائنات کا مطلق العنان مالک و حاکم ہے اور اللہ کا نائب و جانشین ہرگز ایسا شخص نہیں ہوسکتا جو اللہ کی کائنات و مخلوقات سے جاہل ہو اور منشا و رضائے خداوندی اور ضروریاتِ مخلوقات سے کماحقہٗ واقف نہ ہو اور کسی حال میں اللہ کی رضا و منشا اور مخلوق کی احتیاج کے خلاف عمل درآمد کر سکتا ہو۔ان ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ نے اپنے نائب و خلیفہ کو ہمہ گیر بلکہ برابر کی پوزیشن کو مدنظر رکھ کر ایک ایسی صورت میں پیدا کیا جسے نور کہہ کر عقل و

تمیز کے اطمینان کی راہیں کھلی رہیں۔خود رب العالمین ہے تو اپنے رسولؐ کو رَحۡمَةً لِلۡعَالَمِین بنایا۔تمام عالمین کی نذارت وہدایت کے لئے (لِلۡعَالَمِین)نَذِیراً بنایا۔اور اُن ہی کے پرَتو سے ملائکہ اور ارواح کو تخلیق کیا الغرض پوری کائنات اور تمام مخلوقات وموجودات کو اُن ہی سے اور اُن ہی کے لئے پیدا کیا۔ہر چیز کو اُن کے لئے مطیع ومسخر کیا اور نہایت واضح الفاظ میں کھُل کر فرمایا کہ:

سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الۡاَرۡضِ وَ اَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ o (لقمان 31/20)

''تم سب کے لئے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی موجود ہے سب کو تمہارے لئے مسخر ومطیع وفرماں بردار بنایا ہے اور تمہارے لئے بے شمار نعمتیں مُہیّا کردی ہیں۔خواہ وہ مادّی محسوس ومشہود نعمتیں ہوں یا غیر محسوس اور پوشیدہ قسم کی نعمتیں ہوں۔اور اس کے باوجود اِن لوگوں میں وہ شخص بھی موجود ہے جو تمہاری پوزیشن تسلیم نہیں کرتا اور بلا کسی کتاب کی روشن تعلیمات وہدایات کے برابر بحث اور جھگڑا کرتا چلا جارہا ہے اور برابر جھگڑا کرتا رہے گا۔'' (مضارع یُجَادِلُ)

یہی وہ قریش کا عظیم لیڈر اور مقنن تھا جسے تمام ہی مخالف مسلمانوں نے عمر فاروق قرار دیا ہے اور ہم نے اُسے قرآن سے باقاعدہ مشخص کر کے چھوڑا ہے۔لیکن اُس لیڈر کی اور اُس کی قوم کی اور اسکی قائم کردہ حکومتوں کی چھ سو سالہ سرتوڑ کوششوں کے باوجود خود اُن کے ریکارڈ میں محمدؐ وعلیؑ کی وہ پوزیشن برابر چلی آئی ہے جسے ہم ثابت کرتے ہیں۔چنانچہ وہ ریکارڈ آنحضرتؐ کی ایسی آنکھیں مانتا ہے جس سے پس پشت بھی دیکھتے تھے (بخاری) اور لوگوں کو غلط کام کرتے دیکھ کر تنبیہہ فرماتے تھے۔اگر اتنی سی بات ریکارڈ میں لکھنے کے ساتھ ساتھ دل سے مان بھی لی جائے یعنی ایسے رسولؐ پر ایمان لایا جائے جس کو ایسی آنکھیں دی گئی تھیں جو عام انسانوں یا تمام انسانوں کی طرح دیکھنے پر مجبور ومفطور نہ تھیں بلکہ اللہ نے اُنؐ کی آنکھوں کو ایسا بنایا تھا جو چاروں طرف اور اوپر نیچے بھی دیکھتی تھیں چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:

(1) آنحضرتؐ کی تخلیق عام انسانوں کی طرح نہیں کی گئی تھی یہ حکیمانہ مصلحت تھی کہ آپؐ مشابہ تھے

قَدۡ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ۔۔الخ (بقرہ 2/144)

مودودی ترجمہ: ''یہ تمہارے مُنہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔لو ہم اُسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو۔مسجدِ حرام کی طرف رُخ پھیردو۔اب جہاں کہیں تم ہو، اُسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 121)

مودودی تشریح: ''146؎ یہ ہے وہ اصل حکم، جو تحویل قبلہ کے بارے میں دیا گیا تھا۔یہ حکم رجب یا شعبان سن 2 ہجری میں نازل ہوا۔ابن سعد کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ وآلہ وسلم بشر بن براء بن مَعۡرُور کے ہاں دعوت پر گئے ہوئے تھے۔وہاں ظہر کا وقت آگیا اور آپ لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔دو رکعتیں پڑھا چکے تھے کہ تیسری رکعت میں یکا یک وحی کے ذریعے سے یہ آیت نازل ہوئی اور اُسی وقت آپ اور آپ کی اقتداء میں جماعت کے تمام لوگ بَیۡتُ الۡمقدس سے کعبہ کے رُخ پھر گئے۔'' چند سطروں کے بعد لکھا ہے:

''خیال رہے کہ بَیۡتُ المقدس مدینے سے عین شمال میں ہے۔اور کعبہ بالکل جنوب میں۔نماز باجماعت پڑھتے ہوئے قبلہ تبدیل کرنے میں لامحالہ امام کو چل کر مقتدیوں کے پیچھے آنا پڑا ہوگا۔اور مقتدیوں کو صرف رخ ہی نہ بدلنا پڑا ہوگا بلکہ کچھ نہ کچھ اُنہیں بھی چل کر اپنی صفیں درست کرنی پڑی ہوں گی ......اور یہ جو فرمایا کہ:

''ہم تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں۔''اور یہ کہ''ہم اُسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو۔''
اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے منتظر تھے۔''(تفہیم اول صفحہ 121)

قریشی پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر تمام مسلمان نام کے علمانے یہی ترجمہ، یہی شانِ نزول اور یہی تفسیر لکھی ہے حالانکہ نہ ترجمہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ ہے نہ یہ تفسیر حقیقت سے کوئی تعلق رکھتی ہے۔(پوری تفصیل ہماری تعبیر القرآن میں ملاحظہ ہو) ہمیں یہاں صرف اس قدر دکھانا ہے کہ نماز کے دوران ادھر اُدھر دیکھنا یعنی سجدہ گاہ سے نظروں کو جان بوجھ کر ہٹانا اورارادہ کر کے کسی اورسمت میں دیکھنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔اوراس روایت میں تو دوران نماز پشت کی طرف گھومنا اور چلنا پھرنا بھی موجود ہے۔اور نماز کو درست سمجھا گیا ہے۔لہٰذا یہ روایت اور یہ نماز دونوں باطل ہیں۔پھر اگر، بقول مودودی، آنحضرتؐ پہلے سے کعبہ کی طرف منہ کرنے اور کعبہ کو قبلہ بنانے کے منتظر تھے۔تو''بار بار آسمان کی طرف منہ اُٹھانا''بے معنی ہے۔ انہیں بار بار پشت کی طرف یعنی کعبہ کی طرف، یعنی جنوب کی طرف مڑ مڑ کر دیکھنا چاہیئے تھا نہ کہ آسمان کی طرف؟ یہ جواب بھی باطل ہوگا کہ وہ اللہ سے درخواست کرنے کے لئے بار بار آسمان کی طرف منہ اُٹھاتے تھے۔اس لئے کہ اللہ آسمان پر نہ تھا ہر جگہ تھا۔ہم نے اس روایت کواس لئے نقل کیا ہے کہ مندرجہ بالا آیت (2/144) کا نماز سے تعلق ثابت ہو جائے۔یعنی اللہ نے نماز کے دوران کا نظارہ اس آیت (2/144) میں پیش کیا ہے۔اُدھر رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مصروف ہیں اور اپنی نظر آنے والی نگاہیں مقام سجدہ پر جمائے ہوئے ہیں۔اور جس نظر سے اللہ رسوؐل کو دیکھ رہا ہے اُسی نظر سے رسوؐل آسمان والے حقیقی قبلے کو تلاش فرما رہے ہیں۔یعنی حضوؐر بیک وقت اوپر بھی، چاروں طرف حدودِ آسمان تک دیکھ رہے ہیں اور نیچے جاءِ سجدہ بھی نظر سے غائب نہیں ہے کہ نماز ٹوٹ جائے۔لہٰذا ہر سمجھدار آدمی کو یقین ہوجانا چاہیئے کہ آنحضرتؐ بھی اُسی قسم کے آلہ دُور بین وِ دُور رَس سے، اوراُسی طرح اور اُتنا ہی ہر وقت دیکھتے ہیں جس طرح اللہ بلا آنکھ اور بلا کسی آلہ کے دیکھتا ہے۔

قریش یہ سب کچھ سمجھتے تھے لیکن اُن کی مصلحت یہی تھی کہ رسوؐل کو اپنے ایسا انسان مشہور کریں۔مگر یہ غلطی ہوگئی کہ اُن کے ریکارڈ میں رسوؐل کا بیک وقت آگے اور پیچھے دیکھنا موجود رہ گیا اور یہ واقعہ بھی نماز ہی کے دوران کا ہے۔اور اِسی سے یہ حقیقت سمجھنا آسان تھی کہ تمام جن وانس کا رسوؐل و خلیفۂ خداوندی اور پوری کائنات کا نذیر وھادی اور تمام عالمین پر رحمت وہ شخص ہونا چاہیئے جسے اللہ نے خود اپنی آنکھیں بنایا ہو جسے اپنے کام کرانے کے لئے اپنے دست و بازو دیئے ہوں۔یعنی وہ مجسّم عَیْنُ اللہ و یداللہ ہو۔جس کی نظر پوری کائنات پر اور جس کا دستِ رحمت وشفقت تمام عالمین تک وسیع ہو (اعراف 7/156)۔چنانچہ محمدؐ اور محمدؐ کے نور کے اجزا علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ اور دوسرے آئمہ اہلبیت صلوٰۃ اللہ علیہم وہ حضرات ہیں جنہیں نہ صرف انسانوں والی آنکھیں ملی تھیں بلکہ وہ آنکھیں بھی ملی تھیں جن سے اُنہوںؑ نے اپنے معبود و پروردگار کو دیکھا تھا۔اور چونکہ ایسی تخلیق اور آنکھیں اوراعضا اللہ نے عطا کئے تھے اس لئے یہ فرمایا گیا کہ:

مَا شَكَكْتُ فِي الْحَقِّ مُذْ أُرِيتُهُ (خطبہ 4 جملہ 16) یعنی مجھے اللہ نے وہ آنکھیں عطا کیں جن سے وہ مجھے دکھائی دیتا رہے۔چنانچہ مجھے اپنی تخلیق کے دن سے آج تک کبھی ذاتِ خداوندی میں شک نہیں ہوا ہے۔

(2) آنحضرتؐ نے بھی فرمایا ہے کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔مگر بعض علما نہیں مانتے

جو علما حضرت علی علیہ السلام کے حقیقی فضائل ومقام کو نہیں مانتے اور ابوبکر وعمر وعثمان کو بھی اُنؑ سے افضل کہتے ہیں اُن پر اس لئے تعجب کرنا غلط ہے کہ وہ تو آنحضرتؐ کے بھی منکر ہیں۔اُنہیںؐ بھی وہ ملاعین اپنے ایسا بشر قرار دیتے ہیں اور احادیث کی موجودگی میں بھی یہ نہیں مانتے کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا۔ چند مقامات مودودی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

مخالفینِ محمدؐ وعلیؑ کی کتب احادیث میں محمدؐ کا اللہ کو دیکھنا بار بار ثابت ہے

1: ''نسائی میں عِکرَمہ کی روایت ہے کہ ابن عباس نے فرمایا:

''اَ تَعجَبُوْنَ اَنْ تَکُوْنَ الْخُلَّۃَ لِاِبراھیمؑ و الکلام لموسیٰ وَ الرُّؤیَۃَ لِمحمدؐ؟

''کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خلیل بنایا، موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے سرفراز کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت (دیدار۔احسن) کا شرف بخشا۔'' حاکم نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 204)

حاکم نے صحیح قرار دیا ہو یا نہ دیا ہو اس روایت کا صحیح نسائی میں یعنی صحاح ستہ (چھ عدد صحیح کتابوں) میں ہونا ہی کافی ہے۔

دوسری روایت

2: ''ترمذی میں شَعبِی کی روایت ہے کہ ابن عباس نے ایک مجلس میں فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اپنی رُویت (دیدار۔احسن) اور اپنے کلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے اُس نے دو مرتبہ کلام کیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اس کو دیکھا۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 204)

حضرت عائشہ انکار کرتی ہیں جنہوں نے جسمانی معراج کا بھی انکار کیا تھا:

3: ''بخاری کتاب التفسیر میں حضرت مَسرُوق کا بیان کہ میں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا، ''اماں جان، کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟'' اُنہوں نے جواب دیا ''تمہاری اس بات سے میرے تو رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ تم یہ کیسے بھول گئے کہ تین باتیں ایسی ہیں جن کا اگر کوئی شخص دعویٰ کرے تو جھوٹا دعویٰ کرے گا۔'' (ان میں سے پہلی بات حضرت عائشہؓ نے یہ فرمائی کہ) ''جو شخص تم سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹ کہتا ہے۔'' پھر حضرت عائشہؓ نے یہ آیتیں پڑھیں **لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ** (نگاہیں اُس کو نہیں پا سکتیں) (وغیرہ وغیرہ۔احسن)۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 202)

یہاں عائشہ کے رونگٹے واقعی کھڑے ہوگئے ہوں گے۔ اِس لئے کہ وہ اور حفصہ دونوں اُس محاذ میں شامل تھیں جو رسولؐ اللہ کے خلاف اُس کے باپ نے اور حفصہ کے باپ نے بنا رکھا تھا۔ تاکہ حضورؐ کی احادیث کی نشر و اشاعت نہ (سورہ تحریم 5-66/4) ہو سکے اور عائشہ نے اپنے کانوں سے سُن لیا کہ فضائل محمدؐ کی احادیث تو آگے بڑھ ہی رہیں اور لوگ اللہ کے دیدار کا مرتبہ اُن حضرتؐ کو دے رہے ہیں۔ اس لئے وہ کانپ کر رہ گئی اور یقین ہوگیا کہ اُن کا پنج تنی محاذ ناکام ہوگیا۔ اور حقیقی پنجتنؑ اُنہیں مات دے گئے۔ یاد رہے کہ عبداللہ ابن مسعود اور مسروق وغیرہ وہ چمچے تھے جو ابوبکر وعمر و عثمان و عائشہ و حفصہ کے مشن کی تائید میں آخر عمر تک مصروف رہے۔

مودودی کو بھی ملاعین میں شمار کرلیں: مودودی کا فیصلہ یہ ہے کہ:

''اسلئے درحقیقت اِن آیات کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے منسوب روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 206)

ہشتم۔ محمدؐ نے اللہ کو نہیں دیکھا مگر باقی تمام انسان اللہ کو دیکھ سکتے ہیں؟

مودودی اینڈ کمپنی نے آنحضرتؐ کے دیدارِ خداوندی کا قرآن سے غلط دلیل لا کر، انکار کر دیا مگر اب قرآن ہی سے ثابت کرتے ہیں کہ اللہ کا دیدار

قطعاً ممکن ہے اور عام لوگوں کو دیدارِ خداوندی ہوگا۔ قرآن کی آیت اور مودودی کا ترجمہ اور تشریح سے لطف اندوزی کیجئے:

وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ o اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ o (قیامت 75/22-23)

(1) مودودی ترجمہ: ''اُس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

علامہ کی تشریح دیکھنے سے پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ مودودی کے نزدیک اب اللہ کا آنکھوں اور نظروں سے دیکھا جانا ممکن اور یہ کہ حضرت علیؑ اور محمدؐ کا اللہ کو دیکھنا ثابت ہوگیا اور عائشہ اینڈ کمپنی کی قرآن کی دلیل کا غلط استعمال کیا جانا ثابت ہوگیا ہے۔

(2) مودودی کی تشریح: '' 17۔ مفسرین میں سے بعض نے اسے مجازی معنی میں لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی کی طرف دیکھنے کے الفاظ محاورے کے طور پر اُس سے توقعات وابستہ کرنے، اُس کے فیصلے کا انتظار کرنے، اُس کے کرم کا امیدوار ہونے کے معنی میں بولے جاتے ہیں، حتیٰ کہ ایک اندھا بھی یہ کہتا ہے کہ میری نگاہیں تو فلاں شخص کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ وہ میرے لئے کیا کرتا ہے۔ لیکن بکثرت احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی جو تفسیر منقول ہے وہ یہ ہے کہ آخرت میں اللہ کے مکرم بندوں کو اپنے رب کا دیدار نصیب ہوگا۔ بخاری کی روایت ہے کہ:

اِنَّکُمۡ سَتَرَوۡنَ رَبَّکُمۡ عِیَانًا ''تم اپنے رب کو (جلدی۔ احسن) علانیہ دیکھو گے۔'' مسلم اور ترمذی میں حضرت صہیب کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں مزید کچھ دُوں؟ وہ عرض کریں گے کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کردیئے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کردیا اور جہنم سے بچا نہیں لیا؟ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹادے گا اور اُن لوگوں کو جو کچھ انعامات ملے تھے اُن میں سے کوئی انعام بھی اُنہیں اس سے زیادہ محبوب نہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کی دید سے مشرّف ہوں، اور یہی وہ مزید انعام ہے جس کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ:

لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَ زِیَادَۃٌ یعنی ''جن لوگوں نے نیک عمل کیا اُن کے لئے اچھا اجر ہے اور اس پر مزید بھی'' (یونس 10/26)

بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خُدری اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ، کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کو دیکھیں گے؟ حضورؐ نے فرمایا کیا تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے جب کہ بیچ میں بادل بھی نہ ہو؟ لوگوں نے عرض کیا' نہیں۔ آپ نے فرمایا اُسی طرح تم اپنے رب کو دیکھو گے۔ اِسی مضمون سے ملتی جلتی ایک روایت بخاری و مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے۔ مسند احمد، ترمذی، دارقُطنی، ابن جریر، ابن المُنذر، طَبرَانی، بیہقی، ابن ابی شَیبہ اور بعض دوسرے محدثین نے تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اہل جنت میں کم سے کم درجے کا جو آدمی ہوگا وہ اپنی سلطنت کی وسعت دو ہزار سال کی مسافت تک دیکھے گا، اور اُن میں سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والے لوگ ہر روز دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھیں گے۔ پھر حضورؐ نے یہی آیت پڑھی کہ ''اُس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ اللہ اُن کی طرف دیکھ رہا ہوگا اور وہ اللہ کی طرف دیکھیں گے، پھر جب تک اللہ اُن سے پردہ نہ فرمالے گا۔ اُس وقت تک وہ جنت کی کسی نعمت کی طرف توجہ نہ کریں گے اور اُسی کی طرف دیکھتے رہیں گے۔ یہ اور دوسری بہت سی روایات ہیں جن کی بنا پر اہل السنّت قریب قریب بالاتفاق اس آیت (75/23) کا یہی مطلب لیتے ہیں کہ ''آخرت میں اہلِ جنت اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔''

مودودی کی اپنی تائید: اور اِس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ کَلَّاۤ اِنَّہُمۡ عَنۡ رَّبِّہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ o ''ہرگز نہیں،

وہ (یعنی فُجّار) اُس روز اپنے رب کی دید سے محروم ہوں گے۔'' (المُطَفِّفِیۡنَ 83/15) اِس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ محرومی فُجّار کے لئے ہوگی نہ کہ ابرار کے لئے۔'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 172-173)

(3) اللہ کو دیکھنے کا امکان محمدؐ کے لئے نہیں تھا۔ مگر باقی انسانوں کے لئے ثابت کرنے پر مودودی کی بحث

جب مودودی مذہب کی معتبر ترین کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ کو دیکھنے کی روایات آئیں تو علامہ نے اس لئے نہ مانا کہ رسولؐ کی دو دشمن بیویوں میں سے ایک نے، دل اور زاویہ نظر ٹیڑھا ہو جانے کی بنا پر (تحریم 5-66/4)، ایسی روایات کو اور ایسا ماننے والوں کو جھوٹا کہہ دیا تھا۔ مگر اب اِن آیات (75/22-23) میں نہ تو اُس ملعونہ کی رائے کی پرواہ کی اور نہ اپنے وہ بیانات سامنے رکھے جو آنحضرتؐ کے خلاف استعمال کئے تھے۔ مطلب یہ کہ ساری نوع انسان اللہ کو دیکھ لے تو خطرہ نہیں۔ خطرہ اُس صورت میں ہے کہ محمدؐ کا اللہ کو دیکھنا یا اُس سے ملنا مان لیا جائے۔ بہر حال اس لعنتی نے اپنے سابقہ طویل بیان کے ساتھ ہی مسلسل یہ بحث لکھی ہے۔ اِسے پڑھتے ہوئے وہ گفتگو اور دلائل بھی سامنے رکھیئے جو ہم نے حضرت علی علیہ السلام کے جملے کی تائید میں کی ہے، اور اثباتِ دیدار کے لئے پیش کئے ہیں:

''یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان خدا کو دیکھ کیسے سکتا ہے؟ دیکھنے کیلئے تو لازم ہے کہ کوئی چیز کسی خاص جہت (سمت۔ احسنؔ)، مقام، شکل اور رنگ میں سامنے موجود ہو، روشنی کی شعاعیں اُس سے منعکس ہو کر انسان کی آنکھ پر پڑیں اور آنکھ سے دماغ کے مرکز بینائی تک اُس کی تصویر منتقل ہو۔ کیا اللہ رب العالمین کی ذات کے متعلق اس طرح قابلِ دید ہونے کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ انسان اس کو دیکھ سکے؟ لیکن یہ سوال دراصل ایک بڑی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس میں دو چیزوں کے درمیان فرق نہیں کیا گیا ہے۔ ایک چیز ہے دیکھنے کی حقیقت اور دوسری چیز ہے دیکھنے کا فعل صادر ہونے کی وہ خاص صورت جس سے ہم اس دنیا میں آشنا ہیں۔ دیکھنے کی حقیقت یہ ہے کہ دیکھنے والے میں بینائی کی صفت موجود ہو؛ وہ نابینا نہ ہو؛ اور دیکھی جانے والی چیز اُس پر عیاں ہو؛ اُس سے مخفی نہ ہو۔ لیکن دنیا میں ہم کو جس چیز کا تجربہ اور مشاہدہ ہوتا ہے وہ صرف دیکھنے کی وہ خاص صورت ہے جس سے کوئی انسان یا حیوان بالفعل کسی چیز کو دیکھا کرتا ہے۔ اور اُس کیلئے لامحالہ یہ ضروری ہے کہ دیکھنے والے کے جسم میں آنکھ نامی ایک عضو موجود ہو۔ اُس عضو میں بینائی کی ایک طاقت پائی جاتی ہو؛ اُس کے سامنے ایک ایسی محدود و مجسم رنگ دار چیز حاضر ہو جس سے روشنی کی شعاعیں منعکس ہو کر آنکھ پر پڑیں، اور آنکھ میں اُس کی شکل سما سکے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ دیکھنے کی حقیقت کا عملی ظہور صرف اُسی خاص صورت میں ہو سکتا ہے جس سے ہم اس دُنیا میں واقف ہیں تو یہ خود اُس کے اپنے دماغ کی تنگی ہے، ورنہ درحقیقت خدا کی خدائی میں دیکھنے کی ایسی بے شمار صورتیں ممکن ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس مسئلے میں جو شخص الجھتا ہے وہ خود بتائے کہ اُس کا خدا بینا ہے یا نابینا؟ اگر وہ بینا ہے اور اپنی ساری کائنات اور اسکی ایک ایک چیز کو دیکھ رہا ہے تو کیا وہ اسی طرح آنکھ نامی ایک عضو سے دیکھ رہا ہے جس سے دنیا میں انسان وحیوان دیکھ رہے ہیں، اور اُس سے بینائی کے فعل کا صدور اُسی طریقے سے ہو رہا ہے جس طرح ہم سے ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسکا جواب نفی میں ہے، اور جب اسکا جواب نفی میں ہے تو آخر کسی صاحب عقل وفہم انسان کو یہ سمجھنے میں کیوں مشکل پیش آتی ہے کہ آخرت میں اہل جنت کو اللہ تعالیٰ (اپنے ایسا اللہ بنا دیگا یا اپنے ایسی دیکھنے والی آنکھیں عطا کر دیگا۔ احسنؔ) کا دیدار اُس مخصوص شکل میں نہیں ہوگا جس میں انسان دنیا میں کسی چیز کو دیکھتا ہے، بلکہ وہاں دیکھنے کی حقیقت کچھ اور ہوگی (تو مودودی کی مثال باطل ہوگئی۔ احسنؔ) جس کا ہم یہاں ادراک نہیں کر سکتے؟ (لٰہذا مثال ویسی ہی ہونا

لازم تھی جس سے ادراک ہوسکتا۔احسن)واقعہ یہ ہے کہ آخرت کے معاملات کوٹھیک ٹھیک سمجھ لینا ہمارے لئے اُس سے زیادہ مشکل ہے جتنا ایک دو برس کے بچے کیلئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ازدواجی زندگی کیا ہوتی ہے حالانکہ جوان ہوکر اُسے خود اُس سے سابقہ پیش آنا ہے۔''
(تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 173-174)

(4) نہ علامہ سمجھے نہ سمجھا سکے بلکہ سمجھنے اور سمجھانے کا فریب دیا اور مان لیا کہ رسولؐ اور قرآن کی باتوں پر ایمان لانا چاہیئے

علامہ کی یہ طویل بکواس ہم نے صرف اس لئے لکھی ہے کہ جو باتیں اُسے رسولؐ کی طرفداری میں کہنا لازم تھیں وہ اپنے اور اپنے اہل سنت کے ایک باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے لکھی ہیں۔علامہ ہی کو نہیں بلکہ ہر صاحبِ ایمان وعقل وفہم آدمی کو چاہیئے تھا کہ وہ صرف اس قدر کہہ دیتا کہ:

''چونکہ اللہ نے قرآن میں یہ اور یہ فرمایا ہے لہٰذا لازم ہے کہ وہ لفظ بلفظ صحیح ہو خواہ انسانوں کی موجودہ سمجھ اور تجربہ کے اندر نہ سمائے۔ اس لئے کہ انسانی عقل اپنے انتہائی مقام پر نہیں بلکہ ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔''

علامہ کے اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ جب تک انسان کو اللہ کی وہ بصیرت و بصارت نہ ملے جو اللہ کو ذاتی طور پر حاصل ہے اس وقت تک وہ مجبور ہے کہ ان آنکھوں سے اُسی طرح دیکھے اور اِسی قدر دیکھے جتنا اور جس طرح دیکھنا اِن آنکھوں کیلئے اللہ نے طے کر دیا ہے۔اور چونکہ آنحضرتؐ کا بیک وقت ہر طرف دیکھنا ثابت ہے اور خود اپنے ربؐ کو دیکھنا بھی ثابت ہے لہٰذا ماننا ہوگا کہ اللہ نے انہیں اپنی بصیرت و بصارت عطا فرمائی تھی اور وہ جسمانی آنکھوں کے محتاج نہ تھے۔یہی حال ہے جس کو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے لیے بیان فرمایا ہے۔(خطبہ 4 جملہ 16)

نہم۔نیابت وخلافتِ خداوندی کے عظیم منصب کا تقاضا ہے کہ تمام حجابات سامنے سے ہٹا دیئے جائیں

تمام قریشی علا مجبور ہوئے ہیں کہ وہ مقام مصطفویؐ کو تسلیم کریں۔چنانچہ اُنہوں نے آنحضرتؐ کے مقامِ بلند کا اعتراف تو کیا ہے۔مگر اپنے اعتراف کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ موقع آنے پر عوام اور معترضین کو مطمئن بھی کیا جا سکے اور جہاں ضروری ہو جائے وہاں انکار کی گنجائش بھی باقی رہے۔یہ موقع شناسی اور ردّوبدل جس کو جتنی زیادہ معلوم ہے وہ اتنا ہی بڑا علامہ قرار پاتا ہے۔آیئے ہم خود مودودی کے قلم سے وہ حقائق دکھائیں گے۔

(1) ہر وہ چیز جو انسانوں کو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتی ہے وہ انبیاؑ کو نظر آتی ہے۔ملکوت السماوات کا مشاہدہ

وہ حقائق جن کو مان لینے کے بعد علیؑ و محمدؐ کی پوزیشن صاف ہو جاتی ہے اور کوئی اعتراض اور سوال ہی باقی نہیں رہتا۔لکھتے ہیں کہ:

''اصل بات جو معراج کے سلسلے میں سمجھ لینی چاہیئے وہ یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے منصب کی مناسبت سے ملکوتِ سماوات وارض کا مشاہدہ کرایا ہے۔اور مادّی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کئے گئے تھے،تاکہ اُن کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالکل ممیّز ہو جائے......مگر انبیاء جو کچھ کہتے ہیں وہ براہ راست علم اور مشاہدے کی بنا پر کہتے ہیں،اور وہ خلق کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں۔''(تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 590)

(2) ہر وہ حقیقت جس پر ایمان لانا ضروری ہے انبیاؑء نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی:

علامہ کا ایک اور تائیدی بیان سن کر مکمل تجزیہ کریں گے۔لکھا ہے کہ:

''انبیا علیہم السلام کے ساتھ اللہ کا جو معاملہ ہے اُسے اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے،تو کسی کھینچ تان کی ضرورت پیش نہیں آسکتی۔عام

اہلِ ایمان کو اس زندگی میں جو خدمت انجام دینی ہے، اُس کیلئے تو محض ایمان بالغیب (بے دیکھے ماننا) کافی ہے۔ لیکن انبیا کو جو خدمت اللہ نے سپرد کی تھی اُس کیلئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھ لیتے جن پر ایمان لانے کی دعوت اُنہیں دنیا کو دینا تھی۔ اُن کو دنیا سے پورے زور کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ تم لوگ تو قیاسات دوڑاتے ہو، مگر ہم آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں۔ تمہارے پاس گمان ہے اور ہمارے پاس علم ہے۔ تم اندھے ہو اور ہم بینا ہیں۔ اسی لئے انبیا کے سامنے فرشتے عیاناً آئے ہیں، اُن کو آسمان و زمین کے نظامِ حکومت (ملکوت) کا مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ اُن کو جنت و دوزخ آنکھوں سے دکھائی گئی ہے اور بعثت بعد الموت کا اُنکے سامنے مظاہرہ کرکے دکھایا گیا ہے، ایمان بالغیب کی منزل سے یہ حضرات منصب نبوّت پر مامور ہونے سے پہلے گزر چکے ہوتے ہیں۔ نبی ہونے کے بعد اُن کو ایمان بالشہادت کی نعمت دی جاتی ہے اور یہ نعمت اُن ہی کیساتھ مخصوص ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 202)

(3) علامہ نے فریب دینے کے لئے وہ سب کچھ مان لیا جس کی کسی کو منوانے کی ضرورت پیش آسکتی تھی

قارئین کیا اچھا ہوتا اگر یہ علامہ اور اُن کے ہم مذہب یہ سب کچھ دل کی گہرائی سے مانتے ہوتے۔ ذرا سوچیئے اور اپنے کلمے پڑھتے ہوئے سوچیئے کہ کیا تمام انبیاؑء لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہِ پر یعنی ایک ایسے معبود پر ایمان لانے کی دعوت نہیں دیتے جس کے علاوہ یہاں کوئی معبود نہیں ہے؟ لہٰذا علامہ نے مان لیا کہ اللہ انبیاؑ کی دیکھی بھالی حقیقت ہے۔ اور اُن ہی آنکھوں سے انہوں نے اللہ کا مشاہدہ کیا تھا جو اللہ نے انہیں دی تھیں۔ یعنی وہ آنکھیں، جن کے سامنے کوئی مادی حجاب رکاوٹ نہ بنتا تھا، اُن ہی کے لئے مخصوص تھیں۔ جن آنکھوں کے سامنے کوئی مادی حجاب یا آڑ نہ ہو وہ تو قلوب کے اندر کا حال، ذہن میں گزرنے والے تصورات، پوری کائنات میں برپا ہونے والے حالات و حادثات، ملاءِ اعلیٰ اور عرش معلیٰ اور عالمِ ارواح میں ہونے والی عبادات، فضاؤں ہواؤں، جمادات و نباتات و حیوانات میں برسرکار رہنے والے تمام واقعات اُن کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکتے جنہیں حکومتِ کائنات پر اللہ نے اپنا خلیفہ، اپنی طرف سے حاکم و حکمران بنایا ہو۔

یہ ہمارے وہ عقائد ہیں جن کا ہر پہلو ہم قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔ اگر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی یہ پوزیشن نہ ہوتی تو اُن کے لئے الفاظ رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین کا استعمال کیا جانا قطعاً غلط ہوتا۔ انہیں ایسی کتاب کا دیا جانا فضول و عبث ہوتا جسے ذکر للعالمین کہا جائے، جس میں پوری کائنات کی ہر خشک و تر، ہر چھوٹی بڑی چیز کی تفصیلات و بیانات ہوں۔ اُن پر نبوت و رسالت کا ختم کر دینا باطل ہوتا جو قیامت تک اللہ کے معیار پر بذاتِ خود ہدایت نہ کر سکیں۔ اُن کو مبعوث کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اگر اسلام سینکڑوں فرقوں میں تقسیم ہو کر بھی اسلام ہی رہتا اور حق باطل کو الگ الگ کرنے اور رکھنے کا انتظام نہ ہوتا۔

(4) علامہ کے قلم سے جو کچھ نکلا قابلِ شکر یہ نہیں، یہ تو ہمارے مُسلّمہ عقائد ہیں محمدؐ و آئمہؑ عین اللہ ہیں

ہم نے مودودی کی تلاشی لے کر اُن کے قبضے سے وہ تمام چوری کا مال برآمد کر لیا جو اُنہوں نے اپنے ابلیسی عقائد پر پردہ ڈالنے اور سجانے کیلئے ہمارے یہاں سے چُرا کر رکھا تھا۔ بہرحال یہاں حدیث سے ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ نے کائناتی حکومت کے سربراہوں کو اُن کے منصب کی نسبت سے وہ تمام سامان عطا کیا تھا جس سے وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں سنیئے کہ جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ اللّٰـہَ خَلَقَنَا فَاَحسَن خَلقَنَا وَ صَوَّرَنَا فَاَحسن صوّرنا وَ جَعَلَنَا عَینَہٗ فِیْ عِبَادِہٖ وَ لِسَانَہُ النَّاطِق فِی خَلقِہٖ وَ یَدَہُ الْـمَبْسُوطَۃُ عَـلٰی عباده بالرَّافة و الرحمة وَ وَجهَهُ الَّذِی یُوتٰی مِنہ وَ بَابَهُ الَّذِی یَدل عَلَیہِ وَ خزّانه فی سمائه وَ

ارضه؛ بِنَا اَثْمَرَتَ الْاَشجار وَ اَيْنَمت الثمار وَ جَرَتَ الْاَنهار وَ بِنَا ينزل غيث السَّمَاءِ وَ ينبت عشب الارض و بِعِبَادَتِنَا عبِدَاللّٰهَ وَ لَوْ لَا نَحْنُ مَا عبِدَ اللّٰه۔ (اصول کافی کتاب التوحید باب النوادر حدیث نمبر 5)

''یقیناً اللہ نے ہمیں پیدا کیا اور بہترین تخلیق بنایا پھر ہمیں صورت وشکل عطا کی اور بہترین صورت پر تیار کیا اور اپنے بندوں کی نگہداشت کے لئے ہمیں اپنی آنکھیں بنایا اور اپنی مخلوقات سے رابطہ رکھنے کے لئے ہمیں اپنی زبان بنایا اور اپنے بندوں پر لطف وکرم اور رحمت کرنے کے لئے ہمیں اپنے پھیلے ہوئے کشادہ ہاتھ بنایا اور مخلوقات کو اُن کی ربوبیت کا سامان عطا کرنے کا سبب اور وجہ ہمیں بنایا۔ اور ہمیں وہ دروازہ بنایا جو اللہ کے وجود پر دلیل وحجت بنتا رہے۔ اور ہمیں اپنے آسمانوں اور زمینوں کے خزانوں کا خزانچی بنایا ہے۔ ہماری ہی وجہ سے درختوں پر پھل آتے ہیں اور پھل پکتے ہیں اور نہریں جاری رہتی ہیں۔ اور ہماری ہی وجہ سے آسمان سے بارشیں ہوتی ہیں اور زمین سے نباتات اور فصلیں اُگتی ہیں۔ اور ہماری اولین عبادت کو دیکھ کر اللہ کی اولین مخلوق (ملائکہ) نے عبادت کی اور اب تک عبادت ہو رہی ہے۔ اگر ہمیں پیدا نہ کیا ہوتا تو اللہ کی عبادت بھی نہ ہوتی۔''

حضرت علی علیہ الصلوۃ والسلام نے تو ہزاروں باتوں میں سے صرف ایک بات فرمائی ہے یعنی خود کو صرف ہدایت کا بانی مبانی قرار دیا ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کارخانۂ کائنات کے چلنے کا سبب ہی محمدؐ اور علیؑ اور اُن کے نورانی ظہور ہیں۔ اسی تفصیل کو اللہ نے یوں سمویا ہے کہ: لَوْ لَا کَ لَمَا خَلَقتُ الْاَفْلَاکَ۔

(5) قرآن میں کہیں بھی انسانوں کا اللہ کو دیکھنا یا اللہ سے ملاقات کرنا بیان نہیں ہوا ہے

یہاں یہ بات صاف ہو جانا چاہیئے کہ جس آیت (75/23) پر اللہ کو دیکھنے کی بحث مودودی نے نکالی تھی اور اللہ کا قیامت یا آخرت میں دیکھا جانا ثابت کرنے کی کوشش کی تھی وہاں اور نہ کہیں اور اللہ کے دیکھنے کی بات ہوئی ہی نہیں ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ:

اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (75/23) ''اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

اِسی طرح جہاں جہاں یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ اللہ کی زیارت ہوگی یا اللہ کو دیکھا جائے گا۔ وہاں لفظ اللہ نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو لفظِ ''رب'' استعمال ہوا ہے۔ اور ایسے مقامات پر رب سے مراد اللہ نہیں ہے بلکہ امامؑ زمانہ یا سربراہِ کائنات علیہ السلام مراد ہیں۔ دلائل وہی ہیں جو سامنے آچکے ہیں نیز یہ کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اللہ نے تمام انسانوں کو اپنے دیکھنے کی قابلیت یا مخصوص آنکھیں دی ہیں یا آخرت میں دے گا۔ اُس وقت تک اللہ کا دیکھے جاسکنا ناممکن اور جھوٹ ہوگا۔ رہ گیا رب سے امامؑ زمانہ مراد ہونا؟ اس کے لئے پہلے تو یہ عرض کردیں کہ آپ مختار ہیں کہ رب سے اللہ ہی کو مراد لیں اور مذکورہ بالا ناممکن ثبوت اور دلائل کی ذمہ داری سنبھال لیں یا رب سے کسی اور کو مراد لے لیں۔ اور دل کو سمجھا کر بیٹھ جائیں۔

(6) قرآن میں لفظ رب عام ربوبیت کرنے والوں کے لئے بھی استعمال ہوتا چلا گیا ہے

ہماری طرف سے یہ سن لیں کہ جب تک قرآن میں تصریح کے ساتھ اللہ کی جگہ لفظِ رب نہ آئے ہم اس لفظ سے اللہ مراد نہیں لے سکتے اور وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اس لفظ رب کو عمومی حیثیت سے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً ہر مومن کو اپنے والدین کی ربوبیت کو یاد رکھنے اور اُن کے لئے اپنی ربوبیت کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی: رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ (بنی اسرئیل 17/24)

''اے میرے پالنے والے اُن دونوں پر اُسی طرح رحم فرما جس طرح اُن دونوں نے مجھے میرے بچپن میں پالا تھا۔'' یا

''اے میری ربوبیت کرنے والے اُن دونوں پر اُسی طرح رحم کر جس طرح اُن دونوں نے میری میرے بچپن میں ربوبیت کی تھی۔''

یا''اے میرے رب اُن دونوں پر اُسی طرح رحم فرما جس طرح وہ دونوں میرے بچپن میں میرے رب رہے تھے۔''

یعنی جب تک لفظ رب العالمین استعمال نہ ہو بلا دلیل اس سے اللہ مراد لینا باطل ہوگا۔

شاہِ مصر کو''رب'' کہا گیا، مودودی ترجمہ:

دوسری صاف ستھری واضح مثال: اَمَّا اَحَدُ کُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّہٗ خَمْرًا (یوسف 12/41)

''تم میں سے ایک تو اپنے رب (شاہِ مصر) کو شراب پلائے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 402)

تیسری مثال: اذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ (12/42)

''اُس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے رب (شاہِ مصر) سے میرا ذکر کرنا۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 404)

چوتھی مثال: قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْہُ (12/50)

''یوسفؑ نے کہا اپنے رب کے پاس واپس جا اور اُس سے پوچھ۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 407)

پانچویں مثال: ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہ (12/39)

''بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ؟'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 401)

یہ پانچوں مثالیں اور دوسرے مقامات یہ سمجھنے کیلئے کافی ہیں کہ لفظ رب تنہا اللہ کی جگہ کافی نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ دوسرا مددگار لفظ یا حالت ضروری ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنا چاہیئے کہ اللہ نے اُن آیات میں لفظ رب کسی ناگواری کے بغیر لُغوی یا معنوی حیثیت سے بلا تکلف استعمال کر کے اس استعمال کو جائز قرار دیا ہے۔ اور مترجم نے بھی محض تشخّص کے لئے بریکٹ میں شاہِ مصر لکھا اور ناگواری کا اظہار نہیں کیا ہے۔

یہ بھی نوٹ کر لیں کہ ہر وہ اسم یا صفت جس کی قرآن نے جمع استعمال کی ہے اللہ کی جگہ استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ لفظ رازق اور خالق ہیں اور قرآن میں ان کی جمع رازقین اور خالقین استعمال ہوئی ہے۔ اور رب کی جمع ارباب آپ نے پہلے ہی دیکھ لی ہے۔ اللہ رازق ہے۔ احسن الخالقین ہے۔ خیر الرازقین ہے۔ رازق اور خالق ہر وہ شخص ہے جو اللہ کے پیدا کردہ سامان اور وسائل کو استعمال کر کے رزق فراہم کرے یا کوئی چیز وجود میں لائے۔ لہٰذا یہ اور ایسے تمام الفاظ اللہ کے لئے خاص مخصوص نہیں سمجھنا چاہئیں۔ یہ صحیح ہے کہ حقیقی معنی میں رازق و خالق وغیرہ اللہ ہی ہے۔ اس لئے کہ تمام مخلوقات اور سامان اُسی نے پیدا کیا ہے۔ اس کے پیدا کئے ہوئے سامان کو انسان بہترین صورتیں دے دے کر استعمال کرتا ہے اور یہ استعمال اور صورت گری بھی اللہ ہی نے انسانوں کو سکھائی ہے۔ اور اس تعلیم وہدایت کے وسائل و وسائط آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کئے گئے ہیں۔ جن کا ذکر ذرا دیر بعد کیا جائے گا۔ پہلے یہ طے کر لیجئے کہ جب یہ ثابت ہے اور قرآن کریم کی سند سے مان لیا گیا ہے کہ حقیقی اور ازلی خالق اللہ ہے۔ وہی حقیقی مالک اور رب ہے۔ وہی حقیقی حاکم ہے۔ اور اُسی نے انسانوں کو وہ عقل وبصیرت واختیارات وقدرت عطا کی ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں تصرف کرتے ہیں لہٰذا مجازی خالق ورازق ورب بنتے ہیں تو ظاہر ہے اِن مجازی وعارضی خالقوں، رازقوں اور ارباب میں سب سے بڑا خالق ورازق ورب اُسے ہونا چاہیئے جسے اللہ نے اپنا نمائندہ، اپنا جانشین، اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہو، تاکہ وہ دنیا میں اللہ کی حقیقی حکومت، رازقیت وخالقیت کا ثبوت فراہم کر کے بلکہ یوں کہیئے کہ جو انسانوں کو ایسی تعلیمات فراہم کرے جن سے وہ کائناتی موجودات میں

تصرف کریں انہیں جس طرح چاہیں بہتر سے بہتر صورت میں مفید تر بنا کر استعمال کریں اور یوں خالقیت و مالکیت ورازقیت وربوبیت کے مقام پر فائز ہوں اور ساری کائنات اُن سے تعاون کرے۔ ایسی تعلیم دینے والا اور انسانوں کو رازق وخالق ورب بنانے والا شخص اللہ کے ماتحت سب سے بڑا اور سب سے زیادہ ذی اختیار وقدرت حاکم ورازق وخالق اور رب ہونا چاہیئے اور اسی کا ثبوت دیتی ہے وہ حدیث جس میں محمدؐ اور آئمہ اہلبیت اللہ کی وہ وجہ یا سبب ہیں جس کے ذریعہ سے تمام مخلوقات کو سامانِ ربوبیت ملتا ہے (نمبر کا (4))

(7) محمدؐ اور مظاہرِ محمدؐ یعنی آئمہ اہلِ بیتؑ تمام ہی مخلوقات کے لئے اللہ کی طرف سے ربوبیت کے ذمہ دار ہیں

اس سلسلے میں بہت سی احادیث معتبر ترین کتابوں میں موجود چلی آ رہی ہیں چنانچہ ہم کتاب اصول کافی سے ایک طویل حدیث کے چند جملے پیش کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کی ربوبیت وہدایت کا کیا انتظام کیا ہے:

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے ایک خطبہ میں آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے حالات میں فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ اللّٰہ عَزَّ وَ جلَّ اَوضَحَ بائمةِ الهدٰی مِن اهل بیت نبیّنا عَن دینه وَ اَبلَجَ بِهِمْ عن سبیل مِنهَاجِهٖ و فتح بِهِمْ عن باطن ینابیع علمه فَمَنْ عَرَفَ مِنْ اُمَّةِ محمد صلی اللّٰه علیه و آله واجب حقّ امامه وَجَدَ طعم حلاوة ایمانه و علم فضل طلاوة اسلامه، لَاَنَّ اللّٰهَ تبارک و تعالیٰ نصب الامام عَلَمًا لِخَلقه وَ جعله حجّة علیٰ اهل موادّه و عالمه و اَلبَسهُ اللّٰه تاج الوقار وَ غشَّاهُ مِنْ نور الجبّار، یمدّ بسبب اِلَی السَّماءِ، لَا ینقطع عنه موادّه و لا یَنالُ مَا عِندَ اللّٰهِ اِلَّا بِجهةِ اَسبَابِهٖ وَ لَا یقبل اللّٰه اعمال العباد اِلَّا بِمَعْرِفتهٖ ...... حُجَجُ اللّٰهِ و دعاته و رعاته علیٰ خلقه یدین بهدیُهم العباد و تَستَهَلَّ بنُورِهِمُ البلاد و ینمو ببر کتهم التلاد، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ حیاة لِّلَانَامِ و مصابیح لِلظَّلَامِ ...... جَرَتْ بِذٰلک فِیهِمْ مَقَادِیرَ اللّٰهِ عَلَیٰ محتومها ......(کافی کتاب الحجۃ باب نادر جامع فی فضل الامام وصفاتہ) (حدیث نمبر 2)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ صاحب عزت وجلال نے، ہمارے نبیؐ کے خاندان کے اماموںؑ کے وسیلے سے اپنے دین کو واضح کیا اور اُن ہی کی ہدایت کاری سے اپنے پسندیدہ طریقوں اور راستوں کو روشن رکھا ہے۔ اور اپنے پوشیدہ علوم کے چشموں کو اُنکے ذریعہ سے رواں دواں کر دیا ہے۔ جس نے بھی امت محمدؐیہ میں سے اپنے امامؑ کے واجب حقوق کو سمجھ لیا وہ اپنے ایمان کے شیریں ذائقہ سے لطف اندوز ہو گیا۔ اور اسلام کے پُرمسرت فضل سے واقف ہو گیا۔ اِسی لئے اللہ نے اپنی مخلوقات کیلئے امامؑ کو رہبر مقرر کیا ہے۔ اور تمام جسم وجسمانیت رکھنے والی مخلوق کیلئے امامؑ کو اپنی حجتؑ ودلیل بنایا ہے۔ اُسے خود علم سے آراستہ کیا پھر اُسے عزت ووقار کا تاج پہنایا اور اپنے جبروتی نور میں سرتا پا لپیٹ دیا ہے اور نظر نہ آسکنے والے سلسلوں سے پوری کائنات سے وابستہ کر دیا ہے کہ کوئی جسم وجسمانیت رکھنے والی مخلوق اُس سے الگ یا منقطع نہیں رہ سکتی ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس مخلوق کو دینے کیلئے ہے وہ امامؑ کے وسیلے کے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور کسی بندے کا کوئی عمل اُس کے وسیلے کے بغیر اللہ قبول نہیں کرتا ہے۔ (ذرا آگے چل کر فرمایا کہ) آئمہ اللہ کی حجتیں اور اللہ کی طرف بلانے والے اور اُس کی مخلوق کے حاکم ونگہبان ہیں اور اُن کی ہدایت کاری سے مخلوقات راہنمائی حاصل کرتی ہیں۔ اور اُن کے نُور کے سہارے آبادیاں بستی ہیں۔ اُن کی برکت سے اولادیں پیدا ہو کر نشو ونما حاصل کرتی ہیں اللہ نے اُن کو تمام صاحبان حیات کیلئے، زندگی بنایا ہے اندھیروں میں انہیں روشن کرنے والے چراغ بنایا ہے اپنے کلام کی کُنجیاں بنایا ہے۔ انہیں اسلام کے ستون بنایا ہے۔ اُن ہی کی معرفت اللہ کی اٹل تقدیریں اور مُقدرات

جاری ہوتے ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ (کافی کتاب الحجۃ باب نادر جامع فی فضل الامام وصفاتہ) (حدیث نمبر 2) سوچئے کہ ربوبیت کی کونسی چیز باقی رہ گئی؟

(8) محمدؐ اور آئمہؑ اہلبیتؑ تمام مخلوقات کے لئے اللہ کی طرف سے رب مقرر ہیں

صفاتِ محمدؐ اور علیؑ اور آئمہ اہلبیتؑ صلوۃ اللہ علیہم سُن لینے کے بعد آپ امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث سنئے:

مِنَّا رَبُّ الْعَرْشِ وَ الْكُرْسِيّ وَ مِنَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَ مِنَّا رَبُّ الْاَنْبِيَآءِ وَ الْمَلَائِكَةِ وَ مِنَّا رَبُّ اللَّوْحِ وَ الْقَلَمِ وَ مِنَّا رَبُّ الْجِنَّانِ وَالْحُوْرِالْعَيْنِ وَ مِنَّا رَبُّ الشَمْسِ وَ الْقَمَرِ و الْكَوَاكَب وَ الْحُجب وَ السّرادق و نَحْنُ اَرْبَابُ ذٰلِكَ الْاَسْبَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبُّ الْاَرْبَابِ...... الخ

فرماتے ہیں کہ ''اے ابو بصیر ہم ہی میں سے عرش اور کرسی کا رب رہا ہے اور آسمانوں اور زمینوں کا رب بھی ہم ہی میں سے ہے۔ اور تمام انبیاؑ اور تمام ملائکہ کا رب بھی ہم ہی میں ہے۔ لوح وقلم کا رب بھی ہمارے ہی اندر ہے اور ہم ہی میں سے جنتوں اور حوروں کا رب ہے اور شمس وقمر اور ستاروں کا اور حجاباتِ خداوندی کا اور مقدس خیمہ گاہوں کا رب بھی ہم ہی میں سے ہے۔ اور ہم ہی تمام اسباب وعِلل کے رب ہیں اور یہ کہ یقیناً اللہ ہمارا اور تمام ربوں کا رب ہے۔''

ابو بصیر نے وضاحت چاہی تو فرمایا کہ رب کے معنی مُرَبّی یا پالنے والے کے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے بادشاہِ مصر کو رب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوا تھا کہ:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُ كُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ o وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ o (یوسف 12/41-42)

''اے زندان کے ساتھیو تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم دونوں میں سے ایک تو اپنے رَب کو شراب پلائے گا۔ رہا دوسرا تو اُسے سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اُس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ فیصلہ ہو چکا اُس فتویٰ کا جو تم نے دریافت کیا تھا۔ پھر اُن میں سے جس کے متعلق خیال تھا کہ وہ بچ جائے گا۔ اُس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا۔ مگر شیطان نے اُسے ایسا بھلا دیا کہ وہ اپنے رب سے یوسفؑ کا ذکر کرنا بالکل بھول گیا۔ اور یوسفؑ کئی سال تک قید خانے میں پڑا رہا۔''

اور فرمایا کہ: فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ o (یوسف 12/50)

''پس جب شاہی قاصد یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اُس نے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جا اور اُس سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا معاملہ کیا رہا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ یقیناً میرا رب اُن کے منصوبے کو خوب جانتا ہے۔''

اے ابو بصیر اللہ نے اپنے کلام اقدس میں امامؑ کو رب فرمایا ہے وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (زمر 39/69)

''اور زمین اپنے رَب کے نُور سے چمک اُٹھے گی۔'' یہاں رب کے نور سے اللہ کا نور مراد نہیں ہے بلکہ اللہ کی حجۃ امامؑ کا نور مذکور ہے اس لئے کہ اللہ کا

نور دیکھا نہیں جا سکتا اور وہ ہر حال میں ہر مقام میں موجود رہتا ہے۔ اگر اللہ کے نور سے زمین روشن ہونا تھی تو پہلے کیسے روشن نہ رہتی؟ اب اللہ میں یا اللہ کے نورؐ میں کیا تبدیلی ہوگئی کہ پہلے وہ نور کبھی اثر انداز نہ ہوا حالانکہ موجود تھا اور اب قیامت میں یکا یک اثر انداز ہو گیا؟ لہٰذا لازم ہے کہ وہ نور ظہور امامؑ زمانہ سے زمین کو روشن کرے۔ اُدھر حضرت موسیٰؑ سے فرمایا جا چکا ہے کہ تو ہرگز مجھے نہ دیکھ سکے گا (لَنْ تَـرَانِی)(7/143) اور فرمایا ہے کہ ''اُسے آنکھیں نہیں پا سکتیں وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔'' (لا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ، (انعام 6/102) رہ گیا یہ فرمانا کہ جب اُسکے رب نے پہاڑ پر تجلّی ڈالی (فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (اعراف 7/143) یہاں بھی لفظِ رَب سے امامؑ الارض کی تجلی تھی نہ کہ اللہ کا نور جسے دیکھنا ناممکن ہے۔ وہ نور، نورِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کا تھا جس کو حضرت موٰسیؑ اور پہاڑ برداشت نہ کر سکے۔ حالانکہ وہ نور مخلوق کا نور تھا چہ جائکہ اُن کے خالق کا نور؟ اَے ابوبصیر زمین اور اہلِ زمین کا رب و مالک و مُربی امامِؑ زمانہ ہے کہ جب وہ ظہور فرمائیں گے تو اس وقت لوگوں کو سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی کی بھی ضرورت نہ رہے گی۔ اور وہ اب اپنے رب کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہوں گے (اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔75/23) اور وہ امامؑ زمانہ ہی ہوگا جو جنتیوں کو اپنے دست مبارک اور انتظام سے ساقی کوثر کی طرح پاکیزہ شراب پلائے گا (سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۔ دھر 76/21)

اے ابوبصیر اَب میں تمہیں وہ حالات سناتا ہوں جن میں اللہ نے محمدؐ اور اُن کی آلؑ کو پیدا کیا اور تمام مخلوقات کا رب بنایا تھا۔ ایک وقت ایسا تھا کہ اللہ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی معلوم یا مجہول دوسری چیز نہ تھی۔ نہ اس وقت زمانہ تھا، نہ زمانیات تھیں۔ نہ کوئی مکان تھا نہ مکانیات تھیں۔ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کچھ موجود نہ تھا۔ جب اللہ نے یہ چاہا کہ کائنات کو پیدا کرے تو اُس نے ایک کلمہ ارشاد فرمایا اور اُس سے ایک نور اور رُوح کو پیدا کیا اور اُس نور اور روح کو باہم ملا دیا۔ اے ابوبصیر وہ نور، وروح، اللہ کے حبیب و مجیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اور روح تھے۔ پھر ایک دوسرا کلمہ ارشاد فرمایا کہ اُس نور وروح سے ہم اہل بیتؑ کے نور وروح کو پیدا کیا۔ چنانچہ اسی بنا پر ہم اللہ کے کلمات عالیہ ہیں (فَلَذَا نَحْنُ كَلِمَةُ اللّٰهِ الْعُلْيَا)۔ (وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا توبہ 9/40) پھر ہم سب کو صاف وشفاف نورانی پانی کی بوندوں کی شکل میں سبز سایہ میں رکھا جب کہ نہ عرش تھا نہ کرسی تھی نہ آسمان تھا نہ زمین تھی نہ ملائکہ تھے نہ انبیاءؑ تھے نہ لوح تھی نہ قلم تھا۔ نہ جنت تھی نہ حوریں تھیں۔ نہ شمس تھا نہ قمر نہ ستارے تھے۔ نہ حجاب نہ سراپردہ اور مقدس خیام گاہ تھی۔ اس وقت ہمارا نور اللہ کے نور سے اس طرح جدا ہوا جیسے سورج کی کرنیں سورج سے جدا ہوتی ہیں۔ (يَفْصَلُ نُوْرُنَا مِنْ نُوْرِ رَبِّنَا كَشُعَاعِ الشمس مِنَ الشمس) پھر ہمارا نور اللہ کی تسبیح وتہلیل اور تقدیس میں مصروف رہتا چلا گیا جس دوران کوئی اور تسبیح وتقدیس وتہلیل کرنے والا نہ تھا اور اللہ اپنا لطف وکرم وتوجہات وشفقت اور نظرِ التفات ہم پر مبذول رکھتا تھا اور فرماتا تھا کہ اے میرے بندو خلقِ عالم سے تم ہی میری مراد ہو اور تم ہی میرے اصل مقصود ہو اور تم ہی خیر وسعادت کا ارادہ رکھنے والے ہو اور تم برگزیدۂ خلائق ہو (يا عِبَادِى انتم المراد و انتم المريدون و انتم خيارى من خلقى فَوَ عِزّتى و جلالى لو لا كم لما خلقت شيئًا) مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم اگر تم نہ ہوتے تو میں کوئی چیز بھی پیدا نہ کرتا۔ یہ سب کچھ تمہارے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ جو شخص تمہیں دوست رکھے میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جو تمہیں دشمن سمجھے اور تمہاری پیروی نہ کرے میں اُس کو دشمن رکھتا ہوں۔ یہ نصِ صریح ہے کہ خلّاق عالم نے سب کچھ ہمارے لئے پیدا کیا ہے اور مخلوق کو ہمارا جلوہ دکھانے کے لئے وجود بخشا ہے۔ ہم اللہ کی کاریگری اور ایجاد ہیں اور تمام مخلوق ہمارے لئے صنعت وکاریگری قرار پائی ہے۔ (نَحْنُ صَنَائِعُ اللّٰهِ و الخَلْقُ صَنائِع لنَا) ہم غایت وسببِ تخلیق کائنات وموجودات ہیں اور غایت اور سبب افضل ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم ساری کائنات ومخلوقات سے افضل وارفع واعلیٰ ہیں اور اللہ کی طرف سے اللہ کے سوا پوری کائنات ومخلوقات پر حاکم ومتصرف ہیں۔ اور ہمارا

وجودہی رحمتِ مجسمہَ الٰھیہ ہے۔اورہم ہی مطاع وواجب الاتباع ہیں۔

اے ابوبصیر ہمارا نوراس قدرتاباں ودرخشاں تھا کہ اُس سے نکلنے والی شعاعوں سے ایک مینارۂ نور پیدا ہوگیا تھا۔پھربھی ہم ہزاروں سال تک تسبیح وتقدیس کرتے رہے۔پھرجب اللہ نے چاہا کہ ہمارے علاوہ باقی مخلوقات کو پیدا کرے تو اُس نے ہماری طرف ایک پُر ہیبت وجلال نظرڈالی توہمیں پسینہ آگیااورہم سے نور کے قطرے ٹپکنا شروع ہوگئے۔محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نُورانی قطرات سے عرش وکرسی پیدا ہو گئے چنانچہ عرش وکرسی اُنؑ کے نور سے ہیں اوراُن کا نور خدا کے نور سے ہے پس وہ عرش وکرسی سے افضل واعلیٰ ہیں۔اوراُن کی تربیت اورتدبیر اُن کے سپرد ہوئی اس لئے وہ رب العرش والکرسی ہیں۔اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے نورانی قطرات سے انبیاؑء وملائکہ پیدا ہوگئے پس انبیاؑء وملائکہ اُن کے نور سے ہیں۔اوراُن کا نورخدا کے نور سے ہے پس وہ تمام انبیاؑء وملائکہ سے افضل ہیں۔اوراُن کی تدبیروتربیت اُن کے سپرد ہوئی چنانچہ وہ رب الانبیاؑء وملائکہ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جوکوئی انبیاؑء وملائکہ کی زیارت کرنا چاہے اس کوحضرت علی بن ابیطالب علیہما السلام کی زیارت کرنے کاحکم ہے۔کیونکہ وہی سب کی اصل بنیاد ہیں۔اوراسی لئے مقامات مشکلہ میں انبیّاء وملائکہ نے ولایت علویہ کا وسیلہ اختیار کیا ہے۔جناب امیرالمومنینؑ کا اپناارشاد ہے کہ ''میں نے تمام انبیاؑء کی نصرت عالم غیبت میں کی ہےاورمحمدؐ مصطفیٰ کی نصرت اعلانیہ وعالم شھود میں کی ہے۔(نَصَرْتُ الانبیاءَ سِرًّا وَ نَصَرْتُ محمدًا جَهْرًا)اسی لئے تمام ملائکہ علیؑ واولاد علی علیھم السلام کے خادم رہے ہیں۔اگروضوکیلئے پانی گھر میں نہ ہوتا تھا توجنت سے پانی لاتے تھے۔اُن کے بچوں کا جھولا جھلاتے تھے۔

اَے ابوبصیر جناب سیدہ النساء حضرتِ بتولِ عذراعلیھا السلام کے نورانی قطرات سے خدانے آسمانوں اورزمینوں کو پیدا کیا پس سماوات والارض اُن کے نور سے ہیں اوراُن کا نورخدا کے نور سے ہے پس وہ معصومہؑ سماوات والارض سے تمام اہل سماوات اوراہل زمین سے افضل ہیں اور آسمانوں اورزمینوں کی تربیت وتدبیراُن کے سپرد کی گئی ہےاوروہ رب السموات والارض ہیں اور جو کچھ آسمانوں اورزمینوں میں ہے وہ سب کچھ معصوؑمہ کا ہے۔یہی سبب ہے کہ اُن کی اوراُن کی اولاد کی محبت ومودۃ مسلمانوں پرواجب کی گئی ہے۔پس جوشخص اُن سے محبت کرتا ہے۔اس نے اُن کا حق ادا کردیا اُس کیلئے کھانا پینا،زمین پر چلنا پھرنا حلال ہے اسکی عبادت بھی مقبول ہےاور جوشخص اُن سے محبت نہیں رکھتا وہ غاصب ہےاور یہ ظاہر ہے کہ غاصب کی وضو،نماز اورروزہ اورعبادت ضائع ہے اُس کا کھانا پینا حرام ہے۔اللہ نے اُن کے اعمال خیرکواس لئے ضائع قرار دیا ہے کہ یہاں کی ہرچیز اُن کی ملکیت میں ہے۔کھائے پیئے بھی اُن کا اوردشمنی بھی اُن ہی سے۔قیامت کے روز جب عدالت قائم ہوگی تو خداوندعالم پہلے اُن کا حقِ ملکیت ادا کرے گا چنانچہ جب تک اُن سے اوراُن کی اولاد سے محبت کرنے والے جنت میں اوردشمن جہنم میں داخل نہ ہوجائیں اورکسی اُمت کا حساب نہ ہوگا۔

اَے ابوبصیر جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے نورانی قطروں سے اللہ نے لوح وقلم کو پیدا کیا پس لوح وقلم اُن کے نور سے ہیں اوراُن کا نور اللہ کے نور سے ہے۔چنانچہ وہ لوح وقلم سے افضل ہیں اوراُن کی ربوبیت اورتدبیراُن کے سپرد کی گئی ہے لہٰذا وہ رب لوح وقلم ہیں یہی وجہ تھی کہ وہ بچپن میں بھی لوح وقلم کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

اَے ابوبصیرامام حسین سیدالشھداءعلیہ السلام کے نورانی قطرات سے اللہ نے جنت اورحوروں کو پیدا کیا چنانچہ جنت اورحوریں اُن کے نور سے ہیں اوراُن کا نوراللہ کے نور سے ہے لہٰذا وہ حضرؑت جنت اورحوروں سے افضل ہیں۔اس لئے ان کی تدبیرو ربوبیت اُن کوسپرد کی گئی ہے اور

وہ رب الجنان والحورالعین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے غم میں گریہ وبکا پر جنت واجب کی گئی ہے۔(مَنْ بَکیٰ عَلیَ الحسین ؑ اَوْ اَبکیٰ اَوْ تَبا کیٰ وَجَبَتْ لَہُ الجنة)

اے ابوبصیر باقی آئمہ علیہم السلام کے نورانی قطرات سے شمس وقمر اور ستارے اور حجابہائے قدرت کے انوار اور سراپردہ وخیام عظمت و جلال اور مومنین کی روحیں اور اُن کے قلوب واذہان پیدا کئے۔اور وہ اسی لئے ہماری طرف مائل ہیں اور ہم اُن سے اُن کے ماں باپ سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا تھا کہ اے علیؑ میں اور تم اس اُمت کے باپ ہیں (یا علیؑ انا و انت ابواہ ھٰذہ الامة) پس یہ تمام چیزیں ہمارے نور سے ہیں اور ہمارا نور نورِ خدا سے ہے۔ چنانچہ ہم اُن سب سے افضل واکمل ہیں اور اُن کی ربوبیت اور تدبیر ہمیں سپرد کی گئی ہے لہٰذا ہم اُن سب کے رب ہیں۔

اے ابوبصیر جب خدا نے حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اس وقت ہمارا نور اُن کے صلب میں ٹھہرایا گیا۔ ہمارے ہی طفیل سے وہ مسجودِ ملائکہ قرار پائے۔ کیونکہ ہمارا نور اُن کے اندر ودیعت تھا۔اور جب شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اللہ نے یہ فرمایا کہ کیا تو نے خود کو بڑا سمجھا اس لئے سجدہ نہ کیا یا تو خود کو بلند مرتبہ لوگوں (علیوؑں) میں سے سمجھتا ہے(اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ؟ صٓ 38/75)وہ بلند مرتبہ لوگ (علیوؑن) ہم ہی تھے۔ جو خلقتِ آدمؑ سے تین لاکھ سال پہلے پیدا کئے گئے تھے۔اور ہم نے اُس وقت اللہ کی تسبیح وتقدیس ادا کی جب کوئی بھی تسبیح وتقدیس کرنے والا نہ تھا۔اس وقت ہم تھے اور خدا تھا۔ باقی کوئی شے نہ تھی۔سوائے اقدم القدیم ذات رب الکریم کے۔ باقی تمام مخلوقات سے ہم ہی قدیم ہیں۔ البتہ اللہ کے سامنے ہم حادث ومخلوق ہیں۔ دعوائے قدامت میں کوئی مخلوق ہمارے سامنے کھڑی نہیں ہوسکتی ہم ہی اول البشر و ابوالبشر واول الانبیاؑء وافضل الخلق ومبداء کائنات واول العابدین واول المسلمین واول المومنین ہیں۔ گو ہماری پیدائش حضرت آدمؑ سے ہے کہ ظاہری صورت میں آدمؑ سے آٹھ ہزار سال بعد پیدا ہوئے لیکن ہمارا نور خلقت آدمؑ سے تین لاکھ سال پہلے پیدا ہوا اُن پر بھی ہمیں کو فوقیت ہے۔لہٰذا میرے دادا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ میں بصورت فرزند آدمؑ ہوں مگر اُن کے وجود میں ایک بیّن شاہد ہے کہ میں پدر آدم ہوں۔(اِنْ کُنْتُ ابْنُ آدمؑ صُوْرَۃً فَلِیْ فِیْہِ مَعْنیٌّ شَاھِدًا بِاَبُوَتِیْ) اور حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں نے آدمؑ کی طینت کو اپنے ہاتھوں سے چالیس شب وروز خمیر کیا تھا (اِنِّیْ خَمَرْتُ طِیْنَۃَ اٰدَمَ بِیَدِیْ اَرْبِعِیْنَ صَبَاحًا)

اے ابوبصیر ملائکہ حضرت آدمؑ کے پیچھے کھڑے ہو کر صف بستہ تعظیم وتکریم بجالاتے تھے۔حضرت آدمؑ نے ایک مرتبہ وجہ معلوم کی تو عرض کیا کہ ہم اُن انوار کی زیارت کے لئے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں جو آپ کی پشت میں ودیعت ہیں۔یعنی آدمؑ کی تعظیم وتکریم ہمارے انوارِ مقدسہ کی وجہ سے تھی نہ کہ صورتِ بشری آدمی کے لئے۔اور باطن وحقیقتِ آدمؑ اُسی نور کی شعاعیں تھیں۔ جب حضرت آدمؑ کو جنت میں رکھا گیا تو ہمارا نور اُن کے صلب میں تھا۔اور جب بہشت سے باہر آئے تب بھی ہمارا نور اُن کے صلب میں تھا۔ یہاں تک کہ اُن کے صلب سے منتقل ہو کر حضرت شیثؑ کے صلب میں آیا پھر حضرت نوحؑ تک منتقل ہوا جب وہ کشتی پر سوار ہوئے تو ہمارا نور اُن کے صلب میں تھا۔اور ہمارے ہی طفیل سے کشتی اور اہل کشتی کو نجات ملی۔اور وہ کوہ جودی پر ٹھہری پھر حضرت ابراہیمؑ کے صلب تک منتقل ہوا۔اور جب وہ نمرودی آگ میں ڈالے گئے تو ہمارا نور اُن کے صلب میں تھا اور ہماری ہی وجہ سے ان پر آگ ٹھنڈی اور گلزار بن گئی تھی۔اسی طرح اللہ ہمارے نور کو اصلاب طاہرہ سے ارحام طیبہ میں منتقل کرتا رہا۔تا اینکہ وہ نور حضرت عبدالمطلب علیہ السلام تک آیا۔اسی فضیلت کے اظہار کے لئے اور نور کے ایک صُلب سے دوسرے صلب کے اندر تبدیل ہونے اور

انقلاب کو اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ اے رسولؐ تم اُس، ہر حال میں غالب رہنے والے رحیم پر بھروسہ رکھتے چلے جاؤ جو تمہارا قیام وقعود اور سجدہ کرنے والے لوگوں میں تمہارے نور کا تقلب اور کروٹیں بدلنا دیکھتا اور تمہاری حفاظت کرتا رہا ہے (وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ O الَّذِیْ يَرٰكَ حِيْنَ تَقُوْمُ Oوَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔(شعراء 26/217 تا 219)

اے ابوبصیر آدمؑ سے لے کر اپنے والدین تک ہمیشہ سے ہم پاک و پاکیزہ نکاح کے ذریعہ سے ہر ایک صلب و رحم پاک و پاکیزہ میں سے گزرتے چلے آئے ہیں ہماری ولادت میں کوئی خامی اور نقص داخل نہیں ہونے پایا ہے۔(خَرَجْنَا مِنْ نِکاحٍ وَ لَمْ نَخْرُجْ مِنْ سفاحٍ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ اِلٰی اَنْ وَلَدْنا اَبِیْنَا و اُمِّنَا)

حضرت عبدالمطلبؑ کے صلب میں آ کر اُس نور کے دو حصے ہو گئے ایک حصہ حضرت عبداللہ کے صلب میں اور دوسرا حصہ حضرت ابوطالبؑ کے صلب میں منتقل ہوا۔حضرت عبداللہ علیہ السلام سے جناب سیدؐالانبیا پیدا ہوئے اور اُن کو شرف پیغمبری اور درجہ ختم رسالت سے مشرف کیا گیا۔ اور حضرت ابوطالب علیہ السلام سے جناب سیدالاوصیا امیرالمومنین علیہ السلام پیدا ہوئے اُن کو خلعتِ وصایت ومنصبِ امامت سے سرفراز کیا گیا۔ پھر اللہ نے نور کو نور سے ملا دیا یعنی آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی فاطمۃؑ الزہرا کا حضرت علیؑ سے عقد کر دیا جس سے ہم گیارہ امامؑ پیدا ہوئے۔اس رشتے کو اللہ نے قرآن میں فخریہ بیان کیا ہے کہ اللہ وہی ذات پاک ہے جس نے نورانی پانی سے ایک خاص بشر پیدا کیا اور ایک کو سسرال دوسرے کو داماد بنا دیا(فرقان 25/54)۔اے ابوبصیر یہ ہے تیرے نبیؐ اور اُن کے اہلِ بیت کے انوار کی سرگزشت۔''

(کتاب صیانة البداهة علامہ نوراللہ عمادالدین ابوالفاضل الشریف الکرمانی الحنفی جلد اول صفحہ 195 رکن ثالث جیش خامس عشر)(حبل اللہ صفحہ 248 تا صفحہ 260)

دھم ۔ اِدارۂ نبوّت کو اللہ سے جدا کرنا کفر کی اور دونوں میں فرق وفاصلہ نہ رکھنا ایمان کی بُنیادیں رہتی رہی ہیں

ان تمام احادیث کو اور دیگر متعلقہ آیات واحادیث کو پڑھتے ہوئے یہ حقیقت ملحوظ رہنا چاہیئے کہ توحیدِ خداوندی کا اہم ترین اور مشکل ترین مقام، مقامِ محمدؐ کا بیان ہے۔اور دوسرے درجہ میں اہم ترین اور مشکل ترین مقام، مقام ملائکہ ہے۔لہٰذا اللہ، محمدؐ اور ملائکہ کی پوزیشن اور تعلق کے اظہار کے لئے قرآن اور احادیث میں بہت محتاط الفاظ وانداز اختیار کیا گیا تھا۔یہ احتیاط اس لئے ملحوظ رکھی گئی تھی تاکہ ابلیس کی اختیار کردہ توحید کی خوشنمائی کو بیانِ حقیقت میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے۔اور وہ شرک شرک کے نعروں سے حقیقتِ واقعی پر ایمان لانے والوں کو مشکوک نہ کر سکے۔ تمام اہل مذاہب جانتے ہیں کہ عزازیل کو ابلیس (یعنی مایوس شخص) بنانے والے وہی دونوں افراد تھے جو مقامِ توحیدِ خداوندی کے بیان کو مشکل بناتے ہیں۔یعنی محمدؐ اور ملائکہ۔محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ اولین فرد و باعثِ تخلیق کائنات تھے جن کو مقامِ آدمؑ میں رکھ کر پوری کائنات کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔اور جنہوں نے پوری کائنات کے نمائندہ کی حیثیت سے سجدہ کیا تھا وہ فرد ملائکہ تھی۔اور چاہا یہ گیا تھا کہ اللہ اور محمدؐ میں کوئی اور کسی قسم کی اور کسی مقدار میں تفریق نہ کی جائے۔اور آدمؑ اور اُن کی اولاد، بنی آدمؑ اور پوری کائنات اللہ اور محمدؐ کی یک جہتی پر ایمان لاتے اور مقصدِ تخلیقِ کائنات کو پورا کرتے چلے جائیں۔لیکن عزازیل نے سجدے کے حکم کو اپنے اجتہاد وبصیرت کے ماتحت ایک امتحانی استعارہ سمجھا اور ایسے سجدے کو جو غیرِ خدا کے لئے ہو ناجائز و شرک فی التوحید سمجھ کر سجدہ نہ کیا۔اُسے سنبھلنے اور اصلاح کرنے کا موقع دیا گیا۔مگر اُس نے یہ کہہ کر اپنے موقف پر اصرار کیا کہ ''تو نے مجھے اغوا کیا ہے۔''(اعراف 7/16،حجر 15/39) لہٰذا اگر مجھے مہلت، مواقع اور سامان وقدرت واثباتِ حقیقت دیا جائے

تو میں دکھاؤں گا کہ بنی آدمؑ کی کثرت بھی میری ہی طرح ایسے مسائل کو نہ سمجھے گی اور اغوا ہو جائے گی۔اس کے بعد جو ہوا وہ آج تک ہوتا چلا آیا ہے۔یعنی ابلیس نے یہ موقف اختیار کرلیا کہ اللہ کی ایسی خالص توحید کا تصور جاری کرے جس میں ادارۂ نبوّت کو اللہ سے اُتنا ہی دُور رکھا جائے جتنا خود وہ اور نوع بشر دُور رہنا چاہئے۔ چنانچہ آج تک اُس کے مشن کے علما محمدؐ و آل محمدؐ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو غیر خدا مانتے ہیں اور انہیں سجدہ کرنا غیر خدا کو سجدہ اور شرک سمجھتے ہیں۔ چونکہ اُدھر خالص توحید ایک صحیح اور خوش کن تصور ہے اور اِدھر محمدؐ اور ادارۂ نبوت کے دیگر افراد کو اللہ کے ساتھ وابستہ دکھانا اور خالص توحید کو برقرار رکھنا بہت مشکل اور تفصیل طلب مسئلہ ہے اس لئے اکثریت شیطان کے تصور پر کاربند رہتی چلی آئی ہے۔ یہ ہے وہ صورتِ حال جس کی بنا پر قرآن واحادیث میں محتاط طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔لیکن ہم اُس محتاط طریقے کی کھلی، بلا احتیاط اور دوٹوک الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں۔اور قرآن سے واضح الفاظ میں دلائل پیش کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اللہ کو اپنی خالص توحید کی زیادہ ضرورت اور فکر ہونا چاہیئے یا ابلیس اور اُس کے شاگرد مولویوں کو؟

(1) قرآن وحدیث کے محتاط طریقے کی مثالیں اور وضاحتیں اور ابلیسی توحید کی مذمت میں بے لگام وعام فہم بحثیں

اللہ نے بلا تکلف اور بلا کسی مولویانہ احتیاط کے حکم عام دیا کہ تمام مخلوقات حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں (آیات اور احکام سب کو معلوم اور مسلم ہیں) اور سجدہ نہ کرنے والوں کو کافر، لعنتی، ابلیس اور جہنمی قرار دیا ہے۔ پھر بلا تکلف حاضرین دربار کو حضرت یوسفؑ اور اُن کے والدین علیہم السلام کو سجدہ کرتے ہوئے دکھایا (یوسف 12/100) اور یہ دوہرا ثبوت ہے اور قرآن کا ثبوت ہے کہ ادارۂ نبوت غیرِ خدا نہیں ہے بلکہ عبادت واطاعت میں اللہ کے ساتھ شریک وشامل ہے۔اور اس شرک وشمولیت کا اللہ نے حکم دیا اور اسے واجب قرار دیا ہے اور جو اس شرک و شمولیت کا منکر ہو یا اس میں اپنی طرف سے چوں وچراں کرے وہ ابلیس ہو یا مولوی کافر وملعون اور جہنمی ہیں۔اور لوگوں کو فریب دینے اور دین اور اللہ کی حقیقت سے دور رکھنے کے مجرم ہیں۔لہٰذا وہ اپنی نام نہاد توحیدِ خالص وعبادت کے باوجود جہنمی اور قابلِ لعنت ہیں۔اور ہم اللہ کے حکم سے مشرک ہوتے ہوئے جنتی وقابلِ مدح ہیں۔

(2) محمدؐ وادارۂ نبوّت کو اللہ کا شریک رکھنا تمام اہل ایمان پر واجب اور حقیقی ایمان بالتوحید ہے

تکلف برطرف مجھ کو ملے اِذنِ قرآں خوانی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا o اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا o وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا o (4/150 تا 152)

’’یقیناً جو لوگ حقیقتِ خداوندی اور رسولوںؑ کی حقیقت چھپاتے ہیں اور یہ اسکیم بنائے ہوئے ہیں کہ اللہ سے اُس کے رسولوںؑ کو الگ اور جدا کردیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس حقیقت کے بعض پہلوؤں کو مانتے ہیں اور بعض کو چھپاتے ہیں۔ایسا کہنے سے اُن کی غرض یہ ہے کہ اللہ اور رسولوںؑ کو الگ الگ کرکے ایک درمیانی راہ اختیار کرلیں۔سُن رکھو کہ حقیقی کافر یعنی حقیقت واقعی کو چھپانے والے وہی لوگ ہیں اور ایسے ہی حق پوش لوگوں کے لئے ہم نے بڑا ذلیل کرنے والا عذاب تیار کررکھا ہے۔‘‘(4/150 تا 152)’’اور جو لوگ اللہ اور اس کے

رسولوںؑ کی حقیقت کو مانتے ہیں اور رسولوںؑ میں کسی کو بھی اللہ سے الگ نہیں کرتے بلکہ سب رسولوںؑ کو اللہ کے ساتھ شریک وشامل و وابستہ اور ہم آہنگ رکھتے ہیں۔ وہی حقیقی مومن ہیں اور انہیں جلد ہی اُن کا اجر دیا جائے گا۔ اور اللہ ہے ہی تحفظ ورحمت فراہم کرنے والا۔ (4/152)

یہ وہ تین آیات ہیں جو حقیقی ایمان اور حقیقی کفر کی بنیاد ہیں اور ہم نے اُن کا بے تکلف اور بے لگام ترجمہ کر کے واضح کر دیا کہ جو لوگ کسی حیثیت میں اور کسی بھی مقصد سے اللہ اور رسولوںؑ کی پوزیشن میں فرق پیدا کرتے ہیں اور اللہ سے رسولوںؑ کو الگ کرتے ہیں یا رسولوںؑ کو غیر خدا قرار دیتے وہ حقیقی کافر ومشرک وملعون اور جہنمی ہیں۔ اور جو لوگ رسولوںؑ کو بحیثیت مجموعی اللہ کے ساتھ شریک وشامل رکھتے ہیں اور انہیں غیر خدا نہیں سمجھتے ہیں وہ حقیقی مومن اور جنتی ہیں۔ توحید کے اسی اصول کو آپ نے امام محمد باقر علیہ الصلوۃ والسلام کی طویل حدیث میں ہر پہلو سے دیکھا تھا۔ جہاں پوری کائنات کی اور تمام مخلوقات کی ربوبیت اور تربیت وہدایت اور تدبیر اُمور محمدؐ وآل محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ اور امام علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی قرآن کی آیات سے لفظِ رب کا استعمال دکھایا ہے اور بے تکلفانہ ترجمہ کرنے کی جرأت عطا کی ہے۔

(2۔الف) عہد رسولؐ کے شیطانوں کا منہ بند رکھنے کے لئے پرتکلف ترجمہ کی مثال آیت اور حدیث سے

یہاں پہلے ایک آیت دیکھئے اور اُس کا وہ ترجمہ دیکھئے جو شیعہ سُنی مترجمین کرتے چلے آئے ہیں اور جو اپنے الفاظ کی رُو سے صحیح ہے۔ مگر حقیقت نہیں ہے۔ وَ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلاَ يَخَافُ بَخْسًا وَ لاَ رَهَقًا o (جن 72/13)

مودودی ترجمہ: ''اور یہ کہ ''ہم نے جب ہدایت کی تعلیم سُنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اب جو کوئی بھی اپنے رب پر ایمان لے آئے گا اُسے کسی حق تلفی یا ظلم کا خوف نہ ہوگا۔'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 117)

قارئین یہ نوٹ کریں کہ اس آیت میں 'ہدایت کی تعلیم سننے' کا ذکر نہیں ہے بلکہ لفظ ''اَلْهُـــــدٰى'' آیا ہے۔ جس کے معنی صرف ہدایت نہیں بلکہ 1: مکمل یا پوری ہدایت یا ساری ''جنسِ ہدایت'' ہوتے ہیں۔ یا 2: مکمل ہادی یا مجسمۂ ہدایت ہونا چاہیں۔ علامہ نے اپنی جیبِ خاص سے ''ہدایت کی تعلیم'' معنی کئے ہیں۔ اُن کے خیال میں ہدایت سُنی نہیں جاسکتی ہوگی۔

مقبول احمد کا شیعہ ترجمہ: ''اور ہم نے جب بھی ہدایت سنی ہم اُس پر ایمان لے آئے۔ پھر جو اپنے پروردگار پر ایمان لایا تو نہ اُسے کسی نقصان کا خوف ہے اور نہ عذاب کا۔'' (مترجمہ قرآن صفحہ 914)

مقبول احمد کی تشریح اور حدیث ہم دونوں الگ الگ لکھتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ مترجم نے اُردو میں حدیث کے کن جملوں کا ترجمہ وتفسیر نقل کی ہے۔

(3) مندرجہ بالا آیت (72/13) کی معصوم تفسیر

کتاب اصول کافی میں ایک طویل حدیث لکھی گئی ہے جو چار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بہت سی آیات کی تفسیر فرمائی ہے۔ حدیث کے وسط میں آپؑ سورہ جن کی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے جب زیرِ مثال آیت (72/13) پر آئے تو محمد بن فضیل رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: قُلْتُ: قوله: ''لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى اٰمَنَّا بِهٖ'' قال: اَلْهُدٰى الْوِلَايَةُ، اٰمَنَّا بِمَوْلَانَا، فَمَنْ اٰمَنَ بِوِلَايَةِ مَوْلَاهُ ''فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا'' قُلْتُ: تَنْزِيْلٌ؟ قَالَ: لَا تَاوِيْلٌ۔ قُلْتُ: قَوْلَهٗ: الخ

مقبول احمد نے حاشیہ میں لکھا ہے: ''جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''اَلْهُدٰى'' سے ولایت مراد ہے۔ اور اٰمَنَّا بِهٖ سے مراد

''اٰمَنَّا بِمَوْلَانَا (یعنی ہم اپنے مولا پر ایمان لائے)۔اور فَمَن یومن بِرَبِّہٖ سے مراد ''فَمَنْ اٰمَنَ بِوِلَایَۃِ مَوْلَاہُ'' (پس جو اپنے مولاؑ کی ولایت پر ایمان لایا)۔فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا تفسیرِ قُمّی میں ہے کہ بَخْس کے معنی ہیں نقصان اور رَھَق کے معنی ہیں عذاب۔کسی نے عرض کیا کہ آیا الفاظ اسی طرح نازل ہوئے تھے؟ تو فرمایا نہیں یہ تو تاویل ہے۔یعنی مطلب یہ ہے۔'' ترجمہ صفحہ 914 حاشیہ نمبر 2)

یہاں حدیث لکھ دینے سے ہمارے قارئین کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ مترجم مقبول احمد نے یہ حاشیہ خود حدیث کو دیکھ کر نہیں لکھا ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ سوالات کرنے والا ایک صحابی فضیل کا بیٹا محمد تھا۔

(4) زیرِ نظر آیت (72/13) اور حدیث پر علامہ محمد باقر مجلسی کا ترجمہ وتشریح فارسی زبان میں دیکھیں

''گفتم :قولِ خدا (13۔الجن)'' چوں فریاد رہنمائے راشنیدم بدان گرویدم؟'' فرمود رہنمائے ھماں ولایت است،یعنی ایمان آوردیم بمولائے خود وہر کہ بہ مولائے خود ایمان آرد'' پس نہ ترسد از کاستی وزبونی''

اس کے بعد علامہ محمد باقر نے بریکٹ میں لکھا ہے کہ:

''میان دو جملہ مذکورہ از آیۃ ''فَمَنْ یُّؤْمِنْ بِرَبِّہٖ'' درقرآن وارد است۔کہ اماؑم آن را بولایت تفسیر کردہ باتغییر عبارت برائے آنکہ ہر کہ بولایت معتقد نیست بخدا معتقد نیست چوں ولایت شرطِ ایمان است۔وممکن است منظور از کلمۂ رَبِّ اعم از خدا ورسولؐ وامامؑ باشد چوں ہمہ مراتب پرورندۂ بشراند۔''(بریکٹ ختم ہوا) مَن گفتم ایں عبارت نازل شدہ؟ فرمود: نہٗ ایں تاویل است۔''

علامہ محمد باقر مجلسی کا بیان اسلئے لکھا گیا ہے کہ علامہ سن 1000 ہجری یعنی آج سے چار سو سال قبل کے زبردست علمائے شیعہ میں سے ہیں۔انہوں نے بھی مان لیا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس آیت (72/13) میں لفظ رب سے امام زمانہ مراد لیا ہے۔اور یہ بہت بڑی سند ہے۔

(5) شیعہ مترجمین ابلیسی علما کے خوف سے جان بوجھ کر لفظ رب کے غلط معنی کرتے رہے

یہاں قرآن سے ایک دو مقامات ایسے بھی دیکھتے چلیں جن میں آئے ہوئے لفظ رب کی تفسیر امامؑ نے امامِ زمانہ کی تھی اور مترجمین نے رب سے اللہ کی نعمتیں مراد لی ہیں۔سنئے،ارشاد باری ہے کہ: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ o اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ o

مقبول ترجمہ: ''کچھ چہرے تو اُس دن چمکتے ہوں گے۔اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کی طرف دیکھتے ہوں گے۔''

(سورہ قیامت 75/22-23) (مترجمہ قرآن 922)

مقبول احمد کا حاشیہ نمبر 8: ''خدا تعالیٰ کے قول اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے بدلہ دینے کو دیکھیں گے اور احتجاج طبرسی میں اتنی بات اور زائد ہے کہ ناظرہ کے معنی بعض لغات میں منتظرہ (انتظار کرنے والے) کے بھی آتے ہیں۔ (یعنی وہ لوگ اپنے رب کی نعمتوں کے منتظر رہیں گے۔احسنؔ)''

(6) قریشی سیاست کے حربوں سے بچنے کے لئے بعض احادیث میں معصومینؑ نے گنجائش بھی رکھی ہے

قارئین کرام یہ بھی نوٹ کر لیں کہ قریش کے سیاسی لیڈروں نے جس طرح اپنی قوم کو تیار کیا تھا اور جو عقائد وتصورات اُن کے دماغوں میں بٹھائے تھے وہ اس قدر کافرانہ اور ملحدانہ تھے کہ اُن کے سامنے رسولؐ کو عام انسان سے بڑھانا ہی قابل اعتراض ہو جاتا تھا چہ جائے کہ اُن کے آفاق گیر فضائل کا بیان کرنا؟ اس لئے نزول قرآن کے دوران بھی اور بعدِ وفاتِ رسولؐ بھی مدت دراز تک رسولؐ اور آئمہ اہلِ بیت کے مقاماتِ عالیہ کو بتدریج

سامنے لایا گیا۔ بڑے محتاط بیانات میں لپیٹ لپیٹ کر ایک آدھ بات کہی جاتی تھی اور اُس میں ایسے الفاظ رکھ دیئے جاتے تھے جن سے اونچی بات کو نچلی سطح پر لایا جا سکتا ہو۔ لہٰذا لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لئے جو احادیث بیان کی گئی ہیں اُن کو بعض علما نے آخری بات سمجھا اور اُن ہی کے مطابق اپنے عقائد تیار کر کے کتابوں میں لکھے، پبلک میں پھیلائے، مدرسوں میں پڑھائے، بچوں کو رٹائے اور صدیوں کی دن رات محنت سے مقام محمدؐ و آل محمدؐ کو زمین دوز کر کے رکھ دیا۔ لیکن اُن کی اُن ہی کتابوں میں موقع بموقع ایسی حقیقتیں بھی آ گئیں جن سے ہم اُنہیں پکڑ کر وہ تمام فضائل اگلوا لیتے ہیں جو انہوں نے چھپائے اور آگے بڑھنے سے روک دیئے تھے۔ اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آنحضرتؐ اور اُن کے حقیقی جانشینوںؑ کے خلاف کتنی زبردست مہم چلائی گئی تھی۔ فضائل ومناقب محمدؐ و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے سلسلے کی لاکھوں احادیث کو روایت ہونے سے روکا گیا کتابوں میں لکھنے سے منع کیا گیا۔ علامہ محمد اسماعیل بخاری چھ لاکھ احادیث سپردِ قلم نہ کر سکے۔ امام مالک کی نوے ہزار سات سو اٹھائیس (90728) احادیث غائب ہو گئیں۔ اور چند احادیث محدثین کو لکھنے کی اجازت اور توفیق ملی اُس میں بھی طرح طرح کے چھل فریب کئے جاتے رہے۔

(7) مودودی نے انبیاؑء کے لئے وہ سب کچھ مان لیا ہے جو ہمارے مسلمہ عقائد میں ثابت ہے

آپ مودودی کے ہم مذہب علما سے معلوم کریں کہ مودودی نے یہ کہاں سے اور کون سی کتاب سے لکھا تھا کہ: ''انبیاؑء کے سامنے سے تمام مادی پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں اور انہیں وہ سب کچھ دکھا دیا جاتا ہے جس پر ایمان لانے کی وہ حضرات دعوت دیتے ہیں۔ جنت جہنم، ملکوت السماوات و الارض اُن کی آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہوتی ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ؟

اُنہوں نے وہ سب کچھ لکھا جو ہم بیان کرتے ہیں اور جو ہمارے انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے متعلق عقائد ہیں۔ مگر کسی کتاب کا حوالہ اس لئے نہیں دیا کہ پبلک اُن کتابوں کو دیکھ لے گی تو علامہ کا پھیلایا ہوا مذہب باطل ہو جائے گا۔ وہ تو اپنی صحاح ستہ، بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی وغیرہ میں سے بھی وہ احادیث نہیں لکھتے جن سے محمدؐ و آل محمدؐ کی پوزیشن پر روشنی پڑتی ہے۔ اور وہ کنجیاں مل جاتی ہیں جن سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اس حیران کن تخلیق کا پتہ لگ جاتا ہے جو کسی اور مخلوق کو عطا نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ ہم یہاں قریشی ریکارڈ کی معتبر ترین کتبِ حدیث اور محدثین کو پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین خود سوچیں کہ آخر قریشی لیڈروں نے اور اُن کے ہم مذہب اہل سُنت کہلانے والے لوگوں نے اِن احادیث پر غور کیوں نہ کیا؟ اور کیوں آنحضرتؐ کی مافوق الفطرت تخلیق کو ہر معاملے میں سامنے نہ رکھا؟؟

(8) کتاب بخاری، مسلم اور موطاء سے آنحضرتؐ کی مافوق الفطرت وفہم پوزیشن

علامہ محدث محمد اسماعیل بخاری نے ریکارڈ کیا ہے کہ:

1: عَنْ ابی ہریرؓۃ اَنَّ رسوْلَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال: ھَلْ تَرَوْنَ قِبلَتی ھَاھُنَا؟ فَوَاللّٰہِ مَا یَخْفِیْ عَلَیَّ خشوعکم وَ لَا رکوعُکم اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ وَرَآءِ ظھری۔

''ابوھریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا مجھ سے آگے وہاں تک تم دیکھ سکتے ہو؟ سنو کہ قسم بخدا تمہارا خشوع ہو یا رکوع ہو مجھ سے چھپا نہیں رہتا ہے۔ یقیناً میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔''

2: عن انس ابن مالک قَالَ صَلّٰی لنا النبیؐ صلی اللّٰہ علیہ و سلم صلوٰۃ ثُمَّ رَقِیَ الْمِنْبَرَ فقال فی الصلوٰۃ و فی الرکوع اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ وَرَائِی کَمَا اَرَاکم۔

''انس بن مالک نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ ایک نماز پڑھی۔ پھر منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ نماز میں بھی رکوع میں بھی میں تمہیں پسِ پشت سے اُسی طرح دیکھتا رہتا ہوں جس طرح میں سامنے سے دیکھتا ہوں۔''

(کتاب صحیح بخاری کی کتاب الصلوۃ، باب عظۃِ الامام الناس فی اتمام الصلوۃ۔ پارہ دوسرا)

اس حدیث پر علامہ محدث احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ نمبر 6 بھی دیکھ لیں تو آگے بڑھیں۔ لکھا ہے کہ:

3: '' 6 قوله: هَل تَرَوْنَ'' استفهام انكار لما يلزم منه اى تَظُنُّونَ اِنِّىْ لَا اَدْرِىْ فِعْلَكُمْ لَكَوْنِى فِىْ هٰذِهِ الجهة؟ وَ اللّٰهِ اِنِّىْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظهرى ۔ قِيْلَ الْمُرَاد به العلم بالوحى، وَ الصَّوَابُ اَنَّهٗ عَلٰى ظَاهِرِه وَ اَنَّهٗ اَبْصَار حقيقى خَاصّ بِه صلعم خَرْقًا للعادةُ كذا فى التوشيح وَ فى العينى۔ الخ

رسول اللہ کا یہ پوچھنا کہ کیا تم مجھ سے آگے دیکھ سکتے ہو؟ اُن سے انکار کرانے کے لئے تھا۔ اور اس سوال سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ ''کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ میں تمہارے افعال کو اس لئے نہیں سمجھتا کہ میرا رُخ دوسری طرف ہے؟'' خدا کی قسم میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کو وحی سے معلوم ہو جاتا تھا۔ مگر صحیح وہی ہے جو الفاظ سے ظاہر ہے۔ اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی بصارت خاص طور پر عام عادۃ وقانون فطرت کے خلاف دی گئی تھی۔ یہی بات علامہ عینی نے اور توشیح میں مانی گئی ہے۔'' (ایضاً بخاری جلد اول صفحہ 180)

ان دونوں احادیث کی تشریح الامام اہل سنت ابی الحسن سندھی متوفی سن 1138ھ بھی دیکھ لیں۔ لکھتے ہیں کہ:

4: (قوله: كَمَا اراكم) صيغة المضارع ههُنَا لِلْحَالِ، كَمَا اَرَاكُمْ فِىْ هٰذِهِ السَّاعَةِ، وَ اَمَّا فِى قَوْله ''اِنِّىْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِى فَلِلْاِسْتِمرار۔ فلا حاجة فِى تصحيح التَّشْبِيْه اِلٰى اعتبار حذف فى الكلام۔ و اللّٰه تعالٰى اعلم۔ سندى (بخاری جلد اول صفحہ 124 پر)

''اُن کا یہ فرمانا ''جیسا کہ میں دیکھتا ہوں'' یہ مضارع کا صیغہ ہے جو حال کے لئے استعمال کیا ہے مطلب یہ ہے کہ ''جیسا کہ میں تمہیں اس گھڑی دیکھ رہا ہوں'' (اسی طرح پسِ پشت سے بھی دیکھتا ہوں) (اور دیکھتا رہوں گا) اور اُن کا یہ فرمانا کہ ''یقیناً میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں'' یہ استمرار یعنی لگاتار مسلسل دیکھتے رہنے کے لئے ہے وغیرہ۔''

صحیح مسلم کی احادیث وتشریحات علامہ نَوَاوِی

5: عن ابى هريرةؓ قال صلى رسوْل اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم يومًا ثُمَّ انصرف فقال ...... اِنِّىْ وَاللّٰهِ لَاُبْصِرُ مِنْ وَرَائِى كَمَا اُبْصِرُ بَيْنَ يَدَىَّ۔

ابوھریرہؓ نے بتایا کہ ایک روز رسول اللہ نے نماز پڑھی۔ اور نماز سے فارغ ہوکر فرمایا کہ...... اللہ کی قسم جس طرح میں آنکھوں سے سامنے سے دیکھتا ہوں اُسی طرح آنکھوں سے اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔''

6: یہاں مسلم نے دوسرے نمبر پر وہی حدیث لکھی ہے جو بخاری نے پہلے نمبر پر لکھی تھی۔

7: عَنْ انس بن مالك عن النبىؐ صلى اللّٰه عليه و سلم قال ۔اَقِيْمُوا الركوع و السجودَ فَوَاللّٰه اِنِّىْ لَاَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِى وَرُبَّمَا قال مِنْ بعد ظهرى اذا ركعتم و سجدتم۔

''انس بن مالک نے بتایا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگ رکوع اور سجود کو قائم کیا کرو۔ یعنی باقاعدہ کیا کرو چنانچہ قسم بخدا کہ میں اپنے بعد بھی یقیناً

تمہیں رکوع وسجود کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ یا شاید یہ کہا اپنی عدم موجودگی میں بھی تمہارا رکوع وسجود دیکھتا ہوں۔‘‘

8: عَنْ انس قال صَلّٰی بِنَا رسوْل اللّٰه صَلَّى اللّٰه عليه و سلم ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قضى الصلوة اَقْبَلَ عَلَيْنَا بوجهه فقال اَيُّهَا الناس اِنّى امامكم فَلا تَسْبِقُوْنِىْ بالركوع وَ لَا بالسُّجُود وَ لَا بِالْقِيامِ و لا بالانصراف فَاِنِّىْ اَرَاكُمْ اَمَامِى وَ مِنْ خَلْفِى......الخ

’’انس نے کہا کہ ایک روز رسوؐل اللہ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ ہماری طرف منہ کر کے بیٹھے اور فرمایا کہ اے لوگو یقیناً میں تمہارا امام ہوں چنانچہ تم مجھ پر نہ رکوع میں سبقت کیا کرو نہ سجدوں میں اور نہ قیام میں اور نہ نماز سے فراغت میں پہل کیا کرو۔ اسلئے کہ میں آگے اور پیچھے دونوں طرف سے دیکھتا ہوں۔‘‘ (صحیح مسلم، کتاب الصلوة باب الامر بتحسین الصلوة و اتمامها و الخشوع فیها جلد اول صفحه180)

9: علامہ نواوی نے تشریح میں لکھا ہے: قَالَ العلماء مَعْنَاهُ اِنَّ اللّٰه تعالىٰ خَلَقَ لَهُ صلى اللّٰه عليه و سلم اِدْرَاكًا فِىْ قفاه يَبْصُر بِهٖ مِن وَرَائِهٖ وَ قَدْ انخرقت العادة له صلى اللّٰه عليه و سلم بِاَكْثر مِنْ هٰذَا ـوَ لَيْسَ يَمْنَعُ مِنْ هٰذا عَقْلٌ وَ لا شَرْعٌ بَلْ وَرَدَ الشرع بظاهره فَوَجَبَ الْقَولُ بِهٖ قَالَ القاضى قال احمد بن حنبل رحمه اللّٰه عليه و جمهور العلماء هٰذِهِ الرُّؤْيَة رُوْيَةِ بِالْعَين حقيقتًا الخ...... (وَ قوله اِنِّىْ لَارَاكُمْ مِنْ بَعْدِى) اى مِنْ ورائِى كَمَا فى الروايات الباقية ...... قَالَ القاضى و حَمَلَهٗ بَعْضُهُمْ ما بعد الوفاة وَ هُوَ بَعِيْدٌ عن سياق الحديث۔

’’علما نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے لئے پس پشت سے محسوسات اور ادراک کرنے کی قوت، تخلیق میں رکھ دی تھی اُسی قدرت سے آنحضرتؐ اپنے پیچھے بھی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور حضوؐر کو مافوق العادت قدرت عطا کی تھی۔ جو اس سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ اور عقل و شریعت ایسے قدرت عطا کئے جانے کی ممانعت نہیں کرتے بلکہ شریعت تو اس قول سے ظاہر ہے لہٰذا ایسا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔ قاضی نے بتایا کہ امام احمد بن حنبل نے اور جمہور علما نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ حقیقتاً اپنی آنکھوں ہی سے دیکھا کرتے تھے۔ اور حضوؐر کا یہ فرمانا کہ ’’یقیناً میں تمہیں اپنے بعد بھی دیکھتا رہوں گا‘‘ باقی روایات کی بنا پر اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ میں پس پشت سے دیکھتا ہوں‘‘ قاضی نے کہا ہے کہ بعض علما نے اس قول سے مرنے کے بعد دیکھنا مراد لیا ہے۔ مگر حدیث کے ابتدائی الفاظ کی رُو سے ایسا سمجھنا غلط ہے۔‘‘

(9) آنحضرتؐ کی تخلیق عام قوانین فطرت سے ناقابلِ فہم حد تک ارفع و اعلیٰ اور بے نظیر ہے

آپ نے بخاری اور مُسلم سے مندرجہ ذیل حقایق اور واقعات ملاحظہ کر لئے ہیں۔

اول یہ کہ: حضوؐر سے کوئی چیز مخفی نہ رہتی تھی حتیٰ کہ خشوع، جو ظاہری اور باطنی عاجزی ہے وہ بھی پوشیدہ نہ رہتا تھا۔

دوم یہ کہ: آنحضرتؐ آگے کی طرح پیچھے بھی دیکھتے تھے۔

سوم یہ کہ: حضوؐر خواہ کسی سمت و جہت میں ہوں اُمت کے افعال اُن کو برابر دکھائی دیتے تھے۔

چہارم یہ کہ: یہ دیکھنا اور کسی عمل کا پوشیدہ نہ رہنا وحی کی اطلاع سے نہیں بلکہ تخلیقی حیثیت سے تھا۔

پنجم یہ کہ: حضوؐر کا دیکھنا صرف آنکھوں پر منحصر نہ تھا بلکہ آپؐ کو دیکھنے کی حقیقت دی گئی تھی جس میں کوئی پردہ یا رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

ششم یہ کہ: آپؐ مادی یا فطری قوانین کے پابند نہ تھے بلکہ قوانین فطرت آپؐ کے لئے مسخر کر دیئے گئے تھے۔

ہفتم یہ کہ: اِن تمام احادیث میں مضارع استعمال ہوا ہے لہٰذا آپؐ حال و استقبال و ماضی میں مسلسل دیکھتے رہتے تھے۔ یعنی کسی وقت کوئی چیز

اوجھل نہ ہوسکتی تھی۔

ہشتم یہ کہ: صرف دیکھنے اورادراک کرنے ہی کی قدرت نہ تھی بلکہ اس قدرت کے علاوہ بھی بہت سی قدرتیں دی گئی تھیں جیسا کہ علامہ نواوی نے لکھاہے کہ: ''وَ قَدْ انخَرَقَتِ الْعَادَةَ لَهُ بِاَكْثَرِ مِّنْ هٰذَا''

نہم یہ کہ: آپؐ کا فرمان کہ''میں اپنے (مرنے کے) بعد بھی ضرور تمہیں دیکھتا رہوں گا''(اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِّنْ بَعْدِیْ) لفظ بلفظ صحیح ہے۔اس کی تاویل ناسمجھی کی وجہ سے اور بلا دلیل ہے۔

دہم یہ کہ: حضوؐر کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو آنحضرتؐ کو اپنی طرح دیکھنے والا اور اپنی ہی طرح کا آدمی سمجھتے تھے۔

(10) یہ دس حقیقتیں ہی رسولؐ اللہ کو ایک ہمہ گیر مخلوق ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں

کسی چیز کا حضوؐر سے مخفی نہ رہنا اور آگے کی طرح پیچھے بھی بلا آنکھوں کے دیکھنا تو ذرا مشکل سے سمجھ میں آنے والی حقیقتیں ہیں۔ذرا اس پر غور کریں کہ جب آپ یا ہم اپنی اِن آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ہمیں بیک وقت صرف ایک چیز کا سامنے کا حصہ نظر آتا ہے۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ تو یہ فرماتے ہیں کہ:''میں تم سب کو دیکھتا ہوں'' سوچیے اور بتایئے کہ کیا آنحضرتؐ کی دونوں آنکھیں آپ ایسی تھیں؟ کیا اُن کی ظاہری آنکھیں اُن قوانین کی پابند تھیں جن کی پابند آپ کی آنکھیں ہیں؟

(11) اِن احادیث سے بھی مودودی کے بیان کی تصدیق ہوگئی کہ آنحضرتؐ کے سامنے کوئی حجاب نہ تھا

علامہ مودودی دل سے مانیں یا نہ مانیں مگر وہ یہ سب کچھ لکھ چکے اور قارئین پڑھ چکے کہ:

اول: یہ کہ ملکوت السماوات والارض کا مشاہدہ کئے ہوئے تھے۔

دوم: یہ کہ مادی حجابات بیچ سے ہٹا کر انہیں وہ تمام حقائق آنکھوں سے دکھائے ہیں جن پر ایمان لانے کی تبلیغ کرنا اُن کے ذمہ تھا۔

سوم: یہ کہ اُن کی ہر بات براہِ راست علم ومشاہدہ کے ماتحت ہوتی تھی۔

چہارم: ملائکہ اُن کی نظروں سے اوجھل نہ ہوتے تھے۔

پنجم: انہیں آسمانوں اور زمینوں کا نظام حکومت دکھایا جاچکا تھا۔(تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 590 اور جلد اول صفحہ 202)

(12) علامہ کا ایک جملہ ثابت کرتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اللہ کو آنکھوں سے دیکھا تھا

اسی سلسلے میں علامہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

1: انبیاءؑ کو جو خدمات اللہ نے سپرد کی تھیں اُس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھ لیتے جن پر ایمان لانے کی دعوت انہیں دنیا کو دینا تھی (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 202) اور

2: مادی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کئے گئے تھے۔(تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 590)

3: کیا خدا پر ایمان بالغیب لانے کی ذمہ داری آنحضرتؐ پر نہ تھی؟؟ اگر مودودی اپنے راہنماؤں کی طرح کاذب وفریب ساز نہیں ہے؟ اور یہ جملے اُس نے دھوکا دینے کے لئے نہیں لکھے ہیں؟ تو تمام اسلامی جماعت کے ممبروں کو ہمارے ساتھ یہ ماننا پڑے گا کہ صرف آنحضرتؐ ہی

نے نہیں بلکہ تمام انبیاءؑ نے اللہ کو بے حجابانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ مودودی کی قبر پر جا کر ہمارے یہ جملے پڑھ کر سناؤ ممکن ہے کہ وہ اب بھی ایمان لے آئے۔ اور عذاب سے بچ جائے۔

(13) محمدؐ اور اجزاؑئے نورِ محمدؐ عین اللہ، ید اللہ، وجہ اللہ، لسان اللہ اور کائنات کے ہر ذرہ پر شہید ہیں

آپ نے امام محمدؑ باقر علیہ السلام کی حدیث میں دو چیزیں خاص طور پر نوٹ کی ہوں گی۔ اول یہ کہ تمام جاندار مخلوق کی جان محمدؐ و اجزائے نورِ محمدؐ ہیں۔ دوم اُن ہی سے اور اُن ہی کی وجہ سے اور اُن ہی کے لئے یہ کارخانہ کائنات وجود میں لایا گیا اور اس کی تدبیر و تربیت و ربوبیت اُن ہی حضرات کو سونپی گئی ہے (ہزاروں احادیث) اللہ کے بعد اور اللہ کی طرف سے وہ کائنات کی ہر مخلوق کے رب، ھادی، نذیر و نجات دہندہ ہیں۔ اگر اس حقیقت کبریٰ کو نہ مانا جائے؟ تو آپ کو پورے قرآن کا انکار کرنا ہوگا۔

(14) اگر محمدؐ اور معصومینؑ کی یہاں تک ثابت شدہ پوزیشن تسلیم نہیں تو قرآن و اسلام سے ہاتھ دھونا پڑیں گے

آئندہ آپ آنحضرت صلی اللہ وآلہ وسلم کو "رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡن" کس منہ سے اور کس دلیل سے کہیں گے؟ جو شخص سن 571ء میں پیدا ہوا ہو اور (63) تریسٹھ سال کی عمر میں مر کر مٹی ہو گیا ہو وہ کروڑوں اربوں سال سے چلے آنے والے اور لاکھوں سال اور برقرار رہنے والے عالمین کے لئے کس عقل کی رُو سے رحمت ہو سکتا ہے؟ یہی تمہارے عقائد تھے جن کی وجہ سے آج کئی ارب انسان محمدؐ کو رسولؐ نہیں مانتے۔ کروڑوں انسان انہیں جھوٹا اور فریب ساز شخص قرار دیتے ہیں۔ ایسا شخص اس لامحدود اور بے حد و انتہا عالمین کا نذیر اور ھادی کیسے ہو سکتا ہے؟ جو مکہ میں پیدا ہوا اور مدینہ تک تبلیغ کرتے کرتے مر گیا۔ عالمین تو بہت ہی غلط بات ہے؛ ساری نوع انسان بھی احمقانہ تصور ہے وہ تو پورے مُلک عرب کا بھی رسولؐ نہیں ہو سکتا۔ جو چند ہزار آدمیوں سے چند گھنٹے ملا ہو اور مر کر سڑ گل گیا ہو وہ قیامت تک کیوں اور کس سمجھ کے ماتحت رسولؐ مانا جا سکتا ہے؟ جس کی پیدائش سے لے کر موت تک اُس سے زیادہ عقلمند لوگ موجود تھے۔ جو اپنے جیب و داماں سے بھی کماحقہ واقف نہ ہو جو زندگی بھر غلطیاں کرتا رہا ہو۔ جو اپنے ساتھیوں کے مشوروں کا محتاج ہو جسے ایک مکھی تک پر قدرت حاصل نہ ہو اُس سے ایسی کتاب کا کیا تعلق؟ جس میں اُسے پوری کائنات کی تفاصیل دی گئی ہوں؟ جو پوری کائنات کو اُس کے لئے مسخر قرار دیتی ہو؟ جس میں اس سے عَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمۡ کہا گیا ہو؟ جو ابوبکر و عمر و عثمان و عائشہ جیسا یا اُن سے کچھ بڑھیا آدمی ہو اُسے جنات کا رسولؐ کیسے کہا جا سکتا ہے؟ ایسے شخص کو حضرت سلیمان و داؤد و عیسیٰ علیہم السلام ایسے معجزنما انبیاءؑ سے کیسے افضل کہا جا سکتا ہے؟ جو مردہ چیونٹی کو زندہ نہ کر سکے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے خالق نبی کے مقابلہ میں کیسے لایا جا سکتا ہے؟ یہی وہ ملعون عقائد ہیں جو ابوبکر و عمر و عثمان و عائشہ و حفصہ نے اختیار کئے۔ پبلک میں پھیلائے اور حکومت غصب کر کے ساری دنیا میں مشہور کئے۔ اُن ہی ملاعین کو مخاطب کر کے فرماتے تھے جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کہتے تھے کہ:

"مجھے اپنے ہاتھوں کھو بیٹھنے سے پہلے پہلے اس کائنات کے متعلق جو سوال چاہو دریافت کر لو۔ میں زمین کے مقابلے میں سماوات کی راہوں کا زیادہ جاننے والا ہوں۔"

اُن ہی شیطان زادوں سے کہا ہے کہ:

"تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے، اور کائنات کی ہر مخلوق نے ہمارے ہی وسیلے سے ہدایت پائی ہے۔ اور ہماری ہی وجہ سے انسانیت کی بلندی تک پہنچے ہو۔"

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 05

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 05

خُطبہ ﴿5﴾

(1) عہد رسالتؐ میں پیدا ہونے والے فتنوں کا بحرِ مواج عہد مرتضوی میں تباہ کاریاں مچا رہا تھا۔اور؛

(2) فتنوں کے سیلاب سے گزرنے اور اُسے ناکام کرنے کے لئے نجات کی کشتیاں برسرِکار آ گئی تھیں؛

(3) ایامِ جاہلیت کے فرعونوں کے سروں سے غرور و تکبر کے تاج اُتار پھینکنے کے احکام جاری کر دیئے گئے تھے۔تاکہ؛

(4) دشمنانِ اَمن و سلامتی کے اعتراضات و طعن و طنز کا قوت و قدرت و لامحدود مخفی علوم سے جواب سامنے رکھ دیا جائے۔

(5)اور؛ دشمنان محمدؐ و آلِ محمدؐ ہمیشہ لرزتے،کانپتے اور اضطراب میں مبتلا رہیں؛

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يَآاَيُّهَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ؛	1	اے لوگو فتنوں کے اِس موجزن سیلاب کو نجات کی کشتیوں سے چیرتے ہوئے پار نکل جاؤ۔
وَ عَرِّجُوا عَنْ طَرِيْقِ الْمُنَافَرَةِ؛	2	اور عہد جاہلیت کے طریقِ منافرۃ یعنی جاہ و جلال کی مقابلہ بازی سے بلندرہ کر گزر جاؤ۔
وَ وَضَعُوْا تِيْجَانَ الْمُفَاخَرَةِ؛	3	اور فخر و غرور کے مجسموں کے سروں سے کبر و نخوت کے تاج اُتار لو۔
اَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحٍ؛	4	فلاح و کامیابی وہی پائے گا جو یا تو اپنے پروں پر بلند ہو جائے۔
اَوِ اسْتَسْلَمَ فَاَرَاحَ؛	5	یا پھر راحت حاصل کرنے کے لئے بلند ہو جانے والوں کی اطاعت کرے۔
هٰذَا مَآءٌ آجِنٌ؛	6	یہ قریشی خلافت تو سڑا ہوا بدبودار پانی ہے۔
وَ لُقْمَةٌ يَغَصُّ بِهَا آكِلُهَا؛	7	اور وہ لقمہ یا گھونٹ ہے جو کھانے اور پینے والے کے گلے میں پھنس جائے۔
وَ مُجْتَنِى الثَّمَرَةِ لِغَيْرِ وَقْتِ اِيْنَاعِهَا؛ كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ اَرْضِهٖ؛	8	اور پھلوں کو پکنے سے پہلے ہی توڑ لینے والا شخص اُسی طرح گھاٹے اور نقصان میں رہتا ہے جیسے دوسروں کی زمین میں کھیتی بونے والا رہتا ہے۔
فَاِنْ اَقُلْ يَقُوْلُوْا حَرَصَ عَلَى الْمُلْكِ؛	9	چنانچہ اگر میں اِس سلسلے میں کچھ بولتا ہوں تو حکومت کا لالچی کہتے ہیں۔
وَ اِنْ اَسْكُتْ يَقُوْلُوْا جَزِعَ مِنَ الْمَوْتِ؛	10	اور اگر میں چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ مرنے سے ڈرتا ہے۔
هَيْهَاتَ بَعْدَ اللَّتَيَا وَ الَّتِىْ؛	11	کتنے افسوس اور حیرانی کی بات ہے کہ یہ سب کچھ ایسی حالت میں بھی کہہ گزرتے ہیں جب کہ میں کتنی جان لیوا کٹھنائیوں میں کود تا رہا ہوں؟

وَاللّٰهِ لَابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ آنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّهٖ؛	12	قسم بخدا ابوطالبؑ کا بیٹاؑ تو موت سے اتنا زیادہ مانوس ہے کہ اُتنا اُنس تو کسی بچے کو اپنی ماں کے دودھ سے بھی نہیں ہوسکتا۔
بَلِ انْدَمَجْتُ عَلٰی مَكْنُوْنِ عِلْمٍ لَوْ بُحْتُ بِهٖ لَاضْطَرَبْتُمُ اضْطِرَابَ الْاَرْشِيَةِ فِي الطَّوِيِّ الْبَعِيْدَةِ؛	13	میرے رویے اور عمل درآمد کا حقیقی سبب تو میرا وہ لامحدود مکنون و پوشیدہ علم ہے، کہ اگر میں تمہیں اُس کی جھلک بھی دکھا دوں تو تم اُسی طرح سے پیچ وتاب میں مبتلا ہو جاؤ جس طرح گہرے کنویں میں ڈول کی رسیاں لرزتی اور تھرتھراتی ہیں۔

تشریحات:

خطبہ 5 کے متعلق چند اصولی و بنیادی باتیں :

1: اس خطبہ کے ساتھ بھی ایک شانِ نزول اور قریش کا ساختہ افسانہ چلا آرہا ہے جسے ہم نے حسب ضرورت ووعدہ ساقط کردیا ہے۔

2: اس خطبے سے اُس شانِ نزول اور افسانے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ 3: اِس میں ابوسفیان اور عباس یا دو آدمی مخاطب نہیں بلکہ **اَیُّھَا النَّاس** ایک مجمع کو مخاطب کیا ہے۔ 4: اگر اُس شانِ نزول وافسانے کو صحیح مان لیا جائے جیسا کہ مفتی جعفر اینڈ کمپنی نے صحیح مانا ہے، تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ 5: ابوبکر کے خلاف اُٹھنے والا ہر شخص فتنہ جو تھا یا فتنہ جو ہوتا۔ 6: عباس عبدالمطلبؑ کا بیٹا تھا۔ 7: **دعوت ذوی العشیرہ** میں حضرت علیؑ کا خلیفہ بنایا جانا غلط تھا چونکہ ابوسفیان اس سے لاعلم رہا۔ 8: ابوسفیان کو علم غیب تھا۔ 9: بزرگی اور خاندانی برتری غلط چیز ہے۔ 10: علیؑ نے مجبور ہوکر خاموشی اختیار کی اور مجبوری میں چپ رہنا فضلیت نہیں۔ 11: اس شان نزول اور افسانے کا کوئی لفظ اور کوئی جملہ خطبہ 5 میں مذکور نہیں ہے۔

نہج البلاغہ میں کلام مرتضویؑ مُسلّمہ حقیقت ہے لہٰذا بار بار ہر خطبے کے شروع میں یہ جملے لکھنا حماقت ہے کہ:

1: "وَمِنْ خُطْبَةٍ لَهُ عليه السلام" یا 2: "وَمِنْ كَلَامٍ لَهُ عليه السلام" یا

3: "وَمِنْهَا"

جب نہج البلاغہ حضور علیہ السلام کے کلام کا نام ہے تو ہم اس قسم کے جملوں کو بھی ساقط کرتے چلیں گے اور براہ راست خطبہ شروع کردیں گے۔

خطبہ کے ساتھ چپکایا ہوا شانِ نزول اور باطل تصورات ساقط کردیئے گئے ہیں

جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کے اس پانچویں خطبے کے ساتھ بھی نہ معلوم کب سے یہ شانِ نزول برابر لکھا ہوا چلا آرہا تھا کہ:

مِنْ خُطْبَةٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَام لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ خَاطَبَهُ الْعَبَّاسُ وَ اَبُوْسُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فِيْ اَنَّ يُبَايِعَالَهُ بِالْخِلَافَةِ۔

''یہ خطبہ بھی حضرت علی علیہ السلام کے خطبات میں سے ایک خطبہ ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے دُنیا سے رحلت کی تو عباس اور ابوسفیان بن حرب نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ جس پر حضرت نے فرمایا:'' (ترجمہ مفتی جعفر۔ نہج جلد اول صفحہ 98) یعنی عباس اور ابوسفیان کو جو جواب دیا وہ اس خطبہ نمبر 5 میں مذکور ہے۔ یعنی خطبہ نمبر 5 کے مخاطب صرف دو آدمی، عباس اور ابوسفیان تھے۔ کوئی تیسرا آدمی اس میں مخاطب نہیں کیا گیا تھا۔

2۔ وہ تصورات اورافسانہ جوثلاثہ اینڈ کمپنی نے اپنی تاریخ کی صورت میں آگے بڑھایا اور علمائے شیعہ نے جو اثر لیا

مندرجہ بالا ترجمہ اور جملہ مفتی صاحب کی طرح ہر مترجم نے خطبہ شروع کرنے سے پہلے بطورِ بسم اللہ یا خطبے کے عنوان کے طور پر لکھا ہے۔اس کے بعد خود بخود خطبے کا مفہوم یہ ہوجاتا ہے کہ ابوبکر کے خلاف کوئی قدم اُٹھانا فتنے میں شریک ہوجانا ہے۔گویا حضرت علیؑ نے خاموش رہنے کی ترغیب دے کر خلافت وحکومتِ باطلہ کو مستحکم کرنے میں مدد کی تھی۔اِسکے باوجود مزید استحکام کے لئے مفتی صاحب قریش کا گھڑا ہوا یہ افسانہ بھی سناتے ہیں کہ:

3۔ مفتی صاحب نے پبلک کو یقین دلانے کے لئے اور خطبے کا رُخ موڑنے کے لئے لکھا ہے

''جب پیغمبر اکرمؐ کی وفات ہوئی ہے۔تو ابوسفیان مدینے میں موجود نہ تھا۔واپس آرہا تھا کہ راستے میں اس المناک حادثہ کی اطلاع ملی۔فوراً پوچھنے لگا کہ مسلمانوں کی اَمارت و قیادت کس کو ملی۔ اُسے بتایا گیا کہ لوگوں نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے یہ سن کر عرب کا مانا ہوا فتنہ پرداز سوچ میں پڑ گیا۔اور آخر ایک تجویز لے کر عباس ابن عبدالمطلب کے پاس آیا اور کہا کہ دیکھو اِن لوگوں نے دھاندلی مچا کر خلافت ایک تیمی کے حوالے کر دی اور بنی ہاشم کو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم کر دیا اور اپنے بعد بنی عدی کے ایک درشت خُو تندمزاج کو ہمارے سروں پر مسلط کر جائے گا۔چلو علی بن ابی طالبؑ سے کہیں کہ وہ گھر کا گوشہ چھوڑیں اور اپنا حق لینے کے لئے میدان میں اُتر آئیں۔چنانچہ وہ عباس کو ہمراہ لے کر حضرت کے پاس آیا اور کہا کہ آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں اور اگر کوئی مخالفت کے لئے اُٹھا تو میں مدینے کے گلی کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا۔امیر المومنین کے لئے یہ انتہائی نازک مرحلہ تھا۔وہ اپنے کو پیغمبر کا صحیح وارث وجانشین سمجھتے تھے۔اور ابوسفیان ایسا جتھے اور قبیلے والا امداد کے لئے آمادہ کھڑا تھا۔صرف ایک اشارہ کافی تھا کہ جنگ کے شعلے بھڑکنے لگتے،مگر امیر المومنینؑ کے تدبر اور اصابتِ رائے نے مسلمانوں کو فتنے سے بچالیا۔اور آپ کی دُوررس نظروں نے بھانپ لیا کہ یہ قبائلی تعصب اور نسلی امتیاز کو اُبھار کر آپس میں لڑوانا چاہتا ہے، تاکہ اسلام میں ایک ایسا زلزلہ آئے جو اُس کی بنیاد تک کو ہلا دے لہٰذا آپ نے اُس کی رائے کو ٹھکرا کر اُسے سختی سے جھڑکا اور اس موقع پر یہ کلمات ارشاد فرمائے۔جن میں لوگوں کو فتنہ انگیزیوں اور بے جا سربلندیوں سے روکا ہے اور اپنا موقف یہ بتایا ہے کہ ''میرے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو جنگ کے لئے اُٹھ کھڑا ہوں۔یا اپنے حق سے دست بردار ہو کر ایک گوشہ میں چپکے سے بیٹھ جاؤں۔اگر جنگ کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو کوئی یار و مددگار دکھائی نہیں دیتا کہ اِن ابھرنے والے فتنوں کو دبا سکوں!۔اب یہی چارہ کار ہے کہ خاموشی سے وقت کا انتظار کروں یہاں تک کہ حالات سازگار رہوں۔''

(مفتی جلد اول صفحہ 99-100)

4۔ قریش کو اس افسانے کے گھڑنے سے کیا فائدہ ہوا؟اور مفتی اینڈ کمپنی کے اُسے ماننے اور لکھنے سے کیا نقصان ہوا؟

قریش کو پہلا اور اہم ترین فائدہ تو یہی ہوا کہ یہ خطبہ اور خطیب علی مرتضٰی علیہ السلام اُن کے ہم نوا اور طرف دار بن گئے۔اور قریش کی مخالفت میں اُٹھنے والا ہر شخص فتنہ پرداز بنا دیا گیا۔اور سارے عرب کے مسلمانوں کو صبر وسکون سے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھنا اور علیؑ کی مدد نہ کرنا جائز ہو گیا۔دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ عباس کو عبدالمطلب کا بیٹا مشہور کرنے والا منصوبہ آگے بڑھتا اور حقیقت بنتا چلا گیا۔حالانکہ عباس اینڈ کمپنی کا نسل اسماعیلؑ سے کوئی تعلق نہ تھا۔مگر علمائے شیعہ قریش کے افسانے برابر لکھتے رہے اور غلط بات حقیقت بن کر دُنیا میں پھیلتی چلی گئی۔اور آج اس کے خلاف لب کشائی احمقانہ انکار بن گئی ہے۔تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ یہ بات غلط نکل گئی کہ رسول اللہؐ نے دعوتِ ذوی العشیرہ کے روز سے برابر اور بار بار

علیؑ کی خلافت ووزارت کا اعلان کیا تھا۔ وہ اس طرح کہ اگر ایسا ہوتا رہا ہوتا تو ابوسفیان آنحضرتؐ کی خبرِ مرگ سنتے ہی یہ کہتا کہ ''ابوبکر کیسے خلیفہ بن گیا جب کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کی خلافت کا اعلان کررکھا تھا؟ مگر وہ اُس وقت کچھ نہیں کہتا۔ یعنی ابوسفیان کو علیؑ کا خلافت کے لئے نامزد ہونا قطعاً معلوم نہ تھا۔ یعنی نہ نامزدگی ہوئی تھی نہ مشہور ہوئی۔ یعنی شیعوں نے بعد میں یہ قصہ گھڑ لیا تھا۔ پھر وہی ناواقف ابوسفیان عباس کو علم غیب سے تین باتیں بتاتا ہے۔ اول یہ کہ ابوبکر دھاندلی سے خلیفہ بنایا گیا ہے۔ جب وہ مدینے میں تھا ہی نہیں تو اُسے دھاندلی کا علم کیسے ہو گیا؟ دوم یہ کہ بنی ہاشم کو ہمیشہ کے لئے محروم کردیا گیا۔ یہ اطلاع وحی کے بغیر کیسے ملی؟ سوم یہ کہ ابوبکر کے بعد درشت خُو تندمزاج یعنی عمر مسلط ہو جائے گا۔ اِن باتوں سے قریش کو یہ فائدہ ہوا کہ نسلی برتری رکھنے والا ہر شخص فتنہ جو قرار دیا جاسکا۔ اور یہ ضرب سیدھی حضرت علیؑ پر پڑتی تھی۔ پھر بقول مفتی۔ حضرت علیؑ نے سربلندی کے لئے کھڑا ہونے والوں کو فتنہ جو کہہ کر اس خطبے کو خود اپنے خلاف استعمال کیا۔ اور قریش یہی چاہتے تھے کہ بزرگی کے معیار پر کوئی دعوائے خلافت نہ کرے۔ اور آنحضرتؐ کے خاندان کو عام عربوں اور بنی عدی و بنی تیم پر کوئی فضیلت نہ رہے اور بقول مفتی یہ سب کچھ اس خطبے سے علیؑ نے کردکھایا۔ اور آخری فائدہ یہ ہوا کہ علیؑ کا خاموش بیٹھنا ازراہِ مجبوری قرار پا گیا اس طرح وہ ایک عام شخص بنا دیئے گئے یعنی اُن کا صبر با اختیار نہ تھا بلکہ مجبوری کا نام صبر رکھ لیا گیا تھا۔ یعنی وہ ضرور جنگ کے شعلے بھڑکا کر فتنہ انگیزی کرتے اگر کوئی یار و مددگار رہتا۔ یعنی اُنہوں نے فتنہ انگیزی سے ازراہ مجبوری دست کشی اختیار کی تھی۔ جو کوئی فضیلت کی بات نہیں۔

یوں اِس نام نہاد مفتی و مجتہد نے قریش کا تیار کردہ شانِ نزول لکھ کر اور اُسکے ساتھ قریشی ساخت کا افسانہ شامل کر کے اور خود اپنے ذہن سے نمک مرچ لگا کر خطیبؑ اور خطبے کی مٹی پلید کردی اور کسی مومن نام کے شخص کو اُس میں توہین مرتضوی نظر نہ آئی اور اُنکا ترجمہ دھڑ ادھڑ بکتا رہا ہے اور داد ملتی رہی۔

5۔ مفتی کا ایک لطیفہ ایک بکواس:

اگر کسی مومن کے دماغ میں مغز کی جگہ عقل بھی ہوتی تو وہ مفتی کے لکھے ہوئے اِن جملوں پر ضرور رُکتا اور سوچتا:

(ناطقہ سربگریباں ہے اِسے کیا کہئے؟)

اول: ''ابوسفیان ایسا جتھے اور قبیلے والا امداد کیلئے آمادہ کھڑا تھا۔ صرف ایک اشارہ کافی تھا کہ جنگ کے شعلے بھڑکنے لگتے۔''

دوم: ''میرے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو جنگ کیلئے اُٹھ کھڑا ہوں مگر کوئی یار و مددگار دکھائی نہیں دیتا کہ اِن اُبھرنے والے فتنوں کو دبا سکوں۔''

لطیفہ یہ ہے کہ علیؑ کی ''نظروں کو دُور رس'' لکھا مگر اُنہیں سامنے کھڑا ہوا بولتا چالتا مددگار دکھائی نہ دیا۔ اللہ جھوٹوں پر اور جھوٹوں کے خفیہ مددگاروں پر لعنت کرے۔ خواہ وہ مفتی اور مجتہد ہی کیوں نہ ہوں۔ آمین۔

6۔ خطبہ نمبر 5 قریش کے افسانہ اور شانِ نزول کو اور تمام ماننے اور لکھنے والوں کو جھوٹا قرار دیتا ہے

اِس خطبے کے اپنے الفاظ بتاتے ہیں کہ اس کے ساتھ چپکایا ہوا شانِ نزول اور افسانہ سراسر جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ اول یہ کہ کوئی شخص، جو اندھا نہ ہو، اپنے سامنے کھڑے یا بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کو ''اَیُّھَا النَّاس'' کہہ کر مخاطب نہ کرے گا۔ دوم یہ کہ اس خطبے میں اگر ابوسفیان اور عباس کو مخاطب کیا ہوتا تو اُن کے نام یا تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہوتا۔ چنانچہ اگر اس خطبے سے یہ دروغ بافی الگ کر کے کسی کو اس کی عربی یا ترجمہ یا دونوں سنائے جائیں تو وہ ہرگز یہ نہ سمجھے گا کہ خطیبؑ کے مخاطب صرف دو آدمی یا ابوسفیان و عباس ہیں۔ سوم یہ کہ اس خطبے میں نہ بیعت کا انکار ہے نہ اُن

دونوں کی کسی بات کی تائید ہے نہ تردید ہے نہ تذکرہ ہے۔یعنی خطبے کے کسی بھی جملے سے مذکورہ بالا افسانے اور شان نزول کا کوئی تعلق نہیں ہے۔اس خطبے میں یہ شکایت ہونا چاہیئے تھی کہ تم اب بیعت کرنے آئے ہو اب تک کہاں تھے؟ یہ بھی کہنا چاہیئے تھا کہ گھر کے کونے میں میری بیعت کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ پہلے تم ابوبکر کے پاس جا کر اُسے بتاؤ کہ ہم تمہارے مخالف اور علیؑ کے طرفدار ہیں،اور تمہارے خلاف مدینہ کے گلی کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دینے کا پروگرام بنا چکے ہیں لہٰذا فوٹاً فٹ تم علیؑ کی بیعت کرلو نہیں تو ابھی تمہارا مرغا بناتے ہیں۔

7۔ مذکورہ شانِ نزول اور افسانے سے خطبے کا کوئی تعلق نہیں مگر اس قصے کی ایک دو باتیں صحیح ہیں

ہم نے مذکورہ بالا خود ساختہ بکواس کو اپنے ترجمہ میں ساقط کر دیا ہے۔تا کہ کلامِ مرتضویؐ قریشی آلائشوں سے پاک رہے۔اور ہم نے ابتداہی میں اعلان کر دیا تھا کہ ہم اس قسم کی بکواس کو ساقط کرتے جائیں گے۔یہ بھی دوبارہ سن لیں کہ نہج البلاغہ میں صرف حضرت علی علیہ السلام کا کلام ہےاور کسی کا خطبہ یا خطوط وغیرہ اس میں نہیں ہیں تو ہر خطبہ کے شروع میں یہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ:

1: "وَمِنْ خُطْبَةٍ لَهُ عليه السلام " یا 2: "وَمِنْ كَلَامٍ لَهُ عليه السلام "

ہر خطبے کے شروع میں اب اس راگنی کے الاپنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جب کہ نہج البلاغہ ہے ہی کلام مرتضوی۔لہٰذا ہم خطبہ کا نمبر لکھ کر ایک دم حضورؑ کا کلام لکھنا شروع کریں گے۔تا کہ یقین ہو جائے کہ کم از کم ہماری مرتب کردہ نہج البلاغہ میں واقعی کلامِ مرتضوی ہےاور کسی کا کلام اس میں نہیں ہے۔

8۔ حقیقتِ واقعی کے ساتھ باطل کی آمیزش قریش کے مذہب کی بنیاد ہے

حضرت علی علیہ السلام بھی اپنے خطبے میں ایک مقام پر قریش کی اِس پالیسی کا تذکرہ فرمائیں گےاور ہم بھی بتاتے رہتے ہیں کہ جب قریش کے لیڈر اور علما یہ چاہتے تھے کہ اُن کا کوئی باطل عقیدہ،تصور یا پالیسی اُن کے مذہبی مخالف بھی قبول کرلیں اور اپنی کتابوں اور ریکارڈ میں بھی لکھ لیں تو وہ ایک قصہ یا واقعہ کا پلاٹ بڑی احتیاط اور تدبر سے تیار کرتے تھے۔اُس میں موزوں قسم کے صحیح حالات بھی شامل کئے جاتے تھےاور شیعوں کو خوش کرنے کے لئے ابوبکر وعمر وغیرہم کی موزوں مذمت یا خامیاں بھی لکھی جاتی تھیں اور علیؑ و اولادِ علیؑ کی بزرگی اور فضیلت کا ذکر بھی کر دیتے تھے۔پھر اپنی بحثوں،مناظروں اور گفتگو میں اس خود ساختہ واقعہ یا قصے کو سامنے رکھتے تھے۔مدرسوں میں بچوں کو پڑھاتے تھے۔مسجدوں اور منبروں سے وعظوں میں تقریروں میں بیان کرتے تھے۔عدالتوں کی قانونی بحثوں میں زیرِ نظر رکھتے تھے۔اُس کی تائید اور تردید میں کتابیں لکھتے تھے۔رفتہ رفتہ اہلسنت کے عوام وخواص بھی اُس کو صحیح سمجھنے لگتے تھے۔یوں شیعہ علما بھی سُنّیوں کو زِچ کرنے کے لئے اُسے اپنا عنوان بنانے لگتے تھے مناظرے کی کتابوں میں گھٹا بڑھا کر لکھتے تھے۔یوں رفتہ رفتہ ہزاروں غلط باتیں ہمارے ریکارڈ اور کتابوں میں آتی گئیں اور آج ماشاءاللہ ہمارے یہاں ایسی باتوں، واقعات اور حالات کا انبار موجود ہےاور اُن ہی میں سے ابوسفیان اور عباس کا قصہ اور اس خطبہ کا شان نزول ہے۔

(الف) ابوسفیان نے اپنا تعاون اور مسلح بھرپور مدد پیش کی تھی جو سابقہ پالیسی کی بِنا پر رد کر دی گئی

یہ صحیح ہے کہ ابوبکر کی بیعت کے چند روز بعد ابوسفیان نہایت پرخلوص انداز میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ مدد پیش کی کہ اگر اُسے قبول کر لیا جاتا تو بکری وعمری سازش کا سارا تار پود بکھر جاتا اور حضرت علیؑ خلیفہ تسلیم کر لئے جاتے۔اس پیشکش کو ہم بالکل پرخلوص سمجھتے ہیں۔اس لئے کہ وہ ابوبکر وعمر کو غدّاری کی سزا دینا چاہتا تھا۔ثلاثہ اینڈ کمپنی روزِ اول سے ابوسفیان کی تعینات کردہ پارٹی کے افراد تھے۔ ابوسفیان ہی کی مدد اور تائید سے انہیں مسلمانوں میں قیام واستحکام ملا تھا۔یہ ابوسفیان کا داخلی پُرامن محاذ تھا۔جس کا کام یہ تھا کہ وہ مسلمانوں میں

رسوخ واعتماد پیدا کرے قومی پالیسی اور اصولی عقائد کو اسلامی رنگ دے کر مسلمانوں میں پھیلائے اور اگر ابوسفیان کا تیغ بکف جنگی محاذ ناکام ہو جائے تو اُسے اور تمام قریش کو مسلمان بن جانے کے بعد اُن کا صحیح مقام ومنصب دے۔ اور رسوؐل کے بعد معاملات حکومت قریشی پالیسی کے مطابق اُسے حوالے کرنے میں تعاون کرے۔ لیکن عمر نے اندر ہی اندر اقتدار پر قبضے کی خفیہ پالیسی بنا کر زیر زمین، ابوسفیان کے خلاف، کام جاری کر رکھا تھا اور رفتہ رفتہ قومی مرکز سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی اور عبداللہ بن اُبَیّ نے ابوسفیان کو اُس راز کی اطلاع دے دی تھی یہی وجہ تھی کہ عمر، عبداللہ بن اُبَیّ کا جانی دشمن تھا اور عمر نے اس راز کا بھی پتہ لگا لیا تھا کہ عبداللہ بن اُبَیّ آنحضرتؐ کا مخبر اور منافقین کا سردار بنا ہوا ہے۔

بہرحال ابوسفیان بھی اُدھر باقاعدہ قومی حیثیت سے عمر کا سردار تھا اور اِدھر غداری کی وجہ سے عمر کا دشمن تھا۔ اور نہیں چاہتا تھا کہ عمر کی پارٹی اقتدار میں اور وہ ماتحت رہے۔ لہٰذا ابوسفیان کی مدد کا نامنظور کیا جانا اس لئے نہیں تھا کہ حضرت علیؑ ابوبکر وعمر سے جنگ کو فتنہ سمجھتے تھے۔ بلکہ خواہ ابوسفیان کو یاد تھا یا نہ تھا مگر حضرت علیؑ کو یاد تھا کہ اُسی ابوسفیان اور اُس کے ساتھی سردارانِ قریش نے دعوائے نبوت پر یہ الزام لگایا تھا کہ ''محمدؐ نے بنی ہاشم کا اقتدار وحکومت قائم کرنے کے لئے دعوائے نبوت کیا ہے۔''

پھر ابوسفیان اینڈ کمپنی نے قریشی لڑکیاں، دولت اور حکومت پیش کی تھی تاکہ دعوائے نبوت کو چھڑا سکے۔ اگر آنحضرتؐ وہ پیشکش اُس وقت قبول کر لیتے تو مندرجہ بالا الزام ثابت ہو جاتا۔ اور اگر آج اُس کی مدد قبول کر لیتے تو کچھ زیادہ غلط ہو جاتا۔ یعنی اصلی مقصود علیؑ کو حکومت دلانا ہی تھا اور علیؑ حکومت حاصل کرنے کے لئے جبر وقوت وجنگ کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اُس الزام کو باطل قرار دینا علیؑ پر فرض تھا۔ رسوؐل کے مشن کی حقانیت کے لئے آتی ہوئی مدد کو ٹھکرایا ہی نہیں بلکہ اُسے دشمنِ اسلام کہہ کر مایوس ومتنفر بھی کر دیا چنانچہ اُس نے ایک دھمکی میں اپنے بیٹے یزید بن ابی سفیان کے لئے امارت حاصل کر لی۔ جو نسل درنسل چلی۔ یعنی حکومتِ بنی اُمیہ۔

(ب) عباس اور اُس کے لواحقین موقع پرست اور فرضی وقومی رشتے کی آڑ میں اپنا اقتدار چاہتے تھے

قریشی قوم نے خود کو بنی اسماعیلؑ بنانے کا بڑا زور دار منصوبہ چلایا تھا اور اس منصوبے کو بھی شیعہ ریکارڈ میں پہنچا کر دم لیا تھا۔ آج ساری دُنیا قریش کو بنی اسماعیلؑ ہی نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے قبیلے سے رشتہ دار سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ابولھب اور عباس ایسے دشمنان محمدؐ وآل محمدؐ کو چچا بنا کر مشہور کیا ہے۔ حالانکہ قریش کی نسل کا پتہ لگانا ناممکن ہے۔ یہ جو کچھ مشہور ہے خود بھی مشکوک ہے حالانکہ اُن کے اپنے بھانڈوں اور مراثیوں نے خود ہی نسّاب بن کر اپنے شجرے مشہور کئے تھے۔ بہرحال عبداللہ بن عباس کو حضرت علیؑ کا شاگرد، ہمدرد اور ہم مسلک وطرفدار مشہور کیا گیا ہے لیکن یہ اور اس کا باپ ابوسفیان ومعاویہ سے کچھ کم نہ تھے۔ پہلے عباس کی یہ کوشش رہی کہ رسوؐل اللہ کا ورثہ اور حکومت حاصل کرے پھر بیٹا اسی دردسر میں مبتلا رہتا چلا گیا۔ اور آخر کار تحریکِ آل محمدؐ سے غداری کر کے اُن کی اولاد نے ابومسلم اور دیگر شیعہ لیڈروں سے حکومت حاصل کر لی۔ جو حکومت بنی عباس کہلاتی ہے۔ چونکہ قریشی جانتے تھے کہ نہ ہم رسوؐل کے قبیلے سے ہیں نہ عباس اُن کے چچا ہیں۔ اس لئے اُنہوں نے عباس اور عبداللہ کو یہ موقع ہی نہ دیا کہ وہ چچا کے مشہور کردہ رشتے سے فائدہ اُٹھا کر اُن پر مسلط ہو جائیں۔ بلکہ اُنہیں کوئی عہدہ بھی نہ دیا البتہ عمر عبداللہ کو ڈوری پر لگائے رہے تاکہ وہ بنی ہاشم کی مخبری وجاسوسی کر کے فائدہ پہنچاتے رہیں۔ لہٰذا وہ تمام قصے بکواس ہیں جو عباس اور عبداللہ کے متعلق ہمارے یہاں مزے لے لے کر سنائے اور سنے جاتے ہیں۔ (تفصیلات ہماری کتاب ''مرکز انسانیت یعنی حسینؑ'' میں دیکھیں)

(ج) سب ترجموں سے معتبر ترجمہ کرنے والے علامہ علی نقی طہرانی فیض الاسلام نے قریش کو فیض پہنچایا

مفتی صاحب نے جو کچھ لکھا وہ من وعن علی نقی طہرانی کے فارسی ترجمہ کا ترجمہ ہے۔ جو کچھ مفتی سے رہ گیا وہ ہم نقل کر کے دکھاتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس طرح شیعہ مترجمین قریشی پالیسیوں کو پروان چڑھاتے اور حضرت علی علیہ السلام کے خطبوں کا مفہوم اور رُخ موڑ کر ثلاثہ اینڈ کمپنی کو فیض پہنچاتے رہے ہیں؟

خطبہ نمبر 5 کے دوسرے جملے کا ترجمہ وتشریح کافی ہے:

1: ''وازراہِ مخالفت منحرف گردیدہ قدم بیروں نہید وتاج ھائے مفاخرت وبزرگی رازاز سر بزمین گزارید۔''

تشریح 2: ''بابنی تیم ''ابوبکر'' وبنی عدی ''عمر'' مدارانمائیدتاازموجھائے فتنہ وفساد ایمن باشید۔'' (ترجمہ جلد اول صفحہ 49)

فیض اسلام نے کیا کہا اردو میں ہم سے سنئے

1: ''ابوبکر وعمر کی مخالفت سے منحرف ہو کر دائرہ مخالفت سے باہر نکل آیئے اور اپنی ذاتی بزرگی اور فخر کے اور ہماری بزرگی اور فخر کے تاج سروں سے اُتار کر ابوبکر وعمر کے رُوبروز مین پر رکھ دیجئے۔''

2: ''پورے قبیلہ بنی تیم اور بنی عدی یعنی ابوبکر وعمر کی خوشامد اور چاپلوسی اختیار کر لو تاکہ فتنہ اور فساد کی موجوں کے تھپیڑوں سے محفوظ رہو۔ یہ خوشامد اور چاپلوسی ہی نجات کی وہ کشتیاں ہیں جن میں سوار ہو کر فتنوں کو چیر کر گزر جانے کا ذکر میرے پہلے جملے میں ہے۔''

یہ ہیں ہمارے علما کے امام علیؑ۔ (اِنّا لِلّٰہِ)

9۔ اعلانِ نبوت وخلافت کے بعد فتنہ پیدا ہوا' عہد مرتضویٰ تک' رفتہ رفتہ بحرِ مواج، بنتا چلا گیا

حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبہ نمبر 5 میں جس فتنہ کا ذکر فرمایا ہے وہ ایک مُتلاطم دریائے موّاج کی طرح تباہ کاریاں مچا رہا تھا۔ جس سے بچنے کے لئے حضوؐر نے پہلی بات یہ بتائی ہے کہ ''سفینہ ہائے نجات میں سوار ہو جاؤ'' ظاہر ہے کہ نجات کی کشتیاں فراہم کرنا اُنؑ کی اپنی ذمہ داری تھی۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ ''جن لوگوں نے حقیقی صاحبانؑ بزرگی اور فضیلت کے مقابلہ میں مادی عزت وفخر کے مصنوعی تاج پہن لئے ہیں اُن کے سروں سے تاج اُتار لو۔ یعنی اُن کی مادی عزت وجلال کو تباہ کر دو۔ تیسری ہدایت یہ کی کہ کامیابی اور فلاح کی صورت یہ ہے کہ پَر تول کر اُن لوگوں سے بلند ہو جاؤ اور اطاعت وسلامتی کی راہ اختیار کر لو۔'' (خطبہ 5 جملہ نمبر 1 تا 5) یعنی عجلت اور غلط کام نہ کرو۔

اِس کے بعد فتنہ ساز گروہ کی پوزیشن یہ بتائی کہ اُن لوگوں نے حقیقی مالکوں کی زمین غصب کر کے اُس میں کھیتی اور حرام خوری وبدبُو دار کمائی شروع کر رکھی ہے اور درختوں کے پھلوں کو قبل از وقت کچے ہی توڑ لیا ہے۔ اور یہ کھانا پینا اُن کے گلے میں پھنس کر رہ جائے گا۔ وہ نہ اُسے نِگل سکیں گے اور نہ ہضم کر سکیں گے بلکہ دوہرے نقصان میں رہیں گے۔ جب میں اُنہیں اُن کی اور اپنی پوزیشن بتا کر غاصب وغادر وخائن قرار دیتا ہوں تو وہ مجھے حکومت کا لالچی قرار دے کر خود حکومت پر قبضہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اور جب میں اُنہیں سنبھلنے اور سمجھنے کا موقع دیتا ہوں تو مجھے ڈرپوک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ میں نے اِس زیرِ بحث حکومت اور مملکت کو قائم کرنے میں موت اور خطرات کی کبھی پرواہ نہ کی ہے اور نہ کروں گا۔ مجھ سے زیادہ موت کسی اور کو پیاری ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ میرا روّیہ میرے اُس مکنون اور خُفیہ علم کے ماتحت ہے جس کی اُنہیں ہَوا بھی لگ جائے تو لرز لرز کر مر جائیں (خطبہ 5 جملہ نمبر 6 تا 13) یعنی میں اُسی علم وبصیرت سے اُنہیں تباہی تک لے جاؤں گا۔

(الف) فتنے کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی تھی؟ لکھا ہوا قرآن اور نورانی بنانے والا نورؑ ملنے کے بعد ابلیس کا کردار

آپؑ نے دوسرے خطبے میں مندرجہ بالا فتنے کی ابتدا یوں بیان کی تھی کہ:

محمدؐ اللہ کے بندے اور رسولؐ کی حیثیت سے جب مبعوث ہوئے اور مشہور و معروف دین لائے' اور آثار قدیمہ سے ثابت شدہ مخصوص نشان پیش کئے، لکھا ہوا قرآن اور جگمگا دینے والا نور لائے اور فیصلہ کن احکام و فیصلے سنائے جن سے تمام شکوک وشبہات مٹ گئے، دلائل سے اتمامِ حجت کر دیا، گناہوں کی سزائیں سنا کر لوگوں کو خائف کر دیا اور آیات ومعجزات سے برائیوں سے بچتے رہنے کا نظام جاری کر دیا (جملہ نمبر 18 تا 28) آنحضرتؐ کی اسی تعلیم وتبلیغ کے دوران: اِدھر لوگ فتنوں میں اس بُری طرح الجھے ہوئے اور مصروف تھے کہ دین کی رَسّی کے تمام ریشے بکھرے ہوئے تھے۔ اور دین پر یقین کی اور اعتماد کی تمام بنیادیں ڈگمگا رہی تھیں (جملہ نمبر 29 تا 30) وَ النَّاسُ فِیْ فِتَنٍ انْجَذَمَ فِیْهَا حَبْلُ الدین (جملہ نمبر 29) وَ تَزَعْزَعَتْ سَوَارِیْ الیَقِیْنِ (جملہ نمبر 30) تمام قوانین اور قواعد میں اختلاف رونما تھا، احکام میں جھگڑا اور تفرقہ پیدا ہو گیا تھا (جملہ نمبر 31 تا 32) ان حالات سے نکلنے کی راہیں تنگ و دشوار گزار تھیں۔ راہِ ہدایت نظر نہ آتی تھی (جملہ نمبر 33 تا 34) گمراہیاں اور اندھا پن ہر حال میں شامل تھا۔ رحمان کی نافرمانیاں عام تھیں (جملہ نمبر 35 تا 37) اور شیطان کے مذہب ومسلک کی نصرت کی جا رہی تھی اور ایمان کو بے چارہ کر کے چھوڑ دیا گیا تھا (وَ نُصِرَ الشَّیْطَانُ و خُذِلَ الْاِیْمَان (جملہ نمبر 38 تا 39) اُس کے ارکان وستون گر چکے تھے اس کے نشان تک اجنبی ہو کر رہ گئے تھے (جملہ نمبر 40 تا 41) اُس کی تمام راہیں مٹ گئی تھیں اور نشانِ راہ بھی ناپید ہو گئے تھے (جملہ نمبر 42 تا 43) اُنہوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کر کے اُس کے مسلک ومذہب پر عمل شروع کر دیا تھا (جملہ نمبر 44) (اَطَاعُوْا الشَّیْطَانَ فَسَلَكُوْا مَسَالِكَهٗ 2/44 خطبہ) اور اُس کے تیار کئے ہوئے چشموں پر سیرابی کے لئے آ چکے تھے۔ (قریش) کے وسیلے سے ابلیس کے طور طریقے جاری ہوئے اور اُن ہی کے ہاتھوں شیطان کے پرچم بلند ہوئے اور جگہ جگہ پر نصب ہوئے (جملہ نمبر 45 تا 47) وہ شیطان کے ہلکے پھلکے اور خوش گوار فتنوں میں پھنستے چلے گئے (جملہ نمبر 48) (فِیْ فِتَنٍ دَاسَتْهُمْ بِاَخْفَافِهَا 2/48 خطبہ) وہ فتنے اُنہیں اپنے کُھروں سے کچل رہے تھے اور اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوئے تھے۔ (جملہ نمبر 49 تا 50) اور (قریش) اُن فتنوں میں اُلجھے اور پھنسے ہوئے حیران و پریشان تھے مگر ناواقفیت کی بنا پر اُن ہی سے دیوانہ وار لپٹے ہوئے تھے۔ (جملہ نمبر 51) (فَهُمْ فِیْهَا تَائِهُوْنَ حَائِرُوْنَ جَاهِلُوْنَ مَفْتُوْنُوْن 2/51 خطبہ) آخر فرمایا کہ "یہ وہ سرزمین بنا دی گئی کہ جہاں اِس سرزمین کے عالم کے منہ میں لگام لگا دی گئی ہے اور اس سرزمین کا جاہل عزت و وقار کا حامل ہو گیا ہے۔ بِاَرْضٍ عَالِمُهَا مُلْجَمٌ وَ جَاهِلُهَا مُكْرَمٌ۔ (جملہ نمبر 55 تا 56)

(ب) فتنے اور دعویدارانِ عزت واکرام کو نوٹ کریں

قارئین کرام یہاں پہلی بات تو یہ نوٹ کر لیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے پانچویں خطبے میں اِسی فتنے کو اُسکی انتہائی اثر انگیزی کی صورت میں پیش کیا ہے جس کا ذکر دوسرے خطبے میں مع اُسکے کارناموں کے کیا تھا۔ دوسری چیز یہ نوٹ کریں کہ ہم نے فتنے کے مُوجد اور فتنے کو پھیلانے والے قریش کو قرار دیا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ابھی ابھی آنے والا ہے۔ تیسری بات یہ نوٹ کریں کہ پانچویں خطبے میں جن لوگوں کے سروں سے عزت وافتخار کے مصنوعی تاج اُتارنے کی بات ہے وہ لوگ اُسی جاہل کے گروپ کے لوگ ہیں۔ جو قریش کے نزدیک سب سے بڑا عالم ومجتہد وقانون دان تھا اور یہ جاہل وجاہل پرست لوگ جنکے مقابلے میں عزت کے دعویدار تھے وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں، خود اپنی ہی ذات کو آپ

نے لگام دیا ہوا عالم فرمایا ہے جو چپ ہوتا ہے تو ڈر پوک کہلاتا ہے (خطبہ 5 جملہ نمبر 10) اور جن لوگوں کو نجات کی دعوت دی ہے وہ پیروان علیؑ مرتضیٰ ہیں جو دشمنوں کو تباہ کریں گے۔

10۔ وحی کے ایک حکم کے نفاذ کو اپنے حق میں تبدیل کرانے کے لئے قریش نے خود رسولؐ کو فتنہ میں الجھا لیا تھا

قریشی لیڈروں کی فتنہ سامانیاں اور فساد انگیزیاں اگر تفصیل سے دیکھنا ہوں تو ہماری تفسیر تعبیر القرآن بہترین مقام ہے یہاں تو حضرت علی علیہ السلام کے ایک جملہ (خطبہ 5 جملہ نمبر 1) کی مختصر تشریح مطلوب ہے ورنہ قرآن سے قریشی فتنہ وفساد پر ایک ہزار صفحات لکھنے بھی کافی نہ ہوں گے۔ آپ خود اندازہ کیجئے کہ وہ قوم کتنی عظیم الشان سوجھ بوجھ اور سیاسی و مذہبی بصیرت کی حامل ہوگی جو اللہ کے رسولؐ کو فتنے میں اس گہرائی کے ساتھ اُلجھا کر اپنا ہمنوا بنانے میں اس حد تک کامیاب ہو جائے کہ اگر اللہ دخل اندازی کر کے رسولؐ کو قریشی فتنے سے بچا نہ لیتا تو رسولؐ وحی کے حکم کے خلاف قریشی اجتہاد و مصلحت کو اختیار کر لیتا اور سمجھتا یہ رہتا کہ وہ عین حکم خداوندی کے مطابق عمل کر رہا ہے؟ قریشی لیڈروں کی یہی وہ فراست و اجتہادی قوت تھی جس نے بعد رسولؐ قرآن کے ہر حکم اور ہر مسئلے کو اس حُسن وخوبصورتی سے کفر میں تبدیل کیا کہ آج تک مسلمانوں کی کثرت اُن کو اللہ اور قرآن کے احکام و مسائل سمجھ رہے ہیں۔ ہم اس بصیرت و تدبر کو آپ کے سامنے خود اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں تا کہ آپ بھی قریشی دانشوروں کو داد دے سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ حضرت علیؑ ایسا شخص بھی قریش کے نظام فتنہ وفساد کو ایک ہمہ گیر، متلاطم، بحرِ ذخّار کہتا ہے، اور اُس سے پار نکل جانا اُس وقت تک ممکن نہیں مانتا جب تک لوگوں کو نجات کی ضامن کشتیاں نہ دے دی جائیں اور لوگ بلند پروازی و اطاعت شعاری کو اپنا وطیرہ نہ بنالیں۔ سنئے اللہ فرماتا ہے کہ:

اوّل۔ قیامت میں ہر اُمت کو اُن کے امامؑ کی ماتحتی میں بلائے جانے کی بات کے بعد قریش کا حال بیان کیا گیا ہے

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا O وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا O وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا O وَ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا O اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًاO وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًاO سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًاO (17/71-77 بنی اسرائیل)

مودودی ترجمہ برداشت کیجئے: ''پھر خیال کرو اُس دن کا جب کہ ہم ہر انسانی گروہ کو اُس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔ اُس وقت جن لوگوں کو اُن کا نامہ اعمال (لفظ کتاب ہے۔ احسنؔ) سیدھے ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنا کارنامہ پڑھیں گے۔ اور اُن پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ اور جو اِس دنیا میں اندھا بن کر رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ بلکہ راستہ پانے میں اندھے سے بھی زیادہ ناکام۔ اے محمدؐ ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اُس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے۔ تا کہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست (خلیل۔ احسنؔ) بنا لیتے۔ اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے (ثابت قدم نہ رکھتے۔ احسنؔ) تو تم اُن کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی (لفظ حیٰوۃ ہے۔ احسنؔ) دوہرے عذاب کا

مزا چکھاتے (لفظ عذاب خود لکھا ہے۔احسن) اور آخرت میں بھی (لفظ مَمات ہے۔احسن) دوہرے عذاب کا (لفظ عذاب پھر بڑھایا۔احسن) پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے اور یہ لوگ اس بات پر بھی تلے رہے ہیں کہ تمہارے قدم اس سرزمین سے (لفظ سَر کا اضافہ کیا ہے۔احسن) اکھاڑ دیں اور تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں۔لیکن اگر یہ ایسا کریں گے تو تمہارے بعد یہ خود یہاں کچھ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں گے۔یہ ہمارا مستقل طریق کار ہے جو اُن سب رسولوںؑ کے معاملے میں ہم نے برتا ہے جنہیں تم سے پہلے ہم نے بھیجا تھا، اور ہمارے طریق کار میں تم کوئی تغیر نہ پاؤ گے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 631 تا 634)

دوم۔قرآن نے دوسرے خطبے کی تصدیق میں قریش کو فتنہ ساز فرمادیا ہے۔رسولؐ کو قریش کے فتنے سے اللہ نے محفوظ رکھا

اس ترجمہ میں مودودی کے فتنے پر بعد میں نظر ڈالیں گے فی الحال ترجمہ کو صحیح مان کر علامہ کی تشریحات بھی سن لیں۔ارشاد ہے کہ:

''87۔ یہ اُن حالات کی طرف اشارہ ہے جو پچھلے دس بارہ سال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے میں پیش آ رہے تھے۔ کفارِ مکہ اس بات کے درپے تھے کہ جس طرح بھی ہو آپ کو توحید کی اُس دعوت سے ہٹا دیں جسے آپ پیش کر رہے تھے۔اور کسی نہ کسی طرح آپ کو مجبور کر دیں کہ آپ اُن کے شرک اور رسوم جاہلیت سے کچھ نہ کچھ مصالحت کرلیں۔اِس غرض کے لئے اُنہوں نے آپ کو فتنے میں ڈالنے کی ہر کوشش کی فریب بھی دیئے، لالچ بھی دلائے، دھمکیاں بھی دیں، جھوٹے پروپیگنڈے کا طوفان بھی اُٹھایا، ظلم وستم بھی کیا، معاشی دباؤ بھی ڈالا، معاشرتی مقاطعہ بھی کیا۔اور وہ سب کچھ کر ڈالا جو کسی انسان کے عزم کو شکست دینے کے لئے کیا جاسکتا تھا۔''

(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 632-633) اور:

2۔''88۔ اللہ تعالیٰ اس ساری رُوداد پر تبصرہ کرتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرماتا ہے۔ایک یہ کہ اگر تم حق کو حق جان لینے کے بعد باطل سے کوئی سمجھوتہ کر لیتے تو یہ بگڑی ہوئی قوم تو ضرور تم سے خوش ہو جاتی، مگر خدا کا غضب تم پر بھڑک اُٹھتا اور تمہیں دُنیا و آخرت' دونوں میں دوھری سزا دی جاتی۔دوسرے یہ کہ انسان خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو، خود اپنے بل بُوتے پر باطل کے اِن طوفانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جب تک اللہ کی مدد اور اُسکی توفیق شامل حال نہ ہو۔یہ سراسر اللہ کا بخشا ہوا صبر و ثبات تھا جس کی بدولت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق وصداقت کے موقف پر پہاڑ کی طرح جمے رہے اور کوئی سیلاب بلا آپؐ کو بال برابر بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکا۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 633)

سوم۔مندرجہ بالا آیات پر اور مودودی کے ترجمہ اور تشریح پر سرسری نظر میں بھی حضرت علیؑ کے خطبہ نمبر 5 کی تصدیق ہوگئی

حضرت علی علیہ السلام نے قریش کو فتنہ پرور فرمایا تو قرآن نے اُس کی تفصیل یہ بیان کی کہ وہ لوگ رسولؐ اللہ کو دھوکے پر دھوکا دیتے رہے تا کہ وحی کے کسی حکم کے خلاف، غیر محسوس طریقوں سے، رسولؐ کو اپنا ہمنوا بنالیں اور وحی کے اُس نامعلوم حکم کا منشا اور مقصد اپنی قومی پالیسی کے مطابق بیان کرنے میں رسولؐ کی سند حاصل کرلیں۔اِس کوشش کو اللہ نے کامیابی کے کنارے پہنچتے دیکھا تو قریش کے مکر وفریب اور فتنے کا راز قرآن میں کھول دیا تا کہ بات آگے نہ بڑھے اور قریش اس حکم کی تاویل پر رسولؐ کی سند حاصل نہ کرسکیں۔

اس کی تشریح میں مودودی نے جہاں قریش کو فتنہ ساز مان لیا وہیں یہ بھی لکھ دیا کہ قریش نے اس فتنہ کو روز اول سے بارہ سال تک برابر جاری رکھا۔ اس سے حضرت علی علیہ السلام کے دوسرے خطبے کے وہ جملے (جملہ نمبر 29 تا 56) ثابت ہوگئے، جنہیں ہم نے ذرا دیر پہلے بطور تمہید لکھا ہے اور جن میں مختصراً، قریش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روّیے اور عملدرآمد میں یہ بتایا کہ اِدھر رسولؐ اللہ تبلیغ اسلام کررہے تھے، قرآن اور نور مجسمؐ کو

پیش کر رہے تھے، احکام و فیصلے صادر فرما رہے تھے اور اُدھر قریشی لیڈر اسلام کو تبدیل کرنے، حقائق کو چھپانے اور تاویلات سے بدلنے کا کاروبار کر رہے تھے۔ اور گویا اس طرح بقول مودودی مکے کے بارہ سال گزر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح رسوؐل نے مدینہ آکر اپنے پروگرام کو تکمیل کی طرف بڑھایا اسی طرح قریش نے اپنی بارہ سالہ محنت کو اُس کی تکمیل تک بڑھایا تھا جو حکومت پر قبضہ کی صورت میں بار آور ہوئی اور حکومت مل جانے کے بعد وہی فتنہ ٹھاٹھیں مارنے لگا جسے حضرت علی علیہ السلام نے موجزن دریا کی صورت میں بیان فرمایا (خطبہ 5 جملہ نمبر 1) اور علامہ نے اُسے مکہ ہی کے دور میں سیلاب بلا اور طوفانوں کا حملہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو فتنہ دس سال پہلے مودودی کے نزدیک سیلاب بِلا تھا۔ وہ مزید دس سال بعد ترقی کر کے ایسا متلاطم دریائے مؤاج بن جانا چاہیئے کہ جس سے بچنا اور گزرنا اُس وقت تک ناممکن ہو جب تک نجات دہندہ کشتیاں فراہم نہ کر دی جائیں۔ یہ ہے حضوؐر کے خطبے (خطبہ 5 جملہ نمبر 1) کا تصدیق شدہ مفہوم نہ کہ مترجمین والی بکواس۔

چہارم۔ اللہ فاسقوں اور فاجروں سے دین کی تائید کراتا رہا ہے۔ مودودی کی غلطی ایک حقیقت پر توجہ کا باعث بن گئی

مودودی صاحب نے زیرِ بحث آیات (77 تا 17/71) کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنا وہ عقیدہ ذہن میں رکھا جسے اُن کے مذہب کے علما اپنی قوم کو رَٹاتے، پڑھاتے اور کتابوں میں لکھتے اور منبروں سے سناتے چلے آرہے ہیں۔ یعنی رسوؐل اللہ (معاذ اللہ) اُن ہی جیسے ایک انسان تھے فرق یہ تھا کہ اُن کو اللہ نے وحی بھیجنے کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ یعنی نبی بنا دیا تھا۔ مگر وحی کے سمجھنے اور اُسے عملی صورت دینے میں اُن سے غلطی کا امکان ہی نہ تھا بلکہ اُن سے اس سلسلے میں غلطیاں ہوتی بھی رہتی تھیں۔ اسی عقیدہ کی بنا پر قریش نے چاہا تھا کہ آیات (77 تا 17/71) میں مذکور وحی کے حکم کی تاویل اپنی قومی مصلحت کے ماتحت کرا لیں اور اسی عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے مودودی نے آیت (17/75) دو جملوں ''ضِعۡفَ الۡحَیٰوۃِ'' اور ''ضِعۡفَ الۡمَمَاتِ'' کا ترجمہ 1: دُنیا میں بھی دوھرے عذاب کا'' 2: اور ''آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا'' کر لیا ہے۔ اس ترجمہ کو صحیح مان لیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ اُن آیات (75 تا 17/73) کا منشا یہ ہو گیا کہ اگر رسوؐل اللہ قریش کی منشا کے مطابق اُن کے فتنے میں اُلجھ کر اللہ کے وحی والے حکم کی تاویل کر لیتے تو (معاذ اللہ) رسوؐل کو اس دنیا اور آخرت میں دوھرا عذاب دیا جائے گا۔ مودودی نے بلا تکلف اس آیت (17/75) کا یہی ترجمہ کیا ہے اور اپنی دوسری تشریح میں یہ بتایا ہے کہ خواہ پیغمبر ہو یا کوئی اور آدمی ہو وہ غلطی سے بچنے اور غلطی کرنے میں اللہ کی توفیق کے محتاج اور برابر ہوتے ہیں اللہ چاہے تو غلطی کرنے دے نہ چاہے تو غلطی سے بچالے۔ بہر حال علامہ کے اس عقیدے اور اس ترجمہ نے ہر قاری کو یہ بتا دیا کہ قریش وحی کے جس حکم کو اپنے حق میں تبدیل کرانا چاہتے تھے وہ حکم ایسا اہم اور دین اسلام کی ایسی صورت تھی کہ جس کے بدل جانے اور قریش کی منشا اور پالیسی کے مطابق ہو جانے سے پورا اسلام، پورا قرآن اور تمام انبیؑا اور تمام سابقہ کتابوں کی تعلیمات کا ستیاناس ہو جاتا لہٰذا آنحضرؐت کی نبوت و رسالت ضائع ہو جاتی اور آپؐ کو عام جہنمیوں سے زیادہ بلکہ دوہرا عذاب دیا جاتا۔ وہ حکم کیا تھا؟ وہ وحی کیا تھی؟ یہ باتیں یہاں کرنے کی نہیں۔ انتظار فرمائیں یا خود سمجھ لیں۔ فی الحال یہ سنیں کہ مذکورہ آیت (17/75) کا مودودی ترجمہ بالکل غلط اور فریب ہے اور کمال یہ ہے کہ تمام شیعہ، سُنّی علمانے یہی ترجمہ کیا ہے۔ یعنی: نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ تو۔ چہ باید کرد؟

پنجم۔ مودودی نے آنحضرؐت کو ابوبکر و عمر کے برابر لانے اور قابلِ عذاب بنانے کے لئے آیت میں تین الفاظ بڑھا دیئے

قارئین اُس آیت کو تحقیق کے لئے دوبارہ سامنے رکھیئے اور مودودی کے ترجمہ اور آیت کے الفاظ کا تعلق دیکھئے۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ:

اِذًا لَّاَذَقۡنٰکَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوۃِ وَ ضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا O

مودودی ترجمہ: ''ہم تمہیں دُنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزا چکھاتے اور آخرت میں بھی دوھرے عذاب کا، پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔'' (تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 633)

ہم ہر پڑھنے والے سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس آیت کے تمام الفاظ کو باری باری ایک ایک کر کے پڑھیں اور سوچیں کہ اس میں نہ تو کہیں لفظِ ''دُنیا'' موجود ہے نہ ''آخرۃ'' آیا ہے اور نہ کہیں لفظ ''عذاب'' ہی ہے۔ اور یہ تینوں الفاظ نہ صرف یہ کہ عربی زبان کے الفاظ ہیں بلکہ یہ تینوں الفاظ قرآن میں بار بار استعمال بھی ہوئے ہیں۔ اب یہ سوال ہے کہ مودودی اینڈ کمپنی (یعنی شیعہ اور سُنی علما) نے ''دُنیا میں عذاب اور'' آخرت میں عذاب'' کہاں سے اور کیوں لکھا ہے؟

پھر یہ یقین فرمالیں کہ آپ کو قرآن کریم میں، یہاں سے وہاں تک کہیں بھی نہ لفظِ حیات (حیٰوۃ) کے معنی دُنیا ملیں گے اور نہ کہیں اَلْـمَـمَات کا لفظ آخرت (آخِـرَۃ) کے معنی میں نظر آئے گا۔ لہٰذا پھر سوچئے کہ مودودی صاحب نے الفاظ ''دُنیا میں'' اور ''آخرت میں'' کہاں سے منگائے ہیں؟ اور ان دونوں مقامات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے قابل عذاب قرار دیا گیا؟ یہ صحیح ہے کہ اس آیت (17/75) میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ: ''ہم تجھے مزا چکھاتے'' (لَاَذَقْنٰکَ) مگر اس سے یہ کیوں سمجھا جائے کہ: ہم تجھے عذاب کا مزا چکھاتے؟ جب کہ آیت میں لفظ عذاب ہے ہی نہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن میں ''چکھانے'' کا لفظ صرف ''بُری چیزیں'' ہی چکھانے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ ''رحمت چکھانے'' اور ''نعمتیں چکھانے'' کے لئے بھی ہوتا ہے دیکھئے اور خود مودودی ہی کا ترجمہ پڑھیئے:

(1) وَ اِذَا اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً (یونس 10/21) ''جب ہم اُن کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 277)

(2) وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَاءَ (ھود 11/10) ''ہم اُسے نعمت کا مزا چکھاتے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 326)

لہٰذا مودودی کیلئے ضروری نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ''عذاب'' ہی تجویز کریں۔ پھر یہ بھی صحیح ہے کہ اس آیت میں لفظ'' ضِـــعْفَ ''موجود ہے۔ جس کے معنی واقعی ''دوہرے'' یا ''دوگنا'' ہوتے ہیں۔ لہٰذا مودودی نے اس کے معنی صحیح کئے ہیں۔ اس کے بعد آیت میں صرف دو الفاظ ''حیٰوۃ اور ممات'' رہ جاتے ہیں اور اُن سے بھی نہ عذاب کے معنی نکلتے ہیں نہ دنیا و آخرت کے۔ اور یہ دونوں الفاظ ہر اُردو لکھا پڑھا آدمی جانتا اور بولتا ہے اور وہ سب حیات کے معنی زندگی یا جینا اور ممات سے موت یا مرنا سمجھتے ہیں۔ اور خود مودودی بھی یہی معنی کرتے ہیں سنئے:

(1) يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (فجر 89/24)

''وہ کہے گا کہ اے کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا۔'' (تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 332)

(2) قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (انعام 6/162)

''کہو میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 605)

معلوم ہو گیا کہ مودودی بھی لفظ حیاۃ کے معنی جینا یا زندگی اور ممات کے معنی مرنا ہی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا پھر سوچئے کہ مودودی صاحب ''دنیا میں عذاب'' اور ''آخرت میں عذاب'' کیوں اور کہاں سے لے آئے ہیں؟ اس سوال کا جواب بھی ہمارے ذمہ ہے۔ مگر پہلے یہ ضروری ہے کہ زیر بحث اس آیت کے حقیقی معنی کر لئے جائیں اور لفظ بلفظ دیکھا جائے کہ اللہ نے کیا فرمایا ہے؟

ششم۔ مودودی نے آنحضرتؐ کو ثلاثہ اینڈ کمپنی کے برابر رکھنے کے لئے آیت میں تین الفاظ کا خود ہی اضافہ کرلیا

سنئے اور پہلے مودودی کو دوبارہ دیکھئے! اِذًا لَّاَذَقۡنٰکَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوۃِ وَ ضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًاO (17/75)

مودودی ''ہم تمہیں دُنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزا چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا۔ پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 633)

آیت (17/75) کے الفاظ کے ساتھ وہ معنی جو الفاظ سے نکلتے ہیں

(1) اِذًا ''ساتھ کے ساتھ، اُسی وقت''

(2) لَّاَذَقۡنٰکَ ''چکھاتے ہم تجھ کو''

(3) ضِعۡفَ الۡحَیٰوۃِ ''دوہرا زندگی کا۔ یا دوہری زندگی یا دوہرا جینا''

(4) وَ ضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ''دوہری موت کا۔ یا دوہری موت یا دوہرا مرنا''

(5) ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا ''پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے'' (ہمارا لفظی ترجمہ)

آیات کا رَواں دَواں مطلب یہ ہوا کہ: ''اگر تم نے ذرّہ برابر بھی قریش کی پالیسی اختیار کرلی ہوتی تو (17/74)
''ہم تمہیں دوہری زندگی کا اور دوہری موت کا مزا چکھاتے'' ''اور ہمیں تمہارا کوئی مددگار ایسا کرنے سے روک نہ سکتا''

ہفتم۔ ایک سُنّی عالم کا ترجمہ دیکھیں جو مودودی کی طرح محمدؐ کا دشمن نہیں ہے بلکہ ازسرِنو درود و سلام کا موجد ہے

قارئین جانتے ہیں کہ پاکستان میں کچھ مسجدوں میں خاص طور پر جمعہ کی نماز کے بعد اور ہر وعظ و تقریر کے بعد آنحضرتؐ پر بآواز بلند اُن کو زندوں کی طرح مخاطب کرکے درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ ایسی مساجد والوں کو بریلوی فرقے کے لوگ کہتے ہیں۔ اُن کے خلاف وہابی فرقے کے لوگ، جن کی مساجد کا نام عموماً مسجدِ توحید ہوتا ہے، ایسے درود و سلام کو بدعت اور گناہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کے نزدیک آنحضرتؐ مرنے کے بعد نہ کچھ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں یعنی سچ مچ مرکر سڑ گل گئے۔ یہ لوگ مودودی کے مذہب کے لوگ ہیں۔ جن کے مقابلے میں جناب محمد احمد رضا خانصاحب بریلوی نے درود و سلام کا محاذ بنایا تھا اور جس نے وہابیوں کو بہت تنگ پکڑا تھا اُن کا ترجمہ دیکھیں:

''اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دُونی عمر اور دو چند موت کا مزا دیتے پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پاتے'' (اُن کا مترجمہ قرآن صفحہ 420)

گو علامہ رضا صاحب بھی سُنّی ہونے کی وجہ سے، اس آیت (17/75) کا حقیقی مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے۔ مگر پھر بھی وہ اُس فتنے سے کچھ الگ رہ سکے ہیں جو عہد مرتضویؑ میں دین کو بدلنے میں اپنی انتہائی ہمہ گیری کے ساتھ متلاطم اور موجزن تھا (خطبہ 5 جملہ 1) جس نے قرآن کے ہر حکم اور فیصلے کو ایک طاغوتی یا قریشی صورت میں بدل دیا تھا۔ اور جس سے بچانے اور صحیح راہ دکھانے کے لئے حضرت علی علیہ السلام ایک سنگِ میل اور نشانِ راہ کی طرح تمام قریشی لیڈروں اور راہنماؤں سے الگ کھڑے (خطبہ 4 جملے 11 و 19-20) ہدایت فرمارہے تھے اور مطیع و فرمانبردار مومنین کو نجات کی کشتیاں اور پرواز کیلئے بال و پر عطا کررہے تھے (خطبہ 5 جملے 1-2) اور لوگوں کو صبر سے مسلح ہونے کی وہ تعلیم دے رہے تھے (خطبہ 3 جملے 7-8 و 12-13) جس سے ایک دن قریشی حکومت کا نام و نشان تک مٹ جائے۔

یہاں تک مودودی اینڈ کمپنی (یعنی نام نہاد شیعہ وسنی علما) کی محمدؐ وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی ثابت ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ وہ پالیسی جس کے ماتحت قریش آنحضرتؐ کواُس خاص وحی کے خلاف لے جانا چاہتے تھے وہ یہی تھی کہ آیات قرآن میں معنوی تبدیلی کرالی جائے اور اُس وحی کا نفاذ قریش کے حق میں اور اللہ کی منشا کے خلاف ہوجائے (75 تا 17/71) اور جس کی وجہ سے خود رسوؐل اللہ کو بھی ایک دوہری زندگی اور دوہری موت پیش آجائے۔

ہشتم۔ قریش کی پالیسی کا تقاضا دوہری زندگی اور دوہری موت تھا۔ یعنی دودفعہ مرنے کے بعد دومرتبہ زندہ کیا جانا

زیر بحث آیت کا حقیقی منشاومعنی سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھ لیں کہ عام حالات میں انسانوں کو اس دنیا میں ایک موت اور پھر ایک زندگی سے سابقہ پڑے گا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لوگ پیدا ہوتے اور مرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ اُن کی پہلی موت ہوتی ہے۔ پھر قیامت قائم ہونے پر ایک صور کی آواز سے اُن تمام انسانوں کو موت آجائے گی جو اُس وقت زندہ ہوں گے یوں وہ بھی اپنی ایک موت یا پہلی موت سے دوچار ہوجائیں گے۔ پھر قیامت کے لئے یعنی آخری حساب اور دائمی فیصلے کے لئے کھڑا ہونے کے لئے ایک اور صور کی آواز پر حضرت آدمؑ سے روز قیامت تک مرنے والے تمام انسان زندہ کردیئے جائیں گے۔ یہ اُن کی مرنے کے بعد پہلی زندگی ہوگی۔ اس عام صورت کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو یہاں رہتے ہوئے دودفعہ مرنا پڑے گا اور دودفعہ مرجانے کے بعد دومرتبہ زندہ کیا جانا طے کیا ہوا ہے۔ اور قریش اُن لوگوں میں شامل ہیں۔ دوسری وجوہات کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی وجہ وہی ہے جو آیت (17/75) میں مذکور ہوئی ہے۔ یعنی رسوؐل اللہ اور اللہ کے خلاف ایک مستقل پالیسی بناکر اُس پر سو فیصد عمل کرنا اور خود رسوؐل اللہ کو بھی اُس فتنے میں مبتلا کرنے کی کوشش کرنا تاکہ وہ اللہ کی اُس خاص وحی اور حکم کو قریشی پالیسی کے مطابق مان لیں۔ اس لئے اگر رسوؐل اللہ ذرہ برابر بھی قریش کی پالیسی کی تائید کرلیتے تو اُن کو بھی قریش کے راہنماؤں اور ہمنواؤں میں شامل کرکے دوہری زندگی اور دوہری موت سے سابقہ پڑتا۔ (17/75)

نہم۔ دودفعہ مرنے کے بعد دومرتبہ زندہ کئے جانے والے لوگوں کا بیان اور دوہری زندگی اور دوہری موت کا سبب سنئے:

اللہ نے فرمایا ہے کہ: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَO قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍO (مومن 11-40/10)

ہماراترجمہ: ''جن لوگوں نے حقیقت حال کو چھپایا تھا اُن کو پکار کر یہ بتایا جائے گا کہ جتنا تم آج خود کو قابل نفرت سمجھ رہے ہو اِس سے کہیں زیادہ اور بڑی نفرت تم سے اللہ کو اُس وقت ہوتی تھی جب تمہیں رسوؐل ایمان مجسم (یا کُلِّ ایمان) کو قبول کرنے کی دعوت دیتا تھا اور تم اُس کُلِّ ایمان کی حقیقت کو خود ساختہ معنی میں تبدیل کرکے چھپاتے تھے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار اب تو تُو نے ہمیں دومرتبہ مار کر دومرتبہ زندہ کرلیا ہے اور ہم عملاً اپنے گناہوں کا اعتراف بھی کرچکے ہیں۔ اب یہ بتادے کہ کیا ہمیں مزید سزاؤں سے بچ جانے کا کوئی طریقہ ہے؟''

(1) ہمارے ترجمہ کی سند قرآن کے الفاظ اور مودودی کی تصدیق رہتی ہے:

لفظ ''الایمان'' کے معنی ''پورا ایمان یا جنس ایمان'' ہیں۔ اور لفظ ''کفر'' کے معنی ''کسی حقیقت کو چھپانا ہیں۔'' مودودی سے سنیئے:

(2) الف لام۔ آجانے سے لفظ ''دین'' کے معنی سارادین یا جنسِ دین ہوجاتے ہیں۔ مودودی:

''متن میں ''اَلدِّيْن'' کا لفظ استعمال ہوا ہے (توبہ 9/33) جس کا ترجمہ ہم نے ''جنس دین'' کیا ہے۔ دین کا لفظ، جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر

چکے ہیں، عربی زبان میں اُس نظام زندگی یا طریق زندگی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کے قائم کرنیوالے کو سَنَد اور مُطاع تسلیم کرکے اُس کا اتباع کیا جائے۔ پس بعثتِ رسوؐل کی غرض اس آیت (9/33) میں یہ بتائی گئی ہے کہ ''جس ہدایت اور دینِ حق کو وہؐ خدا کی طرف سے لایا ہے۔ اُسے دین کی نوعیت رکھنے والے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 190) اور سنئے:

(3) سارے قرآن میں ہزاروں مرتبہ مودودی صاحب قبلہ نے لفظ ''الکفر'' اور کفر کے حقیقی معنی چھپائے اور کفر کیا

''161۔ ''کفر'' کے اصلی معنی ''چھپانے کے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129)

قارئین تفہیم القرآن کی چھ جلدیں پڑھ جائیں تو معلوم ہوگا کہ مودودی نے ہزاروں مواقع پر حقیقی یا اصلی معنی کو چھپایا ہے اور اس مندرجہ بالا حاشیہ (نمبر 161) کے علاوہ کہیں بھی کفر کے معنی چھپانا نہیں کئے ہیں۔ اور ہم نے اپنی تفسیر میں کہیں بھی کفر کے معنی انکار نہیں کئے، اس لئے کہ لفظ ''انکار و منکر نہ صرف یہ کہ خود عربی زبان کا لفظ ہے بلکہ قرآن میں استعمال بھی ہوا ہے اور اللہ کو معلوم بھی تھا۔ اور اللہ ہر جگہ موزوں ترین اور حقیقی الفاظ نازل کرتا رہا ہے۔ اور خود مودودی اپنی دیانت داری اور بے لاگ صحیح ترجمہ کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لئے معنوی ردوبدل کرنے والوں پر یہ کہہ کر ناراض ہوتے رہے ہیں کہ:

(4) خود را فضیحت و دِگراں را نصیحت' مودودی اعلیٰ درجے کے فریب ساز ہیں: ''وہ دراصل ثابت یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اظہارِ مافی الضمیر اور بیانِ مدعا کی اُتنی قدرت بھی نہیں رکھتا جتنی خود یہ حضرات رکھتے ہیں (معاذ اللہ)'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 252)

پانچ صفحات کے بعد پھر لکھا ہے کہ: ''وہ دراصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ میاں کو صاف سلجھی ہوئی عبارت میں اپنا مطلب ظاہر کرنے تک کا سلیقہ نہیں ہے۔ اِعَاذَنَا اللّٰہ مِنْ ذٰلِکَ' (ایضاً صفحہ 258)

کوئی اس خبیث علامہ سے دریافت کرتا کہ تُو کیوں الفاظ کے وہ معنی بدل بدل کر لکھتا ہے جن کے لئے الفاظ نازل ہی نہیں کئے۔ کیوں تو اپنی طرف سے ''دُنیا میں بھی دوہرا عذاب اور آخرت میں بھی دوہرا عذاب'' لکھتا ہے جب کہ یہ تینوں الفاظ موجود ہی نہیں ہیں۔ خدا اُس پر اور اُس کے ہم مسلک لوگوں پر لعنت کرے۔

بات واضح ہوگئی۔ کہ وہ لوگ جن کو دودو دفعہ مرنے کے بعد دودو مرتبہ زندہ کرنے کا ذکر ہوا ہے (40/10-11) وہ کُلِ ایمان یا ایمانِ مجسم یعنی حضرت علی علیہ السلام کی پوزیشن کو چھپاتے تھے۔ اور رسوؐل کو تاکید تھی کہ وہ ہرگز قریش کے سامنے کسی حیثیت سے اُن کی منشا کی تائید نہ کریں۔ چنانچہ قریش نے ہزاروں روایات گھڑوائیں، ہزاروں افسانے ایجاد کر کے پھیلائے لیکن ایک روایت اور ایک قصہ ایسا نہ لکھ سکے جس میں ثلاثہ اینڈ کمپنی کو اپنا نائب و جانشین وخلیفہ کہنا ثابت ہوتا۔ اُن ملاعین نے کھل کر مانا کہ رسوؐل اللہ نے اپنے بعد اُن میں سے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ اس کے برعکس اُن کے ریکارڈ کے اندر حضرت علی علیہ السلام کا مقام خلافت و امامت ہزاروں الفاظ میں لکھا ہوا موجود ہے۔

دھم۔ حضرت علیؑ کا کُلِّ ایمان اور خلیفۃ اللّٰہ وخلیفۃ الرسوؐل بلا فصل روزِ ازل سے مقرر ہونا

یہاں مختصراً چند نمونے ملاحظہ ہوں:

(1) قال فضل اللّٰہ بن روزبھان فی کشف الغمہ روی الجمھور اِنَّ عَلِیًّا لَمَّا بَرَزَ اِلٰی عمر بن عبدود قال النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم بَرَزَ الْاِیْمَانَ کُلّہ اِلَی الکفر کلہ۔

''فضل اللہ بن روزبہان کشف الغمہ میں ناقل ہیں کہ جمہور اہل سیئر روایت کرتے ہیں کہ جب جناب علیؑ عمر بن عبدود کے مقابلے کے لئے نکلے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کے لئے نکلا ہے۔''

(2) علیؑ کا ایمان ساری کائنات اور کائناتی مخلوقات سے وزن اور قیمت میں زیادہ ہے

عَنْ ابی القاسم الزمخشری عن رجاله قال: جآءَ رَجُلَان اِلٰی عمر بن الخطاب فقال ما تری فی طلاق الامۃ؟ فقام اِلٰی خلقہ فیھا اصلعٌ فقال ما تری فی طلاق الامۃ؟ فقال لہ احدھما جئناکَ و انت امیرالمومنین فَسَالْنَاکَ عن طلاق الامۃ مَجِیْئَتَ اِلٰی رَجُلٍ فَسَاَلْتَہٗ؟ فقال عمر وَیْلَکَ اَ تَدْرِیْ مَنْ ھٰذَا؟ ھٰذَا علی بن ابیطالب اَشْھَدُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم سَمِعْتُہٗ وَ ھُوَ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ السَّمَاوَاتَ السبعِ وَ الْاَرضِیْنَ السَّبْعِ وَضَعَت فی کفۃ وَ وَضَعَ اِیْمَانَ علیٍّ فی کفۃ لرجح ایمان علیٍّ۔

''ابوالقاسم محمود الزمخشری اپنے رجال سے روایت کرتے ہیں کہ دو شخص عمر کے پاس آئے اور اُن سے کنیز کو طلاق دینے کا مسئلہ معلوم کیا۔ عمر بن خطاب اُٹھے اور اُن لوگوں میں آئے جن میں (اصلعؑ) علیؑ بن ابیطالب موجود تھے اور اُن سے کنیز کے طلاق پر سوال کیا۔ دونوں سائلوں میں سے ایک نے اعتراض کیا کہ ہم تو تم سے کنیز کے طلاق کا مسئلہ پوچھنے آئے تھے اور تم امیرالمومنین ہو کر اس شخص سے دریافت کرنے کو آ گئے؟ عمر نے کہا تجھ پر افسوس ہے ارے کیا تو جانتا بھی ہے کہ یہ شخص کون ہے؟ یہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ اگر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو ترازو کے ایک پلے (پلڑے PANE) میں رکھا جائے اور دوسرے میں علیؑ کا ایمان، تو حضرت علیؑ کا ایمان بھاری نکلے گا۔'' (زمخشری، دیلمی۔خوارزمی)

(3) حضرت علیؑ پرچم ہدایت اور منارۂ ایمان ہیں

عَنْ اَنَس رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لِاَبِی بَرْزَۃَ یا اَبَابَرْزَہ اِنَّ اللّٰہ عزّ وجل عَھَدَ اِلَیَّ فِیْ عَلِیٍّ اِنَّہٗ رَایَتُ الْھُدٰی وَ مَنَارُالْاِیْمَان۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

''انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو برزہ سے فرمایا کہ اے ابو برزہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ علیؑ ہدایت کے پرچم اور ایمان کے مینار ہیں۔''

(4) قبل تخلیق کائنات جس طرح اللہ لامحدود قدرت و اختیار کے ساتھ حکمران تھا علیؑ و محمدؐ بھی اُس کی مخلوق و حکمران تھے

قارئین نے اس حدیث میں بھی حضرت علی علیہ السلام کے لئے لفظ ''اَلْاِیْمَان'' اور ''اَلْھُدٰی'' ملاحظہ کئے جن سے حضورؐ کا ''کُلِ ایمان'' یا ''جنسِ ایمان'' اور ''مکمل ہدایت'' یا ''جنسِ ہدایت'' ہونا ثابت ہوا۔ اور اس سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ کائنات میں جس کسی کو ہدایت ملی وہ اور جس کو ایمان ملا وہ اُن ہی سے ملا اور ملتا ہے اور ملتا رہے گا (بِنَا اھْتَدَیْتُمْ فِی الظَّلْمَآءِ وَ تَسَنَّمْتُمُ الْعَلْیَآءِ) (خطبہ 4 جملے 1-2) اور یہ کہ آیت (مومن 40/10) میں جس کُلِ ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور جن دعوت کے معنی بدلنے والوں کو دو مرتبہ مرنے کے بعد دو دفعہ زندہ کیا جائے گا وہ زندہ کرنے والے حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعد یہ حدیث پڑھیں اور روزِ ازل سے مقام مرتضویؑ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہے کہ:

عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ قبل اَن یخلق اللّٰہ

آدمَ بِاَربعة الأف عام فَلَمَّا خلقَ اللّٰه الُخَلُقَ رَكَبَ ذٰلِكَ النُّوُرَ فِي صُلُبِهٖ فَلَمُ يزل فِيُ شَيُءٍ وَاحِدٍ حَتى اِفُتَرَقَا فِيُ صلب عبدالمطلب فَفِي النبوة و فى عَلّي الخلافة (اخرجہ الدیلمی وغیرہ)

''ابوسعید خُدری نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں اور علیؑ آدمؑ کے پیدا کئے جانے سے چار ہزار سال پہلے ہی ایک واحد نوؔر تھے پھر اللہ نے مخلوقات کو پیدا کر دیا چنانچہ جب آدمؑ کو پیدا کیا تو ہمارے اُس نور کو آدمؑ میں ودیعت کر کے روانہ کیا چنانچہ وہ نوؔر ایک ہی واحد صورت میں چلتا چلا آیا یہاں تک کہ جب عبدالمطلبؑ کی پشت سے چلا تو اُس نوؔر کے دو حصے ہو گئے۔ یعنی ایک حصہ حضرت عبدؔاللہ کی پشت میں ودیعت ہوا اور ایک حصہ حضرت ابو طالبؑ کی پشت میں پہنچا چنانچہ مجھؐ میں نبوت اور علیؑ میں خلافت چلی آ رہی تھی۔''

یازدم۔ دومرتبہ مرنے کے بعد دو دفعہ زندہ کئے جانے کی مختصر سی وضاحت یعنی رجعت پر چند اشارات

ہم حضرت علی علیہ السلام کے بیان کردہ موجزن فتنے کی وضاحت کرتے کرتے اس لئے عنوان سے دُور نکل آئے کہ قریشی افسانہ سازوں نے ایسا انتظام کیا ہے کہ تحقیق حق کرنے والا سیدھا چل ہی نہ سکے۔ اس کو ہر قدم میں ایک رکاوٹ پیش آئے اور وہ اُس رکاوٹ کو راہ سے ہٹاتے ہٹاتے خود دُور نکل جائے۔ اور تحقیق حق کا بیان مسلسل نہ رہے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ وہ قریشی رکاوٹیں برابر لگی رہتی ہیں لیکن ہم اُن کو راہ سے ہٹاتے ہوئے اپنا عنوان فراموش نہیں کرتے۔ چنانچہ ہم نے قریش کے اس ہمہ گیر فتنے کو قرآن سے ثابت کرنا تھا اور ثابت کیا۔ پھر متعلقہ آیات میں دومرتبہ مرنے اور دو دفعہ زندہ کئے جانے کا ذکر ہوا تو ہم نے دوسری (40/10-11) آیات سے اس کا ثبوت دیا۔ وہاں دو دفعہ مارنے اور دومرتبہ زندہ کرنے کا سبب یہ بتایا گیا کہ وہ لوگ ''کُلِّ ایمانّ'' کی حقیقت پر پردہ ڈالتے تھے۔ اور اب لازم ہوا کہ کُلِ ایماؔن کا تعارف وتشخص کرایا جائے جو ابھی مکمل ہوا۔ یوں ہم اپنے بڑے عنوان سے دُور تو نکل جاتے ہیں مگر نہ عنوان کو بھُولتے ہیں نہ چھوڑتے ہیں بلکہ عنوان کی تکمیل ہی کی خاطر دُور دُور سے قریش کو گھیر کر عنوان پر لاتے ہیں۔ چنانچہ فتنہ کے عنوان پر آنے کے لئے لازم ہے کہ فتنہ سازوں کے دو دفعہ مرنے کے بعد دو دفعہ زندہ کئے جانے کی وضاحت کرتے چلیں۔

(1) حساب کتاب اور جزا وسزا کی دو قسمیں، دُنیا کے اندر ملنے والی جزا اور سزا دُنیا ہی میں دی جاسکتی ہے قیامت میں نہیں

عنوان نمبر 10 (ہشتم) میں مرنے والوں اور حساب و کتاب کی عام صورت حال کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہاں اُس سلسلے میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مشیتِ خداوندی کے رَواں دَواں پروگرام میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ مجرم کو فوراً سزا اور مظلوم کو فوراً جزا نہیں دی جاتی تا کہ اُن کے قلبی و ذہنی رجحانات و پروگرام دل میں نہ رہ جائیں بلکہ جو کرنے کا ارادہ رکھتے تھے وہ کر گزریں تا کہ اتمام حجت بھی ہو جائے اور انہیں پوری بے دردی کے ساتھ سزا دی جائے یا پوری فراخدلی کے ساتھ جزا دی جائے۔ مثلاً اگر سیاہ یزید کو کربلا کے قتل عام کی جزا میں تباہ کر دیا جاتا تو اہل حرم علیہم السلام کو قید کرنا وغیرہ اُن سے ظہور میں نہ آتا اسی طرح اگر تمام شہدا کو قتل کے بعد فوراً جزا دے دی جاتی تو اُن کا مزید صبر و انتظام برسر کار نہ آتا۔ اس لئے ایسی جزا وسزا کو دنیا میں بھگتانے کے لئے زمانہ رجعت تجویز فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا اُن تمام انسانوں کو جو جزا یا سزا سے محروم رہ گئے، مثلاً یزید و سیاہ یزید اور حسینؑ و شہدائے کربلا علیہم السلام اپنی پہلی یا ایک موت مر گئے۔ اب اُنہیں زمانۂ رجعت میں زندہ کیا جائے گا۔ اور یہ مرنے کے بعد اُن کی پہلی زندگی ہوگی۔ اور اس زندگی میں انہیں وہ تمام سزائیں اور جزائیں دی جائیں گی جو اُنہیں اُن کے جرائم یا قربانیوں کے لئے اس دُنیا میں قانوناً ملنا لازم تھیں اور جو قیامت میں ممکن نہیں۔ مثلاً اس زمین اور زمین کے تمام سامان و وسائل کو ملیامیٹ کر دیئے جانے کے بعد کسی کو تلوار سے قتل کرنا، کسی

سے کسی کا مال واپس دلانا کسی کو دنیا میں سہولت سے رہنے اور ترقی کرنے کا موقع دینا، ممکن نہیں ہوگا۔اس لئے رجعت کے زمانہ میں ایسی تمام سزائیں دے دی جائیں گی جن کا حقوق العباد سے تعلق ہے(تفصیل ہماری تفسیر احسن التعبیر میں ملاحظہ فرمائیں)اِن سزاؤں اور جزاؤں کے بعد اُن کو پھر فطری موت آجائے گی جواُن کی دوسری موت ہوگی۔اب قیامت کے صور پر رجعت میں مرنے والے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور باقی تمام اہل محشر کے ساتھ حقوق اللہ کے لئے ماخوذ ہوں گے اور دائمی جہنم یا جنت میں رہیں گے یہ ہے دومرتبہ مرنے کے بعد دودفعہ زندہ ہونے اور آیات (12 تا40/10) کا مطلب ومقصد۔اور یہ ہے آیات (یونس 64 تا10/62) کے وعدہ کی وفا جس میں فرمایا تھا کہ:

''اولیاءاللہ کواس دُنیا میں نہ کوئی خوف ہوگا نہ رنج وملال رہے گا۔اُنہیں صرف اور صرف خوشخبریاں ہی دُنیا میں ملتی رہیں گی۔۔۔۔''

یہ یادرکھیں اور سوچیں کہ اگر زمانہ رجعت میں اس جزاوسزا کا انتظام نہ کیا جائے تو اللہ کی طرف سے انصاف وعدل کا عقیدہ ڈھونگ کے سوا کچھ نہیں۔

(2) وہ فتنہ جس میں آنحضرؐت کو اُلجھانے کی کوشش جاری رہی کس کی ایجاد تھا؟علیؑ ومحمدؐ اُسے جانتے تھے

قارئین کومعلوم ہونا چاہیئے کہ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ وہ مخصوص صحابی رسوؐل ہیں جن کے متعلق تمام علمانے یہ مانا ہے کہ وہ رسوؐل اللہ کے رازوں کے امین تھے اور عہد رسوؐل میں رسوؐل کے خلاف منصوبہ سازی اور فتنہ پردازی کرنے والوں کے حالات انہیں زیادہ سے زیادہ معلوم تھے چنانچہ وہ منافقوں کے ناموں سے بھی واقف تھے اور حضرت عمر خاص طور پر حذیفہؓ سے منافقوں کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔علامہ شبلی کی زبانی سنئے:انہوں نے اپنی کتاب''الفاروق''میں لکھا ہے کہ:

(3) حذیفہؓ بن الیمان کی پوزیشن رسوؐل اللہ کی،صحابہ کی اور علما کی نظر میں

''صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا۔عہد نبوت میں وہ آنحضرؐت کے محرمِ راز تھے اور اسی وجہ سے صاحبِ السّر (رازوں والے۔احسن) کہلاتے تھے حضرت عمر نے ایک دن اُن سے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ ہے اُن میں سے کوئی شخص میرے عُمالوں اور عہدیداروں میں سے بھی ہے؟؟''اُنہوں نے کہا کہ''ہاں ایک شخص ہے۔حضرت عمر نے نام پوچھا؟؟لیکن اُنہوں نے رازداری کے لحاظ سے نہیں بتایا۔حذیفہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر نے اس کو معزول کردیا جس سے میں نے قیاس کیا کہ اُنہوں نے خود پتہ لگالیا۔اس تفحص اور بیدارمغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال اُن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتے تھے۔''(الفاروق حصہ 2 صفحہ 156 قومی پریس دہلی،صفحہ 313 دارالاشاعت)

ظاہر ہے کہ یہ افسانہ بھی قریشی مشین کا ساختہ پرداختہ ہے تا کہ عمر کی بیدارمغزی کا یقین دلایا جائے۔لیکن بیدارمغزی تو اس قصہ نے تباہ کردی۔اس لئے کہ بیدارمغزی تو جب ہوتی جب اُسے عہدیداروں میں لیا ہی نہ ہوتا۔ہماری تحقیق کے مطابق اور چندسطور کے بعد آنے والے ثبوت کی رُو سے خود عمر اور اُس کے تمام عہدیداروعمال وافسران اُن لوگوں میں سے تھے جن کو میرے علاوہ تمام محققین غلطی سے منافق کہتے ہیں۔اُن میں سے کسی ایک کو منافق سمجھنا ایک فریب ہے۔بہرحال حضرتِ حذیفہؓ کو اس قصے میں لاکر قصے کو صحیح بنانے کی کوشش ضرور صحیح ہے۔

(4) حذیفہ ہی نے عمر کو فتنوں کا دروازہ قرار دیا ہے اور عمر حذیفہ ہی سے اس راز کو کھُلوانا چاہتے رہے تھے

حضرت حذیفہؓ کی پوزیشن سمجھ لینے کے بعد اب صحیح بخاری میں حضرت علی علیہ السلام کے بیان کردہ فتنۂ مواج کا تشخص وتعارف حذیفہؓ ہی سے دیکھئے۔بخاری کا ایک عنوان یاباب یوں ہے:

1: **بخاری کا ایک عنوان ہی سمندر کی طرح موجزن فتنہ ہے:** ''بَابُ الْفِتْنَةِ الَّتی تَمُوّجُ کَمَوْجِ الْبَحرِ'' ''وہ باب جس میں اُس فتنہ کا ذکر ہے جو کہ ''سمندر کی طرح موجزن ہوگا''(بخاری کتاب الفتن پارہ نمبر 29)

اس عنوان کے بعد علامہ محمد اسماعیل بخاری نے یہ روایت لکھی ہے کہ:

حَدَّثَنَا عمر بن حفص بن غیاث قال حدثنا اَبِیْ حدثنا الاعمش حدثنا شقیق قال سَمِعْتُهُ حُذَیْفَةُ یقول بَیْنما نحن جلوس عند عمر اذ قال: اَیُّکُمْ یَحْفَظُ قَوْلَ النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم فِی الْفِتْنَةِ قال: فتنة الرجل فی اھله و ماله و ولده و جاره یکفّرھا الصلوٰة و الصّدقة و الامر بالمعروف و النّھی عن المنکر؟ قال: لَیْسَ عن ھٰذا اَسَأَلُکَ وَ لٰکِنْ الّتِیْ تَمُوّجُ کَمَوْجِ الْبَحْرِ، قَال: لَیْسَ عَلَیْکَ مِنْھَا بَاسٌ یا امیر المومنین۔اِنَّ بَیْنَکَ وَ بَیْنَھَا بَابًا مُغْلَقًا ۔ قال عمر: أَ یُکْسَرُ الْبَابَ اَمْ یُفْتَحُ؟ قال: بَلْ یُکْسَرُ ۔ قَال عمر: اِذن لَّا یُغْلَقُ اَبَدًا؟ قُلْتُ اَجَل ۔قُلْنَا لِحُذَیفة اَ کَانَ عمر یَعْلَمُ الْبَابُ قال نَعَمْ کَمَا اَعْلَمُ اَنَّ دُوْنَ غَدًا اللَّیلة وَ ذٰلک اِنِّی حَدَّثته حَدِیثًا لَیْس بِالاغالیط ۔ فَھِبْنَا اَنْ نَسأَلَهُ مَنِ الْبَابِ فامرنا مسروقا فَسَأَلَهُ فقال مَنِ الْبَابُ؟ قال: عمر'' (ایضاً کتاب وباب)

''ہم سے عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی اور اس نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا اُن سے اعمش نے اور اُن سے شقیق نے اُس نے کہا کہ میں نے حذیفہؓ کو سناوہ کہتے تھے کہ ہم لوگ عمر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ عمر نے دریافت کیا کہ تم میں سے کون ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنہ کے متعلق اُن کا قول محفوظ رکھا ہو؟ حذیفہ نے کہا کہ کسی آدمی کا وہ فتنہ جو اُس کے اہل وعیال سے اُس کے مال سے اور اولاد سے اور پڑوسی سے متعلق ہو اور اس شخص کو نماز پڑھنے اور خیرات کرنے اور اچھی باتوں کا حکم دینے اور بُری باتوں سے روکنے میں رکاوٹ بن جائے، عمر نے کہا کہ میں نے ایسے فتنہ کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں اُس فتنے کے متعلق پوچھ رہا ہوں جو اس طرح موجزن ہو جس طرح سمندر میں امواج اُٹھتی ہیں؟ حذیفہ نے کہا کہ تمہیں اُس سے کوئی حرج واقع نہ ہوگا۔ اس لئے کہ تمہارے اور اُس فتنے کے درمیان اے امیر المؤمنین ایک بند دروازہ ہے۔(مطلب یہ کہ پوچھنا ہی فضول ہے) عمر نے کہا کہ اچھا یہ بتادو کہ آیا وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حذیفہ نے کہا کہ وہ دروازہ توڑا جائے گا۔ عمر نے کہا کہ ٹوٹنے کے بعد کیا وہ کبھی بند نہ ہوگا؟ حذیفہ نے کہا کہ ہاں پھر بند نہ ہوگا۔ ہم لوگوں نے حذیفہ سے پوچھا کہ کیا عمر اُس دروازے کو جانتا تھا؟ حذیفہ نے کہا کہ ہاں بالکل اسی طرح جانتا تھا جس طرح میں یہ جانتا ہوں کہ کل کو بھی رات آئے گی۔ اور یہ کہ میں نے یہ حدیث جو بیان کی ہے یہ غلط قسم کی بکواس نہیں ہے۔ ہم پر چونکہ حذیفہ کی ہیبت سوار رہتی تھی اس لئے ہم اُن سے براہِ راست یہ معلوم نہ کر سکے کہ اس حدیث میں فتنہ کا دروازہ کون ہے؟ چنانچہ ہم نے مسروق سے کہا کہ تم حذیفہ سے معلوم کر کے ہمیں بتاؤ۔ لہٰذا مسروق نے پوچھا کہ ''فتنہ کا دروازہ کون ہے؟ حذیفہ نے کہا کہ فتنہ کا دروازہ تو خود ''عمر'' ہے۔''(صفحہ 352-351،جلد 8،ترجمہ مولانا محمد داؤد راز)

2: **بخاری کے حاشیہ میں وضاحت کے ساتھ عمر کو فتنہ کا دروازہ تسلیم کیا گیا ہے:** اس حدیث پر حاشیہ نمبر 4 میں تسلیم کیا گیا ہے کہ:

اول۔ یہ حدیث سو فیصد آنحضرتؐ کی حدیث ہے۔ یعنی رسولؐ اللہ نے عمر کو فتنہ کا دروازہ فرمایا تھا۔

دوم۔ یہ کہ حذیفہؓ نے ادب کے خیال سے بھرے مجمع میں عمر سے یہ نہیں کہا کہ تم خود فتنہ کا دروازہ ہو۔ بلکہ بات اس طرح کی کہ عمر خود بخود سمجھ

جائے۔اور وہ سمجھ گیا تھا۔

اب قارئین کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی تکلف نہ رہے گا کہ عمر ہی وہ شخص ہے جس نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے متعلق نازل ہونے والے تمام احکام کی تاویل کرکر کے آیات والفاظ کو مشکوک کیا اور قومی حکومت کا منصوبہ اپنی قوم کو دیا اور حکومت حاصل کر لینے کے بعد قرآن واسلام کے تمام احکام کو اُس بحرِ مواج میں بہا کر لے گیا اور طاغوتی مذہب ایجاد کر دیا۔

(5) ابوبکر وعمر کی خلافت کے فتنے کو پروان چڑھانے والی رسولؐ کے خلاف محاذ بنانے والی عائشہ اور حفصہ

سورہ تحریم (66/4-5) میں عائشہ اور حفصہ کو آنحضرتؐ کے خلاف گٹھ جوڑ کرنے اور محاذ بنانے کا مجرم قرار دیا گیا تھا۔اُن ہی دونوں کے گھروں کی طرف اشارہ فرما کر حضورؐ نے فرمایا ہے کہ فتنہ اُن کے گھروں میں پروان چڑھے گا (صحیح بخاری باب وکتاب ایضاً) اور صحیح مسلم میں کہا گیا ہے کہ:

عَنْ ابن عمر اَنَّ رسوؐل اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم قَامَ عِنْدَ بَابِ حَفْصَۃ فقال بیدہ نحو المشرق الفتنۃ ھَاھُنَا یطلع قرن الشیطان۔قالھا مَرَّتَیْنِ اَوْ ثلاثًا۔و قال عبیداللّٰہ بن سعید فی روایتہ قام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم عِندَ باب عائشۃ۔ ذرا آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ:

عن ابن عمر قَالَ خَرَجَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم مِن بیت عائشۃ فقال راس الکفر من ھَاھُنَا مِنْ حیث یَطْلَعُ قَرَن الشیطان" (صحیح مسلم کتاب الفتن جلد 2 صفحہ 394)

''عبداللہ ابن عمر نے روایت کیا کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے اور مشرق کی طرف ہاتھ کر کے کہا کہ فتنہ اسی جگہ ہے یہیں سے شیطان کا سینگ برآمد ہوگا۔یہ بات حضورؐ نے دو یا تین مرتبہ فرمائی تھی اور عبیداللہ بن سعید نے کہا کہ رسوؐل اللہ عائشہ کے دروازے کے پاس کھڑے تھے۔'' چند سطروں کے بعد روایت ہے کہ:

''عبداللہ بن عمر نے کہا کہ رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ کے گھر سے باہر نکلے تو فرمایا اسی جگہ کفر کا سردار مقیم ہے جہاں سے شیطان کا سینگ برآمد ہوگا۔''

(6) قرن، راس الکفر اور الشیطان سے بہترین مُراد ابوبکر وعمر اور اُن کا ڈنکا بجنا ہوسکتے ہیں

اِن روایات کے متعلق بھی یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ان میں لفظ بلفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان نقل کیا گیا ہوگا۔اس لئے کہ قریشی انتظام صرف وہی بیانات قبول کرتا تھا جو اُن کی اپنی پالیسی کے لئے مفید ہو یا کم از کم مضر نہ ہو۔البتہ یہ بات اُس انتظام کے لئے بھی صحیح ہے کہ وہ معصوم نہ تھا۔اُس سے بھی غلطیاں، غلط فہمیاں اور لغزشیں ہوسکتی تھیں اور ہوتی رہیں۔بہر حال ان روایات میں چند الفاظ مشترک اور پابندی سے ملتے ہیں اور یہ کوشش صاف نظر آتی ہے کہ عائشہ یا حفصہ کو روایات کی زد سے بچا لیا جائے اس لئے راوی یا محدث برابر یہ چاہتا ہے کہ جب آنحضرتؐ فتنہ کا مقام بار بار ان الفاظ میں بتاتے ہیں کہ: ''فتنہ یہاں ہے'' **(اَلْفِتْنَۃُ ھَاھُنَا۔فِتْنَۃُ ھَاھُنَا)** ''فتنہ اِس جگہ ہے'' **(اَلْفِتْنَۃُ ھَاھُنَا۔فِتْنَۃُ ھَاھُنَا)**

چنانچہ اِن الفاظ سے پہلے یا بعد **مَشْــرِق** کی طرف اشارہ کرنے کا ذکر بھی زبردستی کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔اور چاہتے ہیں کہ فتنہ کو عائشہ، حفصہ بلکہ خود مدینہ سے بھی کہیں دُور مشرق کی سمت میں متعین کر دیا جائے۔مگر الفاظ ''**ھَاھُنَا**'' (اِس جگہ یہاں) اُن کی اس کوشش کو ضائع کر دیتے ہیں اس لئے کہ یہ الفاظ اسمائے اشارۂ بعید کیلئے یعنی دُور کی چیزوں کی طرف اشارہ کے لئے استعمال ہو ہی نہیں سکتے۔یہ بالکل پاس، زیرِ پا، نزدیک

ترین چیزوں کی طرف اشارے کے لئے استعمال ہوتے چلے آئے ہیں۔ پھراُن میں ایک لفظ شیطان کے سینگ (قرن) کے لئے استعمال ہوا ہے اوروہ ہے ''یَطْلَعُ قَرْنُ الشَّیْطَان'' لہٰذااس لفظ یَطْلَعُ یعنی''طلوع ہوگا'' کی وجہ سے لفظ مشرق کے معنی''سمت'' کرنے کے بجائے''چمکنے کی جگہ'' کرلینا بہت صحیح ہے۔یعنی جہاں سے شیطان کا سینگ چمکے گا۔یعنی اس سینگ کے چمکنے یا طلوع ہونے کی جگہ کہیں دُور نہیں بلکہ عائشہ اور حفصہ کا گھراور مدینہ ہے۔ پھرواقعہ یہ ہے کہ شیطان کے سینگ ہرگز نہیں ہیں۔لہٰذا لفظ قرن کے معنی اگروہ سینگ کرلیں جس میں سوراخ کرکے بطور قرنا یا بگل(Bugle) یا نرسنگھا بجایا جاتا ہے تو یہ معنی کئے جاسکتے ہیں کہ:

''یہاں سے یا اِس جگہ سے شیطان کا ڈنکا بجنا شروع ہوگا۔'' اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ عائشہ اور حفصہ کے لئے لفظ''قرن'' قرآن میں عجیب طرح استعمال ہوا ہے۔یعنی: وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰی ......الخ (الاحزاب33/33)

یہ آیت سورہ احزاب کی (33/33) اُن آیات میں سے ہے جن میں رسوؐل اللہ کی سازشی ازواج (66/4-5) کو تنبیہات اور نصیحت کی گئی ہے اور یہاں اُن عورتوں کو اپنے رنگ ورُوپ اور سج دھج اور نمائش حسن کرتے پھرنے سے روکتے ہوئے گھروں میں ٹک کر بیٹھنے کا حکم دیتے ہوئے یہ لفظ ''قَرْنَ'' کی صورت میں آیا ہے اوراس کے معنی''ساتھی'' بن کررہنا ہیں۔یا گھروں میں پابندی سے قیام کرنا کئے گئے ہیں۔لہٰذا اُس جملہ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ''شیطان کا ساتھی یہاں سے طلوع کرے گا۔'' اور یہ بات ہمیں سورۂ فرقان کے اُن دونوں دوستوں کی یاد دلاتی ہے جن میں سے ایک دوسرے کو شیطان کہتا ہے اور غداری کا الزام لگاتا ہے اوراپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر اپنے دوست کو دوست بنانے پر اس لئے افسوس کرتا ہے کہ اُس نے اُسے رسوؐل کے راستے سے ہٹا کر اپنے منصوبے پر چلا دیا تھا (فرقان 29 تا 25/27) اور یہ دونوں اُن دونوں عورتوں، عائشہ اور حفصہ کے والد تھے۔اوراُن ہی کے گھروں میں رسوؐل کے خلاف محاذ آرائی، گٹھ جوڑ اور سازش ہوتی تھی۔(تحریم 5-66/4)

یہاں تک حضرت علی علیہ السلام کا بیان کردہ موجزن فتنہ، فتنہ گراور فتنہ کے معاونین سامنے آچکے ہیں۔

(7) فتنہ کے زمانہ میں حضرت علیؑ کی اطاعت رسوؐل کی طرف سے لازم تھی

آخر میں یہ بھی دیکھ لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس زیرِ بحث فتنہ کی اطلاع دی تھی اور فتنہ کے دوران میں بھی حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت واجب فرمائی تھی:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم سَیَکُوْنُ مِنْ بَعْدِیْ فِتْنَةٌ فَاِذَا کَانَ ذٰلِکَ فَالْزَمُوْا عَلِیَّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَاِنَّهٗ فَارُوْقٌ بین الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ۔(فردوس الاخبار دیلمی)

''ابوالعلیٰ غفاری سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ہی میرے بعد فتنہ برپا ہوگا جب ایسا ہوتو تم لوگ علیؑ کی اطاعت لازم کرلینا یقیناً وہ حق و باطل میں فرق بتانے والا ہے۔''

یہی وہ اطاعت وتسلیم ہے جس کی خود جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اس خطبہ میں تاکید فرمائی ہے (خطبہ 5 جملے 4-5) اوراسی اطاعت وتسلیم کے لئے مومنین کو نجات کی کشتیاں فراہم کرنے کی ذمہ داری لی ہے (خطبہ 5 جملے 1-2) اور فتنہ کو عبور وتباہ کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔

(خطبہ 5 جملے 1 تا 13)

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 06

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 06

خُطبہ ﴿6﴾

(1) حاکم وخلیفہ تسلیم کر لینے والے اگر مسلح بغاوت کریں اور امن عامہ کو درہم برہم کریں تو اُن سے آخری سانس تک جنگ جائز ہے؛

(2) غداری کرنے والے خواہ مسلمان ہوں اُن کو تلوار کی دھار پر رکھنا عین تعلیمات اسلام کے مطابق ہے؛

(3) صحابہ نے برابر حضرت علیؑ کی حق تلفی جاری رکھی اور اُن پر دوسروں کو ناجائز ترجیح دی؛

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

وَ اللّٰہِ لَا اَکُوۡنُ کَالضَّبُعِ تَنَامُ عَلٰی طُوۡلِ اللَّدۡمِ؛	1	قسم بخدا میں اس بجّو کی طرح دَم سادھ کر نہیں رہ سکتا جو اپنے بھٹ کے چھپے چھپانے سے سو جاتا ہے۔
حَتّٰی یَصِلَ اِلَیۡهَا طَالِبُهَا؛	2	یہاں تک کہ شکاری اطمینان سے اُسے پکڑنے کیلئے اُس تک پہنچ جاتا ہے۔
وَ یَخۡتِلُهَا رَاصِدُهَا؛	3	اور اُسے بہلا کر فریب سے پکڑ لیتا ہے۔ (اور اب وہ حقیقت حال پر مطلع ہوتا ہے)
وَ لٰكِنِّیۡ اَضۡرِبُ بِالۡمُقۡبِلِ اِلَی الۡحَقِّ الۡمُدۡبِرَ عَنۡهُ؛	4	ولیکن میں تو اب حقِ مطلق کو قبول کر لینے والوں کو ساتھ لے کر اُن لوگوں سے ڈٹ کر مقابلہ کروں گا جو حق سے منہ موڑ رہے ہیں۔
وَ بِالسَّامِعِ الۡمُطِیۡعِ الۡعَاصِیَ الۡمُرِیۡبَ اَبَدًا؛	5	اور حق بات سننے والے فرمانبردار مومنین کی معیت میں اُن لوگوں سے برسرِ پیکار رہوں گا جو نافرمانی اور ہمیشہ اُلجھنیں پیدا کرتے آئے ہیں۔
حَتّٰی یَاۡتِیَ عَلَیَّ یَوۡمِیۡ؛	6	اور اُن کو اُس وقت تک کامیاب نہ ہونے دوں گا جب تک میرا آخری دن نہ آ جائے۔
فَوَاللّٰهِ مَا زِلۡتُ مَدۡفُوۡعًا عَنۡ حَقِّیۡ مُسۡتَاۡثَرًا عَلَیَّ مُنۡذُ قَبَضَ اللّٰهُ نَبِیَّهٗ (صَلَّی اللّٰہ عَلَیۡهِ وَ آله و سَلَّم)؛	7	خدا کی قسم جب سے اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس طلب کیا ہے۔ مجھے مسلسل بلا ناغہ میرے حقوق سے دُور تر رکھا جاتا رہا ہے۔ اور ہر معاملے میں دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی جاتی رہی ہے۔
حَتّٰی یَوۡمِ النَّاسِ هٰذَا؛	8	یہاں تک کہ آج لوگوں کا معاملہ جنگ و پیکار کی صورت میں سامنے آ ہی گیا ہے۔

ترجمانی کا رُخ متعین کرنے والی باتیں۔

1: طلحہ اور زبیر باغی ہو کر مدینہ سے چلے گئے اور لوگوں میں اپنے باغیانہ تصورات پھیلانے اور حضرت علی علیہ السلام سے پبلک کو متنفر کرنے کی مہم چلانے لگے تو حضرت علیؑ نے اُن کا تعاقب کرنے اور سدباب کا ارادہ فرمایا تھا۔ وہ لوگ جو در پردہ طلحہ و زبیر کی اسکیم کو پسند کرتے تھے اُنھوں نے

مشورہ دیا تھا کہ اُن کا تعاقب وتدارک نہ کیا جائے۔ اُن کا منشا یہ تھا کہ اُن دونوں کومخالف محاذ تیار کرنے کا کافی موقع مل جائے اور وہ مضبوطی سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوجائیں۔ 2: یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ حضرت علی علیہ السلام کو وہی لوگ مشورے دے سکتے تھے جو حضوؐر کے علم مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن وَ مَا ھُوَ کَائِنٌ یعنی علمِ کُلّی پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔

تشریحات:

ہمارے قارئین کو تفصیل کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ دعوتِ ذوی العشیرہ پر قریشی سرداروں اور راہنماؤں نے اُس دعوتِ خلافت و حکومت و وزارت کو سنجیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وزارت وخلافت وحکومت سنبھالنے کے لئے اپنا کوئی نمائندہ شخص حضوؐر کے لئے بطور وزیر وخلیفہ ضرور پیش کرتے۔ یہی وہ ابتدائی غلطی تھی جسے عبداللہ بن عباس نے خلیفہ دوم عمر کو بطورِ طنز یاد دلایا تھا اور اُن کی خلافت کو ظلم و جبر وغصب قرار دیا تھا۔ اور جس غلطی کے لئے قریشی لیڈروں اور راہنماؤں نے اپنا دین و دُنیا اور عاقبت تباہ کر لی اور جس کی مرمت واصلاح کے لئے اُنہوں نے اسلام اور قرآن کو ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور اُس دعوت سے چند ہی سال بعد آخر اُنہیں عملاً یہ یقین ہوگیا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت قائم ہو کر رہے گی۔ اور دعوت ذوی العشیرہ کے روز بنایا جانے والا وزیر وخلیفہ ایک مطلق العنان حاکم بن کر رہے گا۔ جس کے سامنے قریشی بصیرت وسیاسی جوڑ توڑ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوجائیں گے۔ قومی آن بان، رسم ورواج اور سُنتِ بزرگان اور قومی مصالح منہ تکتے رہ جائیں گے اور علیؑ جس طرح چاہے گا اُس کے اشاروں پر ناچنا ہوگا۔ یہ خوفناک منظر سامنے آیا تو قریشی راہنما سر جوڑ کر بیٹھے۔ باہمی اختلافات کو خیر باد کہا اور وہ آخری متفقہ یا اجماعی فیصلہ کرلیا کہ جس طرح بھی ہوسکے وزارت وخلافت وحکومت کو خاندان رسوؐل سے نکال لیا جائے۔ یہ فیصلہ اُس روز تک ایک سربستہ راز رہتا چلا گیا جس روز عبداللہ بن عباس سے عمر نے اپنے عہدِ خلافت میں یہ کہا کہ:

''تمہارے والد رسوؐل اللہ کے چچا ہیں اور تم اُن کے چچا زاد بھائی ہو پھر تمہاری قوم کو کس چیز نے روکا ہے؟ عبداللہ نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم۔ عمر نے کہا کہ مجھے معلوم ہے۔ قریش ناپسند کرتے تھے۔ عبداللہ نے کہا۔ کیوں ہم تو اُن کے لئے بہترین انسان تھے؟ عمر نے کہا کہ قریش اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ نبوت وخلافت دونوں چیزیں تمہارے اندر جمع ہوجائیں۔''

(طبری اور الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

قریش کے اس فیصلے نے قریش سے کیا کیا کرایا؟ یہ ایک داستان مکر وفریب ہے۔ جسے باقاعدگی کے ساتھ ہم ہی نے بیان کیا ہے اور بیان کرتے رہیں گے۔ یہاں تو یہ سوال ہے کہ:

''جب چوتھے نمبر پر حضرت علیؑ خلیفہ بنا لئے گئے تو کیا قریش کو کوئی خوشی ہوئی ہوگی؟'' کیا وہ چین سے بیٹھ گئے ہوں گے؟ کیا اُنہوں نے حضرت علیؑ سے تعاون کیا ہوگا؟

علیؑ کا خلیفہ بن جانا تو قریش کے منہ پر، قریشی منصوبوں، اور پالیسیوں اور قریش کی غیرت وحمیت کے منہ پر ایک شرمناک طمانچہ تھا۔ اُن کی نیند حرام ہوگئی تھی۔ اُن کا آرام وچین اُچاٹ ہوگیا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کے نظام صبر وبصیرت (خطبہ 3 جملے 8 تا 15) نے اُنہیں چاروں طرف سے گھیر کر مجبور کر دیا تھا کہ وہ بھی حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنے کے لئے اُس جھمیلے میں پھنس گئے تھے جو چاروں طرف سے اُمنڈ اپڑ رہا تھا اور بادل نخواستہ بیعت کرلی تھی۔ (خطبہ

8 جملے 1 تا5) مگر اُسی وقت اور اُسی دن سے بیعت سے باہر نکلنے کے لئے تڑپ رہے تھے۔اُن کے بڑے بڑے دانشور اور راہنما موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے ابوبکر خاک میں مل چکا تھا۔عمر قتل کر دیئے گئے تھے فتنہ کا دروازہ توڑ دیا گیا تھا۔عمر کے بعد عثمان کے قتل پر عمری وبکری خلافت کا جنازہ نکل گیا تھا اور عہد رسولؐ میں بنائی ہوئی قریشی پالیسی کا تار پود بکھر گیا تھا قریشی لیڈروں میں سے طلحہ اور زبیر اور سعد بن وقاص اور عبداللہ بن عمر وہ صحابہ تھے جنہیں جماعت شوریٰ میں خلیفہ بننے یا خلیفہ گری کا مقام حاصل تھا۔آخر الذکر دونوں علیؑ کے خلاف زیر زمین خفیہ محاذ بنانے میں مصروف تھے۔ اور اول الذکر دونوں تیغ بکف محاذ کی تیاری کے لئے مکہ جا کر فتنہ کو پالنے والی عائشہ کو قیادت کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔عمر وعثمان کی خلافتوں سے قریبی طور پر وابستہ رہنے والے مشیروں اور حاشیہ نشینوں کی کثرت نے فرار کر کے معاویہ کے پاس پناہ لے لی تھی۔ جہاں عثمان کا کُرتہ اصلی یا نقلی خون سے رنگا ہوا' اور عثمان کی زوجہ نائلہ کی چند کٹی ہوئی انگلیاں پبلک کو علیؑ کے خلاف اُبھارنے کے لئے دربار میں نمائش کے لئے سجائی ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی ایک ماتم پارٹی نوحہ وماتم بھی کرتی رہتی تھی تاکہ شامی لیڈروں میں حضرت علیؑ کے خلاف قاتل عثمان کہہ کر اشتعال پیدا کیا جاتا رہے۔

الغرض قریش کے بچے کھچے لیڈروں نے علیؑ اور حکومت علویہؑ کے خلاف اپنی بصیرت اور وسائل ومواقع کے مطابق محاذ بنا لئے۔ آپس میں رابطہ، اتحاد اور تعاون کی راہیں ہموار کرنا شروع کر دی تھیں۔اور اپنی نسلی کمینہ خصلتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے لئے کسی مکر وفریب کو اُٹھا نہ رکھنا طے کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے تاریخی بیانات میں طلحہ وزبیر اور عائشہ کی وہ رائے اور کوششیں دیکھی ہیں جو عثمان کے قتل کا باعث بنیں تھیں۔آپ نے مورخین کی وہ حیرانی بھی دیکھی ہے جو اُنہوں نے اطلاع کے باوجود معاویہ کے فوجی امداد نہ بھیجنے پر ظاہر کی ہے۔کہنا یہ ہے کہ اُس وقت مسلمانوں میں جو ذاتؑ پاک ہر حیثیت سے قتل عثمان سے بری تھی۔اُسی کے خلاف ہر قسم کا محاذ قائم کیا گیا اور اُسی پر قتل عثمان کا جرم تھوپ دیا گیا۔اور قریش علیؑ کے مقابلے میں اُسی طرح مجتمع ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے جس طرح وہ رسولؐ اللہ کے خلاف اُٹھے تھے اور وہ سب کچھ کیا جو رسولؐ کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔لیکن علیؑ حضورؐ کے زمانے میں وزیر تھے، سپاہ سالار تھے، خلیفہ اور رسولؐ اللہ کے بھائی تھے۔انہوں نے قریش کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔اُن سے ہتھیار رکھوا لئے تھے۔اُن کے سورماؤں کو تہہ تیغ کر دیا تھا۔اور انہیں مجبور کر کر کے خلافت وحکومت الٰہیہ قائم کر دی تھی۔اور قریش بغلیں جھانکتے رہ گئے تھے۔قریش نے خواہ مخواہ علیؑ کو حکومت سے محروم کرنے پر اجماع نہ کیا تھا۔اُنہیں علیؑ کی وزارت دیکھتے ہوئے بیس سال سے زیادہ گزر چکے تھے۔انہیں دن رات تلخ ترین تجربات ہوتے رہے تھے۔اُن کی اجتماعی بصیرت سے سوچی ہوئی ہر اسکیم چوڑے میدان میں پٹتی چلی گئی تھی۔

اُنہوں نے اُس وقت تک کی تاریخ میں دنیا کا کوئی وزیر ایسا نہ سنا تھا، جیسے حضرت علیؑ تھے۔لہٰذا قریشی لیڈروں نے اپنی نام نہاد شرافت کو، اخلاقِ عمومی اور اخلاقِ اسلامی کو، دیانت وامانت اور وفا کے معیار کو اُٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا تھا۔اور جس طرح ہو سکے علیؑ، حکومت علویہ اور اولادؑ مرتضوی سے جان چھڑانا طے کر لیا تھا۔وہ دیکھ چکے تھے کہ ابوبکر وعمر اور قریشی انتظام کے باوجود علیؑ خلیفہ بن گئے اور وہ صراط مستقیم پر چلا کریا اعلان کفر کرا کے چھوڑیں گے۔اس لئے انہوں نے یہاں تک طے کیا کہ علیؑ سے پیدا ہونے والی اولادؑ کو بھی اُسی طرح کچل دینا چاہیئے جس طرح سانپ کے بچوں پر رحم نہیں کیا جاتا۔لہٰذا علیؑ اور اولاد علیؑ کے معاملے میں بے رحمی، بے دردی، غداری، بے وفائی، فریب سازی، ظلم وستم، جھوٹی قسم اور قرآن کے نام پر دھوکا دینا تک جائز قرار دے لیا تھا۔اس ماحول میں حضرت علی علیہ السلام نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔

2۔ یہ چند جملوں والے خُطبات، خُطبات نہیں بلکہ قریشی سازش پر خطبات کے منتخب جملے ہیں

آپؑ نے خود فرمایا ہے کہ: ''مجھے اسلام کا یا کسی اور صورت حال کا ڈھونگ رچا کر یا میک اَپ کر کے دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔'' (خطبہ 10 جملہ 5) چنانچہ وہ پورے عرب میں قریش کی نقل وحرکت اور منصوبہ سازیوں پر مطلع تھے۔ دفاع اور ملکی انتظام کے دوران کبھی کبھی حضوؑر کو اُن کے ہمدرد، حفظِ ما تقدم کے لئے اور بدخواہ حیران و پریشان کرنے کے لئے قریشی کوششوں یا حالات کے متعلق خبریں سنا دیا کرتے تھے۔ تو آپؑ اپنے دیگر انتظامی خطبات میں قریشی حرکتوں اور کوششوں کے متعلق بھی اپنے خیالات کا اظہار فرما دیا کرتے تھے۔ اور لوگ قریش سے متعلق جملوں کو خاص طور سے نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ اور وہ جملے ساری مملکت میں آناً فاناً پھیلتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دشمنوں کے کیمپوں میں پہنچ کر کھلبلی مچا دیتے تھے اور وہاں بھی لوگ اُن جملوں کو یاد کرتے اور اپنے پاس لکھ کر رکھتے تھے۔ علامہ رضی رضی اللہ عنہ نے جہاں جہاں اور جن جن کتابوں میں اُن جملوں کو دیکھا جمع کر لیا اور سادہ کاغذ چھوڑتے گئے تاکہ جب اُن میں مذکورہ گفتگو کا سلسلہ کسی اور کتاب میں ملے تو اضافہ کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ چھوٹے چھوٹے خطبات وہی جملے ہیں۔ جن کے لئے اُن کو مطلوبہ خطبات نہ ملے اور یہ جتنے تھے اُتنے ہی رہ گئے۔ حالانکہ اُن کے جمع کردہ اس مجموعہ یعنی نہج البلاغہ میں خود ایسے جملے یا خطبات موجود ہیں جن کو ملا کر لکھا یا پڑھا جائے تو وہ دو نہیں بلکہ ایک ہی خطبہ معلوم ہوگا۔ (مثلاً خطبہ نمبر 7 اور نمبر 10) مگر ہم نہج البلاغہ میں اتنا تصرف کرنا پسند نہیں کرتے کہ خطبات کا نمبر بدل جائے۔ اِس لئے ہم بھی اِن جملوں کو نہج البلاغہ کے قدیم نمبروں کے ماتحت لکھتے اور تشریح کرتے چلے جانا طے کئے ہوئے ہیں۔ ورنہ ہمارے لئے نہج البلاغہ کے خطبات میں ربط و تسلسل قائم کرنا کچھ مشکل اور دیر طلب کام نہ تھا۔

3۔ حضرت علیؑ کا موقف حق سے رُوگردان اور باغی قریش سے آخری سانس تک جنگ کرنا تھا

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ قریشی لیڈروں، طلحہ، زبیر، عائشہ اور معاویہ وغیرہ کی باغیانہ سرگرمی کی اطلاعات حضرت علی علیہ السلام کو ملتی تھیں تو آپ قریش کی مختلف سرگرمیوں پر مناسب اور متعلقہ صحیح جواب دے دیا کرتے تھے۔ خطبہ نمبر 6 بتاتا ہے کہ حضوؑر کے سامنے یہ سوال رکھا گیا تھا کہ کیا آنحضرتؐ کے صحابہ کے ساتھ جنگ جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اُن کی صحابیت اور اسلامی خدمات کو مدِّنظر رکھا جائے گا یا نہیں؟ اس صورت حال کیلئے آپؑ نے یہ فرمایا ہے کہ ''اگر کوئی مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کرے گا یا جنگ کیلئے میرا دروازہ کھٹکھٹائے گا، خواہ وہ کوئی ہو، میں اپنے تمام نیکوکار و فرمانبردار ساتھیوں اور وسائل کو مجتمع کر کے اپنے آخری سانس تک جنگ کروں گا''۔ (خطبہ 6 جملے 1 تا 6)

4۔ خلافت ملنے سے پہلے والا عملدرآمد میرا شخصی فعل تھا اب مجھ سے کوئی ضبط و تحمل کی اُمید نہ کرے؟

اسی سلسلے میں آپؑ نے اُن لوگوں کو بھی مخاطب فرمایا ہے جنہوں نے خلفائے ثلاثہ کے خلاف تلوار نہ اُٹھانے پر خود کو طرح طرح کی غلط فہمیوں اور خود ساختہ عذرات میں اُلجھا لیا تھا۔ اُن کو ایک سیدھا سادہ اور سرسری جواب یہ دیا ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد قریش کے لیڈروں، ابوبکر و عمر و عثمان وغیرھمؓ نے مجھے مسلسل میرے آبائی اور نسلی حقوق سے محروم اور دُور در رکھا اور میں نے اُسے ذاتی معاملہ سمجھ کر جنگ اور قوت آزمائی سے پرہیز کیا اور برابر ناحق لوگوں کو خود پر ترجیح دیئے جانے کو برداشت کیا لیکن آج لوگوں کی یہ موجودہ حالت میرے اور تمہارے سامنے ہے (خطبہ 6 جملہ 7) اور میں ہر حیثیت سے جائز و برحق، یعنی تمہارے رسم و رواج سے بھی اور قرآن کی رُو سے جانشین رسوؐل و خلیفہ و حکمران ہوں۔ اب یہ نہیں ہوسکتا کہ میرے سابقہ روّیے کو دلیل بنا کر مجھے راہ سے ہٹانے اور میرا املا ہوا حق چھیننے کی کوششیں برسرعام کی جائیں

اور میں اُس بجّو کی طرح سوتا ہوا غافل بن جاؤں جسے شکاری تھپکیاں دے کر سلا دیتے ہیں (خطبہ 6 جملے 1 تا 3) اب تو میں اپنے اطاعت شعار اور حق کو حق سمجھنے والے مومنین کو ہمراہ لے کر ہر باغی وعاصی اور دین سے روگرداں شخص سے آخری سانس تک جنگ کروں گا۔ لہٰذا میرے یہ جملے قریش کے ہر محاذ تک بطور چیلنج پہنچادو۔ (خطبہ 6 جملے 1 تا 8)

یہ ہے اِس ننھے مگر قانونی اور ہولناک بیان کی تشریح جو اُن تمام تشریحات کو بھی کسی نہ کسی طرح اپنے دامن میں رکھتی ہے جو یار لوگ چپکاتے رہے ہیں۔

5۔ خطبہ نمبر 6 کا شانِ نزول خطبے سے الگ کردیا گیا ہے اِس خطبے میں سارے قریش کی بات دو آدمیوں کی نہیں

مگر اُن کا چپکایا ہوا شانِ نزول ساقط کردیا گیا ہے۔ جو آکاش بیل کی طرح اِس خطبے کے ساتھ بھی لپٹی ہوئی چلی آرہی تھی۔ اور جو کلام مرتضوی شروع کرنے سے پہلے ہی حضورؑ کے کلام پر لپیٹ کر مقصد و مفہوم کو محدود و پابند کرتی چلی آتی تھی۔ اِس لئے کہ اُس میں کہا گیا تھا کہ:

خطبہ نمبر 6 طلحہ وزبیر کے طواف میں لگادیا گیا تھا

''لَمَّا اَشِيرَ اِلَيۡهِ بِاَنۡ لَّا يَتۡبَعَ طَلۡحَةَ وَ الزُّبَيۡرَ وَ لَا يُرۡصِدَ لَهُمَا الۡقِتَالَ''

(1) مفتی جعفر کا ترجمہ:

''جب آپؑ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپؑ طلحہ وزبیر کا پیچھا نہ کریں اور اُن سے جنگ کرنے کی نہ ٹھان لیں'' تو آپؑ نے فرمایا''

یعنی اس مشورہ کے بعد حضرت علیؑ نے وہ کچھ فرمایا جو خطبہ نمبر 6 میں ہے۔

(2) مفتی جعفر سے بڑے آیت اللہ نے تو کمال کردیا یعنی مشورہ دینے والا (معاذ اللہ) امام حسنؑ کو لکھ دیا: بڑی زیادتی ہوگی اگر ہم جناب آیت اللہ طہرانی علی نقی فیض الاسلام مجتہد کا ترجمہ نہ لکھیں۔ چنانچہ اُن کا فارسی ترجمہ ملاحظہ فرما کر اپنا ایمان تازہ فرمائیں۔ لکھا ہے کہ:

''از سُخنانِ آنحضرت علیہ السلام است در موقعیکہ (طلحہ وزبیر نقضِ بیعت کردہ گریختند) تقاضا شُد از آنجناب (امام حسن علیہ السلام تقاضا کرد) کہ درپۓ طلحہ وزبیر نَرفتہ، مہیای جنگ با آنہا نشود:'' (نہج البلاغہ جلد اول صفحہ 50)

(3) آیت اللہ کی فارسی کا اُردو ترجمہ تاکہ مجتہدین کے مقلدین لطف اندوز ہوسکیں: ''یہ خطبہ بھی حضرت علی علیہ السلام کے بیانات میں سے ہے۔ اور اُس موقع سے تعلق رکھتا ہے جب کہ طلحہ اور زبیر بیعت توڑ کر بھاگ نکلے تو حضرت علیؑ پر یہ تقاضا کیا گیا اور تقاضا بھی حضرت امام حسن علیہ السلام نے کیا کہ آپ طلحہ وزبیر کا تعاقب نہ کریں اور اُن سے جنگ اور سامانِ جنگ نہ کریں۔''

(4) یعنی شیعوں کے آیت اللہ اور حجۃ اللہ سائز کے علما آئمہ معصومینؑ میں اختلافِ رائے کے قائل تھے: معلوم ہوا کہ ہمارے بڑے بڑے علما یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ چہاردہ (چودہ) معصومینؑ میں اتحادِ خیال و عمل ہو۔ یعنی خطبہ نمبر 6 جو کچھ کہتا ہے وہ تو کہتا ہی ہے۔ لیکن سب سے اہم بات اس میں یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو حضرت امام حسنؑ نے ایک بجّو کی طرح رہنے اور طلحہ وزبیر وغیرھم کے ہاتھوں میں گرفتار ہوجانے کا مشورہ دیا تھا۔ جسے حضرت علیؑ نے تفصیل کے ساتھ غلط قرار دے کر اُن کے تقاضے اور مشورے کو برسرِ عام ٹھکرا کر امام حسنؑ کی عصمت کی نفی کردی۔ ظاہر ہے کہ اس خطبہ کے ساتھ مندرجہ بالا شانِ نزول لگانے سے قریشی پالیسی کو تقویت ملتی رہی اور امام حسنؑ اغیار کے یہاں صلح پسند اور علیؑ جھگڑالو اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہانے کے مجرم خود حسنؑ کی زبانی ثابت ہوتے چلے آئے اور اس پر مزید سونے پر سہاگہ تب ہوگیا جب انہوں نے نہ صرف

معاویہ سے صلح کر لی۔ بلکہ اللہ و محمدؐ و قرآن اور علیؑ کے منشا اور عمل کے خلاف خلافت بھی معاویہ کو دے دی۔

6۔ حضرت علیؑ کا اپنے مخالفوں سے جنگ کرنا مخالف علما نے بھی برحق قرار دیا ہے

ہم نے تیسرے خطبے کی تشریحات کے اواخر میں بڑی تفصیل سے حضرت علی علیہ السلام کے اُن تمام اقدامات کی حقانیت ثابت کی ہے جو اُنہوں نے قریشی باغیوں کے مقابلے میں کئے تھے۔ یہاں صرف مودودی کی کتاب خلافت وملوکیت سے ایک مقام دیکھ لینا کافی ہوگا۔ لکھتے ہیں کہ:

''علامہ ابن ھُمام اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے فتح القدیر میں لکھتے ہیں: ''یہ حضرت معاویہؓ کے جَور کی تصریح ہے' اور اس سے مراد عدالتی فیصلوں میں اُن کا جور نہیں بلکہ اُن کا خروج ہے... اصل بات یہ ہے کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا کیوں کہ اپنی نوبت آنے پر وہ صحیح بیعت سے خلیفہ مقرر ہوئے تھے اور اُنکی خلافت منعقد ہو چکی تھی' لہٰذا اہل جَمَل (یعنی عائشہ، طلحہ، زبیر اور اُن کی مسلمان افواج۔ احسن) کے خلاف اور صِفّین کے مقام پر حضرت معاویہؓ کے خلاف لڑائی میں وہ حق پر تھے۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 339)

7۔ حضرت علیؑ کے مخالفوں نے نادم ہو کر بھی اور رو رو کر بھی حضرتؑ کی حقانیت اور اپنا ناحق ہونا مانا

سچی بات یہ ہے کہ مجھے ذاتی طور پر یہ معلوم نہیں کہ عائشہ، طلحہ، زبیر اور وہ نام نہاد صحابہ اور مسلمان جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی تھی اور وہ ملاعین جو آنحضرتؐ کے خلاف خاموش وخفیہ محاذ بنا رہے تھے۔ جیسے سعد بن وقاص اور عبداللہ بن عمر وغیرہ سچ مچ اپنے اُس کفر پر نادم ہوئے یا نہیں؟ یا یہ کہ اُن کے پیروکار وہم مذہب علما نے اُن کے گناہوں کو ہلکا کرنے کے لئے اُن کی ندامت کے قصے گھڑ کر ہم تک پہنچائے ہیں؟ بہر حال مندرجہ ذیل بیان سنئے اور حضرت علیؑ کی حقانیت کی قدرت واثر دیکھئے کہ مودودی علامہ ومُلّا علی قاری کا بیان لکھتے ہیں:

''حضرات طلحہؓ وزبیرؓ کا طرزِ عمل جو جنگ جمل کا موجب ہوا غلط تھا۔ اگرچہ جو کچھ اُنہوں نے کیا، اجتہاد کی بنا پر کیا اور وہ اجتہاد کے اہل تھے۔ اور بعد میں دونوں حضرات اپنے فعل پر نادم ہوئے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی اپنے فعل پر نادم ہوئیں اور اس پر وہ اتنا روتی تھیں کہ اُن کے دوپٹے کا دامن بھیگ جاتا تھا۔ پھر معاویہؓ بھی غلطی پر تھے۔'' (ایضاً صفحہ 341)

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 07
علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 07

خُطبہ ﴿7﴾

(1) قریش کا اسلام اور توحید پرستی ابلیس کے اصولوں کے ماتحت اور اُس کی تعلیمات کے عین مطابق تھی؛

(2) ابلیس نے قریش کو اپنا نمائندہ بنا کر اپنا مشن اُن کے سپرد کر دیا تھا؛

(3) قریش ابلیس کی آنکھیں اور اُس کی زبان بن گئے تھے۔ وہ اُن کی آنکھوں سے دیکھتا اور اُن کی زبان سے بولتا تھا؛

(4) ابلیس قریش کی اولاد اور اُن کے خون میں شریک ہو گیا تھا۔ یعنی ہر قریشی مجسم ابلیس تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِتَّخَذُوا الشَّیۡطَانَ لِاَمۡرِھِمۡ مِلَاکًا؛	1	قریش نے اپنے دین کا کرتا دھرتا ابلیس کو بنا رکھا ہے۔
وَ اتَّخَذَھُمۡ لَهٗ اَشۡرَاکًا؛	2	اور ابلیس نے اُن کو اپنے منصوبے میں شریک کار بنا لیا ہے (یعنی گمراہی پھیلانے میں اپنا ساتھی بنالیا ہے)
فَبَاضَ وَ فَرَّخَ فِیۡ صُدُوۡرِھِمۡ؛	3	چنانچہ ابلیس نے اُن کے سینوں میں انڈے دے کر چوزے پیدا کر لئے ہیں۔
وَ رَبَّ وَ دَرَجَ فِیۡ حُجُوۡرِھِمۡ؛	4	اور اپنے چوزوں یا بچوں کی ربوبیت اُن ہی کی گود وآغوش میں کر رہا ہے۔
فَنَظَرَ بِاَعۡیُنِھِمۡ وَ نَطَقَ بِاَلۡسِنَتِھِمۡ؛	5	چنانچہ وہ قریش ہی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اُن ہی کی زبان سے بولتا ہے۔
فَرَکِبَ بِھِمُ الزَّلَلَ؛	6	لہٰذا اُنہیں اُس نے لغزشوں کی راہ پر لگا دیا ہے۔
وَ زَیَّنَ لَھُمُ الۡخَطَلَ؛	7	اور ہر برائی کو سجا کر اُن کے لئے پیش کیا ہے۔
فِعۡلَ مَنۡ قَدۡ شَرِکَهُ الشَّیۡطَانُ فِیۡ سُلۡطَانِهٖ؛	8	قریش نے اپنے تمام کاموں کو اُسی طرح کرنا شروع کر رکھا ہے جس طرح وہ شیطان کی حکمرانی میں شریک ہو کر کرتے۔
وَ نَطَقَ بِالۡبَاطِلِ عَلٰی لِسَانِهٖ؛	9	اور تمام قسم کی باطل باتیں اُسی کی زبان سے بولتے ہیں۔

تشریحات:

1۔ خطبہ (7) میں قریش کو ابلیس کا شریک فرمایا ہے اور یہ وہی شرکت ہے جس کا قرآن میں ذکر ہوا ہے

مفتی اینڈ کمپنی نے اس خطبے کی تشریح تاجرانہ یا کمرشل بنیاد پر کی ہے۔ جو کچھ حضورؐ نے فرمایا ہے اُسے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے قرآن کریم کو سامنے رکھنا چاہیئے تھا (تفصیل آگے دیکھیں)۔ جہاں اللہ نے فرمایا ہے کہ: وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡھُمۡ بِصَوۡتِکَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَیۡھِمۡ بِخَیۡلِکَ وَ رَجِلِکَ وَ شَارِکۡھُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ ......الخ (بنی اسرائیل 17/64)

مودودی ترجمہ: ''1 تُو جس جس کو اپنی دعوت سے پھُسلا سکتا ہے پھُسلا لے 2 اُن پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا 3 مال اور اولاد میں اُن کے ساتھ ساجھا لگا۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 629)

اللہ کے اس بیان میں تین ایسی بُنیادی اور جامع باتیں فرمائی گئی ہیں جو ابلیس کے پورے مشن کو اور اُس کے اقدامات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ دیکھئے: ابلیس کا قیامت تک تمام انسانوں کی زبانوں میں گفتگو اور تقریر کر سکنا، بہکانے، پھسلانے، اغوا کر کے اپنا بنانے کے انداز و ہنر پہلی بات میں داخل ہیں۔ دوسری بات میں اُسے انسانوں اور جنات کی جماعتیں بنانے، اُنہیں ضروری اور متعلقہ تعلیم دینے، معلومات و اطلاعات فراہم رکھنے اور مختلف محاذوں پر تعینات کرنے کی اجازت و اختیار اور چیلنج کرنے کی چھوٹ دے دی ہے اور اسلام و انبیاءؑ کے خلاف تمام وسائل استعمال کرنے پر رضامندی ظاہر فرمادی ہے۔ تیسری بات نہایت اہم ہے اور تمام انسانوں کے ساتھ عموماً اور قریش کے ساتھ خصوصاً یک جان اور دو قالب بن جانے کی اجازت اور اختیار دیتی ہے۔

اگلے صفحات میں آپ قرآن و حدیث سے وہ عملی تفصیلات دیکھیں گے کہ ابلیس کس طرح مردوں کے ساتھ شامل ہو کر اُن کی ازواج کے رحم تک اپنا نطفہ پہنچاتا ہے؟ اور کس طرح اُن کے خون اور اولاد میں شریک ہوتا ہے؟ قرآن کی یہ تفصیلات خیالی نہیں عملی ہیں اور آج سائیکالوجی نے انہیں باقاعدہ بیان و ثابت کر دیا ہے۔ بہرحال خطبے پر دوبارہ نظر ڈالیں:

(i) حضرت علیؑ نے اس آیت (17/64) میں مذکور تینوں باتوں کو بڑے دل نشین، مہذب اور تخلیقی انداز میں بیان فرمایا ہے

حضورؐ نے خطبہ 7 کے جملوں 1-2 اور 5 تا 9 میں اللہ کی پہلی بات پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اور اُس کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ:

''قریش کو ابلیس نے بڑے حسین انداز سے اپنا بنا لیا ہے اور وہ اُس کے مشن اور منصوبے میں اس گہرائی تک شامل اور برسرِ کار ہیں کہ گویا خود ابلیس ہی اپنے کام کر رہا ہو۔ وہی بول رہا ہے، وہی جماعت میں وسعت و ہمت پیدا کر رہا ہے دوسری بات کی ذیل میں فرمایا کہ ''خبردار اور تیار ہو جاؤ کہ بلاشبہ شیطان نے اپنے سارے گروہوں کو جمع کر لیا ہے اور ہم پر ایک بھرپور اور فیصلہ کن حملہ کرنے کے لئے اپنی پیدل اور سوار افواج تیار کر لی ہیں، سامان رسد اور اسلحہ جمع کر لیا ہے (خطبہ 10 جملہ 1-2) تیسری بات یعنی اولاد و اموال میں شرکت کے لئے فرمایا ہے کہ:

''ابلیس نے قریش (مردوں اور عورتوں دونوں) کے سینوں میں انڈے (جرثومے) داخل کئے اور اُن انڈوں سے چوزے پیدا کرا لئے ہیں اور اپنی نسل کو قریش میں مسلسل پیدا کرنے کیلئے اپنے بچوں کی ربوبیت قریش ہی کی گودوں اور آغوشوں میں کر رہا ہے۔ یعنی قریش کے ساتھ شرکت اور شمولیت کی حد یہ ہے کہ قریش میں جنم لینے والا ہر بچہ اب ابلیس اور قریش کا مشترکہ بچہ ہوتا ہے (خطبہ 7 جملہ 3)

نوٹ کریں کہ خطبہ (10) بھی اسی موضوع پر ہے اور ہم نے خطبہ 7 اور 10 کی تشریحات یکجا طور پر کی ہیں۔

(ii) قریش میں ابلیس نے کراس بریڈنگ (Cross Breeding) یعنی عمدہ نطفوں کو حاصل کرنے کا نظام جاری کیا تھا

یہ بھی نوٹ کر لیں کہ ابلیس نے عربوں میں عموماً اور قریش میں خصوصاً ایسی شاندار اولاد پیدا کرانے کا ایک ایسا طریقہ بھی جاری کر دیا تھا جس سے پیدا ہونے والے حقیقی باپ کا نام خود عربوں اور قریش کو بھی معلوم نہ ہوتا تھا (احزاب 33/4-5) اس کی تفصیل ایک عرب اور قریش پرست عالم سے سُنیئے:

''نکاح کا ایک طریقہ اور بھی تھا۔ وہ یہ کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا کہ جب تو حیض سے پاک ہو جائے تو فلاں شخص کو بُلا بھیجنا (یعنی میں

نے اُسکی رضا مندی لے لی ہے) اور اُس سے ہم آغوشی کی درخواست کرنا۔ تا کہ تجھے اُس سے حمل قرار پا جائے۔ اِستِبْضَعِی کے معنی اِطْلَبِی مِنْهُ الْجِمَاعَ (اُس سے ہم آغوشی کرنے کی درخواست کرنا) کے ہیں اور مُبَاضَعَة کے معنی ہم آغوشی کے ہیں۔ یہ لفظ بُضْعٌ سے لیا گیا ہے جسکے معنی شرمگاہ ہیں۔ اس عرصے میں خاوند اپنی بیوی سے الگ رہتا اور جب تک اس شخص کی توجہ کے باعث حمل ظاہر نہ ہو جاتا خاوند بیوی کے قریب نہ جاتا۔ حمل کے ظاہر ہو جانے کے بعد خاوند جب بھی چاہتا بیوی کے پاس چلا جاتا۔ خاوند یہ حرکت صرف اسلئے کرتا کہ بچہ نجیب پیدا ہو۔ بالفاظ دیگر اس لئے کہ اُسے اصیل نر کا پانی حاصل ہو جائے۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ عرب اپنے اکابر اور اُن لوگوں سے جو شجاعت اور سخاوت وغیرہ میں سردار مانے جاتے تھے اس قسم کی درخواست کرتے تھے۔ حیض سے پاک ہونے کے فوراً بعد اس قسم کا مطالبہ کرنے میں یہ راز تھا کہ عورت جلد حاملہ ہو جائے۔ اس نکاح کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا۔ نکاح کا ایک طریقہ اور بھی تھا......''

(بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 261-262 علامہ آلوسی)

اس کے بعد وہ دونوں طریقے لکھے ہیں جس سے عمرو بن عاص اور زیاد بن ابوسفیان پیدا ہوئے تھے۔ یہ سارا معاشرہ وہ تھا جو اپنی بیٹیوں، بہنوں اور ماؤں سے بھی اولاد پیدا کر لیا کرتا تھا۔ (سورہ نساء)

2۔ دورِ نبوّت ورسالت ختم ہوتے ہوتے نظامِ ابلیس بھی ختم ہو گیا تھا۔ دورِ امامتؑ کے مقابلے میں اَب دورِ اجتہاد شروع ہونا تھا

اِس عنوان کا اور خطبات نمبر 7 اور 10 کا تقاضا ہے کہ ہم یہ بتائیں کہ ہمارے مترجمین میں سے نہ کسی قدیم وجدید عالم نے نہ کسی شیعہ و سنی مترجم نے، اِن دونوں خطبات کے ساتھ کوئی شانِ نزول نہیں لکھا لہٰذا ہمیں اس کمی کو پورا کرنے اور خطبات کی تشریحات کو اُن کے معیار تک پہنچانے کے لئے آپ کو عربوں سے عموماً اور قریش سے خصوصاً متعارف کرانا پڑے گا۔ اور اس تعارف کی بنیاد قرآن کریم پر رکھنا ہوگی۔ چنانچہ ایک آیت اور مودودی کا ترجمہ اپنے سامنے رکھیں اور صورتِ حال پر غور فرمائیں۔ اللہ نے فرمایا:

(1) قریشی نظامِ شرک یا جنسی اِشتراک میں بعض ایسے لوگ جن کے حقیقی باپ نامعلوم تھے

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰئِىْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ O اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اٰبَائَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا اَخْطَاتُمْ بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاO (الاحزاب 33/4-5)

مودودی ترجمہ: ''اللہ نے کسی شخص کے دھڑ میں دو دل نہیں رکھے ہیں، 2 نہ اُس نے تم لوگوں کی اُن بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں بنا دیا ہے، اور 3 نہ اُس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکال دیتے ہو (یعنی بکواس۔ احسنؔ) مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی برحقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ اُن کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ نادانستہ جو بات تم کہو اُس کے لئے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ لیکن اُس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 69 تا 71)

(2) قریش حق کے خلاف تین باطل کام محض اپنی بکواس یا متفقہ اجتہاد کے ماتحت اسلام لانے کے بعد بھی کرتے تھے

اِن آیات اوراس ترجمے سے معلوم ہوا کہ قریشی مسلمان اپنے سینوں میں دو دو دِل رکھتے تھے۔ظاہر ہے کہ قریشی قوم کے سینوں میں بھی ایک تو وہی دل تھا جو پوری نوع انسان کے سینوں میں اللہ نے پیدا کیا ہوا ہے۔اور ایک وہ دل تھا جو باطل کو سچا کرحق بنا کر اصلی وخداداد دل سے منظور وپسند کراتا تھا اور یہ دل شیطان کا نمائندہ تھا جس کی تفصیل ابھی آنے والی ہے۔دوسری غلط یا باطل بات' اُسی دوسرے دل نے قریش سے تسلیم کرالی تھی وہ یہ تھی کہ جس بیوی کو غصہ میں ماں یا بہن کہہ دیتے تھے اُسے ماں اور بہن کی طرح حرام مان لیتے تھے۔تیسری غلط بات یہ مان لی گئی تھی کہ جس بچے یا بڑے کو زبانی بیٹا بنا لیتے تھے اُسے اپنے حقیقی بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔مثلاً اُسے وراثت میں شامل کرتے تھے اس کی بیوی کو طلاق ہو جانے کے بعد بھی اپنے لئے ہمیشہ حرام رکھتے تھے۔ان تینوں باتوں کو اللہ نے بکواس اور باطل قرار دے کرحق بات یہ بتائی کہ تم آئندہ نہ اُن عورتوں کو والدہ بنایا کرو نہ وہ تمہاری ماں بن سکتی ہیں اور نہ پرائے بیٹوں کو بیٹا بنایا کرو اور نہ وہ کسی طرح تمہارے بیٹوں کے حکم میں داخل ہو کر تمہارے حقیقی بیٹے بن سکتے ہیں۔لہٰذا ایسے تمام بناوٹی بیٹوں کو اُن کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارا کرو اور اُنہیں اُن ہی کا بیٹا کہا کرو۔اس کے بعد ایک بہت بڑی حقیقت سادہ، عام فہم اور مہذب الفاظ میں یہ بتائی ہے کہ:

''اگر تمہیں اُن کے باپوں کا علم نہ ہو' تو بہر حال وہ تمہارے دینی بھائی ہیں لہٰذا اُنہیں بیٹا نہیں بلکہ اسلامی رشتہ کا بھائی کہہ لیا کرو۔''

آخر میں یہ تاکید فرما دی کہ دیکھو سمجھ بوجھ کر عمداً ایسا کرنا تمہیں ضرور ماخوذ کرے گا البتہ از راہ خطا یا غلطی سے ایسا ہو جائے تو اللہ اپنے رحم وکرم سے بخش سکتا ہے۔(الاحزاب 33/4-5)

(3) دو غلط کام منع اور بند کر دیئے گئے اور دو خاص صورتیں مزید تحقیق کے لئے سامنے آگئیں

اس سورہ احزاب کی ابتدا ہی میں ظُہار کی رسم اور اس کے قریشی متعلقات بند اور منع ہو گئے اور مصنوعی بیٹا بنانا اور خود پر حقیقی بیٹوں والی پابندیاں عائد کرنا باطل ہو گیا اور عمداً ایسا کرنا قابلِ مواخذہ وسزا طے پا گیا۔اس کے بعد یہ سمجھنا ہے کہ قریش کے سینوں میں دوسرے دل کا کیا مطلب ہے؟ اور ایسے بیٹے کہاں سے آتے تھے اور کس طرح وہ تمام حقوق حاصل کر لیتے تھے جو اللہ نے حقیقی بیٹوں کے لئے مقرر کئے ہوئے ہیں؟ ان دونوں سوالات کا جواب' یا دونوں صورتوں کی تفصیل نہ صرف یہ کہ بہت اہم ہے بلکہ یہ تفصیل حضرت علی علیہ السلام کے خطبے کی حقیقی تشریح اور قریش کی صحیح تصویر ومرقع بھی ہے۔

اول۔ کسی انسان کے دو دل تو نہیں ہوتے لیکن وہ بعض حالات میں دو دِلوں کی موجودگی کا اعلان کرتا ہے

اللہ نے اِن آیات (33/4-5) میں دو دِلوں کا تذکرہ کر کے انسانوں کی ایک نفسیاتی کیفیت (Psychological Condition) کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔چنانچہ ہر آدمی پر ایسی کیفیت گزرتی ہے جب وہ یہ کہتا ہوا پایا جاتا ہے کہ:

''میرا ایک دل یہ کہتا ہے......اور دوسرا دِل یہ کہتا ہے۔''

اور یہ حالت اُس وقت ہوتی ہے جب کسی معاملے کے فیصلے میں اُس کے سامنے دو فیصلے آ جاتے ہیں اور اُسے دونوں طرح عمل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے۔یعنی جب اُس کی قوتِ فیصلہ اُلجھ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور اُس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دونوں فیصلوں میں سے کس کو ترجیح دوں؟ اگر کسی انسان پر یہ کیفیت بار بار طاری رہے تو یقیناً وہ عام فطری حالات سے خارج اور دو دِلوں والا شخص مانا جائے گا۔اسی قسم کی حالت

اُس سربراہ مملکت کی ہو جاتی ہے جس کے ساتھ کوئی برابر کا شخص شریک حکومت ہو۔ اور ہر ہر معاملے میں برابر مگر مختلف اور مفید نظر آنے والا فیصلہ سامنے رکھتا ہو۔ اور اگر یہ دوسرا شخص ذرا سا بہتر نظر آنے والا فیصلہ پیش کردے تو یقیناً سربراہ مملکت اُس پر بڑی خوشی سے عمل کرلے گا اور ساتھ ہی دوسرے شخص کا شکرگزار بھی لازماً ہوگا۔ اور اگر بار بار ایسا ہوتا رہے تو ایک دن خود غور و فکر کرنا بند کر کے کاروبارِ حکومت اُس کو سونپ دے گا۔

دوم۔ تذبذب، وسوسوں اور اُلجھاؤ سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں رہنا واجب کیا گیا ہے

یہی وہ کیفیت ہے جس سے بچنے کیلئے اللہ نے مختصراً بھی اور تفصیل سے بھی اس کا علاج و سبب بتایا ہے مثلاً فرمایا کہ:

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِO مَلِکِ النَّاسِO اِلٰہِ النَّاسO مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ Oالۡخَنَّاسِ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِOمِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِO (114/1-6 سورہ والناس)

''کہو میں پناہ چاہتا ہوں انسانوں کے پروردگار، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے حقیقی معبود کی، اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار رائے بدلتا اور لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ خواہ وہ خناس جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو۔''

معلوم ہوا کہ قوتِ فیصلہ پر اثر انداز ہونے والی ہستی خناس کہلاتی ہے اور وہ جنات میں سے بھی ہوتی ہے اور انسانوں میں سے بھی ہوتی ہے۔ اور اُن سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ میں رہنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ قوت رفتہ رفتہ قلب و ذہن پر مسلط ہو کر اپنی پسند کے فیصلے اور اعمال و اقدامات کرائے گی۔

سوم۔ مرکزِ ہدایتؑ اور مرکزِ گمراہی سے تصادم میں مرکزِ ہدایتؑ سے وابستہ رہ کر کامیابیاں مقدر ہیں

جیسا کہ زیرِ نظر آیات (33/4-5) میں خناس ہی کی انگیخت پر عربوں نے اپنے بنائے ہوئے پرائے بیٹوں کو اصلی بیٹے اور اپنی بیویوں کو اپنی مائیں بنانے کا پروگرام جاری کر رکھا تھا۔ یعنی حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرتے رہنا جائز کیا ہوا تھا۔ جس کو منع کر دیا گیا تھا۔ تا کہ وہ گمراہ کرنے والے اُس ادارے سے الگ ہو جائیں جو قلوب و اذہان تک کامیاب رسائی رکھتا ہے اور انسان کو غیر محسوس طریقوں اور قوتوں سے غلط راہوں پر ڈالتا ہے اور پتہ نہیں چلنے دیتا کہ انسان غلط راہ پر چلا جا رہا ہے۔

چہارم۔ مرکزِ ہدایت اللہ اور اُس کا نظامِ نبوّت و رسالتؑ ہے اور مرکزِ گمراہی نظامِ ابلیس ہے جو روزِ اول سے ایک بااختیار ادارہ ہے

ابلیس و آدمؑ کے متعلق آپ نے بہت کچھ پڑھا ہے یہاں ہم ابلیس کے متعلق چند ایسی باتیں آپ کے سامنے لائیں گے جن کا تعلق براہ راست حضرت علی علیہ السلام کے ساتویں اور دسویں خطبات سے ہے۔ پہلی بات تو یہ نوٹ کریں کہ ابلیس اور اُس کا نظام اُتنا ہی اہم اور ضروری تھا۔ جتنا کہ نظامِ نبوتؐ و رسالتؑ یا نظامِ ہدایت ہے۔ اس لئے کہ ابلیس کا کام یہ ہے کہ کسی کو بلا محنت و کوشش ہدایت نہ پانے دے یعنی کوئی اتفاقیہ طور پر یا بلیک میل کر کے جنتی نہ بن جائے اور کوئی غیر ارادی طور پر بلا ذاتی محنت و کوشش کے اتفاقیہ گمراہ یا جہنمی نہ ہو جائے۔ مختصراً یہ کہ وہ کھرے کو کھرا، کھوٹے کو کھوٹا، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دے۔ اور اس مقصد کے لئے اُسی بصیرت اور اختیارات و قدرت کی ضرورت تھی جو ابلیس کو اللہ نے عطا کی تھی۔ ورنہ اُس سے وہ مقصد پورا نہ ہو سکتا تھا جو اُس کے لئے طے ہو گیا تھا۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ اُس نے بھی خوب سوچ سمجھ کر آزادانہ مندرجہ بالا مقصد اختیار کیا تھا۔ اللہ نے اُس کے سر تھوپ نہ دیا تھا۔ وہ تو صرف یہ چاہتا تھا کہ ابلیس نبوّت کے حضور سجدہ کرے۔ اللہ کی اطاعت اور نبیؐ کی اطاعت میں تفریق نہ کرے اور مقاصد نبوّت و رسالتؑ میں بھرپور تعاون کرتا رہے۔ اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر سمجھا، انہیں سجدہ کرنا توحید کے منافی اور شرک سمجھا اور اللہ کا حکم نہ مانا بلکہ یہ سوال کھڑا کر دیا کہ سجدہ کے حکم سے جیسے میں اغوا ہو گیا اُسی طرح اولادِ آدمؑ بھی اغوا ہو سکتی

ہے اور میں تیرے چند خالص بندوں کے علاوہ ساری نوع انسان کو تیرے اور تیرے نبیوں کی ہدایات کے خلاف اغوا کر کے دکھا سکتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ مجھے قیامت تک، یعنی دنیا میں انسانوں کی موجودگی تک مہلت وموقع وقدرت واختیارات دے دیئے جائیں۔

پنجم۔ ابلیس کا اعلانِ مقصد اور اللہ کا ابلیس کو متعلقہ مقصد کے لئے موقع واختیار دینا

چنانچہ علامہ مودودی نے آیات (اعراف 17-7/14) کی تشریح میں ہمارے مندرجہ بالا عنوان کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

(1) ''یہ مہلت جو شیطان نے مانگی اور خدا نے اُسے عطا فرما دی، اس سے مراد محض وقت ہی نہیں ہے بلکہ اُس کام کا موقع دینا بھی ہے جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ یعنی اُس کا مطالبہ یہ تھا کہ مجھے انسان کو بہکانے اور اُس کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر اُس کی نااہلی ثابت کرنے کا موقع دیا جائے، اور یہ موقع اللہ تعالیٰ نے اُسے دے دیا۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل آیات 65-17/61 میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اختیار دے دیا کہ آدم اور اُس کی اولاد کو راہِ راست سے ہٹا دینے کے لئے جو چالیں وہ چلنا چاہتا ہے، چلے۔ اُن چال بازیوں سے اُسے روکا نہیں جائے گا۔ بلکہ وہ سب راہیں کھلی رہیں گی جن سے وہ انسان کو فتنہ میں ڈالنا چاہے گا۔ لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگا دی کہ: **اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ**، یعنی میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار نہ ہوگا۔ تو صرف اس بات کا مجاز ہوگا کہ اُن کو غلط فہمیوں میں ڈالے، جھوٹی اُمیدیں دلائے، بدی اور گمراہی کو اُن کے سامنے خوشنما بنا کر پیش کرے، لذتوں اور فائدوں کے سبز باغ دکھا کر ان کو غلط راستوں کی طرف دعوت دے۔ مگر یہ طاقت تجھے نہیں دی جائے گی کہ اُنہیں ہاتھ پکڑ کر زبردستی اپنے راستے پر کھینچ لے جائے اور اگر وہ خود راہِ راست پر چلنا چاہیں تو انہیں نہ چلنے دے۔ (وغیرہ وغیرہ)''

(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 13-14) اور سنئے کہ مودودی صاحب نے سورۂ حجر (42 تا 15/36) کی تشریح میں لکھا کہ:

(2) ''یعنی جس طرح تو نے اس حقیر اور کم تر مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر مجھے مجبور کر دیا کہ تیرا حکم نہ مانوں، اِسی طرح اب میں ان انسانوں کے لئے دُنیا کو ایسا دل فریب بنا دوں گا کہ یہ سب اُس سے دھوکا کھا کر تیرے نافرمان بن جائیں گے۔ (یہ بیان پہلے جملے کے خلاف ہو گیا اس لئے کہ مجبوری کے بدلے میں مجبوری ہونا چاہئے تھی۔ یعنی جس طرح تو نے مجھے مجبور کر دیا میں بھی اسی طرح انہیں مجبور کر دوں گا۔ احسنؔ) بالفاظِ دیگر ابلیس کا مطلب یہ تھا کہ ''میں زمین کی زندگی اور اُس کی لذتوں اور اُس کے عارضی فوائد ومنافع کو انسانوں کے لئے ایسا خوشنما بنا دوں گا کہ وہ خلافت اور اُس کی ذمہ داریوں اور آخرت کی باز پرس کو بھول جائیں گے۔ اور خود تجھے بھی یا تو فراموش کر دیں گے، یا تجھے یاد رکھنے کے باوجود تیرے احکام کی خلاف ورزیاں کریں گے .... اللہ تعالیٰ نے اس کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شرط میں نے مانی۔ اور مزید توضیح کرتے ہوئے یہ بات بھی صاف کر دی کہ تجھے صرف فریب دینے کا اختیار دیا جا رہا ہے، یہ اقتدار نہیں دیا جا رہا ہے کہ تو ہاتھ پکڑ کر اُنہیں زبردستی اپنی راہ پر کھینچ لے جائے۔ شیطان نے اپنے نوٹس سے اُن بندوں کو مستثنیٰ کیا جنہیں اللہ اپنے لئے خالص فرما لے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 506-507)

ششم۔ علامہ نے سورہ بنی اسرائیل (65 تا 17/61) میں ابلیس کے لئے کیا کیا اختیارات اور قدرت تسلیم کی ہے؟

علامہ نے اپنی مندرجہ بالا تشریح (1) میں یہ تو مان لیا ہے کہ ''سورۂ بنی اسرائیل آیات 61 تا 65 میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اختیار دے دیا.....'' مگر ہم چاہتے ہیں کہ اُن آیات (65 تا 17/61) کا مودودی ترجمہ یہاں لکھ دیں تاکہ جو اختیارات ابلیس کو دیئے گئے تھے وہ آپ کے سامنے لفظ بلفظ آجائیں۔ سنئے:

مودودی کے ترجمہ سے ابلیس کو ملنے والے اختیارات؟

’’اور یاد کرو جب کہ ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اُس نے کہا ’’کیا میں اُس کو سجدہ کروں جسے تُو نے مٹی سے بنایا؟‘‘ پھر وہ بولا ’’دیکھ تو سہی، کیا یہ اس قابل تھا کہ تُو نے اسے مجھ پر فضیلت دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں اس کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں، بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے‘‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’’اچھا تو جا! ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں، تجھ سمیت اُن سب کیلئے جہنم ہی بھرپور جزا ہے۔ تو جس جس کو اپنی دعوت سے پھُسلا سکتا ہے پھُسلا لے، اِن پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا، مال اور اولاد میں اِنکے ساتھ ساجھا (شرکت۔احسن) لگا۔ اور ان کو وعدوں کے جال میں پھانس، اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا اور توکّل کے لئے تیرا رب کافی ہے۔ (بنی اسرائیل 65 تا 17/61) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 627 تا 630)

ہفتم۔ سابقہ بیانات میں ابلیس کو ملنے والے اختیارات وقدرت کی فہرست

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں رُک کر اُن اختیارات اور قدرتوں کی فہرست بنالیجئے جو مودودی کی تصدیق کے ساتھ یہاں تک قرآن سے ابلیس کو مل چکے ہیں: 1 طویل ترین عمر اور مہلت 2 ہر وہ موقع جس کی اسے ضرورت پیش آئے 3 انسانوں کی ہر فطری، پیدائشی اور اکتسابی کمزوری اور خامیوں کا علم 4 انسانوں کو بہکانے اور کامیاب دھوکا دینے کا ہر طریقہ اور موقعہ 5 ہر قسم کی چال ومکر کا علم اور ہر چال ومکر کرسکنے کی قوت 6 ہر ایسا انتظام کرسکنے کی قدرت اور بصیرت جس سے انسانوں کو فتنے میں الجھا سکے 7 ہر قسم کی غلط فہمیاں پیدا کرنے کا علم وتجربہ 8 قلوب واذہان پر اتنی قدرت کہ انسانوں میں بہترین اور حسین امیدیں اور تمنائیں پیدا کر کے اُن کے بار آور ہونے کا یقین پیدا کرسکے 9 جس چیز کو چاہے دیدہ زیب و دل فریب وحسین وجمیل بنا کر پیش کرسکے 10 انسانوں کے اموال میں وہ تاثیر پیدا کرسکے جو اُن کے استعمال کرنے والے کو ابلیسی مشن کا مددگار بنا دے 11 انسانوں کے جسم وخون وگوشت میں داخل ہوسکنا، اور اُن کے قلب وذہن وبصیرت میں شریک ہوکر اپنے پروگرام پر عمل کرانا 12 اپنی مطیع وفرمانبردار پیدل اور سوار افواج تیار کرنا اور انہیں اپنے مشن کی تائید وتنفیذ واستحکام کے لئے استعمال کرنا وغیرہ۔

ہشتم۔ یہ اختیارات وقدرت اور مواقع صرف کہنے تک محدود نہ تھے بلکہ عملاً ابلیس نے اُن میں کمال حاصل کیا اور قریش پر مسلط ہوگیا

اِن اختیارات اور قدرتوں کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں قرآن سے لکھی جائیں گی۔ فی الحال یہ دیکھئے کہ یہ سب کچھ محض خیالی یا نظری نہ تھا بلکہ ابلیس نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری دورِ نبوّت تک اپنے اختیارات اور قدرتوں میں اُسی طرح اور اُتنی ہی ترقی وکمال حاصل کرلیا تھا جس طرح نبوت نے بتدریج کمال کی حدود تک رسائی حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی مخاطب قوم پر اُسے مکمل تسلط حاصل ہوجانے کی اطلاع قرآن نے یوں دی ہے۔

اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّيۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ O اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الۡاَذَلِّيۡنَ O كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىۡ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ O لَا تَجِدُ قَوۡمًا يُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ يُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَهُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِيۡرَتَهُمۡ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ وَاَيَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ وَيُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا رَضِىَ

اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَO (مجادلہ 22-58/19)

(1) مودودی ترجمہ۔ ابلیس کا قریش پر پُورا پُورا تسلط تھا: ''شیطان اُن پر مسلط ہو چکا ہے اور اُس نے خدا کی یاد اُن کے دلوں سے بھُلا دی ہے۔ وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار ہو، شیطان کی پارٹی والے ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔''(58/19)

(2) قریش شیطانی گروہ ہے اسلام کی تعبیرات پر چرب زبانی سے اللہ ورسوؐل کا مقابلہ کر رہا ہے:

''یقیناً ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں۔''(58/20)

(3) یہ لکھا ہوا فیصلہ ہے کہ آخر کار اللہ اور اُس کے رسولوں کا مشن ہی غالب رہے گا:

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ فی الواقع اللہ زبردست اور زور آور ہے۔''(58/21)

(4) قریش کی اولاد، باپ دادا، بھائی بند اور تمام متعلقین ایسے مومن ہیں جو اللہ ورسوؐل سے تعبیراتِ دین پر جھگڑنے والوں سے محبت کرتے ہیں

''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی یا اُن کے اہلِ خاندان۔(مجادلہ)

(5) اللہ کا مومن گروہ وہ ہے جن کے دلوں میں روزِ ازل سے ایمان لکھا ہوا ہے، اللہ کی رُوح اُن کی تائید کرتی ہے اُن کے آبا و اجداد شیطان سے محفوظ ہیں:

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک رُوح عطا کر کے اُن کو قوت بخشی ہے۔ وہ اُن کو ایسی جنّتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔(مجادلہ)

(6) مستقلاً رضائے خداوندی کے حامل لوگ مکمل ایمان کے بھی اور رُوحُ اللہ کے حامل حضراتؑ ہیں اور روزِ ازل سے مشخص ہیں:

اللہ اُن سے راضی (رہتا۔احسنؔ) ہوا (چلا آیا ہے۔احسنؔ) اور وہ اللہ سے راضی (رہتے۔احسنؔ) ہوئے (چلے آئے ہیں۔احسنؔ) وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔''(58/22)(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 365 تا 367)

(7) اِن آیات سے پہلے بھی قریش پر ابلیس کے تسلط کا نتیجہ اور قریشی عمل درآمد دکھایا گیا تھا۔ مودودی کا ترجمہ دیکھیں

''کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جنہوں نے دوست (ولی و حاکم۔احسنؔ) بنایا ہے ایک ایسے گروہ کو جو اللہ کا مغضوب ہے؟ وہ نہ تمہارے (میں سے۔احسنؔ) ہیں نہ اُن کے (مذہب میں سے۔احسنؔ)(مَا ھُمۡ مِّنۡکُمۡ وَلَا مِنۡھُمۡ) اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی بات (تعبیرات۔احسنؔ) پر قسمیں (حلف۔احسنؔ) کھاتے ہیں۔(58/14)

(8) قریشی اجتہاد اور قومی ولایت پر شدید عذاب وذِلت تیار کئے گئے ہیں:

اللہ نے اُن کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بڑے ہی بُرے کرتوت ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی قسموں (معاہدوں۔احسنؔ) کو ڈھال (آڑ۔احسنؔ) بنا رکھا ہے۔ جس کی آڑ میں وہ اللہ کی راہ (حقیقی منشا۔احسنؔ) سے لوگوں کو روکتے ہیں (اور اپنی راہ پر لگاتے ہیں۔ فرقان 29 تا 25/27۔احسنؔ) اِس پر اُن کے لئے ذِلت کا عذاب ہے۔ اللہ سے بچانے کے لئے نہ اُن کے مال کچھ کام آئیں گے نہ اُن کی اولاد۔ وہ دوزخ کے یار (اَصۡحٰبُ النَّار) ہیں اُسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(9) قریش قیامت تک اپنے خودساختہ اسلام کو برحق سمجھتے ہوئے حقانیت پر حلفیہ بیان دیں گے:

جس روز اللہ اُن سب کو اُٹھائے گا۔ وہ اُس کے سامنے بھی اُسی طرح سے قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور اپنے نزدیک یہ سمجھیں گے کہ اُس سے اُن کا کچھ (برحق ہونے میں۔احسن) کام بن جائے گا۔ خوب جان لو، وہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں۔ شیطان اُن پر مسلط ہو چکا ہے...... ''(19 تا 58/14)(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 364-365)

(10) جہاں جہاں ہم نے بریکٹ دیا ہے وہاں علامہ نے بددیانتی اور غلط ترجمہ سے کام لیا ہے:

علامہ کی بددیانتی چھپتی نہیں۔

1 یُحَادُّوْنَ کا ترجمہ اللہ و رسولؐ سے ''مقابلہ'' کیا ہے (58/20) مگر اُسی لفظ حَادَّ اللّٰہ کا ترجمہ ''مخالفت'' کر دیا ہے (58/22)،

2 پھر لفظ عَشِیْرَۃ کے معنی اہل خاندان کئے اور اسی لفظ کے معنی پہلے ''قریب ترین رشتہ داروں'' کئے تھے۔
(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 541، الشعراء 26/214)

3 الایمان اور ایمان میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اجتہاد اور غلط تعبیراتِ اسلام اور قریش کے مومن ہونے کا بالکل ذکر نہ کیا۔
حالانکہ وہ اپنی تعبیرات کے مطابق مومن تھے۔ اور مودودی نے لفظ ''کَتَبَ'' کے دو معنی کئے یعنی:

(1) اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے (کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ) رسولؐ غالب ہو کر رہیں گے۔ (58/21) اور

(2) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں (کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانُ) اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔ (58/22)

کَتَـــبَ کے معنی ''ثبت'' کر کے علامہ نے اُن حضراتؑ کی پوزیشن کو گھٹانے کی کوشش کی ہے۔ جن کے دلوں میں اللہ نے روزِ ازل سے اُسی طرح ایمان لکھا ہوا تھا جس طرح اُس نے اپنا اور اپنے رسولوںؐ کا روزِ ازل سے غالب رہنا لکھا ہوا تھا۔ یعنی وہ حضرات نہ صرف یہ کہ روزِ ازل سے مومن اور مکمل ایمان (الایمان) سے وابستہ رہتے چلے آئے تھے بلکہ وہ اُن تمام انسانوں سے مختلف لوگ تھے جو دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ایمان لائے اور پہلے کافر تھے یا غیر مومن تھے۔

3۔ اللہ کے قرآنی بیانات کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علیؑ نے قریش کی کیسی تصویر کشی کی ہے؟

یہاں تک قرآن کی آیات سے اور مودودی کے ترجمے و تصدیق سے وہ اختیارات اور قدرت سامنے آچکی جو اللہ نے ابلیس کو عطا کی تھیں۔ اور یہ بھی ہم سب کو معلوم ہے کہ ابلیس نے اپنی بصیرت، ہر قدرت اور تمام اختیارات انسانوں کو راہِ راست سے ہٹانے کے لئے استعمال کئے تھے۔ یہاں تک کہ قریش کا زمانہ آ گیا۔ اُس نے قریش کے ساتھ جو کچھ کیا، اور جس طرح کیا وہ تفصیل وار مختلف عنوانات کے ساتھ آپ کے سامنے آئے گا۔ یہاں تو گہرائی میں جائے بغیر وہ صورتِ حال سامنے رکھنا چاہتے ہیں جو اللہ و علیؑ کے بیانات سے ہر کس و ناکس کے بلا محنت و غور و خوض سامنے آتی ہے۔ چنانچہ اللہ نے گہرائی میں جانے اور تفصیل بیان کرنے کے بجائے یہ موٹی سی اور ہمہ گیر بات فرمادی کہ:

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ اُوْلٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ (58/19 سورہ مجادلہ) ''شیطان اُن پر مسلط ہو چکا ہے۔ اور اُس نے خدا کی یاد اُن کے دل سے بھلا دی ہے۔ وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں۔'' (مودودی تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 365)

اول۔ قریش شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں ہر کام شیطان کے مشن کے مطابق کرتے ہیں اللہ یا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے

یہاں یہ ماننا پڑے گا کہ قریش کا نہ اللہ سے کوئی تعلق ہے نہ رسوؐل کے احکامات سے اُنہیں کوئی سروکار ہے۔ وہ صرف اور خالص ابلیس کے آدمی ہیں اور سو فیصد اُس کے قابو میں ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں وہ شیطان ہی کراتا ہے۔ یعنی اُن کا ہر کام، ہر بات، ہر نقل و حرکت، سوچنا سمجھنا، غور و خوض کرنا، دیکھنا بھالنا اور محسوس کرنا اور فیصلے کرنا سب ابلیس کی نمائندگی میں اور ابلیس ہی کے کام ہوتے ہیں۔

دوم۔ خطبوں میں قریش کی عملی پوزیشن

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:

(1) قریش نے اپنے دین کا مختار یا کرتا دھرتا ابلیس کو بنا رکھا ہے اور ساتھ ہی ابلیس نے قریش کو اپنے گمراہ کُن منصوبے میں شریک کار بنالیا ہے۔ (خطبہ 7 جملے 1-2)

(2) ابلیس قریش ہی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور اُن ہی کی زبان سے بولتا ہے۔ چنانچہ انہیں ابلیس نے لغزشوں کی راہ پر لگا دیا ہے۔ اور ہر برائی کو قریش کے سامنے سجا کر سنوار کر اچھائیوں کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔ (خطبہ 7 جملے 5 تا 7)

(3) قریش اپنا ہر کام اُسی انداز و اختیار سے کرتے ہیں جس طرح کہ ابلیس نے اُنہیں اپنی حکمرانی اور مملکت میں برابر کا شریک بنالیا ہو اور ہر باطل گفتگو ابلیس ہی کے لب و لہجہ اور زبان میں کرتے ہیں۔ (خطبہ 7 جملے 8-9)

سوم۔ اللہ نے ابلیس کو پیدل اور سوار افواج سے نوعِ انسان پر حملہ آور ہونے کی قدرت و اختیار بھی دیا تھا

اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ: **وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِکَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَيۡهِم بِخَيۡلِکَ وَ رَجِلِکَ وَ شَارِکۡهُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ** ......الخ (بنی اسرائیل 17/64 تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 629)

مودودی ترجمہ: 1 ''تو جس جس کو اپنی دعوت سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے۔ 2 اُن پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا۔ 3 مال اور اولاد میں اُن کے ساتھ ساجھا لگا۔'' (بنی اسرائیل 17/64 تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 629)

اللہ کے اس بیان میں تین ایسی بنیادی اور جامع باتیں فرمائی گئی ہیں جو ابلیس کے پُورے مشن اور اقدامات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ اُس کی تمام زبانوں میں گفتگو، تقاریر، بہکانے، پھسلانے، اغوا کرنے، اپنا بنانے کے انداز و ہنر پہلی بات میں داخل ہیں۔ دوسری بات میں اُسے انسانوں اور جِنات کی جماعتیں بنانے، اُنہیں ضروری اور متعلقہ تعلیم دینے، معلومات و اطلاعات فراہم کرنے اور مختلف محاذوں پر تعینات کرنے کی اجازت و اختیار اور چیلنج اور چھوٹ دے دی ہے اور اسلام و انبیاؑ کے خلاف تمام وسائل استعمال کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ تیسری بات بہت اہم ہے اور قریش و ابلیس کے یک جان اور دو قالب ہو جانے کی طویل داستان کا افتتاح کرتی ہے۔

چہارم۔ حضرت علیؑ نے اِس آیت (17/64) کی تینوں باتوں کو بڑے دِل نشین اور تخلیقی انداز میں واضح فرمایا ہے

حضرت علی علیہ السلام نے مندرجہ بالا جملوں (خطبہ 7 جملے 1-2، 5 تا 7، 8-9) میں اللہ کی پہلی بات پر پوری روشنی ڈال دی ہے اور اُس کا بھرپور نتیجہ یہ بتایا ہے کہ قریش کو ابلیس نے بڑے حسین اور پیارے طریقوں سے اپنا بنالیا اور وہ اُس کے مشن اور منصوبے میں اِس گہرائی تک شامل اور برسرِ کار رہیں کہ گویا خود ابلیس ہی اپنے کام کر رہا ہو۔ وہی بول رہا ہے وہی جماعت میں وسعت کر رہا ہے۔ دوسری بات کی ذیل میں فرمایا کہ:

خبردار و تیار ہو جاؤ کہ بلاشبہ شیطان نے اپنے سارے گروہوں کو جمع کر لیا ہے اور ہم پر ایک بھرپور و فیصلہ کن حملہ کرنے کے لئے اپنی پیدل اور سوار افواج تیار کر لی ہیں، سامانِ رسد اور اسلحہ جمع کر لیا ہے۔ (خطبہ 10 جملے 1-2)

تیسری بات، اموال اور اولاد میں شرکت کے لئے ارشاد فرمایا کہ:

ابلیس نے قریش (مرد اور عورتیں دونوں) کے سینوں میں انڈے داخل کئے اور اُن انڈوں سے چوزے (بچے) پیدا کر لئے ہیں، اور اپنی نسل کو قریش میں مسلسل پیدا کرتے رہنے کے لئے اپنے بچوں کی ربوبیت قریش ہی کی گود اور آغوش میں کر رہا ہے۔ یعنی قریش کے ساتھ شرکت و شمولیت کی حد یہ ہے کہ قریش میں جنم لینے والا ہر بچہ اب ابلیس کا اور قریش کا مشترکہ بچہ ہوتا ہے۔ (خطبہ 7 جملے 3-4)

پنجم۔ ابلیس نے اپنے مشن کی ابتدا جنسیات کو اُبھار کر اور عورت کی شرکت کے امکان پر ہی تو مرتّب کی تھی

اِس مرتضوی وضاحت کی مزید تصدیق و ثبوت و توضیح کے لئے ہمیں پھر قرآن کریم سے مدد کی احتیاج اس لئے ہے کہ حضورؐ نے مختصر انداز میں نظامِ تولید و تناسل سے اپنے بیان کو وابستہ فرما دیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ اللہ نے ابلیس کو نوعِ انسان کی اولاد میں شرکت کی اجازت و اختیار دے کر اُسے اُس کی طرف راہنمائی فرمائی جہاں سے اولادِ انسانی جنم لینے کے لئے اپنا آغاز کرتی ہے یعنی مرکزِ تولید اور قوانینِ تولید اور مراحل و کیفیت تولید کی طرف متوجہ کر دیا۔ حضرت علیؑ نے لفظ انڈے دینا (بَـاضَ، بیـضـہ) فرما کر انسان کے نطفے کے اُس جرثومہ کو سامنے رکھ دیا جو رحمِ مادر میں لباسِ تخلیق پہنتا ہے۔ تاکہ ابلیس اپنی حقیقی شرکت کو قدرتی و فطری بنا کر دکھائے اور فائدہ اُٹھائے۔

ششم۔ حضرتِ آدمؑ اور حوّا کو جنت میں سکونت کا حکم ابلیس کے لئے بھی برابر کا باعثِ تشویش ہو گیا تھا

ابلیس و آدم علیہ السلام کا قصہ ذرا ذرا سے اختلاف کے ساتھ تمام اہلِ مذاہب میں مشہور و معلوم ہے۔ اور قرآن کریم نے بڑی تفصیلات کے ساتھ اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ہم اللہ کا وہ حکم سامنے لاتے ہیں جس پر ابلیس نے مجبور ہو کر وہ چال چلی جو اُس کی پہلی چال تھی اور جس سے حضرات آدم و حوا علیہما السلام جنت سے رخصت ہو کر دُنیا میں تشریف لائے اور توالد و تناسل اور دیگر مصروفیات شروع ہوئیں۔ حضرت آدمؑ کی لامحدود تعلیم (بقرہ 2) کے بعد اُنہیں جنت میں رہنے کا حکم یوں دیا گیا کہ:

.. يٰآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ O فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ O وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ O فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ O (سورہ اعراف 22 تا 7/19)

مودودی کا کافرانہ ترجمہ: ''اے آدم تو اور تیری بیوی، دونوں اِس جنت میں رہو، جہاں جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔'' پھر شیطان نے اُن کو بہکایا تاکہ اُن کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں اُن کے سامنے کھول دے۔ اُس نے اُن سے کہا ''تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔'' اور اُس نے قسم کھا کر اُن سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیرخواہ ہوں۔ اس طرح دھوکا دے کر وہ اُن

دونوں کورفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔آخر کار جب اُنہوں نے اس درخت کا مزا چکھا تو اُن کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتّوں سے ڈھانکنے لگے۔تب اُن کے رب نے انہیں پکارا'' کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دُشمن ہے۔''(تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 14-15)

ہماراترجمہ جوالفاظ اورواقعہ کی فطری تصویر کشی کرے گا :

علامہ نے آیات کے الفاظ کے معنی لکھنے میں یہ کوشش کی ہے کہ حضرت آدمؑ وحوّا کو گنہگار اور نافرمان ثابت کیا جائے اس لئے کہ تمام شیعہ سُنّی علما نے کسی نہ کسی طرح حضرتِ آدمؑ کو خطا کار و غلط کار ثابت کیا ہے۔لہٰذا ہم اپنا ترجمہ بھی لکھتے ہیں کہ باطل تصورات ساقط ہو جائیں۔سُنئے :

''اَے آدمؑ تم یہ سارا مکالمہ(اعراف 18 تا 7/11)ذہن نشین رکھتے ہوئے،مع اپنی زوجہ کے جنت میں سکونت اختیار کرلو اور تم دونوں جنت میں جو چاہو اور جس طرح چاہو اور جتنا چاہو کھاؤ مگر دیکھو اس درخت کے قریب تم دونوں پھر کبھی ہرگز نہ آنا۔ورنہ تم دونوں غلط کاروں میں شمار ہو جاؤ گے۔چنانچہ شیطان نے اُن دونوں کو اُن کے آلاتِ توَالد وتنَاسُل سے متعارف کرانے کے لئے،اور اُن کے تہہ در تہہ پوشیدہ جنسی جذبات کو اُبھارنے کے لئے ایک توجہ دِلانے والی ترکیب کی اور اُن دونوں سے مبہم زبان میں کہا(وسوسہ ڈالا)کہ تمہیں تمہارے پروردگار نے اُس درخت کے متعلق جو ممانعت کی ہے اس لئے کی ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ۔اور ابلیس نے قسمیں کھا کھا کر اُن دونوں کو یقین دلایا کہ میں تمہارا خیر خواہ نصیحت کرنے والا ساتھی ہوں۔چنانچہ اُس نے اُن دونوں کو فریب آمیز دلائل کے ساتھ اُس درخت کے پھل پیش کئے چنانچہ جیسے ہی اُن دونوں نے اُنہیں چکھا تو فوراً ہی دونوں پر دونوں کے جنسی آلات وجذبات ظاہر ہو گئے اور دونوں نے گھبرا کر جلدی جلدی اپنے اپنے آلاتِ توَالد وتنَاسُل کو جنتی درختوں کے پتوں سے ڈھکنا شروع کیا اور اُدھر اُن دونوں کو اُن کے پروردگار نے پکارا اور کہا کہ کیا میں نے تمہیں اُس درخت کے متعلق منع نہ کیا تھا؟ اور کیا تم دونوں سے یہ نہ کہا تھا کہ یقیناً شیطان تم دونوں کا کھلا دُشمن ہے؟''

ہفتم۔حضرت آدمؑ کو اس واقعہ یا کسی اور آیت سے غلط کار یا خطا کار یا غیر معصوم کہنا غلط کاری ہے

حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کے متعلق تفصیلات ہماری تفسیر(سورہ اعراف)میں ملیں گی۔یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ حضرت آدمؑ قرآن کی رُو سے ہرگز خطا کار و غلط کار نہیں ہیں۔اُنہوں نے اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی ہے اور اپنے پروردگار کی عظمت وجلال کو پوری طرح مدنظر رکھا ہے۔جن لوگوں نے یہ سمجھا اور کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے مذکورہ درخت کے پھل کھانے سے منع کیا تھا وہ غلط فہمی اور اسرائیلیات اور عربوں کے خود ساختہ افسانوں میں مبتلا ہوئے ہیں اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ(لَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ)(بقرہ2/35،اعراف 7/19)''تم دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا''اور وہ دونوں قرآن کی رُو سے ہرگز کبھی اُس درخت کے پاس نہیں گئے اور یہاں اس قدر کافی ہے۔دیکھنا تو یہ ہے کہ ابلیس نے انسانوں کی ایک زبردست جذباتی کمزوری کو نوٹ کر کے اُس سے پہلا فائدہ یہ اُٹھایا کہ حضرت آدمؑ وحوّا کو بظاہر قبل از وقت جنت سے نکلنا پڑا۔لیکن دراصل ہوا یہ کہ نہ اللہ کا یہ منشا ومقصد تھا کہ وہ دونوں حضراتؑ ہمیشہ جنت میں رہیں نہ حضرت آدمؑ یہ چاہتے تھے۔مطلب یہ کہ اُدھر ابلیس کو اپنی کامیابی محسوس ہوئی اِدھر حضرت آدمؑ اپنی حقیقی منزل پر آ گئے۔یعنی دھوکا ابلیس کو ہوا۔آدمؑ کو نہیں۔اُنہوں نے جنت کے قیام کے مقصد کو مکمل طریقے پر انجام دیا۔ابلیس کا طرزِ عمل عملاً دیکھ لیا۔اصطلاحاتِ دینیہ کو معنی ومطالب عطا کئے،اللہ سے طرزِ تخاطب اور

رجوع کا طریقہ سیکھا تا کہ اپنی اولاد کا اللہ سے رابطہ قائم کرسکیں۔

ہشتم۔ادارۂ نبوتؑ اور ابلیسی جماعت دُنیا میں مسلسل ہدایت وگمراہی میں کوشاں رہتے چلے آئے

حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک برابر اولادِ آدم علیہ السلام میں ایک ایسی جماعت یا اُمت برقرار رہتی چلی آئی ہے جس میں آئمہؑ وانبیاؑ ورُسل علیہم السلام پیدا ہوتے اور نوعِ انسان کی ہدایت کرتے چلے آئے ہیں۔ بالکل اُسی طرح ابلیس کی جماعت موجود رہتی اور انبیاؑ کے مقابلے میں نوع انسان کو اپنی راہوں پر چلاتی رہی ہے۔اور جس طرح انبیاؑ کی جماعت پاک وپاکیزہ رہتی چلی آئی ہے۔ بالکل اُس کے خلاف ابلیسی جماعت ناپاک وخبیث راہوں سے پیدا ہوتی اور گندگی اور حرامزدگی میں ترقی کرتی چلی آئی ہے۔ یہاں اُن دونوں جماعتوں کے بنیادی اور ضروری حالات سامنے رکھ لیں تو بہتر ہوگا۔

انبیاؑ وآئمہؑ کی مستقل ومربوط اور ساری کائنات سے افضل جماعت:

اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ اور اُن کی آلؑ واولادؑ کو کائنات کی تمام مخلوقات وموجودات پر افضلیت دینے اور اُن سب کا ایک جماعت ہونے کا تذکرہ یوں فرمایا ہے: **اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ O ذُرِّیَّۃً بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ O** (آل عمران 34-3/33)

موودوی ترجمہ: ''اللہ نے آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو ''تمام دُنیا'' والوں پر ترجیح دے کر اپنی رسالت کیلئے منتخب کیا تھا۔ یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 246)

موودودی اُسی ابلیسی جماعت کے عالم جس کا قرآن سے تذکرہ آنے والا ہے

ساری دُنیا جانتی ہے کہ ہماری یہ زمین اور ہماری یہ دُنیا اس کائنات کے ایک حقیر ترین ذرے کے برابر بھی نہیں ہے۔اور علامہ نے خود بھی اس کائنات کی وسعتوں کا ذکر نقل کیا ہے (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 261) مگر اس کے باوجود اُنھوں نے اپنی اُس دشمنی کا ثبوت دیا ہے جو انہیں ابلیس کی نمائندگی میں انبیاؑ اور اولادِ انبیاؑ سے ہے۔تمام مذاہب کے ماننے والے مانتے ہیں کہ ابلیس نے اور ابلیس کے پیرو اہلِ حدیث یا وہابیوں نے اللہ کی تائید کی ہے مگر انبیاؑ سے دشمنی اور اُن کی توہین کی مہم چلائے رکھی ہے۔

انبیاؑ اور اولادؑ انبیاؑ کے لئے الفاظ کے معنی بدل دینا: چنانچہ یہ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

(1) **اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ**O موودوی ترجمہ: ''تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔''

(2) **اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ**O(3/33)

موودوی ترجمہ: اللہ نے آدم ونوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو تمام دُنیا والوں پر ترجیح دے کر......''

ثابت ہوا کہ اللہ تو واضح الفاظ میں انبیاؑ اور اُن کی آل کو تمام کائنات پر افضل بناتا اور کہتا ہے مگر موودودی اللہ اور قرآن کے خلاف انبیاؑ اور آلِ انبیاؑ علیہم السلام کو ساری کائنات سے افضل واعلیٰ نہیں مانتا بلکہ لفظ عالمین کے معنی دُنیا کر کے انبیاؑ سے دشمنی اور ابلیس کی تائید کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔اور تمام اسلامی جماعت ودیگر مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہے۔

نہم۔ابلیس کی وہ جماعت جسے تیار کرنے کا چیلنج کیا تھا اور ابلیس کے دو بڑے تختۂ مشق، عورتیں اور کتبِ سماویہ ؟

جب ابلیس کو مہلت، اختیارات وقدرت دے دی گئی تو اُس کے بعد کا ایک نظارہ اور شیطان کے قریشی نمائندوں کا حال دیکھئے اللہ نے فرمایا کہ:

اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا O لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا O وَّ لَاُضِلَّنَّہُمۡ وَ لَاُمَنِّیَنَّہُمۡ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا O (نساء 119-4/117)

''قریش اللہ کے ساتھ صرف عورتوں کو اور سرکشی پھیلانے والے شیطان ہی کو قابل دُعا واستمداد مانتے ہیں اور اُنکے علاوہ کسی کو نہیں پکارتے ہیں اور اللہ اُس پر لعنت کر چکا، اُس نے کہا تھا کہ میں یقیناً تیرے بندوں میں سے اپنے فرض شدہ حصے کے لوگ اپنی جماعت کیلئے الگ کرلوں گا اور اُنہیں ضروری حد تک گمراہ کرلوں گا اور اُن میں آرزوؤں اور تمناؤں کا ذخیرہ بھر دوں گا۔ اور اُن تمام تمناؤں کو پُورا کرنے کے لئے انہیں احکام دوں گا اور وہ نعمتوں کے دروازے کھول لیں گے۔ اور میں اُن پر حکمرانی کروں گا اور وہ میرے حکم سے اللہ کی تخلیقات میں تغیر وتبدل کیا کریں گے۔ یہ سُن لو کہ جس نے اُس شیطان کو اللہ کی جگہ اپنا حکمران بنالیا وہ ہر طرح کے نقصان وخسارے میں رہے گا'' (ہمارا ترجمہ)

دھم۔ابلیس کی جماعت نے ہر نبیؑ کے خلاف محاذ جاری رکھا اور قریش نے قرآن کو مہجور ومعطل کر کے رکھ دیا

قریش کا بحیثیتِ مجموعی حزبُ الشیطان ہونا اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف دین تیار کرنے کے لئے برسرِ مجادلہ ومقابلہ رہنا سابقہ بیانات (ہشتم۔1) میں دیکھا جا چکا یہاں یہ دیکھیں کہ رسولؐ کی نام نہاد قوم، قریش نے قرآن کو مہجور ومعطل کر کے رکھ دیا تھا:

وَ قَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَہۡجُوۡرًا O

وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ ہَادِیًا وَّ نَصِیۡرًا O (فرقان 31-25/30)

''اور رسول کہے گا کہ'' اے میرے رب، میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانہ تضحیک بنالیا تھا''۔ (اللہ نے فرمایا کہ۔احسن) ''اے محمدؐ ہم نے تو اسی طرح مجرموں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے اور تمہارے لئے تمہارا رب ہی راہنمائی اور مدد کو کافی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 448-447)

یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ ادارۂ نبوّت کے ساتھ ابلیسی نظام برابر چلتا ہوا آنحضرتؐ کے زمانہ تک آیا اور یہاں اُس نے قریش کو اپنا آلہ کار بنا کر اُن پر مکمل تسلط اختیار کر لیا تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ قریش کے ساتھ ساتھ شیطان نے عورتوں کو اپنا آلہ کار کس طرح بنایا اور اُن سے اپنی جماعت کی تیاری میں کس طرح کام لیا؟

4۔ابلیس نے قریش میں اپنی حقیقی شرکت کے لئے اُن کے یہاں اپنی اولاد کیسے پیدا کرائی تھی؟

سابقہ آیات میں جہاں قریش پر شیطان کا مکمل تسلط معلوم ہوا (مجادلہ 22 تا 58/19) وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ کے بعد یا اللہ کے ساتھ قریش کے نزدیک ابلیس اور عورتیں سب سے زیادہ عزت واحترام اور اطاعت کے مستحق اور قابل استدعا واستمداد تھے۔ (4/117)

عربوں کے علمانے یہاں عورتوں سے مراد وہ بُت لئے ہیں جو مونث ناموں والے تھے مثلاً مودودی کا ترجمہ دیکھیں:

اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اُنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا O (نساء 4/117)

''وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں۔ وہ اُس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 397)

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ اس آیت (4/117) میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کے معنی معبود کئے جا سکتے۔ مگر علامہ کی ضرورت تھی کہ وہ قاری کی توجہ لفظ ''اُنثٰـا'' (عورتوں) سے ہٹا کر عبادت اور شرک اور معبود کی طرف لگا دے اور اصل بات کو سوچنے سے روک دے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہاں واقعی دیویوں کے بت ہی مراد ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ بُت خواہ مخواہ بنا لئے گئے تھے؟ بُت بھی تو اُسی کا بنایا جاتا ہے جو پہلے انتہا درجہ کی محترم و بزرگ ترین پوزیشن رکھتا ہو۔ آپ صحیح صورت حال کو سمجھنے کے لئے علامہ آلوسی کا بیان سُنئے جو عربوں کے انتہائی جانبدار اور متعصب عالم ہوتے ہوئے حق کو پوری طرح نہ چھپا سکے اور جتنا کچھ لکھ دیا وہ بھی کافی ہے۔

اوّل۔ بہترین اولاد حاصل کرنے کا عربوں میں بہترین طریقہ کیا تھا؟

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ: ''عہد جاہلیت میں عربوں کے بیاہ شادی کی رسومات کے بارے میں گفتگو''

(کتاب بلوغ الارب مترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم اے پی ایچ ڈی۔ جلد دوم صفحہ 260)

اس عنوان کے ماتحت رقمطراز ہیں کہ:

''نکاح کا ایک طریقہ اور بھی تھا وہ یہ کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا کہ جب تو حیض سے پاک ہو جائے تو فُلاں کو بُلا بھیجنا اور اُس سے ہم آغوشی کی درخواست کرنا تاکہ تجھے اُس سے حمل قرار پا جائے۔ اِسۡتَبۡضِعِیۡ کے معنی اِطۡلَبِیۡ مِنۡهُ الۡجماع (اُس سے ہم آغوشی کرنے کی درخواست کرنا) کے ہیں۔ اور مُبَاضَعَة کے معنی ہم آغوش کے ہیں۔ یہ لفظ بُضۡعٌ سے لیا گیا ہے جس کے معنی شرم گاہ کے ہیں۔ اس عرصے میں خاوند اپنی بیوی سے الگ رہتا تھا۔ اور جب تک اس شخص کی توجہ کے باعث حمل ظاہر نہ ہو جاتا خاوند بیوی کے قریب نہ جاتا۔ حمل کے ظاہر ہو جانے کے بعد خاوند جب بھی چاہتا بیوی کے پاس چلا جاتا۔ خاوند یہ حرکت صرف اس لئے کرتا کہ بچہ نجیب پیدا ہو۔ بالفاظ دیگر اس لئے کہ اُسے اصیل نر کا پانی حاصل ہو جائے۔

عرب کے بہادر اور سردار عموماً حرامزادے ہوتے تھے: اسکی وجہ یہ تھی کہ عرب اپنے اکابر اور اُن لوگوں سے جو شجاعت اور سخاوت وغیرہ میں سردار مانے جاتے تھے، اس قسم کی درخواست کرتے تھے۔ حیض سے پاک ہونے کے فوراً بعد اس قسم کا مطالبہ کرنے میں یہ راز تھا کہ عورت جلد حاملہ ہو جائے۔ اس نکاح کو نِکَاحُ الۡاِسۡتِبۡضَاع کہا جاتا تھا (جلد 2 صفحہ 261-262)۔ نہ علامہ آلوسی نے اور نہ دوسرے قریشی علما نے یہ لکھا کہ یہ نکاح کب سے رائج تھا۔ اور نہ اسکی ضرورت ہی تھی۔ بہرحال یہ معلوم ہو گیا کہ عرب میں جتنے بہادر، شجاع اور سخی لوگ تھے۔ وہ سب سانڈ کا کام بھی دیتے تھے اور خود بھی کسی ایسے ہی بہادر، اور سخی کی اولاد ہوا کرتے تھے۔ یعنی یہ کہنا کہ فلاں شخص فلاں شخص کا بیٹا ہے ایک رسمی چیز تھی حقیقی نہ تھی۔ اور سُنئے:

دوم۔ جس سے اولاد پیدا کرائی جائے اُس کا نام و تعارف پوشیدہ رکھنا

''ایک نکاح ''نِکَاحُ الۡخِدَنِ'' تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان میں اُسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ أَخۡدَانٍ (نساء 4/25) ''اُنہیں عقد میں لاکر (اپنے پاس رکھو) نہ زنا کاری کی نیت سے نہ یارانے کی غرض سے۔''

عرب کہا کرتے تھے کہ جو چھپا رہے اُس میں حرج کوئی نہیں اگر ظاہر ہو جائے تو قابل ملامت ہے۔'' (ایضاً 264)

یہاں یہ سمجھ لیں کہ پہلے نمبر کا نکاح دونوں فریق کی اطلاع اور رضا مندی سے ہوتا تھا۔ یہ دوسرا نکاح ایسے لوگوں سے ہوسکتا تھا جن کا تعلق اور نام پوشیدہ رکھا جائے۔ یعنی عورت اپنے شوہر سے بھی پوشیدہ رکھ سکتی تھی۔ مطلب یہ کہ جس سے اولاد لی جائے اُس کو پوشیدہ رکھنا ضروری تھا۔

سوم۔ عورتوں کو آپس میں عارضی مدت کے لئے بدل کر نطفہ دینا اور لینا بھی ہوتا تھا

''ایک نکاح ''نِکَاحُ الْبَدَل'' تھا۔ اِس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا کہ تو میرے حق میں اپنی بیوی سے دستبردار ہو جا اور میں تیرے حق میں اپنی بیوی سے دستبردار ہوتا ہوں۔'' (ایضاً صفحہ 265)

نکاح کی یہ صورت اعلانیہ ہوتی تھی۔ اور بچہ اپنی ماں کے ساتھ سابقہ شوہر کے گھر آ جاتا تھا۔ اور اُسی کا بیٹا کہلاتا تھا۔ اور ملاحظہ ہو۔

چھارم۔ نسل کا تعین کرنے میں عورتوں کا فیصلہ تسلیم کرنا لازم تھا

''نکاح کا ایک طریقہ اور بھی تھا اور وہ یہ کہ کچھ لوگ، جن کی تعداد دس سے کم ہوتی، ایک عورت کے پاس جاتے اور سب کے سب اُس سے ہمکنار ہوتے۔ یہ اُس عورت کی رضامندی اور اُن لوگوں کی باہمی مفاہمت سے ہوتا۔ جب اُسے حمل قرار پا جاتا اور وہ بچہ جنتی تو وضع حمل کے بعد چند راتیں گزر جانے پر اُن سب کو بُلا بھیجتی کسی کی مجال نہ تھی کہ نہ آئے۔ جب سب آ جاتے تو عورت کہتی:

''جو معاملہ بھی ہوا تھا تم سب کو معلوم ہے۔ اب یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔'' ازاں بعد وہ جسے پسند کرتی اُس کا نام لے کر کہتی کہ ''یہ تمہارا بیٹا ہے۔'' چنانچہ اُس بیٹے کا الحاق اُس شخص کے ساتھ ہو جاتا۔ اُس شخص کی مجال نہ تھی کہ انکار کرے۔'' (ایضاً صفحہ 262) اور ملاحظہ ہو:

پنجم۔ عربوں کے نسب ناموں کا تعلق جھنڈے والی طوائفوں اور قیافہ شناسوں سے بھی رہتا تھا

''نکاح کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہو کر ایک عورت کے پاس جاتے۔ وہ کسی کو آنے سے نہ روکتی تھی۔ یہ عربوں کی طوائفیں تھیں۔ اُنہوں نے اپنے دروازوں پر علامت کے طور پر جھنڈیاں نصب کر رکھی ہوتی تھیں۔ جو چاہتا اُن کے پاس چلا جاتا۔ اگر عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو یہ سب لوگ اکٹھے ہوتے، قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا، پھر جس شخص کے متعلق اُن قیافہ شناسوں کی رائے قرار پا جاتی کہ بچہ اُس کا ہے۔ تو بچے کو اُسی کے نسب کے ساتھ ملا دیا جاتا اور وہ اُسی کا بیٹا کہلاتا۔ اُس کی مجال نہ تھی کہ انکار کر دے۔'' (ایضاً صفحہ 263)

ششم۔ نسل چلانے اور اولاد پیدا کرنے کا ایک طریقہ ماؤں سے نکاح کرنا

''اُن قبیح باتوں میں سے جو عرب کیا کرتے تھے۔ ایک یہ تھی کہ ایک شخص باپ کے مرجانے پر باپ کی بیوی کو اپنے عقد میں لے لیتا تھا۔ اُس شخص کو عرب ضَیْزَن کہا کرتے تھے۔ چنانچہ اَوس بن حجر تمیمی نے بھی قیس بن ثُعلبہ کے کچھ لوگوں کو، جنھوں نے یکے بعد دیگرے اپنے باپ کی بیوی کو اپنے عقد میں لیا تھا (اور یہ تین بھائی تھے) ملامت کرتے ہوئے کہا ہے: ''فلکیہ سے مباشرت کرو، اُس کے خیمے کے گرد پھرتے رہو کیوں کہ تم سب اپنے باپ کے ضَیْزَن بھی ہو اور ہم زُلف بھی۔'' (ایضاً 371)

ھفتم۔ قرآن نے عربوں کو جن چیزوں سے منع کیا ہے وہ سچ مچ اُن پر عمل پیرا تھے

اب صرف اِتنا اور سُن لیں کہ عربوں کو قرآن نے جن جن حرامکاریوں سے روکا ہے وہ تمام حرامکاریاں اُن کا معمول تھا۔ یہاں آلوسی کی زبان سے بھی سُن لیں۔ لکھتے ہیں کہ:

''عربوں کے یہاں یہ دستور بھی تھا۔ کہ اگر کوئی شخص بیوی چھوڑ کر مر جاتا یا اُسے طلاق دے دیتا تو اگر اُس کا سب سے بڑا بیٹا اُسے اپنے پاس رکھنا چاہتا تو اپنا کپڑا اُس کے اوپر پھینک دیتا۔ اور اگر اُسے اُس کی ضرورت نہ ہوتی تو کوئی اور بھائی نئے مہر کے ساتھ اُس سے شادی کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس شادی کو باطل قرار دیا ہے:

وَ لَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقۡتًا وَّ سَآءَ سَبِيۡلًا (نساء4/22)

''جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے شادی کی ہواُن سے شادی نہ کیا کرو۔ ماسوا اُن شادیوں کے جو پہلے ہو چکی ہیں۔ کیوں کہ یہ ایک فعلِ بد ہے اوراللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور بُرا طریقہ ہے۔'' جاہلیت میں اس نکاح کو نکاح مقت کہا جاتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 372)

ہشتم۔ بلوغ الارب اور علامہ آلوسی کی تائید وتصدیق میں علامہ پرویز کا مختصر وجامع بیان

یوں تو قریشی مذہب کے تمام ہی علماعربوں کے تحفظ میں کسی خیانت وبددیانتی کی فکر نہیں کرتے مگر علامہ پرویز اس صدی میں سب سے نمبر لے گئے ہیں۔ لیکن قریشی بدکاریاں اور جنسی اشتراک ایسا ہمہ گیر رہا تھا کہ پرویز بھی یہ ماننے اور لکھنے پر مجبور ہوگئے کہ:

''عائلی زندگی میں عجیب عجیب قسم کی رسوماتِ قبیحہ اُن کے ہاں رائج تھیں۔ باپ کے مرنے کے بعد اُس کی تمام بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتیں۔ اور اُس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں۔ بیویوں کی تعداد کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ عارضی نکاح کا عام رواج تھا۔ اس کے علاوہ بدکاری کی اور بھی عجیب عجیب قسمیں تھیں۔ مثلاً شجاعت اور بہادری میں کسی کی شہرت سُنتے تو اپنی بیوی اُس کے پاس بھیج دیتے تاکہ اُس سے شجاع اور بہادر بچہ پیدا ہو۔ زنا کی اولاد کے متعلق عورت جس کی طرف اُنگلی اُٹھادیتی وہی اس کا باپ قرار پاجاتا۔ اس پر طرفہ یہ کہ فسق وفجور کی اُن فواحشات پر فخر کرتے اور اس کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ امراءالقیس کے قصیدہ لامیہ کو اُٹھاکر دیکھئے۔ خود اپنی عزیز عورتوں کے ساتھ جو جو بے حیائیاں اُس نے کی ہیں کس کس انداز سے اُن کا ذکر کرتا ہے۔ اور یہ اُن قصائد میں سے ہے جن کے اشعار عرب کے بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔ شرم وحیا کا یہ عالم کہ حج کعبہ میں ہزاروں لوگ جمع ہوتے سب مرد وعورت مادرزاد ننگے ہوکر طواف کعبہ کرتے۔ جب حج کے وقت برہنگی کا یہ عالم تھا تو غسل یا جائے ضرورت میں پردہ کی کیا ضرورت تھی؟ چنانچہ کُھلے میدانوں کُھلے بندوں نہاتے اورضروریات سے فارغ ہوتے۔ شراب پانی کی طرح پی جاتی، گھروں میں شراب کی مجلسیں قائم ہوتیں اورعورتیں اور بچے ساقی گری کرتے۔ اس کے بعد نشہ کے عالم میں جو بدمستیاں ہوتیں ظاہر ہے۔'' (معارف القرآن جلد4 صفحہ 136-137)

نہم۔ قریش ہوں یا عرب اُنہوں نے جنسی شرک اور اشتراکیت سے ہر قید وپابندی اور شرط اُٹھا رکھی تھی؟

قریش نے جنسی بے راہ روی میں ساری دنیا کو مات کردیا تھا۔ اُن میں کسی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ فلاں شخص کا بیٹا یا باپ ہے ناممکن ہوگیا تھا۔ وہ سب حقیقتاً ابلیس کی اولاد ونسل تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی کہ:

''میرا نور آدمؑ سے لے کر عبدالمطلبؑ تک پاکیزہ ارحام واصلاب میں سے گزرتا ہوا آیا ہے اور ہماری نسل میں کوئی شخص بدکاری سے ملوث نہیں ہوا ہے۔''

یہ ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قریش کو اپنی نسل اور خاندان سے الگ ثابت کرنا تھا جسے دشمن حکومتوں نے بعد میں نسل اسماعیل علیہ السلام بنا کر مشہور کیا اور آنحضرتؐ کے چچا اور رشتے دار بنا کر رکھ دیئے تھے۔ اور قریش ہی سے علیحدگی کے اعلان کے لئے حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ اپنی ولدیت اور آباواجداد کے ساتھ اپنا تعارف کراتے تھے۔ اور دوسرے لوگ خود اپنی ولدیت کا ذکر نہ کرتے تھے۔ بہرحال قریش کی صدیوں چلنے والی حکومتوں نے بہت سے قصے اور افسانے گھڑے اور پھیلائے مگر قرآن کریم کے الفاظ نہ بدل سکے وہ آج تک یہ بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ کے مخاطب عرب و قریش میں ماں، بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپھی سب سے جنسی تعلق جاری تھا۔ ورنہ جو رشتے جنسی تعلق کے لئے ساری دنیا اور تمام مذاہب میں حرام تھے

اُن کونام بنام الگ الگ حرام قرار دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے حرام چلے آنے والی چیزوں اور رشتوں کو ازسرِ نو اِسی لئے حرام کیا گیا کہ قریشی اجتہاد نے اُن سب کو حلال کر کے اُن پر صدیوں سے عمل جاری رکھا تھا۔

دھم۔ قرآن میں بیان کردہ قریش کا مشرک جنسی نظام اور پاکیزہ نسل کا اہتمام

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربوں کو عموماً اور قریش کو خصوصاً اُن تمام حرام کاریوں سے روکنے کا اعلان فرمایا جن سے عرب کی پوری نسل مخلوط وخبیث ہو کر رہ گئی تھی۔ تاکہ آئندہ رفتہ رفتہ عرب میں ایک صالح اور حلال نسل جاری ہو سکے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ:

وَ لَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ، اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا وَ سَآءَ سَبِیْلًا ० حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّهٰتُکُمْ وَ بَنٰتُکُمْ وَ اَخَوٰتُکُمْ وَ عَمّٰتُکُمْ وَ خٰلٰتُکُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ وَ اَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِکُمْ وَ رَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ، فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ० وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ० (سورہ نساء 24-4/22)

''اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں اُن سے تم ہرگز نکاح نہ کرنا۔ مگر جو پہلے ہو چکا وہ تو ہو ہی چکا ہے۔ درحقیقت وہ بہت بے حیائی کا کام تھا، قابل تعزیر اور بُرا طریقہ تھا۔ چنانچہ تم پر آئندہ حرام ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دُودھ پلایا ہو۔ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے۔ اُن بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا جنسی تعلق ہو چکا ہے۔ اور اگر جنسی تعلق تک نوبت نہ آئی ہو تو تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ (یعنی اُن سے باقاعدہ نکاح کر سکتے ہو مگر اُن کی ماؤں سے تعلق نہیں رہ سکتا) اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی حرام ہیں اور دو حقیقی بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے۔ البتہ جو پہلے ہو چکا وہ تو ہو ہی چکا ہے۔ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ تم پر وہ عورتیں بھی حرام ہیں جنہوں نے اپنی جنسی آزادی پر پابندی عائد کی ہوئی ہے۔ علاوہ **ما ملکت ایمان** کے جن کے لئے اللہ نے تمہیں تحریری احکام دے دیئے ہیں۔ مذکورہ بالا فہرست کے علاوہ باقی تمام واضح رشتوں کے مرد اور عورتیں جنسی تعلق کے لئے حلال ہیں مگر متعلقہ مالی ذمہ داریوں اور جنسی تعلق کی پوری پوری پابندی کے ساتھ نہ کہ چلتا پھرتا جنسی تعلق۔ چنانچہ جتنے مال کے بدلے میں تم عورتوں سے متعہ کرو یا جنسی فائدہ اُٹھاؤ اُتنا مال متعلقہ عورتوں کو بطورِ اُجرت ادا کر دینا فرض ہے۔ جنسی تعلق اور اُس کی اُجرت وغیرہ کے لئے جو کچھ تم نے پہلے طے کر لیا تھا اس میں باہمی رضامندی سے ہر قسم کی تبدیلی کر لینے میں تم سے کوئی باز پُرس نہیں مگر تم جو کچھ بھی کرو یہ سمجھتے ہوئے کیا کرو کہ یقیناً اللہ ہر بات کا جاننے والا حکیم ہے۔'' (نساء 24 تا 4/22)

5۔ قریش کا قبیلہ کس طرح حرام در حرام جنسی تعلق سے وجود میں آیا تھا اُس کی چند مثالیں اور آخری صورت حال

قرآن نے جن رشتوں کو جنسی تعلق کے لئے حرام کیا آپ کے سامنے آ گئے۔ اب ذرا اُس قوم و قبیلے پر تصوراتی نظر ڈالئے جس نے

صدیوں تک اِن تمام رشتوں کو حلال سمجھ کر پابندی کے ساتھ اُن رشتوں سے جنسی تعلق رکھا اور اولادیں پیدا کی ہوں۔ مثلاً ایک شخص نے باپ کے مرنے کے بعد اپنی ماں سے نکاح کیا۔ اور اُس کے یہاں اولاد پیدا ہوئی تو وہ اولاد اُدھر اپنے باپ کے بہن بھائی بھی ہوئے اس لئے کہ ماں اُن کی ایک ہی ہے۔ اور اِدھر بیٹے اور بیٹیاں بھی ہوئیں اور اگر اُس کے باپ نے بھی اپنی ماں یا بہن سے شادی کی تھی یا اب یہ اولاد بھی اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے شادی کرلے تو سوچئے کہ آپ یہ کیسے بتائیں گے کہ اُن میں سے کون شخص رشتے میں کس کا کیا لگتا ہے؟ اور جب ہر خاندان میں اسی قسم کا طرزِ عمل صدیوں تک جاری رہے تو بات کہاں پہنچے گی؟ اور شجرۂ نسب کا کیا حال ہوجائے گا؟ اور ایسی قوم و قبیلے کے لئے کون سے الفاظ اُن کی صحیح صورتِ حال کو بیان کرنے کے لئے درکار ہوں گے؟

اوّل۔ عہدِ رسوؐل کے سب سے بڑے قریشی متقن یعنی خلیفہ گر خلیفۂ دوم عمر کی سادہ سی نسبی پوزیشن

عہدِ رسوؐل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریشی شجرۂ نسب کو سمجھنے کے لئے ہم ایک ایسے شخص کی دو تین پشتوں کے نام لکھتے ہیں جو قریش کے یہاں جائز طور پر ایک عظیم ترین انسان، بزرگ ترین لیڈر اور ہر زمانے کے مسلمانوں کی عظیم کثرت کے چہیتے اور بے نظیر راہنما سمجھے جاتے رہے ہیں۔ اور جن کا اسمِ گرامی **عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزّیٰ** تھا۔ اُن کے متعلق علامہ **ابنِ قتیبہ دینوری** نے لکھا ہے کہ:

اِمْرَأَۃٌ مِنْ فَھْمٍ کَانَتْ تَحْتَ نفیل بن عبدالعزیٰ، جَدّ عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ، فَتَزَوَّجَھَا عمرو بن نفیل بعد اَبِیْہِ فَوَلَدَتْ لَہٗ زَیْدًا۔ فَاُمُّہٗ اُمُّ الخطّاب، وَ زَیْدُ ھٰذَا ھُوَ ابو سعید بن زید بن عمرو بن نفیل۔

''خاندانِ فہم کی ایک عورت نفیل بن عبدالعزیٰ، جدِّ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے تصرف میں تھی۔ جب نفیل کا انتقال ہوگیا تو اُن کے بیٹے عمرو بن نفیل نے اپنے باپ کے بعد اُن کی بیوی کو زوجہ بنالیا تو اُس زوجہ سے عمرو بن نفیل کے یہاں زید پیدا ہوا۔ اسی طرح زید ہی کی ماں خطاب کی ماں بھی تھی۔ اور یہ زید، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کے باپ تھے۔ (کتاب المعارف مطبوعہ مصر صفحہ 37)

شجرہ نسب یوں ہوا کہ:

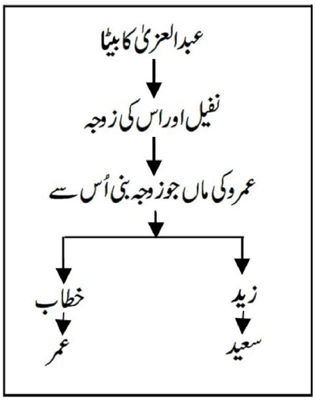

اس طرح زید حضرت عمر کے چچا بھی ہوئے اس لئے کہ زید حضرت عمر کی دادی کے بیٹے بھی ہیں۔ اور چچازاد بھائی بھی ہوئے اس لئے کہ زید خطاب کے بھائی بھی ہیں اور حضرت عمر کے والد خطاب، زید کے ماموں بھی ہوئے اور اُن کے مادری بھائی بھی تھے۔ اور فہم کی وہ عورت جو نفیل اور عمرو دونوں کی زوجہ رہی تھی حضرت عمر کی دادی بھی تھیں اور حقیقی چچی بھی تھی۔ اور عمرو اپنے والد نفیل کے بیٹے بھی تھے اور ساتھ ہی ہمزلف یا ساڑھو بھی تھے۔ اور نفیل اپنی بیوی کے شوہر بھی تھے اور خُسر بھی تھے۔ نفیل کی زوجہ خطاب کی ماں بھی تھی اور بھاوجہ بھی تھی۔ اور عمر کی ماں بھی تھی اور بیوی بھی تھی اور زید کی دادی تھی اور والدہ بھی تھی۔

مزید غور کرنا آپ حضرات کے لئے چھوڑ کر یہ بتانا ہے کہ ابلیس نے کہا تھا کہ:

''میں اپنی جماعت تیار کر کے اُنہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم وہدایات کے مطابق خلق اللہ میں تبدیلیاں کیا کریں گے۔'' (نساء 4/119)

خلق اللہ میں تبدیلی کا وہ رُخ جس میں عورت کو استعمال کیا گیا آپ کے سامنے ہے۔ جو جو حضرات جنسیات وعلم نفس (سائیکالوجی) پر مطلع ہیں وہ

جانتے ہیں کہ دوغلی نسلیں پیدا کرنے (Cross Breed) سے کیسے کیسے کمال ظہور میں آئے ہیں۔نباتات میں قلمی پھلوں کو دیکھو، پھولوں پر نظر ڈالو، گندم، چاول، کپاس، گنّا اور دوسری چیزوں کو سامنے رکھو تو آپ حیران رہ جائیں گے۔کتّوں، گھوڑوں، گدھوں کو دیکھو گائے اور اس کی دوغلی نسلوں پر نظر ڈالو تو آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں۔کیسے کیسے عجیب و مفید نتائج برآمد کئے ہیں۔بالکل اُسی طرح ابلیس نے عربوں کو نابغہ کی پیدائش کا راز سکھا دیا تھا۔چنانچہ قریش میں ہر دوسرا آدمی نابغہ (Genius) تھا۔اور اس کا سبب یہی کراس بریڈنگ (Cross Breeding) تھا۔اگر آپ نابغہ کا مطلب سمجھنا چاہتے ہیں تو خلیفہ دوم کی مردم شناسی کی ذیل میں جناب شبلی نعمانی کا بیان سنئے جس سے آپ کو خود عمر کی نابغیت کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔لکھتے ہیں کہ:

دوم۔وہ نابغہ حضرات جنہوں نے علیؑ کو محروم کر کے کامیاب قومی حکومت قائم کر کے چلائی

''حضرت عمر کی حسنِ سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور اُن کی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے حکومت و انتظام کی کل (مشین) میں نہایت موزوں پُرزے استعمال کئے تھے۔یہ عموماً مسلّم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت اُن میں سب سے بڑھ کر تھی۔اس ذریعہ سے اُنہوں نے تمام عرب میں قابل آدمیوں اور اُن کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی۔اور اُن ہی قابلیتوں کے لحاظ سے اُن کو مُناسب عہدے دیئے تھے۔سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔1 امیر معاویہ 2 عمرو بن العاص 3 مغیرہ بن شعبہ 4 زیاد بن سمیہ۔چنانچہ اِن سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں اور درحقیقت اِن لوگوں کے سوا شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔جنگی خدمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد بن وقاص، خالد، بغمان بن مقرن وغیرہ کا انتخاب کیا...... غرض جس کو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اِسی لئے پیدا ہوا تھا۔''
(الفاروق حصہ 2 صفحہ 87) اور سُنئے:

> ''حضرت عمر نے اِس باب میں جس نکتہ رَسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی اُس کی نظیر نہیں ملتی۔اس مرحلہ میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ اُن کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی۔یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اُس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے ملک کے تمام آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔یہی بات تھی کہ اُنہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اُس کے انجام دینے کیلئے اُس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔عرب میں چار شخص تھے جن کو ''دہات العرب'' (بے حساب نقد بصیرت رکھنے والے۔احسنؔ) کہا جاتا تھا۔یعنی جو فنِ سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔1 امیر معاویہ 2 عمرو بن العاص 3 مغیرہ بن شعبہ 4 زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمر نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اور چونکہ یہ لوگ صاحبانِ اِدعا (حکومت کے طلبگار۔احسنؔ) بھی تھے۔اس لئے اس طرح (یعنی بڑے عہدے دے کر۔احسنؔ) اُن پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خودسری نہ کرنے پائے۔زیاد اُن کے زمانہ میں شانزدہ (سولہ 16) سالہ نوجوان تھا اس لئے اُس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا۔لیکن اُس کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبارِ حکومت میں اُس کو مشیر کار بنائیں'' (ایضاً صفحہ 11۔12)

سوم۔نابغہ کے معنی وصفات معلوم ہوگئیں تو نابغہ کے حرامی یا قلمی ہونے کا ثبوت پھر دیکھیں

قارئین نے خلیفہ دوم کا قلمی ہونا دیکھ لیا تھا۔اب مندرجہ بالا چاروں یارانِ نابغہ میں سے ایک کا حرامی یا قلمی ہونا دیکھ کر یہ طے فرمالیں کہ قریش کے عظیم لیڈروں میں قلمی ہونا یا قلمی ہونے کا اعلان کرنا عین اسلام کے مطابق تھا۔

قارئین کے سامنے قریش کے اُس اجماعی جنسی تعلق کا عملی واقعہ پیش کرتے ہیں جس کی تفصیلات علامہ آلوسی کی کتاب بلوغ الارب سے دکھائی جا چکی ہیں۔لہٰذا پہلے جناب علامہ اسلم خارجی سے سنئے:

(1) قریش کے متعلق یہ یقین کرلینا کہ وہ فلاں خاندان یا قبیلے سے ہیں دُنیا کا سب سے بڑا فریب ہے

''44ھ ہجری میں امیر معاویہ نے زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کیا۔کیوں کہ بعض لوگوں نے یہ بیان کیا کہ زیاد کی والدہ سمیہ کے ساتھ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیت میں نکاح کیا تھا۔اور یہ اُن ہی کے بیٹے ہیں۔اُس وقت سے یہ زیاد بن ابی سفیان کہے جانے لگے۔لیکن اکثر لوگ اس نسبت کو تسلیم نہیں کرتے۔زیاد نے ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ کو کوئی خط بھیجا اُس میں لکھا کہ''از جانب زیاد بن ابی سفیان'' مقصد یہ تھا کہ وہ بھی اس کنیت سے مخاطب کریں تو یہ مُسلّم ہو جائے۔لیکن اُنہوں نے جواب میں بجائے زیاد بن ابوسفیان کے لکھا کہ ''میرے بیٹے زیاد''(تاریخ اُمت حصہ سوم صفحہ 16)

ہم اسلم صاحب کو خواہ مخواہ خارجی نہیں لکھتے۔وہ سچ مچ، جان بوجھ کر اور کوشش کر کے اسلام سے خارج اور قریشیت میں داخل ہوئے ہیں۔اُن کا ہر بیان اور ہر تحریر اس کا ثبوت ہے۔چنانچہ ابوسفیان نے زیاد کی ماں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ ہرگز نکاح نہ تھا، پھر اُسی کو اسلم لفظ کنیت اور نسبت سے بھی ظاہر کرتے ہیں۔عائشہ کا زیاد کو اپنا بیٹا لکھنا عائشہ کی حسرتوں اور محروم تمناؤں کی نشان دہی کرتا ہے۔بہرحال تاریخ طبری سے حقیقتِ حال پر زیادہ روشنی پڑتی ہے:

(2) جس طرح عمر نے خود نابغہ ہوتے ہوئے تمام قریشی نابغہ جمع کئے تھے معاویہ نے بھی علیؑ کے خلاف یہی کیا

حکومت مرتضوی پر تسلّط اور قبضہ برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ شیطان کی پروردہ اور خصوصی تربیت یافتہ اولاد اور تمام قسم کی حرام کاریوں سے پیدا شدہ دانشورانِ قوم سر جوڑ کر تعاون کریں۔چنانچہ جب مسلمانوں کی حکومت معاویہ تک جا پہنچی تو ثلاثہ اینڈ کمپنی کے تمام دست و بازو اور ارکان اس کے پاس جمع ہو گئے۔اور زیاد بن سمیہ کو تعاون پر رضامند کرنے کے لئے معاویہ نے اُس کی ماں کے لئے اپنے باپ ابوسفیان ایسا شوہر فراہم کر کے اُسے ایک عدد باپ دیا۔اور خود ایک ماں اور نابغہ بھائی حاصل کر لیا تھا۔تا کہ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف سواروں اور پیادہ فوجوں کو مضبوط کیا جائے۔تاریخ طبری یہ بتاتی ہے کہ معاویہ نے اِس قلمی رشتہ کے مخالفوں کو کس طرح خاموش کیا تھا۔لکھا ہے کہ:

''اسی سال (44ھ) معاویہ نے زیاد بن سمیہ کو اپنے باپ ابوسفیان کے نسب میں شریک کیا (یعنی زیاد چٹکی بجاتے بنی اُمیہ بن گیا۔یہی وہ طریقہ تھا جس سے عرب بنی اسماعیلؑ بن گئے تھے) زیاد جب معاویہ کے پاس حاضر ہوا ہے تو ایک شخص بنی عبدقیس کا اُس کے ساتھ آیا تھا۔اُس نے زیاد سے کہا کہ ابن عامر میرے محسنوں میں سے ہے تمہاری اجازت ہو تو میں اُس سے مِلوں زیاد نے کہا کہ اس شرط پر کہ تمہارے اور اُس کے درمیان جو باتیں ہوں مجھ سے آکر بیان کر دینا۔اُس نے کہا بہت اچھا۔اجازت مل گئی اور وہ ابن عامر سے ملا۔اُس نے کہا''ہاں ہاں ابن سمیہ میرے امر میں اعتراض کیا کرتا ہے۔اور میرے عاملوں کو بُرا کہتا ہے۔میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ قریش میں سے ایک قسامہ (پچاس گواہوں کی پارٹی) لے کر آؤں گا وہ اس بات پر حلف کریں گے کہ ابوسفیان نے کبھی سمیہ کی صورت تک نہیں دیکھی تھی (یعنی ابوسفیان زیاد کا باپ نہیں) جب یہ شخص واپس آیا تو زیاد نے حال پوچھنا چاہا۔پہلے اُس نے بیان کرنے سے انکار کیا۔اُس نے کسی طرح نہ چھوڑا آخر اُسے کہہ دینا پڑا۔زیاد نے جا کر معاویہ سے سارا ماجرا بیان کیا۔معاویہ نے اپنے حاجب (دربان) کو حکم دے دیا

کہ ابن عامر آنے لگے تو پہلے ہی پھاٹک پر سے اُس کے راھوار (گھوڑے) کے منہ پر مار کر واپس کر دے۔ اُس نے اس حکم کی تعمیل کر دی۔ ابن عامر نے یزید سے جا کر شکایت کی۔ یزید نے پوچھا تم نے زیاد کا تو کچھ ذکر نہیں کیا تھا؟ ابن عامر نے کہا کہ کیا تو تھا۔ یہ سن کر یزید اُسے ساتھ لئے ہوئے معاویہ کے پاس آیا۔ معاویہ نے ابن عامر کو دیکھتے ہی مجلس برخاست کی اور محل کی طرف رُخ کیا۔ یزید نے یہ دیکھا تو ابن عامر سے کہا کہ تم بیٹھو وہ کب تک اپنی نشست چھوڑ کر گھر میں بیٹھے رہیں گے؟ اُن دونوں کو بیٹھے ہوئے بہت دیر ہوگئی تو معاویہ محل سے برآمد ہوئے۔ ہاتھ میں اُن کے ایک چھڑی تھی اُسے دروازوں پر مارتے جاتے تھے اور یہ شعر کسی کا پڑھتے جاتے تھے:

''ہماری اور راہ ہے اور تمہاری اور اس بات کو سب لوگ جان چکے ہیں۔'' پھر بیٹھ گئے اور ابن عامر سے کہا کہ کیا تم ہی نے زیاد کے باب میں زبان کھولی ہے؟ سنو واللہ تمام عرب اس سے آگاہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سب سے زیادہ معزز میں تھا۔ اور اسلام نے اور بھی میری عزت بڑھادی زیاد کے سبب سے کچھ کمی مجھ میں تھی جو پوری ہوگئی ہو یا میری ذلت عزت سے بدل گئی ہو یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ ہاں اُس کو میں نے جس بات کا حقدار پایا وہ سلوک میں نے اُس کے ساتھ کیا۔ ابن عامر نے کہا امیر المومنین میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں۔ زیاد کی جس میں خوشی ہوگی وہی بات زبان سے نکالوں گا۔ معاویہ نے کہا اب ہم بھی جس میں تمہاری خوشی ہوگی وہی بات کریں گے۔ ابن عامر اُٹھ کر زیاد کے پاس گئے اور اُسے راضی کر لیا۔ روایت ہے کہ زیاد کوفہ آیا تو کہنے لگا کہ میں جس واسطے تمہارے پاس آیا ہوں اور جس بات کا تم سے طالب ہوں اُس میں تمہاری ہی بہتری ہے۔ سب نے کہا ہم سے جو کچھ تم چاہتے ہو کہو۔ اُس نے کہا معاویہ کے نسب میں مجھے شریک کر دو۔ لوگوں نے کہا کہ جھوٹی گواہی تو ہم نہیں دے سکتے۔ اب زیاد بصرے میں آیا وہاں ایک شخص نے اُس کے موافق گواہی دی۔'' (ترجمہ تاریخ طبری حصہ چہارم صفحہ 74 تا 76)

زیاد کے متعلق آگے بڑھنے سے پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ عرب آپس میں ساز باز کر کے جھوٹی گواہیاں دلوا کر ایک نسب سے دوسرے نسب میں اور ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں نہایت سہولت سے داخل ہوتے چلے آرہے تھے اور ضرورت ہوتی تھی تو خود ہی نَسَّاب بن جاتے تھے۔ عمر وابوبکر بھی بھانڈ یعنی نَسَّاب مشہور کئے گئے ہیں۔ اسی قسم کی کوشش کر کے قریش قحطانی نسل سے بنی اسماعیل اور پھر رفتہ رفتہ رسولؐ کے رشتے دار بن گئے تھے۔ پھر یہ نوٹ کریں کہ حضرت علیؑ کے تمام دشمن اور اُن سے بغض رکھنے والے حرامی اور نطفہ ناتحقیق تھے۔

زمانہ رسولؐ میں جو اولادیں حلال نکاح سے پیدا ہوگئی تھیں اُن کی آئندہ نسل کو پھر حرام سے شروع کرانے کے لئے یزید کی بارہ ہزار فوج نے اہل مدینہ کی تمام عورتوں سے تین روز تک زنا کیا تھا اور یوں اسلام لانے کے بعد بھی علیؑ واولادِ علیؑ کے تمام دشمن برابر حرامزادے رہتے چلے آئے ہیں اور جب اور جہاں حرامزدگی میں کمی یا خامی پیدا ہوتی ہے ابلیس فوراً اس کا سدباب کرنے کے لئے موجود رہتا چلا جائے گا۔ لہٰذا فرمان رسولؐ برابر صحیح ثابت ہوتا رہے گا کہ: ''علیؑ کا دشمن یا اُن سے بغض رکھنے والا بلاشبہ حرامی ہوتا ہے۔''

(3) ابن زیاد کو بنی اُمیہ میں شامل کرنے پر قریش ساز تاریخ کے چند اور بیانات

''زیاد قبیلۂ ثُقیف کے غلام عُبید کا لڑکا تھا۔ پہلے یہ زیاد بن عبید کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب معاویہ نے اُس کو بھائی بنا لیا تو زیاد بن ابوسفیان کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اور جب اموی سلطنت ملیامیٹ ہوگئی تو اُسے زیاد بن اَبِیہِ (یعنی اپنے باپ کا بیٹا) یا زیاد بن اُمِہِ یا زیاد بن سمیہ کے نام سے لکھا اور پکارا جانے لگا۔ خود معاویہ نے اپنا بھائی بنانے سے پہلے اُسے ایک خط میں لکھا تھا کہ:

مِنْ اَمِيْرِ المومنين معاويه ابن ابى سفيان اِلٰى زياد بن عبيد فَاِنَّکَ عَبْدٌ کَفَرْتَ النِّعْمَةَ وَاسْتَدْعَيْتَ النَّقْمَةَ ......الخ

امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے زیاد بن عبید کے نام تم ایک غلام تھے جس نے کفران نعمت کیا اور بربادی و ہلاکت کی خواستگاری کی۔'' (شرح ابن ابی الحدید جلد 4 صفحہ 68)

(4) زیاد کے ماں باپ کے متعلق قریشی افسانہ......؟

زیاد کی ماں سمیہ ایران کے کسی کسان کی کنیز تھی۔ وہ کسان بیمار ہوا تو علاج کے لئے حارث بن کلدہ طبیب ثقفی کو بلایا جب اس کے علاج سے صحت ہوئی تو اُس نے اظہارِ شکر گزاری کے طور پر اپنی کنیز سمیہ اُسے عطا کی۔ حارث نے اپنے رومی غلام عبید سے اس کی شادی کر دی۔ عبید ہی کی زوجیت میں سمیہ کے بطن سے زیاد پیدا ہوا تھا۔ جب زیاد بڑا ہوا تو اُس نے اپنے باپ کو ایک ہزار درہم میں خرید کر آزاد کر دیا۔ اس زیاد کی ماں سمیہ مشہور بدکار اور طوائف عورت تھی۔ علامہ ابو عمر و اور ابن عسا کر نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے اپنے عہد حکومت میں یمن کے حالات درست کرنے کے لئے زیاد کو وہاں بھیجا وہاں سے واپس آ کر زیاد نے ایک تقریر کی جو بہت پسند کی گئی۔ عمر و عاص (دوسرا نابغہ) نے کہا اگر یہ نوجوان قریشی ہوتا تو یہ سارے عرب کو اپنی لاٹھی سے ہانکتا۔ ابوسفیان نے کہا میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں جس نے اس زیاد کو اُس کی ماں سمیہ کے پیٹ میں رکھا۔ عمر و عاص نے کہا وہ کون تھا۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ میں تھا۔ عمر و عاص نے کہا ابوسفیان خاموش ہوا گر عمر نے یہ بات سن لی تو تمہاری گت بنا دیں گے۔ اس پر ابوسفیان نے چند اشعار پڑھے۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی کا خوف نہ ہوتا تو میں اصل واقعہ کو ظاہر کر دیتا۔ میں نے بنی ثقیف سے بہت دنوں تک درگزر کیا اور اُن میں اپنے میوۂ دل کو چھوڑے رکھا۔ اسی واقعہ نے معاویہ کو آمادہ کیا اس پر کہ زیاد کو بھائی بنائے۔'' (استیعاب جلد 1 صفحہ 195 تاریخ ابن عسا کر جلد 5 صفحہ 401)

اس تاریخی افسانے میں کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے ہمیں اس سے سروکار نہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ قریش حرامزادے تھے یا نہیں؟ اور یہی دکھانے کے لئے ہم قریشی ریکارڈ پیش کرتے جارہے ہیں۔ مؤرخین کا یہ کہنا کہ ابوسفیان کے مندرجہ بالا بیان ہی کی وجہ سے معاویہ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا تھا۔ اس لئے غلط ہے کہ اگر بھائی بنانے کی یہ وجہ ہوتی تو زیاد سے زیادہ حق عمر و بن العاص (دوسرے نابغہ) کا تھا۔ کیوں کہ عمر و بن عاص کی پیدائش کے روز تو ابوسفیان نے علی الاعلان یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں نے عمر و کو اُس کی ماں کے رحم میں رکھا ہے۔ اس پر باقاعدہ ردوکد ہوئی تھی مگر عمر و کی ماں نے عاص کا نام لے دیا اس لئے کہ عاص سے زیادہ پیسے ملنے کی اُمید تھی۔ زیاد کے مادری بھائی ابوبکرہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ معاویہ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا ہے اور یہ کہ زیاد بھائی بننے پر راضی بھی ہے۔ تو اُس نے قسم کھائی کہ وہ زیاد سے کبھی نہ بولیں گے۔ ابوبکرہ نے کہا تھا کہ زیاد نے اپنے باپ عبید کی ولدیت سے انکار کر کے جیسے خود اپنی ماں سے زنا کیا۔ خدا کی قسم میرا یقین تو یہ ہے کہ سمیہ نے کبھی ابوسفیان کی شکل بھی نہ دیکھی ہوگی۔ ستیاناس ہو زیاد کا وہ اُمِ حبیبہ (معاویہ کی بہن اور زوجہ رسولؐ) کے ساتھ کس طرح پیش آئے گا؟ کیا وہ اُم حبیبہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر اُمِ حبیبہ نے اُس سے پردہ کیا تو زیاد ذلیل ہو جائے گا اور بھائی بننے کی پول کھل جائے گی اور اگر اُم حبیبہ نے پردہ نہ کیا اور اس کے سامنے آئیں تو بڑی بھاری مصیبت اور پیغمبرؐ کی زبردست ہتکِ حرمت ہوگی۔ معاویہ کے زمانے میں زیاد نے حج کیا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ آیا اور چاہا کہ اُمِ حبیبہ کے پاس بھی جائے مگر پھر ابوبکرہ کا قول یاد آ گیا اس لئے پلٹ آیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُمِ حبیبہ نے سامنے آنے کی اجازت نہ دی۔

(5) آخری قصہ اور زیاد کا حرامی ہونا بہر حال ثابت ہو گیا کیوں نہ ہوتا دشمنانِ علیؑ میں سے تھا

ابنِ عساکر اور ابنِ اثیر لکھتے ہیں کہ:

''ابوسفیان طائف گیا تھا۔ وہاں ایک شراب فروش کے یہاں پہنچا جس کا نام ابومریم سلولی تھا۔ یہ شخص بعد میں مسلمان بھی ہو گیا تھا۔ اور پیغمبرؐ کی صحبت سے بھی مشرف ہوا تھا۔ ابوسفیان نے شراب پینے کے بعد ابومریم سے عورت کی خواہش ظاہر کی۔ ابومریم نے کہا کہ حارث بن کلدہ کی کنیز اور عبید کی بیوی سمیہ موجود ہے۔ کہو تو بُلا دوں؟ ابوسفیان نے کہا اُسی کو بُلا لو اگر چہ اس کے پستان بہت بڑے اور اُس کی بغل بہت بدبودار ہے۔ ابومریم بلا لایا تو ابوسفیان نے اُس سے منہ کالا کیا۔ اُس سے زیاد پیدا ہوا جسے بعد میں معاویہ نے اپنا بھائی بنا لیا۔''

(عقد الفرید جلد 3 صفحہ 2 تاریخ ابن عساکر جلد 5 صفحہ 409 تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 191)

چھارم۔ رسولؐ اللہ قریش کی مخلوط نسلی کھچڑی سے نام بنام مطلع تھے اور عمر، اُنؐ سے بہت ڈرتے تھے؟

ہم نے قریش کے جنسی شرک اور شرمناک قومی و نسلی طرزِ زندگی کے بدبودار انبار میں سے صرف چند نمونے لکھے ہیں جن سے ہر شائستہ اور مہذب نسل کے قاری کو کراہت ہوئی ہوگی۔ اللہ، محمدؐ اور علیؑ نے قریش کو یہ موقع دیا کہ وہ آئندہ ہر گھر میں حلال راہوں اور طریقوں سے ایک حلال زادہ نسل کی ابتدا کریں اور رفتہ رفتہ ایک شریف عربی نسل کو وجود میں لائیں۔ قریش کو یہ موقع دینے میں قرآن اور نہج البلاغہ نے بہت محتاط اور نرم الفاظ استعمال کئے۔ مثلاً یہ نہیں کہا کہ ''تم سب حرامی، خبیث اور ناپاک ہو۔'' اس لئے کہ اب ماضی میں گزرے ہوئے حالات کی اصلاح ناممکن تھی۔ اس بنا پر ماضی کی تمام حرامکاریوں، بے حیائیوں اور گھناؤنے جنسی تعلق پر یہ مہذب پردہ ڈال دیا کہ:

اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ (4/22) ''مگر جو گزر چکا وہ تو اب گزر ہی چکا ہے۔''

اس تین لفظی جملے میں اللہ نے کئی لاکھ شرمناک اعمال کو نظر انداز کر دیا۔ مگر ایسے جملوں سے قریش کو یہ یقین نہیں ہوتا تھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے تمام نسلی حالات سے الگ الگ واقف ہیں۔ قریش شریفانہ زبان سمجھنے اور اُس سے اثر لینے کے عادی ہی نہ تھے۔ اور اللہ و رسولؐ وہ زبان بولنا اپنی عظمت کے خلاف سمجھتے تھے جو قریش کے لئے ضروری تھی۔ قریش سے کہا گیا کہ:

اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُکُمۡ..... (33/5)

''اپنے طریقوں سے بنائے ہوئے پرائے بیٹوں کو اُن کے اپنے باپوں کے بیٹے کہا کرو...... اور اگر تمہیں یہ معلوم نہیں کہ کون کس کا بیٹا ہے تو اُنہیں اپنا بیٹا نہیں بلکہ دینی بھائی سمجھو۔'' (33/5)

گو اس صاف ستھرے اور سادہ سے جملے میں وہ سب کچھ ہے جو قریش کی نسلی حالت تھی۔ مگر قریش نے اس جملے سے صرف لے پالک یا متبنّٰی لوگوں کو مراد لیا۔ حالانکہ لے پالکوں کے والدین سب کو معلوم ہوتے ہیں۔ الغرض قریش مطمئن تھے کہ رسولؐ اللہ اُن کی نسلی گندگی سے ناواقف ہیں اور جس کو جس کا بیٹا کہا جا رہا ہے وہ بھی اُن لوگوں کو اُن ہی کا بیٹا یقین کرتے ہیں۔ لیکن قریش کے دانشور، خصوصاً عمر، مندرجہ بالا قسم کے قرآنی جملوں سے مشکوک ہو گئے تھے وہ جاننا چاہتے تھے کہ آیا قرآن کے مذکورہ قسم کے جملوں میں گہرائی ہے یا نہیں؟ یعنی آیا یہ جملے اُن کی قوم کی جنسی بے راہ روی اپنے اندر رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر رکھتے ہیں تو آنحضرتؐ اُسے سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اس کا یقین کرنے کے لئے اُنہوں نے جو انتظام کیا تھا ہم اُس انتظام کا پتہ چلانے کا انتظام بخاری کی مدد سے کرتے ہیں۔ جو قریشی ریکارڈ میں قرآن کے بعد دوسرا درجہ رکھتی ہے۔

پنجم۔ قرآن کی نرم روی کے باوجود رسوؔل کومجبور کیا گیا کہ وہ قریش کے گھناؤنے حسب اورنسب پر بات کریں

چنانچہ علامہ محمد اسماعیل بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں سورہ مائدہ کی آیت (5/101) کی تفسیر اورشان نزول کے سلسلے میں چندروایات لکھی ہیں وہ دیکھئے اورقریش کے گزشتہ جنسی حالات کوسمجھئے۔اوراللہ وقرآن اوررسوؔل کارویہ دیکھئے:

بَابٌ قَوْلَهٗ: لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ ....

''وہ باب جس میں اللہ کے اس قول کے متعلق حدیثیں بیان ہوں گی جس میں فرمایا ہے کہ''ایسی باتوں کے متعلق سوالات نہ کیا کروجن کوتم پرظاہر کردیا جائے توتمہیں ناگواراوربُرامعلوم ہو۔'' یہ باب قائم کرکے علامہ نے روایات لکھی ہیں۔

(1) انس نے بیان کیا کہ رسوؔل اللہ نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے توپہلے کبھی رسوؔل کا ایسا خطبہ ہرگز نہ سُنا تھا۔

قَالَ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا، قال: فَغَطٰى اصحاب رسوؔل اللّٰه وُجُوْهَهُمْ لَهُمْ حَنِيْنَ، فَقَال رَجُلٌ مَنْ اَبِىْ؟ قال: فُلَانٌ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔(پارہ نمبر18 جلددوم صفحہ 665 مطبع نورمحمد)

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جوکچھ میں تمہارے متعلق جانتا ہوں اگرتمہیں بھی وہ سب کچھ معلوم ہوجائے توتم کم سے کم ہنسا کرواورزیادہ سے زیادہ رویا کرو۔انس نے کہا یہ سن کررسوؔل اللہ کے صحابہ نے اپنے اپنے منہ کپڑے سے ڈھک لئے اورروتے روتے اُن کی چیخیں بلند ہوگئی تھیں۔چنانچہ اس کے بعدایک شخص نے پوچھا کہ اچھا مجھے یہ بتائیں کہ میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا باپ فُلاں شخص ہے۔اس کے بعد یہ آیت اُتری تھی کہ: ''تم لوگ ایسی باتوں کے متعلق نہ پوچھا کروکہ جن کوتم پرظاہر کردیا جائے توتمہیں ناگواراوربُرامعلوم ہو۔''(مائدہ,5/101)

ششم۔ یہ سنسنی خیزاوردہشت ورقت انگیز خطبہ چھپانے سے بھی قریش کی نسلی گندگی نہیں چھپتی

محمد اسماعیل بخاری ہوں یا کوئی اورمورّخ ومفسرومحدث ہوقریشی حکومتوں کے تنخواہ داراوروظیفہ خوار ملازم تھے۔اس لئے اپنے حکمرانوں کے اشاروں پرچلتے تھے۔اُن کی ڈپلومیسی، پالیسی اورمذاہب سے واقف تھے۔اُن کی رضاجوئی مدِنظررکھنا قدرتی تھا۔اُن کے خلاف نہ ایک لفظ لکھتے تھے نہ لکھنا پسند کرتے تھے۔جوکچھ بھی لکھتے تھے وہ اُن کی تائید میں لکھتے تھے۔کروڑوں احادیث وواقعات یاد ہوتے ہوئے انہوں نے اپنی کتابوں میں نہ لکھے مگر یہ لکھ دیا کہ''مجھے سات لاکھ احادیث یاد ہیں جن میں سے یہ(بخاری کی احادیث)لکھی ہیں۔یعنی صرف محمد اسماعیل بخاری نے چھ لاکھ چورانوے ہزارحدیثیں ضائع ہوجانے دیں۔اوراُن علمانے جوحدیثیں لکھیں وہ بھی نامکمل اورحق سے دُوراورتشنہ رہ گئیں۔اسی مندرجہ بالاحدیث پرنظرڈالیئے اورسوچیئے کہ وہ خطبہ جسے حضرت انس نے اپنے سنے ہوئے خطبوں اورحدیثوں میں سب سے زیادہ حیرت وحقیقت انگیز کہا ہے،محمد اسماعیل بخاری نے نہ لکھا یانہ لکھ سکے۔یہ کتنا بڑا نقصان ہے جوجان بوجھ کراُمت کوپہنچایا گیااوراُن مسلمان حکمرانوں کے مقاصد کوبحال رکھا گیا؟اورایسے کتنے نقصانات ہیں جوقریشی مذہب وحکومت کے تحفظ میں اُمت کواُٹھانا پڑے ہیں؟

اب ہم اُس خطبے کے متعلق اس کے سوا کیا کہیں کہ اُس خطبے میں بڑی شرمناک باتیں تھیں جوحاضرین صحابہ اوراُن کے آباواجداد کرتے رہے تھے جن کے بیان ہونے کے دوران رسوؔل کے صحابہ کوایک دوسرے سے بھی اوررسوؔل اللہ سے بھی مُنہ اورآنکھیں چھپانا پڑیں۔ہم کہیں گے اورغیورانسانوں کوماننا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یقیناً کچھ نرم اورتسلی آمیز اصلاحی باتیں بھی کی ہوں گی ورنہ اُس خطبے کے بعد حاضرین ومخاطبین صحابہ ساری عمرایک دوسرے کومنہ نہ دکھاتے اورانسانی غیرت کا تقاضا تھا کہ یا جلاوطن ہوجاتے یا ڈوب کرمرجاتے۔اوریقیناً

رسولؐ اللہ نے اُن کے سامنے جہنم کو بلا دیواروں کے رکھ دیا ہوگا (روایت آئے گی) اوراُنہوں نے اپنے آباواجداد کا جہنم میں جلنا، پٹخنا اور چیخ چیخ کر شعلوں میں اُچھلنا دیکھ کر خوف سے بھی آنکھیں بند کر لی ہوں گی۔ حدیث کا یہ جملہ ''لَھُم حَنِینَ'' بتاتا ہے کہ ''چیخ و پکار کرنے والے لوگ اور تھے اور یہ چیخ و پکار حاضرین کو سنانے کے لئے ''لَھُم'' سامنے لائی گئی تھی۔

پھر نہ اُس صحابی کا نام بتایا گیا جس نے اپنے حقیقی باپ کا نام معلوم کیا تھا۔ اور نہ اس کے حقیقی باپ کا نام حدیث میں لکھا گیا۔ کیا یہ دیانت داری ہے؟ کیا یہ پردہ پوشی مفید ہے؟ اس سے تو قریشی علما، قریشی مذہب، قریشی خلفا، اور قریشی نسل کی دوہری چوہری (Multi) حرامزدگی کی نمائش ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اُس پورے خطبے میں قریش کے نسلی جنسی اشتراک و اختلاط و قلم سازی کی نام بنام تفصیل بیان کی گئی تھی۔ جو شخص بچ گیا تھا وہ کھڑا ہو گیا اور معلوم کر لیا۔ اگر اُس خطبے کا عنوان قریش کی نام بنام جنسی پردہ دری، قلمکاری یا کراس بریڈنگ (Cross Breeding) نہ ہوتا تو اُس آدمی کا یہ سوال کہ ''میرا باپ کون تھا'' نہ صرف بے تُکا، احمقانہ اور بے محل ہوتا بلکہ یہ قریشی صحابہ کی شان کے خلاف بھی ہوتا۔ اُنہوں نے اور اُن کے آباواجداد نے احمقوں اور جاہلوں کے پیدا کرنے کے لئے کراس بریڈنگ کے ابلیسی منصوبے پر عمل نہ کیا تھا۔ وہ تو عظیم الشان نابغہ نسل پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اُن میں ہرگز کوئی احمق و جاہل نہ تھا۔ اُن میں کا جاہل بھی کم از کم ابوجہل اتنی بصیرت کا مالک تھا۔ لہٰذا یہ عنوان یقیناً قریش کی جنسی حالت بیان کرنا ہی تھا۔ اور ذرا دیر بعد آنے والی روایات بتاتی ہیں کہ قریش نے رسولؐ پر سوالات کا مینہ برسا دیا تھا اور آپ نے مجبور ہو کر قریش کا کچہ چٹھا کھول کر رکھ دیا تھا۔

هفتم۔ بخاری نے ایک آیت چھوڑ کر شان نزول نہ لکھا ہوتا تو خود قرآن سے اُس خطبے کا عنوان مل جاتا

قریشی علما نے اُن تمام آیات کی تفسیر کو اپنے ریکارڈ سے دُور رکھا ہے جو قریش کی نسلی خصوصیت کا ذکر کرتی ہیں۔ زیر بحث آیت (5/101) سے پہلی آیت (مائدہ 5/100) کو اگر شامل کر لیا جاتا تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے کا عنوان بھی سامنے آجاتا۔

قُلۡ لَّا یَسۡتَوِیۡ الۡخَبِیۡثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوۡ اَعۡجَبَکَ کَثۡرَۃُ الۡخَبِیۡثِ فَاتَّقُوۡا اللّٰہَ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ o یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡاَلُوۡا عَنۡ اَشۡیَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ وَ اِنۡ تَسۡئَلُوۡا عَنۡھَا حِیۡنَ یُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَلَکُمۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡھَا وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ (مائدہ 101-5/100)

اللہ نے فرمایا ہے کہ: ''اے نبیؐ آپ قریشی نمائندے سے کہہ دیں کہ خواہ تجھے بدمعاشیوں اور گندگی کے مخلوطوں کی کثرت پسند ہی کیوں نہ ہو مگر ایسا مخلوطہ اور نفیس و عمدہ چیز کبھی مساوی نہ ہوئی ہے نہ ہوگی۔ تم سب کو خبیث پسندی سے باز رہنا اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ اے عربی بصیرت والے (نابغہ لوگو) شاید تقویٰ کی بنا پر تم فلاح پاسکو۔ اے عربی مومنین تم ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار اور بُری معلوم ہوں۔ اور اگر تم نے زمانہ نزولِ قرآن میں آئندہ کبھی ایسے سوالات کئے تو حقیقتِ حال تم پر کھول دی جائے گی۔ اللہ نے تمہیں اس صورتِ حال سے فی الحال نظرانداز کر دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ مغفرت اور بُردباری کا مالک وخالق ہے۔'' (مائدہ 101-5/100)

اس آیت (5/100) کو شامل کرتے ہی جہاں آنحضرتؐ کے خطبے کا عنوان اور مقصدِ بیان سامنے آگیا وہیں یہ معلوم ہو گیا کہ سوالات کی بوچھاڑ کرانے والا ایک واحد لیڈر تھا جس کو پورے خطبے میں مخاطب نمبر اول کی حیثیت سے سامنے رکھا گیا تھا اور اُسے یہ بتایا گیا تھا کہ خبیث اور طیب ہرگز برابر یا مساوی نہیں ہوسکتے۔ خبیث کا ایمان لانا اور ایمان لانے کے بعد مدت دراز تک اعمالِ خیر و تقویٰ پر عمل کرنا بھی اُس کے جسم، خون اور ہڈیوں

میں سے رچا بسا حرام اور خباثت نہ نکال سکیں گے یعنی اُس کا وہ پہلا دن بہت دُور ہوتا ہے جو طیب انسان کے ایمان لانے کا پہلا دن ہوتا ہے۔طیب انسان میں اس کا ایمان وعمل مثبت اضافوں کا باعث ہوں گے اور خبیث انسان کے ایمان و اعمالِ خیر پہلے اُن منفی گڑھوں کو بھرنے میں لگے رہیں گے جو اُس نے اور اُس کی سابقہ خبیث نسل نے صدیوں میں کھودے اور خبیث سامان سے بھرے تھے۔ پہلے وہ گڑھے خالی ہوں گے پھر بھرے جائیں گے تب طیب کے لیول کے برابر لیول (LEVEL) آئے گا۔جب تک طیب شخص و نسل کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہوگی۔

ھشتم۔ قرآن نے دوقسم کے مومنین کا اور خبیثوں کو طیب سے الگ کرنے کا اعلان کیا ہے

قریشی نسل کے مومنین خالص طور پر خباثت کا بنڈل تھے جنہیں ایک خاص مدتِ معلومہ تک برداشت کرلیا گیا ہے۔چنانچہ اللہ نے فرمادیا تھا کہ:

مَّا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ......الخ (آل عمران 3/179)

''اللہ کے لئے یہ صورتِ حال شایان شان ہے ہی نہیں کہ وہ مومنین کو اس مخلوط حالت میں برابر رہنے دے۔وہ تو ضرور پاک مومنین کو ناپاک مومنین سے الگ کر کے رہے گا۔البتہ یہ بھی اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ تم کو اُس مخصوص غیب پر مطلع کرلے کہ کب ایسا کرے گا۔اس کام کے لئے اپنے رسولوںؑ میں سے جسے موزوں اور متعلق سمجھتا ہے اُسے وہ وقت بتا دیتا ہے۔'' (آل عمران 3/179)

یہاں ہمارے عنوان سے صرف یہ حقیقت تعلق رکھتی ہے کہ ایک وقت عہد رسولؐ میں ایسا تھا جب خبیث مومنین طیب مومنین میں ملے جلے چلے جا رہے تھے۔(باقی تفصیل کے لئے ہماری تفسیر ملاحظہ ہو)

نھم۔اللہ نے خبیث مومنین کو میّز کرنے کا وقت تو نہیں بتایا مگر خبیثوں کو الگ کرنے کا طریقہ ضرور بتادیا ہے

قرآن کریم تمام خبیث مومنین کو مجموعی حیثیت سے طیب مومنین سے کب الگ کرے گا نہیں بتاتا مگر اُن کو الگ الگ رکھنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہم یہاں لکھتے ہیں تاکہ پھر یہ معلوم ہو جائے کہ قریشی نسل کی ایمان لانے کے بعد بھی کیا حالت تھی۔سنیئے اللہ نے فرمایا:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌo (نور 24/26)

علامہ کا ترجمہ سن لیں: ''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے۔پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے۔ان کا دامن پاک ہے اُن باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں، اُن کے لئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 374)

یہ آیت سنا کر اُن لوگوں کا منہ بند کر دو جو ہر کلمہ گو کو شادی بیاہ کے لئے ''کُفو'' یا ہم سَر قرار دیتے ہیں۔پھر یہ سُن لیں کہ اس آیت کی رُو سے عہد رسولؐ میں ایک ایسا گروہ موجود ہے جو نہ صرف طیب وطاہر ہے بلکہ اُس میں ایسے مرد اور عورتیں ہیں جو ہر قسم کی جنسی برائی اور ہر ممکن جنسی الزام سے سو فیصد مبرّا ومُنزہ ہیں۔اور دوسرے لوگ جنسی بے راہ روی، جنسی خرابی اور ہر جنسی الزام کے حقدار ہیں۔اور یہی ہمارا عنوان ہے۔اور یہی آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ میں بیان ہوا تھا۔اور یہی سبب ہوا کہ قریشی ریکارڈ میں اس خطبے کو لکھنا پسند نہیں کیا گیا۔

آنحضرتؐ کو مجبور کر کے قریش مذکورہ بالا خطبہ سے دوچار ہوئے: علامہ بخاری نے دوسری روایت عبداللہ ابن عباس کی زبانی یہ لکھی ہے کہ:

عَنْ ابن عباس قَالَ کَانَ قَوْمٌ یَسَاء لُوْنَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم اِسْتَھْزَاءً فَیَقُوْلُ الرّجل مَنْ اَبِیْ وَ یَقُوْلُ الرجل تَضِلُ نَاقَتُہٗ اَیْنَ نَاقَتِیْ فَاَنزل اللّٰہ فیھم ھٰذِہ الْاٰیۃ یٰآیُّھا الذین اٰمَنُوْا لا تَسْئَلُوا عن اشیاء (ایضاً کتاب وباب بخاری)

''قریشی قوم نے رسوؐل پر سوالات کی بوچھاڑ مذاق کی حدتک کردی تھی کوئی کہتا تھا میرا حقیقی باپ کون ہے کچھ کہتے تھے کہ میرا اونٹ گم ہو گیا ہے بتاؤ میرا اونٹ کہاں ہے؟ اِن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی اوراُن سے کہا کہ اَے مومنین ایسے سوالات نہ کیا کرو......''

دھم۔ قریش کی نسلی ونسبی بدعنوانیوں کی تفصیل عمر نے جاننا چاہی تھی اِس لئے سب کی طرف سے معافی طلب کی

گذشتہ عنوانات میں صحیح بخاری سے وہ سوالات معلوم ہو چکے جو قریشی عوام وخواص نے اپنی نسلی پوزیشن پر کئے تھے اور آنحضرؐت نے زبردست خطبے میں اُن کی شرمناک نسلی صورت حال سامنے رکھ کر انہیں منہ چھپانے اور اپنے اپنے آبا واجداد کے جنسی اعمال پر رونے کے لئے مجبور کیا تھا۔ ہم نے عرض کیا تھا قریشی لیڈر عموماً اور عمر خصوصاً یہ جاننا چاہتے تھے کہ آیا قرآن کے سادہ اور مہذب بیانات میں اُن کی مخلوط نسل کے متعلق کتنی گہرائی ہے اور آنحضرؐت کی واقفیت کا حدود اربعہ کیا ہے؟ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عمر نے یہ انتظام کیا تھا کہ لوگوں کو اپنے اپنے والدین کے متعلق سوالات کرنے کے لئے مقرر کر دیا تھا کہ سوالات کی بوچھاڑ سے تنگ آ کر آنحضرؐت اپنی معلومات پر سے حلم وصبر وسکون وتہذیب کا پردہ اُٹھا کر دوٹوک بات کریں۔ یہ پروگرام چلتا رہا اور حضوؐر نے رفتہ رفتہ قریش کی جنسی قلمکاری وخباثت کا مفصل اعلان کر دیا۔ اسی سلسلے کی چند روایات علامہ بخاری نے بخاری کی کتاب الفتن میں بھی لکھی ہیں۔ انہیں دیکھنے سے جہاں یہ دوبارہ معلوم ہوگا کہ قریش انتہائی بدنسلے مخلوط وقلمی لوگ تھے وہاں یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضوؐر نے قریش کو جہنم میں اُن کے اعمال کی سزا ملتے ہوئے بھی دکھایا تھا۔ جس سے خوفزدہ ہو کر چیخیں بلند ہوئی تھیں۔

کتاب الفتن (فتنوں کی کتاب) کے جس باب میں یہ بدنسلی والی روایات لکھی گئی ہیں اُس باب کا نام ہے: بَابُ التَّعَوُّذِ مِنَ الْفِتَنِ (پارہ 29 جلد 2 صفحہ 1050) ''وہ باب جس میں فتنوں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہوگا۔''

یہاں بھی پہلی روایت حضرت انس ہی سے لائی گئی ہے جس میں انہوں نے بتایا کہ: عَنْ انس قال سَأَلُوا النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم حَتّٰی اَحْفَوْہُ بِالْمسألۃ فَصَعِدَ النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم ذات یوم الْمِنْبَرِ فَقَال لَا تَسَأَلونی عَنْ شَیْءٍ اِلَّا بَیَّنْتُ لَکُمْ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ یَمِیْنًا وَ شِمَالًا فَاِذَا کُلُّ رَجُلٍ راسُہ فی ثوبِہٖ یَبْکِیْ فَانشاء رجل کان اذا لاحٰی یُدْعٰی اِلٰی غیر اَبِیْہِ فَقَال یا نَبِیَّ اللّٰہ مَنْ اَبِیْ قَالَ اَبُوْکَ حذافۃ۔ ثُمَّ اَنْشَأ عمر فقال رَضِیْنَا باللّٰہ رَبًّا و بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بحمدٍ رَسُوْلًا۔ نَعُوْذُ باللّٰہِ مِنْ سُوءِ الْفِتَنِ۔ فقال النبی مَا رَاَیْتُ فِی الْخَیْرِ وَ الشَّرِّ کَالْیَوْمِ قَطُّ اِنَّہٗ صُوِّرَتْ لِیْ جَنَّۃُ و النَّار حَتّٰی رَاَیْتُھما دُوْن الحائط. قَالَ قتادہ یذکر ھٰذَا الحدیث عند ھٰذِہ الایۃ یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ۔

''انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے اور اس طرح سوالات کئے کہ آنحضرؐت سوالات میں گِھر کر اور دب کر رہ گئے۔ چنانچہ اس پر اُس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ لو اب تم کوئی ایسا سوال نہیں کر سکتے جس کا جواب میں تمہیں نہ دے دوں یہ چیلنج سُن کر میں نے پورے مجمع پر دہنے اور بائیں نظر ڈالنا شروع کی تو دیکھا کہ تمام لوگ اپنے اپنے سروں کو کپڑے میں چھپائے رو رہے ہیں۔ اس دوران ایک ایسا شخص کھڑے ہو کر پوچھنے لگا، جسے اکثر سب ہی غلط ولدیت سے پکارتے تھے، کہ اَے اللہ کے نبیؐ مجھے بتائیے کہ میرا حقیقی

باپ کون تھا؟ آپؐ نے فرمایا کہ تیرا باپ حُذافہ تھا۔ پھر عمر نے کھڑے ہوکر کہا کہ: ہم سب اللہ سے اپنا پروردگار مان کر راضی ہوگئے ہیں اوراسلام سے اپنا دین مان کر راضی ہیں۔اور محمدؐ سے اپنا رسوؐل مان کر راضی ہوگئے ہیں۔اور ہم سب فتنوں کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔اس پر رسوؐل اللہ نے فرمایا کہ میں نے کسی خیر یا کسی شر کے معاملے میں آج تک ایسی صورتِ حال پہلے ہرگز نہیں دیکھی تھی۔ یقیناً میرے رُوبرو جنت اور جہنم کو دیواروں کی آڑ ہٹا کر پیش کیا گیا۔قتادہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث اُس آیت کے سلسلے میں بیان ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اَے مومنین تم اُن چیزوں کے متعلق سوالات نہ کیا کرو جن کو ظاہر کر دیا جائے تو تمہیں بُرا لگے۔‘‘

بہت سی آیات واحادیث کی طرح یہ حدیث بھی عمر کو سارے قریش کا نمائندہ وراہنما ثابت کرتی ہے وہ قریش کے بزرگ تھے

اس حدیث میں عمر کا پوری قوم کی طرف سے معافی اور پناہ مانگنا اور اللہ واسلام اور محمدؐ پر ایمان لانے کا تازہ اقرار کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہ اور معاملات کے علاوہ بدنسلی اور خبیث نسب میں بھی تمام قریش سے بڑھے ہوئے تھے اور ان تمام احادیث میں آنحضرؐت پر نسلی ونسبی صورت حال کے سوالات اُن ہی کے انتظام سے کئے گئے تھے۔اورانہوں نے خود ایک بھی سوال نہ کرنے کے باوجود سب کی طرف سے معافی مانگی اور ظاہر کر دیا کہ میں ہی اُن سوالات کا بانی مبانی تھا۔

یہاں بھی تمام قریشی مخاطبین کا منہ چھپا چھپا کر رونا تو لکھا ہے مگر جن باتوں پر اُنہوں نے شرم سے منہ چھپایا اور روئے وہ روایت میں موجودنہیں لہٰذا پھر معلوم ہوا کہ وہ قریش کے شرمناک جنسی تعلقات سے متعلق تھیں اسلئے از راہِ شرم اُن کو نہ لکھا گیا اُس کے بعدوالی روایت میں بھی کپڑے میں منہ لپیٹ کررونے کا ذکر ہے (کُلُّ رجل لافٌ راسه فی ثوبه یبکی) لہٰذا بخاری سے قریش کی نسلی ونسبی خباثت بار بار ثابت ہوگئی ہے۔

6۔ خلیفہ دوم قریش کی نسلی ونسبی خرابیوں کے ذکر سے حکمیہ منع کرتے اور تمام قریش کو بدنسل وبدنسب مانتے تھے

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ بدنسلی اور بدنسبی میں بھی خلیفہ دوم سارے قریش سے بڑھے ہوئے تھے اس لئے وہ قریش کے نسلی عیبوں کو بیان کرنے والوں سے سخت بازپُرس کرتے تھے۔اور چاہتے تھے کہ کوئی شخص کسی صورت میں بھی نسلی عیوب بیان نہ کرے۔اسی طرح وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ لوگ نسلی برتری اور فضیلت کی حقیقی باتیں بھی نہ کیا کریں۔اور ہر شخص ہر طرح اس پہلو پر زور دے کہ سب کلمہ گو برابر کا مرتبہ رکھتے ہیں اور ایمان لاتے ہی سب ایک درجہ کے مسلمان بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ان باطل مقاصد کے لئے ایسی روایات صدیوں تک گھڑائی اور مشہور کی جاتی رہیں جن میں خود رسوؐل کو فخر ومباہات سے منع کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔اور اُن کے منہ سے جگہ جگہ اور طرح طرح یہ جملہ کہلوایا گیا ہے کہ:

’’وَ لَا فَخری‘‘ اور میرے لئے کوئی فخر نہیں ہے یا میں ایسا اور ویسا ہوں مگر اس پر فخر نہیں کرتا۔اور اگر (معاذ اللہ) فاطمہؑ چوری کرے تو میں اُس کے بھی ہاتھ کٹواؤں گا۔ یادرکھیئے کہ قرآن میں ہرگز تمام انسانوں کو یا تمام مومنین کو یا تمام انبیاؑ کو مرتبے اور درجے میں برابر یا ہم رتبہ نہیں کہا گیا ہے۔اور برابر نسلی برتری پر فخر کیا گیا ہے۔ یہ بھی ابلیسی حربہ تھا کہ سب کو مرتبہ میں برابر کر دیا جائے اور صرف اعمال کو عزت وذلت کا معیار بنادیا جائے۔اور نسلی پاکیزگی وبرتری کو یک سر ملیامیٹ کر دیا جائے۔ یہ سب فطری صورت حال کے خلاف ہے۔ جو قلب وذہن ناپاک وحرام غذاؤں سے بنا ہو اُس میں عمدہ اور پسندیدہ خیالات وتصورات کا آنا اور ٹھہرنا ہمیں فطری قوانین سے سمجھانا ہوگا۔ بدبو کے ایک انبار یا ذخیرے پر کھڑے ہوکر قیامت تک منتر جنتر یا آیات اور کلمہ پڑھنے سے بھی بدبو خوشبو سے نہ بدلے گی۔ ذہن انسانی کی تبدیلی کا قانون بُرے اور خبیث عناصر اور خلیوں کی صالح عناصر اور خلیوں سے تبدیل کرنے کا قاعدہ اُن علما سے معلوم کریں جو ایسی بکواس کرتے ہیں اور لوگوں کو معنی بدل کر آیات و

احادیث سے فریب دیتے ہیں جسم انسانی وہ بنیاد ہے جس پر تعمیر کی جائے گی اگر بنیاد غلط، کمزور یا خبیث ہے تو عمدہ تعمیر کر سکنا فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایسے فریب سازوں کو ہمارے سامنے لاؤ ہم انہیں ایسا سبق دیں گے کہ آئندہ ایسی غیر فطری باتیں کبھی بھول کر بھی نہ کریں گے۔ اللہ نے صالح نسل پیدا کرنے کا حکم دیا ہے۔ خبیثوں اور خباثت سے الگ رہنے اور الگ کرنے کا انتظام کیا ہے۔ حرام وحلال کا فرق بتایا گیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ لوگ حلال وحرام کو خبیث وطیب کو پاک اور ناپاک کو خلط ملط کرتے رہیں۔ اور سب کو ایک درجے میں لے آئیں۔ یاد رکھیں کہ حقوق میں تمام انسان برابر ہیں۔ اور کسی معاملے میں برابری کا تصور محض ابلیس کا ہتھکنڈا ہے۔

اول۔ عمر کا نسلی عیوب بیان کرنے پر مواخذہ اور سارے قریش کو بدنسل قرار دینے کا ایک واقعہ

علامہ ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح کرتے ہوئے ابوعثمان کی زبانی لکھا ہے کہ:

قال ابو عثمان و بَلَغَ عمر بن الخطاب اِنَّ اُنَاسًا مِنْ رواة الاشعار و حملة الاثار يَعِيْبُون الناس و يَسَبُّونهم فى اسلافهم فقام على المنبر و قال اِيَّاكُمْ و ذكر العيوب و البحث عَنِ الاصول فَلَوْ قُلْتُ لا يخرج اليوم من هٰذِهِ الابواب اِلَّا مَنْ لا وصمة فيه، لَمْ يخرج منكم اَحَدٌ فقام رجل مِنْ قريش، نَكْرَهُ اَنْ نَذْكَرُهُ۔ فقال اِذًا كُنْتُ انا۔

''ابوعثمان کہتے تھے کہ عمر بن خطاب کو یہ اطلاع ملی کہ اشعار کے راوی اور حالات وواقعات سے واقف لوگ واقعاتِ گذشتہ کی بنا پر لوگوں کے نسلی ونسبی عیب بیان کرتے رہتے ہیں اور اُنکے کچے چٹھے کھولتے ہیں۔ تو عمر منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے لوگو خبردار ہو جاؤ اور لوگوں کے نسبی عیوب اور آباواجداد کی پیدائش کی غلط بنیادوں اور طریقوں پر بحث نہ کیا کرو۔ کیوں کہ اگر میں آج یہ شرط لگا دوں کہ اس مجمع میں سے صرف وہی لوگ دروازوں سے باہر نکلیں جنکے نسب میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہ ہو تو تم میں سے کوئی باہر نہ نکلے گا (اسلئے کہ تم سب کے نسب ونسل عیب دار ہیں) یہ سُن کر ایک شخص قریش میں سے اُٹھا، جس کا ذکر کرنا مجھے پسند نہیں، اور کہا کہ میں وہ بے عیب نسل کا آدمی ہوں جو باہر نکل سکتا ہے۔'' یعنی باقی سب لوگوں نے خاموشی سے اپنی نسلی ونسبی خباثت کا اقرار کر لیا۔'' (شرح جلد 2 صفحہ 24 مطبوعہ مصر)

علامہ ابن ابی الحدید کا باقی ماندہ بیان آنے سے پہلے قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ جو شخص عمر کے اعلان کے بعد کھڑا ہوا وہ کوئی بھی ہو مگر قریشی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ عمر کی کوئی بات قریش کے متعلق اور خصوصاً نسبی ونسلی بدعنوانیوں کے متعلق غلط نہیں مانی جا سکتی لہٰذا قریشی افسانہ سازوں نے اُسے قریشی لکھ کر یہ امکان پیدا کرنے کی راہ نکالی ہے کہ قریش میں بھی نسلی بدکرداری اور حرام سے محفوظ کچھ لوگ تھے۔ جو قرآن وتاریخ وتجربے کے خلاف ہے اور ہم قریش کے حق میں قریش کی لکھی ہوئی کوئی اچھی بات نہیں مانتے۔ لہٰذا عمر نے فیصلہ کر دیا کہ قریش اور اُن کے تمام آباؤاجداد حرامکاری کی نسل سے تھے اور یہ کہ عمر نے ان کے حالات بیان کرنے کی ممانعت کی تھی۔

دوم۔ عمر کا مخالف وہ شخص علیؑ کا طرفدار ومحب تھا۔ اور امام جعفرؑ صادق نے عمر کے خاندان کی پول کھول دی

علامہ نے مسلسل لکھا ہے کہ: **قُلْتُ الرجل الذى هُوَ المهاجر بن خالد بن الوليد بن مغيرة المخزومى كان عمر يبغضه لبغضه اباه خالدًا وَ لَاَنَّ المهاجر كان علوى الرائى جدًا وَ كان اخوه عبدالرحمان بخلافه شَهَدَا المهاجر صِفِّين مع على عليه السلام و شهدها عبدالرحمن مع معاوية و كان المهاجر مع علىؑ فى يوم الجمل و فقئت ذلك اليومِ عينه و لان الكلام الذى بلغ عمر بلغه عن المهاجر...... ذكر ذلك عنه ابن قتيبة فى كتاب المعارف و**

روی ابو الحسن المدائنی هذا الخبر فی کتاب امهات الخلفاء و قال انه روی عنه جعفر بن محمد علیه السلام بالمدینة فقال لَا تلمه یا ابن اخی اِنّه اشفق ان یخدج بقضیة نفیل بن عبدالعزیٰ و ضهاک امة الزبیر بن عبدالطلب۔"

"میں کہتا ہوں کہ وہ شخص جو عمر کے مقابلے پر کھڑا ہوا تھا۔ وہ شخص مہاجر بن خالد بن الولید بن مغیرہ مخزومی تھا۔ عمر اُس سے اس کے والد کی وجہ سے بغض رکھتے تھے اور اس کے دشمن تھے اور اس وجہ سے بھی کہ مہاجر حضرت علیؑ کا طرف دار تھا۔ اس کے خلاف مہاجر کا بھائی عبدالرحمٰن تھا جو جنگ صفین میں معاویہ کی طرف تھا۔ اور مہاجر جنگ صفین اور جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف تھا۔ اس جنگ میں اُس کی ایک آنکھ بھی ضائع ہوگئی تھی۔ اور عمر اس لئے بھی مہاجر کے مخالف تھے کہ وہ مذمت مہاجر ہی نے کی تھی جسے سن کر عمر نے نسلی عیوب بیان کرنے سے ممانعت کا خطبہ دیا تھا۔ ان امور کو علامہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں لکھا ہے اور علامہ ابوالحسن مدائنی نے بھی یہ روایت اپنی کتاب امہات الخلفا میں لکھی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو جب حضرت عمر کے اس خطبہ کی اطلاع دی گئی تو آپؑ نے فرمایا کہ اَے برادرزادے اُن کو ملامت نہ کرو اس لئے کہ عمر کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں وہ مہاجر اُن کے دادا نفیل اور زبیر بن عبدالمطلب کی کنیز ضحاک کا قصہ نہ چھیڑ دے۔"

<u>دو اہم ترین حقائق نوٹ کرلیں:</u> اس بیان میں قریش کے تیار کردہ شجرے کی رُو سے عباس وغیرہ کی طرح زبیر کو بھی حضرت عبدالمطلب کا بیٹا لکھا گیا ہے اور قریش کے خانہ ساز نسب نامے کو قریشی حکومتوں اور علما نے اس قدر شہرت دی ہے کہ شیعہ سنی علما نے قریش کے اس ہتھکنڈے اور پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر خود بھی زبیر کو، عباس کو، ابولھب وغیرہ کو حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے بیٹے مان لیا ہے۔ جو بکواس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (دیکھو ہماری کتاب مرکز انسانیت)

دوسری حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام اپنی قوت قدسیہ سے جسے چاہتے تھے پاک و پاکیزہ کر کے درجہ عصمتِ صغریٰ پر فائز کردیتے تھے۔ آن کی آن میں جاہل کو عالم بنا دیتے تھے۔ لہٰذا اُن حضراتؑ نے جن لوگوں کی سچ مچ مدح وثنا کی ہے وہ باقی عوام الناس سے جداگانہ حیثیت کے مالک ہوجاتے تھے۔

سوم۔ <u>آنحضرتؐ کا حسب ونسب اگر وہی ہوتا جو قریش کا تھا تو آپؐ اپنے نسب کو بے عیب نہیں کہہ سکتے تھے</u>

علامہ ابن ابی الحدید اپنے استاد ابوعثمان کا بیان مسلسل کرتے ہیں غور سے ملاحظہ کریں اور آنحضرتؐ کا قریش سے یا قریش کا آنحضرتؐ کے شجرہ سے نہ ہونا دیکھیں۔ علامہ لکھتے ہیں کہ:

ثُمَّ نَعُودُ لِاِتْمَامِ حکایة کلام شیخنا ابی عثمان قال وَ مَتٰی یَقْدَرُ النَّاس، حفظک اللّٰه، علٰی رَجُلٍ مسلم مِنْ کُلِّ اُبْنَة و مُبَرًّا مِنْ کُلِّ آفَةٍ فی جمیع آبائه وَ اُمَّهَاتِهٖ وَ اسلافه و اصهاره حَتّٰی تسلّم له اخوا له و اعمامه و خالاته و عمّاته و اخواته و بناته وَ امهات نسائِهٖ و جمیع مَنْ یناسبه و قبل جدّاته و اجداده و اصهارة اختانه و لو کان ذٰلک موجودًا لَمَا کَانَ لنسب رسوؐل اللّٰه فضیلة فی النقاء و التهذیب و فی تصفیة و التنقیح۔ قَالَ رسوؐل اللّٰه ما مسنی عرق سِفَاحٍ قَطُّ وَ مَا زِلْتُ اَنْقَلَ مِنْ اَصْلَابِ اسَّلِیمة مِنَ الوصوم و الارحام البریة مِنَ العیوب فَلَسْنَا نقصنی

لاحد بالنقاء مِن جمیع الوجوہ اِلّا لِنَسب مَن صَدّقہُ القرآن و اختارہ اللّٰہ علیٰ جمیع الانام و الا فلابد مِنُ شَیُیءٍ یکون فی نفس الرجل او فی ظرفیہ او بعض اسلافہ اَوُ فی بعض اصہارہ و لکنّہ یکون مغطی بالصلاح و محجوبًا بالفضائل و مغمورًا بالمناقب فَلَوُ تَامَلُتَ احوال الناس لَوَجدتَ اکثر ہم عیوبًا اشدھم تَعِیُبًا''

(شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ 24-25)

''اب ہم اپنے استاد ابوعثمان کے باقی کلام کو سنانا شروع کرتے ہیں۔ اُنہوں نے پھر فرمایا کہ خدا تمہارا بھلا کرے بتاؤ تو لوگوں کو ایسا شخص بتانے یا دکھانے کی قدرت کیسے ہوسکتی ہے جو ہرنسبی عیب سے اور ہر خاندانی دوغلہ پن سے بچا ہوا ہو؟ اُس کے تمام باپ دادا بھی اُن عیوب ونقائص سے محفوظ رہے ہوں اُس کی ماں، ماموں، خالا، نانا، نانی بھی۔ اس کے بزرگ بھی، اور اُس کے سسرالی رشتہ دار بھی، یہاں تک کہ اُس کے کُل ماموں، چچا، خالائیں، پھوپھیاں، بہنیں، بیٹیاں، بیویوں کی مائیں، دادیاں، نانیاں اور بھی جو لوگ اس کی دادی اور دادا، نانی اور نانا، سسرالی رشتے داروں اور دامادوں کے رشتے کے ہوں سب ہی ایسی خرابیوں سے بچے ہوئے ہوں اور کسی میں کوئی داغ دھبہ نہ لگا ہو۔ اگر ایسے لوگوں کا وجود ہوتا تو نسب کی پاکیزگی، صفائی، نفاست، اصلیت اور خوبی وغیرہ اوصاف میں حضرت رسوؐل خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کی کوئی فضیلت نہ ہوتی۔ آنحضرؐت نے فرمایا ہے کہ زنا یا حرامکاری کا شائبہ بھی میرے خاندان میں نہیں آیا۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے صلبوں سے، جو کل عیوب سے پاک اور محفوظ تھے، ایسے رحموں میں منتقل ہوتا رہا جو ہر خرابی ہر بُرائی، ہر قابل نفرت بات سے بالکل صحیح وسالم تھے۔''

ان وجوہات کی بناپر ہم (ابوعثمان) کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وہ ہر طرح نسبی برائیوں سے پاک ہے۔ سوائے اُس بزرگ کے نسب کے جس کی تصدیق قرآن مجید نے کی ہے۔ اور جس کو اللہ نے ساری مخلوقات پر برگزیدہ کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی ذات یا اُس کی ددھیال یا ننھیال یا اُس کے بعض بزرگوں یا اُس کے سسرالی رشتہ داروں میں کوئی نہ کوئی عیب یا دھبہ ضرور ملے گا۔ لیکن وہ عیب یا داغ ودھبہ اُس کی کسی نیکی سے ڈھک چُھپ گیا ہوگا۔ یا اُس کے فضائل سے چھپا رہا ہوگا۔ اور اُس کی باقی خوبیوں سے اُس پر پردہ پڑ گیا ہوگا۔ (اور ہم کہتے ہیں کہ یا سازشی انتظام سے عیب کو ہُنر بنالیا ہوگا۔ احسن) اب اگر تم لوگوں کے خاندانی حالات کی تفتیش کرو تو دیکھو گے کہ جو لوگ دوسروں کے عیوب زیادہ بیان کرتے ہیں (مثلاً اللہ قرآن میں) تو اُن ہی میں سب سے زیادہ عیوب موجود ہوتے ہیں۔''

قارئین حیران نہ ہوں ابوعثمان اور ابن ابی الحدید بھی قریشی مذہب کے لوگ ہیں اور ثلاثہ اینڈ کمپنی کی خلافت کو برحق ماننے والے علما میں سے ہیں۔ اگر وہ ترکیب سے، لوگوں کی آڑ میں، قریش کے نسلی ونسبی عیوب وخبائث کو بیان کرنے سے روکیں تو یہ اُن کا مذہبی فریضہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے قریشی راہنماؤں کے عیوب چھپائیں۔ آپ نوٹ کریں کہ جو خود عیب دار ہوتے ہیں اور اپنے عیوب کو جانتے بھی ہیں وہی دوسروں کے عیوب بیان کرنے سے روکتے ہیں اور مثال میں زیرِ قلم شخص عمر ہے۔

پھر یہ نوٹ کریں کہ انسانی کمزوریوں کی بناپر پیدا ہو جانے والے عیوب میں اور ابلیسی قلمکاری اور تخلیقِ خداوندی میں تبدیلی کے منصوبے پر عمل کر کے ماں بہنوں اور بیٹیوں سے اولاد پیدا کرانے میں بڑا فرق ہے۔ اِن دونوں کو ساتھ ساتھ رکھنا بھی ابلیسی فریب کاری ہے۔

ابوعثمان نے حقیقت نگاری کی آڑ میں اپنے راہنماؤں کی دبی دبی طرفداری کی ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے لئے کسی صورت مغفرت اور رزق کریم ہے ہی نہیں (دیکھو سورہ نور 24/26) رہ گئے لغزشیں کر کے نسبی خرابی پیدا کرنے والے لوگ اُن کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔انہیں سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ہے۔اور اُن کے عیوب کی مرمت واصلاح ممکن ہے۔رہ گئے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُن کے مادی وجود میں لانے والے حضراتؑ، مردوںؑ اور عورتوںؑ کا سلسلہ وہ معصومؑ تھے اور معصوم خاندان اور کوئی نہ تھا۔البتہ غیر معصوم لوگوں کی نیک نسلیں اور نیک خاندان ہر ہر زمانہ میں اس دُنیا میں موجود رہے ہیں۔ساتھ ہی قرآن کی تصدیق کے مطابق یہاں ابلیس کے تیار کردہ خاندان اور افراد بھی مسلسل رہتے چلے آئے ہیں اور قریش تو ابلیس کی لاکھوں سال کی محنت اور تجربہ کی پیداوار تھے۔اور یہی کچھ ہم دکھانا چاہتے ہیں۔قریش کی تمام عورتیں ابلیس اور اُس کے گروہ کی بھی بیویاں تھیں وہ قریشی مردوں کے ساتھ ساتھ اُن کی عورتوں سے جنسی تعلق جاری رکھتے تھے اور اُن کی اولاد میں برابر کے شریک رہتے تھے۔

چھارم۔ قریش میں پیدا ہونے والا ہر بچہ شیطان کی شرکت سے حمل میں ٹھہرتا اور اُسی کی صحیح اولاد ہوتا تھا

چنانچہ ایک معصوم بیان سنئے کہ جناب علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بیان کیا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیہودہ اور فحش باتیں کرنے والے ایسے شخص پر جنت حرام کر رکھی ہے جو نہ اس کی فکر کرے کہ لوگ اُس کے متعلق کیا کہتے ہیں اور نہ اس کی پرواہ کرے کہ وہ لوگوں کے متعلق کیا کہتا ہے؟ اور اگر تم تفتیش کرو گے تو اس کے سوا اور کچھ نہ پاؤ گے کہ یا تو وہ اولادِ زنا ہوگا یا اُس کے باپ کا نطفہ منعقد ہوتے وقت شیطان کی شرکت ہوئی ہے۔کسی نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ کیا آدمیوں میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے؟ فرمایا کہ کیا تو نے اللہ کا یہ قول نہیں پڑھا: وَ شَارِکۡھُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ یعنی اے ابلیس تو اپنے تیار کردہ لوگوں کے اموال اور اولاد میں شریک ہو جا۔ (بنی اسرائیل 17/64) (کافی وتفاسیر)

لہٰذا قریش کو دوسری نسلوں یا قبیلوں اور خاندانوں کے مقابلے میں پیش کرنا بھی فریب سازی ہے۔اس دُنیا میں قریش نسلی قلمکاری اور نسبی پیوند سازی (CrossBreeding) میں بےنظیر و بےمثال اور لاشریک لھم ہیں۔اُن کو سمجھنے کے لئے ایک بزرگ کے وہ دو شعر سمجھنا ہوں گے جو اُنہوں نے خلیفہ دوم عمر کے خاندان کے لئے لکھے ہیں۔سنیے اور سمجھئے:

بھائی یہ بھتیجا یہ + سگی سوت کا جایا یہ

جن یہ جایا اُن میں جائی + اس کا باپ میرا بھائی

ایک قریشی عورت نے کہا کہ یہ مرد جو میرے ساتھ شریکِ سفرِ حیات ہے۔یہ میرا بھائی بھی ہے اور میرے بھائی کا بیٹا بھی یعنی میرا بھتیجا بھی ہے۔میرے پہلے شوہر کی دوسری بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔اور میرا اور اس کا باپ ایک ہی شخص تھا۔اور میرا اور اُس کا باپ میرا بھائی بھی تھا۔قارئین سوچیں کہ اُس عورت کے ساتھ کیا گزری؟ کس کس رشتے کے لوگ اُس کے شوہر رہے؟ پھر سوچئے کہ ایسے انتظام سے پیدا ہونے والی اولاد کا کوئی ہم مثل ونظیر ہو سکتا ہے؟ بڑی مشکل سے ہوتا ہے جہاں میں دیدہ ور پیدا؟

پنجم۔ قریش نے حرام وحلال کی فہرست از سرِ نو آجانے کے بعد بھی جنسی اشتراک اور قلمی اولاد تیار کرنا جاری رکھا تھا

اِن خطبات (7،10) میں ہم نے اُس تعلق کو دکھانا لازم کر لیا تھا جو ابلیس اور قریش میں جاری رہا اور وہ ایک دوسرے میں گھل مل گئے۔ اِن دونوں کا ایک جان اور ایک قالب ہو جانا دکھانے کے لئے ہمیں اُن کی جنسی شرکت کا مسئلہ سامنے لانا پڑا۔تاکہ قرآن اور حضرت علی علیہ السلام

کے مختصر بیانات کی تفصیل سامنے حاضر ہوجائے اور قارئین یہ سمجھ سکیں کہ کس طرح ابلیس قریش کی آنکھوں سے دیکھتا اور اُن کی زبان سے بولتا اور اُن کے دماغ سے سوچتا ہے؟ اور کس طرح قریش کے تمام کام ابلیس کے کام بن سکتے تھے؟ اور بن گئے تھے؟ ابلیس کی شرکت اور نوازشات سے قریش کو جو مقام بلند ملا تھا اُس کا تذکرہ ہم آخری عنوان میں کریں گے۔ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قریش نے ابلیسی تعلیمات کی بنا پر اللہ کا ہر ہر حکم ماننے کے باوجود کوئی حکم نہ مانا۔ وہ اللہ، رسوؐل، قرآن، سابقہ انبیا، سابقہ الہامی کتابوں اور قیامت پر اس طرح ایمان لائے کہ اللہ کو انہیں بار بار قرآن میں ''یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' کہنا پڑتا رہا۔ مگر اُن کے پورے ایمان کی نفی کرنے کے لئے قرآن میں یہ بھی فرمادیا کہ:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ الۡکِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَ الۡکِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا (نساء 4/136)

<u>ترجمہ مودودی</u>: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس کی کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ اور ہر اُس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں اور روزِ آخرت سے کفر کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دُور نکل گیا۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 406-407)

(i) <u>قریش کو ابلیس نے کفر کی ایسی تعلیم دی کہ انہیں کافر اور دشمنِ اسلام ہوتے ہوئے بھی اللہ کو اور دُنیا کو انہیں مومن ماننا پڑا</u>

معلوم ہوا کہ: <u>1</u> قریش مومن تھے اور ایسے مومن کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے کافر تھے۔ <u>2</u> آنحضرتؐ پر ایمان رکھتے ہوئے رسوؐل کے کافر تھے۔ <u>3</u> قرآن کے بھی ایماندار کافر تھے۔ <u>4</u> سابقہ تمام کتابوں کے بھی ایماندار کافر تھے۔ یعنی وہ ایسے مومن تھے جو چاروں خانے (چوکور) کافر تھے۔ اور وہ یقیناً اللہ و رسوؐل اور الہامی کتابوں ہی کی طرح کا ایمان ملائکہ اور رسولوںؑ اور آخرت پر بھی رکھتے تھے۔ یہ آیت (4/136) معمہ نہیں ہے۔ اس کی وضاحت سورہ فرقان (25/30) میں یہ ہے کہ رسوؐل کی قوم قریش نے قرآن کے تمام احکام و مسائل و بیانات کو اپنے ابلیسی طریقے پر اختیار کیا تھا۔ وہ ہر چیز پر ایمان رکھتے تھے۔ مگر قرآن میں مذکورہ ایمان کو اصلاح کے ساتھ قبول کرتے تھے۔ مِن وعَن لفظ بلفظ قرآن کی کوئی بات اختیار نہ کرتے تھے۔ اسی ابلیسی اصول پر اُنہوں نے حرام و حلال اور جنسی تعلق کو بھی مانا تھا اور جس طرح اپنے سابقہ مذہب کے تمام عقائد و احکام کو اسلام کا رنگ دے کر اور ایمان کا ٹھپہ لگا کر اختیار کرلیا تھا۔ اُسی طرح اُنھوں نے جنسی اشتراک کو بھی برقرار رکھا تھا۔ نکاح کی جو جو پابندیاں اور رسوم آج اُن کے اندر پائی جاتی ہیں یہ بہت زمانہ گزرنے کے بعد انہوں نے مجبور ہو کر اختیار کی تھیں۔ ورنہ اُن کے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین ہارون رشید نے مملکت اسلامیہ کے سب سے بڑے مفتی و عالم ابو یوسف کے فتویٰ سے اُس عورت سے نکاح کیا اور اولاد پیدا کرائی تھی جو اُس کی ماں اور اُس کے باپ کی زوجہ تھی۔ اور اگر آپ قریش کے چاروں اماموں، ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے فتاویٰ دیکھیں تو آپ کو قرآن کے حرام کئے ہوئے کئی ایک جنسی حرام کا حلال کرلیا جانا معلوم ہوجائے گا۔ بہرحال اگر بعد کی فتویٰ سازیوں کو نظر انداز بھی کردیا جائے اور خود عہد رسوؐل اور نزول قرآن کے دوران، اور نکاح کی پابندی عائد ہوچکنے کے بعد اور حرام عورتوں کی فہرست قرآن میں نازل ہوچکنے کے کئی سال بعد بھی اللہ نے قریشی مومنین اور اُن کے مومن لیڈروں سے جو کچھ فرمایا تھا وہ علامہ مودودی ہی کے ترجمہ سے دیکھ لیں کہ قریش اپنی نوجوان و نوخیز لڑکیوں کو مال دُنیا کمانے کے لئے <u>زنا</u> پر مجبور کرتے تھے۔

(ii) نکاح کرنے اور بے نکاح نہ رہنے پر اللہ کا حکم اور جبری زنا اور جنسی شرکت کی دوبارہ ممانعت

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (نور 33-24/32)

__مودودی ترجمہ__: ”تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں، اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، اُن کے نکاح کر دو اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دے گا، اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں انہیں چاہئے کہ عفت مآبی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دے۔ اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں اُن سے مکاتبت کر لو اگر تمہیں معلوم ہو کہ اُن کے اندر بھلائی ہے اور اُن کو اُس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ اور اپنی لونڈیوں (نوجوان ونوخیز لڑکیوں۔ احسن) کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں، اور جو کوئی اُن کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ اُن کے لئے غفور و رحیم ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 397 تا 403)

(iii) علامہ کے غلط ترجمہ سے بھی حقیقت واقعی نہیں چھپتی جبراً جنسی شرکت ثابت ہے

قرآن کے ترجمہ میں قریشی علما کی بے ایمانیوں اور بد دیانتیوں کے شکوے فضول ہیں اس لئے کہ قریش کا مذہب ہی بے ایمانی اور بد دیانتی ہے۔ ان آیات میں لونڈیوں یا کنیزوں کے لفظ ”اِمَاءٌ“ اور غلاموں کے لئے لفظ ”عِبَادٌ“ موجود ہوتے ہوئے بھی لفظ ”فَتَيَاتٌ“ کے معنی ”__لونڈیاں__“ اور ”مَامَلَكَتْ اَيمان“ کے معنی مملوک یعنی زرخرید غلام کر لئے گئے۔ حالانکہ فتیات ’فتیٰ‘ کی جمع ہے اور فتیٰ کے معنی نوجوان ونوخیز جوان (انبیاء 21/60) خود مودودی نے لکھے ہیں (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 166) بہر حال ثابت ہو گیا کہ عہد رسوؐل میں رسوؐل کے قریشی صحابہ اپنی نوجوان لڑکیوں یا کنیزوں کو جبراً جنسی شرکت کے لئے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اور جنسی تعلق قائم کرنے والے لوگوں سے روپے لیا کرتے تھے اور غیر شادی شدہ مسلمان اور دیگر اقوام کے لوگ اپنی جنسی ضرورت یوں پوری کرتے رہتے تھے۔ اس صورتِ حال کو روکنے کے لئے تمام صاحبانِ حیثیت مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام غیر شادی شدہ لوگوں کا پتہ لگائیں اور اپنے انتظام اور سرمائے سے شادی کے لئے تمام موزوں (Fit) لوگوں کی شادی کر دیں۔ اور جنسی تعلق کے لئے دعوتِ عام اور انتظام بند کر دیں۔ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ آیات جن میں ماں بہنوں وغیرہ حرام رشتوں سے جنسی تعلق یا زنا منع کیا گیا تھا وہ سورۂ نساء کی آیات (24 تا 4/22) تھیں۔ اور سورۂ نساء کی تلاوت یا نزول، بقول مودودی بھی 4، 5ھ ہجری میں ہوا تھا۔ یعنی 4، 5ھ ہجری کے بعد قریشی مومنین کو زنا اور حرام جنسی تعلق بند کر دینا چاہئے تھا۔ مگر اُنہوں نے 6ھ ہجری کے بعد تک اُن احکام کی خلاف ورزی قومی حیثیت سے کھلے عام بلکہ جبراً جاری رکھی تب یہ سورہ نور کی مندرجہ بالا آیات (33-24/32) ممانعت کے لئے نازل ہوئیں۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 307)

(iv) قریشی مسلمانوں میں نہ صرف حرام جنسی شرک یا شرکت جاری رہی بلکہ لوگوں کو لبھانے کے لئے درشن بھی کرایا جاتا تھا

6 ہجری کے اواخر تک یہ پتہ بھی قرآن سے چلتا ہے کہ قریشی مومنین اور مومنات ایک دوسرے کو لبھانے اور رجھانے اور بے قابو کر دینے

کے لئے اپنی آرائش وزیبائش ونمائشِ حُسن وجمال ورعنائی ہی نہ کرتے تھے بلکہ دونوں فریق اپنے اپنے اندام نہانی کی جھلکیاں بھی دکھادیتے تھے۔

قرآن سے آیات ملاحظہ فرمائیں اورعلامہ مودودی کا ترجمہ دیکھیں اور پھر قریش کے طرفداروں اور ہم مذہب لوگوں کو متوجہ فرمائیں۔ سنئے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ٥ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَائِهِنَّ اَوْ ......الخ (مسلسل دُور تک)(نور 24/30-31)

’’اے نبیؐ، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں (لڑنے سے۔احسن) بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے باخبر رہتا ہے۔اوراے نبی مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظریں (لڑنے سے۔احسن) بچا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر اُن لوگوں کے سامنے: شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں، اور وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں، وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔اے مومنو تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔‘‘(تفہیم القرآن جلد3 صفحہ 379 تا393)

(v) قریشی مومن اور مومنات جو کچھ کرتے تھے اُسے آج کے کنجر اور کنجریاں اور بدترین وبدکار لوگ بھی سنتے ہوئے شرماتے ہیں

اللہ نے ان دونوں آیات (24/30-31) میں نہایت محتاط اور مہذب الفاظ استعمال کئے ہیں۔مگر قریشی مومنین اور مومنات کی جنسی صورتِ حال اتنی بھیانک درجے کی شرمناک اور گندی تھی کہ اللہ کو بھی بعض ایسے الفاظ کہنا پڑے کہ انہیں سننے کے لئے آج کے بدترین وبدکار لوگ بھی تیار نہ ہوں گے۔رنڈیاں، کنجریاں اور پیشہ ورزانی مرد اور عورتیں بھی شرما جائیں گے۔اور یہ ایسی ملعون ومردود زندگی تھی کہ جس کے لئے ساری عمر توبہ کرتے رہنے کے بعد بھی بخشے جانے کا وعدہ نہیں کیا گیا بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ’’شاید تم فلاح پا جاوٗ‘‘(لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ 24/31)

آج تو یورپ کے کھلے اور بے قید معاشرے میں بھی اپنے جنسی اور شرمناک آلات کو کوئی مجمع عام میں دکھاتا نہیں پھرتا۔مگر قریشی مومنین کے جنسی آلات کھلے اور غیر محفوظ یعنی ہر ضرورت مند کے لئے حاضر و تیار رہتے تھے۔اور یہ عمل درآمد بھی وہ سادہ اور گنوارپن سے نہ کرتے تھے بلکہ حسن و آرائش وآلاتِ جنسی کو وہ جس حُسن وجذب وکرشمہ کے ساتھ پیش کرتے تھے اُس انداز کے لئے اللہ نے بڑی اونچی اور معنی خیز بات فرمائی ہے یعنی:

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ٥ (24/30) ’’یقیناً اللہ تمہاری کاریگری، مہارتِ صنعت کاری سے خبردار ہے۔‘‘

سوچئے کہ اس سے بڑھ کر اور اونچا معیار کیا ہوسکتا ہے؟ آخری آیت (24/31) کے آخری حصے سے ثابت ہے کہ یہ ماہرانہ اور جنسی انگیخت کی نمائش عام تھی۔ہر شخص کے لئے اور ہر وقت تھی۔تو سوچئے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہوگا؟ کتنے دل بے قابو ہو جاتے ہوں گے اور حرام وحلال کس طرح منظر سے منہ چھپا کر نکل جاتے ہوں گے؟ یہ تھا وہ جنسی شرکت کا قریشی معاشرہ جسے مشرک کہا گیا ہے۔اور یہ تھا وہ انتظام جس سے ابلیس نے ایک پوری قوم تیار کی تھی۔جس نے اسلام کو سر سے پیر تک میک اَپ کے ساتھ اختیار کیا اور جس کے تیار کردہ اسلام کو آج تک حقیقی اسلام سمجھا جارہا ہے۔

ششم۔ مودودی بھی قریشی مومنین وصحابہ وصحابیات کی ہلکی سی تصویر کشی کرتے ہیں

اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ علامہ مودودی سے بھی اس معاشرے کی چند باتیں سن لیں:

وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ؏ (24/34)

مودودی عہد رسولؐ کے مومنین پر طنز کرتے ہیں: ''ہم نے صاف صاف ہدایت دینے والی آیات تمہارے پاس بھیج دی ہیں، اور اُن قوموں کی عبرتناک مثالیں بھی ہم تمہارے سامنے پیش کر چکے ہیں جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں، اور وہ نصیحتیں ہم نے کر دی ہیں جو ڈرنے والوں کے لئے ہوتی ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 405)

مودودی سورہ نور کا یہاں تک (24/1 تا 34) خلاصہ لکھتے ہیں

''اس آیت کا تعلق صرف اوپر کی آخری آیت ہی سے نہیں ہے بلکہ اُس پورے سلسلۂ بیان سے ہے جو آغازِ سورہ سے یہاں تک چلا آرہا ہے۔ صاف صاف ہدایتیں دینے والی آیات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں زنا اور قذف اور لعان کا قانون بیان کیا گیا ہے، بدکار مردوں اور عورتوں سے اہل ایمان کو شادی بیاہ کے معاملے میں مقاطعہ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، شریف لوگوں پر بے بنیاد تہمتیں لگانے اور معاشرے میں فواحش کی اشاعت کرنے سے روکا گیا ہے، مردوں اور عورتوں کو غضِ بصر (نظر بچانے۔احسنؔ) اور حفظِ فروج کی تاکید کی گئی ہے، عورتوں کے لئے پردے کے حدود قائم کئے گئے ہیں۔ شادی کے قابل لوگوں کے مجرد بیٹھے رہنے کو ناپسند کیا گیا ہے۔ غلاموں کی آزادی کے لئے کتابت کی صورت تجویز کی گئی ہے، اور معاشرے کو قحبہ گری کی لعنت سے پاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان ارشادات کے بعد فرمایا جارہا ہے کہ خدا سے ڈر کر سیدھی راہ اختیار کرنے والوں کو جس طرح تعلیم دی جاتی ہے وہ تو ہم نے دے دی ہے۔ اب اگر تم اس تعلیم کے خلاف چلو گے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ تم اُن قوموں کا سا انجام دیکھنا چاہتے ہو جن کی عبرتناک مثالیں خود اسی قرآن میں ہم تمہارے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ غالباً ایک حکم نامے کے اختتام پر اس سے زیادہ سخت تنبیہہ کے الفاظ اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ مگر آفرین ہے اُس قوم پر جو ماشاءاللہ مومن بھی ہو اور اس حکم نامے کی تلاوت بھی کرے اور پھر ایسی سخت تنبیہہ کے باوجود اس حکم نامے کی خلاف ورزی بھی کرتی رہے!'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 405)

ہفتم۔ مودودی کے قلم سے عربوں اور قریش کی افزائشِ نسل اور جنسی قلمبندی کا نظام

مودودی کی اس تحریر سے عہد رسولؐ کے صحابہ اور صحابیات کا کچا چٹھا تصدیق ہو گیا اور یہ سب کچھ چھٹی صدی ہجری تک ثابت ہو گیا۔ اب اِن ہی آیات (24/30 تا 34) کے سلسلے میں مودودی کی ایک اور تشریح دیکھ لینا ضروری ہے تاکہ نوجوان لڑکیوں سے علی الاعلان قحبہ گری کرانے پر اُن کے خیالات بھی سامنے آجائیں وہ لکھتے ہیں کہ:

''لیکن اس حکم (لَا تُکۡرِھُوۡا فَتَیٰتِکُمۡ) کا پورا مقصد محض اس کے الفاظ اور سیاق وسباق سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اُن حالات کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جن میں یہ نازل ہوا۔ (یعنی شانِ نزول کے بغیر قرآن کے الفاظ وسیاق وسباق سے حقیقی مقصد نہیں سمجھا جاسکتا۔احسنؔ) اُس وقت (6ھ میں) عرب میں قحبہ گری کی دو صورتیں رائج تھیں۔ ایک خانگی کا پیشہ، دوسرے باقاعدہ چکلا۔

''خانگی'' کا پیشہ کرنے والی زیادہ تر آزاد شدہ لونڈیاں ہوتی تھیں۔ جن کا کوئی سرپرست نہ ہوتا، یا ایسی آزاد عورتیں ہوتی تھیں جن کی پشت پناہی

کرنے والا کوئی خاندان یا قبیلہ نہ ہوتا۔ یہ کسی گھر میں بیٹھ جاتیں اور کئی کئی مردوں سے بیک وقت اُن کا معاہدہ ہو جاتا کہ وہ اُن کو مدد خرچ دیں گے اور اپنی حاجت رفع کرتے رہیں گے۔ جب بچہ پیدا ہوتا تو عورت اُن مردوں میں سے جس کے متعلق کہہ دیتی کہ یہ بچہ اس کا ہے اسی کا بچہ وہ تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ یہ گویا معاشرے میں ایک مسلّم ادارہ تھا اور اہل جاہلیت (6ھ۔احسن) ایک قسم کا ''نکاح'' سمجھتے تھے۔ اسلام نے آ کر نکاح کے صرف اُس معروف طریقے کو قانونی نکاح قرار دیا جس میں ایک عورت کا صرف ایک شوہر ہوتا ہے۔ اور اس طرح باقی تمام صورتیں زنا میں شمار ہو کر آپ سے آپ جرم ہو گئیں (ابوداوٗد باب فی وجوہُ النکاح الّتی کان یتناکح اھل الجاھلیۃ)

دوسری صورت یعنی کھلی قحبہ گری، تمام تر لونڈیوں کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ اس کے دو طریقے تھے۔ ایک یہ کہ لوگ (مسلمان۔احسن) اپنی جوان لونڈیوں پر ایک بھاری رقم عائد کر دیتے تھے کہ اتنا کما کر ہر مہینے ہمیں دیا کرو، اور وہ بے چاریاں بدکاری کرا کرا کر یہ مطالبہ پورا کرتی تھیں، اس کے سوا نہ کسی دوسرے ذریعہ سے وہ اتنا کما سکتی تھیں، نہ مالک ہی یہ سمجھتے تھے کہ وہ کسی پاکیزہ کسب کے ذریعہ سے یہ رقم لایا کرتی ہیں اور نہ جوان لونڈیوں پر عام مزدوری کی شرح سے کئی کئی گنا رقم عائد کرنے کی کوئی دوسری معقول وجہ ہو سکتی تھی۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لوگ (مسلمان۔احسن) اپنی جوان جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو کوٹھوں پر بٹھا دیتے تھے اور اُن کے دروازوں پر جھنڈے لگا دیتے تھے جنہیں دیکھ کر دُور ہی سے معلوم ہو جاتا تھا کہ ''حاجتمند'' آدمی کہاں اپنی حاجت رفع کر سکتا ہے۔ یہ عورتیں ''قلیقیات'' کہلاتی تھیں اور اُن کے گھر ''مَـوَاخِیر'' کے نام سے مشہور تھے۔ بڑے بڑے معزز رئیسوں نے اس طرح کے چکلے کھول رکھے تھے۔ خود عبداللہ بن اُبَی کا مدینہ میں اُن کا ایک باقاعدہ چکلہ تھا...... اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان آ جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ اسلام میں قحبہ گری کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 403-404)

معلوم ہوا کہ جو جنسی طریقے ہم نے بلوغ الارب سے لکھے تھے وہ سب 6ھ ہجری میں مندرجہ بالا حکم (لَا تُكْرِهُوْا) آنے تک برابر مسلمانوں میں جاری تھے۔

یہاں ہم عربوں کی پیدائش اور وجود میں آنے کا ذکر ختم کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ ہمارے قارئین یہ سمجھنے میں کوئی دِقت محسوس نہ کریں گے کہ جن لوگوں نے چھوٹے چھوٹے شیر خوار بچوں کو تین تین روز بھوکا پیاسا رکھا اور انہیں دِکھا دِکھا کر پانی زمین پر پھینک دیا اور مسکرا مسکرا کر اُنہیں قتل کیا وہ کون سی مٹی اور مسالے سے پیدا ہوئے تھے؟ انہیں یقیناً وہی سامان ملنا چاہئے، وہ دُودھ ملنا چاہئے جو عربی نسل نے تیار کیا تھا۔ انہیں ہر پاکباز شخص اور نسل سے اُتنی ہی سنگدلی برتنا چاہئے جو آلِ محمدؐ سے برتی گئی۔ اُن میں کہیں خون کی ایسی بوند تک نہ ہونا چاہئے جس میں شرافت و رحم کا کوئی ذرہ موجود ہوتا۔ اور جن کی شقاوت و خباثت پر ابلیس بھی ناز کرتا رہے۔

7۔ ابلیس نے خَاتِمُ النّبیّینؐ کے بالمقابل خَاتِمُ الْمُجتھدین کو ہزاروں برس میں تیار کیا تھا

جیسا کہ ابلیس نے اللہ سے عرض کیا تھا اُس نے اولادِ آدم علیہ السلام کی ہر نسل اور ہر خاندان پر نظر رکھی اُن میں سے اپنی پسند کے آدمی ہر زمانہ میں انتخاب کئے انہیں اپنے منصوبے کے مطابق تربیت و تعلیم دی۔ اُن میں سے وہ صفات و فطری خصوصیات نکالنے کا انتظام کیا جو انسان کو کمزوری و ضعیفی و عاجزی اور تقویٰ و پرہیزگاری کی طرف موڑتی ہیں جن سے وہ کسی کے سامنے جھکتا ہے، سجدہ کرتا ہے۔ پھر اُن میں اُن خصوصیات کو پیدا کرنے کا بندوبست کیا جو انسان کو منہ زور و سرکش و مستغنی بناتی ہیں۔ پھر اِن صفات اور خصوصیات کو اُن کی فطرت بنا دینے اور ایک نسل سے

دوسری نسل میں بطورِ ورثہ منتقل ہونے اور ترقی کرتے رہنے کی راہیں نکالیں، ارحام واصلاب میں اپنے اثرات پہنچائے۔ اُن صفات وخصوصیات کو طوفان خیز بنانے کے لئے کراس بریڈنگ کے نظام کو جاری کیا اُن تمام پابندیوں کو راہ سے ہٹاتے جانے کا انتظام کیا جو غیرت وحمیت وشرم وحیا کے مقدس ناموں اور القاب سے انسانی ذہن کی ترقی میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ اور بے باکانہ فکر وعمل سے قاصر رکھتی ہیں۔ یوں اُس کی نگرانی، راہنمائی اور ہدایت کاری سے اُس کی تیار کردہ نسل قریش کے نام سے ظہور میں آئی۔ چونکہ اس نسل میں سے اُس شخص کو تیار کرنا تھا کہ جو تمام انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کے مقابلے میں ایک کامیاب مخالف محاذ بنائے۔ اِس لئے قریش کے اصلاب وارحام میں خود اپنی تمام صفات وخصوصیات کو پہنچانے اور پھلنے پھولنے کا انتظام کیا اور اعلان نبوت خاتم النبیینؐ ہوتے ہی اُس شخص کو مقابلے پر رکھ دیا جسے خود اللہ بھی اپنی آیات سے نواز رہا تھا اور اُسے اپنے نبیؐ کے لئے اعلیٰ وارفع مقام دینا چاہتا تھا۔ لیکن ابلیسی انتظام نے اُسے اللہ کی طرف جانے سے محفوظ کرلیا۔ اور جب اُس نے رضائے خداوندی پر ابلیس کو ترجیح دے دی تو ابلیس نے قیامت تک کے لئے اپنا پورا اقتدار ونظام اُس کے حوالے کر دیا اور اُس کی تائید وپیروی اختیار کرلی اور طے کرلیا کہ وہ آئندہ: ''اُسی کی آنکھوں سے دیکھا کرے گا۔ اور اُسی کی زبان سے بولا کرے گا۔ اپنی پوری حکمرانی میں اُن کو مسلط کرے گا چنانچہ اس کے ہاتھ پیر اور آنکھ وزبان بن گیا۔ (خطبہ 7 جملے 5 تا 9)

<u>اول۔ اللہ نے آنحضرتؐ سے خاتم المجتہدین کا تعارف کرانے کے لئے فرمایا کہ تلاوت کرکے سناؤ</u>

قارئین اللہ کا حکم سنیں اور ابلیس کی ہزار ہا سال کی محنت وکوشش کا مجسم ثمرہ دیکھیں۔ ارشاد ہوا کہ:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِىْ آتَيْنٰهُ آيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ o وَلَوْشِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ o (7/175-176)

''اے نبیؐ آپ اُس شخص کی غیبی خبر بھی تلاوت کرکے سنا دیں جس کو ہم نے اپنی آیات دی ہوئی ہیں اور اُس نے اُن آیات کا چھلکا اُتار لیا ہے اور مغز چھوڑ دیا ہے۔ اُس موشگافی سے مطمئن ہوکر ابلیس نے اُس کی پیروی واتباع شروع کر دی ہے اور وہ اغوا شدہ لوگوں میں شمار ہو گیا ہے۔ اور اگر وہ ایسی موشگافیاں کرکے آیات کے حقیقی منشا کو نہ جھٹلا دیتا تو ہم اُسے اُن آیات سے بلند مقام عطا کرتے ولیکن اُس نے تو بلندی کی جگہ زمینی مقاصد کو ہمیشگی دے لی۔ اور اپنے اجتہاد و مصلحتوں کی پیروی اختیار کرلی۔ اب اُس کی مثال اُس حرص کے کتے کی سی ہو گئی جسے تم اُکساؤ تب بھی خوشامد میں زبان سے چاٹنا شروع کردے اور اُس کی طرف سے بے توجہی برتو تب بھی چاٹتا رہے۔ اُس آدمی کی مثال سے اُس قوم کا حال مقصود ہے جس کے افراد نے موشگافیوں اور اجتہاد سے ہماری آیات کے معانی ومفاہیم کو جھٹلایا ہے (انعام 6/66) چنانچہ اس حقیقت کو قصہ کے انداز میں سنا دو شاید وہ قوم اور اُس کے افراد غور وفکر کریں۔ (7/175-176)

سَاءَ مَثَلاً الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ o (7/177) کیسی بُری مثال ہے اُن لوگوں اور اُن کی قوم کی جنہوں نے موشگافیوں سے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے اور یُوں اپنے اوپر ظلم کرتے رہے اور قیامت تک کرتے رہیں گے (مضارع يَظْلِمُوْن)

ہمارا یہ ترجمہ آیات کے وسیع وحقیقی مقصد کو سامنے لے آتا ہے اور جو کچھ ہم نے اُس شخص اور ابلیس کے متعلق عرض کیا تھا وہ اسی آیت کے الفاظ سے لیا گیا ہے۔ چونکہ ہم قرآن کے الفاظ پر ہر مفہوم کا دارومدار رکھتے ہیں اس لئے ہر لفظ کے وقوع اور استعمال کا سبب اسی لفظ سے اخذ کرتے ہیں۔ مثلاً

مندرجہ بالا آیات ایک ایسی قوم اور قوم کے افراد کی دوھرا دوھرا کر یہ بات بتاتی ہیں کہ اس قوم نے اور قوم کے افراد نے آیاتِ قرآن کو جھٹلایا ہے۔ لہٰذا اِن تینوں آیات (177 تا 7/175) کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ایک پوری قوم قرآن کی تکذیب کر رہی ہے۔ اس قوم کا نام سورہ انعام میں قریش بتایا گیا ہے۔ کَذَّبَ بِہٖ قَوۡمُکَ وَ ھُوَ الۡحَقّ......الخ (انعام 6/66)

یعنی ''اے نبیؐ، تیری قوم نے اس قرآن کو جھٹلایا ہے اور قرآن سراسر حق ہے۔''

معلوم ہوا کہ زیرِ نظر آیات (177 تا 7/175) میں قرآن کو جھٹلانے والی قوم خود قریش ہے۔ جھٹلانے والا سب سے بڑا ماہر وہ ہے۔ جس کے پاس قرآن کی آیات ہیں اور اُس نے اُن آیات کی کینچلی اُتار لی ہے۔'' یہ لفظ انسلخ کے حقیقی معنی ہیں۔ کینچلی اُتارنا موشگافیاں کہلاتا ہے معلوم ہوا کہ قرآن کی تکذیب موشگافیوں کے ذریعہ سے کی گئی ہے۔ اور موشگافیاں اتنی پُرفریب وحسین ودل نشین ہیں کہ حقیقت معلوم ہوتی ہیں اس مہارت کی داد دینے کے لئے ابلیس نے اُس کی پیروی اور اتباع اختیار کر لی ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ قریش کی قوم میں سب سے بہتر اجتہاد کرنے والا کون تھا؟ قرآن فہمی اور قانون سازی میں قریش کے نزدیک کون شخص سب سے بڑا مقنن تھا؟ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ وہ قریشی عُمر تھا۔ اور نتیجہ سامنے ہے کہ ابلیس بھی اس کا مرید و مقلد ہو گیا تھا۔ اور وہی ابلیس کی لاکھوں سال کی محنتوں، کوششوں اور کاوشوں کا نچوڑ تھا وہی اس قابل تھا کہ ابلیس نہایت اطمینان سے عمر کی آنکھوں سے دیکھے اُس کی زبان سے بولے اُس کے قلب و ذہن سے سوچے اور اسکیم بنائے۔ (خطبہ 7 جملہ 5)

دوم۔ <u>ابلیس اور اُس کے متعلق لوگ نوع انسان کو ہر حال میں ہر جگہ سے دیکھتے تھے</u>

یہ نوٹ کریں کہ اللہ نے ابلیس کو جہاں سینکڑوں قدرتیں اور اختیارات دیئے تھے وہاں یہ قدرت بھی دی تھی کہ وہ ساری نوع انسان کو ہر جگہ سے اور ہر حال میں دیکھتا رہتا تھا۔ (اعراف 7/27) لہٰذا اگر ابلیس عمر کی آنکھوں سے دیکھتا تھا (خطبہ 7 جملہ 5) تو عمر کی بصیرت کم از کم نوع انسان پر تو محیط ماننا ہی پڑے گی۔ اور اگر ابلیس عُمر کی زبان سے بولتا تھا (خطبہ 7 جملہ 5) تو عُمر کو اس قدر اثر انگیز لسانی قدرت ملنا چاہئے جو کم از کم ابلیس سے کم نہ ہو۔ یعنی اللہ کے مخلص بندوں کے علاوہ کوئی بھی عُمر کے دامِ تزویر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ (بنی اسرائیل 65-17/64)

سوم۔ <u>عُمر کی لسانی اثر انگیزی آنحضرؐت کو بھی متاثر کرتی رہی اللہ نے مداخلت کر کے رسوؐل کو بچایا</u>

یہ عُمر کی لسانی قدرت ہی تو تھی کہ پوری قریشی قوم اُن کے اشاروں پر چلتی تھی اور عمر کے مقابلے میں خود رسوؐل کی بات بھی نہیں مانتی تھی۔ اور یہ بھی عُمر کی اثر انگیزی کا کمال تھا کہ آنحضرؐت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کی باتوں اور اسکیموں کو پسند کرتے تھے اور بات اس حد تک پہنچ جاتی تھی کہ اللہ مداخلت کر کے آنحضرؐت کو چوکنا کرتا تھا۔ چنانچہ قرآن سے سنئے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُہٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یُشۡہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِہٖ وَ ھُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ o وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡہَا وَ یُہۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ (بقرہ 205-2/204)

''اور ان ہی لوگوں میں وہ شخص بھی تو ہے جس کی ہر بات تمہیں حیرانی کی حد تک پسند آتی ہے اور وہ اپنے قلبی خلوص و خیر خواہی پر اللہ کو گواہ کر کے باتیں کیا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کی اسکیم میں تمہارا دشمن اور سب سے بڑا مدّ مقابل حریف ہے۔ اور جب وہ اپنی اسکیم کے مطابق حاکم ہو جائے گا تو ساری دُنیا میں قتل و غارت سے انسانی نسل کو اور فصلوں کو تباہ کر کے فساد پھیلا دے گا۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

چھارم۔ عمر نے قرآن میں موشگافیاں کر کے اپنی قوم قریش کو آنحضرتؐ کے خلاف ایک قومی حکومت بنانے پر راضی کیا

سورہ بقرہ کی آیت (2/205) میں آئے ہوئے لفظ ''اِذَا تَوَلّٰی'' کا ترجمہ مودودی نے ''جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔'' کیا ہے اور شاہ رفیع الدین نے ''جب حاکم ہوتا ہے۔'' لکھا ہے اور یہ اس لئے کہ لفظ ''تَوَلّٰی'' کا مادہ و۔ل۔ی ہے۔ جس سے الفاظ 1 والی 2 ولی 3 اولیا 4 مولیٰ اور 5 ولایت بنتے ہیں۔ لہٰذا مندرجہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ عُمر دُنیا میں اسلامی زندگی کا مطلب آنحضرتؐ کو یہ بتاتا تھا کہ ساری دُنیا کو مسخر کر کے اپنے زیرِ نگین لایا جائے اور ایسا کرنے کے لئے سارے عرب کا تعاون حاصل کیا جائے اور ایک قومی اور ملکی حکومت بنائی جائے تاکہ اقوام عالم سے جنگ و پیکار میں پُورا ملک مجبوراً بھی اور خوشی سے بھی حصہ لے۔ اللہ نے عُمر کی اس ملک گیر اسکیم کو رد کر دیا مگر عُمر نے قومی لیول پر اُسے جاری رکھا اور قرآن کے معانی و مفاہیم اپنی موشگافیوں (اِنۡسَلَخَ) کے ذریعہ تبدیل کر کے قومی حکومت پرفٹ کر دیئے اور اپنے اجتہادی اسلام کی ایک ہمہ گیر و دائمی حکومت بنانے پر اجماع کر لیا (اعراف 177 تا 7/175، 2/205) اس حکومت کی تصوراتی ہمہ گیری و دوام آنحضرتؐ کو پسند بھی آتے تھے اور حیرانی بھی ہوتی تھی (2/204) اور اسی ہمہ گیر و دائمی حکومت کے تصور سے چمٹا رہنا الفاظ ''اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ'' سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ تھی عمر کی وہ زبان جس سے ابلیس نے بولنا اختیار کر لیا تھا (خطبہ 7 جملہ 5) اور یہ تھا اس زبان کا اثر کہ قریش نے لفظ بلفظ عمر کے ساتھ تعاون کیا اور آج تک قریش ہی نہیں بلکہ دُنیا کی ساری اقوام قومی حکومت کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور یہ تھی اُس نظر کی دوررَسی جسے ابلیس نے اختیار کیا تھا (خطبہ 7 جملہ 5) کہ عمر نے جس طرح قیامت تک کے مستقبل کو دیکھا اور اقدامات طے کئے تھے اُسی طرح آج تک وقوع میں آیا ہے۔ (الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

پنجم۔ عمر کو اللہ کی وحی نازل ہونے سے پہلے ہی حالات واقدامات کا علم ہو جانا

قریشی علما کے یہاں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ (معاذ اللہ) اکثر غلط باتیں کہہ گزرتے تھے اور غلط کام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتے تھے اور عمر اُن کو غلط کام سے منع کیا کرتے تھے۔ اگر وہ نہ مانتے تھے تو وحی نازل کر کے اللہ اپنے رسولؐ کی غلطی بتا دیا کرتا تھا۔ اسی صورتِ حال کو علامہ شبلی نے یوں لکھا ہے کہ:

(1) ''تم نے اکثر پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسولؐ اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اُس کے خلاف رائے ظاہر کی......مثلاً......'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 112)

(2) ''جب عمر کسی معاملے میں یہ کہتے تھے کہ ''میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے۔'' تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 133) اور

(3) ''اِمامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شائبہ ہے۔ اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ''واز میانِ امت جمعے ہستند کہ جوہر نفس ایشاں قریب جوہر انبیاء مخلوق شدہ ایں جماعت دراصل فطرت خلفائے انبیاء اندر اُمت۔'' (ایضاً صفحہ 96) اور یہ روایت بھی انہوں نے لکھی ہے کہ ''اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔''

قریشی علما نے قرآن کے بیّنات کے خلاف اپنی حکومت اور حکمرانوں یا خلفا کو برسرِ حق ثابت کرنے کے لئے جس قدر فریب اور بددیانتی کی ہے اور جو کرتب و ہنر دکھائے ہیں اُن ہی کی داد دینے کے لئے تو ابلیس نے اُن کی اتباع و اقتدا اختیار کی تھی۔ وہ اور اُن کے خلفا حرام نطفوں سے پیدا ہوئے حرام دودھ پی کر اور حرام غذائیں کھا کر چالیس سال کفر و زندقہ میں گزارے اس لئے آنحضرتؐ کو بھی چالیس سال تک کفر کی حالت میں مانا اور

زندگی بھر اُن سے غلطیاں ہونا مشہور کیا تا کہ ایک غلط کار نبی کی جانشینی غلط کار و کافر لوگوں کو دی جا سکے۔ بہر حال ہم نے ابوبکر و عمر و عثمان اینڈ کمپنی کی حالت بڑی وضاحتوں سے بیان کی ہے اور اب حضرت علی علیہ السلام کے خطبے کی تشریح میں بھی اُن کی حالت دکھا رہے ہیں اور اُن کا ابلیس کی اولاد ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ اور ابلیس کی نظر میں اُن کا مقام بیان کر رہے ہیں اور یہ پہلو اور عنوان سامنے ہے کہ عمر کو وحی سے پہلے بعض حالات کیسے معلوم ہو جاتے تھے؟ اس سلسلے میں پہلے آپ قرآن کا یہ جملہ پڑھیں کہ:

اِنَّهُ يَرٰكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ٥ (اعراف 7/27)

''یقیناً وہ دیکھتا ہے تم کو اور اُس کے ساتھی بھی اُسی کی طرح تمہیں اس طرح دیکھتے ہیں کہ تم اُن میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھ سکتے اور ہم نے شیاطین کو ایمان نہ لانے والوں پر حکمران بنا رکھا ہے۔'' (اعراف 7/27)

آیت کے اس بیان کو ذہن میں رکھ کر سابقاً ثابت شدہ دو باتوں کو یاد کیجئے اول یہ کہ ہم نے بڑی تفصیل سے قریش کو ابلیس کی نسل اور قبیلہ کے افراد ثابت کیا ہے اور یہ کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابلیس قریش کی آنکھوں سے دیکھتا ہے (خطبہ 7، جملہ 5) اب سوچئے کہ قریش ابلیس کا قبیلہ یا ساتھی ہونے کی بنا پر ویسی ہی دُور رس نگاہوں کا مالک ہونا چاہئے جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ پھر یہ معلوم ہو چکا کہ ابلیس نے عمر کی اتباع و پیروی اختیار کر لی تھی تو ظاہر ہے کہ عمر کی نظریں ابلیس کے معیار کے مطابق ہونا چاہئیں اور جتنی دُور تک ابلیس دیکھنا چاہے اور بیک وقت جس چیز کو دیکھنا چاہے وہ سب اُسے عمر کی آنکھوں سے نظر آنا چاہئے۔ اور چونکہ ابلیس کی نظر کی رسائی کی کوئی مقرر حد نہیں ہے اس لئے عمر کو لامحدود فاصلوں تک نظر آنا چاہئے۔ یہ تمام صفات آیات اور خطبات سے لازم و ملزوم ہیں اور عمر اور قریش کی دُور بینی پر دلیل محکم ہیں۔

اس کے بعد اللہ کا یہ فرمان سنیں کہ: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ٥ (انعام 6/112)

''اور ہم نے تو اسی طرح برابر انسانی اور جناتی شیطانوں کو انبیاؑ کے مقابلہ میں دشمن بنا کر رکھا ہے۔ جو آپس میں ایک دوسرے کو حسین و مفید باتیں دھوکے اور فریب کے لئے وحی کرتے رہتے ہیں۔ اے نبیؐ اگر تیرا پروردگار چاہتا تو وہ دونوں قسم کے شیطان اس قسم کی وحی نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ تم اُن کو اور اُن کی وحی کو نظر انداز کر دو۔ اور انہیں افترا پردازیوں میں آزاد رہنے دو۔''

یہ ہے وہ وحی کا نظام جس سے عمر کو وہ باتیں قبل از وقت معلوم ہوتی تھیں اسلئے کہ اُن کے خیال میں آیات کی تلاوت کرنے سے پہلے وہ آیات حضورؐ کو معلوم ہی نہ ہوتی تھیں حالانکہ آنحضرتؐ اور علیؑ و فاطمہؑ اور حسنینؑ روزِ ازل سے قرآن کے عالم و معلم اور مجسم قرآن تھے۔ (عنکبوت 29/49)

ششم۔ ابلیس ہو یا کوئی اور مخلوق ہو سب نظام خداوندی کے معین و مددگار رہتے ہیں

بہر حال یہ بھی سُن لیں کہ اللہ کا نظام و انتظام اس حسن سے آراستہ کیا گیا ہے کہ اُس سے دشمنی رکھنے والوں کی دشمنی اور اُس کی مخالفت کرنے والوں کی مخالفت بھی نظام کے لئے مفید بنتی چلی جاتی ہے۔ یہی تو حقیقی سبب ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ دشمنوں کی پرواہ نہیں کرتے انہیں پُورا پُورا موقع دیتے ہیں۔ اُن کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور انہیں باطل پرستی میں پختہ کاری کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کا انتظام مودودی کے ترجمے سے سُنیئے:

وَ لِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِيَرْضَوْهُ وَ لِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ٥ (انعام 6/113)

مودودی ترجمہ: ''(یہ سب کچھ ہم اُنہیں اس لئے کرنے دے رہے ہیں کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل اس خوشنما (وحی

کے۔احسن) دھوکے کی طرف مائل ہوں اور وہ اس سے راضی ہو جائیں اور اُن برائیوں کا اکتساب کریں جن کا اکتساب وہ کرنا چاہتے ہیں۔''
(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 573-574)

قارئین نے دیکھ لیا کہ ابلیس وعمر کو اللہ نے بڑے اطمینان سے اختیارات وقدرت عطا کی، اُن کے ساتھ ذرہ برابر کنجوسی سے کام نہیں لیا اِس لئے کہ اُن کی وجہ سے حق و باطل الگ الگ ہوا۔ اتمامِ حجت میں مدد ملی۔ گمراہ ہونے والوں کو اپنی گمراہی میں یقین واطمینان حاصل ہوا۔ انبیاؑ و رسلؑ کو بڑھ بڑھ کر اپنی حقانیت اور نظامِ خداوندی کو ثابت کرنے کے مواقع ملے۔ صبر وسکون ویقین واطمینان کو اُن کی انتہائی بلندی سے پیش کرنے کا بہانہ ملا۔ اگر کوئی رکاوٹ یا متصادم قوت موجود ہی نہ ہوتی تو یہ شاندار کیریکٹر کیوں اور کب پیش کیا جاتا؟ ساتھ ہی ہمیں موقع ملا کہ ہم قریش پرست لوگوں کو دکھائیں کہ جنہیں تم نے اپنا راہنما بنایا ہے۔ اُن سے تو شیطان بدرجہا بہتر اور زیادہ عالم تھا اور اُسی کی توجہ اور مہربانیوں سے تمہارے راہنماؤں نے شاندار وجود حاصل کیا۔ اُسی کے احسانات سے انہیں علم وہنر ملا اسی کے نظامِ وحی سے وہ مستفید ہوئے اور اُنہیں ولی اللہ محدث دہلوی درجہ نبوت کے قریب سمجھ کر گمراہ ہوئے اور ہماری بحثوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ آنکھوں پر ثلاثہ اینڈ کمپنی کی عقیدت کی پٹی کھینچ کر باندھی اور حقائق کو دیکھنے سے منہ پھرالیا۔

هفتم۔ عمر کے فضائل ومناقب میں کسی قریشی عالم نے اُسے صاحبِ وحی نہیں لکھا لیکن ہم صاحب وحی لکھتے ہیں

بڑے بڑے ثلاثہ پرست علمانے بھی عمر کی شان میں صاحبِ وحی ہونا نہیں لکھا لیکن ہم اُسے صاحبِ وحی والہام مانتے ہیں اور قرآن کی آیات سے اُس کا اور ابلیس کا وحی کرنا اور وحی وصول کرنا دکھاتے ہیں۔ اور اُن کا اور اُن کے ساتھیوں کا ملاءِ اعلیٰ تک جا پہنچنا تک مانتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی آیات اپنے اپنے قرآن میں پڑھتے رہنا۔ یہاں مودودی ترجمہ پڑھ لیں:

''ہم نے آسمانِ دُنیا کو تاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے اور ہر شیطانِ سرکش سے اس کو محفوظ کر دیا ہے۔ یہ شیاطین ملاءِ اعلیٰ کی باتیں نہیں سُن سکتے، ہر طرف سے مارے اور ہانکے جاتے ہیں۔ اور اُن کے لئے پیہم عذاب ہے۔ تاہم اگر کوئی اُن میں سے کچھ لے اُڑے تو ایک تیز شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔''(صفت 10 تا37/6)(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 279-280)

یہ ہے مقام عمر وابلیس کہ اتنے پہروں میں سے بھی وہ کچھ نہ کچھ اطلاعات لے ہی آتے ہیں۔ اطلاعات کی فکر نہیں، دیکھنا تو یہ ہے کہ پہرے نہ ہوں تو ملاءِ اعلیٰ تک آ اور جا سکتے ہیں۔ بہر حال جو لوگ زمین سے ایک انچ بھی بلند نہ ہو سکتے ہوں وہ ابلیس وعمر کے سامنے کوئی مقام نہیں رکھتے۔

عمر کے فضائل ومناقب ہماری کتاب فاروقی شریعت میں اور مولائے کائنات کے تیسرے خطبے میں ملاحظہ ہوں۔ یہاں تو خطباتِ مرتضوٰی (نمبر 10،7) میں مذکور ابلیس اور قریش کے حالات آپ کے سامنے رکھنا تھے اور یہ بتانا تھا کہ ابلیس نے کس طرح قریشی قوم میں اپنی پیوند کاری کی؟ اور کس طرح انہیں اپنی حکمرانی میں شریک کیا؟ کس طرح خاتم النبیینؐ کے مقابلہ میں خاتم المجتہدین کو تیار کیا اور اُس کو اپنی جگہ درجہ کمال پر پہنچایا؟ اور اُس کی کارکردگی اور بصیرت کی تائید و پیروی اختیار کی اور اُسے اور اُس کی قوم کو عالمی شہرت عطا کی اور خلافتِ الٰہیہ کی جگہ قومی حکومت بنوا کر اللہ و رسولؐ کو ازسرِنو ایک طویل زمانے تک صبر وعدل پر مجبور کر دیا؟ اور خاتم المجتہدین کی حکومت اور نظامِ مشاورت کے لئے زمانہ رجعت تک مہلت دِلا دی اور محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کو مہیب ترین صبر ومصائب سے گزرنے کے بعد کامیابی حاصل کرنے کا موقع سامنے رکھ دیا۔ اور اِن مقاصد کے لئے اُس نے عمر اور اُس کی قوم کی راہنمائی کے لئے خود کو اُن کے اندر گھول دیا اُن کی بصارت وبصیرت بن گیا۔ (خطبہ 7 جملہ 5)

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 08

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 08

خُطبہ ﴿8﴾

(1) خلیفہ مان کر مجمع عام میں بیعت کر کے معاہدہ شکنی کرنے والے صحابہ پر تنقید؛

(2) بیعت کرنے کے بعد مخالفت کرنے والوں سے دلیل کا مطالبہ؛

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يَزۡعَمُ اَنَّهٗ قَدۡ بَايَعَ بِيَدِهٖ؛	1	وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اُس نے تو سرسری طور پر ہاتھ سے بیعت کر لی تھی۔
وَ لَمۡ يُبَايِعۡ بِقَلۡبِهٖ؛	2	اور یہ کہ اُس نے دل کی رضامندی سے بیعت نہیں کی تھی۔
فَقَدۡ اَقَرَّ بِالۡبَيۡعَةِ وَ ادَّعَى الۡوَلِيۡجَةَ؛	3	اس طرح اُس نے بیعت کر لینے کا اقرار تو کر لیا ہے مگر باطنی اختلاف کا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے،
فَلۡيَاۡتِ عَلَيۡهَا بِاَمۡرٍ يُّعۡرَفُ؛	4	اُسے چاہئے کہ کوئی ایسی دلیل وسبب پیش کرے جسے سب جانتے پہچانتے ہوں۔
وَ اِلَّا فَلۡيَدۡخُلۡ فِيۡمَا خَرَجَ مِنۡهُ؛	5	ایسی دلیل نہ لانے کی صورت میں اس پر لازم ہے کہ دوبارہ بیعت میں داخل ہو جائے۔

تشریحات: حضرت علی علیہ السلام نے زبیر کو مخاطب کر کے تمام اُن لوگوں پر مواخذہ فرمایا ہے جو زبیر والا عُذر اور بہانہ کر کے بیعت اور عہد شکنی کے جُرم سے بچنا چاہتے تھے۔ اور اُن پر اُن ہی کے عُذر کو حجت بنا دیا ہے بیعت کرنے کا اقرار سب نے سُنا تھا اور بیعت کرتے ہوئے بھی سب نے دیکھا تھا۔ لیکن دل کی رضامندی اور نا رضامندی کسی کو نہ معلوم تھی نہ دیکھی جا سکتی تھی۔ لہٰذا زبیر اینڈ کمپنی لاجواب ہوگئی۔

اول۔ حضرت علیؑ کے پانچ جملوں نے عذرات کو باطل کر دیا

جیسا کہ چھٹے خطبے کی تشریح میں عرض کیا گیا ہے یہ آٹھواں اور اُس کے بعد آنے والا نواں خطبہ بھی کوئی مستقل خطبہ نہیں بلکہ بیعت کے متعلق کسی کے سوال کا جواب ہے۔ اور جواب بھی نہایت مختصر ہے۔ اس جواب میں یوں تو صرف پانچ جملے ہیں۔ اور جملے اپنی دلچسپ اور مُسکت گہرائی کی بنا پر لوگوں کے دِلوں میں اُترتے اور یاد ہوتے چلے گئے اور مسلسل لوگوں کو قریش کی اُس بدحواسی پر متوجہ کرتے رہے جو اُن پر حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کر چکنے کے بعد چھائی رہی اور وہ گھبرا گھبرا کر لوگوں کے سامنے علیؑ کی مخالفت کرنے کے عُذرات پیش کرتے رہے۔

جب اُن کے عذرات مولائے کائنات علیہ السلام کو سنائے جاتے تھے تو حضورؑ اُن کے عُذرات کو باطل کرنے اور مضحکہ خیز بنانے کے لئے چند جملے فرما دیتے تھے تاکہ سوال کرنے والا صرف مطمئن ہی نہ ہو جائے بلکہ عذرات کرنے والوں کو نظرِ حقارت سے ٹھکرا بھی دے اور سرکارؐ کے اُن جملوں کو سنا کر انہیں شرمندہ اور سننے والوں کو محظوظ بھی کرتا رہے۔ چنانچہ زیرِ تشریح خطبے میں اُن کا عذر بھی سامنے رکھ دیا ہے اور عذر کی حیثیت

بھی یوں واضح کر دی ہے کہ:

(1) اُن کا یہ کہنا اور گمان کرنا کہ اُس نے تو سرسری طور پر وقتی حیثیت سے بیعت کر لی تھی۔ لہٰذا:

(2) وہ ہاتھ کی بیعت تھی دل کی بیعت نہ تھی۔

(3) اُس نے ہاتھ سے بیعت کرنا مان کر بیعت کا اقرار بھی کر لیا اور ساتھ ہی خود کو قلبی اور باطنی حالت پر ثبوت اور دلیل فراہم کرنے کا ذمہ دار بھی بنا لیا۔ لہٰذا:

(4) بیعت تو ہاتھوں ہی سے ہوتی ہے جو ثابت ہو گئی۔ اب اُس پر لازم ہے کہ وہ دل سے بیعت نہ کرنے کا ایسا ثبوت فراہم کرے جو لوگوں میں معروف اور قابل قبول و جائز ہو اور جس سے ہاتھ سے کی ہوئی بیعت بے اثر اور اللہ کے حضور نا قابل مواخذہ ہو جائے۔

(5) اگر اُسے ایسا ثبوت نہ ملے جو مل بھی نہیں سکتا تو اُس پر واجب ہے کہ جس عہد کو توڑ کر خارجی ہو گیا ہے اُس میں داخل ہو اور متعلقہ ذمہ داریاں بجا لائے۔ (خطبہ 8 جملے 1 تا 5)

دوم۔ حضرت علیؑ کا وجود اپنی ہر حالت اور صورت میں قریش کے لئے چلتی پھرتی بولتی چالتی مصیبت تھا

دعوت ذوی العشیرہ سے لے کر آخرِ دُنیا تک اہل ایمان کی نگاہ میں اور آخری سانس تک اہل دُنیا کی نظر اور تجربے میں حضرت علی علیہ السلام قریش کیلئے لامحدود و مستقل برقرار رہتے چلے جانے والی مصیبت تھے۔ قریش کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعاون نہ کریں گے تب بھی وہ نبوت و حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ وہی علی علیہ السلام جس کے خلیفہ و وزیر بنانے پر انہوں نے مذاق اُڑایا تھا اُن کیلئے میدان جنگ و امن میں بلائے جان ہو گیا۔ اُنہوں نے اُن (قریش) کے تمام سرمایہ ناز سُورما بہادروں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اُن کے غرور و تکبر اور افرادی قوت کی کمر توڑ دی۔ اُن کے مکر و فریب اور پروپیگنڈے اور منصوبوں کا دیوالا نکال دیا تھا۔ وہ بڑے اہتمام سے رسولؐ کے گھر کا محاصرہ کر کے اُنہیں قتل کرنے کی تاک میں لگے رہے اور وقت پر دیکھا کہ رسولؐ کا حقیقی جانشین سامنے ہے۔ لینے کے دینے پڑ گئے اور اِدھر اُدھر دُم دبا کر چل دیئے۔ وہ ہر محاذِ جنگ پر آنحضرتؐ اور حقیقی مومنین کو شکست دلانے اور قتل کرانے کا انتظام کرتے رہے۔ آنحضرتؐ کو میدان جنگ میں تنہا، تیغ بکف نرغۂ اعداء میں چھوڑ چھوڑ کر فرار کرتے رہے لیکن علیؑ ہر جگہ مدد و نصرت کو پہنچتے اور قریشی افواج کو میدان سے بھگاتے رہے۔ الغرض علیؑ اُن کے لئے حیاتِ رسولؐ میں بھی بلائے بے درماں تھے۔ خلافت سے محروم ہو جانے کے بعد بھی مصیبت تھے۔ رات کا سونا حرام کر رکھا تھا۔ اب خلافت کے لئے بھی انہیں منت سماجت کر کے راضی کرنا پڑا۔ خلافت ہاتھ میں لی تو قریش کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا ملک الموت سامنے ہے اور روح قبض کرنے کیلئے ہاتھ بڑھانے ہی والا ہے۔ راضی خوشی منت کر کے بیعت کر کے بھی بے چینی میں مبتلا، جنہوں نے بیعت نہ کی اُن کا آرام و چین بھی حرام۔ یہ تمام ملاعین طرح طرح کے عذرات تراشنے پر مجبور تھے۔ قارئین یہ علی مرتضیٰ علیہ السلام کا وجود ہی تھا۔ جس سے یا جس کی حکومت سے بچنے کے لئے قریش نے قرآن کو مہجور کیا۔ جانتے بوجھتے اسلام کو تبدیل کیا۔ یہی نہیں بلکہ اُن کے ہم مذہب جانشینوں کو ساری عمر جھوٹ بولنا پڑا اور ہر جھوٹ کو چھپانے کے لئے بہت سے اور طرح طرح کے مزید جھوٹ بولتے رہنا پڑا۔ علیؑ کے مذہب و مسلک کے اعتراضات سے بچنے کے لئے قریش نے بار بار اپنے عقائد و مسائل میں اصلاح اور تبدیلیاں جاری رکھیں اور ہر اصلاح و تبدیلی پر اُن میں تفرقہ پیدا ہوا اور یوں اُن کا خود ساختہ اسلام سینکڑوں فرقوں میں بکھرتا پھوٹتا اور ٹوٹتا چلا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث اُن پر

بہت جلد صادق آ گئی:

''بہت جلد تمہارے اوپر وہ زمانہ آنے والا ہے جب اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور تعلیمات ختم ہو جائیں گی اور قرآن کے صرف الفاظ رہ جائیں گے تعلیمات ختم ہو جائیں گی۔''

قریشی علما اور لیڈر اللہ و رسولؐ سے اس قدر متاثر نہیں ہوئے جتنے علی علیہ السلام سے متاثر ہوئے۔ اُنہوں نے اللہ کو واحد و اَحد و یگانہ تو مانا مگر علیؑ کی وجہ سے اُسے نہ عادل مانا نہ اُسے نبوّت و امامت کے تعین میں صاحبِ حکمت تسلیم کیا۔ یعنی وہ اپنی صفات کا حقیقی نمائندہ ایسے لوگوں کو نبی و امام بنا دیتا ہے جو برسہا برس شیطان کی نمائندگی کرتے رہے ہیں۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کے نطفوں سے پیدا ہوتے ہیں اور کافر و مشرک عورتوں کا دودھ پیتے ہوئے بڑھتے ہیں پھر نبی بنائے جانے کے دن تک حرام خوراک و غذائیں کھاتے کھاتے از سرتا پا حرام و ناپاک و خبیث سامان کا ایک چلتا پھرتا، بولتا چالتا بنڈل اور ذخیرہ بن چکتے ہیں۔ پھر اچانک اُن پر وحی و الہام شروع ہو جاتا ہے جسے سمجھنے میں اُن سے ساری عمر غلطیاں ہوتی رہتی ہیں حتیٰ کہ کوئی عمر نام کا یا عمر کی صفات و قابلیت کا آدمی اُن کو اُن کی غلطیوں پر متنبہ کرتا ہے۔

یہ صرف اس لئے کہ حکومتِ الٰہیہ کی باگ ڈور علیؑ ایسے معصوم و ہمہ گیر علم رکھنے والے شخص کے بجائے کافروں اور مشرکوں اور غلط کاروں اور خاطی انسانوں کو سونپی جا سکے۔ یعنی علیؑ کو محروم کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ اللہ و رسولؐ کی پوزیشن کو قومی لیڈروں کی نسبت سے مانا جائے۔ چنانچہ علیؑ کی جگہ لینے اور حکومت کرنے کے لئے قریشی راہنماؤں کو اللہ کے نظامِ حکومت کا ڈھانچہ بدلنا پڑا۔ رسولؐ اور قرآن کی ہمہ گیری کا انکار کرنا پڑا اُنہیںؑ، خطا کار اور اسے ایک محدود اور نامکمل کتاب کہنا پڑا۔ اللہ اور تمام انبیاؑ کی لاکھوں سال کی تعلیمات کا انکار کرنے کے لئے تمام سابقہ الہامی کتابوں کو لفظ منسوخ سے بے کار، ناقابلِ عمل اور ضائع شدہ قرار دے دیا۔ خود قرآن کے اندر منسوخ شدہ احکام کا وجود مشہور کیا۔ لاتعداد آیات کو متشابہات کہہ کر مہمل اور ناقابلِ فہم قرار دے دیا۔ پھر باقی حصے کو گزشتہ زمانے کے قصے کہانیاں کہہ کر غیر متعلق کر دیا۔ بعض احکام و بیان کو عارضی اور وقتی کہہ کر الگ کر دیا۔ بعض کو مشروط و مقید کہا، بعض کو مخصوص بتایا اور پوری شریعت کی جزئیات کا انکار کر دیا۔ اور اِن عذرات کی بنا پر ایک نیا دین خود اپنے مشوروں اور اجتہاد سے بنا لیا تاکہ علیؑ کی گنجائش ہی نہ رہے۔

یوں قریش نے ایک ایسا اللہ تیار کیا جو قریشی پالیسیوں کے ماتحت وحی بھیجے۔ ایک اپنی پسند کا رسولؐ بنایا جو قریش کے اشاروں پر چلے اور ایک ایسا علیؑ قبول کیا جو اُن کا ہمدرد، ہمنوا، ہم خیال اور ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو۔ اُسے مجبور ہو کر خلیفہ بنایا۔ اُسے چاروں طرف سے گھیر کر اُن کی بیعت کی اور خود ہی اپنی بیعت کو بے اثر کر دینے کی اسکیم بنائی۔ عثمان کو خود ہی قتل کیا اور قتل ہو جانے دیا تاکہ حکومت اُن کو مل جائے۔ ناکام ہوئے تو زمانہ سازی سے علیؑ کو خلیفہ بنانے میں کوشاں نظر آئے تاکہ علیؑ اُن کو اونچا عہدہ عطا کریں۔ یہ نہ ہوا تو بغاوت اور جنگ کی راہ اختیار کی۔ ناکامیاں ہوئیں، قرآن کی دُہائی دے کر اپنی اور اپنی افواج کی جان بچائی۔ اور آخر مکر و فریب و غدر و غدّاری، فتنہ و فساد پیدا کر کے ایک دن نماز کے دوران حضرت علی علیہ السلام پر قاتلانہ حملہ کر کے انہیں راہ سے ہٹا دیا اور رفتہ رفتہ پوری مملکتِ اسلام پر اپنی حکومت جما لی۔

اب علیؑ کو اور اُن کے خاندان کو بدنام کرنے اسلام سے باغی قرار دینے اور اُن پر لعنت کرانے کی مہم چلائی گئی جو سو سال جاری رہی۔ اُن کے خاندان کا قتلِ عام کر دیا گیا اُن کے طرفداروں اور پسند کرنے والوں کو دن رات قتل کیا جاتا رہا، جلاوطن کرتے رہے۔ ہمہ قسم کے مظالم کئے مگر نتیجہ میں پھر مصیبت پیش آئی اور علیؑ کو چوتھا خلیفہ اور صحابہ کا، لعنت کرتے رہنے والوں کا، قتلِ عام کرنے والوں کا یارِ غار ماننا پڑا یعنی دشمنی کی ہر

صورت استعمال کی علیؑ اور اُن کے ہمدردوں کا بچہ بچہ قتل کر کے بھی دوستی کا اعلان کرنا پڑا۔ اسلام، اللہ، محمدؐ اور قرآن کا کفر کیا، اُن کے تسلط سے نکل جانے کی ہر ممکن کوشش اور اقدامات کیئے۔ مگر مرتضوؑی بصیرت نے اُنہیں گھیرے میں لئے رکھا اور انہیں مجبوراً مسلمان رہنا پڑا، اذانیں دینا پڑیں، نماز روزہ کی مصیبت جھیلنا پڑی پھر کبھی اُن بتوں کو واپس نہ لا سکے جنہیں علیؑ ایسے بت شکن نے توڑ دیا تھا۔ اِن تمام چیزوں کو سامنے رکھا جائے تو اُنہیں مذکورہ بالا بیعت کے لئے معذور ومحتاج وقابل رحم سمجھنا چاہیے۔ حضرت علی علیہ السلام کے طرزِ عمل اور طرزِ استدلال نے اُن کی عقل ماردی تھی۔ وہ بدحواسی میں جو کچھ کہتے تھے خود اس کے معنی ومطالب نہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا قریشی لیڈروں کے عذرات بکواس سے زیادہ وزن نہیں رکھتے۔

سوم۔ قریشی لیڈروں کا محمدؐ اور علیؑ سے دل کی گہرائی کے ساتھ بیعت یا تعاون کرنا فریب کے سوا اور کچھ نہیں ہے

علیؑ تو علیؑ تھے۔ قریش کے متعلق تو یہ سمجھنا بھی بے بنیاد اور غلط ہے کہ اُنہوں نے کبھی بھی، اجتماعی یا انفرادی طور پر، کسی بھی معاملے میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دل کی گہرائی کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ وہ قوم جس کو اللہ اور رسوؐل نے قرآن کو مجبور کرنے اور اس کی تکذیب کرنے کا مجرم اور اپنا دشمن کہا ہو (انعام 6/66، فرقان 31-25/30) وہ لوگ ایمان لائے تو فریب دینے اور اپنا منصوبۂ حکومت چلانے کیلیئے برسرِ پیکار ہوئے تو کھلے میدان میں شکست دینے کے لئے۔ قرآن کی رُو سے نہ اُن کی قسمیں اور حلف قابل اعتبار ہیں نہ اُن کے عہد و پیمان قابل اعتنا ہیں۔ یاد رکھیے اُن کی زبان وقلم سے نہ قرآن کی ترجمانی قابل قبول ہے نہ تفسیر نہ روایات قابل اعتماد ہیں۔ وہ لوگ مہاجرین کی مدح وثنا کو قریش کی مدح وثنا بنا کر دھوکا دیتے ہیں۔ یاد رکھیے اور اُن کو بتائیے کہ جناب لفظِ مہاجر یا مہاجرین کے معنی قریش نہیں ہیں اور نہ قرآن میں مہاجر یا مہاجرین کو رسوؐل کی قوم کہا گیا ہے۔ قریش کی اجتماعی یا انفرادی اچھائی یا مدح وثنا یا قربانی دکھانے کے لئے ہمیں ایسی آیات دکھائیں جن میں لفظِ قریش یا رسوؐل کی قوم آیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ گول مول طریقے سے دوسروں کی آڑ میں اتنے مشہور ومعروف ومخصوص لوگوں کو چھپانے سے کام نہیں چلے گا۔ جن لوگوں نے تمہارے بیانات کی رُو سے دن رات قربانیاں اور فداکاریاں کی ہوں اُن کا ذکر واضح اور مخصوص الفاظ میں ہونا چاہیئے۔ جنہیں آگے چل کر اُن کے مرید وپرستار نبوت کے مقام تک بلند کریں گے اور شاہ ولی اللہ اور غلام احمد پرویز جنہیں رسالت کا شاہکار بنائیں گے، انہیں الفاظ: ''اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' یا ''اَلَّذِیۡنَ ھَاجَرُوۡا و جَاھَدُوۡا'' کے سمندر میں غرق نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن میں اُن لوگوں کا، اُن قابل قدر دانشوروں کا مخصوص ذکر ہونا چاہیئے جنہوں نے بارہا اللہ کے رسوؐل کو (معاذ اللہ) غلط بات کہنے یا غلط اقدام کرنے سے روک کر رسوؐل کو اللہ کا صحیح منشا سمجھایا۔ اور اللہ پر احسان کیا کہ اُس کے غلط کار رسوؐل سے غلطی سرزد نہ ہونے دی۔ اور اللہ کی اُس غلطی کو نبھا دیا جو اُس نے غلط شخص کو رسوؐل بنانے میں کی تھی۔

ہم عرض کر رہے تھے کہ رسوؐل کی قوم قریش نے کبھی کسی معاملے میں رسوؐل سے بھی تعاون نہ کیا وہ دشمن قرآن و رسوؐل تھے وہ سابقہ مجرم و دشمن اقوام کی طرح رسوؐل اور قرآن کے دشمن تھے اور آج تک دشمن ہیں۔ لہٰذا یہ کوشش کرنا اور ثبوت دینا کہ قریشی صحابہ نے دل کی گہرائی یا خوشی سے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی یا اُن کی خلافت وحکومت کو تسلیم کیا تھا فضول اور لاحاصل ہے۔ دیکھنا صرف اس قدر چاہیئے کہ قریش کے لیڈروں نے بیعت کی تھی یا نہیں؟

چنانچہ خطبہ نمبر 3 کی تشریحات میں ثابت ہو چکا کہ طلحہ وزبیر اور سعد بن وقاص نے، جو عمر کے قائم کردہ شوریٰ کے ممبر اور خلافت کے امیدوار بھی تھے، مع دیگر سربرآوردہ صحابہ کے شریعت کدۂ مرتضوؑی کے بار بار چکر لگائے اور بڑے تقاضوں اور منت سماجت سے حضرتؑ کو عنان

حکومت سنبھالنے پر رضامند کیا اُن کی تمام قدیم وجدید شرائط تسلیم کیں۔اس چکر لگانے اور منت سماجت کر کے خلافت دینے اور بیعت کرنے پر یہ سمجھنا غلط ہے کہ وہ قریشی لیڈر حضرت علی علیہ السلام کو واقعی دل کی گہرائی اور رضامندی سے اپنا خلیفہ وحاکم بنا رہے تھے۔ہرگز نہیں۔وہ دراصل یہ چاہتے تھے کہ بیعت لینا قبول کرلیں تو بیعت کے ہنگامہ میں علیؑ کو قتل کرادیا جائے اور اُن سے فارغ ہو کر ممبران اور اُمیدواران شوریٰ میں سے کوئی ایک خلیفہ بن جائے۔چنانچہ بیعت کا ہجوم جس طرح ہوا اُسے خود علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اُس کی خطرناکی کی حدود تک بیان کیا ہے جس میں حضوؑر کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔حسنین علیہما السلام کو مشکل سے بچایا ورنہ وہ کچل کر رہ جاتے، بہرحال قریشی لیڈروں کی یہ جان لیوا اسکیم ناکام ہوئی اور حضرت علی علیہ السلام کی بیعت جس عظیم الشان کثرت نے اور عوام نے اور دیگر قبائل واقوام نے کی جس طرح خوشیاں منائیں وہ خلفائے ثلاثہ کے خواب میں بھی نہ آئی تھیں اور جب حضرت علی علیہ السلام اپنی شرائط کے مطابق حکمران قبول کرلئے گئے تو اب قریشی لیڈروں نے وہ آنے بہانے اور بکواس شروع کی جن کا تذکرہ حضوؑر نے اُن پانچ جملوں (خطبہ 8 جملے 1 تا 5) میں فرمایا ہے اور اُن خبیثوں پر دینی، عقلی اور اخلاقی حجت قائم کی ہے۔

چہارم۔بیعت کیا ہے؟ بیعت کیوں اور کس سے کی جاتی ہے، بیعت کرنے والے کی ذمہ داریاں

تمام عربی دان تو جانتے ہی ہیں، مگر اُردو لکھے پڑھے حضرات بھی الفاظ ''بیعنامہ''، ''بیعانہ'' اور بیع کے معنی سمجھتے ہیں۔لہٰذا بیعت کرنے والا شخص خود کو اُس شخص کے ہاتھوں میں بیچ یا فروخت کردیتا ہے جس کے ہاتھ پر وہ بیعت کرتا ہے۔خواہ وہ خود کو ازراہِ مجبوری فروخت کرے یا خوشی سے بیچے، خواہ پسند کرے یا نہ کرے بیعت کے بعد مارکیٹ میں وہ بِکا ہوا مال ہے۔البتہ بیعت کا معاملہ کرنے سے پہلے وہ آزاد تھا خواہ بیچتا یا نہ بیچتا۔وہ اپنے جسم کا، اپنے اختیار وارادے کا جس طرح چاہتا استعمال کرنے میں مختار تھا۔لیکن بیعت کرتے ہی، یعنی بیعت کے لینے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہی اُس کے جسم واختیار وارادے کا مالک بیعت لینے والا ہے۔نہ اُسے بات کرنے کا اختیار ہے نہ وہ بات بدلنے اور عذرات پیش کرنے کا مجاز ہے۔یہ حال ہے اُن قریشی صحابہ کا جن کا تذکرہ خطبے (خطبہ 8 جملے 1 تا 5) میں ہوا ہے، جو اپنے ہاتھ سے خود کو بیچ دینے یعنی بیعت کرلینے کا اقرار کررہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خود کو اپنے ہاتھوں سے فروخت تو کیا ہے مگر ہمارا دل بکنے پر رضامند نہ تھا۔لیکن بِک چکنے کے بعد تو اُنہیں ایسا کہنے کا حق ہی نہیں رہتا۔وہ جہاں رہیں مالِ مرتضوی ہیں۔غلاموں کی طرح بے چُون وچرا اطاعت نہ کریں تو غدار وقابلِ گردن زدنی ہیں۔اور اس بیعت کی خلاف ورزی دینی خلاف ورزی ہے لہٰذا جہنمی بھی ہیں۔

(1) سربراہِ اسلام یا جانشینِ خداوندی سے بیعت کی پوزیشن قرآن اور مودودی

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں رسوؐل کے ہاتھ پر بیعت کو اپنے ہاتھ پر بیعت فرمایا ہے۔یعنی جس نے خود کو رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ فروخت کردیا تو اُس نے اپنا جسم وروح واختیار وارادہ اللہ کے ہاتھ میں فروخت کردیا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیۡهُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا۝ (الفتح 48/10)

(2) مودودی ترجمہ، نبیؐ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ: ''اے نبیؐ، جو لوگ تم سے بیعت کررہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کررہے تھے۔ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔اب جو اس عہد کو توڑے گا اُس کی عہد شکنی کا وبال اُس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا اور جو اس عہد کو (پورا کرے گا۔احسن) وفا کرے گا جو اُس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 49)

(3) مودودی کو پسند نہیں کہ آنحضرتؐ کو اللہ بلاواسطہ اپنے کاموں میں مختار بنائے

قارئین اس آیت (الفتح 48/10) کے الفاظ پر اور مودودی کے ترجمے پر پوری توجہ سے غور فرمائیں اور دیکھیں کہ اللہ نے آیت کے پہلے حصے میں رسوؐل اللہ سے بیعت کرنے کو اپنے سے بیعت کرنا فرمایا ہے۔اور علامہ نے مان لیا کہ: ''اے نبیؐ جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔'' یہاں ہر شخص یہ سمجھے گا اور سمجھنا چاہئے کہ رسوؐل کا ہر قول اور ہر عمل اللہ کا قول اور عمل ہوتا ہے۔اور یہ حقیقت قرآن سے بار بار ثابت ہے۔اس واضح آیت کے موجود ہوتے ہوئے سوچئے کہ مودودی کی مندرجہ ذیل تشریح کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟

(4) مودودی اپنی تشریحات میں آنحضرتؐ کی پوزیشن گھٹاتے ہیں

''18 یعنی جس ہاتھ پر لوگ اُس وقت بیعت کر رہے تھے ''وہ شخصِ رسول کا ہاتھ نہیں'' بلکہ اللہ کے نمائندے کا ہاتھ تھا اور یہ بیعت رسول کے واسطہ سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو رہی تھی۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 49)

علامہ کی اس تشریح کو پڑھنے والے اُسی فیصد قاری اس منشا کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے جو مودودی کے عقائد کی بنیاد یا جان ہے۔وہ جو کچھ سمجھیں گے وہ صرف اِتنا ہوگا کہ علامہ نے اُسی حقیقت کی تائید وتکرار کی ہے جو اللہ نے آیت میں فرمایا اور جو مودودی نے ترجمہ میں لکھا ہے۔

تشریح سے پہلے کی صورت حال: ذرا ہمارے ساتھ مل کر اُس صورتِ حال پر نظر ڈالیں۔لہٰذا وہاں:

1۔نبیؐ وہ شخص ہے جس کے ہاتھ پر بیعت کی جارہی تھی۔

2۔شخص نبیؐ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔

3۔نبیؐ کی بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنا ہے۔

تشریح کے بعد کی صورتِ حال: اب علامہ کی تشریح سے پیدا ہونے والی صورت حال کو غور سے دیکھیں:

1۔جس ہاتھ پر بیعت کی جارہی تھی وہ رسوؐل کا ہاتھ نہیں تھا۔

2۔بلکہ اللہ کے نمائندے کا ہاتھ تھا۔یعنی

3۔یعنی رسوؐل، اللہ کا نمائندہ نہیں ہوتا یا یہ کہ رسوؐل کا ہاتھ ہر وقت اللہ کے نمائندے کا ہاتھ نہیں ہوتا۔لہٰذا

4۔جب رسوؐل کو واسطہ بنالیا جائے تو وہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

(5) قریشی علما رسوؐل کو غلط کار ثابت کرنے کے لئے تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں

مودودی نے نہایت احتیاط سے اِس آیت (48/10) کے واضح مقصد کو اُلٹنے کے لئے جس قدر گنجائش مل سکتی تھی وہ اس تشریح میں پیدا کرلی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ 1 رسوؐل ہر وقت اور ہر حال میں اور ہر بات میں اللہ کا نمائندہ نہیں ہوتا ہے۔کبھی وہ صرف ایک عام بشر ہوتا ہے۔2 کبھی رسوؐل ہوتا ہے۔اور 3 کبھی سو فیصد اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔

بشر اور خطا کار ہونا: ''تھے وہ بندے اور بشر ہی، الوہیت اِن میں سے کسی کو حاصل نہ تھی۔رائے اور فیصلے میں اُن سے غلطی بھی ہوجاتی تھی، بیمار بھی ہوتے تھے، آزمائشوں میں بھی ڈالے جاتے تھے، حتیٰ کہ قصور بھی اُن سے ہوجاتے تھے اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ بھی ہوتا تھا۔''
(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 163)

رسولؐ ہوتے ہوئے بھی غلط اجتہاد کرنا: ''اگر رسولؐ بمقتضائے بشریت کبھی اپنے اجتہاد میں غلطی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فوراً اُن کی اصلاح کر دیتا ہے۔''(تفہیمات صفحہ 267)(مقام حدیث جلد اول صفحہ 321)

ابھی اور سنئیے:۔''رسولؐ کے معاملات کو اُس کی بشری عقل اور انسانی اجتہاد پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ جہاں خدا کے مقرر کئے ہوئے خطِ مستقیم سے اُس نے بال برابر بھی جنبش کی ہے وہیں اُس کو ٹوک کر سیدھا کر دیا گیا۔''(تفہیمات صفحہ 262)(مقام حدیث جلد اول صفحہ 321)

(6) اس آیت (48/10) میں عموماً پہلے جملے کی آخری جملے سے نفی کردی جاتی ہے

یہ ہے علامہ کا عقیدہ جس پر تمام قریشی علما متفق ہیں اور تمام انبیا علیہم السلام سے غلطیوں کا صادر ہونا مانتے ہیں اور جب رسولؐ سے غلطی ممکن ہے اور غلطیاں ہوتی بھی رہی ہیں تو نبیؐ کے جانشین کا معصوم یا محفوظ عن الخطا ہونا ضروری نہ رہا۔ لہٰذا ثلاثہ اینڈ کمپنی کو بجا طور پر خاطی نبیؐ کا خاطی خلیفہ ہونا درست ہو گیا۔ مگر عقل وقرآن واضح طور پر نبیؐ کو اللہ کی جگہ رکھتے ہیں اور اُن کے اقوال واعمال کو اللہ کے اقوال واعمال قرار دیتے ہیں اور اس آیت میں رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی تھی جسے اللہ نے اپنی بیعت فرمایا ہے اور لفظ اِنَّ کی تحقیق وتصدیق سے فرمایا ہے۔ یعنی رسولؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ لہٰذا بلا کسی اور عملدرآمد کے رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہے۔ یعنی اگر آیت کا آخری حصہ نہ بھی ہوتا تب بھی رسولؐ اللہ سے بیعت، اللہ سے بیعت ہونے میں کوئی خامی یا کمی پیدا نہ ہوتی۔ یعنی آیت (48/10) کے آخر میں یہ فرمانے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ:

یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ ''اللہ کا ہاتھ اُن سب کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔'' (48/10)

لیکن بیعت ہی کے سلسلے میں اللہ نے آیت کا یہ جملہ مسلسل فرمایا ہے لہٰذا اس جملے کے معنی اور سبب معلوم ہونا چاہئے۔ اور جو سبب اور معنی اختیار کئے جائیں وہ ایسے ہونا لازم ہیں جو پہلے جملے کی نفی نہ کریں بلکہ تائید کریں۔

(7) یَدُ اللّٰہ کو تمام بیعت کرنے والوں اور رسولؐ سے وابستہ ہونے والوں پر فوقیت ومرکزیت حاصل ہے

لوگوں نے عموماً یہ سمجھا ہے اور پہلی توجہ اور پہلی نظر یہی سمجھنے پر جاتی ہے کہ ''اللہ کا ہاتھ ہر بیعت کرنے والے کے اور رسولؐ اللہ کے ہاتھ پر بطور تائید رہتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آخری شخص بیعت کر لے۔''

یہ معنی کرنے سے پہلے جملے کی نفی ہو جاتی ہے۔ یعنی جب اللہ کا ہاتھ خود ہر بیعت کرنے والے کی بیعت لے رہا ہے تو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ ''جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت مجھ سے بیعت کر رہے ہیں۔'' بات تو درحقیقت یہ بن گئی کہ ''جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں وہ دراصل تم سے اور مجھ سے یا ہم دونوں سے بیعت کر رہے ہیں۔'' اور اس آیت (48/10) کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اِن معنی کے خلاف پہلی دلیل تو یہی ہے کہ آیت کے یہ دونوں جملے ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ کا ہاتھ بیعت کرنے والوں کے پورے مجمع کے ہاتھوں پر ہے۔ خواہ وہ بیعت کر چکے ہوں یا بیعت کا انتظار کر رہے ہوں یا بیعت میں مصروف ہوں۔ مترجمین نے عموماً یہ سمجھا ہے کہ جو شخص بیعت کر رہا ہے اُس اکیلے کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے دوران اللہ کا ہاتھ ہے۔ حالانکہ وہاں اللہ کا ہاتھ کسی واحد ہاتھ پر نہیں بلکہ جمع ہاتھوں (اَیۡدِیۡھِمۡ) پر ہونا فرمایا گیا ہے۔ اور اس جمع سے بچنے کے لئے مودودی نے واحد ترجمہ کیا ہے یعنی ''یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ'' ''اُن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔'' یعنی علامہ کا کام ترجمہ میں یا تشریح میں گڑبڑ کئے بغیر چلتا ہی نہیں ہے۔

اگر علامہ صحیح ترجمہ یوں کر دیتے کہ:''اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔'' تو اُن کے قاری چونک جاتے اور سوچتے کہ اللہ کا ہاتھ کسی ایک کے ہاتھ پر

نہیں بلکہ تمام بیعت کرنے والوں کے ہاتھ پر ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ یہاں الفاظ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ ہیں عَلٰی اَیۡدِیۡهِمۡ نہیں ہیں۔اورلفظِ فَوۡق اور عَلٰی کے نہ تو معنی ایک ہیں اور نہ مادہ و بنیاد ایک ہے اور دونوں کے حروف تک مختلف اور الگ الگ ہیں۔

الفاظ"فَوۡق" اور"عَلٰی" کا فرق مودودی کے ترجمہ سے دیکھیں: اور خود علامہ بھی اِن دونوں الفاظ کے فرق کو جانتے اور لکھتے ہیں:

1: وَ فَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ...... (یوسف 12/76) ''اور ایک علم رکھنے والا ایسا بھی ہے جو ہر صاحبِ علم سے بالاتر ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 423-421) معلوم ہوا کہ لفظ"فَوۡق" کے معنی ''بالاتر'' ہیں۔

2: وَ رَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ ......(انعام 6/166) ''اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیئے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 606)

معلوم ہوا کہ لفظ فوق تب لایا جاتا ہے جب دو افراد میں تقابلی بلندی، بالاتری یا بزرگی بیان کرنا ہو لہٰذا لفظ فوق کے معنی متعین ہو جانے کے بعد اب زیر بحث آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ (48/10) کا ترجمہ یہ ہونا چاہئے کہ:

''بلاشبہ جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں یا آئندہ کریں گے (مضارع) اُس کے معنی اِس کے سوا کچھ اور ہیں ہی نہیں کہ وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور کریں گے۔ اللہ کا ہاتھ (یدؐ اللہ) اُن بیعت کرنے والوں کا بالاتر مرکز ہے۔''

صاف طور پر ثابت ہوا کہ رسوؐل سے بیعت کرنا یعنی خود کو رسوؐل کے ہاتھ فروخت کر دینا اللہ کے ہاتھ فروخت کرنا ہے اور یہ تمام خرید و فروخت یدؐ اللہ کے لئے ہو رہی ہے۔ اور ''یداللہ'' علیؑ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا آنحضرؐت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرکزِ امامت ''حضرت علیؑ'' کے لئے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کر رہے تھے۔

(8) رسوؐل سے بیعت کے بعد بیعت کی خلاف ورزی کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ علیؑ کی بیعت کی خلاف ورزی کا ذکر ہے

چوتھی دلیل یہ ہے کہ زیر بحث آیت (48/10) میں بیعت کی پوزیشن اور اہمیت بیان کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اُن لوگوں کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ جو رسوؐل سے بیعت کرنے کے بعد اُس بیعت کی خلاف ورزی کریں گے یا اُس بیعت کو توڑنے والے ہوں گے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جن لوگوں نے وہ بیعت کی تھی اُنہوں نے حیاتِ رسوؐل میں اس بیعت کو نہیں توڑا تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ بیعت تھی بھی علیؑ کے لئے اور توڑی بھی گئی علیؑ ہی کے زمانہ میں اور اُسی آیت میں جہاں بیعت کو برقرار رکھنے والوں کی اچھی عاقبت اور عظیم الشان اجر کا وعدہ کیا ہے وہاں بیعت شکنی کرنے والوں کو خود غرضی سے یعنی اپنی ذات کے لئے بیعت لینے کی غرض سے بیعت توڑنے والا بتایا ہے۔

(9) ترجمہ میں اضافہ کر کے خودغرض بیعت شکن صحابہ کو چھپالیا گیا ہے

چنانچہ آیت کا بالکل آخری حصہ ملاحظہ ہو ساتھ ہی یہ بھی دیکھیں کہ مودودی نے خود اپنی طرف سے ترجمہ میں اضافہ کر کے اصل حقیقت کو چھپا دیا ہے۔ سُنئے: فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ (48/10)

مودودی ترجمہ: ''اب جو اس عہد کو توڑے گا اُس کی عہد شکنی کا (وبال) اُس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا۔'' (تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 49)

ہم نے مودودی کے اضافہ کو بریکٹ میں بند کر دیا ہے اس اضافہ کیلئے آیت میں الفاظ موجود نہیں ہیں۔ علامہ نے اپنی جیبِ خاص سے یہ مفہوم بڑھا دیا ہے۔

رفیع الدین کا ترجمہ: ''پس جس نے عہد توڑا پس سوائے اس کے نہیں کہ عہد توڑا اوپر جان اپنی کے۔''

رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں بیعت توڑنے کی سزا کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا بلکہ بیعت کا توڑنا اُن کی اپنی ذات سے متعلق ہے۔ اور مودودی نے بیعت توڑنے کا سبب چھپانے کے لئے لوگوں کی توجہ بیعت توڑنے کی سزا پر مبذول کرنے کے لئے لفظ وبال خود بڑھایا ہے۔ یہ بھی دیکھ لیں کہ لفظ وبال خود عربی زبان کا لفظ بھی ہے اور قرآن میں کئی جگہ استعمال بھی ہوا ہے اور علامہ کو یہ سب کچھ معلوم بھی ہے۔ سُنئے:

فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ (تغابن 64/5) مودودی ترجمہ: ''پھر اپنی شامت اعمال کا مزا چکھ لیا؟'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 532)

یہ ہیں علامہ مودودی جو سمجھ بوجھ کر قرآن کے معنی میں تبدیلیاں اور اضافے کر کے علیؑ کے دُشمنان کا تحفظ کرتے چلے گئے ہیں۔ یعنی وہ قرآن کو مجبور کرنے میں قریش کے شاگرد اور محافظ تھے۔ اور ہم حق کا تحفظ کر رہے ہیں۔ بہرحال یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ (48/10) کے معنی ہیں کہ:

''جو بیعت کا نکث کرتا ہے وہ صرف اپنی ذات کیلئے کرتا ہے۔'' یعنی خود اپنے لئے بیعت چاہتا ہے۔ اور یہی غرض تھی طلحہ، زبیر اور معاویہ وغیرھم کی۔ یعنی قرآن میں بیعت کا توڑنا اور اپنے لئے بیعت حاصل کرنا وفاتِ رسُولؐ کے بعد علی علیہ السلام سے تعلق رکھتا ہے (فتح 48/10) یعنی اللہ نے قرآن (48/10) میں پہلے ہی نکثِ بیعت کرنے والوں اور خود حکومت پر قبضہ کر لینے والوں کا تذکرہ فرما دیا تھا۔

(10) آنحضرتؐ نے بھی بیعت کو پلٹانے والوں سے جنگ کرنے کی پیشینگوئی طرح طرح فرمادی تھی

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بتا دیا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام بیعت کو اپنی طرف پلٹانے والوں سے (ناکثین) اور خود ساختہ دین کی طرف پلٹ جانے والوں سے (مارقین) اور قومی انصاف اور اقساط والی حکومت قائم کرنے والوں (قاسطین) سے جنگ کریں گے۔ چنانچہ قریشی ریکارڈ بھی متفق ہیں۔

1۔عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال قَالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی قولہ تعالٰی '' فَاِمَّا نَذۡهَبَنَّ بِکَ فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡن '' (زخرف 43/41) نَزَلَتۡ فِیۡ علیٍّ اِنَّهٗ یَنۡتَقِمُ مِنَ النَّاکِثِیۡنَ وَ الۡقَاسِطِیۡنَ و الۡمَارِقِیۡنَ مِنۡ بعدی (اخرجہ الدیلمی)

چنانچہ جناب جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسُول اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے اس ارشاد میں کہ: ''یا تو ہم تجھے لے جائیں بہرحال ہمیں اُن سے یقیناً انتقام تو لینا ہی ہے۔'' فرمایا ہے کہ یہ آیت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ میرے بعد ناکثین اور قاسطین اور مارقین سے انتقام لیں گے۔''

2۔عَنۡ ابی سعیدؓ الخدری قَالَ اَمَرَنَا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم بقتال النَّاکِثِیۡنَ و الۡقَاسِطِیۡنَ وَالۡمَارِقِیۡن فَقُلۡنَا یَا رَسُوۡلَ اللّٰہ اَمَرۡتَنَا بِقِتَال هٰؤُلَاءِ فَمَعَ مَنۡ؟ قَالَ مَعَ علیٍّ وَ مَعَهٗ یَقۡتَلُ عمار بن یاسر۔(اخرجہ ابن عساکر فی تاریخہ)

اور جناب ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسُول اللہ نے حکم دیا تھا کہ تم ناکثین اور قاسطین اور مارقین کے ساتھ جنگ کرنا۔ اس پر ہم نے عرض کیا کہ آپؐ نے اُن لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے مگر ہم اُن سے کس کی معیت میں جنگ کریں؟ فرمایا کہ علیؑ کی معیت میں جنگ کرنا اور علیؑ ہی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے عمار بن یاسر قتل ہوں گے۔''

3۔عن علی بن ربیعۃ قَالَ سَمِعۡتُ عَلِیًّا عَلٰی مِنۡبَرِکُمۡ هٰذَا یَقُوۡل عَهِدَ اِلَیَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم اَنۡ اُقَاتِلُ النَّاکثین و القاسطین و المارقین (اخرجہ ابن عساکر فی تاریخہ و ابن اثیر فی اسد الغابہ)

اور علی بن ربیعہ کہتے تھے کہ میں نے تمہارے اسی منبر پر علیؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں ناکثین

اور قاسطین اور مارقین سے جنگ کروں۔''

یہاں تک یہ عنوان مکمل ہوگیا کہ قرآن میں اللہ ورسوؐل کی بیعت کو اپنی طرف پلٹانے والے وہ لوگ ہونگے جن کا اِس خطبہ(8) میں ذکر کیا گیا ہے۔

پنجم۔ مومنین کو خرید کر انہیں کیا قیمت دی جاتی ہے؟ قدیم طریقہ

اب یہ دیکھنا ہے کہ جو مومنین رسوؐل کے ہاتھوں خود کو فروخت کر دیتے ہیں انہیں کس قیمت پر خریدا جاتا ہے؟ اللہ فرماتا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَ اَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰۃِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِعَھۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ وَ ذٰلِکَ ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ؀ اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاھُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؀ (التوبہ 9/111-112)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مخصوص مومنین سے اُن کے نفوس، یعنی اُن کی زندگیاں اور اُن کے اختیارات اور ارادے، اور اُن کے اموال، یعنی اُن کی ملکیت کی ہر ہر چیز خرید لی ہے اور بدلے میں انہیں تمام قسم کی جنتیں دے دی ہیں وہ بے دھڑک اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں دشمنانِ خدا کو قتل کرتے ہیں اور راہِ خدا میں قتل ہوتے ہیں۔ اُن کو جنتیں عطا کئے جانے کا وعدہ ایک ایسی حقیقت ہے جو توریت اور انجیل اور قرآن میں مذکور ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر وعدہ وفائی میں کون ہوسکتا ہے۔ چنانچہ تم اپنی بیعت (فروخت) پر اور جس قیمت پر خود کو فروخت کیا ہے اُس پر خوشیاں مناؤ اور آپس میں ایک دوسرے کو خوشخبریاں اور مبارکباد سناؤ اور وہ سب سے عظیم الشان کامیابی ہے جو تم نے حاصل کر لی ہے۔ وہ مخصوص مومنین جو بار بار اصلاح کے لئے اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور وہ مخصوص عبادت کرنے والے ہیں، اور وہ مخصوص حمد وثنا بجالاتے رہنے والے ہیں، اور مخصوص سیاحت میں رہنے والے ہیں، وہ مخصوص مومنین جو دوسروں کی ضروریات پوری کرتے رہنے کی وجہ سے نادار وقلاش رہتے ہیں، وہ مخصوص ساجدین جو پسندیدہ کاموں پر خود عامل ہیں اور دوسروں کو حکم دیتے ہیں، ناپسندیدہ کاموں سے خود بھی باز رہتے ہیں اور دوسروں کو باز رکھتے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور اَے رسوؐل ایسے مومنین کو تم بھی بشارت دیتے رہو۔'' (ترجمہ: سورہ التوبہ 9/111-112)

(1) خطبہ نمبر 8 میں مذکور لوگ اور تمام قریش ان آیات کی رُو سے باغی اور سرکش تھے

یہ دونوں آیات اُن مومنین کا تذکرہ کرتی ہیں جنہوں نے ایمان لانے اور رسوؐل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد کبھی اور کسی حالت میں اپنی جان، اپنا ارادہ اور اختیار اور قدرت اور اپنے اموال اور وسائل اپنی مرضی سے استعمال نہیں کئے اور خود کو رسوؐل کے ہاتھ فروخت کر دینے کا پورا پورا ثبوت دیا۔ پھر ان آیات میں بیعت کے معنی اور لفظ ''بیع'' (بِبَیۡعِکُمۡ) بھی واضح ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو لوگ خود کو رسوؐل کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں یا کریں گے اُن کو اُن کی قیمت میں الجنّۃ دی جائیگی اور ظاہر ہے کہ جنت کا دیا جانا قیامت کے بعد کی بات ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جب تک بیعت کرنے والا زندہ ہے اُسے برابر اپنی جان ومال واختیار وقدرت اللہ کے کاموں پر صرف کرتے رہنا ہے تاکہ بیعت کا عہد آخری سانس تک مکمل ہوجائے۔ اگر اُس نے زندگی کے کسی بھی دور میں اپنی جان ومال وارادہ واختیار وقدرت بیعت کے خلاف استعمال کی تو اللہ کی طرف سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا نہ کیا جائیگا۔ اور وہ مومن جنت کے بجائے جہنم میں جائے گا۔ اور یہی حال آٹھویں خطبے میں مذکور لوگوں کا اور تمام قریش کا

ہے جو اپنی بیعت کو پورا کرنے کے بجائے خود اپنی بیعت کراتے رہے اور حقیقی سربراہِ اسلام اور نمائندۂ خداوندی کو محروم ومقہور کرنے میں مصروف رہے۔اور جس کے ہاتھوں بیعت کی قیمت یعنی جنت ملنا تھی اُس کو اور اُس کی اولاد کو اور اس کے ناصروں اور مددگاروں کو قتل کرتے رہے۔

(2) جس کی بیعت نہ کی گئی یا کر کے توڑ دی گئی وہی تو جنت و دوزخ کا ازلی مالک تھا

قریش درحقیقت اللہ ورسولؐ کی ہر اُس بات پر ایمان نہ لاتے تھے جس میں علی مرتضٰی علیہ السلام کی مدح وثنا، فضائل اور حکومت کی جھلک نظر آتی تھی ورنہ وہ علیؑ کے خلاف محاذ نہ بناتے رسولؐ نے واضح کر دیا تھا کہ علیؑ جنت اور دوزخ کو تقسیم کرنے والے ہیں۔

عن حذیفہؓ قال قال رسوؐل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یا علیؑ انت قسیم النّار و الجنة و انت تقرع باب الجنة و تدخلھا اَحِبّائک بغیر حساب (اخرجہ الدیلمی و ابن المغازلی و قاضی عیاض فی الشفاء)

چنانچہ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا علیؑ تم جہنم اور جنت کو لوگوں میں تقسیم کرنے والے ہو اور تم ہی وہ شخص ہو جو جنت کا دروازہ کھٹکا کر کھلوائے گا اور اپنے تمام چاہنے والوں کو جنت میں داخل کرے گا بغیر حساب کے۔''

(3) قریشی قوم کو معلوم تھا کہ علیؑ ہی لوگوں کو جنت اور دوزخ میں داخل کرنے والے ہیں

جب عمر کا مقرر کیا ہوا شوریٰ منعقد ہوا تو علیؑ نے اُن سے اپنے قسیم النار والجنۃ ہونے پر گواہی لی تھی۔

عن ابی الطفیل عامر بن واثلة الکنانی ان علیًا قَالَ لِلسِّتَّةِ جعل عمر رضی اللّٰہ عنہ الامر شوری بینھم کلامًا طویلًا مِن جملتہ اَنْشَدَکُمُ اللّٰہُ ھل فیکم اَحَدٌ قال لَہٗ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یا علیؑ انت قسیم النار و الجنة یوم القیامة غیری؟ قَالُوْا اَللّٰھُمَّ لا (اخرجہ الدار قطنی نقلت من صواعق محرقہ و جواھر العقدین)

چنانچہ ابی طفیل عامر بن واثلہ نے روایت کیا ہے کہ یقیناً علیؑ نے اُن چھ صحابہ سے بہت طویل وتفصیل سے باتیں کیں جن کو عمر نے خلیفہ تجویز کرنے کیلئے شوریٰ کے ممبر مقرر کیا تھا۔اُن باتوں میں سے ایک یہ تھی کہ علیؑ نے اُن سے کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے یہ تو بتاؤ کہ تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی اور ایسا شخص ہے جس کیلئے رسوؐل اللہ نے ایسی بات کہی ہو جیسی میرے حق میں فرمائی تھی کہ یا علیؑ قیامت کے روز تم جنت اور دوزخ تقسیم کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدا گواہ ہے کہ ایسا شخص تمہارے سوا کوئی نہیں ہے۔'' قارئین سوچیں کہ قریش کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کہاں ہو سکتا ہے؟

(4) جس آیت کی رُو سے حضرت علیؑ کو قسیم النار والجنۃ فرمایا گیا ہے؟

جناب علامہ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

قَالَ اللّٰہ تعالی: اَلْقِیَا فِیْ جَھَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْد (ق ع2) اِذَا کَانَ یَوْمَ القیامة وَقَفَ محمدٌ و علیٌ عَلَی الصّراط و ینادی منادیًا یا محمدٌ و یا علیٌ اَلْقِیَا فِیْ جَھَنَّمَ کُلَّ کفّار بِنُبُوَّتِکَ یا محمدٌ و عنید بولایتک یا علیٌ .
(ینابیع المودة صفحہ 70 مطبوعہ بمبئی)

اللہ نے فرمایا ہے کہ تم دونوں تمام کفار کو اور تمام دشمنوں کو جہنم سے ملاقات کراؤ جب قیامت قائم ہوگی تو محمدؐ اور علیؑ پل صراط پر کھڑے ہوں گے اور منادی پکار کر کہے گا کہ اے محمدؐ اور اے علیؑ تم دونوں تمام کفار اور دشمنوں کو جہنم میں پھینک دو اے محمدؐ تم اپنی نبوت کے کافروں کو اور اے علیؑ تم اپنی حکومت کے دشمنوں کو جہنم میں پھینک دو۔''(سورہ قٓ 50/24)

(5) مودودی نے اس آیت (50/24) کی تشریح میں خود کو دشمن و کافرو جہنمی بنا کر محمدؐ و علیؑ کا مقام چھپایا ہے

ہم نے مندرجہ بالا احادیث اہلسنت کے ریکارڈ سے اور سنی علما کے قلم سے لکھی ہیں۔یعنی علمائے اہلسنت میں ایسے عالم بھی ہیں جو باوجودیکہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو برحق مانتے ہیں پھر بھی محمدؐ و علیؑ کے فضائل کا انکار نہیں کرتے اور مودودی ایسے لعنتی علما بھی ہیں جو ہر بددیانتی اور مکروفریب کرنے کو اس لئے جائز سمجھتے ہیں کہ محمدؐ و علیؑ کے مقامِ بلند کو چھپا دیں۔چنانچہ مندرجہ بالا آیت (50/24) کا ترجمہ اور تشریح مودودی کے قلم سے دیکھیں پھر ہم قرآن ہی سے دکھائیں گے کہ علامہ نے فریب دیا ہے۔اللہ نے فرمایا کہ: اَلْقِیَا فِیْ جَھَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ (50/24)

مودودی: ''حکم دیا گیا پھینک دو جہنم میں ہر کٹّے کافر کو جو حق سے عناد رکھتا تھا۔''(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 119)

علامہ نے اِس ترجمہ میں لفظ ''اَلْقِیَا'' کا ترجمہ ''پھینک دو'' کیا ہے۔حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ ہے۔''تم دونوں پھینک دو''یعنی پھینکنے والے چونکہ دو ہیں اور وہ دونوں مندرجہ بالا حدیث کی رُو سے 1 محمدؐ اور 2 علیؑ ہیں اس لئے پہلے تو علامہ نے تعداد کو چھپالیا تاکہ قاری یہ نہ سوچ سکے کہ'' آخر وہ دو افراد کون ہوں گے؟ اِس کے بعد اِس آیت کی تشریح میں تعداد کا ذکر کیا ہے۔لیکن عموماً قاری حضرات ہر تشریح کو نہیں پڑھتے۔اور اگر ترجمہ انہیں چونکا نہ دے تو ہرگز نہیں پڑھتے۔لہٰذا پہلا انتظام تو یہ کیا کہ نہ قاری چونکے اور نہ تشریح پڑھنے کا شوق پیدا ہو دوسرا انتظام یہ کیا کہ قرآن کے بیان کے خلاف اِس آیت (50/24) کے دونوں مخاطبوں کو فرشتے بنا دیا۔سُنئے:

(6) علامہ کی گمراہ کن اور قرآن کے الفاظ کے خلاف تشریح

''28 اصل الفاظ ہیں۔''اَلْقِیَا فِیْ جَھَنَّمَ '' ''پھینک دو جہنم میں تم دونوں''سلسلہ کلام خود بتا رہا ہے کہ یہ حکم اُن دونوں فرشتوں کو دیا جائے گا جنہوں نے مرقد سے اُٹھتے ہی مجرم کو گرفتار کیا تھا اور لاکر عدالت میں حاضر کر دیا تھا۔''(تفہیم القرآن ایضاً صفحہ 119)

(7) سلسلۂ کلام کو دلیل بنانا اور دو فرشتے مراد لینا بھی علامہ کا فریب ہے

اب اس آیت (50/24) کا سلسلۂ کلام خود مودودی کے ترجمہ سے سنئے اور قرآن کھول کر یہ مقام خود بھی دیکھئے:

وَ جَآءَ تْ کُلُّ نَفْسٍ مَّعَھَا سَآئِقٌ وَ شَھِیْدٌo لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَ کَ ......الخ

''ہر شخص اس حال میں آ گیا کہ اُس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا ہے۔اِس چیز کی طرف سے تُو غفلت میں تھا ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا۔اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔اُس کے ساتھی نے عرض کیا یہ جو میری سپردگی میں تھا حاضر ہے۔حکم دیا گیا پھینک دو۔''(23 تا 50/21)(تفہیم جلد 5 صفحہ 119-118)

(8) سلسلۂ کلام سے ہر انسان کے ساتھ دو دو ہی افراد ہیں اور صرف یہ دو افراد تمام کافروں کو پھینکیں گے

علامہ کا ترجمہ اور قرآن کے الفاظ سے ثابت ہوا کہ جتنے انسان قیامت کے روز حاضر کئے جائیں گے اُن سے دوگنی تعداد ہانکنے والوں اور گواہی دینے والوں کی ہوگی۔یعنی ہر ایک انسان کے ساتھ دو دو افراد ہوں گے ظاہر ہے کہ یہ دوگنی تعداد جہنم میں نہ جائے گی۔یہاں اگر یہ کہا جائے کہ حاضر کرنے والی جوڑی کو یہ حکم دیا گیا ہے تو یہ اس لئے غلط ہے کہ جن دو افراد کو کافروں اور دشمنوں کو جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا گیا ہے وہ تو لاتعداد جوڑیاں ہیں۔اور حکم کی تعمیل صرف دو افراد نے کرنا ہے۔یعنی لاتعداد جوڑیوں میں صرف ایک جوڑی مخاطب ہے اور اس ایک جوڑی نے تمام کفار اور تمام دشمنوں کو جہنم میں پھینکنا ہے نہ کہ ہر جوڑی نے اپنے اپنے حاضر کئے ہوئے مجرم کو لہٰذا آیت (50/24) میں لاکھوں کروڑوں

جوڑیوں میں سے اُس ایک جوڑی کا تعین موجود نہیں ہے۔اور نہ ایک جوڑی کے علاوہ باقی جوڑیوں کو منع کرنا موجود ہے لہٰذا یہاں بھی علامہ نے فریب دیا ہے۔اور یہ بھی ناممکن ہے کہ علامہ کو وہ روایات معلوم نہ ہوں جن میں اُس جوڑی کا نام محمدؐ وعلیؑ علیہم السلام بتایا گیا ہے۔لہٰذا اُن روایات کا ذکر تک نہ کرنا بھی دیانت وامانت کے خلاف ہے۔علامہ کو چاہئے تھا کہ اُن روایات کو لکھتے اور دلیل سے ثابت کرتے کہ وہ غلط ہیں خاموشی سے گزر جانا بھی قاریوں کو غافل وگمراہ رکھنے کی خاموش اسکیم ہے۔

(9) اگلی آیات میں قریش کے سب سے بڑے لیڈر وراہنما اور اُس کے ہمدم ودمساز کو عذاب دینے کا ذکر ہے

چونکہ علامہ نے سلسلۂ کلام کی بات کی ہے لہٰذا مسلسل اگلی آیات (31 تا50/25) کا ترجمہ مودودی سے سُنیں کہ تمام کافروں اور دشمنوں کو جہنم واصل کرنے کا حکم دے کر اُس خالص اور تنہا لیڈر کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور اُس کے کردار اور منصوبوں کی بات یوں ہو رہی ہے کہ:

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ oالَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ o قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍo قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِo......

''خیر کو روکنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا شک میں پڑا ہوا تھا اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا بنائے بیٹھا تھا۔ڈال دو اُسے سخت عذاب میں''۔اُس کے ساتھی نے عرض کیا ''خداوندا، میں نے اِس کو سرکش نہیں بنایا بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔'' جواب میں ارشاد ہوا ''میرے حضور جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی انجام بد سے خبردار کر چکا تھا۔میرے یہاں بات پلٹی نہیں جاتی اور میں اپنے بندوں پر ظلم توڑنے والا نہیں۔''(ق 29 تا50/25)(تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 119-120)

(10) اس ترجمہ میں بھی فریب دیا گیا ہے: علامہ نے کوشش کی ہے کہ ان آیات میں کسی ایک واحد اور خاص شخص کا ذکر محسوس نہ ہو بلکہ اُس شخص خاص کو سابقاً مذکور کافروں اور دشمنوں میں گھول کر چھپا دیا جائے۔یہی وجہ ہے کہ علامہ نے لفظ اَلَّـذِیْ (وہ خاص شخص) کا ترجمہ بالکل غائب کر لیا حالانکہ اُس اکیلے شخص کو الگ سے عذاب شدید دینا اور اُس کے ساتھی کا اُس اکیلے شخص کو سرکش بنانے سے انکار کرنا بھی اُسے تنہا آدمی مشخص کرتے ہیں۔بہر حال علامہ نے اپنی سی کوشش کی ہے اور اُن کے قاریوں نے یہاں کسی ایک خاص لیڈر کا تذکرہ نہیں سمجھا ہے بلکہ یہ سب مذکورہ کافروں اور دشمنوں سے متعلق سمجھا ہے۔دوسرا فریب دوبارہ دیا ہے۔وہ یوں کہ یہاں بھی اُس مخصوص لیڈر کو عذاب شدید دینے کا حکم اُن ہی دونوں حضراتؑ کو دیا ہے اور لفظ ''اَلْقِيٰهُ'' فرمایا ہے مگر علامہ نے یہ ترجمہ نہیں کیا کہ ''تم دونوں اس شخص کو' شدید عذاب میں مبتلا کرو۔اور اپنی لمبی چوڑی تشریحات میں کہیں اشارہ تک نہ کیا کہ اس شخص کو بھی وہی دوؑ اشخاص عذاب دیں گے۔اور تشریحات میں رفتہ رفتہ باقی کافروں اور دشمنوں کو صرف دو شخص بنا دیا ہے۔ایک شیطان اور ایک آدمی۔اور بس۔

ہم یہ بتا کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں کہ یہاں (29 تا50/25) ابوبکر وعمر کا تفصیلی تذکرہ ہوا ہے۔تفصیل ہماری تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔یہاں تک قرآن اور احادیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ محمدؐ وعلیؑ دونوں جنت وجہنم کے مالک ومختار ہیں اور بیعت کر کے وفا کرنے والوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں وہی داخل کریں گے۔یہاں مذکورہ بالا آیت (50/24) سے متعلق امام احمد بن حنبل کی لکھی ہوئی ایک اور حدیث کا ترجمہ پڑھ کر عنوان بدل لیں۔لکھا ہے کہ:

''شریک بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ ابومحمد اعمش کے مرض الموت میں عیادت کو گئے تھے۔کہ حضرت ابوحنیفہ اور ابن ابی

لیلیٰ اور ابن شیر وَیہ بھی آ گئے تو ابوحنیفہ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور نصیحتاً اُن سے کہا کہ اَے ابومحمد خدا سے ڈرو تمہارے لئے آخرت کا پہلا دن اور دنیا کا آخری دن ہے۔ اور تم بہت سی حدیثیں ایسی علیؑ بن ابیطالبؑ کے بارے میں بیان کیا کرتے تھے کہ اگر تم سکوت کرتے تو اچھا تھا۔ یہ سُن کر ابومحمد اعمش کو غصہ آ گیا۔ اور کہنے لگا کہ کیا مجھا ایسے شخص کو ایسی طنزیہ بات کہی جا سکتی ہے؟ مجھے ذرا تکیہ سے سہارا دے کر بٹھا تو دو۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ مجھ سے ابوالتوکل نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو مجھؐ سے اور علیؑ سے کہا جائے گا کہ اپنے دوستوں کو بہشت میں داخل کرو اور اپنے دشمنوں کو جہنم واصل کرو۔ اور یہی مطلب ہے خدا کے قول وَ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ (مسند احمد بن حنبل)

ششم۔ طلحہ اور زبیر بھی اپنی بیعت کرانے اور علیؑ سے بیعت کر چکنے پر طرح طرح حیلے کرتے رہتے تھے

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبے کے اُن پانچ جملوں (خطبہ 8 جملے 1 تا 5) میں نہ طلحہ و زبیر کا نام لیا نہ کسی خاص شخص کا ذکر فرمایا۔ اُنہوں نے تو ہر اُس شخص کا منہ بند کیا ہے جو اپنی بیعت کے بعد بھی سرکشی کا ارادہ رکھتا ہو۔ لیکن مترجمین اور مرتبین نہج البلاغہ نے مسلسل اس خطبے کے ساتھ یہ شانِ نزول لگائے رکھا ہے کہ: ''وَ مِنْ کَلَامٍ لَہٗ علیہ السلام یَعْنِی بہ الزُّبَیْرَ فِیْ حَالٍ اَقْتَضَتْ ذٰلِکَ'' یہ کلام زبیر کے متعلق اُس وقت فرمایا جب کہ حالات اسی قسم کے بیان کے متقاضی تھے۔'' مفتی جعفر۔ اور ہر نہج البلاغہ میں متفقہ طور پر یہی لکھا چلا آتا ہے۔ تاکہ کلامِ مرتضویؑ صرف ایک شخص پر مرکوز ہو کر رہ جائے۔ ہم نے یہ شانِ نزول احمقانہ سمجھ کر ساقط کر دیا ہے۔ البتہ زبیر و طلحہ کا حال بھی اپنے قارئین کو سنائے دیتے ہیں۔

(1) طلحہ اور زبیر امیدوارانِ خلافت تھے، قتلِ عثمان میں کوشاں رہے، اس لئے معاویہ نے اُنہیں...... بنادیا

جب حضرت علی علیہ السلام سے صوبہ شام کے علاوہ پوری مملکت اسلام کے باشندوں نے بیعت کر لی تو آپؑ نے معاویہ کو حاضر ہونے اور بیعت کرنے کا خط لکھا۔ وہ خط پڑھ کر معاویہ نے زبیر کے نام یہ خط لکھا کہ:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ، لِعبد اللّٰہ الزبیر امیر المومنین من معاویہ بن ابی سفیان سلام علیک امّا بعد فانی بایعت لک اھل الشام فاجابوا و استوسقوا کما یستوسق الحلب فدونک الکوفة و البصرة لا یسبقک الیھا ابنُ ابی طالبٍ فانہ لا شیء بعد ھٰذین المصرین و بایعت لِطَلْحَة بن عبیداللّٰہ مِنْ بعدک ۔ فاظھر الطلب بدم عثمان و ادعوا الناس اِلٰی ذٰلک وَ لیکن مِنکما الجدّ و التشمیر اَظفرکُمَا اللّٰہ و خذل معادیکما۔

''یہ خط معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے امیر المومنین جناب زبیر کے نام ہے۔ سلام کے بعد معلوم ہو کہ میں نے تمہارے لئے اہل شام سے بیعت لے لی ہے اور اُنہوں نے اس دعوت پر لبیک کہی ہے۔ اور اطاعت پر مجتمع ہو گئے ہیں جیسے مختلف تھنوں سے دودھ کو ایک جگہ جمع کر لیا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ کوفہ اور بصرہ سے ہوشیار و خبردار رہیں ایسا نہ ہونے پائے کہ وہاں علیؑ پہنچ جائیں۔ اور اُن کا تسلّط ہو جائے۔ اور اگر یہ دونوں شہر ہاتھ آ جائیں تو پھر باقی کچھ نہیں رہتا ہے۔ اور میں نے آپ کے بعد خلافت کے لئے طلحہ بن عبیداللہ کی بیعت بھی لے لی ہے لہٰذا تم انتقامِ خونِ عثمان کا چرچا کرتے رہو اور لوگوں کو اس کے لئے ہموار کرتے رہو اس معاملے میں جی توڑ کوشش جاری رکھو اللہ تم دونوں کو کامیاب کرے اور تمہارے دشمنوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دے۔''

زبیر کو امیر المومنین بن جانے کا یقین ہو گیا فوراً طلحہ کے پاس پہنچا خط سنایا وہ بھی بہت خوش ہوا۔ کچھ وقفہ دے کر حضرت علیؑ کے پاس آئے کچھ عثمان

کے دَور کی شکائتیں کیں کچھ خوشامدانہ باتیں کیں اور کوفہ وبصرہ کی گورنری کا پروانہ طلب کیا۔ آپؑ نے مقدرات پر راضی رہنے اور صبر کرنے کی نصیحت کی اور صاف الفاظ میں فرمادیا کہ میں اس امانت میں صرف اُن لوگوں کو شریک کروں گا جن کے دین ودیانت میں استقلال رہاہے اور جن پر مجھے اعتماد ویقین ہے۔ یہ جواب اُنہیں مایوس کرنے کے لئے کافی تھا۔ کچھ روز انتظار کے بعد دونوں نے مکہ جانے اور عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپؑ نے واضح کردیا کہ تم عمرہ کے لئے نہیں بلکہ اقتدار حاصل کرنے کی راہیں نکالنے کے لئے جارہے ہو۔ انہوں نے قسمیں کھائیں۔ بہرحال آپؑ تو کسی کو جبراً روکنا چاہتے ہی نہ تھے اجازت دے دی اور وہ مع اپنے بیٹوں اور ضروری ہم خیال لوگوں کے مکہ چلے گئے۔ راہ میں جو ملتا یا جہاں جہاں سے گزرتے لوگوں کو مخالفت پر اُبھارتے، حضرت علی علیہ السلام کو قتل عثمان میں ملوث بتاتے اور یہ اعلان کرتے جاتے تھے کہ ہم نے مجبوراً بیعت کی تھی اور اب ہم پر اُن کی بیعت کی پابندی نہیں ہے۔ ہم اُن سے قتلِ عثمان کا انتقام لینے کا انتظام کرنے جارہے ہیں۔ اُن کے بیانات سے لوگوں میں بددلی، بےاطمینانی اور بےیقینی پھیلتی جارہی تھی۔

(2) راہنمایانِ قریش، عائشہ وغیرہ، ہرگز علیؑ کی حکمرانی نہ چاہتے تھے پوری قوت سے مقابلہ کیا گیا

ادھر مکہ میں عائشہ اور حفصہ، ازواج رسولؐ کو علیؑ کی مخالفت میں اپنے ساتھ شریک رہنے پر رضامند کرچکی تھیں۔ صرف حضرت اُمِ سلمہ علیہا السلام نے عائشہ وحفصہ کو منہ توڑ جواب دیا اور اُن کی گمراہی کا اعلان کیا تھا۔ یہ تذکرہ ہوچکا ہے کہ قتل عثمان کے بعد عثمانی حکومت کے دست و بازو صحابہ اور مدینہ میں مقیم بنی امیہ مکہ اور شام (دمشق) کو روانہ ہوگئے تھے اور وہ سب جانتے تھے کہ اب حضرت علیؑ کے سوا اور کوئی بھی خلیفہ نہ بن سکے گا۔ لہٰذا وہ سب مل کر ہر وہ بات کہہ رہے تھے اور ہر وہ کام کررہے تھے جو حضرت علیؑ کو خلافت سے دستبردار ہونے پر مجبور کرے۔ ہر طرف ہر قریشی اور قریش کا ہر طرفدار اور ہر چمچہ علیؑ کے خلاف لوگوں کو تیار کررہا تھا۔ ہر سرمایہ دار اور ہر سردار علیؑ کے خلاف اپنے وسائل وذرائع اور اثر ورسوخ کو استعمال کررہا تھا۔ ہر وہ شخص علیؑ کی حکومت نہ چاہتا تھا جو سرمایہ داری اور اجارہ داری سے لگاؤ رکھتا تھا۔ مختصراً یہ سمجھ لیجئے کہ علیؑ کے طرفدار صرف غربا، عوام اور ظلم رسیدہ لوگ تھے۔ جن کے پاس اپنی جان کے سوا اور کچھ مدد کرنے کے لئے نہ تھا۔ اور جو کسی نہ کسی طرح مخالف سرداروں، رؤسا اور سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور اگر وہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ دشمنوں سے جنگ وجہاد کے لئے جائیں تو پیچھے اُن کے بال بچوں پر فاقے گزر جائیں۔ اُن کی کثرت کے پاس اسلحہ نہیں۔ علیؑ کے پاس راشن اور روپیہ نہیں، مسلح افواج (Standing Army) نہیں۔ صوبوں کے سابقہ گورنروں کو معزول کرنے کے خطوط مل چکے جو سرکاری خزانہ اور اسلحہ وسامان لے کر معاویہ اور طلحہ وزبیر وعائشہ سے جاملے۔ نئے متعین شدہ گورنر ابھی تسلط حاصل نہیں کرسکے۔ تسلط کے بعد بھی وہ فوراً نہ مالی مدد دے سکتے ہیں نہ اسلحہ بھیج سکتے ہیں۔ کوفہ کو ابوموسیٰ اشعری (سابقہ گورنر) نے عائشہ کے خط کی بنا پر مرکز کی مدد سے منع کردیا ہے۔ معاویہ کے پاس سابقہ خلفا کے زمانے سے مسلح افواج سے چھاؤنیاں بھری ہوئی ہیں۔ عائشہ اور طلحہ وزبیر نے بصرہ کا خزانہ لوٹ لیا ہے افواج واسلحہ پر قبضہ کرلیا ہے لام بندی ہورہی ہے زوجۂ رسولؐ کی مدد کو رسولؐ کی مدد سمجھ کر اور علیؑ کو قتل عثمان کا مجرم اور سابقہ خلافتوں کا باغی اور باغیوں کا طرفدار ومحافظ سمجھ کر لوگ جمع ہورہے ہیں فوجیں مسلح کی جارہی ہیں چاروں طرف سے سرمایہ داروں کی اپنی اپنی بضاعت کے مطابق مالی اور افرادی مدد پیش کی جارہی ہے۔

ہفتم۔ علیؑ کے خلاف قریشی محاذ میں اتحادِ فکروعمل اور سرداروں وسرمایہ داروں کا تعاون

جو کچھ ہم نے لکھا یا لکھیں گے وہ سب کچھ قریشی تواریخ کے مسلمات ہیں یہاں چند چیزیں حوالوں اور اقتباسات کے ساتھ بھی دیکھ لیں تو بہتر ہوگا۔

(1) قریشی محاذ کی مالی مدد: اِس سلسلے کے دونمونے:

پہلانمونہ: ''یعلیٰ بن امیہ بولے میرے پاس چھ لاکھ درہم اور چھ سواونٹ ہیں۔ آپ لوگ ان اونٹوں پر سوار ہو جائیے۔ ابن عامر نے بھی یہی کہا کہ میرے پاس اتنا اتنا مال موجود ہے تم لوگ تیاری کرو۔'' (ترجمہ طبری حصہ سوم صفحہ 73)

دوسرانمونہ: ''مکہ میں عبداللہ بن عامر خوب دنیا سمیٹ رہا تھا۔ یمن سے یعلیٰ بھی بے پناہ دولت لے کر آیا جو چار سو اونٹوں سے زیادہ پر لدی ہوئی تھی یہ سب کے سب حضرت عائشہ کے گھر میں جمع ہوئے اور وہاں مشورہ شروع ہوا۔'' (ایضاً صفحہ 75-76)

(2) قریشی محاذ کا مقصد: ''منادی نے اعلان کیا کہ اُم المومنین اور طلحہ وزبیر بصرہ جا رہے ہیں۔ جو شخص اسلام کی عزت کا طلبگار ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اُن قاتلوں سے قتال کر کے عثمان کا قصاص لیا جائے تو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ جس کے پاس سواری یا سامانِ جنگ یا کھانے کا خرچہ موجود نہ ہو تو یہ سب چیزیں موجود ہیں وہ ہم سے لے لے۔'' (ایضاً صفحہ 73-74)

(3) علیؑ وطرفدارانِ علیؑ کی پوزیشن پر لمحہ فکریہ

قارئین تمام تاریخیں پڑھ جائیں کہیں جھوٹ کو بھی ایسی نصرت وتعاون علیؑ کو پیش کیا جانا نہ ملے گا۔ اس پر طُرّہ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام نے تینوں خلفاء کی تیار کردہ مسلح افواج سے بھری ہوئی چھاؤنیاں خالی کرادی تھیں اور مستقل افواج نہ رکھنے کا حکم دے دیا تھا۔ یوں ماہرین جنگ بے روزگار ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے تھے۔ سوچئے کہ وہ مندرجہ بالا اعلان ومنادی کے بعد دوڑتے ہوئے عائشہ کے کیمپ میں نہ جائیں گے تو کیا علیؑ کی طرف آئیں گے؟ جہاں نہ پیسہ ہے نہ روٹی نہ تیر نہ تلوار۔ جو خود نہایت بوسیدہ اور خود مرمت کردہ جوتا پہنتا ہو وہ دوسروں کو فوجی بوٹ کیوں اور کہاں سے دے گا؟

پھر یہ سوچئے کہ مسلمانوں کو اسلام کی عزت کا تحفظ کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ اور تحفظ کے لئے آنے والوں کو بھوک پیاس اور تنگ حالی کے خلاف ہر قسم کا تحفظ دیا جارہا ہے تو کون ہے جو اسلام کی عزت بچانے کے لئے آنے سے انکار کرے گا؟؟؟

(4) علیؑ کے خطبات اور تقریروں میں سب کچھ ہے مگر مالی مدد کا نام ونشان ووہم تک نہیں ہے

پھر علیؑ کو اور اُن کے طرفداروں کو دیکھئے کہ نہ وہ جہاد کی دعوت میں کسی مالی مدد اور تحفظ کا وعدہ یا لالچ دیتے ہیں اور نہ نصرت کرنے والے اپنی نصرت کو مالی مدد سے مشروط کر کے اپنے اجر وثواب میں خامی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً حضرت علیؑ کی روکھی سوکھی دعوت کا نمونہ سنئے:

علیؑ کی دعوت کا نمونہ: ''حضرت علیؑ اہل مدینہ کی اطاعت سے خوش نہ تھے۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے پر اُن کی امداد کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے اُنہوں نے تمام اہل مدینہ کو جمع کیا اور اُن کے سامنے تقریر کی اور فرمایا کہ:

''اس کام کی اصلاح اُسی طرح ممکن ہے جس طرح ابتدا میں دین کی اصلاح کی گئی تھی۔ تم ہر شے کا انجام دیکھ چکے ہو اور تم میں سے جس کے خلاف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا وہ پورا ہو چکا۔ اب تم اللہ کی مدد کرو تا کہ اللہ تمہاری مدد کرے اور تمہارے کاموں کی اصلاح فرمائے۔ اس تقریر پر انصار کے سرداروں میں سے صرف دو شخصوں نے آپؑ کی بات قبول کی۔'' (ایضاً صفحہ 65-66)

علیؑ کی دعوت کا دوسرانمونہ: ''شیطان نے اُمت میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ خبردار جس طرح پہلی اُمتوں میں تفریق پیدا ہوئی اُسی طرح اس اُمت میں تفریق پیدا ہو کر رہے گی۔ یہ تفریق ضرور پیدا ہو کر رہے گی۔ اور یہ اُمت تہتر (73) فرقوں میں بٹ جائے گی اور سب سے بدترین فرقہ وہ ہوگا

جو مجھے چھوڑ دے گا۔اور اُس چیز پر عمل نہ کرے گا جس پر میں عمل کرتا ہوں۔لہٰذا اپنے دین کو لازم پکڑو۔اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کار پر چلو اور آپؐ کی سنت کی اتباع کرو اور تمہیں جو مشکل درپیش آئے اُس کا فیصلہ قرآن کے مطابق کرو۔اگر قرآن اُس کا حکم دیتا ہے تو اُسے لازم سمجھو اور اگر قرآن اُس کا انکار کرتا ہے تو اُسے رَد کردو.....تم لوگ اللہ عزّ وجل کے رب ہونے،اسلام کے دین ہونے،محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور قرآن کے حَکم اور امام ہونے پر راضی رہو۔''(ایضاً صفحہ 130)

هشتم۔ کثرت کدھر تھی؟ اُس کی فکر حق مجسمؑ کو کیوں ہو؟ جب کہ کثرت کا باطل ہونا ازلی حقیقت ہے

قرآن کریم سے بہتر اور صحیح تر عہد رسولؐ کے مسلمانوں کے حالات کا اور کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔اُس میں بار بار نوع انسان کی کثرت کو عموماً اور مسلمانوں کی کثرت کو خصوصاً گمراہ اور باطل پرست قرار دیا گیا ہے۔

1 مومنین کی کثرت کی بات ماننا ہمیشہ باعثِ خرابی ہے۔(حجرات 49/7)

2 مومنین کی کثرت کی عقل نا قابل اعتبار ہے۔(حجرات 49/4)

3 انسانوں کی کثرت ناشکری ہے۔(مومن 40/61،اعراف 7/17)

4 قیامت میں چند(قلیل)مخلص بندوں کے علاوہ تمام اغوا شدہ حالت میں حاضر ہوں گے۔(ص 83-38/82)(حجر 40-15/39)

(1) مودودی قریش اور رسولؐ کے مخاطبوں کی کثرت کو قرآن سے جہنمی اور بے ایمان مانتے ہیں

زیادہ تفصیل میں جانے کے بجائے قرآن سے ایک ہی جگہ چند آیات اور مودودی کا ترجمہ وتشریحات دیکھ کر علی علیہ السلام کی مخالف کثرت کا حال دیکھ لیں پھر حضرت علیؑ کی دعوت کی تفصیلات پر نظر ڈالیں گے۔اللہ نے فرمایا کہ:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ○ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ○ (یٰس 8-36/6)

مودودی ترجمہ: ''تا کہ تم خبردار کرو ایک ایسی قوم کو جس کے باپ دادا خبردار نہ کئے گئے تھے۔اور اس وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔اُن میں سے اکثر لوگ فیصلہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔اسی لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں۔جن سے ٹھوڑیوں تک جکڑے ہوئے ہیں۔اس لئے وہ سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○(یٰس 10-36/9)

ہم نے ایک دیوار اُن کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک دیوار اُن کے پیچھے۔ہم نے اُنہیں ڈھانک دیا ہے،اُنہیں اب کچھ نہیں سوجھتا۔اُن کے لئے یکساں ہے،تم اُنہیں خبردار کرو یا نہ کرو،یہ نہ مانیں گے۔''(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 246 تا 247)

قارئین جانتے ہیں کہ اِسی قوم قریش نے قرآن کو مہجور کیا تھا(فرقان 25/30)اسی نے قرآن کی تکذیب کی تھی(انعام 6/66)اب اِس کے متعلق مودودی کی تشریح بھی ملاحظہ ہو:

قریش اور مودودی: ''یہ اُن لوگوں کا ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لے رہے تھے۔اور جنہوں

نے طے کرلیا تھا کہ آپ کی بات بہر حال مان کرنہیں دینی ہے۔اُن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ:

''یہ لوگ فیصلہِ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔اس لئے یہ ایمان نہیں لاتے۔''اِس کا مطلب یہ ہے کہ جولوگ نصیحت پر کان نہیں دھرتے اور خدا کی طرف سے پیغمبروں کے ذریعہ اتمامِ حجت ہو جانے پر بھی انکار اور حق دشمنی کی روش ہی اختیار کئے چلے جاتے ہیں اُن پر خود اُن کی شامتِ اعمال مسلط کردی جاتی ہے اور پھر اُنہیں توفیق ایمان نصیب نہیں ہوتی۔''(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 247)

(2) حضرت علیؑ کی تقریری دعوت میں مذکور حقائق پر سلسلہ وار غور فرمائیں

قرآن سے قریش بحیثیتِ قوم ایک گمراہ، باطل پرست اور عذاب کے فیصلے کے ماتحت رہتے چلی جانے والی قوم تھی۔جس نے حیاتِ رسوؐل ہی میں اسلام کو جھٹلانے کے لئے اور اقتدار و حکومتِ رسوؐل پر قبضہ کرنے کے لئے اسلام اختیار کیا تھا۔اس قوم کے تین حکمران خلفائے رسوؐل کے جھوٹے لیبل کے ساتھ گزر چکے تھے۔تیسرے خلیفہ کے قتل کے بعد اُس قوم نے حضرت علیؑ کو مجبور ہو کر بڑی دھوم دھام اور اصرار و تکرار اور منت وسماجت سے خود خلافت کے لئے رضا مند کیا تا کہ بیعت کے دوران ہلّڑ مچا کر اُنہیں قتل کرادیا جائے اور یوں شوریٰ کی امیدواری میں اُن کی خلافت کا نمبر آ جائے۔چنانچہ بیعت کے دوران مہلک قسم کا ھُلّڑ تو واقع ہوا مگر علیؑ کو ابھی زندہ رہنا اور انہیں کیفر کردار کو پہنچانا تھا۔چنانچہ قریشی لیڈروں کا منصوبہ ناکام ہوا آپؑ کی شاندار و بے مثال بیعت ہوئی۔(دیکھو خطبہ نمبر 3 کی تشریحات مودودی کا بیان)

مملکت اور مہاجرین وانصار کی عظیم کثرت نے بیعت کی مگر علیؑ نے جس شرط کی بنا پر تیسرے نمبر پر آتی ہوئی خلافت کو لات ماردی تھی اُس شرط پر اب بھی عمل نہ کرنا تھا۔یعنی خلفائے ثلاثہ کی قائم کردہ طبقہ واریت، اجارہ داری اور سرمایہ داری کو مٹانے کا کام کرنا تھا۔مسلمانوں کو، بقول عمر سو فیصد صراط مستقیم پر واپس لانا تھا۔اور قریشی لیڈروں کو یہ نظام قبول کرنا ہوتا تو وہ عہد رسوؐل میں ہی اُسے اختیار کر لیتے لہٰذا وہ صورتِ حال پیدا کر دی جس کا ذکر سابقہ عنوانات میں ہوا ہے۔قریشی لیڈر اور خلیفہ اول و دوم کی بیٹیاں نکل کھڑی ہوئیں اور جس طرح عہد رسوؐل میں رسوؐل کی ازواج ہوتے ہوئے رسوؐل کے خلاف محاذ کی پشت پناہی اور علیؑ کو محروم کر کے اپنے باپوں کی حکومت بنانے میں سرگرم عمل رہی تھیں (سورہ تحریم 6 تا 66/3)۔بالکل اسی طرح اور زیادہ شدت واعلان کے ساتھ علیؑ سے حکومت چھیننے کا پروگرام بنایا ہے۔اور قریشی قوم نے پورا پورا تعاون کیا ہے۔وہ دولت جو تین سابقہ خلفا نے اپنے مخصوص لیڈروں میں جمع کردی تھی۔عائشہ وحفصہ کے سامنے پیش کردی گئی ہے۔لوگوں کو مال ودولت اور سامان جنگ فراہم کیا جارہا ہے۔ علیؑ اور تمام بزرگ صحابہ کو پہلے خلفا نے مدینہ میں مسلسل نظر بند رکھ کر، احادیث رسوؐل کے بیان پر پابندی لگا کر، اپنی پسندیدہ روایات گھڑوا کر اور مملکت میں پھیلا کر ایک نیا اسلام لوگوں میں رائج کردیا تھا۔جس کی رُو سے ایک غلط کار اور بنی ہاشم کا طرفدار رسوؐل مشہور کیا جاچکا تھا اور علیؑ کو حکومتوں کا باغی، اپنے اقتدار کا حریص اور قبیلہ پرور مشہور کیا جاچکا تھا۔قرآن کی مجبور کی ہوئی تفسیر ومفاہیم دُور دراز علاقوں تک رٹائے اور یاد کرائے جاچکے تھے۔جن میں علیؑ کا نہایت گھٹیا مقام دِلوں میں بٹھایا جاچکا تھا۔اتنا گھٹیا کہ جب اُن پر لعنت شروع کرائی گئی اور لعنت نہ کرنے والوں کی نماز وعبادت کے قبول نہ ہونے کا فتویٰ دیا گیا تو مسلمانوں میں کوئی ہیجان نہ برپا ہوا نہ مخالفت کی گئی۔عوام تو عوام تھے خود مکہ ومدینہ کے مسلمانوں نے کوئی آواز بلند نہ کی۔سوچئے جس کا ذکر اور جس کی طرف دیکھنا بقول ابوبکر بھی عبادت رہتا چلا آیا ہو اُس پر لعنت کرنا ایک سو سال تک عبادت مانا گیا؟ ہر مسجد ومحراب ومنبر سے لعنت کی جاتی رہی اور جب عمر بن عبدالعزیز نے قریش کی اس عبادت کو ممنوع قرار دیا تو جلوس نکلے، احتجاج ہوئے اور آخر خلیفہ کو موت کی آغوش میں سلا دیا گیا۔یہ تھا وہ ماحول جس میں علیؑ کے خلاف افواج جمع ہو رہی تھیں لوگوں کو اُن

کے مقابلہ میں لانے کے لئے دولت پانی کی طرح سے بہائی جارہی تھی۔ اسلام کی یعنی قریش کے ساختہ پرداختہ اسلام کی عزت کو خطرہ میں بتایا جارہا تھا۔ ایسے عالم میں حضرت علی علیہ السلام نہ اپنی مدد کی اپیل کرتے ہیں، نہ کسی کو رشوت دیتے ہیں۔ نہ اُن کے پاس مال و دولت ہے نہ اُن کے طرفداروں کے پاس دولت وسامان ہے۔ خود پھٹے پرانے کپڑے، اور پھینک دینے سے بدتر جوتے پہنے ہوئے ہیں اور اپنی دعوت میں یہ چند باتیں فرماتے ہیں اُن کو غور سے پڑھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔

پہلی بات: شیطان نے اُمت میں پھوٹ ڈالی ہے۔

دوسری بات: پہلی اُمتوں کی طرح اس امت میں بھی فرقہ واریت پیدا ہو کر رہے گی۔

تیسری بات: اِس اُمت میں تہتر (73) فرقے ہو جائیں گے جن میں سے بہتر (72) فرقے حق کے مخالف ہوں گے۔

چوتھی بات: میرا ساتھ دینے والا فرقہ حق پرست ہوگا اور میرا مخالف فرقہ بدترین فرقہ ہوگا۔

پانچویں بات: اپنے دین کو لازم پکڑو، نبیؑ کے طریقہ کار اور سنت پر عمل کرو، یعنی مجھ سے وابستہ رہنا اور میرے قدم بقدم چلنا ہی دین اور سنت ہیں۔

چھٹی بات: ہر کام، ہر فیصلہ اور ہر بات قرآن کے ماتحت رکھو۔ یعنی قرآن میں علیؑ کے خلاف کوئی بات ہے ہی نہیں۔ اور اُن کے مخالفوں کو قرآن سے کوئی سند نہیں ملتی وہ سب قرآن کے مخالف ہیں۔

ساتویں بات: علیؑ کے مخالفوں کی وہی حالت ہے جو عہدِ رسوؐل کے لوگوں کی حالت تھی اور اُنکے ساتھ وہی سلوک لازم ہے جو رسوؐل نے کیا تھا۔

آٹھویں بات: وہ لوگ اُس وقت موجود تھے جن کے خلاف اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا۔ (دیکھو آیت یٰسٓ 36/7) اور قرآن کریم کی رُو سے وہ سب عذابِ خداوندی کے مستحق تھے۔

نویں بات: تم لوگ اللہ کی مدد کرو تا کہ اللہ تمہاری مدد کرے یعنی علیؑ کے ساتھ مل کر جنگ و جہاد کرنا اُسی طرح نصرتِ خداوندی ہے جس طرح رسوؐل کے انصار کو انصار اللہ فرمایا گیا ہے۔

دسویں بات: علیؑ کے مخالفوں سے جنگ کرنا ویسا ہی تھا جیسا اللہ و رسوؐل کے مخالفوں سے جنگ کرنا تھا۔

(3) علیؑ کی دس باتوں کا ہر ہر لفظ قرآن سے ماخوذ اور تاریخ کا آئینہ دار ہے

اگر اِن دس باتوں کو قرآن وسنت اور تاریخ کے سامنے رکھا جائے تو ان کا ہر ہر لفظ وہاں سے تصدیق شدہ ملے گا۔ چنانچہ وہ شیطان جس نے عہدِ رسوؐل ہی میں اُمت میں پھوٹ ڈالی تھی اس کا ذکر اُس کے یارِ غار کی زبان سے قرآن میں موجود ہے۔ جس نے قیامت میں اُس شیطان کو اپنا دوست کہہ کر پیش کیا ہے، اُس کی دوستی پر نادم ہوا ہے، اور بتایا ہے کہ اس انسان نما شیطان نے اُس سے رسوؐل کا طریقۂ حیات چھڑوا کر رسوؐل کا مخالف طریقہ جاری کرایا تھا (فرقان 29 تا 25/27)۔ اور ہم تفصیل تیسرے خطبے کی تشریحات میں لکھ چکے ہیں۔

پھر اس اُمت میں تہتر فرقے ظہور میں آنا تاریخ میں مُسلّم ہے۔ یہ مودودی کے قلم سے بھی دکھایا جا چکا ہے اور تاریخ وحدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں کہ حق علیؑ کے ساتھ تھا۔ اور تمام ہی مخالف لیڈر علیؑ کے خلاف اُٹھنے یا بیٹھے رہنے پر نادم اور توبہ کرتے رہے۔ عائشہ کا رونا اور رو رو کر دوپٹہ بھگو دینا چھپانے والی بات نہیں ہے۔ پھر اُن سب نادم ہونے اور رونے والوں کے لئے عذابِ جہنم کا فیصلہ صادر ہو چکنا (یٰسٓین 36/7) سامنے لایا جا چکا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے والوں یا اُن کی نصرت سے دستکش رہنے والوں کے طرفدار تمام فرقے باطل

پرست ہیں اور ہونا چاہئیں اس لئے کہ حضورؐ سے جنگ درایت ہے اور توبہ ومعافی کی باتیں روایت اور وہ بھی خودساختہ روایت ہیں۔ اور توبہ قبول ہوئی یا نہیں یہ تحقیق شدہ بات نہیں لہٰذا قرآن کے صادر کردہ فیصلے (36/7) کی رُو سے وہ سب جہنمی ہیں۔ تاکہ دائمی رونا اور ندامت جاری رہے۔ یہ بھی آنکھوں دیکھی حقیقت ہے کہ علیؑ کے مخالف تمام فرقوں کے تمام احکام ومسائل قرآن سے نہیں اجتہاد اور ذاتی رائے وقیاس سے ماخوذ ہیں۔ ایرانی، یونانی اور رومی حکومتوں کے دَسَاتیر وقوانین سے ماخوذ ہیں، لوگوں کے رسم ورواج اور وقتی ضرورتوں اور حکومتوں کی ذاتی وقومی مصلحتوں کا بنڈل ہیں لہٰذا باطل وشیطانی خُطُوَات ہیں۔ (تفصیلات کیلئے بیان الامامۃ تشریح خطبہ نمبر 3)

(4) عہدِ مرتضویؑ 35 تا 40 ہجری میں قریش کی وہی حالت تھی جو بعثت آنحضرتؐ کے وقت تھی؟

حضرت علی علیہ السلام کی مذکورہ بالا دس (10) باتوں میں سے یہ بات بہت اہم ہے، اور قریش کے متعلق حضرت علیؑ نے یہ بات بار بار فرمائی ہے کہ:

''اس کام کی اصلاح اُسی طرح ممکن ہے جس طرح ابتدا میں دین کی اصلاح کی گئی تھی۔'' (طبری حصہ 3 صفحہ 66)

آپؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''جس طرح ابتدا میں تمہاری اصلاح کی گئی تھی۔'' اس لئے کہ ایسا کہنے سے اصلاح، انفرادی اور اجتماعی، اور اخلاقی اصلاح ومذہبی اصلاح، معاشرتی اصلاح اور سیاسی اصلاح کی بےشمار اصلاحات میں گم ہو کر رہ جاتی۔ آپ اپنی بات کو واضح اور جامع کرنے کے لئے آپ نے قریش کے دین کی اصلاح فرمایا ہے۔ جس میں اصلاح کی تمام صورتیں اور تمام اقسام خود بخود داخل ہو جاتی ہیں۔ اور بات سو فیصد حقیقتِ واقعی بن جاتی ہے۔ حضورؐ کی یہی بات تو ہے جس کی بِنا پر ہم نے ثابت کیا ہے کہ ''قریش بگڑے ہوئے مسلمان تھے۔'' اور یہ بات ہم نے قرآن کی آیات اور مودودی کی تشریحات سے ثابت کی ہے۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش اور اہلِ عرب کے آبا واجداد اور مجتہدین نے دین ابراہیمؑ یعنی اُس قدیم زمانہ کی اسلامی قسط میں صدیوں تک مجتہدانہ موشگافیاں کر کے اُسے قوم کی ہر زمانہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں پر ڈھال لیا تھا۔ اور سب سے بڑی خرابی یہ پیدا کی تھی کہ اپنے لیڈروں کو اسلامی اقتدار وحکومت میں بلا کسی الہامی دلیل کے شریک کر رکھا تھا۔ رفتہ رفتہ عورتوں کو بھی بلا قید وبند مشترک کر لیا تھا۔ یہ دو سبب تھے کہ قریش کو مشرک قرار دیا گیا۔ اور چونکہ وہ تعلیمات انبیاؑ کو طرح طرح کی تاویلات وتفہیمات سے چھپا دیتے تھے اور اصل تعلیم کا ہر پہلو دب کر اور چھپ کر رہ جاتا تھا۔ اس لئے انہیں حق پوشی کرنے والا یعنی کافر فرمایا گیا۔ اور چونکہ اپنی رائے اور اجتہادی مسائل سے حقیقی احکام کی آزادانہ خلاف ورزیاں کرتے تھے اس لئے انہیں فاسق وفاجر کہا گیا۔

قرآن کے واضح بیانات کی رُو سے وہ اللہ کو مع اُس کی عظیم الشان صفات کے مانتے تھے۔ اُن کے یہاں رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے بھی کہیں پہلے لوگوں کے نام ''عبداللہ'' ہوتے تھے وہ اللہ کو اس کائنات کی ہر چیز کا خالق ومالک مانتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے لیڈروں، مجسموں، دیوتاؤں کا بھی خالق ومالک مانتے تھے۔ وہ ہرگز اپنے لیڈروں، مجسموں اور دیوتاؤں وغیرہ میں کوئی مافوق البشر طاقت وقدرت نہ مانتے تھے۔ صرف یہ کہتے تھے کہ وہ مقبول بارگاہِ خداوندی اللہ کے بندے تھے اس لئے وہ انہیں قربتِ خداوندی دلانے کا مقام دیتے تھے۔ نظام کائنات یا انتظام کائنات میں اُن کا کوئی دخل نہ مانتے تھے۔ بس یہ سمجھ لیں کہ وہ ایسے ہی مسلمان تھے جیسے ترقی کر کے یہ قریشی مسلمان، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی بن گئے ہیں۔ اور باقی جو شور قریشی مسلمانوں نے اُن قریش کے لئے مچایا جو بعثتِ رسوؐل کے وقت تھے وہ محض بکواس اور تہمتیں ہیں تاکہ وہ خود کو پہلے قریش سے الگ دکھائیں اُس پالیسی کو بھی ہم نے وضاحت سے بیان کر دیا ہے اور دکھا دیا ہے کہ ظاہری اسلام کا اعلان کرنے والے قریش بھی وہی عقائد رکھتے تھے جو بعثت سے پہلے یا بعثت کے وقت والے قریش رکھتے تھے۔ اُن کو ایمان لے آنے اور نماز روزہ حج وزکاۃ وجہاد کے بعد بھی یَآاَیُّھَا

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کہہ کر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا رہا ہے (نساء 4/136) اُن کو کفر کے زمانہ والے کاموں اور باتوں سے روکا جاتا رہا۔ انہیں رسوؐل کو بہکانے کا الزام دیا گیا۔ اُن کے دِلوں کے اندر ایمان کی نفی کی گئی۔ انہیں قرآن کی تحریف کرنے، اُسے مہجور کر کے اس کی تکذیب کرنے اور رسوؐل کو بھی اپنے خود ساختہ اسلام کی تعلیم دینے کا مجرم بتایا گیا۔

الغرض انہوں نے اسلام اور قرآن کو تبدیل کر کے اس سے اپنے سابقہ اسلام کی تائید کرالی تھی۔ اپنا پہلا دین نہیں بدلا تھا بلکہ اسلام و قرآن کو بدل لیا تھا۔ اور یہ بدلنا قرآن سے ثابت ہے۔ بہرحال اِن مسلمانوں پر دفاع کے لئے فوج کشی اور جنگ و جہاد اسی طرح جائز تھا جس طرح عہدِ رسوؐل والے مسلمانوں پر فوج کشی اور جنگ و جہاد واجب تھا۔ البتہ حقیقی تعلیمات اسلام میں نہ اُن کا مال لوٹنا جائز تھا نہ اِن کا۔ اور حضرت علی علیہ السلام کا اپنا عملدرآمد عہدِ رسوؐل کے جہادوں میں بھی یہی تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی فوج کو کبھی مالِ غنیمت لوٹنے کی اجازت نہیں دی حالانکہ مخالفین آبادیوں کو بھی لوٹنا جائز رکھتے تھے۔ اُن کی فوجیں مسلمانوں کے جن علاقوں اور آبادیوں سے گزرتی تھیں گھر گھر جا کر عورتوں اور بچوں کو لوٹتی تھیں مزاحمت کرنے والے مسلمانوں کو قتل کرتی تھیں۔ وہ اپنے مخالف سے، اور اپنے مخالف کے طرفداروں سے، اور اپنے مخالف کے پُر امن باشندوں سے بالکل وہی سلوک کرتے تھے جو عہدِ رسوؐل سے پہلے وہ بدوی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ یعنی اُن پر اللہ کے احکام وہدایات کا رسوؐل اللہ کے کریمانہ عمل وسلوک کا اور بیس سال سے مسلمان اور مومن کہلانے اور روزہ نماز بجالانے کا ذرہ برابر اثر نہ ہوا تھا۔

(5) بیس سال برابر تعلیماتِ خداوندی ملتے رہنے اور اسلام پر بظاہر کاربند رہنے کے بعد قریشی مومنین کی حالت

قرآن کریم کے الفاظ میں سنیئے اور دیکھئے کہ وہ تو خود رسوؐل اللہ کو بھی قرآنی تعلیمات میں ردّوبدل پر آمادہ کرنے کی ترکیبیں کرتے رہتے تھے۔ ارشاد ہے کہ:

وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَ ہُمۡ وَ احۡذَرۡہُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡکَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّصِیۡبَہُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِہِمۡ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ۝ اَفَحُکۡمَ الۡجَاہِلِیَّۃِ یَبۡغُوۡنَ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۝ (مائدہ 5/49-50)

''اے محمدؐ تم تو اللہ کے نازل کئے ہوئے سے اُن کے درمیان احکام جاری کرتے رہو اور اُن کی اپنی یا قومی مصلحتوں کی قطعاً پیروی نہ کرو اور اُن سے چوکنا اور بچ کر رہو تا کہ وہ اپنی مجتہدانہ ترکیبوں سے تمہیں اللہ کے نازل کئے ہوئے میں سے کچھ احکام سے اِدھر اُدھر نہ کردیں اور اگر وہ اپنی ولایت پر جمے رہیں تو یہ جان لو کہ اللہ کا ارادہ اس کے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں کہ اُنہیں اُن کے اب تک کئے ہوئے متعلقات کا مقررہ نتیجہ پہنچا کر رہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کی کثرت قوانین کی پابند نہیں ہے۔ کیا یہ قریشی مومنین ایامِ جاہلیت والے احکام و حکومت چاہتے ہیں؟ اور صاحبِ یقین قوم کے لئے بھلا اللہ سے بہتر حاکم اور حکومت، کون اور کس کی ہوسکتی ہے؟ (5/49-50)

(6) اِن آیات کی تشریح پہلے مودودی سے سُن لیں تو بات ہوگی

اِن آیات کی تشریح پہلے علامہ مودودی سے سن لیں پھر ہم اِن آیات کا اپنے عنوان سے تعلق دکھائیں گے۔ اور علامہ کی یا ہماری باتیں سنتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مندرجہ بالا آیات (5/49-50) بعثتِ رسوؐل کے بیس سال بعد تلاوت کی گئی تھیں یعنی بقول قریش 7ھ میں نازل ہوئی تھیں۔ یعنی بیس سال میں بھی قریش نے اپنا مذہب نہ بدلا تھا۔

مودودی کی تشریح ''83۔جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے۔اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیوں کہ اُس کی طرف خدا نے راہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔اوراس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔عرب کے زمانۂ قبل اسلام کو جاہلیت کا دَور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس وگمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لئے زندگی کے طریقے مقرر کر لئے تھے۔ یہ طرزِ عمل جہاں جس دَور میں بھی انسان اختیار کریں اُسے بہر حال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ بھی پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی راہنمائی کے لئے کافی نہیں ہے۔لہٰذا خدا کے دیئے ہوئے علم سے بے نیاز ہوکر جو نظامِ زندگی اس جزوی علم کے ساتھ ظنون واوہام اور قیاسات وخواہشات کی آمیزش کر کے بنا لئے گئے ہیں وہ بھی اُسی طرح ''جاہلیت'' کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے ہیں۔''

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 479-480)

(7) مودودی نے اس تشریح میں اپنے ہم مذہب قریش کو بچا کر جاہلیت کی تعریف لکھی ہے؟

ہم نے سابقہ صفحات میں یہ بتایا ہے کہ اسلام کا لیبل لگا لینے والے قریش اور اسلام سے پہلے والے قریش کے اعمال وعقائد میں سرِمُو کوئی فرق نہ تھا۔لیکن مسلمانی کے بعد قریش نے پہلے قریش سے خود کو اچھے اور مختلف دکھانے کے لئے اُن پر قرآن اور واقعات کے خلاف تہمتیں لگائیں اُن کے ذمے گھناؤنے اعمال وعقائد چپکائے ہیں۔اوراس تشریح میں یہ تہمت تراشی کا پہلو موجود ہے مگر ہمارے بیان کئے بغیر عام قاری اُسے سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔اور ہم اُن کی اور اُن کے بزرگ قریش کی چالاکیاں سمجھاتے چلنا واجب سمجھتے ہیں۔خواہ اپنے عنوان سے دُور ہی کیوں نہ نکل جائیں۔آپ نے تیسرے خطبے کی تشریح میں خلیفہ دوم کی شریعت سازی اور شریعت سازی کے اصول میں قیاس ورائے اور اجتہاد کا مقام دیکھا تھا اور ان تینوں کا موجد علامہ شبلی نے عمر کو بتایا تھا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ جس شخص نے اسلام میں اپنے قیاس ورائے سے دین کے نام پر احکام گھڑے اور ایک قومی شریعت اسلام کے نام پر جاری کی وہ عمر بن الخطاب تھا۔(الفاروق حصہ 2 صفحہ 114)

سنتے چلیں ''آئمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں۔اور اُن کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔لیکن قیاس کی بنیاد اول جس نے ڈالی وہ حضرت فاروق ہیں۔''(ایضاً صفحہ 114)

قیاس کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟؟ اس سے پہلے قیاس کی ضرورت یہ لکھی ہے کہ:

> ''فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں۔اس لئے ضرورت ہے کہ اُن جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے اسی ضرورت سے آئمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ......(اوپر لکھا جا چکا ہے)''(ایضاً صفحہ 114)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے چاروں فرقوں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کا اسلام اور اُن کے اسلام کے تمام احکام ومسائل کا بڑا ماخذ اور بڑا ذخیرہ قرآن و احادیث پر نہیں بلکہ اُن کے قیاس پر منحصر ہے۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد دو باتیں اور نوٹ کر لیں۔

(7۔الف) قرآن انسانوں کی تمام ضروریات اور کائنات کی ہر ہر چیز کی تفصیل کا دعویٰ کرتا ہے اور احادیث کو غائب کیا گیا تھا

اول یہ کہ احادیث کا بلیک آوٹ عمر ہی نے کرایا تھا اور لاکھوں احادیث اُن کے حکم اور پالیسی کے ماتحت دُنیا سے غائب کر دی گئیں۔ سنئے کہ:

1 ''خلیفہ اول حضرت ابوبکر نے روایت کی یک قلم ممانعت کر دی اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ تم جب آج اختلافات کرتے ہو تو آئندہ نسلیں اور بھی اختلافات کریں گی لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہ کرو۔'' (مقام حدیث حصہ اول صفحہ 103) اور (تذکرۃ الحفاظ ذہبی)

2 ''حضرت عمر اس اَمر میں صحابہ کبار کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابودرداء، اور ابوذر رضی اللہ عنہم کو ڈانٹا کہ تم یہ کیا روایتیں رسوؐل سے بیان کرتے ہو؟ پھر اُن کو مدینہ میں نظر بند رکھا۔ اور جب تک زندہ رہے کہیں جانے کی اجازت نہیں دی۔''

3 ''فاروق اعظم روایت کے معاملے میں اس قدر سخت تھے کہ اُبی بن کعب کو جب حدیثیں سناتے دیکھا تو دُرّہ لے کر اُن کو مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک بار ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھا کہ کیا تم اسی طرح حضرت عمر کے زمانے میں بھی حدیثیں بیان کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اُن کے زمانے میں بیان کرتا تو مجھے پیٹ ڈالتے۔'' (مقام حدیث ایضاً صفحہ 104 تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول صفحہ 7)

یعنی قریشی حکومت قائم ہوتے ہی صحابہ کے منہ بند کر دیئے گئے اور حدیث رسوؐل کا بیان قانوناً و جبراً ممنوع ہو گیا۔ اس کے بعد لاکھوں احادیث کا کتابوں میں نہ لکھا جانا محدثین کے بیانات سے ثابت ہے۔ صرف محمد اسماعیل بخاری اپنے پاس موجود ہوتے ہوئے چھ لاکھ چورانوے ہزار احادیث نہ لکھ سکے۔ یعنی ابوبکر و عمر و عثمان کے زمانے میں لاکھوں احادیث موجود تھیں لیکن اُنہوں نے رسوؐل کے فرمانات کو اس قابل نہ سمجھا کہ اُن سے اُن کی مطلوبہ شریعت یا پسندیدہ اسلام تیار ہو سکتا۔ لہٰذا احادیث جب اختیار ہی نہ کی گئیں تو اُن میں جزئیات موجود نہ ہونے کا بہانہ کُھلا کُھلا کِذب و فریب ہے۔

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ قرآن نے فرمایا ہے کہ:

(1) مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝ (یوسف 12/111)

مودودی ترجمہ: ''یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں اُن ہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایمان لانے والوں (قوم۔ احسؔن) کے لئے ہدایت و رحمت۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)

(2) وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۝ (نحل 16/89)

مودودی ترجمہ: ''ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 564)

اِن دونوں آیات میں واضح ہو گیا کہ حقیقی مومنین اور مسلمانوں کے لئے یہ قرآن نہ صرف رحمت اور ہدایت اور مسرتوں و بشارتوں کا مکمل ذخیرہ ہے بلکہ یہ اُن کے لئے تمام ضرورتوں کی اور ہر چیز کی تفصیلات واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ لہٰذا اگر قریش کو اِس قرآن میں واقعی تمام تفصیلات اور ضروری جزئیات نہیں ملتیں تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ حقیقی مسلم ہیں اور نہ ہی حقیقی مومن ہیں۔ اور اگر وہ جان بوجھ کر قرآن میں ہر چیز کی تفصیلات کا انکار کرتے ہیں تو وہ نہ صرف فریب کار و کاذب ہیں بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ وہ اسلام کو اپنے قیاسات و اجتہادات سے اپنے سابقہ مذہب میں تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا جس طرح بعثت سے قبل کے قریش نے اپنے قیاسات سے دین ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو بگاڑ کر اپنا طریق زندگی بنایا تھا اُسی طرح اسلام کا لیبل لگانے والے قریش نے بھی اسلام کو اپنے قیاسات سے بدل کر اپنا طریقِ زندگی ایام کے مطابق بنا لیا تھا۔ لہٰذا طریق زندگی تو قدیم و

جدید قریش کا جاہلیت ہی پر منحصر تھا لیکن اسلامی لیبل والے قریش پہلے قریش کے مقابلے میں زیادہ قابلِ ملامت تھے۔اس لئے کہ پہلے والے قریش کے پاس کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو قرآن کی طرح ہر چیز کی تفصیل اپنے اندر رکھتی ہو۔اس لئے وہ اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے قیاس واجتہاد کرنے میں اُتنے مجرم نہ تھے جتنے ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی مجرم تھی جنہوں نے سابقہ قریش کے قیاسی واجتہادی مذہب کو بحال اور محفوظ رکھنے کے لئے اپنے قیاسات واجتہادات سے قرآن میں معنوی تبدیلیاں کر کے اُسے مہجور کیا (فرقان 25/30) اور قرآن کے مطالب اور مفاہیم کا رُخ اور معنی بدل کر اُس کے حقائق کی تکذیب کرتے چلے گئے۔(انعام 6/66)

(8) قرآن (مائدہ 49-5/50) قریشی مومنین کو بیسویں سال بھی ایامِ جاہلیت کے احکام کا طالب و پابند کہتا رہا

قریش کی اسی حالت کو اللہ نے سورۂ مائدہ (50-5/49) میں ذرا سی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے (دیکھو ترجمہ قرآن عنوان نمبر 5)

جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ:

1 ''قریشی راہنما یا لیڈر یہ چاہتے تھے کہ وہ قومی مصلحتوں اور اپنی ضرورتوں اور اجتہادات کی پابندی آنحضرؐت سے کرائیں۔ یہی سبب ہے کہ اللہ نے آنحضرؐت کو اُن کے قیاسات اور اجتہادات کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

2 ساتھ ہی ساتھ آنحضرؐت کو قریشی لیڈروں اور ماہرینِ مذہبیات کی دُوررس پالیسی اور فتنہ خیز چالوں سے خبردار و ہوشیار رہنے کی تاکید کر دی تاکہ وہ حضورؐ کو وحی میں نازل شدہ مطالب اور حقائق سے اِدھر اُدھر نہ ہٹالے جائیں۔یعنی قریش اپنے سابقہ یا اصلاح شدہ دین میں ایسی زبردست بصیرت رکھتے تھے کہ اگر اللہ اُن کی پیروی کی ممانعت اور اُن سے ہوشیار رہنے کی تاکید نہ کرے تو وحی کے معنی بدلوانے کا احتمال تھا۔

3 قریش کا یہ راز بھی فاش کر دیا گیا کہ اُنہوں نے اللہ کے احکام اور منشا کے خلاف بہت سے ایسے متعلقات (ذُنُوب) تیار کر لئے ہیں جو ایک قومی ولایت اور حکومت بنانے کے لئے ضروری ہوتے ہیں اسی لئے فرمایا کہ اگر وہ وحی کے احکام کے خلاف اپنی ولایت کی پیروی جاری رکھیں تو یہ سمجھ کر اپنا کام کرتے رہو کہ اللہ اُنہیں اُن کے متعلقات (ذنوب) کی بنا پر ذنوب کا کچھ نتیجہ ضرور دے کر رہے گا۔

4 اور قریش کی یہ ساری تگ ودَو ایامِ جاہلیت والے احکام وقوانین اور حکومت قائم کرنے کے لئے ہو رہی تھی۔اور اگر قریش سچ مچ اسلام پر یقین رکھتے ہوتے تو اللہ کے احکام سے اور حکومتِ الٰہیہ سے بہتر نہ کسی کا حکم سمجھتے اور نہ ہی اُس سے بہتر حکومت کا خیال کرتے۔اور آخری حقیقت یہ کہ:

5 انسانوں کی کثرت ہمیشہ قانون شکن رہتی چلی آئی ہے۔

(9) اللہ نے قریش کو بار بار زمانہ جاہلیت کے مذہب کے مطابق اسلام کی تعبیر کرنے والا قرار دیا ہے

قارئین پھر نوٹ کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال سے ایک سال پہلے (9 ہجری) تک مسلمانوں میں قریش وہ گروہ تھا جو قرآن کی رُو سے برابر خود غرض، دُنیا طلب اور رسوؐل کو قتل کرنے یا قتل کرانے پر کاربند رہتا چلا گیا۔چنانچہ آپ سورۂ آلِ عمران کی آیات 152 تا 159 مسلسل پڑھیں اور دیکھیں کہ اُن آیات میں قریش کے متعلق یہ فیصلے کر دیئے گئے تھے کہ:

1 حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا اَرٰکُمْ مَّا تُحِبُّوْن......

''وہ وقت آ گیا جب تم نے بودا پن دکھایا۔دین میں تم نے تنازعہ کھڑا کر دیا۔اور جب تمہاری محبوب چیز لوٹ کا مال نظر آیا تو تم نے اللہ ورسوؐل

کی نافرمانی کی۔''

2 مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃ

''تم میں وہ بھی تھے جو دنیا کے حصول کے ارادے سے اسلام لائے اور وہ بھی جو آخرۃ کے ارادے سے مسلمانوں میں داخل ہوئے۔''

3 ''وہ وقت بھی آیا جب تم میدان جنگ سے بھاگ کر پہاڑ پر جا چڑھے اور رسولؐ کو تیغ بکف دُشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ گئے تھے۔ وُہ تمہیں مدد کے لئے پکارتا رہ گیا اور تم نے اُس کی پرواہ تک نہ کی۔''

4 قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِیَّةِ یَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ؟

''تم نے یقیناً اپنے ہی مفاد کو ساری اہمیت دے رکھی تھی۔ اور تم سراسر حق کے اور اللہ کے خلاف زمانہ قبل بعثت (جاہلیت) کے ظن وقیاسات لگا رہے تھے۔'' اور حکومت واقتدار میں اپنا حصہ نہ ہونے پر چہ میگوئیاں پھیلا رہے تھے۔''

5 یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا؟

''حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے دِلوں میں جو منصوبہ چھپائے ہوئے ہیں وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے ہیں۔ اُس پوشیدہ منصوبے کا اَتا پتا یہ کہہ کے دیتے ہیں کہ اگر حکومت واقتدار میں ہمارا حصہ مان لیا ہوتا تو ہماری قوم یہاں پر یُوں بے کار قتل نہ ہوئی ہوتی۔''

6 اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا۔

''یقیناً دُشمن سے مڈبھیڑ کے دن جن لوگوں نے اپنی قومی ولایت کی کوشش کی تھی اُس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اُنہیں اُن کی بعض خدمات کی بنا پر شیطان نے ڈگمگا دیا تھا۔''

7 یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا (آل عمران 159 تا 3/152)

''اَے مومنین تم کافرلوگوں کی طرح کے کام نہ کرو۔''

یہ تھی قریشی مسلمانوں کی حالت بائیس سال کی تبلیغ کے بعد اس لئے کہ بقول قریش سورہ آل عمران 9ھ ہجری میں نازل ہوئی تھی۔

(10) وَلِیّ؛ اَوۡلِیَآء؛ وَالِیۡ؛ مَوۡلٰی؛ تَوَلّٰی؛ تَوَلَّوۡا اور وَلُّوۡا کے معنی حاکم، بخاری سے

ہم نے واوَ، لام اور ی سے بننے والے تمام الفاظ کے معنی حاکم وحکومت کئے ہیں کہیں بھی مصدری معنی سے منہ نہیں پھرایا ہے۔ اور یہ معنی ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ سنئے:

حدثنا عثمان بن الهیثم قال حدثنا عوف عن الحسن عن ابی بکرة قال لَقَدۡ نَفَعَنِیَ اللّٰهُ بِکَلِمَةٍ اَیَّامَ الۡجَمَلِ لَمَّا بَلَغَ النَّبی صلی اللّٰه علیه و سلم اَنَّ فَارِسَ مَلَّکُوۡا ابۡنَةَ کِسۡرٰی قَالَ لَنۡ یُّفۡلِحَ قَوۡمٌ وَلَّوۡا اَمۡرَهُمۡ اِمۡرَاَةً۔ (بخاری کتاب الفتن)

''ابی بکرۃ کہتے تھے کہ جنگ جمل کے سلسلے میں اللہ نے مجھے تو صرف ایک بات سے نفع عطا کیا اور وہ یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی کہ اہل ایران نے کسریٰ کی بیٹی کو ملکہ بنالیا ہے تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جو اپنا ولی عورت کو بنائے۔''

(بخاری کتاب الفتن جلد 2 صفحہ 1052 مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

(11) عائشہ نے ساری عمر، اور عہدِ رسولؐ میں بھی رسولؐ کے خلاف اور قریش کی طرفداری میں محاذ بنائے رکھا تھا

عائشہ علیؑ ومحمدؐ دونوں کی دشمن تھی۔ جس طرح قرآن سے قریش کا اپنے سابقہ دین پر رسولؐ کی آخری عمر تک رہنا ثابت ہوگیا اُسی طرح قریشی عورتوں اور مردوں کی سردار عورت کا یعنی زوجہ رسولؐ، عائشہ کا ایام جاہلیت کی ذیل میں تذکرہ موجود ہے۔ جس نے آخر علیؑ کے مقابلے میں فوج کشی اور اُن سے خلافت چھیننے کے لئے جنگ جمل لڑی تھی جس سے مندرجہ بالا روایت میں ابوبکرہ محفوظ رہنے کی خوشی مناتے ہیں۔ اس کا حال قرآن سے سُنیئے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاo وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ ...... (احزاب 33/32-33)

''اے نبیؐ کی بیویو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگاری اختیار کرنا چاہو تو تمہیں مردوں سے ایسی نرم اور رجھانے والی باتیں نہ کرنا چاہئیں کہ جن کے دِلوں میں مرض عشق ہو اُنہیں بڑھاوا ملے بلکہ ایسی بات کیا کرو جو عورتوں کے لئے سب کو موزوں اور پسندیدہ معلوم ہوں۔ ساتھ ہی تم اپنے گھروں میں ٹِک کر رہا کرو یعنی آوارہ گردی نہ کیا کرو اور زمانہ بعثت سے پہلے اوّلین دَور (جاہلیت) کی طرح اپنے حسن وجمال کی نمائش کرتی نہ پھرا کرو اور نماز قائم کرلیا کرو۔'' (احزاب 33/32-33)

قارئین نوٹ کریں یہی ازواج رسولؐ تھیں جنہوں نے حضرت علیؑ سے جنگ جمل لڑی تھی۔ اور زمانہ جاہلیت کا طریقہ اور مذہب نہ چھوڑا تھا۔

(12) عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ اور اُن کے تمام طرفدار عہدِ جاہلیت یا قبل بعثت کا مذہب رکھتے تھے

علامہ مودودی کی تحقیق وتحریر اور حقیقتِ واقعی کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کے تمام مخالف قرآن (مائدہ 5/49-50) کی رُو سے بھی ایام جاہلیت کا فیصلہ چاہتے تھے۔ سنئے:

''حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ، جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ وزبیرؓ، اور دوسری طرف سے حضرت معاویہؓ۔ اِن دونوں فریقوں کے مرتبہ ومقام وجلالتِ قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی (چاروں پر لعنت۔ احسن) یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دَور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اُٹھ کھڑا ہو اور جو طریقہ چاہے اُسے پورا کرانے کیلئے استعمال کرلے۔ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کیلئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔'' وغیرہ وغیرہ۔

(خلافت وملوکیت صفحہ 124)

(13) حضرت علیؑ کے تمام اقدامات قرآن کے ماتحت برحق اور سب سے زیادہ قابل اعتراض فیصلہ انتہائی صحیح تھا

تمام ناپسندیدہ گورنروں کو عموماً اور معاویہ کو خصوصاً معزول کرنا اُن کی انتہائی بصیرت کا ثبوت ہے۔ مودودی سے سُنئے:

''مؤرخین نے حضرت علیؓ کے حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے کا واقعہ کچھ ایسے انداز سے بیان کیا ہے۔ جس سے پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ تدبر سے بالکل ہی کورے تھے۔ مغیرہؓ بن شُعبہ نے اُن کو عقل کی بات بتائی تھی کہ معاویہؓ کو نہ چھیڑیں، مگر اُنہوں نے اپنی نادانی سے یہ رائے نہ مانی اور حضرت معاویہ کو خواہ مخواہ بھڑکا کر مصیبت مول لے لی۔ حالانکہ واقعات کا جو نقشہ خود اُن ہی مورخین کی لکھی ہوئی تاریخوں سے ہمارے سامنے آتا ہے اُسے دیکھ کر کوئی سیاسی بصیرت رکھنے والا آدمی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؑ اگر حضرتِ معاویہ کی

معزولی کا حکم صادر کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی اُن کے اس اقدام سے ابتدا ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک اُن کے موقف پر پردہ پڑا رہتا تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔''

(خلافت وملوکیت صفحہ 133-134)

نہم۔ علیؑ کے مخالف مسلمانوں سے جنگ وجہاد اُسی طرح واجب تھا، جس طرح رسوؐل کے مخالفوں سے

یہاں تک بار بار اور طرح طرح قرآن واحادیث وتواریخ سے یہ ثابت ہو چکا کہ وہ قریش جن کو مشرک کہا گیا ہے اور وہ قریش جو اسلام کا لیبل لگائے ہوئے تھے عہدِ مرتضوی تک ایک ہی مذہب رکھتے تھے سوائے اس کے کہ اب لیڈروں کے مجسمے اور اُن کا احترام واکرام موجود نہ تھا۔ البتہ اسلامی لیبل والے قریش نے برابر یہ کوشش کی ہے کہ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد وہ سابقہ قریش کی مذمت کرتے رہیں تاکہ اِنہیں مسلمان سمجھا جائے اور اُنہیں مشرک۔ حالانکہ دونوں میں ناموں تک کا فرق بھی نہ تھا۔ قدیم وجدید قریش کا حقیقی معنی میں ہم مذہب ہونا حضرت علی علیہ السلام کی مذکورہ دس باتوں میں بھی موجود ہے اور اُن سے جہاد وجنگ کا اعلان کرنا بھی اسی حقیقت کی دلیل ہے کہ قریش اسلام کا لیبل لگا لینے کے باوجود عہدِ رسوؐل والے قریش ہیں۔

(1) عائشہ، زبیر، طلحہ اور معاویہ نے قرآن کے خلاف عوام کو بہکایا کہ وہ علیؑ کی طرفداری میں مسلمانوں سے جنگ نہ کریں

جن حضرات کو اللہ نے مجسمۂ رحم وکرم بنایا ہو، جو جانوروں سے بھی بدسلوکی پسند نہ کرتے ہوں وہ انسانوں پر فوج کشی اور قتل وغارت کو کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟ جنہوں نے خون ریزی سے بچنے کے لئے اپنے انسانی اور قرآنی حقوق کو دشمنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اور قیامت تک دست برداری کا اعلان کر دیا، وہ اگر تلوار اُٹھائیں گے تو محض اس لئے کہ پُرامن اور نہتے لوگوں کا، معصوم بچوں کا اور راہ چلتے مسافروں کا، بے بس و بےکس عورتوں کا تحفظ کیا جائے۔ اُن کو لوٹ مار وقتل وغارت سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اور جو لوگ بے دریغ انسانی خون بہانے اور لوٹ مار وقتل و غارت کرنے کو اپنے مذہب اور اپنی قوم کی خدمت اور ثواب سمجھتے ہوں اُن کی راہ روکی جائے۔ اِن مقاصد کے حصول کے لئے حضرت علی علیہ السلام مجبور ہوئے کہ اُس تلوار کو اُٹھائیں جسے رکھے ہوئے چوتھائی صدی گزر چکی تھی۔ حضرتِ فاطمہؑ کے گھر میں آگ لگائی اُس تلوار کو نہ اُٹھایا۔ دخترِ رسوؐل پر دروازہ گرایا گیا وہ تڑپتی اور فریاد کرتی رہیں تلوار کو ہاتھ نہ لگایا۔ نسلی اور قرآنی وراثت لٹتی رہی جنگ کا ارادہ تک نہ کیا۔ ہر ظلم وزیادتی برداشت کرنا پسند کیا اور اپنی نبطی حکومت اور جان نثار فداکاروں کو قریش کے قتل عام کا حکم نہ دیا۔ نومسلم اور حقیقی مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقع دینے اور خونریزی کو روکنے کے لئے ابوسفیان کی افرادی نصرت کو قبول نہ کیا۔ اور حکم خداوندی اور مشیت ربانی کو مسلسل رکھنے کے لئے قریش کو اُن کا موقف آزمانے اور اتمام حجت کرنے کے لئے ایک پہلا اور طویل موقعہ دیا۔ اور ایسا رویہ اختیار کیا جس کی بنا پر انہیں دشمنان خدا اور رسوؐل کے طرفدار ویارِ غار قرار دیا گیا اور آج تک ابوبکر وعمر وعثمان کو اُن کا دوست کہا جاتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ قریشی حکومت، نظامِ صبرِ مرتضوی سے ٹکرا ٹکرا کر گری اور دم توڑ دیا، قریش نے مجبور ہو کر، مِنّت وسماجت اور اپیلیں کر کر کے خود حضرت علی مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو خلافت پیش کی، آپ نے قبول کی، صوبہ شام کے علاوہ پوری مملکت کی عظیم الشان کثرت نے بیعت کی، آپؑ کو اَمن عامہ بحال رکھنے اور نظمِ مملکت قائم کرنے کی ذمہ داری سونپ دی اور ہر تعاون ونصرت کا وعدہ کر لیا اور جب حضوؐر نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے لی اور اُنہیں بیعت کے ہنگامے میں قتل نہ کرا سکے تو بغاوت کے ذریعہ اُن سے حکومت چھین لینے کی سازش شروع کر دی جھوٹے الزامات لگانا شروع کئے۔ اور سب سے بڑا حربہ اپنے اور اپنے باغی ساتھیوں کے مسلمان اور مومن ہونے

کا استعمال کیا یعنی علیؑ کو قرآن کی رُو سے مسلمانوں پر تلوار اُٹھانے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ وہ حربہ تھا جو اُن کی ظاہری حالت پر عوام کی نظر میں فِٹ ہوتا تھا۔ اور عوام کو بھڑکانے اور حضرت علی علیہ السلام کی نصرت سے باز رکھنے کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ تمام اہلِ مدینہ نے عموماً اور عبداللہ بن عمر اور عمری و بکری کمپنی نے خصوصاً اعلان کر دیا تھا کہ وہ علیؑ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ اور اسی عدم تعاون کی وجہ سے حضرت علیؑ صحابہ کے اس گڑھ کو چھوڑ کر کوفہ چلے گئے اور وہاں مرکزِ خلافت قائم کیا تھا۔ اور آپ نے از اول تا آخر قریشی مسلمانوں کو قریشی مشرکین کی صف میں رکھا اور اُن پر عہدِ رسولؐ کی طرح جہاد کو جائز و واجب سمجھتے تھے اور برابر اعلان فرماتے رہے کہ:

''میں نے قرآن کو قریش پر نافذ کرنے کے لئے عہدِ رسولؐ میں اُس وقت تک جنگ کی جب تک اُن کی مخالفت جاری رہی اور اب میں قرآن کی تاویل و تفہیم کے لئے اُن سے جنگ کر رہا ہوں۔''

اور ہم نے سابقہ عنوانات میں قرآن کے بیانات اور علما کی تصدیقات سے ثابت کر دیا ہے کہ قریش اسلام لانے کے بعد بھی عہدِ جاہلیت کے اپنے قدیم مذہب پر برقرار تھے۔ اور اُن سے جنگ و جہاد واجب تھا۔

(2) علمائے اہلسنت اور مودودی حضرت علیؑ کی معیّت میں مخالفوں سے جنگ کو واجب قرار دیتے ہیں

چنانچہ ابوبکر و عمر و عثمان کو خلیفہ برحق ماننے والے علما اور خود مودودی صاحب بھی عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ سے جنگ کرنا واجب ماننے پر مجبور ہوئے ہیں۔ چنانچہ مودودی نے سورہ حجرات کی آیت (49/9) کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یعنی مسلمانوں کا یہ کام بھی نہیں ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے کو زیادتی کرنے دیں۔ اور جس پر زیادتی کی جارہی ہو اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں، یا اُلٹا زیادتی کرنے والے کا ساتھ دیں۔ بلکہ اُن کا فرض یہ ہے کہ اگر لڑنے والے فریقین میں صلح کرانے کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں، تو پھر یہ دیکھیں کہ حق پر کون ہے اور زیادتی کرنے والا کون۔ جو حق پر ہو اُس کا ساتھ دیں اور جو زیادتی کرنے والا ہو اُس سے لڑیں۔ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 76-77)

(3) علیؑ کی نصرت سے دستکش رہنے والے تمام صحابہ مخالفوں کی طرح باطل پرست تھے

اِس لڑائی کا چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس لئے یہ واجب ہے اور جہاد کے حکم میں ہے۔ اس کا شمار اُس فتنے میں نہیں ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

(4) علیؑ کی نصرت سے روکنے کے لئے اس جنگ کو فتنہ کہنے والے بھی باطل پرست اور خود فتنہ تھے

''اَلْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِيْ وَ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ'' (اُس میں کھڑا رہنے والا چلنے والے سے، اور بیٹھ جانے والا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہے۔'') کیوں کہ اُس فتنے سے مراد تو مسلمانوں کی وہ باہمی لڑائی ہے، جس میں فریقین عصبیت اور حمیتِ جاہلیت اور طلبِ دُنیا کے لئے لڑ رہے ہوں۔ اور دونوں میں سے کوئی بھی حق پر نہ ہو۔ رہی یہ لڑائی جو زیادتی کرنے والے گروہ کے مقابلے میں برسرِ حق گروہ کی حمایت کے لئے لڑی جائے تو یہ فتنے میں حصہ لینا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ تمام فقہا کا اِس کے وجوب پر اتفاق ہے۔ اور رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اس کے واجب ہونے پر کوئی اختلاف نہ تھا۔ (احکام القرآن للجصاص) بلکہ بعض فقہا تو اسے جہاد سے بھی افضل قرار دیتے ہیں اور اُن کا استدلال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا زمانۂ خلافت کفار

سے جہاد کرنے کے بجائے باغیوں سے لڑنے میں صرف کر دیا۔'' (روح المعانی)'' (مسلسل)

(5) عبداللہ بن عمر کا علیؑ کی نصرت سے دستکش رہنا دلیل نہیں بنتا وہ خود نادم رہتا ہوا مرا تھا

اس کے واجب نہ ہونے پر اگر کوئی شخص اس بات سے استدلال کرتا ہے کہ حضرت علیؑ کی ان لڑائیوں میں عبداللہ بن عمر اور بعض دوسرے صحابہ نے حصہ نہیں لیا تھا تو وہ غلطی پر ہے۔ابن عمر خود فرماتے ہیں کہ:

مَا وَجَدْتُّ فِیْ نَفْسِیْ مِنْ شَیْءٍ مَا وَجَدْتُّ مِنْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ اَنِی لَمْ اُقَاتِلُ هٰذِهِ الْفِئَةَ الْبَاغِیَةَ کَمَا اَمَرَنِی اللّٰهُ تعالٰی (المستدرک للحاکم، کتاب معرفة الصحابه باب الدفع عمن تعدد اعن بیعة علی) ''مجھے اپنے دل میں کسی بات پر اتنی زیادہ کھٹک محسوس نہیں ہوئی جتنی اس آیت کی وجہ سے ہوئی کہ میں نے اللہ کے حکم کے مطابق اس باغی گروہ سے جنگ نہ کی۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 77)

یہاں یہ بات نوٹ کر لیں کہ 1 عائشہ 2 زبیر 3 طلحہ 4 معاویہ اور عبداللہ بن عمر اور تمام مدنہ کرنے والے تمام صحابہ اللہ، رسولؐ، اسلام کے اور علیؑ کے باغی وجہنمی تھے۔

(6) حضرت علیؑ کے مخالفین اور تعاون نہ کرنے والوں کا مکرّر اللہ ورسولؐ کا باغی ہونا

علامہ مودودی اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں لکھتے ہیں کہ:

(1) ''آگے چل کر قاضی (ابوبکر ابن العربی) صاحب آیت **فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ اِلٰی أَمْرِ اللّٰهِ** (الحجرات 49/9) کی تفسیر پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت علیؓ نے ان حالات میں اسی آیت کے مطابق عمل کیا تھا۔اُنہوں نے اُن باغیوں کے خلاف جنگ کی جو امام پر اپنی رائے مسلّط کرنا چاہتے تھے اور ایسا مطالبہ کر رہے تھے جس کا انہیں حق نہ تھا۔اُن کے لئے صحیح طریقہ یہ تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی بات مان لیتے اور اپنا مطالبۂ قصاص عدالت میں پیش کر کے قاتلین پر مقدمہ ثابت کرتے۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 127) اور سُنیے:

(2) ''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے باغی گروہ کے خلاف تلوار سے جنگ کی اور اُن کے ساتھ وہ اکابر صحابہ اور اہل بدر تھے۔جن کا مرتبہ سب جانتے ہیں۔اس جنگ میں وہ حق پر تھے اور اس میں اس باغی گروہ کے سوا جو اُن سے برسرِ جنگ تھا اور کوئی بھی اُن (علیؑ۔احسنؑ) سے اختلاف نہ رکھتا تھا۔مزید برآں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے فرما دیا تھا کہ تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔یہ ایک ایسی خبر ہے جو تواتر کے ساتھ منقول ہوئی ہے اور عام طور پر صحیح مانی گئی ہے۔حتیٰ کہ خود حضرت معاویہؓ سے بھی جب عبداللہ بن عمرو بن العاص نے اسے بیان کیا تو وہ اس کا انکار نہ کر سکے۔البتہ اُنہوں نے اُس کی یہ تاویل کی کہ عمار کو تو اُس نے قتل کیا ہے جو اُن کو ہمارے نیزوں کے آگے لے آیا،اس حدیث کو اہل کوفہ، اہل بصرہ، اہل حجاز، اور اہل شام سب نے روایت کیا ہے۔'' (احکام القرآن جلد 3 صفحہ 492) (خلافت وملوکیت صفحہ 137)

معاویہ کی تاویل بھی اُسے اسلام ورسولؐ کا باغی ثابت کرتی ہے

مندرجہ بالا حدیث کی تاویل پر ہمیں تعجب اس لئے نہیں ہے کہ قریشی اسلام سر سے پیر تک ابلیس کی باطل اور غیر منطقی تاویلات کا ایک گھنونا مُرکّب ہے۔بہرحال اس تاویل کو کسی کٹر سُنّی عالم نے بھی صحیح نہیں سمجھا۔مودودی لکھتے ہیں:

''حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: ''حضرت عمار کو باغی گروہ میدان جنگ میں لائے گا۔''
بلکہ یہ فرمایا تھا کہ 'باغی گروہ اُن کو قتل کرے گا'' اور ظاہر ہے کہ اُن کو قتل حضرت معاویہؓ کے گروہ نے کیا تھا نہ کہ حضرت علیؑ کے گروہ نے۔''
(ایضاً خلافت وملوکیت صفحہ 139)

(7) علیؑ مجسمِ حق (اَلْحَق) تھے اُن کی حقانیت کا ثابت کرنا اللہ ورسولؐ کی ذمہ داری رہتی آئی ہے

ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام ہی نہیں بلکہ تمام آئمۂ معصومین علیہم السلام کے تمام اقدامات وحالاتِ زندگی اور پروگرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ بیان فرمادیئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ قریشی خلافتوں نے اپنی حکومتوں کے تحفظ کے لئے آنحضرتؐ کی اُن لاکھوں احادیث کو اپنے اپنے زمانۂ حکومت میں لکھنے نہ دیا اور چھ لاکھ چورانوے ہزار احادیث صرف محمد اسماعیل بخاری کے دماغی قبرستان میں دفن ہو کر رہ گئیں۔ اور اس سلسلے میں صرف اُن احادیث کو کتابوں میں لکھنے کی اجازت ملی جن سے کسی نہ کسی طرح اُن کی پالیسیوں کو سہارا ملتا تھا یا کسی ملعون کو لعنت سے بچانے کا وہم ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت عمارؓ یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تذکرہ جس میں جنگِ صفین کے متعلق یہ لکھا گیا کہ:

''اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے نصِ صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسر جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے۔ حضرت معاوؓیہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمارؓ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہؓ میں مشہور ومعروف تھا اور بہت سے صحابیوںؓ نے اس کو حضورؐ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ:

تَقْتُلُکَ الْفِئَةُ الْبَاغِیَةُ (تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا) مُسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند ابوداؤد طیالسی وغیرہ کتب حدیث میں ابوسعید خُدری، ابوقتادہ انصاری، ام سلمہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوہریرہ، عثمان بن عفان، حذیفہ، ابوایوب انصاری، ابورافع، خزیمہ بن ثابت، عمرو بن العاص، ابوالیُسر، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور متعدد دوسرے صحابہ سے اِس مضمون کی روایات منقول ہوئی ہیں، ابن سعد نے طبقات میں بھی یہ حدیث کئی سندوں سے نقل کی ہے۔ متعدد صحابہ اور تابعین نے جو حضرت علیؓ اور حضرتِ معاوؓیہ کی جنگ میں مذبذب تھے، حضرت عمار کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے ایک علامت قرار دے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون'' (خلافت وملوکیت صفحہ 136-137)

یہاں تک بار بار اور ہر ہر حیثیت سے جہاں حضرت علی مرتضٰی صلوٰۃ اللہ علیہ کا قریشی قسم کے باغی مسلمانوں سے جنگ کرنا برحق ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔ وہیں یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ عائشہ، زبیر، طلحہ، معاویہ اور اُن کے تمام زندہ ومردہ ساتھی، ہم خیال لوگ، اور وہ لوگ اور تمام صحابہ جو حضرت علی علیہ السلام کی نصرت سے دستکش رہے۔ اللہ، رسولؐ اور اسلام کے باغی، اسلام سے خارج اور جہنمی تھے۔ مگر مودودی اور تمام قریشی علماء و عوام برابر اُن دشمنانِ خدا ورسولؐ کو اللہ ورسولؐ اور قرآن کے خلاف مسلمان اور بزرگ صحابہ مانتے اور لکھتے ہیں، اُن کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہم کہتے اور لکھتے چلے آئے ہیں۔ اور اُن کی بلا قرآنی سند کے طرفداری کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا اُن سب کے مذہب کو باطل قرار دینا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اور اُن کی تحریروں، تقریروں اور قسموں کا اعتبار نہ کرنا اُن کی ہر بات کو فریب سمجھنا بھی ہر مومن پر فرض ہے۔ رہ گیا یہ کہنا اور لکھنا کہ اُن میں سے فلاں فلاں نے یا سب نے ندامت کا اظہار کیا یا یہ کہ توبہ کرتے اور روتے رہے۔ یہ اُن کی اپنی تحریریں ہیں جو اپنے بزرگوں کی طرفداری

میں لکھی گئی ہیں لہٰذا عدالت میں نا قابل قبول ہیں۔

دھم۔ قریشی علما کا یہ فریب کہ زمانۂ مرتضویؑ تک مسلمانوں کی مسلمانوں سے کوئی جنگ نہ ہوئی تھی

اس عنوان میں علامہ مودودی کا ایک بیان سامنے آتا ہے۔جس میں وہ حضرت علی علیہ السلام کو بطورِ معیار اور تمام علما کا راہنما بنا کر پیش کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ایک عظیم الشان حقیقت پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور اپنے ملعون راہنماؤں کی اسلام سوز داستانِ حکومت کو بھی ڈھک کر گذر جاتے ہیں۔سُنیئے:

''یہ آیت (حجرات 49/9) مسلمانوں کی باہمی جنگ کے بارے میں شرعی قانون کی اصل بنیاد ہے۔ایک حدیث کے سوا جس کا ذکر ہم آگے کریں گے، اس قانون کی کوئی تشریح رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہیں ملتی، کیوں کہ حضورؐ کے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان جنگ کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی کہ آپؐ کے عمل اور قول سے اُس کے احکام کی تفصیلات معلوم ہوتیں۔ بعد میں اس قانون کی مستند تشریح اُس وقت ہوئی جب حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں خود مسلمانوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔اُس وقت چونکہ بکثرت صحابہ کرام موجود تھے، اس لئے اُن کے عمل اور اُن کے بیان کردہ احکام سے اسلامی قانون کے اس شعبے کا مفصل ضابطہ مُرتّب ہوا۔خصوصیت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اُسوہ اس معاملہ میں تمام فقہا کا اصل مرجع ہے۔''(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 78)

(1) مودودی کے صحابہ کرام باغی اور خارج از اسلام تھے۔حضرت علیؑ خلیفۂ بلافصل اور خود محمدؐ ہی تھے

ہمیں مودودی کی اس خباثت پر متوجہ کرنا ہے کہ یہ شیطان مانتا اور لکھتا ہے کہ تمام مسلمان نام کے قانون دانوں نے یعنی فقہانے جو کچھ اخذ کیا وہ حضرت علیؑ کے عملدرآمد (اسوہ) سے لیا اور قوانین تیار کئے اور یہ کہ بعد والے فقہا کا مرجع حضرت علیؑ کا اسوہ تھا۔لیکن یہ مان کر اور لکھ کر اپنے صحابہ کرام کو بھی نتھی کر دیا۔اور بھول گئے کہ تمام باشندگانِ مدینہ اور مکہ اور گردونواح کے تمام مسلمان حضرت علیؑ کے مخالف تھے۔اسلام سے خارج اور اللہ و رسولؐ اور اسلام کے باغی تھے۔اُن ملاعین کو صحابہ اور پھر صحابہ کرام لکھنا ہی عقل و دین و دیانت کے خلاف تھا چہ جائیکہ اُن کے اعمال و اقوال کو اسلامی قانون یا اسلامی قانون کی تشریح قرار دینا بھی ایک فریب ہے اور یہ بھی فریب ہے کہ مسلمانوں کی مسلمانوں سے کوئی جنگ نہ ہوئی تھی۔حالانکہ ابوبکر کی حکومت مسلمانوں کے قتل عام کے بعد قائم ہوئی تھی۔اور یہ قتل عام سال بھر جاری رہا تھا۔

(2) عہدِ رسولؐ میں یا وفاتِ رسولؐ کے فوراً بعد دعویٰ نبوت اور فتنۂ ارتداد کے تمام قصے خود ساختہ ہیں

ہماری کتاب مذہبِ شیعہ ایک قدیم تحریک وہمہ گیر قوت میں تفصیل سے دکھایا گیا ہے کہ ابوبکر وعمر نے قریش کی قومی حکومت قائم کرنے کے لئے صرف خاندانِ رسالتؐ وامامتؑ پر ہی مظالم نہیں کئے تھے بلکہ ہزارہا حقیقی مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا۔حالانکہ قریشی حکومتوں کی تیار کردہ تاریخ میں ہزاروں فریب وفراڈ کئے گئے ہزاروں جھوٹے افسانے اور واقعات گھڑ واکر پھیلائے گئے مگر اُن کی صدیوں کی کوشش کے باوجود آج بھی اُن ہی کی تاریخوں سے یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ پہلی ہی خلافت کے دوران چالیس ہزار سے زیادہ نمازی ومتقی مسلمانوں کو صرف اس لئے قتل کیا گیا، اُن کے اموال کو لُوٹا گیا اُن کی ازواج واولاد کو غلام وکنیز بنایا گیا کہ وہ ابوبکر کو زکوٰۃ نہ دینا چاہتے تھے۔اُنہوں نے ابوبکر کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کی تھی کوئی اعلان جنگ نہ کیا تھا۔کسی کو اپنا الگ سے خلیفہ نہ بنالیا تھا۔اور ابوبکر کو زکوٰۃ دینے کا کوئی حکم قرآن میں نہیں ہے۔نہ ابوبکر کی یا قریشی حکومت کے جواز کی کوئی آیت موجود ہے۔نہ کہیں یہ ممانعت ہے کہ لوگ براہ راست اپنے ہاتھوں سے حقداروں اور غربا کو زکوٰۃ نہ دیں۔یعنی

ابوبکر اور اُس کی قوم نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ حالانکہ مسلمانوں کا خون ہر مسلمان پر حرام کیا گیا ہے اور ابوبکر کو اُن کے اپنے یار غار عمر نے اور تمام صحابہ نے بتایا تھا کہ وہ زکوٰۃ کی آڑ میں مسلمانوں کا خون نہیں بہا سکتے۔ (تمام تواریخ)

لہٰذا مودودی اینڈ کمپنی نے یہ کہہ کر فریب دیا ہے کہ: ''عہدِ مرتضوی تک مسلمانوں کی مسلمانوں سے کوئی جنگ یا قتال نہیں ہوا تھا۔''

حالانکہ ابوبکر نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی۔ اور ہم نے سابقہ عنوانات میں بڑی تفصیل سے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ جو جنگیں حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ نے قریش سے لڑیں وہ بھی سب مسلمانوں سے جنگیں تھیں۔ قریش نظامِ مشاورت اور نظام اجتہاد کے پروردہ مسلمان تھے۔ جیسا آج تک کے تمام مسلمان اجتہادی مسلمان ہیں۔

(3) رسولؐ کے اولین مخاطب قریش کے مسلمان ہونے پر ایک بنیادی اور مثالی ثبوت قرآن اور تاریخ سے

قریش کے علمانے ہر ہر قدم پر فریب دیا ہے۔ چنانچہ مسلمان ہو جانے کے بعد قریشی علمانے اپنے اور سابقہ قریش کے درمیان فرق دکھانے کے لئے بھی بڑا دلچسپ فریب دیا ہے اور کہا ہے کہ:

''اعلانِ بعثت سے قبل کے قریش ''کافر'' تھے اور ہم ایمان لانے کے بعد ''مومن'' یا ''مسلم'' ہو گئے تھے۔ لہٰذا اُن میں اور ہم میں ''کفر'' اور ''ایمان'' کا یعنی زمین وآسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ اُن قریش کو' یٰٓا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ '' کہہ کر پکارا گیا ہے اور ہمیں مومنین فرمایا گیا ہے۔'' لیکن ہم کہتے ہیں کہ: ''کافر'' تو ہر وہ شخص ہے جو کسی حقیقت کو چھپائے۔''

کفر کے اصلی معنی مودودی چھپاتے رہے لہٰذا وہ بقلم خود کافر ثابت ہیں۔

چنانچہ علامہ مودودی نے لکھا ہے کہ: ''[161] ''کفر'' کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129)

مگر علامہ نے قرآن کے ترجمہ میں یہاں سے وہاں تک کہیں بھولے سے بھی کفر یا کافروں کے اصلی معنی نہ لکھے تاکہ جب یہ الفاظ آئیں تو کسی قریشی مسلمان کی طرف توجہ جانے ہی نہ پائے اور لوگ خود سابقہ قریش کو یا غیر مسلموں کو کافر سمجھ کر آگے بڑھتے چلے جائیں۔ لیکن ہم نے اپنے ترجمہ اور تفسیر میں کفر و کافر کے اصلی معنی لکھے اور مودودی نے حقیقی معنی کو پورے ترجمہ میں چھپایا لہٰذا وہ مسلمان اور عالم مسلمان اور نمازی مسلمان ہوتے ہوئے بھی کفر کرتے رہے اور کافر بنتے رہے۔

سابقہ یا غیر مسلم قریش کا بھی وہی عقیدہ تھا جو ایماندار قریش کا آج تک عقیدہ ہے

اب ایک ایسا عقیدہ قرآن سے سُنئے جس پر علامہ مودودی اور اُن کے تمام موجودہ وگذشتہ ہم مذہبوں اور بزرگوں کے مذہب کا دارومدار وانحصار ہے:

مَا ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یَاْکُلُ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ مِنْهُ وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَo وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَکُمْ اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَo (مومنون 34-23/33، الشعراء 26/154,186)

''اُس کی قوم کے اُن مُلاؤں نے کہا، جن کو ہم نے آسودہ حالی سے نوازا تھا اور جو آخرت کی حقیقت کو چھپایا اور کچھ کا کچھ بیان کر کے جھٹلایا کرتے تھے، کہ یہ شخص اس کے سوا کچھ بھی تو نہیں کہ بالکل تمہاری مثل ایک بشر ہے۔ جو کچھ تم کھاتے پیتے ہو وہی کچھ یہ بھی کھاتا پیتا ہے لہٰذا اگر تم نے اپنی طرح کے ایک خاطی اور تنہا بشر کی سو فیصد اطاعت اختیار کر لی تو تم صرف نقصان میں رہو گے۔''

یہ تھا وہ عقیدہ جو ابلیسی گروہ ہر زمانہ میں مسلسل رکھتا چلا آیا اور قرآن نے اس عقیدہ کو بار بار دوہرایا ہے کہ نبیؐ بھی باقی آدمیوں کی طرح کا ایک بشر

ہوتا ہے جس کی ہر ہر بات کا اور ہمیشہ صحیح ہونا ممکن نہیں بہر حال:

مودودی کا بھی یہی عقیدہ ہے:

''تھے وہ بندے اور بشر ہی......رائے اور فیصلے میں اُن سے غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں۔قصور بھی اُن سے ہو جاتے تھے۔اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ بھی ہوتا تھا۔''(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 163)

لہٰذا اُن کی تنہا بصیرت کافی نہیں اُن کو چاہئے کہ وہ اپنے زمانہ کے ارباب عقل و دانش کے مشورے سے فیصلے کیا کریں۔بعینہٖ یہی عقیدہ ابوبکر و عمر اینڈ کمپنی کا تھا۔لہٰذا مسلمان ہو جانے کے بعد بھی قریش کا وہی عقیدہ و عمل تھا جو اُن کے آبا واجداد کا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے چلا آرہا تھا لہٰذا قدیم وجدید دونوں قریش مسلمان تھے اور اُن سے جہاد کرنا واجب تھا۔

(4) مسلمانوں سے جنگ کرنا واجب ہے اگر وہ اللہ و رسُولؐ کی کھُلی نافرمانی پر مُصر رہیں

قریشی یا مجتہد ذہنیت کے مومنین سے احکام کی تعمیل کرانے کیلئے جنگ لازم قرار دی گئی ہے۔چنانچہ مندرجہ ذیل آیات (2/278-279) میں قریشی مومنین کے ایمان و عمل کا نمونہ اور اُن پر جنگ مسلّط کرنے کا حکم اور وجہ نوٹ کریں:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ○ (بقرہ 2/278-279)

مودودی ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 217-218)

قریش محض اسلام کا لیبل لگائے ہوئے تھے اُن سے اس لیبل کی بنا پر جنگ جائز رہتی آئی

یہ وہ دو آیات ہیں جو اُن لوگوں سے جنگ کرنا جائز قرار دیتی ہیں جنھوں نے ''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا '' کا لیبل تو لگا رکھا ہو مگر اس لیبل کے باوجود نہ تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں نہ احکام خدا اور رسُولؐ کی تعمیل کریں بلکہ خود اپنے اختیار کردہ اسلام و ایمان کے ماتحت عملدرآمد کرتے ہوں ورنہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کی اجازت عام نہیں ہے۔لہٰذا مسلمانوں سے جنگ کرنا اور انہیں سچ مچ کے مومن یا غیر مسلم بنا کر چھوڑنا واجب ہے۔شرط یہ ہے کہ جنگ کا سامان موجود ہو۔ورنہ اتمامِ حجت اور سامان جنگ و تنفیذ احکام کا انتظام کیا جاتا رہے گا جیسا کہ مولاؑ نے کیا تھا۔

ہر اُس شخص یا اشخاص کی سزائیں جو اللہ اور اس کے جانشین رسُولؐ یا خلیفہؑ یا امامؑ سے جنگ کریں

اللہ کے احکام کا ترجمہ مودودی سے سُنیئے:

''جو لوگ اللہ اور اُس کے رسُولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دَو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں اُن کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، سُولی پر چڑھائے جائیں، یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔یہ ذلت و رسوائی تو اُن کے لئے دُنیا میں ہے اور آخرت میں اس سے بڑی سزا ہے۔''(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 464-465)(سورہ مائدہ 5/33)

یہ سزائیں رجعت کے دوران دی جائیں گی۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 09

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 09

خُطبہ (9)

گیدڑ بھبکیاں بزدلی کی شناخت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَ قَدۡ اَرۡعَدُوۡا وَ اَبۡرَقُوۡا؛	1	یقیناً قریشی مُخالفین ہمیں خوفزدہ کرنے کے لئے بادلوں کی طرح خوب گرجے اور بجلی کی طرح چمکے اور کڑکے۔
وَ مَعَ هٰذَيۡنِ الۡاَمۡرَيۡنِ الۡفَشَلُ؛	2	اور اِن دونوں رعب دار گیدڑ بھبکیوں کے باوجود بزدلی کی نمائش کرنے سے نہ شرمائے۔
وَ لَسۡنَا نُرۡعِدُ حَتّٰى نُوۡقِعَ؛	3	اور ہم جب تک دشمن پر ٹوٹ کر نہ برسیں نہ کڑکتے ہیں نہ گرجتے ہیں۔
وَ لَا نُسِيۡلُ حَتّٰى نُمۡطِرَ؛	4	اور جب تک خوب برس نہ لیں سیل رواں نہیں بنتے۔''

عائشہ،طلحہ اور زبیر نے سارے عرب میں پروپیگنڈا کیا تھا کہ ہمارے ساتھ فوج کی اور شجاعانِ عرب کی کثرت ہے،ہم حضرت علیؑ اور اُن کے ساتھیوں کو ایسی مار دیں گے کہ وہ ساری اُمت کی ماں اور زوجہ رسوؐل سے جنگ کا تصور تک بھول جائیں گے اور انہیں ہمارے سامنے سرجھکا کر قیدیوں کی صورت میں آنا ہوگا۔لیکن ہوا یہ کہ جنگ جمل نے عائشہ کو سرِ میدان قیدی کی صورت میں علیؑ کے رحم وکرم کے حوالے کیا اور طلحہ وزبیر کو موت کھا گئی۔ اور اُن کی فوج مکھیوں کی طرح مرکر رہ گئی۔

سنجیدگی اور دانش کا دوسرا نام علیؑ ہے

اِس خطبے کے یہ چار جملے سنجیدگی اور دانش کو چاروں طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہیں۔اور قریشی لیڈروں کے مکروفریب اور پروپیگنڈے کا نہایت مہذب اور سنجیدہ تجزیہ فرمایا ہے اور اُن تمام قصائد کو بکواس بنادیا ہے جو عربوں کے شعرا اور ادیبوں نے عربوں کی شجاعت وسخاوت بیان کرنے کے لئے پڑھے یا لکھے ہیں۔اور اُن کی ذہنی پستی،فکری بے بضاعتی،کوتاہ اندیشی اور مجرمانہ اطوار پر تیز روشنی ڈالی ہے۔(خطبہ 9 جملے 1 تا 4) حالانکہ اِن جملوں میں کوئی خاص شخص یا جماعت مخاطب نہیں ہے۔لیکن نہج البلاغہ کے اکثر مترجمین نے ان جملوں کا مخاطب طلحہ وزبیر کو سمجھا ہے۔یعنی اُنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے ہمہ گیر خطاب کو محدود کردیا ہے۔ذرا سوچئے کہ:

1 کیا اِس دُنیا میں کوئی ایسا عقل مند آدمی ہوسکتا ہے جو کھوکھلے اور مضحکہ خیز نعروں کو پسند کرتا ہو؟ (خطبہ 9 جملہ 1)

حضوؐر نے اپنے پہلے جملے میں غپیں مارنے،دُون کی لینے کی مذمت کرنے کے لئے بادلوں کے گرجنے اور بجلی کے کڑکنے کو استعمال کیا ہے (خطبہ 9 جملہ 1) اور کسی کا نام نہیں لیا ہے لہٰذا ایسی ذہنیت کہیں بھی ہو کسی کی بھی ہو مذموم ہے۔

2 پھر دوسرے جملے میں بُزدلی کی مذمت کی ہے۔بُزدلی یوں بھی ہر حال میں ناپسندیدہ چیز ہے لیکن اگر رعب دار اعلانات اور دھونس اور

دھمکیوں کے بعد بُزدلی دکھائی جائے تب تو بہت مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔

3 تیسرے اور چوتھے جملے نے پہلے اور دوسرے جملے کو منطقی اور مشاہدہ کی میزان میں رکھ دیا ہے۔ اور مخاطبوں کو شرم دلانے کے لئے یہ بتایا ہے کہ جب تک زور وشور سے بارش نہ برسے تو زمین پر پانی کیسے بہے گا؟ پہلے پانی ہونا چاہئے اور کافی مقدار میں ہونا چاہئے تب جا کر سیلاب یا بہنے کی بات صحیح ہوگی۔ (خطبہ 9 جملے 3 تا 4)

یعنی ان چار جملوں کا مخاطب کوئی بھی ہواُسے ڈوب مرنا چاہئے تھا۔ لیکن جن لوگوں میں غیرت وشرم وشرافت کا نام ونشان ہی نہ ہو وہ تو زیادہ کمینہ حرکتیں کریں گے۔ چنانچہ قریش نے اپنی اصلاح کرنے کے بجائے یہ چاہا کہ اُنہیں شرم وشرافت اور عقل ودانش کا سبق دینے والا کوئی شخص دُنیا میں موجود نہ رہنا چاہئے۔ لہٰذا اُنہوں نے اُس نسل کو صفحۂ ہستی سے مٹادینے کا انتظام کیا (2/205) اور اپنی شجاعت، فراخدلی اور سخاوت کا مظاہرہ یوں کیا کہ اولادِ رسوؐل کو ایک ہفتہ بھوکا پیاسا رکھا۔ اُن کے شیرخوار بچوں تک کو پانی کی ایک بُوند نہ دی۔ انہیں دِکھا دِکھا کر پانی پیا اور زمین پر بہاتے رہے۔ ہنستے رہے۔ بچوں کو ستاتے رہے۔ طمانچے مارتے رہے۔ بے بس و بے کس 'نہتی' پردہ دار عورتوں کو نیزے مارتے رہے۔ اور فخریہ قہقہے لگاتے رہے۔ یہ تھی عربوں کی سخاوت وشجاعت۔ الغرض حضرت علیؑ اور اولادِ علی علیہم السلام نے عربوں کی مصنوعی عزت کا لبادہ اُتار کر انہیں دُنیا کے سامنے ننگا کھڑا کر دیا۔

اُنہیں ساری دُنیا کی نظر میں ملعون وقابل نفرت بنا دیا۔ دُنیا کی تمام اقوام اُن کو تباہ کرنے کے لئے اُٹھیں اور انہیں برباد کر کے چھوڑا۔ حکومت وتخت وتاج چھین کر اُنہیں اپنا بھکاری اور قصیدہ گو بنالیا۔ آج وہ کہتے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ ہیں مگر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہی اور اُسی طرح کے مسلمان قریش ہیں جیسے بعثتِ رسوؐل سے قبل کے قریش تھے، عملاً بڑا یا اکبر وہ امریکہ، روس وچین وانگلینڈ ہی کو سمجھتے ہیں اُن ہی سے بڑا بننے کا سامان مانگتے ہیں۔ یہ اُس سزا کی جھلک ہے جو اُنہیں خاندانِ رسوؐل سے غداری پر رجعت میں ملے گی۔

دوم۔ قریش اللہ ورسوؐل کا بھی مذاق اُڑاتے رہے اور غپیں مارتے رہے مگر بزدلی اور بدعملی برقرار رہی

حضرت علیؑ علیہ السلام قریشی مسلمانوں کی ذہنیت اور کردار سے نہ صرف عالمِ نُور سے آگاہ تھے بلکہ مادہ جسم اختیار کرنے کے بعد عملاً اُن کی بہادری اور سخاوت پر مطلع تھے۔ قریش وہی تو تھے جن کے سُورما علیؑ کی تلوار سے بچنے کے لئے میدان جنگ میں ننگے ہو جاتے تھے کہ علیؑ نفرت سے منہ پھرالیں تو وہ فرار کر جائیں۔ یہ وہی تو تھے جن کے سب سے بڑے لیڈر ابوبکر وعمر میدان جنگ میں کافروں کے سامنے سے بھاگ بھاگ جایا کرتے تھے۔ یہ ملاعین تو صرف باتیں بنانا اور جوڑ توڑ وسازش کرنا ہی جانتے تھے۔ اُن ہی سے اللہ نے فرمایا تھا کہ:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ......الخ (آل عمران 3/153)

مودودی ترجمہ: "یاد کرو جب تم بھاگے چلے جارہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہیں تھا اور رسوؐل تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔" (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 295)

یہ تھے ابوبکر وعمر اور قریشی بہادر جو میدان جنگ سے بھاگنے میں بڑے کشادہ دل اور سخی تھے۔ جو رسوؐل ایسی قیمتی ہستی کو راہِ خدا میں قربان کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے اور اللہ کی خوشی کے مقابلے میں رسوؐل کی فریاد اور چیخنے پُکارنے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اُدھر علی علیہ السلام کو یہ ضد تھی کہ اللہ نے قریش کے لئے جو کچھ فرمایا تھا وہ لفظ بلفظ ثابت کر کے چھوڑیں گے۔

(1) اللہ نے قریش کے لئے "فَشِلْتُمْ" فرمایا تو علیؑ نے اُنہیں فَشِلْتُمْ کا مصدر "اَلْفَشَل" بنادیا

چنانچہ قریش کے فرار کا ذکر کرنے سے پہلے فرمایا کہ:

حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا اَرٰکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ .. الخ (عمران 3/152)

مودودی ترجمہ: ''مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جوں ہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے۔ (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دُنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 294)

یہ تھے قریشی مومنین اور صحابہ جو لوٹ مار اور لوٹ کا مال حاصل کرتے رہنے کی غرض سے مسلمان ہو گئے تھے۔ جنہیں دُنیاوی دولت و اقتدار سے محبت تھی۔ مودودی نے لفظ "عَصَیْتُمْ" کا ترجمہ ہی غلط نہیں کیا بلکہ ''اپنے سردار'' کا اضافہ کر کے اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کو اپنی طرف سے کسی اور کی نافرمانی بنا کر قریش کے گناہ کو ہلکا کر دیا ہے۔ بہر حال یہ تھے وہ قریش جو رسولؐ سے اقتدار و حکومت چھین لینے کی اسکیم پر عمل پیرا تھے اور آخر رسولؐ کی وفات کے دن رسولؐ کا جنازہ بے گور و کفن چھوڑ کر حکومت پر قبضہ کر ہی لیا تھا۔ قریشی مومنین ہی سے فرمایا گیا تھا کہ:

(2) قریش دعوائے ایمان کے بعد بھی کھوکھلے نعرے مارتے رہے۔ مودودی

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ٥ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ٥ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ٥ (الصّف 4-61/2)

اِن دونوں آیات کا ترجمہ مودودی سے سُن کر یہ فیصلہ کر لیں کہ جس طرح قریش عہدِ مرتضویؑ میں اپنی جنگی قوت پر نازاں تھے اور حضرت علی علیہ السلام پر رعب ڈالنے کے لئے دھونس اور دھمکیاں دے رہے تھے اُسی طرح عہدِ رسولؐ میں اللہ کو ناپسند گزرنے والے نعرے مارتے رہتے تھے اور عین وقت پر میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ علامہ ترجمہ کرتے ہیں کہ:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔ اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اُس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں کہ گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 454 تا 456)

(3) علامہ کی تشریح قریشی مومنین کو خیانت کار، غدار اور کاذب و محسن کش ثابت کرتی ہے

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ کی احادیث پیش کر کے علامہ مودودی قریشی صحابہ اور قریشی لیڈروں اور عوام کی تفصیلی پوزیشن دکھاتے ہیں۔ اُن کی تشریح ملاحظہ ہو:

قریش سچے مسلمان تو ہرگز نہ تھے؟؟ ''اس ارشاد کا ایک مُدّعا تو عام ہے جو اس کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے اور ایک مُدعا خاص ہے۔ جو بعد والی آیت کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پہلا مدّعا یہ ہے کہ ایک سچے مسلمان کے قول اور عمل میں مطابقت ہونی چاہئے۔ جو کچھ کہے اُسے کر کے دکھائے اور کرنے کی نیت یا ہمت نہ ہو تو زبان سے بھی نہ نکالے۔ کہنا کچھ اور کرنا کچھ، یہ انسان کی اُن بدترین صفات میں سے جو

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت مبغوض ہیں، کُجا کہ ایک ایسا شخص (شخص نہیں قوم) اس اخلاقی عیب میں مبتلا ہو جو اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ (کرتی) کرتا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص میں اس صفت کا پایا جانا اُن علامات میں سے ہے جو ظاہر کرتی ہیں کہ وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔

قریش منافق تھے: ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اٰیۃ المنافق ثلاث (زاد مسلم "وَ اِنْ صَامَ وَ صَلّٰی وَ زَعَمَ اَنَّہٗ مسلم)اِذَا حَدَّثَ کَذَّبَ وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَاْ اؤْتُمِنَ خَانَ

قریش کے روزے اور نماز واسلام کی حقیقت "منافق کی تین نشانیاں ہیں اگر چہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ یہ کہ جب بولے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے، اور جب کوئی امانت اُس کے سپرد کی جائے تو اُس میں خیانت کرے۔" (بخاری و مسلم)

یہ تو ہے ان آیات (4 تا 61/2) کا عام مدعا۔ رہا وہ خاص مدعا جس کے لئے اس موقع پر یہ آیات ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ تو وہ بعد والی آیت کو اِن کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ مقصود اُن لوگوں کو ملامت کرنا ہے جو اسلام کے لئے سرفروشی اور جانبازی کے لمبے چوڑے وعدے کرتے تھے مگر جب آزمائش کا وقت آتا تھا تو بھاگ نکلتے تھے۔ (آل عمران 3/153) (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 455،456)

قارئین ان آیات میں اللہ نے تمام ایمان لائے ہوئے لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ یعنی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا ہے۔ چند لوگوں کو مخاطب نہیں کیا ہے۔ یعنی اللہ نے پہلے تمام مومنین کو مخاطب کیا ہے اور اُنہیں غپیں مارنے، وعدہ خلافی کرنے، بزدلی دکھانے اور بیعت کے معاہدہ میں خیانت کرنے کا مجرم قرار دیا پھر اُن مومنین کی مدح وثنا کی ہے جو جان توڑ کر، قدم جما کر، اپنی جان کو اللہ ورسولؐ کے ہاتھ فروخت شدہ سمجھ کر دشمنانِ اسلام سے جنگ کرتے تھے۔ اور ساری دُنیا جانتی ہے کہ وہ ذاتِ پاک جو میدان جنگ سے فتح کئے بغیر کبھی نہ پلٹتی تھی وہ علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات تھی جنہیں قریش کے فرار و بُزدلی کے مقابلے میں **کَرَّارٍ غَیْرَ فَرَّارٍ** کا لقب دیا گیا تھا اور جس کے ساتھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کا لقب پائے ہوئے تھے۔ چونکہ اُن کا سردار ورا ہنما جنگ میں آگے ہی آگے بڑھتا تھا لہٰذا اس کے پیچھے پیچھے بڑھنا یا جم کر لڑنا نہایت سہل تھا۔ یعنی وہ سیسہ جو انہیں جمائے رکھتا تھا خود ید اللہ علیہ السلام تھے۔ اور اب وہی فرما رہے ہیں کہ:

"یقیناً قریشی مسلمان ہمیں خوفزدہ کرنے کے لئے بادلوں کی طرح خوب گرجے اور بجلی کی طرح خوب کڑ کے اور چمکے۔ (خطبہ 9 جملہ 1)

اور اِن دونوں رعب دار گیدڑ بھبکیوں کے باوجود بزدلی کی نمائش کرنے سے نہ شرمائے۔ (خطبہ 9 جملہ 2)

اور ہم جب تک دشمن اسلام پر ٹوٹ کر نہ برسیں نہ کڑ کتے ہیں نہ گرجتے ہیں۔ (خطبہ 9 جملہ 3)

اور ہم جب تک خوب خوب برس نہ لیں سیلِ رواں نہیں بنتے۔" (خطبہ 9 جملہ 4)

(4) قریشی مومنین شجاعت اور بہادری کی غپّوں میں جم کر لڑنے والوں پر طعن وطنز ومذاق کرتے تھے

ہم نے عرض کیا ہے کہ قریش نے دُنیا کو فریب میں مبتلا رکھنے کے لئے جہاں بہت سے داؤ پیچ کئے ہیں وہاں یہ بھی مشہور کیا ہے کہ اہل عرب بہت سادہ اَن پڑھ جاہل اور وحشی لوگ تھے۔ حالانکہ عربوں میں عموماً اور قریش میں خصوصاً انتہا درجے کے تعلیم یافتہ اور مہذب لوگ موجود تھے۔ وہ دُنیا کی تمام اقوام کے علوم وفنون وتہاذیب پر مطلع تھے۔ انہیں اصول جہاں بانی وحکمرانی میں کمال حاصل تھا۔ اُن میں اعلیٰ درجے کے مُقنّن ومجتہد موجود

تھے۔ وہ ابلیس کے تمام ہتھکنڈوں، سیاست کی تمام چالوں اور مذہبیات کے تمام حیلوں میں دستگاہ کمال رکھتے تھے۔ کتب تواریخ کے علاوہ ہمارے اس بیان پر سب سے بڑی دو شہادتیں قرآن اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ قریش کے مقام کی پیمائش اُسی معیار پر کرنا ہوگی جس معیار سے آنحضرتؐ کے عجیب وغریب وعظیم الشان مقام کو ناپا ہوگا۔ ایسا رسوؐل اُن میں بھیجنا اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ دُنیا میں کوئی اور قوم قریش کے مقابلے میں نہ آسکتی تھی۔

دوسری چال قریش نے یہ چلی کہ اپنی قوم کے دو حصے مشہور کئے ایک حصے کو غیر مسلم، کافر اور دشمن اسلام قرار دیا دوسرے کو مسلم اور اسلام کا طرفدار و جاں نثار مشہور کیا۔ حالانکہ طرفداری و جاں نثاری کا حال ابھی ابھی قرآن سے سامنے آچکا ہے۔ درحقیقت قریش کے اُن دونوں حصوں کا مذہب ومقصد ایک ہی تھا فرق یہ تھا کہ ایک حصہ نے تیغ بکف نبوت کی راہیں روکنے والا محاذ بنایا اور دوسرے حصے نے مسلمانی کے لبادے میں رہ کر تیغ بکف محاذ کی اندرونی مدد شروع کی اور اُس کی شکست کی صورت میں اُس کے لئے امن و پناہ کا انتظام شروع کیا۔ پھر قریش نے مسلمان ہوجانے والوں کے تین حصے بنائے۔ اول: پکّے مومنین، دوم: کمزور ایمان والے مومنین، سوم: منافقین۔ تاکہ جب قرآن میں قریش کی مذمت کی جائے تو اُس مذمت کو کبھی منافقین کی، کبھی کمزور ایمان والے مومنین کی اور کبھی کافروں کی مذمت کہہ کر خود پکے مومنین بنے رہیں۔ اور خود پر آنچ نہ آنے دیں۔ چنانچہ اللہ نے جہاں مذمت سے پہلے یٰۤاَیُّھَا الکافرون یا اَے منافقین کہا، وہاں تو اُنہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کیونکہ وہ پکے مومنین بنے ہوئے تھے۔ لیکن جہاں اللہ نے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (اَے مومنین) کہہ کر ایک سرے سے سب کی مذمت کی وہاں خود کو بچانے کے لئے تشریحات وتفسیرات میں لکھ دیا کہ یہ مذمت کمزور ایمان والے مسلمانوں کی کی گئی ہے۔ اور حقیقت یہ رہتی چلی گئی کہ جہاں کافروں کا ذکر ہوا یا منافقوں کی بات ہوئی یا مومنین کی مجموعی حیثیت سے مذمت کی گئی وہاں ہر جگہ قریشی مومنین کا ذکر و مذمت ہوئی ہے۔ اِس لئے کہ وہ اسلام کے بعض حقائق کو چھپاتے تھے لہٰذا کافر تھے۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129) اور اس لئے کہ اُن کے دونوں، تیغ بکف اور اسلام بدوش، محاذ آپس میں رابطہ کے لئے جاسوس استعمال کرتے تھے جو قریش ہی کے افراد ہوتے تھے اور اُنہیں اس لئے منافق کہا گیا کہ وہ اُدھر سے اِدھر اور اِدھر سے اُدھر عارضی طریقہ پر خبر رسانی اور جاسوسی کے لئے آتے اور مسلمانوں میں مسلمان بنے رہتے تھے۔ لہٰذا قرآن میں مذمت ومکاری وغداری کا بڑا حصہ قریشی مومنین ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

(5) قریشی مومنین دوسری اقوام کا مذاق اُڑاتے تھے اور لوگوں کو بُرے ناموں سے پکارتے رہتے تھے

آیئے آپ کو قرآن کا ایک اور مقام دکھائیں جہاں جو کچھ ہم نے لکھا وہ سب تمام مومنین کو مخاطب کرکے ثابت کیا گیا ہے۔ اور دکھایا گیا کہ قریشی مرد اور عورتیں دوسری اقوام کا مذاق اُڑاتے تھے اور اُن کے بُرے بُرے نام رکھ لیا کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے ظن وگمان اور قیاسات کے ماتحت فیصلے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ قرآن اور مودودی ترجمہ دیکھئے:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا خَیۡرًا مِّنۡھُمۡ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُنَّ خَیۡرًا مِّنۡھُنَّ وَ لَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ لَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِیۡمَانِ وَ مَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ○ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوۡا وَ لَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِھۡتُمُوۡہُ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ○ (حجرات 12-49/11)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ (قوم کے۔احسن) مرد دوسرے (قوم کے۔احسن) مردوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو۔ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا (فاسق ہو جانا۔احسن) بُری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسُّس (جاسوسی۔احسن) نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔'' (تفہیم القرآن 5 صفحہ 84 تا 95)

یہ ہیں وہ کام جن پر ایمان لانے کے بعد بھی قریش عمل کرتے تھے اور جنہیں مولاؑ نے ایک جملے میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔

(6) قریش نے مومن ہوتے ہوئے آنحضرتؐ کا بھی مذاق اُڑایا اور برابر سابقہ آیات (49/11-12) پر کاربند رہے

حضرت علی علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ قریش کے حق میں قرآن کریم سے بھی ثابت ہو گیا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ قریش کے اختیار کردہ اسلام میں مسلمانوں کا تمسخر اُڑانا، بُرے بُرے نام والقاب رکھنا غیبت و جاسوسی کرنا، طعنہ زنی کرنا جائز تھا لہٰذا انہوں نے خود رسولؐ اللہ کا مذاق اُڑایا، بُرے ناموں سے پکارا اور 9 ہجری تک وہ اس پر کاربند تھے قرآن اور مودودی کا ترجمہ سُنئے:

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَ اِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَا اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ۝ (توبہ 9/58)

''اے نبیؐ، اِن میں سے بعض لوگ (لوگ نہیں صحابہ۔احسن) صدقات کی تقسیم میں تم پر اعتراضات کرتے ہیں۔ اگر اس مال میں سے انہیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں، اور نہ دیا جائے تو بگڑنے لگتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 203-204)

(7) قریش رسولؐ ہی کا نہیں بلکہ تمام اطاعت شعار مومنین کا مذاق اُڑاتے رہے

قارئین پلٹ کر سابقہ آیات (49/11-12) کو دیکھیں وہاں لفظ ''لَا تَلۡمِزُوۡا'' آیا ہے۔ اُس کا ترجمہ علامہ نے ''طعن نہ کرو'' کیا تھا۔ پھر آیت (9/58) میں لفظ ''يَلۡمِزُكَ'' آیا ہے اِس کا ترجمہ علامہ کے ترجمے کی رُو سے ''تجھ پر طعن کرتے ہیں'' ہونا چاہئے۔ مگر چونکہ بات قریش کی ہو رہی ہے۔ اس لئے مودودی نے طعن وطنز کو ہٹا کر ترجمہ غلط کر دیا ہے۔ لیکن ہم یہی الفاظ اور قریش کا یہی عملدرآمد دوسری آیت سے دکھاتے ہیں اور مودودی کو صحیح ترجمہ کرتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ دیکھئے:

اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝ (توبہ 9/79)

مودودی کا صحیح ترجمہ: ''(وہ خوب جانتا ہے اُن کنجوس دولت مندوں (قریش۔احسن) کو) جو برضا ورغبت دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں پر باتیں چھانٹتے ہیں اور اُن لوگوں کا مذاق اُڑاتے ہیں جن کے پاس (راہِ خدا میں دینے کیلئے) اُس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں اللہ اُن مذاق اُڑانے والوں کا مذاق اُڑاتا ہے اور اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 218-219)

یہاں علامہ نے (يَلۡمِزُوۡنَ) کا صحیح ترجمہ باتیں چھانٹنا اور مذاق اُڑانا کیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ سورہ توبہ بقول مودودی 9 ہجری میں نازل ہوئی تھی لہٰذا سابقہ آیت (9/58) میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ قریش ایمان لانے کے بائیس (22) سال بعد بھی رسولؐ اللہ پر باتیں چھانٹتے تھے، طعن و

طنز کرتے تھے اور مذاق اُڑا اُڑا کر اعتراضات جڑتے رہتے تھے۔ لہٰذا اُن کا حضرت علی علیہ السلام کو دھمکیاں دینا، ڈینگیں مارنا اور غپوں سے مرعوب کرنا قابل تعجب نہیں تھا اور اس آخری آیت کی رُو سے مذاق اُڑانے والے قریشی مومنین کا عذاب الیم میں مبتلا ہونا ثابت ہو گیا۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مذاق اُڑانے والے، بُرے بُرے نام رکھنے والے، جاسوسی کرنے والے، غیبت کرنے والے مومنین مومن ہوتے ہوئے فاسق و ظالم بھی ہوتے ہیں (49/11) مُردار خور بھی ہوتے ہیں اور اپنے مُردہ بھائی کا گوشت بھی کھا سکتے ہیں۔ اللہ و رسوؐل سے غصے بھی ہو جاتے ہیں۔ دولت ملنے سے خوش رہتے ہیں (9/58) وہ برضا و رغبت کبھی راہِ خدا میں کچھ نہیں دیا کرتے اور یہ کہ اللہ بھی اُن ملاعین کا مذاق اُڑاتا ہے۔ (9/79)

اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کے نام پر کچھ کتاب نما چیزیں نیزوں پر بلند کر کے قرآن کی دُہائی دے کر حضرت علیؑ کی تلوار سے جان بچائی تھی۔ اور جنہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر اونٹ کے سامنے ڈھیر کر دیا تھا۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 10

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر:10

خُطبہ ﴿10﴾

(1) ابلیسی حملے کی تیاریوں پر تنبیہہ۔اور تباہ کن انتظام؛

(2) علیؑ کو ہرگز فریب نہیں دیا جاسکتا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

أَ لَا وَ اِنَّ الشَّیۡطَانَ قَدۡ جَمَعَ حِزۡبَہٗ؛	1	تمام متعلقین خبردار رہیں کہ شیطان نے اپنے پورے گروہ کو جمع کرلیا ہے۔
وَ اسۡتَجۡلَبَ خَیۡلَہٗ وَ رَجۡلَہٗ؛	2	اور حملے کے لئے اس نے اپنی تمام سوار اور پیدل افواج وسامان حرب ورسد فراہم کرلیا ہے۔
وَ اِنَّ مَعِیۡ لَبَصِیۡرَتِیۡ؛	3	اور میرے ساتھ تو صرف میری بصیرت ہی ہے۔
مَا لَبَّسۡتُ عَلٰی نَفۡسِیۡ؛	4	نہ میں نے کبھی ڈھونگ رچایا نہ میک اپ (Makeup) کیا۔
وَ لَا لُبِّسَ عَلَیَّ؛	5	اور نہ مجھے میک اپ کرکے یا ڈھونگ رچا کر دھوکا دیا جاسکا ہے۔
وَ ایۡمُ اللّٰہِ لَاُفۡرِطَنَّ لَھُمۡ حَوۡضًا اَنَا مَاتِحُہٗ؛	6	اور قسم بخدا، اگر خدا نے چاہا تو میں اُن کے لئے ایک ایسا اُمنڈتا ہوا حوض تیار کردوں گا کہ جس کو میں خود ہی خالی کرسکتا ہوں۔
لَا یَصۡدُرُوۡنَ عَنۡہُ وَ لَا یَعُوۡدُوۡنَ اِلَیۡہِo	7	جس کے گھیرے میں آجانے کے بعد نہ تو وہ اُس کے احاطہ سے باہر نکل سکیں گے اور نہ ہی اُس کی طرف پلٹ سکیں گے۔

شیطانی گروہ کی وضاحت خطبہ(7) میں ہوچکی ہے۔ یہاں تو یہ دیکھئے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ نظام مشاورت نہیں تنہا اُن کے علم میں بصیرت برسرکار ہے اُدھر عائشہ طلحہ اور زبیر مشوروں سے کام کرتے ہیں یعنی اُدھر ابلیس کا نظام اجتہاد ومشاورت ہے اور معاویہ اُس میں شامل ہے۔اور حضورؐ نے چیلنج کیا ہے کہ انہیں دھوکا نہیں دیا جاسکتا اور یہ کہ وہ اُن کو پانی کے گڑھے میں گھیر کر رکھ دیں گے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 11

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر:11

خُطبہ ﴿11﴾

دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے جنگ کا طریقہ:

(1) پہاڑ کی طرح جم کر کھڑا ہونا اور دشمن کی آخری صفوں پر نظر رکھنا؛ (2) سر و سینہ اور جان اللہ کو سپرد کر دینا؛

(3) افواج کی کثرت کو حقیر سمجھنا؛ (4) نصرتِ خداوندی پر یقین رکھنا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تَزُوۡلُ الۡجِبَالُ وَ لَا تَزُلۡ؛	1	پہاڑ اپنے مقام سے ہٹ جائیں مگر تو اپنی جگہ سے پیچھے نہ سرکنا۔
عَضَّ عَلٰی نَاجِذِکَ؛	2	اپنے دانتوں کو مضبوطی سے بند کر لینا۔
اَعِرِ اللّٰہَ جُمۡجُمَتَکَ؛	3	اپنا سر و پیشانی اللہ کو سونپ کر جنگ کرنا۔
تَدۡفِی الۡاَرۡضِ قَدَمَکَ؛	4	اپنے قدم زمین میں گاڑ کر مقابلہ میں ڈٹ جانا۔
اِرۡمِ بِبَصَرِکَ اَقۡصَی الۡقَوۡمِ؛	5	افواج کی آخری صفوں کو نظر کی رسائی میں رکھنا۔
وَ غُضَّ بَصَرَکَ؛	6	اور دشمن کی کثرت وقوت کو نظروں میں نہ سمانا۔
وَ اعۡلَمۡ اَنَّ النَّصۡرَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ سُبۡحَانَہٗ؛	7	اور یہ علم و یقین برقرار رکھنا کہ نصرت و فتح اللہ پاک کی طرف سے ضرور ملے گی۔

تشریحات:

1۔ میدان جنگ میں حضرت علیؑ جس شان وشوکت اور دبدبہ کے ساتھ جم کر قتل کرتے تھے اُسی شان کو اپنے بچوں سے بحال رکھوانا چاہتے تھے

جنگ جمل کی بات ہے کہ جب آپؑ نے اپنے بیٹے محمد ابن حنفیہ کو سرداریِ لشکر سونپی تو انہیں اِس خطبہ میں مخاطب فرما کر تمام سرداروں کو اپنی شان اور آن بان برقرار رکھنے اور افواج کے قلب و ذہن اور اجسام پر اس طرح چھا جانے کی ہدایات دیں کہ دونوں طرف کے شجاعانِ فوج سوتے جاگتے اُس مرقع کو سامنے رکھیں جو فتح و کامرانی کا ضامن ہوتا ہے۔ اور جسے علیؑ و خاندانِ علیؑ عملاً پیش کرتے ہیں۔

(الف) غلط اور قریش ساز افسانے اور روایات لکھنا پہلی غلطی ہوتی ہے روایات کی کمزوریاں بیان کر کے غلط افسانوں کو غلط کہنا دوسری غلطی ہوتی ہے

قریش نے اور قریش کے وظیفہ خوار علما نے دنیا میں چمکنے اور اچھے لوگ بننے اور حقیقی و سچ مچ کے مسلمان کہلانے کے لئے اپنی اپنی حکومتوں کے اَدوار میں خود ساختہ افسانے، روایات اور واقعات تیار کئے اور اُنہیں مسجدوں، منبروں اور مدرسوں سے عوام میں پھیلایا اور مشہور کیا۔ انہیں یاد کرنے والوں کو انعامات دیئے۔ ملازمتوں اور ترقی کے لئے اُن کے یاد ہونے اور بیان کرنے کو شرط بنایا۔ یہاں تک کہ بعد میں آنے والی ہر نسل نے پہلی

نسل کے گھڑے ہوئے سامان کو سچا اور حقیقت واقعی سمجھا اور یوں قرآن کی مردود وملعون قوم ایک شاندار، نیک اطوار اور وفا شعار قوم بن کر دنیا کے سامنے آ گئی۔قریش کو اس مقام تک پہنچانے میں بڑی مدد اُن نام نہاد شیعہ علمانے کی جو در پردہ خلفا و سلاطینِ باطل سے وظائف پاتے تھے اور چوتھی صدی میں تو باقاعدہ کھل کر اُن کے تنخواہ دار اور درباروں میں کرسی ومسند نشین تھے اور اتفاق سے حضرت رضیؑ رضی اللہ عنہ کے قریبی اور رشتہ دار بھی اُن میں شامل تھے۔اُنھوں نے دُہرا پارٹ انجام دیا۔وظیفے اور تنخواہ کو حلال کرنے کے لئے مذکورہ قریش ساز افسانوں اور روایات کو اپنی نام نہاد شیعہ کتابوں میں لکھا اور لکھتے چلے آئے یہاں تک کہ نہج البلاغہ کے ایک سرکاری تنخواہ خوار مفتی نے بھی یہ کام کیا اور خود اسی خطبہ نمبر 11 کی تشریح میں کیا۔دوسرا پارٹ یعنی شیعہ بنے رہنے کے لئے اُن میں سے بعض نے اُن غلط افسانوں کو یہ کہہ کر غلط قرار دیا کہ:

(1) فلاں روایت ضعیف یا کمزور ہے۔

(2) فلاں روایت،فلاں روایت کے مخالف ہے۔

(3) فلاں روایت کا راوی متعصب یا بھُلکڑ تھا۔وغیرہ

اور بعض بلا کسی تنقید اور ریمارکس کے خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔یوں اُن شیعہ کہلانے والے علمانے مخالف علما کے لئے یہ گنجائش اور موقع فراہم کر دیا کہ وہ لکھ سکیں کہ:

(1) ''اِن بیسویں صدی کے علما اور عوام نے اُن حقائق کا انکار کرنا شروع کر دیا ہے جن کو قدیم اَدوار کے تمام چوٹی کے شیعہ علما مانتے اور اپنی کتابوں میں لکھتے چلے آئے ہیں۔مثلاً یہ کہ رسوؐل کی ایک بیٹی ماننے پر اصرار کرتے ہیں لیکن شیعوں کے مفتی اعظم حجتِ دوراں، مجتہد العصر و الزمان آیت اللہ فی العالم حضرت محمد باقر مجلسی نے اپنی کتاب حیات القلوب میں رسوؐل اللہ کی چار بیٹیاں مانی اور اُن کے اسماء مبارکہ لکھے ہیں۔(حیات القلوب جلد 2 صفحہ 869)''

(2) ''فلاں آیت اللہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہٗ کا داماد مانا ہے۔'' (وغیرہ وغیرہ)

جس نام نہاد شیعہ عالم کا خطبہ نمبر 11 سے تعلق ہے وہ ہر زمانہ میں ہر حکومت کا تنخواہ دار و وظیفہ خوار رہا ہے اور تمام شیعہ عوام وخواص اس حقیقت سے واقف ہیں۔اُسے کالی بھیڑ بھی کہتے رہتے ہیں اور پوجا بھی کرتے رہتے ہیں۔

(ب) <u>حضرت محمدؑ بن حنفیہؑ کیوں؟ محمدؑ بن علیؑ کیوں نہیں؟</u> سوال کو اس صورت میں قائم کر کے اس کا جواب کسی نے نہیں دیا۔یا یہ کہیے کہ اس صورت میں سوال کسی نے کیا ہی نہیں تو جواب کیسے اور کیوں دیا جاتا؟ بہر حال ہمیں یہ بتانا ہے کہ حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام قبیلہ بنی حنیفہ کو چند وجوہ کی بنا پر تا قیامت زندہ ومحترم رکھنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں حضوؐر نے بہت سے اقدامات کئے اور ہدایات دیں اور وصیتیں بھی کی ہیں۔اس لئے اپنی اولاد کو اُس قبیلہ سے منسوب کر دیا تھا تا کہ اُن کے ساتھ وہ قبیلہ بھی جاودان ہو جائے اور لوگوں کو وہ بے جگری اور شجاعت یاد آتی رہے جو اس قبیلے نے قریشی یا ابوبکر کی حکومت وخلافت کے انکار پر دکھائی تھی اور ساتھ ہی وہ فراڈ اور ظلم بھی ذہنوں میں تازہ رہے جو قریش اور قریشی حکومت نے اس قبیلہ پر روا رکھا تھا۔ہم یہ سارا قصہ سنانے کی پوزیشن میں نہیں۔یہ بتا دیں کہ سارا عرب ابوبکر کے خلاف تیغ بکف اُٹھا مگر اُن پر مرتد ہو جانے کی تہمت لگا کر اور جھوٹے نبیوں کے جُھوٹے قصے گھڑ کر انہیں زیر کر لیا گیا۔اور ابو حنیفہ کو اتنا ہی خطرناک سمجھا گیا جتنا اولادِ علیؑ کو سمجھا جاتا تھا اور دونوں کی نسل تک کو منقطع کرنے کا اہتمام کیا گیا عورتوں اور بچوں کو غلام وکنیز بنایا گیا تھا۔اُن ہی میں سے محمد بن حنفیہ کی ماں بننے والی عورت خولہ بنت جعفر تھیں

جن سے حضرت علیؑ نے آزاد کر کے شادی کی تھی اور اُن کے قبیلے کی نسبت سے بیٹے کا نام رکھا۔

(ج) قبیلہ بنی حنیفہ کے لئے ابوبکر خلیفہ کا فرمان: سب باتوں کو چھوڑ کر ابوبکر کا فرمان سُن لیں۔

''ابوبکر نے سلمہ بن سلامہ بن وقش کے ہاتھ ایک خط خالد بن ولید کو بھیجا تھا جس میں اُن کو حکم دیا تھا کہ اگر اللہ عزّ وجلّ اُن کو فتح دے تو وہ بنی حنیفہ کے اُن تمام مردوں کو جن کی داڑھی نکل آئی ہے قتل کر دیں۔'' (تاریخ طبری ترجمہ حصہ دوم خلافت راشدہ صفحہ 119)

مطلب یہ تھا کہ قبیلہ ختم ہو کر رہ جائے۔

2۔ خطبہ نمبر 11 کے مخاطب: راہِ خدا میں پہلی بار جنگ کیلئے نکلنے والے نوآموز و نوخیز بہادر نوجوان

اس خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام ہر اُس بہادر مجاہد کو مخاطب فرمارہے ہیں جو پہلی مرتبہ راہِ خدا میں جنگ کے لئے نکلتا ہے۔ اور ایک ایک مدّمقابل سے جنگ آزما ہوتا ہے۔ یا دشمن کی پوری فوج پر حملہ کرتا ہے۔ ہر صورت میں ضروری ہے کہ اللہ سے فتح و کامرانی ملنے کا یقین ہو۔ ہتھیار زیبِ تن کرتے وقت یہ فیصلہ کر لینا اللہ کی نصرت کا ضامن بن جاتا ہے کہ مجھے آج اپنی جان اللہ کے حضور میں پیش کرنا ہے۔ وہ خود مجھے فاتح کی حیثیت سے واپس لائے تو زہے نصیب ورنہ میں ناکام زندہ واپس نہ آؤں گا۔ قتل ہو جاؤں گا تو حیاتِ جاوداں پاؤں گا ورنہ غازی اور فاتح کہلاؤں گا۔ دونوں صورتوں میں خوشنودیٔ خدا اور رسول و سربراہؑ اسلام حاصل کروں گا۔

اوّل۔ اہلِ حق قلت میں ہوں تب بھی اہلِ باطل کی کثرت پر غالب رہتے ہیں

حضوؑر نے دشمن کی کثرت کو نظر انداز کرنے کی نصیحت فرمائی ہے تاکہ اللہ کا یہ وعدہ یاد دلائیں کہ:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ٥ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ٥ (مائدہ 56-5/55)

''تمہارے سو فیصد خیر خواہ حکمران اللہ، اللہ کے رسوؐل اور اُن مخصوص مومنین کے علاوہ اور کوئی نہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور حالت ناداری میں نادار رہ کر زکوٰۃ دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے اور جو کوئی صرف اللہ، اور اُس کے رسوؐل اور مذکورہ مومنین کو ہی اپنا حاکم مانے وہی اللہ کا گروہ ہے، اور اللہ کا گروہ ہی غالب رہتا ہے۔'' (مائدہ 56-5/55)

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ٥ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ٥ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ٥ (صفت 173 تا 37/171)

''اور یقیناً ہمارا کلمہ تو ہمارے تمام رسولوںؑ تک پہلے ہی پہنچا تھا کہ یقیناً اُن کی نصرت کی جاتی رہے گی اور یقیناً ہماری ہی فوج کیلئے ضروری غلبہ ہے۔'' اللہ کا یہی وعدہ تھا جس پر کامل یقین کی وجہ سے حضرتِ علیؑ اور اُن کی فوج کو کبھی بھی شکست نہ ہوئی''۔ (173-37/171)

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ (بقرہ 2/249)

وہ یہ سمجھ کر اہلِ باطل کی فوج میں ڈوب جاتے تھے کہ اگر اللہ چاہے تو ایک جان نثار قلیل جماعت کو دشمن کی اکثریت پر غلبہ اور فتح عطا کر سکتا ہے بشرطیکہ مجاہد سر کو اللہ کے حوالے کرنے کے بعد میدان میں آئیں۔ اور سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ (بقرہ 2/249)

پھر حضوؑر نے دشمن کی ساری فوج پر عموماً اور پچھلی اور بعید ترین صفوں پر خصوصاً نظر رکھنے کی تاکید فرمائی ہے تاکہ اگر دشمن مصنوعی ہزیمت دکھانے کا فریب دینا چاہے تو فوج کی پچھلی صفوں کو پہلے پیچھے ہٹنے کے لئے حرکت میں لایا جائے گا۔ اور اگر دشمن پیچھے سے بھی حملہ کرنا چاہے تب بھی ہلچل

پچھلی ہی صفوں میں پیدا ہوگی اور یہ حرکت مجاہدین دیکھ لیں گے لہٰذا دشمن فریب دینے میں ناکام ہو جائے گا۔

دوم۔ مترجمین وشارحین نے اس خطبے کو حضرت محمدؑ بن حنفیہؒ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے

اس خطبے کے ساتھ یہ شانِ نزول لگا چلا آرہا ہے کہ: وَمِنْ كَلَامٍ لَهُ عَلَيْهِ السّلام لِابْنِهِ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنُفِيَّةِ لَمَّا اَعْطَاهُ الرَّايَةَ يَوْمَ الْجَمَلِ ''اور یہ بھی آنحضرت علیہ السلام کے کلام میں سے وہ کلام ہے جو آپؑ نے اُس وقت فرمایا تھا جب جنگ جمل کے دن آپؑ نے اپنے بیٹے محمدؑ بن حنفیہؒ کو علم دیا تھا۔'' ہم نے یہ شانِ نزول بھی اس لئے ساقط کر دیا ہے کہ:

اول۔ خطبے کے جملوں سے یہ شانِ نزول ثابت نہیں ہوتا۔ نہ خطبے میں محمد بن حنفیہ نام ہے نہ اپنا بیٹا فرمایا ہے۔

دوم۔ حضرت علی علیہ السلام کے تو چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی یہ بتانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی کہ: ''نصرت اللہ کی جانب سے ہوا کرتی ہے۔''

چہ جائیکہ ایک بیس بائیس سالہ جوانؑ اللہ کے متعلق اتنا بھی نہ جانتا ہو کہ فتح ونصرت اللہ ہی کے ہاتھ ہے؟

بہر حال اِن سات جملوں کے مخاطب خانوادۂ نبوتؐ کے افراد نہیں بلکہ نوآموز ونوخیز نوجوان بہادر تھے۔

سوم۔ حضرت محمدؑ بن حنفیہؒ کی والدہؒ کا قبیلہ قریشی حکومت کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا

حضرت محمدؑ بن حنفیہؒ کی والدہ جناب خولہؒ بنت جعفر جو قبیلہ بنی حنیفہ کی نسبت سے حنفیہ مشہور ہیں اور اُن کی بزرگی اور خاندانِ نبوّت میں پسندیدگی کا پتہ اِسی سے چل جاتا ہے کہ اُن کے بیٹے کو علیؑ کا بیٹا (محمدؑ بن علیؑ) کہنے کے بجائے اُن ہی کا بیٹا (محمدؑ بن حنفیہؒ) کہا گیا ہے۔ اور ماں کو باپ کے برابر کر دیا گیا ہے۔ پھر محمدؑ بن حنفیہؒ کو حضرت علی (یداللہ) علیہ السلام نے اپنے ہاتھ اور حسنینؑ کو اپنی آنکھیں قرار دیا ہے۔ اور فرمایا تھا کہ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتا ہوں۔ یعنی خطرناک حالتِ جنگ میں حسنینؑ کو نہیں بلکہ محمدؑ بن الحنفیہؒ کو بھیجتا ہوں۔ چنانچہ یدؑ اللہ کے ہاتھ بھی قوت وقدرتِ پروردگار کا مظہر ہونا چاہئیں اور خطرناک مواقع پر حسنینؑ کا محافظ رہنا اُن کی شجاعت ومحبت ووفا کا ثبوت ہیں۔

چھارم۔ ابوبکر نے قبیلہ بنی حنیفہ کے قتلِ عام کے سوا اپنی حکومت کو بچانے کا کوئی علاج نہ دیکھا

جس قبیلے نے قریشی حکومت کو آخر تک قبول نہ کیا اور سر دھڑ کی بازی لگا کر مقابلہ کیا وہ قبیلہ محمدؑ بن الحنفیہؒ کی والدہ کا قبیلہ بنی حنیفہ تھا۔ یہ سارا قبیلہ حقیقی معنی میں مسلمان تھا اور مسلمان رہا۔ اس قبیلے نے بھی مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ کی طرح ابوبکر کو خلیفہ تسلیم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ لہٰذا اس قبیلہ پر بھی مرتد ہو جانے کی تہمت لگائی گئی تاکہ اُن سے جنگ کی جائے اور مشہور کیا گیا کہ لوگ نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ نیا مذہب جاری کر رہے ہیں۔ چنانچہ جھوٹے پروپیگنڈے اور تہمتوں کے سایہ میں چاروں طرف قتل عام کیا گیا اور بنی حنیفہ کے لئے خالد بن ولید ملعون کو یہ فرمان بھیجا گیا کہ: ''حضرت ابوبکر نے مسلمہ بن سلامہ کے ہاتھ ایک خط خالد کو بھیجا تھا جس میں اُن کو حکم دیا تھا کہ اگر اللہ عزوجل اُن کو فتح دے تو وہ بنی حنیفہ کے اُن تمام مردوں کو جن کی داڑھی نکل آئی ہے قتل کر دیں۔'' (ترجمہ طبری حصہ 2 صفحہ 119)

قارئین نوٹ رکھیں کہ عرب میں کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ یہ افسانے مسلمانوں کا قتل عام جائز کرنے کے لئے بعد میں تیار کئے گئے تھے اور علمائے شیعہ نے بھی اُن افسانوں کو صحیح سمجھ کر لکھ لیا۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 12

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 12

خُطبہ ﴿12﴾

قیامت تک پیدا ہونے والے تمام دوستدارانِ اہلبیتؑ حضرت علی علیہ السلام کے انصار اور مجاہدین میں شریک وشمار ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

لَـمَّا اَظۡفَرَہُ اللّٰہُ بِاَصۡحَابِ الۡجَمَلِ وَ قَدۡ قَالَ لَـہٗ بَـعۡـضُ اَصۡـحَـابِہٖ: وَدِدۡتُّ اَنَّ اَخِیۡ فُلَانًا کَـانَ شَاھِدَنَا لِیَرٰی مَا نَصَرَکَ اللّٰہُ بِہٖ عَلٰی اَعۡدَائِکَ۔	جب اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کو اونٹ والی عائشہ اور طلحہ وزبیر پر جنگ جمل میں فتح دے دی تو حضورؑ کے ایک صحابی نے آپؑ سے عرض کیا کہ: ''مجھے بہت محبوب تھا کہ میرا فلاں بھائی بھی یہاں موجود ہوتا تو بہت خوش ہوتا کہ اللہ نے آپؑ کو دشمنوں پر کیسی فتح عطا کی ہے۔

فَقَالَ لَہٗ عَلَیۡہِ السلام: آپؑ نے فرمایا:

اَھَوٰی اَخِیۡکَ مَعَنَا؟	1	کیا تمہارے بھائی کا دل ہماری طرف جھکا ہوا ہے؟
فَقَالَ: نَعَمۡ؛	2	اُس نے کہا کہ جی ہاں۔
قَالَ فَقَدۡ شَھِدَنَا؛	3	آپؑ نے فرمایا یقیناً وہ ہمارے ساتھ جنگ وفتح کی خوشی میں شریک تھا۔
وَ لَـقَدۡ شَھِدَنَا فِیۡ عَسۡکَرِنَا ھٰذَا اَقۡوَامٌ فِیۡ اَصۡلَابِ الرِّجَالِ وَ اَرۡحَامِ النِّسَآءِ؛	4	اور یقیناً ہماری اس فوج میں وہ تمام محبانِ محمدؐ وآل محمدؐ قومیں بھی ہمارے شریک حال تھیں جو ابھی مَردوں کے اصلاب میں اور عورتوں کے ارحام میں ہیں۔
سَیَرۡعُفُ بِھِمُ الزَّمَانُ؛	5	عنقریب زمانہ اُنہیں عالم وجود وشھود میں لانا شروع کرے گا۔
وَ یَقۡوٰی بِھِمُ الۡاِیۡمَانُ؛	6	اور اُن کے ظہور سے اہل ایمان کو تقویت ملے گی۔

تشریحات:

1۔ اصول نجات وہلاکت

اس خطبہ نمبر 12 میں اصول نجات نہیں بیان کیا گیا بلکہ اُس کا نتیجہ بیان فرمایا ہے۔ اصول یہ ہے اَلۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّات یعنی نیت پر اعمال کا دارومدار ہے۔ نیت نہیں کی تو عمل شمار نہ ہوگا۔ آدمی مر گیا مارنے کی نیت نہ تھی تو قتل کا جرم عائد نہیں ہوتا۔ نیت قتل کی تھی آدمی نہیں مرسکا قتل کا جرم عائد ہوگا۔ ایک شخص نے مسجد کے سامنے کھونٹا گاڑا تاکہ نمازی ٹھوکر کھائیں۔ ایک نمازی نے اس میں گھوڑا باندھا اطمینان سے نماز پڑھی گاڑنے والے کو ثواب نہ ہوگا بلکہ ٹھوکر کھلانے کی سزا ملے گی۔ ارادہ کیا امام بارگاہ بناؤں گا۔ حالات نے مجبور رکھا۔ تعمیر کا اجر ملے گا۔ نیت یہ ہے اور زیارتوں میں اعلان بھی کرتا ہے کہ میں محمدؐ وآل محمدؐ کے دُکھ سکھ میں شرکت کرونگا نصرت اور غم بجالاؤں گا۔ یہ نیت اس کو شرکت کا اجر دلائے گی۔ اسی نتیجہ کو خطبہ میں بیان

فرمایا ہے۔ پانچویں جملے میں ظہورِ قائمِ قیامت ابن حسن عسکری علیہ السلام اور زمانہ رجعت کی بات ہوئی ہے جب حقیقی اور پسندیدہ مومنین کو حیات بخشنے اور اُن کو اُن کے وہ حقوق اور جزا دینے کی اطلاع ہے جس سے وہ مشیت کی روانی کی بنا پر محروم رہ گئے تھے۔ (رجعت کی مزید تفصیلات متعلقہ سورتوں، شوریٰ، حدید اور سورہ تطفیت ترجمہ وتفسیر قرآن مجید ''احسن التعبیر'' میں اور خطبہ نمبر 28 کی تشریحات میں دیکھی جاسکتی ہیں)

2۔ دوستدارانِ اہلبیتؑ کو محمدؐ وعلیؑ اور آئمہؑ معصومینؑ کی ازلی وابدی معیت حاصل ہے

اس بارہویں خطبے میں حضورؐ نے اپنے ایک صحابی سے دو ایسی باتیں فرمائی ہیں جن کو سمجھنے اور ماننے کیلئے پہلے سے کچھ بنیادی حقائق کا جاننا ضروری ہے۔ ورنہ اُن کو سننے والا فوراً ''ناممکن'' کہہ کر انکار کردے گا۔ یعنی یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک شخص جو کوسوں دُور ہے وہ جنگ جمل میں شریک رہا ہو؟ اور یہ تو بالکل ہی قابلِ قبول نہیں کہ وہ اشخاص بھی اس جنگ میں شامل مان لئے جائیں جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے اور جو ابھی قیامت تک پیدا ہوں گے؟ ہم ان باتوں کے نہ ماننے والوں کو اس لئے الزام نہیں دیتے کہ اُنہیں علمائے اسلام نے قرآن کریم میں مذکوراللہ کی باتیں بھی بدل بدل کر پہنچائی ہیں۔ چنانچہ آج مسلمانوں کی عظیم الشان کثرت کو یہ تک معلوم نہیں کہ اللہ نے قرآن کے اندر، واضح الفاظ میں، کچھ ایسے حضرات کا موجود رہنا بیان فرمایا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام اور اُن سے پیدا ہونے والی قیامت تک کی اولاد کو الگ الگ اُن کے چہروں سے پہچانتے ہیں۔

اول۔ وہ حضرات جو آدمؑ سے پیدا ہونے والی ساری اولاد کو بھی الگ الگ چہروں سے پہچانتے ہیں

اللہ کا فرمان سُنئے اور علامہ مودودی کا فریب کارانہ ترجمہ دیکھئے۔ ارشاد ہے۔

وَ عَلَی الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ یَّعۡرِفُوۡنَ کُلًّاۢ بِسِیۡمٰہُمۡ وَ نَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ......(الخ) وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا یَّعۡرِفُوۡنَہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡکُمۡ جَمۡعُکُمۡ وَمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ؕ اَہٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا یَنَالُہُمُ اللّٰہُ بِرَحۡمَۃٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ؕ (سورہ الاعراف، 7/46,48-49)

''بلندیوں (اعراف) پر کچھ اور لوگ ہوں گے۔ یہ ہر ایک کو اُس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ ''سلامتی ہو تم پر''۔۔۔ الخ، پھر یہ اعراف کے لوگ دوزخ کی چند بڑی بڑی شخصیتوں کو اُن کی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے کہ ''دیکھ لیا تم نے، آج نہ تمہارے جتھے تمہارے کسی کام آئے اور نہ وہ ساز وسامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے۔ اور کیا یہ اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو تو خدا اپنی رحمت میں سے کچھ بھی نہ دے گا؟ آج اُن ہی سے کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں تمہارے لئے نہ خوف ہے نہ رنج ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 32-33)

(1) مودودی نے کھلی بددیانتی سے اللہ کے بیان کے غلط معنی کئے اور مذکورہ حضرات کا مقام چھپا دیا

علامہ کی بے ایمانی اور فریب کو واضح کرنے کے لئے علامہ رفیع الدین سُنّی عالمؒ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ پڑھنا پڑے گا۔

رفیع الدین کا ترجمہ ''اور اوپر اعراف کے مرد ہوں گے پہچانتے ہیں ہر ایک کو چہرے اُن کے سے اور پکاریں گے رہنے والے بہشت کے کو کہ سلامتی ہے اوپر تمہارے۔۔۔۔ اور پکاریں گے رہنے والے اعراف کے مردوں کو کہ پہچانتے ہیں اُن کو ساتھ چہروں اُن کے کے کہیں گے نہ کفایت کیا تم سے جمع تمہاری نے اور یہ کہ تھے تم تکبر کرتے، آیا یہ لوگ ہیں جن پر قسم کھاتے تھے تم کہ نہ پہنچاوے گا اللہ اُن کو رحمت کہا گیا اُن کو داخل ہو بہشت میں نہیں ڈر اوپر تمہارے اور نہ تم غمگین ہوگے۔'' (ترجمہ قرآن رفیع الدین۔ سورہ الاعراف، 7/46,48-49)

(2) آیات کا مطلب اور مقصد اب واضح ہو گیا

اللہ نے تو یہ فرمایا تھا کہ مقامِ تعارف یعنی اعراف پر کچھ ایسے مرد موجود ہیں جو تمام جنتیوں کو اور تمام دوزخیوں کو الگ الگ اُن کے چہروں (سِیـمَا) سے جانتے اور پہچانتے ہیں اور ساتھ ہی جنتیوں کے تمام نیک اعمال پر اور جہنمیوں کی بداعمالیوں، سرکشیوں اور عقائد پر مطلع ہیں۔ اور دونوں فریق کو مدح اور مذمت کر رہے ہیں اور دونوں کو مبارکباد اور ملامت پہنچا رہے ہیں۔ اور اس سے ثابت ہے کہ یہ حضرات دونوں فریق کے ساتھ ساتھ رہتے اور اُن کے اعمال وافعال واقوال وخیالات وعقائد پر عینی شاہد کی حیثیت سے نظر رکھتے رہے ہیں۔ اور یہ کہ وہی حضرات ہیں جن سے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ:

(1) وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا...... (بقرہ 2/143)

''اور ہم نے تمہیں ایک وسطی (درمیانی) اُمت اِس مقصد کے لئے بنایا ہے کہ تم پُوری نوعِ انسان پر عینی شاہد رہو اور یہ مخصوص رسولؐ محمدؐ تم سب پر عینی شاہد رہے۔''

(2) فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًاؕ (نساء 4/41)

''چنانچہ وہ کیسا پُر کیف وقت ہوگا جب ہم ہر ایک اُمت پر ایک ایک عینی شاہد لا کھڑا کریں گے اور اے رسولؐ آپؐ کو اُن تمام عینی شاہدوں پر عینی شاہد کی حیثیت میں متعین کر دیں گے۔''

(3) وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۠ (نحل 16/89)

''اور وہ دن قابلِ دید ہوگا جب ہم ہر اُمت پر اُسی اُمت میں سے ایک ایک عینی گواہ مبعوث کریں گے اور تمہیں اے محمدؐ ہم اُن تمام عینی گواہوں پر عینی شاہد مقرر کریں گے۔ اور ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ہی ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کر رکھی ہے جو ہر ہر چیز کو بیان کرتی ہے اور ساتھ ہی وہ کتاب مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور خوش خبریوں کی حامل ہے۔''

(3) مقامِ تعارف پر محمدؐ، علیؑ اور آئمہؑ اہلبیتؑ کے علاوہ اور کوئی ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا ہے

یہ حقیقت قرآنِ کریم سے بار بار پہلے بھی ثابت ہوتی رہی ہے کہ نورِ محمدیؐ اور اُس کے چودہ اجزا وہ اولین مخلوق اور ظہورِ خداوندی ہیں جو اس کائنات اور کائناتی مخلوقات سے کروڑوں سال پہلے سے تیار کئے جا رہے تھے۔ اور پھر اُن ہی سے اور اُن ہی کے لئے یہ کائنات اور اس کی مخلوقات بتدریج پیدا کی گئیں اور اُن ہی حضرات نے ہر چیز کو اُس کی تخلیق کے دوران متعلقہ ہدایات دیں، اُنہیں آغوشِ رحمت میں لے کر بڑھنے پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کے مواقع فراہم کئے اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ یہی حضرات ہیں جو تمام انسانوں، حیوانوں، نباتات و جمادات پر مُربی، نذیر، ہادی اور نگراں رہتے چلے آئے ہیں اور وُہی اس قابل رہے ہیں کہ تمام مخلوقات کے اعمال وافعال واقوال وخیالات و احساسات کو جب چاہیں اور جتنا چاہیں بیان کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ اللہ نے اُنہیں اپنی ہمہ گیر قدرتوں اور صفات کا ظہور بنایا تھا۔ اُن سے کائنات کی کوئی چیز بھی اوجھل نہ رہ سکتی تھی۔

اُن حضرات علیہم السلام کی اس پوزیشن کو چھپانے کے لئے مودودی نے آیات میں آئے ہوئے لفظ ''سِیمَاهُمْ'' کے معنی پہلی آیت (7/46) میں

''قیافہ'' کر دیئے اور دوسری آیت (7/48) میں اُسی لفظ سِیۡمَاھُمۡ کے معنی ''علامتوں'' بنا دیئے۔ تاکہ اُن حضرات کو علامہ کے قاری اپنے ایسا اندازے اور تخمینے لگانے والا آدمی سمجھیں۔ لیکن اِن غلط معنی کے بعد بھی اتنی حقیقت تو بہر حال باقی رہ گئی کہ وہ حضرات اربوں، پدموں اور سنکھوں انسانوں کو یعنی تمام جنتیوں اور جہنمیوں کو بیک وقت دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ کوئی آدمی بیس تیس آدمیوں کو بھی بیک نظر نہیں دیکھ سکتا۔

(4) مودودی نے عمداً محمدؐ و علیؑ اور آئمہ معصومینؑ کی بزرگی کو گم کرنے کے لئے غلط معنی کئے ہیں

بہر حال اب ہم دکھاتے ہیں کہ علامہ نے اسی لفظ ''سِیمَا'' کے صحیح معنی بھی کئے ہیں اور ایک جگہ نہیں بلکہ دو دو جگہ صحیح معنی کئے اِس لئے کہ وہاں علامہ کو کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا تھا۔ لہٰذا پھر قرآن اور علامہ کا ترجمہ دیکھیں:

(1) وَلَوۡ نَشَآءُ لَاَرَيۡنٰكَهُمۡ فَلَعَرَفۡتَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ۔ (سورہ محمدؐ 47/30)

مودودی کا صحیح ترجمہ: ''ہم چاہیں تو اُنہیں تم کو آنکھوں سے دکھا دیں اور اُن کے چہروں سے تم اُن کو پہچان لو مگر اُن کے اندازِ کلام سے تو تم اُن کو جان ہی لوگے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 29)

(2) يُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِيۡمٰهُمۡ۔ (رحمٰن 55/41)

''مجرم وہاں اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 265)

یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ وہ غلط ترجمہ و تشریح کرنے والوں کو گرفتار کرانے کا پہلے سے انتظام رکھتا ہے۔ مودودی نے اپنی تفہیم کی دوسری جلد کے صفحہ 32-33 پر لفظ سِیۡمَا کے معنی قیافہ اور علامتوں کئے لیکن دو ہزار صفحات لکھنے کے بعد صحیح معنی چہروں لکھ دیئے اور یقین ہو گیا کہ اُن کے قاری سابقہ غلط معنی کو یہاں تک پہنچتے پہنچتے بھول چکے ہوں گے۔

دوم۔ محمدؐ علیؑ اور آئمہ معصومینؑ نے بتدریج بھی اور بیک وقت بھی پوری نوع انسان کو دیکھا بھالا تھا

اب ہم وہ بالکل ابتدائی تعارف آپ کے سامنے قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں جس میں اللہ نے تمام نوع انسان کو اُن کی مادی پیدائش سے بھی بہت پہلے اپنے روبرو حاضر کیا تھا، یا یُوں کہیئے کہ اعراف والے حضرات علیہم السلام کے روبرو پیش کیا تھا اس لئے کہ اللہ کے روبرو تو وہ ہر حال میں تھے ہی۔ قرآن اور پھر مودودی کا ترجمہ پڑھیئے:

وَ اِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ قَالُوۡا بَلٰى شَهِدۡنَا اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ۝ اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝ (اعراف 174-7/172)

''اور اے نبیؐ لوگوں کو یاد دِلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدمؑ کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا تھا۔ اور اُنہیں خود اُنکے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' اُنہوں نے کہا ''ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔'' یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ''ہم تو اس بات سے بے خبر تھے'' یا یہ نہ کہنے لگو کہ ''شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو اُن کی نسل سے پیدا ہوئے، پھر کیا آپ ہمیں اُس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا'' دیکھو اس طرح ہم نشانیاں واضح طور پر پیش کرتے ہیں اور اس لئے کرتے ہیں کہ یہ لوگ پلٹ آئیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 95 تا 99)

(1) علامہ کی تشریح سے پہلے ہمارے قلم سے اِن آیات کے متعلق چند توجہ طلب باتیں سُن لینا مفید ہوگا

مودودی بھی بتائیں گے اور تمام علما نے بھی مانا ہے کہ ان آیات (174 تا7/172) میں اللہ نے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو عاقل و بالغ اور انسانی مادی جسمانی صورت میں ایک جگہ جمع کر کے یہ سوال کیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اور ساری نوع انسان نے بڑے اطمینان و یقین اور ذمہ داری کے ساتھ اقرار کیا اور اللہ کو اپنا رب مانا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اللہ کسی خاص صورت میں اُن کے سامنے اس شان سے آ گیا تھا کہ اُسے دیکھتے ہی سب نے اُسے رب مان لیا؟ اور کیا اُن کی انسانی صورت میں آنے کے بعد کچھ زمانے تک یا اِس سے قبل کی صورت میں اُن کی ایسی واضح طور پر ربوبیت ہوتی رہی تھی کہ اُنہوں نے بلا تکلف فوراً رب مان لیا؟

ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب مذکورہ نسلِ انسانی بالکل ہماری طرح عقل و بصیرت و وہم و گمان و شک و شبہ اور ہوش و حواس رکھتی تھی تو لازم تھا کہ اُنہیں وہ تمام مادی دلائل و ثبوت فراہم کئے جاتے جن کی ہمیں ضرورت پڑتی ہے ورنہ مذکورہ بالا اقرار ممکن نہیں ہے۔ علامہ یا کسی اور عالم نے نہ یہ سوالات اُٹھائے اور نہ اُن کا جواب ہی دیا۔ بہر حال یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ پوری نوع انسان نے مطمئن ہونے اور یقین حاصل کر لینے کے بعد والا جواب دیا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وہ تمام کارروائی کی گئی تھی جس کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد انہوں نے اطمینان سے اطمینان بخش جواب دیا تھا۔ اور وہ کارروائی یہ ہی تھی کہ اُن کے روبرو وہ حضرات اُس تمام سامان سمیت موجود تھے۔ جن کا تذکرہ مندرجہ بالا اعراف والی آیات (48 تا7/46) میں ہوا ہے۔ جو ابتدائے تخلیق سے ہر مخلوق پر حاضر و ہادی تھے۔

(2) مودودی کی تشریحات احادیث کی مدد سے

''جیسا کہ متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ تخلیقِ آدمؑ کے موقع پر پیش آیا تھا۔ اُس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے انسانِ اوّل کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسانؑ کی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا، اسی طرح پوری نسلِ آدمؑ کو بھی، جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے بیک وقت وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے (اللہ کا سامنا اور پیچھا نہیں ہوتا۔ احسنؔ) حاضر کیا تھا اور اُن سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی تھی۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت اُبی بن کعب نے غالباً نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کر کے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس مضمون کی بہترین شرح ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کیا اور (ایک ایک قسم یا ایک ایک دَور کے) لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں مرتب کر کے انہیں انسانی صورت اور گویائی کی طاقت عطا کی، پھر اُن سے عہد و میثاق لیا اور اُنہیں آپ اپنے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اُنہوں نے عرض کیا ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر زمین و آسمان سب کو اور خود تمہارے باپ آدمؑ کو گواہ ٹھہراتا ہوں تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اِس کا علم نہ تھا۔ خوب جان لو کہ میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور میرے سوا کوئی رب نہیں ہے.....'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 96)

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد علامہ مزید تصدیق کرتے ہیں اور چُون و چرا کرنے والوں پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

علامہ کی مزید تصدیق و تائید و تنقید

''اس معاملہ کو بعض لوگ محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کرتے ہیں۔ اُن کا خیال یہ ہے کہ دراصل یہاں قرآن مجید صرف یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار انسانی فطرت میں پیوست ہے اور اس بات کو یہاں ایسے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ ایک

واقعہ تھا جو عالم خارجی میں پیش آیا۔لیکن ہم اس تاویل کو صحیح نہیں سمجھتے۔قرآن اور حدیث دونوں میں اُسے بالکل ایک واقعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور صرف بیان واقعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز بنی آدم پر حجت قائم کرتے ہوئے اس ازلی عہد واقرار کو سند میں پیش کیا جائے گا۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُسے محض ایک تمثیلی بیان قرار دیں۔ ہمارے نزدیک یہ واقعہ بالکل اُسی طرح پیش آیا تھا جس طرح عالمِ خارجی میں واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فی الواقع اُن تمام انسانوں کو جنہیں وہ قیامت تک پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، بیک وقت زندگی اور شعور اور گویائی عطا کر کے اپنے سامنے (یعنی پیچھے کوئی تھا نہ داہنے نہ بائیں کچھ تھا؟۔احسؔن) حاضر کیا تھا......'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 96)

علامہ نے مان لیا کہ ساری نوع انسان کو اپنی مقررہ صورت وشکل اور قدرت وصفات کے ساتھ حاضر کیا تھا اور یہ حاضری یقیناً ایسے حضرات علیہم السلام کے سامنے ہوئی تھی جن کے سامنے حاضر ہونا اللہ کے سامنے حاضری تھی۔اب احادیث کا وہ ریکارڈ دیکھیں جس میں سے ہر ایک حدیث کا بیان ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی کی حکومتوں کے زمانوں میں ممنوع اور جان لیوا جُرم تھا (ابو ہریرؓہ بخاری) اور جن میں سے صرف ایک محدث علامہ محمد اسماعیل بخاری نے چھ لاکھ چورانوے ہزار احادیث اپنی کتابوں میں لکھنے کی اجازت نہ پائی تھی۔اور جن کو محفوظ رکھنے کے لئے آنحضرؐت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریری صورت میں دو بوریاں (وعائین) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی سپرد کی تھیں۔

(3) ساری نوع انسان سے اللہ کی ربوبیت پر، محمدؐ کی نبوت پر اور علیؑ کی حکومت پر عہد لیا گیا تھا

سُنئے کہ: عَنْ جابرؓ عن ابی جعفر علیه السلام قال: قُلْتُ له: لِمَ سَمَّیٰ امیر المومنین؟ قال: اللّٰہ سَمَّاہُ۔وَ ھٰکَذَا اَنْزَلَ فِیْ کتابہٖ: "وَ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بنی اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَ اَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلِیْ وَ عَلِیًّا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (اصول کافی کتاب الحجۃ باب نادر حدیث نمبر 4)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؐ باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت علیؑ کو امیر المومنین کیوں کہا گیا ہے۔ فرمایا اللہ نے اُن کا یہ نام رکھا ہے اور قرآن میں اسی طرح نازل کیا گیا کہ: اے نبیؐ لوگوں کو یاد دِلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے پروردگار نے بنی آدمؑ کی پشتوں سے اُن کی ذریتوں کو نکالا تھا۔اور اُنہیں خود اُن کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب اور محمدؐ میرا رسوؐل اور علیؑ مومنین کا امیر وحاکم نہیں ہیں؟''

(4) تمام انبیاؑ اور پوری نوعِ انسان اُمتِ محمدؐیہ میں داخل ہیں (آل عمران 3/81) حضوؐر نام بنام واقف ومتعارف تھے

معلوم ہوا کہ پوری انسانیت تین بنیادی حقائق پر ایمان لانے کے لئے حاضر کی گئی تھی۔اور ربوبیت خداوندی کے مظاہرؑ علیہم السلام نے تمام انسانوں کو مادی ومحسوس ومشہود ثبوت دکھا کر مطمئن کیا تھا اب یہ ملاحظہ ہو کہ ساری اولا دآدمؑ آنحضرؐت کے روبرو پیش کی گئی تھی:

عن محمد الحلبی عن ابی عبداللّٰہ علیه السلام قال: اِنَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم قال: اِنَّ اللّٰہ مَثَّلَ لِیْ اُمَّتِیْ فِی الطِّیْنِ وَ عَلَّمَنِیْ اَسْمَآءَ ھُمْ کَمَا عَلَّمَ آدمؑ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا فَمَرَّ بِیْ اَصْحَابُ الرَّایَاتِ فَاسْتَغْفَرْتُ لِعَلِیٍّ وَ شِیْعَتِہٖ، اِنَّ رَبِّیْ وَعَدَنِیْ فِیْ شِیْعَۃِ عَلِیٍّ خَصْلَۃً، قِیْلَ یَا رسوْل اللّٰہ! وَ مَا ھِیَ؟ قَالَ: اَلْمَغْفِرَۃُ لِمَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ وَ اَنْ لَا یُغَادِرُ مِنْھُمْ صَغِیْرَۃً وَّ کَبِیْرَۃً وَ لَھُمْ تَبَدَّلَ السَّیِّئَاتُ حَسَنَاتٍ (ایضاً باب مولد النبی حدیث نمبر 15)

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ نے میری اُمت کو مادی صورت میں میرے لئے میرے سامنے پیش کیا اور مجھے اُن سب کے نام بتائے جس طرح آدمؑ کو تمام نام سکھائے تھے چنانچہ میرے پاس سے اہل پرچم گذرتے رہے اور میں علیؑ کے لئے اُن کے شیعوں (مشن کی اشاعت کرنے والوں) کے واسطے تحفظ فراہم کئے جانے کی دعا کرتا رہا۔ یقیناً میری دعا پر میرے پروردگار نے مجھ سے علیؑ کے مشن کی اشاعت کرنے والوں کے حق میں ایک مستقل وعدہ کیا تھا۔ پوچھا گیا کہ وہ وعدہ کیا تھا؟ فرمایا کہ اُن میں سے جو بھی اس معاہدہ کو مان لے گا اُس کی مغفرۃ کی جائے گی اور اُن کے چھوٹے اور بڑے تمام گناہ باقی نہ رہیں گے اور یہ کہ اُن کی تمام برائیاں اچھائیوں سے تبدیل کردی جائیں گی۔'' (باب مولد النبیؐ)

یہاں واضح الفاظ میں معلوم ہوگیا کہ پوری نوع انسان کا قبل از پیدائش اجتماع درحقیقت محمدؐ و علیؑ کی سپردگی کے لئے ہوا تھا اور اُسی وقت سے وہ اپنے دوستداروں کو اپنے زیرِسایہ رکھتے چلے آئے ہیں اور اُن میں سے ہر فرد سے نام بنام واقف رہے ہیں۔ اور پوری امت کے تمام حالات پر مطلع رہتے چلے آئے ہیں اور اسی لئے مقامِ اعراف سے تمام انسانوں کو پہچانتے اور اُن کا آخری ٹھکانہ جانتے تھے۔

(5) آنحضرتؐ برسرِ منبر اعلان کرتے رہے کہ تمام اہل جنت و اہل جہنم کو نام بنام جانتے اور پہچانتے ہیں

اگلی حدیث نمبر 16 کا ترجمہ پڑھیے کہ آپ کو محمدؐ اور آئمہ اہلبیتؑ کی معرفت حاصل ہوگی۔

''امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ نے تقریر (خطبہ) میں ارشاد فرمایا۔ اُسی دوران آپؐ نے اپنا دھنا ہاتھ مُٹھی بند کر کے فضا میں بلند فرمایا اور سوال کیا کہ کیا تم دلیل کے ساتھ یہ جانتے ہو کہ میری مُٹھی میں کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں چنانچہ فرمایا میری مٹھی میں قیامت تک کے اہل جنت کے اور اُن کے آبا واجداد کے اور قبیلوں کے نام ہیں۔ پھر آپؐ نے بایاں ہاتھ اُسی طرح بلند کیا اور وہی سوال کیا اور اُنہوں نے وہی کہا کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ میری بائیں مٹھی میں تمام قیامت تک کے جہنمیوں کے اور اُن کے آبا واجداد کے اور قبائل کے نام ہیں۔ پھر فرمایا کہ خدا کا فیصلہ صادر ہو چکا اور فیصلہ عدل پر مبنی ہے۔ (دومرتبہ فرمایا) ایک فریق جنتی ہے اور ایک فریق جہنمی ہے (سورہ شوریٰ 42/7)۔''

یقیناً رسولؐ اللہ اپنے سامنے بیٹھے جنتی و جہنمی صحابہ کو دیکھتے جا رہے ہوں گے۔ وہ سب کو صورتوں سے پہچانتے تھے۔

(6) محمدؐ علیؑ اور معصومینؑ کو فریب نہیں دیا جاسکتا تھا؟

اُنہیں جھوٹی یاری دوستی جتلا کر کوئی فریب نہ دے سکتا تھا۔ سُنیئے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہ علیہ السلام قال: قال رَجُلٌ لِاَمِیْرِ المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام ''یَا اَمیر المومنین اَنَا و اللّٰہِ اَحِبُّکَ'' قال: فَقَالَ لَہٗ '' کَذَّبْتَ'' قال: ''سُبْحَانَ اللّٰہِ یا امیر المومنین اَحْلَفُ بِاللّٰہِ اِنِّی اَحِبُّکَ فَتَقُوْلُ کَذَّبْتُ'' قال: وَ مَا عَلِمْتَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْاَرْوَاحَ قبل الْاَبْدَان بِاَلْفَیْ عَامٍ فَاَسْکَنَھَا الْھَوَاء ثم عَرَضَھَا عَلَیْنَا اَھْلَ الْبَیْتِ فَوَاللّٰہِ مَا مِنْھَا رُوْح اِلَّا وَقَدْ عَرَفْنَا بَدَنَہٗ فَوَاللّٰہِ مَا رَاَیْتُکَ فِیْھَا فَاَیْنَ کُنْتَ؟'' (بصائر الدرجات)

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ خدا کی قسم میں آپؑ سے محبت کرتا ہوں' آپؑ نے اُس سے کہا کہ تو نے ''جھوٹ بولا'' اُس آدمی نے کہا کہ ''سبحان اللہ میں تو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ رہا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا

ہوں اور آپ کہتے ہیں کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں'' آپؑ نے فرمایا کہ کیا تجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ نے انسانوں کے بدن پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اُنکی روحیں پیدا کر کے انہیں فضا میں بسایا تھا۔ پھر انہیں ہم اہلبیتؑ کے سامنے پیش کیا تھا۔ خدا کی قسم اُن میں سے کوئی بھی روح ایسی نہیں جسے ہم اُسکے بدن سمیت پہچانتے نہ ہوں اللہ کی قسم میں نے تیری رُوح کو اُن میں نہیں دیکھا۔ بھلا تو کہاں تھا؟''

قارئین کرام حضرت علیؑ علیہ السلام کے اس بیان تک یہ بات سمجھ میں آجانا چاہئے کہ یہ وہ حضرات علیہم السلام ہیں جن کو کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی اس کائنات پر اور کائنات کی تمام مخلوقات پر تسلط وقدرت عطا کی گئی تھی۔ جو تمام انسانوں کی ارواح وابدان پر مطلع اور مختار تھے۔ جن کی نظر سے کوئی روح یا بدن غائب نہ ہوسکتا تھا۔ وہ جس کو چاہتے تھے مادی پیدائش سے پہلے بھی اپنے سامنے حاضر کر سکتے تھے۔ اُن کو درجاتِ عالیہ پر فائز ہونے کا موقع دے سکتے تھے۔ چنانچہ اُن کو اُن دوستدارانِ آل محمدؑ کو اپنے ساتھ جمل یا جنگ صفین یا جنگ اُحد وغیرہ میں شامل کر لینا ناممکن نہ تھا۔ یقیناً تمام دوستدارانِ اہلبیتؑ کو مر جانے کے بعد جوارِ محمدؐ وآل محمد علیہم السلام میں حاضر کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے۔ محبانِ محمدؐ وآلِ محمدؑ کی تمناؤں اور آرزوؤں کو پورا کرتے رہنا اُن حضرات کے لئے اتنا ہی آسان ہے جتنا آپ کے لئے اپنے پڑوسی کو آواز دے کر ملاقات کے لئے گھر سے باہر بلا لینا۔ شرط یہی ہے کہ آپ اس فہرست میں ہوں جو اُنؑ کے پاس ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلٰی محمدٍ و آلِ محمدؐ۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 13

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر:13

خُطبہ 《13》

(1) عائشہ،طلحہ اورزبیر کی اور جنگ جمل میں ان کے مددگاروں کی حالت اور مذمت؛

(2) بصرہ اوراہل بصرہ کی پوزیشن، اُن کو نصیحت اور تنبیہہ کے ساتھ ساتھ مذمت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

كُنۡتُمۡ جُنۡدَ الۡمَرۡأَةِ؛	1	تم ایک مخصوص باغی عورت کی نصرت کے لئے اُس کا لشکر بن گئے۔
وَ اَتۡبَاعَ الۡبَهِيۡمَةِ؛	2	اور ایک چوپائے جانور کی پیروی میں مصروف ہو گئے۔
رَغَا فَاَجَبۡتُمۡ؛	3	وہ جانور چلّایا تو تم نے لبیک کہا۔
وَ عَقَرَ فَهَرَبۡتُمۡ؛	4	اور جب اُس کی ٹانگیں کٹ گئیں تو تم بھاگ کھڑے ہوئے۔
اَخۡلَاقُكُمۡ دِقَاقٌ؛	5	تمہارا اخلاق بڑا گھناؤنا اور تکلیف دہ ہے۔
وَ عَهۡدُكُمۡ شِقَاقٌ؛	6	اور تمہارے معاہدے منتشر اور تم عہد شکن ہو۔
وَ دِيۡنُكُمۡ نِفَاقٌ؛	7	دین سے باہر نکلنے کی راہیں تیار کرتے رہنا ہی تو تمہارا دین ہے۔
وَ مَاؤُكُمۡ زُعَاقٌ؛	8	اور تمہارا پانی بھی کڑوا ہے۔
وَ الۡمُقِيۡمُ بَيۡنَ اَظۡهُرِكُمۡ مُرۡتَهِنٌ بِذَنۡبِهٖ؛	9	تمہارے درمیان ٹھہرنے والا ہر شخص اپنے بُرے متعلقات کے بدلے رہن ہو جاتا ہے۔
وَ الشَّاخِصُ عَنۡكُمۡ مُتَدَارَكٌ بِرَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ؛	10	تم میں سے نکل جانے والا اپنے پروردگار کے رحم وکرم سے وابستہ ہو جاتا ہے۔
كَاَنِّىۡ بِمَسۡجِدِكُمۡ كَجُؤۡجُؤِ سَفِيۡنَةٍ؛	11	وہ نظارہ گویا میرے سامنے ہے جب تمہاری یہ مسجد کشتی کے سینہ کی طرح اُبھری ہوئی ہوگی۔
قَدۡ بَعَثَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا الۡعَذَابَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَ مِنۡ تَحۡتِهَا وَ غَرِقَ مَنۡ فِىۡ ضِمۡنِهَا؛	12	اور بلاشبہ اس شہر پر اللہ نے اپنا عذاب اُوپر سے نیچے بھیج دیا ہے۔ اور اُس کے تمام متعلقین کو ڈبو کر رکھ دیا ہے۔
وَ ايۡمُ اللّٰهِ لَتُغۡرَقَنَّ بَلۡدَتُكُمۡ حَتّٰى كَاَنِّىۡ اَنۡظُرُ اِلٰى مَسۡجِدِهَا كَجُؤۡجُؤِ سَفِيۡنَةٍ؛	13	بخدا تمہارا شہر ضرور ڈوب کر رہے گا یہاں تک کہ گویا میں شہر کی مسجد کو کشتی کے سینے کی طرح اُبھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

اَوْ نَعَامَةٍ جَاثِمَةٍ؛	14	یا اُس شترمرغ کی مانند دیکھ رہا ہوں جو اپنے سینے کے بل بیٹھا ہوا ہے۔
کَجُؤْ جُؤِ طَیْرٍ فِیْ لُجَّةِ بَحْرٍ؛	15	یا اُس پرندے کی طرح جو سمندر کے گہرے پانی میں سینے کے بل تیر رہا ہے۔
بِلَادُکُمْ اَنْتَنُ بِلَادِ اللّٰهِ تُرْبَةً؛	16	تمہارا شہر تربت کے لئے اللہ کے باقی تمام شہروں سے گندہ ہے۔
اَقْرَبُهَا مِنَ الْمَآءِ وَ اَبْعَدُهَا مِنَ السَّمَآءِ؛	17	پانی سے قریب ترین اور آسمان سے بعید ترین ہے۔
وَ بِهَا تِسْعَةُ اَعْشَارِ الشَّرِّ؛	18	اور شر و فساد کے دس حصوں میں سے نو حصے اس شہر میں ہیں۔
اَلْمُحْتَبِسُ فِیْهَا بِذَنْبِهٖ وَ الْخَارِجُ بِعَفْوِ اللّٰهِ؛	19	جو لوگ اس میں موجود ہیں وہ اپنے بُرے متعلقات میں قید ہیں۔ اور جو باہر نکل گئے وہ اللہ کے دامن عفو سے وابستہ ہو گئے۔
کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی قَرْیَتِکُمْ هٰذِهٖ قَدْ طَبَّقَهَا الْمَاءُ حَتّٰی مَا یُرٰی مِنْهَا اِلَّا شُرَفُ الْمَسْجِدِ کَاَنَّهٗ جُؤْ جُؤُ طَیْرٍ فِیْ لُجَّةِ بَحْرٍ؛	20	میں تو گویا تمہاری اس بستی کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے اوپر پانی اس طرح چھا گیا ہے کہ مسجد کے میناروں کے علاوہ کچھ اور دکھائی ہی نہیں دیتا اور وہ مینار بھی ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے سمندر کی گہرائی میں پرندہ سینے کے بل تیر رہا ہو۔

تشریحات:

نہج البلاغہ کی چالو یا تاجرانہ اور کمرشل (Commercial) قسم کی تشریحات سادہ دل عوام کے لئے مفید نہیں بلکہ گمراہ کن ہیں

ہم نے وہ تمام تشریحات دیکھی اور پڑھی ہیں جو نہج البلاغہ کے اُردو مترجمین نے ہر خطبے کے بعد بطور پخ (گدھا گاڑی میں دوسرا گدھا پخ کہلاتا ہے) کے لگا دی ہیں۔ وہ لوگ جنھوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اُنہیں ان تشریحات سے اس لئے فائدہ نہیں ہوتا کہ وہ نہایت مختصر ہیں۔ اور جو قاری تاریخ اور تاریخی کرتبوں پر مطلع نہیں اُن کے سادہ ذہن لغزش کھا جاتے ہیں اس لئے کہ اِن تشریحات میں مختلف و متضاد روایات بھی سامنے آتی جاتی ہیں۔ پھر قلب و ذہن' مترجم اور شارح کے کھینچے ہوئے دائرے میں بند ہو کر رہ جاتے ہیں اُنہیں آزادی سے سوچنے کا موقع نہیں ملتا۔ پھر کمرشل قسم کے مترجمین نے اس کا خیال نہیں رکھا کہ خطبے کے الفاظ اور بیان کی حدود و مفہوم میں محدود رہ کر ترجمہ یا تشریح کریں۔ تاجرانہ تشریحات کرنے والوں کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو احتیاط سے پانی پینے کی بجائے تھوڑے سے پانی کو گڑھے میں ہلا کر گدلا کر دے اور پیاسوں کو مجبور کرے کہ اُس گدلے پانی کو پئیں۔ مثلاً مفتی نے خطبہ (13) کی تشریح کرتے ہوئے اُس میں جنگ جمل کو اس بے ڈھنگے اختصار سے لکھ مارا ہے کہ تاریخ سے واقف شخص افسوس کرتا رہ جائے گا اور ناواقف شخص غلط باتیں صحیح سمجھ کر اپنے سادہ اور صاف ذہن میں بٹھا لے گا اور جب حقیقی واقعات سامنے آئیں گے تو وہ یا تو اُن کو غلط سمجھ کر اُن کا انکار کریں گے یا حیران و سرگردان ہو کر کشش و پیچ میں پڑ جائیں گے۔

قرآن کریم کی صرف دو آیات سے نہ صرف جنگ جمل کے ہیروز کا تعارف بلکہ پوری قریشی قوم کا تعارف سُن لیں:

اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ: وَ اِنَّهٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَ لِقَوْمِکَ وَ سَوْفَ تُسْئَلُوْنَ٥

''یہ قرآن تو درحقیقت تیرا اور تیری قوم کا ذکر ہے اور عنقریب تم سب سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔'' (سورہ زخرف 43/44)
معلوم ہوا کہ قرآن رسولؐ کی قوم کی قابلِ مواخذہ کارستانیوں کا مکمل ریکارڈ ہے۔ اور قرآن میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) آیات ہیں۔ اُن میں سے صرف دو آیات سُنئے اور قریش اور قریش کے ہر ہر فرد سے متعارف ہوجایئے۔

قریش کے تعارف میں پہلی آیت: وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَاالْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ○ (سورہ فرقان 25/30)
اللہ فرما رہا ہے کہ: ''اللہ کے رسولؐ نے کہا اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو اس طرح اختیار کیا ہے کہ گویا اختیار کیا ہی نہیں ہے۔'' اسی آیت کا اور مسلسل اس سے اگلی آیت کا ترجمہ علامہ رفیع الدین مرحوم سے سُنئے:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ ھَادِیًا وَّنَصِیْرًا ○ (سورہ فرقان 25/31)
''اور کہا رسولؐ نے اَے رب میرے تحقیق قوم میری نے پکڑا ہے اس قرآن کو چھوڑا ہوا۔ اور اسی طرح کیا ہے ہم نے واسطے ہر نبیؑ کے دشمن گنہگاروں میں سے اور کفایت ہے پروردگار تیرا ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا'' (مترجمہ قرآن علامہ رفیع الدین)
معلوم ہوا کہ قریشی قوم نے پورے قرآن کو مہجور کیا تھا۔ یعنی قرآن کی راہنمائی اور ہدایات واحکامات کو چھوڑ کر کسی اور راہنما کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ مگر یہ معلوم ہے کہ قریش نے قرآن کبھی نہیں چھوڑا لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کو اپنے کسی اور راہنما کے ماتحت کر دیا تھا۔

قریشی مرکز کی تفہیم کے مطابق اسلامی احکام دیئے جائیں تو مانو ورنہ ترکیب سے ٹال دیا کرو

اور اس حقیقت کو بھی قرآن کریم نے بیان کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ:
''وہ لوگ کتاب اللہ کے الفاظ کو اُن کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں، اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو نہیں تو نہ مانو۔'' (تفہیم القران جلد اول 470) (مائدہ 5/41)
اس آیت پر مودودی کی تشریح یہ ہے کہ: ''یعنی جاہل عوام سے کہتے ہیں کہ جو حکم ہم بتا رہے ہیں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی حکم تمہیں بتائیں تو اُسے قبول کرنا ورنہ رد کر دینا۔'' (ایضاً 470)

یہ بات صاف ہوگئی کہ مودودی کے ترجمہ اور تشریح کی رُو سے بھی مذکورہ مرکز کا یہ حکم ثابت ہوگیا کہ قرآن سے جو حکم وہ مرکز دے گا اُس حکم کو تسلیم کرنا ضروری ہے اور اُس کے خلاف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی نہیں مانا جا سکتا۔ لہٰذا یہ مان کر آگے بڑھئے کہ ایک مرکز قرآن کے الفاظ کے معنی ومفاہیم متعین ومقرر ہونے کے باوجود معنی ومفاہیم کو بدل کر اختیار کرتا اور عوام میں پھیلاتا تھا۔ یہی معنی ہیں قرآن کو مہجور کرنے کے۔ یعنی رسولؐ کی قوم قرآن پر عمل تو کرتی تھی مگر اُن معنی ومطالب پر عمل نہ کرتی تھی جو قرآن لانے والا رسولؐ بتاتا تھا بلکہ اُن بدلے ہوئے معنی ومفاہیم پر عمل کرتی تھی جو اُنہیں اُن کا اپنا راہنما مرکز بتاتا تھا۔ اور جب اس صورتِ حال کی شکایت اللہ سے کی گئی تو اگلی آیت میں یہ جواب دیا گیا کہ: ''کتاب اللہ کے معنی ومفاہیم صرف تیری قوم ہی نے تبدیل نہیں کئے ہیں بلکہ ہم نے تو ہر نبیؑ کے مقابلہ میں مجرم قسم کے لوگوں میں سے چند دشمن برسرکار رکھے ہیں یعنی وہ بھی یہی کام کرتے رہے جو تیری قوم نے کیا ہے مگر فکر نہ کرو تیرے بتائے ہوئے معنی و مفاہیم کو نافذ العمل بنانے میں اور تیری ہدایت کاری میں مدد دینے کے لئے تیرا اللہ تیرے لئے کافی ہے یعنی قرآن کے حقیقی معنی ومفاہیم لوگوں تک پہنچ کر رہیں گے۔''

اس آیت (25/31) میں یہ طے ہوگیا کہ رسوؐل کی قوم سابقہ اقوام کی طرح رسوؐل اللہ کی دشمن اور مجرم تھی۔

اب اس سلسلے کی دوسری آیت ملاحظہ ہو جہاں اللہ آنحضرتؐ کو اُن کی قوم کا مشن بتاتا ہے۔فرمایا کہ:

وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوۡمُكَ وَ هُوَ الۡحَقُّ قُلۡ لَّسۡتُ عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍo (سورہ انعام 6/66)

''تیری قوم نے قرآن کو جھٹلا دیا ہے باوجود یکہ وہ سرتا سر حق ہے۔تم اپنی قوم سے کہہ دو کہ اب میں تمہارا وکیل نہیں ہوں۔''

اب ہمیں اس مجرم اور دشمن خدا اور سوؐل قوم کے چند افراد کا تعارف کرانا ہے جنہوں نے اللہ و رسوؐل اور خود قریش کے تسلیم شدہ امام اور خلیفہ حضرت علی علیہ السلام سے بغاوت اور جنگ کی تھی۔ یہ بغاوت اور جنگ اُن کو ایسا مجرم اور دشمن خدا اور رسوؐل ثابت کرتی ہے جس کی سزا قرآن میں قتل کیا جانا، سولی یا پھانسی دیا جانا، اُنکے اعضاء کو پلٹ کر اُلٹی طرف سے کاٹ ڈالنا، اُنہیں دنیا سے معدوم کر ڈالنا ہے (سورہ مائدہ 5/33) یعنی جنگ برپا کرنے والے سرداروں اور اُن کی فوج کے تمام افراد کو مندرجہ بالا مختلف سزائیں دینے کے بعد زمین سے منفی کر دینا چاہئے (يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ 5/33)

عائشہ زوجہ رسوؐل پہلے نمبر کی ہیروتھی جس نے اللہ کے حکم کے خلاف رسوؐل کے حرم اور گھر سے نکل کر جنگ جمل کی قیادت کی (احزاب 33/33) جو ساری عمر رسوؐل یعنی اپنے شوہر کے خلاف محاذ بنائے رہی۔(تحریم 4-66/3)

طلحہ اور زبیر: یہ لوگ حضرت علیؑ کے خلاف افواج و سامان رسد اور اسلحہ فراہم کرنے اور تیغ بکف جنگ کرنے میں آخری سانس تک کوشاں رہے۔حالانکہ اُنھوں نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔(خطبہ 8 اور تمام قریشی تاریخیں)(اور کتب احادیث)

عائشہ، طلحہ، زبیر اور اُن کے قریشی معاونین ہی نے عثمان کو راہ سے ہٹانے اور خود حکومت سنبھالنے کے لئے قتل کرایا تھا۔جب مسلمانوں کی کثرت نے حضرت علیؑ کو خلیفہ بنالیا تو اُن پر عثمان کو قتل کرانے کی تہمت لگا کر تینوں نے اُن کو معزول یا قتل کرنے کی کوششیں کیں یہاں تک کہ جنگ میں قتل و گرفتار ہوئے۔عائشہ نے چاہا تھا کہ اُسے ملک شام معاویہ کے پاس جانے دیا جائے لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اُس کو مدینہ میں بھیجا اور رسوؐل کے گھر میں پابندی سے رہنے کی تاکید کی۔چونکہ حضرت علیؑ نے جنگ جمل فتح کرنے کے بعد مخالف فوج کا قتل عام نہ کیا۔سب کو معافی اور آزادی دے دی۔مال غنیمت لینے اور لوٹنے سے اپنی فوج کو باز رکھا اور جو سامان میدان جنگ میں پڑا ہوا ملا تھا وہ بھی مالکوں کو واپس کر دیا۔اس لئے تمام مخالف فوجی اور سردار معاویہ کے دست و بازو بن گئے۔اور اب معاویہ کی قیادت میں قریش نے حضرت علیؑ کے خلاف محاذ بنایا۔معاویہ سے بھی نوے (90) لڑائیاں ہوئیں اور انہیں ذلیل و خوار ہونا پڑا۔

نوٹ کریں ہر وہ تشریح غلط اور خود ساختہ ہے جو قرآن سے پیش کردہ آیات کی منشا و بیان کے خلاف ہو۔خواہ وہ تشریح کوئی مفتی کرے خواہ وہ شیعہ ہو یا سُنّی ہو۔تنخواہ دار و وظیفہ خوار ہو یا غیر جانبدار ہو۔

اول۔اللہ و رسوؐل اور اپنے شوہر اور امام سے باغی، اور اپنے گھر سے نکل جانے والی عورت، اور ایک اُونٹ نما شیطان کے پجاریوں اور فدا کاروں سے خطاب

(1) جنگ جمل کے قائدین کی ذہنیت: اِس خطبے میں حضوؐر نے جنگ جمل برپا کر کے دُھوم دھام سے فرار کر جانے والے قائدین کی ذہنیت اور کردار کا مرقع سامنے رکھ دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُن کے پجاریوں اور فدا کاروں پر طنز کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''تم کیسے مرد اور کس قسم کے بہادر تھے کہ ایک ایسی عورت کی سرداری، پرستاری اور اطاعت قبول کر لی جو اللہ و رسوؐل اور اپنے شوہر سے باغی تھی

اور قرآن کا حکم ٹھکرا کر شوہر کے گھر سے نکل آئی تھی؟ اور اللہ ورسوؐل سے جنگ کرنا ضروری سمجھتی تھی۔'' (خطبہ 13 جملہ 1) پھر،

''تم اپنی پیروی میں اس حد تک بڑھے کہ اُس کی سواری کے اونٹ کی بڑبڑاہٹ سُن کر لبیک لبیّک کہتے ہوئے دوڑے اور پروانہ وار اُس کے چاروں طرف نثار ہونے کو جمع ہو گئے؟'' (خطبہ 13 جملہ 3)

''اور جب اُس اُونٹ کے پیر کٹے اور تمہاری محبوب قائد کا کجاوہ زمین پر گرا تو تم اُسے قتل ہو جانے کے لئے تلواروں کے سامنے اُسی طرح چھوڑ کر بھاگ گئے جس طرح تم اُس کے شوہر اور اللہ کے رسوؐل کو میدان جنگ میں قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے تھے؟ (خطبہ 13 جملہ 4) بات یہ ہے کہ:

''تمہارا اخلاق و کردار و ذہنیت بڑی گھناؤنی، شرمناک اور ستانے والی ہے۔'' (خطبہ 13 جملہ 5)

''تمہارے وعدے معاہدے اور وفاداریاں ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی اور غدّاری اور بےوفائیوں میں بے مثال ہیں۔'' (خطبہ 13 جملہ 6)

''تمہارا تو دین ہی فریب کاری، مُحسن کشی اور عیاری و مکاری ہے۔'' (خطبہ 13 جملہ 7)

''تمہارا تو نطفہ اور پانی ہی تلخیوں اور بدمزگیوں سے بنا ہے۔'' (خطبہ 13 جملہ 8)

''تم میں مل جل کر رہنے والا شخص اپنے غلط متعلقات میں اُلجھتا اور بے راہ روی میں پھنستا اور جرائم پیشہ بنتا چلا جاتا ہے۔'' (خطبہ 13 جملہ 9)

''اور تم سے بچ کر ہٹ کر الگ رہنے والا رفتہ رفتہ اپنے پروردگار کی رحمت سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔'' (خطبہ 13 جملہ 10)

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے اُن کے شہر بصرہ کی جائے وقوع کو سطح سمندر سے نیچا اور آسمان سے نسبتاً دُور بتا کر یہ پیشگوئی کی ہے کہ ایک سمندری طوفان سے یہ شہر غرق ہو جائے گا اور مسجد کے میناروں کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا (خطبہ 13 جملہ 11 تا 20) دو مرتبہ ایسا ہوا بھی۔

(2) عائشہ، عثمان، طلحہ اور زبیر کا جنگِ جَمل سے تعلق اور علیؑ و محمدؐ سے دشمنی کے مزید و آخری مظاہرے

عائشہ کے متعلق سابقہ خطبات میں عموماً اور تیسرے خطبے میں خصوصاً کافی حالات لکھے جا چکے ہیں۔ چونکہ عائشہ محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے دشمنوں کی اگلی صف میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اس لئے جہاں بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ پر ظلم و زیادتی کا تذکرہ ہوگا وہاں عائشہ کا ذکر ناگزیر ہوگا۔ لہٰذا اس خطبے (13) کی ذیل میں بھی اُس کے ضروری ضروری اور متعلقہ حالات سننے کی زحمت اُٹھانا پڑے گی۔ چنانچہ آگے بیان ہونے والے حالات کو یہ سمجھ کر پڑھیں کہ حضرتِ خدیجہ علیہا السلام کے انتقال کے وقت عائشہ کی عمر چھ سات سال بتائی جاتی ہے۔ یہ لڑکی کس طرح اور کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ بنا کر اُن پر نگران بنائی گئی؟ اِس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قریشی محاذ نے عائشہ کے باپ ابوبکر کو اپنے اُس محاذ کا ناظم بنا دیا تھا جو اسلامی عقائد و لباس میں محمدؐ کے ساتھ چسپاں رہتا چلا جائے اور اپنی حکمتِ عملی سے مسلمانوں میں قابلِ اعتماد مقام حاصل کر لے قریش کے سابقہ عقائد کو اسلامی رنگ میں تبدیل کر کے نومسلموں میں پھیلاتا رہے۔ آنحضرؐت کی نقل و حرکت، اقدامات اور اسکیموں پر قریب سے نظر رکھے اور ضرورت کے وقت قریشی مرکز (ابوسفیان) کو مطلع کرے۔ رسوؐل کی کامیابیوں میں قریش کا حصہ حاصل کرے۔ اور موقع ملے تو رسوؐل کے نظام پر قبضہ کر لے۔

اِن مقاصد کے لئے قریشی مرکز نے ماہرین اور عوام کو بتدریج' موزوں اور فطری انداز میں رسوؐل اللہ کے حلقۂ احباب و اصحاب و اسلام میں داخل کیا اور یہ داخلہ اس حد تک پہنچا کہ آنحضرؐت کی زندگی کے آخری ایّام میں قریشی قسم کے مسلمانوں کی مدینہ میں کثرت تھی۔ یہ لوگ مکّے سے آنے کی بنا پر مہاجرین کہلاتے تھے۔ ابتدا سے شمولیت کی وجہ سے اولین اور سابقین مشہور تھے۔ وہ لوگ جو اِن میں اور قریشی مرکز میں رابطہ اور

خبر رسانی کا کام کرتے تھے وہ پوشیدہ رہتے تھے اور اُنہیں منافق کہا جاتا تھا۔ یہ خبر رسانی قریشی محاذ کے لئے بہت ضروری تھی تا کہ قریش کا تیغ بکف اور کھلا مخالف محاذ اپنے اقدامات کا موزوں اور اثر انگیز پروگرام بناتا رہے۔ خبر رسانی اور مکمل حالات جاننے کے لئے ضروری تھا کہ کسی طرح آنحضرتؐ کو رات کو بھی نظر میں رکھا جائے۔ مگر حضرت خدیجہؑ کی حیات میں ایسا انتظام ناممکن تھا۔ لیکن اُن کے انتقال کے بعد ابوبکر نے چاہا کہ عائشہ کو رسولؐ کے گھر میں پہنچا دیں۔ چنانچہ اُنہوں نے حضرت خدیجہؑ کے انتقال کے رنج وغم کا لبادہ اوڑھ لیا۔ موقع بہ موقع مرحومہ کا ذکر خیر کرتے، تعریفیں کرتے، رسولؐ سے ہمدردی جتاتے، اور اُنہیں دوسری شادی پر اُبھارتے اور خود اپنی بیٹی کو ازراہِ ثواب' خدمت کے لئے پیش کرنے کی اجازت مانگتے اور طرح طرح کی عقید تمندانہ اور اخلاقی اپیل کرتے اور اقربائے رسولؐ سے سفارشیں کراتے، یہاں تک کہ رسولؐ نے نکاح کی حد تک بات مان لی تا کہ اخلاقی اور دینی جواز پیدا ہو جائے لیکن با قاعدہ زوجہ بنا کر مستقلاً عائشہ کو اپنے گھر میں نہیں لائے چنانچہ مکہ کے قیام کے دوران خبر رسانی اور راتوں کی نگرانی میں عائشہ حصہ نہ لے سکیں اور رخصت کر کے لانے اور با قاعدہ بیوی بنانے کی بات، منت وسماجت واصرار کے باوجود ٹلتی ہی چلی گئی۔ اُدھر اللہ نے رسولؐ کو حلقہ میں لے لینے والے قریش کے مسلم محاذ کے ساتھ بڑی گہری حکمت عملی کا برتاؤ کیا تا کہ جو اُدھر سے ادھر آتا جائے وہ پھنس کر رہ جائے اور اُن کی مستورات اور اولاد سمجھ کر اسلام اختیار کر سکیں اور دل سے مسلمان بن سکیں۔ قرآن میں اللہ نے اُن کے پوشیدہ منصوبوں کو، اُن کی پالیسیوں کو، اُن کے قریشی مرکز سے رابطوں اور رابطہ کے طریقوں کو، اُن کے اندازِ فکر و عمل کو تفصیل سے مگر حکمت عملی اور تدریج سے اس طرح بیان کرنا جاری رکھا کہ حقائق پوشیدہ بھی نہ رہیں اور قریش کا مسلم محاذ اکھڑنے اور بھاگنے بھی نہ پائے اور اپنی مہم جاری بھی رکھ سکے اور حقیقی مسلمان اُن کے حالات پر مطلع اور نگران بھی رہ سکیں۔ مثلاً اُن کی تمام کارکردگی اور حیثیت کو یوں بیان فرمایا کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ؛ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (آل عمران 3/159)

(3) قریشی عالم ہی کا یعنی علامہ مودودی کا ترجمہ دیکھیں:

''(اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ''اِن لوگوں کے لئے'' بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تُند خُو اور سنگدل ہوتے تو ''یہ سب تمہارے گِرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ اِن کے قصور معاف کر دو، اِن کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں اِن کو بھی شریکِ مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا کسی رائے پر عزم مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 298)

(4) ایک مجرم گروہ سامنے آ گیا جو آنحضرتؐ کی نرم روی سے فائدہ اُٹھاتا چلا آیا تھا

قارئین نے بار بار آزمایا ہے کہ قریشی علما عموماً اور مودودی خصوصاً قرآن کے مطالب کو بدلنا اور چھپانا واجب سمجھتے ہیں۔ یہاں بھی مودودی نے غلط ترجمہ کیا ہے۔ اس آیت میں لفظ قصور نہیں ہے جو خود عربی زبان کا لفظ ہے۔ پھر اس میں الفاظ کسی رائے کے لئے کوئی عربی لفظ موجود نہیں ہے۔ اور لفظ واقع ہونا بھی عربی زبان کا لفظ ہے اور آیت میں نہیں ہے۔ لیکن اِن اضافوں اور غلط ترجمانی کے باوجود قریشی مسلمانوں کا وہ گروہ سامنے نظر آ رہا ہے جس کے دل میں اسلامی مقاصد نہیں ہیں نہ وہ اللہ و رسولؐ اور عاقبت کے لئے اسلام لائے ہیں۔ مسلسل قصور کرتے چلے آتے ہیں ہر وقت رسولؐ کی معافی اور مغفرت کی زد میں رہتے ہیں۔ رسولؐ کی نرم روی سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور ذرہ برابر باز پرس وسختی ہو جائے تو

بھاگ جانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اگر دل میں اللہ و رسوؐل اور اسلام سے محبت ہوتی اور کسی لاعلمی کی بنا پر صادر ہو جانے والی غلطی پر ڈانٹ ڈپٹ اور بازپُرس کی جاتی تو شرمندہ ہوتے خود معافیاں مانگتے غلطیوں سے توبہ کرتے اور ہرگز رسوؐل کو چھوڑ کر نہ جاسکتے تھے۔ مگر اللہ نے بتا دیا کہ اُن کے دل اللہ و رسوؐل اور اسلام سے وابستہ نہیں بلکہ قریشی مرکز کے منصوبوں سے وابستہ ہیں۔ اس لئے یہاں نرم روی اور بازپُرس نہ ہونے کی وجہ سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ورنہ برسوں ساتھ رہنے نمازیں پڑھنے کے باوجود ذرا سی سختی پر واپس چلے جائیں۔

قارئین یہ نوٹ کریں کہ مودودی نے اس آیت پر کوئی تشریحی نوٹ نہیں لکھا مگر دوسرے مقامات پر اس آیت کو قریش کی جمہوری حکومت اور نظام مشاورت کے لئے دلیل بنایا ہے۔ اور اس آیت سے اپنے تمام بڑے بڑے صحابہ کو مراد لیا ہے۔ یعنی یہ آیت منافقوں یا کمزور ایمان والے مومنین کے حق میں نہیں ہے بلکہ قریشی علما کے نزدیک اعلیٰ درجہ کے صحابہ کی شان میں ہے۔ اس کا داخلی ثبوت یہ ہے کہ یہاں مودودی نے انہیں معاف کرانے کی کوشش کی ہے۔ اور مغفرت شدہ دکھانے کی بنیاد رکھی ہے اور آخر یہ لکھ دیا کہ:

''اور دین کے کام میں اُن کو بھی شریک مشورہ رکھو۔''

مودودی کا پہلا مطلب تو یہ ہے کہ:

(1) ''رسوؐل اللہ دین کا کام وحی خداوندی سے نہیں بلکہ لوگوں کے مشوروں سے کیا کرتے تھے۔''

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ:

(2) ''اس آیت کے نزول سے پہلے رسوؐل اللہ اُن لوگوں کو دین کے کاموں میں گھانس نہ ڈالتے تھے بلکہ باقی لوگوں سے مشورہ کر کے دین کے کام و احکام بجالاتے تھے۔''

اور تیسرا مطلب اور آخری مطلب یہ ہوا کہ:

(3) ''اس آیت کے بعد رسوؐل پر لازم ہو گیا کہ اُن لوگوں کے مشورے کے بغیر کوئی بھی دین کا کام نہ کیا کریں۔''

اِن تینوں مطالب کو قرآن مردود ٹھہراتا ہے اور سینکڑوں آیات میں مسلمانوں کی رائے سے دین کا کوئی کام کرنا حرام اور جُرم قرار دیا گیا ہے۔ (بنی اسرائیل 74-17/73) ہر حکم وحی یا قرآن کے الفاظ میں دیا جائے گا۔ (مائدہ 47 تا 5/44) وحی کے خلاف دین کا کوئی کام کرنے پر قبل از وقت دھمکیاں ملتی رہیں۔

لیکن ہم ان تینوں مطالب میں نمبر دو کو اختیار کر کے علامہ کی یہ بات مانے لیتے ہیں کہ اُن قریشی مسلمانوں کو دین میں کوئی پوزیشن حاصل نہ تھی اور وجہ یہ تھی کہ وہ مستقلاً اسلام اور رسوؐل کے خلاف جرائم اور مجرمانہ حرکات کرتے رہتے تھے اور یہ بات اسی سورہ میں چند آیات پہلے بیان فرما دی گئی ہے۔ لہٰذا علامہ کا ترجمہ دیکھ لیں اور عربی قرآن میں پڑھ لیں:

(5) رسوؐل کے ساتھ اسلامی لباس میں چھپائے ہوئے مسلمانوں کا مقصد رسوؐل کی حکومت پر قبضہ اور قتل تھا

''یاد کرو جب تم بھاگے چلے جارہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہیں تھا۔ اور رسوؐل تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا......

(آل عمران 3/153)

''مگر ایک دوسرا گروہ، جس کے لئے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر

خلافِ حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ ''اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟'' اِن سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔'' دراصل یہ لوگ اپنے دِلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے (یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ) اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 295-296 آل عمران 154-3/153)

یہ تھا وہ گروہ جو قریشی مرکز نے رسولؐ کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا۔ اور جو ہر وقت رسولؐ کی حکومت ہتھیانے اور رسولؐ کو قتل کرنے یا تیغ بکف قریشی محاذ سے قتل کرانے کا موقع دیکھتا رہتا تھا۔ اس گروہ کے ناظم ابوبکر نے عائشہ کو مدینہ میں آ کر اپنی جیب سے اخراجات اور مہر کی رقم رسولؐ کو دیکر زوجہ بنا دیا تھا تاکہ وہ راتوں کو بھی رسولؐ کے حالات پر نگراں رہے۔ اور ضروری اطلاعات فراہم کرنے میں مرکز کی مددگار ثابت ہو۔ چنانچہ عائشہ نے جس خلوص اور تندہی سے قریشی مرکز کی مدد کی وہ اُسی کا حصہ تھا۔ رسولؐ کے بعد بھی برابر قریشی مرکز کی مددگار بلکہ قریشی حکومت کا ایک ستون ثابت ہوئی۔ اور جنگِ جمل برپا کر کے اس کی قیادت کرنا بھی قریشی حکومت کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے قریشی مرکز کی آخری اور ناکام مدد تھی۔

(6) قرآن کریم میں عائشہ کے نسوانی کیریکٹر کے علاوہ رسولؐ کی مخالف محاذ کی مدد کرنے کا تذکرہ بھی موجود ہے

ہم نے عائشہ کے نسوانی کیریکٹر کے متعلق قرآن سے کافی کچھ دکھایا ہے (مثلاً احزاب 33 تا 33/28) یہاں مودودی کے ترجمہ اور تشریح کے ساتھ یہ دیکھ لیں کہ وہ آنحضرتؐ کی ہر راز کی بات بھی مخالف محاذ کو پہنچاتی رہتی تھی اور حضورؐ کے خلاف باقاعدہ محاذ بنائے ہوئے تھی۔ سُنئے:

وَ اِذۡ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعۡضِ اَزۡوَاجِہٖ حَدِیۡثًا فَلَمَّا نَبَّاَتۡ بِہٖ وَ اَظۡہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیۡہِ عَرَّفَ بَعۡضَہٗ وَ اَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ فَلَمَّا نَبَّاَہَا بِہٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَکَ ہٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الۡعَلِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ○ اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا وَ اِنۡ تَظٰہَرَا عَلَیۡہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ مَوۡلٰىہُ وَ جِبۡرِیۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ بَعۡدَ ذٰلِکَ ظَہِیۡرٌ ○ عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنۡ طَلَّقَکُنَّ اَنۡ یُّبۡدِلَہٗۤ اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡکُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبۡکَارًا ○ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُہَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ عَلَیۡہَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ○ (تحریم 6-66/3)

''اور جب بھی نبیؐ نے اپنی ازواج میں سے کسی ایک زوجہ سے راز کی کوئی بات کہی اور اُس زوجہ نے جب وہ بات کسی پر ظاہر کر دی اور یوں راز فاش کر دیا تو اللہ نے نبیؐ کو افشائے راز پر مطلع کر دیا تو نبیؐ نے راز فاش کرنے والی بیوی کو خبردار کرنے کے لئے فاش شدہ راز کے متعلق کچھ بتا دیا اور کچھ درگزر کر لیا۔ جب نبیؐ نے اس زوجہ کو یہ بات بتائی تو اُس نے پلٹ کر پوچھا کہ آپؐ کو راز کے فاش کرنے کے متعلق یہ صحیح اطلاع کس نے دے دی؟ تو نبیؐ نے کہہ دیا کہ مجھے اُس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر رہتا ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کے حضور آئندہ راز فاش کرنے سے توبہ کر لیتیں تو بہتر ہوتا مگر تم دونوں کے دل تو ٹیڑھے ہو چکے ہیں۔ بہرحال اگر تم دونوں نے رسولؐ کے خلاف اپنا محاذ اور گٹھ جوڑ اور جتھا بندی جاری رکھی تو خبردار رہو کہ رسولؐ کا مولیٰ اللہ ہے اور اُس کے بعد جبرائیل اور صالح مومنین سے بڑھ کر صالح مومن بھی اور ملائکہ اُس کے ساتھی اور پشت پناہ ہیں۔ بہت قریب ہے کہ رسولؐ تم دونوں کو طلاق دے تو اُس کا پروردگار تم دونوں کے بدلے میں سچ مچ کی مسلمان، مومن، اطاعت گزار، توبہ کرتے رہنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، سیاحت کرنے والیاں، کنواریاں اور شوہروں سے جدا ہونے والیاں تم سے ہر طرح بہتر بیویاں دے دے گا۔ اور اُن کے جتھے اور محاذ میں شامل

رہنے والے مومنین تم بھی خود کو اور اپنے ساتھی اہل وعیال کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جس کے اوپر نہایت سخت تُند خو اور بہت سخت گیر فرشتے تعینات ہیں جو کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے یعنی جو ہرگز تمہاری رعایت کا گناہ نہ کریں گے اور انہیں جو بھی حکم دیا جاتا ہے اُسے بجالاتے ہیں۔''

یہ ہے قرآن کی رُو سے وہ عائشہ جو ابوبکر کی لختِ جگر تھی اور یہ تھے ابوبکر وعمر اور اُس مخالف محاذ کے افراد جن کے لئے جہنم اور جہنم کے محافظ ملائکہ منتظر ہیں اور ان میں دوسری بیوی دوسرے خلیفہ یعنی عمر کی نورِ نظر ہے۔اب آپ ان سب کے متعلق مودودی کی تشریح اور وضاحت سُن لیں تاکہ بات کھل کر سامنے آجائے علامہ لکھتے ہیں کہ:

(7) عائشہ، حفصہ، عمر اور اُم سلمہؑ، مودودی کی تشریحات کے آئینہ میں

''یہ محض ایک نجی معاملہ ہوتا، جیسا دُنیا کے عام میاں بیوی کے درمیان ہوا کرتا ہے، تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست وحی کے ذریعہ سے حضورؐ کو اُس کی خبر دیتا اور پھر محض خبر دینے ہی پر اکتفا نہ کرتا بلکہ اُسے اپنی اس کتاب میں بھی درج کر دیتا جسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساری دُنیا کو پڑھنا ہے۔لیکن اُسے یہ اہمیت جس وجہ سے دی گئی وہ یہ تھی کہ وہ بیوی کسی معمولی شوہر کی نہ تھیں بلکہ اس عظیم ہستی کی بیوی تھیں جسے اللہ تعالیٰ نے انتہائی اہم ذمہ داری کے منصب پر مامور فرمایا تھا جسے ہر وقت کفار ومشرکین اور منافقین کے ساتھ ایک مسلسل جہاد سے سابقہ درپیش تھا جس کی قیادت میں کفر کی جگہ اسلام کا نظام برپا کرنے کے لئے ایک زبردست جدوجہد ہو رہی تھی۔ایسی ہستی کے گھر میں بے شمار ایسی باتیں ہوسکتی تھیں جو اگر راز نہ رہتیں اور قبل از وقت ظاہر ہو جاتیں تو اس کارِ عظیم کو نقصان پہنچ سکتا تھا جو وہ ہستی انجام دے رہی تھی۔''(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 21-22)

(8) عائشہ اور حفصہ کو بیت النبوۃ میں پہنچانے کے لئے 32 تولہ چاندی میں ابوبکر کامیاب ہو گیا

مودودی کا یہ بیان چند باطل اغراض کے لئے دیا گیا ہے۔لیکن اس سے بڑی شدت کے ساتھ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عائشہ کو رسولؐ کے گھر میں پہنچانا کتنا ضروری اور قریشی محاذ کی کامیابی کی ضمانت تھا۔اور ابوبکر نے یہ ضمانت بقول قریشی تاریخ کے صرف بتیس (32) تولہ چاندی خرچ کر کے حاصل کر لی۔اور عائشہ رسولؐ کے گھر کو برباد کرنے کے لئے بلا دُلہن بنے اُس گھر میں آ گئی ''بقول عائشہ نہ اُس کے دُلہن بننے پر کوئی خوشی منائی گئی نہ کوئی بکری ذبح کی گئی نہ دعوتِ ولیمہ دی گئی (بخاری) سعد بن عبادہ کے گھر سے جو کھانا حضورؐ کے لئے آتا تھا وہی ہم دونوں نے بیٹھ کر کھا لیا تھا''، ہم نہیں جانتے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے نکاح کے بعد ازدواجی تعلق پیدا کیا تھا یا نہیں؟ اور کنواری ہوتے ہوئے بھی اُس سے اولاد کا نہ ہونا اُس تعلق کی نفی کرتا ہے اور اُن کا یہ کہنا بھی نفی کو قوت دیتا ہے کہ: ''آنحضرت مجھ سے کپڑے پہنے پہنے مباشرت کیا کرتے تھے۔'' یعنی بقول اُس کے بوس وکنار سے آگے بات نہ بڑھتی تھی۔

(9) آیت میں آئے ہوئے چند الفاظ کے معنی پر مودودی کا بیان دیکھتے چلیں

آگے چل کر علامہ نے لکھا ہے کہ:

''اصل الفاظ ہیں فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا...... صَغُو عربی زبان میں مُڑ جانے اور ٹیڑھا ہو جانے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔شاہ ولی اللہ صاحب نے اس جملے کا ترجمہ کیا ہے ''ہر آئینہ کج شدہ است دل شما'' اور شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ ہے'' کج ہو گئے ہیں دل

تمہارے۔'' حضرات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، سُفیان ثوری اور ضحّاک نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے: زَاغَتْ قُلُوبُكُمَا یعنی ''تمہارے دل راہ راست سے ہٹ گئے ہیں۔''

امام رازی اس کی تشریح میں کہتے ہیں کہ عَدَلَتْ وَ مَالَتْ عَنِ الْحَقِّ وَ هُوَ حَقُّ الرَّسُوْلِ صلی اللّٰہ علیه و سلم ''حق سے ہٹ گئے ہیں، اور حق سے مراد رسولؐ اللہ کا حق ہے۔'' اور علامہ آلوسی کی تشریح یہ ہے ''مَالَتْ عَنِ الْوَاجِب مِنْ مَوَافِقَتِهٖ صلی اللّٰہ علیه و سلم بِحُبِّ مَا يُحِبَّهٗ وَ كَرَاهَةً مَا يَكْرِهَهٗ اِلٰی مُخَالِفَتِهٖ یعنی ''تم پر واجب تو یہ ہے کہ رسولؐ کو جو کچھ پسند ہو اُسے پسند کرنے میں اور جو کچھ آپؐ ناپسند کریں اُسے ناپسند کرنے میں آپؐ کی موافقت کرو۔ مگر تمہارے دل اس معاملہ میں آپؐ کی موافقت سے ہٹ کر آپ کی مخالفت کی طرف مڑ گئے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 22-23)

اور سُنئے: ''اصل الفاظ ہیں: اِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ ...... تَظَاهُرُ کے معنی ہیں ''کسی کے مقابلے میں باہم تعاون کرنا یا کسی کے خلاف ایکا کرنا'' شاہ ولی اللہ صاحب نے اس فقرے کا ترجمہ کیا ہے: ''اگر باہم متفق شوید بر رنجانیدن پیغمبر'' شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے: ''اگر تم دونوں چڑھائی کرو گیاں اُس پر'' مولانا اشرف علیؒ صاحب کا ترجمہ ہے: ''اور اگر اسی طرح پیغمبرؐ کے مقابلے میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں'' اور مولانا شبیر احمدؒ عثمانی صاحب نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے ''اگر تم دونوں اسی طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 23)

مسلسل آگے چل کر لکھتے ہیں کہ: ''اس سے معلوم ہوا کہ قصور صرف حضرت عائشہ اور حفصہ ہی کا نہ تھا بلکہ دوسری ازواج بھی کچھ نہ کچھ قصوروار تھیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 26)

مودودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبداللہ ابن عباس نے عمر سے معلوم کیا کہ اُن آیات (6 تا 66/3) میں کون سی دو بیویاں زیرِ عتاب ہیں تو عمر نے پورا قصہ سنایا اور بتایا کہ وہ دونوں عائشہ و حفصہ تھیں اور یہ کہ عمر نے رسولؐ کی ہر زوجہ کے پاس جا کر اُنہیں خدا کے غضب سے ڈرایا تھا' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 23-24) اِن تفصیلات سے عائشہ کی خبر رسانی، جاسوسی اور رسولؐ کے خلاف زبردست محاذ آرائی ثابت ہوگئی۔

دوم۔ قتلِ عثمان اور حضرت علیؑ کی خلافت اور بیعت سے عائشہ کا تعلق اور فکر و عمل کا انداز

اب ہم ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کی تحقیق اُن کی کتاب ''علیؑ'' سے پیش کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ قتلِ عثمان سے پہلے اور بعد عائشہ کا فکر و عمل کیا تھا؟ اور یہ کہ وہ طوطے کی طرح کس طرح آنکھیں پھرالیا کرتی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

(1) عائشہ عثمان کی سب سے بڑی دشمن تھی

''ازواج مطہرات میں حضرت عثمان کی سب سے زیادہ مخالف حضرت عائشہ تھیں۔ اتنی مخالف کہ جب حضرت عثمان منبر پر کھڑے عبداللہ بن مسعود کے خلاف حد سے بڑھ کر بول رہے تھے تو پردے کی آڑ سے چلانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ وہ حضرت عثمان کے بہت کاموں پر اور اُن کے گورنروں کے طرزِ عمل پر معترض ہونے سے کبھی رُکتی نہ تھیں۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ بغاوت پر آمادہ کرنے والوں میں ایک آپ بھی ہیں۔'' (کتاب علی کا ترجمہ عبدالحمید نعمانی صفحہ 46 مطبوعہ نامی پریس عثمان گنج حیدرآباد دکن)

قارئین یقین کریں کہ عثمان کی دشمن عورت عثمان کا قصاص لینے کے بہانے حضرت علیؑ کے خلاف صف آرا ہوئی تھی۔

(2) عائشہ طلحہ کی حکومت قائم کرنا چاہتی تھی اس لئے علیؑ کے خلاف تلوار اُٹھائی تھی

''حضرت عائشہ توجّ سے فراغت پا کر مدینہ روانہ ہو چکی تھیں راہ میں حضرت عثمان کے قتل کی خبر ملی اور بتایا گیا کہ لوگوں نے حضرت طلحہ کی بیعت کر لی یہ سُن کر وہ بہت خوش ہوئیں۔اس لئے کہ حضرت طلحہ بھی قبیلہ تیم کے تھے۔لیکن پھر اُن کی ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جس نے اُن کو حقیقتِ حال سے باخبر کر دیا اور بتایا کہ مدینہ میں حضرت علیؑ کی بیعت کی جا چکی ہے۔یہ سن کر حضرت عائشہ کو بڑی کوفت ہوئی اور کہا کہ ''علیؑ کو خلیفہ دیکھنے سے پہلے اچھا ہوتا کہ آسمان زمین پر گر پڑتا۔'' پھر ساتھ والوں سے کہا کہ مجھے واپس لے چلو چنانچہ مکہ واپس آ گئیں۔'' (ایضاً صفحہ 44-45)

(3) عائشہ یقیناً اُس محاذ میں شامل تھی جو علیؑ کو محروم کرنے اور قومی حکومت بنانے میں مصروف تھا

عائشہ کا یہ جملہ ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ مندرجہ بالا آیات (6 تا 66/3) میں عائشہ و حفصہ جس محاذ میں تعاون کر رہی تھیں وہ محاذ حضرت علیؑ کو محروم کر کے خود حکومت پر قبضہ جمانے والا محاذ تھا۔اور یہ کہ جنگِ جمل کا مقصد عثمان کا انتقام نہیں بلکہ حضرت علیؑ سے حکومت چھین کر طلحہ کو خلیفہ بنانا تھا۔

(4) عائشہ کو اولاد نہ ہونے کی شکایت علیؑ سے کیوں تھی؟ یہ معنی خیز بات ہے

طہٰ حسین لکھتے ہیں کہ: ''میرے خیال میں حضرت علیؑ سے حضرت عائشہ کی خفگی کے دو اسباب اور ہیں۔ایک تو وہ جس میں حضرت علیؑ کے اختیار کو کچھ دخل نہ تھا۔آپؑ کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت فاطمہؑ سے ہوئی تھی جن سے حسنؑ اور حسینؑ پیدا ہوئے اور اس طرح نبیؐ کی آنے والی نسل کے آپؑ باپ بنے اور حضرت عائشہ کو رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی حالانکہ حضرت ام المومنین ماریہ قبطیہؓ رسوؐل اللہ کی زندگی کے آخری دِنوں میں ابراہیمؑ کی ماں بن سکیں۔پس یہ لاولدی کا غم آپ کو ایک حد تک ستاتا تھا۔دوسرا سبب یہ کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد اسماءؓ خثعمیہ سے نکاح کر لیا یہ اسماء محمد بن ابی بکر کی ماں ہیں۔اس کے بعد محمد بن ابی بکر کی پرورش حضرت علیؑ کے زیرِ تربیت ہوئی۔اِن ہی باتوں کی وجہ سے حضرت عائشہ حضرت علیؑ سے ناراض تھیں۔'' (ایضاً صفحہ 46-47)

ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ خفگی و ناراضگی کے اسباب زنانہ قسم کے جذباتی اسباب ہیں۔لیکن انہوں نے بڑی سادہ کاری سے اپنے قارئین کے سامنے ایک فکر انگیز و غور طلب لمحۂ فکر یہ رکھ دیا ہے۔عائشہ کی شادی بقول قریش آغاز جوانی سے بھی بہت پہلے ہوئی تھی اور اُس وقت آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بڑھاپے تک آ پہنچی تھی۔جہاں عائشہ کو اپنے باپ اور اپنی قوم کے منصوبے نے اس نکاح پر رضامند کیا تھا وہاں شوہر کا بڑھاپا یقیناً اس کے لئے سوحان روح تھا۔عائشہ کو قریش نے شعلہ رُخ اور لال گالوں والی حمیرا لکھا ہے اور یہ کہیں نہیں لکھا کہ عائشہ پر آنحضرتؐ کی شکل و صورت اثر انداز ہوئی تھی یا یہ کہ عائشہ حضوؐر پر فریفتہ تھی۔اِس کے برعکس قرآن نے اُن کا ٹھک ٹھک کر نمائش حسن کرتے ہوئے چلنا لوگوں سے دل تڑپا دینے والی باتیں کرنا بتایا ہے (احزاب 33-33/32) انہیں دُنیا کی طلبگار بتایا ہے (33/28) اُنہیں کھُلے کھلے فحش یعنی زنا سے روکنے کے لئے دوہرے عذاب کی دھمکیاں دی ہیں۔(33/30) ایسی صورت اور عادت کے بعد اُن کا لاولدی کے معاملے میں اپنے دیور سے ناراض رہنا قابل فہم ہے۔اور طرہ یہ کہ حضرت علیؑ اُن کے موجود ہوتے ہوئے اسماء سے نکاح کرتے ہیں۔یہ بھی قابل شکایت بات ہے وہ جانتی تھی کہ وہ مومنین کی فرضی ماں بنائی گئی ہیں حقیقی ماں نہیں ہے اور علیؑ تو رسوؐل کے بھائی تھے وہ اُن مومنین میں داخل نہیں بلکہ اُن کے امیر تھے۔اور ماں بنانے والی اور نکاح حرام کرنے والی آیت (33/53) کی عائشہ کے حق میں تاویل کرنے کا اختیار رکھتے تھے۔جنہیں جہاں عائشہ کے نزدیک طلاق دینے کا

اختیار تھا وہیں نکاح کر لینے کا اختیار بھی تھا۔اور چونکہ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کو ہر چیز سے زیادہ محبوب تھے۔اس لئے عائشہ کے نزدیک اُن سے نکاح کر لینے پر رسوؐل کو ایذا اور تکلیف نہ ہوتی بلکہ وہ خوش ہوتے۔یہ تھیں عائشہ کو حضرت علیؑ سے یعنی اپنے دیور سے وہ اُمیدیں جن میں سے کوئی بھی پوری نہ کی گئی۔وہ چاہتے تو قریش کے یہاں رائج سابقہ نکاح کر کے عائشہ کو صاحب اولاد کر سکتے تھے۔مگر اُنہوں نے ہمیشہ اس قسم کی نازک اور جذباتی امیدوں کو چکنا چور کرتے چلے جانے کا پروگرام جاری رکھا تو عائشہ نے اپنے انداز اور مذہب کے مطابق کینہ اور دشمنی رکھی اور جتنا ہو سکا انتقام لیا۔وہ اپنے دین پر قائم رہے اور عائشہ نے اپنے مذہب پر عمل کیا۔

(5) عائشہ نے حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت ونفرت کے شعلے بھڑکا کر مکہ کو باغی کر دیا

پھر طہٰ حسین نے لکھا ہے کہ: ''حضرت عائشہ کی باتیں سن کر مکہ بغاوت کے جذبات سے بھڑک اُٹھا۔ایسی حالت میں حضرت علیؑ کا وہ فرمان پہنچا جس میں خالد بن عاص بن مغیرہ کو مکہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ بیعت کا انکار کر دیا گیا۔اور وہ فرمان زمزم کے حوض میں پھینک دیا گیا۔اِس کے بعد حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی مکہ پہنچے اور حضرت علیؑ کے مخالفین کے ساتھ مل گئے۔اُسی دن سے مکہ،شامیوں کے علاوہ، حضرت علیؑ کی امامت کے مخالفوں کا مرکز بن گیا۔'' (علیؑ صفحہ 48)

نوٹ۔قارئین سے معذرت

یہ حقیقت قرآن کریم اور قریشی تواریخ و احادیث سے بار بار ثابت ہو چکی ہے کہ قریش مِن حَیثِ القوم قرآن کو جھٹلانے والے (انعام 6/66) قرآن میں تحریف وتبدیل وتغیر کرنے والے اور دشمنان خدا اور رسوؐل تھے (فرقان 31-30/25) اس لئے ہم اُن کے لئے کلمہ خیر استعمال کرنا گناہِ کبیرہ سمجھتے ہیں البتہ ہم عوام الناس کو فریب خوردہ سمجھ کر اور انہیں حقائق تک لانے کے لئے قریشی صحابہ وصحابیات کا ذکر کرتے ہوئے وہ الفاظ ضرور استعمال کرتے ہیں جن کا اُنہیں عادی بنا دیا گیا ہے۔تاکہ وہ ہماری بات سُنیں اور غور کریں اور چند ہی منٹ میں (مندرجہ بالا آیات سنا کر) ہم اُنہیں ایسا بنا دیتے ہیں کہ پھر وہ اُن لوگوں کے لئے رضی اللہ عنہ وغیرہ کہنا ضروری نہیں سمجھتے۔ہم اُس قوم اور اس قوم کے لیڈروں کے لئے وہی زبان بولتے اور لکھتے ہیں جو ظالموں،غاصبوں اور باغیوں کے لئے بولی جانی چاہئے۔لہٰذا گزارش یہ ہے کہ ہم تواریخ و روایات نقل کرتے ہوئے بھی وہ طریقہ جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ہم ہرگز اُن کے ایک فرد کے لئے جمع کا صیغہ لکھنا پسند نہیں کرتے۔غلطی سے لکھا جائے تو معافی چاہتے ہیں۔ہم اُن کے لئے لفظ حضرت یا حضرات بھی نہ لکھیں گے۔چونکہ تاریخ وتفسیر واحادیث کی کتابیں خود قریشی حکومتوں نے تیار کرائی تھیں اس لئے اُنہوں نے جو چاہا لکھا اور جس طرح اور جتنا چاہا لکھا۔مگر ہم واقعات بلفظہٖ لکھیں گے مگر کلماتِ خیر کو ساقط کر دیں گے۔یہاں سے آپ تاریخ طبری کے تراجم سے اقتباسات دیکھیں گے جن میں مترجم نے ہر نام کے ساتھ لمبے چوڑے احترامیہ الفاظ لکھے ہیں۔لیکن ہم اُن تمام ناموں کو فرشتوں کے بجائے آدمی بنا کر لکھیں گے۔اور اسی لئے معافی ومعذرت طلب کی گئی ہے۔

(6) عائشہ کی قلابازیاں،عثمان کو کافر اور واجب القتل کہا اور قصاص لینے نکلی،فتنہ وفساد کی پہل کی،عثمان کی قاتل

سُنئے طبری نے عائشہ کے متعلق لکھا ہے کہ:

''عائشہ مکہ سے واپس لوٹی اور سرف پر پہنچی تو وہاں اُن کی ملاقات عبد بن ام کلاب سے ہوئی۔اُس کے باپ کا نام ابوسلمہ تھا۔لیکن یہ ماں کی جانب منسوب کیا جاتا تھا۔عائشہ نے اُسے دیکھ کر کہا تم اس وقت خوب آئے عبد بن ابی سلمہ نے کہا لوگوں نے عثمان کو قتل کر دیا ہے اور آٹھ

روز تک کوئی خلیفہ نہیں تھا۔

عائشہ: ''پھر لوگوں نے کیا کیا؟

عبد: ''اہل مدینہ نے باہم جمع ہوکر مشورہ کیا اور آخر کار ایک بھلائی انہوں نے حاصل کر لی کہ اُن سب نے علیؑ بن ابی طالب پر اتفاق کر لیا۔

عائشہ: ''کاش کہ یہ زمین و آسمان اس سے قبل باہم مل جاتے اور تیرے اُس ساتھی کی خلافت قائم نہ ہوتی۔ مجھے واپس لے چلو مجھے واپس لے چلو۔'' عائشہ سرف سے مکہ واپس لوٹی اور یہ کہتی جا رہی تھی:

''خدا کی قسم عثمان مظلوم قتل کیا گیا اور میں اُن کے خون کا مطالبہ ضرور کروں گی۔''

عبد: اَے ام المومنین آخر اس انحراف کی کیا وجہ ہے اور خدا کی قسم سب سے اول آپ ہی نے علیؑ سے انحراف کیا ہے۔ اور آپ تو پہلے کہا کرتی تھیں ''اس نعثل (عثمان) کو قتل کر دو یہ کافر ہو چکا ہے۔''

عائشہ: اُن قاتلین نے اول عثمان سے توبہ کرائی پھر اُسے قتل کر دیا۔ میں نے پہلے قتل کے لئے کہا تھا۔ اب یہ کہہ رہی ہوں اور میرا آخری قول پہلے قول سے بہتر ہے۔'' یہ سن کر عبد بن ابی سلمہ نے یہ اشعار پڑھے۔

مِنۡکِ الۡبِدَاءُ وَ مِنۡکِ الۡغِیَرُ + وَ مِنۡکِ الرِّیَاحُ وَ مِنۡکِ الۡمَطَرُ؛

(ترجمہ) آپ ہی کی طرف سے اس فساد کی ابتدا ہے اور آپ ہی کی جانب سے یہ تمام تغیّرات واقع ہوئے ہیں آپ ہی کی جانب سے یہ عذاب کی آندھیاں چلی ہیں اور آپ ہی کی جانب سے رحمت کی بارش ہوئی ہے۔ (فتنوں کی بارش ہوئی ہے)

وَ اَنۡتِ اَمَرۡتِ بِقَتۡلِ الۡاِمَامِ + وَقُلۡتِ لَنَا اِنَّهٗ قَدۡ کَفَرۡ؛

(ترجمہ) آپ ہی نے لوگوں کو امام کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور آپ ہی نے ہم سے کہا تھا کہ وہ کافر ہو گیا ہے۔

فَهَبۡنَا اَطَعۡنَاکِ فِیۡ قَتۡلِهٖ + وَ قَاتِلُهٗ عِنۡدَنَا مَنۡ اَمَرۡ؛

(ترجمہ) ہم نے اُن کے قتل میں آپ کی اطاعت کی اب اُن کا قاتل ہمارے سامنے موجود ہے اور وہ وہ شخص ہے جس نے قتل کا حکم دیا۔

وَ لَمۡ یَسۡقُطِ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِنَا + وَ لَمۡ یَنۡکَسِفۡ شَمۡسُنَا وَ الۡقَمَرۡ؛

(ترجمہ) نہ تو اس واقعہ سے ہم پر چھت گری اور نہ سورج اور چاند کو گہن لگا۔

وَ قَدۡ بَایَعَ النَّاسُ ذَا قَدۡرًا + یُزِیۡلُ الشَّبَا وَ یُقِیۡمُ الصَّعَرۡ؛

(ترجمہ) اب لوگوں نے ایسے باہمت کی بیعت کی ہے جو آفتوں کو پیچھے ہٹا دیتا ہے اور سخت چٹانوں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

وَ یَلۡبَسُ لِلۡحَرۡبِ اَثۡوَابَهَا + وَ مَا مَنۡ وَ فِیۡ مِثۡلِ مَنۡ قَدۡ غَدَرۡ؛

(ترجمہ) جو جنگی لباس پہنے ہر وقت تیار ہے اور غدر کرنے والوں میں کوئی اُس کا ثانی نہیں ہے۔

اس کے بعد عائشہ مکہ لوٹی اور مسجد کے دروازے پر پہنچ کر سواری سے اُتری اور جانے کا ارادہ کیا وہاں اُن کے لئے پردہ کر دیا گیا اور اُن کے پاس لوگ آ کر جمع ہو گئے حضرت عائشہ نے لوگوں سے کہا عثمان مظلوم قتل کر دیا گیا اور خدا کی قسم میں اُس کے خون کا مطالبہ کروں گی۔''

(ترجمہ طبری حصہ سوم خلافت علیؑ صفحہ 88 تا 90)

قارئین نوٹ کریں کہ عائشہ نے عثمان کو کافر قرار دے کر اُس کے قتل کا فتویٰ دیا تھا اور وہی حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بغاوت اور فتنہ وفساد کی بانی مبانی تھی اور اُسی نے دنیا کے تباہ ہو جانے یعنی زمین و آسمان کے آپس میں مل جانے کو حضرت علیؑ کی حکومت سے بہتر کہا تھا۔لہٰذا قارئین یقین کر لیں کہ سورہ تحریم کی مذکورہ آیات (6 تا66/3) میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جو محاذ عائشہ اور حفصہ نے بنا رکھا تھا وہ محاذ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کی روک تھام کے لئے تھا چنانچہ قریش نے اپنا پہلا اور دوسرا خلیفہ اُن کے باپوں ابوبکر وعمر کو بنایا تھا۔

پھر یہ سوچئے کہ عائشہ عثمان کو کافر اور واجب القتل قرار دینے کا انکار نہیں کرتی بلکہ یہ کہتی ہے کہ:

''میرا دوسرا قول پہلے قول سے بہتر ہے۔'' یعنی

پہلا قول ''عثمان کافر ہو گیا ہے اُسے قتل کر دو۔''

دوسرا قول ''عثمان مظلوم قتل ہوا۔''

قارئین نوٹ کریں کہ اُس کا دوسرا قول اُس کے تیسرے قول سے باطل تھا۔ وہ ساری عمر رسولؐ کے گھر سے نکلنے، حوّاب کے چشمے پر پہنچنے، اور حضرت علیؑ سے جنگ کرنے پر نادم رہی اور رو رو کر اپنا دوپٹہ بھگوتی رہی۔ گو ہم قریش کی اِن باتوں اور اس قسم کی روایتوں کو خانہ ساز اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسی روایتوں سے اُن قریشی لیڈروں کے جرائم کو ہلکا کرنے اور پبلک کی نفرت کا نشانہ بننے سے روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قریش ہرگز کبھی اپنے اعمال ومظالم پر شرمندہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے ایک سے ایک بڑھ کر ظالمانہ اور بے رحمانہ اسکیم بنائی اور برابر پانچ سو (500) سال تک بناتے رہے۔ اُن ہی نے حضرت علی علیہ السلام اور اُن کے خاندان پر لعنت جاری کی جو ہر منبر ومسجد سے سو سال تک ساری مملکت اسلامیہ میں برسر کار رہی۔ اُن ہی نے خاندان رسولؐ کا قتل عام جاری رکھا۔ اور آج تک وہ محمدؐ وآل محمدؐ کے مذہب کے خلاف اسکیموں پر اسکیمیں بناتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا مندرجہ ذیل تمام باتیں خود ساختہ بکواس ہیں: مثلاً یہ کہ:

(1) عائشہ وعلیؑ دونوں شرمندہ ہوئے ایک دوسرے کے لئے اللہ سے بخشش کی دُعا مانگی۔ یا

(2) زبیر لڑائی سے دستکش ہو کر چلا گیا راہ میں اُسے قتل کر دیا گیا۔ قاتل کے لئے علیؑ نے بددعا کی۔ یا

(3) علیؑ نے دونوں طرف کے مقتولوں کو جنتی قرار دیا تھا۔ یا

(4) سبائیوں اور قاتلین عثمان نے علیؑ وعائشہ کی مرضی کے خلاف جنگ چھیڑ دی تھی۔ وہ دونوں تو صلح کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ اور اسی قسم کی ہزاروں کہانیاں بعد میں کئی سو سالوں تک گھڑ گھڑ کر اپنے تنخواہ دار و وظیفہ خوار و جاگیر دار مورخوں، محدثوں اور مفسروں سے لکھوائی جاتی رہیں۔ تاکہ اُن اولین ملاعین کے جرائم پر پردہ ڈال کر چھپایا جائے۔ اور اُن کے کردار کو غلط فہمی اور اجتہاد کی چادروں میں لپیٹ دیا جائے۔ لیکن اُن تمام خبیثوں کے تمام اقدامات قومی سطح پر مرکزی حیثیت سے سوچے سمجھے اقدامات تھے۔ اُنہیں قدم قدم پر خود اُن کے آدمی لعنت وملامت کرتے رہے۔ سمجھاتے رہے۔ مگر اُن کے لئے ضروری تھا کہ وہ آخری دم تک برابر اپنی قومی اسکیم پر عمل کریں اور علیؑ وخاندان علی علیہم السلام کو مسلمانوں پر حکومت نہ کرنے دیں۔ (الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

(7) حقیقی مسلمان بزرگ عائشہ کو رسولؐ کی ہتک حُرمت کرنے گھر سے نکلنے اور علیؑ پر فوج کشی کرنے پر ملامت کرتے رہے

چنانچہ طبری سے سُنئے کہ اُنہیں ایک صحابیؓ کس طرح آڑے ہاتھوں لیتا ہے:

''حضرت جاریہ بن قدامہ سعدی عائشہ کے پاس پہنچے اور کہا اَے ام المومنین خدا کی قسم عثمان بن عفان کا قتل ہو جانا ہمارے لئے آسان تھا۔اور تیرا اس ملعون اونٹ پر سوار ہو کر اور ہتھیار سنبھال کر نکلنا اُس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے پردے میں رہنے اور اپنے احترام کو باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔لیکن آپ نے اُس پردے کو توڑا اور اپنے احترام کو ختم کیا۔یاد رکھئے جو شخص تم سے قتال کو جائز سمجھتا ہے۔وہ لازماً تمہارے قتل کو بھی جائز سمجھتا ہوگا۔اگر آپ خوشی سے یہاں آئی ہیں تو فوراً واپس لوٹ جایئے۔اور اگر آپ مجبوراً یہاں آئی ہیں تو لوگوں سے امداد طلب کیجئے تاکہ وہ آپ کو باعزت طور پر یہاں سے نکال دیں۔''(ایضاً طبری صفحہ 102)

یہاں دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں کہ لوگ یہ یقین کرنا چاہتے تھے کہ آیا طلحہ و زبیر رشتہ داری اور دوسرے دباؤ سے عائشہ کو مجبور کر کے ساتھ لئے پھرتے ہیں یا وہ خود اس مہم کی بانی ہیں؟ دوسری بات یہ کہ جاریہ بن قدامہ نے عائشہ سے جس انداز میں اور جو گفتگو کی ہے۔اسی قسم کی گفتگو کرنے والے دو آدمیوں کے متعلق یہ کہانی گھڑی گئی ہے کہ علیؑ نے اُن کے قتل کا حکم دیا اور پھر حکم بدل کر اُن دونوں کو سو سو کوڑے لگوائے تھے۔تاکہ یہ تصور پیدا کیا جائے کہ علیؑ عائشہ کی توہین کرنا جرم سمجھتے تھے۔اللہ تمام جھوٹوں پر لعنت کرتا رہے۔

(8) <u>طلحہ اور زبیر کو اس لئے مطعون کیا جاتا رہا کہ وہ زوجہ رسولؐ کو بے پردہ اور اپنی بیویوں کو پردے میں رکھتے رہے</u>

''بنو سعد کا ایک نوجوان لڑکا طلحہ و زبیر کے پاس گیا اور اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگا''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں کی ماں تمہارے ساتھ ہے تو کیا تم دونوں اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لائے ہو؟ طلحہ و زبیر نے جواب دیا''نہیں''وہ سعدی جوان بولا کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔''

یہ کہہ کر وہ لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔اُس سعدی نوجوان نے اِس واقعہ پر یہ اشعار کہے:

مُنتُمُ حَلاَئِلَکُمْ وَ قُدْتُمْ اُمَّکُمْ + هٰذَا لَعُمْرُکَ قِلَّةُ الْاِنْصَافِ؛

(ترجمہ) تم نے اپنی بیویوں کو بچالیا اور اپنی ماں کو میدان میں گھسیٹ لائے تیری عمر کی قسم یہ تو نہایت بے انصافی کی بات ہے۔

اَمَرَتَ بِجَرِّ ذُیُوْلِهَا فِیْ بَیْتِهَا + فَهَوَتْ تَشُقُّ الْبِیْدَ بِالْاِیْجَاف؛

(ترجمہ) بیویوں کو تو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں پھریں اور باہر نہ جائیں۔

غَرَضًا یُّقَاتِلُ دُوْنَهَا اَبْنَائِهَا + بِالنَّبْلِ وَ الْخُطٰی وَ الْاَیْسَاف؛

(ترجمہ) اور ماں کو اپنی اغراض کا آلۂ کار بنالیا تاکہ اُن کے بیٹے انہیں بچانے کے لئے نیزوں اور تیروں اور تلواروں سے لڑیں۔

هَتَکْتَ بِطَلْحَةَ وَ الزُّبَیْرِ سَتُوْرَهَا + هٰذَا الْمُخْبَرُ عَنْهُمْ و الْکَافِی؛

(ترجمہ) اِس طرح زبیر و طلحہ کے پردوں کی بھی پردہ دری ہوئی۔یہ وہ خبر ہے جو لوگوں کی طرف سے بیان کی جارہی ہے۔

(طبری صفحہ 102-103)

(9) <u>طلحہ کا بیٹا، عائشہ کو عثمان کا قاتل نمبر ایک اور اپنے باپ طلحہ کو قاتل نمبر دو بتلایا کرتا تھا</u>

جہینہ کا ایک لڑکا محمد بن طلحہ کے پاس گیا؛ یہ محمد نہایت عبادت گزار شخص تھے؛ اُن سے سوال کیا کہ عثمان کے قاتل کون لوگ ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ عثمان کے قتل کی ذمہ داری تین شخصوں پر ہے۔تہائی (1/3) ذمہ داری تو اس ہودج والی یعنی عائشہ پر ہے۔اور تہائی ذمہ داری اس شخص پر ہے جو سرخ اونٹ پر سوار ہے۔یعنی میرے باپ طلحہ پر اور تہائی علیؑ بن ابی طالبؑ پر ہے۔یہ سن کر وہ لڑکا بولا۔میں تو خود کو گمراہی پر سمجھتا ہوں۔اور یہ کہہ کر

وہ حضرت علیؑ کے ساتھ مل گیا۔اور محمد بن طلحہ کے جواب میں یہ اشعار کہے۔

سَاَلْتُ ابْنَ طَلْحَۃَ عَنْ ھَالِکٍ + بِجَوْفِ الْمَدِیْنَۃِ لَمْ یُقْبَرِ؛

''میں نے طلحہ کے بیٹے سے دریافت کیا کہ مدینہ میں جس شخص کو لوگوں نے قتل کیا ہے۔اور جو دفن بھی نہیں کیا جا سکا اُس کی ہلاکت کی ذمہ داری کس پر ہے؟ (طبری جلد3 صفحہ 554)

فَقَالَ ثَلَاثَۃُ رَھْطٍ ھُمْ + اَمَاتُوْا ابْنَ عَفَّانَ وَ اسْتَعْبَرِ؛

اُس نے جواب دیا کہ عثمان کے قتل کی ذمہ داری تین شخصوں پر ہے۔

فَثُلْثٌ عَلٰی تِلْکَ فِیْ خِدْرِھَا + وَ ثُلْثٌ عَلٰی رَاکِبِ الْاَحْمَرِ؛

تہائی تو اس عورت پر ہے جو ہودج میں سوار ہے اور تہائی سرخ اونٹ کے سوار پر ہے۔''

وَ ثُلْثٌ عَلِیٌّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ + وَ نَحْنُ بَدْوِیَّۃٌ فَرْقَرِ؛

اور تہائی علیؑ بن ابیطالبؑ پر ہے۔بات یہ ہے کہ ہم لوگ تو بدوی آدمی ہیں ان باتوں کو ہم نہیں سمجھتے۔

فَقُلْتُ صَدَقْتَ عَلَی الْاَوَّلَیْنِ + وَ اخْطَاْتَ فِی الثَّالِثِ الْاَزْھَرِ؛

میں نے اُسے جواب دیا کہ پہلے دو شخصوں کے بارے میں تم نے سچی بات کہی لیکن تیسرے رُوشن شخص کے بارے میں تم نے غلطی کی ہے۔

(10) طلحہ نے عثمان کے قتل کا اقرار کرتے ہوئے اپنی توبہ کا طریقہ بدلہ میں جان دینا بتایا

قارئین یہ دیکھتے چلے جائیں گے کہ عائشہ،طلحہ اور زبیر ہی وہ سرغنہ اور منتظمین تھے جنہوں نے ایک طرف تیسرے خلیفہ عثمان کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے اس کو قتل کرا دینے کا لاجواب اور کارگر و کامیاب انتظام کیا اور دوسری طرف علیؑ کی موجودگی میں اپنی حکومت قائم کرنے اور علیؑ کو محروم رکھنے کی راہیں کھولی تھیں۔اور جب علیؑ کے صابرانہ اور حق پرستانہ نظام (خطبہ 3 جملے 6-8) نے انہیں ناکام و نامراد کر دیا اور حکومتِ الٰہیہ قائم ہوگئی تو اسی ثلاثہ اینڈ کمپنی،اور حقیقی قاتلین عثمان نے عثمان کے قتل کا اتہام علیؑ پر لگا کر خود وارثِ عثمان بن کر علیؑ کے خلاف فوج کشی کا اہتمام کیا اور مکہ و مدینہ کے دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ کو ساتھ ملا کر جنگ جمل برپا کی تھی۔مگر اپنے فرصت اور اطمینان کے اوقات میں اپنے جرائم کا اقرار و اعتراف بھی کرتے رہتے تھے۔چنانچہ عائشہ نے عثمان کو قتل کرنے کا اور اُس کے کافر ہو جانے کا فتویٰ دینا مان لیا تھا (عنوان نمبر 6) اور اُن حالات میں اپنے اس فتوے کو جائز قرار دیا تھا۔یعنی طلحہ کی حکومت قائم کرنے کیلئے عثمان کو قتل کرنا جائز تھا۔لیکن جب حالات نے ناسازگاری کی اور طلحہ کی حکومت قائم نہ ہوسکی اور اُن کے ازلی دشمن علیؑ کی حکومت قائم ہوگئی تو اب طلحہ کی حکومت قائم کرنے کے لئے علیؑ پر تہمت قتل لگانے،اُن کے خلاف بغاوت پھیلانے،اُن سے جنگ کرنے اور اُن کو قتل کر دینے کا فتویٰ جائز ہو گیا۔یعنی قتل کا فتویٰ صرف عثمان اور علیؑ کے لئے نہ تھا۔بلکہ ہر اس شخص یا اشخاص کو قتل کر دینے کا فتویٰ تھا جو عائشہ کی منشاء کے خلاف مسلمانوں کا خلیفہ بن جائے۔یا ایسی کوشش کرے یا اس میں مدد دے۔اسی فتویٰ کی ذیل میں خاندانِ رسولؐ اور طرفدارانِ اہلبیتؑ کا میدانِ کربلا میں قتل عام کیا گیا تھا۔چنانچہ عائشہ کی طرح طلحہ کا اقرارِ جرم ملاحظہ ہو۔اُس سے علقمہ کی باتیں سُنیئے:

(11) عائشہ،طلحہ اور زبیر کا حضرت علیؑ سے جنگ کے لئے کُوچ کے دوران علقمہ بن وقاص لیثی سے طلحہ کی گفتگو

علقمہ بن وقاص نے بیان کیا کہ جب طلحہ، زبیر اور عائشہ نے (جنگ جمل کے لئے) کوچ کیا تو میں نے طلحہ کو خلوت میں دیکھا کہ اپنی غلطی کے باعث اپنی داڑھی پر ہاتھ مار رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ خلوت بہت محبوب ہوچکی ہے۔اور آپ اپنی غلطی کے باعث اپنی داڑھی پر اکثر ہاتھ مارتے رہتے ہیں۔اگر آپ اِس جنگ (جمل) وغیرہ کو بُرا سمجھ رہے ہیں تو اُسے چھوڑ کر خاموش بیٹھ جایئے۔''

طلحہ (نے کہا): ایک وہ زمانہ تھا جب ہم سب ایک دستِ واحد کی طرح تھے۔اور درست کرنے والا ہمیں درست کردیتا تھا۔اُس وقت اگر ہم یہ چاہتے کہ لوہے کے دو پہاڑوں کو اُن کی جگہ سے ہٹادیں تو ہم اس پر قدرت رکھتے تھے۔اب میری ذات سے عثمان کو تکلیف پہنچی ہے تو اس کی توبہ یہی ہے کہ اُن کے خون کے مطالبہ میں لوگ میرا خون بہادیں۔''

علقمہ:''تو آپ اپنے بیٹے محمدؐ کو کیوں نہیں واپس کردیتے؟ کیوں کہ آپ صاحبِ عیال ہیں۔
اگر خدانخواستہ آپ قتل کردیئے گئے تو (محمد بن طلحہ) وہ آپ کی جگہ سنبھال لیں؟

طلحہ:''میں یہ پسند نہیں کرتا کوئی شخص بھی اس کام (علیؑ کے خلاف جنگ کرنے) سے پیچھے رہے۔
لہٰذا (اگر تمہیں محمد کو واپس کرنا مفید معلوم ہوتا ہے) تم اُسے منع کردو۔''

علقمہ: ''علقمہ کہتے ہیں کہ میں محمد بن طلحہ کے پاس پہنچا اور اُس سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ تم گھر چلے جاؤ کیوں کہ:
اگر آپ کے والد کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آگیا تو تم اُن کی اولاد اور گھر والوں کو سنبھال سکو۔''

محمد بن طلحہ: ''میں یہ پسند نہیں کرتا کہ بعد میں لوگوں سے اپنے باپ کا حال دریافت کرتا پھروں۔''(طبری صفحہ 124-125)

یہ تھا وہ بیان جس میں طلحہ اور عائشہ کا قتل عثمان کے بدلے میں بقول طلحہ قتل کیا جانا عثمان کا صحیح قصاص تھا۔لیکن قصاص حضرت علی علیہ السلام سے لیا جارہا تھا۔تاکہ اُن کو حکومت سے ہٹاکر پہلے قتل کیا جائے اور پھر حکومت پر قبضہ جمالیا جائے۔

(12) بصرہ پہنچ کر عائشہ نے زید بن صوحان کو اپنی نصرت اور علیؑ سے جنگ کی دعوت دی اور منہ کی کھائی

جب طلحہ وزبیر اور عائشہ کا لشکر بصرہ پہنچ گیا تو عائشہ نے مختلف شہروں کے معتبر لوگوں کو خطوط بھیجے اور علیؑ سے مقابلہ کے لئے اپنی نصرت کی دعوت دی تھی۔اُن خطوط میں سے ایک خط زید بن صوحان کو لکھا اور کہا تھا کہ:

''یہ خط عائشہ بنت ابی بکر ام المومنین زوجہ رسولؐ کی جانب سے اُس کے مخلص بیٹے زید بن صوحان کے نام ہے۔اَے زید جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو تم میرے پاس چلے آؤ اس کام (علیؑ کے ساتھ جنگ) میں میری مدد کرو۔اگر تم میری مدد نہ کروگے تو لوگ علیؑ کے ہاتھوں ذلیل ہوجائیں گے۔''

مخلص بیٹے کا عائشہ کو دندان شکن جواب ''زید بن صوحان نے اس خط کا یہ جواب دیا:

''یہ خط زید بن صوحان کی جانب سے عائشہ بنت ابوبکر زوجہ رسولؐ کے نام ہے۔آپ اس کام (مخالفت علیؑ) کو چھوڑ کر اپنے گھر لوٹ جایئے ورنہ میں آپ سے سب سے پہلے مقابلہ کروں گا۔''

''زید بن صوحان فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عائشہ کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔اور ہمیں جنگ کرنے کا۔لیکن اُس نے اُس حکم کو توڑ دیا۔

جس کا اُسے حکم دیا گیا تھا۔اور جو حکم اس کے لئے تھا وہ حکم ہمیں دینا شروع کر دیا۔اور جو حکم ہمارے لئے تھا اُس پر عائشہ نے عمل کرنا شروع کر دیا اور ہم نے عائشہ کو چھوڑ دیا۔''(ایضاً صفحہ 125)

قارئین یہ نوٹ کریں کہ جن مسلمان اشخاص کو عائشہ،طلحہ،زبیر یا حضرت علیؑ نے اپنی نصرت کیلئے خطوط لکھے وہ تنہا اشخاص نہ تھے بلکہ سرداران قوم اور افرادی قوت کے مالک لوگ تھے۔

(13) عائشہ اور طلحہ و زبیر نے پہلے لوگوں کو علیؑ کی بیعت کا حکم دیا تھا۔لیکن بعد میں جنگ پر آمادہ ہو گئے

یہاں آپ پھر ایک دفعہ یہ تفصیل پڑھیں کہ عائشہ،طلحہ اور زبیر کس طرح اپنی مختلف مصلحتوں کے چاروں طرف ناچتے اور طواف کرتے رہتے تھے۔یہ ملاعین ضرورت اور موقع کے لحاظ سے کبھی حضرت علیؑ علیہ السلام کی بیعت کا حکم دیتے تھے تاکہ عثمان کے خلاف مسلمانوں کو علیؑ کے نام پر بھڑکانا آسان ہو جائے اور کبھی اُسی علیؑ کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیتے تھے۔اُن کی مصلحت نوازیاں قلابازیاں اور حرام زدگیاں طبری سے سُنئے اور طبری کے مندرجہ ذیل پانچ عنوانات باری باری پڑھئے:

1۔خلافت علیؑ پر طلحہ اور زبیر کی رضامندی:

''احنف بن قیس کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں طلحہ اور زبیر کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ میری ناقص رائے تو یہ ہے کہ عثمان قتل کر دیا جائے گا۔آپ یہ بتایئے کہ میں اُن کے بعد کس کی بیعت کروں؟ طلحہ و زبیر نے جواب دیا کہ علیؑ کی بیعت کرنا۔

احنف: اَحنف نے کہا کہ کیا آپ دونوں خلافتِ علیؑ پر راضی ہیں؟ اور کیا فی الواقع آپ دونوں مجھے علیؑ کی بیعت کا حکم دے رہے ہیں؟

طلحہ و زبیر: ''ہاں''

2۔خلافتِ علیؑ پر عائشہ کی رضامندی:

اَحنف کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں مکہ چلا گیا۔ابھی میں مکہ ہی میں مقیم تھا کہ عثمان کے قتل ہو جانے کی اطلاع ملی۔ام المومنین عائشہ بھی مکہ میں تھیں۔میں اُن کے پاس گیا اور عرض کیا کہ آپ مجھے کس شخص کی بیعت کا حکم دیتی ہیں؟

عائشہ: ''علیؑ کی بیعت کرلو''

احنف: ''کیا آپ علیؑ کی خلافت پر راضی ہیں؟

عائشہ:''ہاں''

''حضرت عائشہ کا یہ حکم ملنے کے بعد میں مدینہ واپس آیا اور وہاں پہنچ کر میں نے حضرت علیؑ کی بیعت کر لی۔اس کے بعد میں اپنے گھر والوں کے پاس بصرہ چلا آیا۔اور مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ خلافت کا معاملہ اب سنبھل گیا ہے۔اور اب اس میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی ہے۔''

3۔احنف کی پریشانی:

''احنف کہتے ہیں کہ میں ہنوز بصرہ ہی میں مقیم تھا کہ میرے پاس ایک شخص آیا کہ اُم المومنین عائشہ اور طلحہ و زبیر لشکر لئے ہوئے خُرِیبہ کے ایک کنارے پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔میں نے اُس مخبر سے سوال کیا کہ آخر یہ لوگ یہاں کس ارادے سے آئے ہیں؟

مخبر: ''ان لوگوں نے تمہیں بلایا ہے۔اور عثمان کے قصاص کیلئے تم سے مدد کے طلبگار ہیں۔احنف کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر عجیب پریشانی میں مبتلا ہو

گیا۔ کیونکہ یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ میں اُن لوگوں کی رسوائی کا سبب بنتا۔ جن کے ساتھ اُم المومنین زوجۂ رسُولؐ اور طلحہ و زبیر موجود ہوں۔ میرا دل ہرگز یہ گوارا کرنے کو تیار نہ تھا کہ میں (علیؑ کی طرف سے) اِن لوگوں کے مقابلہ پر جاؤں۔ دوسری جانب یہ بھی ایک ناممکن مسئلہ تھا کہ میں اُن لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر حضورؐ کے چچازاد بھائی حضرت علیؑ کے مقابلے پر جاؤں حالانکہ اُن ہی لوگوں نے مجھے علیؑ کی بیعت کا حکم دیا تھا۔''

4۔احنف کی عائشہ سے گفتگو:

''آخر کار میں اُن لوگوں کے پاس گیا۔اُن لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عثمان مظلوم قتل کئے گئے ہیں تم اُن کا قصاص لینے کیلئے ہماری مدد کرو۔

احنف: ''میں نے عرض کیا اَے ام المومنین میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کہ میں نے جب آپ سے دریافت کیا تھا کہ میں کس کی بیعت کروں؟ تو آپ نے فرمایا تھا ''علیؑ کی''

عائشہ: ''تم سچ کہتے ہو مگر حالات بھی تو بدل گئے ہیں''

اس کے بعد میں نے طلحہ و زبیر سے سوال کیا کہ کیا میں نے آپ دونوں سے یہ سوال نہ کیا تھا کہ میں کس کی بیعت کروں؟ تو آپ دونوں حضرات نے مجھے علیؑ کی بیعت کا حکم دیا تھا؟

اس کے بعد لکھا ہے کہ احنف نے عائشہ اور طلحہ و زبیر سے یہ اجازت مانگی کہ اُسے دونوں فریق سے الگ رہنے کا اختیار دیا جائے۔

ام المومنین وغیرہ:

''ہم اس معاملے پر غور کر کے تمہیں اپنے فیصلے سے مطلع کر دیں گے۔لیکن کچھ دیر بعد اُن لوگوں نے کہا کہ تم جسر چلے جاؤ اور اپنے حالات سے باخبر کرتے رہنا۔لیکن تم سے عقلمند انسان کا اتنی دُور چلے جانا مناسب نہیں لہٰذا تم قریب ہی رہو تا کہ تمہیں تمام حالات معلوم رہیں۔اور علیؑ کے طریقہ کار کو بھی تم دیکھ سکو۔'' اس فیصلے کے بعد احنف نے جلجاء مقام میں گوشہ گیری اختیار کر لی۔ یہ مقام بصرہ سے چھ میل تھا۔احنف کے ساتھ چھ ہزار آدمی جنگ سے علیحدہ رہے۔''

''احنف کہتے ہیں کہ میری علیحدگی کے بعد دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی اور سب سے اوّل طلحہ بن عبید اللہ قتل ہوئے۔''(ایضاً صفحہ 168 تا 170)

قارئین یہ بھی دیکھ لیں کہ یہ احنف بن قیس پہلے حضرت علیؑ سے مل کر اپنی قوم کیلئے امان حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ دو صفحات پہلے طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

5۔احنف کا حضرت علیؑ سے مل کر جنگ سے علیحدہ رہنے کی اجازت حاصل کر لینا:

''اَحنف نے آگے بڑھ کر حضرت علیؑ سے عرض کیا کہ بصرہ میں جو ہماری قوم کے لوگ ہیں اُن کا خیال ہے کہ اگر آپ کل اُن پر غالب آ گئے تو آپ اُن سب (ابوبکر و عمر کی طرح) کو قتل کر دیں گے اور اُن کی عورتوں کو باندیاں بنالیں گے؟

حضرت علیؑ: کیا مجھ جیسے شخص سے یہ توقع بھی کی جا سکتی ہے؟ اور کیا یہ صورت (سرکش) کفار کے علاوہ کسی اور کیلئے حلال ہے؟ کیا تُو اپنی قوم کو (میرے مقابلہ میں آنے سے) بچالے گا؟؟؟

احنف: ''ہاں میں اپنی قوم کو (آپ کے مقابلے میں آنے سے) بچا سکتا ہوں۔آپؐ میری دو باتوں میں سے ایک قبول فرمالیں۔اگر آپ پسند فرمائیں تو میں تن تنہا آپؐ کے ساتھ جنگ میں شامل ہو جاتا ہوں۔اور اگر آپ چاہیں تو میں دس ہزار ننگی تلواریں آپ سے روک لوں گا۔

حضرت علیؑ: ''مجھے تمہاری دوسری رائے پسند ہے۔''

احنف اپنی قوم کے پاس واپس گیا۔اور چلاّ چلاّ کر آواز دی۔اَے آلِ خُندَف؟ جب بنوخندف آ گئے تو بنوتمیم کو آواز دی۔جب وہ بھی آ گئے تو بنوسعد کو پکارا اور انہیں حکم دیا کہ سب لوگ جنگ سے علیحدہ رہیں۔احنف اُن لوگوں کو لے کر علیحدہ ہو گیا۔اور یہ دیکھتا رہا کہ اس اختلاف کا کیا انجام ہوتا ہے۔جب جنگ جمل کے بعد حضرت علیؑ کامیاب ہو گئے تو اِن لوگوں نے بھی آ کر حضرت علیؑ کی بیعت کر لی۔''(ایضاً طبری صفحہ 166-167)

قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ احنف کی قوم کو یقین تھا کہ علیؑ بھی ابوبکر وعمر کی طرح اپنے مخالفین کا قتل عام،لوٹ مار اور غلام وکنیز بنانا جائز رکھیں گے۔پھر یہ کہ احنف بن قیس حضرت علیؑ علیہ السلام کے ساتھ شامل ہو کر عائشہ سے جنگ کرنے پر راضی تھا۔لیکن اُسے اندیشہ تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کی قوم عائشہ کے ساتھ شریک ہو سکتی ہے۔لہٰذا اُس نے قوم کو قابو میں رکھنے کیلئے علیحدگی اختیار کی تھی۔

(14) حضرت علیؑ نے زبیر کو عثمان کا قاتل قرار دیا اور وہ انکار نہ کر سکا۔طلحہ کو عائشہ کی آڑ لینے کا مجرم کہا

طبری یہ بھی لکھتا ہے کہ حضرت علیؑ نے رُودررُو زبیر کو عثمان کا قاتل قرار دیا اور وہ کوئی بہانہ بھی نہ کر سکا۔پھر طلحہ پر رسوؐل کی ہتک کرنے کا جُرم عائد کیا سُنیئے:

''حضرت علیؑ نے زبیر سے یہ بھی فرمایا کہ تم مجھ سے عثمان کا قصاص طلب کر رہے ہو حالانکہ تم ہی نے انہیں قتل کیا تھا۔جس کے باعث اللہ نے ہمیں یہ روزِ بد دکھایا جس کا دیکھنا ہم پسند نہ کرتے تھے۔نیز حضرت علیؑ نے طلحہ سے کہا کہ تم رسوؐل اللہ کی زوجہ کو اس لئے (میدانِ مقابلہ میں) لے کر آئے ہو تا کہ تم اُن کی پشت پناہی (وَاِنْ تَظٰهَرَ اعلیه اگر تم دونوں نے اُس کے مقابلے میں پشت پناہی کی تحریم 66/4) میں جنگ کر سکو۔حالانکہ تم نے اپنی زوجہ کو اپنے گھر میں چھپا کر بٹھا دیا ہے۔کیا تم نے میری بیعت نہ کی تھی؟(ایضاً طبری 186-187)

مطلب یہ تھا کہ اگر عائشہ کی پشت پناہی حاصل نہ ہوتی تو حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں کوئی مسلمان جنگ کے لئے نہ نکلتا مگر لوگوں کو یہ یقین تھا کہ یہ عورت سارے مسلمانوں کی ماں ہے رسوؐل کی زوجہ ہے جو ضرور حق پر ہو گی۔اس لئے طلحہ وزبیر کو معاون مل گئے اور لوگوں نے ثواب سمجھ کر علیؑ سے جنگ کی جانیں،فدا کیں اور جہنمی بن گئے۔

(15) عائشہ کی بغاوت پر رسوؐل کی پیش گوئی چشمہ حواب پر عائشہ کُتّوں کے نرغہ میں تھی

جس طرح اللہ نے قرآن میں عائشہ کی آنحضرؐت اور حضرت علیؑ کے خلاف محاذ آرائی اور بغاوت کو بیان کیا ہے۔اُسی طرح آنحضرؐت نے عائشہ کو بتایا تھا کہ تو وہ عورت نہ ہو جس پر حوّاب کے چشمہ والے کتے بھونکیں گے۔اس حدیث کو محدثین نے بڑی شرح سے لکھا ہے۔یہاں طبری نے اُس شخص عرفی کی زبانی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔جس سے عائشہ کی سواری کا وہ اونٹ خریدا گیا تھا جس کی وجہ سے اس جنگ کا نام ہی جمل پڑ گیا اور وہ اونٹ بھی عائشہ اور شیطان کی طرح ابدی شہرت حاصل کر گیا۔اور وہی شخص عرفی عائشہ کے اونٹ کے ساتھ ساتھ راستہ دکھانے کے لئے چلا جا رہا تھا۔

(16) حواب کا چشمہ اور کتے،عائشہ کا بھاگنا اور عبداللہ بن زبیر کا عائشہ کو دھوکا دے کر لیجانا

وہ کہتا ہے کہ:

''چلتے چلتے ہم حواب کے چشمہ پر پہنچے تو وہاں کے کتے ہمیں دیکھ کر بھونکنے لگے۔لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ کون سا چشمہ ہے؟

عرفی: ''یہ چشمہ حوّاب کے نام سے مشہور ہے۔''

''عرفی کہتا ہے کہ میرا یہ جواب سن کر عائشہ زور سے چیخیں اور اپنے اونٹ کے بازو پر چابک مار کر اُسے ہنکایا۔ پھر فرمایا کہ:

''خدا کی قسم حوّاب کے کتوں والی میں ہی ہوں۔ اَے لوگو مجھے واپس لے چلو۔ عائشہ نے یہ بات تین بار کہی اور اپنا اونٹ ہنکایا۔ لوگوں نے بھی اپنے اونٹ تیز کیۓ اور وہ واپس لوٹیں۔ حتیٰ کہ جب اگلا روز ہوا اور وہ وقت آیا جس وقت (حواب سے) اُن لوگوں کی واپسی شروع ہوئی تھی تو عبداللہ بن زبیر (ڈرامہ بنا کر) گھبرایا ہوا عائشہ کے پاس پہنچا اور چیخ کر بولا ''بچاؤ بچاؤ خدا کی قسم یہ علیؑ کا لشکر تمہارے سروں پر پہنچ گیا ہے۔ عرفی کہتا ہے کہ اُن لوگوں نے وہاں سے کوچ کیا۔ اور مجھے (حواب کا چشمہ بتانے پر) بُرا بھلا کہنے لگے۔ میں اُن کے پاس سے واپس چلا آیا۔ تھوڑی دُور چلا تھا کہ حضرت علیؑ اور اُن کا لشکر مل گیا۔ اُن کے ساتھ تین سو کے قریب آدمی تھے۔ حضرت علیؑ نے مجھے آواز دی کہ اے سوار ادھر آؤ۔ میں اُن کے پاس گیا۔ تو انہوں نے سوال فرمایا کہ یہ لشکر کہاں ہے؟

<u>عرفی</u>: ''فلاں فلاں مقام پر مقیم ہے۔ اور یہ عائشہ کی اونٹنی ہے میں نے اُن لوگوں کے ہاتھ اپنا اونٹ فروخت کیا تھا۔

<u>حضرت علیؑ</u>: ''کیا تم نے بھی اُن کے ساتھ سفر کیا ہے؟

<u>عرفی</u>: ''ہاں میں نے اُن کے ساتھ سفر کیا ہے۔ لیکن جب ہم حواب کے چشمے پر پہنچے تو اُس عورت پر حواب کے کتے بھونکنے لگے۔ جس پر اُس عورت نے ایسی ایسی بات کہی تھی۔ لیکن جب میں نے ان لوگوں میں باہم اختلاف دیکھا تو میں واپس آ گیا۔ اور وہ لوگ کوچ کر گئے۔

<u>حضرت علیؑ</u>: ''کیا تم ذی قار کا راستہ جانتے ہو؟

<u>عرفی</u>: ''ہاں''

<u>حضرت علیؑ</u>: ''تو تم ہمارے ساتھ چلو''

عرفی کا بیان ہے کہ میں اُن کے ساتھ چلا حتّٰی کہ ہم ذی قار پہنچ گئے۔'' (طبری ایضاً صفحہ 86-87)

(17) <u>عائشہ خود حدیثِ رسوؐل سناتی ہیں اور حواب کے کتوں کی اور بغاوت کی زد میں آجاتی ہے</u>

اسی واقعہ کو طبری نے یوں بھی لکھا ہے کہ:

''جب طلحہ و زبیر کو یہ علم ہوا کہ علیؑ ذی قار پہنچ چکے ہیں تو وہ بصرہ کو لوٹ گئے۔ راہ میں عائشہ نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں تو دریافت کیا کہ یہ کون سا چشمہ ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ حواب کا چشمہ ہے۔ یہ سن کر عائشہ نے <u>اِنَّا لِلّٰہِ</u> پڑھی اور کہا کہ یہ تو وہی معاملہ ہے جو میں نے رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔ کہ آپؐ کے پاس کچھ عورتیں (ازواج رسوؐل) بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ شاید تم میں سے ایک عورت ایسی ہو جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے اس کے بعد عائشہ نے لوٹنے کا ارادہ کیا عبداللہ بن زبیر (عائشہ کا بھانجہ) عائشہ کے پاس آیا اور کہا جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حواب کا چشمہ ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔'' (طبری صفحہ 110)

<u>سوم۔ قریش کے عہدِ جدید کی سب سے بڑی دیوی عائشہ کو حضرت علیؑ نے تھرڈ کلاس عورت بنا دیا</u>

حضرت علی علیہ السلام نے اس تیرہویں خطبے میں عائشہ پر نثار و فدا ہو جانے والے مومنین کی حالت بیان کرتے ہوئے اُن کو ایک عورت کی فوج قرار دیا ہے (خطبہ 13 جملہ 1) یعنی عائشہ جنگ جمل کی وجہ سے ایک عام عورت بن کر رہ گئی ہے۔ یہاں اُسے نہ زوجۂ رسوؐل کے احترام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے نہ اُم المومنین فرمایا گیا ہے یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ:

کُنتُم جُندَ اُمُّ الْمُؤْمِنِینَ (''تم اُم المومنین کی فوج تھے'') بلکہ یہ کہا گیا کہ کُنتُم جُندَ الْمَرْأَۃِ ''تم ایک باغی عورت کی فوج تھے۔ پھر دوسرے جملے میں عائشہ کے اُونٹ کو عائشہ کی طرح جان نثار فوج کا بت قرار دیا ہے۔ جو اللہ ورسولؐ اور خلیفۂ خدا کی جگہ واجب الاطاعت بنا لیا گیا تھا (خطبہ 13 جملہ 2) اور اُس بُت (اونٹ) کی بے معنی آوازوں پر نثار ہو رہے تھے۔ (خطبہ 13 جملہ 3)

(1) عائشہ کے چاہنے والے اور اونٹ کے پجاری اُس کی مینگنیاں سونگھتے اور تبرک سمجھتے تھے

حضرت علیؑ نے جس عورت کے القاب واحترام کو ضبط کیا تھا اُس عورت کو قریش نے کیا مقام دے رکھا تھا؟ اس کا جواب طبری نے مختصراً یہ دیا ہے کہ:

''جنگِ جمل کے روز بنوضبّہ اور ازدیوں نے عائشہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ یہ لوگ اُونٹ کی مینگنیاں اُٹھاتے، اُنہیں سونگھتے اور اُن پر اپنی جان قربان کرتے اور کہتے کہ یہ ہماری ماں کے اونٹ کی مینگنیاں ہیں جن کی خوشبو مُشک سے بڑھ کر ہے۔

حضرت علیؑ کا کوئی آدمی اُن پر حملہ کرتا تو یہ شعر پڑھتا:

جَرَّدْتُ سَیفِی فِی رِجَالِ الْاُزْدِ + اَضرِبُ فِی کُحُولِهِم وَ الْمُرْد + کُلَّ طَوِیْلِ السَّاعِدَیْنِ نَهِدِ

میں قبیلہ اُزد کے جواں مردوں میں تلوار چلا رہا تھا اور اُن کے پختہ کار مردوں اور نوجوانوں کو قتل کر رہا تھا۔

میں نے ہر لمبے بازوؤں والے چیتے کو قتل کر دیا۔

لوگ ایک دوسرے سے گُتھ گئے۔ ایک چلّانے والے نے چلا کر کہا کہ اس اُونٹ کو ذبح کر دو۔ کوفیوں میں سے بُجیر بن ولجہ الضّبی نے اونٹ کو ذبح کر دیا۔ کسی نے اُس سے سوال کیا کہ تو نے اُونٹ کو کس لئے ذبح کر دیا؟ اُس نے جواب دیا کہ جب میں نے دیکھا کہ میری قوم (علیؑ کی فوج کے ہاتھوں) قتل ہو رہی ہے تو مجھے یہ ڈر پیدا ہوا کہ کہیں میری قوم (بنوضبہ) فنا نہ ہو جائے۔ اور مجھے اُمید تھی کہ اگر میں اونٹ کو ذبح کر دوں گا تو (میری قوم کے) کچھ لوگ تو باقی رہ جائیں گے۔'' (ایضاً طبری صفحہ 209)

(2) عائشہ کے اونٹ کو گرانے اور اونٹ کے پجاریوں کو قتل کرنے اور بھگانے کا سہرا قعقاعؓ کے سر ہے

ہم عائشہ کا اور عائشہ کے اونٹ کا مرتبہ قرآن کریم سے پیش کرنے والے ہیں لیکن پہلے یہ چاہتے ہیں کہ اُونٹ کے گرائے جانے کا دوسرا رُخ بھی طبری کے قلم سے دیکھ لیں تاکہ عائشہ کے فدائیوں کی پوری تصویر بن سکے۔ لکھا ہے کہ:

''اس روز اونٹ کی حفاظت کے لئے سب سے آخر میں زفر بن الحارث نے جنگ کی۔ قعقاع بن عمروؓ اُس کی طرف حملے کے لئے بڑھے۔ اور اس وقت حالت یہ تھی کہ بنوعامر کا تیس سال سے زیادہ عمر والا کوئی آدمی زندہ نہ بچا تھا۔ اور یہ لوگ نہایت تیزی کے ساتھ موت کے منہ میں جا رہے تھے۔ قعقاعؓ نے بجیر بن ولجہ سے (چلّا کر) کہا کہ اپنی قوم کو بچا لے اور اونٹ کو فوراً ذبح کر دے ورنہ یہ سب (میرے ہاتھوں) ختم ہو جائیں گے اور عائشہ بھی ختم ہو جائے گی۔ اے آلِ ضبہ اے عمرو بن ولجہ میرے پاس آؤ اور میری بات مان لو۔

عمرو بن ولجہ: ''کیا میرے لئے اس وقت تک امان ہے جب تک میں یہ کام کر کے لوٹوں؟ عمرو بن ولجہ نے آگے بڑھ کر اونٹ کی پنڈلی کاٹ ڈالی اور اونٹ ایک بازو پر گر پڑا۔ اور دُھر دُھری لینے لگا۔ قعقاعؓ نے اُن لوگوں سے جو اونٹ کے قریب تھے کہا کہ تم لوگوں کے لئے امان ہے۔ اس کے بعد زفر اور بقیہ بنوعامر نے اونٹ کو گھیر لیا اور زفر و قعقاعؓ نے ہودج اُٹھا کر زمین پر رکھا اور لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔''
(ایضاً طبری صفحہ 216-217)

(3) اونٹ کوذبح کرنے کاحکم وہ دے سکتا تھا جسے عائشہ اور دیگر سرداران لشکر کوقتل کرنے کا اختیار تھا

اُونٹ کوذبح کرنے کے حکم کالازمی نتیجہ یہ تھا کہ عائشہ اتنی بلندی سے گرجائے اوراس گرنے میں اُس کی زندگی خطرے میں پڑ جانا لازم تھی۔ لہٰذا یہ بات بالکل قابل فہم ہے کہ اونٹ کوذبح کرنے کاحکم جناب قعقاع رضی اللہ عنہ یا کوئی اور صحابی نہ دے سکتا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ قعقاع نے یہ حکم مرکز سے حاصل کرکے آگے بڑھایا ہو۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ:

(4) جنگ جمل میں موت ناچ رہی تھی۔ عائشہ کا اونٹ، اونٹ کی صورت میں شیطان تھا

''مورخین نے جنگ جمل کے جو جومناظر دکھائے ہیں وہ ایسے دہشت انگیز ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ علامہ واقدی نے جنگ جمل کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ جس قدر رجزیہ اشعار اس جنگ میں پڑھے گئے کسی دوسری جنگ میں سُنے نہیں گئے۔ سب سے زیادہ رجزیہ اشعار بنی ضبہ پڑھ رہے تھے جو عائشہ کے اونٹ کے گرد نثار ہورہے تھے۔ حالت یہ تھی کہ تلواروں سے لوگوں کے سریوں اُڑ رہے تھے اور زمین پر برس رہے تھے کہ جیسے دھواں دھار بارش ہوتی ہے۔ شانوں سے ہاتھ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ گٹوں سے ہاتھ اور کہنیوں سے کلائیاں کٹ رہی تھیں۔ پیٹ پھٹ کر آنتیں زمین پر بکھر رہی تھیں۔ بنی ضبہ ٹڈی دَل کی طرح اونٹ کے چاروں طرف بچھے جارہے تھے۔ جناب امیرؑ المومنین نے آگے بڑھ کر آواز دی کہ بہادرو، دیکھتے کیا ہو اُس اونٹ کے پیر کاٹ دو یہ شیطان ہے (عَقِرُوا الْجَمَلَ اِنَّهٗ شَيْطَانٌ) پھر دوبارہ فرمایا کہ جلد سے جلد اس اونٹ کے پیر کاٹ ڈالو۔ ورنہ سارا عرب اس اونٹ کے گرد قتل ہوجائے گا۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور بجیر ابن ولجہ نے بڑھ کر اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے۔ اور اونٹ بلبلا کر زمین پر گرا۔'' (شرح ابن ابی الحدید)

چہارم۔ عورت کے پجاری، ابلیس کے حصہ کا گروہ، تخلیق خداوندی میں تغیر اور شیطان کی سپردگی

یہاں رُک کر قارئین یہ دیکھیں گے کہ قرآن کریم نے ثلاثہ اینڈ کمپنی کے حالات کی طرح عائشہ کے حالات بھی بیان کردیئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُن حالات کو چھپایا گیا ہو یا سمجھا ہی نہ گیا ہو یا نزول قرآن کے دَوران اُن حالات کو سمجھنے کے حالات واسباب ہی موجود نہ ہوں۔ اور جب سمجھنے کے مواقع سامنے آئے تو سمجھنے والوں نے دوسروں کو سمجھانے میں خطرہ محسوس کیا ہو۔

(1) قرآن فہمی کے لئے علیؑ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ورنہ قرآن میں راہ نہیں ملتی

بہرحال آج ہم عرض کرتے ہیں کہ ہر وہ بات جو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے یا اُنؐ کے سلسلے میں فرمائی گئی اور پوری نہیں ہوئی وہ یقیناً جناب علی مرتضیٰ یا دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام کے ادوار کی بات ہے۔ مثلاً ہم نے اس خطبے (13) کی ابتدا میں سورہ تحریم کی چار آیات (6 تا 66/3) اور مودودی کا ترجمہ وتشریحات لکھی تھیں (اول کا (6)) اور مودودی کے قلم سے کئی ایک سنی علما کے ترجمے بھی لکھے تھے۔ اور یہ دکھایا تھا کہ اُن آیات کو تمام علمائے اسلام نے عائشہ وحفصہ کے لئے تسلیم کیا ہے۔ اور جو قصہ ہمیں سنایا گیا ہے وہ صرف کسی راز کا ظاہر کردینا بتاتا ہے۔ یعنی عائشہ اور حفصہ رسولؐ کے راز کو فاش کردیتی تھیں۔ یا یہ کہ صرف ایک دفعہ راز فاش کیا تھا اور بس۔ لیکن اُن آیات (6 تا 66/3) میں صرف افشائے راز کی بات نہیں وہاں تو بہت سنجیدہ اور دائمی صورت حال ہے۔ جسے علامہ مودودی نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ علامہ آلوسی کے حوالے سے یوں پیش کیا ہے کہ:

''تمہارے دل اس معاملے میں رسولؐ کی موافقت سے ہٹ کر آپؐ کی مخالفت کی طرف مُڑ گئے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 22-23)

لہٰذا اللہ کے الفاظ "فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَ" عائشہ اور حفصہ کی مستقل حالت کا اعلان کرتے ہیں۔ یعنی آنحضرتؐ کی مخالفت اُن دونوں کی زندگی تک وسیع ہے پھر اُن آیات (6 تا 66/3) میں ایک اور خطرناک جملہ ہے۔ جسے مودودی نے یُوں بیان کیا ہے کہ:

''اصل الفاظ ہیں: اِنْ تَـظَاهَرَا عَلَيْهِ ...... تَظَاهَرُ کے معنی ہیں ''کسی کے مقابلے میں باہم تعاون کرنا یا کسی کے خلاف ایکا کرنا۔'' عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے ''اگر تم دونوں چڑھائی کروگیاں اُسؐ پر'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 23)

علامہ مودودی اور تمام دُنیا جانتی ہے کہ حیاتِ رسوؐل میں رسوؐل پر عائشہ اور حفصہ نے کوئی فوج کشی نہیں کی تھی۔ لہٰذا یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ رسوؐل پر فوج کشی جہاں اللہ پر چڑھائی کرنا ہے وہیں رسوؐل پر فوج کشی نفسِ رسوؐل پر، یداللہ پر، خلیفہ رسوؐل علیؑ پر فوج کشی ہے۔ اور اُسی فوج کشی کا نام جنگ جمل ہے۔ اور یہی وہ انتہائی اقدام تھا جو علیؑ کو حکومت و خلافت سے دُور رکھنے کے لئے عہد رسوؐل ہی میں قریش نے طے کر رکھا تھا۔ اِس سلسلے میں خفیہ اجلاس ہوتے رہتے تھے۔ اور قرآن کریم نے اُن پوشیدہ مشوروں کو ریکارڈ کر رکھا ہے (نساء 4/108) اور عائشہ اس سلسلے میں اُن کی دوہری مدد کرتی رہتی تھی۔ لہٰذا خلیفہ دوم عمر نے اپنے عہدِ خلافت میں اُس انتہائی اقدام کو عبداللہ بن عباس پر ظاہر کر دیا تھا (الفاروق حصہ اول صفحہ 103) اور صاف صاف بتا دیا تھا کہ قریش کسی قیمت پر یہ پسند نہ کرتے تھے کہ خلافت اور حکومت رسوؐل کے خاندان میں رہے۔ اسی قومی فیصلے کا نتیجہ تھا کہ حضرت علیؑ کو مسلسل حکومت سے محروم رکھا جاتا رہا اور یکے بعد دیگرے تین قریشی خلفا حکومت پر قابض رہے۔ اور جب اُن کی بدعملیوں نے اُن کی حکومت کا جنازہ نکال دیا اور بلا کسی کوشش اور خونریزی کے حکومت حضرت علی علیہ السلام کے قدموں میں آ گری تو عائشہ نے اپنی قومؔ قریش کی اور قریش کے ہمدرد مومنین کی باگ ڈور سنبھالی اور حضرت علیؑ پر چڑھائی کر دی۔ اور قرآن کی تصدیق ہوگئی۔ اور عربوں کی ایک قدیم سے چلی آنے والی سنت پر بھرپور عمل کر لیا گیا جس سے نظامِ شرک واشتراک ومشاورت کو دوبارہ زندہ کر لیا گیا۔ اور یہ بھی قرآن کریم نے بہت پہلے بیان کر دیا تھا۔

(2) عائشہ اور عائشہ کا اونٹ کیوں پُوجا گیا تھا؟ قرآن کریم اس کی حقیقی وجہ اور اصول بیان کرتا ہے

اب ہم آپ کو یہ دکھائیں گے کہ جنگ جمل میں عائشہ اور عائشہ کا اونٹ کیوں اور کس اُصول پر قابلِ پرستش سمجھ کر پُوجے گئے اور کس بنا پر ہزاروں قریشی مومنین قربان ہوگئے؟ اور یہ کہ یہ سارا قصہ بھی قرآن کریم نے بطورِ پیش گوئی قبل از وقت بیان کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ سمجھنے کے لئے اور فوراً سامنے آجانے کے لئے پہلے سورہ نساء کی ایک آیت اور اُس کا مودودی ترجمہ دیکھ لیں پھر ہم باقی تفصیلات اِسی سورۂ نساء کی اگلی پچھلی آیات کے سلسلے میں دکھائیں گے: اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًاo (نساء 4/117)

مودودی ترجمہ: ''وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں اور وہ اُس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں جس کو۔۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 397)

اِس آیت اور اس ترجمہ سے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا حضوؐر کے زمانہ کے واقعات سے کوئی چیز نہ تعلق رکھتی ہے نہ مطابقت۔ مگر علامہ نے اپنے ترجمہ سے یہ تاثر پیدا کر دیا ہے کہ اس آیت میں اللہ مسلمانوں کا نہیں بلکہ اسلام کے مخالفوں کا عقیدہ بیان کر رہا ہے۔ لہٰذا کسی قاری کو یہ شک بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ آیت مسلمانوں کا عملدرآمد بیان کر رہی ہے۔ یہی وہ ترکیب ہے جس سے قریشی قسم کے مسلمانوں کا حال پوشیدہ رہ جاتا ہے۔ اور قاری کی نظر اور توجہ مخالفین اسلام کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ ہم اس آیت کے سیاق وسباق اور ماحول سے یہ دکھائیں گے کہ یہ قریشی قسم کے مومنین کا حال، عقیدہ اور روزمرہ کا معمول بیان ہو رہا ہے۔ اور قریشی علما اپنی ترجمانی کی ٹیکنیک سے آیات کا رُخ اپنے بزرگوں کی طرف سے موڑ

موڑ کر غیر مسلموں پر مرکوز کرتے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا پہلے یہ دیکھیں کہ اس آیت (4/117) میں جن کا بھی ذکر ہوا اُن کا عقیدہ نہیں بلکہ عملدرآمد اور معمول بیان ہوا ہے۔ اس حقیقت کو چھپانے (کفر کرنے) کے لئے علامہ مودودی نے الفاظ ''یَدْعُوْنَ'' کے معنی دونوں جگہ غلط طور پر ''معبود'' کر دیئے ہیں۔ یعنی علامہ نے یہ بتایا ہے کہ ''اس آیت میں جو بھی مخاطب ہیں وہ لوگ دیویوں اور شیطان کو اپنا معبود سمجھتے ہیں'' ظاہر ہے کہ دیویوں اور شیطان کو مسلمان تو اپنا معبود سمجھتے نہیں لہٰذا آیت میں تذکرہ مسلمانوں کا نہیں ہے۔ لیکن علامہ جانتے ہیں کہ یَدْعُوْنَ کا ترجمہ ہرگز ''معبود بنانا'' یا ''معبود'' نہیں ہے۔ بلکہ ''پکارنا، بلانا، اور دعا کرنا اور مدد مانگنا ہیں'' لہٰذا ہم مودودی کی بد دیانتی دکھا کر آگے بڑھیں گے۔

مودودی کا فریب کارانہ طریق ترجمانی

(1) اُولٰئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ (بقرہ 2/221)

مودودی: ''یہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 169)

قارئین دیکھیں کہ یہ وہی لفظ ''یَدْعُوْنَ'' ہے جو مندرجہ بالا آیت (4/117) میں دو دفعہ آیا ہے اور دونوں مرتبہ مودودی نے اس کا غلط ترجمہ ''معبود بناتے ہیں'' کیا ہے۔

(2) وَلْتَکُنْ مِّنکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ (آل عمران 3/104)

مودودی: ''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں۔'' اور دیکھئے:

(3) اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَ الْعَشِیِّ (6/52)

مودودی: ''جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں۔'' (سورہ انعام 6/52) تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 543)

یہ ہیں قریش کے جرائم پر پردہ ڈالنے والے علامہ مودودی۔

(3) دیویوں اور شیطان کو معبود بنانے کی مودودی تشریح دیکھیں

علامہ نے مندرجہ بالا آیت (4/117) کے غلط معنی ''معبود بنانا'' کر کے اُس کی تشریح یہ کی ہے کہ:

''[145] شیطان کو ان معنی میں تو کوئی بھی معبود نہیں بناتا کہ اُس کے آگے مراسم پرستش ادا کرتا ہو۔ اور اُس کو اُلوہیّت کا درجہ دیتا ہو۔ البتہ اُسے معبود بنانے کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کی باگیں شیطان کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور جدھر جدھر وہ چلاتا ہے ادھر چلتا ہے۔ گویا کہ یہ اُس کا بندہ ہے اور وہ اس کا خدا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے احکام کی بے چوں و چرا اطاعت اور اندھی پیروی کرنے کا نام بھی ''عبادت'' ہے اور جو شخص اس طرح کی اطاعت کرتا ہے وہ دراصل اُس کی عبادت بجالاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 397-398)

(4) جنگ جمل میں عائشہ اور عائشہ کے اونٹ کی اور عائشہ کے لشکر کی آیت اور تشریح سے مطابقت

اس تشریح میں مودودی نے آیت کے پہلے حصے یعنی ''دیویوں کو معبود بناتے ہیں'' کی تشریح نہیں کی ہے۔ یعنی یہ نہیں بتایا ہے کہ عورتوں کو معبود بنانے کی صورت کیا ہوتی ہے؟ لہٰذا آپ کو خود ہی یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دیویوں کو معبود بنانے کی بھی وہی صورت ہوگی جو مودودی نے شیطان کو اپنا معبود بنانے کی صورت لکھی ہے۔ یعنی آدمی یا آدمیوں کا اپنی باگ ڈور یا اختیارات عورتوں کو سپرد کر دینا اور جدھر وہ چلائیں اُدھر چلنا۔ گویا وہ آدمی اُن عورتوں کے بندے ہیں اور وہ عورتیں اِن آدمیوں کی خدا ہیں۔ اور اس طرح عورتوں کی بے چون و چرا اطاعت اور اندھی پیروی کرنا اُن عورتوں

کی عبادت کرنا ہے۔اس تشریح کے ساتھ جنگِ جمل میں عائشہ اوراُس کے اونٹ کے ساتھ عائشہ کے فِدا کاروں کا روّیہ پھریاد فرمائیں۔سُنیئے:

''جنگ جمل کے روز بنوضبہ اوراُزدیوں نے حضرت عائشہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔یہ لوگ اونٹ کی مینگنیاں اُٹھاتے،اُنہیں سونگھتے اوراُن پر اپنی جان قربان کرتے اور کہتے یہ ہماری ماں کے اونٹ کی مینگنیاں ہیں جن کی خوشبومُشک سے بڑھ کر ہے۔''(طبری صفحہ 209)

قارئین یہ نہ بھولیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے عائشہ کے اُس اونٹ کو''شیطان'' قرار دیا تھااور فرمایا تھا کہ:

''عَقَرُوا الْجَمَلُ اِنَّہٗ شَیْطَانٌ'' ''اس مخصوص اونٹ کے پیر کاٹ ڈالو یقیناً یہی شیطان ہے۔''(سوم کا(4))

اب قارئین ہمیں بتائیں کہ عائشہ کے لشکر کے مومنین نے عائشہ کی اطاعت میں جس قدر قربانیوں اور والہانہ محبت کا ثبوت دیا۔ایسا ثبوت مسلمانوں نے کسی اور کی اطاعت وفرمانبرداری میں دیا ہے؟ کیا کبھی مہاجرین وانصار نے رسوؐل اللہ کے اونٹ کی مینگنیوں کو اُٹھا اُٹھا کر سونگھا اور فرطِ مسرت وعقیدت سے اُن میں مُشک سے بڑھ کر خوشبو پائی؟ کیا کبھی جنگ میں رسوؐل کے چاروں طرف اس طرح قربان ہونے والے مسلمانوں کا مجمع ہوا؟ کیا رسوؐل پر اس طرح اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ قربان ہوئے؟ قرآن اور مودودی تو مسلمانوں کے متعلق بلا استثنا یہ کہتے ہیں کہ: اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْۤ اُخْرٰکُمْ ...... الخ (آل عمران 3/153)

مودودی ترجمہ:''یاد کرو جب تم بھاگے چلے جارہے تھے۔کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا۔اور رسوؐل تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔''

(5) عائشہ والے مومنین عائشہ اور عائشہ کے بزرگوں ابوبکر وعمر پر بہت سخت اور لازوال ایمان ویقین رکھتے تھے

اللہ اور رسوؐل اور قرآن پر قریش کا ایمان ایسا تھا کہ رسوؐل کو خطرے میں دیکھتے ہی راہِ فرار اختیار کر لیتے تھے۔مگر ابوبکر وعمر وعثمان اور عائشہ وغیرہ پر قریشی قوم پر ایمان لانے والے ایسے مستقل مزاج مومن تھے جیسے جنگ جمل میں طلحہ وزبیر اور عائشہ کے ساتھ تھے۔جنہوں نے اپنے ایمان کے ثبوت میں اپنی جان کے چیتھڑے مسکرا مسکرا کر بکھیر دیئے تھے۔اِس قسم کے مومنین کو ہم قریشی مومنین یا قریشی مسلمان کہتے ہیں۔اور اسی قسم کے مسلمانوں کا تذکرہ ہوا ہے زیرِ بحث آیت (4/117) میں جو اپنے لیڈروں کی،دیویوں کی اور شیطان کی اطاعت،اللہ ورسوؐل کی اطاعت سے بڑھ کر کرتے ہیں۔اوراُن کی اِسی اطاعت کو علامہ مودودی نے عبادت اور معبود بنانا قرار دیا ہے۔

پنجم۔عائشہ دیوی کے اور شیطان کے مومنین کا وہ مسلسل تذکرہ جس میں آیت (4/117) آئی ہے اور مودودی کی تصدیقات

ہم نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کو قرآن سے یہ دکھائیں گے کہ آیت (4/117) میں مسلمانوں کا عملدرآمد بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ یہ جنگ جمل والوں کا قصہ ہے نہ کہ کافروں یا منافقوں یا غیر مسلم یا مشرکوں کا حال۔چنانچہ آیئے اور سورہ نساء کی بتیس (32) آیات (4/105 تا 136) پر ایک طائرانہ نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ جو لوگ،بقول مودودی دیویوں کو اور باغی شیطان کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھے وہ قریشی مسلمان تھے۔اور کمال یہ ہے کہ ان بتیس (32) آیات میں الفاظ''کفر،کافر،کافرون،کافرین یا منافق،منافقوں،منافقین،یا مشرک،مشرکون،مشرکین اور شرک۔'' کہیں استعمال نہیں ہوئے یعنی یہ بتیس آیتیں خالص مسلمانوں کا تذکرہ کرتی ہیں،اُن کی عادات وصفات وحالات ومعمولات بیان کرتی ہیں۔

(1) عائشہ اور شیطان کے مسلمان پجاریوں کا اسلام اور اعمال وافکار پر قرآن کی بتیس (32) آیات

اس سلسلے کی پہلی آیات میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰکَ اللّٰہُ وَ لَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا o وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ○ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ○

(نساء 108 تا 4/105)

''اے نبیؐ یقیناً ہم نے آپؐ کی طرف یہ خاص الخاص کتاب حق کے ساتھ نازل کردی ہے تاکہ جو کچھ ہم نے تمہیں آنکھوں سے دکھایا ہے تم وہی کچھ احکام لوگوں کے درمیان جاری کرو اور خیانت پیشہ لوگوں کے واسطے بحث کرنے والے نہ بنو اور اللہ سے تحفظ طلب کرو یقیناً اللہ تحفظ فراہم کرنے والا رحیم ہے۔ اور تم اُن لوگوں کی طرفداری میں بھی جھگڑا نہ کیا کرو جو آپس میں بھی خیانت کرتے ہیں یقیناً اللہ کو وہ شخص محبوب نہیں ہوتا جو اپنے لئے یا کسی اور کے لئے خیانت کار اور گناہ پر عامل رہتا ہو۔ یہ لوگ اپنے منصوبوں کو لوگوں سے چھپاتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے اس لئے کہ وہ تو اُن کے ساتھ اُس وقت بھی ہوتا ہے جب وہ راتوں کو چھپ کر مشورے کرتے ہیں اور ایسی باتیں طے کرتے ہیں جن سے اللہ راضی نہیں ہوتا۔ اور اللہ تو اُن کے پورے کردار کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔''

(2) قریشی مسلمانوں کے گھناؤنے کردار پر مودودی کی تشریحات اور قریشی ساخت کا افسانہ اور رسولؐ پر تہمت

قارئین آپ برابر ان آیات کو اپنے قرآن میں پڑھتے جائیں اور دیکھتے جائیں کہ قریشی مسلمانوں کے حالات اور کردار کیسا تھا؟ اور وہ مسلمان ہوتے ہوئے کیا کیا کام کرتے رہتے تھے؟ اور یہاں علامہ کی تصدیق ملاحظہ کرتے ہوئے یہ بھی دیکھئے کہ وہ اِن آیات میں مذکور لوگوں کو مسلمان ہی لکھتے اور سمجھتے ہیں۔ اور جہاں اُن کی بداعمالیاں بیان کرتے ہیں وہیں ایک قریشی ساخت کا افسانہ بطور شانِ نزول بیان کرتے ہیں جس میں رسولؐ کو اُن کے بلند ترین مقام سے نیچے اُتار کر عام قاضیوں اور خطا کار ججوں کے برابر لے آتے ہیں۔

علامہ مودودی کی پہلی تشریح: ''[140] اس رکوع اور اس کے بعد والے رکوع یعنی (115 تا 4/105 گیارہ آیتوں) میں ایک اہم معاملہ سے بحث کی گئی ہے۔ جو اُسی زمانہ (5ھ) میں پیش آیا تھا۔ قصہ یہ (گھڑا گیا۔ احسنؔ) تھا کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طعمہ یا بشیر بن اُبَیرِق تھا۔ اُس نے ایک انصاری کی زِرہ چُرا لی۔ اور جب اُس کا تجسس شروع ہوا تو مال مسروقہ (زرہ۔ احسنؔ) ایک یہودی کے ہاں رکھ دیا۔ زرہ کے مالک نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ اور طعمہ پر اپنا شبہ ظاہر کیا۔ مگر طعمہ اور اُس کے بھائی بندوں اور بنی ظفر کے بہت سے لوگوں نے آپس میں اتفاق کرکے اس یہودی پر الزام تھوپ دیا۔ یہودی سے پوچھا گیا تو اُس نے اپنی برأت ظاہر کی۔ لیکن یہ لوگ طعمہ کی حمایت میں زور شور سے وکالت کرتے رہے اور کہا کہ یہ یہودی خبیث جو حق کا انکار اور اللہ کے رسولؐ سے کفر کرنے والا ہے اِس کی بات کا کیا اعتبار، بات ہماری تسلیم کی جانا چاہئے کیوں کہ ہم مسلمان ہیں۔ قریب تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدمہ کی ظاہری رُوداد سے متاثر ہو کر اُس یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے (یہ کیسے معلوم ہوا؟۔ احسنؔ) اور مُستغیث کو بھی بنی اُبَیرِق پر الزام عائد کرنے پر تنبیہ فرماتے (یہ عائشہ والے شیطان کی وحی سے معلوم ہوا تھا؟۔ احسنؔ) اتنے میں وحی آئی اور معاملہ کی ساری حقیقت کھول دی (آیات میں یہ سب کچھ ہے ہی نہیں۔ احسنؔ)

(مسلسل لکھا ہے کہ:)

(3) علامہ اینڈ کمپنی کے ابلیسی قیاسات اور نبیؐ کے متعلق قرآن کے مخالف تصورات

''اگرچہ ایک قاضی کی حیثیت سے (یعنی خطا کار آدمی بن کر۔ احسنؔ) نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُوداد کے مطابق فیصلہ کر دینا بجائے خود آپؐ

کے لئے کوئی گناہ نہ ہوتا (مگر بِمَا اَرٰک ۔اللہ کے خلاف ہوتا۔۔احسنؔ)اور ایسی صورتیں قاضیوں کو پیش آتی ہی ہیں (وہؑ نبی تھے قاضی نہ تھے۔احسنؔ) کہ اُن کے سامنے غلط روداد پیش کر کے حقیقت کے خلاف فیصلے حاصل کر لئے جاتے ہیں (مگر اللہ نے اُنہیںؑ حق و باطل (بِمَا اَرٰک)دکھایا ہوا تھا۔احسنؔ) لیکن اُس وقت جب کہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک زبردست کشمکش برپا تھی ، اگر نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم رُودادِ مقدمہ کے مطابق یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے (مودودی کا ایسا رسوؐل تھا۔احسنؔ) تو اسلام کے مخالفوں کو آپؐ کے خلاف (کیوں؟۔احسنؔ) اور پوری اسلامی جماعت کے خلاف (وہ کیوں؟غلطی ایک کی ہوتی۔احسنؔ) اور خود دعوت اسلامی کے خلاف (کیا اسلامی دعوت علم غیب پر مبنی تھی جو اعتراض ہوتا؟۔احسنؔ) ایک زبردست اخلاقی حربہ مل جاتا۔وہ یہ کہتے پھرتے کہ اَجی یہاں حق و انصاف کا کیا سوال ہے، یہاں تو وہی جتھہ بندی اور عصبیّت کام کر رہی ہے جس کے خلاف تبلیغ کی جاتی ہے۔اسی خطرے سے بچانے کے لئے اللہ نے خاص طور پر اس مقدمہ میں مداخلت فرمائی۔'' (یہ قریشی مسلمانوں کا حقیقی عمل درآمد تھا۔احسنؔ) (مسلسل لکھتے ہیں کہ:)

(4) مسلمانوں کو اُن کے کُھلے کُھلے جرائم پر ملامت' مجرموں کی حمایت پر اللہ کا عتاب کرنا

''اِن رکوعوں میں ایک طرف اُن مسلمانوں کو (آیات میں محدود بیان نہیں ہے۔احسنؔ) سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جنہوں نے محض خاندان و قبیلے کی عصبیّت میں مجرموں کی حمایت کی (آیات خاندان و قبیلے کا ذکر نہیں کرتیں۔احسنؔ) تھی۔دوسری طرف عام مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا کہ انصاف کے معاملے میں کسی تعصب کا دخل نہیں ہونا چاہئے۔یہ ہرگز دیانت نہیں ہے کہ اپنے گروہ کا آدمی (عائشہ،طلحہ و زبیر کی طرح۔احسنؔ) اگر برسرِ باطل ہو تو اُس کی بے جا حمایت کی جائے اور دوسرے گروہ کا آدمی (جیسے علیؑ۔احسنؔ) اگر برسرِ حق ہو تو اُس کے ساتھ بے انصافی کی جائے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 393-394)

(5) مودودی قریشی مسلمان ثابت ہوگئے اور مودودی کے قلم سے قریشی مسلمانوں کا کردار بھی

مودودی اینڈ کمپنی کا یہ خانہ ساز قصہ، چوری اور تفصیلات، قرآن کی آیات میں نہیں ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ قریشی مسلمان بے تکلف قرآن کے مطالب میں ہیرا پھیری کر کے حقیقت کو جھٹلاتے رہے ہیں (انعام 6/66) اور معنوی ردوبدل کر کے قرآن کو مہجور رکھتے چلے آئے ہیں اور یہ کہ وہ دشمنانِ خدا و رسوؐل ہوتے ہیں (فرقان 31-25/30) پھر علامہ نے صاف الفاظ میں دوہرا دوہرا کر یہ ثابت کر دیا کہ قریشی مسلمانوں نے رسوؐل کو ایک خاطی قاضی کے برابر رکھا ہے۔یعنی وہ رسوؐل ہوتے ہوئے بھی غلط فیصلے کر سکتا ہے اور غلط فیصلہ کر لینا نہ اُس کے لئے غلط یا گناہ ہے نہ قاضیوں کے لئے خلافِ اسلام و قرآن ہے یعنی جج خواہ ہندو ہو یا کمیونسٹ یا مسلمان ہو یا خود نبیؐ ہو سب برابر ہوتے ہیں سب سے غلطیاں ممکن ہیں لہٰذا اسلام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔علامہ کے باقی باطل قیاسات پر ہم نے بریکٹوں میں ایسے جملے لکھ دیئے ہیں جن سے اُن کے تصورات باطل ہو جاتے ہیں۔

قریشی مسلمان کیسے لوگ تھے؟ مودودی نے مان لیا کہ جن مسلمانوں کا قرآن ذکر کر رہا ہے وہ:

1 چوری کر لیتے تھے۔ 2 چوری کا مال بطور امانت رکھ دیتے تھے۔ 3 امین پر چوری کا الزام عائد کر دیتے تھے۔ 4 چور اور جھوٹے کی حمایت میں کُنبے اور قبائل جھوٹ بولتے اور جھوٹی گواہیاں دینے میں تکلف نہ کرتے تھے۔حواب کے چشمے کا انکار کرانے کے لئے پچاس آدمیوں سے جھوٹی گواہیاں دلائی گئی تھیں۔ 5 وہ اپنے رسوؐل کو بھی فریب دیتے اور اُس سے غلط کام کرانے میں کوشاں رہتے تھے۔ 6 جھوٹے ،فریب کار اور تہمت

لگانے کے باوجود خود کو فخریہ مسلمان اور بے گناہ یہودی سے بہتر سمجھتے تھے۔ 7 انہیں رسولؐ کی بے عزتی کی؛ مسلمانوں پر الزام آنے کی اور اسلام کی تخریب کی بالکل پرواہ نہ تھی۔ 8 اُن میں ایام جاہلیت والا تعصب موجود تھا۔ 9 وہ مجرم تھے اور مجرم کی کھُلی اور اجتماعی مدد و حمایت کرتے تھے۔ 10 وہ حق کے خلاف کسی بھی بددیانتی سے نہ چُوکتے تھے۔

یہ دس باتیں سامنے رکھیئے اور اب سوچئے کہ قریشی مسلمان وہ لوگ ہی تو ہوں گے جو نہ اللہ کی پرواہ کریں نہ رسولؐ کا لحاظ رکھیں۔ نہ شرافت انہیں ملحوظ رہتی ہو نہ وہ اخلاق حسنہ کی کوئی قیمت لگاتے ہوں۔

(6) آیات (108 تا 4/105) میں قریشی مسلمانوں کے لئے کیا فرمایا گیا ہے؟

اب قارئین اُن آیات کے الفاظ اور معنی دیکھیں جن سے مندرجہ بالا خود ساختہ افسانہ کشید کیا گیا ہے۔ وہاں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک برحق کتاب دینے کا ذکر کیا گیا اور یہ بتایا گیا ہے کہ: ''لوگوں کے درمیان ہر حکم قرآن سے اور اپنے چشم دید حقائق کے ماتحت دیا کریں۔ یعنی آنحضرتؐ کو اللہ نے کتاب دے کر اور حقائق کو دکھا کر اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ انسانوں کے ہر ہر معاملے اور مسئلے کا برحق فیصلہ کر سکتے ہیں (4/105) اس اعلان کے بعد حضورؐ سے غلط فیصلہ سرزد ہو جانا ناممکن ہو گیا۔ مگر قریشی علما و عوام نبیؐ کو اپنے ایسا خطا کار آدمی ضرور مانیں گے۔ تاکہ انہیں قاضی بننے اور غلط فیصلے کرنے کا جواز مل جائے۔ دوسری بات آیت میں یہ ہے کہ عہد رسولؐ میں قریشی مسلمان خیانت پیشہ تھے اور اپنی ذات سے لے کر دوسروں تک حتیٰ کہ خود اللہ و رسولؐ سے بھی خیانت کرتے تھے۔

چنانچہ اُن سے کہا گیا تھا کہ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ......الخ (انفال 8/27)

مودودی کا ترجمہ:

(1) اَے ایمان لانے والو جانتے بوجھتے اللہ اور اُس کے رسولؐ سے خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو۔'' (انفال 8/27)

(2) اَے ایمان لانے والو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔'' (8/20) اور حکم سننے کے بعد اس سے سرتابی نہ کرو۔''

(3) اَے ایمان لانے والو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی پکار پر لبیک کہو۔'' (8/24)

(4) اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ (8/5) ''مومنوں میں سے ایک گروہ (فرقہ۔ احسن) کو یہ سخت ناگوار تھا۔''

یہی وہ فرقہ تھا جو مسلمانوں میں موجود رہتا چلا گیا اور جس نے خیانت کاری، نافرمانی، غداری اور ناگواری جاری رکھی اُن ہی کو ہم قریشی مومنین کہتے ہیں۔ اُن ہی کی عادات و عملدر آمد زیرِ قلم بتیس آیات میں دکھایا جا رہا ہے۔ وہی تھے جو دیویوں اور شیطان کے مطیع تھے۔

(7) آیات (108-4/107) میں قریشی مسلمانوں کو اللہ و رسولؐ کے خلاف پوشیدہ منصوبہ ساز بتایا ہے

آگے بڑھ کر اللہ نے یہ بتایا ہے کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے یَا اَیُّھَا الذین امنوا کہلاتے ہوئے اللہ و رسولؐ کے خلاف ایک منصوبہ تیار کرنے کے لئے راتوں کو خفیہ مشورے اور معاہدے کرتے ہیں۔ اور یہی وہ منصوبہ تھا جس کی تکمیل کے لئے جنگِ جمل برپا کر کے اپنی دیوی عائشہ اور اُس کے شیطان پر بڑی عقیدتمندی اور فرطِ محبت سے ہزاروں قریشی مومنین فدا ہو گئے جس کا ذکر اِن ہی آیات کے سلسلے میں صرف آٹھ آیات کے بعد آیت (4/117) میں ہوا ہے۔ اور یقیناً دیویوں اور باغی شیطان کو معبود بنانے کا کام قریشی مسلمانوں ہی نے کیا تھا۔ اور یہ کام اُن ہی کے شایانِ شان تھا بھی۔ اور یہی صورتِ حال علامہ مودودی نے اس آیت (4/117) کی تشریح کرتے ہوئے لکھی ہے کہ دیویوں یا شیطان کو معبود

بنانے والے درحقیقت اپنی باگ ڈور اور اختیارات دیوی اور شیطان کو سونپ کر اُن کے اشاروں پر عمل کیا کرتے ہیں۔ اور یہ بات بھی ثابت کرتی ہے کہ یہ آیت (4/117) اور اس کے قبل و بعد کی آیات غیر مسلموں کے لئے نہیں خود مسلمانوں کا حال بیان کرتی ہیں۔ اور یکے بعد دیگرے قریشی مسلمانوں کے عقائد و اعمال و تصورات کو بیان کرتی چلی جارہی ہیں۔ اُنہیں مظالم کرنے والے، جھگڑالو، بد اعمال، خطا کار، گناہ پیشہ، بہتان و تہمت تراش، خود رسوؐل اللہ کو گمراہ کرنے میں کوشاں، نقصان پہنچانے کی فکر میں رہنے والے، سب کے سامنے کانا پھوسی کرنے والے، رسوؐل کی مخالفت اور توڑ پھوڑ پر کمربستہ رہنے والے، مومنین کے لئے مقررشدہ راہِ عمل سے ہٹ کر چلنے والے بتایا گیا ہے (117 تا 4/109) یہاں تک آیات کا پورا سلسلہ قریشی مسلمانوں کی عادات و اطوار بیان کرتا ہے اور مودودی اپنی تشریحات 140 تا 145 میں متفق ہیں۔ اس کے آگے تین آیات (120 تا 4/118) میں اُس شیطان کا طرزِ عمل اور طریق کار بیان کیا گیا ہے جو عائشہ اور دوسری دیویوں کا ساتھی رہتا ہے اور جسے حضرت علی علیہ السلام نے عائشہ کی سواری کا اُونٹ قرار دیا ہے۔ اور اُس کے تمام ساتھیوں کو یعنی عائشہ، طلحہ، زبیر اور اُن کے لشکریوں کو وہ گروہ بتایا گیا ہے جسے حاصل کر لینے کا چیلنج اُس نے پہلے ہی دن اللہ کو دیا تھا اور کہا تھا کہ:

......وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًاO وَلَاُضِلَّنَّھُمۡ وَلَاُمَنِّیَنَّھُمۡ وَلَاٰمُرَنَّھُمۡ...... (4/118-119)

<u>مودودی</u>: ''جس نے اللہ سے کہا تھا کہ ''میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ لے کر رہوں گا، میں اُنہیں بہکاؤں گا، میں اُنہیں (حکومت کی) آرزوؤں میں اُلجھاؤں گا...... الخ (4/118-119) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 398)

<u>حضرت علیؑ کی تشریح</u>: عائشہ، طلحہ، زبیر اور اُن کی افواج کے لئے علی مرتضٰی علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا:

(أَلَا وَ اِنَّ الشَّیۡطَانَ قَدۡ جَمَعَ حِزۡبَہٗ؛) (خطبہ 10 جملہ 1)

''تمام متعلقین خبردار رہیں کہ ایک مجسم شیطان نے اپنے پورے گروہ کو جمع کر لیا ہے۔ اور حملے کے لئے اُس نے اپنی تمام سوار اور پیدل افواج و سامانِ حرب و رسد فراہم کر لیا ہے۔'' (خطبہ 10 جملہ 2) وغیرہ۔ اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ ابلیس قریشی مسلمانوں کو کس طرح اور کس قدر اپنا گرویدہ اور والہ و شیدا اور مطیع و فرماں بردار و جان نثار بنائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا تھا کہ:

<u>قریش اور ابلیس کا آپسی تعلق و رشتہ</u>

''قریش نے اپنے دین کا کرتا دھرتا ابلیس کو بنا رکھا ہے۔ (خطبہ 7 جملہ 1)

اور ابلیس نے اُنہیں اپنے منصوبے میں شریک کار بنا لیا ہے۔ (خطبہ 7 جملہ 2)

چنانچہ ابلیس نے اُن کے سینوں میں انڈے دے کر چوزے پیدا کر لئے ہیں۔ (خطبہ 7 جملہ 3)

اور اپنے چوزوں یا بچوں کی ربوبیت اُن ہی کی گود اور آغوش میں کر رہا ہے۔ (خطبہ 7 جملہ 4)

چنانچہ اب وہ قریش ہی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اُن ہی کی زبان سے بولتا ہے۔'' (خطبہ 7 جملہ 5) وغیرہ۔

پھر بتیس (32) آیات کے اس سلسلے میں شیطان کا رویہ بیان کرنے کے بعد اُن دونوں گروہوں، عائشہ و علیؑ کا حال اور نتیجہ بتایا ہے اور کہا ہے کہ شیطان کے چاروں طرف جمع رہنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور حقیقی مومنین ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کئے جائیں گے (4/121-122) اور اللہ نے اپنے وعدوں کی حقانیت پر فخر کیا ہے۔ (4/122) اس کے بعد قریشی مسلمانوں کے خود ساختہ عقیدہ کو، جو عیسائیوں سے مستعار لیا گیا

تھا، باطل قرار دیا ہے۔

(8) جنگِ جمل میں علیؑ کے مقابلہ پر آنے والوں میں کوئی بھی نجات یافتہ یا جنتی شخص نہ تھا

جس طرح عیسائیوں اور یہودیوں نے اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ صادر کر رکھا تھا کہ ''چند روز کے علاوہ ہمیں آگ اور جہنم چھو بھی نہ سکے گا (لَن تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً (بقرہ 2/80، آل عمران 3/24) بالکل اُسی طرح قریش نے اپنے تمام مسلمان لیڈروں کے لئے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ فلاں فلاں صحابہ اور صحابیات جیتے جی نجات یافتہ ہونے کی خوش خبری پا چکے تھے۔ مثلاً ایک لیڈر گروہ کو اُن کے ریکارڈ میں عشرہ مبشرہ (دس نجات کی خوشخبری پائے ہوئے یعنی Upper Tens) کی بکواس لکھی ہوئی موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ پر آنے والوں کو جہنم سے بچانے کے لئے طرح طرح کے حیلے حوالے کئے جاتے ہیں۔ مثلاً زبیر کو جنگ سے علیحدہ ہو جانے والا ثابت کرنے کے لئے روایات کا ڈھیر لگایا گیا، طلحہ اور عائشہ کو نادم اور روتے روتے آنسوؤں کا دریا بہانے والا قرار دیا گیا۔ اس لئے کہ دس نجات یافتہ کی تعداد گھٹنے نہ پائے۔ اور پوری جنگ جمل کو مغالطوں اور غلط فہمیوں میں اُلجھایا گیا تا کہ عائشہ کے دس ہزار مقتول طرفداروں کو جہنم سے دُور رکھنے کی راہ ہموار ہو جائے۔ مگر یہ سب اول سے آخر تک جہنمی تھے۔ پچھلی باتوں اور دلائل کو چھوڑ و۔ اُن کے سامنے قرآن پیش کیا گیا قرآن کے نام پر بار بار اپیل کی گئی۔ مگر اُنہوں نے قرآن لے کر فوجوں کے درمیان کھڑے ہونے والے شخص کے ہاتھ کاٹے۔ قرآن کو اُس نے دانتوں میں پکڑا تو اس کو تہہ تیغ کر دیا۔ (طبری صفحہ 187 تا 190) اُنہوں نے اپنے ملعون لیڈروں کی خطاؤں پر پردہ ڈالنے کے لئے افسانے اور ناول تیار کئے اور اُن کو اتنی شہرت دی کہ خود علمائے شیعہ نے اُن افسانوں کو اپنی کتابوں میں سچ سمجھ کر لکھ لیا۔ حالانکہ وہ لیلیٰ مجنوں کی طرح کا ایک افسانہ ہے۔ جسے قریشی مشینری نے خوب خوب اُچھالا ہے۔ مگر یہ بکواس اور حماقت سے زیادہ کچھ نہیں۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بھی اسے اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ میں خود ساختہ اور احمقانہ قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

(9) عبداللہ بن سَبا یا ابن السودا کو قریشی علما نے اپنی پناہ کے لئے جنم دیا اور خوب پوجا کی

''__عبداللہ بن سبا کا قصہ__: اس ضمن میں ایک مشہور قصہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جسے بعد میں آنے والے راویوں نے بہت اہمیت دی ہے۔ اور خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے قدیم و جدید مؤرخین نے اس قصے کو حضرت عثمان کے خلاف رُونما ہونے والی بغاوت کا سرچشمہ قرار دے لیا ہے۔'' (ترجمہ فتنۃ الکبریٰ طلوع اسلام صفحہ 282) پھر صفحہ 284 و 285 پر لکھا ہے کہ:

''میرا خیال ہے کہ جو لوگ ابن سبا کے معاملے کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں وہ نہ صرف اپنے آپ پر بلکہ تاریخ پر بھی شدید ظلم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی غور طلب چیز یہ ہے کہ اُن تمام اَہم ماخذ میں جو حضرت عثمان کے خلاف رونما ہونے والی شورش پر روشنی ڈالتے ہیں ہمیں ابن سباء کا ذکر ہی نہیں ملتا۔ مثلاً ابن سعد نے جہاں خلافتِ عثمان اور اُن کے خلاف بغاوت کا حال رقم کیا ہے وہاں ابن سباء کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اسی طرح بلاذری نے ''__انساب الاشراف__'' میں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ حالانکہ میرے خیال میں حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کے واقعات معلوم کرنے کے لئے ''__انساب الاشراف__'' اہم ترین ماخذ ہے۔ اور اس قصے کی سب سے زیادہ تفصیل اسی کتاب میں ملتی ہے۔ ابن سباء کی یہ داستان طبری نے سیف بن عمر کی روایت سے بیان کی ہے اور معلوم یہی ہوتا ہے کہ مابعد کے جملہ مورخین نے اس روایت کو طبری ہی سے لیا ہے۔ معلوم نہیں کہ ابن سباء کو عہد عثمان میں کوئی وقعت حاصل ہوئی تھی یا نہیں؟ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر اُس کی کچھ وقعت ہوتی

بھی تو وہ چنداں معنی نہ رکھتی، حضرت عثمان کے عہد کے مسلمان ایسے گئے گزرے نہ تھے کہ اہل کتاب میں سے ایک نومسلم، جو عہدِ عثمان ہی میں ایمان لایا ہو یہ مقام حاصل کرلے کہ اُن کی عقل وفکر اور حکومت تک سے مذاق کرنے لگے۔ وہ بھی اس طرح کہ اِدھر اسلام لائے اور اُدھر فتنہ و فساد پھیلانا شروع کردے حتیٰ کہ اپنی سازشوں کو تمام سلطنت میں نشر کردے۔'' (صفحہ 284 تا 285)

الغرض طٰہٰ حسین نے مسلسل اپنے واقعاتی دلائل سے ابن السبا کو ایک فراڈ بنا کر چھوڑا ہے۔

بہرحال اللہ نے قریشی مسلمانوں کے اس ابلیسی عقیدے کو کہ چند قریشی صحابہ جنتی تھے مسمار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

لَّيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿4/123﴾

مودودی ترجمہ: ''انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو بھی بُرائی کرے گا اُس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لئے کوئی حامی ومددگار نہ پاسکے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 399-400)

معلوم ہوا کہ خدا وخلیفۂ خداوندی سے بغاوت اور اُس سے جنگ تو ایسے جرائم ہیں کہ نجات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آیت تو یہ کہتی ہے کہ معمولی بُرائی اور بُری بات کرنے پر بھی مواخذہ ہوگا۔ لہٰذا نجات یافتگی محض قرآن کے خلاف وہ آرزوئیں ہیں جو قریشی لیڈروں میں ابلیس نے پیدا کی تھیں کہ: وَ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ (4/119) ''اور میں انہیں ضرور گمراہ کروں گا اور میں ضرور اُنہیں آرزوؤں میں اُلجھاؤں گا۔'' (ملاحظہ فرمائیں خطبہ نمبر 7)

پھر تصدیق ہوا کہ قریشی مسلمانوں نے ابلیسی تعلیمات سے قرآن کے مفاہیم کو بدل کر انہیں غلط معانی میں اختیار کرلیا تھا اور دن رات قتل عام کرتے رہنے والوں کو بھی نجات یافتہ اور رضی اللہ عنہم بنا دیا تھا (انعام 6/66، فرقان 31-25/30) اور اپنے خود ساختہ مذہب وعقائد کو اپنی آرزوؤں اور اجتہاد سے دین ابراہیمی اور اسلام سے بھی بہتر سمجھ رکھا تھا (4/125) انہیں یہ بتانا پڑتا تھا کہ اللہ اس کائنات کی ہر چیز پر محیط ہے (4/126) تاکہ وہ رسوؐل کو اُن کی صحیح اور ہمہ گیر پوزیشن کے ساتھ مانیں اور غافل وخطا کار وجاہل خیال نہ کریں۔

(10) قریشی علما وصحابہ آنحضرؐت کو اُلجھانے اور مسائل کی خلاف ورزی کے پہلو نکالنے کیلئے فتویٰ مانگا کرتے تھے

بتیس (32) آیات کے اسی سلسلے میں یہ پہلو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ قریشی صحابہ رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دھڑا دھڑ فتوے دریافت کرتے رہتے تھے تاکہ حضوؐر کو اُلجھا کر کوئی غلط بات کہلوالیں یا مسائل میں موشگافیاں کر کے احکام کی خلاف ورزی کی گنجائشیں اور شرعی حیلے تیار کرسکیں چنانچہ اگلی آیت (4/127) میں بتایا گیا کہ وہ لوگ عورتوں، یتیموں، اُن سے نکاح، اور اُن کے ساتھ برتاؤ کرنے پر فتوے مانگتے تھے۔

(11) علامہ کے قلم سے زیر بحث رہتے چلے آنے والے قریشی مسلمانوں کا احکام خداوندی کے خلاف عملدرآمد

اس آیت کی تشریح میں مودودی کی باتیں سُنئے:

اول۔ اس کی تصریح نہیں فرمائی گئی کہ عورتوں کے معاملہ میں (قریشی مسلمان۔ احسن) لوگ کیا پوچھتے تھے۔'' (تفہیم جلد اول صفحہ 401)

مطلب یہ کہ بار بار بتائی ہوئی باتوں کو از سرِ نو دریافت کرتے رہتے تھے تاکہ رسوؐل کا تضاد مل سکے۔ اور سُنئے:

دوم۔ ''یہ اصل استفتاء (مسئلہ۔ احسن) کا جواب نہیں ہے بلکہ (قریشی۔ احسن) لوگوں کے سوال کی طرف توجہ فرمانے سے پہلے اللہ نے اُن احکام کی پابندی پر پھر ایک مرتبہ زور دیا ہے جو اسی سورہ کے آغاز میں یتیم لڑکیوں کے متعلق بالخصوص اور یتیم بچوں کے متعلق بالعموم ارشاد فرمائے

تھے۔(اورجن کی تعمیل کی قریشی مسلمان پرواہ نہ کرتے تھے۔احسنؔ)اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی نگاہ میں یتیموں کے حقوق کی اہمیت کتنی زیادہ ہے (کہ عمل نہ کرنے والوں پر بار بار تاکید کی جارہی ہے) کہ ابتدائی دو(2) رکوعوں میں (یعنی پچیس (25) آیتوں میں) اُن کے حقوق کے تحفظ کی تاکید بڑی شدت کے ساتھ کی جاچکی تھی (اور قریشی مسلمانوں نے اب تک ذرہ برابر عمل نہ کیا تھا۔احسنؔ) (یعنی زیر بحث بتیس آیتوں میں پچیس آیات اور جمع کرلیں جن میں ان ہی خبیث مسلمانوں کا کردار بیان ہوا ہے۔احسنؔ) اب جو معاشرتی مسائل کی بات چھڑی تو قبل اس کے کہ لوگوں کے پیش کردہ سوال کا جواب دیا جاتا یتیموں کے مفاد کا ذکر بطورِ خود چھیڑ دیا گیا۔(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 401)

قارئین قریشی مسلمانوں کا اللہ ورسوؐل اور قرآن واسلام کے ساتھ سلوک اِن بتیس (32)+ پچیس (25) کل ستاون (57) آیات میں دیکھ کر اُن کا اور اُن کے پیرو مرشد شیطان کا تعلق سمجھ لیں یہی وہ ملعون مسلمان تھے جن کی موشگافیوں،فتویٰ اور اجتہادی شریعت سازیوں سے تنگ آکر فرمایا گیا تھا کہ مودودی کے ترجمہ سے ملاحظہ فرمائیں:

(12) <u>قریشی مسلمان ابلیسی تصورات سے حرام وحلال اور شریعت سازی کرتے تھے انہیں منع کیا گیا تھا</u>

’’اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے وہ ہے مردار اور خون اور سوٴر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔البتہ بھوک سے مجبور ہوکر اگر کوئی ان چیزوں کو کھالے،بغیر اس کے کہ وہ قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کا خواہشمند ہو،یا حدِ ضرورت سے تجاوز کا مرتکب ہو،تو یقیناً اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُکُمُ الۡکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّ ھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ o.....(نحل 117 تا16/116) ’’اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام بنایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام،تو اس طرح کے حکم لگا کر (گھڑ گھڑ کر۔احسنؔ) اللہ پر جھوٹ نہ باندھا کرو۔(افترا نہ کیا کرو۔احسنؔ) جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترا باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پایا کرتے۔دُنیا کا عیش (عائشہ۔احسنؔ) چندروزہ ہے آخر کار اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 577-578)

(13) <u>قریشی قسم کے مسلمان صحابہ کے فتویٰ پوچھنے پر اللہ نے قرآن میں کیا کیا الزام عائد کئے؟اور کیسی ملامت کی</u>

بات یہاں تک آگئی تھی کہ زیرِ بحث بتیس آیتوں میں سے ایک آیت (4/127) میں قریشی مسلمانوں نے عورتوں کو نشانہ بناتے ہوئے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جس کا اللہ نے یہاں ذکر نہیں کیا بلکہ اُن کے جواب میں اُن کو مطعون کیا اُن کی خلاف ورزیاں کھول کر رکھ دیں مودودی سے ترجمہ سُنئے:

’’کہو کہ اللہ تمہیں اُن کے معاملے میں فتویٰ دیتا ہے۔اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دِلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جارہے ہیں۔(اور تم عمل نہیں کرتے۔احسنؔ) یعنی وہ احکام جو اُن یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے۔اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو (یا لالچ کی بنا پر تم خود ان سے نکاح کرلینا چاہتے ہو) اور وہ احکام جو اُن بچوں کے متعلق ہیں جو بےچارے کوئی زور نہیں رکھتے۔اللہ تمہیں ہدایت دیتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو،اور جو بھلائی تم کروگے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی۔‘‘(4/127 تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 401-402)

(14) <u>دیکھتے اور یقین کرتے جائیں کہ وہ بتیس (136 تا4/105) آیات خالص قریشی مسلمانوں کو مخاطب کرتی ہیں۔عائشہ سے سُنیئے</u>

اب قارئین اسی آیت (4/127) کی تشریح مودودی کے قلم اور عائشہ کی زبان سے دیکھئے:

''حضرت عائشہؓ اس کی تشریح میں فرماتی ہیں کہ جن (صحابہ۔احسن) لوگوں کی سرپرستی میں ایسی (مسلمان۔احسن) یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جن کے پاس والدین کی چھوڑی ہوئی کچھ دولت ہوتی تھی وہ اُن لڑکیوں کے ساتھ (مسلمان اور صحابی رسولؐ ہوتے ہوئے۔احسن) مختلف طریقوں سے ظلم کرتے تھے۔اگر لڑکی مال دار ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی ہوتی تھی تو یہ (صحابہ رسولؐ) لوگ چاہتے تھے کہ خود اُن سے نکاح کرلیں اور مہر و نفقہ ادا کئے بغیر اس کے مال اور جمال دونوں سے فائدہ اُٹھائیں۔اور اگر وہ بدصورت ہوتی تھی تو یہ (صحابہ رسولؐ) لوگ نہ اُس سے خود نکاح کرتے تھے اور نہ کسی دوسرے سے اس کا نکاح ہونے دیتے تھے تاکہ اُس کا کوئی ایسا سردھرا پیدا نہ ہوجائے جو کل اُس کے حق کا مطالبہ کرنے والا ہو۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 401)

(15) اللہ پر ایمان لانے والوں کو برائیوں اور غیر ذمہ داریوں سے ڈرنے کا حکم دے کر پوری نوع انسان کو فنا کرنے کی دھمکی

اس آیت (4/127) کے بعد برابر مسلمان مخاطب ہیں اور انہیں عورتوں سے نکاح اور نکاح کی پابندیوں پر بات کرتے کرتے آیت (4/130) پر مسائل کا سلسلہ ختم ہوا ہے۔اس کے بعد فرمایا گیا کہ:

مودودی ترجمہ ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔تم سے پہلے ہم نے جن کو کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب تم کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ ''خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو'' لیکن اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو، آسمان اور زمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے اور بے نیاز ہے، ہر تعریف کا مستحق۔ ہاں اللہ ہی مالک ہے اُن سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور کارسازی کے لئے بس وہی کافی ہے اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے، اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے۔اور جو کوئی محض ثواب دنیا کا طالب ہو اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے پاس ثوابِ دُنیا بھی ہے اور ثوابِ آخرت بھی اور اللہ سمیع و بصیر ہے۔'' (4/131 تا 134)

اِن چاروں آیات سے ثابت ہے کہ جو مسلمان مخاطب ہیں وہ کبھی اطاعت و فرمانبرداری کے مُوڈ میں نہیں رہتے۔انہیں قدرت اور بے انتہا طاقت اور ساری کائنات پر حکومت کا بار بار دباؤ ڈال کر ڈرتے رہنے کی تاکید پر بات ختم کر دی ہے۔اور انتہائی طور پر یہ دھمکی دے دی ہے کہ تمہیں ملیا میٹ کر کے تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو آباد کر دینا ہمارے اختیار میں ہے اور رہے گا۔اور آخر یہ چھوٹ دے دی کہ اگر تم نے دین کو دُنیا ہی کمانے کے لئے اختیار کرلیا ہے تو دنیا میں اور آخرت میں بدلہ دینا بہر حال ہمارے ہاتھ میں ہے بدلہ دیں نہ دیں۔تم دُنیا کماؤ یا دیندار بن جاؤ ہمارا کچھ بگڑتا سنورتا نہیں۔اس کے بعد باقاعدہ ایمان داری کی اپیل کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ تمہیں اللہ کے لئے مستعد اور گواہ رہنے کی ذمہ داری لینا چاہئے اور اپنے اوپر بھی اور اپنے والدین کے اوپر بھی اور قریبی رشتہ داروں کے اوپر بھی اور مالداروں کے اوپر بھی اور فقیروں کے اوپر بھی نگراں اور غلط بات سے روکنے والا بن کر رہنا چاہئے۔کسی کی رُو رعایت نہ کرنا چاہئے اور اس معاملہ میں اپنی مصلحتوں اور اجتہاد کو الگ رکھنا چاہئے۔اگر تم لگی لپٹی اور رُو رعایت کرتے رہے تو تمہاری یہ حرکت بھی اللہ کو معلوم رہے گی۔(4/135)

اس آیت میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ وہ مخاطب مسلمان حق و انصاف اور صحیح بات کہنے میں بے باک تھے بلکہ اللہ نے چاہا ہے کہ وہ جتھابندی اور قبیلے کے دباؤ سے ہٹ کر حق بات کہا کریں مگر وہ حق پر ایمان نہ لائے تھے وہ تو اپنی قومی مصلحتوں پر قوم کے قدیم مذہب و عقائد پر ایمان لائے تھے اسی لئے زیر بحث آیات کی بتیسویں آیت میں اُن کا اسلام و ایمان واضح کر دیا ہے۔چنانچہ آخری آیت دیکھئے اور عنوان بدلئے۔

(16) قریشی مومنین مسلمان اور مومن تو تھے مگر اللہ، رسولؐ، قرآن اور سابقہ کتابوں پر مجتہدانہ ایمان رکھتے تھے

ہم نے قارئین کو بتیس آیات اور اُن کے متعلقات کی سیر کرا دی اور ثابت کر دیا کہ اس طویل سلسلے کے درمیان آنے والی آیت (4/117) بھی مسلمانوں ہی کا عملدرآمد بیان کرتی ہے اور سو فیصد اہل جمل کا عملدرآمد اپنے اندر محفوظ رکھتی ہے اب اُن کے لئے آخری آیت پڑھ کر فیصلہ کرلیں۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ الۡكِتٰبِ الَّذِىۡ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَ الۡكِتٰبِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ......الخ (4/136)

علامہ مودودی: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے اور ہر اُس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 406-407)

لطیفہ: اگر یہاں اللہ نے خود اُن لوگوں کو (يَـا اَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا) نہ فرمایا ہوتا تو اس آیت میں ثابت ہو جاتا کہ وہ لوگ نہ اللہ پر ایمان لائے تھے نہ اللہ کے رسولؐ پر ایمان رکھتے تھے۔ نہ وہ قرآن کو مانتے تھے اور نہ اُنہیں سابقہ کتابوں سے کوئی تعلق تھا یعنی چاروں خانے منکر تھے۔ یعنی وہ اللہ کے نزدیک بھی نام نہاد مومن تھے۔ یا برائے نام مومن تھے۔ یہ اسباب ہیں کہ ہم اُنہیں قریشی مومنین یا قریشی مسلمان کہتے ہیں۔

اور یہی اُن کا موزوں ترین نام ہے۔ اُنہوں نے اسلام کو اس شرط کے ساتھ اختیار کیا تھا کہ اللہ کے احکام یا قرآن کی آیات کا جو مطلب اُن کا مرکزی ادارہ یعنی طاغوت بیان کرے گا وہی حقیقی منشاء خداوندی ہوگی۔ وہ تنہا نبیؐ کی بصیرت کو کافی نہیں سمجھتے تھے اس بات کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ: اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۝ (نساء 4/60)

''اے نبیؐ کیا آپؐ نے اُن مسلمانوں کو باقاعدہ نوٹ کر رکھا ہے جو دعویٰ تو یہ رکھتے ہیں کہ ''ہم ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو تیری طرف نازل ہوا ہے اور جو تجھ سے پہلے نازل ہو چکا ہے۔ مگر اُن کا جانا بوجھا فیصلہ یہ ہے کہ تمام احکامات کو طاغوت سے حاصل کریں گے۔ اور یقیناً انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے۔ اور ایک مخصوص شیطان نے جان بوجھ کر یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ اُن مسلمانوں کو بھٹکا کر قرآن سے بعید ترین مقام پر لے جائے۔''

(17) قریشی مسلمان نبیؐ کی تنہا بصیرت میں خطا کا امکان سمجھتے تھے اور اسلام کے صحیح فیصلوں کے لئے مرکزی ادارہ لازم تھا

قریشی مسلمان رسولؐ کا بھی وہ حکم مانتے تھے جو مرکزی ادارہ کے حکم کے مطابق ہوتا تھا۔

يَـقُـوۡلُـوۡنَ اِنۡ اُوۡتِيۡتُـمۡ هٰذَا فَخُذُوۡهُ وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡهُ فَاحۡذَرُوۡا ......الخ (مائدہ 5/41) ''اور لوگوں کو بتاتے رہتے تھے کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اُسے اختیار کرلیا کرو اور اگر ہمارا تجویز کردہ حکم نہ دیا جائے تو انکار کئے بغیر ترکیب سے ٹال دیا کرو۔'' (مائدہ 5/41)

ششم۔ جنگ جمل سے متعلق مختلف حالات، عائشہ اینڈ کمپنی نے قرآن کو ٹھکرایا اور حامل قرآن کو قتل کیا گیا

اللہ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت صرف اُس صورت میں دی ہے جب کسی قسم کی بھی صلح کا امکان باقی نہ رہے۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جہاں اسلام کے تمام اہم مسائل کو بدلا گیا وہیں جنگی پالیسی بھی تباہ کر دی گئی۔ قریشی حکومت نے ہر اُس شخص یا اشخاص کے خلاف جبر وقوت وتلوار کا استعمال صرف جائز ہی قرار نہیں دیا بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لاکھوں افراد کا قتل عام کیا انہیں لوٹا، اُن

کے اہل وعیال کو قید کیا غلام وکنیزیں بنایا اور قرآن کی پیشگوئی (بقرہ 2/205) کے مطابق اُن کی ہر حکومت نے حتی الامکان اسی پالیسی پر ڈٹ کر بلا دریغ عمل کیا۔ ظاہر ہے کہ تین خلفاؑ ابوبکر وعمر وعثمان کی طرح حضرت علی علیہ السلام سے بھی اِسی ناہنجار عمل کی توقع رہنا چاہئے تھی۔ چنانچہ عائشہ، طلحہ اور زبیر اور اُن ساتھی صحابہ نے سارے عرب کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ علیؑ بھی اپنے مخالفین کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو خلفائے ثلاثہ کرتے آئے تھے لہٰذا اگر قتل عام سے بچنا ہو، اگر اپنے ناموس اور بیٹیوں کو کنیزیں بننے سے بچانا ہو، قید وبند وغلامی اور لوٹ مار سے محفوظ رہنا ہو تو علیؑ کے مقابلہ کے لئے ہمارے ساتھ متفق ہو جاؤ۔ عزت وناموس پر قربان ہونے اور عزت کی موت مرنے کے لئے علیؑ سے جنگ کی تیاری کرو۔ اگر پبلک میں یہ خوف نہ پھیلایا ہوتا تو عائشہ کو صرف قریش کی حمایت حاصل ہوتی اور کوئی اُن کا ساتھ نہ دیتا۔ اُدھر حضرت علی علیہ السلام نے حتی الامکان جنگ کو ٹالنے کی کوششیں کیں، صلح کے پیغامات بھیجے اور آخر میدان جنگ میں بھی عائشہ اینڈ کمپنی کو قرآن کی طرف بلایا مگر وہ اور اُس کے لگے سگے جانتے تھے کہ قرآن تو علیؑ کا ساتھ دے گا اس لئے قرآن کو ٹھکرا دیا گیا اور اُس نوجوان کو قتل کرا دیا جو قرآن لے کر دونوں افواج کے درمیان کھڑا تھا۔ یہ واقعہ پہلے طبری سے سُنیئے:

(1) <u>قرآن اُٹھانے کا حکم</u>: ''حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کر سکتا ہے کہ وہ قرآن اُٹھا کر فریقین کے درمیان کھڑا ہو جائے اور اُنہیں قرآن پر چلنے کی دعوت دے؟ اگر اُس کا وہ ہاتھ کاٹ دیا جائے تو دوسرے ہاتھ میں قرآن لے لے۔ اور اگر دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے تو قرآن دانتوں سے تھام لے۔ ایک نوجوان نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ مگر حضرت علیؑ کی خواہش تھی کہ کوئی اور شخص اس کام کو انجام دے۔ اس لئے آپؑ تمام لشکر میں گھومے اور ہر ایک کے سامنے یہ بات پیش کی لیکن اس نوجوان کے علاوہ کوئی بھی اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ حضرت علیؑ نے اُس نوجوان سے فرمایا یہ قرآن اُن کے سامنے پیش کرو اور کہو کہ یہ قرآن اول سے آخر تک ہمارے اور تمہارے خونوں کا فیصلہ کرے گا۔ لیکن مخالفین کے لشکر نے اُس نوجوان پر حملہ کر دیا۔ قرآن اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اُنہوں نے اُس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے تو اُس نے قرآن دانتوں میں تھام لیا۔ حتیٰ کہ یہ نوجوان شہید کر دیا گیا۔ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اب تمہارے لئے جنگ حلال ہو گئی تم اُن سے جنگ کرو۔'' (ترجمہ طبری صفحہ 187)

<u>دوسری روایت یوں لکھی ہے:</u>

<u>قرآن اُٹھانے کا حکم</u>: ''حضرت علیؑ نے جمل کے روز اپنے ہاتھ میں قرآن لیا اور تمام لشکر میں قرآن لے کر گھومے اور فرمایا کون شخص ہے جو یہ قرآن اُٹھا کر مخالفین کو اسے قبول کرنے کی دعوت دے اور اُٹھانے والا یہ بھی سمجھ لے کہ وہ مقتول ہو کر رہے گا۔ کوفہ کے ایک نوجوان نے یہ بات قبول کر لی۔ یہ نوجوان سپید قبا پہنے ہوئے تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ یہ کام میں انجام دوں گا۔ حضرت علیؑ کو اُس کی نوجوانی پر ترس آیا اور انہوں نے فرمایا کہ کوئی اور شخص ہے جو یہ کام انجام دے۔ اور وہ یہ سمجھ لے کہ اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس بار بھی لشکر میں سے اس نوجوان کے علاوہ کوئی نہ نکلا۔ حضرت علیؑ نے قرآن اُس کے سپرد کر دیا۔ اُس نے مخالفین کو قرآن کی دعوت دی۔ لیکن لوگوں نے اُس کا دہنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اُس نے قرآن کو بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ لوگوں نے وہ ہاتھ بھی قطع کر دیا۔ تو اُس نے قرآن سینے سے چمٹا لیا۔ اس کی تمام قبا خون سے تر ہو چکی تھی۔ نتیجتاً اُس نوجوان کو قتل کر دیا گیا۔ جب یہ قتل ہو گیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا اب ان لوگوں سے جنگ حلال ہو گئی۔

اُس جوان کی ماں نے اس کا مرثیہ کہا: لَا هُمَّ اِنَّ مُسْلِمًا دَعَاهُمْ + يَتْلُوْا كِتَابَ اللّٰهِ لَا يخشاهُمْ

(ترجمہ) ایک مسلمان نے اُن لوگوں کو دعوت دی اور وہ برابر تلاوتِ قرآن میں مشغول تھا اُسے مخالفوں کا کوئی ڈر نہ تھا۔

وَ اُمُّهُمْ قَائِمَةٌ تَرَاهُمْ + يَاتَمِرُوْنَ الْفَتٰى لَا تَنْهَاهُمْ

اور اُن لوگوں کی ماں عائشہ کھڑی دیکھ رہی تھی یہ لوگ سرکشی پر اُترے ہوئے اور اُن کی ماں انہیں نہ روکتی تھی۔

(2) قرآن پیش کرنے کا واقعہ اور آخر کار جنگ کی اجازت۔ طہٰ حسین سے سُنئے: ''اُس دن صبح کے وقت جب حضرت علیؑ طلحہ سے مایوس ہو گئے اور یقین کر لیا کہ اُن کو لڑائی پر اصرار ہے۔ اپنے ساتھیوں کو نہایت سختی کے ساتھ پہل کرنے سے روکا اور کہا کہ جب تک میرا حکم نہ ہو اقدام نہ کیا جائے۔ بصرہ کے نوجوانوں خصوصاً بے وقوفوں کا اس وقت یہ حال تھا کہ وہ لڑائی چھیڑنے کی حرکتیں کیا کرتے اور حضرت علیؑ کے آدمیوں پر تیر چلاتے تھے۔ کتنے ہی آدمی زخمی ہوئے جن کو حضرت علیؑ کے پاس لایا گیا۔ اور درخواست کی گئی کہ اب وہ لڑائی کی اجازت دینے میں دیر نہ کریں۔ پھر بھی آپؑ نے عجلت سے کام نہیں لیا۔ اور اجازت نہیں دی۔ لیکن جب واقعات زیادہ ہونے لگے تو آپؑ نے کوفہ کے ایک نوجوان کے ہاتھ میں قرآن دیا اور کہا کہ وہ اسے لے کر فریقین کے درمیان کھڑا ہو جائے اور اُس کی طرف قوم کو بلائے۔ حضرت علیؑ نے اس کو جتا دیا تھا کہ اس فرض کے پورا کرنے میں اُس کی جان کا خطرہ ہے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد نوجوان نے قرآن ہاتھ میں لیا اور فریقین کے درمیان کھڑے ہو کر اس کی دعوت دینے لگا۔ اس کے بعد لوگوں نے اُس پر اتنے تیر برسائے کہ وہ جان بر نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں راویوں نے طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ لکھا ہے کہ قرآن اُس کے دہنے ہاتھ میں تھا۔ جب وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا تو اُس نے بائیں ہاتھ میں لے لیا جب وہ بھی کاٹ دیا گیا۔ تو اس نے دانتوں سے پکڑ لیا۔ یا اپنے مونڈھے پر کر لیا۔ تا آنکہ قتل کر دیا گیا۔ اتنی بات بہر حال قطعی ہے کہ وہ نوجوان قرآن کی دعوت دیتا رہا اور اسی حالت میں وہ مارا گیا۔ تب حضرت علیؑ نے کہا کہ اب کوئی حرج نہیں۔'' (کتاب علیؑ کا ترجمہ صفحہ 82-83)

(3) حضرت علیؑ عائشہ کو کیا سمجھتے تھے؟ شکست کے بعد عائشہ سے کس طرح بات کی؟

قارئین قریشی روایات سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ عائشہ کبھی حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک قابلِ توقیر و عزت عورت نہ بن سکی۔ حضورؐ کا طرزِ عمل عائشہ کے ساتھ وہی تھا جو قرآن کا تھا۔ قریشی راویوں نے اور علما نے ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت علیؑ اس کا حد بھر احترام کرتے تھے مثلاً لکھا ہے کہ: ''حضرت علیؑ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا'' وغیرہ بکواس۔ یہاں یہ دیکھئے کہ آنجناب کیسے مخاطب کرتے ہیں؟ طہٰ حسین نقل کرتے ہیں:

''جب کوئی اُونٹ کی نکیل تک ہاتھ پہنچاتا قتل کر دیا جاتا' اس بُری طرح سے قتل سے حضرت علیؑ چلا اُٹھے اور اپنے ساتھیوں سے کہا اونٹ کو ذبح کر دو۔ اس کی بقا میں عربوں کی فنا ہے۔ یہ سُن کر ایک ساتھی ٹوٹ پڑا اور اونٹ کو اپنی تلوار سے ذبح کر دیا۔ اونٹ اپنے پہلو پر گرا اور گرتے ہی اس کے منہ سے ایسی بُری چیخ نکلی جو کسی نے اب تک نہیں سنی تھی۔ (ظاہر ہے کہ وہ شیطان تھا۔ احسنؔ) یہ ہونا تھا کہ اونٹ کے حامی ٹڈیوں کی طرح منتشر ہو گئے۔ (قولِ مرتضوی وَ عَقَرَ فَهَرَبْتُمْ ۔خطبہ 13 جملہ 4) اب محمد ابن ابوبکر اور عمارؓ یاسر آ کر ھودج اُٹھاتے ہیں اور ایک طرف لے جاتے ہیں۔ محمد ابن ابوبکر ھودج پر کمبل ڈال دیتے ہیں۔ اور ایک طرف لے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ اُن سے کہتے ہیں معلوم کرو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی؟ محمدؓ اپنا سر اندر کرتے ہیں، حضرت عائشہ پوچھتی ہیں تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا'' آپ کا وہ عزیز جس پر آپ بے حد خفا ہیں۔'' حضرت عائشہ نے کہا خثعمیہ کا لڑکا'' محمدؓ نے کہا'' ہاں'' آپ کا بھائی محمدؓ۔ اس کے بعد دریافت کرنے پر حضرت عائشہ نے بتایا کہ ایک تیر کا ٹکڑا اُن کے بازو میں

پیوست ہے۔ محمدؐ اُس کو نکالنے لگے۔ حضرت علیؑ غصہ کی حالت میں آئے، لیکن انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنا نیزہ ھودج پر مارا اور کہا ''اِرم کی بہن کہو کیسی رہی اللہ کی کارسازی''؟ حضرت عائشہ نے کہا۔ ابنِ ابی طالبؑ تم نے فتح پائی۔ اب تم نرمی اختیار کرو۔'' (ایضاً صفحہ 86-87)

دو باتیں سمجھ لیں: اول یہ کہ حضرت علی علیہ السلام نے عائشہ کو مغضوب قوم عاد و اِرم کی بہن قرار دیا ہے (فجر 6-89/7) اُم المومنین وغیرہ القاب سے مخاطب نہیں کیا۔ دوم یہ کہ آپؑ نے سورہ تحریم کی آیت (66/4) یاد دلائی ہے۔

(4) قرآن میں محمدؐ کے خلاف محاذ بنائے رکھنے پر عائشہ کو دھمکی صالح المومنین نے پوری کردی

اور عملاً ثابت کردیا کہ وہ محاذ میرے خلاف بنانے کی پیشگوئی تھی اور دیکھو کہ تمہاری جان اور تمہارے پورے محاذ کی جان میرے رحم وکرم پر ہے تمہارے اور تمہارے تمام لشکریوں کے ہاتھ پیر کاٹ کر تمہیں واصل جہنم کردینا قرآن کا حکم ہے (مائدہ 5/33) تمہیں آج کے دن سے بچنے کیلئے توبہ وغیرہ کرنے کا تقاضایوں کیا گیا تھا کہ: اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌo (تحریم 66/4)

''اگر تم دونوں (عائشہ وحفصہ) توبہ کرلو تو یقیناً تم دونوں کے دل تو ٹیڑھے (رسولؐ کی مخالفت پر آمادہ) ہو ہی چکے ہیں اور اگر تم دونوں نے اُس کے مقابلہ میں محاذ بنا کر چڑھائی یا فوج کشی کی تو سنو کہ اللہ تو اُس کا مولیٰ ہے ہی اور آج کے بعد جبرائیل اور علیؑ اور ملائکہ اُس کے پشت پناہ ہیں۔''

(5) آخر عائشہ نے اپنے زنانہ رشک وحسد کو ظاہر کرنے کے لئے دیور اور بھابی کا رشتہ نکالا

حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ کرکے عائشہ نے اپنی دشمنی اور مخالفت کا کوئی دینی یا اسلامی عذر نہیں پیش کیا بلکہ اُن تمناؤں کی شکست کا شکوہ کیا جو ایک نوجوان عورت کے بڈھے شوہر کے جوان بھائی نے بڑی بے دردی سے توڑی تھیں اور کبھی دِلاسہ ودلبری سے کام نہ لیا تھا۔ سُنئے طٰہٰ حسین پھر اس نازک اور نفسیاتی مسئلہ کو چھیڑتے ہیں:

''حضرت علیؑ نے مہلت دی۔ اس کے بعد آپؑ نے مرتبہ کے مطابق سواری کا انتظام کردیا۔ اور عورتوں اور مردوں کی ایک جماعت ساتھ کردی۔ اپنے سفر کے دن حضرت عائشہ نکلیں تو لوگوں نے اُن کو سلام کیا اور انہیں رخصت کیا۔ حضرت عائشہ نے لوگوں کو بھلائی کا حکم دیا۔ اور اُن کو بتایا کہ: ''اُن کے اور حضرت علیؑ کے درمیان اُس سے زیادہ کچھ نہ تھا جو ایک عورت اور اُس کے شوہر کے بھائی کے درمیان ہوتا ہے۔'' حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کی تصدیق کی۔'' (صفحہ 98-99)

(6) ایام قبل از اسلام میں اولاد حاصل کرنے کے طریقے مشہور اور عائشہ کو معلوم تھے مگر قیدی بنادی گئی

قرآن کریم نے عائشہ کے ساتھ باقی ازواج نبیؐ کو بھی گھر کی چار دیواری میں مقید کردیا تھا۔ (سورہ احزاب 33/28 تا 34 اور 33/53-54) ہم نے عائشہ کے ساتھ اس لئے کہا کہ عائشہ کے علاوہ باقی ازواج میں نہ کوئی نوجوان ونوخیز لڑکی تھی نہ کوئی ایسی تھی جس نے پہلے شوہر نہ دیکھا ہو۔ وہ سب سنجیدہ اور عمر رسیدہ خواتین تھیں۔ اُن پر اب فطری دباؤ اثر انداز نہ ہوسکتا تھا۔ نہ اُنہیں اب دنیا کے عیش وارمان ستاسکتے تھے۔ نہ وہ اب حسین وجمیل شعلہ فشاں رہی تھیں۔ نہ اُن کو ٹھمکنے اور بناؤ سنگھار کرنے اور نمائش حسن کی تمنا تھی۔ نہ اُن سے یہ خطرہ تھا کہ انہیں فطری ہیجان مغلوب کرسکتا ہے۔ نہ وہ اب رنگین مزاجوں ایسی باتیں کرنے من موہن بننے اور دلوں میں جذبات کی لرزش پیدا کرنے والی باتیں کرسکتی تھیں۔ ڈھلتی ہوئی عمر، بڑھاپا سروں پر سوار تھا البتہ صرف اور صرف عائشہ ایسی لڑکی تھی جس کے کھیلنے کھانے کے دن تھے جس میں وہ سب چیزیں

تھیں جن کی ہم نے باقی ازواج سے نفی کی ہے اور جن چیزوں کو دلیل بنا کر قرآن نے ازواج نبیؐ کو گھروں میں بٹھایا اور تاابد نکاح کرنے کی ممانعت کی ہے وہ صرف عائشہ میں موجود تھیں۔

ہم نے لکھا ہے کہ عائشہ نے اپنے والد اور قوم کے منصوبوں کو پروان چڑھانے کے لئے اپنی جوانی قربان کردی تھی لیکن فطرت سے معرا تو نہ ہوگئی تھی۔ اُسے اُمید تھی اور جس شدت سے اس نے علیؑ کی مخالفت کی اُسی شدت سے اُمید تھی وہ سمجھتی تھی کہ اُس کا شوہر نہ صرف بڑھا ہے بلکہ اللہ کا نبی بھی ہے۔ اُسے دن رات فرائض نبوت وتبلیغ وعبادت کے علاوہ عامۃ الناس کی ضروریات کی فراہمی، مقدمات ومسائل کا حل بھی کرنا ہے مخالف محاذ سے جنگوں کا انتظام وانصرام بھی اُسے اتنی فرصت نہ لینے دے گا جو دلبری کے وہ تقاضے پورے کر سکے جس کی اُسے دن رات ضرورت رہے گی۔ وہ عرب کے دستور سے واقف تھی اُسے دیور و بھابی کا رشتہ اور تعلقات معلوم تھے۔ اُس کا حسین وجمیل ودل رُبا دیور جوان ہے عقیل و بلیغ و نفسیات پر مطلع ہے۔ وہ تو نبیؐ نہیں ہے وہ ایک عام طرحدار جوان سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ وہ کیا جانے عصمت کیا ہوتی ہے؟ اور پھر جوان اور معصوم؟ یہ دونوں باتیں اس کے نزدیک متضاد تھیں۔ اُسے گناہ اور توبہ دونوں کا علم تھا وہ دوسرے جوانوں کو مثلاً طلحہ وزبیر اور زید وبکر وخالد کو دیکھتی تھی۔ اُسے علیؑ سے فطری طور پر بہت سی اُمیدیں تھیں مگر وہ دیکھتی تھی کہ ہر پیار کی اور پیاری بات سے علیؑ کو چڑ ہے۔ جب دیکھو تیوری چڑھی ہے۔ آنکھوں میں مروت کا کہیں نام نہیں ہے کبھی بھی دو میٹھی باتیں نہ کیں۔ نہ سہی کچھ اور، ہمدردانہ توجہ، حرماں نصیبی پر دلاسہ اور محروم تمنا بھابی سے دو میٹھے بول، کون سے مذہب میں گناہ ہیں؟ اُس کی اچھی بُری تمناؤں کو سننا تو جرم نہ تھا۔ اُسے مخاطب کر کے اس کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ اُسے نشیب وفراز سمجھانا، برداشت کی قوت فراہم کرنا تسلی دے کر تکالیف کا مقابلہ کرنے کی نصیحت وتعلیم دینے میں کیا حرج تھا۔

الغرض اُسے بہت سی اُمیدیں تھیں جو یکے بعد دیگرے دن رات توڑی گئیں۔ آخر کہاں تک' نوجوان لڑکی تھی دل میں انتقام اور نفرت کی آگ سلگتی رہی اور رفتہ رفتہ باپ کے سپرد کردہ منصوبوں کو پورا کرنے میں دل کو راحت معلوم ہونے لگی۔ عائشہ کو معلوم تھا کہ عرب کے مقدس بزرگ بہادروں اور سخی لوگوں سے اولاد حاصل کرنے کے لئے نکاح الْاِسْتِبْضَاع کرنے میں عیب نہ سمجھتے تھے۔ (دیکھو شرح خطبہ نمبر 7، 10، 3-اول) بہرحال عائشہ نے اپنے انتقام کو خلافت چھین لینے تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اُس نے اُن کی نسل کو رُوئے زمین سے مٹادینے کا منصوبہ بھی چلایا۔ وہ مر کر جہنم واصل ہوگئی لیکن منصوبہ زندہ رہا، زندہ ہے اور اعلان ظہورِ امامِ عصر علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جاری رہے گا۔ اِنَّا لِلّٰهِ و اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

(7) عائشہ دورُخی نہیں بلکہ چومکھی عورت تھی وہ دو دھاری تلوار رکھتی تھی۔ بھابی اور ساس

جنگ جمل سے رخصت کے دن یا قیامِ بصرہ میں ایک گھر سے کسی دوسرے گھر جاتے وقت اُس نے اپنی خِفت مٹانے کے لئے یہ بھی کہا تھا کہ:

''اے میرے بیٹو ہم جلد بازی میں ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہوگئے۔ آئندہ ہمارے اِن اختلافات کے باعث کوئی شخص ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے خدا کی قسم میرا اور علیؑ کا شروع ہی سے اختلاف تھا۔ لیکن یہ اختلاف اُسی قسم کا تھا جیسا ساس اور داماد میں ہوتا ہے۔ فی الحقیقت علیؑ میرے نزدیک نیک آدمی ہیں۔'' (طبری صفحہ 242)

(8) عائشہ کے دونوں بیانات پر ایک سادہ سی نظر ڈالئے

اِن دونوں بیانات میں عائشہ نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ کسی دینی اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔ یعنی عائشہ کو اور عائشہ کے اُس محاذ کو، جسے قرآن کریم نے مشخص کیا ہے، (تحریم 66/4) حضرت علیؑ کے عقائد واعمال، طرزِ فکر اور اُن کے حقوق اور مقامِ بلند سے کوئی اختلاف نہ تھا۔

یعنی وہ سب حضرت علی علیہ السلام کو بلا شبہ آنحضرتؐ کا جانشین اور خلیفہ خداوندی جانتے تھے۔ مگر اُن میں سے ہر ایک کو اُن سے ذاتی اور مادی اختلافات ضرور تھے۔ اور ذاتی اور مادی اختلافات کی وجہ سے اُنہوں نے نہ چاہا کہ وہ حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ مسلمانوں پر حکمران وخلیفہ بننے دیں۔ اُنہیں اپنی ذاتی و مادی مصلحتوں کے ماتحت یہ پسند نہ تھا کہ علیؑ اُن پر حکمرانی کریں۔ چنانچہ خلیفہ دوم عمر نے عبداللہ بن عباس سے اپنے دورِ حکمرانی میں، قریش کا یہ فیصلہ بیان کر دیا تھا کہ قریش یہ پسند نہ کرتے تھے کہ حکومت وخلافت اُسی خاندان میں رہے جس میں نبوت تھی۔ یہ فیصلہ علامہ شبلی اور طبری سے سُنیں:

عمر: ''کیوں عبداللہ بن عباس علیؑ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟''

عبداللہ بن عباس: ''میں نہیں جانتا۔'' (ذرا آگے چل کر لکھا کہ)

عمر: ''لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔''

عبداللہ بن عباس: ''کیوں؟''

عمر: ''وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی وہ اگر تم کو خلافت دیتا بھی تو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔'' (الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

علامہ طبری نے یوں لکھا ہے کہ: ''نبوت اور خلافت کا اجتماع''

''پھر آپ (عمر) نے فرمایا ''استغفر اللہ! اے ابن عباس (حضرت) علیؑ ہمارے ساتھ کیوں روانہ نہیں ہوئے؟'' میں نے کہا ''مجھے معلوم نہیں۔'' پھر آپ نے فرمایا ''اے ابن عباس تمہارے والد رسوؐل اللہ کے چچا ہیں اور تم اُن کے چچا زاد بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم کو (تمہارا انتخاب خلافت کرنے سے) کس چیز نے روکا؟'' میں نے کہا ''مجھے معلوم نہیں۔'' اُنہوں نے کہا ''مگر مجھے معلوم ہے۔ وہ ناپسند کرتے تھے۔'' میں نے کہا ''کیوں؟'' ''ہم تو اُن کے لئے بہترین انسان تھے۔'' آپ نے فرمایا ''وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ نبوت اور خلافت دونوں چیزیں تمہارے اندر جمع ہو جائیں۔'' (طبری حصہ سوم خلافت راشدہ صفحہ 279-280) اگلے صفحہ پر مکالمہ کی صورت یہ ہے کہ:

''خلافت کا معاملہ'' ''آپؐ نے فرمایا کہ اے ابن عباس کیا تم جانتے ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہاری قوم کو تم سے کس چیز نے روکا ہے؟'' میں نے اس کا جواب دینا پسند نہیں کیا اس لئے میں نے کہا ''اگر میں نہیں جانتا ہوں تو امیر المومنین مجھے اس سے باخبر کر دیں۔''

''قریش کی رائے'' آپ نے فرمایا ''وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ تمہارے اندر نبوت وخلافت دونوں چیزیں جمع رہیں مبادا کہ تم اپنی قوم سے بدسلوکی کرو۔ اس لئے قریش نے اسے (خلافت کو) اپنے لئے پسند کیا کہ اُن کی یہ رائے درست تھی اور اس میں وہ کامیاب رہے۔'' (صفحہ 281)

عبداللہ بن عباس نے عمر کو منہ توڑ اور قرآن سے جواب دیا ہے اور ہم نے یہ مکالمے پورے پورے بار بار لکھے ہیں۔ (دیکھو طبری صفحہ 279 تا 283) یہاں صرف یہ دکھانا تھا کہ عمر نے بھی کہیں کوئی دینی سبب یا قرآنی دلیل نہیں بیان کی بلکہ ہر دفعہ یہ کہا کہ قریش نے اپنی ''پسند'' کے ماتحت حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کر کے خود حکومت لے لی تھی۔ اور یہ کہ قریش کو ''علیؑ'' کی حکمرانی میں خطرہ دکھائی دیتا تھا۔ لہٰذا عائشہ وحفصہ اور ابوبکر وعمر والا محاذ محض حضرت علیؑ کو حکومت سے محروم کرنے کے لئے قائم ہوا تھا۔

اور اُس محاذ ہی کی پشت پناہی اور گٹھ جوڑ اور چڑھائی سے قرآن (66/4) میں عائشہ وحفصہ کو روکا گیا تھا۔ اور اُسی محاذ کی مخالفت اور رسوؐل کی پشت پناہی اللہ اور جبرائیل اور ملائکہ نے اختیار کی تھی اور اُسی محاذ کی قیادت عائشہ نے جنگ جمل میں کی تھی اور اُسی محاذ نے عائشہ وحفصہ کو اپنی مائیں بنوانے کے لئے اپنا مال خرچ کر کے رسوؐل کی ازواج بنوایا تھا۔ اور اُسی محاذ نے پھر اُنہیں اپنی دیویاں اور معبود بنالیا تھا۔ اور جنگ جمل کے دوران عائشہ شیطان پر سوار ہو کر قرآن (4/117) کی تصدیق کے لئے سامنے آئی تھی۔ اور اعلان کر دیا تھا کہ ہمارا علیؑ کی مخالفت ذاتی اغراض ومقاصد کے لئے تھا۔ لہٰذا قارئین نوٹ کرلیں کہ قریش کا قرآنی حقائق کو ذاتی اغراض کے لئے جھٹلانا (انعام 6/66) ثابت ہوا پڑا ہے۔ قرآن کے بیانات کا رُخ موڑنا، معنوی تحریف وتبدیلیاں کرنا (فرقان 25/30) اور ایک نیا اور اپنی مصلحتوں پر مبنی اسلام گھڑنا بار بار اور اس بار بھی سامنے رکھا ہے۔

(9) عائشہ کو حضرت علیؑ نے قوم عاد و اِرم کی بہن کہا تو طلحہ وزبیر کو غدار فرمایا ہے؟

قریشی تاریخ کے وہ تمام بیانات جھوٹ کا پلندہ ہیں جن میں طلحہ وزبیر یا عائشہ کی بغاوت وغداری اور فوج کشی کے جرائم کو ہلکا کرنے، اتفاقیہ کہنے یا اُن ملاعین کو علیؑ کے اقوال سے قابل معافی قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ سُنیئے کہ ابوموسیٰ اشعری کوفہ کا گورنر تھا اور وہ بھی چونکہ عائشہ والے محاذ کا ممد ومعاون تھا اس لئے اس نے عائشہ کا خط ملنے کے بعد کوفہ والوں کو حضرت علی علیہ السلام کی نصرت کے لئے جانے سے روک دیا تھا۔ لہٰذا جناب امام حسن علیہ السلام اور جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے اُس خبیث کو معزول کیا اور اہل کوفہ کو امام حسنؑ نے حضرت علیؑ کا پیغام پہنچانے کے لئے تقریر فرمائی اور کہا کہ:

''اَے لوگو! امیرالمومنین فرماتے ہیں کہ میں نے جو اتنا طویل سفر کیا ہے تو اب وہ دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو اس میں میری حیثیت ایک ظالم کی ہوگی یا ایک مظلوم کی۔ میں ہر اس شخص کو جو حقوقِ خداوندی کا پاس کرتا ہے، اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ فوراً میری مدد کے لئے روانہ ہو جائے۔ کیوں کہ اگر میں مظلوم ہوں تو اُسے میری اعانت کرنی چاہیئے اور اگر میں ظالم ہوں تو مجھ سے مطالبہ کرنا چاہیئے۔ خدا کی قسم طلحہ وزبیر وہ اشخاص ہیں جنہوں نے سب سے اول میری بیعت کی تھی اور ان دونوں ہی نے سب سے پہلے غداری کی ہے۔ تو کیا میں مال قربان کر کے یا حکم تبدیل کر کے اُن کی خوشی پوری کر سکتا ہوں؟ تم سب لوگ فوراً یہاں سے کوچ کرو اور لوگوں کو بھلائی کا حکم دو۔ اور بُرائی سے روکو۔'' (طبری صفحہ 172)

قارئین طلحہ وزبیر وعائشہ اور اُن کے تمام طرفداروں اور ساتھیوں کو مستقل طور پر اللہ ورسوؐل اور اسلام کے غداروں میں لکھ لیں اور قریشی تاریخ ہو یا شیعہ علما کا کوئی بیان ان ملاعین کی طرفداری میں ہو سب کو رَد کر دیں۔ اِن دونوں، طلحہ وزبیر کو رسوؐل کے حواری لکھا جاتا ہے یہ دونوں کبھی نہ اسلام کے طرفدار و ہمدرد تھے نہ انہوں نے کوئی خدمت خلوص سے کی ہے اُنکے تمام اعمال روز اول سے قریشی منصوبے کو پروان چڑھانے کیلئے تھے۔ قرآن کی رُو سے صرف ابوبکر وعمر وعائشہ وغیرہ لیڈران قوم ہی نہیں بلکہ پوری قومِ قریش قرآن ورسوؐل اور خاندانِ رسوؐل اور اللہ کی دشمن تھی، ملعون تھی جہنمی تھے (25/30-31)۔ جو قریش کے کسی فرد کے لئے قرآن کی سند کے بغیر کوئی کلمۂ خیر کہتا ہے وہ بھی دشمنانِ خدا اور رسوؐل میں شمار ہے۔

(10) جنگ جمل میں کتنے دشمنانِ علیؑ جہنم واصل ہوئے تھے؟

''پہلی جنگ میں بصرہ والوں کے پانچ ہزار آدمی مارے گئے۔ اور اس کے بعد دوسری جنگ میں پانچ ہزار آدمی مارے گئے۔ اس طرح بصرہ (عائشہ) کے مقتولین کی تعداد دس ہزار تھی۔'' (طبری صفحہ 234)

کتاب روضۃ الصفا کی تحقیق کے مطابق سترہ ہزار (17000) عائشہ کے ملاعین واصل جہنم ہوئے تھے۔ اور تین ہزار حضرت علیؑ کے مجاہدین شہید

ہوئے تھے۔اورتاریخ گزیدہ نے عائشہ کے طرفدار سترہ سے بیس ہزار مقتول لکھے اور حضرت علیؑ کی طرف سے شہید ہونے والوں کی تعداد ایک ہزار لکھی ہے۔اور یہی صحیح تعداد ہے طبری اور دیگر تواریخ کی رُو سے عائشہ کی فوج تیس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی اور حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بیس ہزار مجاہد تھے۔

(11) حضرت علیؑ کی فوج کا میدانِ جنگِ جمل میں پہنچنے کا نظارہ بھی دیکھیں

حضرت علی علیہ السلام کی فوج کی آمد، سردارانِ فوج، فوج کی ترتیب ولباس پر علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ ”منذر بن جارود جہمی نے کہا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جس وقت مع اپنے لشکر کے بصرے کے قریب پہنچے اور میں فوج کی حالت دیکھنے کے لئے مناسب مقام پر ٹھہرا تو میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے ایک ہزار سواروں کا رسالہ پہنچا جس کے آگے آگے ایک مرد بزرگ، سفید گھوڑے پر سوار، سفید ٹوپی پہنے، شمشیر حمائل کئے ہوئے اور اپنے رسالہ کا پرچم سنبھالے ہوئے تھا۔اِن سب سواروں کی ٹوپیاں اکثر سفید اور زرد تھیں۔سب لوہے اور ہتھیاروں میں غرق تھے۔میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے صحابی ہیں اور یہ تمام سوار انصار مدینہ کے اوس وخزرج قبیلے سے تھے۔

اِس کے بعد ایک اور سوار زرد عمامہ اور سفید کپڑے پہنے ہوئے، تلوار گلے میں ڈالے، کمان کاندھے پر رکھے، پرچم ہاتھ میں لئے بڑے گھوڑے پر سوار ہزار سواروں کے ساتھ آیا۔میں نے پوچھا یہ کون ہے جواب ملا کہ خزیمہ بن ثابتؓ انصاری ذُوالشھادتین صحابی رسوؐل ہیں۔پھر ایک بزرگ کمیت گھوڑے پر سوار، زرد عمامہ پہنے، سفید قبا زیبِ تن کئے، چمکدار تلوار گلے میں ڈالے ہوئے اور کمان کاندھے پر رکھے ہوئے نیزہ ہاتھ میں لئے ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ آیا۔میں نے معلوم کیا تو وہ ابوقتادہ ربعیؓ ہیں۔پھر ایک سفید گھوڑے والا آیا جس کے سفید کپڑے اور کالا عمامہ تھا۔جسے انہوں نے آگے اور پیچھے سے خوب پیچدار طریقے سے باندھا تھا۔نہایت تحمل اور وقار کے ساتھ قرآن پڑھتا ہوا، اُسی طرح تلوار گلے میں ڈالے، کمان دوش پر رکھے، ہاتھ میں سفید پھریرے والا نیزہ لئے ہزار آدمیوں کے ساتھ، جن کی ٹوپیاں مختلف رنگوں کی تھیں، اور اُن کے گرد بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے اور جوان بھی تھے آیا اُن کی درستی اور سکوت ایسا تھا گویا گنتی کے لئے چپ کھڑے ہوئے ہیں۔اُن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشانات نمایاں تھے۔بتایا گیا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور مہاجر وانصار اور اُن کی اولاد کے لوگ ہیں۔پھر ایک اور شخص ایک بڑے گھوڑے پر سوار، سفید کپڑے اور سفید ٹوپی پر عمامہ باندھے جو زرد رنگ کا تھا، کمان کاندھے پر رکھے تلوار ہیکل کئے ہوئے آیا اس کے پیر زمین پر لگتے جارہے تھے۔اس کے ہاتھ میں نیزہ بھی تھا۔اس کے ساتھ ایک ہزار آدمی سفید وزرد ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔معلوم ہوا کہ وہ جناب قیس بن سعد بن عبادہ انصاری ہیں جو انصار کو ساتھ لئے ہوئے تھے۔پھر ایک اور بزرگ تیز رفتار گھوڑے پر سوار، ہم نے اتنا خوبصورت شخص نہ دیکھا تھا، سفید لباس پر بہت خوبصورت سیاہ عمامہ باندھے ہوئے نیزہ ہاتھ میں لئے پہنچا۔بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن عباس اپنی اولاد اور دوستوں اور اصحاب رسوؐل کے ساتھ ہیں۔بعدازاں ایک اور رسالہ آیا جس کا رسالہ دار پہلے رسالہ دار کا ہم شکل تھا۔معلوم ہوا کہ وہ عبیداللہ بن عباس ہیں۔پھر ایک اور رسالہ آیا اس کا افسر بھی پہلے افسروں سے مشابہ تھا۔معلوم ہوا کہ وہ قثم بن عباس ہیں۔پھر اور لشکر اور نیزہ دار آگے پیچھے آتے گئے اور انبوہ کثیر ہوگیا۔

پھر ایک اور لشکر آیا جس میں ایک خلقت ہتھیار بند لوہے میں ڈوبی ہوئی طرح طرح کے نیزہ بردار سب کے آگے آگے ایک سوار بڑا پرچم لئے، نظر نیچی کئے، نہایت قوی بازو، اس طرح چل رہا تھا کہ گویا اُس کی گردن پر کوئی نازک چیز رکھی ہوئی ہے جس کے گر جانے کا اندیشہ دل

میں لئے ہوئے ہو۔ اُسکے دہنے بائیں دو حسین جوان تھے۔ معلوم ہوا کہ وہی امیر المومنین علیؑ ہیں اور دہنے بائیں حسنینؑ ہیں۔ اور آگے آگے نیزہ بردار محمد حنیفہ ہیں اُنکے پیچھے عبداللہ بن جعفر اور سب اولادِ عقیل اور جوانان ہاشمی ہیں۔ اور یہ ضعیف العمر حضرات جنگ بدر والے مہاجرؓ وانصارؓ ہیں۔''

اعثم کوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ سواران میمنہ پر عمار یاسرؓ میسرہ پر سعید بن قیس ہمدانی، قلب پر محمد بن ابی بکر، جناح پر زیاد ابن کعب، پیادگانِ میمنہ پر شریح ابن ہانی، پیادگان میسرہ پر رفاعہ ابن شداد البجلی، پیادگانِ قلب پر عدی بن حاتم طائی، پیادگانِ جناح پر حجر بن عدی الکندی، سوارانِ کمین پر عمرو بن حمق خزاعی، پیادگانِ کمین پر جندب بن زہیر الاسدی۔ اُن کے علاوہ سردارانِ قبیلہ کو اپنے اپنے قبیلے پر افسر مقرر کیا اور حکم دیا کہ ماتحت افسروں کی آواز پر کان لگائے رکھیں۔

(12) قرآن پیش کرتے ہوئے شہید ہونے والے مجاہد کا نام مسلمؓ بن عبداللہ تھا

جو روایات ہم نے اُس مجاہد کے سلسلے میں لکھی ہیں اُن میں اُس مجاہد کا نام نہیں تھا لہٰذا طبری کے فارسی ترجمے سے پھر اُس شہید کا واقعہ لکھا جاتا ہے تاکہ بیان الامامۃ میں اس کا نام زندہ رہتا اور آگے بڑھتا چلا جائے جس نے کربلا کے مجاہدینؑ کے مدارج حاصل کئے تھے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے اتمامِ حجت کرتے ہوئے قرآن کریم ہاتھ میں لیا اور اپنی فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں سے کون ہے جو اس قرآن کو دشمنوں میں لے کر جائے اور انہیں قرآن کے اوامر و نواہی یاد دِلائے؟ یہ سن کر بنو مجاشع کا ایک نوجوان مسلمؓ بن عبداللہ صف سے باہر نکلا اور مخلصانہ جوش میں عرض کیا کہ یا امیر المومنینؑ میں یہ خدمت انجام دوں گا۔ آپؑ نے فرمایا کہ اَے مسلمؓ اگر تم جاؤ گے تو تمہارے ہاتھ کاٹے جائیں گے اور تم شہید ہو گے۔ مسلمؓ نے کچھ پرواہ نہ کی اور کہا کہ مجھے راہ خدا میں سب کچھ منظور ہے۔ الغرض مسلمؓ قرآن ہاتھ میں لے کر مخالف فوج میں آیا اور انہیں یوں مخاطب کیا ''اے لوگو امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ نے جو رسوؐل اللہ کے ابن عم اور داماد ہیں میرے ہاتھ یہ قرآن بھیجا ہے اور خود کو معذور کیا ہے۔ اور پیغام دیا ہے کہ میں حکم خدا پر عمل کرتا ہوں۔ تم میری مخالفت نہ کرو خدا سے ڈرو اور جو اس قرآن میں لکھا ہے اس پر عمل کرو۔ یہ سن کر طلحہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے اور یہ ابن ابی طالبؑ کا مکر و غدر ہے۔ اور طلحہ نے اُس کے ہاتھ کاٹے اور شہید کر دیا دوسری روایت میں طلحہ نے عائشہ کے غلام کو حکم دیا اُس نے دہنا ہاتھ کاٹ دیا تو نوجوان نے قرآن بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ پھر بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا تو اس نے اوپر کے بازوؤں سے قرآن کو سینے سے چمٹا لیا۔ آخر ان ظالموں نے اس کے سینے میں تلوار مار کر اُسے شہید کر دیا۔ اب حضرت علی علیہ السلام نے جنگ کا حکم دیا اور اُن کی فوج نے دشمن کی فوج کو ڈھیر کر کے رکھ دیا۔

(13) عائشہ کس طرح رسوؐل کے گھر میں بیٹھنے پر رضا مند ہوئی؟ طلاق کی دھمکی اور رسوائی؟

جنگ جمل فتح ہونے کے بعد عائشہ کو مع اس کے زندہ بچنے والے فوجیوں کے امان دے دی گئی اور عائشہ حضوؐر کی اجازت سے رئیس بصرہ عبداللہ بن خلف کے محل میں وہیں مقیم ہوگئی جہاں بیٹھ کر اُس نے جنگ جمل کی تیاری کی تھی۔ بڑے بڑے زخمی سرداروں کا اسی محل میں مرہم پٹی اور معالجہ ہو رہا تھا اور وہ سب عائشہ کی زیرِ سرپرستی تھے۔ چند روز بعد حضرت علی علیہ السلام نے چاہا کہ عائشہ واپس مدینہ جائے اور رسوؐل اللہ کے گھر میں چین سے بیٹھے۔ چنانچہ آپؑ نے عبداللہ بن عباس کے ہاتھ پیغام بھیجا اور عائشہ واپس جانے پر آمادہ نہ ہوئی تھی۔

(14) عبداللہ بن عباس اور عائشہ کی ملاقات اور بحث و ردّ و کدّ

عبداللہ بن عباس عبداللہ بن خلف کے محل پر پہنچے اور عائشہ سے ملنے کی اجازت منگائی۔ عائشہ نے ملنے سے انکار کر دیا اور اندر جانے کی

اجازت ہی نہ دی۔ عبداللہ بن عباس بلا اجازت جبراً اندر جا کر ملے اور ایک مسند پر بیٹھ گئے۔ عائشہ نے کہا کہ اے ابن عباس تم رسولؐ کی سنت کے خلاف بلا اجازت گھر میں گھس آئے۔ اور میری اجازت کے بغیر ہی مسند پر بیٹھ گئے۔ ابن عباس نے کہا کہ اگر تم اپنے گھر میں ہوتیں جہاں رسولؐ اللہ تم کو چھوڑ گئے تھے اور حکم دیا تھا کہ اُس سے باہر نہ نکلنا تو ہرگز میں بلا اِجازت اندر نہ آتا۔ وہ ایسی جگہ تھی جہاں رہنے کا تم کو خدا نے بھی حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ: وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی (احزاب 33/33) اور اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور قدیم ایامِ جاہلیت کے زمانہ کی مانند اپنی نمائش حسن و جمال کرتی نہ پھرا کرو۔

جب تم نے خلاف حکم خدا اور رسولؐ عمل کیا ہے تو میرے خلاف سنت عمل پر تمہیں اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ (مروج الذہب اور اعثم کوفی)

پھر عبداللہ بن عباس نے کہا کہ حضرت علیؑ کا حکم ہے کہ اب تم یہاں نہ ٹھہرو اور مدینہ جا کر رسولؐ کے گھر میں رہو۔ عائشہ نے کہا کہ امیر المومنین تو عمر بن خطاب تھے۔ ابن عباس نے کہا کہ وہ اپنے زمانہ کے حکمران تھے میں اس وقت کے حکمران امیر المومنین کا پیغام دے رہا ہوں۔ گو اُن کے حکمران ہونے پر بعض لوگوں کو وحشت و بے تابی ہوتی ہے۔ عائشہ اور ابن عباس میں ایسی تکلیف دہ گفتگو ہوئی کہ عائشہ رونے لگی اور کہا کہ ہاں میں تمہارے دیار سے کوچ کروں گی اور ایسی جگہ جاؤں گی جہاں بنی ہاشم نہ ہوں گے۔ عبداللہ بن عباس نے کہا کہ وہ بنی ہاشم ہی ہیں جنہوں نے تمہیں اُم المومنین بنا دیا ہے ورنہ تم وہی ایک عورت ہو جو اُم رومان کی بیٹی تھی۔ اسی قسم کی ردوبدل دونوں میں ہوتی رہی مگر عائشہ مدینہ جانے کے لئے رضامند نہ ہوئی۔ ابن عباس نے واپس آ کر تمام ماجرا حضرت علی علیہ السلام سے عرض کر دیا۔ (روضۃ الاحباب، روضۃ الصفا، اعثم کوفی)

(15) امام حسنؑ کی زبانی طلاق والا پیغام

حضرتؑ نے بذاتِ خود جا کر عائشہ کو سمجھایا مگر وہ ٹال مٹول کرتی رہی آخر آپؑ نے امام حسن علیہ السلام کی زبانی دوسرے دن یہ پیغام بھیجا کہ ''اَے عائشہ آج ہی تم مدینہ روانہ ہو جاؤ ورنہ قسم بخدا اب کی مرتبہ تمہیں حکم بھجواؤں گا جس کو تم خوب اچھی طرح جانتی ہو۔ راوی بتاتا ہے کہ جب امام حسنؑ نے یہ پیغام دیا تو عائشہ اس وقت کنگھی کر رہی تھی۔ اور داہنی طرف کر چکی تھی۔ بائیں طرف کنگھی کرنا باقی تھی۔ امام حسنؑ سے یہ الفاظ سنتے ہی کھڑی ہوگئی اور سفر کی تیاری کرنے لگی۔ اور کہا کہ اب مجھے واپسی کے سوا چارہ نہیں۔ اور اُس کے چہرے پر شدید اضطراب نمایاں تھا۔ بصرہ کی ایک رئیس عورت نے کہا کہ عبداللہ بن عباس نے تمہیں پیغام دیا۔ خود علیؑ نے تمہیں سمجھایا تو تم تیار نہ ہوئی اب اس جوان نے کیا کہہ دیا کہ تم فوراً بدحواس اور آمادہ ہوگئی؟ عائشہ نے بتایا کہ رسولؐ کے پاس علیؑ کچھ مالِ غنیمت لائے تھے اور رسولؐ اللہ اس مال کو اپنے صحابہ میں تقسیم کر رہے تھے۔ ہم بھی اپنا حصہ مانگنے میں رسولؐ اللہ سے جھگڑا کر رہی تھیں۔ علیؑ نے ہم (ازواج رسولؐ) کو ڈانٹ کر منع کیا کہ تم حضورؐ سے جھگڑا کر کے انہیں رنجیدہ نہ کرو۔ ہم نے بھی علیؑ کو کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا۔ اس پر علیؑ نے یہ آیت پڑھی: عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَکُنَّ اَنۡ یُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡکُنَّ ...... (تحریم 66/5) یعنی قریب ہے کہ رسولؐ کا پروردگار تمہیں طلاق دے دے تاکہ تم سے بہتر بیویاں تمہارے بدلے میں اُسے عطا کر دے۔

اس پر ہم بھی سختی اور زیادتی میں آگے بڑھ گئیں۔ رسولؐ اللہ ہماری سختی اور درشت گفتاری سے بہت خفا ہوئے اور علیؑ کی طرف دیکھ کر کہا کہ اَے علیؑ ان کو طلاق دینے کا اختیار میں نے تمہیں دے دیا میں نے اس معاملہ میں تمہیں اپنا وکیل بنا لیا ہے کہ ان میں سے تم جس کو طلاق دے دو وہ میری زوجیت سے خارج ہو جائے گی۔ اور کچھ فرق حیات و ممات میں نہیں کیا۔ یعنی اختیار دیا کہ میری وفات کے بعد بھی اَے علیؑ تم میری جس بیوی کو چاہو میری زوجیت سے خارج کر سکتے ہو۔ اب اس جوان کی زبانی علیؑ نے وہی بات یاد دِلائی ہے۔ اب مجھے پورا اندیشہ ہے کہ کہیں علیؑ کی زبان

سے ایسا لفظ نہ نکل جائے جس کا تدارک ناممکن ہو جائے۔ (روضۃ الاحباب، حبیب السیئر ،تاریخ اعثم کوفی اور مناقب مرتضوی)

(16) یہاں تک دو تین باتیں قابل غور ہیں

پہلی بات یہ نوٹ کر لیں کہ حضرت علیؑ نے تینوں روایات میں مسلم بن عبداللہ کو یہ اطلاع دی تھی کہ تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یعنی اُدھر تو حضرت علی علیہ السلام کو اُس کی موت کا علم تھا اور ادھر وہ جانتے تھے کہ اُن کے مخالف ملاعین قرآن کے فیصلے کو تسلیم نہ کریں گے۔ دوسری بات یہ کہ عائشہ کا بنی ہاشم سے دُور رہنے کا اعلان بتاتا ہے کہ وہ مدینہ میں سکونت نہ چاہتی تھی بلکہ اس کے دل میں دمشق اور معاویہ رَچا بسا ہوا تھا۔ اور تیسری بات یہ کہ طلاق کا اختیار آنحضرتؐ نے اللہ سے لے کر اپنے مجازی رب کو دے دیا تھا۔ اس لئے کہ امامؑ زمانہ اپنے زمانہ کی ساری کائنات کا رب ہوتا ہے (کافی) اور علیؑ مستقبل قریب میں اپنی ربوبیت کے اختیارات عملاً سنبھالنے والے تھے۔

(17) عائشہ کی آخری چال۔ اُس نے مرتے دم تک علیؑ و اولادِ علیؑ سے دشمنی جاری رکھی

اب آپ اُن تمام قصوں افسانوں، روایات اور خود ہمارے اُن بیانات سے مایوس ہو جائیں جن سے آپ کو یہ محسوس ہو کہ عائشہ نے آخری وقت میں علیؑ و خاندانِ علیؑ سے دشمنی چھوڑ دی تھی۔ علامہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ:

''روانگی کے وقت عائشہ نے جناب امیرؑ سے کہا کہ ''معاویہ تم پر خروج کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور ملک شام کے کمینے اور رذیل لوگ اُس کے پاس جمع ہیں۔ تمہیں اس کی بغاوت فرو کرنے کے لئے جانا ہو گا۔ تم مجھے اپنے ساتھ لے چلنا۔ مجھ کو دیکھ کر اُدھر کے لوگ تم سے آملیں گے۔'' جناب امیرؑ نے فرمایا کہ ''میں ایسا کیونکر کر سکتا ہوں کہ طلحہ اور زبیر کی طرح حرمِ رسولؐ کو جا بجا لئے پھروں اور حرمت رسولؐ کی نگہداشت نہ کروں۔ تم کو مدینہ ہی چلا جانا مناسب ہے۔

عائشہ کی اس چال میں حضرت علی علیہ السلام کیسے آسکتے تھے وہ تو عائشہ کی قلبی حالت پر مطلع رہتے تھے۔ بہرحال عائشہ کسی طرح دمشق جانے اور معاویہ کے لئے کام کرنا چاہتی تھی اور کیسا اچھا ہوتا کہ خود علیؑ ہی اس کو لے جاتے تو پہلے نمبر پر عائشہ، طلحہ اور زبیر سے اُسے گھر سے نکالنے کا جرم ختم ہو جاتا اور پھر عین میدانِ جنگ میں معاویہ کی طرفداری کا اعلان کر کے حضرت علیؑ کو شکست سے دوچار کرنے میں کامیاب ہو جاتی۔

(18) عائشہ علیؑ سے رخصت ہو کر چلی تو مدینہ کی راہ میں لوگوں کو علیؑ کا مخالف بناتی چلی گئی

اُدھر بصرے سے مکے تک اور مکے سے مدینہ تک عائشہ نے مسلمانوں میں از سرِ نو علیؑ کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی اور انہیں علیؑ کی مخالفت کی ترغیب دی۔ اور مدینہ پہنچ کر معاویہ کو بھی علیؑ کی مخالفت میں خط لکھا۔ اور اسود بن بختری کے ہاتھ شام روانہ کیا۔ یعنی جنگ صفین میں بھی عائشہ کا خفیہ ہاتھ تھا۔

(19) عبداللہ بن سبا یا ابن السودا کے من گھڑت قصے کا مذاق اور شیعوں کے دشمنوں کا منہ بند۔ ڈاکٹر طہٰ حسین

یہاں تک جنگ جمل اور عائشہ کے محاذ کا تانا بانا واضح ہو گیا ہے۔ آخر میں ایک دفعہ پھر یہ دیکھ لیں کہ عبداللہ بن سبا کا قصہ دوستدارانِ علیؑ کو بدنام کرنے اور عثمان و عائشہ و طلحہ و زبیر کی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے گھڑا گیا تھا۔ چنانچہ ہم ڈاکٹر طہٰ حسین کا بیان اُن کی کتاب الفتنۃ الکبریٰ (صفحہ 282 تا 285) سے پیش کر چکے ہیں اب اُن کی کتاب ''علیؑ'' سے اُن کا ایک بیان دکھاتے ہیں جس سے آخری مرتبہ جہاں عبداللہ بن سبا کا ایک خانہ ساز ناول ہونا ثابت ہو جائے گا وہیں یہ معلوم ہو گا کہ عائشہ و طلحہ اور زبیر اپنی چالاکیوں اور مکاریوں سے حضرت علی علیہ السلام کی

صلح جوئی اور امن پسندی کو رائیگاں کرتے رہے اور علیؑ کو تلوار اُٹھانے پر مجبور کر کے جنگ جمل برپا کرائی تھی۔ اگر یہ ملاعین ایسا نہ کرتے تو تمام عوام اُن کو بے یار و مددگار چھوڑ کر حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ہو جاتے۔ قصہ سُنیئے:

عبداللہ بن سبا شیعوں کی دشمنی میں گھڑا گیا ہے

''اس موقع پر شیعوں کے بعض غالی مخالف ایک روایت بیان کرتے ہیں جو میرے خیال میں ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ حالات کے طبعی تقاضوں کے خلاف ہے۔ اور ایسی باتیں سادہ لوح ہی کیا کرتے ہیں۔ یا پھر وہ تصنع سے کام لینے والے جو تاریخ کی تصویر سے کہیں زیادہ اپنی تمناؤں کی تصویریں کھینچا کرتے ہیں۔ اُن غلو کرنے والوں کا خیال ہے کہ جن لوگوں سے حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کا جرم عظیم سرزد ہوا وہ مصالحت کی بات سُن کر گھبرا گئے اور ڈرے کہ کہیں وہ اس صلح کی قیمت نہ قرار پائیں۔ چنانچہ رات اپنی مجلس میں جمع ہوئے اور اپنے اپنے خیالات پیش کرنے لگے، ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ تم نے سیرت کی کتابوں میں دارالندوہ میں قریش کا اجتماع پڑھا ہوگا۔ جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی گئی اور جس میں ابلیس، ایک بوڑھے نجدی کی صورت میں آیا اور حاضرین کی راہنمائی کی۔ اس قصے میں جماعت کا ابلیس آخر میں مسلمان ہونے والا وہ یہودی ہے جو مسلمانوں کا دین و دنیا خراب کرنے کے لئے شہروں کا گشت لگاتا رہا۔ جس نے حضرت عثمان کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکایا، جس کا نام عبداللہ بن سبا ہے جو ابن السودا کی کنیت سے مشہور ہے۔

تبادلہ خیالات کا آغاز ہوا اور مشورے پیش ہونے لگے، جو کچھ پیش کیا جاتا جماعت کا ابلیس اس کو جہل اور بے وقوفی بنا کر رد کر دیتا۔ تا آنکہ آخر میں ایک رائے پیش ہوئی جسے ابن سودا نے پسند کیا۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابوجہل کی رائے ابلیس نے پسند کی تھی۔ وہ رائے یہ تھی۔ پوری طرح اپنی تیاری کرلو۔ اور چپ چاپ رہو۔ جب فریقین اکٹھا ہوں۔ حضرت علیؑ کی بے خبری میں جنگ چھیڑ دو۔ اس طرح صلح کی راہ میں رکاوٹ بن جاؤ۔

قصہ آگے بڑھتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ قوم نے اپنے پروگرام کے مطابق عمل کیا اور جیسے ہی حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت علیؑ نے صلح کی کارروائی کرنی چاہی اُن لوگوں نے جنگ چھیڑ دی، اس قصے کی تردید میں کسی زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں اسلئے کہ اس میں کھلا ہوا تصنع ہے۔ حضرت علیؑ اور اُن کے ساتھی اتنے غافل نہیں تھے کہ اُن ہی کے پڑاؤ میں غداری کی سازش کی جارہی ہو، سازش کرنے والے خود اُن ہی کے افسروں میں سے ہوں اور انہیں خبر تک نہ ہو۔ اس سلسلے میں اعتدال پسند مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ طبعی تقاضوں کے مناسب ہے۔ کہ قوم بصرہ کے قریب جمع ہوئی، فریقین میں بحث و مباحثہ ہوا جس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا پھر جو کچھ ہونا تھا ہو کر رہا۔'' (ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب ''علی'' صفحہ 73 تا 75)

اس کے بعد اُمید ہے کہ بیان الامامت کے قاری اُن حالات اور طبعی صورتوں کو سامنے رکھیں گے جو طلحہ، زبیر اور عائشہ کو درپیش تھیں۔ پھر یہ دیکھیں گے کہ اُن کی طبعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے طبعی تقاضے کیا تھے؟ اور یہ کہ اُن کے تمام اقدامات اُن کی ضرورتوں اور طبعی تقاضوں کے مطابق تھے یا نہیں؟ وہ صلح کرنا چاہتے تو مسلم بن عبداللہ کو قرآن سمیت قتل نہ کر ڈالتے وہاں تو عبداللہ بن سبا اُسے قتل کرنے کو نہیں آیا؟ وہاں تو طلحہ مجرم تھا۔

(20) خطبے کے الفاظ کی موجودگی میں عائشہ وطلحہ وزبیر وغیرہم کی نجات کی فکر و عذرات بے معنی ولا حاصل ہیں

قرآن اور نہج البلاغہ جب تک دُنیا میں موجود ہیں قریش کے لئے خود کو دیندار ثابت کرنا ممکن نہیں ہوسکتا۔ اللہ اور علیؑ کے الفاظ سے اُنہیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اللہ قریش کے لئے فرماتا ہے کہ: وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿ (انعام 6/66)

''اے نبیؐ تیری قوم نے اس قرآن کو جھٹلا دیا ہے اور وہ مکمل حق ہے اُن سے کہہ دو کہ میں تمہارے معاملہ پر تمہاری وکالت کرنے والا نہیں ہوں۔''

سوچیے اِس اکیلی آیت کے بعد قریشی علما کے پاس کون سا ایسا عذر رہ جاتا ہے جو اُنہیں قرآن پر عمل اور اُس کی تصدیق کرنے والا ثابت کر سکے اور اُس عذر کو قرآن کی حمایت بھی حاصل ہو اور اُن کا رسوؐل اللہ سے دینی تعلق بھی ثابت کر دے؟ یعنی وہ اس آیت کے بعد رسوؐل کے مومن ساتھیوں میں شمار ہو سکیں؟

اِدھر حضرت علیؑ نے جنگ جمل کے اپنے تمام مخالفوں کو بلا کسی استثنا کے ایک سرکش اور ناقص العقل عورت اور بے عقل چوپائے جانور کے مطیع اور پیرو و پرستار قرار دیا ہے۔ پھر نفاق کو اُن کا دین بتایا ہے۔ بدعہدی اور غداری کو اُن کا اخلاق فرمایا ہے۔

اَب سوچیے کہ کیا طلحہ یا زبیر یا عائشہ یا کوئی اور شخص سلیم العقل قرار پا سکتا ہے؟ اُن میں کسی کا دینِ اسلام سے تعلق ثابت کیا جا سکتا ہے؟ کیا اُن میں سے کسی کو وفا شعار و نیک کردار کہا جا سکتا ہے؟ کیا اُن سب کے غیر مسلم و منافق ہونے میں کوئی شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے؟ خواہ یہ بات سچ ہی کیوں نہ ہو کہ زبیر یا کوئی اور جنگ جمل سے الگ ہو کر چلا گیا تھا یا یہ کہ عائشہ ساری عمر روتی اور پچھتاتی رہی۔ اس لئے کہ یہ خطبہ جنگ جمل فتح کر لینے کے بعد دیا گیا اور اس میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ وہ سب مجرم تھے، غدار تھے، جھوٹے اور مکار تھے۔ ورنہ زبیر کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس آنا اور معافی مانگنا چاہیے تھا۔ یا دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر اعلانِ حق کر کے عائشہ کے لشکر پر حملہ کرنا چاہیے تھا۔ تب وہ قابل معافی ہوتا۔

قارئین غور کریں کہ جنگ جمل برپا کرنے والے محاذ کے تفصیلی حالات دکھانے کے لئے ہم نے جو بتیس (32) آیات پیش کی تھیں۔ اُن میں ابوبکر و عمر و عائشہ وغیرہ کی طرفداری اور وکالت کرنے والوں سے یہ کہا گیا ہے کہ:

هٰٓاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فَمَنۡ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ يَّكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا O (نساء 4/109) ''ہاں ہاں! تم لوگ وہی تو ہو جنہوں نے اُن مجرموں (ابوبکر و عمر و عائشہ اینڈ کمپنی) کی طرفداری میں جھگڑے کی حد تک بحث و مناظرہ جاری رکھا ہے۔ دُنیا کی زندگی ختم ہو جانے کے بعد قیامت میں بتاؤ اُن کی طرفداری میں کون اُن کی طرف سے مباحثہ کرے گا اور کون وہاں اُن کی طرف سے عذرات پیش کر کے اُن کی وکالت کرے گا؟ یہ کتنی صحیح تصویر ہے قریشی علما اور مناظرین کی اور کتنے عمدہ معنی ہیں مجادلہ اور وکیل کے؟

(21) بصرہ شہر آفت زدہ اور سمندری طوفان کی زد میں رہتے چلے آنے والا تھا

خطبہ کے آخر میں بصرہ کے غرقاب ہونے کی پیشگوئی فرما کر اُس کے ڈوبنے کے بعد کا وہ نظارہ پیش کیا ہے جو آپؐ قبل از وقت دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ قدیم تواریخ سے بصرہ کا آفت زدہ شہر ہونا ثابت ہے اور اس پیشگوئی کے بعد بھی دو مرتبہ یہ شہر غرقاب ہوا۔ ایک مرتبہ قادر باللہ خلیفہ عباسی کے عہد (381-422ھ) میں اور دوسری دفعہ قائم بامراللہ کے زمانے (422-460ھ) میں اور غرقابی کا وہی نظارہ سامنے تھا کہ مسجد کے میناروں کے علاوہ کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔

(22) اسی عورت کی قیادت میں تمام لوگوں کے نامراد رہنے کی پیشگوئی تھی

حدیثِ رسوؐل کی تصدیق جنگ جمل میں ہو گئی کہ عورت کی قیادت اختیار کرنے والے لوگ ناکام و نامراد رہا کرتے ہیں۔ لہٰذا حضرت علیؑ کے بیس ہزار لشکریوں میں ایک ہزار ستر (1070) یا صرف پانچ سو مجاہد شہید ہوئے اور عائشہ کے تیس ہزار ملاعین میں سے سترہ ہزار (17000) یا بیس ہزار واصل جہنم ہوئے تھے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 14

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر:14

خُطبہ ﴿14﴾

بصرے کا جائے وقوع سطحِ سمندر سے نیچے تھا۔ اس لئے سمندری طوفان کے پانی کی زد میں فرمایا تھا اور سطحِ مرتفع کی بہ نسبت آسمان سے دُور فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَرۡضُکُمۡ قَرِیۡبَۃٌ مِّنَ الۡمَآءِ؛	1	تمہاری زمین سمندری پانی سے قریب تر ہے۔
بَعِیۡدَۃٌ مِّنَ السَّمَآءِ؛	2	آسمان سے نسبتاً دور تر ہے۔
خَفَّتۡ عُقُوۡلُکُمۡ وَ سَفِهَتۡ حُلُوۡمُکُمۡ؛	3	تمہاری عقلیں بہت حقیر ہیں۔ اور تمہاری دانائیاں بے وقوفیوں میں لپٹی ہوئی ہیں۔
فَاَنۡتُمۡ غَرَضٌ لِنَابِلٍ؛	4	تم ہر ناوک کا نشانہ ہو۔
وَ اُکۡلَۃٌ لِاٰکِلٍ؛	5	اور ہر کھانے والے کے لئے لقمہ بننے والے ہو۔
وَ فَرِیۡسَۃٌ لِصَائِلٍ؛	6	اور ہر شکاری کے ہاتھ پڑ جانے والے شکار ہو۔

تشریحات: 1۔ عائشہ اور دیگر نمائندگانِ قریش کی مذمت میں بصرہ والوں نے اضافہ کر دیا

حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بصرہ اور اہلِ بصرہ کی مذمت میں قریش اور قریشی نمائندوں، عائشہ وطلحہ وزبیر کو بھی مشترک رکھا ہے۔ خطبہ نمبر 13 میں فرمایا تھا کہ: ''تمہارے درمیان قیام کرنے والا ہر شخص اپنے بُرے متعلقات کے بدلے میں رہن ہو کر رہ جاتا ہے۔ (خطبہ 13 جملہ 9) مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ بصرہ میں آکر قیام کرنے والے خواہ مدینہ سے آنے والے مسلمان تھے یا کوفہ اور مکہ وغیرہ کے باشندے تھے وہ سب یہاں آکر اپنی تصوراتی برائیوں اور خلافِ اسلام اسکیموں میں ایسے اُلجھے کہ اب اُن کی شامت عملاً اُن کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی جس سے کسی طرح چھٹکارہ ممکن نہ تھا۔ اور اُن سے وہ حماقتیں سرزد ہو کر رہیں جو بصرہ کی سرزمین سے وابستہ تھیں۔ یعنی بصرہ والوں کے ساتھ اُن کی عقل ودانائی بھی رخصت ہوگئی۔ بصرہ کی آب وہوا اور غذا کھا کر اُن کے نزدیک اچھا اور بُرا، نیک اور بد، حرام وحلال اور حق وباطل سب یکساں ہو گیا۔ اور اُنہوں نے حقیقی علما اور راہنماؤں کی اتباع اور پیروی کے بجائے ایک باغی اور ناقص العقل عورت اور ایک بے عقل چوپائے اونٹ کی پیروی اور پرستش اختیار کر لی (خطبہ 13 جملے 1 تا 3) یعنی بصرے کی سرزمین اور باشندوں کے لئے جو حماقتیں مشہور چلی آتی تھیں اُنہیں عملاً ثابت کر دیا۔ یہاں تک کہ جو لوگ لیڈرانِ قوم اور دانشورانِ قریش مانے جاتے تھے۔ انہوں نے قرآن اور صاحبِ قرآن علیہ السلام کے مقابلے میں جانور نما شیطان اور شیطان کی مرید عورت کو اپنا ہادی اور راہنما بنا لیا۔ اور اپنے انسانی اختیارات انہیں سونپ کر جہنم سستے داموں خرید لیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اُن کی احمقانہ ذہنیت کے لئے فرمایا ہے کہ:

''تمہاری عقلیں بہت گھٹیا ہیں اور تمہاری دانائیاں حماقتوں میں لپٹی ہوئی ہیں۔'' (خطبہ 14 جملہ 3)

مطلب یہ کہ تم کورے نادان و جاہل نہ تھے بلکہ بہت دانشمند تھے۔ مگر تمہاری ذاتی اغراض اور حکمرانی کے لالچ نے تمہیں عقل و بصیرت کے استعمال سے روک دیا اور تم طلحہ و زبیر کے جھانسے میں آ گئے اور تم ''ہر تیر انداز کے لئے تختۂ مشق بن جانے کے لئے تیار رہتے ہو (خطبہ 14 جملہ 4) اور جو بھی تمہیں مال دنیا کا سبز باغ دکھائے تم اُس کا نوالہ بن جاتے ہو (خطبہ 14 جملہ 5) اور شکاری کے ہاتھ آ جانے والے شکار بن جاتے ہو (خطبہ 14 جملہ 6) مطلب یہ ہے کہ اب تم میں کوئی بھی قابل اعتماد اور سنجیدہ شخص نہیں ہے۔ اور اس شہر کی نحوست کے لئے پہلے فرما چکے تھے کہ:

''شرارتوں اور فساد کے کل دس حصوں میں سے نو (9) حصے شر اور فساد بصرہ اور اہل بصرہ میں ہے۔'' (خطبہ 13 جملہ 18) بصرہ کی سطح زمین کو پہلے بھی آسمان سے دُور اور سمندری سطح سے قریب تر فرمایا (خطبہ 13 جملہ 17) یہاں بھی اسی حقیقت کو دوبارہ فرمایا ہے کہ:

''اَرْضُكُمْ قَرِيْبَةٌ مِّنَ الْمَآءِ، بَعِيْدَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ؛ تمہاری زمین سطح سمندر سے بہت قریب ہے اور آسمان سے دُور ہے۔'' (خطبہ 14 جملہ 2-1) اور سمندری طوفان آنے کا آسان اور مفت کا سبب بھی یہی قربت اور دُوری ہے۔ طوفانی ہواؤں کی ذرا سی انگیخت پر بصرہ کی غرقابی ہر وقت ممکن ہے یعنی یہاں سکونت اختیار کرنا بھی جہالت ہے اور اہل بصرہ جاہل ہیں۔

2۔ بصرہ کے متعلق متفرق باتیں

بصرہ کے سلسلے میں علامہ ابن انباری نے لکھا ہے کہ بصرہ کلام عرب میں اُس سخت زمین کو کہتے ہیں۔ جس کے سنگریزے چوپاؤں کے کُھروں کو زخمی اور شگافتہ کر دیں۔ اور یہاں کی زمین ایسی ہی ہے اس لئے بصرہ کہا گیا ہے۔ ابن اعرابی کے نزدیک بصرہ سخت سنگریزوں کو کہتے ہیں۔ مشرقی ابن قطامی نے لکھا ہے کہ جب مسلمان یہاں آئے اور دُور سے سفید سنگریزوں کو دیکھا جس سے زمین چمک رہی تھی تو کہا کہ هٰذَا اَرْضُ بَصَرَه یہ وہ زمین ہے جہاں سنگریزے بہت ہیں۔ لہٰذا بصرہ نام پڑ گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ سُرخ مٹی کو بصرہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بصرہ کی زمین کافی پتھریلی اور سخت ہے۔ شہر بصرہ سے کچھ دُور ایک مقام کو اُبُلّه کہا جاتا ہے اور حقیقتاً یہی وہ جگہ ہے جو زمین کی گولائی یا ڈھلوان (Curve) کی بنا پر زمین کا پست ترین مقام کہلاتا تھا۔ جس کی بنا پر اُسے (اَبْعَدُ مِنَ السَّمَآء) فرمایا ہے۔ بصرہ کو شہر کی صورت 14ھ میں دی گئی تھی۔ اور ابوبکرہ نے یہاں سب سے پہلے کھجور کے پودے لگائے تھے۔

3۔ علامہ شبلی اور عمر اور بصرہ شہر:

خلیفہ دوم عمر بن الخطاب نے جب اسلام کو مارشل ازم میں تبدیل کر دیا اور سورہ بقرہ کی پیشگوئی (2/205) کے مطابق دنیا کو فتنہ و فساد، لوٹ مار اور قتل و غارت سے قابو میں کر لیا تو اپنی قائم کردہ تنخواہ دار افواج (Standing Army) کے لئے چھاؤنیاں قائم کرنے کے لئے موزوں مقامات کا انتخاب کیا تو بصرہ کا علاقہ بھی منتخب ہوا۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:

''اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمر نے 14ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ ایلہ کے قریب جہاں بحر فارس کے خلیج کے ذریعہ سے ہندوستان اور فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے، ایک شہر بسائیں۔ زمین کا موقع اور منظر خود عمر نے بتا دیا تھا۔ عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور حزیبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں پہلے کفِ دست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان تھا۔ عرب کے مزاج کے بالکل موافق تھی غرض عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھانس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف

کومقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اُتارنا مناسب ہو اُتاریں...... بصرہ سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اس لئے عمر نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اس کا حال کسی تفصیل سے پبلک ورکس کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان (یعنی حرامزادہ زیاد بن سمیہ) کے زمانۂ حکومت تک اُن لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے اَسی (80) ہزار اور اُن کی آل اولاد ایک لاکھ بیس ہزار تھی یہاں کی خاک کو علم وفضل سے جو مناسبت تھی اُس کا اندازہ اِس سے کرنا چاہیئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی۔ دُنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ آئمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 37-38)

<u>بصرہ کی وجہ تسمیہ</u>: ''عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی جگہ کو کہتے ہیں۔ اور یہاں اسی قسم کی زمین تھی۔ لیکن معجم البلدان میں ایک مجوسی فاضل کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ اُس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ ''بس راہ'' تھا۔ جس کے معنی فارسی میں ''بہت سے راستوں'' کے ہیں۔ چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں۔ اس لئے اہل عجم اِس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اس کے آس پاس شاہان عرب نے جو عمارتیں تعمیر کرائی تھیں اُن کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے۔ مثلاً ''خُورنق'' جو دراصل ''خورنگا'' ہے اور ''سُدَیر'' جو دراصل ''سہ در'' ہے۔'' (صفحہ 38 الفاروق حصہ دوم)

<u>4۔ بصرہ کے علم وفضل اور اس سرزمین کی سرعتِ تاثیر قابل داد ہے</u>

معجم البلدان (شہروں کے حالات پر کتاب ہے) نے صفحہ 191 پر علامہ بلاذری سے یہ لکھا ہے کہ:

''ذَکَرَ الْبَلاذری لَمَّا دَخَلَ المسلمون الْاَبَلَه وَجَدُوْا خُبْزَ الْحَوارِی فقالوا هٰذَا الَّذِیْ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اَنَّهٗ یَسْمَنُ فَلَمَّا اَکَلُوْا مِنْهُ جَعَلُوْا یَنْظُرُوْنَ اِلٰی سَواعِدَهُمْ وَ یَقُوْلُوْن مَا نَرٰی سَمْنًا''

(ترجمہ) ''بلاذری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ مسلمان ابلہ میں داخل ہوئے تو وہاں انہوں نے ایک قسم کی سفید روٹیاں دیکھیں اور کہنے لگے کہ وہی سفید روٹیاں ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ موٹا کر دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ روٹیاں کھا چکے تو فوراً اپنے دست وبازو دیکھنے لگے اور کہا کہ ہم تو کہیں بھی موٹاپے کا نشان نہیں پاتے۔''

یہ تھا بصرہ کی سرزمین کا فوری اثر کہ باہر سے آنے والے مسلمان وہاں آکر اور روٹیاں کھا کر فوراً احمقانہ امیدیں اور باتیں کرنے لگے۔ اُدھر روٹی پیٹ میں پہنچی اور اِدھر موٹاپے کی امید ٹوٹی۔ یقیناً یہاں کے باشندے اور اُن کی اولاد شکار پور کے رہنے والوں سے زیادہ علم وفضل رکھتی ہوگی۔ اور اُن کی بدقسمتی کہ اس زمین کا نام ہی ''اَبلہ'' یعنی احمق تھا۔ لہٰذا شبلی اینڈ کمپنی ضرور ابلہ فریبی میں مبتلا تھے۔

بصرے کی آب وہوا اور باشندوں کی مذمت سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ معجم البلدان کے مصنف نے بھی اس خطبے کو نقل کیا ہے اُنکے الفاظ یوں ہیں:

قَالَ: یَا اَهْلُ البصره، یا بقایا ثمود یا اتباع البهیمة یا جُندالمراَة۔

''اَے اہل بصرہ اے قوم ثمود کی یادگار اے چوپائے پیرو اور اے عورت کی فوج''

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 15

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر:15

خُطبہ ﴿15﴾

1۔حقوق انسانیت کا علمبردار۔2۔قیامِ عدل کی انتہائی حدود۔3۔تقسیم دولت و وسائل کا طریقہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدْتُهُ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَآءُ وَمُلِكَ بِهِ الْاِمَآءُ لَرَدَدْتُهُ ؛	1	اور قسم بخدا اگر مجھے ایسا مال یا جاگیر یا عطیہ اور بھی کہیں سے مل جاتا جو عورتوں کے مہر پر یا کنیزوں کی خریداری میں صرف کیا گیا ہوتا تو میں وہ بھی اسی طرح غلط قبضے سے نکال کر حق داروں کو واپس کر دیتا۔
فَاِنَّ فِی الْعَدْلِ سَعَةً ؛	2	حقیقت یہ ہے کہ عدل قائم رکھنے میں سب کیلئے وسعت اور سہولت ہے۔
وَمَنْ ضَاقَ عَلَيْهِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ عَلَيْهِ اَضْيَقُ ؛	3	اور جس پر عدل شاق گزرتا ہے اسے تو جور و ستم اور رورعایت بہت ہی شاق ہونا چاہیئے۔

تشریحات:

اِس خطبے کا ہزار سالہ شانِ نزول بھی ساقط کر دیا گیا ہے

حسبِ دستور حضرت علی علیہ السلام کا کلام شروع ہونے سے پہلے جس جملے کو بطورِ بسم اللہ یا بطورِ شان نزول لکھا جاتا رہا ہے وہ یہ ہے۔

(وَمِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلام) (فِيْمَا رَدَّهٗ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَطَائِعِ عثمان۔

ترجمہ:''حضرت عثمان کی عطا کردہ جاگیریں جب مسلمانوں کو پلٹا دیں تو فرمایا''(مفتی جعفرحسین)

''2''از سخنان است آنحضرت علیہ السلام در بارہ زمینہائے کہ در زمانِ خلافت خود بمسلمانان باز گردانید و آنہا زمینہائے بود کہ عثمان درزمان خلافتش بخویشاں و کسانیکہ سزاوارِ احسان نبودند بخشیدہ بود'(فیض الاسلام علی نقی طہرانی)

''3''حضرت نے خلافت کے بعد پہلی تقریر میں عہدِ عثمانی میں بلا استحقاق ملی ہوئی زمینوں کے متعلق فرمایا تھا''(رئیس احمد جعفری)

ہم نے اِس قدیم سکہ بند جملے کو کیوں ساقط کر دیا؟

پہلی اور سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ یہ جملہ حضرت علی علیہ السلام کا نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس خطبہ میں زمین و جاگیر اور عثمان کا کہیں بھی اور کسی طرح بھی ذکر نہیں ہے۔تیسری وجہ یہ ہے کہ غلط عطیات اور جاگیریں ابوبکر و عمر نے بہت سے لوگوں کو دی تھیں۔صرف عثمان کی دی ہوئی جاگیریں یا دیگر عطیات کو واپس لینا اور ابوبکر و عمر کے عطایا کو واپس نہ لینا عدل و انصاف میں تقصیر ہے۔اور حضرت علیؑ اُدھر اس خطبے میں عدل پر بہت زور دیتے ہیں۔اِدھر ہم یہ نہیں مانتے کہ آنحضرتؐ عدل میں تقصیر کر سکتے ہیں۔لہٰذا یاران قریش کا چپکایا ہوا یہ جملہ، یہ شان نزول نہ

صرف بکواس ہے بلکہ حضرت علی علیہ السلام کی توہین بھی ہے اور ہم اُن کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا آئندہ یہ جملہ ہماری مترجمہ نہج البلاغہ میں آگے نہ بڑھے گا۔ الا ماقد سلف۔ (پہلے جو ہوا سو ہو چکا)

خطبہ میں کیا فرمایا ہے؟

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس خطبے کے تین جملے بھی کسی بڑی تقریر کا حصہ ہوں گے جنہیں لوگوں نے زیادہ اہمیت دی اور اپنے موضوع والفاظ وبیان کی قوت سے لوگوں کو یاد ہو گئے باقی تقریر کو انتظامی بیانات اور عام سمجھ کر سامعین نے ترک کر دیا یا جناب علامہ رضی اللہ عنہ نے اتنا ہی پسند کیا اور اختصار کی غرض سے خطبے کا باقی حصہ ساقط کر دیا۔ واللہ اعلم۔

2۔ حضرت علیؑ نے ہر وہ مال ووسائل و دولت وسرمایہ وجاگیر وزمین واپس کرالی تھی جس کا وجدان اُنہیںؑ حاصل تھا

خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''خدا کی قسم کہ اگر میں کہیں بھی وہ سامان پاتا (وَجَدْتُہٗ) جو عورتوں کے مہر ادا کر کے زوجہ بنانے میں استعمال ہوتا ہے یا جس سے کنیزیں خریدی جاتی ہیں تو میں اس طرح ادا کئے ہوئے مہر اور خریدی ہوئی کنیزیں بھی ناجائز قبضے سے نکال لیتا اور حقداروں کو دے دیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ عدل قائم رکھنے میں سب کیلئے وسعت اور سہولت ہے۔ اور جس پر عدل گراں یا شاق گذرتا ہے اُسے تو جور وستم اور رُو رعایت بہت ہی گراں اور شاق گذرنا چاہئے'' (خطبہ 15، جملے 1،2،3)

یہ ہیں وہ تین جملے جنہیں خطبہ نمبر 15 کہا گیا ہے۔ اور پہلے ہی جملے کا دوسرا لفظ ''لَوْ وَجَدْتُہٗ'' بتاتا ہے کہ جہاں تک حضرت علی علیہ السلام کے علم میں تھا یا کسی اور نے جو کچھ اُنہیں بتایا وہ سب آپؑ نے واپس لے کر حقداروں کو پہنچا دیا تھا۔ اب اس کے بعد کوئی ایسی چیز کسی کے پاس باقی نہ رہ گئی تھی کہ جو ناجائز قبضہ میں ہوتی اور جسے واپس لے کر عدل کا تقاضہ پورا کرنا پڑتا۔ اس خطبہ کا تقاضا ہے کہ ہم مانیں کہ حضرت علیؑ نے اپنی محروسہ مملکت میں سابقہ تمام جور وظلم وستم کو مٹا کر عدل کا ہر تقاضہ پورا کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں قریشی حکومتوں نے پسند نہ کیا کہ وہ رُسوا کن حالات خود اُن کی تیار کردہ تاریخ کے ذریعہ آگے بڑھیں۔ اور قیامت تک خلفائے ثلاثہ کی مذمت اور حضرت علی علیہ السلام کے نظامِ عدل کی وجہ سے اُن کے خلاف بغاوت ہوتی رہے۔ لہٰذا تاریخ کے اوراق اس سلسلے میں تفصیل پیش نہیں کرتے۔ مگر قریشی بغاوت اور تمام رؤسا اور سرمایہ داروں کا آنحضرتؐ کے خلاف سر جوڑ کر کھڑا ہو جانا اور عوام اور غربا کا آپؐ کے ساتھ سر دھڑ کی بازی لگا دینا ثابت کرتا ہے کہ آپؐ نے جاگیرداروں سرمایہ داروں اور دولتمندوں سے وہ تمام ناجائز مال وجائیداد وجاگیریں واپس لے کر غربا اور حقداروں میں تقسیم کر دی تھیں اور اس سلسلے میں کسی وڈیرے شیخ اور سردارِ قوم کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی تھی اور اُن کی دشمنی اور مخالفت کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی تھی۔

3۔ باقاعدہ مسلح وتنخواہ دار افواج، چھاؤنیوں اور بیت المال کو ختم کر کے پانچ سال حکومت کرنا ایک معجزہ تھا؟

نظام فاروقی کے خلاف اور رسولؐ اللہ کے طریقے کے سو فیصد مطابق حکومت کرنا ایک ہفتہ کے لئے بھی ناممکنات میں سے تھا۔ اور حضورؐ کا پانچ سال تک بلا کسی شکست وہزیمت کے حکومت کرنا ایک تاریخی مسلمہ حقیقت ہے۔ اور یہ حقیقت قریش اور قریشی حکومتوں کی عہدِ رسولؐ سے لے کر قتل عثمان تک (ترپین سال کی) تمام کوششوں پالیسیوں اور کامیابیوں کے منہ پر ایک یدُ الٰہی طمانچہ اور اُن کی شکست کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو اربوں پتی بنانے کے لئے دیگر اقوام پر فوج کشی کی اور لوٹ مار قتل وغارت کی، قرآن میں مذکور (2/205) مہم چلائی اور قوم

کے گھروں کو دولت سے لبریز کر دیا۔اور تمام اپنے ہمدردوں، طرفداروں اور بہی خواہوں اور خانوادہ رسولؐ کے مخالفوں کو خود مکتفی بنا دیا۔سب کو گھر بیٹھے تنخواہیں، وظائف اور مالِ غنیمت ملنے کا فول پروف انتظام مستحکم کر دیا۔اُن کے مردوں، عورتوں اور پیدائش سے بچوں کو تنخواہیں اور راشن ملتا تھا مال و دولت کا وہ دریا جو بیرونی ممالک اور اقوام کو لوٹ کر جاری کیا تھا اس سے نکالی ہوئی چھوٹی بڑی نہریں اُن کی قوم اور ہمدردانِ قوم کے گھروں کو دولت سے سیراب کر رہی تھیں۔لوگ دولت میں نہا رہے تھے۔یہ سب کچھ مرکزی اور صوبائی خزانوں (بیت المالوں) کے توسط سے کیا جا رہا تھا۔ ازواج رسولؐ کو بارہ بارہ ہزار اور معاویہ اور اُس کے سائز کے گورنروں اور افسروں کو اُس وقت آج کل والے پانچ پانچ ہزار روپے تنخواہ مل رہی تھی۔

اب ذرا اُس غم و غصہ اور محرومی کا تصور اور اندازہ کیجئے جو مذکورہ قوم اور ہمدردانِ قوم کے دلوں میں پیدا ہوگا جس کو اُن تمام فاروقی نوازشات اور وسائل دولت سے یک قلم محروم کر دیا جائے جو تیس سال سے حاصل تھیں؟ یہی نہیں بلکہ جن کے قبضہ سے ہر وہ چیز نکال لی جائے جس سے کنیزیں خریدی جائیں اور جس سے مہر ادا کئے جائیں؟ (قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَآءُ وَمُلِكَ بِهِ الْاِمَآءُ) اور جنہیں آئندہ قرآن کی رُو سے اغنیا کی فہرست میں رکھ کر دولت میں حصہ داری سے بھی محروم کر دیا جائے؟ (حشر 59/7) یہ سب کچھ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے نظام عدل سے کر دیا تھا اور مال کی سرمایہ دارانہ تقسیم، طبقہ واریت اور خزانوں کے نظام کو یک لخت مسمار کر کے رکھ دیا تھا۔اور آئندہ غرباء و مساکین اور فقرا کو مذکورہ اغنیا کے برابر لے آنے کے لئے قرآن سے واجب تھا۔چنانچہ قریش اور ہمدردانِ قریش کے سامنے تباہی آ کر کھڑی ہوگئی تھی اور وہ علیؑ اور اُن کے نظامِ عدل و حکومت کو مٹانے کے لئے اپنے دین و دولت اور جان و عزت کو بھینٹ چڑھانے کے لئے میدان مخالفت و قتال میں اُتر آئے تھے اور اُن کی قیادت و راہبری کے فرائض سب سے بڑے سرمایہ داروں عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ اینڈ کمپنی نے سنبھالے تھے۔جن کا ایک رُخ جنگِ جمل اور جنگِ صفین و جنگ نہروان کی صورت میں سامنے آیا تھا۔اور انہیں ذلت و رسوائی اور شکست و ناکامی سے دوچار ہونا پڑا تھا۔پھر یہ سنئے کہ فاروقی نظام میں اُن کی مملکت کا چپہ چپہ، گاؤں گاؤں، اور ہر شہر اور ہر محلّہ مسلح تنخواہ دار فوج کی نگرانی اور حفاظت میں تھا۔کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ حکومت کے خلاف جنبش کر سکتا۔آن کی آن میں اُس کی دھجیاں اُڑا دی جاتی تھیں اور کانوں کان کسی کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔پولیس اور محکمہ جاسوسی کے سپاہی اور نگران لوگ ہر تین آدمیوں پر نظر رکھتے تھے اور پوری مملکت ایک آہنی اور حساس نظام کے شکنجے میں کسی ہوئی تھی۔حضرت علی علیہ السلام نے پہلے ہی فرمان سے تمام تنخواہ دار فوج اور اُن کے افسران اور پولیس و محکمہ جاسوسی کو برطرف کر دیا تھا اب ساری مملکت کے سرمایہ دار و اجارہ دار و اغنیا اور ہر جگہ کی فوج اور پولیس سے برطرف ہونے والے مسلح لوگ جہاں چاہیں فساد کرنے میں آزاد تھے۔کوئی نگرانی اور مجبور کر دینے والا ہاتھ موجود نہ تھا۔اور فطری طور پر فوجیں اور پولیس بغاوت میں شریک و راہنما تھے۔اُدھر عائشہ اور معاویہ نے اپنے یہاں افواج اور پولیس کی بھرتی کھول دی تھی اور پبلک میں اعلان کر دیا تھا کہ حضرت علیؑ کے مقابلہ کے لئے آنے والوں کو اسلحہ اور سواری اور گھر والوں کے لئے خرچہ دیا جائے گا۔اِدھر حضرت علی علیہ السلام کے پاس ذاتی قبضے میں ایک پیسہ نہیں رہا، کوئی تیار اور مسلح فوج نہیں، کوئی خزانہ نہیں، اسلحہ خریدنے کا کوئی ذریعہ نہیں اور انہیں فاروق و عثمان کی تیار کردہ، جدید ترین اسلحہ سے مسلح، جنگ آزمودہ قواعد و قوانین حرب و ضرب میں مہارت تامہ رکھنے والی لاکھوں افواج سے جنگ کرنا ہے اور کامیاب ہونا ہے۔اُن کے پاس وہی طریقہ ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگوں کے لئے استعمال فرماتے تھے۔یعنی گردونواح میں اعلان کرایا جائے منادی کی جائے، قاصد اور وفود بھیجے جائیں کہ:

”لوگو اسلام کو مخالفینِ اسلام سے جنگ درپیش ہے ہر وہ مسلمان مدد کے لئے آجائے جس کے پاس اسلحہ و روپیہ ہو جو میدان جنگ میں

اپنے اہل وعیال کی طرف سے اور اپنی خوراک و پوشاک سے بے فکر رہ کر اپنی جان اللہ ورسولؐ اور اسلام پر قربان کرسکے نہ آسکنے والے معذور سمجھے جائیں گے کسی سے نہ شکوہ کیا جائے گا نہ بازپرُس ہوگی۔''

سوچئے کہ اس آزادی اور بلا لالچ و مدد کے کتنے افراد مدد کو آئیں گے؟ اور جو آئیں گے وہ دشمن کیلئے کتنے خطرناک اور اسلام کے لئے کتنی بے جگری سے جنگ کریں گے؟ اور حضرت علی علیہ السلام کی کامیابی اور فتوحات کا یہی بڑا سبب تھا کہ اُن کے ساتھ خالص حق پرست اور مخالفین کے ساتھ خالص زر پرست افواج ہوتی تھیں۔ ورنہ اگر اُدھر بھی حق یا حق کا کچھ حصہ ہوتا تو علیؑ اور اُن کے ساتھیوں کو چند روز میں ختم کر دیا گیا ہوتا۔ لیکن علیؑ اور علیؑ کے انصار اُن کے لئے ایک خدائی قہر و مصیبت بن کر رہ گئے تھے۔ اور انہیں بار بار اور ہر بار قرآن کی دُہائی دے کر اور حضرت علیؑ کے رحم وکرم کی بھیک مانگ کر اپنی اور اپنی افواج کی جان بچانا پڑتی رہی۔ جنگ نہروان میں کسی نے یہ دہائی نہ دی اور یہ بھیک نہ مانگی اس لئے مخالف فوج کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا گیا اور انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل چند زخمی باقی بچ سکے تھے اور ساری فوج کا صفایا کر دیا گیا تھا۔ یہ خارجیوں کی فوج تھی یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے بیس پچیس کی تعداد میں نکل کر اموی وعباسی افواج کے عظیم الشان لشکروں کا میدان سے بھگاتے رہنے اور ہزاروں سور ماؤں کو کاٹ کر رکھ دینے کا ریکارڈ قائم رکھا۔ جن کا نام سن کر قریشی خلفا اور فوج کانپا کرتے تھے۔ مگر۔۔۔۔

4۔ حضرت علیؑ کے خطبہ (خطبہ 15، جملہ 1) کو خیالی قرار دینے والے علما فریب ساز و دھوکے باز ہیں

حضرت علی علیہ السلام کے خطبہ (15 جملہ نمبر 1) میں آئے ہوئے لفظ ''لو وجدته'' (اگر میں وہ پاتا) سے بعض علما نے یہ فریب دیا ہے کہ یہ جملہ فرضی ہے۔ یعنی ''نہ حضرت علیؑ نے ایسی جائیداد و مال و جاگیر کسی کے پاس پائی اور نہ اُسے چھین کر حق داروں کو لوٹایا گیا'' ''اگر وہ پاتے تو ضرور لوٹاتے''، ہم نے اس جملے کا عملی اور فطری مطلب لیا ہے۔ یعنی ''جو کچھ مجھے میرے وجدان سے ملا وہ تو میں نے واپس لوٹا دیا ہے اگر مجھے اور بھی ایسا سامان ملتا تو میں لوٹا دیتا۔ لہٰذا اُن علما کی رائے کے مطابق گویا ابوبکر وعمر وعثمان نے کبھی بھی کسی کو اپنے دورِ حکومت میں ناجائز جاگیر یا مال و دولت بطور عطیہ نہیں دیا تھا اور یہ ایک بہت بڑا مگر احمقانہ فریب ہے۔ جسے آج کوئی شخص بھی ماننے کو تیار نہیں ہوسکتا۔ خلفائے ثلاثہ کا رشوتیں دینا ساری دُنیا جانتی ہے۔

(الف) خلفا کا جاگیریں اور عطیات پبلک کو دیتے رہنا

دُنیا میں حکومت الٰہیہ کے سوا ہر حکومت اپنے استحکام کے لئے ہر جائز وناجائز طریقہ بلا تکلف اختیار کرتی چلی آئی ہیں۔ وہ اپنے حلقہ احباب و اعزا اور بڑے بڑے بارسوخ لوگوں کو اپنی پشت پر رکھنے کے لئے رشوت، جاگیریں، وظائف اور عطیات دیتی رہی ہیں۔ اور اپنے مخالفوں کو کچلنے اور کمزور کرنے کے لئے جبر وظلم وستم بے دریغ کرتی رہی ہیں۔ یہی حال ابوبکر کی بیعت سے لے کر برابر چھ سات صدیوں تک قریشی حکومتوں نے جاری رکھا۔

(ب) ابوبکر وعمر کا جاگیریں دینا

عن هشام بن عروة عن ابيه قال اقطع عمر رضى الله عنه العقيق حَتّٰى انْتَهَى اِلَى الْاَرْضِ فقال مَا اقطعت مِثلها، قال خوات بن جبير ا قطعِنْيِهَا فاقطعه اياها.... خرج عمر يقطع الناس و خرج معه الزبير فجعل عمر يقطع حتّٰى مَرَّ بالعقيق فقال اَيْنَ المستقطعون هٰذَا اليوم ما مَرَرْتُ بِقِطعةٍ اَجْوَدُ مِنهَا فقال الزبير اَقطعينها فَاقطعه اِيَّاهَا

....قال اقطع ابوبکر الزبیر مَا بَیْنَ جَرْف اِلٰی قناۃ.(فتوح البلدان صفحۃ 26)۔

فتوح البلدان میں بلاذری نے لکھا ہے کہ:

''ہشام بن عروہ نے اپنے والد کی زبانی بتایا کہ عمر وادی عقیق میں لوگوں کو زمین کے قطعات دے رہے تھے کہ وہ ایک ایسے قطع زمین پر پہنچے اور کہا کہ میں نے زمین کا ایسا ٹکڑا آج سے پہلے کسی کو نہیں دیا۔خوات بن جبیر نے کہا کہ یہ ٹکڑا مجھے دے دیں چنانچہ آپ نے وہ ٹکڑا اُن کو دے دیا........ پھر ایک دن عمر لوگوں کو اراضیات بخشنے کے لئے نکلے یہاں تک کہ وادی عقیق میں پہنچے اور زبیر بھی اُن کے ساتھ تھے۔رفتہ رفتہ وہ ایک بہت عمدہ زمین کے رقبہ پر پہنچے اور کہا کہ کہاں ہیں جاگیریں لینے والے بتائیں کہ ایسا عمدہ رقبہ میں نے آج تک کسی کو نہیں دیا ہے۔زبیر نے کہا کہ یہ ٹکڑا مجھے دے دیں۔عمر نے وہ رقبہ زبیر کو دے دیا ہشام بن عروہ نے یہ بھی بتایا کہ ابوبکر نے زبیر کو جرف اور قناۃ کا درمیانی علاقہ بھی دیا تھا''

قارئین نوٹ کرلیں کہ مخصوص لوگوں کو منتخب قسم کی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ کہ زبیر روز اول سے آخر تک خلفائے ثلاثہ کے مخصوص لوگوں میں سے ہیں۔اور یہ کہ وہ تمام قصے جن میں زبیر کو حضرت علیؑ کا آدمی یا رشتہ دار کہا گیا ہے قریش ساز افسانے ہیں۔اور یہ کہ جاگیریں زبیر وطلحہ اینڈ کمپنی کے پاس بھی تھیں۔اور یہ ناممکن ہے کہ حضرت علیؑ اور اُنکے خاص صحابہ کو اُن جاگیروں کا علم نہ ہو۔لہٰذا یہ بھی ناممکن تھا کہ اس خطبے میں اُن جاگیروں کو واپس لے کر حقداروں کو نہ دیا گیا ہو جن کا حضورؐ کو علم تھا۔لہٰذا لوگوں کی یہ سمجھ غلط اور خطبہ(15 جملہ نمبر1) کے خلاف ہے کہ آپؑ کو کوئی ایسی جاگیر نہ ملی جو باطل طریقے سے کسی کے قبضے میں ہوتی اور واپس لی جاتی۔لہٰذا یہ ماننا ہی پڑے گا کہ تمام جاگیریں ضبط کر کے حقداروں کو دے دی تھیں۔

5۔فاروق کا قائم کردہ فوجی نظام اور افرادِ مملکت پر گرفت کا انتظام

یہاں سے ہم خلیفہ دوم کی قائم کردہ قومی حکومت کی افرادی قوت کے چند نمونے دکھائیں گے اور یہ سب کچھ علامہ شبلی نعمانی کی کتاب الفاروق سے پیش کیا جائے گا۔تاکہ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے اور اسی کتاب سے جاگیریں دینے کا طریقہ بھی دیکھتے چلیں۔شبلی نے لکھا ہے کہ:

جاگیریں کہاں سے دی جاتی تھیں؟

''پہاڑ اور صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھیری۔خاندانی شاہی (ایران۔احسنؔ) کی جاگیر، آتش کدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائیداد اور وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کیلئے مخصوص تھیں، دریابرآورد جنگل ان تمام زمینوں کو حضرت عمر نے خالصہ قرار دے کر اُن کی آمدنی جس کی تعداد ستر لاکھ(روپے۔احسنؔ) تھی رفاہ عام کے کاموں کیلئے مخصوص کردی۔کبھی کبھی کسی شخص کی اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو ان ہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔لیکن یہ جاگیر کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنٰی نہیں ہوتی تھیں باقی تمام زمین قبضہ داروں کو دے دی گئی''(الفاروق حصہ 2 صفحہ 19)

یہ صرف ایرانی زمینوں کی بات بتائی گئی ہے۔

(الف)فوجی نظام اور طبقہ واریت، اور رشوت ستانی کے لئے تنخواہیں، رجسٹر اور مردم شماری وغیرہ

شبلی نے لکھا کہ: ''حضرت عمر نے اُن کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام مفصلاً درج ہو ــــــــ۔اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ، سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے۔	پانچ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ اُحد۔	چار ہزار درہم
فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی۔	تین ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔	دو ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔	دو ہزار درہم۔
اہل یمن۔	چار سو درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین۔	تین سو درہم
بلا امتیاز مراتب۔	دو سو درہم

جن لوگوں کے نام درج رجسٹر ہوئے اُن کے بیوی بچوں کی بھی تنخواہیں مقرر ہوئیں چنانچہ مہاجرین وانصار کی بیویوں کی تنخواہ دو سو سے چار سو درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور (لڑکوں) کی دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جن لوگوں کی تنخواہ مقرر ہوئی اُن کے غلاموں کی بھی تنخواہ مقرر ہوئی...... جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن اُن کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔(1) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوجی نظام یا باقاعدہ فوج تھی۔(2) جو معمولاً اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جاسکتے تھے اُن کو عربی میں مطبوعہ کہتے ہیں۔ اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیئر کہا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل کے والنٹیئر تنخواہ نہیں پاتے۔ فوجی نظم ونسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۲۱ھ میں حضرت عمر نے اس صیغہ کو اس قدر مرتب اور مکمل کر دیا کہ غالباً اُس عہد تک کبھی اور کہیں نہیں ہوا تھا'' (ایضاً حصہ 2 صفحہ 43-44)

قارئین خلیفہ دوم کے قائم کردہ فوجی نظام کی تفصیلات برابر دس صفحات (43 تا 53) پر پھیلی ہوئی ہیں۔ جن کا نقل کرنا خواہ مخواہ طوالت کا باعث ہوگا۔ پھر بھی ہم ضروری سطور اور جملے لکھیں گے اور صفحات کی نشاندہی کریں گے تاکہ فوجی قوت سے دبا کر رکھی ہوئی انسانیت پر حکومت کرنے میں اور بلا کسی جبر واکراہ، بلا فوج و پولیس کے حکومت کرنے کا فرق وقدر معلوم کرنے میں آسانی ہو سکے۔ سنئے سلسلہ بیان میں لکھتے ہیں کہ:

فوجی صدر مقامات ''فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیئے جن کا نام جندر کھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے اُن کی تفصیل یہ ہے

1۔ مدینہ۔ 2۔ کوفہ۔ 3۔ بصرہ۔ 4۔ موصل۔ 5۔ فسطاط۔ 6۔ مصر۔ 7۔ دمشق۔ 8۔ حمص۔ 9۔ اُردن۔ 10۔ فلسطین''

فوجوں کی بارکیں ''ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے وہ حسب ذیل تھے:

1۔ فوجوں کے رہنے کی بارکیں تھیں۔ کوفہ، بصرہ، فسطاط یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام و بود و باش کے لئے ہی آباد کئے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانہ کا قلعہ اور گرجے اور معمولی مکانات تھے''

گھوڑوں کی پرداخت ''ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے۔ جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز وسامان کے ساتھ تیار رہتے تھے۔

صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آجائے تو بتیس (32000) ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہوجائے۔ ۱۷ھ میں جب جزیرہ والوں نے بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری۔ (یہ سب کچھ صفحہ 44)

فوج کا دفتر، رسد اور غلہ چھاؤنیاں۔ رسد کیلئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ اِن ہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔ ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمر نے بڑے بڑے شہروں اور مقامات میں بھی نہایت کثرت سے چھاؤنیاں قائم کیں۔ اور عرب کو تمام ممالکِ مفتوحہ میں پھیلا دیا اگرچہ اُن کا یہ عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ٹلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ معتد بہ فوج رہتی تھی۔ لیکن امن و امان قائم ہوجانے کے بعد بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔ 17ھ میں حضرت عمر نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی دلوک منبج۔ رعیان۔ فورس۔ تیزین۔ انطاکیہ وغیرہ (عربی میں اُن کو فروج یا لغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور مناسب انتظامات کئے۔ 19ھ میں یزید بن ابوسفیان کا انتقال ہوا تو اُن کے بھائی معاویہ نے حضرت عمر کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور اُن میں فوجیں مرتب کی جائیں۔ اس کے علاوہ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔ اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اُس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی آدھی فوج عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں۔ اور ہر ایوان میں اُن کے ساتھ ایک ''عَرِیف'' رہتا تھا۔ جو اُن کے قبیلے کا سردار ہوتا تھا۔ اور جس کی معرفت اُن کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین (قواعد پریڈ کے لئے) ہوتی تھی۔ 19ھ میں جب شہنشاہ ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمر نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں۔ عراق میں بصرہ اور کوفہ اگرچہ محفوظ مقام تھے چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہر وقت موجود رہتے تھے۔ ضربیہ اور زابوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں۔ وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔ صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں تیار کی گئیں۔ چنانچہ نہر تیری، مناذر، سوق الاھواز، ھرمزان، اسوس، بنیان، جندی، سابور، مہرجان قدق، یہ تمام مقامات فوجوں سے معمور ہوگئے۔ رَے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ دس ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔ اسی طرح اور بھی سیکڑوں چھاؤنیاں جابجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ (ایضاً حصہ 2 صفحہ 46 تک)

''ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ قائم رکھنا ضروری تھا کہ مدعیانِ ریاست بغاوت کا خواب بھی دیکھنے نہ پائیں۔ فوجوں کی بھرتی کا دفتر، جس کی ابتدا مہاجرین وانصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے تقریباً تمام عرب پر محیط ہوگیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ معظّمہ سے دو منزل اُدھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہوکر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ میں اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط وغیرہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہوگئے تھے۔ سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بے شمار گروہ کی علیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے نہیں ملتا۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم آٹھ لاکھ آدمی ہتھیار بند تھے۔ ابن سعد کے مطابق ہر سال تیس

ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بنائے گئے تھے۔ جن میں سے چالیس ہزار باقاعدہ فوج تھی'' (صفحہ 47)

فوج میں عجمی، رومی، ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

''ہم پھر حضرت عمر کے فوجی نظام کی طرف آتے ہیں۔ حضرت عمر نے فوجی دفتر (رجسٹر) کو یہاں تک وسعت دی تھی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کیئے گئے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے دَیلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی۔ اور جند شہنشاہی یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقہ میں آ گئی۔ سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے اُن کو فوج میں داخل کر لیا۔ اور کوفہ میں آباد کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کر دیں'' (صفحہ 47-48)

یہاں شبلی نے وہ تمام مواقع اور فوجوں کی تعداد درج کی ہے جب اور جیسے عجمی مسلمان فوج میں آ کر تنخواہ دار بنے۔ پھر لکھا کہ:

''یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔ غرض حضرت عمر نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اُس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی'' (صفحہ 48)

پھر لکھا ہے کہ:

تنخواہ میں ترقی، رسد کا مستقل انتظام، راشن اور کپڑے فراہم کرنا

''اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور باز رکھتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اُن کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے۔ اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو دوسو سالانہ تھی تین سو کر دی گئی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک بڑھا دی بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے سے شروع ہوتی تھی اب حکم دیا کہ پیدائش کے دن سے مقرر کر دی جائے۔ تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا۔ اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی ایک من آٹا رکے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس (12) بارہ سیر روغن زیتون اور بارہ سیر سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی۔ یعنی خشک جنس کی بجائے پکا پکایا کھانا بھی ملتا تھا۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا۔ جس کی تفصیل وردی کے ذکر میں آئے گی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جس کو عربی میں معونة کہتے ہیں (صفحہ 51) اور لکھا ہے کہ:

فوج پر خلیفہ کا مکمل قابو اور رابطہ

''فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف قبائل مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں شامل تھے۔ اس کے ساتھ وہ نہایت دُور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں جہاں سے دارالخلافہ سیکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا۔ تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر کے قبضہ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس (جاسوس) لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی اُن کو خبر پہنچتی رہتی تھی'' (صفحہ 53)

(ب) تقسیم مال اور فوجی نظام کا سب سے بڑا فائدہ حاصل نہ ہونا قریش کی بدترین ناکامی تھی۔

قارئین نے دیکھ لیا کہ قریشی حکومتوں نے مملکت کے ہر فرد کو دولت اور فوجی دباؤ سے باندھ کر رکھ دیا تھا۔ کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ وہ اس دولت و دباؤ

سے باہر نکل کر زندہ رہ سکے۔ پوری اسلامی قلمرو میں ہر شخص ایک ایسے شکنجے میں کسا ہوا تھا جس میں اُس کا منہ بند اور آنکھیں کھلی تھیں۔اور کوئی آدمی حکومت کے خلاف لب کشائی کی گنجائش اور موقع نہ پاتا تھا۔اس انتظام کو قریشی علما کی خود ساختہ روایات وتفسیرات سے جائز واسلامی ثابت کیا جارہا تھا۔دینی تعلیم کا نظام فوجی نظام کے ساتھ ساتھ اور اسی فوجی قوت کے ماتحت جاری تھا۔کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ وہ حکومت کی طرف سے پیش کردہ تعلیم پر منہ کھولتا یا اعتراض کرتا۔ایک نئی تاریخ ایک نئی تفسیر ایک نیا قرآن دلوں میں راسخ کیا جارہا تھا۔خاندان رسولؐ کو اور تمام اہلِ علم صحابہ کو مدینہ میں نظر بند وخاموش کر کے بٹھا دیا گیا تھا۔اُن کی اپنی پسندیدہ ٹیمیں (Teams) تبلیغ وہدایات پر متعین اور دورہ میں مصروف رہتی تھیں۔ اور صحابہ رسولؐ کے ساتھ ساتھ حقیقی تعلیمات قرآن اور احادیثِ رسولؐ کا بیان جرم قرار دے دیا گیا تھا۔مدینہ سے باہر جو خود ساختہ اسلام سکھایا جارہا تھا اس کا اہل مدینہ کو علم تک نہ ہوتا تھا۔اور کوئی چیز معلوم ہو بھی جاتی تھی تو وہ لوگ بے بس تھے۔بات بات میں اُنہیں جان لیوا دھمکیاں دی جاتی تھیں (ابوہریرہؓ، بخاری) خاندان رسولؐ کو حکومت کا لالچی، دین کا دشمن، عثمان کا قاتل مشہور کیا گیا تھا۔اُن کے تمام فضائل کے بیان کو جرم قرار دیا گیا تھا۔الغرض ایسا انتظام کردیا گیا تھا کہ اگر کوئی ابوبکر وعمر کے طریقے سے ہٹ کر اور قرآن ورسولؐ کے طریقے کے مطابق حکومت کا نظام چلانے کا ارادہ بھی کرے تو اس کا ارادہ سینے میں گھٹ کر رہ جائے۔ذرا سوچیے کہ اگر ساری مملکت کے ہر ہر فرد کو اُس کی گھر بیٹھے ملنے والی تنخواہ نہ ملے تو کیا سارا ملک مخالفت نہ کرے گا؟ اور جو یہ تنخواہ اور عطیات بند کردے،فوجوں کو توڑنے کا حکم جاری کردے اور جس کے پاس نہ کوئی فوج ہو نہ پولیس ہو نہ جاسوس ہوں نہ پرچہ نویس۔کیا وہ اُس بغاوت کو روک سکے گا؟ مملکت کا ہر فرد اس کا دشمن ہوگا اُسے خلفائے راشدین ہی نہیں بلکہ اللہ ورسولؐ کا مخالف سمجھے گا اور دل وجان سے اُس کو دُنیا سے مٹا دینے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوگا اور اُس تنہا شخص کو بلا ہتھیاروں کے مٹی کی ایک ایک مٹھی پھینک کر دفن کر دیا جائے گا۔لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اپنے نظام صبر واستقلال (خطبہ 3، جملے 5 تا 16) سے رفتہ رفتہ تین خلفا اور اُن کی قوتِ قاہرہ کو موت کی راہ پر ڈال دیا۔اُن کے جرائم اور پالیسیوں کو بانگ دُہل بتایا۔ہر دور کی حکومت،طریقہ حکومت اور خلیفہ کو باطل اور باطل پرست قرار دیا۔ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کے طریقے کو اختیار کرنے کی رضا مندی نہ دی۔آتی ہوئی حکومت کو ٹھکرا دیا اور کہہ دیا کہ ابوبکر وعمر وعثمان کی ساری قوت وجبروت میرے قدموں میں سجدہ کرے گی۔سارے قریش نے دن رات منت وسماجت کر کے اپنے ہاتھوں اپنی حکومت سونپی اور آپؑ نے بلا دریغ فوجوں کو پولیس کو نظام جاسوسی کو اور مال ودولت کے نظام کو یک لخت باطل کہہ کر بے دخل کر دیا۔اور دُنیا نے دیکھا کہ آپؑ نے اُن تمام شیطانی وسائل اور ظالمانہ شکنجوں کے بغیر پانچ سال حکومت کی اور ثلاثہ اینڈ کمپنی کے نظام کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔حق وباطل الگ الگ کردیا۔اُن کے مذہب کو بکھیر کر رکھ دیا۔

6۔لوٹ کے مال سے معاشی فارغ البالی بدمعاشوں اور ڈاکوؤں کا طرزِ فکر ہے

قرآن کریم سے قریش اور قریشی عقائد،قریشی اسلام اور قریشی خلافت اور قریشی خلفا،ابوبکر وعمر وغیرہ باطل وباطل پرست ثابت کئے جاچکے ہیں۔یہاں تو فاروقی خلافت کا فوجی اور مالی یا معاشی نظام زیرِ گفتگو چلا آرہا ہے۔اور اُسی کے حق وباطل،قرآن کے مطابق یا مخالف اور پبلک کے لئے مفید یا مضر ہونے پر نظر ڈالنا ہے۔لہٰذا سب سے پہلی بات یہ دیکھنا ہے کہ آیا قرآن پر فاروقی نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ آپ سارا قرآن دیکھ جایئے اُس میں محکمہ فوج قائم کرنے کا کہیں وہم تک نہ ملے گا۔مستقل تنخواہ دار وفارغ البال فوج اور چھاؤنیاں قرآن سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔جنگ کے لئے مجاہدین کو جمع کرنے اور جنگ کرنے کا وہی طریقہ ملے گا جو حضرت علی علیہ السلام نے اختیار کیا اور فاروقی

عملدر آمد کو مسمار کر دیا۔ حالانکہ اگر آپؐ افواج اور خزانوں کو قائم رکھتے تو وہ قریشی قوم اور اُن کے نظام حکومت وتصورات کو دُنیا سے ناپید کر سکتے تھے مگر اُن کا منشا ومقصد قریش کو مٹانا نہ تھا۔ وہ تو حق وباطل کو جدا جدا کر کے قریش کا باطل پرست ہونا ثابت کرنا چاہتے تھے اور اُنہوں نے فاروق اینڈ کمپنی کے پیدا کردہ تمام طرزِ فکر وعمل کو دُنیا کے سامنے نہ صرف باطل ثابت کر دیا بلکہ اہلِ عقل کے نزدیک وہ مضحکہ خیز ونفرت انگیز بن کر رہ گیا۔

اول۔عرب پیدائشی اور نسلی لٹیرے، ڈاکو اور قزاق تھے۔وہ اپنے محسنوں سے غداری کرتے تھے

علامہ ابن خلدون ایسے ناقد اور پہلی صف کے مسلمہ مؤرخ عربوں سے اور اُن کی عادات وخصلت وذہنیت سے یوں متعارف کراتے ہیں:

’’عرب اپنی فطری وحشت وبربریت کی بناپر جس میں وہ گرفتار چلے آتے ہیں، لوٹ مار کرنے والے لوگ ہیں۔ جو بے کار کاموں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ جن لوگوں پر اُنہیں قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ اُنہیں لوٹ لیتے ہیں۔ اِس طرف انہیں کوئی توجہ نہیں ہوتی کہ وہ اُن پر غلبہ وتسلط حاصل کر کے کوئی گراں قدر کام انجام دے سکیں۔ لوٹ مار کرنے کے بعد کھلے میدانوں میں جو اُن کا وطن ہوتے ہیں، وہ بھاگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ جوں ہی کسی ملک پر تسلط جما لیتے ہیں تو وہ ملک بہت جلد تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ وحشی قوم کے افراد ہیں۔ عمارتوں کو توڑ کر پتھر (اینٹیں) اُٹھا کر لے جائیں گے تاکہ اُن پتھروں سے چولہے بنا کر اپنی ہانڈیاں اُن پر چڑھا سکیں۔ چھتوں کو گرادیں گے تاکہ اُس کی لکڑیوں پر اپنے خیمے کھڑے کر سکیں اور اُن کو توڑ کر اپنے خیموں کے لئے میخیں اور کھونٹیاں بنا سکیں۔ اُن کے یہاں لوٹ مار کی کوئی حد مقرر نہیں جہاں پہنچ کر وہ رُک جائیں۔ اُن کا سب سے بڑا مقصد لوٹ مار کر کے یا کسی تاوان میں لوگوں کے اموال پر قبضہ کر لینا ہوتا ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ تو اس کے بعد لوگوں کے حالات کی درستی اور اُن کے مصالح پر غور کرنے سے اُن کا کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ابتدائے آفرنیش سے لے کر جن ممالک پر اُن کا قبضہ ہوا ہے۔ تم اُن کے حالات دیکھ لو کہ کس طرح اُن کی تہذیب ختم ہو گئی۔ اور کس طرح اُن کے باشندے دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے۔ یمن کو دیکھ لو جو اُن کا پایہ تخت تھا کہ چند شہروں کو چھوڑ کر سارا ہی تباہ ہو چکا ہے۔ عراق عرب کو دیکھ لو کہ ایران کے ماتحت وہ کس طرح منظّم تھا۔ اور ان کے ہاتھوں میں پہنچ کر کس طرح برباد ہو گیا۔ اُس زمانے کے ملک شام کو دیکھ جاؤ اُس کا حال بھی کچھ اس سے بہتر نہ پاؤ گے‘‘ (ابن خلدون صفحہ 125-127) (فجر الاسلام صفحہ 117-119)

دوم۔عربوں کے متعلق پروفیسر اولیری کی رائے بھی دیکھ لیں

یہ لکھنے کے بعد علامہ احمد امین مصری اپنی کتاب فجر الاسلام (مترجمہ طلوع اسلام، لاہور) میں پروفیسر اولیری کی رائے یوں پیش کرتے ہیں کہ:

’’عربی آدمی، جسے عربیت کا نمائندہ تسلیم کر کے مثال اور نمونہ شمار کیا جا سکے..... قطعاً مادی ہوتا ہے۔ وہ تمام چیزوں کی طرف مادی نگاہ ہی سے دیکھتا ہے۔ وہ چیزوں کی قدر وقیمت محض اس انداز سے لگاتا ہے کہ اُن سے اُسے کیا نفع حاصل ہوگا؟ حرص وطمع اُس کے حواس پر چھائی ہوتی ہے۔ خیال اور جذبات کی اُس کے ہاں کوئی جولان گاہ نہیں ہوتی۔ وہ زیادہ تر کسی دین کی طرف میلان نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ کسی چیز کی پرواہ کرتا ہے۔ وہ کسی چیز کی اُتنی ہی پرواہ کر سکتا ہے جتنا اُسے اُن سے کوئی عملی فائدہ ہو سکے۔ عزتِ نفس کا اُسے پورا پورا شعور ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ تسلط اور تغلب پر برافروختہ ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی شکل میں بھی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ سردار قبیلہ اور امیر لشکر کو بھی پہلے دِن سے، جب سے اُسے سرداری کے لئے منتخب کیا گیا ہو، ہر فرد قبیلہ سے حسد بغض اور خیانت کا دھڑ کا لگا رہتا ہے۔ خواہ وہ اب سے پہلے اُس کا کتنا ہی مخلص دوست کیوں نہ رہا ہو جو آدمی اُس پر احسان کرتا ہے وہ اُس سے انتقام لینے کے درپے رہتا ہے۔ کیونکہ اس کا احسان اس کے اندر اپنی ذلت اور فروتنی کے احساس کو

بیدار کر دیتا ہے۔ چنانچہ احسان کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ احسان کرتے ہوئے اتنا ضرور کہہ دے کہ: ''آپ اِس کا کچھ خیال نہ فرمائیں''

سورہ دھر (76/8-9) میں عربوں کی ذہنیت اور اہل بیتؑ رسولؐ کا عمل درآمد بیان ہو چکا ہے۔

عربوں کی ذہنیت بھی قرآن کریم سے بہتر کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ مسٹر اولیری کے بیان کا یہ آخری جملہ آپ کو سورہ دھر میں مذکور نظامِ مرتضویؑ کے معنی کی تہہ تک لے جاتا ہے وہاں یہ کہا گیا ہے کہ:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (76/8-9)

''اور وہ لوگ اللہ کی محبت کو عام کرنے کے سلسلے میں تمام محروم لوگوں کو یعنی یتیموں کو اور تمام بے سہارا اور تحریک سے مایوس لوگوں کو یعنی مسکینوں اور تمام گرفتارِ بلا لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کھلاتے رہیں گے۔ اور ساتھ کے ساتھ ہر شخص سے کہتے جاتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ اللہ کی توجہات مرکوز کرنے کے لئے کر رہے ہیں ہم تم سے بدلے میں کوئی صلہ یا شکریہ تک نہیں چاہتے''۔

قارئین سوچیں کہ محمدؐ اور خانوادۂ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم نے عربوں پر احسانات کے انبار لگائے اور ان کے منتقمانہ جذبات کو شعلہ ور ہونے سے روکنے کے لئے بار بار اور ہر بار یہ کہا کہ:۔

''ہمارا عمل درآمد احسان اور فخر کے لئے نہیں ہے ہم تو یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ تم پر اللہ کی توجہات کو مرکوز کر دیں تم سے ہمیں نہ کوئی بدلہ درکار ہے نہ شکریہ مطلوب ہے۔ ایک فرض منصبی ہے جسے پورا کرتے رہنا لازم ہے (يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ)''

لیکن عربوں نے اس حزم و احتیاط کے باوجود محمدؐ، علیؑ اور ان کے خاندان سے بھرپور غداری کی اور ناپ تول کر اتنا ہی انتقام لیا جتنا عظیم الشان احسان وسلوک کیا گیا تھا ان کے بوڑھوں، جوانوں اور بچوں کو ان کے چاہنے والوں طرفداروں کو تہہ تیغ کر دیا اور آج تک ان ملاعین کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ اور دوستداران آلِ محمدؐ پر انہیں کبھی رحم نہ آیا اور محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ہمیشہ اور ہر حال میں ان کا بھلا چاہا۔ کبھی بھی اُن کے لئے بددعا نہ کی۔ اور یہی سبب ہے ان ملاعین سے ہماری دشمنی کا۔

سوم۔ علامہ شبلی کے نزدیک عرب اکیس سال کی تبلیغ اور اسلام لے آنے کے بعد بھی زر پرست لٹیرے تھے۔

علامہ شبلی نے افسوس کے ساتھ لکھا ہے کہ ''سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مالِ غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا۔ اس کی اصلاح میں نہایت تدریج سے کام لینا پڑا۔ جاہلیت میں تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی۔ تعجب یہ ہے کہ اسلام میں بھی اس کو ایک مدت تک ثواب کی چیز سمجھتے رہے۔ ابوداؤد (صحاح ستہ میں سے ایک حدیث کی کتاب ہے) میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ یہ امر مسلمانوں کو بہت عجیب معلوم ہوا اور مسلمانوں نے اس شخص سے کہا کہ پھر جا کر پوچھو غالبًا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہیں سمجھا۔ (ابوداؤد جلد اول صفحہ 342)''

''بار بار مسلمان دوبارہ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے۔ اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرتؐ نے ایسا فرمایا ہوگا۔ بالآخر جب آپؐ

نے تیسری دفعہ یہی فرمایا کہ لَا اَجۡرَلَہٗ یعنی اس کو کچھ ثواب نہیں تب لوگوں کو یقین آیا'' (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 613)
ہم کہتے ہیں کہ پوچھنے والے مسلمان یقین ہے کہ قریش تھے۔اور تیسری دفعہ کے بعد بھی انہیں صرف یہ یقین آیا تھا کہ رسوؐل اللہ غلط بات کہہ رہے ہیں لہٰذا مجبوراً چپ ہورہے۔لیکن رسوؐل کے بعد مسلمانوں کا مال بھی غنیمت کہہ کر لوٹنا جائز رکھا، ہزاروں مسلمانوں، نمازیوں اور تہجد گزاروں اور روزہ داروں کو لوٹا، ان کا قتل عام کیا ان کی ازواج واولاد کو غلام وکنیز بنایا۔ (طبری اور تمام تواریخ مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ اور خالد ملعون کا قصہ خاص طور پر پڑھیں)

یہ بھی نوٹ کریں مسلمان نام کے ملاعین کا ذکر کرتے ہوئے شبلی بھی شرماتے ہیں اور بجائے لفظ ''مسلمانوں'' کے ''لوگوں'' لکھتے چلے جاتے ہیں تاکہ ان کے بہکائے ہوئے اور رضی اللہ عنھم کہنے والے قاری گھبرا نہ جائیں۔لہٰذا ہم لفظ ''لوگوں'' کی جگہ ان کی عبارت میں مسلمانوں لکھتے جائیں گے کہ دھوکہ نہ ہونے پائے اور صحابہ کہلانے والے مسلمان اپنی صحیح ابلیسی صورت میں دکھا دیں۔ چنانچہ عہد رسوؐل کے چند ملاعین مسلمان صحابہ کی ذہنیت ملاحظہ ہو:

چہارم۔عہد رسوؐل کے مسلمان صحابہ ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کو اسلام سے بہتر سمجھتے تھے؟؟

شبلی مسلسل لکھتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو ایک قبیلے کے مقابلے کیلئے بھیجا۔ان میں سے ایک صاحب (یعنی صحابی۔احسنؔ) (مسلمان صحابہ کی۔احسنؔ) صف سے آگے نکل گئے۔قبیلے والے روتے ہوئے آئے۔اس صحابی نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤ گے۔ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور حملے سے بچ گئے۔اس پر باقی صحابہ نے اس صحابی کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا۔ابوداؤد میں اس صحابی کا قول ان الفاظ میں مذکور ہے کہ: **فلا منی اصحابی و قالوا حرمتنا الغنیمۃ (ابو داؤد باب ما یقول اذا اصبح کتاب الادب)**

''مجھ کو میرے ساتھیوں (صحابہ۔احسنؔ) نے ملامت کی اور کہا کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت (لوٹ کے مال۔احسنؔ) سے محروم کر دیا'' (یعنی اگر تُو کلمہ نہ پڑھوا دیتا تو ہم ان کا مال واسباب لوٹتے اور ان کی ازواج واولاد کو غلام اور کنیزیں بنا کر فائدہ اٹھاتے۔احسنؔ) مسلسل لکھا ہے کہ ''جب صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واپس آکر کلمہ پڑھوانے والے صحابہ کی شکایت کی تو آپؐ نے اُس صحابی کی تحسین (مدح) کی اور فرمایا کہ تم کو چھوڑ دیئے گئے آدمیوں میں سے ایک ایک کے بدلے میں اتنا اتنا ثواب ملے گا (ابوداؤد وسیرۃ النبی ایضاً صفحہ 613-614)

پنجم۔شبلی قرآن مجید سے لوٹ مار کرنے والے صحابہ کی مذمت اور ملامت بھی دکھاتے ہیں۔

علامہ شبلی مسلسل لکھتے جارہے ہیں کہ:

''قرآن مجید میں غنیمت کی نسبت ''متاعِ دُنیوی'' (سامانِ دنیا۔احسنؔ) کا لفظ آتا ہے۔اور اس کی طرف انہماک (رغبت اور طمع۔احسنؔ) اور وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی۔جنگ احد میں جب اس بنا پر شکست ہوئی کہ کچھ صحابہ کفار (سے جنگ۔احسنؔ) کا مقابلہ چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوگئے تو یہ آیت اُتری: مِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَةَ (آل عمران 3/152) ''تم میں سے کچھ صحابہ دنیا کے طلبگار تھے۔اور کچھ آخرت کے''

برابر لکھ رہے ہیں کہ:

''جنگ بدر میں جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کردی۔ یا بقول بعض مفسرین فدیہ حاصل کرنے کی خواہش سے لوگوں کو گرفتار کر لیا تو یہ آیت اُتری: تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ O ''تم صحابہ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے'' (سورہ انفال 8/67)

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حُنین میں جو 8 ہجری میں واقع ہوا تھا، اس وجہ سے شکست ہوئی کہ مسلمان صحابہؓ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوگئے'' صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے کہ: فَاَقْبَلَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى الْغنايم وَاسْتَقْبَلُوْنَا بالسِّهَام،

''تو مسلمان صحابہؓ غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا''

اس بنا پر موقع بموقع آنحضرتؐ اس مسئلے کو زیادہ تصریح سے بیان فرماتے تھے۔ ایک شخص نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ کوئی غنیمت کیلئے، کوئی نام کے لئے، کوئی اظہارِ شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے، کس کا جہاد خدا کی راہ میں سمجھا جائے گا؟

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ ''جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو''

(بخاری کتاب الجہاد صحیح مسلم کتاب الامارہ۔ سیرۃ النبیؐ صفحہ 615)

ششم۔ کسی کا مال واسباب لوٹنا وغیرہ حرام ہے۔ اور لوٹ کے مال کو کھانا مردار کا کھانا ہے۔

اگلے صفحہ پر لکھا ہے کہ: ''دورانِ جنگ میں دشمن کا مال اور جائیداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا۔ خصوصاً جب کہ رسد وغیرہ تھُڑ (کم ہو۔ احسنؔ) جاتی تھی اور کھانے پینے کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا۔ تو ہر حال میں یہ لوٹنا جائز سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کی سخت ممانعت کی اور سرے سے اِس طریقے کو روک دیا۔ ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ:۔

''ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور نہایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی۔ اتفاق سے بکریوں کا ایک ریوڑ (گلّہ) نظر آیا۔ سب ٹوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی۔ آپؐ موقع پر تشریف لائے۔ تو گوشت پک رہا تھا۔ اور ہانڈیاں ابال کھا رہی تھیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپؐ نے اُس سے ہانڈیاں الٹ دیں اور سارا گوشت خاک میں مل گیا۔ پھر فرمایا کہ ''لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے'' (سیرۃ النبیؐ صفحہ 617-616) (ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ثانی)

ہفتم۔ فاروقی افواج کے لئے سامان رسد حاصل کرنے اور مُردار کھانے کا یہ طریقہ مدتوں حلال رہا۔

ہم نے فاروقی افواج اور فوجی نظام کے سلسلے میں بہت لکھ دیا ہے۔ اس میں یہ پہلو نظر انداز کر دیا تھا کہ ابتداءً فوجوں کے کھانے پینے اور رسد کا انتظام یا بدانتظامی کیا تھی۔ سنئے کہ الفاروق حصہ دوم صفحہ 49 کے حاشیہ پر عنوان ''رسد کا انتظام'' لکھا ہے اور اس کو یوں بیان کیا ہے کہ:

''رسد کا بندوبست صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں۔ البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمر مدینہ سے بھیجا کرتے تھے'' (صفحہ 49)

قارئین نے چند سطور سے پہلے آنحضرتؐ کا جملہ دیکھا تھا جس میں لوٹ کے ہر مال کا کھانا مردار گوشت کے برابر فرمایا ہے۔ مگر فاروقی اجتہاد نے لوٹ کے گوشت کو چھوڑ کر لوٹ کی ہر چیز کو حلال کر دیا۔ اس لئے گوشت کی فراہمی اپنے ذمہ رکھی تھی۔

ہشتم۔علامہ مودودی اور قرآن،عہدرسولؐ کے مسلمان صحابہ کولُٹیرے قرار دیتے ہیں۔

آخر میں علامہ مودودی کے تراجم اور تفہیم اور آیاتِ قرآن سے بھی مسلمان ہوچکنے والے عربوں کا حال دیکھیں۔اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ...

مودودی ترجمہ:اللہ نے تائید ونصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کررہے تھے۔مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا۔اور جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے یعنی (مالِ غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے۔اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے“

(تفہیم القرآن جلداول صفحہ 294 آلِ عمران 3/152)

علامہ کے اس سوچے سمجھے غلط ترجمہ سے بھی یہ حقیقت صاف الفاظ میں ثابت ہوگئی کہ:

مسلمان صحابہ جوجہاد کوحصولِ دنیا کاذریعہ سمجھ کرمسلمان ہوگئے تھے۔

”آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ کے صحابہ میں کم از کم برابر کے ایسے عرب تھے جنہیں لوٹ کا مال حد بھر محبوب تھا اور جو لوٹ مار کرنے میں اللہ و رسولؐ کی خلاف ورزی کو گناہ نہ سمجھتے تھے۔اور جو صرف حصولِ دنیا کے ارادے سے مسلمانوں میں شامل رہتے تھے“

لُوٹ کے مال سے محبت رکھنے والے صحابہ نے مسلمانوں کی فتح کو شکست سے کیسے بدل دیا

مندرجہ بالا آیت (3/152) میں مذکور سازش کی تفصیل مودودی نے اپنے قریشی انداز میں لکھی ہے جسے پڑھنا ضروری ہے تاکہ قریشی قسم کے ڈاکو صحابہ کا حال ذرا کھل کر سامنے آجائے سنئے ارشاد ہے کہ:

1۔جنگ اُحد کا قصہ:

”اُحد کی پہاڑی کے دامن میں مدینہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر اپنی فوج کو اس طرح صف آرا کیا کہ پہاڑ پشت پر تھا۔ اور قریش کا لشکر سامنے۔پہلو میں صرف ایک درّہ ایسا تھا جس سے اچانک حملہ کا خطرہ ہوسکتا تھا۔وہاں آپؐ نے عبداللہ بن جُبیر کے زیرِ قیادت پچاس تیر انداز بٹھا دیئے اور ان کو تاکید کردی کہ ”کسی کو ہمارے قریب نہ پھٹکنے دینا،کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا،اگر تم دیکھو کہ ہماری بوٹیاں پرندے نوچے لئے جاتے ہیں تب بھی تم اس جگہ سے نہ ٹلنا“۔اس کے بعد جنگ شروع ہوئی،ابتداء مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح کی حد تک پہنچانے کے بجائے مسلمان مالِ غنیمت کی طمع سے مغلوب ہوگئے اور انہوں نے دشمن کے لشکر کو لوٹنا شروع کر دیا۔اُدھر جن تیراندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی حفاظت کے لئے بٹھادیا تھا۔انہوں نے جو دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے اور غنیمت لُٹ رہی ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت کی طرف لپکے۔عبداللہ بن جُبیر نے ان کو نبی کا تاکیدی حکم یاد دلا کر بہتیرا روکا مگر چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ ٹھیرا۔اس موقع پر خالد بن ولید نے جو اُس لشکر کفار کے رسالے کی کمان کر رہے تھے بروقت فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر پہلو کے درّہ سے حملہ کر دیا۔عبداللہ بن جبیر نے جن کے ساتھ صرف چند ہی آدمی رہ گئے تھے،اس حملے کو روکنا چاہا مگر مدافعت نہ کر سکے اور یہ سیلاب یکا یک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔دوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے،وہ بھی

پلٹ کر حملہ آور ہو گئے۔اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا اور مسلمان اس غیر متوقع صورتِ حال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ تاہم چند بہادر سپاہی ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 284-285)

قرآن کریم کی رو سے علامہ کا بیان غلط ہے وہاں تو اللہ نے جو کچھ فرمایا اس کا ترجمہ علامہ ہی سے سنئے:

''یاد کرو جب تم بھاگے چلے جارہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا تمہیں ہوش نہ تھا، اور رسوؐل تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا''

(اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ)'' (3/153) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 295)

یہ پکارنا بتاتا ہے کہ کوئی مسلمان صحابی موجود نہ تھا اور آیت میں سب کو بھاگنے والا کہا ہے کسی کو موجود رہنے والا نہیں بتایا۔

2۔بار دیگر لٹیرے صحابہ کا قصہ: ''اُحد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے۔اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے'' (ایضاً صفحہ 287)

3۔تیسری دفعہ ڈاکو صحابہ کا حال لکھتے ہیں۔

تیسری مرتبہ صحابہ کی لوٹ مار کا قصہ ذرا تفصیلی وجوہات کے ساتھ لکھا ہے۔

''جن تیر اندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی حفاظت کے لئے بٹھایا تھا۔انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن کا لشکر لوٹا جارہا ہے۔تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ساری غنیمت انہی لوگوں کو نہ مل جائے جو اُسے لوٹ رہے ہیں۔اور ہم تقسیم کے موقع پر محروم رہ جائیں۔اسی بنا پر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔جنگ ختم ہونے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے ان لوگوں کو بلا کر اس نافرمانی کی وجہ دریافت کی۔انہوں نے جواب میں کچھ عذرات پیش کئے جو نہایت کمزور تھے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 299)

نہم۔مسلمان صحابہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر لوٹ لیا کرتے تھے کہ تم لوگ ڈر کر بہانہ کر رہے ہو۔

قریشی علما تسلیم کریں یا نہ کریں مگر اب قرآن کا منہ نہ بند کیا جاسکتا ہے نہ غلط معنی و مفہوم ان کی مدد کر سکتا ہے۔اب تو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اسلام کا اعلان کرنے کے باوجود قریش اور قریش پرست عربوں نے لوٹ مار قتل و غارت کو برابر جاری رکھا اور یہ کہ لوٹ مار اور قتل و غارت کو اپنے خود ساختہ اسلام کا لازم جُز سمجھا تھا اور آج تک لوٹ مار کو جائز سمجھتے ہیں۔وہ صرف صلح پسند و پر امن غیر مسلموں ہی کا لوٹنا اور قتل کرنا جائز نہ کہتے تھے ان لوگوں کو بھی لوٹ لیتے تھے جو خود کو مسلمان کہتے تھے۔قرآن کے الفاظ اور مودودی کا ترجمہ دیکھ کر یقین فرمالیں ارشاد ہے کہ:

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا O يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰٓى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا‌ ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيۡرَةٌ‌ ؕ كَذٰلِكَ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَتَبَيَّنُوۡا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا O (نساء 4/93-94)

مودودی ترجمہ: ''رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اس کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو دوست دشمن میں تمیز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اسے فوراً نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے۔اگر تم دنیوی فائدہ چاہتے ہو تو تمہارے لئے اللہ کے پاس بہت سے اموال غنیمت ہیں۔آخر اسی حالت میں تم خود بھی تو اس سے پہلے مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تحقیق سے کام لو، جو کچھ تم کرتے ہو

اللہ اس سے باخبر ہے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 385-384)

دھم۔ مالِ غنیمت لوٹنے اور لونڈی غلام بنانے کے لئے قریشی صحابہ مسلمانوں کو قتل کر دیتے تھے۔

مودودی قلم اٹھانے سے پہلے ہی یہ جانتے ہیں کہ فلاں آیت میں ان کے راہنما صحابہ کی مذمت اور بطلان ہے۔ لہٰذا ان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ترجمہ میں کمی، زیادتی اور ہیرا پھیری کر کے اُن ملاعین کے عیوب پر پردہ ڈالا جائے اور چھپانا ممکن نہ ہو سکے تو ان کے جرائم کو ہلکا ہی کر دیا جائے۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیت (94-93/4) میں صورتِ حال کی سنگینی کو قطعاً غائب کر دیا ہے اللہ نے پہلے یہ بتایا ہے کہ مومنین کو عمداً قتل کر دیا جاتا تھا لہٰذا ایسے لوگوں کی سزا جہنم وغیرہ بتائی گئی (4/93) پھر اُس صورتِ حال کا ذکر فرمایا ہے جس میں مومنین مذکورہ قسم کے صحابہ کے ہاتھوں قتل ہو جایا کرتے تھے۔ یعنی ایک یہ صورت کہ تحقیق کی کمی کی بنا پر مومن قتل کر دئے جاتے تھے لہٰذا تحقیق کرنے کی تاکید مزید کی گئی۔ دوسری یہ صورت کہ لوگ اعلان کر رہے ہیں، سلام علیکم کہہ رہے ہیں اور پھر بھی اُن کا اسلام قبول نہیں کیا جاتا اور قتل کر دیا جاتا ہے ایسے قتل کو قتلِ عمد اور قاتل کو جہنمی کہہ کر جرم سے باز رہنے کی تاکید کی گئی۔ اور ان لوگوں کو مومنین کو قتل کرنے اور اُن کے اہل وعیال و مال و اسباب کو لوٹنے کی ممانعت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ تمہاری تمام کرتوت سے اللہ باخبر ہے اور ہم صرف اس قدر دکھانا چاہتے ہیں کہ زر پرست اور خدا پرست مسلمانوں کا موجود ہونا قارئین کے سامنے آ جائے۔

اور انہیں یہ ماننے میں کوئی تکلف نہ رہے کہ عمر اینڈ کمپنی نے ہی زر پرست اور مخالفِ خدا و رسولؐ مسلمان تیار کئے تھے (مائدہ 5/41)

اور انہیں زمانہ قبل اسلام یعنی ایامِ جاہلیت کے دین پر برقرار رکھا تھا اور ایسے مسلمانوں کا وجود مودودی بھی اس طرح ترکیب سے مانتے ہیں کہ:۔

یازدھم (11)۔ قریشی لیڈروں نے اپنی قوم کو ایامِ جاہلیت کے قوانین پر برقرار رکھا۔

''بہت سے تمدنی معاملات کی طرح مسلمان ابھی تک جنگ کے معاملے میں بھی اکثر پرانی جاہلیت ہی کے تصورات لئے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے بدر کی لڑائی میں کفار کی شکست کے بعد جن مسلمانوں نے جو جو مالِ غنیمت لوٹا تھا وہ عرب کے پرانے طریقہ کے مطابق اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھ بیٹھے تھے'' (تفہیم جلد 2 صفحہ 128)

اب اگر علامہ شبلی کی لکھی ہوئی اور ان کی صحیح احادیث سے ثابت شدہ حقیقت بھی سامنے رکھ لی جائے تو معلوم اور یقین ہو جائے گا کہ قریش کے مسلمان صحابہ اور عوام 8 ہجری تک برابر ''پرانی جاہلیت کے تصورات'' اور ''عرب کے پرانے طریقہ'' سے باز نہ آئے تھے۔ اور وہ حقیقت یہ ہے کہ:

''باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوہ حُنین میں جو ۸ ہجری میں واقع ہوا تھا۔ اس وجہ سے شکست ہوئی کہ مسلمان صحابہ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے'' (صحیح بخاری۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 615)

7۔ خلیفہ دوم نے عربوں کی قزاقانہ ذہنیت اور سرمایہ داری کی پناہ میں رہ کر علیؑ کو ناکام رکھنا چاہا تھا۔

ہم نے یہاں تک قرآن کریم اور تاریخی واقعات سے عربوں کی وہ مستقل ذہنیت اور کردار پیش کر دیا جو اسلام لانے اور صحابہ رسولؐ بن جانے کے بعد بھی تبدیل نہ ہوئی تھی۔ اور بقول ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مصری) ابھی سو سال اور درکار تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور ان کے بعد بھی صدیوں تک اپنے آباء واجداد اور قوم و قبیلے کے تصورات اور طریقوں پر عمل پیرا رہے اور اپنے قدیم مذہب کو اسلام میں کھپانے اور محفوظ رکھنے اور لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے لاکھوں اختلاف کرنے والے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، خاندانِ رسولؐ کے بچے بچے کو ذبح کر دیا اور ایک اسلام کے سیکڑوں اسلام بنا ڈالے۔ قرآن کو جھٹلایا (6/66 انعام) اور مہجور کر کے رکھ دیا (فرقان 25/30)

اول۔علامہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے نزدیک تعلیم وتربیتِ رسولؐ کا صحابہ پر کتنا اثر ہوا؟

قارئین نظامِ فاروقی کا مقصدو مدعا سننے سے پہلے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی چند بنیادی باتیں سننا ضروری ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

’’اسلام نے زمانہ جاہلیت کے عربوں کے سامنے اقدار کی قیمتیں ہی بدل دی تھیں۔جو چیزیں عربوں کے ہاں قدیم الایام سے حسنات میں شمار ہوتی آرہی تھیں۔وہ اب سئیات میں شمار ہوتی تھیں اور جو چیزیں سئیات میں شمار ہوتی تھیں ان کا شمار اب حسنات میں ہونے لگا تھا۔یہ ایک سرتاپا انقلاب تھا جس کو کامیاب ہونے کے لئے بڑی سعی وکاوش اور طویل زمانہ ہی درکار ہوسکتا تھا۔بقول شخصے سو برس کا دلوں میں رچا ہوا رام رام بیک جنبش نظر رحیم رحیم میں تبدیل نہیں ہوسکتا تھا۔جولوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تئیس (23) سالہ عرصہ نبوت میں عرب کا زمین وآسمان ہی بدل گیا تھا۔اور عربوں کی فطرت اور طبیعت ہی یکسر تبدیل ہوگئی تھی۔وہ دراصل تاریخ اور حقیقت سے چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں‘‘(فجرالاسلام مترجمہ طلوع اسلام صفحہ 252)

ڈاکٹر صاحب نے جس بڑی سعی وکاوش اور طویل زمانہ کا ذکر کیا ہے اس کا آغاز جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا تھا اور یہ سعی وکاوش اور جدوجہد برابر اُن کی اولاد کے آئمہ معصومین علیہم السلام نے جاری رکھی ہے اور یہ بیان الامامت اُسی کدوکاوش کی ہلکی سی جھلک فراہم کرنے کے لئے لکھی جارہی ہے۔اور وہ رکاوٹیں سامنے لائی جارہی ہیں جو نظامِ اسلام کی راہ میں پیدا کی گئیں اور دنیا سے غربت وافلاس اور بے بسی وبے کسی کو مٹانے اور سرمایہ داری واجارہ داری کو فنا کرنے والے نظام کو طبقہ واریت اور امپیریل ازم برقرار رکھنے والے نظام میں بدلنے والوں کی نقاب کشائی کی جارہی ہے۔

دوم۔قریشی حکومت کا مقصداور مدعا عربوں کے قدیم مذہب یعنی سرمایہ داری کا تحفظ کرنا تھا۔

قریش کے مسلمان صحابہ نے اپنی قوم کو روز اوّل سے قومی بالادستی کا سبق دیا تھا اور بتایا تھا کہ ہم اپنی قوم کو ساری دنیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں ساری دنیا پر بالادستی کے لئے تمام اقوام عالم سے جنگ کرنا لازم ہوگا۔جنگوں کے نتیجے میں مال غنیمت کے انبار لگادیئے جائیں گے بادشاہوں کے تخت وتاج ہمارے قدموں میں ہوں گے(سورہ بقرہ 2/204-205)اور یہ سب کچھ ہونہیں سکتا جب تک حکومت کو خاندانِ رسولؐ سے نکال کر اپنی قومی حکومت نہ بنائی جائے چنانچہ علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکومت سے دور رکھنے پر قریش نے اجماع کرلیا تھا۔(تاریخ طبری اور الفاروق حصہ 2 صفحہ 103)

سوم۔عربوں کے سامنے مالِ غنیمت حاصل کرنے کی راہیں کھول دینا ان کی کامیابی کا راز تھا۔

اور پوری قوم اور قوم کے زیراثر لوگوں نے نہایت سہولت سے حکومت حاصل کرلی تھی اور اعلان کردیا تھا کہ ہمارے اختیار کردہ اسلام اور طرزِ حکومت کا مخالف مرتد ہے اور ان کی نماز، روزہ، حج وعبادات قابل قبول نہیں۔ان کی جان ومال وازواج واولاد مباح ہیں۔یہ تعلیم اور یہ اعلان عربوں کی ذہنیت اور عادت کے عین مطابق تھا۔چنانچہ پہلے عرب کے اندر لاکھوں مخالف مسلمانوں کو قتل کیا گیا،لوٹا گیا،ان کے اہل وعیال کو لونڈی غلام بنایا گیا اور اس کے بعد ڈاکٹر صاحب سے خلیفہ دوم کے لئے ایک جملہ سنئے جو فاروقی نظام فارغ البالی کی بنیاد ہے۔

چہارم۔عمر نے عربوں کی قوت وتدبیر کو فتوحات اور لوٹ مار پر مرکوز کردیا تھا۔

طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ:’’زمانہ جاہلیت میں عربوں کی تاریخ حتیٰ کہ اسلام کے بعد بھی۔اندرونی جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا عہدان کی تاریخ کا زریں عہد کہا جاسکتا ہے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اندرونی جنگوں سے ہٹا کر بیرونی جنگوں میں مشغول کر دیا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قدرت کی جانب سے خصوصیت کے ساتھ وہ گہری مُہم عطا ہوئی تھی جس کی بنا پر وہ عربوں کی نفسیات کو خوب سمجھتے تھے۔''(فجر الاسلام صفحہ 135)

یہ تھا وہ دشمنِ خدا اور سوؔل شخص (بقرہ 2/204، فرقان 31-25/27) جس نے عربوں میں سرمایہ داری، اجاری داری اور طبقہ واریت کو مستحکم کرنے کے لئے سارے عرب کو مالا مال کر کے حرام اور مردار کھانے کا عادی بنا دیا تھا اور سمجھتا تھا کہ علیؑ ان کے نظام کو بدلنا تو کہاں اس کے خلاف زبان بھی نہ کھول سکیں گے۔ اور اگر کسی طرح حکومت مل بھی گئی تو دو ماہ سے زیادہ خلیفہ کی حیثیت سے زندہ نہ رہ سکیں گے۔ لیکن فاروقی نظام اور قریشی حکومت حضرت علیؑ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکائے ہوئے حاضر ہوگئی اور آپؑ نے اعلان فرمایا کہ: اَلْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی اَھْلِہٖ وَنَـقَـلَ اِلٰی مُنْتَقَلِہٖ (خطبہ 2، جملے 76-77)''یہی وہ گھڑی ہے جب آلِ محمدؐ کا مشہور و معروف حق اپنے حقیقی حقداروں کی طرف واپس آیا ہے۔ اور وہاں منتقل ہوا ہے جو اُس کے منتقل ہونے کی جگہ تھی اور فرمایا کہ: زَرَعُوا الْفُـجُـوْرَ، وَسَقَوْهُ الْغُرُوْرَ، وَحَصَدُوا الثُّبُوْرَ (خطبہ 2، جملے 65-67)''قریش نے دین میں بے راہ روی کی کھیتی بوئی، اور اس کھیتی کو فریب و مکر کے پانی سے سیراب رکھا اور آخر دینی ہلاکت اور تباہی کی فصل کاٹی''۔

اور خود قریشی لیڈروں نے بیعت کرتے ہوئے پبلک کا وہ ہجوم دیکھا جو بیعت کے لئے بھوکوں کی طرح مشغول تھا جو کبھی کسی خلیفہ کو نصیب نہ ہوا تھا۔ اور پہلے ہی فرمان سے عمری و بکری نظام کی عمارت کو مسمار کر دیا اور بلا خزانوں اور افواج کے پانچ سال اس طرح حکومت کی کہ اُدھر قریشی مذہب اور طرزِ حکومت کے ہر ہر پہلو کو عملاً باطل کر دیا اور انکے تیس سالہ تسلط اور نظام کو تباہ کر دیا حق و باطل میں نہ مٹنے والی تمیز قائم کر دی اور اِدھر اپنے ہر قول و فعل و اقدام سے قرآن اور رسوؔل کی تعلیمات کے ہر پہلو کو اجاگر کر کے یہ ثابت کر دیا کہ قریشی خلفاء کا عمل درآمد اُن کے تمام فیصلے اور پالیسیاں قرآن کے خلاف تھیں اور اگر کہیں اپنے وعدہ کے مطابق مشیتِ خداوندی پر راضی نہ رہے ہوتے تو قریش کے تمام تصورات و عقائد کو نِسیًا مَنسِیًا کر دیا ہوتا۔ پینسٹھ ہزار (65000) فوج پا بہ رکاب کھڑی رہ گئی قریشی سازش کو کامیاب ہو جانے کا موقع دے دیا۔ ورنہ معاویہ کی جڑیں نکال کر بکھیر دی ہوتیں۔ اور قریشی لوگ پہاڑوں اور ریگستانوں میں چھپتے پھرا کرتے۔ سرمایہ داروں اور اجارہ داروں کا کہیں نام و نشان تک نہ ملتا۔ ثلاثہ اینڈ کمپنی اس طرح فراموش کر دی جاتی جس طرح آج قارون و ہامان و شداد طاقِ نسیان میں ملتے ہیں۔

8۔ وہ کون سی قوت و حقانیت تھی جس نے فاروقی نظام کی دھجیاں اُڑا دی تھیں؟

ہم نے عرض کیا ہے کہ فاروقی نظام اور قوتِ قاہرہ کے سامنے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اُس نظام و افواج کی قہرمانیت کے خلاف کوئی سانس بھی لے سکتا ہے۔ ایسے آہنی انتظام کو ایک فرمان سے موت کے گھاٹ اتار دینا۔ اس بنیاد پر تھا کہ آپؑ کو حکومت دے دی گئی اور آپؑ سربراہِ اسلام کی پوزیشن سے فرمانِ خداوندی نافذ کر سکے۔ اور پبلک کو معلوم ہو گیا کہ حضوؐر سابقہ خلفاء کی راہ پر نہ چلیں گے۔ یہ یقین فراہم ہوتے ہی چاروں طرف سے حق پرست مومنین تعاون و فداکاری کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور زر پرستوں اور حرامخوروں کو گھیر لیا۔ ان کے سامنے تنخواہ دار و وظیفہ خواروں کی افواج کہاں ٹھہر سکتی تھیں؟ آپؑ اس لئے خانہ نشین رہے کہ آپؑ حکومت حاصل کرنے کے لئے جنگ نہ چاہتے تھے۔ آپؑ اہلِ باطل کو موقع دینا ضروری سمجھتے تھے تاکہ وہ عملاً اپنے نظامِ حکومت کا بطلان دیکھ لیں اور سمجھ کر حکومت واپس کر دیں۔ جس طرح اللہ نے ابلیس کو مہلت، موقع اور اختیارات دیئے۔ اسی طرح حضوؐر نے قریش کو موقع دیا۔ مگر وہ بار بار ناکام ہوتے رہنے کے باوجود ان کے خلاف سازشیں کرتے رہے

آخر آپؑ نے اپنے نظامِ صبر (خطبہ 3، جملے نمبر 5-9) کو ان کے مقابلہ پر رکھ دیا اور یوں حکومت پٹ پٹا کر واپس آ گئی۔

اول۔قرآن اور صاحب القرآن علیہ السلام کے دعاوی اور آیات اور خطبات طعنہ دیتے رہے۔

جس طرح آج ہر حق پرست اور ہر باطل پرست اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کہتا پھرتا ہے اور قرآن کو ایک ہمہ گیر نظام کا حامل قرار دیتا ہے مگر دن رات اپنے لیڈروں اور راہنماؤں کو کافروں، بے دینوں، یہودیوں عیسایوں اور ہندوؤں سے ضروریاتِ زندگی کی اور آسائش حیات کے لوازمات کی بھیک مانگتے ہوئے دیکھتا اور شرماتا رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں قرآن کریم کے بڑے بڑے تمام دعوے مسلمانوں اور کافروں اور یہود ونصاریٰ میں مشہور ہو کر زبان زدِ خلائق ہو چکے تھے۔ قرآن یہ اعلان کر چکا تھا کہ اللہ نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ آسمان اور زمین کے درمیان ہے سب کچھ اسلام لانے والوں کے لئے مسخر و مطیع کر دیا ہے (لقمان 31/20) اسلامی نظام میں کسی پر جبر وستم ہرگز نہ کیا جائے گا۔ ساری نوع انسان کو بلا تفریق ملت و مذہب و رنگ ونسل برابر کے حقوق دیئے جائیں گے (مائدہ 5/2,8) کسی پر ہرگز ظلم نہ ہونے پائے گا۔ کسی کو اسلام اختیار کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (یونس 10/99) اور اگر لوگ اپنے اپنے سابق مذہب پر باقی رہتے ہوئے اپنی اپنی کُتبِ خداوندی کے ماتحت زندگی بسر کرنے لگیں تو انہیں زمین اور آسمان سے اور فضاؤں اور ہواؤں سے رزق اور انعامات ملیں گے (مائدہ 5/66) قرآن کریم کے ان دعوؤں کے باوجود قریشی خلافت نے جو کچھ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا وہ نہ صرف یہ کہ قرآن کے دعاوی سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا بلکہ وہ سراسر تعلیمات قرآن ورسوؐل کا مخالف اور ایام جاہلیت کے عین مطابق تھا۔ قرآن نے کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی ممانعت کی تھی۔ قریشی حکومت نے مالِ غنیمت لوٹنے اور لوگوں کو غلام و کنیز بنانے کے لئے غیر مسلم لوگوں پر فوجکشی اور ان کا قتل عام شروع کیا۔ قرآن و رسوؐل نے مستقل جنگ وجدل کے لئے مستقل افواج اور چھاؤنیاں قائم نہ کی تھیں۔ قریشی حکومت نے تنخواہ دار افواج اور پولیس قائم کی اور بالکل عجمی طریقہ پر ان کی تنخواہ وغیرہ ادا کرنے کے لئے بیت المال اور خزانے کا محکمہ قائم کیا۔ انہوں نے بڑی رغبت سے ایرانی، یونانی اور رومی حکومتوں کے رسوم ورواج وقواعد وقوانین کو مسلمانوں میں جاری کیا کبھی کوئی قرآنی حکم نافذ نہ کیا بلکہ قرآن کے بہت سے احکام اور آنحضرتؐ کے قائم کردہ عمل درآمد (سنۃ) کو ختم کر کے قومی مصلحت پر عمل کیا۔ اِس تیس سالہ قریشی حکومت نے جو کچھ کیا اُس سے ثابت ہو گیا کہ یہ حکومت قرآن سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔ یہ عجمی طریقہ پر ایک بہت عمدہ، بہت مضبوط بہت مالدار حکومت بن جانا چاہتی ہے۔ یہ تجربہ اور یہ احساسات مسلمانوں کی زبان بندی کے باوجود ان کے قلوب واذہان کو جھنجھوڑتے چلے آ رہے تھے۔ اس پر طُرّہ یہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کی قرآنی قابلیت بار بار اُبھر کر اُفق سے مسلمانوں پر منڈلاتی چلی آ رہی تھی۔ اُن کے خطبات میں قرآن کے تمام دعاوی کو پورا کر دکھانے کا نئے سے نیا اعلان کانوں میں گونجتا رہتا تھا اور قریشی حکومت لاشعوری طور پر علی علیہ السلام کے علم وفضل وقدرت وقوت کی تصدیق بھی کرتی رہتی تھی۔ یعنی اپنی مشکلات میں اُن سے مدد لیتی تھی۔ خلیفہ دوم نے بھی آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح بار بار کہا تھا کہ اگر تم علیؑ کو خلیفہ بنالو گے تو وہ تمہیں صراط مستقیم پر چلا کر چھوڑے گا۔ لیکن جب شوریٰ کے امیدواروں نے انہیں خلیفہ نہ بنایا تو مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ نہ تو قریشی حکومت اور خلفا برحق ہیں اور نہ ہی انہیں صراط مستقیم سے کوئی دل چسپی ہے۔ یعنی وہ خود باطل اور باطل پرست ہیں۔ اُدھر حضرت علی علیہ السلام خطبوں میں ہر شخص کو دعوت دیتے ہیں کہ ان سے ہر اس بات کو ہر اُس مسئلہ کو دریافت کر لیں جو انہیں معلوم نہ ہو۔ وہ زمین وآسمانوں کے ان تمام راستوں کے بتانے کا دعویٰ بار بار کرتے ہیں (اَسئَلُونِی قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُونِی) جن سے تسخیر کائنات کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا قریشی حکومت کے فوجی، پولیس اور جاسوسی نظام کے ہاتھوں میں گرفتار

مسلمانوں کے قلوب واذھان حضرت علی علیہ السلام سے وابستہ، مربوط اور متوجہ چلے آرہے تھے۔ وہ کسی قدرتی حادثہ کے منتظر تھے جو ابوبکر و عمر و عثمان کے جبر سے انہیں آزاد کردے۔ ان کے منہ میں دی ہوئی لگام کھول دے۔ ادھر وہ آزادانہ اظہار خیال کرسکنے کے زمانہ کا انتظار کر رہے تھے اُدھر حضرت علی علیہ السلام کا نظامِ صبر و مشکل کشائی جبر واستبداد کے جال کی کڑیاں ڈھیلی کر رہا تھا کہ پروگرام کی فطری تمہیل (مہلت) اور تدریج سے نظامِ فاروقی کے نتائج نے ان کے تیسرے حکمران کو لپیٹ کر منہ کے بل گرادیا۔ اور ان کی حکومت کا جنازہ بے گور و کفن کرکے رکھ دیا۔ کئی روز تک کتے خلیفہ کا گوشت نوچ کر کھاتے رہے۔ آخر حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحم و کرم اور اثر و رسوخ اور بصیرت سے خلیفہ کے بچے ہوئے بدن کو بے کفن دفن کردیا گیا اور یوں بکری و عمری منصوبہ تہہ خاک چھپا دیا گیا۔ منتظر و محروم لوگ آزاد ہوگئے اور قریشی حکومت نے جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کی سرپرستی حاصل کرنے کے لئے منت و سماجت و آہ و زاری شروع کی جسے حضورؑ نے ناگواری کے اعلان کے ساتھ قبول کرلیا یوں تمام حق پرست مسلمان اپنی جان و مال اور اولاد اسلام پر قربان کرنے کیلئے آپؑ کے چاروں طرف جمع ہوگئے۔ اور آپ نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

وَ لٰكِنِّي اَضْرِبُ بِالْمُقْبِلِ اِلَى الْحَقِّ الْمُدْبِرَ عَنْهُ؛ وَ بِالسَّامِعِ الْمُطِيعِ الْعَاصِيَ الْمُرِيبَ اَبَدًا؛ حَتّٰى يَاْتِيَ عَلَيَّ يَوْمِيْ؛ فَوَاللّٰه مَا زِلْتُ مَدْفُوْعًا عَنْ حَقِّيْ مُسْتَاْثَرًا عَلَيَّ مُنْذُ قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آله و سَلَّم)؛ حَتّٰى يَوْمِ النَّاسِ هٰذَا؛

''ولیکن میں تو اب حق مطلق کو قبول کرلینے والوں کو اپنے ساتھ لے کر ان لوگوں سے ڈٹ کر مقابلہ کروں گا جو حق مطلق سے روگردانی کرتے رہے ہیں۔ اور حق بات کو توجہ سے سننے والے مومنین کی معیت میں ان لوگوں سے برسرپیکار رہوں گا جو نافرمانی کرتے اور ہمیشہ الجھنیں پیدا کرتے چلے آئے ہیں۔ اور ان کو اس وقت تک کامیاب نہ ہونے دوں گا جب تک میرا آخری دن نہ آجائے۔ خدا کی قسم جب سے اللہ نے اپنے نبیؐ کو اپنے پاس طلب کیا ہے مجھے مسلسل بلاناغہ میرے حقوق سے دور تر رکھا جاتا رہا ہے اور ہر معاملے میں دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ آج لوگوں کا معاملہ جنگ و پیکار کی صورت میں سامنے آہی گیا ہے۔ (خطبہ نمبر 6، جملہ نمبر 4 تا 8)

یہ تھی وہ قوت جس نے فاروقی افواج و نظامِ قہر واستبداد کے پرخچے اُڑا دیئے جس نے تمام غربا اور محروم مسلمانوں کو حقیقی مرادمندی اور مساوات کی یقین دہانی کی اور جس نے ببانگِ دُہل اغنیا اور دولت کے ٹھیکیداروں کو للکارا اور ان سے تمام مغصوبہ جاگیریں اور دولت کے وسائل چھین کر حق داروں میں بانٹ دیئے۔ اور ایک دفعہ پھر دین کو رسولؐ اور قرآن کی بنیادوں پر استوار کرنا شروع کیا۔ انہوں نے عمر کو دولت سمیٹنے اور خزانے بھرنے سے منع کیا تھا مگر وہ تو طے کرچکے تھے کہ اسلامی حکومت کو عجمی حکومت میں تبدیل کرکے رہیں گے تاکہ علیؑ یا کوئی اور دیندار شخص قریشی حکومت کو خلافت الٰہیہ میں تبدیل کرنے کا خیال تک بھی نہ کرسکے۔ سنئے جناب علامہ شبلی سے سنئے۔ لکھا ہے کہ:۔

1۔ غرباء کو نظرانداز کرکے خزانے بھرنے اور سرمایہ پرستی کرنے سے علیؑ نے منع کرکے اپنا فریضہ ادا کردیا تھا

''تقریباً ۱۵ ہجری میں ابوھریرہؓ کو حضرت عمر نے بحرین کا عامل (گورنر) مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر نے مجلس شورٰی کا اجلاس عام کرکے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے۔ آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے۔ حضرت علیؑ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کردی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے حضرت عثمان نے اس کے خلاف رائے دی ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے سلاطینِ شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے، عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافہ یعنی مدینہ میں بہت بڑا خزانہ مقرر کیا، دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت

المال قائم کئے۔صوبجات اوراضلاع میں جوخزانے تھےان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہرقسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی باقی سال ختم ہونے کے بعد صدرخزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق عمّال کے نام حضرت عمر کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی مورخ یعقوبی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالخلافہ کے خزانے سے خاص دارالخلافہ کے باشندوں کو جوتنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھےان کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی''(الفاروق حصہ دوم صفحہ 33-34)

اس حقیقت پرتمام قریشی اور غیرقریشی علما کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام قسم کے اموال اور آمدنی کوتمام مسلمانوں میں ساتھ کے ساتھ برابر برابر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔اور قریشی علما یہ بھی مانتے ہیں کہ ابوبکر بھی ایسا کرتے تھے۔یعنی عمر نے رسوؐل اللہ اور اپنے بنائے ہوئے خلیفہ کی پیروی کو اس لئے بند وختم کر دیا تھا کہ انہیں عجمی حکمرانوں کی طرح کے اخراجات کرنے کا اختیار رہے۔ورنہ یہ ہوتا کہ ہر مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کرنے کے بعد اپنی جیب میں وہی روپیہ ہوتا جو ہر مسلمان کے حصے میں آتا تھا۔اب اگر کسی معاملے میں اپنی جیب سے زیادہ خرچ کرنے کی ضرورت پڑتی تو عمر کو مسلمانوں سے مانگنا پڑتا اور کوئی دیتا یا نہ دیتا مختار ہوتا اور خلیفہ صاحب ٹاپتے رہ جاتے۔اور جو مال لوگ دیتے اس کا حساب مانگتے تو خلیفہ کے لئے خرد برد کا موقع نہ رہتا۔لہٰذا عمر نے عجمی حکمرانوں کی طرح خزانے قائم کرکے خود کو اور اپنے ماتحت حکمرانوں کو آزاد کرلیا۔اب نہ کوئی حساب فہمی کرسکتا تھا نہ خلیفہ اینڈ کمپنی کو اخراجات سے روک سکتا تھا۔رہ گئی لوگوں کی تنخواہیں اور وظائف؟ تو آپ نے دیکھا ہے کہ بعض حکمرانوں کی تنخواہیں پانچ پانچ ہزار روپے تھیں۔تو بعض مسلمانوں کو محض (200) دوسو درھم یعنی چالیس روپے تنخواہ ملتی تھی۔اور ایسے مسلمانوں کی کثرت تھی۔یہی وہ کثرت تھی جو سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں تڑپ رہی تھی اور جو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھی۔اور جس کا تذکرہ حضوؐر اپنے خطبہ 6 (جملے 4 تا 7) میں فرمارہے ہیں۔اور جسے فاروقی نظام نے قلاش وفقیر اور سرمایہ داروں کا محتاج بنادیا تھا۔

9۔فاروقی نظام کے مقابلہ میں قرآنی یا اسلامی یا نبوؐی وعلوؑی نظام اور دونوں پر عمل کا نتیجہ۔

قارئین نے قریشی یا فاروقی نظام اور دنیا میں اس کے نتائج دیکھ لئے ہیں (دیکھو تشریحات خطبہ 3،(الف/15) جس کی بنا پر سرمایہ داری اور اجارہ داری اور طبقہ واریت مسلمانوں میں آج تک چلی آرہی ہے۔یعنی قریشی حکومتوں نے اسلام کو سرمایہ داری واجارہ داری اور ذاتی لا محدود ملکیت کا محافظ بنا کر چھوڑ دیا ہے اور جس وقت عمر نے شوریٰ کے ممبران کا تعین کیا تھا اس وقت ممبرانِ شوریٰ میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ پانچ کروڑ پتی امیدوار مقرر ہوئے تھے۔اور ان کے علاوہ قریش میں سیکڑوں لکھ پتی اور سرمایہ دار بن چکے تھے اور یہ نظام فاروقی کا نتیجہ تھا۔اب فاروقی نظام اور قرآن کے مرتضویؑ نظام پر قرآن سے ایک مقام دیکھیں جہاں دونوں قسم کے نظاموں کا فرق دکھایا گیا ہے اور دونوں قسم کے نظام قائم کرنے والوں کا آخری ٹھکانا دکھایا گیا ہے۔

اول۔قرآن اور اللہ کے احکام کو چھوڑ کر اپنی مصلحتوں اور قیاس اور رائے سے حکومت اور نظام بنانے والے۔

اللہ کا ارشاد ہے کہ:۔ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ Oالَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ Oیَسْئَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ O
یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ Oذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ O(14تا51/10سورہ زاریات)

ترجمہ مودودی:''مارے گئے قیاس وگمان سے حکم لگانے والے جو (ایام۔احسن) جاہلیت میں غرق اور غفلت میں مدہوش ہیں۔پوچھتے ہیں آخروہ

روزِ جزا کب آئے گا؟ وہ اُس روز آئے گا جب یہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) اب چکھو مزا اپنے فتنے کا۔ یہ وہی چیز ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے" (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 138-135)

دوئم۔ اللہ کا قرآنی ومرتضوی نظام اور اس نظام کو قائم کرنے والوں کا حال۔

قارئین فی الحال صرف اتنا دیکھیں کہ اللہ یا قرآن کے احکام کے خلاف اپنی رائے اور قیاس سے کام لینے والوں کا آخری ٹھکانہ جہنم معلوم ہو گیا اور اب ان کے مدمقابل طرز فکر رکھنے والوں کے لئے فرمایا ہے کہ:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ Oاٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ O كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ O وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ O وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ O (51/15-19)

مودودی ترجمہ: "البتہ متقی لوگ اُس روز باغوں (جنتوں۔ احسن) اور چشموں میں ہوں گے، جو کچھ اُن کا رب انہیں دے گا۔ اُسے خوشی خوشی لے رہے ہوں گے۔ وہ اُس دن کے آنے سے پہلے نیکوکار تھے، راتوں کو کم ہی سوتے تھے۔ پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے، اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لئے" (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 138-139)

سوم۔ علامہ کا ترجمہ کبھی بھی تنقید کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ چند پہلو۔

اگر ہم مودودی کے ترجمہ کی غلطیاں دکھانا شروع کر دیں تو کئی صفحات لکھنا پڑیں گے۔ اتنا ضرور کہنا ہے کہ ان دونوں قسم کے لوگوں کے لئے اللہ نے پانچ پانچ آیات مخصوص کی ہیں۔ اور دونوں کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا ہے ایک گروہ اپنے تمام معاملات میں اپنی رائے اور قیاس کو راہنما بناتا ہے۔ دوسرا گروہ متقی ہے یعنی پہلے گروہ کے لوگ فاسق ہیں۔ اس لئے کہ وہ قرآن اور اللہ کے احکام کو اپنا راہنما نہیں بناتے۔ متقی وہ لوگ ہیں جو رائے قیاس کو راہنما نہیں بناتے بلکہ اللہ و رسولؐ کے احکام پر مدار رکھتے ہیں اور جو کچھ انہیں اللہ نے دیا تھا اُسے لینے میں تکلف نہ کرتے تھے اور اللہ و رسولؐ کے علاوہ کسی اور سے یا اور ذرائع سے کچھ نہ لیتے تھے۔ یعنی لوٹ کا مال حاصل کرنے یا حرام چیزیں لینے کی راہیں نہ نکالتے تھے۔ ظاہر ہے کہ مخالف گروہ اللہ کے دیئے ہوئے پر قناعت نہ کرتا تھا۔ متقی گروہ جو کچھ اللہ و رسولؐ نے دیا تھا، جو طریقہ سامانِ دنیا حاصل کرنے کا بتایا تھا، اس طرح مال حاصل کر کے نہ صرف اس پر قناعت کرتا تھا، بلکہ اس حق حلال کی کمائی میں سے ہر ضرورت مند اور محروم شخص کا حق بھی ادا کرتا تھا۔ فاسق گروہ کے یہاں اپنے مال میں کسی اور کا حق اس لئے نہ سمجھا جاتا تھا کہ ان کے یہاں ہر شخص کی گزر بسر کے لئے تنخواہ یا وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا اور سب کو اس میں گزر بسر کرنا لازم تھی۔ علامہ نے اپنے ترجمہ میں جو تصور سامنے رکھا ہے وہ یوں بھی باطل ہے اور ان کی تشریح سے تو کھل کر باطل ہو جاتا ہے لہٰذا متقی گروہ کے متعلق تشریح ملاحظہ ہو:

علامہ کی تشریح متقی گروہ کی (آیت 51/19) حالت وعمل درآمد۔

"17۔ بالفاظ دیگر ایک طرف اپنے رب کا حق پہچانتے اور ادا کرتے ہیں دوسری طرف بندوں کے ساتھ ان کا معاملہ یہ تھا جو کچھ بھی اللہ نے ان کو دیا تھا، خواہ تھوڑا یا بہت، اس میں وہ صرف اپنا اور اپنے بال بچوں ہی کا حق نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کو یہ احساس تھا کہ ہمارے اُس مال میں ہر اس بندہ خدا کا حق ہے جو ہماری مدد کا محتاج ہو۔ وہ بندوں کی مدد خیرات کے طور پر نہیں کرتے تھے کہ اس پر اُن سے شکریے کے طالب ہوتے (دھر 76/9) اور اُن کو اپنا زیر بارِ احسان ٹھہراتے، بلکہ وہ اِسے اُن کا حق سمجھتے تھے۔ اور اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتے تھے۔

2۔ پھران کی یہ خدمت خلق صرف ان ہی لوگوں تک محدود نہ تھی جو خود سائل بن کران کے پاس مدد مانگنے کے لئے آتے۔ بلکہ جس کے متعلق بھی ان کے علم میں یہ بات آجاتی تھی کہ وہ اپنی روزی پانے سے محروم رہ گیا ہے اس کی مدد کے لئے وہ خود بے چین ہوجاتے تھے۔ 3۔کوئی یتیم بچہ جو بے سہارا رہ گیا ہو، 4۔کوئی بیوہ جس کا کوئی سر دھرا نہ ہو، 5۔کوئی معذور بچہ جو اپنی روزی کیلئے ہاتھ پاؤں نہ مارسکتا ہو، 6۔کوئی شخص جس کا روزگار چھوٹ گیا ہو، 7۔ یا جس کی کمائی اس کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو رہی ہو، 8۔کوئی شخص جو کسی آفت کا شکار ہوگیا ہو اور اپنے نقصان کی تلافی خود نہ کرسکتا ہو۔غرض کوئی حاجت مند ایسا نہ تھا جس کی حالت ان کے علم میں آئی ہو اور وہ اس کی دستگیری کرسکتے ہوں اور پھر بھی انہوں نے اس کا حق مان کر اس کی مدد کرنے سے دریغ کیا ہو"(تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 140-139)۔

چندسطروں کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"اس مقام پر یہ بات اور جان لینی چاہئے کہ اہل ایمان کے اموال میں سائل اور محروم کے جس حق کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے جسے شرعاً ان پر فرض کردیا گیا ہے، بلکہ یہ وہ حق ہے جو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی ایک صاحب استطاعت مومن اپنے مال میں خود محسوس کرتا ہے اور اپنے دل کی رغبت سے اُس کو ادا کرتا ہے۔بغیر اس کے کہ شریعت نے اسے لازم کیا ہو۔ابن عباس، مجاہد اور یزید بن اسلم وغیرہ بزرگوں نے اس آیت (51/19) کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔درحقیقت اس ارشاد الٰہی کی اصل روح یہ ہے کہ ایک متقی و محسن انسان کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتا کہ خدا اور اس کے بندوں کا جو حق میرے مال میں تھا، زکوٰۃ ادا کرکے میں اس سے بالکل سبکدوش ہوچکا ہوں۔اب میں نے اس بات کا کوئی ٹھیکہ نہیں لیا ہے کہ ہر ننگے، بھوکے مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرتا پھروں"(تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 140)

<u>**پنجم۔ان ہی دونوں گروہوں کا اُسی مقصد کے ماتحت دوسرے مقام پر بھی تذکرہ ہوا ہے۔**</u>

مذکورہ بالا آیات (51/10-19) اور مودودی کی تشریح کو ذہن میں رکھ کر سائل اور محروم کے متعلق پھر مذکورہ بالا دونوں قسم کے فاسق اور متقی گروہوں کا تذکرہ قرآن اور مودودی کے ترجمے وتشریح سے دیکھیں:

تَدۡعُوۡا مَنۡ اَدۡبَرَ وَتَوَلّٰیO وَجَمَعَ فَاَوۡعٰیO اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًاO اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًاO وَّاِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًاO اِلَّا الۡمُصَلِّيۡنَO الَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَO وَالَّذِيۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌO لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِO وَالَّذِيۡنَ يُصَدِّقُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِO (معارج 26-70/17)

<u>مودودی ترجمہ</u>:"پکار پکار کر (جہنم۔احسن) اپنی طرف بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے <u>حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری</u> اور مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا۔انسان تھڑ دِلا پیدا کیا گیا ہے، جب اُس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے اور جب اُسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بُخل کرنے لگتا ہے۔مگر وہ لوگ (اس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں، جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں، جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے۔جو روزِ جزا کو برحق مانتے ہیں۔"(تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 89-90)

<u>**ششم۔علامہ کی تشریح نے یہاں بھی حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ کے مطلب کو مشکوک کردیا ہے۔**</u>

مودودی صاحب نے گذشتہ آیات میں بھی سائل اور محروم کے حق کو لوگوں کے فیصلے اور فہم پر چھوڑ دیا تھا وہ یہاں لفظ "معلوم" آجانے کے بعد بھی حق معلوم کو حق نامعلوم بنانے اور لوگوں کی اپنی سوجھ بوجھ کے حوالے کرنے کے درپے رہے ہیں۔تشریح پڑھئے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

''16۔سورہ ذاریات آیت 19 میں فرمایا گیا ہے کہ ''ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے'' اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ ''ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے'' بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ مقرر حق سے مراد فرض زکوٰۃ ہے، کیوں کہ اُسی میں نصاب اور شرح، دونوں چیزیں مقرر کردی گئی ہیں۔لیکن یہ تفسیر اس بنا پر قابلِ قبول نہیں ہے کہ سورہ معارج بالاتفاق مکی ہے، اور زکوٰۃ ایک مخصوص نصاب اور شرح کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔اس لئے ''مقرر حق'' کا صحیح مطلب یہ ہے کہ: ''انہوں نے خود اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک حصہ طے کر رکھا ہے جسے وہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں'' (مسلسل لکھتے ہیں کہ):

''سائل سے مراد پیشہ ور بھیک مانگنے والا نہیں۔ بلکہ وہ حاجت مند شخص ہے جو کسی سے مدد مانگے اور محروم سے مراد ایسا شخص ہے جو بیروزگار ہو، 2۔روزی کمانے کی کوشش کرتا ہو مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں۔یا، 3۔کسی حادثے یا آفت کا شکار ہو کر محتاج ہو گیا ہو۔یا، 4۔روزی کمانے کے قابل ہی نہ ہو، ایسے لوگوں کے متعلق جب معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی محروم ہیں تو ایک خدا پرست انسان اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ اس سے مدد مانگیں، بلکہ ان کی محرومی کا علم ہوتے ہی وہ خود آگے بڑھ کر ان کی مدد کرتا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 90-91)

<u>ہفتم۔قرآن مجید کی زیرِ گفتگو آیات کے تراجم اور تشریحات پر استفادہ کے لئے الگ الگ تبصرے۔</u>

قارئین نے سورہ ذاریات کی دس آیات (51/10-19) اور سورہ معارج کی دس آیات (70/17-26) مع مودودی صاحب کے تراجم و تشریحات ملاحظہ کی ہیں اور دیکھا ہے کہ ان آیات و تراجم و تشریحات میں جو حقیقت سب باتوں سے زیادہ نمایاں اور اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ نے انسانوں کے دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ان میں سے ایک گروہ جنت میں داخل کیا گیا ہے اور دوسرے کو جہنم میں رکھا گیا ہے۔اور بتایا یہ گیا ہے کہ جنتی گروہ اس لئے جنت کا حقدار ہوا ہے کہ وہ اپنی کمائی یا خداداد اموال میں سے سائلوں اور محروموں کا معلوم و معروف حق برابر ادا کرتا رہا۔اور دوسرے گروہ کا عمل درآمد اس کے خلاف رہتا چلا گیا۔اور نتیجہ میں جہنم واصل ہوا۔ان آیات میں دونوں گروہوں کے حق میں کچھ اور چیزیں بھی بیان ہوئی ہیں جن پر حسبِ ضرورت بعد میں نظر ڈالی جائے گی۔

<u>پہلا تبصرہ۔کیا اللہ دنیا میں کسی انسان کو محتاج و محروم و بے بس و بے کس اور فقیر رکھنا چاہتا ہے۔</u>

مگر ان آیات میں جو پہلو ہمارے عنوان سے براہِ راست متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی نظامِ حیات میں اللہ کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ نوعِ انسان لامحدود ترقی کرے اور ترقی کی راہ سے ہر اُس رکاوٹ کو ہٹا دے جو اُسے مسلسل ترقی کرنے میں پیش آئے۔اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ غربت و افلاس سے بڑی اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔اور یہ کہ غربت و افلاس پھیلانے والا اللہ نہیں بلکہ وہ انسان ہیں جو ضروریاتِ زندگی کے سامان کا ذخیرہ کرنے میں جائز و ناجائز ضروری اور غیر ضروری اور دوسرے انسانوں کا لحاظ نہیں رکھتے۔جیسا کہ زیرِ بحث آیات میں بھی ایسے لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو ضروریاتِ انسانی کو جمع کرتے اور محفوظ برتنوں، بوریوں، گوداموں اور خزانوں میں رکھتے جاتے ہیں (وَجَمَعَ فَاَوْعٰی 70/18) اور اس مالی ذخیرے کی مناسبت سے اُس پر ذاتی یا جماعتی پہرہ لگائے رکھتے ہیں۔اس طرح ذخیرہ کرنے والوں کی مذمت قرآن میں بار بار اور طرح طرح سے آئی ہے۔مثلاً فرمایا گیا کہ:۔

<u>مودودی ترجمہ</u>: (1) ''تباہی ہے ہر اُس شخص کیلئے جو منہ در منہ لوگوں پر طعن اور پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے کا خوگر ہے، جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔(اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ) وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ہرگز نہیں، وہ شخص تو چکنا چور

کردینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا۔اورتم کیا جانو کہ کیا ہے چکنا چور کردینے والی جگہ؟ اللہ کی آگ ،خوب بھڑکائی ہوئی۔

(سورہ ھمزہ 6-104/1)(تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 458)

خزانہ جمع کرنے کی دوسری مذمت۔ اور یہ بھی فرمایا کہ:۔

(2) ''دردناک سزا کی خوشخبری دوان لوگوں کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں(وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّھَبَ وَالۡفِضَّۃَ) اورانہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں(وَلَا یُنۡفِقُوۡنَھَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَبَشِّرۡ ھُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ O) ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔یہ ہے وہ خزانہ جوتم نے اپنے لئے جمع کیا تھا،لواب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔'' (توبہ 35-9/34)(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 191)

دوسرا تبصرہ۔اگر تمام انسانوں کی تمام ضروریات ساتھ کے ساتھ فراہم کی جاتی رہیں تو ذخیرہ ناممکن ہوگا۔

مال جمع کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے کی تعلیم نہ کسی سابقہ نبیؑ نے دی نہ قرآن میں کہیں خزانوں کے قائم کرنے ،بھرنے اور اخراجات کرنے کی اجازت ملی ہے۔لہٰذا یہ کہنا نا قابل قبول ہے کہ عہد فاروقی میں خزانے رفاہِ عامہ کے لئے قائم کئے گئے تھے۔خزانہ قائم کرنا اگر انسانیت کے لئے مفید ہوتا تو قرآن کریم میں با قاعدہ اس کا ذکر ہوتا۔لہٰذا ہر وہ طریقہ باطل ہے جو قرآن کے خلاف اختیار کیا جائے۔رہ گئی افادیت یعنی کچھ نہ کچھ اور کسی نہ کسی طرح مفید ہونا؟ تو شراب، جوئے، زنا، چوری اور ہر حرام میں ایسی افادیت موجود ہے پھر اگر یہ کہا جائے کہ مال جمع کرنے اور خزانے بھرنے کی مذمت اس لئے اور یہی کہہ کر ہوئی ہے کہ وہ لوگ راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔لہٰذا اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔بلکہ مال خزانوں میں اسی غرض سے جمع کرتا ہے کہ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت یا موقع سامنے آئے تو فی الفور روپیہ یا سامان موجود ملے اور اللہ کے کام میں تاخیر نہ ہونے پائے تو ایسی صورت میں مال کا جمع رکھنا یا خزانے قائم رکھنا قابلِ مدح وستائش ہونا چاہئے۔ چنانچہ عمر نے اسی نیک مقصد سے خزانے قائم کئے اور ہمیشہ راہِ خدا میں دولت خرچ کی تھی۔لہٰذا ان پر اعتراض کرنا غلط ٹھہرتا ہے۔ہم اپنا اعتراض بصد معافی واپس لینے کو تیار اوران کو برسرِ حق ماننے پر آمادہ ہیں۔اگر ہمیں اتنی سی بات کا یقین دلا دیا جائے کہ جس روز بحرین سے پانچ لاکھ روپیہ ابو ہریرہؓ لے کر آئے۔اور خزانے کے قائم کرنے پر مشورہ ہوا اور آخر وہ روپیہ خزانہ میں رکھ دیا گیا۔اس روز عرب وعجم یعنی عمر کی ملکیت میں کوئی شخص نہ سائل تھا نہ محروم تھا۔1۔نہ بے روزگار تھا۔2۔نہ آفت رسیدہ تھا۔3۔نہ کوئی بے سہارا یتیم بچہ موجود تھا۔4۔نہ کوئی بیوہ ایسی تھی جس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو۔5۔نہ کوئی ہاتھ پیر سے معذور شخص تھا۔6۔نہ کوئی ایسا شخص یا خاندان تھا جس کی آمدنی اُس کی ضروریات سے کم ہوتی۔7۔نہ کوئی کسی حادثہ سے محتاج ہو جانے والا شخص تھا۔یعنی کسی شخص کو اس روز پوری مملکت میں ایک پیسے کی بھی ضرورت واحتیاج نہ تھی۔اور یہ بھی بتانا ہوگا کہ عمر کے دورِ حکومت میں کبھی کوئی ایسا شخص موجود نہیں رہا جو علامہ کی تشریحات کے مطابق سائل یا محروم کہلا سکتا۔اگر ان دونوں سوالات کا جواب اثبات میں ہو تو عمر خزانے قائم کرنے اور بھرے رکھنے میں برسرِ حق تھا۔لیکن قریش کی اس خودساختہ ناول نما تاریخ میں بھی عمر کو بری کرنے والا ثبوت نہ ملے گا ۔اور فقیروں محتاجوں اور سائلوں اور محروموں کے انبوہ ملیں گے۔اور صرف اس لئے ملیں گے کہ عمر نے رسولؐ کا اور خود اپنے ساختہ پرداختہ خلیفہ (29-25/27 فرقان) کا طریقہ چھوڑ کر مال ودولت وزر وجواہرات خزانوں میں قید کر دیئے تھے تا کہ جسے کروڑ پتی یا جسے فقیر بنانا ہو بلا دقت بنا سکے۔لہٰذا عمر کا اور اس کے طریقے پر چلنے والوں کا ٹھکانہ وہی جہنم ہے جو مندرجہ بالا مثالوں اور بنیادی آیات میں بیان ہوا ہے۔اور یہ بھی سن لیں کہ

علامہ مودودی کی تشریحات سے تمام مالداروں اور صاحبانِ حیثیت کا اپنا فرض ہے کہ وہ ضرورت مندوں کے آنے اور اپنی احتیاج بیان کرنے کا انتظار نہ کریں بلکہ اپنی اپنی بضاعت و وسعت کے مطابق سائلوں اور محروموں کی کھوج لگائیں اور ان کو خود مکتفی بنائیں۔اور ہم کہتے ہیں کہ اگر دنیا کا ہر شخص اس قرآنی طریقے پر ہر وقت عمل کرے تو خزانہ تو ایک بڑی بات ہے کسی کے پاس ایک پیسہ بھی پس انداز کرنے کے لئے نہ بچے گا اور شیطان کے فضل وکرم سے عمر نے تو اپنے دورِ حکومت میں اپنی قوم میں سیکڑوں لکھ پتی اور کروڑوں پتی بنا دیئے تھے۔اور وہ سب دشمنانِ خدا اور رسولؐ تھے۔

تیسرا تبصرہ۔مذکورہ بنیادی آیات (70/17-18) وغیرہ میں خاص طور پر عمر کا تذکرہ ہوا ہے بشرطیکہ معنی صحیح کئے ہوں۔

ہم نے بار بار اور طرح طرح یہ ثابت کیا ہے کہ تمام قریشی علماعموماً اور مودودی صاحب خصوصاً ثلاثہ اینڈ کمپنی کے تحفظ میں قرآن کے ساتھ بددیانتی کرتے ہیں۔اور کیوں نہ کریں جب کہ وہ قریش کے محافظ ہیں قرآن کے نہیں۔اور جب کہ اللہ و رسولؐ نے قریش کو قرآن کے جھٹلانے والا (انعام 6/66) اور قرآن کو مہجور کرنے والا فرمایا ہو (فرقان 25/30) چنانچہ زیرِ بحث آیات (70/17-26) کا ترجمہ کرتے ہوئے جب علامہ نے دیکھا کہ یہاں اگر صحیح ترجمہ کر دیا گیا تو ان کے راہنما فاروق اپنے پورے جاہ وجلال ومال ومنال کے ساتھ سامنے کھڑے نظر آئیں گے تو ان کو پبلک کی نظر سے چھپائے رکھنے کے لئے ترجمہ یوں شروع کیا کہ: ''پکار پکار کر جہنم اپنی طرف بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری اور مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا'' (70/17-18) (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 89)

مودودی کے ترجمہ پر ایک بھرپور نظر ڈالیں:

سب سے پہلی چیز یہ دیکھیں کہ ان دونوں آیات میں کوئی ایسا عربی زبان کا لفظ یا قرینہ یا اشارہ نہیں ہے جس سے یہاں حُکمیہ اور پورے یقین کے ساتھ ''ہر اس شخص کو پکارنا'' سمجھا جائے۔اس کے خلاف پہلی آیت (70/17) میں دونوں الفاظ (اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰی) واحد مذکر غائب کے افعال ہیں۔یعنی جہنم جسے بلائے گی۔یا بقول مودودی، پکار پکار کر بلائے گی وہ صرف ایک فردِ واحد ہوگا۔نہ کہ کسی مجمع کا ہر شخص؟ پھر دوسری آیت (70/18) میں جمع کرنے والا اور سینت سینت کر یا سنبھال سنبھال کر رکھنے والا بھی ایک ہی واحد شخص ہے (وَجَمَعَ فَاَوْعٰی) لفظ جمعَا دو اشخاص کے لئے آتا ہے اور جَمَعُوْا دو سے زیادہ کے لئے۔لہٰذا پہلا اور بنیادی فریب علامہ نے یہ دیا کہ ایک شخص واحد سے توجہ ہٹادی۔

مودودی کا دوسرا فریب عمر کا تشخص یا شناخت غائب کردی۔

دوسرے فریب کو سمجھنے کے لئے یہ دیکھیں کہ جو کوئی کسی سمت سے پیٹھ پھراتا ہے تو اس کا منہ خود بخود دوسری طرف گھوم جاتا ہے پیٹھ پھرانے اور منہ گھمانے کا کام الگ الگ کرنا نہیں پڑتا۔مثلاً آپ میرے سامنے کھڑے ہوئے مجھے ڈانٹ رہے ہیں یا کوئی اور ایسی بات کہہ رہے ہیں جو مجھے پسند نہ آئے اور میں ناگواری کے اظہار کے لئے آپ کی طرف اپنی پشت یا پیٹھ کر دوں تو یہ نہیں ہوسکتا کہ میری پیٹھ کے ساتھ میرا منہ نہ گھومے۔اور وہ برابر آپ کی طرف رہے اور مجھے باقاعدہ منہ کو الگ سے گھمانا پڑے۔

علامہ کے ترجمہ کا لطیفہ: آپ علامہ کا یہ ترجمہ دوبارہ دیکھیں اور لطیفے سے لطف اندوزی فرمائیں۔

اللہ نے فرمایا: مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰی (70/17)

علامہ نے سمجھا: جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری''

قارئین نوٹ کریں کہ منہ کو بلا پیٹھ پھیرے جدھر چاہیں موڑ یا گھما سکتے ہیں۔پیٹھ کو تنہا پھرا کر دیکھئے آپ کا منہ ساتھ کے ساتھ مڑتا یا گھومتا

چلا جائے گا۔ یہ بھی نوٹ کریں کہ لفظ اَدْبَرَ کے معنی پیٹھ پھیرنا کئے جاتے ہیں اور وہ اس لئے کہ پیٹھ کے لئے لفظ دُبَر لایا جاتا ہے چنانچہ اگر اللہ کا وہی مطلب ہوتا جو علامہ نے بیان کیا ہے تو اس آیت (70/17) میں لفظ تَوَلّٰی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جس کے معنی علامہ نے منہ موڑا کئے ہیں اور صرف لفظ ادبر کافی ہو جاتا یعنی ''جس نے پیٹھ پھرائی'' اُس کا منہ بھی پیٹھ کے ساتھ مڑ گیا۔

ترجمہ میں معنی بدلنے کے ساتھ اضافہ بھی کیا ہے۔

پھر یہ نوٹ کریں کہ اس پہلی آیت (70/17) میں کہیں لفظ حق نہیں ہے۔ اور علامہ نے خود اپنی جیب خاص سے ترجمہ میں ''حق سے'' منہ موڑنے اور پیٹھ پھرانے کا اضافہ کر دیا ہے۔ پھر یہ آیت اور ترجمہ دیکھیں: تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰی (70/17)

''پکار پکار کر اپنی طرف بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری''

اس ترجمہ میں جہاں ''حق سے'' کا اضافہ کیا ہے وہیں ''اپنی طرف'' اور ''ہر اُس'' بھی ایجادِ بندہ اور اضافہ ہیں۔ آیت میں کل چار ہی تو الفاظ ہیں۔ یہ بیس الفاظ کا ترجمہ خواہ مخواہ جڑ دیا ہے صحیح ترجمہ تو چند لفظوں میں ہے۔

آیت کا صحیح ترجمہ ''وہ بلائے گی (تَدْعُوْا) جس نے (مَنْ) پیٹھ پھیری (اَدْبَرَ) اور ولایت قائم کی (تَوَلّٰی)

چوتھا تبصرہ۔ آیت (70/17) کے صحیح معنی پر مودودی کی تصدیق اور خلیفہ دوم کی خلافت اور نظام کا باطل ہونا۔

پہلے بھی یہ حقیقت بار بار ثابت ہوتی رہی ہے کہ الفاظ۔ ولی، اَوْلِیَاء، مَوْلٰی، تَوَلّٰی، وَالِیُ، مَوَالِیُ، وغیرہ کا مادہ ''و۔ل۔ی'' ہے اور مصدر ''ولایۃ'' ہے اور یہ کہ ہر مصدر کے صرف ایک معنی ہوتے ہیں۔ اور ہر مصدر سے نکلنے والے ہر لفظ میں ہر حال میں مصدری معنی موجود رہتے ہیں۔ لیکن قرآن سے اپنے مذہب کے باطل تصورات کو محفوظ رکھنے کے لئے مودودی کی طرح ہر مذہب کے باطل پرستوں نے معنی کو بدل بدل کر کام چلایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمانوں کا ہر فرقہ حتیٰ کہ قادیانی بھی اسی قرآن سے اپنا کاروبار چلاتا ہے۔ اور یہ کاروبار قرآن کے الفاظ کے معنی تبدیل کئے بغیر چل نہیں سکتا۔ اور معنی بدلنے کی ترکیب سب سے پہلے قریش نے اختیار کی تھی (دیکھو سورہ فرقان 25/30) اور ماشاء اللہ مودودی نہ صرف یہ کہ قریشی عالم ہیں بلکہ قریش اور قریشی صحابہ کے محافظ بھی ہیں اس لئے انہوں نے آیت (70/17) میں آئے ہوئے لفظ ''تَوَلّٰی'' کے معنی جان بوجھ کر غلط اور ''منہ موڑا'' کر دیئے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ قرآن کے ساتھ ہیرا پھیری اور بددیانتی کرنے والوں کو رنگے ہاتھوں (Red Handed) پکڑ کر عوام کے سامنے پیش کر دیں۔ لہٰذا یہ آیت اور اس کا مودودی ترجمہ پڑھیں:

علامہ کی بددیانتی علامہ کے اپنے قلم سے ثابت ہے۔ تَوَلّٰی کے معنی۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O (نور 24/11)

مودودی کا تقریباً صحیح ترجمہ۔ ''جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا۔ اور جس شخص نے اس کی ''ذمہ داری'' کا بڑا حصہ ''اپنے سر لیا'' اُس کے لئے تو عذاب عظیم ہے'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 365-366)

قارئین نوٹ کریں کہ اس آیت میں وہی لفظ تَوَلّٰی آیا ہے اور یہاں اس کے معنی ''منہ موڑا'' نہیں کئے بلکہ ''ذمہ داری سر لینا'' کئے ہیں۔ لہٰذا پھر زیرِ تنقید آیت (70/17) کو دوبارہ لکھئے اور وہاں بھی لفظ تولّٰی کے یہ معنی کر کے آیت کے حقیقی مطلب تک پہنچنے کی کوشش کیجئے:

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰی O وَجَمَعَ فَاَوْعٰی O (70/17-18)

''پکار پکار کر بلائے گی جس نے پیٹھ پھیر کر ذمہ داری اپنے سر لے لی اور مال جمع کر کے خزانوں میں رکھا۔''

قارئین دیکھیں کہ مودودی کے ان معنی سے خزانے جمع کرنے والے شخص کا کسی دوسرے شخص سے پیٹھ پھرا کر کسی ذمہ داری کو خود سنبھال لینا معلوم ہو رہا ہے۔یعنی اب بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ ذمہ داری کیا تھی جو پیٹھ پھرانے والے شخص نے اپنے مخاطب کی مرضی کے خلاف اختیار کی تھی اور جس ذمہ داری نے اس شخص کو یہ مقام دیا کہ وہ بلا روک ٹوک ہر قسم کا مال جمع کرے اور بقول مودودی اس مال کو سینت سینت کر خزانوں میں بھرتا چلا جائے۔لیکن ہم مودودی کو چھوڑنے والے نہیں جب تک ان سے صحیح معنی نہ کرالیں۔

علامہ بددیانتی میں بھی علامہ ہیں مگر اہلِ قرآن سے پناہ نہیں ملتی

اب سنئے کہ اللہ عمر کی اسکیم،مقصد اور طرزِ حکومت کی پیش گوئی کر رہا ہے جو دو سو فیصد صحیح نکل چکی ہے۔اللہ ایک ایسے صحابی رسولؐ سے رسولؐ کو ہوشیار و خبردار رہنے کی تاکید کر رہا ہے جس کی اسکیم رسولؐ کو حیرانی کی حد تک پسند آتی ہے اور جو تمام ہی صحابہ میں سب سے زیادہ رسولؐ کا سر چڑھا ہے اور اپنے اسلامی طرزِ حیات کو رسولؐ کے سامنے ٹھونک بجا کر اور سخت سے سخت انداز میں پیش کرتے رہنے کا عادی ہے (بقرہ 2/204)اس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ:۔

عمر کا اسلامی منصوبہ اور اسلامی طرزِ حکومت؟

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَO(2/205)

مودودی ترجمہ ''جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے،کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا''(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 159)

اس آیت میں مودودی نے اُسی لفظ تَوَلّٰی کے معنی ''اقتدار حاصل کر لینا'' کئے ہیں۔اب پھر زیر بحث آیات (70/17-18) کے ترجمہ پہ تازہ معنی داخل کر کے آیات کے حقیقی معنی سمجھنے کی کوشش فرمائیں: تَدْعُو مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰیO وَجَمَعَ فَاَوْعٰیO(70/17-18)

''جہنم اُسے پکار پکار کر بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری اور اقتدار حاصل کر لیا اور مال جمع کر کے خزانوں میں رکھا''

عمر خطاب مع اپنی طرزِ حکومت اور دولت و خزانوں کے سامنے آگئے۔

اگر علامہ نے یہ معنی کئے ہوتے تو مسلمانوں کا وہ صاحبِ اقتدار حکمران سامنے آجاتا جس نے دولت کو خزانوں میں جمع کرنے کا طریقہ جاری کیا تھا۔اور پوری مملکت کا منہ فوج و پولیس اور جاسوسوں کے ذریعے بند کر دیا تھا۔جس نے دنیا کو جنگ و جدل و لوٹ مار اور قتل و غارت کا اکھاڑا بنا دیا تھا۔جس نے اپنے افسروں اور قوم کو کروڑوں پتی بنا کر انہیں مال حرام کھانے اور اسلامی احکام سے سرکشی کرنے کا عادی بنا دیا تھا۔جس نے اپنے منصوبے سے اختلاف کرنے والوں کو نظر بندی اور محتاجی میں مبتلا رکھا تھا۔

پانچواں تبصرہ۔آیات (51/10-19 ذاریات) سے اور (70/17-26 معارج) سے دونوں گروہوں کا تعین ہو گیا

لہٰذا آیاتِ زیرِ بحث میں وہ گروہ جسے جہنمی قرار دیا گیا ہے اپنے فاروق اعظم کا مقلد اور پیرو گروہ ہے جس کو اللہ نے خَرّٰصُوْنَ کہہ کر تباہی اور جہنم کی خوشخبری سنائی ہے اور علامہ نے خَرّٰصُوْنَ کا ترجمہ'' قیاس و گمان سے حکم لگانے والا '' کیا ہے۔اور جس طرح قرآن (فرقان 25/27-29)(بقرہ 205-2/204) سے اور قریشی تاریخ سے عمر وہ شخص ہے جس نے قریشی حکومت و اقتدار قائم کیا تھا اسی طرح عمر ہی وہ شخص

ہے جس نے اسلامی احکام کی جگہ نہ صرف عجمی حکومتوں کے قوانین کھل کر نافذ کئے بلکہ قیاس وگمان سے شریعت گھڑنا بھی جاری کیا (الفاروق) عمر نے قرآن کو نامکمل کتاب ثابت کرنے کے لئے انسان ساز غیر مسلم قوانین مسلمانوں میں رائج کئے۔

اللہ نے عمر اور اس کے پیروؤں کو ''خَرَّاصُوْنَ'' ''قیاس پر عمل کرنے والے'' کیوں فرمایا ہے؟ علامہ شبلی سے بصد احترام سنئے: لکھتے ہیں کہ:

1) عجمی حکومتوں کے قوانین اسلامی قوانین بنا دیئے گئے: ''حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد وانتظامات سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں ان کو اختیار کرتے تھے خراج، عشور، دفتر، رسد، کاغذات، حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران وشام کے قواعد پر عمل کیا'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 88)

یعنی قدیم حکومتوں اور حکمرانوں کے تمام پسندیدہ قوانین آگے چل کر مسلمانوں میں اسلامی قوانین بن گئے۔ اور سنئے:۔

2) قرآن اور حدیث یعنی اللہ ورسولؐ نوع انسان کی تمام ضروریات پر احکام وقوانین نہ دے سکے۔

''فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے فقہ کا کافی ہونا ''قیاس'' پر موقوف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جُزئیات مذکور نہیں ہیں (قرآن کے تمام دعاوی کو جھوٹا کہہ دیا، یوسف 12/111) اِس لئے ضرورت ہے کہ اُن جزئیات کا فیصلہ کرنے کے لئے قیاس سے کام لیا جائے۔ اسی ضرورت سے آئمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سب ہی قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ (قرآن، حدیث سے ہٹ کر۔ احسنؔ) قیاس ہے لیکن قیاس کی بنیاد اول جس نے ڈالی وہ حضرت فاروق ہیں'' (ایضاً 114)

یہاں تک زیر بحث آیات (70/17-26،51/10-19) میں مذکور ایک گروہ یعنی عمر اور اس کے پیروؤں کا تذکرہ مکمل ہو گیا۔ اب دوسرے متقی و محسن اور جنتی گروہ کے سلسلے میں چند وضاحتیں سامنے رکھنا ہوں گی۔

چھٹا تبصرہ۔ سائل اور محروم کا حق فرضی نہیں بلکہ الہامی اور سابقہ انبیؑا کا بتایا ہوا ہے۔

علامہ نے بلا کسی قرآنی دلیل کے اپنے پاس سے لکھ دیا کہ:

1۔ ''یہ وہ حق ہے جو زکوۃ ادا کرنے کے بعد بھی ایک صاحب استطاعت اپنے مال میں خود محسوس کرتا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 140)

2۔ ''مقررہ حق کا صحیح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک حصہ طے کر رکھا ہے جسے وہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 90)

علامہ کی اس تفہیم سے دو خرابیاں سامنے آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ قرآن کی آیت میں ایک لفظ کا اضافہ کئے بغیر علامہ والا مطلب ومعنی قرآن سے نہیں نکلتے جب تک آیت یوں نہ ہو کہ:۔

قرآن میں اضافہ: وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لَّهُمْ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (70/24-25)

مودودی والے معنی اب صحیح ہیں ''جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے جو صرف ان ہی کو معلوم ہے'' (جو سرمایہ دار ہوں)

ثابت ہوا کہ مودودی قرآن میں معنوی ھیر پھیر ہی نہیں کرتے بلکہ جہاں ضروری سمجھتے ہیں اضافہ اور کمی بھی کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ ہر مومن اپنی اپنی رائے اور قیاس سے سائل اور محروم کا حق مقرر کرے گا۔ تو وہ حق کم وبیش اور مختلف ہو گا جس سے سائل اور محروم کو نقصان ہو گا۔ لہٰذا وہ ایسا معلوم ومعروف حق ہونا چاہیئے جو عام طور پر سب کو معلوم ہو خواہ وہ مومن ہوں یا منکر ہوں مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں۔

ایسا معلوم کہ ''پانی پیاس بجھاتا ہے'' یا جیسے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے۔ جو طے شدہ اور پکی بات ہو۔ جس میں ادل بدل اور کمی زیادتی کرنا بھی غلط معلوم ہو۔

(اول) قریشی اسلام میں اللہ، رسولؐ اور سابقہ کتابوں اور قرآن پر پورا اور عملی ایمان نہیں ہوتا۔

یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ قریش نے اسلام کو جس ترمیم و تنسیخ کے ساتھ اختیار کیا تھا اس کو سمجھنے کے لئے یہ آیت پڑھیں اور خود علامہ مودودی ہی کا ترجمہ دیکھیں:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ...الخ (4/136 نساء)

مودودی ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے اور ہر اُس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 406-407)

یعنی قریش کا حقیقی معنی میں نہ اللہ پر ایمان تھا نہ اللہ کے رسول محمدؐ پر وہ باقاعدہ ایمان لائے تھے۔ نہ وہ قرآن کو مفصل و مکمل اور تمام ضروریات زندگی پر محیط کتاب مانتے تھے۔ اور اسی لئے عمر نے قیاسی شریعت بنائی تھی۔ اور نہ ہی قریش توریت و زبور و انجیل سے کوئی تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں اس کی کیا ضرورت تھی کہ وہ اللہ کی لاکھوں سال کی سابقہ تعلیمات کو زیر نظر رکھتے۔ ان کے نزدیک تمام سابقہ کتابوں کی الٰہی تعلیمات اب بیکار اور آؤٹ آف ڈیٹ تھیں۔ اور اسلام صرف ان تعلیمات کو کہتے تھے جو مدینے کی زندگی میں قرآن اور حدیث سے ان کے سامنے آئی تھیں۔ یعنی رسولؐ کی حیات کے ترپین (53) سال بھی اسلام سے کچھ تعلق نہ رکھتے تھے۔ اور ان کے نزدیک قرآن کے اندر بھی بہت سی آیات کا حکم ختم ہو گیا تھا جن پر عمل کرنا غلط تھا۔ ان کی زبان میں وہ منسوخ آیات تھیں۔ ان کے نزدیک کُل چار سو ایسی آیات تھیں جن سے کچھ لنگڑے لُولے قیاس و اجتہاد کے محتاج احکام نکلتے تھے۔ اس لئے انہوں نے قدیم حکومتوں اور حاکموں کے قوانین کو اپنے قیاس سے سنوار کر اپنی شریعت بنائی تھی۔

دوم۔ حضرت عیسیٰ نے انجیل میں سائل اور محروم کا حق بیان کر دیا تھا۔

ہم سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام پر اور ان کی تمام کتابوں پر ایمان لائے ہیں اور قرآن کی مدد سے ان کی تمام تعلیمات پر عمل کرنا واجب سمجھتے ہیں۔ وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ:

وَسَأَلَہُ رَئِیْسٌ قَائِلًا اَیُّھَا الْمُعَلِّمُ الصَّالِحُ مَاذَا اَعْمَلُ لِاَرِثَ الْحَیَاۃَ الْاَبَدِیَّۃَ. فَقَالَ لَہُ یَسُوْعُ لِمَاذَا تَدْعُوْنِیْ صَالِحًا اِنَّہُ لَا صَالِحَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ قَدْ عَرَفْتَ الْوَصَایَا. لَا تَقْتُلْ. لَا تَزْنِ. لَا تَسْرِقْ. لَا تَشْھَدْ بِالزُّوْرِ. اَکْرِمْ اَبَاکَ وَاُمَّکَ فَقَالَ کُلُّ ھٰذَا قَدْ حَفِظْتُہُ مُنْذُ صِبَایَ. فَلَمَّا سَمِعَ یَسُوْعُ ذٰلِکَ قَالَ لَہُ وَاحِدَۃٌ تُعْوِزُکَ بَعْدُ بِعْ کُلَّ شَیْءٍ لَکَ وَوَزِّعْہُ عَلَی الْمَسَاکِیْنِ فَیَکُوْنَ لَکَ کَنْزٌ فِی السَّمَآءِ؛ وَتَعَالَ اتْبَعْنِیْ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِکَ حَزِنَ لِاَنَّہُ کَانَ غَنِیًّا جِدًّا. فَلَمَّا رَاٰہُ یَسُوْعُ قَدْ حَزِنَ قَالَ مَا اَعْسَرَ عَلٰی ذَوِی الْاَمْوَالِ اَنْ یَدْخُلُوا مَلَکُوْتَ اللّٰہِ. اِنَّہُ لَاَسْھَلُ اَنْ یَّدْخُلَ الْجَمَلُ فِیْ ثَقْبِ الْاِبْرَۃِ مِنْ اَنْ یَّدْخُلَ غَنِیٌّ مَلَکُوْتَ اللّٰہِ. (الکتاب المقدس۔ اَلْعَھْدُ الجدید انجیل لوقا فصل 18 المطبعۃ الکاثولیکیۃ۔ بیروت)

ترجمہ: ''ایک رئیس شخص نے یہ کہتے ہوئے ان سے پوچھا کہ اے صالح مطلق اوستاد مجھے وہ روشِ زندگی بتایئے جس سے میں حیاتِ ابدی کا وارث بن جاؤں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس شخص سے کہا کہ تم نے مجھے کس حیثیت سے صالح مطلق (الصالح) قرار دیا ہے؟ جب کہ صالح حقیقی تو

صرف تنہا اللہ ہے۔ یقیناً تم نسل در نسل چلے آنے والے احکام (وصایا) کو تو جانتے ہی ہو گے۔ لہٰذا تم قتل نہ کرو۔ زنا نہ کرنا، چوری سے باز رہنا اور جبر واستحصال سے دُور رہنا۔ اور اپنے والدین کو فائدہ پہنچاتے رہنا۔ اس شخص نے عرض کی کہ حضور میں نے بچپن سے اب تک ان تمام ہدایات پر عمل کیا ہے۔ جب حضرت عیسیٰؑ نے اس کا یہ جواب سُنا تو فرمایا کہ اس کے بعد تمہیں جس عمل کی احتیاج ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنی ملکیت کی ہر چیز فروخت کر کے حاصل شدہ رقم سے مساکین کی احتیاج رفع کر دو اور ایسا کرتے ہی تمہارے لئے آسمان میں ایک خزانہ کھل جائے گا۔ اور ہر کام سے فارغ ہو کر میرے ساتھ میرے قدم بقدم چلنا شروع کر دو۔ جب اس دولت مند شخص نے یہ فیصلہ سُنا تو بہت غمگین ہوا۔ اس لئے کہ وہ بہت بڑا دولتمند (غنی) تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ دولت مندوں کا ولایتِ خداوندی میں داخل ہونا کتنا مشکل ہے؟ اس بات کو اس سے سمجھو کہ ایک اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک غنی شخص کا ولایتِ خداوندی میں داخل ہو جانا جتنا مشکل ہے''۔

سوم۔ سائل اور محروم کا معلوم ومعروف اور چیختا ہوا حق یہ ہے کہ انہیں سائل ومحروم نہ رہنے دیا جائے۔

سائلی ومحرومی کا علم ہوتے ہی یہ علم خود بخود ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں اچھی نہیں اور کوئی انسان ناپسندیدہ حالت میں رہنا پسند نہیں کرتا اور ہمیشہ کوشاں رہتا ہے کہ اُسے ناپسندیدہ حالات سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ یعنی اُسے معلوم ہے کہ سائلی اور محرومی کو دُور سے دُور رکھنا چاہئے۔ یا اُس سے دور سے دور رہنا چاہئے۔ اور اگر کسی طرح سائلی اور محرومی آ گھیرے تو جلد سے جلد اس کی گرفت سے نکل جانا ضروری ہے۔

چہارم۔ سائلی اور محرومی کا احساس اور اسے دور تر رکھنے کی کوشش اور انتظامات ہی کا دوسرا نام ترقی ہے۔

بچپن سے ہوش سنبھالتے ہی انسان اپنے نقائص اور خامیوں پر نظر رکھتا ہے اور انہیں دور کرنے میں ساری زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ وہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا جب کہ اس کے ماں باپ، بہن بھائی، اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہیں اور خود اسے بھی اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں۔ وہ اس وقت سائل اور محروم ہے۔ ہزاروں چیزوں اور مفید حالتوں سے محروم ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ اس کے ماں باپ، بہن بھائی، اور تمام چاہنے والے افراد اس کی سائلی اور محرومی دور کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اسے کھڑا کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ چلنے کے لئے انتظام کرتے ہیں۔ گرنے سے بچانے کی ترکیبیں نکالتے ہیں اور برابر کوشاں رہتے ہیں کہ اسے اپنے ایسا بنا کر دم لیں گے۔ اسکول میں اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ اور زندگی کے ایک خاص دور میں پہنچ کر لوگ اس کی طرف سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ اور اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر دستکش ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی ایک قسم کی سائلی ومحرومی دور ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری قسم کی سائلی ومحرومی سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ یعنی وہ تا حیات زندگی کے آنے والے میدانوں، منزلوں اور مرحلوں میں کسی نہ کسی طرح کی سائلی ومحرومی سے دوچار رہتا ہے۔ اور معاشرے میں بہت سے لوگ ایسے موجود پاتا ہے جو بچپن کی طرح اب بھی اس کی سائلی ومحرومی کو دور کر سکتے ہیں مگر نہیں کرتے۔ اللہ اور انبیاء علیہم السلام یہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص ایک دوسرے کی سائلی ومحرومی کو دور کرنے کے لئے اپنا سب کچھ خرچ کر دے۔ دامے، درمے، سخنے، قدمے اس فریضے کو ادا کرتا چلا جائے۔ اور ہر اس چیز کو راستے سے ہٹا دے جو سائلی اور محرومی دور کرنے سے روکتی ہو۔

پنجم۔ حضرت عیسیٰؑ نے ولایتِ خداوندی میں داخلے اور تکمیلِ انسانیت کے لئے خالی ہاتھ کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انسانوں کو اس حالت میں رہنے کی تاکید کی ہے جس میں وہ ولایتِ خداوندی میں داخل ہو سکتا ہے۔ یعنی انسانوں کو واضح صورت میں یہ بتا دیا کہ جن چیزوں کی عدم موجودگی انسانوں کو محتاج یا سائل ومحروم بنا رہی ہے ان چیزوں کو قبضے میں رکھنے والے تمام

انسان ،انسانوں کوسائل ومحروم بنانے کے مجرم ہیں اور یہ مجرم ہرگز ولایتِ خداوندی میں داخل نہیں ہوسکتے ۔ایسے مجرموں کوانہوں نے غنی یا اغنیاء فرمایا ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کوکسی چیز کی یا کسی انسان کی پرواہ اور فکر نہیں ہے ۔ایسے بے فکرے مجرم لوگ دوسرے لوگوں کے حقوق پر قبضہ کر کے غنی بنے ہوئے ہیں ''مَلکُوت اللہ ''میں داخل نہیں ہوسکتے ۔ان کا داخلہ اس سے بھی مشکل ہے جتنا اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا مشکل ہے۔

اِنَّہٗ لَا سَھَلُ اَنْ یَّدْخُلَ الْجَمَلُ فِیْ ثَقْبِ الْاِبْرَۃِ مِنْ اَنْ یَّدْخُلَ غَنِیٌّ مَلَکُوْتَ اللّٰہِ (لوقا 18/26)

ششم ۔قرآن ایسے غنی لوگوں کو اعلانیہ آیات کو جھٹلانے اور کبریائی کا مجرم کہتا ہے۔

قرآن کریم نے ایسے اغنیاء پر جرم عائد کیا ہے کہ انہوں نے ان تمام آیات کو غلط معنی پہنا کر کبریائی کی پوزیشن اختیار کی لہٰذا ان کی سزایوں بیان کی گئی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَO (سورہ الاعراف 7/40)

ترجمہ ''یقین کرلو کہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا غلط معنوی استعمال کر کے ان کے مقصد کے خلاف کبریائی اختیار کی ہوئی ہے ان کے لئے آسمان کے دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں گے۔ان کا جنت میں داخلہ اتنا ہی ناممکن ہے جتنا درزی کی سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا گزرنا''

قارئین کے نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ نے غنی لوگوں کے لئے جو کچھ حضرت عیسیٰؑ کی زبانی انجیل میں کہلوایا تھا وہی قرآن میں آنحضرتؐ کی زبان سے فرمایا ہے۔اور کتنا لطیف معاملہ ہے یہاں دونوں جگہ عائشہ اینڈ کمپنی کے اونٹ کو سامنے رکھ دیا ہے اور جنگ جمل پھر یاد دلادی گئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اغنیاء یا لوگوں کے کبریا بن جانے کا چار میں سے تین انجیلوں (لوقا 22-18/18،متی 22-19/16،مرقس 22-10/17) میں ذکر ہوا ہے مگر قرآن کریم سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کے گزرنے کی مثال صرف ایک جگہ لایا ہے اور یہ فرما کر بات مکمل کردی ہے کہ:

ہفتم ۔تمام مسلمانوں کو اپنی تمام ملکیت سائلین محتاج ومحرومین کو دے کر حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی مانند ہوجانا تھا۔

''اے مومنین تم سب اللہ کے ویسے ہی انصار بنو جیسے حضرت عیسیٰؑ کے حواری اللہ کے انصار تھے۔جیسا کہ عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ بتاؤ تم میں سے کون کون اللہ کی طرف سے میرا ناصر و مددگار ہے تو حواریوں نے کہا تھا کہ ہم سب تمہارے لئے اللہ کے انصار ہیں۔

اس وقت بنی اسرائیلؑ کا ایک گروہ انصار بننے پر ایمان لے آیا تھا دوسرا گروہ حق پوش بن گیا تھا'' (سورہ صف 61/14)

اس آیت کی رُو سے مسلم صرف وہ لوگ ہیں جو ہر اُس چیز کو سائل اور محروم کے حوالے کردیں جس کو دینے کے بعد وہ دنیا میں سُبک دوش اور خالی ھاتھ رہ جائیں۔ یہ تھا وہ حق جو حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ سے مشہور ومعروف چلا آرہا تھا یعنی اپنے قبضے میں کچھ نہ رکھنا اور سب کچھ ضرورت مندوں کو دے دینا۔اسی بات کو قرآن نے یوں بھی فرمایا ہے کہ:۔

ہشتم ۔انجیل کا قانون قرآن کے ایک لفظ نے بیان کردیا۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ... (بقرہ 2/219)

''اور تم سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ آپؐ کے نظام میں اخراجات کا اصول کیا ہوگا؟ اُن سے کہہ دو کہ ''جو نظر انداز ہوسکے''

یہاں قارئین کے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ نے جواب میں ایک لفظ ''اَلْعَفْو'' فرمایا ہے۔اور یہ لفظ وہی ہے جس سے لفظ ''معاف یا معافی'' بنائے جاتے ہیں اور جن کے معنی ہوتے ہیں ''کسی کے ناپسندیدہ فعل پر مواخذہ نہ کرنا۔ بلکہ اسے آئندہ موقع دینے کے لئے فی الحال سزا کو نظر انداز

کر دینا''یعنی ''نظر اندازی'' مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ چیز خرچ کر دی جائے گی جسے نظر انداز کیا جاسکتا ہو۔

نہم۔سرمایہ داروں نے اس لفظ کے معنی ایسے کئے کہ کبھی خرچ کرنا ہی نہ پڑے۔

لیکن سرمایہ دار قریشی نظام میں اس لفظ ''اَلْعَفْو'' کے وہ معنی اختیار کئے گئے جس سے سرمایہ داری اور اجارہ داری اور فقر وفاقہ اور سائلی و محرومی ہمیشہ جاری رکھی جاسکے۔اور ان معنی ہی کی بنا پر عہد رسولؐ سے آج تک بفضلِ شیطان سرمایہ دار و سرمایہ داری محفوظ اور باقی چلے آ رہے ہیں۔ مودودی کا ترجمہ سنئے:۔

مودودی کا ترجمہ ''پوچھتے ہیں:''ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ کہو: جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو''(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 167)

سُخنہائے گفتنی۔ یہ ترجمہ کر کے علامہ خاموشی سے گزر گئے نہ حسب عادت و معمول اس پر کوئی حاشیہ لکھا نہ کوئی توضیح وتشریح کی۔حالانکہ یہاں لازم تھا کہ وہ یہ بتاتے کہ اسلام میں، بقول اُن کے راہ خدا میں خرچ کرنے کا معیار واصول کیا ہے؟

حالانکہ اس سے پہلے وہ آیت (2/215) کا ترجمہ کر چکے اور وہاں بھی علامہ خاموش گزرے ہیں۔بہرحال ان کے ترجمہ کو دوبارہ دیکھئے۔اور سوچئے کہ دریافت کرنے والوں کے سوال میں لفظ ''فی سبیل اللہ'' نہ ہونے کے باوجود علامہ نے اپنی جیب سے ''راہِ خدا'' لکھ دیا ہے۔وہ تو کسی خاص صورت میں خرچ کا سوال نہیں کرتے بلکہ ''کیا خرچ کریں؟'' کہتے ہیں۔پھر ایک لفظ ''اَلْعَفْو'' سے وہ جو معنی کشید کرتے ہیں ان میں سے کسی لفظ کا تعلق ۔العفو۔سے ہرگز نہیں ہے اگر جواب میں لفظ ''ما'' ہوتا تو ترجمہ میں ''جو کچھ'' آسکتا تھا۔پھر وہاں تو صرف ایک لفظ ہے اس سے ''تمہاری ضرورت سے زیادہ'' کس ترکیب سے نکالا جاسکتا ہے؟ پھر یہ جملہ کہ ''جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو''ایک شیطانی جملہ ہے۔ایک آدمی کی ضروریاتِ زندگی میں سے موٹر بھی ہے اُسے موٹر خرید لینے تک کچھ خرچ نہ کرنا اس ابلیسی جملے سے جائز ہے۔اُسے T.V اور فریج، ریڈیو، وائرلیس کی ضرورت کے لئے بھی روپیہ کی ضرورت ہے۔الغرض جو جو سامان لوگوں کے گھروں میں ہے وہ ہر گھر والے کے نزدیک کم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ دوسروں کے گھروں میں اپنے گھر سے کچھ زیادہ سامان دیکھتا ہے اور اسے حاصل کرنا چاہتا ہے ایک غریب سے لے کر بادشاہ تک ہر شخص کی ضرورت کبھی ختم ہونے والی نہیں۔TV آیا تو اس کی مرمت کی ضرورت ساتھ ساتھ آئے گی مطلب یہ کہ کبھی بھی کسی آدمی کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوگا اور وہ بقول مودودی راہِ خدا میں کبھی بھی خرچ نہ کرے گا۔اور اس ترجمہ کی رُو سے حق بجانب بھی ہوگا۔اور اسی نظام کو ابلیسی یا شیطانی نظام کہا گیا ہے۔اس میں ہر شخص غنی بننے میں کوشاں رہتا ہے اور غنی بننے کی یہ ذہنیت اسے جہنم میں لے جائے گی۔

دھم۔اَلْعَفْو کے مرتضوی اور فطری معنی خود ان کا قول وعمل تھا۔

حضرت علی علیہ السلام بصرہ کے گورنر کو سرمایہ داروں سے بچنے اور اسلامی زندگی اختیار کرنے کی ہدایت کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَامُوْمٍ اِمَامًا يَّقْتَدِىْ بِهٖ ؛وَيَسْتَضِىْءُ بِنُوْرِ عِلْمِهٖ؛ اَلَا وَاِنَّ اِمَامَكُمْ قَدِاكْتَفٰى مِنْ دُنْيَاهُ بِطِمْرَيْهِ؛ وَمِنْ طُعْمِهٖ بِقُرْصَيْهِ(مکتوب نمبر45(13-45/10)

''خبردار رہ کر سنو کہ ہر پیرو (ماموم) کے لئے ایک امامؑ ہوتا ہے۔جس کے علم کے نور سے وہ پیرو کسبِ ضیا کرتا ہے۔ہوشیار ہو کر نوٹ کرو کہ تمہارے امامؑ نے اپنی اس دنیا کے تمام اموال وسامان میں سے صرف دو عدد پُرانے کپڑوں اور دو روٹیوں پر کفایت کر لی ہے''

(مکتوب 45 مفتی جعفر جلد 3 صفحہ 97)

اسی خط میں یہ لکھا کہ: وَيْمُ اللّٰهِ .يَمِيناً اَسْتَثْنِيْ فِيهَا بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ .لَاَ رُوْضَنَّ نَفْسِيْ رِيَاضَةً تَهُشُّ مَعَهَا اِلَى الْقُرْصِ اِذَا قَدَرَتْ عَلَيْهِ مَطْعُوْمًا وَتَقْنَعُ بِالْمِلْحِ مَأدُوْمًا.

''میں اپنی بات کی پختگی پر اللہ کی ایسی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس میں مشیت خداوندی کے سوا کوئی اور شرط نہیں ہے کہ میں اپنے نفس کو اس طرح سدھاؤں گا اور عادی بناؤں گا کہ وہ ایک روٹی مل جانے اور اسے کھا لینے پر خوش اور مطمئن ہو جائے اور سالن کی جگہ صرف نمک پر قناعت کر لیا کرے'' (ایضاً صفحہ 100)

<u>یازدھم۔اپنے قول وعمل کی دلیل اور وجہ وہی بتائی جو انجیل میں ہے۔</u>

اُسی خط میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَلَوْ شِئْتُ لَاهْتَدَيْتُ الطَّرِيْقَ اِلٰى مُصَفّٰى هٰذَالْعَسَلِ ؛ وَلُبَابِ هٰذَا الْقَمْحِ ؛ وَنَسَآئِجِ هٰذَالْقَزِّ ؛ وَلٰكِنْ هَيْهَاتَ اَنْ يَّغْلِبَنِيْ هَوٰىَ؛ وَيَقُوْدَنِيْ جَشَعِيْ اِلٰى تَخَيُّرِ الْاَطْعِمَةِ وَلَعَلَّ بِالْحِجَازِ اَوِ الْيَمَامَةِ مَنْ لَا طَمَعَ لَهُ فِي الْقُرْصِ؛ وَ لَا عَهْدَلَهُ بِالشِّبَعِ ؛ اَوَاَبِيْتَ مِبْطَانًا وَّحَوْلِي بُطُوْنٌ غَرْثٰى ؛ وَاَكْبَادٌحَرّٰى ؛(ایضاً صفحہ 98)

<u>ترجمہ</u> ''اگر میں چاہتا تو عمدہ قسم کا شہد، نفیس قسم کا گیہوں اور ریشمیں کپڑوں کے استعمال کے لئے وسائل وذرائع مہیا کر سکتا تھا۔لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ مجھے گھٹیا خواہشات مغلوب کر لیں۔اور حرص وطمع مجھے بہترین غذائیں فراہم کرنے پر راضی کر لے۔جب کہ حجاز ویمامہ میں ایسے لوگ موجود بھی ہوں جنہیں ایک روٹی ملنے کی امید نہیں۔اور انہیں پیٹ بھر کھانا ملنے کا کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو۔کیا میں ایسے حالات میں شکم سیر ہو کر لیٹا رہوں جب کہ میرے گردو پیش بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر تڑپ رہے ہوں'' (جعفر جلد 3 صفحہ 98)

یہاں تک انجیل وقرآن اور حواریانِ عیسیٰؑ کی بات واضح ہوگئی کہ ہر وہ چیز جو جسم پر لباس کے علاوہ گھر میں جو موجود ہے نظر انداز کی جائے گی۔ایک یا دو روٹیوں کے علاوہ تمام غلہ یا اناج نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔اگر لوگوں کو غذا کی اِس وقت ضرورت ہے تو ہم شام کے لئے اناج اُسی صورت میں بچا کر رکھیں گے جب کہ ہم جان بوجھ کر بعض لوگوں کو شام تک بھوکا رکھنے کا فیصلہ کر لیں اور یہ نہ صرف بڑی بے رحمی ہے بلکہ اپنے بھائیوں اور اپنے بچوں کی حق تلفی اور قرآن وانجیل کے احکام کی خلاف ورزی بھی ہے اور خلاف ورزی ہی تو جہنم میں لے جاتی ہے۔یہ ہیں العفو کے معنی اور ان پر عمل کی تاریخی حقیقت۔جس سے دشمن بھی انکار نہیں کر سکتے۔یہ علیؑ کا کیریکٹر تھا جو لفظ بلفظ قرآن اور سابقہ کتابوں کے مطابق ہے۔اگر قریشی نظامِ حکومت بیچ میں نہ آ گیا ہوتا تو قرآن فہمی اور اسلامی نظام پر عمل نہایت آسان ہو جاتا۔یہی جگہ ہے جہاں قارئین کو یہ نوٹ کرنا چاہئے کہ کیوں مہینوں مہینوں رسوؐل کے گھر سے دھواں نہ نکلتا تھا؟ کیوں علیؑ مرتضیٰ نے جو کی روکھی سوکھی روٹی کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا؟ اور خانوادۂ رسوؐل نے صدیوں تک اچھی خوراک وغذا اور پوشاک کو ترک کئے رکھا؟ اس لئے کہ وہ سائل ومحروم کا حق ادا کرتے رہنا واجب سمجھتے تھے۔وہ چاہتے تھے کہ غربت و افلاس، لاچاری ومجبوری نوع انسان کی راہ سے ہٹ جائیں اور انسان بے روک لامحدود ترقی کرتا چلا جائے۔لیکن قریش کا سرمایہ دارانہ نظام محمد وعلی علیھم السلام کے راستے میں سخت آزمائش بن کر کھڑے ہوگئے اور اللہ نے ابلیس کی طرح قریش کو بھی ان کے نظام کو آزمانے کا موقع دے دیا تا کہ انہیں دلیل وحجت کے ساتھ جہنم واصل کیا جاسکے۔

10۔ اللہ، رسولؐ، قرآن، سابقہ کُتب اور علیؑ کے پیش کردہ نظام کی بنیادی باتیں۔

قارئین کرام نے سابقہ عنوانات میں قریشی نظام کے مقابلہ میں وہ نظام دیکھا جس میں اللہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص محتاج ولاچار و بے بس و بے کس نہ رہے۔ اور اس نظام میں تعاون کرنے والے لوگوں کو متقی و محسن قرار دے کر انہیں جنت کا حقدار بتایا ہے اور مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ دنیا سے سائلی و محرومی کو دُور کریں اور اس فریضہ کو ادا کرنے کا نہایت آسان طریقہ یہ بتایا ہے کہ ہر وہ چیز ضرورت مندوں کے سپرد کر دیں جس کو اپنے پاس رکھنے سے لوگ سائل و محروم رہتے ہوں۔ یعنی تن پر پہنے ہوئے کپڑوں کے علاوہ کوئی چیز اپنے قبضے میں نہ رہنے دی جائے۔ یہی کچھ قرآن نے فرمایا (بقرہ 2/219) اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا (لوقا 22-18/18، متی 22-19/16، مرقس 22-10/17) اور اسی پر عمل اور تاکیدِ عمل تھی حضرت علی علیہ السلام کے یہاں (مکتوب 45) اور اسی نظام کے تقاضا پر حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر و عمر و عثمان کی عطا کردہ تمام جاگیریں، جائیدادیں وسائل حیات و سرمایہ قریشی اغنیاء کے ناجائز قبضے سے نکال کر سائلین و محرومین کو دے دیا تھا۔

اول۔ قرآن اور قرآن ناطق کے نزدیک اس کائنات کی کوئی چیز کسی انسان کی ملکیت نہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ: یَا بْنَ اٰدَمَ مَاکَسَبْتَ فَوْقَ قُوْتِکَ فَاَنْتَ فِیْهِ خَازِنٌ لِغَیْرِکَ (حکمت نمبر 192 جعفر جلد 3 صفحہ 234)

(الف) خوراک کے علاوہ ہر چیز پرائی اور امانت ہے۔

1) ''اے فرزندِ آدمؑ تو نے اپنی خوراک کے علاوہ جو کچھ کما کر حاصل کیا ہے وہ تیری ملکیت نہیں ہے بلکہ تیرے علاوہ دوسروں کا مال ہے اور تم صرف خزانچی اور حفاظت کرنے والے ہو''

حضورؐ کے اس بیان کے بعد یہ بات مان لینا لازم و واجب ہے کہ ''العفو'' میں ہر وہ چیز داخل ہے جو ایک وقت کی خوراک اور جسم پر پہنے ہوئے لباس کے علاوہ ہے۔

(ب) امامؑ کی خوراک کیا اور کیسی ہونا چاہئے؟ ان کا لباس کیسا اور کیوں ہونا چاہئے؟

اب یہ سنئے کہ حضرت علی علیہ السلام سائلی اور محرومی کو دوری کرنے کے لئے کیسی خوراک و پوشاک پہنتے اور پسند و ضروری قرار دیتے تھے۔

2) عن حمیدؓ و جابرؓ العبدی قال: قال امیر المومنین علیه السلام اِنَّ اللّٰهَ جعلنی امامًا لخلقه ففرض علی التقدیر فی نفسی و مطعمی و مشربی و ملبسی کضعفاء الناس کی یقتدی الفقیر بفقری و لا یطغی الغنی غناه.

(کافی کتاب الحجة باب سیرة الامام فی نفسه و فی المطعم و الملبس اذا ولی الامر)

''جناب حمید اور جابر العبدی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ''یقیناً اللہ نے مجھے اپنی مخلوقات پر امام مقرر فرمایا اور مجھ پر مقدر کر دیا کہ میں اپنی ذات میں اور اپنی خوراک و پوشاک میں کمزور ترین انسانوں کی طرح رہوں تاکہ فقراء بھی میری پیروی کر سکیں اور اغنیا حد سے زیادہ سرکشی نہ کر سکیں''

دوم۔ چند سربراہان اسلام کی خوراک و پوشاک کا معیار اور تذکرہ علیؑ مرتضیٰ کی زبانی۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس عنوان میں یہ دکھائیں کہ حضرت علی علیہ السلام نظامِ معیشت یا نظامِ اسلام میں سربراہوں کی خوراک و پوشاک کے متعلق کیا فرماتے ہیں اور کیا پسند کرتے ہیں؟

(الف) عمر نے اپنی خوراک و پوشاک کے لئے حضرت علیؑ کے معیار کو پسند کیا تھا۔

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی کے نزدیک بھی حضرت علی علیہ السلام ہی وہ ذاتِ پاک ہیں کہ جن کے معیار زندگی کو اسلامی زندگی کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

''خلافت سے پہلے عمر تجارت کے ذریعہ بسر کرتے تھے، خلافت کی مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضروریات بیان کیں اور کہا کہ بیت المال میں سے کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں؟ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت علیؑ چپ تھے عمر نے ان کی طرف دیکھا انہوں نے کہا ''**صرف معمولی درجے کی خوراک اور لباس**'' چنانچہ ان کے اور ان کے بیوی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا کپڑا مقرر ہو گیا'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 90)

خلیفہ دوم نے اس مشورہ پر عمل کیا یا نہیں؟ یہ بتانے کی یہاں گنجائش نہیں البتہ اتنا سن لیں کہ عمر خود بھی لکھ پتی بن گئے تھے (دیکھو تشریحات خطبہ 3) عمر کا ذکر ہو رہا ہے تو تاریخ طبری سے یہ بھی سنتے ہی چلیں کہ عمر نے اپنی بیٹی حفصہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوراک و پوشاک کا حال بھی دریافت کیا تھا۔

(ب) آنحضرتؐ کی خوراک و پوشاک حفصہ کی زبانی

عمر: ''میں تم سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تمہارے گھر میں رسول اللہ کا بہترین لباس کیا تھا؟''

حفصہ ''دو صاف کپڑے تھے جنہیں آپ قبائل کے وفد کے سامنے یا مجمع کو خطبہ دینے کے وقت زیب تن کرتے تھے''۔

عمر: ''تمہارے یہاں رسول اللہ سب سے عمدہ کھانا کیا کھایا کرتے تھے؟

حفصہ: ''ہماری روٹی جَو کی ہوتی تھی جسے ہم گرم، چکنی اور میٹھی صورت میں پیش کیا کرتے تھے، اس کو آپ تناول فرماتے تھے۔

عمر: ''تمہارے ہاں آپؐ کا سب سے نرم بچھونا کیا تھا؟''

حفصہ: ''ہمارے یہاں ایک کُھردری چادر ہوتی تھی جسے ہم موسم گرما میں چار حصے کر کے بچھا لیتے تھے۔ اور جب موسم سرما آتا تھا تو ہم اس کا نصف حصہ بچھا لیتے تھے اور نصف حصہ اوڑھ لیتے تھے'' (ترجمہ طبری خلافت راشدہ، خلافت عمر صفحہ 511)

حضرت علی علیہ السلام چار نبیوں کا حال بیان فرماتے ہیں تاکہ سربراہانِ اسلام کی خوراک اور طرزِ حیات کا علم ہو جائے اور مسلمان سائل و محروم کو فارغ البالی مہیا کرنے میں شوق سے حصہ لیں۔

ج۔ حضرت موسیٰؑ کا طرزِ عمل۔

''موسیٰؑ کلیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے کہا تھا کہ تُو اس وقت مجھے جو بھی تھوڑی بہت بہتری دے دے گا میں اُسی کا محتاج ہوں۔ انہوں نے صرف کھانے کے لئے ایک روٹی کا سوال کیا تھا اس لئے کہ وہ اس وقت تک زمین سے پیدا شدہ گھاس پات سبزیاں کھایا کرتے تھے''

مَاسَاَلَهُ اِلَّا خُبْزًا يَاكُلُهُ لِاَنَّهُ كَانَ يَاكُلُ بَقْلَةَ الارض (خطبہ 158 جعفر جلد 2 صفحہ 93-92)

(د) حضرت داؤدؑ کی خوراک۔ اور سنئے ارشاد ہے

صَاحِبُ الْمَزَامِيرِ وَقَارِى اهل الجنة فَلَقَدْ كَانَ يَعْمَلُ صَفَائِفَ الخوص.... (ایضاً خطبہ 158 صفحہ 93)

’’اگر تم چاہو تو حضرت داؤد صلی اللہ علیہ کی مثال سامنے رکھ لو جو موسیقی کے آلات (مزامیر) کے موجد اور اہل جنت کے قاری تھے وہ اپنے ہاتھ سے کھجور کی پتیوں کی ٹوکریاں بنایا کرتے تھے۔۔ جو قیمت ملتی اُس سے جَو کی روٹی کھا لیتے تھے۔ اور اگر کہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بتاؤں۔

(ہ) حضرت عیسیٰؑ کا طرزِ عمل۔

’’کہ وہ سر کے نیچے پتھر کا تکیہ رکھتے تھے سخت اور کھردرا لباس پہنتے تھے۔ جنگل کے پھل اور پھول اور درختوں کے پتے کھا لیتے تھے۔ عموماً بھوکے ہی رہتے تھے۔ سر پر آسمان کا سائبان اور چاند ان کا چراغ ہوتا تھا۔ ان کی سواری ان کے دونوں پیر تھے۔ ان کے دونوں ہاتھ ان کے خادم تھے۔ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرو۔ ان کی ذات اتباع کرنے والے کے لئے نمونہ اور صبر کرنے والے کے لئے ڈھارس ہے۔ اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو محبوب ہے۔ جنہوں نے دنیا کو صرف چکھنے کی حد تک چکھا اور کبھی اس کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ خالی پیٹ رہتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے، پیوند لگاتے تھے اور بلا زین و پالان کے گدھے پر سوار ہو جاتے تھے‘‘۔۔ الخ (ایضاً صفحہ 94) (مسلسل فرمایا کہ)

(و) خطبے کے آخر میں اپنے لئے فرماتے ہیں۔۔۔۔

’’یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسے پیشوا ایسی نعمت سے نوازا جن کی ہم پیروی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے اپنی اس قمیص میں اتنے پیوند لگائے ہیں کہ مجھے پیوند لگانے والے سے شرم آنے لگی ہے‘‘ (ایضاً خطبہ 158 صفحہ 96)

مختصراً یہ ہیں نمونے کے لئے چند وہ حضرات علیہم السلام جو اس دنیا سے سائلی ومحرومی کو ختم کرنے کا پروگرام چلانے کے لئے خالی ہاتھ رہتے اور اللہ کے حکم ’’العفو‘‘ پر عمل کرتے رہے۔

11۔ کائنات کی تخلیق ہی مخلوقات کو مساوی یعنی موزوں ترین مواقع فراہم رکھنے کے لئے کی گئی ہے۔

کائنات کی کسی بھی چیز پر نظر ڈال کر دیکھو وہ ہر کسی کے سامنے یکساں طور پر موجود ہے۔ اس سے استفادہ کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی قدرتی روک نہیں۔ دریا بہہ رہا ہے۔ جس کا دل چاہے سیراب ہو۔ بارش اپنا پرایا دیکھ کر نہیں برستی۔ برستی ہے تو ہر شخص استفادہ کے لئے مختار ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہاں کچھ لوگوں نے دریاؤں اور بعض دیگر چیزوں پر اپنا قبضہ اور تسلط جما لیا ہے۔ اور بعض انسانوں کو استفادہ سے روک دیا ہے۔ یا پابندی لگا دی ہیں۔ مگر اللہ نے کائنات اور کائنات کی تمام اشیاء کو نوع انسان کی ترقی ونشوونما کے لئے پیدا کیا ہے۔

اول۔ تمام ضرورت مندوں یعنی سائلوں کے لئے ہر ضرورت کی چیز مساوی طور پر فراہم کر دی گئی ہے۔

اور فرمایا ہے کہ:

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِيْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّائِلِيْنَ O (سورہ حٰم سجدہ 41/10)

’’اور اللہ ہی نے زمین کو پیدا کرنے کے بعد چار دن کے اندر اندر زمین پر پہاڑ پیدا کر دیئے اور اس میں برکتیں بھی رکھ دیں۔ اور اہل زمین کے ہر ضرورت مند کے لئے زمین میں ان کی خوراکیں اور غذائیں مقدر کر دیں اور موزوں سامان فراہم کر دیا ہے‘‘۔

قارئین یہاں یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ اس آیت (41/10) میں آئے ہوئے لفظ ’’ســـوآءً‘‘ کا ترجمہ زیادہ تر علمانے ’’برابر یا یکساں‘‘ کیا ہے۔ اور اسی لئے سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ سے یہ سمجھا ہے کہ اللہ نے زمین میں تمام ضرورت مندوں کے لئے خوراک برابر برابر یا یکساں تجویز کی ہے۔

اوراس سے یہ دلیل اختیار کی ہے کہ تمام انسانوں کے حقوق برابر برابر رکھے ہیں۔ ہمیں ان حضرات سے یہ اختلاف ہے کہ یہ لفظ ''سَــــــوَآءٌ'' س۔و۔ی کے مادہ سے بنتا ہے۔اسی مادہ سے لفظ ''مساوی اور مساوات'' بنتے ہیں۔اور علما کی کثرت مساوی اور مساوات کے معنی بھی ''برابری'' ہی کرتی ہے۔حالانکہ برابر۔ برابر کے لئے یہ لفظ قرآن میں استعمال نہیں ہوا ہے۔اور س۔و۔ی سے بننے والے تمام الفاظ کے معنی میں ''کسی چیز کو اس کے مقصد سے موزوں کرنا'' ہوتے ہیں۔مثلاً اللہ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق کے دوران فرمایا تھا کہ:

دوم۔سَوَآءٌ۔مَسَاوِیٌ اور مساوات کے مستقل وحقیقی معنی۔

اِذَا سَوَّیۡتُهٗ (حجر 15/29) ''جب میں اُسے مقصد سے موزوں کرلوں'' اور فرمایا صِرَاطًا سَوِیًّا (مریم 19/43) ''چلنے کے لئے موزوں راستہ'' اور بَشَرًا سَوِیًّا (19/17) ''دیکھنے میں موزوں بشر'' اور ارشاد ہوا کہ: ثُمَّ اسۡتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ (بقرہ 2/29) پھر مقصد سے موزونیت کو آسمانوں سے متعلق کیا۔ انہیں سات آسمانوں کی تعداد میں موزوں کردیا۔الغرض ہمارے یہ معنی۔س۔و۔ی سے نکلنے والے لفظ کی ہر صورت میں موزوں اور مقصد کے مطابق صحیح رہیں گے۔لیکن جن علمانے سَوَآءٌ یا مَسَاوِیٌ۔اور مساوات کے معنی ''برابر'' کئے ہیں انہیں بار بار اور جگہ جگہ معنی بدلنا پڑتے ہیں۔مثلاً علامہ مودودی ہی کو دیکھئے وہ اس لفظ سواء کے سلسلے میں آیات کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور اپنی کیسی مٹی پلید کرتے ہیں۔اور یہ ساری مثالیں ہم ان کی چوتھی جلد سے دکھا رہے ہیں۔

سوم۔علامہ مودودی کی استادی اور فریب کاری نے اُنہیں مضحکہ خیز اختلاف میں اُلجھا دیا۔

1)وَسَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ .

ان کے لئے یکساں ہے تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو'' (یٰس 36/10 تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ 247)

2)فِیۡ سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ (صٰفّٰت 37/55)

جہنم کی گہرائی میں (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 288)

3)اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ (دخان 44/47)

جہنم کے بیچوں بیچ (تفہیم جلد 4 صفحہ 571)

4)سَوَآءً مَّحۡیَاهُمۡ وَ مَمَاتُهُمۡ (جاثیہ 45/21)

''ان کا جینا اور مرنا یکساں ہوجائے'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 587)

یہ ہے علامہ مودودی کا وجد آفرین طریقِ ترجمہ جس کی وجہ سے انہوں نے تمام سابقہ ترجموں کو بے روح اور کھوکھلے قرار دے کر اپنی تفہیم و ترجمہ لکھا ہے (جلد اول صفحہ 9-5) یعنی ایک ہی لفظ کے جتنے چاہیں معنی لکھتے اور اپنا الوسیدھا کرتے چلے جائیں۔یہی ابلیسی طرزِ عمل ہے جو قریش نے اختیار کیا تھا (فرقان 25/30) اور جس کے ماتحت ایک ہی قرآن سے اسلام کے سیکڑوں ٹکڑے کئے گئے۔اور اس میں مع مودودی تمام قریشی علماء برابر کے حصہ دار ہیں۔

چہارم۔مودودی نے مسٹر پرویز کی ضد میں بھی ترجمہ میں ردوبدل جاری رکھی ہے۔ایک مثال

مگر ایسے مقامات بھی آجاتے ہیں جہاں قریشی علما اپنی بدکاری اور بدیانتی پر بھی متفق نہیں رہتے بلکہ ایک دوسرے کی ضد میں اپنا سابقہ

رو یہ بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ مودودی کو علامہ پرویز کی ضد میں لفظ ''سَوَآءً'' کے ایسے معنی کرنا پڑے جو پرویزی تصورات کے خلاف ہوں خواہ ان کے تمام سابقہ معنی غلط ہی کیوں نہ ثابت ہو جائیں۔ ہوا یہ کہ مسٹر پرویز اپنے قریشی عقائد و تصورات کو ترک کرنے کے لئے کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے تصوارت کا سہارا لے رہے ہیں۔ اور ابوبکر عمر کے نظامِ سرمایہ داری کے خلاف تمام انسانوں کو برابر حقوق دلانے اور ذاتی ملکیت کے خلاف مہم چلاتے رہے ہیں۔ اس سلسلے کا نام انہوں نے نظام ربوبیت رکھا ہے۔ اور اس نظام کی بنیاد انہوں نے سَوَاءً لِّلسَّائِلِیۡنَ (41/10) پر رکھی ہے اور اس آیت کے یہ معنی کئے ہیں۔

پنجم۔ پرویزی نظام ربوبیت میں تمام انسان برابر حقوق رکھتے ہیں۔

وَجَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَبٰرَکَ فِیۡهَا وَقَدَّرَ فِیۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ O (سورہ حٰمٓ سجدہ 41/10)

''اور اس نے اس کے اوپر پہاڑ کھڑے کر دیئے (تاکہ آب رسانی کا سلسلہ ٹھیک کام کرے) اور زمین میں فراواں رزق کی استعداد پیدا کر دی اور چار موسموں میں اس کی پیداوار کے اندازے مقرر کر دئے تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر'' (کتاب نظام ربوبیت صفحہ 131)

قارئین کے نوٹ کرنے کی بات صرف یہ ہے کہ پرویز نے اس آیت میں لفظ ''سواء'' کے معنی ''یکساں'' طور پر کر لئے ہیں۔ اور مودودی کی مندرجہ بالا چار مثالوں میں سے آخری اور پہلی مثال میں مودودی نے بھی سواءٌ کے یہی معنی کئے ہیں۔ یعنی مودودی نے پرویز کے معنی کی دوہری تصدیق کی ہے۔ اگر مودودی میں ذرہ برابر غیرت و دیانت بھی ہوتی تو ہرگز پرویز سے اختلاف کی بنا پر اپنے اختیار کردہ معنی کے خلاف لفظ سواءٌ کے معنی نہ بدلتے۔ مگر انہوں نے پرویز کے تصورات کے خلاف اور ابوبکر و عمر کے حق میں اس آیت کا ترجمہ یوں کیا کہ:

ششم۔ آیت (41/10) کا مودودی ترجمہ جو ان کے اپنے ترجموں کے خلاف ہے۔

وَجَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَبٰرَکَ فِیۡهَا وَقَدَّرَ فِیۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ O (سورہ حٰمٓ سجدہ 41/10)

''اُس نے (زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اوپر سے اُس پر پہاڑ جما دیئے۔ اور اس میں برکتیں رکھ دیں۔ اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کیلئے <u>ہر ایک کی طلب اور حاجت کے مطابق ٹھیک</u> اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا یہ سب کام چار دن میں ہو گئے'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 442)

آپ نے مودودی کے قلم سے وہ چاروں معنی دیکھے تھے لیکن انہوں نے سَوَآءً کے ایسے لمبے چوڑے معنی لکھ دئے جن کا ان چاروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے تمام معنی کو ایک جگہ جمع کر کے دیکھیں اور بتائیں کہ ایسے علاماؤں کو لعنتی کے علاوہ اور کیا کہا جائے؟

لفظ سَوَآءٌ کے معنی، مودودی کے مذہب میں۔

1) سَوَآءٌ۔ ''یکساں''	2) سَوَآءٌ ''گہرائی میں''
3) سَوَآءٌ ''بیچوں بیچ''	4) سواء ''ہر ایک کی طلب اور حاجت کے مطابق''

ہفتم۔ علامہ نے یہ آخری معنی کیوں کئے؟ وہ بھی مساوات و مساوی کے معنی برابر کرتے ہیں۔

اب قارئین علامہ کی تشریح میں وہ وجہ دیکھیں جس نے انہیں خود اپنے معنی کے خلاف معنی کرنے پر مجبور کیا۔ اور وہ دلیل دیکھیں جس کی بنا پر ان معنی کو صحیح اور باقی ترجموں کو مع اپنے غلط قرار دیا ہے۔ سنئے:۔

<u>علامہ کی تشریح۔ وہ مساوات نہیں چاہتے</u> ''موجودہ زمانے میں جن لوگوں نے <u>مارکسی</u> تصوراتِ اشتراکیت کا اسلامی ایڈیشن <u>''قرآنی نظام</u>

ربوبیت'' کے نام سے نکالا ہے وہ سَوَاءً لِلسَّائِلِيْن کا ترجمہ ''سب مانگنے والوں کے لئے برابر'' کرتے ہیں اور اس پر استدلال کی عمارت یوں اٹھاتے ہیں کہ اللہ نے زمین میں سب لوگوں کے لئے برابر خوراک رکھی ہے۔ لہٰذا آیت کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے ریاست کا ایک ایسا نظام درکار ہے جو سب کو غذا کا مساوی راشن دے۔ کیوں کہ انفرادی ملکیت کے نظام میں وہ مساوات قائم نہیں ہوسکتی جس کا یہ ''قرآنی قانون'' تقاضا کر رہا ہے۔ لیکن یہ حضرات قرآن سے اپنے نظریات کی خدمت لینے کے جوش میں یہ بات بھول جاتے ہیں کہ سائلین، جن کا اس آیت میں ذکر ہوا ہے۔ صرف انسان ہی نہیں بلکہ مختلف قسم کی وہ سب مخلوقات ہیں جنہیں زندہ رہنے کے لئے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا واقعی ان سب کے درمیان یا ایک ایک قسم کی مخلوقات کے تمام افراد کے درمیان خدا نے سامان پرورش میں مساوات رکھی ہے؟ کیا فطرت کے اس پورے نظام میں کہیں آپ کو غذا کے مساوی راشن کی تقسیم کا انتظام نظر آتا ہے؟ اگر واقعہ یہ نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نباتات اور حیوانات کی دنیا میں، جہاں انسانی ریاست نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ریاست براہِ راست تقسیم رزق کا انتظام کر رہی ہے، اللہ میاں خود اپنے اس ''قرآنی قانون'' کی خلاف ورزی۔ بلکہ معاذ اللہ بے انصافی فرما رہے ہیں! پھر وہ یہ بات بھی بھول جاتے ہیں کہ ''سائلین'' میں وہ حیوانات بھی ہیں جنہیں انسان پالتا ہے اور جن کی خوراک کا انتظام انسان ہی کے ذمہ ہے۔ مثلاً بھیڑ بکری، گائے بھینس، گھوڑے، گدھے، خچر اور اونٹ وغیرہ، اگر قرآنی قانون یہی ہے کہ سب سائلین کو برابر خوراک دی جائے اور اسی قانون کو نافذ کرنے کیلئے نظامِ ربوبیت چلانے والی ایک ریاست مطلوب ہے، تو کیا وہ ریاست انسان اور ان حیوانات کے درمیان بھی معاشی مساوات قائم کرے گی؟'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 443-444)

ہشتم۔ پرویز اور مودودی قریشی مذہب کے علماء اور باطل پرست ہیں۔ دونوں پر تنقید کہ کس کی کونسی بات حق اور کون سی باطل ہے؟

مودودی کی یہ بات صحیح ہے کہ پرویز اینڈ کمپنی کمیونزم کے بعض تصورات کو عموماً اور نظام معیشت کو خصوصاً اسلامی نقاب پہنا کر مسلمانوں میں رائج کرنے کی مہم چلاتی رہی ہے اور مودودی کی یہ بات برحق ہے کہ اسلام میں کسی ایسے نظامِ حکومت یا نظامِ ربوبیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو جبراً تمام انسانوں کو برابر برابر روٹی کپڑا دینا شروع کردے اور کسی شخص کے پاس کوئی اختیار نہ رہے اور رزق کے تمام وسائل اور پیداوار اور انسانی محنت و مشقت کا ثمرہ اس جابر حکومت کے قبضے اور تحویل میں رہے۔ اور حکومت اپنی پسند و اختیار سے تمام انسانوں کو برابر برابر یا یکساں رزق و سامانِ زندگی تقسیم کیا کرے۔ پرویز ہوں یا کمیونسٹ اور سوشلسٹ ایسی حکومت اور اس طرزِ حکومت کے تصورات قرآن کے مخالف اور باطل ہیں۔ اِدھر مودودی ہوں یا قریش کے دوسرے قدیم و جدید علما اور صحابہ اور خلفاء و حکمران ہوں وہ نظامِ سرمایہ داری جو آج تک چلا آرہا ہے اور اجارہ داری اور سرمایہ داروں کی خودمختاری کے تمام تصورات قرآن کے مخالف اور باطل ہیں۔ اور اس مخالفت اور باطل کو نباہنے اور پروان چڑھانے میں ان کی فقہ، ان کی مجتہدانہ شریعت اور ان کی تفسیر و خودساختہ روایات سراسر ابلیسی ملذوبات ہیں۔ جن کو قرآن سے ذرہ برابر تائید و سند نہیں ملتی۔

1) مساوی یا مساوات کے معنی برابر برابر یا یکساں سمجھنا غلط اور قرآن کے خلاف ہے سارا قرآن مساوات کی تعلیم و حکم دیتا ہے۔

زیر بحث آیت (41/10) میں پرویز اور مودودی دونوں نے مساوات کے معنی برابر برابر اور یکساں سمجھے ہیں فرق یہ ہے کہ پرویز اپنی غلط سمجھی ہوئی مساوات کے برحق ہونے پر مُصر اور قرآن سے اُسے برحق ثابت کرتے ہیں اور اسی لئے باطل پر ہیں اور مودودی اپنی غلط سمجھی ہوئی مساوات کی مخالفت کرتے ہیں اور قرآن کو ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور سراسر باطل پر ہیں اور دونوں کے باطل ہونے کا سبب مساوات کو برابر برابر یا یکساں سمجھنا ہے۔ اور ہم سَوَآءً کے معنی تفصیل سے دکھا چکے ہیں اور ثابت کرچکے ہیں کہ قرآنی الفاظ کے معنی کرنے میں کوئی بھی قریشی عالم قابل صد (100) اعتماد نہیں ہے۔

2) حدیث سے مساوات کے معنی ومفہوم

قرآن کریم میں کسی جگہ بھی الفاظ 'سَوَآءٌ یا سَوَّیتُهٗ یاسَوِیًّا یا اِسْتَوٰی یا س۔و۔ی سے نکلنے والے الفاظ کے معنی برابر برابر یا یکساں یا ایک جیسے نہیں ہیں۔اور جہاں قریشی علماء نے یہ ترجمہ کیا ہے وہ غلط اور صحیح معنی کو بدل کر کیا ہے۔اب ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کے حقیقی سربراہوں کی احادیث سے مساوی یا مساوات کا مفہوم ومعنی اور نظامِ مساواتِ اسلامی پیش کریں۔

3) مال میں انصاف یا تنصیف یا مناصفت کے معنی مال کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا مساوات نہیں ہے۔

عن احمد بن محمد بن عیسٰی ،عن علی بن سیف عن اَبِیْهِ سیف، عن عبدالاعلیٰ ابن اعین قال: كَتَبَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا يَسْأَلُوْنَ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ علیه السلام عَنْ اَشْيَاءِ وَاَمَرُوْنِى اَنْ اَسْاَلَهٗ عَنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ عَلٰى اَخِيْهِ، فَسَاَلْتُهٗ فَلَمْ يَجِبْنِى، فَلَمَّا جِئْتُ لَاُوَدِّعَهٗ فَقُلْتُ : سَاَلْتُكَ فَلَمْ تجبني؟فَقَالَ: اِنِّى اَخَافُ اَنْ تَكْفُرُوا، اِنَّ مَنْ اَشَدِّمَا افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى خَلْقِهٖ ثلاثًا :اِنْصَافُ الْمَرْءِ مِنْ نَفْسِهٖ حَتّٰى لَا يَرْضٰى لَا خِيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ اِلَّا بِمَا يَرْضٰى لِنَفْسِهٖ مِنْهُ ،وَمُوَاسَاةُ الْاَخِ فِى الْمَالِ وَذِكْرُاللّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، لَيْسَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلٰكِنْ عِنْدَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَيَدَعَهٗ .

(اصول کافی کتاب الایمان و الکفر باب حق المومن علٰی اخیہ و اداء حقہ حدیث نمبر3)

''احمدؒ بن محمد بن عیسٰی نے علیؒ بن سیف سے روایت کیا اور انہوں نے اپنے والد سیف سے سنا اور انہوں نے عبدالاعلٰی بن اعین سے روایت کیا انہوں نے بتایا کہ ہمارے کچھ صحابہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بذریعہ خط وکتابت چند مسائل دریافت کئے تھے اور مجھے حکم دیا تھا کہ میں حضورؑ سے وہ حق معلوم کروں جو ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی پر ہوتا ہے۔چنانچہ میں نے امامؑ سے پوچھا تو انہوں نے مجھے جواب ہی نہ دیا۔پھر جب میں ان سے وداعی رخصت کے لئے حاضر ہوا تو میں نے یاد دلایا کہ سرکار میں نے آپؑ سے مومن کے حق کے بارے میں دریافت کیا تھا۔آپؑ نے مجھے جواب نہیں دیا تھا۔فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ میرا جواب سن کر کہیں تم کفر اختیار کرکے کافر نہ ہو جاؤ۔سنو اللہ نے مومن پر مومن کے تین حقوق بڑی سختی سے فرض کئے ہیں۔اول یہ ہے کہ اپنی طرف سے ہر مومن کے ساتھ اس طرح برابر کا سلوک (انصاف) کرنا کہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک اسے وہ سب کچھ برابر فراہم نہ کردے جو اپنی ذات کیلئے پسند اور اختیار کر رکھا ہے۔دوم یہ کہ مسلمان بھائی کو مال و دولت میں اپنا ہم سر بنا لے۔سوم یہ کہ ہر ہر حال میں اللہ کا ذکر جاری رکھنا۔یعنی سبحان اللہ اور الحمدللہ کی تسبیح نہیں۔بلکہ ہر اس چیز سے باز رہنا جو اللہ نے حرام کی ہوئی ہے''۔

یہ حدیث مسلمانوں کو برابر کی پوزیشن میں رہنے اور رکھنے کو فرض کرتی ہے۔یعنی اللہ چاہتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان غریب ہوں تو سب غربت میں برابر رہیں اور اگر وہ خوشحال اور دولت مند ہوں تو سب خوشحالی اور دولت میں بھی برابر رہیں۔اور کسی ایک مسلمان کا غریب رہنا تمام مسلمانوں کو فرض کے ترک کرنے کا مجرم قرار دیتا ہے۔چنانچہ اگلی یعنی چوتھی حدیث میں وہی حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ:۔

عَنْ اَبِى عَبْدِاللّٰهِ علیه السلام مَا عُبِدَاللّٰهُ بِشَىْ ءٍ اَفْضَلُ مِنْ اَدَاءِ حَقِّ الْمُؤْمِنِ۔(ایضاً حدیث نمبر 4)

''مومن کے حق کی ادائیگی سے بہتر اللہ کی کوئی عبادت نہیں ہے''۔

4) امامؑ کی قربت اور فریضہ حج کے طواف کو درمیان سے چھوڑ کر مومن کی ضرورت کو پورا کرنا اور اپنے سے بہتر حالات فراہم کرنا۔

اب ہم امامؑ کی زبانی مومن کے حقوق اور مساوات آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔چنانچہ اسی باب کی آٹھویں حدیث کا ترجمہ پڑھئے اور مومنین کا مقام

اوران کے حقوق سمجھئے:۔

''ابان بن تغلب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں امام جعفرصادق علیہ السلام کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میرا ایک ساتھی آیا اور دور ہی سے مجھے اشارہ سے بلایا تا کہ میں اس کے ساتھ جا کر اس کا ایک کام کردوں۔ میں نے امامؑ کی صحبت اور طواف کو اُدھر میں چھوڑ کر جانا پسند نہ کیا اور برابر امامؑ کے ساتھ ساتھ طواف کرتا رہا۔ اس ساتھی نے مجھے پھر اشارہ کیا تو امامؑ نے بھی دیکھ لیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ اَے ابان کیا یہ شخص تمہیں بلا رہا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہ مجھ ہی کو بلا رہا ہے۔ فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے بتایا کہ یہ میرا ایک صحابی ہے۔ فرمایا کہ کیا اس کا بھی وہی عقیدہ ہے جو تمہارا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ وہ میرا ہم عقیدہ ہے۔ فرمایا کہ تم اس کے پاس جاؤ اور اس کی ضرورت پوری کرو۔ میں نے پوچھا کہ کیا طواف کو ادھورا چھوڑ دوں؟ ارشاد ہوا کہ ہاں چھوڑ دو۔ میں نے عرض کیا کیا فرض طواف کو بھی ایسے مواقع پر ترک کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں ہاں تم جاؤ اس کی بات سنو چنانچہ میں چلا گیا۔ بعد میں جب میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو میں نے مومنین کے حقوق پر سوال کیا تو فرمایا کہ رہنے دو ایسا نہ ہو کہ تم معلوم کرنے کے بعد جان بوجھ کر حقوق کو پورا نہ کرو اور گنہگار ٹھہرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں ضرور ان حقوق کو ادا کروں گا۔ تب فرمایا کہ اَے ابان تمہیں چاہئے کہ اپنے مال کے دو حصے کرکے ایک حصہ (ایک شطر) مومن کو دے دے۔ یہ کہہ کر میری طرف دیکھتے رہے کہ میرے تاثرات کیا ہیں۔ پھر فرمایا کہ اَے ابان کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے قرآن میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو مومنین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ (وَيُـؤْثِـرُوْنَ عَلٰـى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ حشر 59/9) میں نے عرض کیا کہ میں قربان جاؤں مجھے معلوم ہے۔

فرمایا کہ جب تو نے اُسے اپنا آدھا مال دے دیا اور اپنے اوپر اُسے ترجیح نہ دی تو تم دونوں برابر ہو لیکن اگر تو اُسے اپنے آدھے حصے میں سے بھی کچھ دے دے تو ایثار ہوا'' یعنی اب تم قابلِ تحسین بھی ہو گئے۔ یہ ہیں مساوات کے معنی کہ دوسرے مومنین کو ایسی حالت تک پہنچا دینا کہ جب وہ تمہارے برابر آمدنی حاصل کرنے میں اخراجات کر چکیں تب تمہارے برابر مالی حالت رہ جائے۔ مثلاً اس فاضل مال سے جو تم نے برابر سے زیادہ دیا ہے، اپنا کاروبار شروع کر سکیں، قرض ادا کر سکیں، زکوٰۃ دے سکیں، غلہ فراہم کر سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ مال اس طرح دیا جائے کہ وہ مطلوبہ مقاصد کو موزوں ترین صورت میں پورا کر سکے۔ اور یہی الفاظ سـواءٌ اور مساوات کے معنی ہیں۔ یعنی بچوں کے کپڑے بنانے میں ان کے قدوقامت و جسامت کا حساب لگا کر کپڑا دینا ہوگا۔ عورتوں کے لئے قدوقامت کے علاوہ زنانہ رنگوں اور وضع کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ اگر سب کو برابر برابر سائز کے کپڑے بنا دیئے جائیں تو بچے الجھ الجھ کر گرتے اور کپڑے پھاڑتے رہیں گے۔ لہٰذا مساوات کا ملحوظ رہنا لازم ہے۔

<u>5) مودودی نے اپنے مسلمات کے خلاف اور قرآن کی آیت (حم سجدہ 41/10) کے غلط اور فرضی مفہوم کے زور پر پرویز کی تردید کی ہے۔</u>

مودودی نے دراصل پرویز پر تنقید میں خود بھی فریب کھایا ہے اور اپنے قارئین کو بھی دھوکا دیا ہے اور خود اپنے مسلمہ عقائد اور تحریروں کی خلاف ورزی بھی کی ہے۔ علامہ ہی نہیں بلکہ سارے مسلمان اور تمام دنیا جانتی ہے کہ مالِ غنیمت حقداروں کو برابر برابر دیا جاتا تھا یعنی سب کا حصہ برابر یا یکساں ہوتا تھا۔ گھوڑے سواروں کو دوہرا حصہ دیا جاتا تھا۔ یعنی ان کو بھی برابر حصہ ملتا تھا۔ اور یہ بات رسوؐل اللہ، ابوبکر و عمر اور عثمان کے زمانہ میں بھی مستقل طور پر خود علامہ نے مانی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

<u>6) مسلمانوں کے آئینی حقوق یکساں اور برابر مانتے ہوئے بھی پرویز کی تردید کرتے ہیں۔</u>

''اسی طرح قانونی حقوق میں سب مسلمان یکساں ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کو ہم زیادہ مومن کہیں اور اس کے حقوق زیادہ ہوں۔ اور

کسی کو کم مومن قرار دیں اور اس کے حقوق کم ہوں'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 83) اور یہ کہ:۔

2) ''اسلامی سوسائٹی میں تمام ماننے والوں کے آئینی حقوق و واجبات یکساں ہوں گے'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 130)

اس کے باوجود علامہ رزق اور دولت میں تمام مسلمانوں کو برابر یا یکساں رکھنے کا انکار اور سرمایہ داری کا اقرار کرتے ہیں۔لیکن آئینی اور قانونی حقوق یکساں یا برابر مانتے ہی یہ ماننا قدرتی ہے کہ:

7) مسلمانوں سے مسلمانوں کو یہ آئینی وقانونی حقوق دلانے کے لئے حکومت کا ڈنڈا درکار ہے۔

دولت مندوں سے غرباء کو ان کے قانونی حقوق دلانے کے لئے ایک حکومت درکار رہے جو دولت مندوں کی طرف دار نہ ہو۔اور حکمران خود بھی دولت مند نہ ہو۔اور اگر دولت مندوں ہی کی حکومت ہو اور وہ غربا کو ان کے آئینی وقانونی حقوق نہ دیتی ہو تو پھر ایسی ہی حکومت کی ضرورت ہے جو زیر بحث ہے۔یعنی ایسے حالات میں ایک علیؑ کی ضرورت ہے اور غرباء کا اپنا فریضہ ہے اور ضرورت ہے کہ وہ سب علیؑ کے چاروں طرف ہجوم در ہجوم اور انبوہ در انبوہ جمع ہوں اور انہیں حکومت سنبھالنے پر رضا مند کریں تاکہ وہ عہد رسوؐل کی طرح تمام دولتمندوں، وڈیروں، لیڈروں اور قریش کے قومی سرداروں کی کمر توڑ دیں اور حقداروں کے حقوق چھین کر واپس دے دیں۔اور ایک سعیِ مسلسل میں جان تک حق وحقانیت واسلامی قوانین پر قربان کر دیں۔چنانچہ لفظ بلفظ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

8) مودودی پرویز اور کمیونزم کی ضد میں جیسی حکومت چاہتے ہیں خلافت الٰہیہ یا معصومؑ حکومت ویسی ہی ہوتی ہے۔

یہاں ہم پھر مودودی کا ایک بیان لکھتے ہیں جس میں وہ بڑی سادگی اور خلوص کے ساتھ ایک حقیقت بیان کرتے ہیں جو ان کی بدقسمتی سے ان کے مذہب اور خلفا کو راس (راست) نہیں آتی۔بلکہ وہ نظام بن کر اُبھرتی ہے جو ہم آئمہ معصومین علیھم السلام کی حکومت کے سلسلے میں پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔سنئے اور حق کا زور دیکھئے کہ وہ کس طرح ایک باطل پرست قریشی عالم کے قلم سے ٹپکتی ہے:۔

9) اللہ تو آنحضرتؐ کو حکم دیتا ہے کہ قربیٰ والے کو اس کا حق دے دو مگر مودودی علیؑ کی دشمنی سے آنحضرتؐ کو مومن بناتے ہیں۔

اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ تم اُس مرد کو اس کا حق دے دو جو قربیٰ والا ہے۔لیکن مودودی صاحب خانوادۂ رسوؐل اور خانوادۂ رسوؐل کے ذمہ دار فرد یعنی حضرت علی علیہ السلام کے خاص دشمن ہیں۔اس لئے مودودی اپنی جیبِ خاص سے ایک بریکٹ لگا کر رسوؐل اللہ کو ایک عام مومن بناتے ہیں۔آیت اور ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (الروم 30/38)

مودودی ترجمہ:''پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو (اس کا حق) یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں اور وہی فلاح پانے والے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 757-758)

10) علامہ کی تشریح جوان کو اور ان کے خلفاء کو باطل پرست ثابت کر دے گی؟

اس ترجمہ کو نظر انداز کر کے علامہ کی تشریح ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ:

''یہ نہیں فرمایا کہ رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو خیرات دے۔ارشاد یہ ہوا ہے کہ ''یہ اس کا حق ہے۔ جو تجھے دینا ہے۔اور حق ہی سمجھ کر تو اُسے دے۔

اس کو دیتے ہوئے یہ خیال تیرے دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے۔ جو تو اس پر کر رہا ہے۔ اور تو کوئی بڑی ہستی ہے۔ دان کرنے والی۔ اور وہ کوئی حقیر مخلوق ہے تیرا دیا کھانے والی۔ بلکہ یہ بات اچھی طرح تیرے ذہن نشین رہے کہ مال کے حقیقی مالک نے اگر تجھے زیادہ دے دیا ہے اور دوسرے بندوں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زاید مال ان دوسروں کا حق ہے۔ جو تیری آزمائش کے لئے تیرے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ تا کہ تیرا مالک دیکھے کہ تو ان کا حق پہچانتا اور پہنچاتا ہے یا نہیں'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 758)

پہلا نتیجہ۔ کوئی شخص کسی چیز کا حقیقی مالک نہیں۔

علامہ نے مان لیا ہے کہ ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ اور کوئی انسان مع اپنی جان کے کسی بھی چیز کا مستقل مالک نہیں ہے۔

دوسرا نتیجہ۔ زیادہ مال و دولت اور وسائل و سامان حیات لوگوں کے پاس امانت اور دوسروں کا حق ہیں۔

یہ بھی اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ جس کسی کو اللہ نے زیادہ مال و دولت اور وسائل اور سامانِ حیات فراہم کرنے کا موقع دیا ہے۔ اس کے پاس جتنا زیادہ مال و دولت اور وسائل و سامان حیات ہے وہ سب ان لوگوں کا حق ہے جن کے پاس مال و دولت و وسائل اور سامانِ حیات نسبتاً کم ہیں۔ لہٰذا ہر دولت مند و سرمایہ دار و جاگیر دار غرباء کے اموال و دولت و وسائل اور سامانِ حیات اپنی امانت میں رکھتا ہے اور قرآن (30/38) اور مودودی تشریح کی رو سے ان سب پر واجب ہے کہ وہ اپنے پاس جمع شدہ مال و اسباب و جائیداد جو غربا سے زیادہ ہو بلا مانگے بلا احسان جتائے غرباء کو دے دے۔ اور اگر وہ دولت مند لوگ ایسا نہ کریں گے تو وہ مسلمان ہوتے ہوئے خاسر و ناکام اور جہنمی ہوں گے۔ یعنی علامہ مودودی رفتہ رفتہ قرآن کریم اور علی مرتضیٰ علیہ السلام کے نظام (عنوان 10-9) پر ایمان لے آئے۔

تیسرا نتیجہ مودودی کے ترجمہ کو باطل کرتا ہے۔

ہم نے عرض کیا تھا (عنوان 10-9) کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب ہیں اور انہیں حضرت علی علیہ السلام کا وہ غیر مشروط و معلوم و معروف حق دینے کا حکم دیا گیا ہے جو انہیں نسلی و موروثی حیثیت سے ملنا چاہئے۔ ان سے پہلے حضرت ابو طالب و عبدالمطلب و ہاشم علیہم السلام اور ان کے آباؤ اجداد کو خود عرب دیتے اور انہیں مکہ و کعبہ اور مکہ والوں کا حاکم مانتے چلے آئے تھے اور اب نبوؐت کو آڑ بنا کر قریش جناب علیؑ مرتضیٰ کو اس حق حکومت سے محروم کرنے کے لئے اجماع کر چکے تھے۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ 103 اور تاریخ طبری)

مگر مودودی نے حضوؐر کی جگہ کسی فرضی مومن کو مخاطب کیا ہے اور اس خطاب میں قرآن کے الفاظ یا دلیل سے نہیں بدلا ہے بلکہ بلا دلیل اپنے پاس سے بریکٹ میں (اے مومن) لکھ دیا ہے جو ان کا ذاتی خیال اور اضافہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

ترجمہ میں علامہ نے کھل کر تین حقدار مانے ہیں۔ 1۔ رشتہ دار۔ 2۔ مسکین۔ 3۔ مسافر۔ لیکن اس کے خلاف برابر چھ مرتبہ ایک واحد مذکر حقدار کی ضمیریں لکھی جاتی رہی ہیں۔

''1۔ یہ اس کا حق ہے۔ 2۔ تو اسے دے۔ 3۔ اس کو دیتے ہوئے۔ 4۔ اس پر کر رہا ہے۔ 5۔ وہ کوئی حقیر مخلوق ہے۔ 6۔ تیرا دیا کھانے والی۔''

معلوم ہوا کہ علامہ پر اس آیت (30/38) کا اس قدر دباؤ رہا ہے کہ ان کے لاشعور نے ان کے قلم سے صرف ایک حقدار کو چھ مرتبہ زیر دماغ رکھا ہے۔ اور یہ بات خود بخود سامنے آجاتی ہے کہ ایکؔ واحد و یگانہؔ حقدار کو اگر اسکا حق مل جائے تو۔ 1۔ سائل۔ 2۔ محروم۔ 3۔ مساکین۔ 4۔ یتامیٰ۔ مسافر وغیرہ وغیرہ کو وہ تمام حقوق خود بخود مل جائیں گے جن کا قرآن کریم نے طرح طرح سے تذکرہ فرمایا ہے۔ اور اس حقدار علیہ السلام

کی اپنی غذا لباس اور طرزِ زندگی ایسا ہوگا کہ اللہ کے تمام واجبات وہؑ ادا کرا کے چھوڑے گا اور اس طرح سرمایہ داری اور سرمایہ داروں (اغنیاء) کا ناطقہ بند کردے گا۔ جسے قریشی لیڈر اور ان کا خود ساختہ اسلام برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ وہ سرمایہ داری اور سرمایہ دار سرداروں، لیڈروں اور راہنماؤں کا تحفظ چاہتے تھے۔ اس لئے اپنی قوم کو حکومتِ علویہ الٰہیہ کے خلاف مجتمع کرلیا۔ اور فیصلہ کرلیا کہ ''خاندان نبوّت میں نبوّت کا اعزاز کافی ہے۔ حکومت وخلافت ان میں نہیں قریش میں رہنا چاہئے (الفاروق)

اس لئے قریش نے نصوص قرآن اور علیؑ کے حق میں آنے والی ہر آیت کے معنی و مفاہیم تبدیل کئے اور قرآن سے مُکَذِّب قرآن (انعام 6/66) اور قرآن سے ہجرت کرنے والے مہاجرین کا لقب پایا۔ اور ان دونوں آیات کی تکذیب وتحریف بھی کرلی۔ یہ وجہ ہے کہ مودودی نے اس آیت (روم 30/38) میں کسی فرضی ملعون کو مومن قرار دے لیا ہے۔ قارئین نوٹ کریں کہ ہم اس آیت (30/38) کو بحث ونظر کا نشانہ نہیں بنانا چاہتے۔ اس لئے اس آیت پر تفصیلی گفتگو ہماری تفسیر اور ''بیان الامامۃ خطبہ نمبر 3'' میں ہو چکی ہے۔ البتہ اتنا ضرور عرض کریں گے کہ یہ آیت (30/38) ان ہی الفاظ میں سورہ روم سے بہت پہلے سورہ بنی اسرائیل (17/26) میں نازل ہو چکی تھی۔ لیکن وہاں مودودی نے اس کے ترجمہ میں کسی مومن کو بریکٹ میں نہیں گھسایا ہے۔ ترجمہ اور آیت دیکھئے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل 17/26)

<u>مودودی کا ترجمہ</u> ''رشتہ دار کو اس کا حق دو، اور مسکین ومسافر کو اس کا حق'' (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 610)

یعنی علامہ کو یہ خیال بعد میں آیا ہے کہ اس آیت کا مخاطب ایک مومن کو ہونا چاہئے۔ بہرحال علامہ کی باقی تشریح بھی سُن لیں:

<u>آخری نتیجہ۔ مودودی دل سے تو یہی چاہتے ہیں کہ خلافت الٰہیہ برسر کار آئے مگر ثلاثہ اینڈ کمپنی کے وفادار بھی رہنا چاہتے ہیں۔</u>

''اس ارشاد الٰہی (30/38) اور اس کی اصلی روح پر جو شخص بھی غور کرے گا وہ یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے گا کہ قرآن مجید انسان کے لئے اخلاق و روحانی ارتقاء کا جو راستہ تجویز کرتا ہے اس کے لئے ایک آزاد معاشرہ اور آزاد معیشت (Free Economy) کی موجودگی ناگزیر ہے۔ یہ ارتقاء کسی ایسے اجتماعی ماحول میں ممکن نہیں جہاں لوگوں کے حقوق ملکیت ساقط کردیئے جائیں، ریاست تمام ذرائع کی مالک ہوجائے اور افراد کے درمیان تقسیمِ رزق کا پورا کاروبار حکومت کی مشینری سنبھال لے۔ حتیٰ کہ نہ کوئی فرد اپنے اوپر کسی کا کوئی حق پہچان کردے سکے اور نہ کوئی دوسرا فرد کسی سے کچھ لے کر اُس کے لئے اپنے دل میں کوئی جذبۂ خیر سگالی پرورش کرسکے۔ اس طرح کا خالص کمیونسٹ نظام تمدن ومعیشت، جسے آج کل ہمارے ملک میں ''قرآنی نظام ربوبیت'' کے پرفریب نام سے زبردستی قرآن کے سرمنڈھا جارہا ہے، قرآن کی اپنی اسکیم کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں انفرادی اخلاق کے نشوونما اور انفرادی سیرتوں کی تشکیل وترقی کا دروازہ قطعاً بند ہوجاتا ہے۔ قرآن کی اسکیم تو اسی جگہ چل سکتی ہے جہاں افراد کچھ وسائلِ دولت کے مالک ہوں، ان پر آزادانہ تصرف کے اختیارات رکھتے ہوں، اور پھر اپنی رضا ورغبت سے خدا اور اس کے بندوں کے حقوق اخلاص کے ساتھ ادا کریں۔ اسی قسم کے معاشرے میں یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ فرداً فرداً لوگوں میں ایک طرف ہمدردی، رحم وشفقت، ایثار وقربانی اور حق شناسی واداۓ حقوق کے اعلیٰ اوصاف پیدا ہوں اور دوسری طرف جن لوگوں کے ساتھ بھلائی کی جائے ان کے دلوں میں بھلائی کرنے والوں کے لئے، خیر خواہی، احسان مندی، اور جزاء الاحسان بالاحسان کے پاکیزہ جذبات نشوونما پائیں، یہاں تک کہ وہ مثالی حالت پیدا ہوجائے جس میں بدی کا رُکنا اور نیکی کا فروغ پانا کسی قوتِ جابرہ کی مداخلت پر موقوف نہ ہو، بلکہ

لوگوں کی اپنی پاکیزگی نفس اوران کے اپنے نیک ارادے اس ذمہ داری کوسنبھال لیں''(تفہیم القرآن جلد3 صفحہ 758)

11) آزادمعاشرہ،آزادمعیشت،انفرادی اخلاق کانشوونماانفرادی سیرتوں کی تخلیق،نظام طاغوتی کے لئے بڑے حسین بہانے۔

مودودی کا یہ بیان، بیان کی حدتک صحیح ہے۔اورہم مانتے ہیں کہ کمیونزم میں مودودی کے بیان کردہ یہ مقاصدفنا ہوکررہ جاتے ہیں۔اورانسان ایک بے اختیارمشین بن کررہ جاتا ہے۔عذاب وثواب جزاوسزا بے اختیاری اور مجبوری کی وجہ سے بے معنی ہوکررہ جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ کمیونزم کے اس جابرانہ نظام میں گناہ اور جرائم ختم ہوجاتے ہیں۔تنگ دستی،فقروفاقہ وبدحالی کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔ لہٰذالوٹ ماروقتل وغارت اوراستحصال اپنی موت مرجاتے ہیں انسانوں کا ستایاجانااوراُن کا خون چوسناختم ہوجاتا ہے۔فخرومباہات،طعن وتشنیع اور غیبت وافترااورجھوٹ وتہمت کے مواقع تباہ ہوجاتے ہیں۔مولانا اورمولانا کے ہم خیال بتائیں کہ انہیں اوران کے اللہ کواس سے زیادہ اورکیا چاہئے؟ وہ آزادمعاشرہ جس میں دن رات فساد کا ہنگامہ برپارہے۔اس جابرانہ نظام سے کس طرح اورکس بناپرمفید یا بہتر ہے؟وہ آزادمعیشت جس میں دن رات انسان فقروفاقہ میں مبتلا رہیں ان کا خون چوسا جائے ان سے محنت شاقہ کرانے کے باوجودانہیں ان کی محنت کا اجر نہ ملے، چوریاں اورڈاکے پڑتے رہیں۔قتل وغارت کا بازارگرم رہے کس طرح اورکیوں کمیونزم کی جابرانہ حکومت اورنظام سے مفیدتر ہے؟

قارئین سوچیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لےکرآج تک ہمیشہ آزادمعاشرہ،آزادمعیشت،انفرادی اخلاق کی نشوونما اورانفرادی سیرتوں کی تخلیق والے نظاموں نے کبھی کسی دورمیں ایسی صورت حال پیدا کی ہے؟جس میں ملاؤں اورعلاماؤں کا فرضی نظام قائم ہوا ہو؟اخلاق نشوونمااس مقام تک آئی ہوجس کا یہ لوگ فریب دیتے ہیں؟ہررسوؐل کے زمانہ میں اورخودآنحضرؐت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں انتہائی خبیث وملعون مسلمان موجود تھےاورمن مانی کرنے والے صحابہ موجود تھے۔فقیربھی تھے،سائل ومحروم بھی تھے۔مظلوم ومحتاج بھی تھے۔قریشی تاریخ کے خانہ سازافسانوں کے باوجودوہ معاشرہ پیدانہ ہواجس کا پروپیگنڈاکرکے یہ لوگ عوام کودھوکہ دیتے ہیں۔جونظام یہ حضرات پیش کرتے ہیں اُس میں نہ آج تک کبھی یہ دنیا چین سے رہ سکی اورنہ اس نظام میں انسانوں کا چین وامن سے رہناممکن ہے۔اس لئے ہمدردان انسانیت نے یہ طے کیا کہ مذہب،ملکیت اورمناکحت کوجب تک دنیا سے فنانہ کردیا جائے نوع انسان کا امن وچین وفارغ البالی سے رہنا ناممکن ہے۔چنانچہ انہوں نے کمیونزم کا فلسفہ انسانوں کے سامنے رکھااسے سرمایہ داروں کے علاوہ سب نے پسند کیا۔اس فلسفے کے ماتحت کوشش کرنے والوں نے انسانوں کی کثرت کواپنا ہم خیال بنایاملک کے ملک اس نظام میں داخل ہوتے چلے گئےاورآج ساری دنیا کے سرمایہ دارجس نظام سے کانپ رہے ہیں۔جس کوروکنے میں ایڑی چوٹی کا زورلگارہے ہیں وہ کمیونزم ہے۔ایک صدی سے کم عرصہ میں ساری دنیا کی اقوام وممالک پرکمیونزم غالب آگیا ہے۔وہ روزآگے ہی آگے بڑھتا جارہاہےاوربڑھتااوردنیاپرچھاتا ہی چلاجائے گا۔چونکہ آج کا اسلام اوردیگرتمام مذاہب اللہ کےارسال کردہ مذاہب نہیں ہیں بلکہ یہ مذاہب بھی انسانوں نے گھڑےاورتیارکئے ہیں اورکمیونزم بھی انسانوں کا تیارکیا ہواایک نظام ہےاس لئے ہم کمیونزم کے غیرمشروط طرف دارہیں(ملاحظہ کریں ہماراپمفلٹ''قرآن کا سرکاری ترجمہ'')چونکہ یہ تمام مذاہب سرمایہ داروں کے تیارکردہ اورسرمایہ داری کا تحفظ کرتے ہیں اورغربت وافلاس اورتمام مصائب کے ذمہ دارہیں اس لئے تمام غربا اورمظلوم کمیونزم کے طرفدارہیں۔کمیونزم ان تمام خودساختہ مذاہب کوفنا کے گھاٹ اتارنے میں کوشاں ہے۔اس لئے ہم بھی اس کے ساتھ تعاون کوواجب سمجھتے ہیں۔تاکہ جب ان مذاہب کا پیداکردہ تعصب اورانسان دشمنی ختم ہوجائے توہم کمیونزم سے بہترنظام اسلام پیش کرسکیں۔جس میں واقعی انفرادی اخلاق وسیرت کی تعمیرہوسکتی ہےجس میں انسانوں کا راہنما

خدا نما ہو۔ جو تمام انسانوں کو اپنی اولاد سے زیادہ پیارا سمجھتا ہو۔ جو انسانی فلاح، بہبود و ترقی کے لئے اپنی اولاد اور اپنی جان کو قربان کر ڈالنے کے لئے مواقع کی تلاش کرتا رہتا ہو۔ جو ایک روٹی اور نمک سے زیادہ غذا کھانا اور ایک جوڑا کپڑوں سے زیادہ کپڑے رکھنا انسانوں کی حق تلفی سمجھتا ہو۔ جو اس پوری کائنات کی ہر شے کا تفصیلی علم رکھتا اور نوع انسان کو سکھا سکتا ہو۔ جس کے سامنے پوری کائنات مطیع اور مسخر ہو جو تسخیر کائنات کی انسانوں کو تعلیم دیتا ہو۔ جو نوع انسان کو لامحدود قدرت و حیات فراہم کرنے کی تعلیم دیتا ہو۔ جو یہ ٹھیکہ لیتا ہو کہ جو شخص نوع انسان سے کسی چیز کو قیمتی نہ سمجھے اور سب کچھ بلا دریغ انسانوں کے لئے خرچ کر دے اسے دنیا اور آخرت میں کوئی غم و حزن اور کسی خوف وہراس سے دوچار ہونا نہ پڑے گا۔ وہ راہنما اور صرف وہی راہنما وہ ''مثالی حالت'' اور ''مثالی معاشرہ'' پیدا کر سکتا ہے جس کا لالچ دے کر طاغوتی نظام سرمایہ داری کا نظام قائم کرتا ہے اور غریب کو لوٹ لوٹ کر غریب تر کرتا اور موت کے گھاٹ اتارتا چلا جاتا ہے۔ مذہب اور اللہ کے نام پر غربا سے دن رات محنت کراتا ہے۔ انہیں تنگ حال اور بھوکا رکھ کر صبر و قناعت کا سبق دیتا ہے۔ ہر حال میں اللہ کا شکر بجالاتے رہنے کی تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں اللہ نے خود غریب و مفلس بنایا ہے۔ تم زبان پر شکوہ تک نہ لانا ورنہ تمہیں آخرت میں پورا ثواب و جزا نہ ملے گی۔ تم آخرت پر نظر رکھو۔ کسی کے مال و دولت کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ تاکہ غربا دولت مندوں کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائیں۔ اور جنت کی آس لگائے لگائے خزانوں کا رات بھر جاگ کر تحفظ کریں۔ خود بھوکے رہ کر رؤساء کا کھانا پکائیں۔ پھٹے کپڑے پہنے ہوئے سرمایہ داروں کے ریشمی کپڑے دھوئیں، استری کریں اور انہیں پہنائیں تاکہ آخرت میں غربا کو عمدہ نفیس پوشاک اور شکم سیر خوراک اور آرام دہ مکان ملنے کا یقین ہو جائے اور دنیا میں وہ سرمایہ داروں کی خوب خدمت کریں ہر ظلم و زیادتی سہیں اور کبھی دولت مندوں کے خلاف بغاوت نہ کریں۔ مگر اس کے خلاف اسلام کا حقیقی راہنما وہ تعلیم دے گا جس کا بیان مودودی نے کیا ہے۔ اور تمام سرمایہ دار علما و راہنما کرتے ہیں مگر رُک رُک کر، معنی و مفاہیم بدل بدل کر۔ اور ہر تعلیم کا رخ سرمایہ داروں کے تحفظ کی طرف موڑ موڑ کر۔ اور ہزاروں حقائق کو چھپا چھپا کر۔

<u>نہم۔ سو فیصد آزاد معاشرہ و معیشت نہ خدا کو مطلوب ہے نہ ہی مودودی اینڈ کمپنی نے تسلیم کی ہے اور نہ ہی نوع انسان کے لئے مفید ہے۔</u>

علامہ اینڈ کمپنی عوام الناس کو فریب اور لالچ دینے کے لئے ''آزاد معاشرہ'' اور ''<u>آزاد معیشت</u>'' اور ''<u>انفرادی اخلاق</u>'' وغیرہ کے نعرے استعمال کرتی ہے مگر وہ واجباتِ خداوندی کے ادا کرنے کو بھی لازم قرار دیتی ہے۔ یعنی وہ خود اپنی تردید کر دیتی ہے۔ اگر خدا نے آزاد معاشرہ رکھا تھا اور آزاد معیشت قائم کی تھی تو بعض کاموں کو جرم کیوں قرار دیا؟ زکوٰۃ کو کیوں واجب کیا؟ آزاد معاشرہ کے معنی آزاد معاشرہ ہیں۔ ہر انسان آزاد ہے جو کرنا چاہے یا جو کر سکتا ہو کرتا رہے کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہ ہو اور آزاد معیشت کے معنی بھی یہی ہیں جو شخص جس طرح چاہے جتنا چاہے کسبِ مال و دولت کرے۔ لیکن مودودی تو چور کے ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگسار کرنے اور زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمانوں کا قتل عام کرنے، انہیں لوٹنے اور ان کی اولاد و ازواج کو لونڈی غلام بنانے والے خلفاء کو اپنا مقدس راہنما مانتے ہیں۔ کیا آزاد معاشرہ اور آزاد معیشت اسی کا نام ہے؟ قارئین وقت ضائع کئے بغیر ہمارے عنوان کو تسلیم کر لیں کہ سو فیصد آزادی دنیا کے کسی قانون میں نہیں ہے۔ دنیا میں امن و انصاف قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام انسانوں کو جانوروں اور حیوانات کی طرح سو فیصد آزاد نہ رکھا جائے۔ تاکہ طاقت ور لوگ کمزوروں پر ظلم نہ کر سکیں۔ اور ظلم کرنے کی غرض سے اپنی طاقت کو نہ بڑھا سکیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہم کمیونزم کو مودودی والے خود ساختہ اسلام سے بہتر سمجھتے ہیں اور ہمارے سوا کسی بھی مذہب یا ازم کے ممبران کو یہ جائز نہیں کہ وہ کمیونزم کی مذمت کرے یا اپنے نظام کو اس سے بہتر قرار دے۔ اس سے بہتر وہی نظام ہے جس کی نقل میں کمیونزم ایجاد کیا گیا

ہے۔ ہمارے یہاں یہ مسلمہ حدیث ہے کہ اسلام کا آخری سرؑبراہ بزورِ شمشیر تمام سرمایہ داروں سے دولت لے کر غرباء میں مساوی بانٹ دے گا۔ ظلم وجور سے لبریز دنیا کو حق وعدل وانصاف سے معمور کردے گا۔ چنانچہ لوگوں نے یہ چاہا کہ کیوں نہ وہ قوت کے اس نظام کو جلد سے جلد نافذ کر دیں؟ اور سرمایہ داری و سرمایہ داروں کا خاتمہ کردیں اور غربا کو طاغوتی چنگل سے آزاد کرلیں؟ جس طرح امام آخرؑ الزمان صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ لاکھوں سال سے آزاد چھوڑے ہوئے طاغوتی وابلیسی نظام سے بطور انتقام جبر وقوت کا سلوک کریں گے۔ اسی طرح کیمونسٹ لیڈر بھی ان سرمایہ دار شیاطین سے بطورِ انتقام جبر وقوت کا سلوک کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ اور یقین کیجئے کہ اگر وہ اپنے نعروں کے مطابق نظام قائم کرلیں اور سرمایہ داروں کے علاوہ کسی اور کو ستائے بغیر کامیاب ہو جائیں تو اللہ انہیں معاف کردے گا۔ لیکن وہ بھی ملاؤں کی طرح اپنے نعروں اور مقاصد کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں اس لئے معافی ناممکن ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی خلاف ورزیوں اور مقررہ اصول سے بھٹک جانے میں سرمایہ داروں کی چالوں اور پروپیگنڈوں کا کافی ہاتھ ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے خودساختہ اور لبھانے والے معیار سے ہٹ جانے میں گنہگار ومجرم رہتے چلے آئے ہیں۔ اصول ان کا یہ ہے کہ:۔

''کام ہر آدمی کی قابلیت کے مطابق اور جزا ہر آدمی کی ضرورت کے مطابق''

لیکن وہ آج تک اس اصول کو عملاً قائم نہ کرسکے۔ اس کے باوجود وہ دنیا کے تمام مذہبی نظاموں یا جمہوری نظاموں سے زیادہ بہتر ہیں اور یہی سبب ہے کہ ہم انہیں آئمہ معصومین علیہم السلام کے یا اسلام کے نظام کی تمہید سمجھتے ہیں۔ رہ گئی آزادی؟ اور بلا جبر واکراہ ہر امیر وغریب کو انفرادی اخلاق اور سیرۃ کی تعمیر کا موقع دینے کی بات اور نظام؟ وہ محمدؐ اور ان کے حقیقی جانشینوںؑ سے بہتر نہ کوئی بیان کرسکتا ہے نہ عملاً قائم کرنے کے لئے اتنی محنت، جفاکشی، فقر وفاقے اور قربانیاں دے سکتا ہے۔ آزادی اس حد تک کہ قریش کو ان کے نظام کے لئے اللہ کی طرح موقع دیا۔ اپنے تمام حقوق چھوڑ دئے۔ اور ہر نیکی میں تعاون کیا۔ تین سو انتیس (329) سال فقر وفاقہ اور مصائب وتنگ حالی کے مسلسل ہجوم میں مسکرا کر اپنا کھانا اور سامان حیات ضرورت مندوں کو دے کر گزار دئے۔ ان ہی کا پہلا سربراہ کہتا ہے کہ میں ایک روٹی اور نمک پر گزارہ کرنے کی عادت ڈالوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ ہر غاصب وغادر سے غرباء اور حقداروں کا حق چھین لینے اور حقداروں کو واپس دینے میں ہر قوت وجبر استعمال کرنا لازم سمجھتا ہے۔ علامہ سے پوچھو کہ اللہ نے اِن آیات (ذاریات 51/19، معارج 25-70/24، بنی اسرائیل 17/26، روم 30/38) میں اور مختلف مقامات میں سائل و محروم کا حق لازم قرار دیا ہے۔ اگر سرمایہ دار لوگ وہ حق ادا کرنے میں آزاد چھوڑ دئے جائیں تو نتیجہ یہی ہوگا جو حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک سامنے آیا ہے۔ اور سائل ومحروم برابر محروم رہتے چلے جائیں گے اور تمہارے سب سے بڑے عادل وزاہد خلیفہ دوم کے زمانہ کی طرح کروڑوں پتی وجود میں آتے رہیں گے۔ لہٰذا قرآن کی آیات کو بہکانے اور اپنا سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنے کے لئے بطور فریب وپروپیگنڈا استعمال کرنے کے لئے اختیار کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ وہ مثالی حالت پیدا کرنے کا کوئی طریقہ تمہارے یہاں ہے؟۔ اور ان کو یاد دلاؤ کہ آخر کی دونوں آیات (30/38,17/26) میں تو حکم دیا گیا ہے کہ ذاالقربیٰ اور مسکین ومسافر کا حق ادا کرو۔ یہ حکم اللہ کا حکم ہے اس کی تعمیل فرض ہے۔ یہ تعمیل کون کرائے گا؟ اور تعمیل نہ کرنے والوں کو اس حق کے ادا کرنے پر کون مجبور کرے گا؟ اور یہ بتاؤ کہ تمہارے اولین تین خلفا نے ان آیات سے کیا سمجھا تھا؟ اور ان پر کیا عمل کیا تھا؟ پھر مودودی یہ بھی بتائیں کہ ان آخری دو آیات (30/38,17/26) میں ایک شخص واحد مذکر ہے جسے ذاالقربیٰ کہا ہے۔ ایک شخص واحد مذکر ہے جسے مسکین کہا گیا ہے اور ایک شخص واحد مذکر ہے جسے ابن السبیل فرمایا گیا ہے یہاں نہ تمام رشتہ داروں کا ذکر ہے نہ

تمام مساکین کی بات ہے نہ تمام مسافر مذکور ہیں۔ ہمیں بتاؤ کہ قرآن کی کونسی آیت سے ان دونوں آیات میں سارے رشتہ دار تمام مساکین اور تمام مسافر مراد لوگے؟

1) قرآن کریم ہر فاضل چیز کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مودودی ہر زائد چیز کو ضرورت مندوں کی کہتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام ایک وقت کی خوراک کے علاوہ تن پر موجود کپڑے کے سوا ہر چیز کو پرائی امانت فرماتے ہیں (چھٹے تبصرے کا نہم) اللہ ہر فاضل چیز کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے (بقرہ 2/219) مودودی اس تمام سامان کو دوسروں کا حق مانتے ہیں جو دوسروں سے زیادہ کسی کے پاس موجود ہو۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ اور مودودی دونوں حضرت علیؑ سے متفق ہیں۔ مودودی اینڈ کمپنی ہمیں اسی طرح اپنے تین خلفا میں سے کسی کا ایک قول دکھائے جو انسانوں کی غربت و افلاس دور کرنے کے سلسلے میں ایسا ہو جس سے اللہ اور مودودی دونوں متفق ہوں؟ اور یہ قیامت تک ممکن نہیں ہے۔ ان ملاعین نے کبھی کوئی ایسا کام کیا ہی نہیں جو ساری نوع انسان کے لئے مفید اور اللہ کے فیصلے کے مطابق ہوتا۔ اس کے برعکس حضرت علی علیہ السلام نے کبھی کوئی ایسی بات فرمائی نہ ایسا عمل کیا جو نوع انسان کے لئے مفید نہ ہو اور جو قرآن کے خلاف ہو۔

2) وہ شخص ہرگز شیعہ نہیں ہے جو مساوات، درگزر اور لطف وکرم سے باز رہے۔

قارئین کرام یہ نوٹ کرلیں کہ ہمارے غریب پرور راہنمایانِ دین کسی شخص کو اس وقت تک شیعوں میں شمار نہیں کرتے جب تک عملاً یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ مساوات قائم کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے ابو اسماعیلؒ نے عرض کیا کہ قربان جاؤں ہمارے یہاں تو شیعوں کی کثرت ہے۔ آپؑ نے دریافت کیا کہ کیا ان لوگوں میں غنی لوگ فقیروں پر متوجہ اور مہربان رہتے ہیں؟ اور نیک لوگ گنہگاروں سے درگزر کرتے ہیں؟ اور کیا وہ سب ہی مساوات قائم کرنے میں مصروف ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ وہ ایسا عمل نہیں کرتے۔ اس پر فرمایا کہ وہ لوگ شیعہ نہیں۔ شیعہ تو یہ تمام کام کرنے والوں کو کہتے ہیں۔

عن ابی اسماعیلؓ قَالَ: قُلْتُ لِاَبِی جعفر علیه السلام جَعَلْتُ فَدَاکَ اِنَّ الشِّیْعَةَ عِنْدَ نَا کَثِیْرٌ فَقَالَ: فَهَلْ یَعْطِفُ الْغَنِیُّ عَلَی الْفَقِیْرِ: وَهَلْ یَتَجَاوَزُ الْمُحْسِنُ عَلَی الْمَسِیِّ؟ وَیَتَوَسَوْنَ؟ فَقُلْتُ: لا فَقَالَ: لَیْسَ هٰؤُ لَآءِ شِیْعَةً. اَلشِّیْعَةُ مَنْ یَفْعَل هٰذَا. (کافی کتاب الکفر والایمان باب حق المومن علی اخیه، حدیث نمبر 11)

3) جس نے ایک دن بھی اپنی طویل عمر میں ایسا گزار دیا کہ وہ مسلمانوں کی خوشحالی سے غافل رہا وہ اسلام سے خارج ہے

محمدؐ اور ان کے حقیقی جانشین جو نظام قائم کریں گے اس نظام کا ہر فرد ہر لحہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی اسکیموں میں مصروف رہے گا ورنہ خواہ وہ نمازی اور پرہیزگار ہو حاجی و حافظ قرآن ہو اللہ کے یہاں اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ سنئے:

عَنْ اَبِی عبدِاللّٰه علیه السلام قال: قَالَ رسول اللّٰه صلی علیه و آلهٖ وسلم: مَنْ اَصْبَحَ لَا یَهْتَمُّ بِا مُوْرِالْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ (حدیث نمبر 1. ایضاً باب اهتمام بامور المسلمین)

جناب امام جعفر علیہ السلام خود بھی اور رسولؐ اللہ کی زبانی بھی فرماتے ہیں کہ: ''جس کسی نے ایسی حالت میں صبح کی کہ اس نے مسلمانوں کی فلاح میں کوئی اہتمام نہ کیا ہو تو وہ مسلم نہیں ہے''

چوتھی حدیث میں یہی الفاظ خود امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمائے ہیں۔

4) نظام سرمایہ داری کے زمانوں میں نمازیں اور حج بجالانے والے مقام سمجھ لیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

عَنْ محمد بن زیاد، عَنِ الحکم بن اَیْمَن، عَن صدقة الاحدب، عَنْ اَبی عبدِاللّٰہ علیه السلام قال: قضاء حاجة الْمُؤْمِن خَیْرٌ مَنۡ عَتَقَ اَلْف رَقَبَةٍ وَخَیْرٌ مِنْ حَمَلَان اَلْف فَرَسٍ فِیْ سَبِیْل اللّٰهِ .(حدیث نمبر3)

2) قال ابو عبداللہ لقضا ء حاجة امرء مومن اَحَبّ اِلَی اللّٰہ مِن عشرین حَجَّةٍ کُلِّ حجة ینفق فِیْها صاحبها مائة اَلْفٍ.

(ایضاً کتاب الکفر و الایمان باب قضاء حاجة المومن، حدیث نمبر4)

''ایک مومن کی حاجت روائی ہزار غلام آزاد کرنے سے اور ایک ہزار گھوڑے راہ خدا میں دینے سے بھی بہتر ہے''

2) اُن ہی حضرتؑ نے فرمایا کہ: ''ایک مرد مومن کی حاجت روائی ایسے بیس حجوں سے بھی زیادہ اللہ کو محبوب ہے جن میں کسی نے ایک ایک لاکھ روپے خرچ کئے ہوں''(حدیث نمبر3)

یہ ہیں وہ حج جو ابوبکر و عمر سے لے کر آج تک ہوتے چلے آئے ہیں۔ان سب کے ضائع ہوجانے کا صرف ایک سبب ہے کہ وہ باطل حکومت پر ایمان لائے اور مسلمانوں کی غربت وافلاس کو برقرار رکھتے ہوئے سرمایہ داربنے اور حج و نمازیں ادا کیں (حدیث نمبر4)

دھم۔قرآن(2/219)انجیل اور علیؑ (نہج البلاغہ) کی منشا کے مطابق فوراً سب کچھ دے ڈالنے والوں کے لئے کیا انتظام ہے؟

یہ سوال ہمارے سائز سے بہت بڑا ہے۔اس کا جواب حقیقتاً محمد اور علی اور آئمہ معصومین صلی اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ کوئی اور دے نہیں سکتا۔اور قارئین بھی بلاعملی صورتِ حال سے دوچار ہوئے ہی محض علمی حیثیت سے ہی سُنیں گے۔لہٰذا اس سوال کا علمی حیثیت سے جواب سننے سے پہلے آپ علامہ مودودی کا ایک حقیقت کُشا بیان سُن لیں تو ہمارا جواب بہتر طریقہ پر دل نشین ہوگا:۔

1) قرآنی تعلیمات کُرسی پر بیٹھے بیٹھے پوری طرح سمجھ میں نہیں آتیں یہ عملی تعلیمات ہیں ان کو عامل ہی سمجھتا ہے۔

''لیکن فہمِ قرآن کی ان ساری تدبیروں کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے جس کے لئے قرآن آیا ہے۔یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ آرام سے کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھیں اور اس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔یہ دنیا کے عام تصورِ مذہب کے مطابق اک نری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اس کے سارے رموز حل کر لئے جائیں جیسا کہ اس مقدمہ کے آغاز میں بتایا جاچکا ہے یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔اس نے آتے ہی (گویا رسولؐ کے پاس پوری کتاب ایک دم آگئی تھی۔احسنؔ) ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی۔اور وقت کے علمبردارانِ کفر وفسق وضلالت سے اس کو لڑادیا۔گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعی حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور حامیانِ حق سے ان کی جنگ کرائی۔ایک فردِ واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافتِ الٰہیہ کے قیام تک پورے تئیس سال(23) یہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی راہنمائی کرتی رہی،اور حق و باطل کی اس طویل و جان گُسل کشمکش کے دوران میں ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلے پر اسی نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے۔(گویا رسولؐ نے کوئی راہنمائی نہیں کی وہ صرف کتاب کی

ہدایات پر عمل کرتے رہے۔احسنؔ)اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاعِ کفرو دین اور معرکہ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو، اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں۔اسے تو پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوتِ الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اسی طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں۔تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے۔جو نزولِ قرآن کے وقت پیش آئے تھے (یہاں بھی مودودی پوری کتاب کی بات کر رہے ہیں۔احسنؔ) مکے اور طائف اور حبش کی منزلیں بھی آپ دیکھیں گے۔اور بدر و اُحد سے لے کر حُنین اور تبوک تک مراحل بھی آپ کے سامنے آئیں گے۔ابو جہل و ابولہب سے بھی آپ کو واسطہ پڑے گا، منافقین اور یہود بھی آپ کو ملیں گے، اور سابقین اولین سے لے کر مولفۃ القلوب تک سبھی طرح کے انسانی نمونے آپ دیکھ بھی لیں گے اور برت بھی لیں گے۔یہ ایک اور ہی قسم کا ''سلوک'' ہے، جس کو میں ''سلوکِ قرآنی'' کہتا ہوں۔اس سلوک کی شان یہ ہے کہ اس کی جس جس منزل سے آپ گزرتے جائیں گے قرآن کی کچھ آیتیں اور سورتیں خود سامنے آ کر آپ کو بتاتی چلی جائیں گی کہ وہ اسی منزل میں اتری تھیں (آیات متشابہات کون سی منزل میں سامنے آئیں گی اور کوئی انہیں کیسے سمجھے گا جب کہ آپ کے نزدیک ان سے مزید گمراہی کا یقین ہے؟۔احسن) تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 234-235) اور یہ ہدایت لے آئی تھیں اس وقت یہ تو ممکن ہے کہ لغت اور نحو اور معانی و بیان سے کچھ نکات ''سالک'' کی نگاہ سے چھپے رہ جائیں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ قرآن اپنی روح کو اس کے سامنے بے نقاب کرنے سے بخل برت جائے۔ پھر اسی کلیہ کے مطابق قرآن کے احکام، اس کی اخلاقی تعلیمات، اس کی معاشی اور تمدنی ہدایات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں اس کے بتائے ہوئے اصول و قوانین آدمی کی سمجھ میں اس وقت تک آ ہی نہیں سکتے جب تک کہ وہ عملاً ان کو برت کر نہ دیکھے۔نہ وہ فرد اس کتاب کو سمجھ سکتا ہے جس نے اپنی انفرادی زندگی کو اس کی پیروی سے آزاد کر رکھا ہو۔اور نہ وہ قوم اس سے آشنا ہو سکتی ہے جس کے سارے اجتماعی ادارے اس کی بنائی ہوئی روش کے خلاف چل رہے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 33-34) (مقدمہ)

2) قارئین کو بہلانا اور فریب دینا بہرحال مفید نہیں ہے۔ہم قارئین کو قرآن فہمی سے مودودی کی طرح محروم نہ کریں گے۔

اگر ہم علامہ کے اپنے مسلمات سے ان کے اس بیان کی تردید کریں تو علامہ کے اس بیان کی فرضی حقیقت کشائی غائب ہو جائے گی۔اور فریب کاری کے سوا کچھ نہ بچے گا۔تنقید کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہم نے اس بیان کے دوران چند بریکٹ لگا دیئے ہیں جن پر غور کرنے سے علامہ کے کئی پُرخلوص مغالطے صاف ہو جائیں گے اور علامہ اور اُن کے تمام ہم مذہب علماء اور مجتہدین یہ غلطی کبھی نہیں کرتے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پورے قرآن کا بیک وقت آ جانا یا موجود رہنا مان لیں، حالانکہ قرآن کی رو سے یہ ایک پنجگانہ اور منہ بولتی حقیقت ہے (عنکبوت 29/49) بہرحال اس بیان کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی گئی ہے کہ ''اس کتاب نے آتے ہی'' یعنی جیسے ہی قرآن کتاب کی صورت میں آنحضرتؐ کے پاس پہنچا'' تو اُنؐ سے وہ سب کام کرا لیا جو بیان میں لکھا ہے۔مودودی کے تمام بیان کو اگر صحیح بھی مان لیں تو اس کو کیا کریں کہ وہ قرآن فہمی کے لئے پہلے قرآن پر عمل کرنے کی شرط لگاتے ہیں؟

یعنی ''پہلے قرآن پر بلا سمجھے عمل کر لیں اپنے اداروں میں اس کی روش اختیار کر لیں تب قرآن فہمی کی امید کریں''

مودودی نے یہ شرط بھی لگائی کہ ''آپ بلا سمجھے قرآن کو لے کر اُٹھیں اور دعوتِ الیٰ اللہ کا کام شروع کر دیں'' (ایضاً صفحہ 34)

یہاں سے آگے مودودی کا بیان پھر پڑھئے اور دیکھئے کہ کیا اس سے زیادہ احمقانہ ومضحکہ خیز بیان کوئی اور بھی ہوسکتا ہے بہرحال جس مذہب کے علما ایسی باتیں کریں اس کے عوام دنیا کی تمام اقوام کے سامنے کیڑوں مکوڑوں اور حیوانات سے بدتر ہونا ہی چاہئیں۔اور آج واقعی اس مذہب کے عوام وخواص وعلماء اور سربراہانِ مملکت ساری دنیا کی اقوام و مذاہب سے بھیک مانگ رہے ہیں۔لیکن اللہ کی راہ میں سب کچھ خرچ کر دینے سے ڈر رہے ہیں۔اس لئے اللہ کے ان آسمانی خزانوں سے محروم ہیں جن کا وعدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں کیا ہے۔اور جس کے لئے اللہ نے قرآن میں بار بار اور طرح طرح وعدے کئے اور عملاً یقین دلایا ہے۔

12۔تقسیمِ رزق کے دوانتظامات یا ڈبل وڈُہرانظام اور دونوں سے استفادہ کرنے کا طریقہ تمام انبیاءؑ اور کتب نے سکھایا ہے۔

اب ہم اس سوال کا علمی اور عملی جواب شروع کرتے ہیں کہ ''ان مومنین کی زندگی وترقی کا سامان (رزق) کہاں سے اور کس طرح ملے گا جو احکامِ خداوندی کی تعمیل میں اپنا سب کچھ راہِ خدا میں صرف کر کے بدن پر ایک جوڑے یا تن ڈھانکنے کے علاوہ کچھ بھی نہ رکھتے ہوں؟

اول۔علمی جواب۔سب سے پہلے یہ سن لیں کہ مودودی نے بھی پرویز کے نظام ربوبیت اور سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ (حم سجدہ 41/10) کی رد میں لکھا ہے کہ:۔

''کیا فطرت کے اس پورے نظام میں کہیں آپ کو غذا کے مساوی راشن کی تقسیم کا انتظام نظر آتا ہے؟ اگر واقعہ یہ نہیں ہے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ نباتات اور حیوانات کی دنیا میں جہاں انسانی ریاست نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ریاست براہِ راست تقسیم کا انتظام کررہی ہے''
(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 443-444)

معلوم ہوا کہ تقسیم رزق کا ایک انتظام براہِ راست اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا انتظام خود انسانوں یا انسانی حکومت کے ہاتھ میں ہے۔جھگڑا اس پر ہے کہ انسانوں کو بھی رزق برابر تقسیم ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور آیا یہ تقسیم انسانی حکومت کے ہاتھ میں ہونا چاہئے یا نہیں؟ پرویز کہتے ہیں کہ ''ہاں'' اور مودودی کہتے ہیں کہ ''نہیں'' اس لئے کہ تقسیم رزق میں جبر پسند نہیں کرتے۔بہرحال وہ دونظاموں کے قائل ہیں۔

دوم۔رزق کی تقسیم کے دو الگ الگ نظام دوقسم کی مخلوق، مختار و بے اختیار کی وجہ سے قائم ہیں۔

یہ بات کسی بحث کی محتاج نہیں ہے کہ بے اختیار مخلوق کے لئے ان کی ضرورت کے مطابق رزق کی فراہمی اس نظام کے ماتحت ہے جسے مودودی اللہ کی ریاست کا نظام کہتے ہیں۔اور دوسرے نظام میں انسانوں کا رزق ہے۔یہ ایک مختار صاحب عقل وارادہ مخلوق ہے۔اپنی ضرورت خود سمجھتی ہے اس کا تعین کرتی ہے۔رزق تلاش وتیار کرتی ہے اس کا ذخیرہ کرتی ہے اور حسب ضرورت استعمال کرتی ہے۔اور آپس میں ایک دوسرے سے رزق کا تبادلہ کرتی ہے۔ایک دوسرے کو دینے اور چھین لینے میں بھی مختار ہے۔یہ بات بالکل قابلِ فہم وتسلیم ہونا چاہئے کہ اگر کوئی انسان اپنے تمام اختیارات وارادوں کو اپنی تمام ضروریات اور خواہشات کو تعلیماتِ خداوندی کے ماتحت اور اللہ کے وعدوں پر یقین کر کے نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اللہ کے سپرد کر دے اور اپنی فکر کئے بغیر اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو لازم ہے کہ اللہ اسے اپنی اس مخلوق کے ساتھ رزق فراہم کرے جو براہِ راست اس کے نظام ورزق رسانی کے ماتحت چلے آتے ہیں۔اور ہم دکھائیں گے کہ ان حضرات کو براہِ راست ہر ضروری و مطلوبہ چیز اللہ کی طرف سے فراہم کی جاتی رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔

سوم۔انسانوں کی جانوں،مالوں اولادواباءواجداداوردیگر متعلقہ چیزوں اوراختیارات کی پوزیشن۔

اب یہ دیکھئے کہ اللہ نے انسانوں کومختار پیدا کیااوررزق یاوسائلِ حیات کی فراہمی میں کھلا چھوڑ دیا۔انہیں حرام وحلال اور جائز وناجائز پر مجبور نہیں کرتا پورے اختیارات رکھتے ہوئے ان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک ورازق کی خوشنودی اور مقاصد کو ہر چیز سے عزیز تر سمجھے چنانچہ فرمایا کہ:۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَO(سورہ توبہ 9/24)

مودودی ترجمہ:۔''اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ،اور تمہارے بیٹے،اور تمہارے بھائی،اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں،اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہےاور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اوراس کے رسولؐ اوراس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے،اوراللہ فاسق لوگوں کی (فاسق قوم کی۔احسن) راہنمائی نہیں کرتا''(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 184-185)

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ اس سے پہلی آیت (9/23) میں قریش کو منع کیا گیا ہے کہ تم اپنے باپ دادوں اور بھائیوں کو اپنا حاکم (اولیا) نہ بناؤاگر چہ وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں اور تم میں جو کوئی ایسا کرے گا یعنی ان کو اپنا ولی وحاکم بنائے گا وہ حقیقی ظالم (غلط کار) ہوں گے اس رویے کو روکتے ہوئے قریش اور تمام مومنین کو بتایا گیا ہے کہ اللہ اور رسولؐ اوران کے مقاصد کے سامنے کسی بھی چیز کو اگر ترجیح دے دی گئی تو مومنین کو ظالمین میں شمار کیا جائے گا۔اسی بات کو اسی سورہ میں یوں بھی فرمایا گیا ہے کہ:

2) ایمان لاتے ہی مومنین کی جان ومال اللہ کے ہاتھوں بک جاتے ہیں اور جنت مل جاتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُO(سورہ توبہ 9/111)

(مودودی ترجمہ)''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے اُن کے نفس (جان۔احسن) اوران کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور مارتے اور مرتے ہیں۔ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمہ ایک پختہ وعدہ ہے توریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چُکایا ہے۔یہی سب سے بڑی کامیابی ہے''۔(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 235-239)

3) مومنین کی جان اور مال اُدھار نہیں بلکہ نقد جنت دے کر خریدے جاتے ہیں۔علامہ کی تشریح

علامہ مودودی نے اس آیت کی بڑی زوردار مفصل اور حقیقت کے مطابق تشریح کی ہے۔مگر وہ علامہ ہی کیا جو مینگنیاں ڈالے بغیر دودھ دے دے۔اور قریشی عالم ہو ہی نہیں سکتا جو قرآن کی آیات کو بلا ہیرا پھیری سمجھائے۔چنانچہ مودودی نے اپنی تشریح اور محنت یہ بتانے میں ضائع کر دی کہ اللہ

نے مومنین کے جان و مال تو خرید لئے مگر جان و مال کی قیمت مرنے کے بعد قیامت میں دے گا۔حالانکہ اس آیت (9/111) میں نہ کوئی ایسا لفظ ہے نہ کوئی قرینہ ہے کہ یہ سودا اُدھار ہوا ہے۔اور قیمت مرنے کے بعد بھی فوراً نہیں بلکہ لاکھوں سال بعد قیامت میں ملے گی۔بہرحال علامہ کے غلط عقائد کو نظرانداز کر کے ان کی صحیح باتیں سنیں اور نظر اس مقصد پر رکھیں کہ جب ایک مومن اپنی جان و مال اور اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ جنت کا مالک و مختار بن جاتا ہے۔علامہ نے لکھا ہے کہ:

4) ایمان لاتے ہی اللہ مومن کی جان و مال کا مالک اور مومن جنت کا مالک بن جاتا ہے بعد میں نہیں۔

''یہاں ایمان کے اس معاملے کو جو خدا اور بندے کے درمیان طے ہوتا ہے ''بیع'' (فروخت۔احسن) سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ ''محض ایمان'' ایک مابعدالطبیعاتی عقیدہ نہیں ہے بلکہ فی الواقع وہ ایک معاہدہ ہے جس کی رو سے بندہ اپنا نفس اور اپنا مال خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور اسکے معاوضہ میں خدا کی طرف سے اس وعدہ کو قبول کر لیتا ہے کہ وہ اسے جنت دے گا''

5) خرید و فروخت کے اس معاہدہ کے بعد خلاف ورزی کرنے والے نمازی وغیرہ بھی غیر مسلم ہی شمار ہوں گے۔

ذرا آگے چل کر لکھا ہے کہ:

''خدا کے یہاں جو ایمان معتبر ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ خیال اور عمل دونوں میں اپنی آزادی و خودمختاری کو خدا کے ہاتھ بیچ دے اور اللہ کے حق میں اپنے ادعائے ملکیت سے کُلیتاً دست بردار ہو جائے۔پس اگر کوئی شخص کلمہ اسلام کا اقرار کرتا ہو اور صوم وصلوٰۃ وغیرہ احکام کا بھی پابند ہو لیکن اپنے جسم و جان کا اپنے دل و دماغ اور بدن کی قوتوں کا،اپنے مال و وسائل اور ذرائع کا اور اپنے قبضہ واختیار کی ساری چیزوں کا مالک اپنے آپ ہی کو سمجھتا ہو اور ان میں اپنی حسب منشاء تصرف کرنے کی آزادی اپنے لئے محفوظ رکھتا ہو تو ہو سکتا ہے کہ دنیا میں وہ مومن سمجھا جاتا رہے مگر خدا کے ہاں یقیناً وہ غیر مومن ہی قرار پائے گا۔

6) ابوبکر و عمر اینڈ کمپنی علامہ کی تشریح کی رو سے بھی حقیقی مومن و مسلم نہ تھی۔

کیوں کہ اس نے خدا کے ساتھ وہ بیع کا معاملہ سرے سے کیا ہی نہیں جو قرآن کی رو سے ایمان کی اصل حقیقت ہے۔

7) مسلمان و مومن کہلوانے والے تمام مسلمان غیر مسلم ہیں اگر اپنے اختیارات استعمال کرتے رہے۔

جہاں خدا کی مرضی ہو وہاں جان و مال کھپانے سے دریغ کرنا اور جہاں اس کی مرضی نہ ہو وہاں جان و مال کھپانا، یہ دونوں طرزِ عمل ایسے ہیں جو اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں کہ مدعی ایمان نے یا تو جان و مال کو خدا کے ہاتھ بیچا نہیں ہے، یا بیع کا معاہدہ کر لینے کے بعد بھی وہ بیچی ہوئی چیز کو بدستور اپنی سمجھ رہا ہے۔ایمان کی یہ حقیقت اسلامی رویہ زندگی اور کافرانہ رویہ زندگی کو شروع سے آخر تک بالکل ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔مسلم جو صحیح معنی میں خدا پر ایمان لایا ہو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں خدا کی مرضی کا تابع بن کر کام کرتا ہے اور اس کے رویہ میں کسی جگہ بھی خود مختاری کا رنگ نہیں آنے پاتا۔۔۔۔۔۔اسی طرح جو گروہ اہل ایمان سے مرکب ہو (جیسے عہد رسولؐ یا بعد رسولؐ کے مسلمان۔احسن)

8) قریشی خلفاء کو عموماً اور خلفائے ثلاثہ اور ان کی اسکیموں منصوبوں اور شریعت سازی کو خصوصاً دیکھیں

وہ اجتماعی طور پر بھی کوئی پالیسی، کوئی سیاست، کوئی طرزِ تمدن وتہذیب، کوئی طریق معیشت و معاشرت اور کوئی بین الاقوامی رویہ خدا کی مرضی اور اس کے قانون شرعی کی پابندی سے آزاد ہو کر اختیار نہیں کر سکتا۔خدا سے آزاد ہو کر کام کرنا اور اپنے نفس اور متعلقاتِ نفس کے بارے میں

خود یہ فیصلہ کرنا کہ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں، بہر حال ایک کافرانہ رویہ زندگی ہے۔ خواہ اس پر چلنے والے لوگ ''مسلمان'' کے نام سے موسوم ہوں یا ''غیر مسلم'' کے نام سے۔(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 235-237)

چہارم۔ حقیقی مومنین کو رزق کی فراہمی جنت سے ہوگی توریت وانجیل اور قرآن تصدیق کرتے ہیں۔

ہم اس فطری اور حقیقتِ واقعی کے سہارے آگے بڑھے تھے کہ جس طرح اللہ کائنات کی لامحدود اور ناقابلِ شمار اور غیر مختار مخلوقات کو بلا اُن کی اپنی کوشش اور جدوجہد کے بلا ناغہ رزق فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح ان تمام انسانوں کو بھی رزق فراہم کرے گا جو اپنے جسم و جان قلب و ذہن اور اختیار وارادے اور مال واسباب اور ضروریاتِ حیات کو اللہ کی راہ میں دے کر خالی ہاتھ رہ جائیں۔ اس اصول پر آگے بڑھتے بڑھتے ہمیں اللہ نے یہ وعدہ یاد دلایا کہ میں تو پہلے ہی سے ایسے مومنین کے لئے ذمہ دار ہوں اور یہ ذمہ داری ایک لفظ جنت کہہ کر ادا کر چکا ہوں لہٰذا زیر بحث سوال کا جواب بھی لفظ جنت سے پورا ہو جاتا ہے۔ یعنی جو لوگ اپنا سب کچھ میری راہ میں دے کر اب خالی ہاتھ و بے سہارا رہ گئے ہیں انہیں ان کی ضرورت کی ہر چیز جنت سے ملتی رہے گی۔

1) رزق یعنی وہ تمام سامان جو مخلوق کی بقاء ترقی اور تکمیل کے لئے ضروری ہے، سربراہانِ اسلام دیں گے۔

زیر تشریح آیت (توبہ 9/111) میں توریت وانجیل اور قرآن کو اللہ نے اپنے وعدہ کا ذمہ دار بنایا ہے۔ چنانچہ انجیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حکم لکھا جا چکا ہے کہ ''تکمیل انسانیت کیلئے اب ضروری ہے کہ تم جا کر اپنا تمام اثاثہ وغیرہ فروخت کرو اور تمام رقومات راہ خدا میں خرچ کر کے میرے قدم بقدم چلنے کیلئے آجاؤ۔ قَالَ لَہٗ یَسُوْعُ اِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ اَنْ تَکُوْنَ کَامِلًا فاذْھَبْ وَ بِعْ کُلَّ شَیْءٍ لَّکَ وَاَعْطِہٖ لِلْمَسَاکِیْنَ فَیَکُوْنَ لَکَ کَنْزٌ فِی السَّمَآءِ وَتَعَالَ اتْبِعْنِی (متی فصل 19. آیات 21)

''حضرت عیسیٰؑ نے اس سے فرمایا کہ اگر تیرا ارادہ کامل مومن بننے کا ہو تو جاؤ اور اپنی ہر چیز فروخت کر کے مساکین کو عطا کر دے تو آسمان میں تیرے لئے ایک خزانہ کھل جائے گا۔ اس کے بعد واپس آ کر میری اتباع کے لئے میرے ساتھ رہ''۔

معلوم ہوا کہ کم از کم وہ تمام چیزیں تو اس شخص کو ضرور ہی اس آسمانی خزانے سے ملتی رہیں گی جو اس نے مساکین کو دی ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایسے خالی ہاتھ مومنین کو آزاد نہیں چھوڑتے بلکہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں تا کہ انہیں آسمانی خزانے سے ہر چیز مہیا کرنے میں مدد اور معاون رہیں۔ یعنی آسمانی خزانے سے ضروری سامان بھی جانشینِ خداوندی یا سربراہِ اسلام ہی کی معرفت ملے گا۔

2) حضرتِ عیسیٰؑ اپنے حواریوں ہی کو نہیں بلکہ جسے چاہتے تھے تقسیمِ رزق کے دوسرے نظام سے رزق دیتے تھے۔

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ قرآن نے تقسیمِ رزق کے خدائی نظام کو انسانوں کے لئے جنت قرار دیا تھا اور حضرت عیسیٰؑ نے انجیل میں اسی نظام کو آسمانی خزانہ فرمایا ہے۔ مگر اس خزانہ یا جنت یا خدا کے براہِ راست تقسیمِ رزق کے نظام سے رزق کا دیا جانا اسی سربراہِ اسلام کی معرفت ہوگا جس کی اجازت سے مومنین اللہ کے وعدہ سے استفادہ کرنے کے لئے اپنا سب کچھ حقداروں کے سپرد کر کے خالی ہاتھ ہو جائیں گے۔ چنانچہ اب آپ یہ دیکھیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس طرح اپنے ساتھیوں کو ضروریاتِ زندگی فراہم کرتے تھے: انجیل بتاتی ہے کہ:۔

فَلَمَّا سَمِعَ یَسُوْعُ مَضٰی مِنْ ھُنَاکَ فِیْ سَفِیْنَۃٍ اِلَی الْبَرِّیَّۃِ مُنْفَرِدًا۔ فَسَمِعَ الْجُمُوْعُ فَتَبِعُوْہُ مِنَ الْمُدُنِ مَاشِیْنَ۔ فَلَمَّا خَرَجَ یَسُوْعُ اَبْصَرَ جَمْعًا کَثِیْرًا فَتَحَنَّنَ عَلَیْھِمْ وَاَبْرَأَمَرْضَاھُمْ۔ وَلَمَّا کَانَ الْمَسَآءَ دَنَااِلَیْہِ تَلَامِیْذُہٗ وَقَالُوا اِنَّ الْمَکَانَ

فَقْرٌ وَالسَّاعَةَ قَدْ فَاتَتْ فَاصْرِفِ الْجُمُوْعَ لِيَذْهَبُوْا اِلَى الْقُرَى وَيَتَسَاعُوْا لَهُمْ طَعَامًا ۔فَقَالَ لَهُمْ يَسُوْعُ لاَ حَاجَةَ اِلٰى ذَهَابِهِمْ اَعْطُوْهُمْ اَنْتُمْ لِيَاكُلُوْا ۔فَقَالُوْا لَهٗ مَاعِنْدَ نَا هٰهُنَا اِلَّا خَمْسَةُ اَرْغِفَةٍ وَسَمَكَتَانِ ۔فَقَالَ لَهُمْ هَلُمَّ بِهَا اِلٰى هٰهُنَا وَاَمَرَ بِجُلُوْسِ الْجُمُوْعِ عَلَى الْعُشْبِ ثُمَّ اَخَذَ الْخَمْسَةَ الاَرْغِفَةَ وَالسَّمَكَتَيْنِ وَنَظَرَ اِلَى السَّمَآءِ وَبَارَكَ وَكَسَرَ وَاَعْطَى الاَرْغِفَةَ لِتَلاَمِيْذِهٖ وَنَاوَلَ تَلاَمِيْذُهُ الْجُمُوْعَ ۔فَاَكَلُوْا جَمِيْعُهُمْ وَشَبِعُوْا وَرَفَعُوْا مَافَضَلَ مِنَ الْكِسَرِ اِثْنَتَى عَشْرَةَ قُفَّةً مَمْلُوْءَةً ۔وَكَانَ الاٰكِلُوْنَ خَمْسَةَ آلاَفِ رَجُلٍ سِوَى النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ۔

(انجیل متی فصل 14۔آیات13-21)

''جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ واقعہ سُنا تو کشتی کے ذریعہ سے اکیلا ہی کسی میدانی علاقہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہ سن کر لوگ مختلف آبادیوں سے پیدل چل کراس کے پاس جمع ہوگئے۔جب یسوع باہر نکلا تو اس انبوہ کو دیکھ کر اسے ان پر ترس آیا۔اوران کے ساتھ آئے ہوئے تمام قسم کے مریضوں اور بیماروں کوشفا بخشی۔جب شام ہونے لگی تو اس کے شاگرد(حواری) اس کے پاس آئے اور کہا کہ یہ جگہ بھی ایک ویرانہ ہے اور وقت بھی تنگ ہوتا جا رہا ہے آپ ان لوگوں کو رخصت کی اجازت دیں تا کہ یہ لوگ آبادیوں میں جا کر اپنے کھانے پینے کا بندوبست کرسکیں۔حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ ان کو بھیجنا ضروری نہیں ہے تم خود ان کے کھلانے پلانے کے ذمہ دار ہو یعنی وہ تو تمہارے مہمان ہیں اور تم انہیں ٹالنا چاہتے ہو؟ حواریوں نے عرض کیا کہ حضور ہمارے پاس صرف پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں ہیں۔مطلب یہ کہ ان سے ان ہزار ہا آدمیوں کی مہمانی کیسے ہوگی؟ فرمایا کہ تم وہ روٹیاں اور مچھلیاں یہاں میرے پاس لے آؤ۔وہ لوگ روٹیاں اور مچھلیاں لائے تو حضرت عیسیٰؑ نے اُس انبوہ کو گھاس پر بیٹھ جانے کا حکم دیا اور وہ اس طرح بیٹھ گئے جیسے کھانے کے لئے صفیں بنا کر بیٹھا کرتے ہیں۔پھر حضورؑ نے وہ پانچ روٹیاں اور دونوں مچھلیاں لیں اور آسمان پر نظر ڈالی اور روٹیوں میں برکت داخل کر دی روٹیوں کے ٹکڑے کر کے حورایوں کو دے دیئے اور حواریوں نے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔جب تمام لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچے ہوئے ٹکڑوں کے بارہ عدد ٹوکرے بھرے ہوئے موجود تھے۔اور عورتوں اور بچوں کے علاوہ کھانے والوں کی تعداد پانچ ہزار تھی''۔(متی 21-14/13)

یہ تھا وہ آسمانی خزانہ اور یہ تھی وہ نظر جو آسمانی خزانے سے جو چاہتی تھی اُتار لاتی تھی۔اسی قسم کا ایک مختصر سا حوالہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔اور یہ بتایا گیا ہے کہ:۔

3) آسمانی خزانے یا جنت سے رزق ملنے کا انتظام قرآن نے بھی دسترخوان کے نام سے کیا ہے۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ Oاِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ Oقَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ O قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ Oقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ O(مائدہ115-5/111)

''جب میں نے عیسیٰؑ کے حواریوں کو وحی بھیجی کہ تم مجھ پر اور میرے رسوؑل عیسیٰ پر ایمان لاؤ تو انہوں نے فوراً کہا تھا کہ ہم ایمان لائے ہیں لہٰذا اے

اللہ تو گواہ رہنا کہ ہم سب مسلم ہیں۔ جب حواریوں نے عیسیٰؑ سے دریافت کیا کہ تیرا پالنے والا یہ کرسکتا ہے کہ ہمارے کھانے پینے کے لئے وہ آسمان سے تیار شدہ دسترخوان اُتار دے؟ اور اُتارتا رہا کرے؟ حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا کہ اگر تم اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہو تو تم تقویٰ اختیار کرو۔ حواریوں نے عرض کیا کہ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم جنت کا کھانا کھا کر دیکھیں اور اس سلسلے میں ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ساتھ ہی ہمیں یہ علم بھی ہو جائے کہ آپ کا ہم سے کیا ہوا وعدہ اور آسمان سے ہماری ضروریات کے ملتے رہنے کی بات تصدیق ہو جاتی ہے۔ اور اس حقیقت پر ہم چشم دید گواہی دینے کے قابل بھی ہو جائیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اللہ سے دعا کی کہ اَے ہمارے اللہ اَے ہمارے پالنے والے ہم پر آسمان سے مائدہ یعنی کھانے پینے کا تمام سامان نازل کردے تاکہ اس طرح ہمارے اولینؔ فرد کے لئے بھی اور ہمارے آخری فردؔ کے لئے بھی ایک مستقل عید قائم ہو جائے۔ اور یہ تیرا ایک کھلا معجزہ قرار پا جائے۔ لہٰذا وہ مائدہ ہمارے لئے رزق قرار دیدے اور تُو تو ہے بھی تمام رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا۔ اللہ نے فرمایا کہ میں یقیناً بطور رزق نازل کرنے والا ہوں مگر یہ سمجھ لو کہ اگر اس طرح آسمانی رزق ملنے کے بعد تم میں سے کسی نے بھی اس حقیقت کو چھپایا اور اپنے بیان کے مطابق شہادت نہ دی تو اسے میں ایسا عذاب دوں گا جو اس کائنات میں کسی کو نہ دیا گیا ہوگا''

4) مائدہ والی آیت(5/115) میں مذکور بے مثل عذاب مودودی اینڈ کمپنی کے لئے مخصوص ہے۔

قارئین یہ گفتگو ابتدائی عنوانات پر پڑھ چکے ہیں کہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے کہا تھا کہ تم رسُولؐ کے ایسے ناصر ومددگار بنو جیسے حضرت عیسیٰؑ کے حواری تھے (سورہ صف 61/14) اور جن صحابہ نے خود کو عیسیٰؑ کے حواریوں کے معیار پر ناصرومددگار بنایا تھا۔ لازم تھا کہ انہیں بھی آنحضرتؐ کی معرفت مائدہ سے مستفید رکھنے کا انتظام رہتا۔ اور یہی بات حضرت عیسیٰؑ نے اپنی دعا میں فرمائی تھی یعنی ہمارے اول سے لے کر آخرؔ والے تک مائدہ نازل کرنے کا اور عید منانے کا انتظام کردے اور اللہ نے مائدہ نازل کرنے میں یہی شرط لگائی تھی کہ جو کوئی مائدہ کے نزول کی حقیقت کو چھپائے گا اُسے پوری کائنات میں مثالی عذاب دیا جائے گا(5/115)۔ لہٰذا اللہ جانتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری تو مثالی اور خود رسُولؐ اللہ کے صحابہ کے لئے معیار قائم کرنے والے حضرات تھے لہٰذا ان سے تو مائدہ کے نزول کی حقیقت کو چھپانے کا امکان ہی نہ تھا لیکن قریشی صحابہ اور علماء کو چونکہ یہ مقام حاصل نہ ہوا اس لئے انہوں نے آیت مائدہ (5/115) کی موجودگی میں بھی نزول مائدہ کو مشکوک کرنے کی کوشش جاری رکھی ہے۔ چنانچہ مودودی نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے قریش کا فراہم کردہ زہریلا عقیدہ یوں اگلا ہے کہ:۔

5) مودودی مائدہ کے نزول کو اپنے بیان سے مشکوک کر گئے

''قرآن اس باب میں خاموش ہے کہ یہ خوان فی الواقع اُتارا گیا یا نہیں۔ دوسرے کسی معتبر ذریعہ سے بھی اس سوال کا جواب نہیں ملتا۔ ممکن ہے یہ نازل ہوا ہو اور ممکن ہے کہ حواریوں نے بعد کی خوفناک دھمکی سن کر اپنی درخواست واپس لے لی ہو'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 515 حاشیہ نمبر 129)

مطلب یہ کہ علامہ کی تفہیم القرآن پڑھنے والوں کے لئے مائدہ کا نزول یقیناً مشکوک ہو گیا۔ اور علامہ کی تفسیر پڑھنے والوں سے یہ حقیقت چھپا دی گئی۔ چنانچہ علامہ اس دھمکی اور عذابِ لاجواب و بے مثل کے حقدار ہو گئے (15/115)

6) مودودی قرآن اور حدیث دونوں کے منکر ہیں۔ ترمذی کی حدیث اور سنی علماء مائدہ کے قائل ہیں۔

اللہ نے مائدہ کے لئے نہایت زوردار الفاظ میں وعدہ کیا ہے کہ ''میں یقیناً مائدہ نازل کرنے والا ہوں'' (اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ) لیکن اس یقین دہانی کے باوجود مودودی نہیں مانتے۔ اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ مائدہ کا نزول اس قدر اہم تھا کہ اللہ نے اس پوری سورت کا نام ہی

''اَلْـمَائِدَة'' (مخصوص دستر خوان) رکھ دیا ہے۔علاوہ ازیں قرآن کے ساتھ ہی ساتھ مودودی نے ایسی حدیث کا بھی انکار کر دیا ہے جو اہلِ سنت کی چھ عدد صحیح کتابوں میں سے ایک میں یعنی صحیح ترمذی میں لکھی اور مانی چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ علامہ اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ:-

مائدہ پر حدیث موجود ہے اور اشرف علی اُسے مانتے ہیں۔

''اس کا حکم ہونا ترمذی کی حدیث میں عمار بن یاسر سے منقول ہے۔اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا،اس میں روٹی اور گوشت تھا۔اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے (یعنی بعض نے) خیانت کی اور اگلے روز کے لئے اُٹھا رکھا پس بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ ہو گئے'' (مترجمہ قرآن صفحہ نمبر 201)

یہ سوچنے کی بات ہے کہ مودودی نے مائدہ کے نزول کو چھپانے کے لئے اپنی معتبر ترین حدیث کی کتابوں کو بھی ''معتبر ذرائع'' سے خارج کر دیا اور قریشی ریکارڈ کے بھی منکر ہو گئے۔ یقیناً قیامت میں انہیں مذکورہ مثالی عذاب جھیلنا پڑے گا(5/115)۔

علامہ شاہ ولی اللہ اور ان کا بیٹا شاہ عبدالقادر دہلوی نزول مائدہ مانتے ہیں۔

پھر یہ دیکھیئے کہ دو صدی قبل کے حکیم الامت لقب والے محدث شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے فارسی ترجمہ میں حاشیہ لکھتے ہیں کہ:''مترجم گوید بعد ازاں خوانے نازل شد از آسمان بروے گوشت و نان پس خوردند و سیر شدند''۔(ترجمہ قرآن صفحہ 166)

اس ترجمہ میں شاہ عبدالقادر کا ترجمہ ساتھ ساتھ چلتا ہے ان کا نوٹ یہ ہے کہ:-

''کہتے ہیں کہ وہ خوان اترا یکشنبہ کو کہ وہ روز،نصاریٰ کی عید ہے۔ جیسے ہم کو روز جمعہ؛ بعضے کہتے ہیں کہ وہ خوان اُترا چالیس روز تک۔پھر بعضوں نے ناشکری کی یعنی حکم ہوا تھا کہ فقیر و مریض کھاویں۔محصول اور چنگی بھی لگے۔کھانے پر قریب اسی (80) آدمی سور اور بندر بن گئے'' (ایضاً صفحہ 166)

علامہ احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی مانتے ہیں۔

علامہ احمد رضا خان صاحب بریلوی نے ترجمہ پر یہ نوٹ دیا ہے کہ:

''یعنی خوان نازل ہونے کے بعد۔چنانچہ آسمان سے خوان نازل ہوا۔اس کے بعد جنہوں نے ان میں سے کفر کیا وہ صورتیں مسخ کر کے خنزیر بنا دیئے گئے اور تین روز میں سب ہلاک ہو گئے'' (ترجمہ قرآن صفحہ 184 حاشیہ نمبر 285-286)

یہ ہے وہ وعدہ جو اللہ نے قرآن کریم میں آیت (9/111) کی ذیل میں کیا تھا اور اس وعدہ کا وجود انجیل میں بتایا تھا۔اور اسی وعدے کی ایفا کا تذکرہ توریت (کتاب الخروج 36-16/8) میں کیا ہے۔ جسے قرآن نے (سورہ بقرہ 2/57،اعراف 7/160،طٰہٰ 81-20/80) میں بھی بیان فرمایا ہے۔

پنجم۔خدا کی راہ میں بے سروسامان ہو جانے والے بیس لاکھ افراد کو آسمانی رزق

اب ہم حضرت عیسیٰؑ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بیس لاکھ سے زیادہ افرادِ انسانی (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 430) کو اللہ کے براہِ راست رزق کے نظام سے ان کی تمام ضروریات زندگی چالیس سال تک ملتی رہیں۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ

اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ...الخ(اعراف 7/160،(طٰہٰ 81-20/80،بقرہ 2/57)

''اور موسیٰؑ سے اس کی قوم نے پانی مانگا تو ہم نے مؤسیٰ کو وحی کی کہ تم فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو چنانچہ اس چٹان سے بارہ چشمے بہنے لگے۔ اور ہر گروہ نے اپنے پانی لینے کے لئے اپنی اپنی جگہ متعین کر لی۔ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر آسمان سے منّ وسلویٰ اُتارا۔اور اجازت دے دی کہ تم ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے عمدہ عمدہ رزق کھاؤ پیؤ''۔

1) اس آسمانی رزق کی تفصیلات مودودی کے قلم سے ملاحظہ ہوں۔

مودودی یہاں مائدہ کی طرح دم نہ مار سکے اور یہاں بیس لاکھ انسانوں کو آسمان سے رزق ملنے کا تفصیلی اقبال کیا ہے سنئے:۔

اس کے بعد اب مزید تین احسانات کا ذکر فرمایا گیا ہے ایک یہ کہ جزیرہ نمائے سینا کے بیابانی علاقہ میں ان کے لئے پانی کی بہم رسانی کا غیر معمولی انتظام کیا گیا۔دوسرے یہ کہ ان کو دھوپ کی تپش سے بچانے کے لئے آسمان پر بادل چھا گیا۔تیسرے یہ کہ ان کے لئے خوراک کی بہم رسانی کا غیر معمولی انتظام من وسلویٰ کے نزول کی شکل میں کیا گیا۔ظاہر ہے کہ اگر ان تین اہم ترین ضروریاتِ زندگی کا بندوبست نہ کیا جاتا تو یہ قوم جس کی تعداد کئی لاکھ (بیس لاکھ تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 430) تک پہنچی ہوئی تھی اس علاقہ میں بھوک پیاس سے بالکل ختم ہو جاتی۔آج بھی کوئی شخص وہاں جائے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جائے گا کہ اگر یہاں پندرہ بیس لاکھ آدمیوں کا ایک عظیم الشان قافلہ یکا یک آٹھہرے تو اس کے لئے پانی، خوراک اور سائے کا آخر کیا انتظام ہو سکتا ہے؟ موجودہ زمانہ میں پورے جزیرہ نما کی آبادی پچپن (55) ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔اور آج اس بیسویں صدی میں بھی اگر کوئی سلطنت وہاں پانچ چھ لاکھ فوج لے جانا چاہے تو اس سلطنت کے مدبروں کو رسد کے انتظام کی فکر میں دردِ سر لاحق ہو جائے۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے کے بہت سے محققین نے جو نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ معجزات کو تسلیم کرتے ہیں۔یہ ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا کے اُس حصے سے گزرے ہوں گے۔جس کا ذکر بائبل اور قرآن میں ہوا ہے۔ان کا گمان ہے کہ شاید یہ واقعات فلسطین کے جنوبی اور عرب کے شمالی حصے میں پیش آئے ہوں گے۔جزیرہ نمائے سینا کے طبعی اور معاشی جغرافیہ کو دیکھتے ہوئے وہ اس بات کو بالکل ناقابل تصور سمجھتے ہیں کہ اتنی بڑی قوم یہاں برسوں ایک ایک جگہ پڑاؤ کرتی ہوئی گزر سکی تھی خصوصاً جب کہ مصر کی طرف سے اس کی رسد کا راستہ بھی منقطع تھا اور دوسری طرف خود اس جزیرہ نما کے مشرق اور شمال میں عَمَالِقَه کے قبیلے اس کی مزاحمت پر آمادہ تھے۔ان امور کو پیش نظر رکھنے سے صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان چند مختصر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے جن احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔وہ درحقیقت کتنے بڑے احسانات تھے۔''
(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 88-87)

2) اللہ کی راہ میں تمام ضروریات زندگی کو چھوڑ کر نکلنے والے بنی اسرائیل کی مزید تشریح دیکھ لیں۔

سورہ بقرہ آیت (57-2/56) کی ذیل میں مودودی کی تشریح:

''یعنی جزیرہ نمائے سینا میں جہاں دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ تمہیں میسر نہ تھی ہم نے ابر سے تمہارے بچاؤ کا انتظام کیا۔اس موقع پر خیال رہے کہ بنی اسرائیل لاکھوں کی تعداد میں مصر سے نکل کر آئے تھے۔اور سینا کے علاقہ میں مکانات کا تو کیا ذکر سر چھپانے کے لئے ان کے پاس خیمے تک نہ تھے۔اس زمانہ میں اگر خدا کی طرف سے ایک مدت (چالیس سال۔احسنؔ) تک آسمان کو ابر آلود نہ رکھا جاتا تو یہ قوم

دھوپ سے ھلاک ہو جاتی۔من وسلویٰ وہ قدرتی غذائیں تھیں، جو اس مہاجرت کے زمانہ میں ان لوگوں کو چالیس سال تک مسلسل ملتی رہیں۔ من دھنیے کے بیج جیسی ایک چیز تھی جو اُس (شبنم ۔احسنؔ) کی طرح گرتی اور زمین پر جم جاتی تھی۔اور سلویٰ بٹیر کی قسم کے پرندے تھے۔خدا کے فضل سے ان کی اتنی کثرت تھی کہ پوری کی پوری قوم محض ان ہی غذاؤں پر زندگی بسر کرتی رہی‘‘۔(تفہیم القرآن اول صفحہ 78-77)

3) توریت میں من وسلویٰ بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا قرآن کریم میں صرف تین چار آیات من وسلویٰ کے نزول پر آئی ہیں مگر توریت میں کتاب الخروج میں چھتیس آیات، کتاب العدد میں دو آیات (9-11/7) اور کتاب یشوع (5/12) میں ایک آیت ہے۔چنانچہ اس تفصیل میں سے چند ضروری اور مختصر باتیں لکھنا کافی ہوگا۔ارشاد ہے:۔

فَکَلّمَ الرَّبُّ مُوسٰی قَائِلاً ۔اِنّی قَدْ سَمِعْتُ تَذَمُّرَ بنی اِسْرَائِیلَ فَکَلِّمْهُم قَائِلا بَیْنَ الْغُرُوْبَیْن تَاکُلُوْنَ لَحْمًا وَ فِی الْغَدَاةِ تَشْبَعُوْنَ خُبْزًا وَتَعْلَمُوْنَ اَنَا الرَّبُّ اِلٰهُکُمْ ۔فَلَمّا کَانَ الْعَشِیُّ صَعِدَتِ السَّلْوٰیٰ فَغَطَّتِ الْمَحَلَّةَ وَبِالْغَدَاةِ کَانَ سَقِیْطُ النَّدیٰ حَوَالَی الْمَحَلَّةِ ۔وَلَمَّا ارْتَفَعَ سَقِیْطُ النَّدیٰ اِذَا عَلَی وَجْهِ الْبَرِّیَّةِ شَیْءٌ دَقِیْقٌ مُکَتَّلٌ کَالْجَلِیْدِ عَلَی الْاَرْضِ ۔فَلَمَّا رَآهُ بَنُو اِسْرَائِیْلَ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مَنْهُوَ؟لاَ نَّهُم لَمْ یَعْلَمُوْامَاهُوَ ۔فَقَالَ لَهُمْ مُوسٰی هُوَ الْخُبْزُ الَّذِی اَعْطَاهُ لَکُمُ الرَّبُّ مَاکَلاً۔الخ(کتاب الخروج 15-16/11)

’’پروردگار نے موسیٰ سے کلام کیا کہ میں نے بنی اسرائیل کا جھنجلانا سن لیا ہے تم ان سے کہہ دو کہ تم سب لوگ مغربین کے دوران گوشت کھایا کرو گے اور صبح کے اوقات میں روٹی سے شکم سیر ہوا کرو گے۔اور تم جان لو گے کہ میں تمہارا پروردگار اور معبود ہوں۔چنانچہ جب شام ہوئی تو بٹیریں اس طرح اوپر چھا گئیں کہ پڑاؤ کے میدان کو ڈھک لیا۔اور صبح کو پڑاؤ کے میدان میں اوس پڑی جب اوس پڑ چکی تو دیکھا گیا کہ زمین پر ایک چھوٹی چھوٹی گول چیز پڑی ہوئی ہے جو برف کی طرح سفید ہے۔اسے دیکھ کر بنی اسرائیل میں سے بعض نے کہا کہ مَنْ هُوَ (یعنی یہ کون ہے؟) اس لئے کہ وہ اس چیز کو جانتے نہ تھے۔یعنی اس لفظ مَن سے اس چیز کا نام ہی مَن پڑ گیا۔تب موسیٰ نے بتایا کہ یہ چیز تمہارے لئے روٹی ہے اسے تم کھایا کرو گے‘‘۔

اس کے بعد برابر آیات میں تفصیل اور قواعد بیان ہوئے ہیں۔

ششم۔حضرت مریمؑ کو بلا دوڑ دھوپ آسمانی خزانے سے تمام ضروریاتِ زندگی فراہم کی جاتی تھیں۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ جناب مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام پیدائش سے پہلے ہی اللہ کے حضور بطور نذر مان لی گئی تھیں۔اور ان کا کام ہی یہ قرار پایا تھا کہ وہ دن رات عباداتِ الٰہی میں مصروف رہیں گی۔چنانچہ انہیں دنیاوی مشاغل اور کسبِ معاش سے کوئی تعلق نہ تھا۔یعنی وہ سر سے پیر تک اللہ کی امانت تھیں۔اس لئے ان کو بھی ضروریاتِ زندگی یا رزق کی فراہمی براہِ راست اللہ کی طرف سے کی جاتی تھی سنیے اللہ فرماتا ہے کہ:۔

کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍO هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِن لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِO (آل عمران 38-3/37)

’’زکریاؑ جب بھی مریمؑ کے پاس اس کی عبادت کے حجرے میں جاتا تو اس کے پاس ضروریات زندگی کی کوئی نہ کوئی چیز رکھی ہوئی پاتا۔اس نے مریمؑ

پوچھا کہ یہ سامان تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ مریمؑ نے بتایا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے بھیجا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تو حساب سے بھی اور بلا حساب بھی جسے چاہتا ہے سامانِ حیات عطا کرتا رہتا ہے۔'' یہی تو وہ موقعہ تھا جب زکریاؑ نے بھی اپنے پروردگار سے دعا کی عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھے بھی اپنے پاس سے (بلاحساب وشرائط کے) پسندیدہ ذریت عطا فرمادے یقیناً تو دعاؤں اور التجاؤں کا سننے والا ہے''۔

<u>ہفتم۔آنحضرتؐ کو آسمانی خزانوں اور جنت کے سامان کا مالک بنا رکھا تھا اور تمام مخلوقات کو ہر قسم کا رزق ان ہی کے توسط سے ملتا ہے۔</u>

حقائق کی بنیاد یا اصل الحقائق یہ ہے کہ نورِ محمدؐ ہی باعثِ ایجادِ خلق و کائنات ہے۔وہی اس کائنات کی علت فاعلی و غائی وعلتِ مادی و صوری ہے۔یہاں جو کچھ ہے اور جو کچھ تھا اور جو کچھ ہونا ہے وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے اور واسطہ سے تھا اور رہے گا اور ہوگا۔ہم نے بار بار اور طرح طرح سے نورِ محمدیؐ اور اجزائے نورِ محمدیؐ کی پوزیشن قرآن واحادیث سے دکھائی ہے اور برابر دکھاتے چلے جائیں گے یہاں تو یہ دکھانا ہے کہ اللہ کی طرف سے تمام مخلوقات کو جو کچھ ملتا ہے وہ نورِ محمدیؐ کے وسیلے اور واسطے سے ملتا ہے۔یہی نہیں بلکہ وہیؑ اللہ کی آنکھیں ہیں جن سے اللہ اپنی مخلوق کو دیکھتا ہے۔وہیؑ اللہ کی زبان ہیں جس سے اللہ کلام کرتا ہے۔وہی اللہ کے ساری کائنات کو قابو میں رکھنے والے ہاتھ ہیں۔وہیؑ اللہ کی رحمت وفضل ورحم وکرم ہیں۔وہیؑ وہ وجہ اللہ ہیں جس سے ہر مخلوق کو اس کی ضرورت کا رزق یا سامان دیا جاتا ہے۔یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ ان ہی کے واسطے سے ہوتا ہے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَنا فَاَحْسَنَ خَلقَنا وَصَوَّرَنَا فاحسن صوّرنا وَجَعَلَنَا عَیْنَہٗ فِی عِبَادِہ وَلِسَانَہٗ الناطِقَ فِی خَلْقِہٖ وَیَدَہٗ الْمَبْسُوطَۃَ عَلٰی عِبَادِہِ بِاالرَّافَۃِ وَالرَّحْمَۃَ وَوَجْھِہِ الَّذِیْ یُؤْتِیٰ مِنْہُ وَبَابَہُ الَّذِی یَدَلُّ عَلَیْہِ وَخَزَّانِہِ فِی سَمَائِہٖ وَاَرْضِہٖ بِنَااَثْمَرَتَ الْاَشْجَار وَاَیْنَعت الثمار وجَرَت الانھار وَبنا ینزل غیث السماء وَیَنْبُت عشب الارض وبِعِبَادتنا عبداللّٰہ لو لا نحن مَا عُبِداللّٰہ ۔(اصول کافی کتاب التوحید باب النوادر حدیث نمبر5)

(1)''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں پیدا کیا اور بہت خوبیوں کے ساتھ پیدا کیا۔اور شکل وصورت عطا کی اور بہترین صورت دی اور اس نے ہمیں اپنے بندوں پر اپنی آنکھ بنایا اور اپنی مخلوقات کے لئے ہمیں اپنی بولنے والی زبان بنایا۔اور اپنے بندوں پر ہمیں اپنے پھیلے ہوئے ہاتھ بنایا تا کہ ان پر اپنی رحمت ومہربانیاں جاری کرے اور اپنا وہ سبب اور وجہ بنایا جس کے ذریعہ سے مخلوقات کو ان کا سامانِ حیات عطا کرے اور اپنا وہ دروازہ بنایا جس سے اپنی ذات ووجود پر دلیل قائم کرے۔اور ہمیں آسمانوں اور زمینوں میں اپنے تمام خزانوں کا ذمہ دار بنایا۔ہماری ہی وجہ سے درختوں میں پھل لگتے ہیں۔اور ہم ہی سے پھل پکتے ہیں۔نہریں جاری ہوتی ہیں آسمانوں سے بارشیں ہوتی ہیں۔اور ہماری ہی وجہ سے سبزیاں اور نباتات اگتی ہیں۔اور ہماری ہی عبادت کے سبب سے اللہ کی عبادت ہوئی اور اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت بھی نہ ہوتی''۔(لو لا نحن ما عُبِداللّٰہ)

قارئین نوٹ کریں کہ اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا وہ اور اس کے علاوہ بہت سے مناقب وفضائل احادیث میں بھرے پڑے ہیں۔

<u>2) آنحضرتؐ آسمانی خزانوں کو زندگی بھر استعمال کرتے رہے۔</u>

مودودی اینڈ کمپنی کے معتبر ترین ریکارڈ میں کتاب صحیح بخاری اور کتاب صحیح مسلم میں تفصیل سے یہ حقائق لکھے ہوئے موجود ہیں کہ آنحضرتؐ نے ایسے مواقع پر جب پانی اور غذا موجود نہ ہوتی تھی سیکڑوں آدمیوں کے لئے خزانہ غیب سے اور اپنے دستِ مبارک کی قوت سے کھانا اور پانی مہیا کر کے تمام حاضرین کو شکم سیر وسیراب کر دیا اور پانی وغذا افراط سے بچی بھی رہ گئی۔

3) جنت اور سامانِ جنت یا ضروریاتِ زندگی پر مکمل دسترس کا سلسلہ تا قیامت موجود رہے گا۔

وہ مومنین جو اللہ اور سربراہانِ اسلام علیہم السلام کے مقاصد کے حصول میں اپنا سب کچھ قربان کرتے رہیں گے ان کو مطمئن رکھنے اور سامانِ حیات و ترقی بہم پہنچانے کی ذمہ داری اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتی جب تک نوعِ انسان یا ضرورت مند موجود ہیں۔ خواہ وہ ظاہر بظاہر تمام انسانوں کے سامنے زندہ موجود ہوں یا عارضی طور پر مر کر حیاتِ جاوید اختیار کر چکے ہوں ان کا تعلق اور رابطہ سربراہؑ اسلام کی وساطت سے ہمیشہ جنت اور آسمانی خزانوں سے قائم رہے گا۔ اللہ نے بطورِ وعدہ فرمایا ہے کہ:۔

وَالَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ يُّضِلَّ اَعۡمَالَهُمۡOسَيَهۡدِيۡهِمۡ وَيُصۡلِحُ بَالَهُمۡOوَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَـنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡO(محمدؐ 6-47/4)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو چکے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہونے دے گا۔ یعنی وہ برابر کارگر اور نتیجہ خیز رہتے اور قتل کرنے والوں کی تباہی میں کامیاب ہوتے جائیں گے اور اللہ بہت جلد قتل ہو چکنے والے مومنین کی راہنمائی کرے گا اور ان کے تمام حالات کو سنوار دے گا اور انہیں ایک ایسی خاص جنت میں داخل کرتا ہے اور داخل کرتا رہے گا جس سے انہیں اللہ نے تعارف کرا رکھا ہوگا''

اس وعدہ کے فوراً بعد حاضر مومنین سے فرمایا کہ:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡO(محمدؐ 47/7)

''یہ سب سُن لینے کے بعد اے مومنین اگر تم اللہ کی نصرت کرنے لگو تو اللہ بھی تمہاری نصرت کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی بھی عطا کرے گا''

یہ آخری آیت (47/7) بھی بتاتی ہے کہ سابقہ تین آیات (6-47/4) میں فداکاروں کے لئے ایک روشن مستقبل کا وعدہ کرکے ان کو نصرت و فداکاری پر اُبھارا گیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے مال وزر، اولاد و ازواج کو آیات (6-47/4) کے نظام کے حوالے کرکے جان پر کھیلنے سے نہ ڈریں اور ان کی ازواج و اولاد و والدین بھی اطمینان سے انہیں قربان ہونے پر اُکسائیں اور ہمت بندھائیں۔ اور مسکرا مسکرا کر رخصت کریں۔

ان آیات (6-47/4) کے الفاظ میں ان شہدائے راہِ خدا کا ذمہ لیا گیا ہے جو بظاہر مر کر حیاتِ جاوداں حاصل کر چکے ہوں۔ ان آیات پر ہم نے اپنی تفسیر میں تفصیل سے گفتگو کی ہے یہاں ان کو لانے سے یہ مطلب ہے کہ جنت میں بعض لوگ ایسی حالت میں جائیں گے کہ وہ جنت کی ہر چیز سے قبل از داخلہ متعارف ہوں گے۔ یعنی ان کے لئے وہاں کوئی چیز اجنبی نہ ہوگی سب جانی پہچانی اور دیکھی بھالی چیزیں ہوں گی۔ وہ اپنے مکانات اور سامان کو بھی پہلے سے دیکھے ہوئے ہوں گے۔ سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا یہ تعارف خیال و الفاظ کی حد تک ہوگا؟ الفاظ جنت و جہنم تو تمام کفار اور منکرینِ مذاہب کو بھی معلوم ہیں۔ کیا ہم انہیں جنت و جہنم سے متعارف سمجھ لیں؟ ہرگز نہیں۔ تعارف کے تو حقیقی و مصدری معنی ہی کسی چیز کے بالمقابل کھڑے ہو کر اسے دیکھنا اور اس کی شکل و صورت و خصوصیات کا علم حاصل کرنا ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا تعارف مومنین کو کون کرائے گا؟ تاکہ وہ حصولِ جنت کے لئے اپنی جان و مال و اولاد و ازواج و اعزا کو قربان کرنے میں نفع کا یقین کرے اور دوسروں کو بھی یقین دلائے۔

4) جنت اور سامانِ جنت عطا کرنے والے ہر وقت جنت میں رہتے ہیں وہی تعارف کرائیں گے۔

لہٰذا سربراہانؑ اسلام علیہم السلام ہی وہ حضراتؑ ہوتے ہیں جنہیں جنت ہی نہیں ساری کائنات اور تمام موجودات تک رسائی ہوتی ہے۔ معصوم حدیث سنئے:

عَنۡ صالح بن سعیدؓ قال: دَخَلۡتُ عَلٰى ابی الحسن علیه السلام فَقُلۡتُ لَهٗ: جَعَلۡتُ فَدَاکَ فِىۡ كُلِّ الۡاُمُوۡرِ

اَرَادُوْا اِطْفَآءِ نُوْرَکَ وَالتَّقْصِیْرُ بِکَ، حَتّٰی اَنْزَلُوْکَ هٰذَا الْخَانِ الْاَشْنَعِ ،خَانَ الصَّعَالِیْکَ !!فَقَال:هٰهُنَا اَنْتَ یَا ابْنَ سَعِید، ثُمَّ اَوَمأَ بِیَدِهٖ وَقَالَ:اُنْظُرْ فَنَظَرْت، فَاِذَا اَنَا بِرَوْضَاتٍ اَنْقَاتٍ وَرَوْضَاتٍ بَاسِرَاتٍ فِیْهِنَّ خَیْرات عطرات وَ ولـدان کَاَنَّهُنَّ اللُّؤ لُؤ المکنون، وَاَطْیَارٌ وَّظباءٌ وَاَنْهَارٌ تَفُوْرُ، فحار بصری و حسرت عَینی .فقال: حَیْثُ کُنَّا فَهٰذَا لنا عتید لَسْنَا فِی خان الصعالیک(کافی کتاب الحجة باب مولد ابی الحسنؑ علی بن محمدؑ)

''جناب صالح بن سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں جناب امام علی نقی علیہ السلام سے ملنے گیا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ قریشی خلفاء ہر ہر معاملے میں آپ حضرات کے نور کو بجھانے اور آپ کے مرتبے کو کم کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ ذرا اسی مکان کو دیکھئے جس میں آپ کو ٹھہرایا ہے یہ ایک قابل مذمت جگہ ہے اور اسے یہاں فقیروں کی سرائے کہتے ہیں۔حضوؑر نے فرمایا کہ بس یہاں رُک جاؤ۔ میں چپ ہوگیا تو آپ نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا اور فرمایا کہ اب اس مکان کو دیکھ۔ میں نے نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں اچانک نہایت پُر فضا اور فرحت بخش باغات میں آ پہنچا ہوں جہاں نوخیز چمنستان بھی ہیں اور نہایت قدیم اور قدآور باغات بھی ہیں ۔خوشبوؤں سے مہکتی ہوئی حورانِ جنت منتظر ہیں موتیوں کی طرح دمکتے ہوئے بچے بھی کھیل رہے ہیں۔ چاروں طرف درختوں پر پرندے چہچہار ہے ہیں۔ آہوانِ صحرا دور دور تک پھیلے ہوئے کلیلیں کر رہے ہیں۔ جوش زن نہریں فراٹے بھرتی ہوئی رواں دواں بہہ رہی ہیں۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں میں حیران و مبہوت تھا کہ امام علیہ السلام کی آواز آئی فرما رہے تھے کہ ہم جہاں بھی اور جس حال میں بھی ہوتے ہیں ہمارے لئے یہ سامان اور یہ منظر موجود و حاضر رکھا جاتا ہے چنانچہ ہم درحقیقت اُس گداگروں کی سرائے میں مقیم نہیں ہیں''

قارئین نے دیکھا کہ ایک اشارہ پر وہ صورتِ حال ہی بدل گئی جس میں اماؑم کو دیکھ کر صالح بن سعید رضی اللہ عنہ کو دکھ ہوا تھا یہ اس دُکھ کا اور ان جذبات کا نتیجہ تھا کہ آن کی آن میں اُسے جنت میں لا کھڑا کیا اور اس کے ملال کو مسرت و اطمینان سے تبدیل کر دیا۔ یہ ہیں وہ حضرات علیہم السلام جو جنت دکھا سکتے ہیں، جنت کا سامان حقداروں کے لئے منگا سکتے ہیں، جن کے اشاروں پر نظامِ کائنات ناچتا ہے۔ جو لوگوں کو زمین سے اُٹھا کر عرشِ معلّیٰ تک بلند کر سکتے ہیں۔

ہشتم۔نظامِ باطل کے تسلط کے دوران بھی سربراہان وراہنمایانِ اسلام اپنا ایک پوشیدہ زیرِ زمین نظام قائم کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو ہر وہ چیز جسے پس انداز کر کے ذخیرہ کیا جاتا ہے،ضرورت مندوں کو دیتے رہنے کا پروگرام چلاتے ہیں۔ لوگوں کو عاقبت و آخرت کے سنوارنے کی باتیں بتاتے اور ہر بات پر عمل کر کے دکھاتے جاتے ہیں۔ تمام فقراء و مساکین اور محتاج لوگوں کی اور مخیّر حضرات کی ہمدردیاں ان سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ لوگ ان کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور ایسے حضرات پیدا ہو جاتے ہیں جو ان کی طرح ذخیرہ کرنا بند کر دیتے ہیں اور ضرورت مندوں کو زیادہ مدد ملنا شروع ہو جاتی ہے۔ ان کی کمزوری کے ساتھ ساتھ استغنا اور خود اعتمادی اور اللہ پر یقین و توکل پیدا ہوتا اور بڑھتا جاتا ہے۔ سربراہ علیہ السلام کے ہاتھوں اللہ کی مدد حاصل ہونے لگتی ہے۔ یوں ایک خاموش اور پُر امن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اور یہ لوگ اپنی اپنی بضاعت، علم و محنت اور کدّ و کاوش کو مرکز سے وابستہ کر دیتے ہیں۔ اپنی اپنی ضروریات کو مرکز کی پیروی میں حد بھر محدود کرنے میں لگے رہتے ہیں تا کہ ان میں سے ہر ایک کو وہ چیزیں بروقت ضرور ملتی رہیں جو تندرستی اور محنت پر اثر انداز ہو کر معاشرہ کو نتیجتاً کمزور کرتی ہوں۔ چنانچہ یہ معاشرہ بھی مرکزی انتظام کے ماتحت ضروری اور فاضل چیزوں کا ذخیرہ بھی کرتا جاتا ہے اور نئے مساکین و سائلین کو اپنے حلقے میں شامل بھی کرتا

رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لئے جانے کے بعد ایسے معاشرے کا وجود ملتا ہے۔ چنانچہ عہد نامہ جدید میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:۔

وَكَانَ لِجُمْهُوْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَلْبٌ وَاحِدٌوَ نَفْسٌ وَاحِدَةٌ وَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ يَقُوْلُ عَنْ شَيْءٍ يَمْلِكُهُ اِنَّهُ خَاصٌّ بِهٖ بَلْ كَانَ لَهُمْ كُلُّ شَيْءٍ مُشْتَرَكًا ـ فَاِنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِيْهِمْ مُحْتَاجٌ لِاَنَّ كُلَّ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَمْلِكُوْنَ ضِيَاعًا اَوْبُيُوْتًا كَانُوْا يَبِيْعُوْنَهَا وَيَأْتُوْنَ بِاَثْمَانِ الْمَبِيْعَاتِ وَيَلْقُوْنَهَا عِنْدَ اَقْدَامِ الرُّسُلِ فَيُوَزَّعُ لِكُلِّ وَاحِدٍ عَلٰى حَسْبِ احْتِيَاجِهٖ(اعمال الرسل35 تا4/32)

''مومنین کی جماعت یکدل و یک جان تھی اور کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اپنی ملکیت کی کسی چیز کو اپنے لئے مخصوص کرتا ہو۔ چنانچہ حقیقت یہ تھی کہ ان میں کوئی بھی محتاج نہ تھا۔ اس لئے کہ ان کی تمام چیزیں مشترک تھیں۔ اور وہ تمام لوگ جو کسی جائیداد یا مکانوں کے مالک ہوتے تھے اپنی تمام چیزیں فروخت کر کے اس جماعت میں شمولیت کے لئے آتے اور تمام رقوم مبلغین کے قدموں میں رکھ دیتے تھے۔ جہاں سے وہ لوگوں کی احتیاج کے مطابق خرچ کی جاتی تھی'' (رسولوں کے اعمال باب 4۔ آیات 32 تا35)

1) ہر کنبہ مساوات کے فطری اصول پر عمل کرتا اور سب لوگ چین سے رہتے۔ نوعِ انسان کو ایک کنبہ بنانا فطری عمل ہے۔

لوگ بامذہب ہوں یا لامذہب وہ بہر حال ہر جگہ ہر ملک اور ہر قوم میں ایک کنبے کی طرح رہتے ہیں۔ ان میں بڑی عمر کا شخص مثلاً والد، تمام چھوٹوں کے ساتھ حد بھر رعایتی سلوک کرتا ہے۔ برابر کام کرنے یا برابر سائز کے کپڑے پہننے اور برابر مقدار میں خوراک کھانے کا وہاں تصور تک بھی نہیں ہوتا۔ یعنی کنبے میں سو فیصد مساوات فطری طور پر قائم ہوتی ہے۔ بچوں کو گود میں اُٹھائے اُٹھائے پھرتے ہیں۔ انہیں بہتر اور مفید غذا دی جاتی ہے ان کو دھوپ اور سردی سے بچانے میں سارا کنبہ مصروف رہتا ہے۔ ان کے لئے زیادہ محنت اور کم آرام کیا جاتا ہے۔ اور کنبہ کنبہ مل کر ہی تو قوم و ملک بنتے ہیں۔ کیا یہ بُری بات ہوگی کہ ساری نوع انسان ایک کنبے کی طرح رہے یا رہنے کا انتظام کرے؟ قرآن کریم نے طرح طرح انسانوں کو ایک کنبہ قرار دے کر ایک کنبہ کی طرح رہنے کے اسباق دیئے ہیں۔ اور ہر زمانہ کے سربراہِ اسلام علیہ السلام کو اس زمانے کے تمام انسانوں کا باپ قرار دیا ہے۔ اور تمام انسانوں کو آپس میں بھائی بھائی بھی فرمایا ہے۔ بتایئے اس صورت حال پر کسے اور کیوں اعتراض ہوسکتا ہے؟ کیا تمام لا مذہب و بامذہب لوگ ایک ماں باپ سے پیدا نہیں ہوئے؟ کیا وہ اپنے ماں باپ کی گود اور تربیت میں پلتے نہیں رہے؟ کیا انہیں اپنے سائز اور عمر کے لحاظ سے کپڑے اور خوراک نہیں ملتی رہی؟ کیا ان کے بہن بھائی ساتھ ساتھ نہیں رہے ہیں؟ کیا اس دنیا کی کسی قوم یا کسی ملک میں کنبے نہیں ہیں؟ اور کیا وہ خود کسی کنبے کے ممبر یا فرد نہیں؟ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ ان سوالات کا جواب صرف اثبات اور ''ہاں'' میں ہے۔ یعنی یہ وہ فطری نظام پرورش ہے جو روزِ اوّل سے قائم چلا آرہا ہے۔ پھر یہاں ہر ماں اور ہر باپ کو دوسرے ماں باپ کے فرائض مقاصد اور مسائل اور دقتیں معلوم ہی نہیں بلکہ ان سے نمٹتے ہوئے زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ لہٰذا یہ بھی فطری ضرورت ہے کہ کوئی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے اور انہیں معلوم ہے کہ ہر ماں باپ بھی یہی چاہتے ہیں۔ اس عملی صورت حال کے بعد صرف یہ ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ اس صورتِ حال کو ترقی دی جائے۔ سہولتیں فراہم کی جائیں آپس کی محبت و ہمدردی میں روز افزوں اضافہ کیا جائے۔ اور یہی مقصد ہے اسلامی مساوات کا اور اسی کے قیام کے واسطے محمد اور خانوادہ محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین فاقوں اور پھٹے حال میں زندگی گزارتے اور اس کی تعلیم دیتے رہے۔ اور اسی جدوجہد کی بنا پر قریشی حکومتوں نے ان کے بچے بچے کو قتل کیا۔ اور قریش کی اسی مخالفت پر اعتراض کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا کہ:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ

اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَO(نحل 16/71)

''اور اللہ نے تم میں سے بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے زیادہ فاضل رزق بٹورنے کا موقع دے رکھا ہے۔ چنانچہ جو لوگ فاضل رزق بٹورے بیٹھے ہیں وہ اپنے دونوں دہنے ہاتھوں کے معاہدے والے لوگوں کو فاضل بٹورے ہوئے اپنے سامان میں سے کچھ بھی واپس کرنے والے نہیں ہیں۔ تا کہ کہیں وہ لوگ ان کے مساوی نہ ہو جائیں۔ کیا وہ لوگ اللہ کی نعمت پر ناشکری کے لئے آمادہ ہیں''۔

2) اللہ بھی مساوات چاہتا ہے اور مودودی بھی فاضل مال کو واجب الادا امانت کہتے اور مساوات چاہتے ہیں۔

مودودی بھی یہ فرما چکے ہیں کہ جس کسی کو اللہ نے فاضل مال و دولت دی ہے وہ ان کے پاس بطورِ آزمائش امانت ہے جو ان لوگوں کو دینا واجب ہے جنہیں نسبتاً کم مال و دولت دی گئی ہے سنئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ نہیں فرمایا کہ رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو خیرات دے۔ ارشاد یہ ہوا ہے کہ ''یہ اس کا حق ہے جو تجھے دینا چاہئیے'' اور ''حق ہی سمجھ کر تو اُسے دے'' اُس کو دیتے ہوئے یہ خیال تیرے دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو تو اُس پر کر رہا ہے اور تو کوئی بڑی ہستی ہے۔ دان کرنے والی، اور وہ کوئی حقیر مخلوق ہے تیرا دیا کھانے والی۔ بلکہ یہ بات اچھی طرح تیرے ذہن نشین رہے کہ مال کے حقیقی مالک نے اگر تجھے زیادہ دے دیا ہے اور دوسرے بندوں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زائد مال ان دوسروں کا حق ہے جو تیری آزمائش کے لئے تیرے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے تا کہ تیرا مالک دیکھے کہ تو ان کا حق پہچانتا اور پہنچاتا ہے یا نہیں؟'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 758)

مندرجہ بالا آیت (16/71) میں اللہ نے ان ہی لوگوں پر اعتراض کیا ہے جن کو دوسروں سے زیادہ مال دیا ہوا تھا (فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡض اور الَّذِيۡنَ فُضِّلُوۡا) اور وہ مالملکت ایمان کو یہ فاضل مال نہ دیتے تھے۔ علامہ نے ایسے ہی لوگوں پر یہ تنقید و ملامت کی ہے۔ کیا علامہ کے اس مندرجہ بالا تنقیدی و تفصیلی بیان کے بعد کسی کو یہ خیال آ سکتا ہے کہ یہی علامہ مساوات کے انتہائی مخالف اور دشمن ہو سکتے ہیں؟ مگر علامہ نہ صرف علامہ ہیں بلکہ قریش کے اندھے مرید و محافظ بھی ہیں۔ اس لئے ان کی پٹاری تفہیم القرآن میں مداری والا تمام متضاد سامان بھرا ہوا ہے۔ مگر اس طرح کہ اسلامی جماعت کے تماشائیوں کو کرتب دکھانے کے دوران تضاد نظر نہیں آتا۔ ساون کے اندھے کی طرح سب ہرا ہی ہرا دکھائی دیتا ہے۔ کاش وہ یہ تشریحات یا ہماری تفسیر پڑھتے۔ جو ان کی عقیدت کی پٹی کو نوچ کر آنکھوں سے الگ کر سکتی ہیں۔

3) ساری نوعِ انسان کو ایک کنبہ کی حیثیت دینے کے لئے تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دیا گیا ہے۔

مساوات اور آپس میں ہمدردانہ رویہ ہی تو اللہ کو مطلوب و مقصود ہے جو یہ فرمایا کہ:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ O(حجرات 49/13)

مودودی ترجمہ: ''لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 95)

4) علامہ اسلام میں مساوات کے قائل ہیں مساوات کے مخالفین پر زوردار تبرا قتل عام کرنے والوں کی ننگی مذمت

اس آیت پر کسی تشریح وتوضیح کی ضرورت نہیں لیکن مودودی نے دواڑھائی ورق (پانچ صفحات) تشریحات سے بھر دیئے اس لئے کہ قریشی مذہب میں حرامزادوں اور حلال زادوں کا فرق مٹا کر، پیدائش کی حیثیت سے آنحضرتؐ اوران کے خاندانؑ کو اولادِ زنا کے برابر لانا ضروری ہے۔ بہرحال ان کی اس طویل، حق وباطل ملی ہوئی بکواس میں جوضروری مقام ہے وہ دیکھ لیں:

5) علامہ کے اس بیان میں تلاش کریں کہ کیا ثلاثہ اینڈ کمپنی نے مساوات قائم کی تھی؟

''یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں رہی ہیں۔ بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اہل ایمان کی ایک عالم گیر برادری عملاً قائم کر کے دکھا دی ہے (جس میں کروڑ پتی اور فقیروں کے گروہ موجود تھے۔احسنؔ) جس میں رنگ، نسل، زبان، وطن، اور قومیت کی کوئی تمیز نہیں (یہود وعیسائی جلا وطن کئے گئے، عرب وعجم میں نکاح ممنوع، عربوں کے علاوہ سب کو غلام بنانا جائز، ازواج رسولؐ کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار، باقی چار سو، بدری پانچ ہزار اور کچھ دوسو درھم۔الفاروق) جس میں اونچ نیچ اور چھوت چھات اور تفریق وتعصب کا کوئی تصور نہیں، جس میں شریک ہونے والے تمام انسان خواہ وہ کسی نسل و وطن سے تعلق رکھتے ہوں بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔(علامہ پرویز کی ضد میں مساوات کے مخالف ثابت ہو چکے ہیں۔احسنؔ)

اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اصول کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور کسی نظام میں نہیں پائی جاتی نہ کبھی پائی گئی ہے۔صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں اور قوموں کو ملا کر ایک امت بنا دیا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 98-99) ذرا آگے اسی صفحہ پر لکھا کہ:

''یہ بات اللہ ہی جانتا ہے کہ کون فی الواقع ایک اعلیٰ درجہ کا انسان ہے اور کون اوصاف کے لحاظ سے ادنیٰ درجہ کا ہے۔لوگوں نے بطورِ خود اعلیٰ اور ادنیٰ کے جو معیار بنا رکھے ہیں یہ اللہ کے ہاں چلنے والے نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جس کو دنیا میں بہت بلند مرتبے کا آدمی سمجھا گیا ہو وہ اللہ کے آخری فیصلے میں کم ترین خلائق قرار پائے، اور ہوسکتا ہے کہ جو یہاں بہت حقیر سمجھا گیا ہو وہ وہاں بڑا اونچا مرتبہ پائے۔اصل اہمیت دنیا کی عزت وذلت کی نہیں بلکہ اس ذلت وعزت کی ہے جو خدا کے ہاں کسی کو نصیب ہو۔اس لئے انسان کو ساری فکر اس امر کی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے اندر وہ حقیقی اوصاف پیدا کرے جو اسے اللہ کی نگاہ میں عزت کے لائق بنا سکتے ہوں'' (تفہیم القرآن 5 صفحہ 99)

6) مودودی مساوات کے ساتھ ساتھ مشترک معاشرت کے بھی قائل ہیں۔

علامہ کی طویل تشریح میں سے ایک اور مفید پہلو:

''خالق نے جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا تھا وہ صرف یہ تھی کہ ان کے درمیان باہمی تعارف وتعاون کی فطری صورت یہی تھی۔اسی طریقے سے ایک خاندان، ایک برادری، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرت بنا سکتے تھے۔اور زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے تھے۔مگر یہ محض شیطانی جہالت (یا قریشی عقل۔احسنؔ) تھی کہ جس چیز کو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت نے تعارف کا ذریعہ بنایا تھا، اسے تفاخر وتنافر کا ذریعہ بنالیا گیا۔اور پھر نوبت ظلم وعدوان تک پہنچادی گئی'' (ایضاً صفحہ 97)

7) قریش نے نسل انسانی میں تفریق اور قتل عام کا جواز اپنے اختیار کردہ اسلام سے حاصل کیا تھا۔

ظلم وعدوان یعنی زیادتی اور حدود فراموشی پر بھی اسی تشریح میں بیان دیا ہے۔تھوڑا سا سنئے:۔

''پھران بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہی ہے کہ جنہیں اس لحاظ سے اپنا قرار دیا گیا ہو کہ ان کے ساتھ غیروں کی بہ نسبت زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو، بلکہ اس تمیز نے نفرت، عداوت، تحقیر وتذلیل اور ظلم وستم کی بدترین شکلیں اختیار کی ہیں۔اس کے لئے فلسفے گھڑے گئے ہیں۔مذہب ایجاد کئے گئے ہیں۔قوانین بنائے گئے ہیں۔اخلاقی اصول وضع کئے گئے ہیں۔قوموں اور سلطنتوں نے اس کو اپنا مستقل مسلک بنا کر صدیوں اس پر عمل درآمد کیا ہے''(تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ 95)

8) قریشی مومنین کی حکومتوں نے اسلام کے نام پر خاندانِ رسولؐ کا اور نسل انسانی کا قتل عام کیا لوٹ مار کے قوانین بنائے۔

قریشی ساخت کے اسلام نے نسلِ انسانی اور اقوام عالم میں ایسی تفریق وتنفر پھیلا دیا جو قیامت تک ختم نہ ہوگا۔اس میں ایسے قوانین اور احکام بنائے جن سے ہر اس مسلمان کا قتل جائز ہو گیا جو قریشی حکومت اور اس کے خود ساختہ اسلام سے اختلاف کرے۔اور ایسے ہی قوانین تھے جن کی رو سے نہ صرف تمام اقوام عالم اور تمام دیگر مذاہب کے افراد کا قتل عام جاری کیا گیا بلکہ خود خاندانِ رسولؐ کا قتل عام اور صفایا کر دیا گیا (بقرہ 2/205) جن حضرات نے اسلامی مساوات کی تعلیم دی تھی ان ہی کو برابر قتل کیا جاتا رہا۔تاریخ ان کے خون سے رنگین ہے اور خود مسلمان مورخین خون کے آنسو روتے رہے۔چند جملے کتاب فجر الاسلام سے سنئے علامہ احمد امین مرحوم لکھتے ہیں:

''انہوں نے شیعوں کا پتہ لگانے کے لئے جاسوس پھیلا رکھے تھے اور انہوں نے شیعوں کو بری طرح پامال کیا۔انہوں نے امام حسنؑ (فرزندِ رسولؐ) کے خلاف سازش کی، ان کے پہلو میں خنجر مروایا۔پھر امام حسینؑ (فرزند رسولؐ) کو (مع اہل وعیال اور انصار) کربلا میں شہید کیا۔اس کے بعد چُن چُن کر اہلبیتؑ رسولؐ کو ذلیل وخوار کرایا۔کہیں انہیں قتل کیا، کبھی کوئی تہمت لگا کر ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔جس شخص پر انہیں شیعان علیؑ میں سے ہونے کا گمان ہوا اسے قید کر دیا۔اس کا مال واسباب لوٹ لیا۔اس کا گھر گروا دیا۔عبیداللہ ابن زیاد کے زمانے میں تو عرصہ حیات ان پر تنگ ہو گیا تھا۔زیاد کے بعد حجاج آیا جس نے بہت بری طرح انہیں قتل کیا اور ہر تہمت اور ہر سازش میں ان کو پکڑا۔حتیٰ کہ اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اگر کسی شخص کے متعلق اس کے سامنے کہا جاتا تھا کہ وہ زندیق یا کافر ہے تو یہ بات اسے اس سے کہیں زیادہ گوارا تھی کہ کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ شیعہ علی ہے۔زیاد بن سمیہ شیعوں کو چن چن کر پکڑتا تھا کیوں کہ اسے ان کا پورا حال معلوم تھا۔چنانچہ زیاد نے ہر پتھر اور ہر ڈھیلے کے نیچے انہیں قتل کیا۔اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کاٹ کر انہیں انتہائی خوفزدہ کر دیا تھا۔اس نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیریں۔انہیں کھجوروں کے تنوں میں سولیاں دیں۔انہیں منتشر کر کے عراق سے اس طرح ملک بدر کیا کہ وہاں کوئی مشہور ومعروف شیعہ باقی نہ رہا۔امیر معاویہ نے تمام گورنروں کو ہر طرف لکھ دیا کہ:۔

9) شیعوں کے خلاف اور ثلاثہ کے حق میں روایات گھڑوانا

شیعان علیؑ اور اہل بیتؑ کے کسی آدمی کی شہادت قبول نہ کی جائے۔امیر معاویہ نے تمام گورنروں کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ دیکھو تمہارے علاقہ میں حضرت عثمان کے ہوا خواہ، خیر خواہ اور بہی خواہ کون کون ہیں؟ ایسے لوگ کتنے ہیں؟ جو حضرت عثمان کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اپنی مجلسوں میں قریب جگہ دو۔اور ان کی پوری پوری عزت کرو۔اور ایسے آدمیوں کی تمام روایتیں، مع ان کے ناموں ان کے باپ اور

خاندانوں کے ناموں کے مجھے لکھ بھیجو۔ چنانچہ تمام گورنروں نے اس حکم کی تعمیل کی چنانچہ حضرت عثمان کے مناقب اور فضائل بکثرت بیان کئے جانے لگے۔ کیونکہ ایسا کرنے کی وجہ سے امیر معاویہ ایسے لوگوں پر برابر انعام واکرام کی بارشیں کرتے رہتے تھے۔ امیر معاویہ نے اپنے گورنروں کو یہ بھی لکھ بھیجا تھا کہ تحقیق وتفتیش کرو جن لوگوں کے متعلق یہ ثابت ہوجائے کہ وہ حضرت علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ سے محبت کرتے ہیں۔ ان کا نام دیوان سے کاٹ دو، ان کا روزینہ اور وظیفہ بند کر دو۔ بنی امیہ کے بعد عباسیوں کا دور آیا تو یہ شیعوں کے حق میں بنوامیہ سے بھی دس قدم آگے نکلے۔ مصیبت یہ تھی کہ عباسیوں کو ان کے پوشیدہ ٹھکانوں اور پناہ گاہوں تک کا پورا پورا علم تھا۔ کیونکہ بنوامیہ کے دور میں یہ لوگ شیعوں کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے تھے'' (فجر الاسلام کا ترجمہ از ادارہ طلوع اسلام صفحہ 773-770)

نہم۔ حضرت علیؑ نے انتہائی نازک اور خطرناک حالات میں بھی قریش کے دباؤ میں آکر مساوات کا طریقہ نہ چھوڑا۔

تمام تواریخ اس حقیقت سے لبریز ہیں کہ سارے قریش نے جمع ہو کر اپنے نمائندوں کے ذریعہ حضرت علیؑ پر دباؤ ڈالا کہ سابقہ خلفا کی طرح انہیں مال کی تقسیم میں سب کے ساتھ مساوی نہ رکھا جائے بلکہ انہیں سبقتِ اسلام اور دیگر خاندانی اعزاز کے حساب سے باقی لوگوں پر ترجیح دیں۔ ورنہ وہ بغاوت پر آمادہ اور معاویہ کے پاس ملک شام چلے جانے کے لئے تیار ہیں۔ جن سردارانِ قوم اور نمائندگانِ قریش نے مساوی تقسیم کے خلاف قریش کا مطالبہ پیش کیا تھا ان میں سرفہرست طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص، مروان بن الحکم، ولید بن عقبہ بن ابی معیط تھے۔ اور پوری قوم ان کے ساتھ تھی۔ ان لوگوں کے مطالبات کی فہرستیں اور حضرت علی علیہ السلام کے جوابات خود حضرت علی علیہ السلام کے خطبات میں بھی مذکور ہیں۔ ہم ایک خطبہ سے حضرت علیؑ کا جواب آپ کو دکھاتے ہیں۔ سنیے:

اَتَـامُرُوْنِّیْ اَنْ اَطْلُبَ النَّصْرَ بِالْجَوْرِ فِیْمَنْ وُلِّیْتُ عَلَیْہِ؟وَاللّٰہِ مَا اَطُوْرُ بِہٖ مِا سَمَرَ سَمِیْرُ وَمَا اَمَّ نَجْمٌ فِی السَّمَآءِ نَجْمًا وَلَوْ کَانَ الْمَالُ لِیْ؟لَسَوَّیْتُ بَیْنَھُمْ فَکَیْفَ، وَاِنَّمَا الْمَالُ مَالُ اللّٰہِ .....(مفتی جعفر خطبہ نمبر 124 جلد 2)

''کیا تم مجھے یہ حکم دیتے ہو کہ میں جن لوگوں پر حکومت کروں، ان پر جور و زیادتی کر کے ان کی نصرت حاصل کروں؟ خدا کی قسم جب تک اس دنیا کا قصہ چلتا رہے گا اور آسمان پر ستارے ستاروں کی طرف نمائندگی کرتے رہیں گے میں ہرگز یہ طور وطریقہ اختیار نہ کروں گا۔ اگر یہ مال خود میرا ذاتی مال ہوتا تب بھی میں اسے مساوی ہی تقسیم کرتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اللہ کے مال کو مساوی تقسیم نہ کروں؟

اس جواب میں بات صاف ہوگئی کہ وہ احکام جو سابقہ خلفا نے جاری اور نافذ کئے تھے ان کا حضرت علی علیہ السلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس خطبہ میں آگے چل کر حضورؑ نے بتایا ہے کہ:

''سنو غیر مستحق کو مال و دولت دینا بے اعتدالی اور فضول خرچی و اصراف ہے اور یہ اللہ کے یہاں ممنوع ہے (بنی اسرائیل 17/26)

اس قسم کی سخاوت آدمی کو دنیا میں بزرگی دلا دیتی ہے لیکن آخرت میں رُسوا کرتی ہے۔ لوگ تو اس کی عزت کرنے لگتے ہیں مگر وہ اللہ کے نزدیک ذلیل وخوار ہوجاتا ہے۔ وغیرہ۔

دھم۔ حضرت علیؑ ثلاثہ اینڈ کمپنی سے عموماً اور معاویہ اینڈ کمپنی سے خصوصاً مختلف اسلام اور مختلف کیریکٹر رکھتے تھے۔

اس عنوان میں ہم یہ دکھائیں گے کہ اگر حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف ایک مہینہ کے لئے عارضی طور پر بھی وہ رویہ اختیار کر لیتے جو ابوبکر وعمر وعثمان وعائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ نے زندگی بھر اختیار کئے رکھا تو نہ قریش حکومت ہی حاصل کر سکتے تھے نہ دنیا میں موجود رہ سکتے تھے۔ ہوا

یہ کہ قریش اوران کے لیڈروں نے کبھی عارضی طور پر بھی حقیقی دین وایمان کو اختیار نہ کیا اور حضرت علی علیہ السلام نے کبھی ایک منٹ کے لئے بھی اللہ ورسولؐ وقرآن اور اسلام سے جدائی اختیار نہ کی۔انہوں نے ہر ظلم وزیادتی،فریب ومکاری وغداری کو کبھی نظرانداز نہ کیا اور انہوںؑ نے کبھی رحم وکرم و عدل وانصاف کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ورنہ قریش علیؑ کے سامنے پرِ پشہ سے بھی کمزور تھے۔آیئے چند حوالے علامہ ڈاکٹر طہٰ حسین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''علیؑ '' سے پڑھتے چلیں اوراس خطبہ نمبر 15 کو ان ہی اقتباسات پر ختم کردیں۔

1) بیت المال اور مال ودولت،مکروفریب اور حق وباطل میں علیؑ ومعاویہ کا طرزِعمل

ڈاکٹر صاحب ان لوگوں کا حال،رُجحان طبع اور عادات لکھتے ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کی رعایا اور مددگار تھے۔اور بتاتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ نے انہیں کیسا بنادیا تھا اور مرتضویؑ دورِحکومت میں ان کے سامنے کیا کیا دقتیں آئیں؟ لکھتے ہیں:۔

''حضرت علیؑ کے ساتھی عراق میں امن وصلح کی حالت میں پُر امید راحت اور پُر فریب سکون محسوس کرتے تھے۔چنانچہ وہ اپنے شہروں میں مقیم،لڑائی سے دور گھر بیٹھے مال غنیمت میں زیادہ سے زیادہ حصہ پاتے تھے(یاد کریں فاروقی دورِحکومت) پھر حضرت علیؑ نے اس سلسلے میں ان میں ایک اور طریقہ جاری کردیا۔جس سے وہ پہلے سے آشنا نہ تھے۔عہد فاروقی میں حضرت علیؑ نے چاہا تھا کہ حضرت عمر یہ طریقہ جاری کریں۔لیکن انہوں نے منظور نہ کیا۔اب جب اقتدار اپنے ہاتھ میں آیا تو طبعی بات تھی کہ حضرت علیؑ اس کو جاری کرتے،جب سرحدوں سے بڑی مقدار میں مال آنے لگا تو حضرت عمر نے مشورہ چاہا تھا،حضرت علیؑ نے اس وقت یہ رائے دی تھی کہ بیت المال میں جو کچھ جمع ہو سب کا سب لوگوں میں اس طرح تقسیم کردیا جائے کہ کچھ باقی نہ رہ جائے۔حضرت عمر نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور ان لوگوں کی بات مانی جنہوں نے مشورہ دیا تھا کہ ایک رجسٹر تیار کیا جائے اور لوگوں کے لئے وظیفے مقرر کئے جائیں(طہٰ حسین خزانوں کی بات جلدی میں چھوڑ گئے۔احسنؔ) پھر جب معاملہ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں آیا(اور لوگوں کو ستائیں سال ترجیحی تقسیم پر گزر کی عادت پڑ گئی۔احسنؔ) تو مال کے آتے ہی لوگوں میں اس کی تقسیم کرنے لگے(مساوات کا ذکر بھی نہیں کرتے۔احسنؔ) حضرت علیؑ کو بیت المال میں کچھ رقم جمع رکھنے سے زیادہ کوئی اور بات ناپسند نہ تھی۔وہ یہ بڑے حرج کی بات تصور کرتے تھے۔یہاں تک کہ روایت کی جاتی ہے کہ آپ کو یہ بہت پسند تھا کہ بار بار حکم دیں کہ بیت المال کو جھاڑو دے دی جائے۔پھر پانی بہا کر اس کو دھو دیا جائے۔اس کے بعد آپؑ اس میں داخل ہوں اور دو رکعت نماز پڑھیں۔آپ کو یہ منظور نہ تھا کہ یکایک موت آجائے اور بیت المال میں کچھ بچا رہ جائے جو حقداروں تک نہ پہنچ سکے۔چنانچہ بیت المال میں جو کچھ از قسم میوہ جات آجاتا تو چاہے تھوڑا ہوتا چاہے بہت،آپؑ اس کو تقسیم فرمادیتے۔اسی طرح شہد اور تیل اور اس قسم کی چیزیں بھی تقسیم کرتے۔ایک مرتبہ تو سوئی اور دھاگہ بھی آپؑ نے لوگوں میں تقسیم کیا۔پس ظاہر ہے کہ وہ لوگ امن وصلح کو پسند کرتے تھے۔جن کو مشرقی فتوحات کا خراج اور سرحدوں سے آیا ہوا مالِ غنیمت شہر میں پہنچتے ہی تھوڑا یا زیادہ مل جایا کرتا تھا۔۔۔۔پھر امیر معاویہ کی چال نے ان کی دولت اور فارغ البالی میں اور اضافہ کردیا اور ان کے افسروں اور سرداروں کو امن وسلامتی کا گرویدہ بنادیا۔ان کے افسروں اور سرداروں کو معاویہ مسلسل خطوط میں سبز باغ دکھاتے رہے۔ساتھ ہی عطیات اور انعامات کی پیش کش بھی کرتے رہے۔جو ان کو آئندہ کی توقعات پر آمادہ کرتی رہی۔اور چھوٹی سی نقد رقم وعدہ کی بڑی رقموں کا فریب دیتی رہی۔تاآں کہ ان افسروں اور سرداروں کو معاویہ نے خرید لیا۔جو زبان سے خلیفہ علیؑ کی اطاعت کا اعلان کرتے تھے اور دلوں میں اس کے غدار ونافرمان تھے۔اور یہی کیفیت یہ سردار لوگ اپنے ماتحتوں میں بھی پیدا کرنا چاہتے تھے۔(علیؑ صفحہ 214-216)

یہاں رُک جائیں اور سوچیں کہ علیؑ کی فوج میں ایسے سرداراور افسران اور ماتحتوں کی موجودگی کے باوجود کسی جنگ میں آپؑ کوشکست کا نہ ہونا اور معاویہ کی افواج سے قرآن کی دُہائی دلوالینا معجزہ نہیں تو کیا ہے۔البتہ معاویہ کے طرفداران سرداروں نے قرآن اٹھائے جانے کے بعد جنگ کو روکنے میں بڑا کام کیا اور غلط ثالث مقرر کرا کے معاویہ کا حقِ نمک ادا کیا تھا۔اور سنئے مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

2) حضرت علیؑ کا طرزِ عمل دینداری اور محوّلہ بالا خطبے کی تفصیل،اور امت کی ہدایت کاری۔

''حضرت علیؑ کو چالبازی مکاری اور حیلہ بازی پسند نہ تھی۔ان باتوں کی جگہ وہ راستی اور راست بازی کرتے تھے۔وہ حق کے حامل تھے خواہ اس میں کتنی ہی گرانباری ہو،بے محل وہ ہرگز عطیہ نہیں دیتے تھے نہ کسی کو کچھ دے دلا کر اپناتے تھے اور نہ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا معاملہ رشوت پر ٹھیک کریں۔اگر حضرت علیؑ چاہتے تو مکر و چال سے کام لے سکتے تھے۔لیکن انہوں نے دین کو مقدم رکھا۔اور اس کے سوا کسی اور بات پر راضی نہ ہوئے کہ اپنے اونچے اخلاق کی سطح پر کھڑے رہیں۔کھلی اور صاف بات کہیں۔سچائی اور خلوص رکھیں۔اللہ کے مخلص اور بندوں کے خیرخواہ بنیں۔اور یہ سب کچھ مکاری اور فریب کے پردے میں نہیں بلکہ دلی رضامندی کے ساتھ کریں۔وقتاً فوقتاً حضرت علیؑ لوگوں کو راہِ حق کی دعوت دیا کرتے تھے۔زیادہ تر تو نرمی سے پیش آتے لیکن کبھی سختی بھی فرماتے۔ایک دن آپؑ نے لوگوں کو خطاب کیا اور کہا:''اے وہ لوگو!جن کے جسم متحد لیکن دل کی خواہشیں جدا جدا ہیں تمہارے راہنما کی تحریک کمزور اور تمہارے غمخوار کا دل بے چین ہے۔تمہاری باتیں سخت چٹانوں کو شق کر دیتی ہیں لیکن تمہارے کام دشمنوں کے حوصلے بڑھاتے ہیں۔جب میں تم کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں تو تم کہتے ہو بات یہ ہے اور بات وہ ہے،بہانے کی سب جھوٹی باتیں،تمہارا مجھ سے مہلتیں مانگتے رہنا،ٹال مٹول کرنے والے مقروضوں اور میدان سے بھاگنے والوں کی سی حرکتیں ہیں۔ذلیل آدمی ظلم وزیادتی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔حق تک پہنچنے کے لئے ضرورت ہے کوشش کی،پختہ ارادے کی،اور صبر کو اپنا شعار بنا لینے کی۔تم اپنے گھر کے بعد کس گھر کی حفاظت کرو گے؟ میرے بعد کس امام کے ساتھ مل کر جہاد کرو گے؟ بخدا مغرور وہ ہے جس کو تم نے فریب میں رکھا۔جس کے حصے میں تم آئے۔بخدا اس کا حصہ نامرادی کا ہے۔اب تو میں تمہاری مدد کا خواہاں نہیں اور نہ تم کو سچا جانتا ہوں۔خدا تم کو مجھ سے جدا کر دے۔مجھے تم سے بہتر بدل عطا کرے۔بہت جلد تم ذلت کے گڑھے میں گرو گے۔تمہارے سروں پر تلوار ہوگی ظالم تم میں خودغرضی رائج کرے گا۔تمہاری جماعتوں کو منتشر کرے گا اور تم کو رُلائے گا۔تمہارے گھروں میں فقر و فاقہ ہوگا۔تھوڑے دنوں بعد تم تمنا کرو گے کہ مجھے پاتے اور میرا ساتھ دیتے۔اس وقت میری بات کی صداقت تم کو معلوم ہوگی اور اللہ ظالموں کو ہی دور رکھتا ہے''(کتاب علی صفحہ 217-218)

3) حضرت علیؑ نے دشمنی کا اعلان کرنے والوں کو بھی سو فیصد آزادی دی جو ثلاثہ اینڈ کمپنی نے کسی کو بھی نہ دی تھی۔

آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ:

''علاوہ ازیں حضرت علیؑ دو باتوں کے لئے کسی کو مجبور نہ کرتے تھے ایک یہ کہ آدمی ان ہی کی حدودِ مملکت میں قیام کرے،یعنی ملک سے باہر نہ جائے۔چنانچہ کتنے لوگ تھے جو عراق اور حجاز سے امیر معاویہ کے پاس چلے جا رہے تھے۔ان کو معاویہ کی دنیا علیؑ کے دین سے زیادہ پسند تھی۔ حضرت علیؑ ان سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے۔اور نہ اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرتے تھے۔آپؑ کا خیال تھا کہ لوگ آزاد ہیں جو گھر ان کے لئے مناسب ہواُس میں قیام کر سکتے ہیں۔چنانچہ جس کو حق بات اور ہدایت اچھی معلوم ہوئی آپ کے ساتھ رہا اور جس کو باطل اور گمراہی بھلی معلوم ہوئی امیر معاویہ سے جاملا۔حضرت علیؑ کو مدینہ کے گورنر سہل بن حُنیف نے لکھا کہ بہت سے لوگ خفیہ طور پر بھاگ کر شام جا رہے ہیں۔حضرت علیؑ نے

جواب میں تسلی دی اور لکھا کہ ان جانے والوں سے تعرض نہ کیا جائے۔ اور نہ اپنی اطاعت میں رہنے پر مجبور کیا جائے۔ خوارج کے ساتھ بھی آپؑ کا یہی طرزِ عمل تھا۔ ان کو مالِ غنیمت سے حصہ دیتے تھے اور جب تک وہ آپؑ کے ساتھ رہتے تھے ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دیتے تھے۔ اور اگر کوئی ساتھ چھوڑ کر نکل جانا چاہتا تو اس کو روکتے نہ تھے۔ اور نہ راستے میں ان سے تعارض کرنے کی اپنے حاکموں کو ہدایت کرتے۔ چنانچہ وہ دارالاسلام میں آزاد تھے۔ جہاں چاہتے ٹھکانہ بناتے، ہاں شرط اتنی تھی کہ فساد نہ پھیلائیں۔ اور لوگوں پر زیادتی نہ کریں۔ لیکن شرط کی خلاف ورزی پر آپ بلا کسی نرمی کے اللہ کا حکم جاری فرماتے پھر کوئی کوتاہی آپؑ سے نہ ہوتی۔ بسا اوقات بعض گستاخ اس حد تک بڑھتے کہ آپؑ کے منہ پر کہتے کہ ہم آپؑ کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوں گے اور نہ آپؑ کی حکومت مانیں گے۔ جیسا کہ خریت ابن راشد نے کہا جس کا تذکرہ گزر گیا۔ لیکن آپ نے اس کو پکڑا نہیں اور نہ اس سے کوئی باز پرس کی نہ اس پر کوئی پابندی عائد کی۔ اور جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل گیا تو اس کے اور خارجیوں کے درمیان حائل نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے بعد جب انہوں نے زمین پر فساد پھیلایا تو آپؑ نے اپنا آدمی بھیج کر ان میں انصاف کا تقاضا پورا کیا۔ پس حضرت علیؑ جانتے تھے کہ گنجائش کی آخری حدود تک لوگوں کو آزادی کا حق ہے۔ اور اسی لئے وہؑ لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہر اطاعت کے لئے ان پر جبر فرماتے تھے۔ البتہ جب وہ اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرتابی کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے تو پھر آپ ان پر سختی کرتے، دوسری بات جس پر حضرت علیؑ کسی کو مجبور نہ کرتے تھے۔ وہ لڑائی ہے۔ آپؑ کا خیال ہے کہ غداروں یعنی مسلمان غداروں گمراہوں اور دین سے خارج ہو جانے والوں سے جنگ کرنا آپ کا اور مسلمانوں کا اسی طرح فرض ہے جس طرح اہل کتاب اور مشرک دشمنوں سے جہاد کرنا۔ لیکن یہ فرض آپ نے لوگوں پر جبراً لادا نہیں۔ اور نہ اقتدار سے کام لے کر اس پر زبردستی کی بلکہ آپؑ نے اس کی دعوت دی جس نے اس دعوت پر لبیک کہا اس سے خوش ہوئے اور اس کی تعریف کی اور جو بیٹھ رہا اس کو نصیحت کی، آمادہ کیا، آمادہ کرنے کی انتہائی کوشش کی، جمل اور صفین کے معرکوں کے لئے آپؑ نے کسی کو مجبور نہیں کیا۔ اور نہ خوارج کے ساتھ معرکوں کے لئے کسی پر زبردستی کی۔ ان تمام لڑائیوں میں آپؑ کے ساتھ وہی لوگ تھے جو اپنی بصیرت سے آپؑ کو جان کر آپؑ کا حق پہچان کر آپؑ کے ساتھی بنے اور رضا کارانہ خدمت پیش کی۔ اگر آپ چاہتے تو فوجی بھرتی کر سکتے تھے ۔۔۔۔ اگر آپ چاہتے تو مال دے کر لوگوں کو اس طرف متوجہ کر سکتے تھے۔ لیکن آپؑ نے ایسا بھی نہ کیا آپؑ کو گوارہ نہ تھا کہ اپنے ساتھیوں کا خلوص و خیر خواہی دام دے کر خریدیں۔ آپ تو یہ چاہتے تھے کہ دوست اور ساتھی ایمان اور بصیرت کی روشنی میں آپؑ کا ساتھ دیں۔ بلکہ آپ نے تو اس سے بھی زیادہ کیا۔ ان لڑائیوں میں ان ہی ساتھیوں کے ساتھ گھس پڑے اور ان کو مالِ غنیمت بھی نہیں لینے دیا۔ صرف دشمنوں کا گھوڑا اور ہتھیار پیش کر دیا۔ جس پر آپ کے ساتھی کبیدہ خاطر ہوئے اور کہا کہ ان کا خون تو ہمارے لئے مباح کر دیا لیکن مال مباح نہیں کیا ۔۔۔ لڑائی کے متعلق آپ کا نقطۂ نظر معلوم کر لینے نیز آپ کے طرزِ عمل کا تجربہ کر لینے کے بعد اگر شامیوں کے ساتھ لڑنے سے آپ کے ساتھی گریز کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لئے کہ یہ تو ایسی جنگ ہے جو ان کو مصیبتوں میں گرفتار کرتی ہے موت کے خطرات تک لے جاتی ہے۔ اور پھر بے نتیجہ، مالِ غنیمت تک کی بھی روادار نہیں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ عرب جب کبھی لڑائی کی سوچتا ہے تو اس کے ساتھ مالِ غنیمت (غلام و کنیز) کا تصور کرتا ہے ۔۔۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت علیؑ اپنے اقتدار کے منوانے اور اپنے مسلم دشمن سے جنگ، دونوں باتوں میں اپنے ساتھیوں کو وسیع ترین معنی میں آزادی دیتے تھے''
(کتاب ''علی''، صفحہ 302-305)

یہ ہے وہ حق جو کبھی چھپایا نہ جا سکا۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 16

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 16

خُطبہ《16》

1۔حضرت علیؑ اپنے منہ سے نکلنے والی ہر بات کے لئے ذمہ دار ہیں۔کوئی بات غلط نہیں نکل سکتی۔

2۔آپؑ کو تمام حالات وواقعات اور حادثات کی پہلے سے اطلاع اور علم حاصل تھا۔

3۔آپؑ نے خلافِ واقعہ کوئی بات کی ہی نہیں نہ کبھی جھوٹ بولا نہ حقائق کو پوشیدہ رکھا۔

4۔قریش اور مسلمان عہد رسولؐ سے پہلے والے حالات سے دوچار تھے۔

5۔مسلمانوں کو تہہ وبالا اور الٹ پلٹ کردیئے جانے کی خبر دی گئی۔6۔تقویٰ اور سرکشی کے نتائج۔

7۔حق وباطل کا وجود اور بڑھنا گھٹنا۔

8۔غلط دعویٰ،افترا پردازی،حق کی مخالفت تباہ کرتے ہیں

9۔مومنین کے لئے فوری اقدامات کیا ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

ذِمَّتِیۡ بِمَا اَقُوۡلُ رَهِيۡنَةٌ ؛	1	میں جو کچھ بھی کہتا ہوں اس کے صحیح اور برحق ہونے کا ذمہ دار ہوں۔
وَاَنَا بِهٖ زَعِيۡمٌ ؛	2	اور اپنی ہر بات کے لئے ہر حال میں حقیقتِ واقعی ہونے کا فخریہ مدعی ہوں۔
اِنَّ مَنۡ صَرَّحَتۡ لَهُ الۡعِبَرُ عَمَّا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡمَثُلَاتِ ؛	3	جس شخص کے سامنے دنیا کے حادثات وانقلابات واضح ہو چکے ہوں اور جس کے ساتھ ساتھ عبرت انگیز نتائج چلتے رہے ہوں۔
حَجَزَتۡهُ التَّقۡوٰى عَنۡ تَقَحُّمِ الشُّبُهَاتِ ؛	4	یقیناً اسی شخص کو تقویٰ ہر قسم کے الجھاؤ اور شبہات سے بچاتا ہے۔
اَلَا وَاِنَّ بَلِيَّتَكُمۡ قَدۡعَادَتۡ كَهَيۡئَتِهَا يَوۡمَ بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّكُمۡ صلى الله عليه وآله وسلم ؛	5	خبردار رہو کہ تمہارے یہاں وہی مجتہدانہ تجربات کی مہم پلٹ آئی ہے۔جو اس روز تک دین میں جاری تھی جب اللہ نے تمہارے اندر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا تھا۔
وَالَّذِیۡ بَعَثَهٗ بِالۡحَقِّ لَتُبَلۡبَلُنَّ بَلۡبَلَةً ؛	6	اسی ذات کی قسم جس نے آنحضرتؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تھا کہ تمہیں اس اجتہادی مہم سے ضرور انتہائی طور پر بھگویا اور نچوڑا جاتا رہے گا۔
وَلَتُغَرۡ بَلُنَّ غَرۡبَلَةً ؛	7	اور تمہیں خوب خوب اور بار بار چھانا جائے گا۔
وَلَتُسَا طُنَّ سَوۡطَ الۡقِدۡرِ ؛	8	اور تمہیں پکتی دیگ کے سامان کی طرح چمچے سے تہہ وبالا کیا جاتا رہے گا۔

حَتّٰی یَعُوْدَ اَسْفَلُكُمْ اَعْلَاكُمْ وَاَعْلَاكُمْ اَسْفَلَكُمْ ؛	9	یہاں تک کہ تمہارے نیچے والے اوپر آ جائیں گے اور اوپر والے اوپر سے نیچے چلے جائیں۔
وَلَیَسْبِقَنَّ سَابِقُوْنَ كَانُوْا قَصَرُوْا ؛	10	اور جو ہمیشہ پیچھے رہتے چلے آئے تھے وہ آگے والوں سے آگے بڑھ جائیں گے
وَلَیَقْصُرَنَّ سَبَّاقُوْنَ كَانُوْا سَبَقُوْا ؛	11	اور جو ہمیشہ آگے رہتے چلے آئے تھے وہ پیچھے والوں سے پیچھے رہ جائیں گے۔
وَاللّٰهِ مَا كَتَمْتُ وَشْمَةً ؛	12	خدا کی قسم میں نے کوئی بات بھی پردے میں نہیں چھپائی
وَلَا كَذَبْتُ كِذْبَةً ؛	13	اور نہ ہی کبھی کوئی جھوٹی بات منہ سے نکالی۔
وَلَقَدْ نُبِّئْتُ بِهٰذَا الْمَقَامِ وَهٰذَا الْیَوْمِ ؛	14	اور یقیناً مجھے اس مقام کی اور اس وقت تک کی بھی تمام خبریں دے دی گئیں تھیں۔
اَلَا وَاِنَّ الْخَطَایَا خَیْلٌ شُمُسٌ حُمِلَ عَلَیْهَا اَهْلُهَا وَخُلِعَتْ لُجُمُهَا فَتَقَحَّمَتْ بِهِمْ فِی النَّارِ ؛	15	خبردار رہو کہ خطائیں اور غلطیاں ایسی سرکش اور بے لگام سواریاں ہیں جو اپنے مالک سواروں کو لئے ہوئے بے تحاشہ بھاگتی ہوئی سواروں سمیت جہنم میں کود پڑتی ہیں۔
اَلَا وَاِنَّ التَّقْوٰی مَطَایَا ذُلُلٌ حُمِلَ عَلَیْهَا اَهْلُهَا وَاُعْطُوْا اَزِمَّتَهَا فَاَوْرَدَتْهُمُ الْجَنَّةَ ؛	16	اور خبردار ہو کر سنو کہ تقویٰ وہ سدھائی ہوئی نرم رفتار سواریاں ہیں جن پر تقویٰ کے مالکوں کو سوار کیا گیا ہو اور لگام ان کے ہاتھوں میں ہو اور وہ سواریاں انہیں خراماں خراماں اطمینان سے لے جا کر جنت میں اتار دیں۔
حَقٌّ وَّبَاطِلٌ ؛	17	حق کا اپنا مقام ہے اور باطل کا اپنا مقام ہے۔
وَلِكُلٍّ اَهْلٌ ؛	18	اور اہل حق بھی ہوتے ہیں اور اہل باطل بھی۔
فَلَئِنْ اَمِرَ الْبَاطِلُ لَقَدِیْمًا فَعَلَ ؛	19	چنانچہ اگر باطل حکمران ہے تو یہ بھی بہت پرانی بات ہے ایسا ہوتا رہا ہے۔
وَلَئِنْ قَلَّ الْحَقُّ فَلَرُبَّمَا وَلَعَلَّ ؛	20	اور اگر حق کے پرستار کم ہو گئے ہیں تو یہ بھی نئی بات نہیں ہے ایسا ہوتا رہا ہے اور حق غالب بھی ہوتا رہا ہے۔
وَلَقَلَّمَا اَدْبَرَ شَیْءٌ فَاَقْبَلَ؛	21	اور یہ کم ہی وقوع میں آتا ہے کہ پیچھے ہٹی ہوئی چیز پھر آگے بڑھ جائے۔
شُغِلَ مَنِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ اَمَامَهُ ؛	22	جنہوں نے حصولِ جنت و دوزخ میں خود کو مشغول کر لیا ہے چنانچہ وہ دونوں ان کے سامنے ہیں
سَاعٍ سَرِیْعٌ نَجَا ؛	23	حصول جنت میں تیز رفتار شخص نجات حاصل کر لیتا ہے۔
وَطَالِبٌ بَطِیْءٌ رَّجَا ؛	24	اور سست قدم جنت کا طالب امید لگائے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

وَمُقَصِّرٌ فِی النَّارِ هَوٰی ؛	25	اور کوتاہیاں کرتے چلے جانے والا تو جہنم سے دوچار ہونے والا ہے ہی۔
اَلْیَمِیْنُ وَالشِّمَالُ مَضَلَّةٌ ؛	26	حق کے داہنے اور بائیں صرف گمراہی کا سامان پھیلا ہوا ہے
وَالطَّرِیْقُ الْوُسْطٰی هِیَ الْجَادَّةُ ؛	27	درمیان والی راہ ہی وہ راستہ ہے جسے صراط مستقیم کہتے ہیں۔
عَلَیْهَا بَاقِی الْكِتَابِ وَاٰثَارُ النُّبُوَّةِ ؛	28	اسی درمیانی راہ پر اللہ کی ہمیشہ باقی رہنے والی کتاب کے اور نبوّت کے نشانات ملتے ہیں۔
وَمِنْهَا مَنْفَذُ السُّنَّةِ ؛	29	اور اسی راستے سے قوانینِ سنت کا نفاذ وانعقاد ہوتا ہے۔
وَاِلَیْهَا مَصِیْرُ الْعَاقِبَةِ ؛	30	اور انجام کار وعاقبت کا اسی راستے سے تعلق ہے۔
هَلَكَ مَنِ ادَّعٰی ؛	31	غلط دعویٰ کرنے والوں کی دینی ودنیاوی ہلاکت مقرر ہے
وَخَابَ مَنِ افْتَرٰی ؛	32	افترا پرداز تباہ شدہ ہے۔
مَنْ اَبْدٰی صَفْحَتَهٗ لِلْحَقِّ هَلَكَ ؛	33	جو کوئی حق سے مخالفت کی ابتدا کرے اپنا دین ودنیا تباہ کرے گا۔
وَكَفٰی بِالْمَرْءِ جَهْلًا اَنْ لَّا یَعْرِفَ قَدْرَهٗ ؛	34	کسی شخص کی جہالت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنی قدر وقیمت ہی نہ جانتا ہو
لَایَهْلِكُ عَلَی التَّقْوٰی سِنْخُ اَصْلٍ ؛	35	جس چیز کی بنیاد تقویٰ پر ہو وہ کبھی برباد نہیں ہوسکتی۔
وَلَا یَظْمَاُ عَلَیْهَا زَرْعُ قَوْمٍ ؛	36	اور تقویٰ کی موجودگی میں کسی قوم کی کھیتی پیاسی نہیں رہتی۔
فَاسْتَتِرُوْا فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؛	37	تم لوگ خود کو اپنے گھروں میں پوشیدہ رکھو۔
وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ؛	38	اور آپس کے حالات وتعلقات کی اصلاح کئے چلے جاؤ۔
وَالتَّوْبَةُ مِنْ وَرَائِكُمْ ؛	39	اور تمہاری اصلاح کے لئے بار بار متوجہ ہونے والا نظام تمہاری پشت پر موجود ہے۔
وَلَا یَحْمَدُ حَامِدٌ اِلَّا رَبَّهٗ ؛	40	اور کسی حمد وثنا کرنے والے کو اپنے رب کے علاوہ کسی کی حمد وثنا نہیں کرنا چاہئے۔
وَلَا یَلُمْ لَائِمٌ اِلَّا نَفْسَهٗ ؛	41	اور ملامت کرنے والے کو اپنے نفس کے سوا کسی اور کو ملامت نہ کرنا چاہئے۔

تشریحات

خطبہ کا ماحول اور محققین کے تصورات

اکثر علمائے کرام اس خطبہ (16) کو سب سے پہلا خطبہ قرار دیتے ہیں۔اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس خطبے سے پہلے بھی ایک جملہ لکھا جاتا رہا ہے کہ: لَمَّا بُوْیِعَ بِالْمَدِیْنَةِ۔یعنی:''جب مدینہ میں حضوؑر کی بیعت ہوچکی''

مطلب یہ کہ بیعت لینے کے بعد آپ نے جو خطبہ دیا وہ یہی خطبہ (16) ہے۔اور یہ کہ یہ ایک بہت مفصل اور طویل خطبہ تھا۔چنانچہ سابقہ

خطبہ(15) کو بھی اسی خطبے کا حصہ سمجھا گیا اور کہا گیا ہے کہ یہاں تک لکھے جانے والے تمام چھوٹے چھوٹے چند جملوں والے خطبات سب اسی خطبے(16) کا حصہ ہیں۔

بلا کسی داخلی دلیل کے حتمی فیصلہ کر لینا ہمارا کام نہیں

ہم ان باتوں کو اختیار نہیں کر سکتے۔ہم حضورؑ کے خطبات میں مذکور الفاظ کی حدود سے باہر نکل کر کوئی فیصلہ باہر سے مسلط کرنا غلط سمجھتے ہیں۔لہٰذا ہم نے مندرجہ بالا قدیم سے چلے آنے والے جملے کو اپنے ترجمہ سے ساقط کر دیا ہے۔اس لئے کہ اس کے برقرار رہنے کے واسطے خطبے میں کوئی لفظ موجود نہیں۔البتہ یہ بات ہم بھی کہتے رہے ہیں کہ یہ چند جملوں والے خطبات پورے خطبات نہیں بلکہ کسی طویل انتظامی خطبے کے وہ جملے ہیں جو اپنے زورِ بیان کی بنا پر لوگوں کے دلوں میں اتر گئے اور موقع بموقع زبان پر آتے رہے۔اور مستقل خطبات سمجھے گئے۔یا ایسا ہوا کہ حضرت علامہ رضی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے ان جملوں کو پسند کیا۔اپنے مسودہ میں لکھا،سادہ کاغذ چھوڑے تاکہ اسی عنوان پر کچھ اور بیان یا جملے ملیں تو شامل کر دیں گے۔مگر نا کام رہے۔اور ان ہی کو پورے خطبات سمجھنا پڑا۔بہر حال ہمیں معلوم نہیں کہ قریش کے جدید زمانہ جاہلیت کے اس چودہ سو سالہ دور میں کلام مرتضویٰ پر کیا گزری؟ ہم نے علامہ رضی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور عذر یہ لکھا ہے کہ انہوں نے بہت سا کلام مرتضویٰ صرف اس لئے نہج البلاغہ میں شامل نہیں کیا کہ وہ خود نرغہ مجتہدین اور حکومت کے وظیفہ خواروں،تنخواہ داروں،جاگیرداروں اور قریشی پالیسی کی تائید کرنے والے کرسی نشینوں میں گھرے ہوئے تھے۔وہ نہ چاہتے تھے کہ خود ان کے والد،استاد اور برادرِ بزرگ ہی کی طرف سے نہج البلاغہ کے خطبات پر اعتراض ہو جائے۔اس عذر کے باوجود ہم نے دیکھا کہ انہوں نے بہت سے ایسے خطبات کو نہج البلاغہ میں شامل نہیں کیا جو مفید و مصدقہ تھے۔اور شارحین نہج البلاغہ نے ان کو باقاعدہ لکھا اور تسلیم کیا (دیکھو شرح ابن ابی الحدید اور ابن میثم وغیرہ)

1۔حضرت علی علیہ السلام نائب و خلیفۂ خداوندی کا معیار و مقام سامنے رکھ کر سابقہ خُلفاء کے اقوال و اعمال پر متوجہ کرتے ہیں۔

حضورؑ نے خطبہ کی ابتدا ایسے عظیم الشان دعوے سے کی ہے جو وہی شخص کر سکتا ہے جو اللہ کی زبان سے بولتا ہو۔یعنی لسان اللہ ہو اور جسے یقین کامل ہو کہ اس کی زبان پر جو کچھ جاری ہوگا وہ حقیقتِ واقعی کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔اور جس کی نظر اس کائنات کی ہر حقیقت پر محیط ہو۔یہ وہی دعویٰ ہے جو اللہ نے قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام بلند کو ثابت کرنے کے لئے کیا تھا اور فرمایا تھا کہ:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰىO اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىO

''اور نہ ہی وہ میلانِ طبع سے بولتا ہے وہ جو کچھ بھی بولتا ہے وہ تو وہی وحی ہوتی ہے جو اُسے برابر بھیجی جاتی ہے''(سورہ نجم 53/3-4)

فرق یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے دعویٰ کو اللہ اور اللہ کے وحی بھیجنے سے مشروط نہیں کرتے۔ورنہ قریشی لیڈر بہت سے اعتراضات کر ڈالتے۔اور سب سے بڑا اعتراض یہی ہو جاتا کہ لیجئے علیؑ بھی نزولِ وحی اور جبرئیلؑ کا دعویٰ کر رہے ہیں۔جو قریشی عقیدے کے مطابق خاتم النبیینؐ کے ساتھ ختم تھی۔یعنی علیؑ پر دعوائے نبوت کا الزام عائد کر کے ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا۔خلافت و حکومت رکھی رہ جاتی اور انہیں کثرت کے اجماعی فتوے کے ماتحت قتل کر دیا جاتا۔اور پھر بڑے اطمینان سے قریش کو حکومت مل جاتی۔لیکن جس طرح اللہ نے ترکیب سے وحی کا سہارا دے کر رسولؐ اللہ کی ہر بات کو علمِ غیب کے معیار پر صحیح اور حقیقتِ واقعی کے عین مطابق منوا لیا اور سیاسی لیڈروں کو آنحضرتؐ پر علمِ غیب کا دعویٰ جڑنے کے حربے سے بچا لیا اسی طرح حضرت علیؑ نے یہ کہہ کر خود کو علم غیب کے الزام سے محفوظ کر لیا کہ: وَلَقَدْ نُبِّئْتُ بِهٰذَا الْمَقَامِ وَهٰذَا الْيَوْمِ (خطبہ 16،جملہ 14).

’’اور یقیناً مجھے اس مقام کی اور اس وقت تک کی تمام خبریں دے دی گئی تھیں‘‘(خطبہ نمبر 16 جملہ نمبر 14)

اس کے بعد اعتراض کی گنجائش ختم ہوگئی اور لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ علیؑ کو اللہ و رسولؐ نے جو کچھ بتایا تھا وہ برحق تھا اور علیؑ اُسی کا دعویٰ کر رہے ہیں لہٰذا بلا کسی اعتراض وانکار کے حضورؐ کا خطبہ سُنا اور سب نے اپنے اپنے عقیدے اور بصیرت کے مطابق، اچھا یا بُرا، موافق یا مخالف عمل کیا اور کرتے رہے۔

2۔اللہ کا دعویٰ قرآن کی آیات اور علیؑ کا دعویٰ اور واضح الفاظ کے باوجود شیعہ وسُنّی دونوں نے اصلِ حقیقت کو نہیں مانا

نہ تو اللہ کا یہ مطلب تھا کہ محمدؐ کی بعض باتیں میلانِ طبع سے خالی ہوتی ہیں اور بعض میں میلانِ طبع ہوتا ہے۔اور نہ علیؑ کا یہ منشا تھا کہ میری بعض باتیں غلط بھی ہوسکتی ہیں۔مگر آپ شیعہ سُنی ریکارڈ اور اُن کے عقائد اور علما کے فیصلے پڑھ جائیں۔نہ شیعوں کے یہاں محمد وعلی صلوٰۃ اللہ علیہما کی ہر بات اللہ کی طرح بے خطا اور سو فیصد حق مانی گئی ہے نہ سُنی علما نے یہ مطلب اختیار کیا ہے۔دونوں فریق کے علما اس مسئلے میں آنا کانی اور ہیرا پھیری کرتے ہیں۔اور طرح طرح کی بحثیں نکال کر حقیقتِ واقعی کا انکار کر دیتے ہیں۔لیکن جب آپ یہ سوال کریں گے تو وہ آپ کو چکر دینے کی کوشش کریں گے۔تا کہ ان کا کافرانہ عقیدہ ڈھکا رہ جائے۔آپ سوال ہی یوں کریں کہ:’’کیا محمدؐ اور علیؑ کی ہر بات اللہ کی طرح کبھی غلط نہیں ہوسکتی؟؟‘‘ اس سوال کے جواب میں بھی آپ کو چکر دینا چاہیں گے۔مگر ان کی زبان میں لڑکھڑاہٹ اور لُکنت پیدا ہو جائے گی اور جو کچھ بھی وہ کہیں گے اس میں جان نہ ہوگی۔اور اگر آپ مناسب مواقع پر’’کیوں‘‘اور’’کیسے‘‘ بھی دریافت کرتے رہیں تو ذرا سی دیر بعد زِچ ہو کر رہ جائیں گے۔اور آپ پر گمراہی کا فتویٰ چسپاں کر کے فارغ ہو جائیں گے مگر سوالات بدستور کھڑے رہ جائیں گے۔اور آپ کی سمجھ میں اتنا ضرور آجائے گا کہ یہ دونوں فریق کے علما یقیناً غلط عقائد رکھتے ہیں۔

3۔اُن دونوں نے وحی اور جبرئیلؑ کے متعلق جو عقائد اختیار کئے ہیں وہ قرآن کی پوری تعلیم کے ماتحت نہیں،جزئی ہیں

شیعہ سُنی علما کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چالیسویں سال جبرئیل اُترا اور چند آیات حضورؐ کو سنائیں اور جہاں سے آیا تھا وہیں چلا گیا۔پھر وقفہ وقفہ کے بعد اللہ کے بھیجنے سے آتا رہا اور جتنی آیات اللہ بھیجتا وہ سنا کر واپس جاتا رہا۔اور یوں تیئس (23) سال کے عرصے میں یہ قرآن پورا نازل ہوا۔اِن وقفوں کے دوران جو روزمرہ کی باتیں حضورؐ کرتے تھے۔ظاہر ہے ان میں جبرئیل کی مدد حاصل نہ ہوتی تھی۔ اسلئے کہ وہ تو حضورؐ کے پاس ہر وقت موجود نہیں مانا گیا اور اگر وہ ہر وقت یہاں موجود مانتے تو وحی کا لانا۔نازل ہونا گڑبڑ ہو جاتا ہے اس لئے یہ عقیدہ تو ان سب کا متفقہ ہے کہ حضورؐ کی ہر ہر بات اُس وحی کے ماتحت یا وہ وحی نہ ہوتی تھی جو جبرئیل لے کر اُترتا تھا۔البتہ کچھ نیک علما نے یہ کہا ہے کہ روزمرہ کی باتیں دو قسم کی ہوتی تھیں۔(1) ایک وہ جو گھریلو، کھانے پینے،سونے جاگنے، خاطر تواضع، ہنسی مذاق اور اُٹھنے بیٹھنے، ملنے ملانے اور مزاج پُرسی کی قسم کی ہوتی ہیں ان کی گارنٹی اللہ نے نہیں لی ہے۔(2) دوسری وہ جو دین سے متعلق مثلاً سوالات کے جوابات،قرآن کی آیات کی تشریحات،معیشت ومعاشرت میں اصلاحات وہدایات۔بعض علما نے کہا کہ یہ باتیں وحی کے ماتحت ہوتی تھیں۔مگر یہ وحی قرآن والی یعنی جبرئیل والی وحی نہ ہوتی تھی۔اس وحی کا نام، ماننے والے علما نے’’وَحِيٌ غَيْرَ مَتْلُوۡءٍ‘‘ رکھا ہے۔یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہ ہوتی تھی۔یعنی جو قرآن کے علاوہ تھی۔اس صورت حال کو یوں بھی کہا گیا ہے کہ:۔

اول۔جبرئیل والی وحی میں آنحضرتؐ سے غلطی ناممکن تھی۔

دوم۔ہر وہ بات جو آپ رسولؐ کی حیثیت سے کرتے تھے۔اس میں بھی غلطی ممکن نہ تھی۔

سوم۔لیکن جتنی باتیں بشر کی حیثیت سے کرتے تھے ان میں آپؐ سے غلطیاں ہوسکتی تھیں اور روایات سے ثابت کیا ہے کہ آپؐ سے (معاذ اللہ) بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔نماز کی رکعتوں کی تعداد بھول جانا اور یہ بھی نہ سمجھنا کہ میں بھول گیا ہوں۔لوگوں کا آپؐ کو بتانا اور دوبارہ نماز پڑھنا وغیرہ سب نے متفقہ مانا اور لکھا ہے۔اور مجتہدین تو اس سے بھی زیادہ کمال کرتے رہے ہیں۔

4۔وحی، جبرئیل اور اللہ کی پوزیشن کے ساتھ محمد مصطفیٰ کی پوزیشن مندرجہ بالا تصورات اور عقائد کی صورت میں

جو تصورات سادہ سادہ صورت میں اوپر لکھے گئے ان سے جو نتائج اور غلط عقائد لازم آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ۔

اول۔اللہ ہر جگہ نہیں بلکہ کہیں اوپر آسمان پر رہتا ہے۔جہاں سے جبرئیلؑ کو وحی لے کر زمین پر آنا پڑتا ہے۔

دوم۔ایک وقت ایسا ہوتا ہے جب کہ جبرئیل نہ اللہ کے پاس ہوتا ہے نہ ابھی محمدؐ کے پاس پہنچا ہوتا ہے۔یعنی۔

سوم۔جس طرح اللہ سے محمدؐ کہیں دور ہوتے ہیں اسی طرح جبرئیلؑ بھی دُور ہو جاتا ہے۔

چہارم۔ایک ایسا وقت بھی ماننا پڑے گا جب قرآن کا کچھ حصہ یا قرآن کی کچھ تعلیمات و آیات محمدؐ کو معلوم نہیں ہیں اور جبرئیل کو معلوم ہیں اور یہ تو پکی بات ہے کہ:۔

پنجم۔قرآن کا علم بہر حال جبرئیل کو محمدؐ سے پہلے ہوتا رہا۔

5۔وحی، قرآن، جبرئیلؑ اور اللہ و محمدؐ کی مذکورہ بالا پوزیشن ماننے والے لوگ اسلام کے بنیادی عقائد کے منکر اور اسلام سے خارج ہیں

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قارئین نے مندرجہ بالا لازم ہونے والے پانچ عقائد کو قرآن اور حدیث میں مذکور عقائد کے خلاف پایا اور خود ہی باطل سمجھ لیا ہوگا۔اللہ کو ہر جگہ موجود ماننا لازم ہے ورنہ مشرکین سے بھی بدتر درجہ کا اسلام ہوگا۔اور ایسا مسلمان جو اللہ کو کسی ایک جگہ مانتا ہو،ان ہی دونوں قسم کے علما کے نزدیک منکرِ اسلام اور کافر کہلائے گا۔لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اللہ ہر جگہ اور ہر چیز کے اندر باہر اوپر نیچے موجود رہتا ہے لیکن گھلا ملا نہیں رہتا کہ ہر چیز کا جُز بن جائے۔سب کے ساتھ سب کے اندر اور باہر اور اوپر اور نیچے مگر سب سے الگ ہے:

مَعَ کُلِّ شَیْءٍ لَّا بِمَقَارَنَۃِ ''وہ ہر ہر چیز کے ساتھ ہے مگر کسی کا جسمانی ساتھی نہیں ہے''۔

وَغَیْرُ کُلِّ شَیْءٍ لَّا بِمُزَایَلَۃِ، ''وہ ہر ہر چیز سے جُدا ہے مگر ایسا جُدا نہیں کہ ان پر اس کا تسلط نہ رہے''(خطبہ نمبر 1 جملہ نمبر 33-34)

6۔رسولؐ اللہ کی باتوں کی پوزیشن مجتہدین یا قریشی علما کی نظر میں عموماً اور مودودی کی نظر میں خصوصاً آیات کی تفسیر

مودودی نے ان آیات (نجم 4-53/3) کے ترجمہ میں جو لطیف بد دیانتی کی ہے اسے نظر انداز کر کے ہم ان آیات کی تشریح دکھاتے ہیں تا کہ ہماری مندرجہ بالا گفتگو کی تصدیق ہو جائے اور مجتہدین براہِ راست قرآن کی زد میں آجائیں۔سنئے:

''یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ: آپ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے بلکہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ ایک وحی ہے جو آپؐ پر نازل کی جاتی ہے'' آپ کی زبان سے نکلنے والی کن کن باتوں سے متعلق ہے؟ آیا اس کا اطلاق ان ساری باتوں پر ہوتا ہے جو آپ بولتے تھے، یا بعض باتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بعض باتوں پر نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اس پر تو اس ارشاد کا اطلاق بدرجۂ اولیٰ ہوتا ہے۔رہیں وہ دوسری باتیں جو قرآن کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوتی تھیں، تو وہ لامحالہ تین ہی قسموں کی ہوسکتی تھیں۔(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 193-194)

اس کے بعد علامہ نے وہی تین قسم کی باتیں لکھی ہیں جن کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔اور ذرا دیر بعد علامہ کی تینوں باتیں بھی لکھیں گے لیکن یہاں ٹھہر کر یہ سوچیں کہ آیات میں اللہ نے تو رسوؐل کے منہ سے نکلنے والی باتوں کی قسمیں بیان نہیں کی ہیں۔وہاں تو منہ سے نکلنے والی ہر بات کو بھیجے جانے والی وحی فرمایا ہے۔

(6۔الف) علامہ مودودی کے ترجمہ اور تفہیم کا فرق نوٹ کریں۔

بات آگے بڑھنے سے پہلے علامہ کا ترجمہ دیکھیں اور وہ فرق نوٹ کریں جو علامہ نے اپنے ترجمہ اور تفہیم میں جان بوجھ کر رکھ دیا ہے:۔

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰىO اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰىO

علامہ کا ترجمہ: ''وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے''

علامہ اللہ کے ارشاد سے کیا سمجھے وہ یہ ہے:

''آپ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے بلکہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ ایک وحی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے''

یہ ترجمہ اللہ کے ارشاد کو صرف تلاوتِ قرآن تک محدود کرنے کیلئے ہے اس ترجمہ میں یہ گنجائش ختم کر دی گئی ہے کہ اللہ نے تلاوتِ قرآن کے علاوہ آپؐ کی اور باتوں کی بھی ذمہ داری لی ہے۔لیکن اپنی تشریح میں ان ہی دونوں آیات کو (53/3-4) کا مطلب یوں واضح کیا کہ:

نبیؐ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ:۔

''آپؐ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے بلکہ جو کچھ آپؐ کہتے ہیں وہ ایک وحی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے''۔

پہلا سوال یہ ہے کہ علامہ نے اپنے ترجمہ میں سے یہ جملہ کیوں نکال دیا کہ: ''بلکہ جو کچھ آپ کہتے ہیں''؟

جواب یہ ہے کہ یہ جملہ لکھنے سے یہ ثابت ہو جاتا کہ ''اللہ ہر اس بات کو وحی فرما رہا ہے ''جو کچھ بھی آپؐ کہتے ہیں'' وہ وحی ہوتی ہے جو نازل کی جاتی ہے''۔

یہ ہے علامہ کی لطیف چالاکی۔پھر سوال یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں نہ لفظ ''نفس'' ہے اور نہ لفظ ''ایک'' ہے اور نہ لفظ ''نازل'' اور نہ لفظ یَـقُـوۡلُ (کہتا ہے) اور نہ لفظ ''اپنی'' کے لئے کوئی عربی کا لفظ موجود ہے۔یعنی مودودی نے ترجمہ اور تفہیم میں پانچ الفاظ کو اپنی طرف سے بڑھا کر مفہوم بگاڑا یا سنوارا ہے۔ان پانچوں بڑھائے ہوئے الفاظ کو نکال کر علامہ کا ترجمہ اور تفہیم پڑھ کر دیکھیں:

اضافہ نکال کر علامہ کا ترجمہ اور مفہوم ''آپؐ خواہش سے نہیں بولتے بلکہ جو کچھ بولتے ہیں وہ وحی ہے جو کی جاتی ہے''

قارئین غور کیجئے کہ بات یہی ہو رہی یا نہیں کہ اللہ تو یہ بتانا چاہتا ہے کہ: ''آپؐ جو کچھ بولتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے'' اور علامہ ''جو کچھ بھی بولتے ہیں'' کی ہمہ گیری کے باوجود حضورؐ کے بولنے کی تین قسمیں کرنا چاہتے ہیں جو قرآن کے خلاف ہے اور آیات کی ذمہ داری یہ ہے کہ:

''رسوؐل اللہ کی ہر بات، ہر قسم کی بات، سوتے جاگتے اور ہر حالت کی ہر بات منزل من اللہ وحی ہوتی ہے''

لیکن قریش نے نبیؐ کے حق میں اللہ کی یہ بات (53/3-4) نہیں مانی اور حضورؐ کو ایک خطا کار بشر اور بار بار اللہ کے معیار و پسند کے خلاف کام کر کے ڈانٹ ڈپٹ سننے والا رسوؐل قرار دیا ہے۔سنیئے:

(6۔ب) مودودی کے پُرخلوص فریب کارانہ بیانات۔

اب آپ مودودی سے آنحضرؐت کے منہ سے نکلنے والی باتوں کی تینوں قسمیں ملاحظہ فرمائیں۔لکھتے ہیں:

''1۔ایک قسم کی باتیں وہ ہیں جو آپ تبلیغ دین اور دعوتِ اِلی اللہ کے لئے کرتے تھے۔2۔یا قرآن مجید کے مضامین اس کی تعلیمات اور اس کے احکام وہدایات کی تشریح کے طور پر کرتے تھے۔3۔یا قرآن ہی کے مقصد و مدعا کو پورا کرنے کے لئے وعظ ونصیحت فرماتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔4۔ان کے متعلق ظاہر ہے کہ یہ شبہ کرنے کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے۔5۔کہ یہ باتیں معاذ اللہ آپ اپنے دل سے گھڑتے تھے۔7۔ان امور میں تو آپ کی حیثیت درحقیقت قرآن کے سرکاری ترجمان اور اللہ کے نمائندۂ مجاز کی تھی۔7۔یہ باتیں اگر چہ اسی طرح لفظاً لفظاً آپ پر نازل نہیں کی جاتی تھیں جس طرح قرآن آپ پر نازل کیا جاتا تھا۔8۔مگر یہ لازماً تھیں اسی علم پر مبنی جو وحی کے ذریعہ سے آپ کو دیا گیا تھا۔9۔ان میں اور قرآن میں فرق صرف یہ تھا کہ قرآن کے الفاظ اور معانی سب کچھ اللہ کی طرف سے تھے۔10۔اور ان دوسری باتوں میں معانی ومطالب وہ تھے جو اللہ نے آپ کو سکھائے تھے اور ان کو ادا آپ اپنے الفاظ میں کرتے تھے۔11۔اسی فرق کی بنا پر قرآن کو وحی جلی اور آپ کے ان دوسرے ارشادات کو وحی خفی کہا جاتا تھا۔۔۔۔۔۔

دوسری قسم کی باتیں وہ تھیں جو آپ اعلائے کلمۃ اللہ کی جدّ وجہد اور اقامت دین کے سلسلے میں کرتے تھے۔14۔اس کام میں آپ کو مسلمانوں کی جماعت کے قائد وراہنما کی حیثیت سے مختلف نوعیت کے بے شمار فرائض انجام دینے ہوتے تھے۔15۔جن میں بسا اوقات آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ بھی لیا (اب دلیل خانہ ساز روایات ہیں۔احسنؔ)16۔اور اپنی رائے چھوڑ کر ان کی رائے بھی مانی۔17۔ان کے دریافت کرنے پر کبھی کبھی یہ صراحت بھی فرمائی کہ یہ بات میں خدا کے حکم سے نہیں بلکہ اپنی رائے کے طور پر کہہ رہا ہوں۔18۔اور متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ آپ نے اپنے اجتہاد سے کوئی بات کی ہے اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے خلاف ہدایت آ گئی۔19۔اس نوعیت کی جتنی باتیں بھی آپ نے کی ہیں۔20۔ان میں سے کوئی بھی ایسی بات نہ تھی اور قطعاً نہ ہوسکتی تھی جو خواہش نفس پر مبنی ہو۔ 21۔رہا یہ سوال کہ کیا وہ وحی پر مبنی تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ،22۔بجز ان باتوں کے جن میں آپ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے نہیں ہیں۔ 23۔یا جن میں آپؐ نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا ہے۔اور ان کی رائے قبول کی ہے۔24۔یا جن میں آپؐ سے کوئی قول وفعل صادر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف ہدایت نازل فرمادی۔25۔باقی تمام باتیں اُسی طرح وحی خفی پر مبنی تھیں جس طرح پہلی نوعیت کی باتیں۔26۔اس لئے کہ دعوت اسلامی کے قائد وراہنما اور جماعت مومنین کے سردار اور حکومت اسلامی کے فرمانروا کا جو منصب آپؐ کو حاصل تھا وہ آپؐ کا خود ساختہ یا لوگوں کا عطا کردہ نہ تھا۔27۔بلکہ اس پر آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے تھے۔28۔اور اس منصب کے فرائض کی ادائیگی میں آپؐ جو کچھ کہتے اور کرتے تھے اس میں آپؐ کی حیثیت مرضی الٰہی کے نمائندے کی تھی۔29۔اس معاملے میں آپؐ نے جو باتیں اپنے اجتہاد سے کی ہیں ان میں بھی آپؐ کا اجتہاد اللہ کو پسند تھا۔30۔اور علم کی اس روشنی سے ماخوذ تھا جو اللہ نے آپؐ کو دی تھی۔31۔اسی لئے جہاں آپؐ کا اجتہاد ذرا سا بھی اللہ کی پسند سے ہٹا ہے وہاں فوراً وحی جلی سے اس کی اصلاح کردی گئی ہے۔32۔آپؐ کے بعض اجتہاد کی یہ اصلاح بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کے باقی تمام اجتہادات عین مرضی الٰہی کے مطابق تھے۔''

33۔تیسری قسم کی باتیں وہ تھیں جو آپؐ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے زندگی کے عام معاملات میں کرتے تھے۔34۔جن کا تعلق فرائض نبوت سے نہ تھا۔35۔جو آپؐ نبی ہونے سے پہلے بھی کرتے تھے اور نبی ہونے کے بعد بھی کرتے رہے۔36۔اس نوعیت کی باتوں کے متعلق سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے بارے میں کفار سے کوئی جھگڑا نہ تھا۔کفار نے ان کی بنا پر آپؐ کو گمراہ اور بدراہ نہیں کہا تھا۔

37۔ بلکہ پہلی دوقسم کی باتوں پر وہ یہ الزام لگاتے تھے۔38۔اس لئے وہ سرے سے زیر بحث ہی نہ تھیں۔کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں یہ آیت ارشادفرماتا۔39۔لیکن اس مقام پر ان کے خارج از بحث ہونے کے باوجود یہ امر واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کوئی بات اپنی زندگی کے اس نجی پہلو میں بھی کبھی خلافِ حق نہیں نکلتی تھی۔40۔بلکہ ہر وقت ہر حال میں آپؐ کے اقوال وافعال ان حدود کے اندر محدود رہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبرانہ اور متقیانہ زندگی کے لئے آپ کو بتادی تھیں۔41۔اس لئے درحقیقت وحی کا نور اُن میں بھی کارفرما تھا۔42۔یہی بات ہے جو بعض صحیح احادیث میں رسوؐل اللہ سے منقول ہوئی ہے۔43۔مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک موقع پر حضوؐر نے فرمایا لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا ۔''میں کبھی حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا''۔44۔کسی صحابی نے عرض کیا فَاِنَّکَ تُدَاعِبُنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ۔''یارسوؐل اللہ کبھی کبھی آپؐ ہم لوگوں سے ہنسی مذاق بھی تو کرلیتے ہیں''۔45۔فرمایا اِنِّی لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا۔''فی الواقع میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا''۔46۔مسند احمداورابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں جو کچھ بھی رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتا تھا وہ لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے محفوظ کرلوں۔47۔قریش کے لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم ہر بات لکھتے چلے جاتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرمادیتے ہیں 48۔اس پر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔49۔بعد میں اس بات کا ذکر میں نے حضوؐر سے کیا تو آپؐ نے فرمایا۔50۔اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَاخَرَجَ مِنِّیْ اِلَّا الْحَقّ ۔تم لکھے جاؤ،اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلتی ہے''(تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 193 تا195)

(6۔ج) مودودی کے اس طویل بیان کے دباؤ سے اصل عنوان نہ بھول جائیں۔آنحضرتؐ کی ہر بات وحی تھی۔مودودی پر تنقید سنئے۔

مودودی کے اس طویل اور فریب کارانہ بیان کو اگر آپ نے غور سے پڑھا اور محفوظ کیا ہے تو آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ علامہ نے قرآن (سورہ نجم 4-53/3/3) کے خلاف ہر ممکن کوشش کی ہے تاکہ وہ یہ ثابت کرسکیں کہ ''رسوؐل اللہ کی ہر ہر بات وحی کے معیار پر حق نہ ہوتی تھی'' مودودی اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے یا نہیں؟ یہ بات ہماری تنقید کے ہر قدم پر سامنے آتی جائے گی۔فی الحال ہم یہ کہنے کی پوزیشن میں ہیں کہ علامہ اپنی کوشش میں نہ صرف یہ کہ بُری طرح ناکام ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے اس طویل بیان میں اپنا مضحکہ اُڑا کر رکھ دیا ہے۔تنقید میں ان کے جملوں کو ہمارے دیئے ہوئے نمبروں کی مدد سے دیکھتے جائیں اور تنقید کے صحیح یا غلط ہونے کا ساتھ ساتھ فیصلہ کرتے جائیں۔بسم اللہ کیجئے۔

پہلا قدم۔مولانا کے ثبوت کی حیثیت؟ قرآن سے کوئی ثبوت نہیں دیا گیا ہے۔

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ علامہ نے رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ:

''آیا رسوؐل کی ہر بات وحی ہوتی ہے یا نہیں؟ یعنی کیا اللہ نے رسوؐل کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کے صحیح و برحق ہونے کی ذمہ داری لی ہے یا نہیں؟''

اس اہم ترین اور بنیادی مسئلے کے طے کرنے میں انہوں نے یہاں سے وہاں تک (تین فُل سائز صفحات میں) قرآن سے ثبوت فراہم نہیں کیا۔ یعنی قرآن کی کسی آیت سے یہ نہیں دکھایا کہ:

''ہم اپنے رسوؐل کی ہر بات کو وحی نہیں مانتے اور نہ ان کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کے برحق اور صحیح ہونے کی ذمہ داری لیتے ہیں''۔

دوسرا قدم۔آپؐ کی چار قسم کی باتوں کو وحی کے ماتحت نہ ماننا قرآن کے خلاف ہے۔

مودودی نے دوسری قسم میں چار ایسی باتوں کا پتہ دیا ہے جو علامہ اینڈ کمپنی کے نزدیک وحی کے ماتحت یا وحی کے مطابق نہ ہوتی تھیں۔

اول۔ ہر وہ معاملہ جس میں آنحضرتؐ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ لے کر عمل کیا ہو۔(جملہ نمبر 23,15)

دوم۔ ہر وہ مسئلہ جس میں اپنی رائے کو غلط سمجھ کر ترک کرتے اور ساتھیوں کی صحیح رائے پر عمل کرتے رہے۔(جملہ نمبر 23,16)

سوم۔ ہر وہ بات جو اللہ کی مرضی یا حکم کے بغیر اپنی رائے سے کی ہے(جملہ نمبر 17)

چہارم۔ ہر وہ حکم یا فیصلہ جو اللہ کی منشاء کے خلاف کر دیا ہو(جملہ نمبر 18، 24)

1) قریش اپنے قدیم زمانہ جاہلیت میں بھی آنحضرتؐ پر تہمتیں لگاتے رہے اور مسلمان ہو کر بھی بشریت کی آڑ لیتے چلے آئے ہیں۔

یہ چاروں تہمتیں نئی نہیں ہیں یہ قدیم زمانے سے رسولوں کی مطلق اطاعت کے مخالف رہے ہیں۔ان کا بہت پرانا اور عقلی اعتراض یہ رہا ہے کہ ایک تنہا آدمی کی عقل وعلم وتجربہ پوری قوم کی اجتماعی عقل وعلم وتجربے سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا اور رسالت مل جانے کے بعد بھی صرف اس قدر فرق پیدا ہوتا ہے کہ اس پر اللہ کی طرف سے وحی آنے لگتی ہے مگر رہتا وہ انسان ہی ہے اس میں سے وہ بشری جذبات وخواہشات ومیلانات غائب نہیں ہو جاتے۔رہ گئی وحی، خواہ وہ اعلانیہ (جلی) آئے یا خُفیہ (خفی) کہلائے وہ ہر وقت نبیؐ کے پاس نہیں رہتی لہٰذا نبیؐ کے وہ احکام اور فیصلے اور باتیں جو وہ بلا وحی کی مدد کے نافذ کرے یا کہے ان میں نبیؐ کی بشریت، جذبات ومیلانات اور بشری خامیاں وکمزوریاں شامل ہو جانے کا امکان رہتا ہے اگر ان حالات میں نبیؐ کی اطاعت کی جائے تو نوع انسان کو نقصان اور خسارے کا یقین رہنا چاہئے۔قریش اور ان کے قدیم وجدید لیڈروں کے اس تصور کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔مَا هٰذَآ اِلَّابَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ O وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ O (مومنون 34-23/33)

مودودی ترجمہ ’’یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا۔جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو یہ پیتا ہے اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت قبول کر لی تو تم گھاٹے ہی میں رہے‘‘۔(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 278)

مودودی اینڈ کمپنی کا نبیؐ کی بشریت پر بالکل یہی عقیدہ ہے۔

(1)’’نبیؐ نبیؐ ہے، خدا نہیں ہے کہ اس سے کوئی لغزش نہ ہو۔نبیؐ کا احترام اس بنا پر نہیں ہے کہ اس سے لغزش کا صدور ناممکن ہے‘‘ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 11)

(2)’’تھے وہ بندے اور بشر ہی، الوہیّت اُن میں سے کسی کو حاصل نہ تھی۔رائے اور فیصلے میں ان سے غلطی بھی ہو جاتی تھی۔بیمار بھی وہ ہوتے تھے۔آزمائشوں میں بھی ڈالے جاتے تھے۔حتٰی کہ قصور بھی ان سے ہو جاتے تھے۔اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ بھی ہوتا تھا‘‘۔(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 163)

مندرجہ بالا قرآن کی آیات (34-23/33) میں اللہ نے قریش کے قدیم لیڈروں کا یہی اصول بشریت پیش کر کے یہی کچھ دکھایا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ ان میں تمہاری ہی طرح کی خواہشات ہیں وہ تمہاری ہی طرح پیدا ہوئے۔تمہاری ہی طرح غذائیں کھاتے ہیں۔ان غذاؤں سے جو اثرات ونتائج تم پر مرتب ہوتے ہیں ان پر بھی ہوتے ہیں۔بھول چوک غلطی اور خطائیں ان سے بھی ہوتی ہیں لہٰذا ہر بات میں، ہر حال میں بلا

سوچے سمجھے ان کی اطاعت کرنے کا نتیجہ یقیناً خسارہ اور نقصان ہوگا۔یہی اصول قریش کے مسلمان لیڈروں اور صحابہ کا تھا۔وہ رسولؐ کو جاہل ثابت کرنے کے لئے یہ چاروں تہمتیں لگاتے ہیں۔1۔اس لئے کہ مشورہ وہی شخص لیتا ہے جسے خود علم نہ ہو۔2۔اپنی رائے کو وہی ترک کرے گا جس نے لاعلمی کی بنا پر کوئی غلط بات طے کر لی ہو۔3۔اپنی ذاتی رائے وہی استعمال کرے گا جسے اللہ نے وحی سے علم نہ دیا ہو۔4۔اور غلط فیصلہ بھی اسی صورت میں کرے گا جب اسے اللہ کی منشا معلوم نہ ہو۔ان چاروں صورتوں سے قریشی علما یہ ثابت کرتے ہیں کہ۔1۔اللہ سے رسولؐ کا رابطہ ہر وقت نہیں رہتا۔اور جس دوران اللہ اور نبیؐ میں رابطہ و تعلق نہیں ہوتا۔اس دوران نبیؐ ایک عام بشر یا آدمی ہوتا ہے اور اس سے لغزشیں،غلطیاں،خطائیں اور حماقتیں اسی طرح سرزد ہوتی ہیں جس طرح تمام انسانوں سے ہوتی رہتی ہیں۔ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں نبیؐ سے وہ احکام اور فیصلے ظہور میں آنا چاہئیں جن کے متعلق مودودی نے لکھا ہے کہ:

''متعدد بار ایسا بھی ہوا ہے کہ آپؐ نے اپنے اجتہاد سے کوئی بات کی ہے اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے خلاف ہدایت آگئی''(جملہ نمبر 18)

تیسرا قدم۔یہ چاروں صورتیں واقعات یا حقیقت نہیں بلکہ قریشی منصوبے کو برسر کار لانے کیلئے قریشی تاریخ کے خودساختہ افسانے ہیں۔

ہم نے عرض کیا ہے کہ نبیؐ کیسا ہونا چاہئے یا کیسا ہوتا ہے؟اہم ترین و بنیادی مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کا فیصلہ خود نبیؐ بنانے اور بھیجنے والے کے کلام و بیانات سے کرنا چاہئے۔چونکہ مودودی کو قرآن سے سہارا نہیں ملتا اس لئے اس نے خود اپنے اور اپنے صحابہ اور لیڈروں کے مسلّمہ عقائد کو بلا دلیل لکھ کر اور غپ شپ سے سجا کر پیش کر دینا کافی سمجھا اور اسلام یا دینیات کے اَصل الاصول کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔لیکن ہم باطل پرستوں اور قرآن و رسولؐ کے مخالفوں کو عقلی اور قرآنی مار مار کر ان کے باطل عقائد کا گھروندا بکھیر دیں گے۔تمام اہلِ مذاہب عموماً اور مسلمان خصوصاً اِس فطری اور عقلی حقیقت سے مطلع ہیں اور خود مودودی اور ان کے راہنما بھی مانتے اور لکھتے ہیں کہ نبیؐ خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔اور وہ تمام کام اس کے سپرد ہوتے ہیں جو اللہ اپنی یکتا پوزیشن کی بنا پر خود نہیں کر سکتا مثلاً وہ ہر جگہ ہونے اور رہنے کی وجہ سے کسی ایک جگہ اور کسی صورت میں نہیں آ سکتا کہ لوگ اُسے دیکھیں،اُس سے باتیں کریں،سوالات پوچھیں اور جوابات سنیں۔یہ سب کام اس کا نمائندہ کرتا ہے۔اُس کو دیکھنا اللہ کو دیکھنا،اُس سے باتیں کرنا اللہ سے باتیں کرنا،اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور اس کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی کرنا ہوتا ہے۔اس کی صورت،شکل و شمائل،اس کی باتیں،اس کا رویہ ایسا ہونا چاہئے جو اللہ میں عیب و نقص ثابت نہ ہونے دے۔جس پر اللہ کی طرح اعتبار و اعتماد و توکل کیا جا سکے۔وہ اگر غلط کار ہو،جھوٹ بول سکتا ہو۔خیانت و بد دیانتی کر سکتا ہو،بھول جاتا ہو غلط بات کہہ سکتا ہو بات میں خطا کر سکتا ہو۔تو اس پر وہ اعتماد و یقین قائم نہ ہوگا جو اللہ پر ہونا چاہئے۔یکتائی،معبودیت،الوھیت اور خالقیت مطلقہ وغیرہ مخصوص صفات کے علاوہ اس میں اور رسولؐ میں اور کوئی فرق نہ ہونا چاہئے۔اور اللہ نے حقیقی مومنین کا اور مودودی کے قریشی مومنین کا فرق بتانے کے لئے دونوں کے ایمان بالرسل کا ذکر یوں کیا ہے:

1) قریش اللہ و رسولؐ کو الگ الگ کر کے دونوں کے درمیان ایک راہِ عمل نکالنے کی بنا پر حقیقی کافر تھے۔

مودودی کا ترجمہ اور قرآن سنئے ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا O اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّھِیۡنًا O (نساء 4/150-151)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں۔اور کہتے ہیں کہ

کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے۔اور کفر و ایمان کے بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔وہ سب پکے کافر ہیں۔اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے وہ سزا مقرر کر رکھی ہے جو انہیں ذلیل و خوار کر دینے والی ہوگی‘‘(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 413-414)

2) جو اللہ اور رسولوں میں تفریق نہیں کرتے وہ حقیقی مومن ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاO(سورہ نساء 4/152)

’’بخلاف اس کے جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں کو مانیں اور ان کے درمیان تفریق نہ کریں،ان کو ہم ضرور ان کے اجر عطا کریں گے‘‘(ایضاً صفحہ 414)

3) اللہ اور رسولوں کو الگ الگ کر کے درمیانی راستہ وہی ہے جو قریش نے اختیار کیا یعنی رسولؐ سے خطا ہوتی ہے اللہ سے نہیں۔

علامہ کے غلط ترجمہ کے باوجود ان آیات سے یہ ثابت ہے کہ کچھ لوگ اللہ اور رسولوں کو الگ الگ کرتے ہیں ان میں ہم آہنگی اور تعلق کو توڑ کر ایک درمیانی راہ یعنی عقیدہ و فلسفہ گھڑتے ہیں۔اور ایسے لوگ حقیقی کافر ہیں۔اور جو لوگ اللہ اور رسولوں کو الگ الگ نہ سمجھتے ہوں انہیں ایک ہی مانتے ہوں وہ حقیقی مومن ہیں۔یعنی وہ رسولؐ کے ہر قول و فعل کو اللہ کا قول و فعل مانتے ہیں وہ ہرگز نہیں کہتے کہ رسولوں سے غلطیاں اور خطائیں ہوتی ہیں مگر اللہ سے غلطی اور خطا ناممکن ہے۔اللہ نہیں بھولتا رسولؐ بھولتا ہے۔اللہ غلط حکم نہیں دے سکتا رسولؐ غلط اور اللہ کی مرضی کے خلاف حکم دے سکتا ہے۔ الغرض وہ مومنین اللہ کی تمام ممکنہ صفات کو رسولؐ کے اندر مانتے ہیں اور رسولوں کو منزہ عن الخطا معصوم سمجھتے ہیں۔

4) علامہ نے اپنے ترجمہ سے آیات (نساء 4/150-152) میں اللہ کا منشاء اُلٹ دیا غیر مسلموں کو مخاطب قرار دے دیا۔

مندرجہ بالا آیات (4/150-152) کو دوبارہ دیکھیں وہاں منکرین اسلام کی حالت بیان نہیں ہوئی ہے وہ لوگ تو وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ:

’’ہم بعض پر ایمان لائیں گے بعض پر کفر کریں گے‘‘۔

مودودی نے اس سے یہ تاثر دیا ہے کہ وہ لوگ بعض نبیوں کو مانیں گے اور بعض کو نہ مانیں گے۔یعنی مودودی نے کفر کے معنی نہ ماننا کئے ہیں۔اور چونکہ آیات کے شروع میں الفاظ يَكْفُرُوْنَ آئے ہیں۔اور درمیان میں نَكْفُرُ آیا ہے اور آخر میں لِلْكٰفِرِيْنَ دو مرتبہ مذکور ہے اس لئے علامہ کو اچھا موقع ملا کہ قاریوں کے ذہن کو لفظ کفر کے غلط معنی سے لبریز کر دیں اور قاریوں کو یقین دلا دیں کہ یہاں قریشی مومنین کا نہیں بلکہ کافروں کا یعنی منکرین اسلام کا ذکر ہو رہا ہے۔مگر یہ سب فریب ہے۔

5) کفر کے اصلی معنی اور پھر آیات کے حقیقی معنی مودودی کی سند سے۔

مودودی نے مانا ہے کہ:’’161’’کفر‘‘ کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا‘‘(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129 حاشیہ نمبر 161)

دیکھا آپ نے کہ مودودی بقلم خود مانتے ہیں کہ لفظ ’’کفر‘‘ کے اصلی معنی جب چھپانے کے ہیں تو باقی معنی نقلی ہوں گے اور کفر سے انکار کا مفہوم پیدا کرنا محض دھوکا دینا ہے۔اس لئے کہ لفظ ’’انکار اور منکر‘‘ تو خود عربی زبان کے الفاظ ہیں (وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔یوسف 12/58) لہٰذا آیات کے معنی یہ نہ ہونا چاہئیں تھے کہ۔

’’یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کی پوزیشن چھپاتے ہیں (چھپاتے رہیں گے۔مضارع) وہ یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ کو اس کے رسولوں سے الگ رکھو۔اور کہتے یہ ہیں کہ دیکھو اللہ کی بعض صفات کو رسولوں کے اندر اعلانیہ مان لو اور بعض صفات کو چھپا دو۔(یعنی ان کا ذکر ہی نہ

کرو) اس طرح ان کا ارادہ یہ ہے کہ یوں اللہ کو الگ رکھ کر اور رسولوں کو اللہ سے جدا کر کے ان دونوں کے درمیان اپنا ایسا مذہبی فلسفہ جاری کریں جس میں برابر رسولوں کو الگ رکھا جاتا رہے۔ اسی مذہب کے لوگ حقائق کو حقیقی معنی میں چھپانے والے لوگ ہیں اور ان حق پوشوں کے لئے ہم نے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر اس طرح ایمان لائے کہ اللہ اور رسولوں کے اندر تفریق نہیں کرتے بلکہ کسی بات میں کسی کو مختلف اور جدا نہیں کہتے وہ۔۔۔۔''

یہ تھا قریشی مومنین کا منصوبہ جو نزول قرآن کے زمانہ سے قرآن میں لکھا ہوا موجود چلا آ رہا ہے۔ اور اللہ نے طرح طرح سے اور بار بار قرآن میں بتایا ہے کہ مومنین کے اندر ایک ایسا فرقہ موجود تھا جو رسوؐل اللہ کی باتوں کا سو فیصد اعتبار نہ کرتا تھا اور طرح طرح اپنی اجتماعی بصیرت رسوؐل پر مسلّط کرنا چاہتا تھا۔ ان کی بشریت کو عقلی عذر قرار دیتا اور رسوؐل سے باقاعدہ جھگڑا کرتا رہتا تھا۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ:

کَمَآ اَخۡرَجَکَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَیۡتِکَ بِالۡحَقِّ وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَکٰرِهُوۡنَ O یُجَادِلُوۡنَکَ فِی الۡحَقِّ بَعۡدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوۡنَ اِلَی الۡمَوۡتِ وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ O(6-8/5سورہ انفال)

مودودی ترجمہ: ''(اس مال غنیمت کے معاملے میں بھی ویسی ہی صورت پیش آ رہی ہے جیسی اُس وقت پیش آئی تھی جب کہ) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ (فرقہ) کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ اس حق کے معاملے میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے۔ درآں حالیکہ وہ حق صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 130-131)

6) قرآن کی آیات اور مودودی کے بیانات سے قریشی منصوبہ ثابت ہو گیا کہ وہ رسوؐل کو جاہل و خطا کار منوانا چاہتے تھے۔

قریش نے رسوؐل کی حکومت کو ہڑپ کرنے کے بعد اسلام کی جو صورت گھڑ کر دُنیا کے سامنے پیش کی تھی زیر بحث علامہ کی مذکورہ چار صورتیں (جملہ نمبر 15,16,17,18,23,24) اُسی منصوبہ کی کڑیاں ہیں۔ جو اُن کے تنخواہ دار مورخین و محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھیں اور برابر نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔ اور لوگوں نے انہیں اسلام کی صحیح تاریخ سمجھا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم قریش کی تمام مکاریوں، چالاکیوں اور فریب سازیوں کا کچا کچا اور مفصل حال لکھتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ انہوں نے قرآن کے معنوی تحریف کر کے اسے بالکل پاٹ ند بنا ڈالا (25/30) اور یوں پورے قرآن کا رخ بدل کر اس کے ساتھ من گھڑت افسانے شان نزول و خود ساختہ تفسیر و تاویل لگا کر جھٹلا دیا (6/66)۔

7) مفصل و مشرح قرآن کی موجودگی میں نبیؐ یا کسی شخص کو اجتہاد و قیاس آرائی کی ضرورت نہیں۔

بہرحال قرآن کی رو سے قرآن ایک ایسی مفصل و مشرح کتاب ہے جس میں ہر چیز کا تفصیلی ذکر کر دیا گیا ہے (یوسف 12/111) اس میں ہر ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے (نحل 16/89) قرآن میں تمام انبیاءؑ کی تعلیمات اور تمام انبیا علیہم السلام کے صحیفے اور تمام کتب سماویہ موجود ہیں (سورہ بینہ 98/2-3) ایسی ہمہ گیر کتاب کی موجودگی میں کسی اجتہاد اور قیاس آرائی کی ضرورت ہی نہیں رہتی جس میں ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کا تدارک اور جواب موجود ہو۔ پھر قرآن بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قرآن کو اور اس میں آئے ہوئے تمام صحیفوں اور کتابوں کو پڑھ کر سناتے رہتے تھے (98/2-3) اور تمام ضرورت مندوں اور صاحبان استطاعت لوگوں کو ان سب کتابوں اور حکمتوں کی تعلیم بھی دیتے ہوں (بقرہ 2/151) اور تعلیم بھی اس حد تک کہ انہیں جو کچھ معلوم نہ ہو وہ بھی معلوم ہو جائے اور وہ کائنات کی کسی چیز سے بھی جاہل نہ رہیں۔ ایسا ہمہ گیر

عالم اور ہمہ گیر تعلیم دینے والا معلم کیوں لوگوں سے پوچھ پوچھ کر مشورے کر کر کے احکام یا اجتہادی غلط سلط فیصلے کرے گا؟ اور جسے اللہ نے بذاتِ خود اتنا علم عطا کیا ہو وہ جو کچھ نہ جانتا تھا وہ بھی تعلیم دے دیا ہو اور جو کچھ مستقبل میں نہ جانتا وہ بھی سکھا دیا ہو اس سے غلط باتیں اور غلطیاں کیسے ظہور میں آسکتی ہیں؟ (نساء 4/113) لہٰذا مودودی اینڈ کمپنی کی مذکورہ بالا چاروں صورتیں محض تہمت ہیں۔

چوتھا قدم۔ قرآن کی ہمہ گیری پر مودودی کا ایک اور بیان جس سے مودودی اور قریش کا خودساختہ اسلام اور وہ چاروں تہمتیں شرمائیں۔

جیسا کہ ابھی ابھی آنحضرتؐ کے ایک ہمہ گیر معلم ہونے پر سورہ بقرہ کی آیت (2/151) کا حوالہ دیا گیا اور بتایا گیا کہ حضورؐ تمام مخاطبین کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ یعنی حضورؐ کے ان ساتھیوں میں جن سے معاذ اللہ مشورہ لینے اور اپنی رائے کو جن کے مقابلے میں غلط سمجھنے کا تذکرہ مودودی نے کیا تھا کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو حضورؐ سے زیادہ علم رکھتا یا آپؐ کی تعلیم کا محتاج نہ ہوتا۔ پھر ہم ابھی ابھی مودودی کا ایک بیان لکھنے والے ہیں جس میں وہ قرآن کی ہمہ گیری تسلیم کرتے ہیں۔ اور جسے پڑھتے ہوئے قارئین کو سوچنا اور تلاش کرتے جانا ہوگا کہ وہ کون سی بات کون سا موضوع کون سا ایسا مسئلہ ہوسکتا ہے جو اللہ نے رسولؐ اللہ کو قرآن میں نہ بتایا ہو اور حضورؐ کو اپنے جاہل ساتھیوں یا شاگردوں سے پوچھنا اور سیکھنا پڑتا ہو؟ جس کو نہ جاننے کی وجہ سے آنحضرتؐ مشورہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں؟ علامہ کا بیان سنئے۔

1) آنحضرتؐ کائنات کی ابتدا سے اس کے انجام تک اس میں گزرنے والی ہر بات کے عالم و معلم تھے۔

''۳۔ جس موضوع سے یہ کتاب (قرآن) بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک پوری کائنات پر حاوی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق و ناظم و مدبر کون ہے، کیا اس کی صفات ہیں، کیا اس کے اختیارات ہیں؟ اور وہ حقیقتِ نفس الامری کیا ہے جس پر اس نے یہ پورا نظام عالم قائم کیا ہے، وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک متشخص کر کے بتاتی ہے۔ کہ یہ اُس کا فطری مقام اور یہ اُس کی پیدائشی حیثیت ہے۔ جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور اس حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لئے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے۔ جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کیا ہیں۔ جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظامِ کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اُس کے وجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے اور صحیح راستہ، جو ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا، کس ذریعہ سے اس کو معلوم ہوسکتا ہے اور کس طرح ہر زمانہ میں اس کو بتایا جاتا رہا ہے؟ وہ صحیح راستے کی صرف نشاندہی کر کے نہیں رہ جاتی بلکہ اس راستے پر چلنے کے لئے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد، اخلاق، تزکیہ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، غرض حیاتِ انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور ان غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں رُونما ہونے والے ہیں وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرا عالم برپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے اس تغیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے، دوسرے عالم کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے، اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان

کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا، کس طرح اس کی دینوی زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہوگا، کن اُمور کی اس سے باز پُرس ہوگی، کیسی ناقابل انکار صورت میں اس کا پورا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، کیسی زبردست شہادتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی، جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے، جزا پانے والوں کو کیسے انعامات ملیں گے، اور سزا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے، اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کہا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اُس کا مصنف کچھ صغریٰ اور کبریٰ جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا براہ راست علم رکھتا ہے، اُس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے، تمام حقائق اس پر عیاں ہیں کائنات پوری کی پوری اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، نوع انسان کے آغاز سے اس کے خاتمہ تک ہی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد بھی اس کی دوسری زندگی تک وہ اس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے، اور قیاس وگمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی راہنمائی کر رہا ہے، جن حقائق کو علم کی بنیاد پر وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا، جو تصور کائنات وانسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر و واقعات کی مکمل توجیہہ کرتا ہے اور ہر شعبہ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فلسفہ وسائنس اور علوم عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس کے کلام میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل مربوط اور جامع نظامِ فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو راہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں ہے بلکہ چودہ سو سال سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اس کتاب کے مقابلہ میں لایا جا سکتا ہو؟'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 176-177)

اب قارئین سوچیں کہ ایسی کتاب کے عالمؑ ومعلمؑ کے سامنے انسانی زندگی اور انسانی ضروریات پر یا کائنات اور کائناتی مخلوقات پر وہ کون سا سوال آنا ممکن ہے کہ جسے وہ نہ جانتا ہو؟ اور جس کے لئے وہ خود اپنے جاہل شاگردوں سے مشورہ کر کے معلوم کرنے پر مجبور ہو جائے؟ اور جب کہ اس کے سامنے وہ تمام مادی پردے بھی ہٹا دیئے گئے ہوں؟۔

<u>2</u>) <u>اس کتاب کو من وعن منشائے خداوندی کے مطابق سمجھانے، عمل کر کے دکھانے والے کی احتیاج تھی۔</u>

جس کے بغیر یہ کتاب بے کار محض ہو کر رہ جائے۔ سنئے مودودی نے حضورؐ کی اہمیت یوں بیان کی ہے کہ:

''اس طرح اللہ تعالیٰ نے وہ حکمت بیان کر دی ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ لازماً ایک انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے۔ ذِکر (قرآن۔ احسن) فرشتوں کے ذریعہ سے بھی بھیجا جا سکتا تھا۔ براہِ راست چھاپ کر ایک ایک انسان تک بھی پہنچایا جا سکتا تھا۔ مگر محض ذکر بھیج دینے سے <u>وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا</u> جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت اور ربوبیت اس کی تنزیل کی متقاضی تھی۔ <u>اس مقصد کی تکمیل کے لئے ضروری تھا</u> کہ اس ''ذکر'' کو <u>ایک قابل ترین انسان لے کر آئے</u>۔ وہ اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرے جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے اس کا مطلب سمجھائے۔ جنہیں کچھ شک ہو ان کا شک رفع کرے۔ جنہیں کوئی اعتراض ہو ان کے اعتراض کا جواب دے۔۔۔۔ جو مان لیں انہیں زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات دے، ان کے سامنے خود اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرے، اور ان کو انفرادی واجتماعی تربیت دے کر ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سوسائٹی کو بطور مثال رکھ دے جس کا پورا اجتماعی نظام ''ذکر'' کے منشا

کی شرح ہو'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 543)

یہ وہ مقام ہے جہاں علامہ کو لکھنا چاہئے تھا کہ: ''اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے سمجھ لے اور اپنی غلط رائے کی اصلاح کر لے۔ یا جو بات اللہ سے اس کتاب میں رہ گئی ہو اس کو اپنے قیاس و اجتہاد سے پوری کر لے تاکہ جب اللہ دیکھے کہ میری پیدا کردہ خامی کی بنا پر رسوؐل غلط فیصلہ ٹھونسے دے رہا ہے۔ تو فوراً وحی بھیج کر وہ فیصلہ کتاب میں بڑھا دے جو پہلے غلطی سے رہ گیا تھا۔ بہرحال ایک مقام اور دیکھیں۔

3) وہ رسوؐل کیسے جہلا کے مشورے کا محتاج اور غلط فیصلہ کرنے والا ہوسکتا ہے جو ملکوت السماوات والارض کا عالم ہو؟

''اصل بات جو معراج کے سلسلے میں سمجھ لینی چاہئے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے منصب کی مناسبت سے ملکوت السمٰوت والارض کا مشاہدہ کرایا ہے اور مادی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کیئے گئے تھے، تاکہ ان کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالکل ممیز ہو جائے۔ فلسفی جو کچھ بھی کہتا ہے قیاس و گمان سے کہتا ہے۔ وہ خود اگر اپنی حیثیت سے واقف ہو تو کبھی اپنی کسی رائے کی صداقت پر شہادت نہ دے گا۔ مگر انبیاءؑ جو کچھ کہتے ہیں وہ براہ راست علم اور مشاہدہ کی بنا پر کہتے ہیں۔ اور وہ خلق کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 590) اور سنئے:

''انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ کا جو معاملہ ہے، اُسے اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، تو کسی کھینچ تان کی ضرورت پیش نہیں آسکتی۔ عام اہل ایمان کو اس زندگی میں جو خدمت انجام دینی ہے، اس کے لئے تو محض ایمان بالغیب (بن دیکھے ماننا) کافی ہے لیکن انبیاءؑ کو جو خدمت اللہ نے سپرد کی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھ لیتے جن پر ایمان لانے کی دعوت انہیں دنیا کو دینا تھی۔ ان کو دنیا سے پورے زور کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ تم لوگ تو قیاسات دوڑاتے ہو، مگر ہم آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں۔ تمہارے پاس گمان ہے اور ہمارے پاس علم ہے، تم اندھے ہو اور ہم بینا ہیں۔ اسی لئے انبیاءؑ کے سامنے فرشتے عیاناً آئے ہیں، ان کو آسمان اور زمین کے نظام حکومت (ملکوت) کا مشاہدہ کرایا گیا ہے ان کو جنت و دوزخ آنکھوں سے دکھائی گئی ہے۔ اور بعثت بعد الموت کا ان کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا گیا ہے'' (تفہیم القرآن جلد صفحہ 202)

قارئین غور کریں کہ مودودی اور قریشی علما ایسے عظیم الشان رسوؐل کے لئے یہ مانتے اور منوانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے اندھے اور جاہل ساتھیوں سے مشورہ کر کر کے صحیح بات کہیں اور قیاسات اور گمان سے مسائل گھڑیں اور غلطی پر پکڑے جائیں۔ **لعنتہ اللّٰہ علیٰ الکاذبین۔**

پانچواں قدم۔ مودودی آنحضرتؐ کے ان اجتہادی فیصلوں کو بھی برحق مانتے ہیں جو اللہ کی مرضی کے اور پسند کے خلاف تھے۔

مودودی نے لکھا تھا کہ:

1) ''آپؐ کا ہر وہ قول و فعل وحی کے مطابق نہ تھا جس کے صادر ہونے کے بعد اللہ نے اس کے خلاف ہدایت نازل فرمائی ہو'' (جملہ نمبر 24)

اور یہ بھی لکھا کہ:

2) رسوؐل اللہ کی زبان مبارک سے کوئی بات کبھی خلافِ حق نہیں نکلتی تھی'' (جملہ نمبر 39) یہ بھی فرمایا تھا:

3) ''جہاں آپؐ کا اجتہاد ذرا سا بھی اللہ کی پسند سے ہٹا ہوا ہوتا تھا وہیں فوراً وحی جلی سے اس کی اصلاح کر دی گئی ہے'' (جملہ نمبر 31)

اور یہ بھی مانا ہے کہ:۔

4) ''ہر وقت اور ہر حال میں آپؐ کے اقوال وافعال ان حدود میں محدود رہتے تھے جو اللہ نے آپ کو بتادی تھیں اس لئے کہ درحقیقت وحی کا نور اُن میں بھی کارفرما رہتا تھا'' (جملہ نمبر 40-41)

ہم نہیں جانتے کہ اس صورت حال میں اللہ کو برحق کہیں یا اللہ کے رسولؐ کو حق پر قرار دیں۔ ہمارے لئے اور قارئین کے لئے اللہ ورسولؐ میں تفریق کرنا تو کفر ہے البتہ ہم علامہ مودودی اور ان کے مذہب کو باطل قرار دینا واجب سمجھتے ہیں۔

<u>چھٹا قدم۔ اللہ نے مَا یَنۡطِقُ فرما کر رسولؐ کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو ہر کلام کو مُنَزَّل مِنَ اللّٰہ وحی فرمایا اور مودودی نے حدیث سے مان لیا۔</u>

قارئین نوٹ کریں مودودی ہی نہیں بلکہ ابوبکر وعمر اور تمام قریشی علما کا کسی بات کو ماننا بھی عوام کو فریب دینے کے لئے ہوتا ہے اور کسی بات کا انکار بھی وہ دھوکا دینے ہی کے لئے کرتے ہیں یعنی نہ اُن کا ایمان قابلِ اعتماد ہے نہ اُن کا انکار قابل بھروسہ ہے۔ اُن کا مقصد ومذہب لوگوں کو گمراہ کرنا، فریب دینا اور دین کے نام پر حکومت کرنا اور غربا کا استحصال کرنا ہوتا ہے۔ جہاں اُن کا یہ مقصد ایمان کا اعلان کرنے سے حاصل ہوتا ہے وہاں نہایت موزوں انداز میں ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہ مقصد اگر انکار وکفر سے حاصل ہوتا ہو وہاں انکار اور کفر کے حربے بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ سنئے کہ اس ناہنجار نمبری بیان کے آخر میں مانتے ہیں کہ:

<u>1) رسولؐ اللہ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ حقِ محض یا خالص ہوتا ہے۔</u>

''یہی بات ہے جو بعض صحیح احادیث میں رسولؐ اللہ سے منقول ہوئی ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو ھریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک موقع پر حضورؐ نے فریا: لَا اَقُوۡلُ اِلَّا حَقًّا ''میں کبھی حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا'' (جملہ نمبر 42-43)

یعنی جس طرح اللہ نے حضورؐ کی ہر ہر بات کا وحی ہونا فرمایا تھا اُسی طرح رسولؐ نے وہی دعویٰ کیا جو اللہ نے کیا تھا۔

<u>2) رسولؐ اللہ کی ہر بات بہر حال برحق اور وحی ہوتی تھی خواہ ہنسی مذاق میں فرمائیں یا غصے میں۔</u>

جوں جوں علامہ اپنے اس طویل اور ابلیسی بیان کے خاتمہ کی طرف بڑھتے آئے ہیں ان پر حق گوئی کا دورہ تیز تر پڑتا گیا ہے لکھتے ہیں کہ:

''کسی صحابی نے عرض کیا۔ فَاِنَّکَ تَدَاعِبُنَا یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ (د۔ع۔ب) مادہ ہے (دعب۔ مذاق کیا اس مذکر نے) ''یارسولؐ اللہ کبھی آپ ہم لوگوں سے ہنسی مذاق بھی تو کر لیتے ہیں'' فرمایا ''اِنِّیۡ لَا اَقُوۡلُ اِلَّا حَقًّا'' فی الواقع میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا'' (جملہ نمبر 44-45)

<u>3) آخری بات یہ کہ قریش مناسب ترین مقامات اور بہانے تیار کر رہے تھے جن میں رسولؐ اللہ سے غلط بات صادر ہوجانا لوگ آسانی سے مان لیں</u>

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غلطی، لغزش خطا بھول چوک وغیرہ کا سرزد ہونا قرآنی تعلیمات اور عقلی دلائل سے ناممکن تھا۔ جس کی بنا پر ان کی جانشینی کے لئے بھی عملی عصمت اور علم القرآن لازم تھے۔ اور قریش نے طے کر لیا تھا کہ آنخضرتؐ کے بعد وہ خلافت ہرگز خاندان رسالت میں نہ جانے دیں گے۔ (الفاروق حصہ اول صفحہ 103 اور تاریخ طبری) لہٰذا ان کے لئے ضروری ہوا کہ وہ ایسی تاریخ وروایات تیار کر کے بعد کے زمانے والوں تک پہنچائیں جس میں رسولؐ سے غلطیاں ممکن ہوں اور غلطیاں سرزد ہونا ثابت ہوجائے۔

چنانچہ قریشی ماہرین نے اپنے معیار پر رسولؐ اللہ کو بھی رکھ لیا جیسے عموماً لوگ ہنسی مذاق میں بے معنی اور غلط باتیں کر لیتے ہیں۔ یا غصے کی حالت میں بکواس جائز سمجھتے ہیں خود کو بھی گالیاں دے لیتے ہیں۔ لہٰذا وہ صحابی یقیناً قریشی تھا جس نے مندرجہ بالا حدیث میں یہ خیال ظاہر کر دیا کہ

ہنسی مذاق کو وحی کی ماتحتی سے خارج کیا جا سکتا ہے لیکن حضوؐر نے بات کھول دی۔اسی طرح مندرجہ ذیل حدیث سے اس سازش کا پتہ چلتا ہے جو قریشی لیڈروں نے اپنی قوم میں پھیلا دی تھی سنئے مودودی لاشعوری میں راز کھولتے ہیں:

''مسند احمد بن حنبل اور ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جو کچھ بھی رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتا تھا وہ لکھ لیا کرتا تھا۔تاکہ اُسے محفوظ کرلوں قریش کے لوگوں نے مجھے اِس (لکھنے) سے منع کیا اور کہنے لگے تم ہر بات لکھتے چلے جاتے ہو حالانکہ رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرما دیتے ہیں۔اس پر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔بعد میں اس بات کا ذکر میں نے حضوؐر سے کیا تو آپؐ نے فرمایا:اُكْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّیْ اِلَّا الْحَقّ'' لکھے جاؤ۔اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلتی ہے''(جملہ نمبر 46 تا 50)(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 193-195)

<u>آخری قدم۔چونکہ رسوؐل کی عصمت وعلم کو قریش نے چھپانا تھا اور انہیں اپنے ایسا خاطی اور جاہل دکھانا تھا اس لئے حدیث رسوؐل کا لکھنا اور بیان ممنوع ٹھہرا۔</u>

ہم سابقہ خطبات میں عموماً اور خطبہ تین کی تشریح میں خصوصاً ثابت کر چکے ہیں کہ ابوبکر وعمر نے حدیث کے لکھے ہوئے نسخے جلائے احادیث بیان کرنے پر پابندی اور سزا مقرر کی،سزائیں دیں لوگوں کو قید کیا۔صحابہ کو مدینہ میں نظر بند رکھا۔حد یہ ہے کہ ابوھرؓیرہ نے ایک خاص قسم کی احادیث بیان کرنے کی سزا،سر کا قلم کر دیا جانا بتائی ہے(بخاری) یہ سب اس لئے کیا گیا کہ آنحضرؐت اور آنحضرؐت کے جانشین علیؑ مرتضیٰ کی عصمت وعلم آگے بڑھ کر لوگوں تک نہ پہنچنے پائے اور ساتھ ہی ایسی احادیث تیار کرائیں جن سے آنحضرؐت اور علی علیہما السلام سے عصمت وعلم غیب کی نفی ہوتی رہے اس اصول کو عام کرنے کے لئے قریش حدیث لکھنے والوں کو منع کرتے تھے اور عذر وہی تھا کہ آنحضرؐت <u>انسان ہیں</u>۔<u>ہنسی مذاق</u> بھی کرتے ہیں ''<u>غصہ بھی کرتے ہیں</u>'' گھریلو کھانے پکانے کی <u>باتیں بھی کرتے</u> ہیں،جو ہرگز وحی نہیں ہو سکتی۔افسوس ہے کہ:

<u>(6۔ھ)اللہ کی پوزیشن جس تصور یا عقیدے سے بگڑتی ہو وہ تصور اور عقیدہ یقیناً باطل ہے۔اللہ ہر چیز سے قریب ہے تو رسوؐل سے قریب کیوں نہیں</u>

جیسا کہ چوتھے عنوان میں عرض کیا گیا ہے کہ اللہ اور محمدؐ کے مابین فرق اور جدائی سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اللہ ہر جگہ نہیں ہے اور اسے کہیں دور سے وحی اور جبرئیلؑ کو بھیج کر رسوؐل اللہ سے رابطہ رکھنا پڑتا ہے۔حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِO(قٓ 50/16)

<u>مودودی ترجمہ</u> ''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں اُبھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں''(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 116)

<u>علامہ کی تشریح:</u> یعنی ہماری قدرت اور ہمارے علم نے انسان کو اندر اور باہر سے اسی طرح گھیر رکھا ہے کہ اس کی رگِ گردن بھی اس سے اتنی قریب نہیں ہے جتنا ہمارا علم اور ہماری قدرت اس سے قریب ہے اس کی بات سننے کیلئے ہمیں کہیں (دور) سے چل کر نہیں آنا پڑتا اس کے دل میں آنے والے خیالات تک کو ہم براہ راست جانتے ہیں اسی طرح اگر اسے پکڑنا ہوگا تو ہم کہیں سے آکر اس کو نہیں پکڑیں گے وہ جہاں بھی ہے ہر وقت ہماری گرفت میں ہے جب چاہیں گے اُسے دھر لیں گے''(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 116-117)

سوچئے کہ اللہ ہر انسان کے دل ودماغ وجسم پر محیط اور قادر ہے تو محمدؐ سے دُور کیوں ہوگا؟ اور اسے اپنے رسوؐل کی دینی ضرورت واحتیاج

کا ضرورت واحتیاج پیدا ہونے سے پہلے ہی علم کیوں نہ ہوگا؟ اور جب علم ہوگا! تو وہ اپنی پسند کا حکم بتانے میں اس وقت تک دیر کیوں کرتا رہے گا جب تک رسولؐ اُلٹا سیدھا قیاس وگمان لگا کر غلط اجتہادی حکم نہ دے لے؟ کیا اللہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے رسولؐ سے ضرور غلطیاں ہوا کریں اور لوگوں کی نظر میں اس کا اعتماد واحترام کم ہوتا چلا جائے؟ لہٰذا یہ تصورات وعقائد باطل ہیں بلکہ حقیقت وہی ہے جو اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔رسولؐ اللہ کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اللہ کی وحی ہوتی ہے'' (نجم 4-53/3)

اور اسی حقیقت کو آنحضرتؐ نے یوں بیان فرمایا تھا کہ: اُكْتُبْ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَاخَرَجَ مِنِّيْ اِلَّا الْحَقّ

''تم بے دھڑک لکھے جاؤ میری ذات ایسی ذات کے قبضہ قدرت میں ہے کہ مجھ سے جو کچھ بھی نکلے وہ الحق کے سوا کچھ نہ ہوگا''

اور یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ محمدؐ کی زبان اللہ کی زبان وترجمان ہو اور محمدؐ کا ارادہ اور منشاء اللہ کا ارادہ اور منشا ہو اور محمدؐ کی سوچ رضائے الٰہی ومشیتِ خداوندی میں سے گزرتی ہو۔ اور محمدؐ کے کام اللہ کے کام ہوں ورنہ محمدؐ کی سو فیصد اطاعت واجب نہیں ہوسکتی اور محمدؐ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی نہیں ہوسکتی۔ جب کہ اللہ نے یہی فرمایا ہے۔ اور اس صورت حال کا تقاضا ہے کہ جبرئیلؑ اور وحی کہیں دور سے نہ آتے ہوں بلکہ یہ وہ وسائل ووسائط ہوں جو اللہ اور محمدؐ میں مستقل و پیہم رابطہ رکھتے ہوں۔ یہ ہماری کمزوری وخامی ہے کہ ہماری زبان میں وہ آسان الفاظ نہیں ہیں جو حقیقت واقعی کو محسوس کرا سکیں اس لئے ہم اس مقصد کے لئے الفاظ جبرئیلؑ اور وحی ہی کو استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن یہ ہرگز ماننے کے بات نہیں ہے کہ اللہ وحی اور جبرئیلؑ کو محمدؐ اور محمدؐی ماحول سے کہیں دور رکھا یا سمجھا جائے۔ مودودی نے اپنے اس طویل وفریب کارانہ بیان میں خود لکھا ہے کہ:

1) ''آپؐ کی حیثیت مرضی الٰہی کے نمائندے کی تھی'' (جملہ 28)

2) آپؐ کی حیثیت، درحقیقت قرآن کے سرکاری ترجمان اور اللہ کے نمائندہ مجاز کی تھی'' (جملہ 6)

رسولؐ اللہ کی شان میں یہ یا ایسے ہی اور الفاظ مودودی اینڈ کمپنی اس لئے استعمال نہیں کرتی کہ وہ انہیں حقیقت سمجھتی ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو دھوکا دینے اور یہ باور کرانے کے لئے استعمال کرتی ہے کہ وہ علامہ وغیرہ کو مسلمان اور مسلمانوں کے علما سمجھتے رہیں۔ لیکن وہ ان الفاظ کو استعمال کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''اللہ کی مرضی کا نمائندہ'' لکھ گئے اور ہمارے لئے ان کے قلم سے اتنا ہی کافی ہے۔ لیکن اللہ کی مرضی کا نمائندہ تو وہی شخص ہوسکتا ہے جو اللہ کی مرضی اور رضا کا علم رکھتا ہو۔ جو ہر حال میں اور ہر وقت یہ جانتا ہو کہ اس وقت اور اس معاملہ میں اللہ کی مرضی کیا ہے؟ یعنی وہ شخص اللہ کی مرضی کا نمائندہ ہرگز نہیں ہوسکتا جس سے اللہ کی مرضی پوشیدہ رہ جائے۔ یعنی اللہ کی مرضی کچھ اور ہو اور وہ کچھ اور سمجھ جائے۔ اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ اللہ محمدؐ کی مرضی کو اپنی مرضی بنالے اور فرمادے کہ:۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَO (تکویر 81/29)

وَمَاتَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًاحَكِيْمًاO (دھر 76/30)

علامہ رفیع الدّین کا ترجمہ: ''اور نہیں چاہتے تم مگر یہ کہ چاہے اللہ پروردگار عالموں کا'' اور ''اور نہیں چاہتے تم مگر یہ کہ چاہے اللہ تحقیق اللہ ہے جاننے والا حکمت والا'' (ترجمہ صفحہ 703،711)

ان دونوں آیات میں جو حضراتؐ اللہ کے مخاطب ہیں ان کے لئے اللہ نے یہ فیصلہ کردیا کہ ان کا کسی بات کو یا کسی کام کو چاہنا یا نہ چاہنا اللہ کے چاہنے اور نہ چاہنے کے ماتحت ہے۔ یہاں یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ ان دونوں آیات میں مضارع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی مَاتَشَاءُ وْنَ

''نہ تم چاہتے ہو اور نہ چاہو گے'' اور اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہ ''جب تک اللہ نہیں چاہتا۔ اور جب تک اللہ نہ چاہے گا'' مطلب یہ کہ اللہ نے زمانہ حال اور مستقبل دونوں کے لئے ذمہ داری لی ہے یعنی آج بھی تم جو کچھ چاہتے ہو وہ اس لئے چاہتے ہو کہ اللہ چاہتا ہے۔ اور کل یا آئندہ بھی تم جب ہی چاہو گے جب پہلے اللہ چاہے گا۔ معلوم ہوا کہ یہ وہ حضرات ہیں جو اپنے چاہنے اور نہ چاہنے میں مختار نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر یہ جاننا ہو کہ فلاں بات یا کام اللہ چاہتا ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ فلاں بات یا کام اللہ کو پسند ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ فلاں بات یا کام اللہ کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں؟ تو ان حضرات کے چاہنے یا نہ چاہنے کو پسند یا ناپسندیدگی کو، اور مرضی یا نارضامندی کو معلوم کرلو تو اللہ کا چاہنا یا پسند کرنا یا مرضی معلوم ہو جائے گی۔ اور یہی مطلب اور تفصیل ہے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ کی مرضی کے نمائندہ ہونے کی۔

قارئین نوٹ کریں کہ ہم ان تفصیلات میں اس لئے جا رہے ہیں کہ قریشی علما نے رسولؐ اللہ کی ایک مکمل ذات کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے حضورؐ کی پوزیشن کو مشکوک کیا ہے ورنہ آپؐ ایک مکمل اور مستقل نمائندۂ خداوندی ہیں نہ صرف اللہ کی مرضی کے نمائندہ بلکہ اللہ کی ہر ہر صفت و کمال وقدرت کے نمائندہ ہیں۔ ان کا وجود ہی ظہورِ خداوندی کا ذریعہ بنا تھا۔ ان ہی کی تخلیق سے اللہ خالق بنا۔ ان کی بقا اور ترقی کا سامان کرنے کی وجہ سے رازق اور رب کہلایا۔ ان کی عبادت نے اللہ کو معبود اور اِلٰہ بنایا۔ الغرض آج جو کچھ اللہ کے متعلق نوعِ انسان کو معلوم ہے وہ تمام معلومات محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملائکہ، ارواح، جنات اور انسانوں میں پھیلی ہیں۔ اور اس پورے خدائی منصوبے کو یوں ظاہر کیا گیا تھا کہ:

''میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ مجھے پسند آیا کہ میں ظاہر ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے اپنے ظہور کے لئے اے محمدؐ تمہیں پیدا کر دیا''۔

اور کائنات کیلئے فرمایا تھا کہ: ''اگر اے محمدؐ تو موجود نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا'' (لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَ فْلَاک)۔

(6۔و) نورِ محمدیؐ باعث و دلیلِ تعارفِ خداوندی ہے باعث وذریعہ تخلیق وربوبیت کائنات وموجودات ہے وہی ظاہر وباطن اور مظہر العجائب ہے۔

ہم نے اللہ کی اس حیران کن عجیب ترین وعظیم ترین مخلوق کو سمجھنے اور سمجھانے میں ساری زندگی گزار دی ہے جسے اللہ نے محمد واحمد کے نام سے پیش کیا اور جس کو محمدؐ (بہت تعریف شدہ) ثابت کرنے کے لئے اپنا اور ملائکہ کا وطیرہ بنالیا کہ ہر لحہ ان پر حمد وثنا اور صلوٰۃ وسلام و درود بھیجنے اور بھجوانے میں لگے رہیں (سورہ احزاب 33/56) اللہ نے اللہ ہوتے ہوئے اپنی ایک مخلوق کی یہ عظیم ترین وطویل ترین ولا انتہا حمد وثنا اور قدر افزائی کیوں اختیار کی؟ جس طرح اپنے لئے صلوٰۃ کو واجب کیا تھا اسی طرح وہی لفظ صلوٰۃ محمدؐ وآل محمدؐ کے لئے کیوں واجب کیا تھا یہاں تک کہ اپنی صلوٰۃ کو اس وقت تک قبول ہی نہیں کرتا جب تک اس میں محمدؐ وآل محمدؐ کو شریک وشامل نہ کیا جائے؟ اس سوال کا جواب ایک تو وہی ہے کہ محمدؐ کا ایک نام احمدؐ رکھا تھا یعنی وہ ہستی جس نے اس کائنات کی تمام مخلوقات سے زیادہ اللہ کی حمد کی ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ خود حمد خداوندی کو حد کمال تک پہنچایا بلکہ انہوں ہی نے حمد خداوندی ملائکہ اور دیگر مخلوق تک پہنچائی اور سکھائی تھی۔ اور دوسرا جواب پہلے جواب کی تشریح میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنئے:

نورِ محمدیؐ اور اجزائے نورِ محمدیؐ کا اللہ اور کائنات سے تعلق۔

امامؑ نے سنایا کہ ایک وہ وقت تھا جب اللہ نے محمدؐ سے فرمایا کہ میں نے اپنا عرش وسماوات اور زمین وسمندر پیدا کرنے سے پہلے تجھےؐ اور علیؑ کو ایک نور کی صورت میں پیدا کیا تھا۔ چنانچہ تم دونوں مسلسل بلا ناغہ میری عظمت اور تقدیس ویکتائی ومعبودیت کا اعلان کرتے رہے پھر میں نے تم دونوں کی روحوں کو جمع کر کے ایک جسم بنا دیا۔ چنانچہ اس یگانگت کی حالت میں بھی تم میری تمجید وتقدیس اور یکتائی اور معبودیت کی تسبیح کرتے چلے گئے۔ پھر میں نے اس یگانہ ہستی کو دو حصوں میں کر دیا اور دو سے چار حصوں میں تقسیم کر کے انہیں چار بنا دیا جن میں

سے ایک محمدؐ ایک علیؑ اور حسنؑ اور حسینؑ دو۔ پھر اللہ نے فاطمہؑ کو الگ نور سے بلا بدن، روح کی صورت میں پیدا کیا۔ پھر اللہ نے اپنے دستِ راست سے ہمارا مسح کیا اور ہمارے اندر اپنا نور داخل کر دیا''۔

عَنْ اَبی عبد اللّٰہ علیہ السلام قال :قالَ اللّٰہُ تبارک وتعالیٰ:یا محمدؐ اِنّی خَلَقْتُکَ وَعَلِیًّا نُوْرًا یعنی روحاً بلا بدن قَبْلَ اَنْ اَخْلَقَ سَمَاواتی واَرْضِیْ وَعَرْشی وَبَحْرِی، فَلَمْ تزل تَھَلّلَنِی وَتُمَجّدُنی،ثُمَّ جَمَعْتُ رُوْحَیْکُمَا فَجَعَلْتُھُمَا وَاحِدَۃً فَکَانَتْ تَمَجّدَنِی وَتَقَدّسَنِی وَتَھلّلَنِی ،ثُمَّ قَسَمْتُھَاثِنْتَیْنِ وَقَسَمْتُ الثِّنْتَیْنِ ثِنْتَیْنِ فَصَارَتْ اَرْبَعَۃً:محمدٌ وَّاحِدٌ وَّعَلِیٌّ وَّاحِدٌ وَّالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ ثِنْتَانِ ؛ثُمَّ خَلَقَ اللّٰہُ فَاطِمَۃً مِنْ نُوْرٍ ابْتَدَاھَارُوْحًا بِلَا بَدَنٍ،ثُمَّ مَسَحَنَا بِیَمِیْنِہٖ فَاَفْضٰی نُوْرَہٗ فِیْنَا۔(کافی کتاب الحجۃ باب مولد النبیؐ حدیث نمبر3)

تخلیق کائنات سے لامحدود زمانہ قبل محمدؐ اور اجزائے محمدؐ پیدا ہوئے، کائنات کی تخلیق پر گواہ اور اس کے حاکم بنائے گئے۔

یہ کائنات اور اس کے تمام متعلقات پنجتن پاک علیہم السلام کے سامنے اور کروڑوں سال بعد پیدا کیے گئے اور ان حضرات نے ہر چیز کی تخلیق کے تمام مراحل دیکھے تھے پھر کائنات کی ذمہ داری ان حضرات کو سپرد کی گئی تھی اور ہر مخلوق پر ان کی اطاعت واجب ہوئی تھی۔ سنئے:۔

عَن محمدبن سنان قال: کُنْتُ عِنْدَ اَبی جعفر الثانی علیہ السلام فَاَجْرَیْتُ اختلاف الشِّیْعَۃِ،فقال :یا محمد اِنَّ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ لَم یَزَلْ مُتَفَرِّدًا بِوَحْدَانِیَّتِہٖ ثُمَّ خَلَقَ محمدًا وعلیًّا وَفاطمۃً ،فَمَکَثُوْاالفَ دَھْرٍ ،ثُمَّ خَلَقَ جمیع الاشیآءِ، فَاَشْھَدَ ھُمْ خَلْقَھَا وَاَجْرٰی طَاعَتَھُمْ عَلَیْھَا وَفوَّضَ اُمُوْرَھَا اِلَیْھِمْ فَھُمْ یُحِلُّوْنَ مَایَشَاؤُوْنَ وَیُحَرِّمُوْنَ مَایَشاءُ وْنَ ولَنْ یَشَآؤُوْا اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ تبارک وتعالیٰ، ثمَّ قَالَ: یا محمّدھٰذِہِ الدِّیَانَۃُ الَّتِی مَنْ تَقَدَّمَھَا مَرَقَ ومَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا مَحَقَ وَمَنْ لَزِمَھَالَحِقَ،خُذْھَا اِلَیْکَ یا محمّد.'' (کافی کتاب الحجۃ باب مولد النبیؐ حدیث نمبر5)

''محمد بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا وہاں میں نے شیعوں کے عقائد میں اختلاف کا ذکر کیا تو فرمایا کہ ''اے محمد یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ برابر اپنی یکتائی کے عالم میں رہتا رہا پھر اس نے محمدؐ علیؑ اور فاطمہؑ کو پیدا کیا اور وہ حضرات ایک ہزار زمانوں تک موجود رہے۔ اس کے بعد اللہ نے تمام چیزوں کو پیدا کیا تھا اور ان سب کی تخلیق پر ان کو حاضر رکھا تھا اور ان کی اطاعت کو ساری مخلوقات پر لازم قرار دیا تھا اور تمام مخلوقات کے تمام کام ان حضرات کو تفویض کر دیئے تھے۔ چنانچہ وہ حضرات جو چاہتے ہیں اس کو حلال (یعنی قابل عمل ومفید) قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے ہیں حرام (یعنی ناقابل ومضر) کر دیتے ہیں۔ اور جب تک پہلے اللہ نہ چاہے وہ ہرگز کچھ چاہتے ہی نہیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ اے محمد یہ ہے وہ دین کہ اس سے آگے بڑھنے والا حق سے خارج ہے اور اس سے پیچھے رہ جانے والا (حرف غلط کی طرح) مٹ جاتا ہے۔ اور جو اسے اپنے اوپر لازم کرلے وہ وابستہ اور ملحق ہو جاتا ہے۔ اے محمد اسے سمجھ کر اختیار کر کے پلے میں باندھ لے''۔

(6۔ز) محمدؐ وعلیؑ اور ان کی اولادؑ سے ان کی نیابت کرنے والے گیارہ آئمہ معصومینؑ اور فاطمۃؑ الزہرا کے سامنے کائنات مطیع ومسخر ہے۔

مندرجہ بالا احادیث کی رو سے بھی وہ حدیث ثابت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

'' اَوَّلُنَا مُحمدٌ وَآخِرُنَامحمدٌ وَاَوْسَطُنَا محمدٌ وَکُلُّنَا محمدٌ۔ ہمارا اولین فرد بھی محمدؐ ہے اور آخری شخص بھی محمدؐ ہے۔ ہمارا درمیانی فرد بھی محمدؐ ہے اور ہم تو سب کے سب محمدؐ ہی ہیں۔ چنانچہ یہ چودہ حضرات ایک ہی نور کے مختلف ظہور ہیں۔ ایک کی مدح وثنا ان سب پر صادق آتی ہے۔

مادی صورتیں ملنے کے باوجود ان کی یگانگت اور قابلیت میں فرق نہیں آیا وہ برابر مخلوقات کے امور وانتظامات انجام دیتے رہے وہ سب اس قابلیت کے حامل تھے جو ہم نے مودودی کے قلم سے ان کی تشریحات میں دکھائی ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے یہ جملہ بھی لکھا تھا کہ:

1)''انہیں ملکوت السمٰوات والارض کا مشاہدہ کرایا ہے۔ اور مادی حجابات ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کئے گئے تھے''(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 590)

2)''لیکن جو خدمت اللہ نے انبیاؑء کو سپرد کی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھیں جن پر ایمان لانے کی دعوت انہیں دنیا کو دینا تھی۔۔۔ان کو آسمان اور زمین کے نظام حکومت (ملکوت) کا مشاہدہ کرایا گیا تھا''(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 202)

یہ اور اس کے ساتھ اور جو کچھ علامہ نے لکھا وہ مندرجہ بالا احادیث میں اس حد تک ثابت ہو گیا کہ حقیقتیں دکھانے ہی کی بات نہیں بلکہ ہر حقیقت ان حضرات علیہم السلام کی آنکھوں کے سامنے وجود میں لائی گئی، عرش وکرسی اور ملائکہ وارواح سماوات والارض جنت وجہنم ان کو حاضر رکھ کر پیدا کئے گئے تاکہ وہ تخلیق کے ہر ہر مرحلے پر عین الیقین حاصل کریں، تخلیق کے تکوینی وسائل وسامان وطریق تخلیق سیکھیں اور اگر ضرورت ہو تو (کم از کم حضرت عیسیٰؑ کی طرح) تخلیق کر کے دکھائیں۔ مُردوں کو زندگی بخشیں۔ اور اپنی اُمت میں جسے چاہیں تخلیقی قوانین وقدرت عطا کریں۔ کائناتی فطری قوانین سکھائیں اور تسخیر کائنات کی راہیں کھولیں۔ اور انسانوں کو زمین کی پستیوں سے بلند کر کے ہواؤں اور فضاؤں اور سیاروں وستاروں میں پہنچائیں۔ اور دیکھ لو کہ آج انسان کہاں سے کہاں پہنچا ہے۔ یہ سب ان لوگوں نے کیا جنہوں نے ثلاثہ اینڈ کمپنی کے قریش ساز اسلام کو بدترین کفر سمجھا اور ان کی ہر اس بات کی مخالفت کی جسے وہ اسلام کے نام پر فریب دینے کے لئے کہتے اور لکھتے رہے اور آج وہ اس کائنات کے مالکوںؑ کے توسط سے، اس سماوات وارض کے حکمرانوں سے نظام کائنات پر حکومت کرنا سیکھ رہے ہیں اور اللہ، رسوؐل اور قرآن سے دھوکا کرنے والے مسلمان اقوام عالم کے سامنے جاہل اور بھکاری اور لعنتی ہیں۔ ان کی نمازیں اور دن رات کی عبادتیں ان پر نت نئے عذاب نازل کرا رہی ہیں۔ خمینی اور اس کے خمینی وتخمینی مدمقابل ایک دوسرے کو اور اپنے سوا ساری دنیا کو کافر کہہ رہے ہیں اور ایک دوسرے سے دست وگریبان اور برسرِ جنگ ہیں۔ ہم ازراہِ دشمنی یہ نہیں کہتے کہ: ''مودودی اینڈ کمپنی مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے چند حقائق کا اقرار کرتے ہیں''۔

تحقیق کیلئے ان کے مندرجہ بالا دونوں جملوں میں دو مرتبہ دوہرائی ہوئی بات پھر سامنے لائیں یعنی:

1)''مادی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کئے گئے تھے''(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 590)

2)ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھیں جن پر ایمان لانے کی دعوت انہیں دنیا کو دینا تھی''(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 202)

مودودی، خمینی اور ان کے ہم مذہبوں کے عقائد پر مودودی کے ہاتھ سے ید الٰہی ضرب۔

قارئین ابھی تک نہیں سمجھے کہ وہ ضرب کیا ہے؟ ان جملوں میں ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے ہر اس حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا جن پر دنیا کے لئے یعنی مسلم کہلانے کے لئے ایمان لانا تھا۔ سوال یہ ہے کہ اسلام کی سب سے پہلی حقیقت جس پر سب سے پہلے ایمان لایا جاتا ہے۔ خود اللہ ہے۔ لہٰذا اگر مودودی اینڈ کمپنی کا اس پر ایمان ہے کہ:''تمام انبیاء علیہم السلام نے اللہ کو بے حجابانہ دیکھا تھا''

تو ہم اپنا یہ اعتراض واپس لے لیتے ہیں کہ''وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے بعض باتیں مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں''بہر حال ہمیں

علامہ کے عقائد اور ان کی تصنیفات پر عبور حاصل ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ محض فریب ساز ہیں کسی اسلامی عقیدے کو مستقلاً نہیں مانتے جہاں جو بات مفید ہو وہ کہتے چلے جاتے ہیں۔

مودودی کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ کسی رسولؑ نے اللہ کو نہیں دیکھا۔

چنانچہ انہوں نے اسی سورہ نجم میں قرآن کی ہاں میں ہاں ملانا مفید سمجھا اور صاف الفاظ میں لکھ دیا کہ نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو دیکھا نہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا۔ سنئے:

''اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ افقِ اعلیٰ پر جس کو آپؐ نے پہلی دفعہ دیکھا تھا وہ بھی اللہ نہ تھا اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کو دیکھا وہ بھی اللہ نہ تھا اگر آپؐ نے ان مواقع میں سے کسی موقع پر بھی اللہ جل شانہ کو دیکھا ہوتا تو یہ اتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اس کی تصریح کر دی جاتی۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی درخواست کی تھی اور انہیں جواب دیا گیا تھا کہ:۔ لَنْ تَرَانِی ''تم مجھے نہیں دیکھ سکتے'' (الاعراف۔143) اب یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ شرف جو حضرت موسیٰؑ کو عطا نہیں کیا گیا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا جاتا تو اس کی اہمیت خود ایسی تھی کہ اسے صاف الفاظ میں بیان کر دیا جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا تھا'' (تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 201-202)

یہ وہی مودودی ہیں جو ہر اُس چیز کو بے حجابانہ دیکھ چکنے کے تمام انبیاءؑ کے لئے قائل تھے جس پر ایمان لانا تمام انسانوں پر واجب ہے انہوں نے اصرار و تکرار کے ساتھ دو نبیوںؑ، موسیٰؑ و محمدؐ سے اللہ کو دیکھنے کی نفی کی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

احادیث و روایات سے ثابت کیا ہے کہ محمدؐ نے اللہ کو نہیں دیکھا تھا ''اب رہیں وہ دوسری روایات جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں تو ان میں سب سے زیادہ وزنی روایتیں وہ ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ سے منقول ہوئی ہیں، کیوں کہ ان دونوں نے بالاتفاق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ ان دونوں مواقع پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا، اور یہ روایات قرآن مجید کی تصریحات اور اشارات سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہیں'' (تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 205-206) اس بحث میں علامہ نے ایسی بہت سے احادیث لکھی ہیں جن میں یہ ثابت ہے کہ حضورؐ نے اللہ کو دیکھا تھا۔ لیکن علامہ کو اس بحث میں انکار مفید معلوم ہو رہا ہے لہٰذا ان تمام احادیث میں عیب نکالتے اور انہیں رد کرتے چلے گئے (ملاحظہ فرمائیں صفحہ 201-206 حاشیہ نمبر 14)

مودودی انبیاءؑ کو خدا کی زیارت سے محروم کر کے ساری نوع انسان کو زیارت کراتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ علامہ کا ایمان (ماننا) بھی ناقابل اعتماد ہے اور ان کا انکار بھی فریب ہوتا ہے۔ اب اس کی آخری تصدیق کرنے کے لئے آپ سورہ قیامۃ کی آیت کا ترجمہ اور تشریح پڑھیں۔ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌO اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌO(75/22-23)

مودودی ترجمہ ''اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے'' (تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 171)

ان آیات کی تشریح میں علامہ نے بڑی لمبی چوڑی بحث کی ہے علما کو ڈانٹا ہے اور ثابت کیا ہے کہ تمام نیک وحق دار انسان اللہ کو کھلم کھلا دیکھیں گے (دیکھو صفحہ 172 تا 174 حاشیہ نمبر 17)

یہاں تک ثابت ہو گیا کہ قریش اور مودودی کا مذہب موقع شناسی اور فریب کاری ہے اور بس۔

(6۔ح) محمدؐ اور محمدؐ کے باقی تمام نورانی اجزاءؑ علیؑ فاطمہؑ اور تمام ہی آئمہ معصومینؑ کے سامنے یہ کائنات اور موجودات کفِ دست سے بڑے نہیں۔

جیسا کہ احادیث سے بھی ثابت ہوا ہے کہ محمدؐ پہلا ہو یا آخریؐ درمیانی ہو یا کوئی ساوہ سب محمدؐ ہیں ان کے سامنے حقائقِ کائنات وموجودات ومخلوقات اُسی طرح عیاں رہتے ہیں جس طرح آپ کی ہتھیلی آپ کے روبروعیاں ہے۔حدیث ملاحظہ ہو:

''جناب عبدالاعلیٰ بن اعین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''میں رسولؐ زادہ ہوں اور میں کتاب اللہ کا عالم ہوں قرآن میں تخلیق کی ابتدا سے قیامت تک جو کچھ ہونا ہے وہ سب کچھ مذکور ہے۔اس میں آسمانوں کی خبریں بھی ہیں اور زمین کی بھی خبریں موجود ہیں، اُس میں جنت کے حالات بھی ہیں جہنم کے بھی اور ان تمام واقعات کی خبریں بھی ہیں جو وقوع میں آچکے ہیں اور ان تمام واقعات کی خبریں بھی موجود ہیں جو قیامت تک وقوع میں آئیں گے اور میں یہ سب کچھ اُسی طرح جانتا ہوں گویا کہ جیسے میں اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں۔یقیناً اللہ نے بھی اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ اس قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے'' (نحل 16/89)

عَنْ عَبْدِالاعلیٰ بن اَعْیَن قال :سَمِعْتُ اَبَا عبدِاللّٰه علیه السلام یَقُول: قَدْ وَلَدَنِی رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلم وَاَنَا اَعْلَمُ کِتَابَ اللّٰهِ وَ فِیْهِ بَدْءُ الْخَلْق وَمَاهُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ القیٰمة وَفیه خبرُالسمآء وَخبرُالارض وخبرُ الجنة وخبرُ النَّاروَخبرُ مَاکَانَ وَخبرُمَاهُوَ کَائِنٌ،اَعْلَمُ ذٰلِکَ کَمَا اَنْظُر اِلٰی کَفِّی، اِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ فِیْهِ تِبْیَان کل شَیْءٍ(کافی کتاب فضل العلم بَابُ الرَّدِّ اِلَی الکتاب والسنة ...الخ.حدیث8)

(6۔ط) جس زمانے میں آنحضرتؐ پر قرآن کا تھوڑا تھوڑا کر کے وحی اور جبرئیل کے ذریعہ سے اُترنا مانا گیا ہے اس وقت بھی ازلی علما کے سینوں میں پورا قرآن تھا۔

قارئین یہ نوٹ کریں کہ قریشی ماہرین سیاسیات ومذہبیات نے سیاسی اور مذہبی حربوں سے بچنے کے لئے رسولؐ،قرآن اور نزول قرآن کے متعلق بہت سے پہلو اختیار کئے ہیں تاکہ جب تبلیغ اسلام کا متعلقہ مرحلہ پبلک کے سامنے آجائے اور لیڈروں کے ہاتھ سے اعتراض کا موقع نکل جائے تو حقیقت واقعی سامنے رکھ دی جائے اور حفظِ ماتقدم کے لئے اختیار کردہ پہلو نظرانداز ہو کر رہ جائے۔اس سلسلے میں ایک دو آیات پر غور کیجئے جن میں مندرجہ بالا صورتِ حال اور حفظِ ماتقدم کے لئے ایک احتیاطی اقدام کی بات ہو رہی ہے اور سیاسی ومذہبی لیڈروں کے وجود کا پتہ بھی ملتا ہے۔

وَکَذٰلِکَ اَنزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُونَ بِهٖ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ O وَمَاکُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ Oبَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِالَّذِیْنَ اُوْتُواالْعِلْمَ وَمَایَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَO(49 تا29/47 سورہ عنکبوت)

''اوراُسی طرح ہم نے اے نبیؐ تیری طرف مکمل کتاب نازل کی ہے چنانچہ جن لوگوں کو درحقیقت یہ مکمل کتاب دی گئی ہے وہ تو اس پر ایمان رکھتے ہی ہیں اور ان اہل مکہ میں سے بھی کچھ لوگ ایمان لاتے جاتے ہیں اور حق چھپانے والوں کے علاوہ اور کوئی بھی تو ہماری آیات کی سوچی سمجھی تردید نہیں کرتا۔اے رسولؐ اب تو تم قرآن کا لکھنا اور پڑھنا جاری کئے ہو مگر اس سے پہلے نہ تو تم قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتے تھے اور نہ ہی اپنے دہنے ہاتھ سے قرآن میں سے کچھ لکھا کرتے تھے۔اگر تم ایسا کرتے تو فوراً حق کے مخالف منصوبہ سازشش وپنچ پھیلا دیتے۔اور یوں تو قرآن ان لوگوں کے سینوں میں آیت وار موجود ہے جن کو ہم نے ہمہ گیر علم دیا ہوا ہے۔اوران لوگوں کے دلوں میں آیات کی موجودگی کی

جانی بوجھی تردید وہی لوگ کرتے ہیں جو قرآن کے خالص احکام نافذ کرنے کے مخالف ہیں (مائدہ 5/44,45,47)''
یہ تینوں آیات چند حقائق واضح الفاظ میں قارئین کے سامنے رکھتی ہیں جو سب کے سب اس پروپیگنڈے کے مخالف ہیں جو قریشی حکومتوں نے قرآن کے واضح بیانات سے ہٹ کر جاری رکھا ہے اور تمام اہل قلم حضرات کو غلط راہوں پر ڈالا ہے۔لہٰذا وہ حقائق پڑھئے اور ان آیات (49 تا 29/47) کے الفاظ سے تصدیق کرتے جایئے اور جو خیالات مذکورہ پروپیگنڈے کی بنا پر دل میں آئیں ان کی تائید کے لئے قرآن کی آیات کا مطالبہ کیجئے انشاءاللہ والا مام علیہ السلام انہیں قرآن سے کوئی بھی تائید نہ ملے گی۔اور مندرجہ ذیل حقائق کی سارا قرآن تائید کرے گا۔

(6۔ی) آیات (49 تا 29/47) میں مذکور حقائق

پہلی حقیقت:۔قرآن ایک مکمل کتاب کی صورت میں آنحضرتؐ کی طرف بھیجا گیا تھا نہ کہ تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا تھا۔

دوسری حقیقت: جن حضراتؑ کے لئے یہ مکمل کتاب دی گئی تھی وہ تو سب کے سب اُس پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہی تھے اور برابر مسلسل ایمان رکھتے چلے جائیں گے (یُؤْمِنُوْن مضارع)

تیسری حقیقت: صاحبانِ قرآن کے علاوہ اھل مکہ میں سے بھی کچھ اُس کتاب پر ایمان رکھتے تھے اور ایمان رکھتے جانے والے تھے (مضارع)

چوتھی حقیقت: اُس وقت صرف وہ لوگ اُس مکمل اور پوری کتاب کی سوچی سمجھی اور جانی بوجھی ذاتی مصلحت کے ماتحت مخالفت کررہے تھے جن کا کام ہی حقائق کو چھپاتے رہنا ہے۔

پانچویں حقیقت: اور ان ہی کو موقع نہ دینے کی بنا پر تم نے کافی عرصہ کے بعد قرآن کا لکھنا اور پڑھنا شروع کیا تھا اور نہ اس سے پہلے نہ تم قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور نہ ہی قرآن اپنے دہنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔یعنی

چھٹی حقیقت: ایک طویل زمانہ ایسا گزرا جس میں نہ کہیں نبوت کا ذکر کیا گیا نہ کتاب یعنی قرآن پڑھ کر عام لوگوں کو سُنایا گیا نہ یہ ظاہر ہونے دیا گیا کہ محمدؐ کو لکھنا اور لکھا ہوا پڑھنا آتا ہے۔

ساتویں حقیقت: اور اگر حضوؐر لکھنا پڑھنا شروع ہی سے جاری رکھتے تو حقیقت واقعی کو چھپانے والا مندرجہ بالا گروہ کہتا کہ حضوؐر نے اپنے والدین اور چچا ابو طالب علیہ السلام سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا اور یہ قرآن بھی اُن کی مدد اور اپنی محنت سے خود ہی تیار کرلیا ہے۔اور یہ کہ یہ تو اقتدار کی لکھی پڑھی گھریلو اسکیم ہے۔لہٰذا ان کا منہ بند رکھنے کے لئے کورے ان پڑھ اور نبوت سے ناواقف اور قرآن سے بے بہرہ بنے رہے۔

آٹھویں حقیقت: مگر وہ مکمل کتاب، برابر اُن لوگوں کے سینوں میں، اپنی آیات کی شکل میں موجود رہتی رہی ہے، جن کو مکمل علم دیا جاچکا تھا۔اور ہماری اُن ہی آیات کی موجودگی پر بھی وہی گروہ سوچی سمجھی مخالفت کررہا ہے جو یہ نہیں چاہتا کہ قرآن کے الفاظ میں بجنسہٖ احکام نافذ کئے جائیں۔(مائدہ 47 تا 5/44)

7۔ وہ نتائج جو یہاں تک قرآن کی آیات سے، مودودی کی تشریحات اور احادیثِ فریقین سے اللہ و محمدؐ و علیؑ و قرآن کے لئے مرتّب ہوئے

1) عالمِ انوار سے لے کر اپنی مادی صورت میں آنے تک محمد و علی فاطمہ و حسن اور حسین اور دیگر آئمہ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین اللہ کی ذات وصفات سے حدِّ امکان تک متعارف ہوچکے تھے اور اس قابل تھے کہ تمام مخلوقات کو ان کی فطری گنجائش تک اللہ سے متعارف کراسکیں اور ان کو اللہ سے ملنے والا تمام سامان نشو و نما ترقی و بقا کے لئے پہنچا سکیں اور ملکوت السماوات، بقول مودودی نظامِ حکومت کائنات چلانے میں اپنی تخلیق کا

مقصد پورا کرسکیں۔انہوں نے ہرمخلوق اورتمام اشیائے کائنات کی تخلیق اور طریقہ تخلیق دیکھا ہر شے سے عملاً تعارف حاصل کیا اوراس طرح وہ تفصیلی علم بھی جذب کرلیا جس کے لئے فرمایا گیا کہ ’’تجھے وہ سب کچھ تعلیم دے دیا جو تو نہ جانتا تھا(عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا O(4/113)اور تیرے اوپر تو اللہ کا عظیم ترین فضل جاری تھا‘‘یعنی حضورؐ سے لاعلمی اور جہل کی نفی کردی گئی تھی۔اور یہی تفصیل کائنات وہ کتاب تھی جو آپؐ کے ساتھ ساتھ چلتی اور بڑھتی گئی اور یہ سب کچھ حضورؐ اور حضورؐ کے نوری ساتھیوں کے ساتھ ساتھ رہتا چلا آیا اور یہی مطلب ہے مندرجہ بالا آیات (49 تا 29/47) میں ان لوگوں کا جنہیں درحقیقت قیامت تک کے لئے کتاب دی گئی تھی (فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ) جو آنحضرتؐ کے بعد نوع انسان وجنات کی تعلیم وترقی کے ذمہ دار تھے۔جو ہر اُس سوال کا جواب دینے کے ذمہ دار بنائے گئے جو کائنات میں سے کسی بھی چیز کے لئے دریافت کیا جائے۔جن کا منصب ہی یہ تھا کہ وہ جن وانس کو لامحدود قدرتیں اور ابدی حیات عطا کریں۔وہ سب نہ وحی کے محتاج تھے نہ جبرئیل کی انہیں احتیاج تھی۔جبرئیلؑ تو ان ملائکہ میں سے ایک ملک تھا جنہیں حضرت آدم علیہ السلام نے تعلیم دی تھی جو سب کے سب اجتماعی طور پر آدمؑ کے سامنے سجدہ میں گرے تھے(حجر 15/30)۔

جبرئیل ہو یا کوئی اور فرشتہ ہو۔تمام ملائکہ ادارہ نبوت ورسالت وامامت کے آلات ووسائط تھے۔اوراس ادارہ کی ذمہ داریاں بجالانے کے ذرائع تھے۔ان کے اشاروں پر چلتے تھے ان کی اوران کے گھر والوں کی خدمات انجام دیتے تھے۔جس طرح ہمارا دماغ سوچنے سمجھنے کا آلہ ہے اسی طرح لفظ’’وحی‘‘’’جبرئیل‘‘ کا استعمال ہوا ہے اور وہ حقیقی صورت حال کی ترجمانی نہیں کرتے بلکہ قریشی لیڈروں کا منہ بند کرنے کے لئے بطورِ ڈاٹ (plug) کام کرتے ہیں۔لوگوں سے رسولؐ اللہ نے کچھ باتیں ازراہ <u>توریہ</u> فرمائی ہیں یا خود قریش نے گھڑ کر پھیلائی ہیں۔مشہور یہ ہے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوا تئیس سال تک اترتا رہا۔مگر ایک بھی آیت اس شہرت یافتہ بات کی تصدیق کے لئے قرآن میں نہ ملے گی۔البتہ سارا قرآن پوری کتاب کا اترنا جگہ جگہ اور خود زیرگفتگو تینوں آیات (49-29/47) میں بھی دو دفعہ ملے گا۔مودودی بھی مجبور ہوئے ہیں کہ اس حقیقت کو بجبر واکراہ تسلیم کریں۔

<u>**2) قرآن اپنی قوت سے منوا کر چھوڑتا ہے کہ وہ پورا کا پورا بیک وقت نازل ہوا تھا۔**</u>

مندرجہ ذیل آیات کا مودودی ترجمہ اور تشریح دیکھیں۔

حٰمٓO وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ O اِنَّـآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ O فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ O اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ O (دخان 5-44/1)

ح۔م،قسم ہے اس کتاب مبین کی کہ ہم نے اسے ایک بڑی خیر وبرکت والی رات میں نازل کیا ہے کیونکہ ہم لوگوں کو متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔یہ وہ رات تھی جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے۔ہم ایک رسولؐ بھیجنے والے تھے‘‘ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 559)

<u>**مودودی کی تشریح اور بے بسی اور قریشی علما کا پروپیگنڈا مشین؟**</u>

علامہ اور قریشی مشینری کا کاروبار’’اس کے بعد مزید بات یہ فرمائی گئی ہے کہ وہ بڑی خیر وبرکت والی رات تھی <u>جس میں اسے نازل کیا گیا</u>۔<u>اس رات میں قرآن نازل کرنے کا مطلب</u> بعض مفسرین نے یہ لیا ہے کہ ’’<u>نزول قرآن کا سلسلہ اس رات شروع ہوا</u>‘‘ اور بعض مفسرین اس

کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ ''اس رات میں پورا قرآن ام الکتاب سے منتقل کر کے حامل وحی فرشتوں کے حوالے کر دیا گیا اور پھر حالات و وقائع کے بمطابق حسب ضرورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر 23 سال تک نازل کیا جاتا رہا'' صورت معاملہ کیا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے'' (ایضاً صفحہ 559) مودودی اور قریشی علما بہرحال یہ نہیں کہنا چاہتے کہ رسوؐل اللہ اور کچھ اور مکمل علم کے ازلی عالم پورے قرآن کے عالم و حامل تھے۔ ورنہ ان کی ناوِلانہ اسکیم تباہ ہوجائے گی۔

3) جبرئیلؑ کا آنا جانا وحی سنانا اور یوں رسوؐل کا کانوں سے سن کر قرآن لینا غلط ہے

قرآن اور رسوؐل کے متعلق جہاں اور افسانے غلط ہیں وہاں یہ بات بھی قرآن میں نہیں ملتی کہ جبرئیل وحی لے کر آتا جاتا تھا اور جو وحی لاتا تھا وہ رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا ہو کر سناتا تھا اور رسوؐل اللہ کانوں سے سن کر قرآن کی آیات دماغ میں محفوظ کرتے جاتے تھے۔ اور یوں ہی تیئیس (23) سال تک کانوں کے ذریعہ پورا قرآن وصول کیا تھا۔ اس کے خلاف قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بھی وہی بات کہی ہے جو آنحضرؐت کے جانشینوںؑ اور ازلی علماؑ کیلئے فرمائی تھی۔ یعنی قرآن درحقیقت ان ہی حضرؐات کے لئے بھیجا گیا تھا اور آیت وار اُن کے سینوں میں ودیعت کیا ہوا موجود تھا (49 تا 29/47 عنکبوت) رسوؐل اللہ کے ذمہ چونکہ قرآن کی تمہیدی تعلیم تھی اور وہ پہلے محمدؐ کی حیثیت سے قوم کو قرآن پہنچانے کے ذمہ دار تھے اس لئے ان کے قلب مبارک پر بھی پورا قرآن نازل کر دیا گیا تھا فرق یہ تھا کہ حضوؐر کی فوری ضروریات پوری کرنے کے لئے قرآن کے ساتھ جبرئیلؑ کو بھی نازل کر دیا تھا جو عہد رسوؐل میں رسوؐل کی خدمت میں رہا۔ ان کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور انؑ کے بعد باقی آئمہ علیہم السلام کے ساتھ رہتا اور متعلقہ خدمات انجام دیتا رہا۔ لہٰذا قریش ساز تمام قصے بکواس ہیں۔ قرآن سنئے۔ اور جیسا کیسا مودودی کا ترجمہ پڑھئے:۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَO نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُO عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَO (شعراء 194 تا 26/192)

''یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانتدار روح اُتری ہے۔ تاکہ تُو اُن لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلقِ خدا کو) متنبّہ کرنے والے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 534-535)

ترجمہ پر ایک نظر۔ قرآن نازل کرنے والا اللہ ہے جبرئیل نہیں۔ الفاظ ''لے کر'' ضرور تاً بڑھادیئے ہیں۔

پہلی آیت میں اللہ نے قرآن کے نازل کرنے کی بات کی ہے مگر مودودی قرآن کی جگہ نازل کردہ چیز لکھتے ہیں۔ یہ بات نوٹ کریں کہ یہاں لفظ ''قرآن'' خود لکھنا چاہئے تھا۔ مگر یہاں ضرورت کے باوجود قرآن نہیں لکھا بلکہ چیز لکھی۔ اور جہاں قرآن کی عبارت میں ''قرآن'' لکھنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ مودودی کو اپنے عقیدے کے لئے ضرورت تھی وہاں بلاضرورتِ قرآنی لفظ قرآن بڑھایا ہے۔ (حوالہ آنے والا ہے)

مودودی کا عقیدہ چاہتا ہے کہ جبرئیل قرآن کو لے کر آئے اور رسوؐل اللہ کو دے اس لئے لفظ ''بِہٖ'' کے غلط معنی اپنی طرف سے ''لے کر'' بڑھادیئے۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ: ''اللہ نے قرآن کے ساتھ جبرئیلؑ کو بھی حضوؐر کے قلب پر اتار دیا تھا'' اور بس۔

علامہ رفیع الدینؒ کا لفظی ترجمہ دیکھ کر مودودی کی چالاکی پکڑیں۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُO (26/193) ''اُترا ہے ساتھ اس کے روح الامین''

بات سیدھی سیدھی یوں ہے کہ پہلی آیت (26/192) میں اللہ نے قرآن کو اپنا اُتارا ہوا فرمایا۔ لہٰذا قرآن قلب محمدؐ پر اُترا اور قرآن کے

ساتھ جبرئیل بھی قلبِ محمدیؐ پراُترا لہٰذا ظاہر ہے کہ نہ وہ خود اُترا نہ قرآن خود اُترا۔معلوم ہوا کہ اللہ نے قرآن کواور جبرئیلؑ کوساتھ ساتھ قلب محمدؐ پر اُتار دیا تھا۔اورنہ بار بار آنے جانے کی ضرورت رہی نہ تھوڑا تھوڑا قرآن لاکر سُنانے اور رٹانے کی گنجائش رہی۔قرآن جب بھی اُترا ہو، سارا اُترا تھا اوراسی وقت سے جبرئیل قلب محمدؐ پراتارا ہوا ساتھ ساتھ رہا۔لہٰذا قریشی کہانیاں اوراس سلسلے کے سارے ناول وافسانے بکواس وتہمت ٹھہرے۔

جبرئیلؑ کا قلبِ محمدؐ پراُترنا قرآن میں دوبارہ بھی بیان ہوا ہے۔

قریشی بکواس کی مکرر تردیداورعلامہ کی طرف سے اُس بکواس کی مزید تائید کے لئے قرآن پڑھیے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔۔۔۔الخ (بقرہ 2/97)

مودودی کا بکواس کی تائید میں ترجمہ:۔

''اِن سے کہو کہ جو کوئی جبرئیلؑ سے عداوت رکھتا ہو، اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ جبرئیل نے اللہ ہی کے اذن سے یہ قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 96)

ترجمہ رفیع الدین ''۔کہہ جو کوئی دشمن ہے واسطے جبرئیل کے پس تحقیق اُس نے اُتارا ہے اُس کو اوپر دل تیرے کے ساتھ حکم اللہ کے''۔

قرآن کی تائید میں ہمارا ترجمہ ''اُن (یہودیوں) کو بتاؤ کہ جبرئیل سے عداوت غلط ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اُسے اللہ نے اپنے قانون کی رُو سے (بِاِذنِ اللہ) آپؐ کے قلب پر نازل کردیا ہے''

مودودی کے ترجمہ کی غلطیاں۔ سب سے پہلے تو سابقہ حوالے والی بات دیکھئے کہ اس آیت (2/97) میں لفظ قرآن نہیں آیا اور نہ ضرورت تھی۔ مگر مودودی نے اپنی افسانوی ضرورت پوری کرنے کے لئے یہاں لفظ ''قرآن'' بڑھایا ہے۔پھراس آیت میں قرآن کا تو قطعاً ذکر ہے نہ نام ہے اورنہ دوبارہ جبرئیل کا نام آیا ہے۔مگر مودودی نے اپنے عقیدہ کو چپکانے کے لئے جہاں لفظ قرآن کا اضافہ کیا ہے وہیں جبرئیل بھی دوبارہ لکھ دیا تاکہ قرآن کا محمدؐ کے قلب پر لے کرآنا ثابت ہوجائے۔علامہ رفیع الدین کے ترجمہ سے مدد لیں اور دیکھیں کہ وہاں نہ تو دوبارہ جبرئیل کا لفظ آیا نہ قرآن آیا بلکہ ''اس نے اتارا ہے اس کو'' لکھا گیا ہے جو قرآن کے الفاظ کے عین مطابق ہے علامہ نے ''اُس نے'' کی جگہ ''جبرئیل'' اور ''اُس کو'' کی جگہ ''قرآن'' لکھ کراپنا عقیدہ سیدھا کرلیا ہے۔

چونکہ اللہ یہ فرماچکا ہے کہ:

''اللہ نے قرآن کواور قرآن کے ساتھ جبرئیل کو قلب محمدؐ پر خود اتارا تھا'' لہٰذا وہی مطلب اس آیت (2/97) میں بھی برقرار ہے کہ ''اللہ نے اپنے قانون وفرمان کے مطابق جبرئیل کو قلب محمد پراُتارا تھا'' اور بس۔

4) وحی اور جبرئیلؑ کی آڑ میں قریشی لیڈروں نے آنحضرتؐ کی شرمناک توہین کی ہے۔نزولِ وحی کے دوران حواس باختہ ہوجانا، مرگی ایسا دورہ پڑنا

قارئین کرام نے وحی اور جبرئیلؑ کے متعلق جو کچھ بھی سُنا یا پڑھا ہے وہ یہ سمجھ کر نہیں پڑھا ہے کہ وہ تمام قریشی لیڈروں کے خانہ ساز اور توہین انگیز افسانے ہیں جن کا قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اُن ملاعین نے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان میں کرتب دکھانا اور قلابازیاں (Acrobatics) کھانا شروع کیں جنہیں دیکھ کر آنحضرتؐ بھاگ کھڑے ہوئے، دوڑتے بھاگتے، گرتے پڑتے، ہانپتے کانپتے گھر پہنچے، سردی چڑھی ہوئی تھی، کپڑا مانگا اوراوڑھ کرلیٹ گئے۔سردی اُتری

اور خوف کم ہوا تو اپنا ماجرا حضرت خدیجہ علیہا السلام کو سُنایا انہوں نے بتایا کہ وہ فرشتہ تھا۔ وہ حضورؐ کو لے کر ورقہ بن نوفل یہودی عالم کے پاس گئیں جس نے تصدیق کی کہ کرتب دکھانے والا فرشتہ وہی تھا جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا کرتا تھا۔ یعنی رسولؐ اللہ سے خدیجہ اور ورقہ کو زیادہ عقل منداور عالم دکھایا گیا ہے۔ اُن خبیثوں نے یہ بھی مشہور کررکھا ہے کہ وحی اُتارنے سے پہلے اللہ اپنے رسولؐ کو ہوش وحواس اور عقل وارادہ سلب کر کے اُنہیں اپنے قابو میں کرلیتا تھا۔ تاکہ وہ وحی کے الفاظ میں اپنے الفاظ نہ ملاسکیں یعنی اگر رسولؐ کو ان کے ہوش وحواس میں رکھا جاتا تو وہ ناقابل اعتماد تھے۔ یا یہ کہ منکرین خود اعتبار نہ کرتے کہ رسولؐ کے منہ سے جو کچھ نکل رہا ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔ لہٰذا وحی کے آثار میں یہ لکھا گیا ہے کہ نزول وحی سے پہلے آپ کا چہرہ سُرخ اور تمتما جاتا تھا۔ آنکھیں چڑھ جاتی تھیں ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ جاتے تھے، سردی لگتی تھی۔ ٹھنڈا پسینہ آتا تھا اور ذرا دیر بعد وہی حال ہو جاتا تھا جو مرگی کے دورے سے ہوا کرتا ہے۔ اور سب دیکھنے والے پہلے ہی چہرہ بگڑتا دیکھ کر سمجھ جاتے تھے کہ بس اب وحی آنے والی ہے۔ یہ بھی لکھا گیا ہے آپؐ کا جسم اتنا وزنی ہو جاتا تھا کہ آپؐ کی سواری کا جانور بیٹھ جاتا تھا ظاہر ہے کہ جب جبرئیل سواری گانٹھ لے تو وزن تو آپ ہی کئی گنا ہو جانا چاہئے۔ یہ اور ایسی بہت سی بکواس قریشی علما نے اپنی معتبر ترین حدیث کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔

وحی کے متعلق مودودی نے کیا لکھا؟

''اور اس بنا پر بھی اس کو بھاری کلام کہا گیا ہے کہ اس کے نزول کا تحمل بڑا دشوار کام تھا۔ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپؐ اپنا ایک زانو میرے زانو پر رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے زانو پر اُس وقت ایسا بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا اب ٹوٹ جائے گا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے زمانے میں حضور پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے۔ آپ کی پیشانی سے اس وقت پسینہ ٹپکنے لگتا تھا (بخاری، مسلم، مالک، ترمذی، نسائی) ایک اور روایت میں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ جب کبھی آپ پر ایسی حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپ اونٹنی پر بیٹھے ہوں تو اونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیتی تھی۔ اور اس وقت تک حرکت نہ کرسکتی تھی جب تک نزولِ وحی کا سلسلہ ختم نہ ہو جاتا۔ (مسند احمد، حاکم، ابن جریر)'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 128)

5) مودودی نے حضرت خدیجہؓ اور ورقہ بن نوفل والا واقعہ لکھ کر رسولؐ کو ایسا شخص لکھا جسے رسول بنائے جانے کا علم نہ تھا۔ جبرئیل کی احمقانہ کوشش

مودودی نے سورۃ العلق کی ذیل میں وہ پورا واقعہ لکھا ہے جس سے رسولؐ اللہ خوفزدہ ہو گئے اور خدیجہؓ و ورقہ نے تسلی دی اور جبرئیل کا تشخص کیا تھا۔ یہ افسانہ لکھتے ہوئے علامہ کہتے ہیں کہ:

''فرشتے نے آ کر آپؐ سے کہا ''پڑھو'' اس کے بعد حضرت عائشہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتی ہیں کہ ''میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں'' اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو، میں نے کہا ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں'' اس نے دوبارہ مجھے بھینچا اور میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو، میں نے پھر کہا ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں'' اُس نے تیسری دفعہ مجھے پھر بھینچا یہاں تک کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ (پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا) یہاں تک کہ مَالَمۡ یَعۡلَمۡ (جسے وہ نہ جانتا تھا) تک پہنچ گیا'' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانپتے لرزتے ہوئے وہاں سے پلٹے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچ کر کہا ''مجھے اڑھاؤ، مجھے اُڑھاؤ'' چنانچہ آپ کو اڑھا دیا گیا۔ جب آپ پر سے

خوفزدگی کی کیفیت دور ہوگئی۔۔۔۔۔'' وغیرہ وغیرہ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 392-393)

جبرئیل یا تو بہرا تھا یا عربی زبان نہ جانتا تھا بہر حال تھا کورا جاہل، آزمودہ را آزمودن، اور وہ فرشتہ بھی نہ تھا۔

ان شیطانی افسانوں میں اللہ و رسوؐل کے ساتھ ساتھ جبرئیل کو بھی ذلیل وخوار کر دیا گیا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل نے تینوں مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں'' سنا ہی نہیں اس لئے کہ وہ بہرا تھا۔یا اگر سُنا تھا یعنی بہرا نہ تھا تو وہ حضوؐر کے جواب کو سمجھا ہی نہیں اور برابر بھینچتا اور چھوڑتا رہا۔یا شاید یہ سمجھا کہ رسوؐل کا جسم دُکھ رہا ہے اور انہیں مٹھی چاپی کی ضرورت ہے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ اس نے ہر دفعہ حضوؐر کے جواب کو سمجھا تو اسے پہلی دفعہ وہی کام کرنا چاہئے تھا جو اس نے آخر میں کیا۔یعنی خود پڑھ کر سنا دیتا اور سرکار اس کی نقل میں پڑھ دیتے۔شاید وہ سینہ سے لگا لگا کر اور دبا دبا کر آنحضرتؐ کو پڑھا لکھا شخص بنا دینا چاہتا تھا ۔مگر سوال یہ ہے کہ جب وہ اپنی پہلی کوشش میں ناکام ہو گیا اور جو منتر پڑھا تھا اس کا اثر نہ ہوا تو آزمودہ را آزمودن کے ماتحت حماقت سے دوبارہ کیوں وہی حرکت کی؟ غالبًا اس کا خیال یہ تھا کہ تیسری دفعہ میں یہ شخص لکھا پڑھا آدمی بن جائے گا۔لہٰذا تیسری دفعہ زور لگا کر آخر سمجھ گیا کہ یہ آدمی قابو میں نہ آئے گا۔

کیا اس دبانے اور بھینچنے میں جبرئیل نے قرآن کے مطابق اللہ کی مرضی، اجازت یا حکم لیا تھا؟ یا خود ہی رگڑا مارا تھا۔

مودودی اور قرآن بتاتے ہیں کہ فرشتے اللہ کے حکم کے بغیر اپنی طرف سے نہ کچھ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں ''یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ (تحریم 66/6) وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ (النحل 16/50)۔''وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 30)

لہٰذا اگر وہ فرشتہ تھا تو اللہ ہی نے اُسے یہ ترکیب بتائی تھی کہ تم اسے بھینچنا تو وہ پڑھنے لگے گا۔معلوم ہوا کہ اللہ بھی اپنی ترکیب میں ناکام ہوا۔پھر علامہ کہتے ہیں کہ:۔

پہلی وحی بقول مودودی لکھی ہوئی آئی تھی:۔

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نے وحی کے یہ الفاظ لکھی ہوئی صورت میں آپ کے سامنے پیش کئے تھے اور انہیں پڑھنے کے لئے کہا تھا۔کیونکہ اگر فرشتے کی بات کا مطلب یہ ہوتا کہ جس طرح میں بولتا جاؤں آپ اسی طرح پڑھتے جائیں تو حضوؐر کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 396)

اب اگر وہ جبرئیل جسے اس افسانے میں دکھایا گیا ہے فرشتہ تھا تو اُسے از خود رسوؐل کو دبانا اور بھینچنا نہ چاہئے لہٰذا وہ فرشتہ نہ رہا۔پھر معلوم ہوا کہ اللہ کو اس کی خبر ہی نہیں کہ جسے وہ رسوؐل بنا رہا ہے وہ لکھا پڑھا آدمی نہیں تو وحی کو لکھوا کر کیوں بھیجا؟ اور اگر وہ نام نہاد جبرئیل از خود لکھ لایا تو پھر فرشتہ نہ رہا جاہل شخص بن گیا۔اور پھر علامہ خود قرآن سے جاہل ہیں۔وہاں ملائکہ کو لکھا پڑھا نہیں کہا گیا ہے۔

مودودی نے اپنے جبرئیل کی شان میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

''ان میں عقلی اور جسمانی، دونوں طرح کی قوتوں کا کمال پایا جاتا ہے'' (تفہیم القرآن)

عقلی قوت کا کمال آپ نے دیکھ لیا کہ اُسے کہا جا رہا ہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں مگر وہ ہے کہ حماقت پر حماقت کئے چلا جا رہا ہے۔اللہ سے دریافت کئے بغیر خود ہی لکھی ہوئی وحی لاتا ہے۔اُدھر مودودی ہیں کہ اپنے راہنما قریش کے تیار کردہ افسانوں کو قرآن پر فٹ کرنے کے لئے قرآن کے خلاف خود ہی لکھی ہوئی وحی لانے کا اعلان کر دیتے ہیں۔اور رسوؐل اللہ کو اپنی رسالت سے جاہل مانتے اور لکھتے چلے جاتے ہیں۔اور جو

دل چاہتا ہے قرآن کے نام پر لکھتے جاتے ہیں۔

رسولؐ کو جبرئیل کے آنے کے وقت تک اپنی نبوت کا علم نہ تھا اچانک حادثہ تھا

مودودی نے مندرجہ بالا وحی کا خود ساختہ افسانہ لکھا اور اس افسانے کو قرآن کا مقام دے کر یہ عقیدہ مضبوط کیا کہ نبی کو اچانک نبی بنا دیا جاتا ہے پہلے سے اسے وہم تک بھی نہیں ہوتا کہ وہ نبی ہے یا نبی بننے والا ہے۔ یعنی اللہ نہ کسی کو نبوت کے لئے تیار کرتا ہے نہ کسی تیاری کی ضرورت سمجھتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے رستے میں راہ چلتے ہی نبی بنا دیا کرتا ہے اور خود بھی مار پیٹ کر اور جبرئیل سے پٹوا کر سیدھا کر لیا کرتا ہے۔ سنئے:۔

''یہ قصہ خود اپنے منہ سے بول رہا ہے کہ فرشتے کی آمد سے ایک لحہ پہلے تک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے خالی الذہن تھے کی آپ نبیؐ بنائے جانے والے ہیں۔ اس کا طالب ومتوقع ہونا تو درکنار آپ کے وہم وگمان میں بھی یہ نہ تھا کہ ایسا کوئی معاملہ آپؐ کے ساتھ پیش آئے گا۔ وحی کا نزول اور فرشتے کا اس طرح سامنے آنا آپ کے لئے اچانک ایک حادثہ تھا'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 393)

علامہ شبلی اس منہ بولتے قصہ پر اور مودودی قسم کے عقیدے پر تنقید کرتے ہیں۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ: ''حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصہ اول کی شرح میں معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ ''ایک پیغمبرؐ کو نبوت میں کیوں کر شک ہو سکتا ہے؟ اور ہو تو کسی عیسائی کے تسکین دینے سے کیا تسکین ہو سکتی ہے؟ پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ نبوت ایک امر عظیم ہے اس کا تحمل دفعتاً نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔۔ محدث مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''وحی بار بار اس لئے رُک جاتی تھی کہ آپ رفتہ رفتہ اُس کے برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں'' (شبلی کا اعتراض) لیکن جب کہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ:۔

''نبوت سے پہلے سفر شام میں بمقام بُصرٰی جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے اُس کی تمام شاخیں آپؐ پر جھک آئیں جس سے بحیرا راہب نے آپؐ کے نبیؐ ہونے کا یقین کیا''؟ اور جب کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''میں اُس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا'' تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیوں کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''فرشتے کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا کہ جس سے آپؐ اس قدر خوفزدہ ہو جاتے تھے کہ ایک دفعہ تسکین ہو جانے کے بعد بھی بار بار آپؐ کو اضطراب ہو جاتا تھا؟'' (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 204-203)

یہ ہیں قریشی حکومتوں اور ان کے علماء کے خود ساختہ افسانے جن کو خود سُنی محققین ناپسند کرتے اور جھوٹا سمجھتے ہیں۔ مگر علامہ مودودی ایسے دشمنِ رسولؐ علما آج تک اپنی تفسیروں میں لکھتے اور قرآن کی آیات کو کھینچ تان کر فٹ کرتے چلے جا رہے ہیں۔

6) قرآن کو قریشی افسانوں پر ڈھالنے اور جبرئیل کو رسولؐ پر مُسلط کرنے کی آخری مثال یہ کہ آنحضرتؐ وحی وصول کرنے میں اناڑی تھے۔

اب ہم وہ آیات لکھتے ہیں جن میں اللہ نے قرآن کے مکمل نازل ہو چکنے اور قریش کو جو تنبیہات کرنا تھیں کر چکنے، اور ان کے ردّ عمل کا انتظار کرنے اور اللہ کی حکومت قائم کرنے میں جلدی نہ کرنے اور اس سلسلے میں مزید علم حاصل کرنے کی باتیں کی ہیں۔ مگر مودودی اور ان کے راہنماؤں نے ان تمام مطالب کو الٹ کر مذکورہ بالا افسانوں اور عقائد کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی ہے اور ظاہر ہے کہ حقائق کو بدلنے اور اُلٹنے کے لئے قرآن میں معنوی تحریف وتبدیل اور اضافوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مودودی اینڈ کمپنی کی اس کوشش کو پوری طرح سمجھنے کا موقع دینے کے لئے ہم مودودی کا ترجمہ اور تشریح پہلے لکھیں گے تا کہ اس کا جو اثر ہمارے قارئین پر ہو سکے وہ پہلے ہو لے۔ اس کے بعد ہم ان کے ترجمہ وتشریح پر تنقید

کریں گے تاکہ وہ حقیقت سامنے لاسکیں جسے چھپانے کے لئے مودودی اوران کے ہم مذہب علما چودہ سو سال سے مسلسل کوشاں رہتے اور پورا زور لگاتے چلے آئے ہیں اور شیعہ مجتہدین بھی تقریباً جبرئیل اور وحی کے تصور میں ان سے متفق ہیں۔یعنی ہم تنہا ہیں جو ساری نام نہاد اسلامی دنیا کے خلاف قرآن کے حقیقی معنی پر اصرار کرتے ہیں۔چنانچہ دو آیات پڑھیے اور قرآن کے الفاظ کے ساتھ مودودی کے ترجمہ کو جانچیے:۔

وَكَذٰلِكَ اَنزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَافِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا O فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًاO(سورہ طٰہٰ 114-20/113)۔

مودودی ترجمہ:''اوراے محمدؐ اسی طرح ہم نے اسے عربی قرآن بنا کرنازل کیا ہےاوراس میں طرح طرح سے تنبیہات کی ہیں۔شاید کہ یہ لوگ کج روی سے بچیں یااِن میں کچھ ہوش کے آثاراس کی بدولت پیدا ہوں۔پس بالا و برتر ہےاللہ بادشاہِ حقیقی۔اور دیکھوقرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو جب تک کہ تمہاری طرف اُس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے،اور دعا کروکہ اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر''(تفہیم القرآن 3 صفحہ 128)

اس ترجمہ پر بہت غورفرمائیں اس لئے کہ اسی ترجمہ پر مودودی کی آنے والی تشریح کا دارومدار ہے۔

مودودی کی تشریح۔اول''۹۰ اس طرح کے فقرے(فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ)قرآن میں بالعموم ایک تقریر کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمائے جاتے ہیں،اورمقصود یہ ہوتا ہے کہ کلام کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر ہو''(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 128)

دوم''۹۱ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقّ پر تقریر ختم ہو چکی تھی۔

2۔اس کے بعد رخصت ہوتے ہوئے فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بات پر خبردار کرتا ہے جو وحی نازل کرنے کے دوران میں اس (فرشتہ) کے مشاہدے میں آئی۔3۔بیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا گیا،4۔اس لئے پیغام کی ترسیل مکمل کرنے کے بعد اب وہ اس کا نوٹس لے رہا ہے۔5۔بات کیا تھی جس پر یہ تنبیہ کی گئی،اُسے خود تنبیہ کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں۔6۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا پیغام وصول کرنے کے دوران میں اُسے یاد کرنے اور زبان سے دُوہرانے کی کوشش فرمارہے ہوں گے۔7۔اس کوشش کی وجہ سے آپ کی توجہ بار بار بٹ جاتی ہوگی۔ 8۔سلسلہ اخذِ وحی میں خلل واقع ہو رہا ہوگا۔9۔پیغام کی سماعت پر توجہ پوری طرح مرکوز نہ ہو رہی ہو گی۔10۔اس کیفیت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ۔11۔آپ کو پیغامِ وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جائے۔12۔اور بیچ بیچ میں یاد کرنے کی کوشش جو آپ کرتے ہیں اس سے منع کر دیا جائے''(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 128-129)مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

7) اس بیان اوراس عقیدے کو تقویت دینے کے لئے ایک اور مقام پر وحی وصول کرنے میں غلطی۔

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ طٰہٰ کا یہ حصہ ابتدائی زمانے کی وحیوں میں سے ہے۔ابتدائی زمانے میں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اخذ وحی کی عادت اچھی طرح نہ پڑی تھی۔ آپ سے کئی مرتبہ یہ فعل سرزد ہوا ہے۔اور ہر موقع پر کوئی نہ کوئی فقرہ اس پر آپ کو متنبہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔سورہ قیامت کے نزول کے موقع پر بھی یہی ہوا تھا۔اور اس پر سلسلہ کلام کو توڑ کر آپ کو ٹوکا گیا تھا کہ

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ،ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ(29 تا 75/16)

''۔اسے یاد کرنے کی جلدی میں۔2۔اپنی زبان کو بار بار حرکت نہ دو۔3۔اسے یاد کرادینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔4۔لہٰذا جب ہم اسے سنا رہے ہوں تو۔5۔غور سے سنتے رہو۔6۔پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے''سورۃ الاعلیٰ میں بھی آپ کو

اطمینان دلایا گیا کہ ہم اسے پڑھوادیں گے اور آپ بھولیں گے نہیں'' سَنُقْرِئُکَ فَلا تَنْسٰی بعد میں جب آپؐ کو پیغاماتِ وحی وصول کرنے کی مہارت حاصل ہوگئی تو اس طرح کی کیفیات آپ پر طاری ہونی بند ہوگئیں اسی وجہ سے بعد کی سورتوں میں ایسی کوئی تنبیہہ ہمیں نہیں ملتی''(تفہیم القرآن جلد3 صفحہ 129)

یہ ہے مودودی اینڈ کمپنی کا وہ تمام ابلیسی ذخیرہ جس میں انہوں نے جبرئیل کو ماسٹر اور رسولؐ کو وحی وصول کرنے کے قابل بھی بمشکل مانا ہے۔اب آپ ہمارے ساتھ ساتھ اُس فریب ساز کا ترجمہ پہلے دیکھیں۔

<u>8)۔مودودی کے ترجمہ میں سے ان کا کیا ہوا اضافہ خارج کردیں تا کہ اُن کا گھروندا گر جائے۔</u>

قارئین مودودی کا ترجمہ دوبارہ دیکھیں اور سوچیں کہ اُن دونوں آیات (طٰہٰ 114-20/113) میں کون سے عربی الفاظ ہیں جن کے ترجمہ میں تین جملے لکھے گئے ہیں: 1۔''اور دیکھو''۔2۔''قرآن پڑھنے میں''۔3۔''تکمیل کو نہ پہنچ جائے''؟

قارئین نوٹ کرلیں کہ ان تینوں جملوں کے لئے اس آیت (20/114) میں کوئی لفظ یا گنجائش نہیں ہے مقابلہ کے لئے آپ علامہ رفیع الدّین کا ترجمہ ملاحظہ کرلیں۔وہ لکھتے ہیں کہ:۔

<u>ترجمہ رفیع الدین</u>:''اور بہت بلند مرتبہ ہے اللہ بادشاہِ برحق اور مت جلدی کر ساتھ قرآن کے پہلے اس سے کہ تمام کی جاوے طرف تیری وحی اُس کی اور کہہ اَے رب میرے زیادہ دے مجھ کو علم''۔

دیکھا آپ نے کہ وہ تینوں جملے علامہ مودودی کی جیب خاص سے اضافہ کئے گئے ہیں۔قرآنی الفاظ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔البتہ ان کا تعلق علامہ کے باطل یا ابلیسی عقیدے سے ہے جو قرآن سے نہیں بلکہ شیطان سے لیا گیا ہے۔

<u>9)۔دونوں آیات (114-20/113) پر دوبارہ معنوی نظر ڈالیں اور قرآن کی اور رسولؐ کی حیثیت متعین کریں۔</u>

قارئین یہ دیکھیں کہ مودودی نے پہلی آیت (20/113) میں پورے قرآن کا نازل ہوچکنا مانا ہے۔چنانچہ ان کے ترجمہ کا پہلا جملہ یہی تو ہے کہ: ''اور اَے محمدؐ اسی طرح ہم نے اُسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے''اور یہ ترجمہ قرآن کے الفاظ کا سو فیصد صحیح ترجمہ ہے اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ:

1)''ہم عربی قرآن بنا کر نازل کریں گے۔یا یہ کہ:

2)''ہم عربی قرآن بنا بنا کر نازل کررہے ہیں۔یا یہ کہ:

3)ہم عربی قرآن بنا کر کچھ نازل کرچکے اور کچھ نازل کرنا باقی ہے۔

مودودی کے ترجمہ کا اگلا جملہ بھی قرآن کے مطابق ماضی کا ذکر کرتا ہے یعنی:

1)ہم نے طرح طرح سے تنبیہات کی ہیں''یعنی

2)ابھی قرآن میں اور تنبیہات کرنا باقی نہیں چھوڑا ہے جتنی تنبیہات کرنا تھیں کردیں یا کرچکے ہیں اب صرف ان کا ردّعمل دیکھنا ہے۔

3)یعنی''شاید کہ یہ لوگ کجروی سے بچیں یا ان میں کچھ ہوش کے آثار اس کی بدولت یعنی قرآن کی بدولت پیدا ہوں''

قارئین غور کریں کہ یہ آیت (20/113) مکمل قرآن کا نازل ہوچکنا ثابت کررہی ہے۔اور اسی لئے اگلی آیت میں رسول اللہ سے یہ نہیں کہا گیا کہ:۔

1)''تم قرآن کی آیت یا آیات کے ساتھ جلدی نہ کرو'' بلکہ یہ فرمایا کہ:۔

2) ''تم مکمل قرآن یا پورے قرآن (بالقرآن) کے ساتھ جلدی نہ کرو''

یعنی پورا قرآن رسولؐ کے پاس موجود ثابت ہوا۔اور یہ بھی کہ آنحضرتؐ کو جس عُجلت سے منع کیا گیا ہے وہ پورے قرآن سے متعلق عُجلت ہے۔نہ کہ جزوی عجلت؟ اب بتایئے کہ مودودی کا وہ شیطانی تصور کہاں گیا جو ترجمہ میں اضافہ اور فریب سے پیدا کیا گیا تھا؟ اور پھر یہ سوچئے کہ مودودی کو یہ اطلاع کہاں سے اور کس ذریعہ سے ملی کہ؟:

''رخصت ہوتے ہوئے فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بات پر خبردار کرتا ہے۔جو وحی نازل کرنے کے دوران اس کے مشاہدے میں آئی۔بیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا گیا اس لئے پیغام کی ترسیل مکمل کرنے کے بعد اب وہ اس کا نوٹس لے رہا ہے'' (ایضاً صفحہ 128)

ان دونوں آیات میں یا پوری سورہ طٰہٰ میں کہیں فرشتہ کا نام ونشان تک نہیں ہے۔اور نہ اللہ کا وہ حکم ہی موجود ہے جس کی رُو سے فرشتے نے رسولؐ اللہ کو خبردار کیا تھا۔اور یہاں کہیں یہ بھی نہیں ہے کہ اس جگہ پیغام کی ترسیل مکمل ہوئی ہے۔پھر مودودی نے یہ کہا ہے کہ آیت کا یہ حصہ اللہ کے پیغام سے خارج ہے بلکہ فرشتے کا اپنا قول ہے کہ:۔ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡکَ وَحۡیُہٗ۔

ہمارا ترجمہ اور حقیقت واقعی سننے سے پہلے مودودی کو ان کی اپنی تنبیہ سُنا دیں۔

مودودی صاحب کو ان کا اپنا ایک بیان یاد نہیں انہوں نے فرمایا تھا کہ:۔

''کسی شخص کا دل اگر قرآن کی بات پر یقین نہ کرنا چاہتا ہو تو اُسے صاف کہنا چاہئے کہ میں اس بات کو نہیں مانتا۔لیکن یہ بڑی اخلاقی بزدلی اور علمی خیانت ہے کہ آدمی قرآن کے صاف صاف الفاظ کو توڑ مروڑ کر اپنے من مانے معنی پر ڈھالے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ قرآن کے بیان کو مانتا ہے حالانکہ دراصل قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اُسے نہیں بلکہ خود اپنے زبردستی گھڑے ہوئے مفہوم کو مانتا ہے''۔(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 563)

قارئین وہ لوگ تو خیانت کار ہوتے ہیں جو الفاظ کے معنی تبدیل کر کے اپنا کوئی اور مفہوم گھڑ لیں لیکن اس شخص کو فریب کار و دشمنِ خدا و رسولؐ اور لعنتی کہنا پڑے گا۔جو بلا الفاظ کے آیات کے ساتھ اپنا گھڑا ہوا مفہوم چسپاں کرتا چلا جائے۔

10) آیات (20/113-114) کا سیاق وسباق ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ،اور مودودی کا بے کار گردانا ہوا بنیادی وحقیقی مفہوم حکومت الٰہیہ۔

مودودی نے اللہ کے اس بنیادی وحقیقی جملے کو کسر کا مصرعہ یا حمد وثنا کہہ کر آیات سے خارج کر دیا کہ:۔فَتَعٰلَی اللّٰہُ الۡمَلِکُ الۡحَقُّ (20/114) اور اس سے اگلے جملے کو فرشتہ کا جملہ یا تنبیہہ کہہ کر سلسلہ کلام خداوندی ہی سے خارج کر دیا۔پھر اس فری سٹائل کبڈی کے بعد جو کومینٹری کی ہے وہ آپ نے دیکھ لی ہے۔اور کومینٹری (Commentary) ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ چار یاری بے رحمانہ احتمالات بھی بے دریغ جڑ دیئے:۔

1۔وحی کا پیغام وصول کرنے کے دوران میں اسے یاد کرنے اور زبان سے دُہرانے کی کوشش فرما رہے ہوں گے۔

2۔اس کوشش کی وجہ سے آپؐ کی توجہ بار بار بٹ جاتی ہوگی۔

3۔سلسلۂ اخذِ وحی میں خلل واقع ہو رہا ہوگا۔

4۔پیغام کی سماعت پر توجہ پوری طرح مرکوز نہ ہو رہی ہوگی۔

بہرحال آپ ترجمہ پڑھئے اور دیکھئے کہ اللہ نے کیا فرمایا تھا؟

ہمارا ترجمہ:۔''اور اسی تعلیم کے ساتھ ہم نے قرآن کو بھی اُتارا جو عربی زبان میں بھیجا گیا ہے۔اور اُس میں طرح طرح سے اور طرح طرح کی

تنبیہات کردی گئی ہیں اور غلط کاموں پر سزا کا اعلان بھی کردیا ہے (اَلْـوَعِـیْـد) تاکہ شاید یہ قریش تقویٰ اختیار کرلیں۔ یا ان کے سامنے کوئی عبرت انگیز سبق آجائے۔ چنانچہ اے رسولؐ تم بھی انہیں ڈھیل دے کر انتظار کرو اور یہ سوچو کہ اللہ تو عَـلَـوِیّت کا انتہائی مقام رکھتا ہی ہے اور وہ ہر حال میں حقیقی بادشاہ بھی ہے۔ لہٰذا حکومت الٰہیہ اور مکمل قرآن کی تنفیذ میں اُس وقت تک عجلت نہ کرو جب تک القرآن کی عملی تنفیذ کی وحی تمہارے لئے پوری نہ ہو جائے۔ لہٰذا تم عجلت کی بجائے علمی وحی میں اضافہ کی درخواست جاری رکھو' مطلب واضح ہے کہ اگر باقاعدہ حکومتِ الٰہیہ قائم نہ بھی ہو تو اللہ تو بہر حال پوری کائنات کا مطلق العنان بادشاہ ہے۔ یعنی اگر قریش، قومی حکومت بنالیں تو ہماری گرفت سے نکل نہیں جائیں گے۔ لہٰذا جلدی نہ کرو علم میں ترقی مانگو۔ یہاں تک کہ قریش تقویٰ اختیار کرلیں یا ان کے جگانے اور عبرت دلانے کے لئے تیرھی طرح کا دوسرا ذکر (علیہ السلام) اٹھ کھڑا ہو ''یُحدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا'' ''وہ ذکر اُن کے لئے حادثات پیدا کردے''

چنانچہ قارئین دیکھ لیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے خود بھی قریش کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر ہلا ہلا کر تہہ و بالا کیا اور اپنے بعد کے لئے اُن کو تہہ و بالا کئے جاتے رہنے کی بانگ دھل اطلاعات دیں (خطبہ 16) اور پھر تلاش کریں کہ مودودی کے تصورات وقدیم عقائد کا ان آیات (20/113-114) میں کہیں اَتا پتا یا اثر یا شائبہ ملتا ہے؟

<u>11) مودودی کا دوسرا قیامت خیز فراڈ، سورہ قیامۃ کی آڑ لے کر آنحضرتؐ کو وصولِ وحی کے لئے نا قابل اور اناڑی ٹھہرانا۔</u>

اب قارئین کرام مودودی کے دوسرے بیان پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ کس بے دردی اور بددیانتی سے قرآن کے ذمہ اپنے تصورات لگائے گئے ہیں اور اپنی جماعت کے لوگوں کو یہ تصور دیا ہے کہ جو کچھ مودودی نے کہا وہ اللہ نے ان آیات (قیامت 19 تا 75/16) میں فرمایا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن کو ان تمام تہمتوں سے پاک دکھائیں جو قریش اور اُن کے مودودی (ٹائپ) کے علما نے لگائی ہیں اور ساتھ ہی قریش اور مودودی کا کفر اور فریب قارئین کے سامنے رکھ دیں۔

<u>12) مودودی نے آیات (19 تا 75/16) کا ترجمہ پہلے جلد 3 میں کیا ہے پھر چھٹی جلد میں سورہ قیامت میں کیا ہے دونوں ترجموں میں اختلاف اور اضافہ ہے۔</u>

ہم اُن چاروں آیات کو الگ الگ لکھ کر ہر آیت کے نیچے مودودی کے دونوں ترجمے لکھیں گے اور ترجموں میں جو جو اضافہ کیا ہے اُسے بریکٹ میں بند کردیں گے تاکہ اضافہ کردہ الفاظ فوراً سامنے آجائیں۔ اور جس ترجمہ میں بریکٹ برابر نہ ہوں وہاں سمجھ لیں کہ علامہ نے خود اپنے ترجمہ سے اختلاف کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ہم علامہ رفیع الدین کا ترجمہ بھی لکھتے چلیں گے۔ تاکہ مودودی کا اضافہ ثابت ہوتا جائے:

1) لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (75/16)

<u>مودودی کا پہلا ترجمہ:</u> ''اسے (یاد کرنے کی جلدی میں) اپنی زبان کو (باربار) حرکت نہ دو''

<u>دوسرا ترجمہ:</u> ''(اے نبیؐ اس وحی کو) جلدی (جلدی یاد کرنے کے لئے) اپنی زبان کو حرکت نہ دو''

<u>رفیع الدین:</u> ''مت ہلا ساتھ قرآن مجید کے زبان اپنی کو تاکہ جلدی کرے ساتھ اُس کے''

2) اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ (75/17)

<u>مودودی۔1۔</u> ''اسے (یاد کرادینا) اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے''

2۔ ''اس کو(یاد کرادینا)اور پڑھوادینا ہمارے ذمہ ہے''

رفیع الدین: ''تحقیق ہمارے ذمہ پر ہے اکٹھا کرنا اس کا(بیچ دل تیرے کے)اور پڑھنا اس کا(زبان تیری سے)''

3) فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ(75/18)۔

مودودی۔1۔ ''(لہٰذا)جب ہم اُسے(سنارہے ہوں)(تو غور سے سنتے رہو)

2۔ ''(لہٰذا)جب ہم اُسے(پڑھ رہے ہوں)(اس وقت تم اس کی)قرات کو غور سے سنتے رہے''

رفیع الدین: ''بس جس وقت پڑھیں ہم اس کو پس پیروی کر پڑھنے ہمارے کی''

4) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ(75/19)۔

مودودی۔ 1۔ پھر اس کا(مطلب سمجھا دینا بھی)ہمارے ہی ذمہ ہے''

2۔ پھر اس کا(مطلب سمجھا دینا بھی)ہمارے ہی ذمہ ہے''(تفہیم القرآن جلد3 صفحہ 129، تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 167)

رفیع الدین: ''پھر تحقیق ہمارے ذمہ پر ہے بیان کرنا اس کا''

13) یہ تینوں تراجم اور ترجموں میں اضافے اور اختلافات پر ہم بعد میں نظر ڈالیں گے۔

پہلے مودودی کی تشریح اور ان کی نظر میں حضورؐ کی حالت پھر دیکھ لیں۔

مودودی نے جوز ہر تیسری جلد(صفحہ 128)میں اگلا تھا اُسے نئے انداز اور پُرانے الفاظ میں ایک دفعہ پھر دیکھ لیں تاکہ ہم ان کی تمام بکواس کو بیک جُنبش قلم ان کے منہ پر مار سکیں۔ لکھتے ہیں۔

مودودی کی تشریح اور قرآن کے خلاف آنحضرتؐ پر تہمت۔

''ا۔ یہاں سے لے کر''پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے'' تک پوری عبارت ایک جملہ معترضہ ہے۔ جو سلسلہ کلام کو بیچ میں توڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم دیباچہ میں بیان کر آئے ہیں کہ۔1۔ نبوت کے ابتدائی دور، میں جب کہ حضورؐ کو وحی اخذ کرنے کی عادت اور مشق پوری طرح نہیں ہوئی تھی،2۔ آپؐ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کو یہ اندیشہ لاحق ہو جاتا تھا کہ۔3۔ جبرئیل علیہ السلام جو کلام الٰہی آپ کو سنا رہے ہیں۔4۔ وہ آپ کو ٹھیک ٹھیک یاد رہ سکے گا یا نہیں،5۔ اس لئے آپ وحی سننے کے ساتھ ساتھ اسے یاد کرنے کی کوشش کرنے لگتے تھے۔6۔ ایسی ہی صورت اس وقت پیش آئی۔7۔ جب حضرت جبرئیل سورہ قیامت کی یہ آیات آپ کو سنا رہے تھے۔8۔ چنانچہ سلسلہ کلام توڑ کر آپ کو ہدایت فرمائی گئی کہ۔9۔ آپ وحی کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ غور سے سنتے رہیں، اسے یاد کرا دینا۔10۔ اور بعد میں ٹھیک ٹھیک آپ سے پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ 11۔ آپ مطمئن رہیں کہ اس کلام کا ایک لفظ بھی آپ نہ بھولیں گے نہ کبھی اسے ادا کرنے میں غلطی کر سکیں گے۔12۔ یہ ہدایت فرمانے کے بعد پھر اصل سلسلہ کلام''ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے'' سے شروع ہو جاتا ہے''(تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 168-167)

وہ افسانہ جس کی تائید کے لئے ان آیات پر ظلم کیا گیا ہے، پہلے سے معتبر ترین کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ مودودی اپنی سند میں پیش کرتے ہیں۔

مودودی اگلی تشریح میں یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی قابلیت کے متعلق ان آیات میں جو ہیرا پھیری کی ہے وہ نئی نہیں ہے بلکہ قریشی

ریکارڈ میں قدیم سے چلی آ رہی ہے۔یعنی وہ تائید کے لئے مجبور ہے۔سنئے۔

''اوپران آیات کے درمیان یہ فقرے(یعنی آیات 19 تا75/16)بطور جملہ معترضہ آنے کی جوتوجیہہ ہم نے کی ہے وہ محض قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ معتبر روایات میں اس کی یہی وجہ بیان ہوئی ہے۔مسند احمد، بخاری،مسلم،ترمذی،نسائی،ابن جُریر،طبرانی،بیہقی اور دوسرے محدثین نے متعدد سندوں سے حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضوؐر پر قرآن نازل ہوتا تھا۔تو آپؐ اس خوف سے کہ کہیں کوئی چیز بھول نہ جائیں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ وحی کے الفاظ دھرانے لگتے تھے اس پر فرمایا کہ **لا تحرک بہ لسانک۔ ۔** ۔یہی بات شعبی،ابن زید،ضحاک،حسن بصری،قتادہ،مجاہد اور دوسرے اکابر مفسرین سے منقول ہے''۔(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 168)

اگلی تشریح بتاتی ہے کہ احکامات وارشاداتِ خداوندی کا مقصد ومدعا اور منشائے الٰہی سمجھے بغیر رسوؐل اللہ وحی وصول کرتے تھے۔

اب یہ دیکھئے کہ نزولِ قرآن کے دوران رسوؐل اللہ نازل ہونے والی کسی آیت،کسی حکم اور کسی ارشادِ خداوندی کا مطلب اور مقصد نہ سمجھتے تھے صرف آیات کے الفاظ کو رٹتے چلے جاتے تھے۔سنئے:۔

''۱۳؎ اس سے گمان ہوتا ہے اور اکابر مفسرین نے بھی اس گمان کا اظہار کیا ہے،کہ غالباً ابتدائی زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے دوران ہی میں قرآن کی کسی آیت یا کسی لفظ یا کسی حکم کا مفہوم بھی جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کرلیتے تھے۔اس لئے حضوؐر کو نہ صرف یہ ہدایت کی گئی کہ جب وحی نازل ہورہی ہو اس وقت آپؐ خاموشی سے اس کو سنیں اور نہ صرف یہ اطمینان دلایا گیا کہ اس کا لفظ لفظ ٹھیک ٹھیک آپ کے حافظے میں محفوظ کردیا جائے گا اور قرآن کو آپ ٹھیک اسی طرح پڑھ سکیں گے جس طرح وہ نازل ہوا ہے،بلکہ ساتھ ساتھ یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور ہر ارشاد کا منشا اور مدعا بھی پوری طرح آپ کو سمجھا دیا جائے گا''(ایضاً صفحہ 169/168)

14) مودودی کے تراجم اور تشریحات پر ناقدانہ نظر ڈال کر ان میں مذکورہ حق وباطل کو مرحلہ وار الگ الگ کرکے سازش کو واضح کردیں۔

پہلا مرحلہ۔پورے قرآن کی موجودگی ثابت ہوگئی ہے:۔

ان تراجم وتشریحات میں سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ قرآن کے الفاظ اور ترجموں اور تشریحات کے الفاظ پورے قرآن کی موجودگی ثابت کررہے ہیں۔علامہ رفیع الدین نے تو اپنے ترجمہ میں لفظ''قرآن''لکھ بھی دیا ہے:۔ ''مت ہلا ساتھ قرآن مجید کے زبان اپنی کو''

مودودی نے لفظ قرآن تو نہیں لکھا لیکن ضمیریں پورے قرآن کی لکھی ہیں اور تشریحات میں بھی پورے قرآن کی بات کی ہے مثلاً:

مودودی کسی ایک دو آیات کا مطلب سمجھا دینا نہیں لکھتے بلکہ پورے قرآن کا یاد کرانا،پڑھوانا اور مطلب سمجھانا لکھتے ہیں۔اور تیسری تشریح میں تو بات صاف کردی کہ''پورا قرآن زیر گفتگو تھا''،یعنی''اور نہ صرف یہ اطمینان دلایا گیا کہ اس کا لفظ لفظ ٹھیک ٹھیک آپ کے حافظہ میں محفوظ کردیا جائے گا اور قرآن کو آپ ٹھیک ٹھیک اسی طرح پڑھ سکیں گے جس طرح وہ نازل ہوا ہے''یعنی مودودی قرآن کو پورا نازل ہوچکنا لکھ گئے ہیں۔اور اس سے ان کا باطل منصوبہ واضح ہوگیا اور بات یہ ثابت ہوئی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چاروں آیات(قیامت 19 تا75/16) سنائیں تو آپ کو پورے قرآن کے معاملے میں زبان کو ہلانے کے ممانعت ہوگئی نہ کہ کسی ایک آیت میں جلدی کرنے سے روکنا؟ بلکہ پورے قرآن سے متعلق بات ہورہی ہے۔لہٰذا قریشی تہمت باطل ہوگئی۔

دوسرا مرحلہ۔ان آیات میں اضافہ بھی خود کیا اور خود کردہ اضافہ کو خود ہی واقعہ بنا لیا گیا ہے۔

قارئین نے دیکھا ہے کہ جو تہمت قریش نے رسوؐل پر لگائی ہے وہ قرآن کی آیات والفاظ میں نہیں ہے۔یعنی قرآن میں ہرگز یہ نہیں کہا گیا کہ:

’’نزول وحی کے دوران آپؐ آیت یا آیات کو یاد کرنے میں لگ جاتے تھے‘‘

یہی مطلب تو ہے جس کو خود لکھ لیا ہے کہ:

1 ’’یاد کرنے کی جلدی میں زبان کو بار بار ہلانا‘‘ آیت میں نہیں ہے۔

2 ’’یاد کرادینا‘‘ بھی ان آیات میں موجود نہیں ہے۔

3 ’’غور سے سنتے رہو‘‘ بھی موجود نہیں ہے۔اوران تینوں خود ساختہ اضافوں پر وہ مردود وملعون تصور رسوؐل اللہ پر بطور تہمت چپکایا گیا ہے۔یہ اضافے ہٹا لینے کے بعد قریشی تصور بھی ہٹ جاتا ہے۔

تیسرا مرحلہ۔ان آیات میں کہیں جبرئیل کا اور لفظ وحی کا نام ونشان تک نہیں بلکہ اللہ کا قرأت کرنا ثابت ہے۔

مودودی اور مودودی کے بزرگ یہ نہیں چاہتے کہ اللہ کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جبرئیل کے بغیر براہِ راست رابطہ ثابت ہو جائے اس لئے ان تازہ تشریحات میں بھی زبردستی جبرئیل کو لا گھسایا ہے۔حالانکہ ترجمہ میں اللہ کا یہ فرمانا مان لیا ہے کہ:۔

1) جب ہم سُنا رہے ہوں‘‘۔ پہلا ترجمہ

2) جب ہم اُسے پڑھ رہے ہوں‘‘ دوسرا ترجمہ (75/18)

مگر مان لینے کے بعد بھی پسند نہیں یہی ہے کہ حضوؐر کو جبرئیل کے ماتحت محتاج رکھا جائے۔

چوتھا مرحلہ۔اگر قریشی تہمت مان لی جائے تو تہمت اللہ پر قائم ہوتی ہے رسوؐل پر نہیں۔تجربہ کرنے کے بعد تدارک کرنا؟

اگر بالفرض محال یہ مان لیا جائے کہ آنحضرت (معاذ اللہ) وحی وصول کرنے کے دوران منشائے خداوندی کے خلاف کچھ خود فہمیدہ اور احتیاطی تدابیر کرتے تھے تو یہ نہ ان کی غلطی تھی اور نہ مقصدِ الٰہی کے خلاف اعمال تھے۔جب اللہ نے انہیں وحی کے آداب اور وصول کا طریقہ بتایا ہی نہ تھا تو وہ نہ صرف بے خطا تھے بلکہ وحی کے تحفظ میں کوشاں بھی تھے۔اللہ کو جب تجربہ ہوا کہ طریقہ بتائے بغیر وحی میں گڑبڑ ہو رہی ہے تب اس نے، بقول مودودی، حقیقی اور ضروری بیان کو اُدھر میں چھوڑ کر جملہ معترضہ اختیار کیا۔جس سے اُدھر بیان کا تسلسل ٹوٹا اور اِدھر قرآن پڑھنے والوں کے لئے آئندہ ایک مستقل الجھن پیدا ہوگئی ادھر اپنے رسوؐل کو خطا کار بنا دیا۔

پانچواں مرحلہ۔قرآن کریم کا ازسرتاپا بیان ہونا اور ہر شئے کو بیان کرنا بھی غلط ہو گیا۔اور رسوؐل کے لئے وحی جلی یا قرآن بے معنی ہو گیا۔

قریشی منصوبے اور مودودی کی تفہیم سے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ وحی کے ذریعہ سے آنے والی آیات اور سارا قرآن اپنا مقصد و مدعا و مفہوم اپنے اندر نہیں رکھتا تھا اور یعنی رسوؐل کو جتنے احکام قرآن کے اندر ملے ان کو رسوؐل اللہ ساتھ کے ساتھ نہ سمجھتے تھے۔بلکہ

’’ساتھ کے ساتھ یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور ہر ارشاد کا منشا اور مدعا بھی آپؐ کو بعد میں سمجھا دیا جائے گا‘‘

حالانکہ قرآن میں اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ قرآن، رسوؐل تو رسوؐل ہے، سارے انسانوں کے لئے خود بیان ہے۔

هٰـذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ(آل عمران 3/138)۔

''یہ لوگوں کے لئے ایک بیان ہے، اور ہدایت اور نصیحت ہے متقی لوگوں کے لئے''

اور یہ بھی فیصلہ کردیا کہ قرآن تو خود ہر شئے کو صاف صاف اور واضح انداز میں بیان کرنے والا ہے۔ سنئے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَO(سورہ نحل 16/89)

مودودی ترجمہ ''ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کردی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے سر تسلیم خم کردیا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 564)

قارئین سوچیں کہ سارے قرآن کو الگ سے سمجھانے اور اس کا منشا و مدعا اور مقصد بیان کرنے کا عقیدہ کتنا بڑا افراڈ ہے؟ جسے چھپانے کے لئے ان چاروں آیات (قیامت 19 تا 75/16) کو نہ صرف جملہ معترضہ بنایا گیا ہے بلکہ رسولؐ اور اللہ دونوں کو خطا کار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

چھٹا مرحلہ۔ سورہ قیامت پہلی آیت سے اونیسویں (75/1-19) مسلسل ہے نہ سلسلہ کلام ٹوٹا نہ جملہ معترضہ آیا۔ یہ عمر کا قصہ ہے۔

اب قارئین یہ دیکھیں کہ سورہ قیامت میں قیامت کے دن کی اور نفس لوامہ کی قسم کھا کر اللہ ایک ایسے خاص شخص (الانسان) کا عقیدہ بیان کرتا ہے جو اپنے حساب کتاب سے یہ طے کئے ہوئے تھا کہ قیامت میں انسانوں کی گلی سڑی ہڈیوں کو جمع کر کے وہی انسان بنا دینا ممکن نہیں ہے (75/1-3) اور اس کا یہ حساب و انکار اس لئے ہے کہ برابر بدکرداری پر عامل رہے (75/5) اور وہ بطور طنز قیامت کے دن کا تعین بھی چاہتا ہے (75/6) اللہ مسلسل قیامت کی حالت اور اپنی قدرت بیان کرتا ہے (75/4, 9 تا 75/7) پھر بتاتا ہے کہ وہ خاص شخص قیامت واقع ہوجانے پر جائے فرار کی تلاش کرے گا (75/10) اُسے اللہ بتاتا ہے کہ اس دن بھاگنے کا موقع ہی نہ ہوگا اس دن تو تیرے پروردگار کے سامنے ٹھہرنا پڑے گا۔ اس دن اس خاص انسان کو اس کا اگلا پچھلا سب کرا کرایا بتایا جائے گا (75/11-13) اب یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ خاص فرد اپنی ذات اور اپنے کردار پر بصیر ہے وہ خود کو پہچانتا ہے (75/14) یہ دوسری بات ہے کہ اس کے پاس خود کو بچانے کے لئے کچھ عذرات بھی ہیں (75/15)۔ تم اس کے سلسلے میں بالکل دم بخود رہو اور قرآنی اطلاعات دینے میں عجلت نہ کرو تاکہ اس پر اتمام حجت ہوجائے (75/16) اُس کے باقی عمل درآمد کو جمع کر کے اُس کے لئے فیصلہ سنوا دینا ہماری ذمہ داری ہے (75/17) لہٰذا ہم جب اور جتنا اُس کے حالات پڑھوائیں تم خود کو اسی حد تک محدود رکھو اُسے زیادہ نہ بتاؤ (75/18) اس کی پوری اسکیم کا ہر پہلو عوام کے سامنے بیان کرا دینا بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے (75/19) قارئین دیکھیں کہ سورہ قیامت کی یہ اونیس آیات بلا کسی ہیرا پھیری اور کمی بیشی اور معنوی تبدیلی کے مسلسل بیان پیش کرتی ہیں اور برابر کہتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں کہ تمہارے فیصلوں کے مطابق صورت حال نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اسکیم صرف حصول دنیا سے متعلق ہے تم آخرۃ کے پہلو کو قطعاً نظرانداز کر رہے ہو (75/20-21) جب قیامت برپا ہوگی تو اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے اور کچھ چہرے اداس ہوں گے (75/22-24)۔

8۔ اللہ اور محمدؐ و علیؑ میں رابطہ اور تعلق کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے نہ لفظِ وحی کافی ہے نہ کوئی اور لفظ۔

سابقاً یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جبرئیلؑ اور دیگر ملائکہ اور ارواح تخلیقِ محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ صلوٰۃ علیہم اجمعین کے لاانتہا سال بعد پیدا کئے گئے تھے۔ لہٰذا یہ سوچنا اور سمجھنا کہ ان حضراتؑ سے اللہ کا رابطہ جبرئیلؑ یا روح الامین کے ذریعہ سے قائم تھا بہت غلط خیال ہے۔ جس کے لئے قرآن و حدیث سے دلیل نہیں مل سکتی۔ اور حضورؐ کا سب سے پہلے پیدا کیا جانا ایک ایسی حقیقت ہے جو کتب احادیث ہی تک محدود نہیں، جو صرف شیعوں ہی

نے نہیں بلکہ اہلسنت علما نے بھی مانی اور لکھی ہے اور عربی تاریخوں ہی میں نہیں بلکہ اردو زبان کی تواریخ میں بھی موجود ہے۔

(8۔الف) ملائکہ اور ارواح ہی نہیں بلکہ عرش و کرسی اور لوح محفوظ وغیرہ بھی حضوؐر کے بعد اور حضوؐر کے لئے اور حضوؐر ہی سے پیدا ہوئے۔

مولوی محمد صالح صاحب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ:

''مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''اول ما خلق اللّٰہ نوری یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا''

پہلے تمام شے کے خدا نے ظہور سے پیدا نبیؐ کا نور کیا اپنے نور سے

غرض اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپؐ کے نور کو پیدا کیا پھر اس نورؐ سے تمام عالم کو جلوۂ ظہور میں لایا۔آسمان،زمین،ستارے چاند،سورج،انبیاءؑ، اور اولیاء وغیرہ سب اُسی نور کے پرتو ہیں۔چنانچہ امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ میں یہ حدیث صحیح لکھتے ہیں کہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند جابر بن عبدؓاللہ تک پہنچائی۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا۔اے پیغمبرؐ خدا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں مجھ کو بتلایئے کہ وہ کون سی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے پیدا کیا تھا؟ فرمایا:

''اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبیؐ کا نورؐ اپنے نورؐ سے پیدا کیا پھر وہ نورؐ قدرت سے پھرنے لگا جہاں اللہ نے چاہا۔اس وقت نہ تختی (لوحِ محفوظ) تھی نہ قلم نہ باغ (جنت) نہ آگ (جہنم) نہ کوئی فرشتہ نہ آسمان نہ زمین نہ سورج نہ چاند نہ جن نہ کوئی انسان تھا۔پھر جب اللہ نے چاہا کہ مخلوق کو پیدا کرے تو اُس نورؐ کے چار حصے کئے پہلے حصے سے قلم کو بنایا۔دوسرے حصے سے تختی (لوح محفوظ) تیسرے سے عرش کو۔پھر چوتھے حصے کے چار حصے کئے پہلے حصے سے عرش کے اٹھانے والوں کو پیدا کیا۔دوسرے سے کرسی کو تیسرے سے سے باقی فرشتوں کو۔پھر چوتھے حصے کے چار حصے کئے۔پہلے سے آسمانوں کو بنایا۔دوسرے سے زمینوں کو تیسرے سے باغ (جنۃ) اور آگ (جہنم) کو۔پھر چوتھے حصے کے چار حصے کئے پہلے سے ایمان والوں کی نگاہوں کا نور بنایا،دوسرے سے ان کے دلوں کا نور بنایا اور یہ اللہ کی پہچان ہے۔تیسرے سے ان کی زبانوں کا نور بنایا۔اور وہی اللہ کا اکیلا (واحد) جاننا ہے''۔(صفحہ 5-6) ملک دین محمد تاجر کتب لاہور کی شائع کردہ)

سوچیے کہ جبرئیل اور وحی کے کیا معنی ہوئے؟ اور قریش کا زیر بحث ابلیسی منصوبہ کہاں گیا۔

(8۔ب) آنحضرؐت اور آئمۂ معصومینؑ تو علومِ خداوندی کے محافظ و معلم اور وحی الٰہی کا ذخیرہ ہیں ہر وحی و علم ان کے یہاں سے جاری ہوتے تھے۔

تعلیماتِ قرآن وحدیث کی روشنی میں آنحضرؐت پر وحی و جبرئیل کا آنا وہ حربہ ہے جس سے قریشی تخریب کاروں کا منہ بند کر کے رکھا گیا (عنکبوت 29/48-49) اور ان کے ہتھکنڈوں کو بے اثر کیا گیا ہے۔ورنہ محمدؐ میں نہ صرف وحی و جبرئیل داخل ہیں بلکہ یہ پوری کائنات تفصیلِ محمدؐ کی مختلف صورتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

(الف) علومِ خداوندی،وحی،حجۃ الٰہی اور فرمانرؤایانِ خداوندی پر چند احادیث۔

عَنْ عَبْدِالرحمٰن بن کثیر قال:سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰہ علیہ السلام یَقُوْلُ:نَحْنُ وُلاۃ اَمْرِ اللّٰہِ وَخزنَۃ عِلْمِ اللّٰہِ وَ عیبۃ وحی اللّٰہ۔

1) ''عبدالرحمٰن بن کثیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا فرماتے تھے کہ ہم فرمانروایان خداوندی ہیں۔اور علم الٰہی کے نگران،محافظ اور خزینہ دار ہیں اور وحی خداوندی کا ذخیرہ اور مستقر ہیں''۔

سوچئے کہ ایسی صورت میں قریش کے خودساختہ جبرئیل اوروحی کا کیا مقام ہے؟اور سنئے:

عَنْ سدیر عَنْ ابی جعفر علیه السلام قال:قُلْتُ لَهٗ :جَعَلْتُ فَدَاک مَااَنْتُمْ ؟قال :نَحْنُ خُزّان علم اللّٰه وَنَحْنُ تَرجَمَةُ وَحی اللّٰه وَ نَحْنُ الْحُجّة البالغة عَلٰی مَنْ دُوْن السَّمآءِ وَمَنْ فَوْقُ الْاَرض۔

2)''حضرت سُدیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ قربان جاؤں آپ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ ہم علم خداوندی کے محافظ ونگران اور ذخیرہ رکھنے والے ہیں،ہم ساری مخلوق کے لئے اللہ کی وحی کا ترجمہ کرکے سمجھانے والے ہیں اور ہم فضاؤں، ہواؤں زمین اور آسمان کی تمام مخلوقات پر اللہ کی پہنچنے والی حجت ہیں''۔

پھر سوچئے کہ جبرئیل اپنی تمام بضاعت وحیثیت کے بعد بھی کتنا حقیر سا مقام رکھتا ہے جو قریشی علماء نے بیان کیا ہے؟

(اصول کافی کتاب الحجت باب ان الآئمة ولاۃ امر اللّٰه و خزنة علمه)(حدیث نمبر1-3)

نظامِ اجتہاد ومشاورت ابلیسی نظام ہے۔اور یہ تمام اہلِ مذاہب جانتے ہیں کہ ابلیس نے انبیاء علیہم السلام کے خلاف محاذ قائم کیا تھا۔حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ وہ تمام علما جو حضرت آدم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو سجدہ کا حقدار نہیں سمجھتے وہ بلاشبہ ابلیس کے محاذ کو برقرار رکھنے والے اور ابلیس کے فرض شدہ نصیب وحصہ کے علما ہیں اور ہم ابلیس اور اس کے متبعین کو لعنتی ،جہنمی اور راندۂ درگاہِ خداوندی یقین کرتے ہیں۔(نسا 121 تا 4/119)

یہاں صاحبانِ ایمان کیلئے سب سے بڑی بزرگی سجدہ کا حق دار ہونا ہے۔اور ظاہر ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً مسجودِ ملائکہ وجبرئیل ہیں ان پر بھی فرض ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ اور اللہ کی طرح محمدؐ وآل محمدؐ پر ہر وقت درود وسلام بھیجتے رہیں۔ذرا دیر بعد ہم دکھائیں گے کہ ملائکہ تو عام ملائکہ ہیں اس دروازہ پر تو ملک الموت بھی بلا اجازت نہ آتا تھا۔اس گھر کے تکیوں میں ملائکہ کے پر بھرے جاتے ہیں۔جبرئیل یہاں چکی پیستا تھا۔بچوں کا گہوارہ اور جھولا جھلانا اپنی انتہائی عزت وعظمت سمجھتا تھا۔اور قریش ادارہ نبوت کی توہین کرنے کیلئے جبرئیل کو(معاذ اللہ) حضورؐ کا معلّم اور ہدایت کار بناتے رہے ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں جبرئیل کے نام کے ساتھ کوئی ایسی آیت دکھاؤ جو اسے صاحبِ علم وارادہ واختیار ہی ثابت کردے؟ وہ تمام ملائکہ کی طرح ایک مجبور مخلوق ہے اور نوع انسان سے گھٹیا درجہ میں ہے۔محمدؐ وعلیؑ اور ان کے جانشین آئمہؑ ہرگز جبرئیل اور وحی کے محتاج نہ تھے جو کہتے تھے وہی علم الٰہی ہوتا تھا۔وہی مرکز نزولِ وحی تھے اور وہاں سے ساری کائنات میں عموماً اور جبرئیل ومیکائیل واسرافیل وعزرائیل علیہم السلام کو خصوصاً وحی جاری ہوتی تھی اور یہ اجراء وحی جبرئیل کا محتاج نہ تھا۔ان حضراتؑ کا اپنا بندوبست ونظام تھا اور یہ چاروں اور تمام ملائکہ ان کے اس نظام کے ادنیٰ خادم تھے۔چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اس خطبے(نمبر 16)ہی میں نہیں بلکہ ہر ہر خطبے میں اور ہر ہر بات میں، ہر نقل وحرکت میں جو کچھ فرماتے یا کہتے تھے وہ سب عین علم الٰہی اور منشاء رضائے خداوندی ہوتا تھا۔اللّٰھم صلی علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ۔

(ب)قریش نے ابلیس کا انتقام لینے کے لئے محمدؐ وآلؑ محمدؐ کا مرتبہ کم کرنے کی کوشش کی ہے۔مگر وہؑ تو ملائکہ کے مرکز تنزیل ہیں۔

قریشی مذہب کے علما کو بتاؤ کہ وہ حضرات،صلوٰۃ اللہ علیہم تو مختلف الملائکہ ہیں جہاں ہر لحہ فرشتوں کے غول کے غول ان کے گرد چکر لگانے اور ان کا طواف کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔آیئے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کا شکوہ سنئے:

عَنْ اَبی الْجارُود قَالَ:قَالَ عَلی بن الحیسنؑ علیه السلام:مَا یَنْقَمُ النَّاسُ مِنَّا؟فَنَحْنُ وَاللّٰهِ شَجَرَۃُ النُّبُوَّۃ وَبَیْتُ الرَّحْمَةِ وَ مَعْدَنُ الْعِلْمِ وَمُخْتَلِفُ الْمَلَائِکَةُ.